بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائلِ اعمال

جلد دوم

فضائل صدقات — فضائل حج

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پہلا ایڈیشن

ماہ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۱۳ء

Designed	تسہیل و تزئین
AHEM Charitable Trust	اہم چیریٹیبل ٹرسٹ

Contact : Idara DEENIYAT, Opp. Maharashtra College, Bellasis Road, Mumbai Central, Mumbai - 400 008

Tel. : 022 - 23051111 • Fax : 022 - 23051144

Website : www.deeniyat.com • E-mail : info@deeniyat.com

عرضِ ناشر

فضائل اعمال ایک مقبول ترین کتاب ہے، اس کی اہمیت وافادیت ہر ایک کے درمیان مسلم ہے، اس کتاب کے ذریعے بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے اور ان کی دینی وایمانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا ہے اور اس کی افادیت مسلسل وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ ادارۂ دینیات، ممبئی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس کو اکابر امت کے مشوروں سے ایسی اہم ترین کتاب کو کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کر کے امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت میسر ہوئی۔ اس نسخے میں مندرجہ ذیل امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے:

(۱) مروجہ نسخوں سے ملایا گیا؛ خاص طور پر مظاہر علوم (جدید) سہارنپور کے امین عام مولانا شاہد صاحب کے پاس موجود قدیم نسخے سے از اول تا آخر مراجعت کی گئی ہے۔

(۲) الف: مشکل الفاظ کی تسہیل حاشیے میں کی گئی ہے، لفظی ترجمے کے بجائے سیاق وسباق کی مناسبت سے معنی کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ب: تمام ''فارسی اشعار'' کا اُردو میں ترجمہ حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔

ج: عربی عبارات کے ترجمے حسبِ ضرورت حاشیے میں دے دیے گئے ہیں۔

(۳) صحابۂ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وتابعین رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ کے ناموں اور مشکل الفاظ واسماء پر حرکات لگائے گئے ہیں۔

(۴) احادیث پر بالاستیعاب اعراب لگائے گئے ہیں۔

(۵) مآخذ سے رجوع کر کے احادیث کی کتابتی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔

(۶) ''ص'' کو پورا ''صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' اور ''رض'' کو پورا ''رَضِيَ اللهُ عَنْهُ'' لکھا گیا ہے۔

(۷) ''آیاتِ قرآنیہ'' کو قرآن ہی کے رسم الخط میں رکھا گیا ہے۔ نیز ''سورۃ'' اور ''آیت نمبر'' بھی دے دیا گیا ہے۔

(۸) ''حدیثوں'' کے ترجمے عربی عبارت کے سامنے رکھے گئے ہیں، حدیث کے تشریح وفوائد نئے پیراگراف سے شروع کیے گئے ہیں اور پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے قرآن وحدیث کی عربی عبارت کو دو سطروں کے بیچ میں رکھا گیا ہے۔

(۹) حتی الامکان رموز اوقاف واملا کی رعایت کی گئی ہے۔

(۱۰) تمام کتبِ فضائل کی فہرست کتاب کے ابتدا میں یکجا کر دی گئی ہے۔

(۱۱) سہولت کے خاطر ہر کتاب کو ممتاز کرنے کے لیے ٹیگ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے اور دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

مقدمہ فضائل اعمال

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کسے خبر تھی کہ چودھویں صدی میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے صدیقی شیوخ کی چند عظیم الشان ہستیوں میں سے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے اِحیاء کا کام اس طرح لیں گے کہ عرب وعجم سیراب ہوگا، جس کا آغاز تو مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے ہو گیا تھا، مگر جوں جوں وقت گذرتا گیا آفتابِ ہدایت کی شعاعیں بلند ہی ہوتی گئیں، یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے برادرِ محترم مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مشائخ عظام کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا اور ایک عظیم الشان دین کی خدمت کے لیے قبول فرما لیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے ایک عظیم اہم کام کے لیے منتخب فرمایا جسے تبلیغ ودعوت کی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ آپ امت کی اصلاح کے لیے نہایت مضطرب اور بے چین تھے ہر وقت یہی فکر دامن گیر تھی، ساری ساری رات روتے اور کراہتے گزر جاتی تھی، بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ[1]۔

بعض اوقات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے، میرے اللہ! میں کیا کروں کچھ ہوتا نہیں، کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اُٹھ اُٹھ کر ٹہلنے لگتے، ایک رات والدۂ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی، فرمایا کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں، بعض اوقات دیکھنے والوں کو ترس آتا اور تسکین دیتے، بعض مرتبہ اس جوش کے ساتھ گفتگو کرتے کہ معلوم ہوتا سینہ میں تنور گرم ہے، حمیتِ اسلامی اور جذبات کا ایک طوفان برپا ہے، زبان ساتھ نہیں دیتی اور الفاظ ومساعدت نہیں کرتے، بعض مرتبہ پورا دردِ دل کہنے کے بعد غالب کے مشہور شعر کو بڑی لطیف ترمیم کے ساتھ پڑھتے۔

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا —— کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

یہاں تک کہ آپ شوال ۱۳۴۴ھ میں دوسرے حج کے لیے اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ روانہ ہو گئے، مولانا کی دینی دعوت میں ہے اور "مدینہ طیبہ کا زمانہ جب ختم ہوا اور رفقاء چلنے کے لیے تیار ہوئے تو انھوں نے مولانا کو عجیب بے چینی واضطراب میں پایا، آپ کسی طرح مدینہ منورہ سے جدا ہونے کے لیے راضی نہ تھے، کچھ دن توقف کے بعد رفقاء نے مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پھر ذکر کیا آپ نے مولانا کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ تم ان سے چلنے

---

(۱) حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت۔

کے لیے اصرار نہ کرو، ان پر ایک حالت طاری ہے یا تو تم اتنا انتظار کرو کہ یہ از خود تمہارے ساتھ چلے جائیں یا تم خود چلے جاؤ یہ بعد میں آجائیں گے چنانچہ رفقاء ٹھہر گئے۔

مولٰنا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے دوران میں مجھے اس کام (تبلیغ) کے لیے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے، کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کر سکوں گا؟ کسی عارف سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، بس کام لینے والے کام لے لیں گے''۔

اس سے بڑی تسکین ہوئی اور آپ نے مدینہ منورہ سے مراجعت فرمائی، پانچ مہینے حرمین میں قیام رہا اور تیرہ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کو کاندھلہ واپسی ہوئی دراصل مولانا کے دل میں اس سفر حج میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ ساری دنیا غفلت، جہالت اور دین سے بے طلبی کے ایک حصار میں گھری ہوئی ہے جس کی وجہ سے دین پر چلنا تقریباً ناممکن ہوگیا ہے، جب تک لوگوں کو ان کے اس ماحول اور مشاغل سے نکالا نہ جائے گا اور اہل اللہ اور بزرگانِ دین کی مجالس میں پھرایا نہ جائے گا اور اس نقل وحرکت میں دین کے بنیادی عقائد اور فرائض اور دین کی عمومی تعلیم کا عادی نہ بنایا جائے گا، دین کی طلب پیدا نہیں ہوسکتی، اس لیے مولانا نے لوگوں کو اپنے مشاغل سے نکلنے، گھروں کو چھوڑنے اور اپنے اخراجاتِ سفر خود برداشت کرنے اور اس راہ کی جہد و مشقت برداشت کرنے اور دین کے سیکھنے اور سکھانے اور جماعتیں بنا بنا کر قرنِ اول کی طرح ملکوں ملکوں پھرنے کی دعوت دینی شروع کردی، میوات سے اپنے پاس بستی حضرت نظام الدین دہلی میں آنا اور یہاں سے میوات اور یوپی کو جماعتیں بنا کر روانہ کرنا شروع کیا، چنانچہ پہلی جماعت اپنے وطن کاندھلہ کو روانہ فرمائی۔

مولانا جس کام کو شروع فرماتے تھے اپنی تمام قوتوں کو اس پر صَرف فرمادیتے تھے، دینی دعوت میں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مولانا کی زندگی کا اصلی جوہر جس نے ان کو خدمت دین کے اس بلند مقام تک پہونچایا تھا ان کی بلند ہمتی ہے، خدمت دین اور اصلاحِ مسلمین کی کسی ابتدائی منزل پر مولانا کی بے قرار طبیعت نے قرار نہ پایا جب تک اس کو اصلی منزل نہ مل گئی اس نے کہیں دم نہ لیا اور کہیں آرام نہیں کیا''۔

جماعتوں کی نقل وحرکت میں ایسی کتابوں کی ضرورت پیش آئی جس میں ملت کے تمام طبقات مل جل کر صحیح دینی زندگی کی ایک ساخت پر ذہن بنا سکیں اور آپس میں کسی اختلاف یا افتراق کا شائبہ تک نہ آسکے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ''فضائل اعمال'' کی کتابیں لکھوائی گئیں؛ چنانچہ حکایاتِ صحابہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر: ''فضائل قرآن مجید'' حضرت حافظ محمد یٰسین صاحب نگینوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر: ''فضائل نماز، فضائل ذکر، فضائل تبلیغ، فضائل رمضان'' حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر اور ''فضائل صدقات و فضائل حج''، وغیرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی گئیں اور مسلمانوں کی

(۱) حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت۔

موجودہ پستی کا واحد علاج'' مولانا احتشام الحسن صاحب خلیفہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و مرشد کی تعمیل حکم میں تصنیف فرمائی۔ یہ سب کتابیں جماعتوں کی تعلیم میں بے حد مفید ثابت ہوئیں، عرب و عجم میں ان کے فوائد و برکات نمایاں طور پر ظاہر ہوئے اور عربی، انگریزی اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے شائع ہوئے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک گرامی نامہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھتے ہیں: ''میرے عزیز! اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس (تبلیغ) کے فروغ کا سبب ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے یہ جیسی تبلیغ کی نہایت فائدہ بخش اور اصولِ اسلام کو حاوی، نہایت سہل اور نہایت عظیم صورت، اس ناچیز کو عطا فرمائی ہے، یہ ناچیز اس نعمت عظیمہ جلیلہ کی قدر دانی اور شکر گذاری اور تواضع میں اپنے نفس کو بہت ہی کمزور پاکر اس نعمت کے کفرانِ نعمت سے بہت خائف ہے، نیز تمہاری اس ہمت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ بندۂ ناچیز کو اس تبلیغ کے (چھ نمبر اور دیگر ضروری اجزاء کو) اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ مجھے اس کے شکر کی توفیق بخشیں، اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی، ان شاء اللہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دیں، میری اس میں دعاء سے ضرور ہی مدد کیجیو اور میں بھی دعا کرتا ہوں''۔

[ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت]

یہ فضائل کی کتابیں جماعتوں کی نقل و حرکت میں اجتماعی تعلیم و تدریس کے لیے نہایت ضروری قرار دی گئیں اور صرف انھیں کتابوں کی تعلیم مفید سمجھی گئی۔

ان کے علاوہ دوسری مستند علماء کی تصانیف کو انفرادی مطالعہ کے لیے نافع سمجھا گیا مسائل کی تعلیم کو بھی ضروری سمجھا گیا؛ مگر انفرادی مطالعہ میں۔

فضائل کا درجہ مسائل سے قبل

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: ''فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے، فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین پیدا ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اس سے آدمی عمل کے لیے آمادہ ہوتا ہے، مسائل معلوم کرنے کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا اس لیے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے''۔ [ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ]

کتب فضائل کے ماخذ

کتاب کے آخر میں کتب فضائل کے ماخذ کی تفصیل لکھی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی اہم کتب سے اور کتنی محنت اور توجہ سے کتب احادیث سے فضائلِ اعمال کو ترتیب دیا ہے، واضح ہو کہ وہ کتابیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کا کسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے حوالہ دیا ہے۔ [کتب فضائل پر اشکالات اور اس کے جوابات از مولانا محمد شاہد سہارن پوری]

کتب فضائل کے ماخذ

نمبر شمار	تصنیف	مصنف
۱	بخاری شریف	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۵۶ھ
۲	فتح الباری	ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۸۵۲ھ
۳	اُسد الغابہ	علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۶۳۰ھ
۴	درمنثور	علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۱۱ھ
۵	خصائص کبریٰ	علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۱۱ھ
۶	تاریخ خمیس	شیخ حسین محمد ابن الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۶۶ھ
۷	بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۳۶۲ھ
۸	جمع الفوائد	محمد بن محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۰۹۴ھ
۹	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین بن عبد الرحمٰن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۱۱ھ
۱۰	شہر مشاہیر اسلام	رفیق بک العظم رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۱	مشکوٰۃ شریف	ابوعبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ العمری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۷۳۷ھ
۱۲	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۵۰۵ھ
۱۳	مسلم شریف	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۶۱ھ
۱۴	قیام اللیل	ابونصر محمد بن احمد بن علی مروزی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۴۸۴ھ
۱۵	ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۷۹ھ
۱۶	شمائل ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۷۹ھ
۱۷	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۸ھ
۱۸	بذل المجہود	حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۶ھ
۱۹	شفا	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۵۴۴ھ
۲۰	ابوداؤد شریف	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۷۵ھ
۲۱	مؤطا امام مالک	ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۷۹ھ
۲۲	کتاب الاموال	امام ابوعبید القاسم بن سلاّم رحمۃ اللہ علیہ۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف
۲۳	اقامۃ الحجۃ	حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۴	بیہقی	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۴۵۸ھ
۲۵	درایہ	حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۶	اصابہ	حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۸۵۲ھ
۲۷	قرۃ العیون	شیخ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۶۰۶ھ
۲۸	تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۲۳۹ھ
۲۹	طبقات	محمد بن سعد کاتب الواقدی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۰۳ھ
۳۰	کتاب الامامۃ والسیاسۃ	عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۷۰ھ
۳۱	تلقیح فھوم اھل الاثر	جمال الدین عبدالرحمٰن بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۵۹۷ھ
۳۲	مسند احمد	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۴۱ھ
۳۳	مقدمہ اوجز المسالک	حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
۳۴	ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۷۳ھ
۳۵	سنن دارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن تمیمی دارمی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۵۵ھ
۳۶	استیعاب	حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۴۶۳ھ
۳۷	طبرانی	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۶۰ھ
۳۸	نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب ابن علی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۰۳ھ
۳۹	الترغیب والترہیب	ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۶۵۶ھ
۴۰	ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۵۴ھ
۴۱	مستدرک للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۴۰۵ھ
۴۲	الزواجر	امام ابن حجر المکی الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۷۳ھ
۴۳	مسند بزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۹۲ھ
۴۴	مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۲۳۵ھ

نمبر شمار	تصنیف	مصنف
۴۵	مسند ابو یعلی	احمد بن علی بن المثنی الموصلی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۰۷ھ
۴۶	سنن دار قطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۸۵ھ
۴۷	شرح السنہ	حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۵۱۶ھ
۴۸	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۴۳۰ھ
۴۹	رحمۃ المہتداۃ	علامہ ابوالخیر نورالحسن خاں الحسینی رحمۃ اللہ علیہ۔
۵۰	کنز العمال	علامہ علی متقی برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۷۵ھ
۵۱	مسند ابن خزیمہ	ابوبکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۱۱ھ
۵۲	مسند الفردوس	ابومنصور الدیلمی رحمۃ اللہ علیہ۔
۵۳	مسند ابوعوانہ	یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ۔
۵۴	زادالسعید فی ذکر النبی الحبیب	حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۳۶۲ھ
۵۵	القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع	علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر السخاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۰۲ھ
۵۶	روض الفائق	شیخ شعیب الحریفیش رحمۃ اللہ علیہ۔
۵۷	نزہۃ البساتین	ابومحمد عبداللہ بن اسعد یمنی یافعی رحمۃ اللہ علیہ۔
۵۸	حرز ثمین فی مبشرات النبی الامین	سند ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۱۷۶ھ
۵۹	یوسف زلیخا	مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ۔
۶۰	قصائد قاسمی	قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۶۱	احکام القرآن	حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاص رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۳۷۰ھ
۶۲	عینی شرح بخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۸۵۵ھ
۶۳	مرقات شرح مشکوٰۃ	علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۰۱۴ھ
۶۴	مظاہر حق	نواب قطب الدین خاں بہادر رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۲۸۹ھ
۶۵	فتاویٰ عالمگیری	از علمائے ہندوستان در عہد حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ۔

نمبر شمار	تصنیف	مصنف
۶۶	عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد	شیخ ابوعبدالرحمٰن شرف الحق المعروف بہ محمود اشرف عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۲۶ھ
۶۷	تنبیہ الغافلین	شیخ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۶۰۶ھ
۶۸	جمل	شیخ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ علیہ۔
۶۹	حصن حصین	شیخ شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۸۲۳ھ
۷۰	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۸۰۷ھ
۷۱	کوکب الدری	حضرت شیخ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
۷۲	حجۃ اللہ البالغہ	سند ہند شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۱۷۶ھ
۷۳	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۱۷۶ھ
۷۴	جامع الصغیر	ابوالفضل عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۹۱۱ھ
۷۵	تفسیر کبیر	عماد الدین الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۷۷۴ھ
۷۶	تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۷۴۱ھ
۷۷	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد ابن محمد الحسینی الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۱۲۰۵ھ
۷۸	مستدرک حاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۴۰۵ھ
۷۹	ارواحِ ثلاثہ	ترتیب مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مظاہری رحمۃ اللہ علیہ۔
۸۰	تہذیب التہذیب	شیخ الاسلام احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۸۵۲ھ
۸۱	مسامرات	شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ۔
۸۲	روض الریاحین	شیخ عبداللہ بن اسعد یمنی یافعی رحمۃ اللہ علیہ۔
۸۳	مشیر العزم	جمال الدین عبدالرحمٰن بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۵۹۷ھ
۸۴	الکامل	عزیز الدین علی بن محمد المعروف با ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۶۳۸ھ

جامع احقر انیس احمد بلند شہری
۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ
[سورۂ بقرہ:۱۹۵]

تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فضائل صدقات

حصہ اوّل

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا............اَمَّا بَعد

یہ چند اَوراق[1] اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل میں ہیں، جن کے متعلق اپنے سابِقہ[2] رسالہ ''فضائلِ حج'' کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ چچا[3] جان نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کو اس رسالے کا بہت اہتمام تھا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں بار بار اس کی تاکید فرمائی؛ اور ایک مرتبہ جب کہ عصر کی نماز کھڑی ہو رہی تھی، تکبیر ہوتے ہوئے صف سے آگے منہ نکال کر اس ناپاک کو حکم فرمایا کہ دیکھو! اس کو بھولنا نہیں۔ اس زمانہ میں چچا جان عَلالت[4] کی وجہ سے خود امامت نہ کرتے تھے، اس لیے مقتدیوں کی صف ہی میں وہ بھی شریک تھے۔ اتنے اِصرار اور تاکید کے باوجود اپنی کوتاہی سے اس میں تاخیر ہوتی ہی چلی گئی؛ اور نہ صرف تاخیر بلکہ تقریباً اِلتوا[5] ہی ہو گیا تھا کہ مُقدَّرات[6] سے شوال ۱۳۶۶ھ میں ''بستی حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ'' کا طویل[7] قیام پیش آیا، جیسا کہ رسالہ ''فضائلِ حج'' کے ابتدا میں لکھ چکا ہوں؛ اور اس رسالہ کے اِختتام کے بعد بھی جب سہارنپور واپسی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، تو ۲۴ رشوال ۱۳۶۶ھ میں چہار شنبہ[8] کو اس رسالہ کی ابتدا کر دی گئی۔ حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے اس لطف وانعام اور کرم سے جو میری گندگیوں کے باوجود دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے روز اَفزوں[9] ہیں۔ اس کو تکمیل تک پہونچا کر قبول فرمائے ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ[10] اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۸۸﴾ [سورۂ ھود: ۸۸] اس رسالہ میں سات فصلیں لکھنے کا خیال ہے۔

پہلی فصل	: میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل۔
دوسری فصل	: میں بُخْل کی مَذمَّت۔
تیسری فصل	: میں صلہ رحمی کا خصوصی اِہتمام۔
چوتھی فصل	: میں زکوٰۃ کا وجوب اور فضائل۔
پانچویں فصل	: میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں۔
چھٹی فصل	: میں زہد وقناعت اور سوال نہ کرنے کی ترغیب۔
ساتویں فصل	: میں زاہدوں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کی حکایات۔

حل لغات: (۱) ورق کی جمع۔ (۲) پہلا۔ (۳) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (۴) بیماری۔ (۵) کچھ عرصہ کے لیے کام کا رک جانا۔ (۶) مقدر کی جمع، قسمت۔ (۷) لمبا۔ (۸) بدھ۔ (۹) دن بدن زیادہ ہونا۔ (۱۰) اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف میں (ہر معاملہ میں) رجوع کرتا ہوں۔

فصل اول: مال خرچ کرنے کے فضائل میں

اللہ کے پاک کلام اور اُس کے سچے رسول سَیِّدُ الْبَشَر[1] صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے فضائل اتنی کثرت سے وارد ہیں کہ حد نہیں، اُن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ پیدا ہی اس لیے ہوا ہے کہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ جتنی کثرت سے اس مسئلہ پر ارشادات ہیں، ان کا دسواں بیسواں حصہ بھی جمع کرنا مشکل ہے، نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث کا ترجمہ اپنی عادت کے مُوافِق پیش کرتا ہوں۔

① هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ [سورۂ بقرہ: ۲ تا ۵]	ترجمہ: (یہ کتاب یعنی قرآن شریف) راستہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، جو یقین لاتے ہیں غیب کی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں (ایمان لاتے ہیں) اس کتاب پر بھی جو آپ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اُس صحیح راستے پر ہیں جو اُن کے رب کی طرف سے ملا ہے اور یہی لوگ فلاح[2] کو پہونچنے والے ہیں۔

فائدہ: اس آیت شریفہ میں کئی مضمون قابلِ غور ہیں (الف) راستہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، یعنی جس کو مالک کا خوف نہ ہو، مالک کو مالک نہ جانتا ہو، وہ اپنے پیدا کرنے والے سے جاہل ہو، اُس کو قرآن پاک کا بتایا ہوا راستہ کب نظر آسکتا ہے؟ راستہ اسی کو نظر آتا ہے، جس میں دیکھنے کی صلاحیت بھی ہو، جس میں دیکھنے کا ذریعہ آنکھ ہی نہ ہو، وہ کیا دیکھے گا؟ اسی طرح جس کے دل میں مالک کا خوف ہی نہ ہو، وہ مالک کے حکم کی کیا پرَوا کرے گا؟ (ب) نماز کو قائم رکھنا یہ ہے کہ اس کو اس کے آداب اور شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے پابندی اور اہتمام سے ادا کرے، جس کا تفصیلی بیان رسالہ ''فَضائلِ نماز'' میں گزر چکا ہے، اُس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُس کے رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا کرے، ہَمہ تَن مُتَوَجِّہ[3] رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع وسجود کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔ (ج) فلاح کو پہونچنا بہت اونچی چیز ہے۔ ''فلاح'' کا لفظ جہاں کہیں آتا ہے،

حل لغات: ① تمام انسانوں کے سردار۔ ② کامیابی۔ ③ مکمل طور پر۔

وہ اپنے مفہوم میں دین اور دنیا کی بہبود[1] اور کامیابی کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دُنیوِی فلاح ان خوبیوں کا حاصل کر لینا ہے، جن سے دنیوی زندگی بہترین بن جائے اور وہ بقا[2] اور غنیٰ[3] اور عزّت ہیں اور اُخرَوِی فلاح چار چیزیں ہیں: وہ بقا جس کو کبھی فنا نہ ہو، وہ تونگری[4] جس میں فقر کا شائبہ[5] نہ ہو، وہ عزت جس میں کسی قسم کی ذِلّت نہ ہو، وہ علم جس میں جہل کا دخل[6] نہ ہو اور جب فلاح کو مُطلَق[7] بولا گیا تو اُس میں دین ودنیا دونوں کی فلاح آ گئی۔

② لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ [سورۂ بقرہ: ۱۷۷]

ترجمہ: سارا کمال اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا مُنہ مَشرِق کی طرف کرلو، یا مغرب کی؛ لیکن اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو، اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافروں کو اور لاچاری[8] میں سوال کرنے والوں کو اور (قیدیوں اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو اور نماز کو قائم رکھتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو۔ کہ اصل کمالات یہ چیزیں ہیں، آیتِ شریفہ میں اُن کی بعض اور صِفَات کا ذکر فرما کر ارشاد ہے: کہ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ مُتّقی ہیں۔

فائدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مَشرِق کی طرف نماز پڑھتے تھے، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ اور بھی مُتعدَّد حضرات سے اس قسم کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ [درمنثور]۔ اِمامِ جَصّاص رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیتِ شریفہ میں یہود اور نصاریٰ پر رَدّ[9] ہے کہ جب انہوں نے قبلہ کے مَنسُوخ ہونے (یعنی بَیتُ الْمُقَدَّس کی بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دینے) پر اعتراض کیا، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نیکی اللہ کی اِطاعَت میں ہے، بغیر اس کی اِطاعَت کے مشرق و مغرب کی توجہ کوئی چیز نہیں ہے۔ [احکام القرآن]

''اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو'' کا یہ مطلب ہے کہ ان چیزوں میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی محبت اور خوشنودی[10] کی وجہ سے خرچ کرے، نام ونمود اور اپنی شُہرَت[11]، عزت کی وجہ سے خرچ نہ کرے کہ اس ارادے سے خرچ کرنا نیکی برباد گناہ لازم کے مِصدَاق[12] ہے، اپنا مال بھی خرچ کیا اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں بجائے ثواب کے گناہ ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تمہاری صورتوں اور

حل لغات: ① بھلائی۔ ② باقی رہنا۔ ③ بے نیازی، مالداری۔ ④ مالداری۔ ⑤ شبہ۔ ⑥ اثر۔ ⑦ بغیر کسی قید کے۔ ⑧ مجبوری۔ ⑨ انکار۔ ⑩ رضامندی اور خوشی۔ ⑪ دکھلاوا۔ ⑫ وہ چیز جس پر کوئی معنی بولا جائے۔

تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتے (کہ کتنا خرچ کیا) بلکہ تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کی طرف دیکھتے ہیں (کہ کس نیت اور کس ارادے سے خرچ کیا)۔ [مشکوۃ]

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے تم پر بہت زیادہ خوف شِرکِ[1] اَصغَر کا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! شرکِ اَصغَر کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دکھاوے کے لیے عمل کرنا۔'' احادیث میں بہت کثرت سے دکھاوے کے لیے خرچ کرنے پر تَنبِیہ[2] کی گئی ہے، جو آئندہ آئے گی۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ آیتِ شریفہ میں اللہ کی محبت میں دینا مراد ہو۔ بعض علمانے خرچ کرنے کی محبت کا ترجمہ کیا ہے، یعنی جو خرچ کیا ہے اس پر مَسرُور[3] رہو، یہ نہ ہو کہ اس وقت تو خرچ کر دیا، پھر اُس پر قَلَق[4] ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں خرچ کر دیا، کیسی بیوقوفی ہوئی، روپیہ کم ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ [احکام القرآن]

اور اکثر علماء نے مال کی محبت کا ترجمہ کیا ہے، یعنی باوجود مال کی محبت کے ان مَواقِع میں خرچ کرے۔ ایک حدیث میں ہے: کسی شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! مال کی محبت کا کیا مطلب ہے؟ مال سے تو ہر ایک کو محبت ہوتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مال خرچ کرے تو اس وقت تیرا دل تیری اپنی ضرورتیں جتائے اور اپنی حاجت کا ڈر دل میں پیدا ہو کہ عمر ابھی بہت باقی ہے، مجھے اِحتِیاج[5] نہ ہو جائے۔ ایک حدیث میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو ایسے وقت میں خرچ کرے، جب تندرست ہو، اپنی زندگی اور بہت زمانے تک دنیا میں رہنے کی امید ہو، ایسا نہ کر کہ صدقہ کرنے کو ٹالتا رہے، یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے اور موت کا وقت قریب آ جائے، تو کہنے لگے: اتنا فلاں کو دیا جائے اور اتنا فلانی جگہ دیا جائے کہ اب تو وہ فلاں کا ہو گیا۔ [درمنثور]

مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سے مایوسی ہوگئی اور اپنی ضرورت اور حاجت کا ڈر نہ رہا، تو آپ نے کہنا شروع کر دیا کہ اتنا فلاں مسجد میں، اتنا فلاں مدرسہ میں، حالانکہ اب وہ گویا وارث کا مال بن گیا، اب حلوائی کی دوکان پر[6] نانا جی کا فاتحہ ہے، جب تک اپنی ضرورتیں وَابَستہ[7] تھیں تب تو خرچ کرنے کی توفیق نہ ہوئی، اب جب کہ وہ دوسرے کے یعنی وارث کے پاس جانے لگا، تو آپ کو اللہ واسطے دینے کا جذبہ پیدا ہوا، اسی واسطے شریعتِ مُطَہَّرہ نے حکم دے دیا کہ مرتے وقت کا صدقہ ایک تہائی مال میں اثر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اس وقت سارا مال بھی صدقہ کر کے مر جائے، تو وارثوں کی اجازت بغیر تہائی سے زیادہ میں اُس کی وصیت معتبر نہ ہوگی۔ اس آیتِ شریفہ میں مال کو یتامٰی[8]، مساکین[9] وغیرہ پر خرچ کرنے کو مُستَقِل طور پر ذکر فرمایا ہے اور آخر میں زکوٰۃ کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اِخراجات[10] زکوٰۃ کے علاوہ باقی مال

حل لغات: (۱) چھوٹا شرک۔ (۲) ملامت، ڈانٹ ڈپٹ۔ (۳) خوش۔ (۴) افسوس۔ (۵) ضرورت۔ (۶) یہ اردو کہاوت ہے مطلب یہ کہ پرائے مال کو اپنا سمجھ کر بے سوچے سمجھے خرچ کرنا۔ (۷) متعلق، لگی ہوئی۔ (۸) یتیم کی جمع۔ (۹) مسکین کی جمع، غریب۔ (۱۰) خرچ۔

میں سے ہیں۔اس کا بیان احادیث کے ذیل میں نمبر ایک پر آ رہا ہے۔

③ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ [سورۂ بقرہ:۱۹۵]	ترجمہ:اور تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو (اور خرچ وغیرہ کو) اچھی طرح کیا کرو، بے شک حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

فائدہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' یہ فقر[1] کے ڈر سے اللہ کے راستہ میں خرچ کا چھوڑ دینا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہلاکت میں ڈالنا یہ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں قتل ہو جائے بلکہ یہ کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے رک جانا ہے۔حضرت ضَحّاک بِن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصار رضی اللہ عنہم اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرتے تھے اور صدقہ کیا کرتے تھے ایک سال قحط[2] ہو گیا، اُن کے خیالات برے ہو گئے اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔حضرت اَسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم قُسْطُنْطُنِیَہ کی جنگ میں شریک تھے، کفار کی بہت بڑی جماعت مقابلہ پر آ گئی، مسلمانوں میں سے ایک شخص تلوار لے کر اُن کی صف میں گُھس گیا، دوسرے مسلمانوں نے شور کیا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شریک تھے، وہ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے، تم اس آیتِ شریفہ کا یہ مطلب بتاتے ہو؟! یہ آیت تو ہمارے بارے میں نازل ہوئی، بات یہ ہوئی تھی کہ جب اسلام کو فروغ[3] ہونے لگا اور دین کے حامی[4] بہت سے پیدا ہو گئے؛ تو ہماری یعنی انصار کی چپکے چپکے یہ رائے ہوئی کہ اب اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اسلام کو غلبہ تو عطا فرما ہی دیا اور لوگوں میں دین کے مددگار بہت سے پیدا ہو گئے، ہمارے اموال کھیتیاں وغیرہ عرصہ[5] سے خبر گیری[6] پوری نہ ہو سکنے کی وجہ سے برباد ہو رہی ہیں، ہم ان کی خبر گیری اور اِصلاح[7] کر لیں، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالنا، اپنے اموال کی اصلاح میں مشغول ہو جانا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے۔ [درمنثور]

④ وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ [سورہ بقرہ:۲۱۹]	ترجمہ:لوگ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ (خیرات میں) کتنا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجیے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔

فائدہ: یعنی مال تو خرچ ہی کرنے کے واسطے ہے، جتنی اپنی ضرورت ہو اُس کے مُوافِق رکھ کر جو زائد ہو وہ خرچ کر دے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے اہل وعیال[8] کے خرچ سے جو بچے وہ عَفْو

حل لغات: ① محتاجی۔ ② بارش کا نہ ہونا، خشک سالی۔ ③ ترقی۔ ④ مددگار۔ ⑤ بہت زمانہ۔ ⑥ دیکھ بھال۔ ⑦ درست کرنا۔ ⑧ گھر والے۔

ہے۔حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اے آدمی جو تجھ سے زائد ہے، اُس کو تو خرچ کردے، یہ بہتر ہے تیرے لیے، اور تو اُس کو روک کر رکھے یہ تیرے لیے برا ہے اور بقدر ضرورت پر کوئی مَلَامَت[1] نہیں اور خرچ کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کر جو تیرے عِیَال[2] میں ہیں اور اونچا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) بہتر ہے اس ہاتھ سے جو نیچے ہو (یعنی لینے کے لیے پھیلا ہوا ہو)۔ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ عَفْو سے مراد ضرورت سے زائد ہے۔ [درمنثور]

حضرت ابوسعید خُدرِی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس سواری زائد ہو، وہ ایسے شخص کو سواری دے، جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس توشہ[3] زائد ہو وہ ایسے شخص کو توشہ دے، جس کے پاس توشہ نہ ہو، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر اہتمام سے یہ بات فرمائی کہ) ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ کسی شخص کا اپنے کسی ایسے مال میں حق ہی نہیں ہے، جو اس کی ضرورت سے زائد ہو۔ [ابوداؤد]

اور کمال کا درجہ ہے بھی یہی کہ آدمی کی اپنی واقعی ضرورت سے زائد جو چیز ہے؛ وہ خرچ ہی کرنے کے واسطے ہے، جمع کر کے رکھنے کے واسطے نہیں ہے۔ بعض علماء نے عفو کا ترجمہ سہل کا کیا ہے، یعنی جتنا آسانی سے خرچ کرسکے کہ اس کو خرچ کرنے سے خود پریشان ہوکر دُنیوی تکلیف میں مُبْتَلا نہ ہو اور دوسرے کا حق ضائع ہونے سے آخرت کی تکلیف میں مُبْتَلا نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ بعض آدمی اس طرح صدقہ کرتے تھے کہ اپنے کھانے کو بھی اُن کے پاس نہ رہتا تھا، حتّٰی کہ دوسرے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی نوبت آجاتی تھی؛ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوسعید خُدرِی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں تشریف لائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی حالت دیکھ کر لوگوں سے کپڑا خیرات کرنے کو ارشاد فرمایا، بہت سے کپڑے چندہ میں جمع ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے دو کپڑے ان صاحب کو عطا فرمادیے، اُس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی اور لوگوں نے صدقہ کا مال دیا؛ تو اُن صاحب نے بھی دو کپڑوں میں سے ایک صدقہ میں دے دیا؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور ان کا کپڑا واپس فرمادیا۔ [درمنثور]

قرآن پاک میں اپنی اِحْتِیَاج[4] کے باوجود خرچ کرنے کی ترغیب بھی آئی ہے؛ لیکن یہ انہیں لوگوں کے لیے ہے، جو اس کو بَشَاشَت[5] سے برداشت کرسکتے ہوں۔ اُن کے دلوں میں واقعی طور پر آخرت کی اہمیت دنیا پر غالب آگئی ہو، جیسے کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر چھبیس[26] پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

حل لغات: (۱) پکڑ، برائی۔ (۲) بال بچے، رشتہ دار۔ (۳) راستے کا خرچ۔ (۴) ضرورت۔ (۵) خوشی۔

⑤ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۞ [سورۂ بقرہ: ۲۴۵]	ترجمہ: کون ہے ایسا شخص جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کو قرض دے، اچھی طرح قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کر دے (اور خرچ کرنے سے تنگی کا خوف نہ کرو کہ) اللہ جَلَّ شانُہٗ ہی تنگی اور فَراخی[1] کرتے ہیں (اسی کے قبضہ میں ہے) اور اُسی کی طرف (مرنے کے بعد) لوٹائے جاؤ گے۔

فائدہ: اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو قرض سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے قرض کی ادائیگی اور واپسی ضرور ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا اجر وثواب اور بدلہ ضرور ملتا ہے، اس لیے اس کو قرض سے تعبیر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے اللہ کے راستے میں خرچ کرنا مُراد ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی؛ تو حضرت اَبُوالدَّحْدَاح اَنْصَارِی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ جَلَّ شانُہٗ ہم سے قرض مانگتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک، وہ عرض کرنے لگے: اپنا دَستِ[2] مبارک مجھے پکڑا دیجیے (تاکہ میں آپ کے دستِ مبارک پر ایک عَہد[3] کروں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے مُعَاہدے کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دے دیا، اُن کے باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے اور اُسی باغ میں اُن کے بیوی بچے رہتے تھے، یہاں سے اُٹھ کر پھر اپنے باغ میں گئے اور اپنی بیوی اُمِّ دَحْدَاح رضی اللہ عنہا سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دے دیا۔ دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغ کو چند یتیموں پر تقسیم کر دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ الآیة [سورۂ انعام: ۱۶۰] جو ایک نیکی کرے اُس کو دس گنا ثواب ملے گا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یااللہ! میری اُمت کا ثواب اس سے بھی زیادہ کر دے اُس کے بعد یہ آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۴۵] نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا کی یااللہ! میری امت کا ثواب اور بھی زیادہ کر دے پھر ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ﴾ الآیة [سورۂ بقرہ: ۲۶۱] جو نمبر سات پر آرہی ہے نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا کی یااللہ! میری امت کا ثواب بڑھا دے، اس پر ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۞﴾ [سورۂ زمر: ۱۰] نازل ہوئی کہ صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب پورا پورا دیا جائے گا، جو بے اندازہ اور بے شمار ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ نِدا[4] کرتا ہے: کون ہے جو آج قرض دے اور

حل لغات: ① کشادگی، وسعت۔ ② ہاتھ۔ ③ وعدہ۔ ④ آواز لگانا۔

کل کو پورا بدلہ لے لے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ فرماتے ہیں: اے آدمی! اپنا خزانہ میرے پاس امانت رکھا دے، نہ اُس میں آگ لگنے کا اندیشہ[1] ہے، نہ غرق[2] ہو جانے کا، نہ چوری کا، میں ایسے وقت میں وہ تجھ کو پورا کا پورا واپس کروں گا، جس وقت تجھے اس کی انتہائی ضرورت ہوگی۔ [در منثور]

⑥ يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ [سورۂ بقرہ:۲۵۴]	ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرلو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں؛ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو سکتی ہے نہ دوستی ہوگی، نہ کسی کی (اللہ کی اجازت بغیر) سفارش ہوگی۔

فائدہ: یعنی اُس دن نہ تو خرید و فروخت ہے کہ کوئی اُس دن دوسروں کی نیکیاں خرید لے، نہ دوستی ہے کہ تعلُّقات میں کوئی دوسرے سے نیکیاں مانگ لے، نہ بغیر اجازت کے سفارش کا کسی کو حق ہے کہ اپنی طرف سے مِنَّت[3] سَمَاجَت کر کے سفارش ہی کرالے، غرض جتنے اسباب دوسرے سے اِعَانَت[4] حاصل کرنے کے لیے ہوا کرتے ہیں، وہ سب ہی اُس دن مفقود[5] ہوں گے، اُس دن کے واسطے کچھ کرنا ہے تو آج کا دن ہے، جو بونا ہے بولیا جائے، اُس دن تو کھیتی کے کاٹنے ہی کا دن ہے، جو بویا گیا ہے وہ کاٹ لیا جائے گا، غلہ ہو یا پھول، کانٹے ہوں یا ایندھن، ہر شخص خود ہی غور کرلے کہ وہ کیا بو رہا ہے۔

⑦ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ [سورۂ بقرہ:۲۶۱]	ترجمہ: جو لوگ اللہ کے راستے میں (یعنی خیر کے کاموں میں) اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو، جس میں سات بالیں اُگی ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں (تو ایک دانے سے سات سو دانے مل گئے) اور اللہ جَلَّ شانُہٗ جس کو چاہے زیادہ عطا فرما دیتے ہیں، اللہ جَلَّ شانُہٗ بڑی وُسعت والے ہیں (اُن کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں) اور جاننے والے ہیں (کہ خرچ کرنے والے کی نیت کا حال بھی ان کو خوب معلوم ہے)۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں اور آدمی چار قسم کے ہیں۔ اعمال کی چھ قسمیں یہ ہیں کہ دو عمل تو واجب کرنے والے ہیں اور دو عمل برابر سرابر ہیں اور ایک عمل دس گنا ثواب رکھتا ہے، اور ایک عمل سات سو گنا ثواب رکھتا ہے۔ جو واجب کرنے والے ہیں، وہ تو یہ ہیں کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ شرک نہ کرتا ہو، وہ جنت میں داخل ہو کر رہے گا، اور جو ایسی حالت میں مرے کہ شرک کرتا ہو، وہ جہنم میں داخل ہوگا، اور برابر سرابر یہ ہیں کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے اس کو ایک

حل لغات: ① خوف، ڈر۔ ② ڈوب جانا۔ ③ خوشامد۔ ④ مدد۔ ⑤ غائب۔

ثواب ملتا ہے، اور جو گناہ کرے اُس کو ایک بدلہ ملتا ہے، اور جو شخص کوئی نیکی کرے اُس کو دس گنا ثواب ملتا ہے اور جو اللہ کے راستے میں خرچ کرے اُس کو ہر خرچ کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور آدمی چار طرح کے ہیں: ایک وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی وُسعَت ہے، آخرت میں بھی، دوسرے وہ جن پر دنیا میں وُسعَت آخرت میں تنگی، تیسرے وہ جن پر دنیا میں تنگی آخرت میں وُسعَت، چوتھے وہ جن پر دنیا میں بھی تنگی اور آخرت میں بھی تنگی۔ [کنز العمال] کہ یہاں کے فقر کے ساتھ اعمال بھی خراب ہوئے، جن کی وجہ سے وہاں بھی کچھ نہ ملا، دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ایک کھجور کی بقدر بھی صدقہ کرے، بشرطیکہ طَیّب[1] مال سے ہو، خبیث[2] مال نہ ہو، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ طیب مال ہی کو قبول کرتے ہیں؛ تو حق تعالیٰ اُس صدقہ کی پرورش کرتے ہیں، جیسا کہ تم لوگ اپنے بچھیرے[3] کی پرورش کرتے ہو؛ حتیٰ کہ وہ صدقہ بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ [مشکوۃ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ثواب کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ اُحد پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اُحد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا بہت بڑا پہاڑ ہے، اس صورت میں سات سو سے بہت زیادہ اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سات سو گنے والی آیت شریفہ نازل ہوئی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جَلَّ شانہٗ سے ثواب کے زیادہ ہونے کی دعا کی، اس پر پہلی آیت نمبر پانچ والی نازل ہوئی۔ [بیان القرآن]

اس قول کے مُوافق اس آیتِ شریفہ کا نزول مُقدّم[4] ہوا، دوسری حدیث میں اس کا عکس[5] آیا ہے؛ جیسا کہ پہلے نمبر پانچ کے ذیل میں گذرا ہے۔

⑧ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ [سورہ بقرہ:۲۶۲]	ترجمہ: جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہ تو (جس کو دیا اُس پر) احسان جتاتے ہیں اور نہ (کسی اور طرح) اُس کو اَذِیَّت[6] پہونچاتے ہیں تو اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور (قیامت کے دن) اُن کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ پہلی آیت کے بعد ہی ہے اور اس رکوع میں سارا ہی مضمون اسی کے متعلق ہے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب اور احسان جتا کر اُس کو برباد نہ کرنے پر تنبیہ ہے۔ اور کسی اور طرح سے اذیت پہونچانے کا یہ مطلب ہے کہ اپنے اس احسان کی وجہ سے اُس کے ساتھ حقارت[7] کا

حل لغات: (۱) حلال۔ (۲) حرام۔ (۳) ایک گھوڑے کا نر بچہ۔ (۴) پہلے۔ (۵) خلاف۔ (۶) تکلیف۔ (۷) بے عزتی، ذلت۔

برتاؤ کرے، اس کو ذلیل سمجھے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ چند آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے دیے ہوئے پر احسان جتائے، دوسرا وہ ہے جو والدین کی نافرمانی کرے، تیسرا وہ ہے جو شراب پیتا رہتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ [درمنثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِحیاء میں صدقہ کے آداب میں لکھا ہے کہ اس کو ''مَن'' اور ''اَذٰی'' سے برباد نہ کرے۔ ''مَنّ'' اور ''اَذٰی'' کی تفصیل میں علماء کے چند قول ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ''مَن'' یہ ہے کہ خود اُس سے اس کا تذکرہ کرے اور ''اَذٰی'' یہ ہے کہ اُس کا دوسروں سے اظہار کرے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ ''مَن'' یہ ہے کہ اس عطا کے بدلے میں اُس سے کوئی بے گار① لے اور ''اَذٰی'' یہ ہے کہ اُس کو فقیری کا طعنہ دے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ ''من'' یہ ہے کہ اس عطا کی وجہ سے اپنی بڑائی اُس پر ظاہر کرے اور ''اذٰی'' یہ ہے کہ اُس کو سوال کی وجہ سے جھڑکے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل ''مَن'' یہ ہے کہ اپنے دل میں اپنا اُس پر احسان سمجھے، اسی کی وجہ سے پھر اُمورِ② بالا ظاہر ہوتے ہیں، حالانکہ اس فقیر کا اپنے اوپر احسان سمجھنا چاہیے کہ اُس نے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا حق اُس سے قبول کر کے اس کو بَرِیُ الذِّمَّہ③ بنادیا اور اس کے مال کی پاکی کا سبب بنا اور جہنم کے عذاب سے جو زکوٰۃ کے روکنے کی وجہ سے ہوتا نجات دلائی۔ [اِحیاء العلوم]

مشہور محدّث امام شَعْبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے؛ اُس نے اپنے صدقہ کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اُس کے مُنہ پر مار دیا جاتا ہے۔ [اِحیاء]

قیامت کا دن نہایت ہی سخت رنج وغم اور خوف کا دن ہے؛ جیسا کہ اس رسالہ کے ختم پر آرہا ہے، اُس دن کسی کا بے خوف ہونا، غمگین نہ ہونا بہت اونچی چیز ہے۔

⑨ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۷۱﴾ [سورہ بقرہ:۲۷۱]	ترجمہ: صدقات کو اگر تم ظاہر کر کے دو، تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم اُن کو چپکے سے فقیروں کو دے دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور حق تعالیٰ شانُہٗ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ	ترجمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات دن، پوشیدہ④ اور کُھلّم کھلّا ان کے لیے اُن کے رب کے پاس اس کا ثواب

حل لغات: ① بلا مزدوری کے کام لینا۔ ② اوپر کی باتیں۔ ③ ذمہ داری سے آزاد۔ ④ چھپا ہوا۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ [سورہ بقرہ:۴، ۲۷۴]	ہے اور قیامت کے دن نہ اُن کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم[1] ہوں گے۔

فائدہ: ان دونوں آیتوں میں صدقہ کو چھپا کر دینا اور کھلم کھلا ظاہر کرکے دینا دونوں طریقوں کی تعریف کی گئی ہے اور بہت سی احادیث اور قرآن پاک کی آیات میں رِیا کی یعنی دکھلاوے کے لیے کام کرنے کی برائی اور اس کو شرک بتایا ہے اور ثواب کو ضائع کردینے والا؛ بلکہ گناہ کو لازم کردینے والا بتایا ہے؛ اس لیے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دکھلاوا اَور چیز ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ جو کام کھلم کھلا کیا جاوے وہ ریا ہی ہو بلکہ رِیا یہ ہے کہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے واسطے، اپنی شہرت کے واسطے، اپنا کمال ظاہر کرنے اور عزت حاصل کرنے کے واسطے کوئی کام کیا جاوے تو وہ رِیا ہے اور جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے اور اللہ کی خوشنودی کسی مَصْلِحَت سے اعلان ہی میں ہو تو وہ رِیا نہیں ہے۔ اس کے بعد ہر عمل بِالخصوص صدقہ میں افضل یہی ہے کہ وہ اِخفا[2] کے ساتھ کیا جائے کہ اس میں ریا کا احتمال[3] بھی نہیں رہتا اور صدقہ لینے والے کی ذلت اور اَذِیّت[4] سے بھی امن ہے، اور یہ بھی مصلحت ہے کہ اس وقت اگرچہ ریا نہ ہو؛ لیکن جب عام طور سے لوگوں میں سخاوت[5] مشہور ہونے لگے، تو عُجُب[6] اور خود بینی[7] پیدا ہونے کا احتمال ہے، اور یہ بھی ہے کہ لوگوں میں اگر شُہرت ہوگی، تو پھر بہت سے لوگ سوالات سے پریشان کرنے لگیں گے اور اپنے مال دار ہونے کی شہرت سے دنیوی نقصانات کئی قسم کے پیدا ہونے لگیں گے: حکومت کے ٹیکس، چوروں کی نگاہیں، حاسدوں کی دشمنی۔

امام غزالی رَحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقہ کا مَخفی[8] طور سے دینا ریا شہرت سے زیادہ بعید[9] ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ افضل صدقہ کسی تنگدست[10] کا اپنی کوشش سے کسی نادار[11] کو چپکے سے دے دینا ہے اور جو شخص اپنے صدقہ کا تذکرہ کرتا ہے وہ اپنی شہرت کا طالِب[12] ہے اور جو مجمع میں دیتا ہے وہ رِیا کار ہے۔ پہلے بزرگ اِخفا میں اتنی کوشش کرتے تھے کہ وہ یہ بھی نہیں پسند کرتے تھے کہ فقیر کو بھی اس کا علم ہو کہ کس نے دیا، اس لیے بعض تو نابینا فقیروں کو چھانٹ کر دیتے تھے اور بعض سوتے ہوئے کی جیب میں ڈال دیتے تھے اور بعض کسی دوسرے کے ذریعے سے دلواتے کہ فقیر کو پتہ نہ چلے اور اُس کو حیا[13] نہ آوے، بہر حال اگر شہرت اور ریا مقصود ہے تو "نیکی برباد گناہ لازم" ہے۔ امام غزالی رَحمۃُ اللہ علیہ نے لکھا ہے جہاں شہرت مقصود ہوگی وہ عمل بے کار ہو جائے گا، اس لیے کہ زکوٰۃ کا وجوب[14] مال کی محبت کو زائل[15]

حل لغات: (۱) غمگین۔ (۲) چھپانا۔ (۳) شبہ۔ (۴) تکلیف۔ (۵) فیاضی، بخشش۔ (۶) گھمنڈ۔ (۷) اپنے آپ کو اچھا سمجھنا۔ (۸) چھپا کر۔ (۹) دور۔ (۱۰) محتاج۔ (۱۱) جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ (۱۲) چاہنے والا۔ (۱۳) شرم۔ (۱۴) واجب ہونا۔ (۱۵) ختم۔

کرنے کے واسطے ہے اور حُبِّ[1] جاہ کا مرض لوگوں میں حُبِّ[2] مال سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور آخرت میں دونوں ہی ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں؛ لیکن بُخل[3] کی صفت تو قبر میں بچھو کی صورت میں مُسلَّط[4] ہوتی ہے اور ریا اور شہرت کی صفت اژدہا کی صورت میں مُنتقِل[5] ہو جاتی ہے۔ [اِحیاء العلوم]

ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کی برائی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ انگلیوں سے اُس کی طرف اشارہ کیا جانے لگے، دینی امور میں اشارہ ہو یا دنیوی امور میں۔ حضرت ابراہیم بن اَدْہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی شہرت کو پسند کرتا ہو، اُس نے اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ نہیں کیا۔ ایوب سَخْتِیَانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ کرتا ہے، اُس کو یہ پسند ہوا کرتا ہے، کہ کوئی اُس کا گھر بھی نہ جانے کہ کہاں ہے۔ [احیاء]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے؛ تو دیکھا کہ حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیوں رو رہے ہو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ریا کا تھوڑا سا حصہ بھی شرک ہے اور حق تعالیٰ شانُہٗ ایسے مُتّقی لوگوں کو محبوب رکھتا ہے؛ جو زاوِیۂ[6] خَمُول میں رہتے ہوں کہ اگر کہیں چلے جائیں تو کوئی تلاش نہ کرے، اور مجمع میں آئیں تو کوئی ان کو پہچانے بھی نہیں، اُن کے دل ہدایت کے چراغ ہوں اور ہر گرد آلود[7] و تاریک[8] مقام سے خلاصی[9] پانے والے ہوں۔ [احیاء]

غرض ریا کی مَذَمَّت[10] بہت سی آیات اور احادیث میں وارد ہوئی ہے؛ لیکن ان سب کے باوجود کبھی اعلان میں دینی مصلحت ہوتی ہے، مثلاً دوسروں کو ترغیب کی ضرورت کے موقع پر ایک آدھ شخص کے صدقہ سے دینی اہم ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں، ایسے وقت میں صدقہ کا اظہار دوسروں کی ترغیب کا سبب بن کر ضرورت کے پورا ہونے کا سبب بن جاتا ہے، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن پاک کو آواز سے پڑھنے والا ایسا ہے؛ جیسا کہ اعلان کے ساتھ صدقہ کرنے والا اور قرآن پاک کو آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے، جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا۔ [مشکوٰۃ شریف] کہ قرآن پاک کا بھی مُقْتَضَائے[11] وقت کے مناسب کبھی آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے اور کبھی آہستہ پڑھنا۔ پہلی آیتِ شریفہ کے متعلق بہت سے علماء سے نقل کیا گیا کہ اس آیتِ شریفہ میں صدقۂ فرض یعنی زکوٰۃ اور صدقۂ نفل دونوں کا بیان ہے اور صدقۂ فرض کا اعلان سے ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ اور فرائض کا بھی یہی حکم ہے کہ اُن کا اعلان کے ساتھ کرنا افضل ہے، اس لیے کہ اس میں دوسروں کی ترغیب کے ساتھ اپنے اوپر سے

حل لغات: (۱) شہرت کی چاہت۔ (۲) مال کی محبت۔ (۳) کنجوسی۔ (۴) سوار ہوتی ہے۔ (۵) تبدیل۔ (۶) گوشۂ گمنامی۔ (۷) گرد پڑے ہوئے۔ (۸) اندھیرا۔ (۹) چھٹکارا۔ (۱۰) برائی۔ (۱۱) موقع و محل۔

اس الزام اور اِتِّہام[1] کا دفع[2] کرنا مقصود ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے دوسری مَصَالح[3] کے علاوہ نماز میں جماعت مشروع ہوئی کہ اس میں اس کے ادا کرنے کا اعلان ہے۔ حافظ ابنِ حجر رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ علامہ طَبْری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وغیرہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ صدقۂ فرض میں اعلان افضل ہے اور صدقۂ نفل میں اِخفا[4] افضل ہے۔ زین بن المنیر رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ یہ حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، مثلاً اگر حاکم ظالم ہوں اور زکوٰۃ کا مال مَخْفی[5] ہو؛ تو زکوٰۃ کا اِخفا اَولیٰ[6] ہوگا اور اگر کوئی شخص مُقْتَدا[7] ہے، اُس کے فعل کا لوگ اتباع کریں گے، تو صدقۂ نفل کا بھی اعلان اَولیٰ ہوگا۔ [فتح]

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا نے آیتِ شریفہ (مذکورہ بالا) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے نفل صدقہ میں آہستہ کے صدقہ کو عَلانِیَہ[8] کے صدقہ پر سَتَّر ۷۰ درجہ فضیلت دی ہے اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس ۲۵ درجہ فضیلت دی ہے اور اسی طرح اور سب عبادات کے نوافل اور فرائض کا حال ہے۔ [درمنثور] یعنی دوسری عبادات میں بھی فرائض کا اعلان کے ساتھ ادا کرنا، چھپ کر ادا کرنے سے افضل ہے کہ فرائض چھپ کر ادا کرنے میں ایک اپنے اوپر تہمت ہے، دوسرے یہ بھی مَضَرَّت[9] ہے کہ اپنے مُتَعلِّقِین یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص فلاں عبادت کرتا ہی نہیں اور اس سے ان کے دلوں میں اس عبادت کی وَقعت[10] اور اہمیت کم ہوجائے گی اور نوافل میں بھی اگر دوسروں کے اتباع اور اِقتدا[11] کا خیال ہو، تو اعلان افضل ہے۔ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کے واسطے سے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ نیک عمل کا چپکے سے کرنا اعلان سے افضل ہے؛ مگر اس شخص کے لیے جو اتباع کا ارادہ کرے۔ حضرت ابواُمامہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ کسی فقیر کو چپکے سے کچھ دے دینا اور نادار[12] کی کوشش افضل ہے۔ اور اصل یہی ہے کہ نفلی صدقہ کا مخفی طور سے ادا کرنا افضل ہے، البتہ اگر کوئی دینی مصلحت اعلان میں ہو تو اعلان بھی افضل ہوجاتا ہے؛ لیکن اس بات میں اپنے نفس اور شیطان سے بےفکر نہ رہے کہ وہ صدقہ کو برباد کرنے کے لیے دل کو یہ سمجھائے کہ اعلان میں مصلحت ہے؛ بلکہ بہت غور سے اس کو جانچ لے کہ اعلان میں واقعی دینی مصلحت ہے یا نہیں اور صدقہ کرنے کے بعد بھی اس کا تذکرہ نہ کرتا پھرے کہ یہ بھی عَلانِیَہ صدقہ کرنے میں داخل ہوجاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کوئی عمل مخفی کرتا ہے تو وہ مخفی عمل لکھ لیا جاتا ہے، پھر جب وہ اس کا کسی سے اظہار کردے تو وہ مخفی سے علانیہ میں منتقل کردیا جاتا ہے، پھر اگر وہ لوگوں سے کہتا پھرے تو وہ علانیہ سے ریا میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ [اِحیاء العلوم]

حل لغات: (۱) تہمت، جھوٹا الزام۔ (۲) دور۔ (۳) مصلحت کی جمع۔ (۴) چھپانا۔ (۵) چھپا ہوا۔ (۶) بہتر۔ (۷) پیشوا، رہنما۔ (۸) کھلم کھلا۔ (۹) نقصان۔ (۱۰) عزت۔ (۱۱) پیروی کرنا۔ (۱۲) غریب۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں؛ جن کو اللہ جَلَّ شانُہٗ اُس دن اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن اللہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت کے دن) ایک: عادل بادشاہ (حاکم)، دوسرے: وہ نوجوان جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کی عبادت میں نَشْوونُما[1] پاتا ہے، تیسرے: وہ شخص جس کا دل مسجد میں اَٹکا ہوا ہو، چوتھے: وہ دو شخص جن میں صرف اللہ کی وجہ سے محبت ہو، کوئی دنیوی غرض ایک کی دوسرے سے وَابستہ[2] نہ ہو، اُسی پر ان کا آپس میں اجتماع ہو اور اسی پر علیٰحدگی ہو، پانچویں: وہ شخص جس کو کوئی حسب نسب والی خوب صورت عورت اپنی طرف مُتوجّہ کرے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (اسی طرح کوئی مرد کسی عورت کو متوجّہ کرے اور وہ عورت یہی کہہ دے)، چھٹے: وہ شخص جو اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، ساتویں: وہ شخص جو تنہائی میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کو یاد کرکے رو پڑے۔ اس حدیث میں سات آدمی ذکر فرمائے ہیں، دوسری احادیث میں ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگوں کے متعلق یہ وارد ہوا ہے کہ وہ اس سخت دن میں عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔ علمانے اُن کی تعداد بیاسی تک گنوائی ہے؛ جن کو صاحبِ اتحاف نے نقل کیا ہے۔ بہت سی احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مخفی صدقہ اللہ کے غصے کو زائل[3] کر دیتا ہے۔

حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ جارہی تھی، راستے میں بھیڑیے نے اُس بچے کو اُچک[4] لیا۔ یہ عورت اُس بھیڑیے کے پیچھے دوڑی، اتنے میں ایک سائل[5] راستے میں ملا، اُس نے سوال کیا، عورت کے پاس ایک روٹی تھی وہ سائل کو دے دی، وہ بھیڑیا واپس آیا اور اُس کے بچے کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں کو حق تعالیٰ شانُہٗ محبوب رکھتے ہیں اور تین آدمیوں سے ناراض ہیں، جن کو حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اُن میں ایک تو وہ شخص ہے کہ ایک آدمی کسی مجمع سے کچھ سوال کرنے آیا، جو محض اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سوال کرتا تھا کہ اُس کی ان لوگوں سے کچھ قَرابت[6] بھی نہ تھی، ایک شخص اس مجمع سے اُٹھا اور اُن کی غَیبت[7] میں چپکے سے سائل کو کچھ دے دیا؛ جس کے عطیہ کی اللہ جَلَّ شانُہٗ کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہو۔ دوسرا: وہ شخص محبوب ہے کہ ایک جماعت رات بھر سفر میں چلی اور جب نیند اُن چلنے والوں پر غالب ہوگئی ہو اور وہ تھوڑی دیر آرام لینے کے لیے سواریوں سے اُترے ہوں، اُن میں اس وقت کوئی شخص بجائے لیٹنے کے نماز میں کھڑا ہو کر حق تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے عاجزی کرنے لگا ہو۔ تیسرا: وہ شخص ہے کہ ایک جماعت جہاد کر رہی ہو اور کفار سے مقابلہ میں شکست ہونے لگے اور لوگ پُشت[8] پھیرنے لگیں، اُس وقت یہ شخص اُن میں سے سینہ تان

حل لغات: (۱) پرورش۔ (۲) متعلق، لگی ہوئی۔ (۳) دور، ختم۔ (۴) چھین لیا۔ (۵) فقیر، مانگنے والا۔ (۶) رشتہ داری۔ (۷) غیر موجودگی۔ (۸) پیٹھ۔

کر مُقابلہ میں ڈَٹ جائے؛ حتیٰ کہ شہید ہوجائے یا فتح ہوجائے۔ اور تین شخص جن سے حق تعالیٰ شانہٗ ناراض ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے، جو بوڑھا ہوکر بھی زنا میں مُبتَلا ہو، دوسرے: وہ شخص ہے جو فقیر ہوکر تکبر کرے، تیسرے: وہ مال دار ہے جو ظالم ہو۔ احادیث کے سلسلہ میں نمبر پندرہ ۱۵ پر بھی یہ حدیث آرہی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا؛ جس میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! مرنے سے پہلے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلو اور نیک عمل کرنے میں جلدی کیا کرو، ایسا نہ ہو کسی دوسرے کام میں مشغولی ہوجائے اور وہ رہ جائے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ کر اور کثرت سے اُس کا ذکر کرکے اور مخفی[۱] اور علانیہ[۲] صدقہ کرکے اس سے تمہیں رزق دیا جائے گا، تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہاری شکستگی[۳] کی اصلاح کی جائے گی۔ ایک (حدیث) میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا، جب تک کہ حساب کا فیصلہ نہ ہو، یعنی قیامت کے دن جب آفتاب[۴] نہایت قریب ہوگا؛ ہر شخص پر اُس کے صدقات کی مِقدار سے سایہ ہوگا، جتنا زیادہ صدقہ دیا ہوگا اتنا ہی زیادہ سایہ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صدقہ قبروں کی گرمی کو دور کرتا ہے اور ہر شخص قیامت میں اپنے صدقہ سے سایہ حاصل کرے گا۔ اور یہ مضمون تو بہت سی روایات میں آیا ہے کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں پر اُن کے اعمال کی بَدَولت ہر طرف سے ہر قسم کی بَلائیں مُسلَّط[۵] ہورہی ہیں؛ صدقات کی بہت زیادہ کثرت کرنا چاہیے، بِالخُصوص جب کہ دیکھتی آنکھوں، عمر بھر کا اَندوختہ[۶] کھڑے کھڑے چھوڑنا پڑجاتا ہے، ایسی حالت میں بہت اہتمام سے بہت زیادہ مقدار میں صدقات کرتے رہنا چاہیے کہ اس میں وہ مال بھی ضائع ہونے سے محفوظ ہوجاتا ہے جو صدقہ کیا گیا اور اُس کی برکت سے اپنے اوپر سے بلائیں بھی ہٹ جاتی ہیں؛ مگر افسوس کہ ہم لوگ اِن اَحوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی صدقات کا اہتمام نہیں کرتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ برائی کے ستر ۷۰ دروازے بند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے غصے کو دور کرتا ہے اور بری موت سے حفاظت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے اور بُری موت کو دور کرتا ہے اور تکبر اور فخر کو ہٹاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ ایک روٹی کے لقمہ سے یا ایک مٹھی کھجور یا اور کوئی ایسی ہی معمولی چیز جس سے مسکین کی ضرورت پوری ہوتی ہو، تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں: ایک صاحبِ خانہ[۷] جس نے صدقہ کا حکم دیا،

حل لغات: (۱) چھپا کر۔ (۲) کھلم کھلا۔ (۳) بدحالی۔ (۴) سورج۔ (۵) سوار ہونا۔ (۶) جمع کی ہوئی چیز۔ (۷) گھر کا مالک۔

دوسرے: گھر کی بیوی جس نے روٹی وغیرہ پکائی، تیسرے: وہ خادم جس نے فقیر تک پہونچایا۔ یہ حدیث بیان فرما کر ارشاد فرمایا: ساری تعریفیں ہمارے اللہ کے لیے ہیں؛ جس نے ہمارے خادموں کو بھی ثواب میں فراموش[1] نہیں کیا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو بڑا سخت طاقتور کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ جو مقابلے میں دوسرے کو پچھاڑ دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑا بہادر وہ ہے؛ جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو یافتہ[2] ہو، پھر دریافت فرمایا: جانتے ہو کہ بانجھ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: جس کے اولاد نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ وہ آدمی ہے جس نے کوئی اولاد آگے نہ بھیجی ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو فقیر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: جس کے پاس مال نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقیر اور پورا فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور اُس نے آگے کچھ نہ بھیجا ہو (کہ وہ اس دن خالی ہاتھ کھڑا رہ جائے گا؛ جس دن اس کو سخت احتیاج[3] ہوگی)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ سے خرید لے؛ اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو؛ میں تجھے اللہ جَلَّ شانُہٗ کے کسی مُطالَبے سے نہیں بچا سکتا، اے عائشہ! کوئی مانگنے والا تیرے پاس سے خالی نہ جائے؛ چاہے بکری کا کُھر[4] ہی کیوں نہ ہو۔ [درمنثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پہلے لوگ اس کو برا سمجھتے تھے کہ کوئی دن صدقہ کرنے سے خالی جائے؛ چاہے ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو، چاہے روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ [اِحیاءاوّل]

(۱۰) يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِي الصَّدَقٰتِ ؕ [سورہ بقرہ:۲۷۶]	ترجمہ: حق تعالیٰ شانُہٗ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔

فائدہ: صدقات کا بڑھانا اس سے پہلے بہت سی روایات میں گذر چکا ہے کہ آخرت میں اُس کا ثواب پہاڑ کے برابر ہوتا ہے، یہ تو آخرت کے اعتبار سے تھا اور دنیا میں بھی اکثر بڑھتا ہے کہ جو شخص صدقہ اخلاص کے ساتھ کثرت سے کرتا رہتا ہے، اس کی آمدنی میں اِضَافہ ہوتا رہتا ہے، جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے، البتہ اخلاص شرط ہے، ریا اور فخر نہ ہو اور سود آخرت میں تو مٹایا ہی جاتا ہے، دنیا میں بھی اکثر برباد ہو جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ سود اگرچہ بڑھا ہوا ہو؛ لیکن اُس کا انجام کمی کی طرف ہوتا ہے۔ اور مُعمَّر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چالیس سال میں سود میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت ضَحّاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سود دنیا میں بڑھتا ہے اور آخرت میں مٹا دیا جاتا ہے۔ حضرت اَبُو بَرزَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی ایک ٹکڑا

حل لغات: (۱) بھولنا۔ (۲) قابو پانے والا۔ (۳) ضرورت۔ (۴) بکری وغیرہ کا ناخن۔

دیتا ہے، وہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں اس قدر بڑھتا ہے کہ اُحد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔

⑪ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ [سورۂ آلِ عمران:۹۲]	ترجمہ: اے مسلمانو! تم (کامل) نیکی کو حاصل نہ کرسکو گے؛ یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو (خوب) محبوب ہو۔

فائدہ: حضرت انس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ انصار میں سب سے زیادہ درخت کھجوروں کے حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے پاس تھے اور ان کا ایک باغ تھا، جس کا نام بَیرُحاءَ تھا، وہ اُن کو بہت ہی زیادہ پسند تھا، یہ باغ مسجدِ نبوی کے سامنے ہی تھا، حضورِاقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش[1] فرماتے؛ جو بہت ہی بہترین پانی تھا۔ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ حضورِاقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! حق تعالیٰ شانُہٗ یوں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ [سورۂ آلِ عمران:۹۲] اور مجھے اپنی ساری چیزوں میں بَیرُحاءَ سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اُس کو اللہ کے لیے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے اَجر و ثواب کی اللہ سے اُمید رکھتا ہوں، آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ فرمائیں۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا: واہ! واہ! بہت ہی نفع کا مال ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے عرض کیا: بہتر ہے اور اُس کو اپنے چچا زاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔ ایک اور حدیث میں ہے ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باغ جو اتنی بڑی مالیت[2] کا ہے، وہ صدقہ ہے اور میں اگر اس کی طاقت رکھتا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو؛ تو ایسا کرتا مگر باغ ایسی چیز نہیں جو مخفی[3] رہ سکے۔

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ جب مجھے اس آیتِ شریفہ کا علم ہوا؛ تو میں نے ان سب چیزوں میں غور کیا جو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مجھے عطا فرمائی تھیں، میں نے دیکھا کہ ان سب میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اپنی باندی ''مَرجانہ'' ہے، میں نے کہا کہ وہ اللہ کے واسطے آزاد ہے، اس کے بعد اگر میں اس چیز سے جس کو اللہ کے واسطے دے دیا ہو دوبارہ نفع حاصل کرنا گوارا[4] کرتا، تو اُس باندی سے آزاد کردینے کے بعد نکاح کرلیتا (کہ وہ جائز تھا اور اس سے صدقہ میں کچھ کمی نہ ہوتی تھی؛ لیکن چونکہ اس میں صورت صدقہ میں رُجُوع[5] کی سی تھی) یہ مجھے گوارا نہ ہوا اس لیے اس کا نکاح اپنے غلام نافع سے کردیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نماز پڑھ رہے تھے، تلاوت میں جب اس آیتِ شریفہ پر گزر ہوا؛ تو نماز ہی میں اشارے سے اپنی ایک باندی کو آزاد کردیا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ اور اس کے پاک رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے اِرشادات کی وَقعت[6] اور اُن پر عمل کرنے میں پیش قدمی[7]، تو کوئی ان حضرات

حل لغات: ① پینا۔ ② قیمت۔ ③ چھپاہوا۔ ④ پسند۔ ⑤ واپس لوٹانا۔ ⑥ عظمت۔ ⑦ پہل کرنا، آگے بڑھنا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھے۔ واقعی یہی حضرات اس کے مُستَحَق تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنائے جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادِمیّت[1] انہیں حضرات کے شایانِ شان تھی، رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْہُم وَاَرضَاہُم اَجْمَعِین۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جلولاء کی باندیوں میں سے ایک باندی اُن کے لیے خرید یں، انہوں نے ایک بہترین باندی خرید کر بھیج دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس باندی کو اپنے پاس بلایا اور یہ آیتِ شریفہ پڑھی اور اُس کو آزاد کردیا۔ حضرت محمد بن مُنکَدِر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گھوڑا تھا؛ جو اُن کو اپنی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا، وہ اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا اور لے کر اُن کے صاحبزادہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اس سے کچھ گِرانی[2] کے آثار ظاہر ہوئے (کہ گھر کے گھر ہی میں رہا، باپ کے بجائے بیٹے کا ہوگیا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تمہارا صدقہ قبول کرلیا، یعنی تمہارا صدقہ ادا ہوگیا، اب میں چاہے اس کو تمہارے بیٹے کو دوں یا کسی اور رشتہ دار کو یا اجنبی کو (اس لیے کہ تم تو بیٹے کو نہیں دے رہے؛ جس سے خود[3] غرضی کا شُبہَ ہو، تم تو مجھے دے چکے، اب مجھے اختیار ہے کہ میں جس کو دل چاہے دوں)۔

قبیلۂ بنی سُلَیم کے ایک شخص کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رَبذَہ نامی ایک گاؤں میں رہتے تھے، وہاں اُن کے پاس اونٹ تھے اور ان کا چَرانے والا ایک ضَعیف[4] آدمی تھا، میں بھی وہاں اُن کے قریب ہی رہتا تھا، میں نے اُن سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، آپ کے چرواہے کی مدد کروں گا اور آپ کے فُیُوض[5] حاصل کروں گا، شاید اللہ جَلَّ شانُہٗ آپ کی برکات سے مجھے بھی نفع عطا فرمادیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا ساتھی وہ ہے (یعنی ایسے شخص کو میں اپنا ساتھی بنا سکتا ہوں) جو میرا کہنا مانے، اگر تم اس کے لیے تیار ہو تو مُضَایَقہ[6] نہیں، ورنہ میرے ساتھ رہنے کا ارادہ نہ کرو، میں نے پوچھا کہ آپ کس چیز میں میری اطاعت[7] چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ جب میں کوئی چیز کسی کو دینے کے لیے مانگوں تو سب سے بہتر چھانٹ کردو، میں نے قبول کرلیا اور ایک زمانے تک اُن کی خدمت میں رہا، ان کو معلوم ہوا کہ اس گھاٹ پر جو لوگ آباد ہیں ان کو تنگی ہے، مجھ سے فرمایا کہ ایک اونٹ میرے اونٹوں میں سے لاؤ، میں نے حَسَبِ[8] وعدہ تلاش کیا تو ان سب میں بہترین ایک اونٹ نَر تھا، جو بہت سِدھا[9] ہوا تھا، اُس جیسا کوئی جانوران میں نہیں تھا، میں نے اُس کے لے جانے کا ارادہ کیا، لیکن

حل لغات: (۱) غلامی۔ (۲) بے چینی۔ (۳) اپنا مطلب نکالنا۔ (۴) بوڑھا، کمزور۔ (۵) برکتیں۔ (۶) حرج۔ (۷) فرماں برداری۔ (۸) وعدہ کے مطابق۔ (۹) تربیت پایا ہوا۔

مجھے خیال ہوا کہ اس کی خود یہاں بھی (جُفتی[1] وغیرہ کے لیے) ضرورت رہتی ہے، اس کو چھوڑ کر باقی اونٹوں میں جو سب سے افضل اور بہتر جانور تھا وہ ایک اونٹنی تھی، میں اُس کو لے گیا، اتفاق سے حضرت کی نظر اُس اونٹ پر پڑ گئی جس کو میں مَصْلِحَت کی وجہ سے چھوڑ کر گیا تھا؛ مجھ سے فرمانے لگے: تم نے مجھ سے خَیَانَت کی، میں سمجھ گیا اور اس اونٹنی کو واپس لا کر وہ اونٹ لے گیا، آپ نے حاضرینِ مجلس سے مُخَاطَب ہو کر فرمایا کہ دو آدمی ایسے چاہئیں جو ایک ثواب کا کام کریں، دو شخصوں نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ ہم حاضر ہیں، فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی عُذر نہ ہو تو اس اونٹ کو ذبح کر کے اُس کے گوشت کے اتنے ٹکڑے کیے جائیں؛ جتنے گھر اُس گھاٹ پر آباد ہیں اور سب گھروں میں ایک ایک ٹکڑا اُس کے گوشت کا پہونچا دیا جائے اور میرا گھر بھی ان میں شمار کر لیا جائے، اور اس میں بھی اتنا ہی جائے جتنا جتنا اور گھروں میں جائے، زیادہ نہ جائے، ان دونوں نے قبول کر لیا اور تَعْمِیلِ[2] اِرْشَاد کر دی، جب اس سے فارغ ہو گئے تو مجھے بلایا اور فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تم میرے اس وعدے کو جو شروع میں ہوا تھا، بھول گئے تھے، تب تو میں معذور سمجھتا ہوں یا تم نے باوجود یاد ہونے کے اُس کو پَسِ پُشت[3] ڈال دیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں بھولا تو نہیں تھا، مجھے وہ یاد تھا؛ لیکن جب میں نے تلاش کیا اور یہ اونٹ سب سے افضل ملا تو مجھے آپ کی ضرورت کا خیال پیدا ہوا کہ آپ کو خود اس کی ضرورت ہے، فرمانے لگے کہ محض[4] میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ محض اسی وجہ سے چھوڑا تھا، فرمانے لگے کہ میں اپنی ضرورت کا وقت بتاؤں: میری ضرورت کا وقت وہ ہے جب میں قبر کے گڑھے میں ڈال دیا جاؤں گا، وہ دن میری محتاجی کا دن ہوگا، تیرے ہر مال میں تین شریک ہیں: ایک تو مُقَدَّر شریک ہے، معلوم نہیں کہ تقدیر اچھے مال کو لے جائے یا برے کو، وہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی، یعنی جس مال کو میں عمدہ اور بہتر اور اپنے دوسرے وقت کے لیے کار آمد[5] سمجھ کر چھوڑ دوں معلوم نہیں کہ وہ دوسرے وقت میرے کام آسکے گا یا نہیں؛ تو پھر اسی وقت کیوں نہ اُس کو آخرت کا ذخیرہ بنا کر اللہ کے بینک میں جمع کر دوں، دوسرا شریک وارث ہے جو ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب تو گڑھے میں جاوے تا کہ وہ سارا مال وصول کرے، تیسرا تو خود اس مال کا شریک ہے (کہ اپنے کام میں لا سکتا ہے) پس اس کی کوشش کر کہ تو تینوں شریکوں میں کم حصہ پانے والا نہ ہو (ایسا نہ ہو کہ مُقَدَّر اس کو لے اڑے کہ وہ ضائع ہو جائے یا وارث لے اُڑے اس سے بہتر یہی ہے کہ تو اُس کو جلدی سے حق تعالیٰ شانُہٗ کے خزانہ میں جمع کر دے)۔ اس کے علاوہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ [سورۂ آل عمران: ۹۲] اور یہ اونٹ جب مجھے سب

حل لغات: (۱) نر اور مادہ کا ایک دوسرے سے ملنا۔ (۲) حکم پورا کرنا۔ (۳) لاپرواہی کرنا۔ (۴) صرف۔ (۵) کام آنے والا۔

سے زیادہ محبوب ہے تو کیوں نہ اس کو اپنے لیے مخصوص کر کے محفوظ کر لوں اور آگے بھیج دوں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک جانور کا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُس کو پسند نہیں کیا؛ مگر دوسروں کو کھانے سے منع بھی نہیں کیا، میں نے عرض کیا کہ اس کو فقیروں کو دے دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی چیزیں ان کومت دو جس کو خود کھانا پسند نہیں کرتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما شکر خرید کر غُرَبا[۱] پر تقسیم کر دیتے، حضرت کے خادم نے عرض کیا کہ اگر شکر کی بجائے کھانا دیا جایا کرے تو غُربا کو اس سے زیادہ نفع ہو، فرمایا: صحیح ہے، میرا بھی یہی خیال ہے؛ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ﴾ [سورۂ آل عمران: ۹۲] اور مجھے شکر (میٹھا) زیادہ مرغوب[۲] ہے۔ [درمنثور]

یہ حضرات کسی چیز کو افضل سمجھتے ہوئے بھی حق تعالیٰ شانہٗ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں موجود ہیں، یہ محبت کی انتہا ہے کہ محبوب کی زبان سے نکلی ہوئی بات پر عمل کرنا ہے؛ چاہے افضل دوسری چیز ہو۔

(۱۲) وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ [سورۂ آل عمران: ۱۳۴]

ترجمہ: اور دوڑو اس بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑو اس جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ سارے آسمان اور زمین ہیں، جو تیار کی گئی ہے ایسے مُتّقی لوگوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں فَراخی[۳] میں بھی اور تنگی میں بھی اور غصہ کو ضبط[۴] کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ جلّ شانہٗ محبوب رکھتے ہیں احسان کرنے والوں کو۔

فائدہ: علما نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے بنی اسرائیل کی اس بات پر رَشک[۵] کیا تھا کہ جب کوئی شخص ان میں سے گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر وہ لکھا ہوا ہوتا اور اس کا کَفَّارہ[۶] بھی کہ فلاں کام اس گناہ کے کَفَّارہ میں کیا جائے، مثلاً ناک کاٹ دی جائے، کان کاٹ دیا جائے، وغیرہ وغیرہ، ان حضرات کو اس پر رَشک تھا کہ کَفَّارہ ادا کرنے سے اُس گناہ کے زائل[۷] ہو جانے کا یقین تھا اور گناہ کی اہمیت ان حضرات کی نگاہ میں اتنی سخت تھی کہ اس قسم کی سزاؤں کو بھی اس کے مقابلے میں ہلکا اور قابلِ رَشک سمجھتے تھے، ان حضرات کے جو واقعات حدیث کی کتابوں میں آتے ہیں، وہ واقعی ایسے ہی ہیں کہ بَشَرِیَّت[۸] سے کسی گناہ

حل لغات: (۱) غریب کی جمع۔ (۲) پسند۔ (۳) خوشحالی۔ (۴) برداشت۔ (۵) برابری کی تمنا کرنا۔ (۶) گناہ کا بدلہ۔ (۷) ختم۔ (۸) انسانیت۔

کے سَرزَد[1] ہوجانے کے بعد اس کی ہَیبَت[2] اور اہمیت ان پر بہت زیادہ مُسَلَّط[3] ہوجاتی، مرد تو مرد تھے ہی، عورتوں میں بھی یہی جذبہ تھا۔ ایک عورت سے زنا صَادِر[4] ہوگیا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، خود اِعتِرافِ[5] جُرم کیا اور گناہ سے پاک ہونے کے شوق میں اپنے آپ کو سَنگسار[6] ہونے کے لیے پیش کیا اور سنگسار ہوگئیں، کیوں؟ اس لیے کہ گناہ کی ہَیبَت ان کے دل میں اس مرنے سے بہت زیادہ تھی۔ نماز پڑھتے ہوئے حضرت اَبوطلحہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اپنے باغ کا خیال گزر گیا، اس کو اللہ کے راستے میں صدقہ کر کے چین پڑی، مَحض[7] اس غَیرَت[8] میں کہ نماز میں دنیا کی چیز کا خیال آگیا، ایسی چیز جو نماز میں اپنی طرف مُتَوَجِّہ کرلے اپنے پاس نہیں رکھنی۔

ایک اور انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اس قسم کا قِصَّہ گذرا کہ کھجوریں شَباب[9] پر آرہی تھیں، نماز میں ان کا خیال آگیا (کہ کیسی پک رہی ہیں) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، ان کی خدمت میں حاضر ہوکر باغ کا قصہ ذکر کر کے ان کے حوالے کردیا، جس کو انہوں نے پچاس ہزار میں فروخت[10] کر کے اس کی قیمت دینی کاموں پر خرچ کردی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مُشتَبَہ[11] لقمہ ایک مرتبہ غلطی سے کھالیا، بار بار پانی پی پی کر قے کی کہ وہ ناجائز لقمہ بدن کا جُز[12] نہ بن جائے۔ بہت سے واقعات ان حضرات کے اپنے رسالے "حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم" میں لکھ چکا ہوں، ایسی حالت میں ان حضرات کو اگر اس پر رَشک ہو کہ بنی اسرائیل کے گناہوں کا کفَّارہ ان کو معلوم ہوجاتا تھا اور اس سے گناہ زائل ہوجاتا تھا بے مَحل[13] نہیں، ہم نااہلوں کا ذہن بھی یہاں تک نہیں پہونچتا کہ گناہ اس قدر سخت چیز ہے، غرض ان حضرات کے اس رَشک پر اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے لطف و کرم اور اپنے محبوب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فضل و انعام کی وجہ سے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی کہ ایسے نیک کاموں کی طرف دوڑو جن سے اللہ جَلَّ شانُہٗ کی مغفرت مُیَسَّر[14] ہوجائے۔ حضرت سعید بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نیک اعمال کے ذریعے سے اللہ جَلَّ شانُہٗ کی مغفرت کی طرف سَبقَت[15] کرو اور ایسی جنت کی طرف سَبقَت کرو جس کی وُسعَت[16] اتنی ہے کہ ساتوں آسمان، برابر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے جائیں جیسا کہ ایک کپڑا دوسرے کے برابر جوڑ دیا جاتا ہے اور اسی طرح ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دی جائیں تو جنت کی وُسعَت ان کے برابر ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے برابر جوڑ دی جائیں تو جنت کی چوڑائی ان کے برابر ہوگی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت کُرَیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت

حل لغات: (۱) واقع۔ (۲) خوف۔ (۳) سوار ہونا۔ (۴) واقع۔ (۵) جرم کا اقرار۔ (۶) پتھر مار کر ہلاک کرنا۔ (۷) صِرف۔ (۸) شرم۔ (۹) یعنی پک رہی تھیں۔ (۱۰) بیچنا۔ (۱۱) شک و شبہ والا۔ (۱۲) حصّہ۔ (۱۳) بے موقع۔ (۱۴) حاصل ہونا۔ (۱۵) آگے بڑھنا۔ (۱۶) کشادگی۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے تو رات کے ایک عالم کے پاس بھیجا اور ان کی کتابوں سے جنت کی وُسعَت کا حال دریافت کیا، انہوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبیِّنا وعَلَیہِ السَّلام کے صحیفے نکالے اوران کو دیکھ کر بتایا کہ جنت کی چوڑائی اتنی ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دی جائیں؛ تو اس کے برابر ہوں، یہ تو چوڑائی ہے اور اس کی لمبائی کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جَنگِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ لوگو! ایسی جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں، حضرت عُمَیرؓ بن حَمَّام انصاری رضی اللہ عنہ نے (تعجب سے) عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسی جنت جس کی چوڑائی اتنی زیادہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک، حضرت عُمَیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: واہ! واہ! یارسول اللہ! خدا کی قسم میں اس میں داخل ہونے والوں میں ضرور ہوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہاں تم اس میں جانے والوں میں ہو۔ اس کے بعد حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے چند کھجوریں اونٹ کے ہودَج[1] میں سے نکال کر کھانا شروع کیں (کہ لڑنے کی طاقت پیدا ہو) پھر کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے کھا چکنے کا انتظار تو بڑی لمبی زندگی ہے، یہ کہہ کر ان کو پھینک کر لڑائی کی جگہ چل دیے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ [درِّ منثور]

اس آیتِ شریفہ میں مؤمنین کی ایک خاص مَدح[2] اور تعریف یہ بھی ذکر کی گئی کہ غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے یہ بڑی اونچی اور خاص صفت ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ جب تیرے بھائی سے لَغزِش[3] ہو جائے تُو اس کے لیے سَتَّر عُذر پیدا کر اور پھر اپنے دل کو سمجھا کہ اس کے پاس اتنے عُذر ہیں اور جب تیرا دل ان کو قبول نہ کرے؛ تو بجائے اس شخص کے اپنے دل کو مَلَامَت[4] کر کہ تجھ میں کس قدر قَساوَت[5] اور سختی ہے کہ تیرا بھائی سَتَّر عُذر کر رہا ہے اور تو ان کو قبول نہیں کرتا اور اگر تیرا بھائی کوئی عذر کرے، تو اس کو قبول کر، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی عذر کرے اور وہ قبول نہ کرے تو اس پر اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا چُنگی[6] کے مُحَرِّر[7] کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی یہ صفت بتائی ہے کہ جلدی غصہ آجائے اور جلدی ہی زائل ہو جائے۔ یہ نہیں فرمایا کہ غصہ نہ آتا ہو؛ بلکہ یہ فرمایا کہ جلدی زائل ہو جاتا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس کو غصہ کی بات پر غصہ نہ آتا ہو وہ گدھا ہے، اور جو راضی کرنے پر راضی نہ ہو وہ شیطان ہے، اسی لیے حق تعالیٰ شانُہٗ نے غصہ کو پینے والے فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ ان کو غصہ نہ آتا ہو۔ [اِحیاء العلوم]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں غصہ کو پی لے کہ اس کو پورا کرنے پر

حل لغات: (۱) اونٹ پر لکڑی کی بنی ہوئی بیٹھک۔ (۲) تعریف۔ (۳) بھول چوک۔ (۴) برا بھلا کہنا۔ (۵) بے رحمی۔ (۶) ٹیکس۔ (۷) لکھنے والا۔

قادر ہو؛ تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو امن اور ایمان سے بھر پور کرتے ہیں۔[درمنثور] یعنی مجبوری کا نام صبر تو ہر جگہ ہوتا ہے، کمال یہ ہے کہ قدرت کے باوجود صبر کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی غصہ کا گھونٹ پی ڈالے اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی گھونٹ اللہ جَلَّ شانہٗ کے نزدیک نہیں ہے، جو اس گھونٹ کو پی لے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے باطن[1] کو ایمان سے بھر دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص قدرت کے باوجود غصہ پی جائے، اللہ تعالیٰ قیامت میں ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمائیں گے کہ جس حور کا دل چاہے انتخاب[2] کرلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہادر وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بہادر وہ ہے جو غصہ میں اپنے اوپر قابو پالے۔ حضرت علی بن امام حسین رضی اللہ عنہما کی ایک باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گرا؛ جس سے اس کا منہ زخمی ہوگیا۔ انہوں نے تیز نگاہ سے باندی کو دیکھا، وہ کہنے لگی: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ[3] الْغَيْظَ﴾[سورۂ آل عمران: ۱۳۴] حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اپنا غصہ پی لیا، اس نے پھر پڑھا: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ[4] النَّاسِ﴾[سورۂ آل عمران: ۱۳۴] آپ نے فرمایا: تجھے اللہ تعالیٰ معاف کرے، اس نے پڑھا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ[5]﴾[سورۂ آل عمران: ۱۳۴] آپ نے فرمایا: تو آزاد ہے۔ [درمنثور]

ایک مرتبہ ایک مہمان کے لیے ان کا غلام گرم گرم گوشت کا پیالہ بھرا ہوا لا رہا تھا، وہ ان کے چھوٹے بچے کے سر پر گر گیا، وہ مر گیا آپ نے غلام سے فرمایا: تُو آزاد ہے اور خود بچے کی تجہیز[6] وتکفین میں لگ گئے۔ [روض]

⑬ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ [سورۂ انفال: ۲-۴]	ترجمہ: بس ایمان والے تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ جَلَّ شانہٗ کا ذکر آجائے تو (اس کی عظمت کے خیال سے) ان کے دل ڈر جائیں اور جب اللہ جَلَّ شانہٗ کی آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب ہی پر توکُّل[7] کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کے واسطے) خرچ کرتے ہیں، بس یہی ہیں سچے ایمان والے، ان کے لیے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لیے مَغفِرَت ہے اور ان کے لیے عزت کی روزی ہے۔

فائدہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دل کا ڈر جانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کھجور کے خشک[8] پتوں

حل لغات: ① دل۔ ② پسند۔ ③ غصہ کو پینے والے ہیں۔ ④ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ ⑤ اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ⑥ کفن دفن۔ ⑦ بھروسہ۔ ⑧ سوکھا۔

میں آگ لگ جانا، اس کے بعد اپنے شاگرد شَہر بن حَوشَب کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ اے شہر! تم بدن کی کپکپی نہیں جانتے؟ انہوں نے عرض کیا: جانتا ہوں، فرمایا: اس وقت دعا کیا کرو، اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ثابت بُنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوئی اور کون سی نہیں ہوئی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ فرمایا کہ جس وقت میرے بدن پر کپکپی آجائے اور دل خوف زدہ ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں؛ اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ حضرت سُدّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آجائے" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم کا ارادہ کرے یا کسی اور گناہ کا قَصد(۱) کرے اور اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے۔ حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: حارث کیا حال ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میں بے شک سچا مومن بن گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ کر کہو، کیا کہتے ہو؟ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے (یعنی تم نے کس بات کی وجہ سے یہ طے کرلیا کہ میں سچا مومن بن گیا؟) عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پھیرلیا، رات کو جاگتا ہوں، دن کو پیاسا رہتا ہوں (یعنی روزہ رکھتا ہوں) اور جنت والوں کی آپس میں ملاقاتوں کا مَنظَر میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور جہنم والوں کے شور وشَغَب اور واویلا(۲) کا نظارہ بھی آنکھوں کے سامنے ہے (یعنی دوزخ جنت کا تصور ہر وقت رہتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حارث! بے شک تم نے دنیا سے اپنے نفس کو پھیرلیا، اس کو مضبوط پکڑے رہو، تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا۔ [درمنثور]

اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کے سامنے ہر وقت دوزخ اور جنت کا منظر رہے گا، وہ دنیا میں کہاں پھنس سکتا ہے؟

(۱۴) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ [سورۂ انفال:۶۰]	ترجمہ: اور جو کچھ تم اللہ کے راستے میں خرچ کروگے، اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔

فائدہ: جن آیات اور احادیث میں ثواب بڑھا کر ملنے کا بیان ہے وہ اس کے مُنافِی(۳) نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی؛ باقی ثواب کی مِقدار کیا ہوگی، وہ موقع کی ضرورت، خرچ کرنے والے کی نیت اور حالات کے اعتبار سے جتنی بھی بڑھ جائے۔ یہ تو آخرت کے اعتبار سے ہے اور بسا اوقات(۴) دنیا میں بھی اس کا پورا بدل ملتا ہے؛ جیسا کہ دوسری آیات اور احادیث

حل لغات: (۱) ارادہ۔ (۲) چیخ وپکار۔ (۳) خلاف۔ (۴) بہت دفعہ۔

سے اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آیات کے ذیل میں نمبر بیس[۲۰] پر اور احادیث کے ذیل میں نمبر آٹھ[۸] پر آرہا ہے اور اس لحاظ سے اگر اس آیت شریفہ میں اس طرف اشارہ ہو تو بعید[۱] نہیں۔

⑮ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ [سورۂ ابراہیم:۳۱]	ترجمہ: جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں، ان سے کہہ دیجیے کہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے رہیں پوشیدہ[۲] طور سے بھی اور علانیہ[۳] بھی، ایسے دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی ہوگی۔

فائدہ: پوشیدہ طور سے بھی اور علانیہ بھی یعنی جس وقت جس قسم کا صدقہ مناسب ہو کہ حالات کے اعتبار سے دونوں قسموں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ فرض صدقات بھی جن کا علانیہ ادا کرنا اَولیٰ[۴] ہے اور نوافل بھی جن کا اِخفا[۵] اولیٰ ہے جیسا کہ آیت شریفہ نمبر نو[۹] کے ذیل میں گزرا اور اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ آیت شریفہ نمبر چھ[۶] میں گزرا اور نماز کو قائم رکھنا سب سے پہلی آیتِ شریفہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا، اس میں فرمایا: لوگو! مرنے سے پہلے پہلے توبہ کرلو (ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور توبہ رہ جائے) اور مَشاغِل[۶] کی کثرت سے پہلے پہلے نیک اعمال کرلو (ایسا نہ ہو کہ پھر مشغلوں کی کثرت سے وقت نہ ملے) اور اپنا اور اپنے رب کا تعلق مضبوط کرلو، اس کی یاد کی کثرت کے ساتھ اور مخفی[۷] اور علانیہ صدقہ کی کثرت کے ذریعہ سے کہ اس کی وجہ سے تمھیں رزق بھی دیا جائے گا، تمہاری مدد بھی ہوگی، تمہاری شِکَستہ حالی[۸] بھی دور ہوگی۔ [ترغیب]

⑯ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ [سورۂ حج:۳۵]	ترجمہ: آپ خوشخبری دیجیے اُن عاجزی کرنے والے مسلمانوں کو جو ایسے ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتیں اُن پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھنے والے ہیں اور جو ہم نے اُن کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔

فائدہ: ﴿مخبتین﴾ جس کا ترجمہ عاجزی کرنے والوں کا لکھا گیا ہے، اس کے ترجمے میں علما کے کئی قول ہیں۔ اس کا اصل ترجمہ پستی[۹] کی طرف جانے والوں کا ہے۔ بعض علما نے اس کا ترجمہ احکامِ الٰہیہ

حل لغات: ① دور، مراد مشکل۔ ② چھپا ہوا۔ ③ کھلم کھلا۔ ④ بہتر۔ ⑤ چھپانا۔ ⑥ مشغلہ کی جمع، کام کاج۔ ⑦ چھپا ہوا۔ ⑧ محتاجی۔ ⑨ نیچے۔

کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کا کیا ہے کہ وہ بھی گردن کو نیچے کی طرف لے جاتے ہیں۔ بعض نے تواضع کرنے والوں کا کیا ہے کہ وہ تو گردن جھکانے والے ہر وقت ہی ہیں۔ حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ مُطمئِن لوگوں سے کیا ہے۔ حضرت عَمرو بن اَوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُخبِتِین وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہ کریں اور اگر ان پر ظلم کیا جائے تو وہ بدلہ نہ لیں۔ ضَحّاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مُخبِتِین مُتَواضِع لوگ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا کہ وہ جب حضرت رَبیع بن خُثَیم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے تو فرماتے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے مُخبِتِین یاد آجاتے ہیں۔

(۱۷) وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ [سورۂ مؤمنون: ۶۰-۶۱]	ترجمہ: اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں، جو کچھ دیتے ہیں اور اس پر بھی ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس جانے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں دوڑنے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف سَبقت[1] کرنے والے ہیں۔

فائدہ: یعنی باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھیے اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں ان نیکیوں کا کیا حشر ہوا؟ قبول ہوتی ہیں یا نہیں، یہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی غایتِ[2] عظمت اور عُلُوِّ[3] مرتبہ کی وجہ سے ہے، جو شخص جتنا اونچے مرتبے کا ہوتا ہے، اتنا ہی اس کا خوف غالب ہوتا ہے، بِالخُصوص اس شخص کے لیے جس کے دل میں واقعی عظمت ہو؛ نیز وہ اس سے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ اس کے خرچ کرنے میں نیت بھی ہماری خالص ہے یا نہیں؟ بسا اَوقات[4] نفس اور شیطان کے مَکر[5] کی وجہ سے آدمی کسی چیز کو نیکی سمجھتا رہتا ہے اور وہ نیکی نہیں ہوتی، جیسا کہ سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؕ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ ﴾ [سورۂ کہف: ۱۰۳-۱۰۴] ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ ہم تم کو ایسے آدمی بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خَسارے[6] والے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں گئی گزری ہوگئیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکیاں کر کے ڈرتا ہے اور منافق برائیاں کر کے بے خوف ہوتا ہے۔

حل لغات: (۱) آگے بڑھنا۔ (۲) انتہائی بزرگی۔ (۳) مرتبہ کی بلندی۔ (۴) بہت سی مرتبہ۔ (۵) دھوکہ۔ (۶) نقصان۔

''فضائلِ حج''، میں مُتعَدَّد واقعات اس قسم کے ذکر ہو چکے ہیں کہ جن کے دلوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور جلال کامل[۱] درجہ کا ہوتا ہے؛ وہ زبان سے لبیک کہتے ہوئے اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ مردود[۲] نہ ہو جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یارسول اللہ! ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ ﴾ الآية [سورۂ مومنون:۶۰] یہ آیت شریفہ ان لوگوں کے بارے میں ہے کہ ایک آدمی چوری کرتا ہے، زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور دوسرے گناہ کرتا ہے اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کو اللہ کی طرف رُجوع کرنا ہے (یعنی اس کو اپنے گناہوں کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ کے حضور[۳] میں پیش ہونے کا ڈر ہوتا ہے کہ وہاں جا کر کیا منہ دکھائے گا؟) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ایک آدمی روزہ رکھتا ہے، صدقہ دیتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور وہ اس کے باوجود اس سے ڈرتا ہے کہ وہ اس سے قبول نہ ہو۔ دوسری حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ وہ لوگ ہیں جو خطائیں کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقے دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ وہ لوگ اعمال کرتے ہیں ڈرتے ہوئے۔ سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ صدقات دیتے ہیں اور قیامت میں اللہ جَلَّ شانہٗ کے سامنے کھڑے ہونے سے اور حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان اعمال کی وجہ سے بھی عذاب سے نجات نہ ملے۔ [درمنثور] حضرت زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ جب وضو کرتے تو چہرے کا رنگ زرد[۴] ہو جاتا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی آجاتی، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا: جانتے بھی ہو کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ [روض] فضائلِ نماز میں مُتعَدَّد واقعات اس قسم کے ذکر کیے گئے اور حکایاتِ صحابہ کا ایک باب مُستقِل اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ڈرنے والوں کے بیان میں ہے۔

⑱ وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ [سورۂ نور:۲۲]	ترجمہ: اور جو لوگ تم میں (دین کے اعتبار سے) بزرگی والے (اور دنیا کے اعتبار سے) وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہلِ قرابت[۵] کو اور مساکین کو، اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو یہ چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف کر دے (پس تم بھی اپنے قصورواروں کو معاف کردو) بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

حل لغات: ① مکمل، پورا۔ ② ناقابل قبول۔ ③ سامنے۔ ④ پیلا۔ ⑤ رشتہ دار۔

فائدہ: ۶ھ میں غزوۂ بنی المُصطلِق کے نام سے ایک جہاد ہوا ہے؛ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، اس پر ہَودَج[1] تھا یہ اپنے ہَودَج میں رہتی تھیں، جب چلنے کا وقت ہوتا چند آدمی ہَودَج کو اُٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے، بہت ہلکا پھلکا بدن تھا، اُٹھانے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں؛ اس لیے کہ جب چار آدمی مل کر ہَودَج کو اُٹھائیں، اس میں ایک کم سِن[2] ہلکی پھلکی عورت کے وزن کا کیا پتہ چل سکتا ہے، حسبِ معمول[3] ایک منزل پر قافلہ اُترا ہوا تھا، جب روانگی کا وقت ہوا تو لوگوں نے ان کے ہَودَج کو باندھ دیا، یہ اس وقت استنجے کے لیے تشریف لے گئی تھیں، واپس آئیں تو دیکھا کہ ہار نہیں ہے؛ جو پہن رہی تھیں، یہ اس کو تلاش کرنے چلی گئیں، پیچھے یہاں قافلہ روانہ ہوگیا، یہ تنہا اس جنگل بیابان[4] میں کھڑی رہ گئیں، انہوں نے خیال فرمایا کہ راستے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے نہ ہونے کا علم ہوگا؛ تو آدمی تلاش کرنے اسی جگہ آئے گا، وہیں بیٹھ گئیں اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو سوگئیں، اپنے نیک اعمال کی وجہ سے طمانیتِ[5] قلب تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سب حضرات کو کمال درجے کی عطا فرما رکھی تھی، آج کل کی کوئی عورت ہوتی تو تنہا جنگل بیابان میں رات کو نیند آنے کا تو ذکر ہی کیا خوف کی وجہ سے روکر چلا کر صبح کردیتی۔ حضرت صفوان بن مُعطّل رضی اللہ عنہ ایک بزرگ صحابی تھے؛ جو قافلے کے پیچھے اس لیے رہا کرتے تھے کہ راستے میں گری پڑی چیز کی خبر رکھا کریں، وہ صبح کے وقت جب اس جگہ پہونچے تو ایک آدمی کو پڑے دیکھا اور چونکہ پردے کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا، اس لیے یہاں ان کو پڑا دیکھ کر پہچان لیا اور زور سے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ''[6] پڑھا، اِن کی آواز سے اُن کی آنکھ کھلی اور منہ ڈھانک لیا، انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا، یہ اس پر سوار ہوگئیں اور وہ اونٹ کی نکیل[7] پکڑ کر لے گئے اور قافلہ میں پہونچا دیا۔

عبداللہ بن اُبَیّ جو منافقوں کا سردار اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، اس کو تہمت[8] لگانے کا موقع مل گیا اور خوب اس کی شہرت کی، اس کے ساتھ بعض بھولے مسلمان بھی اس تذکرے میں شامل ہوگئے اور اللہ کی قدرت اور شان کہ ایک ماہ تک یہ ذکر تذکرے ہوتے رہے، لوگوں میں کثرت سے اس واقعہ کا چرچا ہوتا رہا اور کوئی وحی وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت[9] کی نازل نہ ہوئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اس حادثے کا سخت صدمہ تھا اور جتنا بھی صدمہ ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) وہ لکڑی یا ڈولی جو اونٹ پر بیٹھنے کے لیے رکھی جائے۔ (۲) چھوٹی عمر والی۔ (۳) عادت اور دستور کے مطابق۔ (۴) ویرانہ۔ (۵) دلی سکون۔ (۶) ہم سب اللہ ہی کے ہیں، ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۷) اونٹ کے ناک کی رسی۔ (۸) جھوٹا الزام۔ (۹) صفائی۔

مردوں سے اور عورتوں سے اس بارے میں مشورہ فرماتے تھے، اَحوال کی تحقیق فرماتے تھے؛ مگر یکسوئی[1] کی کوئی صورت نہ ہوتی، ایک ماہ کے بعد سورۂ نور کا ایک مستقل رکوع قرآن پاک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں نازل ہوا اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے ان لوگوں پر سخت عِتاب[2] ہوا، جنہوں نے بے دلیل بے ثبوت اس تہمت کو شائع[3] کیا تھا۔ اس واقعہ کو شہرت دینے والوں میں حضرت مِسطَح رضی اللہ عنہ ایک صحابی بھی تھے؛ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی خبر گیری[4] اور اِعانت[5] فرمایا کرتے تھے، اس تہمت کے قصہ میں ان کی شرکت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رنج ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ انہوں نے اپنے ہوکر بے تحقیق بات کو پھیلایا۔ اس رنج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ مِسطَح رضی اللہ عنہ کی اِعانَت نہ کریں گے، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی جو اوپر لکھی گئی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسے لوگوں کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، جنہوں نے اس تہمت کے واقعے میں زیادہ حصہ لیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مِسطَح نے اس میں بہت زیادہ حصہ لیا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے، ان ہی کی پرورش میں رہتے تھے، جب براءت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ ان پر خرچ نہ کریں گے، اس پر یہ آیت ﴿ وَلَا يَأْتَلِ ﴾ [سورۂ نور:۲۲] نازل ہوئی اور آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی پرورش میں پھر لے لیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اس آیت شریفہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جتنا پہلے سے خرچ کرتے تھے اس کا دوچند[6] کر دیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دو یتیم تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پرورش میں تھے؛ جن میں سے ایک مسطح رضی اللہ عنہ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں کا نفقہ[7] بند کرنے کی قسم کھالی تھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ میں کئی آدمی ایسے تھے؛ جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر بہتان میں حصہ لیا، جس کی وجہ سے بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ایسے تھے جنہوں نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان[8] کی اِشاعت[9] میں حصہ لیا، ان پر خرچ نہ کریں گے؛ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی کہ بزرگی والے اور وسعت[10] والے حضرات اس کی قسم نہ کھائیں کہ وہ صلہ رَحمی[11] نہ کریں گے اور جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اسی طرح خرچ نہ کریں گے۔ [درِّ منثور] کس قدر مجاہدۂ عظیم ہے کہ ایک شخص کسی کی بیٹی کی آبروریزی[12] میں جھوٹی

حل لغات: (۱) اطمینان۔ (۲) غصہ۔ (۳) مشہور۔ (۴) دیکھ بھال۔ (۵) مدد۔ (۶) دوگنا، ڈبل۔ (۷) خرچ۔ (۸) جھوٹا الزام۔ (۹) پھیلانا۔ (۱۰) کشادگی۔ (۱۱) رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک۔ (۱۲) بے عزتی۔

باتیں کہتا پھرے اور پھر وہ اس کی اِعانت اسی طرح کرے جس طرح پہلے سے کرتا تھا؛ بلکہ اس سے بھی دوچند[1] کردے۔

(۱۹) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ [سورۂ سجدہ:۱۶-۱۷]	ترجمہ: رات کو ان کے پہلو[2] بستروں سے علیحدہ[3] رہتے ہیں، اس طرح کہ وہ لوگ اپنے رب کو (عذاب کے) خوف سے اور (ثواب کی) امید میں پکارتے رہتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے رہتے ہیں، پس کوئی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے، یہ بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔

فائدہ: رات کو ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں کے متعلق علمائے تفسیر کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مغرب اور عشاء کا درمیان مراد ہے، بہت سے آثار[4] سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی، ہم انصار کی جماعت مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے گھر واپس نہ ہوتے تھے، اس وقت تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیں، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کیا گیا کہ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا معمول یہ تھا کہ وہ مغرب کے بعد سے عشاء تک نوافل پڑھا کرتے، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کے بعد بیٹھے رہتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتی تھی، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ عبداللہ بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ انصار کی ایک جماعت مغرب سے عشاء تک نوافل پڑھتی تھی، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس سے رات کا قیام[5] مراد ہے۔ ایک حدیث میں مُجاہِد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے قیام کا ذکر فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تورات میں لکھا ہے: جن لوگوں کے پہلو رات کو بستروں سے دور رہتے ہیں، اُن کے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ نے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا وسوسہ[6] بھی پیدا ہوا، نہ ان کو کوئی مُقرَّب[7] فرشتہ جانتا ہے، نہ کوئی نبی رسول

حل لغات: (۱) دوہرا، ڈبل۔ (۲) بازو، مرادبدن۔ (۳) الگ۔ (۴) صحابۂ کرام کے اقوال وافعال۔ (۵) کھڑا ہونا، مرادنماز پڑھنا۔ (۶) خیال۔ (۷) قریبی۔

اوراس کا ذکر قرآن پاک کی اس آیتِ شریفہ میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی کے دل پر ان کا وَسْوَسہ گزرا۔

رَوضُ الرِّیاحین وغیرہ میں سینکڑوں واقعات ایسے لوگوں کے مذکور ہیں، جو ساری رات مولا کی یاد میں رو رو کر گزار دیتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا ایسی معروف[1] چیز ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں اور ماہِ مُبارک میں دو قرآن شریف روزانہ، ایک دن کا ایک رات کا ختم کرنا بھی معروف ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ساری رات جاگنا اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لینا بھی مشہور واقعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات[2] عشاء کی نماز پڑھ کر گھر میں تشریف لے جاتے اور گھر جا کر نماز شروع کر دیتے اور نماز پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے۔ حضرت تَمِیم دَارِی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، ایک رکعت میں تمام قرآن شریف پڑھنا اور کبھی ایک ہی آیت کو صبح تک بار بار پڑھتے رہنا ان کا معمول تھا۔ حضرت شَدَّاد بن اَوس رضی اللہ عنہما سونے کے لیے لیٹتے اور اِدھر اُدھر کروٹیں بدل کر یہ کہہ کر کھڑے ہو جاتے کہ یا اللہ! جہنم کے خوف نے میری نیند اُڑا دی اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ حضرت عُمَیر رحمۃ اللہ علیہ ایک ہزار رکعت نفل اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح روزانہ پڑھتے۔ حضرت اُوَیس قَرَنی رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی[3] ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تعریف فرمائی اور ان سے دعا کرانے کی لوگوں کو تَرغیب[4] دی، کسی رات کو فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے اور ساری رات رکوع میں گزار دیتے؛ کسی رات فرماتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے اور ساری رات سجدے میں گزار دیتے۔ [اِقامۃ الحجۃ] غرض ان حضرات کے واقعات رات بھر مالک کی یاد میں محبوب کی تڑپ میں گزار دینے کے اتنے کثیر[5] ہیں کہ ان کا اِحاطہ[6] ناممکن ہے۔ یہی حضرات حقیقۃً اس شعر کے مِصْداق[7] تھے:

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دِلبر[8] میں ہماری نیند ہے محو[9] خیالِ یار ہو جانا

کاش حق تعالیٰ شانُہٗ ان حضرات کے جذبات کا ذرا سا سایہ اس ناپاک پر بھی ڈال دیتا۔

⑳ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ ۚ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ [سورۂ سبا: ۳۹]	ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی کی وُسعت[10] عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے روزی کی تنگی دیتا ہے اور جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا؛ اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

حل لغات: ① مشہور۔ ② اکثر وقت۔ ③ وہ مسلمان جس نے صحابیِ رسول کو دیکھا ہو۔ ④ رغبت دلانا۔ ⑤ زیادہ۔ ⑥ مکمل جمع کرنا۔ ⑦ وہ چیز جس پر کوئی معنی بولے جاسکیں۔ ⑧ محبوب۔ ⑨ گم ہو جانا۔ ⑩ زیادتی۔

فائدہ: یعنی تنگی اور فراخی[1] اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے ہے، تمہارے خرچ کو روکنے سے فراخی نہیں ہوتی اور خرچ زیادہ کرنے سے تنگی نہیں ہوتی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو خرچ کیا جائے اس کا بدلہ آخرت میں تو ملتا ہی ہے، دنیا میں بھی اکثر اس کا بدل ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ جلَّ شانُہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا: میرے بندو! میں نے تم کو اپنے فضل سے عطا کیا اور تم سے قرض مانگا، پس جو شخص مجھے اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے دے گا، میں اس کا بدل دنیا میں جلدی دوں گا اور آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھوں گا اور جو خوشی سے نہ دے گا؛ بلکہ اس سے میں اپنی دی ہوئی چیز جبراً[2] واپس لے لوں گا اور وہ اس پر صبر کرے گا اور ثواب کی امید رکھے گا اس کے لیے میں اپنی رحمت واجب کردوں گا اور اس کو ہدایت[3] یافتہ لوگوں میں لکھوں گا اور اس کے لیے اپنے دیدار[4] کو مُباح[5] کردوں گا۔ [کنز]

کس قدر حق تعالیٰ شانُہٗ کا احسان ہے کہ اپنی خوشی سے نہ دینے کی صورت میں بھی اگر بندہ جبر سے لیے جانے میں بھی صبر کرلے، تو اس کے لیے بھی اجر[6] فرمادیا؛ حالانکہ جب وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی عطا کی ہوئی چیز خوشی سے واپس نہیں کرتا، جبراً اس سے لی جاتی ہے تو پھر اجر کا کیا مطلب؟ لیکن حق تعالیٰ شانُہٗ کے احسانات کا کوئی شمار ہوسکتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیتِ شریفہ کے بارے میں فرمایا کہ تم جو کچھ اپنے اہل وعیال[7] پر خرچ کرو، بغیر اسراف[8] کے اور بغیر کنجوسی کے، وہ سب اللہ کے راستے میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آدمی جو کچھ شرعی نفقہ[9] میں خرچ کرے اللہ جلَّ شانُہٗ کے ذمہ اس کا بدل ہے، بجز[10] اس کے کہ جو تعمیر میں خرچ کیا ہو یا معصیت[11] میں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہر احسان صدقہ ہے اور جو کچھ آدمی اپنے نفس پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، وہ صدقہ ہے اور جو کچھ اپنی آبرو[12] کی حفاظت میں خرچ کرے، وہ صدقہ ہے اور مسلمان جو کچھ (شریعت کے مُوافق) خرچ کرتا ہے، اللہ جلَّ شانُہٗ اس کے بَدَل کے ذمہ دار ہیں؛ مگر وہ خرچ جو گناہ میں ہو یا تعمیر میں۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ایک مُفصَّل[13] قصہ نقل کیا جو احادیث کے ذیل میں نمبر بارہ[12] صفحہ ۱۰۲ پر مُفَصَّل آرہا ہے۔ علاَّمہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درِ مَنثُور میں اس کو حکیم ترمذی کی روایت سے مفصل نقل کیا ہے، لیکن خود انہوں نے ''لَآلِیُ الْمَصْنُوْعَۃ'' میں اس کو بہت مختصر طور پر ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے موضوعات میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ روزانہ صبح کو دو[2] فرشتے

حل لغات: (۱) خوشحالی۔ (۲) زبردستی۔ (۳) ہدایت پایا ہوا۔ (۴) دیکھنا۔ (۵) جائز۔ (۶) ثواب، بدلہ۔ (۷) گھر والے۔ (۸) فضول خرچی۔ (۹) بال بچوں کا خرچ۔ (۱۰) سوائے، علاوہ۔ (۱۱) گناہ۔ (۱۲) عزت۔ (۱۳) تفصیل سے۔

حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کرتے ہیں: ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما۔ دوسرا عرض کرتا ہے: اے اللہ! روک کے رکھنے والے کے مال کو ہلاک کر۔ احادیث کے ذیل میں یہ حدیث نمبر ۲ صفحہ ۸۷ پر آرہی ہے۔ اور تجربہ میں بھی اکثر یہی آیا ہے کہ جو حضرات سخاوت کرتے ہیں، اللہ جَلّ شانہٗ کے دربار سے فُتُوحات[1] کا دروازہ ان کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے اور جو لوگ کنجوسی سے جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اکثر کوئی سماوی[2] آفت، بیماری، مُقدّمہ، چوری وغیرہ ایسی چیز پیش آجاتی ہے جس سے برسوں کا اندوختہ[3] دنوں میں ضائع ہوجاتا ہے اور اگر کسی کے دوسرے نیک اعمال کی برکت سے اور اس کی نیک نیّتی سے اس پر کوئی ایسا خرچ نہیں پڑتا، تو نالائق اولاد باپ کے اندوختہ کو جو اس کی عمر بھر کی کمائی تھی، مہینوں میں برابر کردیتی ہے۔ حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خوب خرچ کیا کر اور گن گن کر مت رکھ کہ اللہ جَلّ شانہٗ تجھے بھی گن کر عطا کرے گا اور جمع کر کے مت رکھ کہ اللہ جَلّ شانہٗ تجھ سے بھی جمع کر کے رکھنے لگے گا، عطا کر جتنا تجھ سے ہوسکے۔ [مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین]

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے پاس ایک ڈھیری کھجوروں کی رکھی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آئندہ کی ضرورت کے لیے رکھ لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کا دھواں جہنم کی آگ میں دیکھو، بلال! خوب خرچ کرو اور عرش کے مالک سے کمی کا خوف نہ کرو۔ [مشکوٰۃ]

یہاں ضرورت کے درجہ میں بھی آئندہ کے لیے ذخیرہ رکھنے پر عتاب[4] ہے اور جہنم کا دھواں دیکھنے کی وعید[5] ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شایانِ شان یہی چیز تھی اس لیے کہ یہ اُن عالی مرتبہ[6] لوگوں میں ہیں، جن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گوارا[7] نہ فرماسکتے تھے کہ ان کو کل کی فکر ہو اور ان کو اپنے مالک پر اس کا پورا وُثوق[8] نہ ہو کہ جس نے آج دیا وہ کل کو بھی دے گا۔ ہر شخص کی ایک شان اور اس کا ایک مرتبہ ہوا کرتا ہے "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن" مشہور مقولہ[9] ہے کہ عامی نیک لوگوں لیے جو چیزیں نیکیاں ہیں، مُقرّب[10] لوگوں کی شان میں وہ بھی کوتاہیاں[11] شمار ہوجاتی ہیں۔ بہت سے واقعات اس کی نظیریں[12] ہیں۔ بہر حال مال رکھنے کے واسطے ہرگز نہیں، جمع کرنے کی چیز بالکل نہیں ہے، یہ صرف خرچ کرنے کے واسطے پیدا ہوا ہے، اپنی ذات پر کم سے کم اور دوسروں پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا اس کا فائدہ ہے؛ لیکن یہ بات نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سارا مدار نیّت ہی پر ہے "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" مشہور حدیث ہے کہ اعمال کا مدار[13] نیّت ہی پر ہے، جہاں نیک نیتی ہو، محض اللہ کے

حل لغات: (۱) کامیابیوں۔ (۲) آسمانی بلا۔ (۳) جمع کیا ہوا۔ (۴) غصہ، ناراضگی۔ (۵) سزا دینے کی دھمکی۔ (۶) بلند۔ (۷) پسند۔ (۸) بھروسہ۔ (۹) کہاوت، بات۔ (۱۰) قریبی۔ (۱۱) غلطیاں۔ (۱۲) مثالیں۔ (۱۳) بنیاد۔

واسطے خرچ کرنا ہو؛ چاہے اپنے نفس پر ہو؛ چاہے اَہل[1] وعیال پر؛ چاہے اَقرَباء[2] پر؛ چاہے اَغیار[3] پر وہ برکات اور ثمرات[4] لائے بغیر نہیں رہ سکتا اور جہاں بدنیتی ہو، شہرت اور عزت مقصود ہو، نیک نامی اور دوسری اَغراض[5] مل گئی ہوں، وہاں نیکی برباد گناہ لازم ہوجاتا ہے، وہاں برکت کا سوال ہی نہیں رہتا۔

(۲۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ [سورۂ فاطر:۲۹-۳۰]	ترجمہ: جولوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ[6] اور عَلانیہ[7] خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں گھاٹا نہیں ہے اور یہ اس لیے تاکہ حق تعالیٰ شانُہٗ ان کو ان کے اعمال کی اُجرتیں[8] بھی پوری پوری عطا کرے اور اس کے علاوہ اپنے فضل سے (بطور انعام کے) اور زیادہ عطا کرے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا، بڑا اقدر[9] دان ہے۔

فائدہ: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی تجارت سے جس میں گھاٹا نہیں، جنت مراد ہے، جو نہ کبھی برباد ہوگی نہ خراب ہوگی اور اپنے فضل سے زیادتی سے مراد وہ ہے جس کو (قرآن پاک میں) ﴿وَلَدَیْنَا[10] مَزِیْدٌ﴾ سے تعبیر[11] کیا ہے۔ [درمنثور]

یہ آیت جس کی طرف حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے، سورۂ ق کی آیت ہے؛ جس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾ "ان (جنت والوں) کے لیے جنت میں ہر وہ چیز موجود ہوگی، جس کی یہ خواہش کریں گے اور (ان کی چاہی ہوئی چیزوں کے علاوہ) ہمارے پاس ان کے لیے اور بھی زیادہ ہے (جو ہم ان کو عطا کریں گے)۔" اور اس کی تفسیر میں احادیث میں بہت ہی عجیب عجیب چیزیں ذکر کی گئیں، جو بڑی تفصیل طلب ہیں۔ اور ان میں سب سے اونچی چیز حق تعالیٰ شانُہٗ کی رَضا کا پَرْوَانہ ہے اور بار بار کی زیارت جو خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوگی اور یہ اتنی بڑی دولت کیسی کم محنت چیزوں پر مُرتَّب[12] ہے، جن میں کوئی مَشقَّت اُٹھانا نہیں پڑتی۔ اللہ کی راہ میں کثرت سے خرچ کرنا، نماز کو قائم رکھنا اور قرآن پاک کی تلاوت کَثْرَت سے کرنا جو خود دنیا میں بھی لذت کی چیز ہے۔ قرآن پاک کی کثرت کے چند واقعات ابھی گزر چکے ہیں اور کچھ واقعات فضائلِ قرآن میں ذکر کیے گئے، ان کو غور سے دیکھنا چاہیے۔

حل لغات: (۱) گھر والے۔ (۲) رشتہ دار۔ (۳) غیر کی جمع، اجنبی۔ (۴) اچھے نتیجے۔ (۵) غرض کی جمع، مقصد۔ (۶) چھپا ہوا۔ (۷) کھُلَم کھلّا۔ (۸) بدلے۔ (۹) قدر کرنے والا۔ (۱۰) ہمارے پاس کچھ اور زیادہ بھی ہے۔ (۱۱) بیان۔ (۱۲) مل رہی ہیں۔

⑳ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ [سورۂ شوریٰ:۳۸]	ترجمہ: اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم کیا اور ان کا (ہر مُہتَم بِالشَّان[1]) کام مشورے سے ہوتا ہے اور جو ہم نے ان کو دیا ہے، اس سے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں (ایسے لوگوں کے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں جو عطایا[2] ہیں، وہ دنیا کے ساز و سامان سے بدرجہا بہتر اور پائیدار[3] ہیں)۔

فائدہ: اِن آیات میں کامل لوگوں کی بہت سی صفات ذکر کی ہیں اور ان کے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے پاس جو ہے، اور وہ دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا[4] بہتر ہے، اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات میں ﴿ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ سے بِالتَّرتیب[5] حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خصوصی صفات اور وقتی حالات کی طرف اشارہ ہے اور حضرت صدیق اکبر سے لے کر حضرت علی اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم کے زمانے تک کے احوال[6] سے خلافت کی زینت کی طرف اشارہ ہے اور اسی ترتیب سے صفات و اَحوال پر تنبیہ[7] ہے، جس ترتیب سے ان حضرات کی خلافت ہوئی اور ان آیات میں اشارے کے طور پر آخرت میں ان حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے لیے بہت کچھ عطایا کا وعدہ ہے اور الفاظ کے عموم[8] سے ان سب لوگوں کے لیے وعدہ ہے، جو ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔ کاش ہم مسلمانوں کو دین کا شوق ہوتا اور قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے بہترین اخلاق کو تلاش کر کے اپنانے کا جذبہ ہوتا؛ مگر ہمارے اخلاق اس قدر گرتے جا رہے ہیں، بلکہ گر چکے ہیں کہ ان کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام سے نفرت ہوتی ہے۔ ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اسلامی اخلاق پر آج کل مسلمان چل ہی نہیں رہے، وہ مسلمانوں کے جو اخلاق دیکھتے ہیں، انہیں کو اسلامی اخلاق سمجھتے ہیں۔ (فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى[9])۔

㉓ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۞ [سورۂ الذاریات:۱۹]	ترجمہ: اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے کا اور (سوال نہ کرنے والے) نادار[10] کا حق ہے۔

فائدہ: اوپر سے کامل ایمان والوں کی خاص صفتیں بیان ہو رہی ہیں، جن کے ذیل میں ان کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ صدقات اتنے کثرت اور ایسے اہتمام سے دیتے ہیں کہ گویا یہ ان کے ذمہ حق ہو گیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے اَموال میں حق ہے یعنی زکوٰۃ کے علاوہ، جس سے وہ صِلَہ رَحمی[11] کرتے ہیں اور مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں، اور محروم لوگوں کی اِعانت[12] کرتے

حل لغات: (۱) اہم، ضروری۔ (۲) انعام۔ (۳) باقی رہنے والا۔ (۴) بہت زیادہ۔ (۵) ترتیب وار۔ (۶) حالت کی جمع۔ (۷) آگاہی۔ (۸) عام ہونا۔ (۹) اللہ ہی سے شکایت ہے۔ (۱۰) محتاج۔ (۱۱) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۱۲) مدد۔

ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق سمجھتے ہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ محروم: وہ پریشان حال ہے جو دنیا کا طالب ہو اور دنیا اس سے منہ پھیرتی ہو، اور آدمیوں سے سوال نہ کرتا ہو۔ ایک اور حدیث میں ان سے نقل کیا گیا کہ محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت[1] المال میں نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محروم وہ تنگی میں پڑا ہوا شخص ہے جس کی کمائی اس کو کافی نہ ہو۔ ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یمامہ میں ایک آدمی تھا، ایک مرتبہ سیلاب آیا اور اس کا سب کچھ مال و[2] متاع بہا کر لے گیا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو محروم کہتے ہیں، اس کی اعانت کی جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مسکین وہ شخص نہیں ہے جس کو ایک ایک لقمہ در بدر[3] پھراتا ہے یعنی دروازوں سے بھیک مانگتا ہے، اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ خود اتنا مال ہو جو اس کی حاجت[4] کو پورا کرے اور نہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو کہ اس کی اعانت کی جائے، یہی شخص دراصل محروم ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت شریفہ کے مُتعلّق سوال کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اَور بھی حق ہے۔ [درمنثور]

یہ حدیث اسی فصل کی احادیث میں نمبر سولہ ۱۶ صفحہ ۱۱۰ پر آئے گی۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی: ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۷۷] اس آیتِ شریفہ کا کچھ حصہ نمبر دو ۲ صفحہ ۲۳ پر گزر چکا ہے، اس آیت میں مساکین وغیرہ کے دینے کا ذکر علیحدہ ہے اور زکوٰۃ دینے کا ذکر علیحدہ ہے۔ جس میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی کو صرف زکوٰۃ ہی پر کفایت نہ کرنا چاہیے، بلکہ اس کے علاوہ بھی اپنے مال کو اللہ کے راستے میں کثرت سے خرچ کرنا چاہیے؛ مگر آج ہم لوگوں کے لیے زکوٰۃ کا ہی ادا کرنا وَبال ہو رہا ہے، کتنے مسلمان ایسے ہیں جو زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے، ہاں شادی اور تقریبات کی لَغو رسموں میں گھر بھی گروِی رکھ دیں گے، جہاں دنیا میں مال برباد ہو اور آخرت میں گناہ کا وبال ہو۔

(۲۴) اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ [سورۂ حدید: ۷]	ترجمہ: تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم[5] مقام بنایا ہے، اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو، جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

حل لغات: (۱) سرکاری خزانہ۔ (۲) سامان۔ (۳) ہر ایک کے دروازے پر۔ (۴) ضرورت۔ (۵) نائب۔

فائدہ: قائم مقام کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال پہلے کسی اور کے پاس تھا، اب چند روز کے لیے تمہارے پاس ہے، تمہاری آنکھ بند ہو جانے کے بعد کسی اَور کے پاس چلا جائے گا، ایسی حالت میں اس کو جوڑ جوڑ کے رکھنا بے کار بات ہے، یہ بے مُرَوَّت[1] مال نہ سَدا[2] کسی کے پاس رہا، نہ رہے گا، خوش نصیب ہے وہ جو اس کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کرلے، اور وہ صرف یہی ہے کہ اس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے بینک میں جمع کرادے، جس میں نہ ضائع ہونے کا اندیشہ[3] ہے، نہ چھوٹ جانے کا خطرہ ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے ہر وقت خطرہ ہی خطرہ ہے اور آج کل تو قدرت نے آنکھوں سے دکھا دیا کہ بڑے بڑے محل، بڑی بڑی جاگیریں، ساز و سامان سب کا سب کھڑے کھڑے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے قبضہ میں آگیا۔ کل تک جن مکانات کے بلاشرکتِ غیرے[4] خود مالک تھے، آج دوسروں کو اپنی آنکھوں سے اپنا جانشین[5] ان میں دیکھتے ہیں، پھر بھی عبرت[6] حاصل نہیں ہوتی۔

(۲۵) وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ [سورۂ حدید:۱۰]	ترجمہ: اور تمہیں کیا ہو گیا کیوں نہیں خرچ کرتے اللہ کے راستے میں؛ حالانکہ سب آسمان زمین آخر میں اللہ ہی کی میراث ہے، جو لوگ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کر چکے ہیں اور جہاد کر چکے ہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے (ان لوگوں کے جن کا ذکر آگے ہے بلکہ) وہ بڑھے ہوئے ہیں درجہ میں ان لوگوں سے جنہوں نے فتحِ مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے (چاہے فتحِ مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہو یا بعد میں) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی میراث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب سب آدمی مر جائیں گے تو آخر میں آسمان زمین، مال متاع[7] سب اسی کا رہ جائے گا کہ اس پاک ذات کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا، تو جب سب کچھ سب کو چھوڑنا ہی ہے تو پھر اپنی خوشی سے اپنے ہاتھ سے کیوں نہ خرچ کرے کہ اس کا ثواب بھی ملے۔ اس کے بعد آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ کی گئی کہ جن لوگوں نے فتحِ مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کام پر خرچ کیا یا جہاد کیا، ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے فتحِ مکہ کے بعد خرچ کیا یا جہاد کیا، اس لیے کہ فتح سے قبل اِحتیاج[8] زیادہ تھی اور جو چیز جتنی زیادہ حاجت کے وقت خرچ کی جائے گی اتنا ہی زیادہ

حل لغات: (۱) بے درد۔ لحاظ نہ کرنے والا۔ (۲) ہمیشہ۔ (۳) خوف۔ (۴) بغیر کسی دوسرے کی شرکت کے۔ (۵) نائب۔ (۶) نصیحت۔ (۷) سامان۔ (۸) ضرورت۔

ثواب ہوگا، جیسا کہ سلسلۂ احادیث میں نمبر تیرہ[۱۳] صفحہ ۱۰۳ پر آرہا ہے۔ لوگوں کو ضرورت کے وقت بہت زیادہ خیال کرنا چاہیے اور ایسے وقت کو جس میں دوسروں کو ضرورت ہو اپنے خرچ کرنے کے لیے بہت غنیمت سمجھنا چاہیے، حق تعالیٰ شانہٗ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہ تفریق[۱] فرمادی کہ جن حضرات نے فتحِ مکہ سے پہلے خرچ کیا، اُن کے ثواب کو بہت زیادہ بڑھا دیا؛ اسی طرح ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے کہ کسی کی ضرورت کے وقت اس پر خرچ کرنا بہت اونچی چیز ہے۔

﴿۲۶﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ [سورۂ حدید:۱۱]	ترجمہ: کون شخص ہے ایسا جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کو قرضِ حَسَنَہ[۲] دے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے بہترین بدلہ ہے۔

فائدہ: نمبر پانچ صفحہ ۲۷ پر ایک آیت شریفہ اس کے ہم معنیٰ گزر چکی ہے، خاص اہتمام کی وجہ سے اس مضمون کو دوبارہ ارشاد فرمایا ہے اور قرآن پاک میں بار بار اس پر تنبیہ[۳] کی جارہی ہے کہ آج اللہ کے راستے میں خرچ کا دن ہے، جو خرچ کرنا ہے کرلو، مرنے کے بعد حسرت[۴] کے سوا کچھ نہیں ہے۔

﴿۲۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ [سورۂ حدید:۱۸]	ترجمہ: بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں (اور یہ صدقہ دینے والے) اللہ جَلَّ شانُہٗ کو قرضۂ حسنہ دے رہے ہیں، ان کا ثواب بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے نفیس[۵] اَجر ہے۔

فائدہ: یعنی جو لوگ صدقہ کرتے ہیں، وہ حقیقت میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کو قرض دیتے ہیں؛ اس لیے کہ یہ بھی قرض کی طرح سے صدقہ دینے والوں کو واپس ملتا ہے، پس یہ بہت زیادہ معاوضہ اور بدلہ لے کر ایسے وقت میں واپس ہوگا جو وقت صدقہ کرنے والے کی سخت حاجت اور سخت ضرورت اور سخت مجبوری کا ہوگا۔ لوگ شادیوں کے واسطے، سفروں کے واسطے اور دوسری ضرورتوں کے واسطے تھوڑا تھوڑا جمع کرکے رکھتے ہیں کہ فلاں ضرورت کا وقت آرہا ہے، اولاد کی شادی کرنا ہے، اس کے لیے ہر وقت فکر میں لگے رہتے ہیں اور جو گنجائش ملے کچھ نہ کچھ کپڑا، زیور وغیرہ خرید کر ڈالتے رہتے ہیں کہ اُس وقت دِقّت[۶] نہ ہو۔ آخرت کا وقت تو ایسی سخت حاجت اور ضرورت کا ہے کہ اس وقت نہ کسی سے خریدا جاسکتا ہے، نہ قرض لیا جاسکتا ہے، نہ بھیک مانگی جاسکتی ہے، ایسے اہم اور کٹھن وقت کے واسطے تو جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو، جمع کرتے رہنا نہایت ہی دُور اندیشی[۷] اور کارآمد[۸] بات ہے تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنا یہاں تو معلوم بھی

حل لغات: ① فرق کرنا۔ ② بہترین قرض۔ ③ تاکید، نصیحت۔ ④ افسوس۔ ⑤ عمدہ۔ ⑥ پریشانی۔ ⑦ عقلمندی۔ ⑧ فائدہ مند۔

نہ ہوگا اور وہاں وہ پہاڑوں کے برابر ملے گا۔

﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ [سورۂ حشر: ۹]	ترجمہ: (اور اس میں ان لوگوں کا بھی حق ہے) جو لوگ دار الاسلام میں (یعنی مدینہ منورہ میں پہلے سے رہتے تھے) اور ایمان میں ان (مہاجرین کے آنے) سے پہلے سے قرار[1] پکڑے ہوئے ہیں (یعنی ان مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی وہ ایمان لے آئے تھے اور یہ ایسی خوبی کے لوگ ہیں کہ) جو لوگ ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے یہ لوگ (یعنی انصار) محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی غرض نہیں پاتے (کہ اس کو لینا چاہیں یا اس پر رشک[2] کریں) اور اُن مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود ان پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو اور (حق یہ ہے) کہ جو شخص اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رہے وہی لوگ فلاح[3] پانے والے ہیں۔

فائدہ: اوپر کی آیات میں بیتُ المال کے مُستحقین[4] کا ذکر ہو رہا ہے کہ کن کن لوگوں کا اس میں حق ہے، منجملہ[5] ان کے اس آیتِ شریفہ میں اَنصار کا ذکر ہے اور ان کے خصوصی اَوصاف کی طرف اشارہ ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں رہ کر ایمان اور کمالات حاصل کیے ہیں اور اپنے گھر رہ کر کمالات کا حاصل کرنا عام طور سے مشکل ہوا کرتا ہے، دنیوی دھندے اور دوسرے امور اکثر آڑ بن جاتے ہیں اور دوسری خاص صفت اَنصار کی یہ ہے کہ یہ لوگ مہاجرین سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا جس کو علم ہے وہ ان حضرات کے حالات اور ان کی محبت کے واقعات سے حیرت میں رہ جاتا ہے۔ چند واقعات حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی گزر چکے ہیں، ایک واقعہ مثال کے طور پر یہاں لکھتا ہوں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو مہاجرین اور انصار کے درمیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ اس طرح فرما دیا تھا کہ ہر مہاجر کا ایک انصاری کے ساتھ خصوصی جوڑ پیدا کر دیا تھا اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا تھا، اس لیے کہ حضراتِ مہاجرین پردیسی حضرات ہیں، ان کو اجنبی جگہ ہر قسم کی مشکلات پیش آئیں گی، انصار مقامی حضرات ہیں، وہ اگر ان لوگوں کی خاص طور سے خبر گیری[6] اور معاونت[7] کریں گے تو ان کو سہولتیں پیدا ہو جائیں گی، کیسا بہترین انتظام تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اس میں مہاجرین کو بھی ہر قسم کی سہولت

حل لغات: ① جمے ہوئے۔ ② تمنا۔ ③ کامیابی۔ ④ حق دار۔ ⑤ ان میں سے۔ ⑥ دیکھ بھال۔ ⑦ مدد۔

ہوگئی اور انصار کو بھی دِقّت[1] نہ ہوئی کہ ایک شخص کی خبر گیری ہر شخص کو آسان ہے۔

اسی سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خود اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ طیبہ آئے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی بندی کا رشتہ جوڑ دیا، سعد ابن الربیع رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرے مال میں سے آدھا تم لے لو اور میری دو بیبیاں ہیں ان میں سے جو تمہیں پسند ہو میں اس کو طلاق دے دوں جب اس کی عِدّت پوری ہو جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا۔ [بخاری] یزید بن اَصم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اَنصار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم سب کی زمینیں مہاجرین پر آدھی آدھی بانٹ دیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہیں فرمایا؛ بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ کھیتی وغیرہ میں یہ لوگ کام کریں گے اور پیداوار میں حصہ دار ہوں گے۔ [درِّ منثور] کہ ان کی محنت سے تم کو مدد ملے گی اور تمہاری زمین سے ان کو مدد ملے گی۔

اس قسم کے تعلقات اور آپس کی محبت محض دینی برادری پر آج عقل میں بھی مشکل سے آئے گی، اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ آج وہ مسلمان جس کا خصوصی امتیاز[2] ایثار[3] اور ہمدردی تھی، محض خود غرضی اور نَفس پَرَوری[4] میں مبتلا ہے، دوسروں کو جتنی بھی تکلیف پہونچ جائے، اپنے کو راحت مل جائے، کبھی مسلمان کا شیوہ[5] یہ تھا کہ خود تکلیف اُٹھائے تا کہ دوسروں کو راحت پہونچ جائے، مسلمانوں کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔

ایک بزرگ کی بیوی بہت زیادہ بَدخُلق[6] تھیں، ہر وقت تکلیف دیتی تھیں، کسی نے ان سے عرض کیا کہ آپ اس کو طلاق دے دیجیے، فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ پھر یہ کسی دوسرے سے نکاح کرے گی اور اس کی بَدخُلقی سے اس کو تکلیف پہونچے گی۔ [احیاء]

کیسی باریک چیز ہے، آج ہم میں سے کوئی بھی اس لیے تکلیف اُٹھانے کو تیار ہے کہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہونچے؟

تیسری صفت آیت شریفہ میں اَنصار کی یہ بیان کی کہ مہاجرین کو اگر کہیں سے غنیمت[7] وغیرہ میں سے کچھ ملتا ہے تو اس سے انصار کو دل تنگی یا رَشک[8] نہیں ہوتا۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کو انصار پر جو عمومی فضیلت دی گئی، اس سے انصار کو گرانی[9] نہیں ہوئی۔ [درمنثور]

چوتھی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ باوجود اپنی اِحتیاج[10] اور فاقہ کے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے واقعات بہت کثرت سے ان کی زندگی کی تاریخ میں ملتے ہیں، جن میں سے چند واقعات

حل لغات: (۱) پریشانی۔ (۲) فرق۔ (۳) خود پر دوسرے کو ترجیح دینا۔ (۴) شہوت پرستی۔ (۵) طریقہ۔ (۶) بری عادت والی۔ (۷) وہ مال جو مسلمانوں کو کافروں سے جنگ میں حاصل ہو۔ (۸) تمنا۔ (۹) ناپسندیدگی، بوجھ نہیں پڑا۔ (۱۰) ضرورت۔

مَیں اپنے رسالے ''حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے بابِ ایثار و ہمدردی صفحہ ۸۰ میں لکھ چکا ہوں، مِنْجُملہ ان کے وہ مشہور واقعہ بھی ہے جو اس آیت شریفہ کے شانِ نزول[1] میں ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک کی اور تنگی کی شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کے گھروں میں آدمی بھیجا، مگر کہیں بھی کچھ کھانے کو نہ ملا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر مردوں سے ارشاد فرمایا کہ کوئی صاحب ایسے ہیں جو ان کی مہمانی قبول کریں، ایک انصاری جن کا اسمِ گرامی[2] بعض روایات میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آیا ہے، اُن کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں ان کی خوب خاطر[3] کرنا اور گھر میں ان سے بچا کر نہ رکھنا، بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کے لیے کچھ کھانے کو رکھا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب ہم کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھیں تو تم چراغ کو درست کرنے کے لیے اُٹھ کر اس کو بجھا دینا؛ تاکہ ہم نہ کھائیں اور مہمان کھالے؛ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کو ان میاں بیوی کا طرز[4] بہت پسند آیا اور یہ آیت شریفہ ان کی شان میں نازل ہوئی۔ [درمنثور]

احادیث کے سلسلے میں نمبر تیرہ ۱۳ صفحہ ۱۰۴ پر ایک حدیث شریف اس آیت شریفہ کی تفسیر کے طور پر آ رہی ہے، اس کے بعد اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی طبیعت کے شُحّ (لالچ) سے بچا دیا جائے، وہی لوگ فلاح[5] کو پہونچنے والے ہیں۔ شُح کا ترجمہ طبعی[6] حرص و بُخل[7] ہے یعنی طبعی تقاضا بُخل کا ہو، چاہے عمل سے بُخل نہ ہو، اسی لیے علماء سے اس کی تفسیر میں مختلف الفاظ نقل کیے گئے۔ حرص اور لالچ سے اس کو تعبیر کرنا صحیح ہے، جو اپنے مال میں بھی ہوتا ہے دوسرے کے مال میں بھی ہوتا ہے۔ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تو ہلاک ہو گیا، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ کیوں؟ وہ کہنے لگے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ شُح سے بچائے جائیں، وہی فلاح کو پہونچنے والے ہیں اور مجھ میں یہ مرض پایا جاتا ہے، میرا دل نہیں چاہتا کہ میرے پاس سے کوئی چیز بھی نکل جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شُح نہیں ہے، یہ بُخل ہے؛ اگرچہ بُخل بھی اچھی چیز نہیں ہے؛ لیکن شُح یہ ہے کہ دوسرے کا مال ظلم سے کھاوے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کے قریب ہی نقل کیا گیا، وہ فرماتے ہیں کہ شُح یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک لے، یہ تو بُخل ہوا اور یہ بھی بہت بُری چیز ہے؛ لیکن شُح یہ ہے کہ دوسرے کی چیز پر نگاہ پڑنے

حل لغات: (۱) کسی آیتِ قرآنی کے اترنے کا موقع۔ (۲) نام۔ (۳) یعنی مہمان نوازی۔ (۴) طریقہ۔ (۵) کامیابی۔ (۶) فطری ذاتی۔ (۷) کنجوسی۔

لگے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بُخل یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو خرچ نہ کرے اور شُح یہ ہے کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے، یعنی کوئی دوسرا خرچ کرے اس سے بھی دل تنگی ہوتی ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ شُح بُخل سے زیادہ سخت ہے، اس لیے کہ بخیل تو اپنے مال کو روکتا ہے اور بس، اور شحیح[1] اپنے مال کو بھی روکتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی اس کے پاس آجائے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص میں تین خصلتیں[2] ہوں وہ شُح سے بَرِی[3] ہے: مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو؛ مہمانوں کی مہمانداری کرتا ہو اور لوگوں کی مَصائب[4] میں مدد کرتا ہو۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ اسلام کو کوئی چیز ایسا نہیں مٹاتی جیسا کہ شُح مٹاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں یہ دونوں چیزیں کسی ایک شخص کے پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتیں اور ایمان اور شُح کسی ایک دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت میں تَوبَتو اندھیرا ہوگا (یعنی ایسا سخت اندھیرا پیدا کرے گا کہ اندھیرے کی تہہ پر تہہ جم جائے گی) اور اپنے آپ کو شُح سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا کہ اسی کی وجہ سے ان لوگوں نے دوسرے لوگوں کے خون بہائے اور اسی کی وجہ سے اپنی مَحرم عورتوں سے زنا کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو شح اور بخل سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو قطع رحمی[5] پر ڈال دیا اور ان کو اپنے محرموں سے زنا کرنے پر ڈال دیا اور ان کو خون بہانے پر ڈال دیا، یعنی اگر آدمی اجنبی عورت سے زنا کرے تو اسے کچھ دینا پڑے اور بیٹی سے زنا کرے تو مفت ہی میں کام چل جائے اور مال کی وجہ سے لُوٹ مار تو ظاہر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو لوگ کہنے لگے کہ یہ جنتی آدمی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اس کے سارے حالات کا کیا علم ہے، کیا بعید[6] ہے کہ کبھی اس نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو جو بے کار ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کو نفع نہ پہونچاتی ہو۔ دوسری حدیث میں یہ قصہ اس طرح نقل کیا گیا کہ اُحد کی لڑائی میں ایک صاحب شہید ہو گئے، ایک عورت ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: بیٹا! تجھے شہادت مبارک ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اس کی کیا خبر ہے کہ اس نے کبھی کوئی بے کار بات زبان سے کہی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کی ضرورت کی نہ ہو۔ [درمنثور] کہ ایسی معمولی چیز میں بُخل کرنا بھی

حل لغات: (۱) شُح کرنے والا۔ (۲) عادتیں۔ (۳) پاک۔ (۴) مصیبت کی جمع۔ (۵) رشتہ داروں سے تعلق توڑنا۔ (۶) یعنی ممکن ہے۔

حرص اور لالچ کی انتہا سے ہوتا ہے، ورنہ معمولی چیزیں جن میں اپنا نقصان نہ ہو بخل کے قابل نہیں ہوتیں۔

(۲۹) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١١﴾ [سورۂ منافقون: ۹-۱۱]	ترجمہ: اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کرے گا، ایسے ہی لوگ خسارہ[۱] والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہنے لگے: اے میرے رب! مجھ کو تھوڑے دن کی مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خیرات کردیتا اور نیک لوگوں میں ہوجاتا اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کسی شخص کو بھی جب اس کی موت کا وقت آجائے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

فائدہ: مال و متاع[۲] کی مشغولی، اہل وعیال کی مشغولی ایسی چیزیں ہیں، جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے احکامات کی تعمیل[۳] میں کوتاہی کا سبب بنتی ہیں؛ لیکن یہ بات یقینی اور طے ہے کہ موت کے وقت کا کسی کو حال معلوم نہیں کہ کب آجائے اس وقت بجُز[۴] حسرت اور افسوس کے کچھ بھی نہ ہوسکے گا اور دیکھتے آنکھوں اہل وعیال، مال ومتاع سب کو چھوڑ کر چل دینا ہوگا، آج مہلت ہے جو کرنا ہے کرلو۔

رنگالے نہ چُندریہ گُندھالے نہ سی — تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا[۵] کس گھڑی — تو دیکھا کرے گی کھڑی دن کے دن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ حج کرسکے، اس پر زکوٰۃ واجب ہو اور ادا نہ کرے تو وہ مرنے کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ کسی شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا کافر کرتے ہیں مسلمان نہیں کرتے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت شریفہ تلاوت کی کہ اس میں مسلمانوں ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ اس آیت شریفہ میں مومن آدمی کا ذکر ہے، جب اس کی موت آجاتی ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، یا اس پر حج فرض ہوگیا ہو اور حج ادا

حل لغات: (۱) نقصان۔ (۲) سامان۔ (۳) حکم پورا کرنا۔ (۴) سوائے، علاوہ۔ (۵) محبوب۔

نہ کیا ہو، یا کوئی اور حق اللہ جَلَّ شانُہٗ کے حقوق میں سے ادا نہ کیا ہو، تو وہ مرنے کے وقت دنیا میں واپسی کی تمنا کرے گا تاکہ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرے؛ لیکن اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ جس کا وقت آجائے وہ ہرگز مؤخر[۱] نہیں ہوتا۔ [درمنثور]

قرآن پاک میں بار بار اس پر تَنْبِیْہ کی گئی کہ موت کا وقت ہر شخص کے لیے ایک طے شدہ[۲] وقت ہے، اس میں ذرا سی بھی تقدیم[۳] یا تاخیر[۴] نہیں ہوسکتی، آدمی سوچتا رہتا ہے کہ فلاں چیز کو صدقہ کروں گا، فلاں چیز کو وقف[۵] کروں گا، فلاں فلاں کے نام وصیت لکھوں گا؛ مگر وہ اپنے سوچ اور فکر ہی میں رہتا ہے، اُدھر سے ایک دم بجلی کے تار کا بٹن دبا دیا جاتا ہے اور یہ چلتے چلتے مرجاتا ہے، بیٹھے بیٹھے مرجاتا ہے، سوتے سوتے مرجاتا ہے، اس لیے تجویزوں[۶] اور مشوروں میں ہرگز ایسے کاموں میں تاخیر نہ کرنا چاہیے، جتنا جلد ہوسکے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں، اللہ کے یہاں جمع کردینے میں جلدی کرنا چاہیے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ[۷]۔

(۳۰) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ [سورۂ حشر: ۱۸۔۲۰]	ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص یہ غور کرلے کہ اس نے کل (قیامت) کے دن کے واسطے کیا چیز آگے بھیج دی ہے، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے اور ان لوگوں کی طرح سے مت بنو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا (پس اس کی سزا میں) اللہ تعالیٰ نے خود ان کو ان کی جان سے بھلا دیا، یہی لوگ فاسق[۸] ہیں (اور یاد رکھو کہ) جنت والے اور جہنم والے برابر نہیں ہوسکتے، جنت والے ہی کامیاب ہیں (حقیقی کامیابی صرف جنت والوں ہی کی ہے)۔

فائدہ: ''اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اُن کو اُن کی جان سے بھلا دیا'' کا یہ مطلب ہے کہ ان کی ایسی عقل ماردی گئی کہ وہ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سمجھتے اور جو چیزیں ان کو ہلاک کرنے والی ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ قَبِیلۂ مُضَر کی ایک جماعت حاضر ہوئی، جو ننگے پاؤں، ننگے بدن، بھوکے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان پر فاقہ[۹] کی حالت دیکھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور مُتَغَیّر[۱۰] ہوگیا، اُٹھ کر اندر

حل لغات: (۱) پیچھے۔ (۲) یعنی مقرر کیا ہوا۔ (۳) آگے کرنا۔ (۴) پیچھے کرنا۔ (۵) اللہ کے نام پر چھوڑی ہوئی چیز۔ (۶) تجویز کی جمع، رائے۔ (۷) اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (۸) گنہگار۔ (۹) بھوکا۔ (۱۰) تبدیل۔

مکان میں تشریف لے گئے (غالباً گھر میں کوئی چیز ان کے قابل تلاش کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہوں گے) پھر باہر مسجد میں تشریف لائے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کا حکم فرمایا اور ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور حمد وثنا کے بعد قرآن پاک کی چند آیات تلاوت کیں، جن میں یہ آیات بھی تھیں جو اوپر لکھی گئیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرو، اس سے پہلے کہ صدقہ نہ کر سکو؛ صدقہ کرو، اس سے پہلے کہ تم صدقہ کرنے سے عاجز ہو جاؤ، کوئی شخص جو بھی دے سکے: دینار دے سکے، درم دے سکے، کپڑا دے سکے، گیہوں دے سکے، جَو دے سکے، کھجور دے سکے حتیٰ کہ کھجور کا ٹکڑا ہی دے سکے؛ وہ دے دے۔ ایک انصاری اُٹھے اور ایک تھیلہ بھرا ہوا لائے جو اُن سے اٹھتا بھی نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور مَسَرَّت[1] سے چمکنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بہتر طریقہ جاری کرے اس کو اس کا بھی ثواب ہے اور جو اس پر عمل کریں گے، ان کا بھی ثواب اس کو ہوگا، اس طرح پر کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی برا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کا گناہ تو اس کو ہو ہی گا، جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ بھی اس کو ہوگا، اس طرح سے کہ ان گناہوں کے وبال[2] میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اس کے بعد سب لوگ مُتفرِق[3] ہو کر چلے گئے، کوئی دینار[4] (اشرفی) یا کوئی دِرَم[5] لایا، کوئی غَلّہ[6] لایا، غرض غلہ اور کپڑے کے دو ڈھیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جمع ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب قبیلۂ مُضَر کے آنے والوں پر تقسیم کر دیے۔ [نسائی، درمنثور]

ایک حدیث میں آیا ہے: لوگو! اپنے لیے کچھ آگے بھیج دو، عنقریب[7] وہ زمانہ آنے والا ہے، جب کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ایسی حالت میں نہ کوئی واسطہ درمیان میں ہوگا نہ کوئی پردہ درمیان میں ہوگا یہ ہوگا: کیا تیرے پاس رسول نہیں آئے جنہوں نے تجھے احکام پہونچا دیے ہوں؟ کیا میں نے تجھ کو مال عطا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تجھے ضرورت سے زیادہ نہیں دیا تھا؟ تو نے اپنے لیے کیا چیز آگے بھیجی؟ وہ شخص اِدھر اُدھر دیکھے گا، کچھ نظر نہ آئے گا، آنکھوں کے سامنے جہنم ہوگی؛ پس جو شخص اس سے بچ سکتا ہو بچنے کی کوشش کرے چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو۔ [کنز] بڑا سخت منظر ہوگا، بڑا سخت مطالبہ[8] ہوگا، دہکتی ہوئی دوزخ سامنے ہوگی اور ہر آن[9] اس میں پھینک دیے جانے کا اندیشہ[10] ہوگا، اس وقت قلق[11] ہوگا کہ ہم نے دنیا میں سب کچھ کیوں نہ خرچ کر دیا، آج فرضی[12] ضرورتوں سے ہم خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچتے ہیں؛ لیکن اگر آج آنکھ بند ہو جائے تو ساری ضرورتیں ختم ہو جائیں گی اور ایک سخت ضرورت جہنم سے بچنے کی، سر پر موجود رہے گی۔

حل لغات: (۱) خوشی۔ (۲) عذاب۔ (۳) الگ الگ۔ (۴) سونے کا سکہ۔ (۵) چاندی کا سکہ۔ (۶) اناج۔ (۷) جلدی۔ (۸) پوچھ تاچھ۔ (۹) ہر لمحہ۔ (۱۰) ڈر، خوف۔ (۱۱) افسوس۔ (۱۲) بناوٹی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبے میں فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم لوگ صبح شام ایسی مدت میں چلتے ہو، جس کا حال تم سے پوشیدہ[1] ہے کہ وہ کب ختم ہوجائے؛ پس اگر تم سے ہوسکے تو ایسا کرو کہ یہ مدت احتیاط کے ساتھ ختم ہوجائے اور اللہ ہی کے ارادے سے تم ایسا کر سکتے ہو، ایک قوم نے اپنے اوقات کو ایسے اُمور[2] میں خرچ کر دیا، جوان کے لیے کارآمد[3] نہ تھے اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تمہیں ان جیسا ہونے سے منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾[4] کہاں ہیں تمہارے وہ بھائی جن کو تم جانتے تھے، وہ اپنا اپنا زمانہ ختم کرکے چلے گئے اور ان کے عمل ختم ہوگئے اور اب وہ اپنے اپنے عمل پر پہونچ گئے جیسے بھی کیے (اچھے کیے ہوں گے تو مزے اُڑا رہے ہوں گے، برے کیے ہوں گے تو ان کو بُھگت رہے ہوں گے) کہاں ہیں وہ گزرے ہوئے زمانے کے جابر[5] لوگ جنھوں نے بڑے بڑے شہر بنائے، اونچی اونچی دیواروں سے اپنی مُحافظت[6] کی، اب وہ پتھروں اور ٹیلوں کے نیچے پڑے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے کہ نہ اس کے عجائب[7] ختم ہوتے ہیں، نہ اس کی روشنی ماند[8] پڑتی ہے، اس سے آج روشنی حاصل کرلو اندھیرے کے دن کے واسطے اور اس سے نصیحت پکڑلو، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ایک قوم کی تعریف کی پس فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ ﴾ [سورہ انبیاء:۹۰] (ترجمہ آیت) وہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہم کو پکارتے تھے رغبت[9] کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ اس کلام میں کوئی خوبی نہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو اور اس مال میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ کے راستے میں خرچ نہ ہو اور وہ آدمی اچھا نہیں جس کا حِلم[10] اس کے غصہ پر غالب نہ ہو اور وہ آدمی بہتر نہیں جو اللہ کی رضا کے مقابلے میں کسی مَلامت[11] کرنے والے کی ملامت کی پروا کرے۔ [درمنثور]

(۳۱) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ	ترجمہ: اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ تمہارے اَموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے ایک آزمائش[12] کی چیز ہے (پس جو شخص ان میں پڑ کر بھی اللہ کو یاد رکھے تو) اس کے لیے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے، پس جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی بات سنو اور مانو اور (اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو)

حل لغات: (۱) چھپا ہوا۔ (۲) کاموں میں۔ (۳) فائدہ مند۔ (۴) اور تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے ان کو خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا۔ (۵) ظالم۔ (۶) حفاظت۔ (۷) عجیب کی جمع۔ (۸) پھیکا پڑنا۔ (۹) شوق رکھنا۔ (۱۰) بردباری، غصہ کو پی جانا۔ (۱۱) برا بھلا کہنا۔ (۱۲) امتحان۔

يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ [سورۂ تغابن: ۱۵-۱۶]	یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوگا اور جو شخص اپنے نفس کے شُح یعنی لالچ سے محفوظ رہا، پس یہی لوگ فلاح[۱] کو پہونچنے والے ہیں۔

فائدہ: شُح بخل کا اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ نمبر اُٹھائیس صفحہ ۵۹ پر گذر چکا۔ مال اور اولاد کے امتحان کی چیز ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بات جانچنی ہے کہ کون شخص ان میں پھنس کر اللہ جَلَّ شانُہٗ کے احکام کو اور اس کی یاد کو بھلا دیتا ہے اور کون شخص ان کے باوجود اللہ جَلَّ شانُہٗ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کی یاد میں مشغول رہتا ہے اور نمونہ کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ[۲] سامنے ہے، یہاں کسی کے ایک دو بیبیاں ہوں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو بیبیاں تھیں، اولاد بھی تھی، بیٹے بیٹیاں نواسے سب کچھ موجود تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات دنیا کے سامنے ہیں، اور بہت تفصیل سے کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کی اولاد کا شمار ہی مشکل ہے، ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میری اولاد کی اولاد تو علیحدہ رہی خود بلاواسطہ اپنی اولاد میں سے ایک سو پچیس تو دفن کر چکا ہوں۔ [اصابہ] اور جو زندہ رہے وہ ان کے علاوہ اور اولاد کی اولادیں مزید برآں[۳]، اس کے باوجود ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہے جن سے کثرت سے احادیث نقل کی گئیں اور جہاد میں کثرت سے شرکت کرتے رہے ہیں، اولاد کی اتنی کثرت نہ تو علم کی مشغولی سے مانع[۴] ہوئی نہ جہاد سے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جس وقت شہید ہوئے، نو بیٹے نو بیٹیاں اور چار بیویاں تھیں اور بعض پوتے بعض بیٹوں سے بھی بڑے تھے۔ [بخاری] اور جن کا باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا وہ علیحدہ، اس کے باوجود نہ کبھی ملازمت کی، نہ کوئی اور شُغل[۵]، جہاد میں عمر گزاری، اسی طرح اور بہت سے حضرات کا حال ہے کہ نہ مال ان کو دین سے مانع ہوتا تھا اور نہ اولاد کی کثرت اور ان میں سے جو لوگ تجارت پیشہ تھے ان کے لیے تجارت بھی دین کے کاموں سے مانع نہ ہوتی تھی، خود حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی: ﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ ﴾ الآية [سورۂ نور: ۳۷] وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی، وہ لوگ ایسے دِن سے ڈرتے ہیں، جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ پُلٹ ہو جائیں گی اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے (بدلہ کے علاوہ انعام کے طور پر) اور بھی زیادہ دے گا۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں بہت سے آثار[۶] میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ جو لوگ تجارت کرتے تھے، تجارت ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے مانع نہ ہوتی تھی، جب اذان سنتے فوراً اپنی اپنی

حل لغات: (۱) کامیابی۔ (۲) طریقہ، نمونہ۔ (۳) اس کے علاوہ۔ (۴) رکاوٹ۔ (۵) کام۔ (۶) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال۔

دکانیں چھوڑ کر نماز کے لیے چل دیتے۔ [درمنثور]

(۳۲) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۙ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ [سورۂ تغابن: ۱۷-۱۸]	ترجمہ: اگر تم اللہ جَلَّ شانُہٗ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو گے، تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ جَلَّ شانُہٗ بڑی قدر کرنے والا ہے (کہ تھوڑے سے عمل کو بھی قبول کرلیتا ہے) اور بڑا برُدبار[1] ہے (کہ بڑے سے بڑے گناہ پر بھی مُؤاخذہ[2] میں جلدی نہیں کرتا) پوشیدہ اور ظاہر اعمال کا جاننے والا ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

فائدہ: آیات میں پچیس[۲۵] چھبیس[۲۶] ستائیس[۲۷] پر اس قسم کے مضامین گزر چکے ہیں، یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خاص لطف وکرم ہے کہ ہماری خیر خواہی اور بندوں پر کرم کی وجہ سے جو چیزیں ان کے لیے اہم اور ضروری ہیں، ان کو بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا جاتا ہے اور ہم لوگ ان آیات کو بار بار پڑھتے ہیں اور مطمئن ہوجاتے ہیں کہ بہت ثواب قرآن پاک کے پڑھنے کا مل گیا، یہ کریم کا احسان اور انعام ہے کہ وہ اپنے پاک کلام کے محض[3] پڑھنے پر بھی ثواب عطا فرمائے؛ لیکن یہ پاک کلام محض پڑھنے کے لیے تو نازل نہیں ہوا، پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے پاک ارشادات پر عمل بھی تو ہونا چاہیے، ایک چیز کو مالکُ الملک، اپنا آقا، اپنا محسن، اپنا مُربِّی[4]، اپنا رازق، اپنا خالق بار بار ارشاد فرمائے اور ہم کہیں کہ ہم نے آپ کا ارشاد پڑھ لیا بس کافی ہے، یہ ہماری طرف سے کتنا سخت ظلم ہے؟

(۳۳) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ [سورۂ مزمل: ۲۰]	ترجمہ: اور تم لوگ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کو قرضِ حسنہ دیتے رہو اور جو نیکی بھی تم اپنے لیے ذخیرہ بنا کر آگے بھیج دو گے، اس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے پاس جاکر اس سے بہت بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے گناہ معاف کراتے رہو، بے شک اللہ جَلَّ شانُہٗ مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ: اس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے پاس جاکر اس سے بہتر پانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دنیا کی چیزیں خریدنے میں خرچ کیا جاتا ہے یا دنیوی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے اور اس کا بدل دنیا میں ملتا ہے، مثلاً ایک روپیہ کے دو سیر[5] گَندُم[6] دنیا میں ملتے ہیں، آخرت کے بَدَل کو اس پر قیاس[7] نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ

حل لغات: (۱) برداشت کرنے والا۔ (۲) پکڑ۔ (۳) صرف۔ (۴) تربیت کرنے والا۔ (۵) تقریباً پونے دو کلو۔ (۶) گیہوں۔ (۷) اندازہ کرنا۔

آخرت میں جو بدل ان چیزوں کا ملتا ہے، جو اللہ کے راستہ میں خرچ کی جائیں، وہ مقدار کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی بدرجہا[1] زائد اس بدل سے ہوگا، جو دنیا میں اس پر ملتا ہے؛ چنانچہ آیت نمبر ساتؔ کے ذیل میں صفحہ ۲۹ پر گذر چکا ہے کہ اگر طیّب[2] مال سے نیک نیتی کے ساتھ ایک کھجور بھی صدقہ کی جائے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ثواب کو اُحد پہاڑ کے برابر فرما دیتے ہیں، کاش اس قدر زیادہ مُعاوَضہ[3] دینے والے کریم کی ہم قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت اس کے یہاں جمع کرتے، تاکہ زیادہ سے زیادہ مال بڑی سخت ضرورت کے وقت ہم کو ملتا اور اس کے ساتھ ہی اس آیتِ شریفہ میں اللہ جَلَّ شانہٗ فرماتے ہیں کہ جس قسم کی نیکی بھی تم آگے بھیج دو گے، اس کا معاوضہ ایسا ہی ملے گا۔ رسالہ ''برکات ذکر'' میں بہت تفصیل سے ایسی روایتیں گزر چکی ہیں، ایک مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' یا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' یا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' یا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہنے کا ثواب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں اُحد پہاڑ سے زیادہ مل جاتا ہے، بشرطیکہ اخلاص سے کہا جائے اور اخلاص کی شرط تو آخرت کے ہر کام میں ہے، اخلاص بغیر وہاں کسی چیز کی پوچھ نہیں اور اسی چیز کے پیدا کرنے کے واسطے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں کہ یہ دولت ان کے قدموں میں پڑنے سے ملتی ہے۔

(۳۴) اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۞ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ۞ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۞ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۞	ترجمہ: بے شک نیک لوگ (جنت میں) ایسے جامِ شراب پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش[4] ہوگی، ایسے چشموں سے بھرے جائیں گے، جن سے اللہ کے خاص بندے پیتے ہیں (ان چشموں میں یہ عجیب بات ہوگی) کہ وہ جنّتی لوگ ان چشموں کو جہاں چاہے لے جائیں گے (یعنی یہ چشمے ان کے اشاروں کے تابع ہوں گے) یہ ایسے لوگ ہیں جو منّتوں کو پورا کرتے ہیں (اور اسی طرح دوسرے واجبات کو) اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں، جس دن کی سختی پھیلی ہوئی ہوگی (یعنی عام ہوگی کہ ہر شخص اس دن کچھ نہ کچھ پریشانی میں مُبتلا ہوگا) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو (باوجودیکہ وہ قیدی کافر اور لڑائی میں برسرِ پیکار[5] ہوئے تھے) اور وہ لوگ (اپنے دل میں یا زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم کو صرف اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں، نہ تو ہم اس کا تم سے بدلہ چاہتے ہیں، نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں (بلکہ اس وجہ

حل لغات: (۱) بہت زیادہ۔ (۲) پاک، حلال۔ (۳) بدلہ۔ (۴) ملاوٹ۔ (۵) یعنی جنگ کرنا۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا
قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ
الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿١١﴾
وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً
وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى
الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا
وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ
ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾
وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ
وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَا۠
مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾
وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا
زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى
سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ
وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ وَاِذَا
رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا
كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ
خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ

سے کھلاتے ہیں) کہ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ[1] دن کا (یعنی قیامت کے دن کا) خوف رکھتے ہیں، پس اللہ جَلَّ شانُہٗ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور سرور[2] عطا کرے گا اور ان کو اس پختگی[3] کے بدلہ میں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا، اس حالت میں کہ وہ جنت میں مسہریوں[4] پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے، نہ وہاں گرمی کی تپش[5] پاویں گے، نہ سردی (بلکہ معتدل[6] موسم ہوگا) اور درختوں کے سائے ان لوگوں پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے خوشے[7] ان کے مطیع ہوں گے (کہ جس وقت جس کو پسند کریں گے وہ قریب آجائے گا) اور ان کے پاس (کھانے پینے کے لیے) چاندی کے برتن اور شیشے کے آبخورے[8] لائے جائیں گے، ایسے شیشے جو چاندی کے ہوں گے (یعنی وہ شیشے بجائے کانچ کے چاندی کے بنے ہوئے ہوں گے جو اس عالم میں دشوار نہیں) اور ان کے بھرنے والوں نے صحیح اندازہ سے بھرا ہوگا (کہ نہ ضرورت سے کم نہ زیادہ) اور وہاں (کافوری شراب کے علاوہ ایسی شراب کے جام بھی پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی (جیسا کہ جھنجر کی بوتل میں ہوتا ہے) یہ ایسے چشمے سے بھرے جائیں گے جس کا نام سلسبیل ہے (کافور ٹھنڈا ہوتا ہے اور سونٹھ گرم، مقصد یہ ہے کہ وہاں مختلف[9] المزاج شرابیں ہیں) اور اس کو ایسے لڑکے لے کر آتے جاتے رہیں گے، جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور تُو ان کو دیکھے تو یہ گمان کرے کہ یہ موتی ہیں، جو بکھرے ہوئے ہیں اور (جو چیزیں اوپر ذکر کی گئیں ہیں، یہی فقط نہیں بلکہ) جب تو اس جگہ کو دیکھے گا تو وہاں بڑی بڑی نعمتیں اور بہت بڑا ملک نظر آئے گا اور ان لوگوں پر وہاں باریک ریشم کے سبز[10] کپڑے ہوں گے اور موٹے ریشم کے بھی (غرض مختلف انواع[11]

حل لغات: ① کڑوا، سخت۔ ② خوشی۔ ③ مضبوطی۔ ④ مسہری کی جمع، پلنگ۔ ⑤ جلن۔ ⑥ درمیانی۔ ⑦ گچھے۔ ⑧ پانی پینے کے برتن۔ ⑨ الگ الگ مزاج کی۔ ⑩ ہرا۔ ⑪ نوع کی جمع، قسم۔

مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ [سورۃ الانسان: ۵-۲۲]	کے بہترین لباس ہوں گے) اور ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ایسی شراب پلائیں گے، جو نہایت پاکیزہ ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور تم نے جو کوشش دنیا میں کی تھی وہ قابل قدر ہے۔

فائدہ: اس کلام پاک میں شراب کا تین جگہ ذکر آیا ہے اور تینوں جگہ نوعیت[۱] شراب اور طریقۂ استعمال جدا ہے، پہلی جگہ ان کا خود پینا مذکور ہے، دوسری جگہ خُدّام[۲] کے پلانے کا ذکر ہے اور تیسری جگہ خود ربُّ العالمین مالکُ الملک کی طرف پلانے کی نسبت ہے، کیا بعید[۳] ہے کہ یہ ابرار کی تین قسموں: ادنیٰ[۴]، اوسط[۵]، اعلیٰ[۶] کے اعتبار سے ہو، ان آیات میں جتنے فضائل اکرام اور اعزاز نیک کام کرنے والوں کے بالخصوص اللہ کی رضا میں کھلانے والوں کے ذکر کیے گئے ہیں، اگر ہم میں ایمان کا کمال ہوا تو ان وعدوں کے بعد کون شخص ایسا ہوسکتا ہے، جو حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح کوئی چیز بھی گھر میں اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے سوا چھوڑے۔ ان آیات میں چند اُمور قابل غور ہیں:

(۱) پہلے چشموں کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ جنتی لوگ ان چشموں کو جہاں چاہے لے جائیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں گے کھینچ لیں گے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کے لیے کافور کی آمیزش ہوگی اور مُشک کی مُہر اُن پر لگی ہوئی ہوگی اور وہ اس چشمے کو جدھر کو چاہیں گے ادھر کو اس کا پانی چلنے لگے گا۔ اِبنِ شَوذَب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اُن لوگوں کے پاس سونے کی چھڑیاں[۷] ہوں گی وہ اپنی چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کریں گے اسی طرف کو وہ نہریں چلنے لگیں گی۔

(۲) مَنّتوں کے پورا کرنے کے متعلق قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ اللہ کے تمام احکام کو پورا کرنے والے لوگ ہیں اسی وجہ سے شروع میں ان کو اَبرار سے تعبیر[۸] کیا گیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے وہ مَنّتیں مراد ہیں جو اللہ کے حق میں کی گئی ہوں (یعنی کوئی شخص روزوں کی نذر[۹] کرلے، اعتکاف کی نذر کرلے، اسی طرح عبادات کی نذر کرلے)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شکرانہ کی منتیں مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے یہ منت مان رکھی تھی کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے واسطے ذبح کردوں گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز میں مشغول تھے، اِلتفات[۱۰] نہیں فرمایا، یہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت[۱۱] سے اجازت سمجھے

حل لغات: (۱) شراب کی قسمیں۔ (۲) خادم کی جمع۔ (۳) یعنی ممکن ہے۔ (۴) کم درجہ۔ (۵) درمیانی درجہ۔ (۶) اونچا درجہ۔ (۷) پتلی لکڑیاں۔ (۸) بیان۔ (۹) منّت ماننا۔ (۱۰) توجہ۔ (۱۱) خاموشی۔

اور (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دینے کے بعد) اٹھے، اور دور جا کر اپنے آپ کو ذبح کرنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے جو منّت کے پورا کرنے کا اس قدر اہتمام کریں، اس کے بعد (ان کو اپنے ذبح کرنے سے منع فرمایا اور) اُن سے فرمایا: کہ اپنی جان کے بدلہ سواونٹ اللہ کے نام پر ذبح کریں (اس لیے کہ اپنے آپ کو ذبح کرنا ناجائز ہے اور جان کا فِدْیَہ[1] دِیَت[2] میں سواونٹ ہیں)۔

(۳) قیدیوں کے کھلانے سے آیتِ شریفہ میں مشرک قیدی مراد ہیں، اس لیے کہ اس زمانہ میں مشرک قیدی ہی ہوتے تھے، مسلمان قیدی اس وقت نہ تھے اور جب کافروں کے کھلانے پر یہ ثواب ہے تو مسلمان قیدی اس میں بطریق[3] اَولیٰ آ گئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قیدیوں کو (جو کافر تھے) پکڑ کر لائے تو سات حضرات صحابۂ کرام: حضرت ابوبکر، عمر، علی، زُبیر، عبدالرحمٰن، سعد، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان پر خاص طور سے خرچ کیا، جس پر انصار رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ کے واسطے ان سے قِتال[4] کیا تھا، تم اتنا زیادہ خرچ کر رہے ہو، اس پر ﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ ﴾ سے انیس آیتیں ان حضرات کی تعریف میں نازل ہوئیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں، اس وقت قیدی مشرکین تھے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ان آیات میں قیدی کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ اس وقت قیدی مشرک تھے تو مسلمان قیدی کا حق تجھ پر اَور بھی زیادہ ہو گیا۔ ابنِ جُرَیج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں مسلمان قیدی نہ تھے، مشرک قیدیوں میں یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خیر خواہی[5] کا حکم فرماتے تھے۔ ابورَزین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، چند مشرک قیدی وہاں سے گزرے تو شقیق رضی اللہ عنہ نے مجھے ان پر صدقہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیتِ شریفہ تلاوت کی۔

(۴) ''نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں، نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اس کو بھی گوارا[6] نہ کرتے تھے کہ اُن کے احسان کا کوئی بدلہ، چاہے شکر گزاری اور دعا ہی کے قَبِیل[7] سے ہو، ان کو دنیا میں ملے، یہ اپنا سب کچھ آخرت ہی میں لینا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما کا معمول نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی فقیر، ضرورت مند کے پاس بھیجتیں، تو قاصد[8] سے کہتیں کہ چپکے سے سننا کہ وہ اس پر کیا الفاظ کہتا ہے اور جب قاصد وہ الفاظ دُعا وغیرہ کے آ کر نقل کرتا تو اسی نوع کی دعائیں وہ فقیر کو دیتیں اور یہ کہتیں کہ اس کی دعاؤں کا یہ بدلہ ہے تاکہ ہمارا صدقہ خالص آخرت کے واسطے رہ

حل لغات: (۱) بدلہ۔ (۲) جان کا بدلہ۔ (۳) پہلے ہی۔ (۴) جنگ۔ (۵) بھلائی چاہنا۔ (۶) پسند۔ (۷) قسم۔ (۸) پیغام لانے لیجانے والا۔

جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بھی اسی نوع کا معمول نقل کیا گیا۔ [اِحیاء] حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال خرچ کرنے کے واسطے طلب کرنے والے کا انتظار کرے وہ سخی نہیں، سخی وہ ہے جو اللہ کے حقوق کو از خود اس کے نیک بندوں تک پہونچائے اور ان سے شکریے کا امیدوار نہ رہے، اس لیے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ثواب پر کامل یقین ہو۔ [اِحیاء]

⑤ ''جنت کے خوشے[1] ان کے مطیع ہوں گے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی خواہش کے تابع ہوں گے۔ حضرت بَراء بن عازِب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جنتی لوگ جنت کے پھلوں کو کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں چاہیں گے کھا سکیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اگر کھڑے ہوں گے تو وہ پھل اوپر کو ہو جائیں گے اور وہ لوگ اگر بیٹھیں گے تو جھک جائیں گے اور اگر وہ لیٹیں گے تو وہ اَور زیادہ جھک جائیں گے۔ دوسری روایت میں ان سے نقل کیا گیا کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مُشک ہے اور اس کے درختوں کی جڑیں سونے کی ہیں اور ان کی ٹہنیاں اور پتے موتیوں کے اور زَبَرجَد[2] کے ہیں، جن کے درمیان پھل لٹکے ہوئے ہیں، اگر وہ کھڑے ہوئے کھانا چاہیں گے تو کوئی دِقّت[3] نہیں بیٹھ کر یا لیٹ کر کھانا چاہیں گے تو وہ اس کی بقدر جھک جائیں گے۔

⑥ ''چاندی کے شیشوں'' کا مطلب یہ ہے کہ چاندی سے ایسے بنائے جائیں گے جیسا کہ شیشہ ہوتا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں تو چاندی کو لے کر اس قدر باریک کرے کہ مکھی کے پر کے برابر باریک کر دے، جب بھی اس کے اندر کا پانی نظر نہ آئے گا؛ لیکن جنت کے آبخورے[4] چاندی کے ہو کر شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جنت کی ہر چیز کا نمونہ دنیا میں ہے؛ لیکن چاندی کے ایسے آبخوروں کا نمونہ دنیا میں نہیں ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کے آدمی جمع ہو کر چاندی کا ایسا برتن بنا دیں، جس میں شیشے کی طرح سے اندر کی چیز نظر آئے تو نہیں بنا سکتے۔ [درمنثور] حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا شانِ[5] نزول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ ہے جو اسی رسالے کے ختم پر حکایات میں نمبر تینتالیس[۴۳] صفحہ ۶۰۱ پر آ رہا ہے اور مُتعدَّد[6] واقعات کا کسی آیت کا شانِ نزول ہونا کوئی مُستَبعَد[7] بات نہیں بسا اوقات[8] ایسا ہوا ہے کہ ایک زمانے میں چند واقعات پیش آئے، اس زمانہ میں کوئی آیت شریفہ نازل ہوئی تو وہ آیتِ شریفہ سب واقعات کے متعلق ہو سکتی ہے۔

حل لغات: ① گچھے۔ ② ہرے رنگ کا قیمتی پتھر۔ ③ پریشانی۔ ④ پانی پینے کے برتن۔ ⑤ آیت کے اُترنے کا واقعہ۔ ⑥ کئی۔ ⑦ مشکل۔ ⑧ اکثر۔

﴿۳۵﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ [سورۂ اعلیٰ: ۱۴۔ ۱۷]	ترجمہ: بامراد[1] ہو گیا وہ شخص جو پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا، بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو مُقَدَّم[2] رکھتے ہو، حالانکہ آخرت دنیا سے بہت زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔

فائدہ: ''پاک ہو گیا'' کی متعدد تفسیریں علماء سے نقل کی گئی ہیں، بہت سے علماء کا قول ہے کہ اس سے صدقۂ فطر ادا کرنا مراد ہے، جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے اور بہت سے علماء نے اس کو عام قرار دیا ہے۔ سعید بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پاک ہو گیا کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے مال سے پاک ہو گیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے مال سے اپنے خالق کو راضی کر لیا۔ حضرت اَبُوالاَحْوَص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص پر رحم فرماتا ہے، جو صدقہ کرے پھر نماز پڑھے؛ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ ایک روایت میں ان سے یہ نقل کیا گیا کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ نماز سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرے، وہ ایسا کیا کرے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، کیا حرج ہے کہ کچھ صدقہ اس سے پہلے کر دیا کرے؛ پھر یہ آیت شریفہ پڑھی۔ حضرت عَرْفَجہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿سَبِّحِ اسْمَ﴾ پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے سنانا شروع کی اور جب اس آیت پر پہونچے ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾﴾ تو پڑھنا چھوڑ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح[3] دی، لوگ چپ بیٹھے تھے، پھر فرمایا کہ ہم نے دنیا کو ترجیح دی اس لیے کہ ہم نے اس کی زینت کو، اس کی عورتوں کو، اس کے کھانے پینے کو دیکھا اور آخرت کی چیزیں ہم سے پوشیدہ[4] تھیں، پس اس موجود چیز میں لگ گئے اور اس وعدہ کی چیز کو چھوڑ دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام لوگ حاضر (یعنی دنیا میں موجود چیز) میں لگ گئے اور اس کو اختیار کر لیا بجُز[5] ان کے جن کو اللہ جَلَّ شانہٗ نے محفوظ رکھا حالانکہ آخرت بھلائی میں بڑھی ہوئی تھی اور دیرپا[6] تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' بندوں کو اللہ جَلَّ شانہٗ کی ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے، جب تک کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں اور جب دنیا کو دین پر ترجیح دینے لگیں تو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' بھی ان پر لوٹا دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جو شخص ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ''

حل لغات: (۱) کامیاب۔ (۲) آگے۔ (۳) فضیلت، دنیا کو آگے رکھنا۔ (۴) چھپا ہوا۔ (۵) علاوہ۔ (۶) دیر تک باقی رہنے والی۔

کی شہادت لے کر آئے وہ جنت میں داخل ہوگا جب تک کہ اس کے ساتھ دوسری چیز نہ ملا دے (یعنی اپنے اس کلام میں کھوٹ اور میل پیدا نہ کردے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہی بات ارشاد فرمائی، مجمع چپ چاپ تھا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالباً اس کے مُنتظِر[1] تھے کہ کوئی پوچھے اور مجمع ادب اور رُعب کی وجہ سے چپ تھا) دور سے ایک شخص نے دریافت کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، دوسری چیز ملانے کا کیا مطلب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی محبت اور اس کو ترجیح دینا اور اس کے لیے مال جمع کر کے رکھنا اور ظالموں کا سا برتاؤ کرنا۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ آخرت کو نقصان پہونچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دنیا کو نقصان پہونچاتا ہے، پس ایسی چیز کی (یعنی آخرت کی) محبت کو ترجیح دو جو باقی رہنے والی ہے اس چیز (یعنی دنیا) پر جو فنا ہوجانے والی ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور اس شخص کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہیں اور اس کے لیے وہی شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے نزدیک اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز دنیا سے زیادہ مبغوض[2] نہیں ہے اور اس نے جب سے اس کو پیدا کیا ہے کبھی بھی اس کی طرف نظرِ التفات[3] نہیں فرمائی۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ [درمنثور]

رسالہ کے ختم پر چھٹی فصل میں دنیا اور آخرت کے متعلق بہت سی آیات اور احادیث کا ذکر اختصار[4] کے ساتھ آرہا ہے، ان آیات کے علاوہ جواب تک ذکر کی گئی ہیں اَور بھی بہت سی آیات میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور جس بات کو اللہ جَلَّ جلالہٗ نے اپنے کلام پاک میں بار بار مختلف عنوان سے متعدد طرح کی ترغیبوں سے ذکر فرمایا ہو، اس کی اہمیت کا کیا پوچھنا بِالخصوص جب کہ یہ سب کچھ اسی کا عطا کیا ہوا ہے۔ ایک شخص اپنے کسی نوکر کو کچھ روپیہ دے کر یہ کہتا ہے کہ اس کو اپنی ضروریات میں خرچ کرلو اور میری خوشی یہ ہے کہ اس میں سے کچھ پس اَنداز[5] کر کے فلاں جگہ بھی خرچ کردینا، اگر تم ایسا کروگے تو میں اس سے بہت زیادہ دوں گا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کون ایسا ہوگا جو اس میں سے پس انداز کر کے اس جگہ اس امید پر خرچ نہ کرے گا کہ اس سے بہت زیادہ ملے گا۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے اتنے ارشادات کے بعد پھر احادیث کے ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی؛ لیکن چونکہ احادیث بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ کے پاک کلام کی توضیح[6] اور تفسیر ہی ہیں، اس لیے تکمیل[7] کے طور پر چند

حل لغات: (۱) انتظار کرنے والا۔ (۲) ناپسندیدہ۔ (۳) محبت کی نظر۔ (۴) مختصر طور پر۔ (۵) بچانا، جمع کرنا۔ (۶) وضاحت، کھول کر بیان کرنا۔ (۷) مکمل کرنے کے واسطے۔

احادیث کا ترجمہ بھی لکھا جاتا ہے۔

① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْكَانَ لِيْ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِيْ أَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أُرْصِدُهٗ لِدَيْنٍ [رواه البخاري، مشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو، تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اُوپر تین دن گزر جائیں، اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی ہو بجز[1] اس کے کہ کوئی چیز ادائے قرض کے لیے رکھ لی جائے۔

فائدہ: اُحد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا مشہور پہاڑ ہے، جو بہت بڑا پہاڑ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اسکے برابر سونا میرے پاس ہو، تو میری خواہش یہ ہے کہ تین دن کے اندر اندر اس سب کو تقسیم کردوں، کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھوں۔ تین دن کی قید نہیں ہے، اس لیے ذکر فرمایا کہ اتنی بڑی مقدار کے خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ وقت تو لگے ہی گا؛ البتہ اگر قرض ذمہ ہو اور جس کو دینا ہے وہ اس وقت موجود نہ ہو، تو اس کا ادا کرنا چونکہ صدقہ سے مُقدَّم[2] ہے، اس لیے کہ اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ روکنا اور محفوظ رکھنا پڑے تو دوسری بات ہے۔ اس حدیث شریف میں جہاں ایک جانب کثرت سے صدقہ کی ترغیب ہے، تو دوسری جانب اس سے زیادہ اہمیت قرضہ کے ادا کرنے کی ثابت ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصی عادتِ شریفہ تھی کہ ذخیرہ رکھنے کا وہاں گزر ہی نہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص خادم، ہر وقت کے مشہور خدمت گزار ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ میں کہیں سے تین پرندے[3] آئے، ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم کو مرحمت[4] فرمادیا۔ دوسرے دن وہ خادم اس پرند کو لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمھیں منع نہیں کر رکھا کہ کل کے واسطے کوئی چیز نہ رکھو، کل کی روزی اللہ جَلَّ شانُہٗ خود مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت سَمُرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں بعض مرتبہ دوباری[5] کو محض[6] اس لیے دیکھنے جاتا ہوں کہ کہیں اس میں کوئی چیز پڑی نہ رہ جائے اور میری موت اس حال میں آجائے کہ وہ میرے پاس ہو۔ [ترغیب]

حضرت ابوذر غِفَاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، بڑے زاہد[7] حضرات میں تھے، مال سے عداوت[8] کے ان کے بہت سے عجیب واقعات ہیں، جن میں سے ایک عجیب قصہ آیات کے ذیل میں نمبر گیارہ صفحہ ۳۷ پر گزر

حل لغات: ① سوائے، علاوہ۔ ② ضروری، پہلے۔ ③ اڑنے والا جانور یعنی چڑیا وغیرہ۔ ④ عطا کرنا، دینا۔ ⑤ اوپر کا کمرہ۔ ⑥ صِرف۔ ⑦ دنیا سے بے رغبت۔ ⑧ دشمنی۔

چکا ہے۔ اُن سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے، کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ تھا، حضور ﷺ نے اُحد پہاڑ کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ اگر یہ پہاڑ سونے کا بن جائے، تو مجھے یہ پسند نہیں کہ اس میں سے ایک دینار[1] بھی میرے پاس تین دن سے زیادہ ٹھہرے، مگر وہ دینار جس کو میں قرض کے ادا کرنے کے لیے محفوظ رکھوں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہت زیادہ مال والے ہی اکثر کم ثواب والے ہیں؛ مگر وہ شخص جو اس طرح، اس طرح کرے۔ حدیث نقل کرنے والے نے اس طرح اس طرح کی صورت دونوں ہاتھ ملا کر دائیں بائیں جانب کر کے بتائی، یعنی دونوں ہاتھ بھر کر دائیں طرف والے کو دے دے اور بائیں طرف والے کو، یعنی ہر شخص کو خوب تقسیم کرے۔ [بخاری] انہیں حضرت کا ایک اور قصہ مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اُن کی خدمت میں حاضر تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے ترکہ[2] میں مال چھوڑا ہے، تمہارا کیا خیال ہے، کچھ نامناسب تو نہیں ہوا؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ اس مال میں اللہ کے حقوق کو ادا کرتے رہے ہوں، تو پھر کیا مُضائقہ[3] ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، اس سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو مارنا شروع کر دیا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ اگر یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے اور میں اس کو سب کو خرچ کر دوں اور وہ قبول ہو جائے، تو مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس میں سے چھ اُوقیہ[4] بھی اپنے بعد چھوڑوں۔ اس کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا حضور ﷺ سے تم نے یہ حدیث تین مرتبہ سنی ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک سنی ہے۔

اُن کا ایک اور قصہ بخاری شریف وغیرہ میں آیا ہے۔ اَحنف بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں قریش کی ایک جماعت کے پاس بیٹھا تھا، ایک صاحب تشریف لائے جن کے بال سخت تھے (یعنی تیل وغیرہ لگا ہوا نہیں تھا) کپڑے بھی موٹے، ہیئت[5] بھی ایسی ہی تھی یعنی بہت معمولی سی، اس مجمع کے پاس کھڑے ہو کر اول سلام کیا، پھر فرمایا کہ خزانہ جمع کرنے والوں کو خوش خبری دو اس پتھر کی، جو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر وہ ان کے پستان[6] پر رکھ دیا جائے گا، جس کی شدّت سے اور گرمی سے گوشت وغیرہ پک کر مونڈھے کے اوپر سے اُبلنے لگے گا اور پھر وہ پتھر مونڈھے پر رکھا جائے گا تو وہ سب کچھ پستان سے بہنے لگے گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد کے ایک ستون کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اَحنف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کو جانتا نہ تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں، میں اُن کی بات سن کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیا

حل لغات: ① سونے کا سکہ۔ ② مَیِّت کا چھوڑا ہوا مال۔ ③ حرج۔ ④ چالیس درم کا وزن۔ ⑤ حالت۔ ⑥ چھاتی۔

اور اسی ستون[1] کے پاس بیٹھ گیا، اور میں نے عرض کیا کہ اس مجمع والوں نے آپ کی بات کی طرف کچھ توجہ نہیں کی؛ بلکہ اس گفتگو کو ناپسند سمجھا، وہ فرمانے لگے: یہ بیوقوف ہیں، کچھ سمجھتے نہیں ہیں، مجھ سے میرے محبوب نے کہا ہے۔ اَحنف رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کے محبوب کون؟ کہنے لگے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اے ابوذر! تم اُحد کا پہاڑ دیکھتے ہو؟ میں یہ سمجھا کہ کسی جگہ کام کو بھیجنا مقصود ہے، اس لیے یہ دکھلانا ہے کہ کتنا دن باقی ہے، میں نے کہا: جی ہاں دیکھ رہا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس اس پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس سارے کو خرچ کر دوں؛ مگر تین دینار (جن کا بیان اُور روایات میں ہے)۔ اس کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن یہ لوگ سمجھتے نہیں، دنیا کو جمع کرتے جاتے ہیں اور مجھے خدا کی قسم نہ تو اُن سے دنیا کی طلب، نہ دین کا استفتاء[2] کرنا ہے (پھر میں کیوں دبوں مجھے تو صاف صاف کہنا ہے)۔ [فتح] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ دوسری فصل کے سلسلہ آیات میں نمبر ۵ پانچ صفحہ ۱۶۴ پر بھی آرہا ہے۔

② عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔ [متفق عليه، مشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اُترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔

فائدہ: قرآن پاک کی آیات میں بھی نمبر بیس ۲۰ صفحہ ۱۵ پر جو آیت گزری ہے، اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا اور اس جگہ اور بھی مُتعَدَّد روایات اس کی تائید[3] میں گزر چکی ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی آفتاب[4] طلوع[5] ہوتا ہے تو اس کے دو طرف دو فرشتے اعلان کرتے ہیں، جس کو جنّ و انس کے سوا سب سنتے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو، تھوڑی چیز جو کفایت[6] کا درجہ رکھتی ہو، اس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے جو اللہ سے غافل کر دے اور جب آفتاب غروب[7] ہوتا ہے، تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے زور سے دعا کرتے ہیں: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ [عینی بروایۃ احمد] ایک حدیث میں ہے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آواز دیتے ہیں کہ یا اللہ! خرچ کرنے والے کا بدل جلدی عطا فرما اور یا اللہ!

حل لغات: ① کھمبا۔ ② مسئلہ پوچھنا۔ ③ طرف داری۔ ④ سورج۔ ⑤ نکلنا۔ ⑥ ضرورت بھر۔ ⑦ ڈوبنا۔

روک کر رکھنے والے کے مال کو جلدی ہلاک فرما۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں جن کے متعلق صرف یہی کام ہے، کوئی دوسرا کام نہیں، ایک کہتا رہتا ہے: یا اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا کر، دوسرا کہتا ہے: یا اللہ! روک کر رکھنے والے کو ہلاکت عطا فرما۔ [کنز]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح شام کی خصوصیت نہیں، ان کی ہر وقت یہی دعا ہے؛ لیکن پہلی روایات کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور غروب کے وقت خاص طور سے یہ دعا کرتے ہیں اور مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مال جمع کر کے رکھنے والوں پر اکثر ایسی چیزیں مُسَلَّط ہو جاتی ہیں، جن سے وہ سب ضائع ہو جاتا ہے، کسی پر مقدمہ مُسَلَّط ہو جاتا ہے؛ کسی پر آوارگی[1] سوار ہو جاتی ہے؛ کسی کے چور پیچھے لگ جاتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بربادی کبھی تو بعینہٖ[2] اس مال کی ہوتی ہے اور کبھی صاحب مال کی، یعنی وہ خود ہی چل دیتا ہے اور کبھی بربادی نیک اعمال کے ضائع ہونے سے ہوتی ہے کہ وہ اس میں پھنس کر نیک اعمال سے جاتا رہتا ہے، اور اس کے بالمقابل جو خرچ کرتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صدقہ اچھی طرح کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ترکے[3] میں اچھی طرح نیابت[4] کرتے ہیں۔ [اِحیاء] یعنی اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا مال وارث برباد نہیں کرتے، لَغو[5] چیزوں میں ضائع نہیں کرتے، ورنہ اکثر رُؤسا[6] کے لڑکے باپ کے مال کا جو حشر کرتے ہیں وہ معلوم ہی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو خرچ پسندیدہ ہے، وہ وہی خرچ ہے جو نیک کاموں میں ہو، اہل وعیال[7] کے نفقہ میں ہو یا مہمانوں پر خرچ ہو یا دوسری عبادتوں میں ہو۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ فرض عبادت اور نفل عبادت دونوں کو شامل ہے؛ لیکن نوافل سے رکنے والا بددعا کا مستحق نہیں ہوتا؛ مگر یہ کہ اس کی طبیعت پر ایسا بُخل[8] مسلط ہو جائے، جو واجبات میں بھی خوشی سے خرچ نہ کرے (فقط) لیکن آئندہ حدیث تعمیم[9] کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۳) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ اٰدَمَ! أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ [رواہ مسلم ۔ مشکوٰۃ]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدم کے بیٹے! تو ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دے یہ تیرے لیے بہتر ہے اور تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لیے برا ہے اور بقدر کفایت[10] روکنے پر ملامت[11] نہیں اور خرچ کرنے میں جن کی روزی تیرے ذمہ ہے ان سے ابتدا کر (کہ اُن پر خرچ کرنا دوسروں سے مُقَدَّم[12] ہے)۔

حل لغات: (۱) پریشانی، بدمعاشی۔ (۲) اسی طرح۔ (۳) میت کا چھوڑا ہوا مال۔ (۴) کسی کی جگہ لینا۔ (۵) بے کار۔ (۶) رئیس کی جمع، امیر لوگ۔ (۷) گھر والے۔ (۸) کنجوسی۔ (۹) عام ہونا۔ (۱۰) ضرورت کے مطابق۔ (۱۱) لعن طعن۔ (۱۲) ضروری۔

فائدہ: اس مضمون کی تائید بھی آیات میں نمبر ۴ صفحہ ۲۵ پر گزر چکی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود ہی فرما چکے ہیں کہ جتنا زائد ہو، وہ خرچ کر دو۔ اس جگہ یہ حدیث شریف بھی گزر چکی ہے، اہتمام کی اور توضیح[1] کی وجہ سے یہاں دوبارہ ذکر کی گئی، حقیقت یہی ہے کہ اپنے سے جو مال زائد ہو وہ جمع کر کے رکھنے کے واسطے ہے ہی نہیں، اس کے لیے بہترین بات یہی ہے کہ وہ اللہ کے بنک میں جمع کر دیا جائے جس کو کوئی زوال[2] نہیں، اس پر کوئی آفت نہیں آتی اور ایسے سخت مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے جس وقت کے مقابلہ میں یہاں کی ضرورتیں کچھ بھی نہیں ہیں اور وہاں اس وقت کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اَثاثہ[3] صرف وہی ہوگا جو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ دوسری چیز اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ بقدرِ کفایت روکنے پر ملامت نہیں یعنی جتنی کہ واقعی ضرورت ہو کہ اس کے بغیر گزر مشکل ہو یا دستِ سوال[4] دراز کرنا پڑے، اس کو محفوظ رکھنے پر الزام نہیں ہے اور جن کی روزی اپنے ذمہ ہے، اہل وعیال[5] ہوں یا دوسرے لوگ ہوں حتیٰ کہ جانور بھی اگر محبوس[6] کر رکھا ہے تو اُس کی خبر گیری[7] اپنے ذمہ ہے، اس کو ضائع اور برباد کرنے کا گناہ اور وَبال[8] ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لیے یہی بہت ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو، اس کو ضائع کر دے۔ [مشکوٰۃ]

عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ان کا وظیفہ[9] جو بیت المال[10] میں تھا وہ ان کو ملا، وہ اپنی ضروریات خریدنے کے لیے جا رہے تھے، ان کی باندی ساتھ تھی جو ان کی ضرورتیں مُہیّا[11] کر رہی تھی، اس کے پاس ضروری چیزوں کے بعد سات اشرفیاں بچ گئیں، انہوں نے باندی سے فرمایا کہ ان کے پیسے لے آ (تا کہ اُن کو تقسیم کر دیں) میں نے کہا کہ اگر ان اشرفیوں کو آپ ابھی رہنے دیں کہ اور ضرورتیں پیش آئیں گی، مہمان بھی آتے رہتے ہیں، فرمایا کہ مجھ سے میرے دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرار داد[12] کی تھی کہ جو سونا یا چاندی باندھ کر رکھا جائے گا وہ مالک پر آگ کی چنگاری ہے، جب تک کہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کر دیا جائے۔ [ترغیب] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی ضرورت سے زیادہ چیز کو خرچ کر دینے کی اتنی ترغیبات وارد ہوئی ہیں کہ بعض صحابۂ کرام کو یہ خیال ہونے لگا کہ آدمی کو اپنی ضرورت سے زیادہ چیز رکھنے کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کو کبھی اِدھر کبھی اُدھر لے جاتے تھے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس سواری زائد ہو، وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس توشہ[13] زائد ہو، وہ اس کو دے

حل لغات: (۱) کھول کے بیان کرنا۔ (۲) نقصان۔ (۳) سامان۔ (۴) مانگنے کے لیے ہاتھ بڑھانا۔ (۵) گھر والے۔ (۶) قید۔ (۷) دیکھ بھال۔ (۸) عذاب۔ (۹) تنخواہ۔ (۱۰) سرکاری خزانہ۔ (۱۱) تیار۔ (۱۲) وعدہ۔ (۱۳) راستہ کا خرچ۔

دے جس کے پاس توشہ نہیں؛ حتیٰ کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ آدمی کا اپنی ضرورت سے زیادہ میں کوئی حق ہی نہیں۔ [ابوداود] ان صاحب کا اپنی اونٹنی کو اِدھر اُدھر پھرانا یا تو اس پر تفاخُر[1] اور بڑائی کی وجہ سے تھا، تب تو حضور ﷺ کے آئندہ ارشاد کے مخاطب یہی صاحب ہیں اور حاصل یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز تفاخر کے لیے نہیں ہوتی دوسروں کی اِعانت[2] کے لیے ہوتی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پھرانا اس کی ناگُفتہ[3] بہ حالت دکھانے کے واسطے صورتِ سوال تھا، اس صورت میں حضور ﷺ کے ارشاد کے مخاطب دوسرے حضرات ہیں۔

④ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ. فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأٰى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهِ. قَالَ: ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ. [رواه البخاري، مشكوة]	عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں حضور اقدس ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، حضور ﷺ نے نماز کا سلام پھیرا اور تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر نہایت عُجلت[4] کے ساتھ لوگوں کے مونڈھوں پر سے گزرتے ہوئے ازواجِ مُطہَّرات[5] کے گھروں میں سے ایک گھر میں تشریف لے گئے، لوگوں میں حضور ﷺ کے اس طرح جلدی تشریف لے جانے سے تشویش[6] پیدا ہوئی کہ نہ جانے کیا بات پیش آ گئی۔ حضور ﷺ مکان سے واپس تشریف لائے، تو لوگوں کی حیرت کو محسوس فرمایا، اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سونے کا ایک ٹکڑا یاد آ گیا تھا، جو گھر میں رہ گیا تھا مجھے یہ بات گراں[7] گزری (کہ کبھی موت آ جائے اور وہ رہ جائے اور میدانِ حشر میں اس کی جواب دہی اور اس کا حساب) مجھے روک لے، اس لیے اس کو جلدی بانٹ دینے کو کہہ کر آیا ہوں۔

فائدہ: اسی قصہ میں دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ کہیں میں اس کو بھول جاؤں اور وہ رات کو میرے پاس رہ جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور قصہ حدیث میں آیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی بیماری میں حضور ﷺ کے پاس چھ سات اَشرفیاں[8] تھیں (اسی وقت کہیں سے آ گئی ہوں گی) حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان کو جلدی بانٹ دو، حضور ﷺ کی بیماری کی شِدَّت[9] کی وجہ سے مجھے ان کو تقسیم کرنے کی مُہلَت[10] نہ ملی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ اشرفیاں تقسیم کر دیں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی بیماری نے بالکل مہلت نہ دی، فرمایا: اُٹھا کر لاؤ۔

حل لغات: ① فخر کرنا۔ ② مدد۔ ③ نامناسب، خراب۔ ④ جلدی۔ ⑤ حضور ﷺ کی پاک بیویاں۔ ⑥ بے چینی۔ ⑦ ناپسند۔ ⑧ سونے کے سکے۔ ⑨ زیادتی۔ ⑩ فرصت۔

اُن کو لے کر ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان[1] ہے (یعنی اس کو کس قدر ندامت[2] ہوگی) کہ اگر وہ اس حال میں اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ملے کہ یہ اس کے پاس ہوں۔ [مشکوٰۃ] ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی قسم کا ایک اور قصہ نقل کیا گیا، جس میں وارد ہے کہ رات ہی کو کہیں سے آ گئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اُڑ گئی، جب اخیر شب میں مَیں نے ان کو خرچ کر دیا جب نیند آئی۔ [اِحیاء] حضرت سَہَل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات اشرفیاں تھیں، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وہ علی کے پاس بھیج دو، یہ فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی[3] طاری ہوگئی، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں مشغول ہوگئیں، تھوڑی دیر میں اِفاقہ[4] ہوا تو پھر یہی فرمایا اور پھر غشی طاری ہوگئی بار بار غشی ہو رہی تھی۔ آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار فرمانے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وہ بھیج دیں، انہوں نے تقسیم فرما دیں۔ یہ قصہ تو دن میں گزرا اور شام کو دوشنبہ[5] کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری رات تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چراغ میں تیل بھی نہ تھا، ایک عورت کے پاس چراغ بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہے وِصال[6] کا وقت قریب ہے، اس میں گھی ڈال دو کہ اسی کو جلا لیں۔ [ترغیب]

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس قسم کا اَور قصہ نقل کیا گیا: وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر تَغَیُّر[7] (گرانی) کا اثر تھا، میں یہ سمجھی کہ طبیعت ناساز[8] ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے چہرے پر کچھ گرانی کا اثر ہے، کیا بات ہوئی۔ فرمایا: سات دینار رات آ گئے تھے، وہ بستر ے کے کونے پر پڑے ہیں اب تک خرچ نہیں ہوئے۔ [عراقی، احیاء]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدایا[9] تو آتے ہی رہتے تھے، لیکن دن ہو، رات ہو، صحت ہو، بیماری ہو، اس وقت تک طبیعت مبارک پر بوجھ رہتا تھا جب تک وہ خرچ نہ ہو جائیں اور حد ہے کہ اپنے گھر میں بیماری کی شِدَّت میں رات کو جلانے کے لیے تیل بھی نہیں، لیکن سات اشرفیاں موجود ہونے پر بھی گھر کی ضرورت کا نہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا، نہ اُمّ المومنین[10] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کو یاد آیا کہ تھوڑا سا تیل بھی منگا لیں، مجھے اپنے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کا یہ معمول دیکھنے کا بار بار موقع ملا کہ رات کو وہ اپنے مِلک[11] میں کوئی روپیہ پیسہ نہیں رکھنا چاہا کرتے تھے۔ قرضہ تو ہمیشہ ہی سر[12] رہا، حتّٰی کہ وِصال کے وقت بھی سات آٹھ ہزار روپیہ قرض تھا، اس لیے رات کو اگر روپیوں کی کوئی مقدار ہوتی تو وہ کسی قرض خواہ کے حوالے کر دیتے اور پیسے ہوتے تو وہ بچوں میں سے کسی کو دے دیتے اور فرمایا کرتے تھے: میرا جی نہیں چاہتا کہ

حل لغات: (۱) خیال۔ (۲) شرمندگی۔ (۳) بے ہوشی۔ (۴) آرام۔ (۵) پیر۔ (۶) انتقال۔ (۷) ناگواری۔ (۸) خراب۔ (۹) ہدیہ کی جمع، تحفہ۔ (۱۰) مسلمانوں کی ماں۔ (۱۱) قبضہ۔ (۱۲) ذمہ میں رہا۔

رات کو یہ گندگی میرے پاس رہے، موت کا اعتبار نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر میں نے حضرت اقدس قُدْوَۃُ الزَّاہِدِین[1] شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نَوَّرَاللہُ مَرْقَدَہٗ کے متعلق سنا ہے کہ حضرت کے پاس فتوحات[2] کی کثرت تھی اور جب کچھ جمع ہو جاتا تو بہت اہتمام سے اس کو خیر کے مواقع[3] میں تقسیم فرمادیا کرتے، اس کے بعد پھر کہیں سے کچھ آجاتا تو چہرۂ مبارک پر گرانی[4] کے آثار[5] نمودار ہوتے اور فرماتے کہ یہ اور آگیا۔ آخر میں حضرت نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی تقسیم فرمادیے تھے اور اپنے مخصوص خادم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نَوَّرَاللہُ مَرْقَدَہٗ[6]، (حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا) سے فرمایا تھا کہ بس اب تو تم سے کپڑا مُسْتَعَار[7] لے کر پہن لیا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی شانیں اور انداز بھی عجیب ہوا کرتے ہیں، یہ بھی ایک وَلولہ[8] ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس جاویں، اس دنیا کے مَتاع[9] کا ذخیرہ مِلک میں نہ ہو۔

⑤ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَجُلٌ : يَارَسُوْلَ اللهِ ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْرًا؟ قَالَ : أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ، قُلْتَ: لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا، وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔ [متفق علیه، مشکوٰة]	ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تو صدقہ ایسی حالت میں کرے کہ تندرست ہو، مال کی حِرص[10] دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو، اپنے مال دار ہونے کی تمنا ہو اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک مؤخر[11] نہ کر کہ روح حلق تک پہونچ جائے، یعنی مرنے کا وقت قریب آجائے، تو تُو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں (مسجد) کا اور اتنا فلاں (مدرسہ) کا، حالانکہ اب مال فلاں (وارث) کا ہو گیا۔

فائدہ: ''فلاں (وارث) کا ہوگیا'' کا مطلب یہ ہے کہ وارث کا حق اس میں شامل ہو گیا، اسی لیے وصیت صرف ایک تہائی میں ہو سکتی ہے اور مرض[12] الموت کے صدقات بھی تہائی میں ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ کا حق مرنے والے کو نہیں ہے۔ اسی واسطے ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کہتا ہے: میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف تین چیزیں ہیں: جو کھا لیا، یا پہن لیا، یا اللہ کے خزانے میں صدقہ کر کے جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والا ہے، یعنی یہ شخص اس کو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔ [مشکوٰۃ] ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں ایک درم[13] صدقہ

حل لغات: ① پرہیز گاروں کے رہنما۔ ② یعنی ہدیے وغیرہ۔ ③ موقع کی جمع، جگہ۔ ④ بے چینی۔ ⑤ اثر کی جمع، نشانی۔ ⑥ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے۔ ⑦ مانگ کر۔ ⑧ جذبہ۔ ⑨ سامان۔ ⑩ لالچ۔ ⑪ یعنی پیچھے کرنا، ٹالنا۔ ⑫ وہ بیماری جس میں انتقال ہو جائے۔ ⑬ روپیہ۔

کردے، وہ اس سے بہتر ہے کہ مرتے وقت سو درم صدقہ کرے۔[مشکوٰۃ] اس لیے کہ واقعی مرتے وقت تو وہ گویا دوسرے کے مال میں سے صدقہ کر رہا ہے کہ اب اس کا کیا رہا؟ اس کو تو بہرحال اس مال کو چھوڑ کر جانا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص مرتے وقت صدقہ کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص جب خوب پیٹ بھرلے تو بچے ہوئے کھانے کا ہدیہ تحفہ کسی کے پاس لے کر جائے۔ [مشکوٰۃ]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مثالوں سے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اصل صدقہ کا وقت تندرستی اور صحت کا ہے، اپنے نفس سے اصل مقابلہ اُسی وقت ہے؛ لیکن ان سب کا مطلب یہ نہیں کہ مرتے وقت کا صدقہ یا وصیت بے کار ہے، بہرحال ثواب اس کا بھی ہے، ذخیرۂ آخرت وہ بھی بنتا ہے، البتہ اتنا ثواب نہیں ہوتا جتنا اپنی ضرورتوں اور راحتوں کے مقابلے میں صدقہ کرنے کا ثواب ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۸۰] ''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے، اگر وہ مال چھوڑے تو والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لیے کچھ وصیت کر جائے جو معروف[۱] طریقے پر ہو، جن کو خدا کا خوف ہے اُن کے ذمہ یہ ضروری چیز ہے''۔

یہ حکم جو اس آیتِ شریفہ میں ذکر کیا گیا ابتداءِ[۲] اسلام کا ہے، اس وقت ماں باپ کے لیے بھی وصیت فرض تھی، اس کے بعد جب میراث کا حکم نازل ہوا تو والدین اور جن رشتہ داروں کا حق شریعت نے مُعیّن[۳] کر دیا اُن کے لیے وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا، لیکن جن رشتہ داروں کا حق شریعت نے مقرّر نہیں کیا ہے ان کے لیے ایک تہائی مال میں وصیت کا حق اب بھی باقی ہے؛ لیکن میراث کے حکم سے پہلے یہ فرض تھا اب فرض نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ کے حکم سے اُن کو وصیت منسوخ ہوگئی جو وارث بنتے ہیں اور جو وارث نہیں بنتے ان کو وصیت منسوخ نہیں ہوئی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں وصیت اب اُن کے لیے رہ گئی جو وارث نہیں ہوتے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ [درّ منثور]

ایک حدیث میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد آیا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! تو زندگی میں بخیل[۴] تھا، مرنے کے وقت اِسراف[۵] کرنے لگا، دو برائیاں اکٹھی نہ کر: ایک زندگی میں بخل کی، دوسری مرنے کے وقت کی۔ تو اپنے ایسے رشتہ داروں کو دیکھ جو تیری میراث سے محروم ہیں اور اُن کے لیے کچھ وصیت کر جا۔ [کنز]

حل لغات: (۱) اچھا۔ (۲) اسلام کا شروع زمانہ۔ (۳) مقرر۔ (۴) کنجوس۔ (۵) فضول خرچی۔

آیات میں نمبر ۲۵ پر خود حق تعالیٰ شانہٗ کے پاک کلام میں بھی اس طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ صدقہ اس وقت کا افضل ہے جب کہ آدمی کو مال کی محبت ستا رہی ہو بمقابلہ اس کے کہ دل سرد ہو چکا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اس شخص سے ناراض ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں تو بخیل ہو اور مرنے کے وقت سخی ہو۔ [کنز] اِس لیے جو لوگ صدقات واَوقاف[1] میں مرنے کے وقت کا انتظار کرتے ہیں، یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اول تو اسی کا علم کسی کو نہیں کہ کب اور کس طرح موت آجائے۔ مُتَعَدَّد واقعات اس قسم کے قابل عبرت دیکھنے میں آئے کہ مرنے کے وقت بہت کچھ صدقات اور اوقاف کرنے کی اُمنگیں لوگوں میں تھیں، لیکن بیماری نے ایسا گھیرا کہ مُہلت[2] ہی نہ لینے دی، کسی پر فالج گر گیا، کسی کی زبان بند ہوگئی، کہیں وُرَثاء[3]، تیماردار[4] بیچ میں حائل[5] ہوگئے اور اگر ان سب عوارض[6] سے بچ کر اس کی نوبت آ بھی جائے جو بہت کم آتی ہے، تب بھی وہ درجہ ثواب کا تو ہوتا نہیں جو اپنی خواہشات کو نقصان پہونچا کر صدقہ کرنے کا ہے۔ البتہ اگر اپنی زندگی میں کوتاہی سے نہ کرسکا ہو تو مرنے ہی کے وقت کو غنیمت سمجھے کہ مرنے کے بعد کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، سب دو چار دن رو کر بھول جاتے ہیں، روزانہ کے یہ مشاہدے[7] ہیں جو کچھ لے جانا ہے خود ہی اپنے ساتھ لے جاؤ، کام دے گا۔

(٦) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ سَارِقٍ فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَارِقٍ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ: لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ زَانِيَةٍ فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ

ترجمہ: (بنی اسرائیل کے) ایک آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ آج رات کو چپکے سے صدقہ کروں گا، چنانچہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا، صبح کو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوا کہ رات کوئی شخص ایک چور کو صدقہ دے گیا، اس صدقہ کرنے والے نے کہا: یا اللہ! چور پر صدقہ کرنے میں بھی تیرے ہی لیے تعریف ہے (کہ اس سے بھی زیادہ بدحال[8] کو دیا جاتا، تو ہی میں کیا کرسکتا تھا) پھر اس نے دوبارہ ٹھانی[9] کہ آج رات کو پھر صدقہ کروں گا (کہ پہلا تو ضائع ہوگیا) چنانچہ رات کو صدقہ کا مال لے کر نکلا اور اس کو ایک عورت کو دے آیا (یہ خیال کیا ہوگا کہ یہ تو چوری کیا کرے گی؟) صبح کو چرچا ہوا، کہ رات کوئی شخص فلاں بدکار عورت کو

حل لغات: (١) وقف کی جمع، خدا کے نام پر چھوڑا ہوا مال۔ (٢) فرصت۔ (٣) وارث کی جمع۔ (٤) بیمار کی دیکھ بھال کرنے والے۔ (٥) آڑ، رکاوٹ بن گئے۔ (٦) پیش آنے والی چیزیں، بیماریاں۔ (٧) دیکھنا۔ (٨) بری حالت والا۔ (٩) پکا ارادہ کرنا۔

الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى غَنِيٍّ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ وَ زَانِيَةٍ وَ غَنِيٍّ فَأُتِيَ فَقِيْلَ لَهٗ: أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ أَنْ يَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَ أَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهٗ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ۔

[متفق علیہ، مشکوۃ]

صدقہ دے گیا، اس نے کہا: یااللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے زنا کرنے والی عورت پر بھی (کہ میرا مال تو اس سے بھی کم درجہ کے قابل تھا) پھر تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات کو ضرور صدقہ کروں گا، چنانچہ رات کو صدقہ لے کر گیا اور اس کو ایک شخص کو دے دیا جو مالدار تھا، صبح کو چرچا ہوا کہ رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا، اس صدقہ دینے والے نے کہا: یااللہ! تیرے لیے ہی تعریف ہے چور پر بھی، زنا کرنے والی عورت پر بھی اور غنی[1] پر بھی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ (تیرا صدقہ قبول ہوگیا ہے) تیرا صدقہ چور پر (اس لیے کرایا گیا) کہ شاید وہ اپنی چوری کی عادت سے توبہ کرلے اور زانیہ پر اس لیے کہ شاید وہ زنا سے توبہ کرلے (جب وہ یہ دیکھے گی کہ بغیر منہ کالا کرائے بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ عطا فرماتے ہیں تو اس کو غیرت[2] آئے گی) اور غنی پر اس لیے تاکہ اس کو عبرت[3] حاصل ہو (کہ اللہ کے بندے کس طرح چھپ کر صدقہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے) شاید وہ بھی اُس مال میں سے جو اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، صدقہ کرنے لگے۔

فائدہ: ایک حدیث میں یہ قصہ اَور طرح سے ذکر کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ وہ کوئی دوسرا قصہ ہو کہ اس قسم کے مُتَعَدَّد واقعات میں کوئی اِشکال نہیں اور اگر وہ یہی قصہ ہے تو اس سے اس قصہ کی کچھ وضاحت ہوتی ہے۔ طاؤس رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے مَنَّت مانی کہ جو شخص سب سے پہلے اس آبادی میں نظر پڑے گا اس پر صدقہ کروں گا، اتفاق سے سب سے پہلے ایک عورت ملی، اس کو صدقہ کا مال دے دیا، لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑی خبیث عورت ہے، اس صدقہ کرنے والے نے اس کے بعد جو شخص سب سے پہلے نظر پڑا اس کو مال دے دیا، لوگوں نے کہا کہ یہ تو بدترین شخص ہے، اس شخص نے اس کے بعد جو سب سے پہلے نظر پڑا اس پر صدقہ کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑا مالدار شخص ہے، صدقہ کرنے والے کو بڑا رنج[4] ہوا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تیرے تینوں صدقے قبول کرلیے وہ عورت فاحشہ[5] عورت تھی، لیکن محض ناداری[6] کی وجہ سے اس نے یہ فعل[7] اختیار کر رکھا تھا، جب سے تو نے اسے مال دیا ہے، اس نے یہ برا کام چھوڑ دیا۔ دوسرا شخص چور تھا اور وہ بھی تنگ[8] دستی کی وجہ سے چوری کرتا تھا، تیرے مال دینے

حل لغات: ① مالدار۔ ② شرم۔ ③ نصیحت۔ ④ غم۔ ⑤ بدکار۔ ⑥ غریبی۔ ⑦ کام۔ ⑧ غریبی۔

پراس نے چوری سے علیحدگی[1] اختیار کر لی۔ تیسرا شخص مالدار ہے اور کبھی صدقہ نہ کرتا تھا، تیرے صدقہ کرنے سے اس کو عبرت ہوئی کہ میں اس سے زیادہ مالدار ہوں، اس لیے اس سے زیادہ صدقہ کرنے کا مُستحق[2] ہوں، اب اس کو صدقہ کی توفیق ہوگئی۔ [کنز]

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح[3] ہو جاتی ہے کہ اگر صدقہ کرنے والے کی نیت اخلاص کی ہو اور اس کے باوجود وہ بےمحل[4] پہونچ جائے، تو اس میں بھی اللہ جلَّ شانُہٗ کی کوئی حکمت ہوتی ہے، اس سے رنجیدہ[5] نہ ہونا چاہیے، آدمی کا اپنا کام یہ ہے کہ اپنی نیت اخلاص کی رکھے کہ اصل چیز اپنا ہی ارادہ اور فعل ہے اور ان صدقہ کرنے والے بزرگ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ باوجود اپنی کوشش کے جب صدقہ بے جگہ صَرف ہو گیا، تو اس کی وجہ سے بددِل[6] ہو کر صدقہ کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا، بلکہ دوبارہ سہ[7] بارہ صدقہ کو اپنے مَصرَف[8] پر خرچ کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہی وہ ان کا اخلاص اور نیک نیتی تھی، جس کی برکت سے تینوں صدقے قبول بھی ہو گئے اور قبول کی بَشارَت[9] بھی خواب میں ظاہر ہوگئی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر صدقہ ظاہر کے اعتبار سے اپنے محل[10] پر خرچ نہ ہوا ہو تو اس کو دوبارہ ادا کرنا مستحب ہے اور دوبارہ ادا کرنے سے اُکتانا نہیں چاہیے، جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ خدمت کو قطع[11] نہ کر اگرچہ عدمِ[12] قبول کے آثار ظاہر ہوں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ جلَّ شانُہٗ آدمی کی نیک نیتی کا بدلہ ضرور عطا فرماتے ہیں، اس لیے کہ ان صدقہ کرنے والوں نے خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا (اسی لیے رات کو چھپا کر دیا تھا) تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کو قبول فرمایا اور بے محل خرچ ہو جانے کی وجہ سے مردود نہیں ہوا۔

⑦ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا۔ [رواہ رزین، مشکوۃ]	ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لیے کہ بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔

فائدہ: یعنی اگر کوئی بلا مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقہ کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ برائی کے ستّر دروازوں کو بند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے پاک کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دُعا سے استقبال کرو۔ [ترغیب] کنزُ العُمّال میں کئی احادیث کے ذیل میں

حل لغات: ① جدائی، الگ ہونا۔ ② حق دار۔ ③ ظاہر۔ ④ نامناسب جگہ۔ ⑤ غمگین۔ ⑥ غمگین۔ ⑦ تیسری مرتبہ۔ ⑧ خرچ کرنے کی جگہ۔ ⑨ خوش خبری۔ ⑩ جگہ۔ ⑪ چھوڑنا۔ ⑫ قبول نہ ہونا۔

یہ مضمون آیا ہے کہ اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کیا کرو اور تجربہ بھی اس کا شاہد[1] ہے کہ صدقہ کی کثرت بیماری سے شفا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے بیماروں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبرو ریزیوں[2] کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا ستّر بلاؤں کو روکتا ہے، جن میں کم سے کم درجہ جُذام[3] کی اور بَرَص[4] کی بیماری ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے تفکُّرات[5] اور غموں کی تلافی[6] صدقہ سے کیا کرو، اس سے حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری مضرّت[7] کو بھی دَفع[8] کرے گا اور تمہاری دشمن پر مدد کرے گا۔ [کنز]

ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے، تو جب تک پہننے والے کے بدن پر ایک بھی ٹکڑا اس کپڑے کا رہے گا، پہنانے والا اللہ جَلَّ شانہٗ کی حفاظت میں رہے گا۔ ابنِ اَبی الجعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صدقہ برائیوں کے ستّر دروازے بند کرتا ہے۔ [اِحیاء] ایک حدیث میں ہے کہ صبح کو سویرے سویرے صدقہ کر دیا کرو، اس لیے کہ بلا، صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی۔ [ترغیب] آیات کے ذیل میں نمبر ۹ صفحہ ۴۳ پر ابنِ اَبی الجعد رحمۃ اللہ علیہ کی نقل سے ایک واقعہ بھی بھیڑیے کا گزر چکا ہے اور مُتعدّد روایات اس مضمون کی گزر چکی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ حق تعالیٰ شانہٗ کے غصہ کو دور کرتا ہے اور بُری موت کو ہٹاتا ہے۔ [مشکوٰۃ] علماء نے لکھا ہے کہ صدقہ مرنے کے وقت شیطان کے وسوسہ سے محفوظ رکھتا ہے اور مَرَض کی شِدّت[9] کی وجہ سے ناشکری کے الفاظ نکلنے سے حفاظت کرتا ہے اور ناگہانی[10] موت کو روکتا ہے، غرض حُسنِ خاتمہ[11] کا مُعین[12] ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ قبر کی گرمی کو زائل[13] کرتا ہے اور آدمی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا۔ [کنز] یعنی جتنا زیادہ صدقہ کرے گا اتنا ہی زیادہ سایہ ہوگا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتا دیجیے جو جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور رکھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت بڑی بات پوچھی اور وہ بہت آسان چیز ہے، جس پر اللہ جَلَّ شانہٗ آسان کر دے اور وہ یہ ہے کہ اللہ جَلَّ شانہٗ کی اخلاص سے عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان المبارک کے روزے رکھو اور بیت اللہ شریف کا حج کرو، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں خیر کے دروازے بتاؤں؟ (یعنی جن دروازوں سے آدمی خیر تک پہونچتا ہے) اور وہ یہ ہیں: روزہ ڈھال[14] ہے (یعنی جیسے ڈھال کی وجہ سے آدمی دشمن کے حملے کو روکتا رہتا ہے، اسی طرح روزہ کے ذریعہ شیطان کے حملوں کو روکتا ہے)

حل لغات: (۱) گواہ۔ (۲) ذلت۔ (۳) کوڑھ۔ (۴) سفید داغ۔ (۵) فکر۔ (۶) بھرپائی۔ (۷) نقصان دہ چیز۔ (۸) دور۔ (۹) زیادتی۔ (۱۰) اچانک۔ (۱۱) اچھا انجام۔ (۱۲) مددگار۔ (۱۳) ختم۔ (۱۴) وار روکنے کا ہتھیار۔

اور صدقہ خطاؤں کو ایسا بُجھا دیتا ہے، جیسا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات کے درمیانی حصے میں نماز (بھی ایسی ہی چیز) ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ﴾ یہ آیت شریفہ آیات کے ذیل میں نمبر اُنیس[19] صفحہ ۵۰ پر گزر چکی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو سارے کام کا سر اور اس کا ستون[1] اور اس کی بلندی بتاؤں؟ سب کا سر تو اسلام ہے (کہ اس کے بغیر تو کوئی چیز معتبر ہی نہیں) اور اس کا ستون نماز ہے (کہ جیسے بغیر ستون کے مکان کا باقی رہنا مشکل ہے، ایسے ہی بغیر نماز کے اسلام کا بقاء مشکل ہے) اور اس کی بلندی جہاد ہے (یعنی جہاد سے اس کو بلندی ملتی ہے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کی جڑ بتاؤں (جس پر ساری بنیاد قائم ہوتی ہے)؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس پر بھی پکڑے جائیں گے جو کچھ بات چیت زبان سے کر لیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ کو تیری ماں روئے اے معاذ! کیا آدمیوں کو ناک کے بل، اوندھے منہ جہنم میں زبان کے علاوہ اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے؟ [مشکوٰۃ]

''تجھ کو تیری ماں روئے'' عرب کے محاورے[2] میں تنبیہ کے لیے بولا جاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ ہم زبانوں کو جو قینچی کی طرح چلاتے رہتے ہیں وہ سب مجموعہ اعمال نامے میں تلے گا اور اس میں لغو[3] اور بے ہودہ ناجائز چیزیں جتنی بولتے ہیں، وہ جہنم میں جانے کا سبب ہوتی ہیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے، جس کو وہ بولنے والا کچھ اہم بھی نہیں سمجھتا؛ لیکن حق تعالیٰ شانُہٗ اس کلمے کی وجہ سے اس کے درجے جنت میں بلند کر دیتے ہیں اور آدمی اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ناراضی کا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ کہنے والا سرسری[4] سمجھتا ہے، لیکن اس کلمہ کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جہنم میں اتنی دور پھینک دیا جاتا ہے، جیسا کہ مشرق سے مغرب دور ہے، ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص دو چیزوں کا ذمہ لے لے کہ بے محل[5] استعمال نہیں کرے گا، ایک وہ چیز جو دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسری وہ جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن[6] ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں آدمیوں کو کثرت سے یہی دو چیزیں ڈالتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے اور محض اتنی غرض ہوتی ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے، تفریح ہوگی، لیکن اس کے وبال سے جہنم میں اتنی دور پھینک دیا جاتا ہے جتنی آسمان سے زمین دور ہے۔ حضرت سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر کس چیز کا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حل لغات: (۱) کھمبا۔ (۲) کہاوت، بول چال۔ (۳) بے کار۔ (۴) معمولی۔ (۵) نامناسب جگہ۔ (۶) ذمہ دار۔

اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ اس کا۔ [مشکوٰۃ]

ان کے علاوہ اور بہت سی روایات میں مختلف عنوانوں سے یہ چیز وارد ہوئی ہے، ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں، یقیناً آدمی کو اس کا اکثر لحاظ رکھنا چاہیے کہ زبان سے جو کچھ کہہ رہا ہے اس سے اگر کوئی نفع نہ پہونچے، تو کم از کم کسی آفت اور مصیبت میں تو گرفتار نہ ہو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور امامِ حدیث اور فقیہہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے پانچ مہینے تک تہجد سے محروم رہا، کسی نے پوچھا: ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا؟ فرمایا: ایک شخص رو رہا تھا، میں نے اپنے دل میں یہ کہا تھا: یہ شخص ریا کار ہے۔ [اِحیاء] یہ دل میں کہنے کی نُحوُست[1] ہے، ہم لوگ اس سے کہیں زیادہ سخت لفظ زبان سے لوگوں کے متعلق کہتے رہتے ہیں اور بے وجہ کہتے رہتے ہیں اور اگر اس سے مخالفت[2] بھی ہو، پھر تو اس کے اوپر بہتان[3] باندھنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے، اس کے ہر ہنر کو عیب اور ہر عیب کو زیادہ وَقیع[4] بنا کر شہرت دیتے ہیں۔

⑧ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ۔ [رواہ مسلم ومشکوٰۃ]	ترجمہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور کسی خطاوار[5] کے قصور[6] کو معاف کر دینا معاف کرنے والے کی عزت ہی کو بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کی خاطر تواضع[7] اختیار کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو رفعت[8] اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیثِ پاک میں تین مضمون وارد ہوئے ہیں: ① یہ کہ صدقہ دینے سے ظاہر کے اعتبار سے اگر چہ مال میں کمی معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں مال میں اس سے کمی نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کا بدل اور نِعْمَ البَدَل[9] آخرت میں تو ملتا ہی ہے، جیسا کہ اب تک کی سب آیات اور روایات سے بکثرت معلوم ہو چکا ہے، دنیا میں بھی اکثر اس کا بدل ملتا ہے جیسا کہ آیات میں نمبر چودہ ۱۴ صفحہ ۴۴ پر اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور نمبر بیس ۲۰ صفحہ ۵۱ پر تو گویا اس کی تصریح[10] گزر چکی ہے کہ جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو گے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کا بدل عطا کرے گا۔ اور اس آیت کے ذیل میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مُتعَدَّد ارشادات اس کی تائید میں گزر چکے ہیں اور احادیث کے ذیل میں نمبر دو ۲ صفحہ ۷۸ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزر چکا ہے کہ روزانہ دو فرشتے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔

حل لغات: ① برا اثر۔ ② دشمنی، جھگڑا۔ ③ الزام لگانا۔ ④ اہم۔ ⑤ غلطی کرنے والا۔ ⑥ غلطی۔ ⑦ عاجزی۔ ⑧ عزت۔ ⑨ اچھا بدلہ۔ ⑩ تفصیل۔

حضرت ابو کبشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد ایک بات خاص طور سے تمہیں بتاؤں گا، اس کو اچھی طرح محفوظ رکھنا، وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں ان میں سے اول یہ ہے کہ کسی بندے کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فقر[1] کا دروازہ کھولتے ہیں، ان تین کے بعد ایک بات تمہیں بتاتا ہوں اس کو محفوظ رکھو، وہ یہ ہے کہ دنیا میں چار قسم کے آدمی ہوتے ہیں: ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے علم بھی عطا فرمایا اور مال بھی عطا فرمایا، وہ (اپنے علم کی وجہ سے) اپنے مال میں اللہ سے ڈرتا ہے (کہ اس کی خلاف مرضی خرچ نہیں کرتا بلکہ) صِلہ رحمی[2] کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس مال میں نیک عمل کرتا ہے، اس کے حقوق ادا کرتا ہے، یہ شخص سب سے اونچے درجوں میں ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے علم عطا فرمایا اور مال نہیں دیا، اس کی نیت سچی ہے، وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتا، تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی نیت کی وجہ سے اس کو بھی وہی ثواب دیتا ہے، جو پہلے کا ہے اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہو جاتے ہیں۔ تیسرے وہ شخص ہے: جس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مال عطا کیا، مگر علم نہیں دیا، وہ اپنے مال میں گڑبڑ کرتا ہے (بے محل[3] لہو ولعب[4] اور شہوتوں میں خرچ کرتا ہے) نہ اس مال میں اللہ کا خوف کرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ حق کے موافق خرچ کرتا ہے، یہ شخص (قیامت میں) خبیث[5] ترین درجہ میں ہوگا۔ چوتھا وہ شخص ہے جس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے نہ مال عطا کیا نہ علم دیا، وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتو میں بھی فلاں (یعنی نمبر تین) کی طرح خرچ کروں، تو اس کو اس کی نیت کا گناہ ہوگا اور وبال میں یہ اور نمبر تین برابر ہو جائیں گے۔

[مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی وقال حدیث صحیح]

حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ جَلَّ شانُہٗ کے پاک ہاتھ میں جاتا ہے (یعنی قبول ہوتا ہے) اور جو شخص ایسی حالت میں دستِ سوال[6] بڑھاتا ہے کہ بغیر سوال کے اس کا کام چل جاتا ہو تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ [ترغیب] حضرت قیس بن سلع انصاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

حل لغات: (۱) محتاجگی۔ (۲) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۳) بے موقع، نامناسب جگہ۔ (۴) کھیل وتماشا۔ (۵) بہت برے۔ (۶) مانگنا۔

سے میری شکایت کی کہ یہ بہت اِسراف[1] کرتا ہے اور اپنے مال کو بے جا خرچ کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں باغ میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں اور اللہ کے راستے میں بھی خرچ کرتا ہوں اور جو مجھ سے ملنے آتے ہیں ان کو بھی کھلاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر تین بار فرمایا: خرچ کیا کر، اللہ جَلَّ شانُہٗ تجھ پر خرچ فرمائیں گے، اس کے کچھ عرصہ بعد میں ایک سفر جہاد میں چلا تو میرے پاس سواری بھی اپنی تھی اور اپنے سب گھر والوں سے زیادہ ثَرْوَت[2] مجھے حاصل تھی۔ [ترغیب] یعنی جو لوگ بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کرتے تھے ان کے پاس اتنا نہ تھا جتنا مجھ بے دَرِیغ[3] خرچ کرنے والے کے پاس تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے اور نیک کاموں میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ تم اِدھر اُدھر مشغول ہو جاؤ اور اپنے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے درمیان تعلقات کو جوڑ لو، اس کا ذکر کثرت سے کر کے اور مخفی[4] اور عَلانیہ[5] صدقہ بہت کثرت سے دے کر کہ اس کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا، تمہاری مدد کی جائے گی، تمہارے نقصان کی تلافی[6] کی جائے گی۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعے رزق پر مدد چاہو۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعے سے رزق اُتارو۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے مال میں زیادتی ہوتی ہے۔ [کنز] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں ان چیزوں پر قسم کھاتا ہوں، اول یہ کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اس لیے خوب صدقہ کیا کرو، دوسرے یہ کہ جس بندے پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس کو معاف کر دے تو حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت میں اس کی عزت بڑھاتے ہیں، تیسری بات یہ ہے کہ نہیں کھولتا کوئی بندہ سوال کے دروازے کو مگر حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فَقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ [ترغیب]

حضرت ابو سلمیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، پس صدقہ کیا کرو۔ [درمنثور] کم نہ ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس کا نِعمُ البَدَل[7] بہت جلد عطا فرماتے ہیں۔ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں، ان کی بیوی ایک مرتبہ آٹا گوندھ کر برابر کے گھر سے آگ لینے گئیں، پیچھے کوئی سائل[8] آ گیا، حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ آٹا اس سائل کو دے دیا، یہ جب آگ لے کر آئیں تو آٹا نَدارَد[9]، خاوِند[10] سے پوچھا آٹا کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے کہ

حل لغات: (۱) فضول خرچی۔ (۲) مالداری۔ (۳) بے سوچے سمجھے، بہت زیادہ۔ (۴) چھپا کر۔ (۵) کھلم کھلا۔ (۶) بھرپائی۔ (۷) اچھا بدلہ۔ (۸) فقیر، مانگنے والا۔ (۹) موجود نہ تھا۔ (۱۰) شوہر۔

وہ روٹی پکنے گیا ہے، ان کو یقین نہ آیا، اِصرار کرنے لگیں، اُنہوں نے فرمادیا کہ وہ تو میں نے صدقہ کر دیا، کہنے لگیں: سبحان اللہ! تم نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اتنا ہی آٹا تھا، اب سب کیا کھائیں گے آخر ہمارے لیے بھی تو کچھ چاہیے تھا، وہ کہہ ہی رہی تھیں کہ ایک آدمی بڑے پیالہ میں گوشت اور روٹیاں لے کر حاضر ہوا، کہنے لگیں: کیسے جلدی پکا لائے اور سالن اضافے میں ساتھ لائے۔ [روض] اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں؛ مگر ہم چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے، اس لیے غور بھی نہیں کرتے کہ یہ نعمت کس چیز کے بدلے میں ملی، ایسی چیزوں کو سمجھتے ہیں کہ اتفاقاً فلاں چیز مل گئی ورنہ کیا ہوتا، حالانکہ وہ چیز آئی ہی ہے خرچ کرنے کی وجہ سے۔

⑨ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ، فَسَمِعَ صَوْتًا فِيْ سَحَابَةٍ: اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ. فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهٗ فِيْ حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ. فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ. فَقَالَ لَهٗ: يَا عَبْدَ اللهِ! مَا اسْمُكَ؟ فَقَالَ: فُلَانٌ: اَلْإِسْمَ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ. فَقَالَ لَهٗ: يَا عَبْدَ اللهِ! لِمَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ؟ فَقَالَ: إِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاءُهٗ وَيَقُوْلُ: اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ: أَمَّا إِذَا قُلْتَ هٰذَا فَإِنِّيْ

ترجمہ: حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک جنگل میں تھا، اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے، اس آواز کے بعد فوراً وہ بادل ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین میں خوب پانی برسا اور وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر چلنے لگا، یہ شخص جس نے آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے چل دیا، وہ پانی ایک جگہ پہونچا، جہاں ایک شخص کھڑا ہوا بیلچہ[۲] سے اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا، اس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سے سنا تھا، پھر باغ والے نے اس سے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں دریافت کیا، اس نے کہا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی آرہا ہے، یہ آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے اور تمہارا نام بادل میں سنا تھا تم اس باغ میں کیا کام ایسا کرتے ہو (جس کی وجہ سے بادل کو یہ حکم ہوا کہ اس کے باغ کو پانی دو) باغ والے نے کہا کہ جب تم نے یہ سب کہا تو مجھے بھی کہنا پڑا، میں اس کے اندر جو کچھ پیدا ہوتا ہے، اس کو (تین حصے کرتا ہوں) ایک حصہ یعنی

حل لغات: ① ضد۔ ② چھوٹا پھاوڑا، کدال۔

أَنْظُرُ إِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ أَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَأَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ۔ [رواہ مسلم و مشکوٰۃ]	تہائی تو فوراً اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ کی ضرورت میں لگا دیتا ہوں۔

فائدہ: کس قدر برکت ہے اللہ کے نام پر، صرف ایک تہائی آمدنی کے خرچ کرنے کی کہ پردۂ غیب[1] سے ان کے باغ کی پرورش کے سامان ہوتے ہیں اور کھلی مثال ہے اُس مضمون کی جو پہلی حدیث میں گزرا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا کہ باغ کی ایک تہائی پیداوار صدقہ کی تھی اور تمام باغ کے دوبارہ پھل لانے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ اس حدیث شریف سے ایک بہترین سبق اَور بھی حاصل ہوتا ہے، وہ یہ کہ آدمی کو اپنی آمدنی[2] کا کچھ حصہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے مُتعیَّن کر لینا زیادہ مفید ہے اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اگر آدمی یہ طے کر لے کہ اتنی مقدار اللہ کے راستے میں خرچ کرنی ہے تو پھر خیر کے مَصَارِف[3] اور خرچ کرنے کے مواقع[4] بہت ملتے رہتے ہیں اور اگر یہ خیال کرے کہ جب کوئی کارِ خیر[5] ہوگا اس وقت دیکھا جائے گا، تو اول تو کارِ خیر ایسی حالت میں بہت کم سمجھ میں آتے ہیں اور ہر موقع پر نفس اور شیطان یہی خیال دل میں ڈالتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری خرچ تو ہے نہیں اور اگر کوئی بہت ہی اہم کام ایسا بھی ہو جس میں خرچ کرنا کھلی خیر ہے تو اکثر موجود نہیں ہوتا اور موجودگی میں بھی اپنی ضروریات سامنے آکر کم سے کم خرچ کرنے کو دل چاہتا ہے اور اگر مہینے کے شروع ہی میں تنخواہ ملنے پر ایک حصہ علیحدہ کر کے رکھ دیا جائے یا روزانہ تجارت کی آمدنی میں سے صندوقچی[6] کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اس میں مُتعَیَّنہ[7] مقدار ڈال دی جایا کرے کہ یہ صرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، تو پھر خرچ کے وقت دل تنگی نہیں ہوتی کہ اس کو تو بہر حال وہ مقدار خرچ کرنا ہی ہے، بڑا مُجرَّب[8] نسخہ ہے جس کا دل چاہے کچھ روز تجربہ کر کے دیکھ لے۔ ابو وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قریظہ کی طرف بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں وہاں جا کر وہی عمل اختیار کروں، جو بنی اسرائیل کا ایک نیک مرد کرتا تھا کہ ایک تہائی صدقہ کر دوں اور ایک تہائی اس میں چھوڑ دوں اور ایک تہائی ان کے پاس لے آؤں۔ [کنز] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس نسخہ پر عمل فرماتے تھے۔

(۱۰) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک فاحِشہ عورت (رنڈی) کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ

حل لغات: (۱) یعنی اللہ کی طرف سے۔ (۲) نفع، بچت۔ (۳) مصرف کی جمع، خرچ کرنے کی جگہیں۔ (۴) موقع کی جمع۔ (۵) اچھا کام۔ (۶) چھوٹی پیٹی۔ (۷) مقرر کی ہوئی۔ (۸) تجربہ کیا ہوا۔

غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُومِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ قَالَ: كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ. فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ. فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ: إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ۔ [متفق عليه. مشكوٰة]	وہ چلی جارہی تھی، اس نے ایک کنویں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شِدَّت[1] کی وجہ سے باہر نکل پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے، اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑے کا) موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنویں میں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا۔ حضور اقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا: کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صِلہ[2] میں بھی ثواب ملتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے (مسلمان ہو یا کافر، آدمی ہو یا جانور)۔

فائدہ: یہ قصہ بنی اسرائیل کی ایک رنڈی کا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح[3] ہے۔ [کنز]

بخاری شریف وغیرہ میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ایک مرد کا بھی آیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جنگل میں چلا جارہا تھا، اس کو پیاس کی شِدَّت نے بہت پریشان کیا، وہ ایک کنوئیں میں اترا اور جب پانی پی کر باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بے تاب[4] ہے اور پیاس کی شدت سے گارے[5] میں منہ مار رہا ہے، اس شخص کو خیال ہوا کہ اس کو بھی پیاس کی وہی تکلیف ہو رہی ہے جو مجھے تھی، کوئی چیز پانی نکالنے کی نہ تھی، اس لیے اپنے پاؤں کا موزہ نکالا اور دوبارہ کنوئیں میں اُتر کر اس کو بھرا اور موزے کو منہ سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں کی مدد سے اوپر چڑھا اور وہ پانی اس کتے کو پلایا، حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کے اس کارنامے کی قدر فرمائی اور اس شخص کی مغفرت فرمادی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! جانوروں میں بھی اجر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) میں اَجر ہے۔ [بخاری] ایک حدیث میں ہے ہر گرم جگر والے میں اجر ہے۔ [کنز]

موزہ میں پانی بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ عرب میں چمڑے کے موزوں کا عام رواج ہے اور ان میں پانی بھرنے سے کم گرتا ہے اور منہ سے پکڑنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جنگل کے کنوؤں میں عام طور سے کچھ اینٹیں وغیرہ اس طرح باہر کو نکال دیتے ہیں کہ جن کی مدد سے آدمی اگر اس کے پاس ڈول رسّی نہ ہو تو نیچے اُتر سکتا ہے، لیکن اُترنے چڑھنے کے لیے ہاتھوں سے مدد لینے کی ضرورت ضرور پیش آیا کرتی ہے، اس لیے موزے کو منہ سے سنبھالنا پڑا۔ رسالہ کے ختم پر حکایات کے ذیل میں نمبر سینتالیس[47] صفحہ ۶۰۴ پر ایک ظالم کا قصہ بھی ایسا ہی ہے جس نے ایک خارشی[6] کتے کو پناہ دی تھی، اس کی وہی بات پسند آگئی۔ ان

حل لغات: (۱) زیادتی۔ (۲) اچھا برتاؤ۔ (۳) وضاحت۔ (۴) بے چین۔ (۵) کیچڑ۔ (۶) کھجلی والا۔

دونوں حدیثوں میں کُتّے جیسے ذلیل جانور پر احسان کرنے کا جب یہ بدلہ ہے تو آدمی جو اَشرف[1] المخلوقات ہے، اس پر احسان کرنے کا کیا کچھ بدلہ ہوگا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسے جانور جن کو مارنا مستحب ہے، جیسے سانپ بچھو وغیرہ اس سے مُستَثنیٰ[2] ہیں؛ لیکن دوسرے اہلِ علم حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے مارنے کے حکم کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ان کا پیاسا ہونا معلوم ہو جائے تو ان کو پانی نہ پلایا جائے، اس لیے کہ ہم مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ جس کو کسی وجہ سے قتل کیا جائے اس میں بہتری کی رعایت رکھی جائے، اسی وجہ سے جس کو قتل کرنا ضروری ہے اس کے بھی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنے کی مُمانَعت[3] ہے۔ [فتح]

ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث سے ایک لطیف[4] چیز یہ بھی معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کو کسی شخص کا کوئی ایک عمل بھی اگر پسند آجائے، تو اس کی برکت سے عمر بھر کے گناہ بخش دیتے ہیں، اس کے لطف وکرم کے مقابلے میں یہ کوئی بھی چیز نہیں ہے، البتہ قبول ہو جانے اور پسند آجانے کی بات ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر گناہ گار کے سارے گناہ پانی پلانے سے یا کسی ایک نیکی سے بخش دیے جائیں، ہاں کوئی چیز کسی کی قبول ہو جائے تو کوئی مانِع[5] نہیں، اس لیے آدمی کو نہایت اِخلاص سے کوشش کرتے رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ جانے کون سا عمل وہاں پسند آجائے، پھر بیڑا پار ہے۔ بڑی چیز اِخلاص ہے یعنی خالص اللہ کے لیے کوئی کام کرنا جس میں دنیا کی کوئی غرض شامل نہ ہو، نہ اس سے دنیا کمانا مقصود ہو اور نہ شہرت و وَجاہت[6] مطلوب[7] ہو، ان میں سے کوئی چیز شامل ہو جاتی ہے تو وہ سارا کیا کرایا برباد کر دیتی ہے اور محض اس کے لیے کوئی کام ہو تو معمولی سے معمولی کام بھی پہاڑوں سے وزن میں بڑھ جاتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ جب تجھ سے کوئی گناہ صادر ہو جائے، تو صدقہ کیا کر۔ [اِحیاء] اس لیے کہ یہ گناہ کو دھوتا ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے غصہ کو دور کرتا ہے۔

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُرٰى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا، قَالُوْا لِمَنْ هِيَ؟ قَالَ: لِمَنْ	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنّت میں ایسے بالاخانے[8] ہیں جو (گویا آئینوں کے بنے ہوئے ہیں کہ) ان کے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں اور ان کے اندر سے باہر کی سب چیزیں نظر آتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح

حل لغات: (۱) ساری مخلوق سے افضل۔ (۲) الگ۔ (۳) منع، روک۔ (۴) باریک، اچھا۔ (۵) روکنے والا۔ (۶) عزت۔ (۷) چاہا گیا، خواہش کیا گیا۔ (۸) اوپر کے کمرے۔

أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ،	بات کریں (یعنی ترش[1] روئی سے منہ چڑھا کر بات نہ کریں)
وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ	اور لوگوں کو کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور ایسے وقت
وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ [أخرجه ابن أبي شيبة والترمذي وغيرهما كذا في الدّر]	میں رات کو تہجد پڑھیں کہ لوگ سو رہے ہوں۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہودی تھے، کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، میں خبر سنتے ہی فوراً گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک دیکھ کر میں نے کہا کہ یہ مبارک چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا، وہاں پہونچ کر جو سب سے پہلا ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا، وہ یہ تھا لوگو! سلام کا آپس میں رواج ڈالو اور کھانا کھلایا کرو، صلہ[2] رحمی کیا کرو اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں نماز پڑھا کرو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ [مشکوٰۃ] آیات کے ذیل میں بھی نمبر چونتیس ۳۴ صفحہ ۶۹ کی طویل[3] آیت میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں، مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھانا کھلاتے ہیں، نہ تو ہم تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ چاہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو روٹی کھلائے کہ اس کا پیٹ بھر جائے اور پانی پلائے کہ پیاس جاتی رہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان سات خندقیں[4] کر دیتے ہیں ہر خندق اتنی بڑی کہ سات سو سال میں طے ہو۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (بمنزلہ[5] اولاد کے) پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے، جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہونچانے والا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ[6] پیشانی سے پیش آئے اور اپنے ڈول میں سے پڑوسی کے برتن میں ڈال دے۔ [کنز]

اچھی طرح گفتگو کرنے کا اہم جزو[7] یہ بھی ہے کہ اس سے خندہ پیشانی سے بات کرے، منہ چڑھا کر ترش روئی سے بات نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ احسان کا کوئی حصہ بھی حقیر[8] نہیں ہے، چاہے اتنا ہی ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص احسان کے کسی درجہ کو بھی حقیر نہ سمجھے اور کچھ بھی نہ ہو تو کم سے کم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی ہی سے پیش آئے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے تیرا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے، کسی کو نیکی کا حکم کرنا یا بُرائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، راستہ سے کسی کانٹے وغیرہ تکلیف دینے والی چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، اپنے ڈول سے کسی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ

حل لغات: (۱) بدمزاجی، چڑچڑاپن۔ (۲) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۳) لمبا۔ (۴) خندق کی جمع، گڑھا، کھائی۔ (۵) درجے میں۔ (۶) خوش مزاجی۔ (۷) حصہ۔ (۸) چھوٹا، کم۔

ہے۔[کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جہنمی آدمی ایک صَف[1] میں کھڑے کیے جائیں گے، ان پر ایک مسلم (کامل جنتی) گزرے گا، اس صف میں سے ایک شخص اس سے کہے گا: تو میرے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کردے۔ وہ پوچھے گا: کہ تو کون ہے؟ وہ جہنمی کہے گا کہ تو مجھے نہیں پہچانتا؟ تونے دنیا میں ایک مرتبہ مجھ سے پانی مانگا تھا، جس پر میں نے تجھے پانی پلایا تھا، اس پر وہ سفارش کرے گا (اور وہ قبول ہوجائے گی) اسی طرح دوسرا شخص کہے گا کہ تونے مجھ سے دنیا میں فلاں چیز مانگی تھی، وہ میں نے تجھ کودی تھی۔ [کنز]

ایک اور حدیث میں ہے: جہنمیوں کی صف پر ایک جنتی کا گزر ہوگا، تو ان میں سے ایک شخص اس کو آواز دے کر کہے گا کہ تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہی تو ہوں جس نے فلاں دن تمھیں پانی پلایا تھا، فلاں وقت تمھیں وضو کا پانی دیا تھا۔[مشکوۃ] ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جنتی اور جہنمی لوگوں کی جب صفیں لگ جائیں گی، تو جہنمی صفوں میں سے ایک شخص کی نظر جنتی صفوں میں سے کسی شخص پر پڑے گی اور وہ اس کو یاد دلائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ فلاں احسان کیا تھا۔ اس پر وہ جنتی شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کرے گا کہ یا اللہ! اس کا مجھ پر فلاں احسان ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طُفَیل[2] اس کو جنت میں داخل کردیا جائے۔ [کنز]

ایک حدیث میں ہے کہ فقراء[3] کی جان پہچان کثرت سے رکھا کرو اور ان کے اوپر احسانات کیا کرو، ان کے پاس بڑی دولت ہے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ دولت کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جس نے تمھیں کوئی ٹکڑا کھلایا ہو یا پانی پلایا ہو یا کپڑا دیا ہو، اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں پہونچادو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فقیر سے قیامت میں ایسی طرح معذرت[4] کریں گے جیسا کہ آدمی آدمی سے کیا کرتا ہے اور فرمائیں گے کہ میری عزت اور جلال کی قسم! میں نے دنیا کو تجھ سے اس لیے نہیں ہٹایا تھا کہ تُو میرے نزدیک ذلیل تھا؛ بلکہ اس لیے ہٹایا تھا کہ تیرے لیے آج بڑا اِعزاز[5] ہے، میرے بندے! ان جہنمی لوگوں کی صفوں میں چلا جا جس نے تجھے میرے لیے کھانا کھلایا ہو یا کپڑا دیا ہو وہ تیرا ہے، وہ اس حالت میں ان میں داخل ہوگا کہ یہ لوگ منہ تک پسینے میں غرق[6] ہوں گے، وہ پہچان کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔[رَوض الریاحین] ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک اعلان ہوگا کہ امتِ محمدیہ کے فقراء کہاں ہیں؟ اٹھو اور لوگوں کو میدانِ قیامت میں سے تلاش کرلو، جس شخص نے تم میں سے کسی کو میرے لیے ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لیے کوئی گھونٹ پانی کا

حل لغات: (۱) لائن میں۔ (۲) سبب، وجہ سے۔ (۳) فقیر کی جمع، غریب۔ (۴) معافی چاہنا۔ (۵) عزت، مرتبہ۔ (۶) ڈوبنا۔

دیا ہو، یا میرے لیے کوئی نیا یا پرانا کپڑا دیا ہو، ان کے ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کر دو۔ اس پر فقرائے اُمت اُٹھیں گے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے کہ یا اللہ! اس نے مجھے کھانا کھلایا تھا، اس نے مجھے پانی پلایا تھا، کوئی بھی فقرائے اُمت میں سے چھوٹا یا بڑا شخص ایسا نہ ہوگا جو ان کو جنت میں داخل نہ کرائے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی جاندار کو جو بھوکا ہو کھانا کھلائے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت کے بہترین کھانوں میں سے کھانا کھلائیں گے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو، خیر[1] اس گھر کی طرف ایسی تیزی سے بڑھتی ہے، جیسی تیزی سے چھری اونٹ کی کوہان[2] میں چلتی ہے۔ [کنز] حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ عمدہ کھجوریں دوسروں کو کھلاتے اور کہتے کہ جو شخص زیادہ کھائے گا، اس کو فی کھجور ایک درہم دیا جائے گا۔ [اِحیاء]

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں اور مسکینوں کا اکرام کیا، آج تم جنت میں ایسی طرح داخل ہو جاؤ کہ نہ تم پر کسی قسم کا خوف ہے، نہ تم غمگین ہو اور ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیمار فقیروں اور غریبوں کی عیادت[3] کی، آج وہ نور کے منبروں پر بیٹھیں اور اللہ جلَّ شانُہٗ سے باتیں کریں اور دوسرے لوگ حساب کی سختی میں مبتلا ہوں گے۔ [کنز]

ایک حدیث میں ہے: کتنی حوریں ایسی ہیں جن کا مَہر ایک مٹھی بھر کھجور یا اتنی ہی مقدار میں کوئی اور چیز دینا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلانے سے زیادہ افضل کوئی صدقہ نہیں۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ مغفرت کے واجب کرنے والی چیزوں میں بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جلَّ شانُہٗ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے یا اس کا قرض ادا کر دینا ہے یا بھوک کی حالت میں اس کو کھانا کھلانا ہے۔ [کنز] یعنی یہ سب اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں جو بھی ہو سکے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مغفرت کی واجب کرنے والی چیزوں میں کسی مسلمان کو خوشی پہونچانا ہے، اس کی بھوک کو زائل[4] کرنا ہے، اس کی مصیبت کو ہٹانا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجت[5] پوری کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی بہتّر ۷۲ حاجتیں پوری کرتے ہیں، جن میں سب سے ہلکی چیز اسکے گناہوں کی مغفرت ہے۔ [کنز] یعنی اور حاجتیں مغفرت سے بڑھ کر ہیں۔ نیز حدیث نمبر تیرہ ۱۳ میں صفحہ ۱۰۳ پر بھی اس کا بیان آرہا ہے۔

(۱۲) عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا | حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حل لغات: (۱) بھلائی۔ (۲) اونٹ کی پیٹھ کا اوپری حصہ۔ (۳) دیکھ بھال۔ (۴) ختم۔ (۵) ضرورت۔

قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ، وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللهُ عَلَيْكِ، اِرْضِخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ [متفق عليه كذا في المشكوة]	کہ (خوب) خرچ کیا کر اور شمار نہ کر (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جلَّ شانُہٗ بھی تجھ پر شمار کرے گا اور محفوظ کر کے نہ رکھ (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جلَّ شانُہٗ تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا (یعنی کم عطا کرے گا) عطا کر جتنا بھی تجھ سے ہو سکے۔

فائدہ: یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ[1] ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پاک حدیث میں کئی نوع[2] سے خرچ کے زیادہ کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی۔ اوّل تو خوب خرچ کرنے کا صاف صاف حکم ہی فرمایا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خرچ وہی پسندیدہ ہے جو شریعتِ مُطَہَّرہ کے موافق اللہ کی رضا کی چیزوں میں کیا جائے، شریعت کے خلاف خرچ کرنا موجب[3] ثواب نہیں، وَبال[4] ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شمار کرنے کی مُمانَعت[5] فرمائی جو پہلے ہی مضمون کی تاکید ہے، اس کے علماء نے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں: ایک یہ کہ گننے سے مراد گن گن کر رکھنا اور جمع کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تو گن گن کر رکھے گی، تو اللہ جلَّ شانُہٗ کی طرف سے عطا میں بھی تنگی کی جائے گی، جیسا کرنا ویسا بھرنا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ فقراء کو دینے میں شمار نہ کر، تاکہ اللہ جلَّ شانُہٗ کی طرف سے بدلہ اور ثواب بھی بے حساب ملے۔ اس کے بعد پھر اس مضمون کو اور زیادہ مُؤَکَّد[6] فرمایا کہ محفوظ کر کے نہ رکھ، اگر تُو اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے بجائے محفوظ کر کے رکھے گی، تو اللہ جلَّ شانُہٗ بھی اپنی عطا اور احسان و کرم کی زیادتی کو تجھ سے روک لے گا۔ اس کے بعد اس کو اور زیادہ مُؤَکَّد کرنے کا ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تجھ سے ہو سکے خرچ کیا کر یعنی کم وزیادہ کی پروا نہ کیا کر، نہ یہ خیال کر کہ اتنی بڑی مقدار مناسب نہیں، نہ یہ سوچا کر کہ اتنی ذرا سی چیز کیا دوں، جو اپنی طاقت اور قدرت میں ہو اس کے خرچ کرنے میں دَرِیغ[7] نہ کیا کر۔ دوسری احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جہنم کی آگ سے صدقہ کے ساتھ اپنا بچاؤ اور اپنی حفاظت کرو چاہے کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو کہ وہ بھی جہنم کی آگ سے حفاظت کا سبب ہے۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور میرے پاس اپنی تو کوئی چیز اب ہے نہیں، صرف وہی ہوتا ہے جو (میرے خاوند[8]) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دے دیں، کیا اس میں سے صدقہ کر دیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کیا کر اور برتن میں محفوظ کر کے نہ رکھا کر (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جلَّ شانُہٗ بھی تجھ سے (اپنی عطا کو)

حل لغات: (۱) بہن۔ (۲) طرح۔ (۳) ثواب کا سبب۔ (۴) عذاب۔ (۵) منع۔ (۶) تاکید کیا، زور دے کر۔ (۷) سوچ بچار۔ (۸) شوہر۔

محفوظ فرمالے گا۔اس حدیث پاک میں اگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دینے سے مراد اُن کا حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا کو مالک بنادینا ہے، تب تو یہ مال حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہوگیا، وہ جس طرح چاہیں اپنے مال کو خرچ کریں ان کو اختیار ہے اور اگر اس سے مراد گھر کے اِخراجات① کے واسطے دینا ہے، تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طبیعت سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان کو صدقہ کرنے میں گرانی② نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب اور تاکید فرمائی تھی۔ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی ترغیبات پر جان ودل سے فدا ہوتے تھے اور اگر کسی شخص کو خصوصی ترغیب ونصیحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے تو اس کی قدردانی③ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات اس کے شاہد④ ہیں۔''حکایاتِ صحابہ'' کے نویں⁹ باب میں صفحہ **۱۲۰** پر مثال کے طور پر چند قصے اس کے لکھ چکا ہوں۔

علامہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درِّ منثور میں خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرچ کرنے کی خصوصی ترغیب دی ہے۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہتمام اور تنبیہ کے طور پر) میرے عمامہ کا پچھلا کنارہ پکڑ کر فرمایا کہ اے زبیر! میں اللہ کا قاصد⑤ ہوں تمہاری طرف خاص طور سے اور سب لوگوں کی طرف عام طور سے (یعنی یہ بات تمہیں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے خاص طور سے پہونچاتا ہوں) تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے کیا فرمایا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ جب اپنے عرش پر جلوہ فرما تھا تو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے بندوں کی طرف (کرم کی) نظر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بندو! تم میری مخلوق ہو، میں تمہارا پروردگار ہوں، تمہاری روزیاں میرے قبضہ میں ہیں، تم اپنے آپ کو ایسی چیز کے اندر مَشَقَّت⑥ میں نہ ڈالو جس کا ذمہ میں نے لے رکھا ہے، اپنی روزیاں مجھ سے مانگو۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اَور بتاؤں تمہارے رب نے کیا کہا؟ یہ کہا کہ اے بندے! تو لوگوں پر خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا، تو لوگوں پر فَراخی⑦ کر، میں تجھ پر فَراخی کروں گا، تُو لوگوں پر خرچ میں تنگی نہ کر، تاکہ میں تجھ پر تنگی نہ کروں، تو لوگوں سے (بچا کر) باندھ کر نہ رکھ تاکہ میں تجھ سے باندھ کر نہ رکھوں، تو خزانہ جمع کرکے نہ رکھ، تاکہ میں تیرے (نہ دینے) پر جمع کرکے رکھ لوں، رزق کا دروازہ سات آسمانوں کے اوپر سے کھلا ہوا ہے، جو عرش سے ملا ہوا ہے، وہ نہ رات کو بند ہوتا ہے نہ دن

حل لغات: ①خرچ۔②ناپسندیدگی۔③قدر کرنا۔④گواہ۔⑤پیغام پہونچانے والا۔⑥تکلیف۔⑦کشادگی، وسعت۔

میں، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس دروازے سے ہر شخص پر روزی اتارتا رہتا ہے، اس شخص کی نیت کی بقدر، اس کی عطا کی بقدر، اس کے صدقہ کی بقدر، اس کے اخراجات کی بقدر، اس کو عطا فرماتا ہے، جو شخص زیادہ خرچ کرتا ہے اس کے لیے زیادہ اُتارا جاتا ہے، جو کم خرچ کرتا ہے اس کے لیے کمی کر دی جاتی ہے اور جو روک کر رکھتا ہے اس سے روک دیا جاتا ہے۔ اے زبیر! خود بھی کھاؤ، دوسروں کو بھی کھلاؤ اور باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر باندھ کر رکھ دیا جائے اور شمار نہ کرو کہ تم پر بھی شمار کیا جائے، تنگی نہ کرو کہ تم پر بھی تنگی کر دی جائے، مَشَقَّت میں (لوگوں کو) نہ ڈالو کہ تم پر مشقت ڈال دی جائے۔ اے زبیر! اللہ جَلَّ شانُہٗ خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے اور تنگی کو ناپسند کرتا ہے، سخاوت[1] (اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ) یقین سے ہوتی ہے اور بخل شک سے پیدا ہوتا ہے، جو شخص (اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ کامل) یقین رکھتا ہے، وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا اور جو شک کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ زبیر! اللہ جَلَّ شانُہٗ سخاوت کو پسند کرتا ہے، چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اللہ جَلَّ شانُہٗ بہادری کو پسند کرتا ہے، چاہے سانپ اور بچھو ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو، اے زبیر! اللہ جَلَّ شانُہٗ زلزلوں (اور حوادِث[2]) کے وقت صبر کو محبوب رکھتا ہے اور شہوتوں کے غلبے کے وقت ایسے یقین کو پسند کرتا ہے، جو سب جگہ سرایت[3] کر جائے (اور شہوت کے پورا کرنے سے روک دے) اور (دین میں) شُبہات[4] پیدا ہونے کے وقت عقلِ کامل کو محبوب رکھتا ہے اور حرام اور گندی چیزوں کے سامنے آنے پر تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔ اے زبیر! بھائیوں کی تعظیم کرو اور نیک لوگوں کی عظمت بڑھاؤ اور اچھے آدمیوں کا اعزاز[5] کرو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور فاسق[6] لوگوں کے ساتھ راستہ بھی نہ چلو، جو ان چیزوں کا اہتمام کرے گا جنت میں بغیر عذاب کے اور بغیر حساب کے داخل ہوگا، یہ اللہ کی نصیحت ہے مجھ کو اور میری نصیحت ہے تم کو۔ آیات کے ذیل میں نمبر بیس[20] صفحہ ۵۲ پر بھی اس قصہ کی طرف مختصراً اشارہ گزر چکا ہے اور اس کے متعلق کلام بھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تفصیلی ارشاد کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طبیعت کا جو اندازہ ہوگا وہ ظاہر ہے، ایسی حالت میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ان کے مال سے بے دَرِیغ[7] خرچ کرنے کو اگر فرمایا تو بے مَحَل[8] نہیں ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی بھی ہیں، اگر قرابت[9] والوں سے تعلقات قَوِی[10] ہوں، تو اس قسم کے تَصَرُّفات[11] تعلقات کی قوت اور زیادتی کا سبب ہوا کرتے ہیں، جن کا مشاہدہ[12] اور تجربہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس سب کے علاوہ خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) مال خرچ کرنا۔ (۲) حادثہ کی جمع، مصیبت۔ (۳) اثر، پہونچ جانا۔ (۴) شبہ کی جمع، شک۔ (۵) عزت۔ (۶) گناہ گار۔ (۷) بے سوچے سمجھے، بہت زیادہ۔ (۸) بے موقع۔ (۹) رشتہ دار۔ (۱۰) مضبوط۔ (۱۱) تصرف کی جمع، خرچ کرنا، کچھ کا کچھ کر دینا۔ (۱۲) دیکھنا۔

کی فَیّاضی[1] کا کیا پوچھنا، صاحب اِصابہ نے لکھا ہے کہ ان کے ایک ہزار غلام تھے، جوان کو خراج[2] ادا کیا کرتے تھے لیکن اس میں سے ذرا سا بھی گھر میں نہ جاتا تھا یعنی سب کا سب صدقہ ہی ہوتا تھا، اسی فیّاضی کا یہ ثمرہ[3] تھا کہ انتقال کے وقت بائیس لاکھ درہم قرضہ تھا، جس کا مُفصَّل قصہ بخاری شریف میں مذکور ہے اور قرضہ کی صورت کیا تھی یہ کہ امانت دار بہت تھے، محتاط[4] بہت تھے، لوگ اپنی امانتیں رکھواتے وہ یہ ارشاد فرما دیتے کہ امانت رکھنے کی جگہ تو میرے پاس ہے نہیں مجھے قرض دے دو، جب ضرورت ہو لے لینا، اس کو بجائے امانت کے قرض لیتے اور خرچ کر دیتے اور ایک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی کیا ان سب حضرات کا ایک ہی سا حال تھا، ان حضرات کے یہاں مال رکھنے کی چیز تھی ہی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی میں چار سو دینار (اشرفیاں[5]) بھریں اور غلام سے فرمایا کہ یہ ابوعُبَیدہ کو دے آؤ کہ اپنی ضروریات میں خرچ کر لیں اور غلام سے یہ بھی فرما دیا کہ ان کو دینے کے بعد وہیں کسی کام میں مشغول ہو جانا، تا کہ دیکھو کہ وہ ان کو کیا کرتے ہیں، وہ غلام لے گئے اور جا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی دعائیں دیں اور اپنی باندی کو بلایا اور اس کے ہاتھ سے سات فلاں کو اور پانچ فلاں کو، اتنے اس کو، اتنے اس کو اسی مجلس میں سب ختم کر دیے۔ غلام نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قصہ سنایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی ہی مقدار ان کے ہاتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجی اور اس وقت بھی یہی کہا کہ وہاں کسی کام میں لگ جانا تا کہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں، انہوں نے بھی باندی کے ہاتھ اسی وقت فلاں گھر اتنے، فلاں گھر اتنے بھیجنے شروع کر دیے، اتنے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی آئیں کہ ہم بھی تو مسکین[6] اور ضرورت مند ہیں، کچھ ہمیں بھی دے دو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی ان کے پاس پھینک دی، اس وقت دو باقی رہ گئی تھیں، باقی سب تقسیم ہو چکی تھیں۔ غلام نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قصہ سنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ سب بھائی بھائی ہیں۔ یعنی سب ایک ہی نمونے کے ہیں۔ [ترغیب]

(۱۳) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ننگے پن کی حالت میں کپڑا پہنائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت کے سبز[7] لباس پہنائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت

حل لغات: (۱) بہت زیادہ خیرات کرنا۔ (۲) آمدنی، اُجرت۔ (۳) نتیجہ۔ (۴) احتیاط کرنے والا۔ (۵) سونے کے سکے۔ (۶) محتاج۔ (۷) ہرا۔

عَلٰى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ۔ [رواه أبو داؤد الترمذي، كذا في المشكوة]	میں پانی پلائے گا، اللہ جلَّ شانُہٗ اس کو ایسی شرابِ جنت پلائے گا جس پرمُہر لگی ہوئی ہوگی۔

فائدہ: ''مُہر لگی ہوئی شراب'' سے اس پاک شراب کی طرف اشارہ ہے، جوقرآنِ پاک میں نیک لوگوں کے لیے تجویز[1] کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد سورۂ تطفیف میں ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ [سورۂ مطففین:۲۲-۲۶]	ترجمہ: نیک لوگ بڑی آسائش[2] میں ہوں گے، مسہریوں[3] پر بیٹھے ہوئے (بہشت[4] کے عجائب دیکھتے ہوں گے، اے مخاطب! تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت[5] اور تراوٹ[6] پہچانے گا، ان کو پینے کے لیے خالص شراب سربمہر[7] جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی، حرص[8] کرنے والوں کو اس چیز میں حرص کرنا چاہیے۔ یعنی حرص کرنے کی چیزیں یہ ہیں۔

مجاہد رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رحیق جنت کی شرابوں میں سے ایک شراب ہے جو مُشک سے بنائی گئی ہے اور اس میں تسنیم کی آمیزش[9] ہے، تسنیم کا ذکر اسی سورت میں اس آیت سے آگے ہے۔ حضرت قتادہ رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے کہ تسنیم جنت کی شرابوں میں اُفضل ترین شراب ہے، مُقرَّبین[10] اس کو خالص پییں گے اور دوسرے درجے کے لوگوں کی شرابوں میں اس کی آمیزش ہوگی۔ حسن بصری رَحمۃُ اللہ علیہ بھی سے نقل کیا گیا کہ رحیق ایک شراب ہے، جس میں تسنیم کی آمیزش ہے۔

حدیث بالا میں جوفضیلت ارشاد فرمائی ہے وہ ننگے پن کی حالت، بھوک اور پیاس کی حالت میں کپڑا پہنانے اور کھلانے پلانے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، یہ حالت خرچ کرنے والے کی ہے یا جس پر خرچ کیا گیا ہے اس کی ہے، دونوں احتمال[11] ہیں، پہلی صورت میں حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ خود ننگا ہے یعنی کپڑے کا ضرورت مند ہے اور دوسرے کو اس حالت میں کپڑا پہنائے، خود بھوکا ہے اور کھانا کچھ مُیسر ہوگیا تو دوسرے کو ترجیح دیتا ہے، خود پیاسا ہے لیکن پانی اگر مل گیا ہے تو بجائے خود پینے کے دوسرے پر ایثار[12] کرتا ہے، اس مطلب کے موافق یہ حدیث پاک، قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کی تفسیر ہوگی جو آیات کے سلسلے میں نمبر اٹھائیس ۲۸ صفحہ ۵۹ پر گزری ہے ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [سورۂ حشر:۹] کہ ''یہ لوگ اپنے اوپر

حل لغات: (۱) مقرر۔ (۲) آرام۔ (۳) تخت، پلنگ۔ (۴) جنت۔ (۵) خوشی۔ (۶) تازگی۔ (۷) بند، پیک کیا ہوا۔ (۸) چاہت، آرزو۔ (۹) ملاوٹ۔ (۱۰) اللہ کے قریبی بندے۔ (۱۱) دونوں باتیں مراد لی جاسکتی ہیں۔ (۱۲) ترجیح۔

دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود کو اِحتیاج[1] ہو''۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ سب حالات ان لوگوں کے ہیں جن پر خرچ کیا جارہا ہے، اس مطلب کے موافق حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز جتنی زیادہ ضرورت کے موقع پر خرچ کی جائے گی، اتنی ہی زیادہ ثواب کی بات ہوگی، ایک غریب کو کپڑا دیا جائے اس کا بہر حال ثواب ہے لیکن ایسے شخص کو کپڑا پہنایا جائے جو ننگا پھر رہا ہے، پھٹے ہوئے کپڑے پہن رہا ہے اس کا ثواب عام غُربَاء[2] سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک فقیر کو کھانا دیا جاتا ہے ہر حال میں اس کا ثواب ہے، لیکن ایسے شخص کو کھانا کھلایا جائے جس پر فاقہ مُسَلَّط[3] ہو اس کا ثواب بہت زیادہ ہے، اسی طرح ہر شخص کو پانی پلانے کا ثواب ہے لیکن ایک شخص کو پیاس ستارہی ہے اس کو پانی پلانے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ عمر بھر کے گناہوں کا کَفّارہ[4] بھی کبھی بن جاتا ہے۔

حدیث نمبر دس[10] صفحہ ۹۴ پر ابھی گزر چکا ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے سے رنڈی کے عمر بھر کے گناہ معاف ہوگئے۔ سلسلۂ آیات میں نمبر تیئس[23] صفحہ ۵۶ کے ذیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد گزر چکا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک ایک دو دو لقمہ در بَدر[5] پھراتا ہو، اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ خود اتنا مال ہو کہ جو اس کی حاجت کو کافی ہو، نہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو کہ اس کی اِعانت[6] کریں، یہی شخص اصل محروم ہے۔ حدیث نمبر گیارہ[11] صفحہ ۹۸ کے ذیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں گزر چکے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت رَوائی[7] میں مشغول ہو، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی حاجت رَوائی میں توجہ فرماتے ہیں۔ اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل[8] کرے، حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت کے مَصائِب[9] میں سے اس کی کوئی مصیبت زائل فرماتے ہیں اور جو شخص مسلمان کی پردہ[10] پوشی کرے (عیب سے ہو یا لباس سے) حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی (اُسی نوع[11] کی) فرماتے ہیں۔ [مشکوٰۃ] اس قسم کے مضامین بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف روایات میں ذکر کیے گئے، ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی پردہ کے قابل چیز کو (بدن ہو یا عیب) دیکھے اور اس کی پردہ پوشی کرے، اس کا اجر ایسا ہے جیسا کہ کسی ایسے شخص کو قبر سے نکالا ہو جس کو زندہ قبر میں گاڑ دیا گیا ہو۔ [مشکوٰۃ] حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ الاية جو سلسلۂ آیات میں نمبر پچیس[25] صفحہ ۷۵ پر گزر چکا ہے، اس کی وجہ علماء نے یہی لکھی ہے کہ فتح مکّہ سے قبل چونکہ ضرورت زیادہ تھی اس لیے اس وقت خرچ کرنے کا درجہ بڑھا ہوا ہے، فتح مکّہ کے بعد میں خرچ

حل لغات: (۱) ضرورت۔ (۲) غریب کی جمع۔ (۳) بہت بھوکا ہو۔ (۴) گناہ ختم کرنے والا۔ (۵) ہر ایک کے دروازے پر۔ (۶) مدد۔ (۷) ضرورت پوری کرنا۔ (۸) دور۔ (۹) مصیبت کی جمع۔ (۱۰) چھپانا۔ (۱۱) قسم۔

کرنے سے۔ صاحب جُمل کہتے ہیں: یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی عزت کے زمانے سے پہلے خرچ کیا ہے، اُس وقت مسلمان جان و مال کی مدد کے زیادہ محتاج تھے۔ یہی وہ حضرات سابقین[1] اَوّلین ہیں مُہاجرین اور انصار میں سے، جن کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو، تو ان کے ایک مُد[2] بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ [جمل]

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے حضور اقدس ﷺ نے ضرورت مند کو ترجیح دینے پر ترغیب اور تنبیہ فرمائی۔ ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کی ترغیب بہت سی روایات میں وارد ہے، لیکن ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ولیمہ کا کھانا بدترین کھانا ہے کہ اُمراء[3] کو اس کے لیے دعوت دی جاتی ہے اور فقراء[4] کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ [مشکوۃ بروایۃ الشیخین] یعنی جو ولیمہ کی دعوت اس قُماش[5] کی ہو کہ اس میں اُمراء کو مدعو[6] کیا جائے، غرباء کی دعوت نہ کی جائے، تو وہ بدترین کھانا ہے اور یہ بات نہ ہو تو ولیمہ کا کھانا مسنون[7] ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی پلائے جہاں پانی ملتا ہو، اس نے ثواب کے اعتبار سے گویا ایک غلام آزاد کیا اور جو شخص کسی کو ایسی جگہ پانی پلائے جس جگہ پانی نہ ملتا ہو، اس نے گویا اس کو زندگی بخشی۔ یعنی مرتے ہوئے کو گویا ہلاکت سے بچایا۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو (آدمی ہو یا جانور) کھانا کھلائے۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کو سب سے زیادہ یہ عمل پسند ہے کہ کسی مسکین[8] کو بھوک کی حالت میں روٹی کھلائے یا اس کا قرض ادا کرے یا اس کی مصیبت کو زائل[9] کرے۔ [کنز] عُبَیْد بن عُمَیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آدمیوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ انتہائی بھوک اور پیاس کی حالت میں بالکل ننگے ہوں گے، پس جس شخص نے دنیا میں کسی کو اللہ کے واسطے کھانا کھلایا ہوگا، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس دن اس کو شکم سیر[10] فرمائیں گے اور جس نے کسی کو اللہ کے واسطے پانی پلایا ہوگا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو سیراب[11] فرمائیں گے اور جس نے کسی کو کپڑا پہنایا ہوگا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو لباس عطا فرمائیں گے۔ [احیاء]

(۱۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالسَّاعِيْ فِيْ سَبِيْلِ	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضروت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا اور غالبًا

حل لغات: (۱) وہ صحابہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ پر پہلے پہل ایمان لائے۔ (۲) ایک وزن (جو اڑسٹھ تولہ تین ماشہ کا ہوتا ہے)۔ (۳) امیر کی جمع، مالدار۔ (۴) فقیر کی جمع، غریب۔ (۵) قسم، طرح۔ (۶) دعوت دی جائے۔ (۷) سنت۔ (۸) غریب۔ (۹) دور۔ (۱۰) پیٹ بھرا ہوا۔ (۱۱) تر و تازہ۔

اللهِ، وَأَحْسِبُهُ قَالَ: كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ۔ [متفق عليه، مشكوٰة]	یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔

فائدہ: "بے خاوند والی عورت" سے عام مراد ہے کہ رانڈ[1] ہوگئی ہو یا اس کو خاوند میسّر[2] ہی نہ ہوا ہو۔ اس حدیث پاک میں ان دونوں کے لیے کوشش کرنے والے کے لیے یہ اجر وثواب اور فضیلت ہے، خواہ[3] اس کی کوشش سے کوئی ثمرہ[4] پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یا اس کو نفع پہونچانے کے لیے چلے، تو اس کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مُضطَر[5] بھائی کی مدد کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اس دن ثابت[6] قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ [کنز] یعنی قیامت کے سخت دن جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ جم سکیں گے، یہ ثابت قدم رہے گا اور اس حدیث پاک سے ایک لطیف[7] چیز یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ فتنوں اور حوادث[8] کے زمانوں میں جب لوگوں کے قدم اُکھڑ جائیں، جیسا کہ آج کل کا زمانہ گزر رہا ہے؛ ایسے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں جو لوگوں کی اِعانت اور مدد کرتے رہتے ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی ستّر حاجتیں پوری فرماتے ہیں، جن میں سب سے اَدنیٰ[9] درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حکومت تک پہونچا دینے کا ذریعہ بن جائے، جس سے اس کو کوئی نفع پہونچ جائے یا اس کی کوئی مشکل دور ہوجائے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی جو ذریعہ بنا ہے قیامت کے دن پُل صراط پر چلنے میں مدد فرمائیں گے، جس وقت کہ وہاں لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔ [کنز] اس لیے جو لوگ حُکّام رَس[10] ہیں یا ملازموں کے آقاؤں تک ان کی رسائی[11] ہے، ان کو خاص طور سے اس حدیث پاک سے فائدہ اٹھانا چاہیے، نوکروں اور محکوموں[12] کی ضروریات کی تفتیش[13] کرکے ان کو آقاؤں اور حاکموں تک پہونچانا چاہیے، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کیوں خواہ مخواہ دوسروں کی پھٹن[14] میں پاؤں اَڑائیں۔ پُل صراط پر گزرنا بڑی سخت مشکل ترین چیز ہے، اس معمولی کوشش سے ان کے لئے خود کتنی بڑی سہولت میسر ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا تو ہر جگہ شرط ہے، اپنی وجاہت[15]، اپنی شہرت اور لوگوں کے دلوں میں

حل لغات: (۱) بیوہ۔ (۲) شادی نہ ہوئی ہو۔ (۳) چاہے۔ (۴) فائدہ۔ (۵) انتہائی مجبور۔ (۶) مضبوط، اٹل۔ (۷) باریک۔ (۸) حادثہ کی جمع۔ (۹) کم۔ (۱۰) حاکموں کے پاس لے جانے والے۔ (۱۱) پہونچ۔ (۱۲) رعایا، عام لوگ۔ (۱۳) پوچھ تاچھ۔ (۱۴) دوسروں کے معاملہ میں دخل دینا۔ (۱۵) دبدبہ۔

اپنی عزت قائم کرنے کی نیت سے نہ ہو، اگرچہ اللہ کے لیے کرنے سے یہ سب چیزیں خود بخود حاصل ہوں گی اور اس سے زیادہ بڑھ کر ہوں گی جتنی اپنے ارادے سے ہوتیں؛ لیکن اپنی طرف سے ان چیزوں کا ارادہ کرنا اس محنت کو آقا کے لیے ہونے سے نکال دے گا۔

⑮ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ فَأَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ فَرَجُلٌ أَتٰى قَوْمًا فَسَأَلَهُمْ بِاللّٰهِ وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِأَعْيَانِهِمْ فَأَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ إِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِيْ أَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى إِذَا كَانَ النَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْ اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهَزَمُوْا فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ أَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ: اَلشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جلَّ شانُہٗ محبوب رکھتا ہے اور تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ جلَّ جلالُہٗ کو بُغض[1] ہے۔ جن تین آدمیوں کو اللہ جلَّ شانُہٗ محبوب رکھتا ہے، ان میں ایک تو وہ شخص ہے کہ کسی مجمع کے پاس کوئی سائل[2] آیا اور محض اللہ کے واسطے سے ان سے کچھ سوال کرنے لگا، کوئی قرابت[3]، رشتہ داری (وغیرہ) اس سائل کی ان سے نہ تھی، اس مجمع نے اس سائل کو کچھ نہ دیا، اس مجمع میں سے ایک شخص اٹھا اور چپکے سے اس سائل کو کچھ دے دیا، جس کی خبر بجُز[4] اللہ جلَّ شانُہٗ کے یا اس سائل کے اور کسی کو نہ ہوئی، (تو یہ دینے والا شخص اللہ جلَّ شانُہٗ کو بہت محبوب ہے۔ دوسرا) وہ شخص کہ ایک مجمع کہیں سفر میں جا رہا ہے، ساری رات چلنے کے بعد جب نیند کا ان پر اتنا غلبہ[5] ہو جائے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ محبوب بن گئی ہو تو وہ مجمع تھوڑی دیر کے لیے سونے لیٹ گیا، لیکن ایک شخص ان میں سے کھڑا ہو کر اللہ جلَّ شانُہٗ کے سامنے گڑگڑانے لگے اور قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دے۔ تیسرا وہ شخص کہ کسی جماعت میں جہاد میں شریک تھا، وہ جماعت شکست[6] کھا گئی، ان میں سے ایک شخص سینہ سپر[7] ہو کر آگے بڑھا اور شہید ہو گیا یا غالب ہو گیا۔ اور وہ تین شخص جن سے اللہ جلَّ شانُہٗ بُغض رکھتے ہیں: ایک وہ جو بوڑھا ہو کر بھی زنا میں مبتلا ہو، دوسرا وہ شخص جو فقیر ہو کر بھی تکبر کرے، تیسرا وہ شخص جو مالدار ہو کر ظلم کرے۔

[رواه الترمذي والنسائي كذا في المشكوة وعزاه السيوطي في الجامع الى ابن حبان والحاكم]

حل لغات: ① نفرت۔ ② مانگنے والا۔ ③ تعلق۔ ④ سوائے علاوہ۔ ⑤ زیادہ اثر۔ ⑥ ہارنا۔ ⑦ خوب ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔

فائدہ: ان چھ شخصوں کے متعلق اس قسم کے مضامین بہت سی مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں اور یہ حدیث آیات کے سلسلہ نمبر ۹ صفحہ ۳۴ کے ذیل میں بھی گزر چکی ہے، بعض روایات میں ان میں سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے اور بعض میں ایک سے زائد کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تین موقع ایسے ہیں جن میں بندہ کی دعا رَد نہیں کی جاتی، یعنی ضرور قبول ہوتی ہے، ایک وہ شخص جو کسی جنگل میں ہو، جہاں کوئی اس کو نہ دیکھتا ہو اور وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (اس وقت اس کی دعا ضرور قبول ہوگی) ایک وہ شخص جو کسی مجمع کے ساتھ جہاد میں ہو اور ساتھی بھاگ جائیں وہ اکیلا جما رہے، تیسرا وہ شخص جو آخر رات میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ [جامع صغیر] ایک حدیث میں ہے تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ جَلَّ شَانُہٗ قیامت میں نہ کلام کریں گے، نہ ان کا تزکیہ کریں گے اور نہ ان کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائیں گے، اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا: ایک زانی بوڑھا، دوسرا جھوٹا بادشاہ، تیسرا متکبر فقیر۔ [جامع صغیر عن مسلم] تزکیہ نہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو گناہوں سے پاک نہ کریں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی تعریف نہ کریں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تین شخص ایسے ہیں، جن کی طرف حق تعالیٰ شَانُہٗ قیامت میں (مرحمت[1] کی نظر نہ کریں گے اور ان کے لیے دُکھ دینے والا سخت عذاب ہوگا: ایک ادھیڑ عمر کا شخص زنا کار، دوسرا متکبر فقیر، تیسرا وہ شخص جو خرید[2] وفروخت میں ہر وقت قسم کھاتا رہے، جو خریدے قسمیں کھا کر خریدے اور جب فروخت کرے تو بھی قسمیں کھا کر فروخت کرے (یعنی بات بے بات، ضرورت بے ضرورت بار بار قسمیں کھاتا ہو کہ یہ اللہ پاک کی عالی[3] شان کی بے ادبی ہے) ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ تین شخصوں کی طرف کل کو (قیامت کے دن) حق تعالیٰ شَانُہٗ نظر نہ کریں گے: بوڑھا زانی، دوسرے وہ شخص: جو قسموں کو اپنی پونجی[4] بنائے کہ ہر حق ناحق پر قسم کھاتا ہو، تیسرے: متکبر فقیر جو اَکڑتا ہو۔ [جامع صغیر]

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کو حق تعالیٰ شَانُہٗ محبوب رکھتے ہیں اور تین شخصوں کو مَبْغُوض[5] رکھتے ہیں، جن کو محبوب رکھتے ہیں، ان میں ایک وہ شخص ہے جو کسی جماعت کے ساتھ جہاد میں شریک ہو اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ فتح ہو یا شہید ہو جائے، دوسرا وہ شخص جو کسی جماعت کے ساتھ سفر کر رہا ہو اور جب رات کا بہت سا حصہ گزر جائے اور وہ جماعت تھوڑی دیر آرام لینے کے لیے لیٹ جائے تو یہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ساتھیوں کو آگے چلنے کے لیے جگا دے (یعنی خود ذرا بھی نہ سوئے)، تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اس کو ستاتا ہو اور وہ اس کی اَذیت[6] پر صبر کرے، یہاں تک کہ موت سے یا سفر وغیرہ سے اس میں اور اس کے پڑوسی میں جدائی ہو جائے (یعنی یہ کہ جب تک اس کا پڑوسی باقی رہے مسلسل صبر کرتا رہے)۔ اور وہ تین شخص جن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ مبغوض

حل لغات: (۱) رحمت۔ (۲) خریدنا اور بیچنا۔ (۳) بلند۔ (۴) اصل سامان۔ (۵) ناپسندیدہ۔ (۶) تکلیف۔

رکھتے ہیں: ایک: قسمیں کھانے والا تاجر، دوسرا: متکبر فقیر، تیسرا: وہ بخیل[1] جو صدقہ کر کے احسان جتاتا ہو۔ [جامع صغیر]

(۱۶) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ الاٰية۔	حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اَور بھی حق ہے (پھر اپنے اس ارشاد کی تائید میں سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی یہ آیت) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ آخر تک تلاوت فرمائی۔

[رواه الترمذي وابن ماجه والدارمي كذا في المشكوة. وقال الترمذي: هذا حديث ليس إسناده بذاك و أبوحمزة يضعف. وروى بيان و إسمعيل عن الشعبي هذا الحديث. قوله: وهو أصح. قلت: وأخرجه ابن ماجه بلفظ: ليس في المال حقا سوى الزكوة. وقال العيني في شرح البخاري: رواه البيهقي بلفظ الترمذي. ثم قال: والذي يرويه أصحابنا في التعاليق: ليس في المال حق سوى الزكوة. اهـ]

فائدہ: اس آیتِ شریفہ کا بیان سلسلہ آیات میں نمبر دو صفحہ ا پر گزر چکا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس آیت شریفہ سے یہ تجویز[2] فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اَور بھی حق ہے اور یہ تجویز اس وجہ سے ظاہر ہے کہ آیتِ شریفہ میں اپنے مال کو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی، یتیموں پر، غریبوں پر، مسافروں پر اور سوال کرنے والوں پر خرچ کرنے کی، قیدیوں اور غلاموں وغیرہ کی گردن چھڑانے میں خرچ کرنے کی مستقل علیحدہ ترغیب دی ہے اور اس سب کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نمازیں دو ہیں (ایک فرض، ایک نفل) اسی طرح زکوٰتیں بھی دو ہیں (ایک نفل دوسری فرض) اور قرآن پاک میں دونوں مذکور ہیں، میں تم کو بتاؤں؟ لوگوں کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ آیت شریفہ پڑھی اور ابتدائی حصہ پڑھ کر جس میں مال کا مواقعِ مذکورہ[3] پر خرچ کرنا مذکور ہے، فرمایا کہ یہ تو سب کا سب نفل ہے اور اس کے بعد زکوٰۃ کا ذکر پڑھ کر فرمایا کہ یہ فرض ہے۔ [درمنثور] علامہ طِیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں حق سے مراد یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو محروم نہ رکھے، قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے، اپنے گھر کا معمولی سامان مُستَعار[4] مانگنے والوں کو انکار نہ کرے۔ مثلاً ہانڈی پیالہ وغیرہ کوئی عاریتاً[5] مانگے تو اس کو نہ روکے، پانی اور نمک اور آگ کو لوگوں کو انکار نہ کرے۔ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس حدیثِ پاک میں جو آیت شریفہ پڑھی ہے، اس میں زکوٰۃ کے علاوہ جو اُمور ذکر کیے ہیں وہ مراد ہیں، جیسا کہ صلہ رحمی، یتیموں پر احسان کرنا، مسکین، مسافر اور سوالی[6] کو دینا، لوگوں کی گردنوں کو آزادی وغیرہ کے ذریعے سے خلاص[7] کرنا۔ [مرقاۃ]

حل لغات: (۱) کنجوس۔ (۲) فیصلہ۔ (۳) ذکر کی ہوئی جگہیں۔ (۴) اُدھار۔ (۵) اُدھار کے طور پر۔ (۶) مانگنے والا۔ (۷) چھڑانا، آزاد کرنا۔

صاحبِ مظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ تو فرض ہے، ضرور دینی چاہیے، سوائے زکوٰۃ کے، صدقۂ نفل بھی مستحب ہے وہ بھی دیا کرے اور وہ یہ ہے، اس کے بعد علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ترجمہ تحریر فرما کر لکھا ہے کہ یہ آیت حضور ﷺ نے سند[1] کے لیے پڑھی ہے، اس واسطے کہ اس میں اول تو اللہ تعالیٰ نے تعریف کی مومنوں کی، ساتھ دینے مال کے اپنوں اور یتیموں وغیرہ کو، بعدازاں[2] تعریف کی ساتھ قائم کرنے نماز کے اور دینے زکوٰۃ کے، پس معلوم ہوا کہ دینا مال کا سوائے دینے زکوٰۃ کے ہے اور وہ صدقۂ نفل ہے اور حاصل یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ مال میں حق ہے سوائے زکوٰۃ کے، وہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اوّل صدقۂ نفل ذکر کیا گیا، پھر صدقۂ واجب۔ [مظاہر حق] علامہ جَصَّاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض عُلَماء نے اس آیتِ شریفہ سے حقوقِ واجبہ[3] مراد لیے ہیں جیسا کہ صلۂ رحمی[4] جب کہ کسی ذِی رحم[5] کو سخت مشقت میں پائے یا کسی مُضطر[6] پر خرچ کرنا جب کہ اس کو اِضطرار[7] نے ہلاکت کے اندیشے[8] تک پہونچا دیا ہو، تو اس پر اتنی مقدار خرچ کرنا لازم ہے جس سے اس کی بھوک جاتی رہے۔ اس کے بعد علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کا ارشاد کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے"، نقل کر کے فرمایا کہ اس سے نادار[9] رشتہ داروں پر خرچ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حاکم[10] نے ان کا نفقہ[11] ذمہ کر دیا ہو اور مُضطَر پر خرچ کرنا بھی ہو سکتا ہے اور نفلی حقوق بھی ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ حق کا لفظ واجب اور نفل دونوں پر اِطلاق[12] کیا جاتا ہے۔ فتاویٰ عالم گیریہ میں ہے کہ لوگوں کے ذمہ محتاج کا کھلانا فرض ہے، جبکہ وہ (کمانے کے لیے) نکلنے سے اور مانگنے سے عاجز ہو، اور اس میں تین باتیں ہیں اول یہ کہ جب محتاج نکلنے سے عاجز ہو تو ہر اس شخص پر جس کو اس کا حال معلوم ہو اس کا کھلانا فرض ہے اور اتنی مقدار کھلانا ضروری ہے جس سے وہ نکلنے پر اور فرض ادا کرنے پر قادر[13] ہو جائے، بشرطیکہ جس کو اس کا حال معلوم ہو وہ کھلانے پر قادر ہو اور اگر اس میں خود کھلانے کی قدرت نہ ہو تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ دوسروں کو اس کے حال کی اطلاع کرے اور اگر خود نہ کھلا سکے نہ دوسروں کو اطلاع کرے اور وہ محتاج مر جائے، تو وہ سب گنہگار ہوں گے جن کو اس کا حال معلوم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر محتاج نکلنے پر قادر ہے، لیکن کمانے پر قادر نہیں تو لوگوں کے ذمہ جن کو اس کا حال معلوم ہے، ضروری ہے کہ وہ اپنے صدقاتِ[14] واجبہ سے اس کی مدد کریں اور اگر وہ کمانے پر بھی قادر ہے تو پھر اس کو جائز نہیں کہ سوال کرے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر وہ محتاج نکلنے پر قادر ہے، لیکن کمانے پر قادر نہیں تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ نکل کر لوگوں سے سوال کر لے، اگر وہ سوال نہیں کرے گا تو گنہگار رہو گا۔ [عالم گیریہ]

حل لغات: (۱) ثبوت۔ (۲) اس کے بعد۔ (۳) وہ حقوق جن کا ادا کرنا ضروری اور واجب ہے۔ (۴) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۵) رشتہ دار۔ (۶) سخت مجبور۔ (۷) مجبوری۔ (۸) خوف۔ (۹) غریب، محتاج۔ (۱۰) حکومت کرنے والا۔ (۱۱) خرچ۔ (۱۲) بولا جاتا ہے۔ (۱۳) طاقت رکھنے والا۔ (۱۴) ضروری صدقے مثلاً زکوٰۃ۔

⑰ عَنْ بُهَيْسَةَ عَنْ أَبِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ؟ قَالَ: اَلْمَاءُ. قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ؟ قَالَ: اَلْمِلْحُ. قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ؟ قَالَ: أَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ. [رواه أبوداؤد كذا في المشكوة]	حضرت بُہیسہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا (کسی مانگنے والے کو دینے سے) روکنا جائز نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی۔ میرے والد نے پھر یہی سوال کیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمک۔ میرے والد نے پھر یہی سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھلائی تو (کسی کے ساتھ) کر سکے وہ تیرے لیے بہتر ہے۔

فائدہ: اگر پانی سے مراد کنوئیں سے پانی لینا ہو اور نمک سے مراد اس کے مَعْدِن[1] سے نمک لینا مراد ہو، تب تو شرعی حیثیت سے بھی کسی کو ان چیزوں سے روکنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اپنا مملوک[2] پانی اور مملوک نمک ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اس پر تنبیہ فرمانا ہے کہ ایسی معمولی چیزوں کو سائل کو انکار کرنا ہرگز نہ چاہیے، جس میں دینے والے کو زیادہ نقصان نہیں اور مانگنے والے کی بڑی اِحتیاج[3] پوری ہوتی ہے، بشرطیکہ دینے والے کی اپنی حاجت بھی اسی درجے کی نہ ہو؛ لیکن عام طور پر چونکہ گھروں میں یہ چیزیں اکثر موجود ہوتی ہیں اور اپنی کوئی وقتی ضرورت ان سے ایسی وَابَستہ[4] نہیں ہوتی۔ اگر کسی شخص کی ہانڈی پھیکی ہے، ذرا سے نمک میں اس کا سارا کھانا درست ہو جاتا ہے اور تمہارا کوئی ایسا نقصان اس میں نہیں ہوتا، ایسے ہی پانی کا حال ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں کا روکنا جائز نہیں: پانی، نمک، آگ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پانی کو تو ہم سمجھ گئے (کہ واقعی بہت مجبوری کی چیز ہے) لیکن نمک اور آگ میں کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے حُمَیرا! جب کوئی شخص کسی کو آگ دیتا ہے تو گویا اس نے وہ ساری چیز صدقہ کی جو آگ پر پکی اور جس نے نمک دیا اس نے گویا وہ ساری چیز صدقہ کی جو نمک کی وجہ سے لذیذ ہوگئی۔ [مشکوۃ]

گویا ان دونوں میں معمولی خرچ سے دوسرے کا بہت زیادہ نفع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ بالا میں مثال کے طور پر دو چیزوں کا ذکر فرما کر پھر ایک ضابطہ[5] ارشاد فرما دیا کہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کر سکتے ہو، وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ع ''بھلا کر جو اپنا بھلا چاہتا ہے''۔ حقیقت یہی ہے کہ آدمی جو کوئی احسان کسی قسم کا بھی کسی کے ساتھ کرتا ہے، وہ صورت میں دوسرے کے ساتھ احسان ہے حقیقت

حل لغات: ① کان، وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز نکلتی ہو۔ ② وہ جس پر قبضہ ہو۔ ③ ضرورت۔ ④ متعلق، جڑی ہوئی۔ ⑤ قانون، اصول۔

میں وہ اپنے ہی ساتھ احسان ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ کے پاک ارشاد میں بسلسلۂ آیات نمبر بیس[۲۰] پر گزر چکا ہے کہ جو کچھ تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کا بدل عطا فرمائے گا۔ اور بسلسلۂ احادیث نمبر دو[۲] صفحہ ۸۷ پر گزر چکا ہے کہ دو[۲] فرشتے روزانہ اس کی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔ ایسی حالت میں جو احسان بھی کوئی شخص کسی کے ساتھ کرتا ہے، وہ اپنے مال کو بربادی سے بچا کر اس کے بدل کا اللہ جَلَّ شانُہٗ کے خزانے سے اپنے لیے اِستحقاق[۱] قائم کرتا ہے اور غور کی نگاہ اگر مُیسَّر ہو تو حقیقت میں دوسروں پر ذرا بھی احسان نہیں، بلکہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے تمہارے مکان کو لوٹ سے بچا دیا ہو، اس لحاظ سے اُس کا تم پر احسان ہے نہ کہ تمہارا اُس پر۔

(۱۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ! إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْمَاءُ. فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ: هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ۔	حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے (اُن کے ایصالِ ثواب کے لیے) کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوا دیا۔
[رواه مالک وابوداؤد والنسائي كذا في المشكوة]	

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو زیادہ افضل اس لیے فرمایا کہ مدینہ طَیِّبہ میں اس کی ضرورت زیادہ تھی، اول تو گرم ملکوں میں سب ہی جگہ پانی کی ضرورت خاص طور سے ہوتی ہے اور مدینہ مُنوَّرہ میں اس وقت پانی کی قِلّت[۲] بھی تھی۔ اس کے علاوہ پانی کا نفع بھی عام ہے اور ضرورت بھی عُمومی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پانی کا سلسلہ جاری کر جائے تو جو انسان یا جن یا پرندہ بھی اس سے پانی پیے گا، تو مرنے والے کو قیامت تک اس کا ثواب ہوتا رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے، سات برس ہو گئے، ہر قسم کی دوا اور علاج کر چکا ہوں کسی سے بھی فائدہ نہیں ہوتا، بڑے بڑے طبیبوں[۳] سے بھی رجوع[۴] کر چکا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس جگہ پانی کی قِلّت ہو وہاں ایک کنواں بنوا دو، مجھے اللہ کی ذات سے یہ امید ہے کہ جب اس میں پانی نکل آئے گا تمہارے گھٹنے کا خون بند ہو جائے گا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور گھٹنے کا زخم اچھا ہو گیا۔ مشہور مُحدِّث حضرت ابو عبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر ایک زخم ہو گیا تھا، ہر قسم کے علاج کیے کوئی بھی کارگر[۵] نہ ہوا، ایک سال اسی حال میں گزر گیا، ایک مرتبہ استاذ ابو عثمان صابونی رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کی درخواست کی، جمعہ کا دن تھا انہوں نے بڑی دیر تک دعا کی، مجمع نے آمین

حل لغات: (۱) حق ثابت کرنا۔ (۲) کمی۔ (۳) حکیموں، ڈاکٹروں۔ (۴) علاج کے لیے جانا۔ (۵) فائدہ مند۔

کہی، دوسرے جمعہ کو ایک عورت حاضر ہوئیں اور ایک پرچہ مجلس میں پیش کیا جس میں یہ لکھا تھا کہ میں گزشتہ جمعہ کو جب گھر واپس گئی تو حاکم کے لیے بہت اہتمام سے دعا کرتی رہی، میں نے خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاکم سے کہہ دو کہ مسلمانوں پر پانی کی وسعت کرے۔ حاکم نے یہ سن کر اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل[1] قائم کر دی جس میں پانی کے بھرنے کا اور اس میں برف ڈالنے کا اہتمام کیا، ایک ہفتہ گزرا تھا کہ چہرے کے سب زخم بالکل اچھے ہو گئے اور پہلے سے زیادہ خوشنما[2] چہرہ ہو گیا۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ اپنی زندگی میں میرے مال سے حج کرتی تھیں، میرے ہی مال سے صدقہ دیتی تھیں، صلہ رحمی[3] کرتی تھیں، لوگوں کی امداد کرتی تھیں، اب ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ سب کام اگر ہم ان کی طرف سے کریں تو ان کو ان کا نفع پہونچے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: پہونچے گا۔ [کنز] ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میری والدہ کا دفعتہً[4] انتقال ہو گیا، اگر دفعتہً نہ ہوتا تو وہ کچھ صدقہ وغیرہ کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو ان کی طرف سے ہو جائے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں اُن کی طرف سے صدقہ کر دو۔ [ابوداؤد] اپنے ماں باپ، خاوند بیوی، بہن بھائی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار خصوصاً وہ لوگ جن کے مرنے کے بعد ان کا کوئی مال اپنے پاس پہونچا ہو یا اُن کے خصوصی احسانات اپنے اوپر ہوں جیسے اساتذہ اور مشائخ، ان کے لیے ایصالِ ثواب کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، بڑی بے غیرتی[5] ہے کہ ان کے مال سے آدمی مُنتفع[6] ہوتا رہے، ان کی زندگی میں ان کے احسانات سے فائدہ اٹھاتا رہے اور جب وہ اپنے عطایا اور اپنے ہدایا[7] کے ضرورت مند ہوں تو ان کو فراموش[8] کر دے۔ آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے اپنے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ کوئی صدقۂ جارِیہ[9] چھوڑ گیا ہو یا کوئی اور ایسا عمل کر گیا ہو جو صدقۂ جارِیہ کے حکم میں ہو جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے، اس وقت وہ دوسروں کے ایصالِ ثواب اور ان کی دعا وغیرہ سے امداد کا محتاج اور منتظر رہتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مردہ اپنی قبر میں اس شخص کی طرح سے ہوتا ہے جو پانی میں ڈوب رہا ہو اور ہر طرف سے کسی مددگار کا خواہشمند ہو اور وہ اس کا مُنتظِر رہتا ہے کہ باپ بھائی وغیرہ، کسی دوست کی طرف سے کوئی مدد دعا کی (کم از کم) اس کو پہونچ جائے اور جب اس کو کوئی مدد پہونچتی ہے تو وہ اس کے لیے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ [اِحیاء]

حل لغات: (۱) پانی پلانے کا انتظام۔ (۲) خوبصورت۔ (۳) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۴) اچانک۔ (۵) بے شرمی۔ (۶) نفع اٹھانے والا۔ (۷) تحفے۔ (۸) بھلا دینا۔ (۹) ایسا صدقہ جس سے اُس کو ہمیشہ فائدہ ہو۔

بِشر بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طاعون کے زمانے میں ایک آدمی تھے، جو کثرت سے جنازوں کی نمازوں میں شریک ہوتے اور شام کے وقت قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہوکر یہ دعا کرتے: ''اٰنَسَ اللّٰہُ وَحْشَتَکُمْ وَرَحِمَ غُرْبَتَکُمْ وَتَجَاوَزَ عَنْ سَیِّئَاتِکُمْ وَقَبَّلَ اللّٰہُ حَسَنَاتِکُمْ'' (اللہ جَلَّ شانُہٗ تمہاری وحشت[1] کو دل[2] بستگی سے بدل دے اور تمہاری غُربت[3] پر رحم فرمائے اور تمہاری لغزشوں[4] سے درگذر[5] فرمائے اور تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے) اس دعا کے بعد اپنے گھر واپس چلے جاتے۔ ایک دن اتفاق سے اس دعا کو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی ویسے ہی گھر آگئے، تو رات کو خواب میں ایک بڑا مجمع دیکھا جو ان کے پاس گیا، اس نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قبرستان کے رہنے والے ہیں، تم نے ہم کو اس کا عادی بنا دیا تھا کہ روزانہ شام کو تمہاری طرف سے ہمارے پاس ہدیہ آیا کرتا تھا، انہوں نے پوچھا: کیسا ہدیہ؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تم جو دعا روزانہ شام کو کیا کرتے تھے، وہ ہمارے پاس ہدیہ بن کر پہونچتی تھی۔ وہ شخص کہتے ہیں کہ پھر میں نے کبھی اس دعا کو ترک نہیں کیا۔ بَشَّار ابن غالب نجرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے لیے بہت کثرت سے دعا کیا کرتا تھا، میں نے ایک مرتبہ اُن کو خواب میں دیکھا وہ کہتی ہیں کہ بشار! تمہارے تحفے ہمارے پاس نور کے خوانوں[6] میں رکھے ہوئے پہونچتے ہیں جن پر ریشم کے غلاف ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی جو دعا مُردہ کے حق میں قبول ہوجاتی ہے، تو وہ دعا نور کے خوان پر ریشم کے غلاف سے ڈھکی ہوئی میت کے پاس پیش ہوتی ہے کہ یہ فلاں شخص نے تمہارے پاس ہدیہ بھیجا ہے۔ [اِحیاء]

آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی اس قسم کے کئی واقعات آرہے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہونچنے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہی مذہب حق ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ لکھ دیا کہ میت کو اس کے مرنے کے بعد ثواب نہیں پہونچتا، یہ قطعاً[7] باطل ہے اور کھلی ہوئی خطا[8] ہے، یہ قرآن پاک کے خلاف ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے خلاف ہے، یہ اجماعِ[9] امت کے خلاف ہے، اس لیے یہ قول ہرگز قابلِ التفات[10] نہیں۔ [بذل] شیخ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ آدمی کو صرف اپنے ہی کیے کا ثواب ملتا ہے وہ اِجماعِ امت کے خلاف کررہا ہے، اس لیے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ آدمی کو دوسروں کی دعا سے فائدہ پہونچتا ہے، یہ دوسرے کے عمل سے نفع ہوا۔ نیز[11] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ حشر میں شفاعت فرمائیں گے، نیز

حل لغات: (۱) تنہائی۔ (۲) دل لگنا۔ (۳) اجنبیت۔ (۴) لغزش کی جمع غلطی۔ (۵) معاف کرنا۔ (۶) خوان کی جمع، تھالی۔ (۷) یقیناً۔ (۸) غلطی۔ (۹) امت کا کسی بات پر متفق ہونا۔ (۱۰) توجہ کے لائق۔ (۱۱) اس کے علاوہ۔

دوسرے انبیاء اور صلحاء سفارش فرمائیں گے، یہ سب دوسروں کے عمل سے فائدہ ہوا۔ نیز فرشتے مومنوں کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں (جیسا کہ سورۂ مومن کے پہلے رکوع میں ہے) یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا، نیز حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے رحمت سے بہت سے لوگوں کے گناہ معاف فرمادیں گے، یہ اپنی کوشش اور عمل کے علاوہ سے فائدہ ہوا نیز مومنوں کی اولاد اپنے والدین کے ساتھ جنت میں داخل کی جائے گی (جیسا کہ والطّور کے پہلے رکوع میں ہے) یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا۔ نیز حج بدل① کرنے سے میّت کے ذمے سے حج فرض ادا ہوجاتا ہے، یہ دوسرے کے عمل سے نفع ہوا۔ غرض بہت سی چیزیں اس کے لیے دلیل اور حجت ہیں جن کا شمار بھی دشوار ہے۔ [بذل] ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرے بھائی کا انتقال ہوگیا، میں نے ان کو خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ قبر میں رکھنے کے بعد تم پر کیا گزری؟ وہ کہنے لگے کہ اس وقت میرے پاس ایک آگ کا شعلہ آیا، مگر ساتھ ہی ایک شخص کی دعا مجھ تک پہونچی، اگر وہ نہ ہوتی تو وہ شعلہ مجھ کو لگ جاتا۔

علی بن موسیٰ حدّاد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھا، محمد بن قُدامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے ساتھ تھے، جب اس نعش کو دفن کر چکے تو ایک نابینا شخص آئے اور وہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے لگے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم وہاں سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں محمد بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک مُبَشِّر بن اسمٰعیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ کیسے آدمی ہیں؟ امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ معتبر آدمی ہیں۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ نے بھی ان سے کچھ علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے یہی حدیثیں ان سے لی ہیں۔ ابنِ قدامہ نے کہا کہ مبشر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن علا بن لجلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے یہ نقل کیا کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا، تو انہوں نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر کے سرہانے② سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھا جائے اور یہ کہہ کر یہ فرمایا تھا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت کرتے ہوئے سنا تھا۔ حضرت امام نے یہ قصہ سن کر ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ قبرستان میں واپس جاؤ اور ان نابینا سے کہو کہ وہ قرآن شریف پڑھ لیں۔ محمد بن احمد مروزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ جب تم قبرستان میں جایا کرو تو ''اَلْحَمْدُ شَرِيْف، قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھ کر قبرستان والوں کو بخشا کرو۔ اس کا ثواب ان کو پہونچ جاتا ہے۔ [اِحیاء] صاحب مُغْنی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فقہ حنبلی کی

حل لغات: ① دوسرے کے لیے حج کرنا۔ ② سر کی طرف۔

بہت معتبر کتاب ہے، اس قصہ کو نقل کیا ہے اور اس مضمون کی اور روایات بھی نقل کی ہیں۔ بذل المجہود میں بحر سے نقل کیا ہے کہ جو شخص روزہ رکھے یا نماز پڑھے یا صدقہ کرے اور اس کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے، خواہ وہ شخص جس کو بخشا ہے زندہ ہو یا مُردہ، اس کا ثواب اس کو پہونچتا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ جس کو ثواب بخشا ہے وہ زندہ ہو یا مُردہ۔ ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو اس کا ذمہ لے کہ مسجد عشار (بصرہ کے قریب ہے) میں جا کر دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھ کر یہ کہے کہ یہ نماز (یعنی اس کا ثواب) ابو ہریرہ کے لیے ہے۔ [ابوداؤد]
اپنے عزیز مردوں کو ثواب پہونچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، ان کے حقوق کے علاوہ عنقریب مرنے کے بعد ان سے ملنا ہوگا، کیسی شرم آئے گی، جب ان کے حقوق، ان کے احسانات اور ان کے مالوں میں، جو آدمی اپنے کام میں خرچ کرتا رہتا ہے، ان کو یاد نہ رکھے۔

⑲ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ۔ [رواه مسلم كذا في المشكوة قلت: وابوداؤد والنسائي وغيرهما]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب ختم ہوجاتا ہے، مگر تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسرے: وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہونچتا رہے، تیسرے: صالح[1] اولاد جو اس کے لیے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے۔

فائدہ: اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا کس قدر زیادہ انعام واحسان ہے، لُطف وکرم ہے کہ آدمی اگر یہ چاہے کہ مرجانے کے بعد جب کہ اس کے اعمال کا وقت ختم ہوجائے، وہ عمل کرنے سے بے کار ہوجائے، وہ قبر میں میٹھی نیند پڑا سوتا رہے اور اس کے اعمالِ حسنہ[2] میں اضافہ ہوتا رہے، تو اس کا ذریعہ بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے فضل سے پیدا فرمادیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے تین چیزیں اس حدیث پاک میں ذکر فرمائی ہیں: ایک صدقۂ جاریہ یعنی کوئی ایسی چیز صدقہ کرگیا جس کا نفع باقی رہنے والا ہو مثلاً کوئی مسجد بنوا گیا جس میں لوگ نماز پڑھتے رہیں، تو جب تک اس میں نماز ہوتی رہے گی اس کو ثواب خود بخود ملتا رہے گا، اسی طرح سے کوئی مسافر خانہ، کوئی مکان کسی دینی کام کے لیے بنوا کر وقف[3] کرگیا، جس سے مسلمانوں کو یا دینی کاموں کو نفع پہونچتا رہا تو اس کو اس نفع کا ثواب ملتا رہے گا، کوئی کنواں رِفاہِ عام[4] کے لیے بنوا گیا تو جب تک اس سے لوگ پانی پیتے رہیں گے، وضو وغیرہ کرتے رہیں گے، اس کو مرنے کے

حل لغات: ① نیک۔ ② نیک اعمال۔ ③ اللہ کے نام پر کوئی چیز چھوڑنا۔ ④ عام لوگوں کی بھلائی۔

بعد بھی اس کا ثواب پہونچتا رہے گا۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد جن چیزوں کا ثواب اس کو ملتا ہے، ایک: تو وہ علم ہے جو کسی کو سکھایا ہو اور اِشاعت[1] کی ہو، اور وہ صالح اولاد ہے جس کو چھوڑ گیا ہو اور وہ قرآن شریف ہے جو میراث میں چھوڑ گیا ہو اور وہ مسجد ہے اور مسافر خانہ ہے جن کو بنا گیا ہو اور وہ نہر ہے جو جاری کر گیا ہو اور وہ صدقہ ہے جس کو اپنی زندگی اور صحت میں اس طرح دے گیا ہو کہ مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہے۔ [مشکوٰۃ]

''ثواب ملتا رہے'' کا مطلب یہ ہے کہ صدقۂ جاریہ کے طور پر دے گیا مثلاً وقف کر گیا ہو اور علم کی اشاعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں چندہ دیا ہو یا کوئی دینی کتاب تالیف[2] کی ہو یا پڑھنے والوں کو تقسیم کی ہو یا مسجدوں اور مدرسوں میں قرآن شریف یا کتابیں وقف کی ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد سات چیزوں کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے، کسی کو علم پڑھایا گیا ہو، کوئی نہر جاری کر دی ہو، کوئی کنواں بنا دیا ہو، کوئی درخت لگا دیا ہو، کوئی مسجد بنا دی ہو، قرآن پاک میراث میں چھوڑا ہو یا ایسی اولاد چھوڑی ہو جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہے۔ [ترغیب] اور ان سب چیزوں میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری تنہا خود ہی کی ہوں، بلکہ اگر کسی چیز میں تھوڑی بہت شرکت بھی اپنی ہو گئی تو بقدر اپنے حصہ کے اس کے ثواب میں سے حصہ ملتا رہے گا۔

دوسری چیز اوپر کی حدیث میں وہ علمِ دین ہے جس سے لوگوں کو نفع پہونچتا رہے مثلاً کسی مدرسہ میں کوئی کتاب وقف کر گیا، جب تک وہ کتاب باقی ہے، اس سے لوگ نفع اُٹھاتے رہیں گے اس کو ثواب خود بخود ملتا رہے گا، کسی طالب علم کو اپنے خرچ سے حافظِ قرآن یا عالم بنا گیا، جب تک اس کے علم و حفظ سے نفع پہونچتا رہے گا چاہے وہ حافظ اور عالم خود زندہ رہے یا نہ رہے اس شخص کو اس کا ثواب ملتا رہے گا، مثلاً کسی شخص کو حافظ بنایا تھا، اس نے دس[10] بیس[20] لڑکوں کو قرآن پاک پڑھا دیا اور وہ حافظ اس کے بعد مر گیا تو جب تک یہ لڑکے قرآن پاک پڑھتے پڑھاتے رہیں گے اس حافظ کو مستقل ثواب ملتا رہے گا اور اس حافظ بنانے والے کو علیٰحدہ ثواب ہوتا رہے گا اور اسی طرح سے جب تک ان پڑھنے والے لڑکوں کا سلسلہ پڑھنے پڑھانے کا قیامت تک چلتا رہے گا، اس اصل حافظ بنانے والے کو ثواب خود بخود ملتا رہے گا، چاہے یہ لوگ ثواب پہونچائیں یا نہ پہونچائیں۔ یہی صورت بِعَیْنِہٖ[3] کسی شخص کو عالم بنانے کی ہے کہ جب تک بلا واسطہ یا بواسطہ اس کے علم سے لوگوں کو نفع کا سلسلہ چلتا رہے گا، اس اول عالم بنانے والے کو ان سب کا ثواب ملتا رہے گا اور یہاں بھی وہی پہلی بات ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ پورا حافظ یا پورا عالم خود تنِ تنہا[4] بنائے، اگر کسی حافظ کے حِفظ میں اپنی طرف سے مدد ہو گئی، کسی عالم کے علم حاصل کرنے میں اپنی

حل لغات: (۱) پھیلانا۔ (۲) ترتیب دینا۔ (۳) اسی طرح۔ (۴) اکیلا۔

طرف سے کوئی اِعانت[1] ہوگئی تو اس اعانت کی بقدر ثواب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی کسی قسم کی جانی یا مالی کوشش علم کے پھیلانے میں، دین کے بَقا[2] اور حفظ میں لگ جائے کہ دنیا کی زندگی خواب سے زیادہ نہیں، نہ معلوم کب اس عالَم[3] سے ایک دم جانا ہوجائے، جتنا ذخیرہ اپنے لیے چھوڑ جائے گا وہی دیرپا[4] اور کارآمد[5] ہے۔عزیز، قریب، اَحباب[6]، رشتہ دار سب دو چار دن رو کر یاد کرکے اپنے اپنے مَشاغِل[7] میں لگ کر بھول جائیں گے، کام آنے والی چیزیں یہی ہیں جن کو آدمی اپنی زندگی میں اپنے لیے کبھی فنا نہ ہونے والے بنک میں جمع کر جائے کہ سرمایہ[8] محفوظ رہے اور نفع قیامت تک ملتا رہے۔

تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی ہے: وہ اولادِ صالح ہے جو مرنے کے بعد دعائے خیر بھی کرتی رہے اول تو اولاد کا صالح بنا جانا مستقل بھی صدقۂ جاریہ ہے کہ جب تک وہ کوئی بھی نیک کام کرتی رہے گی، اپنے آپ کو اس کا ثواب ملتا رہے، پھر اگر وہ نیک اولاد والدین کے لیے دعا بھی کرتی رہے اور جب وہ صالح ہے تو دعائیں کرتی ہی رہے گی، یہ مُستِقل ذخیرہ والدین کے لیے ہے۔ایک نیک عورت کا قصہ رَوض میں لکھا ہے جس کو باھیتہ کہتے تھے، بڑی کثرت سے عبادت کرنے والی تھی، جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: اے وہ ذات جو میرا توشہ[9] اور میرا ذخیرہ ہے اور اسی پر میرا زندگی اور موت میں بھروسہ ہے! مجھے مرتے وقت رسوا نہ کیجیو اور قبر میں مجھے وحشت[10] میں نہ رکھیو۔جب وہ انتقال کرگئی تو اس کے لڑکے نے یہ اہتمام شروع کردیا کہ ہر جمعہ کو وہ ماں کی قبر پر جاتا اور قرآن شریف پڑھ کر اس کو ثواب بخشتا اور اس کے لیے اور سب قبرستان والوں کے لیے دعا کرتا۔ایک دن اس لڑکے نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: امّاں تمہارا کیا حال ہے؟ ماں نے جواب دیا: موت کی سختی بڑی سخت چیز ہے، میں اللہ کی رحمت سے قبر میں بڑی راحت سے ہوں، ریحان[11] میرے نیچے بچھی ہوئی ہے، ریشم کے تکیے لگے ہوئے ہیں، قیامت تک یہی برتاؤ میرے ساتھ رہے گا۔بیٹے نے پوچھا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو کہو۔اس نے کہا کہ تُو ہر جمعہ کو میرے پاس آکر قرآن پڑھتا ہے اس کو نہ چھوڑنا، جب تُو آتا ہے سارے قبرستان والے خوش ہوکر مجھے خوشخبری دینے آتے ہیں کہ تیرا بیٹا آگیا، مجھے بھی تیرے آنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے اور ان سب کو بھی بہت خوشی ہوتی ہے۔وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں اسی طرح ہر جمعہ کو اہتمام سے جاتا تھا۔ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت بڑا مجمع مردوں اور عورتوں کا میرے پاس آیا، تو میں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ کیوں

حل لغات: (۱) مدد۔ (۲) باقی رہنا۔ (۳) دنیا۔ (۴) دیر تک رہنے والا۔ (۵) کام آنے والا۔ (۶) دوست۔ (۷) مشغلہ کی جمع، کام کاج۔ (۸) اصل مال۔ (۹) سفر کا سامان۔ (۱۰) گھبراہٹ، تنہائی۔ (۱۱) ایک خوشبودار ہری گھاس۔

آئے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم فلاں قبرستان کے آدمی ہیں، ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں، تم جو ہر جمعہ کو ہمارے پاس آتے ہو اور ہمارے لیے دعائے مغفرت کرتے ہو، اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے، اس کو جاری رکھنا۔ اس کے بعد سے میں نے اور بھی زیادہ اہتمام اس کا شروع کر دیا۔

ایک اور عالم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک قبرستان کی سب قبریں ایک دم شَقّ[1] ہوگئیں اور مُردے ان میں سے باہر نکل کر زمین پر سے کوئی چیز جلدی جلدی چُن رہے ہیں، لیکن ایک شخص فارغ بیٹھا ہے وہ کچھ نہیں چُنتا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا چُن رہے ہیں؟ اس نے کہا: جو لوگ کچھ صدقہ دعا، درود وغیرہ کر کے اس قبرستان والوں کو بھیجتے ہیں اس کی برکات سمیٹ رہے ہیں۔ میں نے کہا: تم کیوں نہیں چُنتے؟ اس نے کہا: مجھے اس وجہ سے اِستِغنَا[2] ہے کہ میرا ایک لڑکا ہے جو فلاں بازار میں زَلَابِیَہ (حلوے کی ایک قسم ہے جو منہ کو چپک جاتی ہے) بیچا کرتا ہے، وہ روزانہ مجھے ایک قرآن شریف پڑھ کر بخشتا ہے، میں صبح کو اٹھ کر اس بازار میں گیا۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ زلابیہ فروخت کر رہا ہے اور اس کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: تم کیا پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کر کے اپنے والد کو ہدیہ پیش کیا کرتا ہوں۔ اس قصہ کے عَرْصَہ[3] کے بعد میں نے پھر ایک مرتبہ اس قبرستان کے آدمیوں کو اسی طرح چُنتے دیکھا اور اس مرتبہ اس شخص کو بھی چُنتے دیکھا جس سے پہلی مرتبہ بات ہوئی تھی، پھر میری آنکھ کھل گئی، مجھے اس پر تعجب تھا، صبح اُٹھ کر پھر میں اسی بازار میں گیا، تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ [روض]

حضرت صالح مَرِّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی شب میں اخیر رات میں جامع مسجد جا رہا تھا، تا کہ صبح کی نماز وہاں پڑھوں صبح میں دیر تھی، راستے میں ایک قبرستان تھا، میں وہاں ایک قبر کے قریب بیٹھ گیا، بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ سب قبریں شق ہوگئیں اور اس میں سے مردے نکل کر آپس میں ہنسی خوشی باتیں کر رہے ہیں، ان میں سے ایک نواجون بھی قبر سے نکلا، جس کے کپڑے میلے اور وہ مغموم[4] سا ایک طرف بیٹھ گیا، تھوڑی دیر میں آسمان سے بہت سے فرشتے اُترے، جن کے ہاتھوں میں خوان[5] تھے، جن پر نور کے رومال ڈھکے ہوئے تھے، وہ ہر شخص کو ایک خوان دیتے تھے اور جو خوان لے لیتا تھا وہ اپنی قبر میں چلا جاتا تھا، جب سب لے چکے تو یہ جوان بھی خالی ہاتھ اپنی قبر میں جانے لگا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تم اس قدر غمگین کیوں ہو اور یہ خوان کیسے تھے؟ اس نے کہا کہ یہ خوان ان ہدایا[6] کے تھے جو زندہ لوگ اپنے اپنے مردوں کو بھیجتے ہیں، میرے کوئی اور تو ہے نہیں جو بھیجے، ایک والدہ ہے، مگر وہ دنیا میں پھنس رہی ہے، اس نے دوسری شادی کر لی وہ اپنے خَاوِنْد[7] میں

حل لغات: (۱) پھٹ جانا۔ (۲) بے فکری۔ (۳) زمانہ، مدت۔ (۴) اُداس۔ (۵) تھال۔ (۶) تحفے۔ (۷) شوہر۔

مشغول رہتی ہے، مجھے کبھی بھی یادنہیں کرتی۔ میں نے اس سے اس کی والدہ کا پتہ پوچھا اور صبح کو اس پتہ پر جا کر اس کی والدہ کو پردہ کے پیچھے بلایا اور اس سے اس کے لڑکے کو پوچھا اور یہ خواب سنایا۔ اس عورت نے کہا: بے شک وہ میرا لڑکا تھا، میرے جگر کا ٹکڑا تھا، میری گود اس کا بستر تھا۔ اس کے بعد اس عورت نے مجھے ایک ہزار درم دیے کہ میرے لڑکے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اس کو صدقہ کر دینا اور میں آئندہ ہمیشہ اس کو دعا اور صدقے سے یاد رکھوں گی کبھی نہ بھولوں گی۔ حضرت صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر خواب میں اس مجمع کو اسی طرح دیکھا اور اس نوجوان کو بھی بڑی اچھی پوشاک میں بہت خوش دیکھا، وہ میری طرف کو دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ صالح حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، تمہارا ہدیہ میرے پاس پہونچ گیا۔ [روض]

اس قسم کے ہزاروں واقعات کتب میں موجود ہیں، بعض اس سے پہلی حدیث میں بھی گزر چکے ہیں، پس اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میری اولاد مرنے کے بعد بھی میرے کام آئے، تو اپنے مَقْدُور[1] کے موافق اس کو نیک اور صالح بنانے کی کوشش کرنا چاہیے کہ یہ حقیقت میں اولاد کے لیے بھی خیر خواہی[2] ہے اور اپنے لیے بھی کار آمد[3] ہے۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ [سورۂ تحریم:۶] ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل[4] وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ''۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اپنے اہل وعیال کو کس طرح آگ سے بچائیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو ایسے کاموں کا حکم کرتے رہو جس سے اللہ جَلَّ شانُہٗ راضی ہوں اور ایسی چیزوں سے روکتے رہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو خیر کی باتوں کی تعلیم اور تنبیہ کرتے رہو۔ [دُرِّ منثور] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ اس باپ پر رحم کرے، جو اولاد کی اس بات میں مدد کرے کہ وہ باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے، یعنی ایسا برتاؤ اس سے نہ کرے جس سے نافرمانی کرنے لگے۔ [اِحیاء] اولاد کو نیک بنانا بھی اس میں داخل ہے، اگر وہ نیک نہ ہوگی تو پھر والدین کے ساتھ جو کرے وہ بَرمَحل[5] ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بچے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور جب چھ برس کا ہو، اس کو آداب سکھائے جائیں اور جب نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر علیحدہ کر دیا جائے (یعنی دوسروں کے پاس نہ سوئے) اور جب تیرہ برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے اور جب سولہ برس کا ہو جائے تو نکاح کر دیا جائے، پھر اس کا باپ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تجھے

حل لغات: (۱) قدرت، طاقت۔ (۲) بھلائی۔ (۳) کام آنے والا۔ (۴) گھر والے۔ (۵) موقع کے مطابق۔

آداب سکھا دیے، تعلیم دے دی، نکاح کر دیا، اب میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، دنیا میں تیرے فتنے سے اور آخرت میں تیری وجہ سے عذاب سے۔ [اِحیاء]

تیری وجہ سے عذاب کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ ارشادِ نبوی وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی برا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کو اپنے فعل[1] کا گناہ بھی ہوتا ہے اور جتنے لوگ اس کی وجہ سے اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ بھی اس کو ہوگا۔ اس طرح پر کہ کرنے والوں کے اپنے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی، ان کو اپنے فعل کا مستقِل گناہ ہوگا اور اس کو ذریعہ اور سبب بننے کا مستقِل گناہ ہوگا، اس بنا پر جو اولاد اپنے بڑوں کی بری حرکات ان کے عمل کی وجہ سے اختیار کرتی ہے ان سب کا گناہ بڑوں کو بھی ہوتا ہے، اس لیے اپنے چھوٹوں کے سامنے بُری حرکات کرنے سے خصوصیت سے اِحتراز[2] کرنا چاہیے۔ اس حدیث شریف میں تیرہ برس کی عمر میں نماز پر مارنے کا حکم ہے۔ اور بہت سی احادیث میں ہے کہ بچے کو جب سات برس کا ہو جائے نماز کا حکم کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ یہ روایات اپنی صحت[3] اور کثرت کے لحاظ سے مُقدَّم ہیں، بہرحال بچے کے نماز نہ پڑھنے پر باپ کو مارنے کا حکم ہے اور اس پر نماز میں تنبیہ نہ کرنا اپنا جرم ہے اور اس کے بِالمُقابل اگر اس کو نماز، روزہ اور دینی احکام کا پابند اور عادی بنا دیا تو اس کے اعمالِ حَسَنہ[4] کا ثواب اپنے آپ کو بھی ملے گا، اور اس کے ساتھ جب وہ صالح بن کر والدین کے لیے دعا بھی کرے گا تو اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

ابن مالک رَحمۃُ اللہِ علیہ کہتے ہیں کہ حدیث بالا میں اولاد کو صالح کے ساتھ اس لیے مُقیَّد[5] کیا ہے کہ ثواب غیر صالح اولاد کا نہیں پہونچتا اور اس کی دعا کا ذکر اولاد کو دعا کی ترغیب دینے کے لیے ہے، چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ والد کو صالح اولاد کے عمل کا ثواب خود بخود پہونچتا رہتا ہے، چاہے وہ دعا کرے یا نہ کرے، جیسا کہ کوئی شخص رِفاہِ عام[6] کے لیے کوئی درخت لگا دے اور لوگ اس کا پھل کھاتے رہیں تو ان کھانے والوں کے کھانے کا ثواب اس کو ملتا رہے گا، چاہے یہ لوگ درخت لگانے والے کے لیے دعا کریں یا نہ کریں۔ علّامہ مُناوی رَحمۃُ اللہِ علیہ کہتے ہیں کہ وَلَد[7] کو دعا کے ساتھ تنبیہ اور تحریض[8] کے طور پر ذکر فرمایا کہ وہ دعا کرے، ورنہ دعا ہر شخص کی نافع[9] ہے چاہے وہ اولاد ہو یا نہ ہو۔

اس حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر اہتمام کی وجہ سے کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں احادیث میں ایسی آئی ہیں جن کے متعلق یہ وارد ہوا ہے کہ ان کا دائمی[10] ثواب ملتا رہتا ہے۔ مُتعَدَّد[11] احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی نیک طریقہ جاری کر دے، اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی

حل لغات: ① کام۔ ② پرہیز۔ ③ صحیح ہونا۔ ④ نیک اعمال۔ ⑤ خاص۔ ⑥ لوگوں کی بھلائی۔ ⑦ بچہ۔ ⑧ کسی کام پر اُبھارنا۔ ⑨ فائدہ مند۔ ⑩ ہمیشہ۔ ⑪ کئی بہت سی۔

ملے گا اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے اُن سب کے عمل کا ثواب اس کو ملتا رہے گا اور کرنے والوں کے اپنے اپنے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جو شخص بُرا طریقہ جاری کردے، اس پر اپنے کیے کا بھی گناہ ہے اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے اُن سب کے عمل کا گناہ بھی اس کو ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے عمل کا ثواب مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، مگر جو شخص اللہ کے راستے میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والا ہے، اس کا ثواب قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔ [مرقاۃ] ان کے علاوہ احادیث میں اور بھی بعض اعمال کا ذکر آیا ہے جیسا کہ کوئی درخت لگا دینا یا نہر جاری کر دینا، جن کو علامہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کر کے گیارہ چیزیں بتائی ہیں اور ابنِ عِماد رحمۃ اللہ علیہ نے تیرہ چیزیں گنوائی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر ان ہی تین کی طرف راجع[1] ہو جاتی ہیں، جیسا کہ درخت لگانا یا نہر جاری کرنا صدقۂ جاریہ میں داخل ہے۔ [عون]

⑳ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَابَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ: مَابَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا، قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔ [رواه الترمذي وصححه كذا في المشكوة]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے آدمیوں نے یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کی (اور اس میں سے تقسیم کر دیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کتنا باقی رہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ صرف ایک شانہ[2] باقی رہ گیا (باقی سب تقسیم ہو گیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سب باقی ہے اس شانہ کے سوا۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ جو اللہ کے لیے خرچ کر دیا گیا وہ تو حقیقت میں باقی ہے کہ اس کا دائمی[3] ثواب باقی ہے اور جو رہ گیا وہ فانی[4] ہے، نہ معلوم باقی رہنے والی جگہ خرچ ہو یا نہ ہو۔ صاحبِ مظاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے اس پاک ارشاد کی طرف ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ﴾ [سورۂ نحل: ۹۶] جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے، وہ ایک دن ختم ہو جائے گا (چاہے اس کے زوال سے ہو یا تمہاری موت سے) اور جو کچھ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ بندہ کہتا ہے: میرا مال میرا مال، اس کے سوا دوسری بات نہیں ہے کہ اس کا مال وہ ہے جو کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے ذخیرہ بنا لیا اور اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والی چیز ہے، جس کو وہ لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ [مسلم] ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

حل لغات: ① لوٹنے والا۔ ② کاندھا۔ ③ ہمیشہ۔ ④ ختم ہونے والا۔

سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے، جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے، ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا اپنا مال وہ ہے جس کو (ذخیرہ بنا کر) آگے بھیج دیا اور جو مال چھوڑ گیا وہ وارث کا مال ہے۔ [مشکوۃ عن البخاری] ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ تلاوت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: آدمی کہتا ہے: میرا مال میرا مال، اوآدمی! تیرے لیے اس کے سوا کچھ نہیں جو کھا کر ختم کردے یا پہن کر پرانا کردے یا صدقہ کرکے آگے چلتا کردے (تاکہ اللہ جلّ شانُہٗ کے خزانہ میں محفوظ رہے)۔ [مشکوۃ عن مسلم]

مُتَعَدَّد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے مضامین کی روایتیں نقل کی گئیں، لوگوں کو دنیا کی بینک میں روپیہ جمع کرنے کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، لیکن وہی کیا ساتھ رہنے والا ہے؟ اگر اپنی زندگی ہی میں اس پر کوئی آفت نہ بھی آئے تو مرنے کے بعد بہرحال وہ اپنے کام آنے والا نہیں ہے، لیکن اللہ جلّ شانُہٗ کے بینک میں جمع کیا ہوا روپیہ ہمیشہ کام آنے والا ہے، نہ اس پر کوئی آفت ہے نہ زوال[1] اور مزید[2] برآں کہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ حضرت سَہْل بن عبداللہ تُسْتَرِی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں بڑی کثرت سے خرچ کرتے تھے، اُن کی والدہ اور بھائیوں نے حضرت عبداللہ بنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی کہ یہ سب کچھ خرچ کرنا چاہتے ہیں، ہمیں ڈر ہے کہ یہ چند روز میں فقیر ہوجائیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی بتائیں کہ اگر کوئی مدینہ طَیِّبہ کا رہنے والا، رُستاق میں (جو ملک فارس کا ایک شہر ہے) زمین خریدلے اور وہاں منتقل[3] ہونا چاہے، وہ مدینہ طَیِّبہ میں اپنی کوئی چیز چھوڑے گا؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔ کہنے لگے: بس یہی بات ہے۔ لوگوں کو ان کے جواب سے یہ خیال ہوگیا کہ وہ دوسری جگہ انتقالِ آبادی کرنے کا ارادہ کررہے ہیں۔ [تنبیہ الغافلین] اور ان کی غرض دوسرے عالَم کو انتقال تھی اور آج کل تو ہر شخص کو اس کا ذاتی تجربہ بھی ہے، جو لوگ ہند سے پاکستان یا پاکستان سے ہند میں مستقل قیام کی نیّت سے انتقالِ آبادی اپنے اختیار سے کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے جانے سے پہلے اپنی جائیداد، مکانات وغیرہ سب چیزوں کے تبادلے[4] کی کتنی کوشش کرتے ہیں اور اتنے تبادلہ مکمل نہیں ہوجاتا، ساری تکالیف برداشت کرنے کے باوجود انتقالِ آبادی کا ارادہ نہیں کرتے اور جو بلا اختیار جبری[5] طور پر ایک جگہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہوگئے ہیں، ان کی حسرت وافسوس کی نہ کوئی انتہا ہے نہ خاتمہ۔ یہی صورت بِعَیْنِہٖ[6] ہر شخص کی اس عالَم سے انتقال

حل لغات: ① ختم ہونا۔ ② اس کے علاوہ۔ ③ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ ④ ایک چیز کو دوسری سے بدلنا۔ ⑤ زبردستی۔ ⑥ اسی طرح۔

کی ہے، ابھی تک ہر شخص کو اپنے سامان، جائیداد وغیرہ سب چیز کے انتقال کا اختیار ہے، لیکن جب موت سے جبری انتقال ہو جائے گا، سب کچھ اسی عالَم میں رہ جائے گا اور گویا بحقِ[1] سرکار ضبط ہو جائے گا، ابھی وقت ہے کہ سمجھ رکھنے والے اپنے سامان کو دوسرے عالَم میں منتقل کر لیں۔

(۲۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ بَدَلَ الْجَارِ۔ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔

[متفق عليه كذا في المشكوٰة]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ مہمان کا اِکرام کرے اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے اور زبان سے کوئی بات نکالے تو بھلائی کی نکالے ورنہ چپ رہے اور دوسری روایت میں ہے کہ صلہ رحمی[2] کرے۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اُمور[3] پر تنبیہ فرمائی اور ہر مضمون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ ''جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے''۔ ترجمہ میں اِختصار[4] کی وجہ سے شروع ہی میں ذکر پر اِکتفا[5] کیا گیا، ہر ہر جملے کے ساتھ اس کو ذکر فرمانے سے مقصود ان اُمور کی اہمیت اور تاکید ہے، جیسا کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو فلاں کام کر دے۔ مقصد اس تنبیہ سے یہ ہے کہ یہ چیزیں کامل ایمان کے اَفراد[6] ہیں، جو ان کا اہتمام نہ کرے اس کا ایمان بھی کامل نہیں۔ [مظاہر] اور اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کی ذکر میں خصوصیت غالباً اس وجہ سے ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ پر ایمان بغیر تو آخرت میں کسی نیکی کا کوئی ثواب ہی نہیں اور اللہ جَلَّ شانُہٗ پر ایمان میں آخرت پر ایمان خود آ گیا تھا پھر اس کو خصوصیت سے غالباً اس لیے ذکر فرمایا کہ یہ تنبیہ اور ثواب کی نیت پر شوق دلانا ہے کہ ان اُمور کا حقیقی بدلہ اور ثواب آخرت کے دن ملے گا، جس دن یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کی ذرا ذرا سی چیز اور عمل پر اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں کتنا کتنا اَجر و ثواب ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں چار چیزوں پر تنبیہ فرمائی: پہلی چیز: مہمان کا اکرام ہے۔ وہی اس جگہ بندہ کا اس روایت کے ذکر کرنے سے مقصود ہے، اس کی توضیح[7] آئندہ حدیث میں آئے گی۔ دوسرا مضمون: پڑوسی کو اِیذا[8] نہ دینے کے متعلق ہے، اس حدیث شریف میں اَدنیٰ[9] درجہ کا حکم کیا گیا کہ پڑوسی

حل لغات: (۱) حکومت کے حق کی وجہ سے۔ (۲) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۳) امر کی جمع، معاملہ۔ (۴) مختصر کرنا، کم کرنا۔ (۵) کافی سمجھنا۔ (۶) فرد کی جمع، یعنی حصے۔ (۷) وضاحت، تفصیل۔ (۸) تکلیف۔ (۹) کم۔

کو اِیذا نہ پہونچائے، یہ بہت ہی ادنیٰ درجہ ہے، ورنہ روایات میں پڑوسی کے حق کے متعلق بہت زیادہ تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ شیخین کی بعض روایات میں "فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ" وارد ہوا ہے یعنی پڑوسی کا اکرام کرے اور شیخین کی بعض روایات میں "فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ" آیا ہے کہ اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، یعنی جس چیز کا وہ محتاج ہو اس میں اس کی اِعانت[۱] کرے، اس سے برائی کو دفع[۲] کرے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے: جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ تجھ سے مدد چاہے اس کی مدد کر، اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے، اگر محتاج ہو تو اس کی اِعانت کر، اگر بیمار ہو تو عیادت[۳] کر، اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارک باد دے، اگر مصیبت پہونچے تو تعزیت[۴] کر، بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رُک جائے، اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو ایسی طرح پوشیدہ[۵] گھر میں لا کہ وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کر دیکھ کر رنجیدہ[۶] نہ ہوں اور اپنے گھر کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہونچا، مگر اس صورت میں کہ جو پکائے اس میں سے اس کا بھی حصہ لگائے۔ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کتنا حق ہے؟ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ رحم کرے۔ روایت کیا اس کو غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین میں۔ [مظاہر بتغیر] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین مرتبہ) فرمایا: خدا کی قسم! مومن نہیں ہے، خدا کی قسم! مومن نہیں ہے، خدا کی قسم! مومن نہیں ہے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون شخص؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں (اور بدیوں[۷]) سے مامون[۸] نہ ہو۔ [مشکوۃ عن الشیخین] ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں سے مامون نہ ہو۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان کی تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے۔ [مشکوۃ] حق سُبحانَہٗ وَتقدّسَ کا پاک ارشاد ہے کہ:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا	"تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى	ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور اپنے والدین کے

حل لغات: ① مدد۔ ② دور۔ ③ دیکھ بھال۔ ④ تسلّی دینا۔ ⑤ چھپا ہوا۔ ⑥ غمگین۔ ⑦ برائیوں۔ ⑧ محفوظ۔

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى	ساتھ اچھا معاملہ کرو اور دوسرے اہلِ قرابت[1] کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ اور غُرَباء[2] کے ساتھ اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دُور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس[3] کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی۔
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ	
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ	
[سورۂ نساء:۳٦]	

''پاس والے پڑوسی'' سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان قریب ہو اور ''دُور کے پڑوسی'' سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان دور ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ پڑوس کہاں تک ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ چالیس مکان آگے کی جانب اور چالیس پیچھے کی جانب، چالیس دائیں اور چالیس بائیں جانب۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ دور کے پڑوسی سے ابتِداء[4] نہ کی جائے، بلکہ پاس کے پڑوسی سے ابتداء کی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں، کس سے ابتِداء کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا دروازہ تیرے دروازے سے قریب ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختلف طریق[5] سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت[6] ہو اور دور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔ نوف شامی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اور دور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ (یعنی غیر مسلم)۔ [درِّ منثور] مُسندِ بزّار وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوں: پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور اسلام کا حق۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے دو حقوق ہوں: پڑوس کا حق اور اسلام کا حق۔ تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہو: وہ غیر مسلم پڑوسی ہے۔ [جمل] گویا پڑوس کے تین درجے ترتیب وار ہوگئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث شریف میں محض[7] پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمان پر قائم فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسیوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنے پڑوسی کی کثرت سے شکایت کرنے لگے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ (اپنا کام کرو) اگر اس نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نافرمانی کی (کہ تم کو ستایا) تو تم تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نافرمانی نہ کرو۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ

حل لغات: ① تعلق والے۔ ② غریب کی جمع۔ ③ ساتھ بیٹھنے والا۔ ④ شروعات۔ ⑤ یعنی سند۔ ⑥ رشتہ داری۔ ⑦ صِرف۔

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کا حال بیان کیا گیا کہ وہ روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے، تہجّد بھی پڑھتی ہے، لیکن اپنے پڑوسیوں کوستاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں داخل ہوگی (چاہے پھر سزا بھگت کر نکل آوے)۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کا حق صرف یہی نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے، بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تکلیف کو برداشت کیا جائے۔ حضرت ابن المُقَفَّع رحمۃ اللہ علیہ اپنے پڑوسی کی دیوار کے سائے میں اکثر بیٹھ جایا کرتے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ قرض ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر فروخت[1] کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اس کے گھر کے سائے میں ہمیشہ بیٹھے، اس کے سائے کا حق ہم نے کچھ ادا نہ کیا۔ یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر[2] کر دی اور فرمایا کہ تمھیں قیمت وصول ہوگئی، اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نے ایک بکری ذبح کی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اس کی کھال نکال چکو، تو سب سے پہلے اس کے گوشت میں سے میرے یہودی پڑوسی کو دینا، کئی دفعہ یہی لفظ فرمایا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی مرتبہ اس کو فرمائیں گے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام بار بار پڑوسی کے متعلق تاکید فرماتے رہے (اس لیے میں بار بار کہہ رہا ہوں)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَکارمِ[3] اَخلاق دس چیزیں ہیں، بسا اَوقات[4] یہ چیزیں بیٹے میں ہوجاتی ہیں باپ میں نہیں ہوتیں، غلام میں ہوجاتی ہیں آقا میں نہیں ہوتیں، حق تعالیٰ شانہٗ کی عطا ہے جس کو چاہے عطا کردیں: (۱) سچ بولنا۔ (۲) لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا (دھوکہ نہ دینا)۔ (۳) سائل[5] کو عطا کرنا۔ (۴) احسان کا بدلہ دینا۔ (۵) صِلۂ رحمی[6] کرنا۔ (۶) امانت کی حفاظت کرنا۔ (۷) پڑوسی کا حق ادا کرنا۔ (۸) ساتھی کا حق ادا کرنا۔ (۹) مہمان کا حق ادا کرنا۔ (۱۰) ان سب کی جڑ اور اصلِ اُصول[7] حیا[8] ہے۔ [اِحیاء]

تیسرا مضمون حدیثِ بالا میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ خیر[9] کی بات زبان سے نکالے یا چُپ رہے۔ حافظ ابنِ حَجَر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ پاک ارشاد جامع[10] کلمہ ہے، اس لیے کہ جو بات کہی جائے وہ یا خیر ہوگی یا شر[11]؛ اور خیر میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا کہنا مطلوب[12] ہے، فرض ہو یا مستحب، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ شر ہے۔ [فتح] یعنی اگر کوئی ایسی بات ہو جو بظاہر نہ خیر معلوم ہوتی ہو نہ شر، وہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے موافق شر میں داخل ہوجائے گی۔ اس لیے کہ جب کوئی فائدہ اس سے مقصود نہیں تو لغو[13] ہوئی، وہ خود شر ہے۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ

حل لغات: (۱) بیچنا۔ (۲) دینا۔ (۳) اچھے اخلاق۔ (۴) اکثر مرتبہ۔ (۵) مانگنے والا۔ (۶) رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک۔ (۷) خلاصہ۔ (۸) شرم۔ (۹) نیکی۔ (۱۰) مکمل۔ (۱۱) بُرا۔ (۱۲) پسندیدہ۔ (۱۳) بے کار۔

کا ارشاد نقل کیا کہ آدمی کا ہر کلام اس پر وبالؔ ہے، کوئی نفع دینے والی چیز نہیں، بجزؔ اُس کے کہ بھلائی کا حکم کرے یا بُرائی سے روکے، یا اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ذکر کرے۔ اس حدیث کو سن کر ایک شخص کہنے لگے: یہ حدیث تو بڑی سخت ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں حدیث کی سختی کی کیا بات ہے؟ یہ تو خود اللہ جَلَّ جلالُہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا [سورۂ نساء: ۱۱۴]	لوگوں کی اکثر سرگوشیوںؔ میں خیر نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات یا کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہمؔ اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے یہ کام کرے گا، ہم اس کو عنقریبؔ بہت زیادہ اجرؔ عطا فرمائیں گے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کچھ وصیت فرما دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ تمھارے ہر کام کے لیے زینت ہے۔ میں نے عرض کیا: کچھ اور ارشاد؟ فرمایا: قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کہ یہ آسمانوں میں تمھارے ذکر کا سبب ہے اور زمین میں تمھارے لیے نور ہے۔ میں نے اور زیادتی چاہی، تو ارشاد فرمایا کہ سُکُوتؔ بہت کثرت سے رکھا کرو، یہ شیطان کے دور رہنے کا ذریعہ ہے اور دینی کاموں میں مدد کا سبب ہے۔ میں نے اور زیادتی چاہی، تو فرمایا کہ ہنسنے کی زیادتی سے اِحترازؔ کرو، اس سے دل مَر جاتا ہے اور منہ کی رونق کم ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا: اور کچھ۔ فرمایا: حق بات کہو، چاہے کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے عرض کیا: اور کچھ؟ فرمایا: اللہ کے معاملے میں کسی کا خوف نہ کرو۔ میں نے عرض کیا: اور کچھ؟ فرمایا: تمھیں اپنے عُیوبؔ (کا فکر) لوگوں کے عُیوب کو دیکھنے سے روک دے۔ [دُرِّ منثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "زبان" اللہ جَلَّ شانُہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اُس کی غریبؔ ولطیفؔ صنعتوںؔ میں سے ایک صنعت ہے، اس کا جُثّہؔ چھوٹا ہے، لیکن اس کی اطاعت اور گناہ بہت بڑے ہیں، حتیٰ کہ کفر واسلام جو گناہ اور اطاعت میں دو آخری کناروں پر ہیں، اسی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اُس کی بہت سی آفتیںؔ شمار کی ہیں: بے کار گفتگوؔ، بے ہودہؔ باتیں،

حل لغات: (۱) مصیبت۔ (۲) سوائے، علاوہ۔ (۳) کانا پھوسی، کان میں بات کہنا۔ (۴) آپس میں۔ (۵) قریب ہی (۶) بدلہ۔ (۷) خاموشی۔ (۸) پرہیز، بچنا۔ (۹) عیب کی جمع۔ (۱۰) عجیب۔ (۱۱) باریک۔ (۱۲) صنعت کی جمع، کاریگری۔ (۱۳) جسم۔ (۱۴) گننا۔ (۱۵) بات۔ (۱۶) فالتو۔

جنگ وجَدَل[1]، منہ پھیلا کر باتیں کرنا، مُقفّٰی[2] عبارتوں اور فصاحت[3] میں تَکلُّف[4] کرنا، فُحش[5] بات کرنا، گالی دینا، لعنت کرنا، شعر و شاعری میں اِنہماک[6]، کسی کے ساتھ تَمَسخُر[7] کرنا، کسی کا راز ظاہر کرنا، جھوٹا وعدہ کرنا، جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، کسی پر تعریض[8] کرنا، تعریض کے طور پر جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، دورنگی باتیں کرنا، بے[9] محل کسی کی تعریف کرنا، بے محل سوال کرنا وغیرہ وغیرہ، اتنی کثیر[10] آفتیں اس چھوٹی سی چیز کے ساتھ وَابَستہ[11] ہیں کہ ان کا مسئلہ نہایت خطرناک ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے چپ رہنے کی بہت ترغیب فرمائی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چپ رہا وہ، نجات پا گیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی چیز بتادیجیے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنا نہ پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ جَلَّ شانُہٗ پر ایمان لاؤ اور اس پر اِستقامت[12] رکھو، انھوں نے عرض کیا: حضور! میں کس چیز سے بچوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان سے۔ ایک اور صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! نجات کی کیا صورت ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، اپنے گھر میں رہو (فضول باہر نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں[13] پر روتے رہو۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص دو چیزوں کا ذمہ لے لے میں اس کے لیے جنت کا ذمہ دار ہوں: ایک زبان، دوسری شرمگاہ۔ ایک حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جو چیزیں جنت میں داخل کرنے والی ہیں ان میں سے سب سے اہم کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کا خوف اور اچھی عادتیں، پھر عرض کیا گیا کہ جہنم میں جو چیزیں داخل کرنے والی ہیں، ان میں اہم چیز کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صفا مَروَہ کی سَعی[14] کر رہے تھے اور اپنی زبان کو خطاب کرکے فرماتے تھے: اے زبان! اچھی بات کہہ، نفع کمائے گی اور شر[15] سے سُکوت[16] کر سلامت رہے گی، اس سے پہلے کہ شرمندہ ہو۔ کسی نے پوچھا کہ یہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا آپ نے اس بارہ میں کچھ حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ آدمی کی خطاؤں کا اکثر حصہ اس کی زبان میں ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی زبان کو روکے رہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کی عیب[17] پوشی کرتے

حل لغات: (۱) جھگڑا۔ (۲) جملوں کو ایک وزن پر رکھنا۔ (۳) اچھی طرح سے بات کرنا۔ (۴) بناوٹ۔ (۵) بے حیائی کی بات۔ (۶) بہت مشغول ہونا۔ (۷) مذاق اُڑانا۔ (۸) اشاروں میں بات کرنا، اعتراض۔ (۹) بے موقع۔ (۱۰) زیادہ۔ (۱۱) متعلق، جُڑی ہوئی۔ (۱۲) مضبوطی سے جما رہنا۔ (۱۳) خطا کی جمع، غلطی۔ (۱۴) صفا مروہ کے درمیان دوڑنا۔ (۱۵) برائی۔ (۱۶) خاموشی۔ (۱۷) عیب کو چھپانا۔

ہیں اور جو شخص اپنے غصہ پر قابو رکھے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کو اپنے عذاب سے محفوظ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ جَلَّ شانُہٗ کی بارگاہ میں مَعذِرَت[1] کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کے عذر کو قبول فرماتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی اس طرح عبادت کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو، اور اگر تم کہو تو میں وہ چیز بتاؤں جس سے ان چیزوں پر سب سے زیادہ قدرت حاصل ہو جائے اور یہ فرما کر اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ [اِحیاء] حضرت سلیمان علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ السَّلَام سے نقل کیا گیا کہ اگر کلام چاندی ہے، تو سکوت سونا ہے۔ حضرت لقمان حکیم جو اپنی حِکمت[2] اور دانائی[3] کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں، ایک حبشی غلام نہایت بدصورت تھے، مگر اپنی حکمتوں کی وجہ سے مُقتدائے[4] عالَم تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تو فلاں شخص کا غلام نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ بے شک ہوں۔ پھر اُس نے کہا: تو فلاں پہاڑ کے نیچے بکریاں نہ چَراتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: صحیح ہے۔ پھر اس نے کہا کہ پھر یہ مرتبہ کس بات سے ملا؟ انہوں نے فرمایا: (چار چیزوں سے) اللہ کا خوف، بات میں سچائی، امانت کا پورا پورا ادا کرنا، اور بے فائدہ بات سے سُکوت۔ اور بھی مُتعَدّد روایات میں اُن کی خصوصی عادت کثرتِ سکوت ذکر کی گئی۔ [دُرِّ منثور]

حضرت بَراء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بَدّو[5] نے آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتا دیجیے جو جنت میں لے جانے والا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم کرو اور بُری باتوں سے روکو، اور یہ نہ ہو سکے تو اپنی زبان کو بھلی بات کے علاوہ بولنے سے روکے رکھو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اپنی زبان کو خیر کے علاوہ سے محفوظ رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم شیطان پر غالب رہو گے۔ یہ چند روایات مختصراً ذکر کی ہیں، اِن کے علاوہ بہت سی روایات اور آثار[6] ہیں جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور علامہ زُبَیدی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تخریج[7] کی ہے، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا مسئلہ اہم مسئلہ ہے جس سے ہم لوگ بالکل غافل ہیں، جو چاہا زبان سے کہہ دیا، حالانکہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے دو نگہبان[8] ہر وقت دن اور رات، دائیں اور بائیں مونڈھوں پر موجود رہتے ہیں، جو ہر بھلائی اور بُرائی کو لکھتے ہیں، اس سب کے بعد اللہ جَلَّ شانُہٗ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کیا احسان ذکر کیا جائے، آدمی سے بے اِلتفاتی[9] میں فُضول[10] بات نکل ہی جاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہا کَفَّارَہ[11] مجلس کا یہ ہے کہ اُٹھنے سے قبل[12] تین مرتبہ یہ

حل لغات: (۱) عذر پیش کرنا۔ (۲) عقلمندی کی باتیں۔ (۳) عقلمندی۔ (۴) دنیا کے رہنما۔ (۵) عرب کا دیہاتی۔ (۶) اثر کی جمع، صحابہ کے اقوال۔ (۷) کتابوں سے حوالے اور دلیل نکالنا۔ (۸) نگرانی کرنے والا۔ (۹) بے توجہی۔ (۱۰) بے کار۔ (۱۱) گناہ ختم کرنے والا۔ (۱۲) پہلے۔

دعا پڑھ لے: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ [حصن حصین] ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اخیر میں ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پہلے تو ان کلمات کو نہیں پڑھتے تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمات مجلس کا کَفَّارہ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چند کلمے ایسے ہیں کہ جو شخص مجلس سے اٹھنے کے وقت تین مرتبہ ان کو پڑھ لے، تو وہ مجلس کی گفتگو کے لیے کفّارہ ہوتے ہیں اور اگر مجلسِ خیر میں پڑھے جائیں تو اس مجلس (کے خیر ہونے) پر ان سے مُہر لگ جاتی ہے جیسا کہ خط کے ختم پر مہر لگائی جاتی ہے، وہ کلمات یہ ہیں۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ [ابوداؤد]

چوتھا مضمون حدیثِ بالا میں صِلہ رحمی کے متعلق ہے، اس کا مفصل بیان آئندہ فصلوں میں آرہا ہے۔

(۲۲) عَنْ أَبِيْ شُرَيْحِ الْكَعْبِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهٗ أَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحَرِّجَهٗ۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ جَلَّ شانُہٗ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، مہمان کا جائزہ ایک دن رات ہے، اور مہمانی تین دن رات اور مہمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اتنا طویل[1] قیام کرے جس سے میزبان مَشقّت[2] میں پڑ جائے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ادب ارشاد فرمائے، ایک میزبان کے متعلق، دوسرا مہمان کے متعلق۔ میزبان کا ادب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گزر چکا ہے، تو اس کو چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے اور مہمان کا اکرام یہ ہے کہ کُشادَہ[3] رُوئی اور خوش خُلقی[4] سے پیش آئے، نرمی سے گفتگو[5] کرے۔ [مظاہر] ایک حدیث میں ہے کہ سُنّت یہ ہے کہ آدمی مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک مُشایَعت[6] کے لیے جائے۔ [مشکوٰۃ] حضرت عُقبہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مہمانی نہ کرے، اس میں کوئی خیر[7] نہیں۔ حضرت سَمُرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کی ضِیافت[8] کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ [مجمعُ الزّوائد]

حل لغات: (۱) لمبا۔ (۲) تکلیف۔ (۳) مسکراتے ہوئے۔ (۴) اچھے اخلاق۔ (۵) بات۔ (۶) رخصت کرنے کے لیے ساتھ چلنا۔ (۷) بھلائی۔ (۸) مہمانی۔

ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ رو رہے ہیں، اس نے سبب پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے اس کا ڈر ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانُہٗ نے میری اِہانت[1] کا ارادہ تو نہیں کرلیا۔ [اِحیاء] حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے حدیثِ بالا میں مہمان کے اکرام کا حکم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ اس کا جائزہ ایک دن رات ہے۔ اس کی تفسیر میں علماء کے چند قول ہیں: حضرت امام مالک رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اکرام و اعزاز اور خصوصی تحفے ہیں، یعنی ایک دن رات تو اس کے اعزاز میں اچھا کھانا تیار کرے اور باقی اَیّام میں معمولی مہمانی۔ اس کے بعد پھر علماء کے اس میں دو قول ہیں کہ تین دن کی مہمانی جو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے پاک ارشاد میں وارد ہوئی ہے وہ اس ایک دن کے بعد ہے یعنی مہمان کا حق کل چار دن ہو گئے، یا وہ ایک دن خصوصی اعزاز کا بھی ان ہی تین دن میں داخل ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد ناشتہ ہے راستہ کا اور حاصل یہ ہے کہ اگر مہمان قیام کرے تو تین دن کی مہمانی ہے اور قیام نہ کر سکے تو ایک دن کا ناشتہ۔ [فتح الباری] تیسرا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد تو ناشتہ ہی ہے؛ لیکن جو مطلب علماء نے لکھا ہے کہ تین دن کی مہمانی اور چوتھے دن رخصت کے وقت ایک دن کا ناشتہ۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد گذر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص مُستقِل ملاقات کے لیے آئے، اس کا حق تین دن قیام کا ہے، اور جو راستہ میں گذرتے ہوئے ٹھہر جائے کہ اصل مقصود آگے جانا تھا، یہ جگہ راستہ میں پڑ گئی اس لیے یہاں بھی قیام کرلیا تو اس کے قیام کا حق صرف ایک دن ہے۔ [منذری] اور ان سب اَقوال کا خلاصہ مختلف حیثیات[2] سے مہمان کے اکرام کا اہتمام ہی ہے کہ ایک دن کا اس کا خصوصی اہتمام کھانے کا کرے اور روانگی کے وقت ناشتہ کا بھی، بالخصوص ایسے راستوں میں جہاں راستہ میں کھانا نہ مل سکتا ہو۔

دوسرا ادب حدیثِ بالا میں مہمان کے لیے ہے کہ کہیں جا کر اتنا طویل[3] قیام نہ کرے جس سے میزبان کو تنگی اور دِقّت[4] پیش آئے۔ ایک اور حدیث میں اس لفظ کی جگہ یہ ارشاد ہے کہ اتنا نہ ٹھہرے کہ میزبان کو گنہگار بنا دے یعنی یہ کے اس کے طویل قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرنے لگے یا کوئی ایسی حرکت کرے جس سے مہمان کو اذیت ہو یا مہمان کے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی کرنے لگے کہ یہ سب اُمور[5] میزبان کو گنہگار بنانے والے ہیں، لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ میزبان کی طرف سے مہمان کے قیام پر اِصرار[6] اور تقاضا نہ ہو یا اس کے انداز سے غالب گمان یہ ہو کہ زیادہ قیام اس پر گِراں[7] نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جو اس کو گناہ میں ڈالے؟ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: اس کے پاس اتنا قیام کرے کہ میزبان کے پاس اس کے کھلانے کو

حل لغات: (۱) بےعزتی۔ (۲) طریقے۔ (۳) لمبا۔ (۴) تکلیف۔ (۵) امر کی جمع، کام۔ (۶) ضد۔ (۷) بوجھ۔

کچھ نہ ہو۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا اپنے مہمان کے ساتھ ایک قصہ پیش آیا۔ [فتح] جس قصہ کی طرف حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے، حضرت ابووائل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے گئے، انہوں نے جَو کی روٹی اور نیم کوفتہ[1] نمک ہمارے سامنے رکھا، میرا ساتھی کہنے لگا کہ اگر اس کے ساتھ سَعتَر (پودینہ کی ایک قسم ہے) ہوتا تو بڑا لذیذ ہوتا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور وضو کا لوٹا رہن[2] رکھ کر سعتر خرید کر لائے، جب ہم کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقَنَا۔ "سب تعریف اللہ جَلَّ شانُہٗ کے لیے ہے جس نے ہمیں مَاحَضَر[3] پر قناعت[4] کی توفیق عطا فرمائی۔" حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہیں مَاحَضَر پر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا گروی نہ رکھا جاتا۔ [اِحیاء]

حاصل یہ ہے کہ میزبان پر ایسی فرمائش[5] کرنا جس سے اس کو دقّت ہو یہ بھی یُحَرِّجُہٗ (میزبان کو تنگی میں ڈالنے) میں داخل ہے، دوسرے کے گھر جاکر چُناں[6] چُنیں کرنا، یہ چاہیے، وہ چاہیے ہرگز مناسب نہیں ہے، جو وہ حاضر کر رہا ہے اس کو صبر وشکر سے بَشاشت[7] کے ساتھ کھالینا چاہیے، فرمائش کرنا بَسا اَوقات[8] میزبان کی دِقّت اور تنگی کا سبب ہوتا ہے، البتہ اگر میزبان کے حال سے یہ اندازہ ہو کہ وہ فرمائش سے خوش ہوتا ہے، مثلاً فرمائش کرنے والا کوئی محبوب ہو اور جس سے فرمائش کی جائے وہ جاں نثار[9] ہو، تو جو چاہے فرمائش کرے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان تھے، اور وہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی خاطر[10] میں روزانہ اپنی باندی کو ایک پرچہ لکھا کرتا تھا، جس میں اس وقت کے کھانے کی تفصیل ہوتی تھی، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وقت باندی سے پرچہ لے کر دیکھا اور اس میں اپنے قلم سے ایک چیز کا اضافہ فرما دیا، دسترخوان پر جب زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ چیز دیکھی تو باندی پر اعتراض کیا کہ میں نے اس کے پکانے کو نہیں لکھا تھا۔ وہ پرچہ لے کر آقا کے پاس آئی اور پرچہ دکھا کر کہا کہ یہ چیز حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے قلم سے اضافہ کی تھی، زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس کو دیکھا اور حضرت کے قلم سے اس میں اضافہ پر نظر پڑی، خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور اس خوشی میں اس باندی کو آزاد کر دیا۔ [اِحیاء] اگر ایسا کوئی مہمان ہو اور ایسا میزبان ہو تو یقیناً فرمائش بھی لُطف[11] کی چیز ہے۔

حل لغات: (۱) کچھ کُوٹا ہوا۔ (۲) گِروی۔ (۳) جو کچھ حاضر ہو۔ (۴) تھوڑی چیز پر راضی رہنا۔ (۵) درخواست۔ (۶) اِس طرح اُس طرح۔ (۷) خوشی۔ (۸) یعنی کبھی کبھی۔ (۹) جان قربان کرنے والا۔ (۱۰) مہمان نوازی۔ (۱۱) مزے۔

(۲۳) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔	حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ مسلمان کے علاوہ کسی کے ساتھ مُصاحبت[1] اور ہم نشینی[2] نہ رکھ اور تیرا کھانا غیر متقی نہ کھائے۔

[رواه الترمذي و أبوداؤد والدارمي كذا في المشكوٰة، وبسط في تخريجه صاحب الإتحاف]

فائدہ: اس حدیث پاک میں حضور اقدس ﷺ نے دو آداب ارشاد فرمائے: اوّل یہ کہ ہم نشینی اور نشست و برخاست[3] غیر مسلم کے ساتھ نہ رکھ، اگر اس سے کامل مسلمان مراد ہے تب تو مطلب یہ ہے کہ فاسق وفاجر لوگوں کے ساتھ مُجالَست[4] اختیار نہ کر دوسرے جملہ میں چونکہ متقی کا ذکر ہے اس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے نیز اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نہ داخل ہوں تیرے گھر میں مگر متقی لوگ۔ [کنز] اور اگر اس سے مطلقاً مسلمان مراد ہے، تو مطلب یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ بے ضرورت مُجالَست اختیار نہ کی جائے۔ اور ہر صورت میں تنبیہ مقصود ہے اچھی صحبت اختیار کرنے پر، اس لیے کہ آدمی جس قسم کے لوگوں میں کثرت سے نشست و برخاست رکھا کرتا ہے، اسی قسم کے آثار[5] آدمی میں پیدا ہوا کرتے ہیں، اسی بناء پر حضور ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو ابھی گذرا کہ تیرے گھر میں متقیوں کے علاوہ داخل نہ ہوں، یعنی ان سے میل جول ہوگا تو ان کے اثرات پیدا ہونگے۔ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ صالح[6] ہم نشیں[7] کی مثال مُشک بیچنے والے کی ہے کہ اگر اس کے پاس بیٹھا جائے تو وہ تجھے تھوڑا سا مُشک کا ہدیہ بھی دے دے گا، تو اس سے خرید بھی لے گا اور دونوں باتیں نہ ہوں تو پاس بیٹھنے کی وجہ سے مُشک کی خوشبو سے دماغ مُعطّر[8] رہے گا۔ (اور فرحت[9] پہونچتی رہے گی) اور بُرے ساتھی کی مثال لوہار کی بھٹّی کے پاس بیٹھنے والے کی ہے کہ اگر اس کی بھٹّی سے کوئی چنگاری اڑ کر لگ گئی، تو کپڑے جلا دے گی اور یہ بھی نہ ہو تو بدبو اور دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔ [مشکوٰۃ] ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب[10] پر ہوا کرتا ہے، پس اچھی طرح غور کر لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ [مشکوٰۃ]

مطلب یہ ہے کہ پاس بیٹھنے کا اور صحبت کا اثر بے ارادہ رفتہ رفتہ[11] آدمی میں سَرایت[12] کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ آدمی اس کا مذہب بھی اختیار کر لیا کرتا ہے، اس لیے پاس بیٹھنے والوں کی دینی حالت میں اچھی طرح سے غور کر لینا چاہیے، بد دینوں کے پاس کثرت سے بیٹھنے سے بد دینی آدمی میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ روزمَرّہ[13] کا تجربہ ہے کہ شراب پینے والوں کے، شطرنج کھیلنے والوں کے پاس تھوڑے دن کثرت

حل لغات: (۱) ساتھ رہنا۔ (۲) میل جول۔ (۳) اُٹھنا بیٹھنا۔ (۴) ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ (۵) اثر کی جمع۔ (۶) نیک۔ (۷) ساتھی۔ (۸) خوشبو میں بسا ہوا۔ (۹) تازگی۔ (۱۰) طریقہ۔ (۱۱) آہستہ آہستہ۔ (۱۲) اثر کرنا۔ (۱۳) روزانہ۔

سے اُٹھنا بیٹھنا ہو تو یہ مرض آدمی میں لگ جاتے ہیں۔ایک اور حدیث میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابورَزِین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس سے اس چیز پر قدرت ہو جائے جو دارَین[1] کی خیر کا سبب ہو! اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلس اختیار کر اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جس قدر بھی تو کر سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دیتا رہا کر اور اللہ کے لیے دوستی کر اور اسی کے لیے دشمنی کر۔ [مشکوٰۃ] یعنی جس سے دوستی یا دشمنی ہو وہ اللہ ہی کی رضا[2] کے واسطے ہو، اپنے نفس کے واسطے نہ ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی مُصاحبت[3] اختیار کرے، اس میں پانچ چیزیں ہونی چاہئیں: اول صاحبِ عقل ہو، اس لیے کہ عقل اصل رَاسُ[4] المال ہے، بے وقوف کی مُصاحبت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کا مآلِ[5] کار وحشت[6] اور قطعِ رحمی[7] ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ بھی نقل کیا گیا کہ احمق[8] کی صورت کو دیکھنا بھی خطا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں کہ جب آدمی کے اخلاق خراب ہوں، تو وہ عقل پر بسا اوقات[9] غالب آجاتے ہیں، ایک آدمی سمجھ دار ہے بات کو خوب سمجھتا ہے، لیکن غصہ، شہوت، بُخل[10] وغیرہ اس کو اکثر عقل کا کام نہیں کرنے دیتے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ وہ فاسق[11] نہ ہو، اس لیے کہ جو شخص اللہ جلّ شانہٗ سے بھی نہ ڈرتا ہو اس کی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں، نہ معلوم کس جگہ، کس مصیبت میں پھنسا دے۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ بدعتی نہ ہو کہ اس کے تعلّقات سے بدعت کے ساتھ مُتاثّر ہو جانے کا اندیشہ[12] ہے اور اس کی نُحوست[13] کے مُتعدّی[14] ہونے کا خوف ہے، بدعتی اس کا مستحق ہے کہ اس سے تعلقات اگر ہوں تو مُنقطع[15] کر لیے جائیں، نہ یہ کہ تعلقات پیدا کیے جائیں۔ پانچویں چیز یہ ہے کہ وہ دنیا کمانے پر حَرِیص[16] نہ ہو کہ اس کی صحبت ''سَمِّ قاتل[17]'' ہے، اس لیے کہ طبیعت تشبُّہ[18] اور اقتداء[19] پر مجبور ہوا کرتی ہے اور مخفی[20] طور پر دوسرے کے اثرات لیا کرتی ہے۔ [اِحیاء]

حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ نہ رہنا، ان سے بات بھی نہ کرنا حتّٰی کہ راستہ چلتے ہوئے ان کے ساتھ راستہ بھی نہ چلنا: (۱) ایک فاسق شخص کہ وہ تجھے ایک لقمہ بلکہ ایک لقمہ سے بھی کم میں فروخت[21] کر دے گا، میں نے پوچھا کہ ایک لقمہ سے بھی کم میں فروخت کرنے کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ ایک لقمہ کی امید پر وہ تجھے فروخت کر دے پھر اس کو وہ لقمہ بھی جس کی امید تھی نہ ملے (محض اُمید پر فروخت کر

حل لغات: (۱) دنیا و آخرت۔ (۲) خوشی۔ (۳) صحبت، ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ (۴) پونجی، سرمایہ۔ (۵) نتیجہ، انجام۔ (۶) اُداسی۔ (۷) رشتہ داروں سے تعلق توڑنا۔ (۸) بے وقوف۔ (۹) اکثر مرتبہ۔ (۱۰) کنجوسی۔ (۱۱) گناہ کا کام کرنے والا۔ (۱۲) ڈر۔ (۱۳) بُرا اثر۔ (۱۴) ایک سے بڑھ کر دوسرے تک پہونچنا۔ (۱۵) توڑنا۔ (۱۶) لالچی۔ (۱۷) ہلاک کرنے والا زہر۔ (۱۸) اس جیسا بننا۔ (۱۹) پیروی کرنا۔ (۲۰) چھپا ہوا۔ (۲۱) بیچنا۔

دے)۔ (۲) بخیل[۱] کے پاس نہ جائیو کہ وہ تجھ سے ایسے وقت میں تعلق توڑ دے گا جب تو اس کا سخت محتاج ہو۔ (۳) جھوٹے کے پاس نہ جائیو کہ وہ بالو (دھوکہ) کی طرح سے قریب کو دور اور دور کو قریب ظاہر کرے گا۔ (۴) احمق کے پاس کو نہ گذرنا کہ وہ تجھے نفع پہونچانا چاہے گا اور نقصان پہونچا دے گا۔ (۵) قطع رحمی کرنے والے کے پاس کو نہ گذریو کہ میں نے اس پر قرآنِ پاک میں تین جگہ لعنت پائی ہے۔ [رَوض]

اثرات کا لینا آدمیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جس چیز کے ساتھ آدمی کا تلبُّس[۲] زیادہ ہوا کرتا ہے اُس کے اَثرات مخفی طور پر آدمی کے اندر آجایا کرتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا کہ بکریوں والوں میں مَسکَنت[۳] ہوتی ہے اور فخر، تکبر گھوڑے والوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان دونوں جانوروں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اونٹ اور بیل والوں میں شِدّت[۴] اور سخت[۵] دِلی بھی وارد ہوئی ہے۔ مُتعَدَّد روایات میں چیتے کی کھال پر سواری کی مُمانعت[۶] آئی ہے۔ علماء نے مِنجُملہ[۷] دوسری وجوہ[۸] کے اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ مُلابَست[۹] کی وجہ سے اس میں دَرِندگی[۱۰] کی خصلت[۱۱] پیدا ہوتی ہے۔ [کوکب]

دوسرا ادب حدیثِ بالا میں یہ ہے کہ "تیرا کھانا مُتقی لوگ ہی کھائیں"، یہ مضمون بھی مُتعَدَّد روایات میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنا کھانا مُتّقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنے احسان کا مومنوں کو مَورِد[۱۲] بناؤ۔ [اتحاف]
علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد دعوت کا کھانا ہے، حاجت[۱۳] کا کھانا نہیں ہے؛ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے کھانے سے اس شخص کی ضِیافَت[۱۴] کرو جس سے اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت ہو۔ [اتحاف]
دفعِ حاجت[۱۵] کے لیے کھانے میں حق تعالیٰ شانُہٗ نے قیدیوں کے کھلانے کی بھی مَدح[۱۶] فرمائی ہے اور قیدی اس زمانہ کے کافر تھے۔ [مظاہر]
جیسا کہ آیات کے سلسلے میں نمبر چونتیس ۳۴ صفحہ ۲۷ پر یہ مضمون گذر چکا ہے اور احادیث کے سلسلہ میں نمبر دس ۱۰ صفحہ ۹۵ پر گذر چکا ہے کہ ایک فاحِشہ[۱۷] عورت کی محض اسی وجہ سے مغفرت ہوئی کہ اس نے ایک پیاسے کُتّے کو پانی پلایا تھا۔ اور بھی مُتعَدَّد روایات میں مختلف مضامین سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قاعدہ اور ضابطہ[۱۸] فرما دیا کہ ہر جاندار میں اَجر ہے، اس میں مُتّقی، غیر مُتّقی، مسلم، کافر، آدمی، حیوان سب ہی داخل ہیں؛ لہٰذا احتِیاج[۱۹] اور ضرورت کے کھانے میں یہ چیزیں نہیں دیکھی جاتیں، وہاں تو احتِیاج کی شِدّت[۲۰] اور قِلّت[۲۱] دیکھی جاتی ہے، جتنی زیادہ احتِیاج ہوا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ یہ کھانا دعوت اور

حل لغات: (۱) کنجوس۔ (۲) میل جول۔ (۳) عاجزی، تواضع۔ (۴) سختی۔ (۵) دل کا سخت ہونا۔ (۶) منع کرنا۔ (۷) ان میں سے۔ (۸) وجہ کی جمع، سبب۔ (۹) میل جول۔ (۱۰) ظلم، چیر پھاڑ کرنا۔ (۱۱) عادت۔ (۱۲) یعنی ان پر احسان کرو۔ (۱۳) ضرورت۔ (۱۴) مہمانی۔ (۱۵) ضرورت کا دور کرنا۔ (۱۶) تعریف۔ (۱۷) بدکار۔ (۱۸) اُصول۔ (۱۹) ضرورت۔ (۲۰) زیادتی۔ (۲۱) کمی۔

تعلقات کا ہے، اس میں بھی اگر کوئی دینی مَصلِحت ہو، خیر کی نیت ہو تو جس درجہ کی وہ خیر اور مَصلِحت ہوگی اسی درجہ کا اجر ہوگا، البتہ اگر کوئی دینی مَصلِحت نہ ہو تو پھر کھانے والا جتنا زیادہ متقی ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر کا سبب ہوگا۔ صاحبِ مَظاہر رَحمۃُ اللہ علیہ اور امام غزالی رَحمۃُ اللہ علیہ نے لکھا کہ متقیوں کو کھلانا طاعت[1] اور نیکیوں پر اِعانت[2] ہے اور فاسقوں کو کھلانا فِسق و فُجور[3] پر اعانت ہے اور ظاہر چیز ہے کہ متقی اور نیک آدمی میں جتنی زیادہ طاقت اور قوت آئے گی عبادت میں زیادہ مصروف ہوگا اور فاسق و فاجر میں اچھے کھانوں سے جتنی زیادہ قوت ہوگی لَہو وَ لَعِب[4]، فِسق و فُجور میں بڑھے گا، جس میں اس کی اعانت ہوئی۔ ایک بزرگ اپنے کھانے کو فُقَراءِ[5] صُوفِیہ ہی کو کھلاتے تھے، کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ عام فُقَراء کو بھی کھلائیں تو بہتر ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، جب ان کو فاقہ[6] ہوتا ہے تو اس سے توجہ میں اِنتِشار[7] ہوتا ہے، میں ایک شخص کی توجہ کو اللہ جَلَّ شانُہٗ تک لگائے رکھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ ایسے ہزار آدمیوں کی اِعانت کروں جن کی ساری توجہ دنیا کی طرف ہے۔ حضرت جنید بغدادی رَحمۃُ اللہ علیہ نے جب یہ بات سنی تو بہت پسند فرمایا۔ [احیاء، اتحاف]

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحمۃُ اللہ علیہ سے ایک درزی نے دریافت کیا، کہ میں ظالم بادشاہوں کے کپڑے سیتا ہوں، کیا آپ کا خیال ہے کہ میں بھی ظالموں کی اعانت کر رہا ہوں؟ انہوں نے ارشاد فرمایا: نہیں، تو اعانت کرنے والوں میں نہیں ہے تو تو خود ظالم ہے، ظالم کی اعانت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو تیرے ہاتھ سوئی دھاگہ فروخت[8] کریں۔ [اتحاف] ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص کَرِیم[9] پر احسان کرتا ہے، اس کو غلام بنا لیتا ہے اور جو ذلیل (لَئیم[10]) شخص پر احسان کرتا ہے، اس کی دشمنی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اپنا کھانا متّقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنا احسان مؤمنین پر کرو۔ [مشکوٰۃ] اور اس میں علاوہ بالائی مَصالح[11] کے متقی اور مؤمنین کا اعزاز و اکرام بھی ہے اور یہ خود مستقل طور پر مَندوب[12] اور مامور بہ[13] ہے، اسی وجہ سے علماء نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی جس میں آپ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [مشکوٰۃ] مِنجُملہ دوسری وُجوہ کے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ فاسق کی دعوت قبول کرنے میں اس کا اعزاز و اکرام ہے۔

(۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) عبادت۔ (۲) مدد۔ (۳) گناہ اور بُرائی۔ (۴) کھیل تماشا۔ (۵) پرہیزگار فقیر لوگ۔ (۶) بھوک کی زیادتی۔ (۷) خلل، پریشانی۔ (۸) بیچنا۔ (۹) شریف آدمی۔ (۱۰) کمینہ۔ (۱۱) اوپر بیان کی ہوئی مصلحتیں۔ (۱۲) مستحب۔ (۱۳) جس کا حکم دیا گیا ہو۔

يَارَسُوْلَ اللهِ ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:	سے سوال کیا کہ سب سے افضل صدقہ کیا ہے؟
جُهْدُ الْمُقِلِّ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ.	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نادار کی انتہائی کوشش اور ابتدا اس سے کرو جس کی پرورش
[رواه أبو داؤد وغيره مشكوة]	تمہارے ذمہ ہے۔

فائدہ: یعنی جو شخص خود ضرورت مند ہو، فقیر ہو، نادار ہو، وہ اپنی کوشش سے اپنے کو مشقت میں ڈال کر جو صدقہ کرے وہ افضل ہے حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین عمل بہت سخت ہیں یعنی ان میں ہمت کا کام ہے: ایک: تنگدستی[1] کی حالت میں سخاوت[2]۔ دوسرے: تنہائی میں تقویٰ، اور اللہ کا خوف۔ تیسرے: ایسے شخص کے سامنے حق بات کا کہنا جس سے خوف ہو یا امید ہو۔ [اتحاف] یعنی اُس سے اَغراض[3] وابستہ[4] ہیں اور یہ اندیشہ ہے کہ وہ حق بات کہنے سے میری اَغراض پوری نہ کرے گا یا کسی قسم کی مضرّت[5] پہونچائے گا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کے پاک کلام میں بھی اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے جیسا کہ آیات کے سلسلے میں نمبر اٹھائیس[28] صفحہ ۶۱ پر گزرا کہ وہ حضرات باوجود اپنی حاجت[6] اور فقر کے دوسروں کو ترجیح[7] دیتے ہیں اور اس کے ذیل[8] میں اس کی کچھ تفصیل بھی گزر چکی ہے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ ارشاد فرماتے ہیں: تین شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے پاس سو دینار[9] (اشرفیاں) تھے، میں نے ان میں سے دس دینار اللہ واسطے صدقہ کر دیے، دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس دس دینار تھے، میں نے ایک دینار صدقہ کر دیا، تیسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ہی دینار تھا، میں نے اس کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تینوں کا ثواب برابر ہے، اس لیے کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں اسی قسم کا ایک اور قصہ وارد ہوا ہے، اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد جواب میں ہے کہ تم سب ثواب میں برابر ہو کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصّہ صدقہ کر دیا۔ اس حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی: لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ. [کنز] یہ آیتِ شریفہ سورۂ طلاق کے پہلے رکوع کے ختم پر ہے، پوری آیتِ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ وُسعت[10] والے کو اپنے وُسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ کرے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے موافق کیونکہ) خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اور غریب آدمی خرچ

حل لغات: (۱) غریبی۔ (۲) خوب خرچ کرنا۔ (۳) غرض کی جمع، ضرورت۔ (۴) متعلق، لگی ہوئی۔ (۵) نقصان۔ (۶) ضرورت۔ (۷) خود پر دوسروں کو برتری دینا۔ (۸) نیچے۔ (۹) سونے کے سکّے۔ (۱۰) خوشحالی۔

کرتا ہوا اس سے نہ ڈرے کہ پھر بالکل ہی نہیں رہے گا) خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلد ہی فراغت بھی دے دے گا۔

علامہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دُرِّ منثور میں اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی روایت کے ہم معنی دوسرے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت نقل کی ہے، اور ان سے بڑھ کر ایک صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ ایک درم، ایک لاکھ درم سے بھی ثواب میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک آدمی کے پاس دو ہی درم فَقَط ہیں اس نے ان میں سے ایک صدقہ کر دیا، دوسرا شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس بہت بڑی مقدار میں مال ہے، اس نے اپنے کثیر مال میں سے ایک لاکھ درم صدقہ کیے تو یہ ایک درم ثواب میں بڑھ جائے گا۔ علاّمہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامعُ الصّغیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے اس کو نقل کیا ہے اور صحیح کی علامت لکھی۔ یہی نادار[1] کی کوشش ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف دو درم ہیں یعنی سات آنے کہ ایک درم تقریباً ساڑھے تین آنے کا ہوتا ہے، ان میں سے ایک صدقہ کر دے، اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگوں کو صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تھے، تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اور اپنے اوپر بوجھ لاد کر مزدوری میں ایک مُد (جو حنفیہ کے نزدیک ایک سیر[2] وزن ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک تین پاؤ سے بھی کچھ کم ہے) کماتے اور اس کو صدقہ کر دیتے۔ [فتح] بعض روایات میں ہے کہ ہم میں سے بعض آدمی جن کے پاس ایک درم بھی نہ ہوتا تھا، بازار جاتے اور لوگوں سے اس کی خواہش کرتے کہ کوئی مزدوری پر کام کرا لے اور اپنی کمر پر بوجھ لاد کر ایک مُد مزدوری حاصل کرتے۔ راوی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک خیال ہے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ اپنا ہی حال بتایا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ باب ذکر کیا ہے، بیان اس شخص کا جو اس لیے مزدوری کرے کہ اپنی کمر پر بوجھ لادے اور پھر اس مزدوری کو صدقہ کر دے۔'' [فتح] آج ہم میں سے بھی کوئی اس اُمنگ[3] کا آدمی ہے کہ اسٹیشن پر جا کر صرف اس لیے بوجھ اُٹھائے کہ دو چار آنے جو مل جائیں گے، وہ ان کو صدقہ کر دے گا؟ ان حضرات کو آخرت کے کھانے کا ہر وقت اتنا ہی فکر رہتا تھا جتنا ہمیں دنیا کے کھانے کا، ہم اس لیے مزدوری کر سکتے ہیں کہ آج کھانے کو کچھ نہیں ہے؛ لیکن یہ اس لیے مزدوری کرتے تھے کہ آج آخرت میں جمع کرنے کو کچھ نہیں ہے۔

ابتدائے اسلام میں بعض منافق ایسے لوگوں پر طَعن[4] کرتے تھے جو مَشَقَّت اُٹھا کر تھوڑا تھوڑا صدقہ کرتے تھے، حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُن پر عتاب[5] فرمایا؛ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ

حل لغات: (۱) محتاج۔ (۲) ایک کلو سے کچھ کم۔ (۳) جذبہ۔ (۴) برا بھلا کہنا۔ (۵) غصّہ۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ [سورۂ توبہ:۷۹] ''یہ (منافق) ایسے لوگ ہیں کہ نفل صدقہ کرنے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارہ میں طعن کرتے ہیں اور (بالخصوص) ان لوگوں پر (اور بھی زیادہ) طعن کرتے ہیں، جن کو بجز[۱] محنت اور مزدوری کے کچھ میسّر نہیں ہوتا، یہ (منافق) ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ جَلَّ شانُہٗ ان کے مذاق اُڑانے کا بدلہ (اسی نوع[۲] سے) دے گا (کہ آخرت میں ان احمقوں کا بھی اوّل مذاق اڑایا جائے گا) اور دُکھ دینے والا عذاب تو اُن کے لیے ہے ہی (وہ تو ٹلتا نہیں''). مفسّرین نے اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں بہت سی روایات اس قسم کی ذکر کی ہیں کہ یہ حضرات رات بھر حمّالی[۳] کر کے مزدوری کماتے اور صدقہ کرتے اور جو کچھ تھوڑا بہت گھر میں ہوتا تو وہ اُن کی نگاہ میں صدقہ ہی کے واسطے ہوتا تھا، مجبوری کے درجہ میں کچھ خود بھی استعمال کرلیا۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سائل[۴] حاضر ہوا، آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی والدہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے کہو کہ میں نے جو چھ درم تمہارے پاس رکھے ہیں ان میں سے ایک دے دو۔ صاحبزادہ گئے اور یہ جواب لائے کہ وہ آپ نے آٹے کے واسطے رکھوائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ایمان میں اس وقت تک سچّا نہیں ہوتا جب تک اپنے پاس کی موجود چیز سے اس چیز پر زیادہ اعتماد نہ ہو جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے پاس ہے، اپنی والدہ سے کہو کہ وہ چھ درم سب کے سب دے دو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تو یاددہانی[۵] کے طور پر فرمایا تھا، ان کو اس میں کیا تامُّل[۶] ہوسکتا تھا، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دے دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ سب سائل کو دے دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی اُس جگہ سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ ایک شخص اونٹ فروخت کرتا ہوا آیا، آپ نے اس کی قیمت پوچھی، اس نے ایک سو چالیس درم بتائے، آپ نے وہ قرض خرید لیا، اور قیمت کی ادائیگی کا بعد کا وعدہ کرلیا، تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور اونٹ کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کس کا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میرا ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ فروخت کرتے ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے قیمت دریافت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو سو درم بتائے وہ خرید کر لے گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سو چالیس درم اپنے قرض خواہ یعنی پہلے مالک کو دے کر ۶۰/درم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لاکر دے دیے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی کرتا ہے اس کو دس گنا بدلہ ملتا ہے۔ [کنز العمال]

حل لغات: (۱) سوائے۔ (۲) قسم، طرح۔ (۳) بوجھ اٹھانے کی مزدوری۔ (۴) مانگنے والا۔ (۵) یاد دلانا۔ (۶) سوچ بچار۔

یہ بھی ''جُہدوالے کی مَشَقّت''، تھی کہ کُل صرف چھ[1] درم تقریباً ایک روپیہ پانچ آنے کُل موجود تھے جو آٹے کے لیے رکھے ہوئے تھے، اللہ جَلَّ شانُہٗ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے ان کو خرچ فرمادیا اور دَہ[1] دَر دنیا کا بدلہ وصول کرلیا۔ اور بھی بہت سے واقعات ان حضرات کے اللہ جَلَّ شانُہٗ پر اعتمادِ کامل کر کے سب کچھ خرچ کرڈالنے کے وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قصہ غزوۂ تبوک کا مشہور معروف ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا حکم فرمایا، تو جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لاکر پیش کردیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا؟ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو یعنی ان کی رضا کو۔ حالانکہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اُن کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں۔ [تاریخ الخلفاء] محمد بن عبّاد مُہلّبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد، مامون رشید بادشاہ کے پاس گئے، بادشاہ نے ایک لاکھ درہم ہدیہ دیا، والد صاحب جب وہاں سے اٹھ کر آئے تو سب کے سب صدقہ کردیے، مامون کو اس کی اطلاع ہوگئی، جب دوبارہ والد صاحب کی مُلاقات ہوئی تو مامون نے ناراضی کا اظہار کیا، والد صاحب نے کہا: اے امیرُ المومنین! موجود کا روکنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے۔ [اِحیاء] یعنی جو چیز موجود ہے اس کو خرچ نہ کرنا، اسی خوف سے تو ہوتا ہے کہ یہ نہ رہے گی تو کہاں سے آئے گی، تو گویا جس مالک نے اس وقت دیا ہے، اس کو دوبارہ دینا مشکل پڑ جائے گا۔ بہت سے واقعات اَسلاف[2] و اکابر کے ایسے گزرے ہیں کہ ناداری[3] کی حالت میں بھی جو کچھ تھا سب دے دیا؛ لیکن ان سب روایات اور واقعات کے خلاف احادیث میں ایک مضمون اور بھی آیا ہے، اور وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اور مشہور ارشاد ''خَيْرُ صَدَقَةٍ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى'' ہے، ''بہترین صدقہ وہ ہی ہے جو غِنا[4] سے ہو''۔ یہ مضمون بھی مُتعَدَّد روایات میں وارد ہوا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ایک قصہ وارد ہوا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، ایک شخص حاضر ہوئے اور ایک بَیْضَہ[5] کی بقدر سونا پیش کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مجھے ایک مَعدِن[6] سے مل گیا ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانب سے اِعراض[7] فرمالیا، وہ صاحب دوسری جانب سے حاضر ہوئے اور یہی درخواست مُکَرَّر[8] پیش کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے بھی منہ پھیرلیا، اسی طرح مُتعَدَّد مرتبہ ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈَلی[9] کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر وہ اُن کے لگ جاتی تو زخمی کردیتی، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ میں پیش کردیتے ہیں، پھر وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ

حل لغات: (۱) دس گنا۔ (۲) سلف کی جمع، بزرگ۔ (۳) محتاجی۔ (۴) بے نیازی۔ (۵) انڈا۔ (۶) کان، زمین سے دھاتوں کے نکلنے کی جگہ۔ (۷) منہ پھیرنا۔ (۸) دوبارہ۔ (۹) کسی چیز کا ٹکڑا۔

پھیلاتے ہیں، بہترین صدقہ وہ ہے جو غِنیٰ سے ہو۔ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی بدحالی[1] دیکھ کر) لوگوں کو کپڑا صدقہ کرنے کی ترغیب دی، لوگوں نے کچھ کپڑے پیش کیے، جن میں دو کپڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مرحمت[2] فرمائے جو اس وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے بعد دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے بھی اپنے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی اور ان کا کپڑا واپس فرما دیا۔ [ابوداوٗد] ایک اور حدیث میں اس قصّہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ یہ صاحب نہایت بُری ہیئت[3] سے مسجد میں آئے تھے، مجھے یہ امید تھی کہ تم ان کی حالت دیکھ کر خود ہی خیال کرو گے؛ مگر تم نے خیال نہ کیا تو مجھے کہنا پڑا کہ صدقہ لاؤ، تم صدقہ لائے اور ان کو دو کپڑے دے دیے پھر میں نے دوسری مرتبہ جب صدقہ کی ترغیب دی، تو یہ بھی اپنے دو کپڑوں میں سے ایک صدقہ کرنے لگے، لو اپنا کپڑا واپس لو۔ [کنزُ العُمّال] ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ بعض آدمی اپنا سارا مال صدقہ کر دیتے ہیں پھر بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھوں کو دیکھتے ہیں، بہترین صدقہ وہ ہے جو غِنیٰ سے ہو۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ بغیر غِنیٰ کے صدقہ ہی نہیں۔ [کنزالعمال]

یہ روایات بظاہر پہلی روایات کے خلاف ہیں، گو حقیقت میں کچھ خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ ان روایات میں مُمانعت کی وجہ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اشارہ فرما دیا کہ سارا مال صدقہ کر کے پھر لوگوں کے ہاتھوں کو تکتے ہیں، ایسے آدمیوں کے لیے یقیناً تمام مال صدقہ کرنا مناسب نہیں بلکہ نہایت بے جا ہے؛ لیکن جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کو اپنے پاس جو مال موجود ہو اس سے زیادہ اعتماد[4] اس مال پر ہو جو اللہ کے قبضہ میں ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصّہ میں ابھی گزرا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اَحوال تو اس سے بھی بالاتر[5] ہیں، ایسے حضرات کو سارا مال صدقہ کر دینے میں مُضائقہ[6] نہیں، البتہ اس کی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہیے کہ اپنا حال بھی ان حضرات جیسا بن جائے اور دنیا سے ایسی ہی بے رغبتی اور حق تعالیٰ شانُہٗ پر ایسا ہی اعتماد پیدا ہو جائے، جیسا ان حضرات کو تھا اور جب آدمی کسی کام کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ وہ چیز عطا فرماتے ہی ہیں۔ "مَنْ جَدَّ وَجَدَ" ضَرْبُ المَثَل[7] ہے کہ جو کوشش کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عوام کے لیے دو سو درم میں پانچ درم یعنی چالیسواں حصہ شریعت کا حکم ہے؛ لیکن ہم لوگوں پر سارا مال صدقہ کر دینا واجب ہے۔ [احیاء] اسی ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات ہیں جو احادیث کے سلسلہ میں صفحہ ۶۷ پر گذرے کہ اگر اُحُد کا پہاڑ سارے کا سارا سونا بن جائے، تو مجھے یہ گوارا[8] نہیں کہ اس میں

حل لغات: (۱) بری حالت۔ (۲) دینا۔ (۳) حالت۔ (۴) بھروسہ۔ (۵) بہت اونچے۔ (۶) حرج۔ (۷) کہاوت۔ (۸) پسند۔

سے ایک درم بھی باقی رکھوں بجز[1] اس کے جو قرض کی ادائیگی کے لیے ہو، اسی بناء پر حضور اقدس ﷺ عصر کی نماز کے بعد نہایت عُجلت[2] سے مکان تشریف لے گئے اور سونے کا ٹکڑا جو گھر میں اتفاق سے رہ گیا تھا اس کو صدقہ کا حکم فرما کر واپس تشریف لائے اور چند داموں کی موجودگی کی وجہ سے اپنی علالت[3] میں بے چین ہو گئے جیسا کہ سلسلہ احادیث میں نمبر چار[4] صفحہ ۸۱ پر گزرا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں فرمایا کہ صدقہ بغیر غنٰی کے نہیں ہے اور جو شخص ایسی حالت میں صدقہ کرے کہ وہ خود محتاج ہو یا اس کے اہل وعیال محتاج ہوں یا اس پر قرض ہو، تو قرض کا ادا کرنا مُقدّم ہے، ایسے شخص کا صدقہ اس پر لوٹا دیا جائے گا؛ البتہ اگر کوئی شخص صبر کرنے میں معرُوف[4] ہو اور اپنے نفس پر باوجود اپنی احتیاج[5] کے ترجیح دے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فعل تھا یا انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح[6] دی (تو اس میں مُضَائِقہ[7] نہیں) علامہ طَبَری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اپنا سارا مال صدقہ کر دے بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو اور تنگی کی اس میں برداشت ہو اور اس کے عیال[8] نہ ہوں یا اگر ہوں تو وہ بھی اس کی طرح سے صابر[9] ہوں تو سارا مال صدقہ کرنے میں کوئی مُضَائِقہ نہیں اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو سارا مال صدقہ کرنا مکروہ ہے۔ [فتح]

ہمارے حضرت حکیم الامّت شاہ ولی اللہ صاحب نوَّرَاللہُ مَرقَدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ (حضور ﷺ کے پاک ارشاد) ''بہترین صدقہ وہ ہے جو غنٰی[10] سے ہو'' میں غنٰی سے مُراد دل کا غنٰی ہے۔ [حجۃ اللہ]

اس صورت میں یہ احادیث پہلی احادیث کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ خود حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد بھی احادیث میں آیا ہے کہ غنٰی مال کی کثرت سے نہیں ہوتا، بلکہ اصل غنٰی دل کا غنٰی ہوتا ہے۔ [مشکوٰۃ]

اوپر جو قصّہ سونے کی ڈلی کا گذرا اس میں بھی اشارۃً یہ مضمون ملتا ہے کہ ان صاحب کا بار بار یہ عرض کرنا کہ یہ سارا صدقہ ہے اور میرے پاس اس کے سِوا کچھ نہیں ہے، اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ دل کو اس سے وَابستگی[11] ہے۔ صاحبِ مظاہر فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ صدقہ غنا سے دیا جائے چاہے غناءِ نفس ہو یعنی اللہ جَلَّ شانُہٗ پر اعتمادِ[12] کامل ہو جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب تمام مال اللہ کے لیے دے دیا اور حضور ﷺ کے اس ارشاد پر کہ اپنے عیال کے لیے کیا چھوڑا، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ۔ تو حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر مال کا غنا باقی رہے، حاصل یہ ہے کہ توکُّل کامل ہو تو جو چاہے خرچ کر دے اور یہ کامل نہ ہو تو اہل وعیال کی رعایت کو مُقدّم کرے۔ [مظاہر]

مگر اپنے دل کو اپنی اس کوتاہی پر تنبیہ کرتا رہے اور غَیرت[13] دلاتا رہے کہ تجھے اس ناپاک دنیا پر جتنا

حل لغات: ① سوائے۔ ② جلدی۔ ③ بیماری۔ ④ مشہور۔ ⑤ ضرورت۔ ⑥ فضیلت۔ ⑦ حرج۔ ⑧ بال بچے۔ ⑨ صبر کرنے والے۔ ⑩ بے نیازی۔ ⑪ لگاؤ۔ ⑫ بھروسہ۔ ⑬ شرم۔

اعتماد ہے اللہ جَلَّ شانُہٗ پر اس کا آدھا تہائی بھی نہیں ہے ان شاء اللہ اس کے بار بار تنبیہ سے ضرور اثر ہوگا کاش حق تعالیٰ شانُہٗ ان اکابر کے توکّل اور اعتماد کا کچھ حصّہ اس کمینہ کو بھی عطا فرما دیتا۔

㉕ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهٗ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے ایسی طرح صدقہ کرے کہ (اِسراف[1] وغیرہ سے) اس کو خراب نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے کا ثواب ہے اور خاوند[2] کو اس لیے ثواب ہے کہ اس نے کمایا تھا اور کھانے کا انتظام کرنے والے کو (مرد ہو یا عورت) ایسا ہی ثواب ہے اور ان تینوں میں سے ایک کے ثواب کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں دو مضمون وارد ہوئے ہیں: ایک بیوی کے خرچ کے متعلق ہے، دوسرا سامان کے محافظ خزانچی اور منتظم کے متعلق ہے اور دونوں مضامین میں روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ شیخین کی ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جب عورت خاوند کی کمائی میں سے اس کے بغیر حکم کے خرچ کرے تو اس عورت کو آدھا ثواب ہے۔ [مشکوٰۃ]

حضرت سعد رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی جماعت کو بیعت کیا تو ایک عورت کھڑی ہوئیں جو بڑے قد کی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ قَبیلۂ مُضَر کی ہوں کہ ان کے قد لانبے ہوتے ہوں گے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم عورتیں اپنے والدوں پر بھی بوجھ ہیں، اپنی اولاد پر بھی اور اپنے خاوندوں پر بھی بوجھ ہیں، ہمیں ان کے مال میں سے کیا چیز لینے کا حق ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تروتازہ چیزیں (جن کے روکنے میں خراب ہونے کا اندیشہ[3] ہو) کھا بھی سکتی ہو اور دوسروں کو بھی دے سکتی ہو۔ [مشکوٰۃ]

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ روٹی کے ایک لقمہ اور کھجور کی ایک مُٹّھی کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں: ایک گھر کے مالک کو یعنی خاوند کو، دوسرے بیوی کو جس نے یہ کھانا پکایا، تیسرے اس خادم کو جو دروازہ تک مِسکین[4] کو دے کر آیا۔ [کنز العمال]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ[5] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی چیز

حل لغات: ① فضول خرچی۔ ② شوہر۔ ③ خوف۔ ④ فقیر۔ ⑤ بہن۔

نہیں ہے بجز[1] اس کے جو (میرے خاوند) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مجھے دے دیں، کیا میں اس میں سے خرچ کر لیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب خرچ کیا کرو باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر بھی بندش کردی جائے گی۔ [کنز]

یہ روایت اور اس کے ہم معنی کئی روایتیں ابھی گزری ہیں، ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب عورت خاوند کی کمائی میں سے اس کے بغیر حکم کے خرچ کرے تو خاوند کو آدھا ثواب ہے۔ [عینی عن مسلم]

ابھی ایک روایت میں اس کا عکس[2] گزر چکا کہ ایسی صورت میں عورت کے لیے آدھا ثواب ہے؛ لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند کی کمائی سے خرچ کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ خاوند نے کما کر مال کا کچھ حصہ عورت کو بالکل دے دیا، اس کو مالک بنا دیا، ایسے مال میں سے اگر عورت خرچ کرے تو اس کو پورا ثواب اور خاوند کو نصف ثواب بظاہر ہے کہ خاوند تو بہر حال عورت کو دے چکا ہے، اب اگر وہ خرچ کرتی ہے تو حقیقت میں خاوند کے مال میں سے خرچ نہیں کرتی، بلکہ اپنے مال میں سے خرچ کرتی ہے؛ لیکن کمائی چونکہ خاوند کی ہے، اس لیے اس کو بھی اللہ کے لُطف و کرم سے اس کی کمائی کی وجہ سے اس کے صدقہ کرنے کا آدھا ثواب ہے اور بیوی کو دے دینے کا مستقل ثواب پہلے علیحدہ ہو چکا ہے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ خاوند نے کمانے کے بعد عورت کو مالک نہیں بنایا بلکہ گھر کے اِخراجات[3] کے لیے اس کو دیا ہے، اس مال میں سے صدقہ کرنے کا خاوند کو پورا پورا ثواب ہو کہ وہ اصل مالک ہے اور عورت کو آدھا کہ اخراجات میں تنگی[4] تو اس کو بھی پیش آئے گی، ان کے علاوہ اور بھی مُتعدّد روایات میں مختلف عنوانات سے عورتوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ کھانے کی چیزوں میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کیا کریں، ذرا ذرا سی چیزوں میں یہ بہانہ تلاش نہ کیا کریں کہ خاوند کی اجازت تو لی نہیں؛ لیکن ان سب روایات کے خلاف بعض روایات میں اس کی مُمانَعت[5] بھی وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوَداع کے خطبہ میں منجُملہ اور ارشادات کے یہ بھی فرمایا کہ کوئی عورت خاوند کے گھر سے (یعنی اس کے مال میں سے) بغیر اس کی اجازت کے خرچ نہ کرے، کسی نے دریافت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی بغیر اجازت خرچ نہ کرے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا تو بہترین مال ہے۔ [ترغیب عن الترمذی]

یعنی اس کو بھی بغیر اجازت خرچ نہ کرے، اس روایت کو پہلی روایات سے کوئی حقیقت میں مخالفت نہیں ہے، پہلی سب روایات عام حالات اور معروف[6] عادات کی بناء پر ہیں، گھروں کا عام عرف سب جگہ یہی ہے اور یہی ہوتا ہے کہ جو چیزیں سامان یا روپیہ پیسہ گھر میں اخراجات[7] کے واسطے دے دیا جاتا ہے، اس میں خاوِندوں[8] کو اس سے خلاف نہیں ہوتا کہ عورتیں اس میں سے کچھ صدقہ کر دیں یا غُرَباء کو کچھ

حل لغات: (۱) سوائے۔ (۲) اُلٹا۔ (۳) خرچ۔ (۴) پریشانی۔ (۵) ناجائز ہونا۔ (۶) مشہور۔ (۷) خرچ۔ (۸) شوہروں۔

کھانے کو دے دیں؛ بلکہ خاوندوں کا ایسی چیزوں میں کُنج کاؤ اور پوچھنا تحقیق کرنا کنجوسی اور چھچھورپن شمار ہوتا ہے؛ لیکن اس عرفِ[1] عام کے باوجود اگر کوئی بخیل اس کی اجازت نہ دے کہ اس میں سے کسی کو دیا جائے تو پھر عورت کو جائز نہیں کہ اس کے مال میں سے کچھ صدقہ کرے یا ہدیہ دے، البتہ اپنے مال میں سے جو چاہے خرچ کرے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی میرے مال میں سے میری بغیر اجازت خرچ کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں کو اس کا ثواب ہوگا، انہوں نے عرض کیا میں اس کو منع کر دیتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے تیرے بُخل کا بدلہ ملے گا، اس کو اس کے احسان کا اجر ہوگا۔ [کنز]

معلوم ہوا کہ خاوندوں کا ایسی معمولی چیز سے روکنا بُخل ہے اور اس کے روکنے کے بعد اس کے مال میں سے عورت کو خرچ کرنا جائز نہیں، البتہ عورت کا اگر دل خرچ کرنے کو چاہتا ہے اور خاوند کی مجبوری سے رکی ہوئی ہے تو اس کو اسکی نیّت کی وجہ سے صدقہ کا ثواب ملتا ہی رہے گا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقیقت میں ان چیزوں میں ہر شہر کا عُرف اور عادت مختلف ہوتی ہے اور خاوندوں کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں؛ بعض پسند کرتے ہیں بعض پسند نہیں کرتے اسی طرح جو چیز خرچ کی جائے اس کے اعتبار سے بھی مختلف احوال ہوتے ہیں ایک تو معمولی چیز قابلِ تَسامُح[2] ہوتی ہے اور کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی خاوند[3] کو اہمیت ہو، اسی طرح سے کوئی تو ایسی چیز ہوتی ہے جس کے رکھنے میں اس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ[4] ہو اور کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس کو روکنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ یہ شرط تو مُتَّفَق عَلَیہ ہے کہ وہ عورت خرچ کرنے میں فساد کرنے والی نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیبیں حِجاز کے عُرف کے موافق وارد ہوئی ہیں وہاں بیویوں کو اس قسم کے تصرُّفات کی عام اجازت ہوتی تھی کہ وہ مَساکین کو، مہمان کو، پڑوس کی عورتوں کو، سوال کرنے والوں کو کھانے وغیرہ کی چیزیں دے دیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان روایات سے اپنی اُمت کو ترغیب دینا ہے کہ عرب کی یہ نیک خَصلَت[5] اختیار کریں۔ [مظاہر]

چنانچہ ہمارے دِیار میں بھی بہت سے گھروں میں یہ عُرف ہے کہ اگر سائل کو یا کسی عزیز یا ضرورت مند کو، بھوکے کو کھانے پینے کی چیزیں دے دی جائیں تو خاوندوں کے نزدیک یہ چیز نہ اُن سے قابلِ اجازت ہے نہ یہ اُن کے لیے مُوجِب[6] تکدُّر ہوتا ہے۔ دوسرا مضمون حدیث بالا میں محافظ[7] اور خزانچی کے متعلق وارد ہوا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل مالک کسی شخص کو ہدیہ دینے کی، صدقہ کرنے کی خواہش رکھتا

حل لغات: (۱) رواج۔ (۲) معافی کے لائق۔ (۳) شوہر۔ (۴) خوف۔ (۵) عادت۔ (۶) ناپسندیدگی کا سبب۔ (۷) نگہبان۔

ہے؛ مگر یہ خزانچی اور مُحافِظ[1] کارکن اس میں رَخنہ[2] پیدا کیا کرتے ہیں، بالخصوص اُمَراء اور سلاطین[3] کے یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مالک کی طرف سے صدقات کے پروانے جاری ہوتے ہیں اور یہ مِیر مُنشی[4] ہمیشہ عدم گنجائش کا عذر کھڑا کرتے ہیں، اس لیے حضوراقدس ﷺ نے مُتعَدّد روایات میں اس کی ترغیب دی ہے کہ کارکن حضرات اگر نہایت طیبِ خاطر[5] اور خندہ[6] پیشانی سے مالک کے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو محض ذریعہ اور واسطہ ہونے کی وجہ سے اللہ کے فضل وانعام سے مستقل ثواب ملے جیسا کہ اوپر کے مضمون میں مُتعَدّد روایات اس کی گذر چکی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان خزانچی امانت دار مالک کے حکم کی تعمیل پُوری پُوری خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ کرے اور جتنا دینے کا اس کو حکم ہے اتنا ہی دے دے، تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں ہے۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں ہے کہ اگر صدقہ (بالفرض) سات کروڑ آدمیوں کے ہاتھ میں سے نکل کر آئے تو آخر والے کو بھی ایسا ہی ثواب ہوگا جیسا کہ اوّل والے کو۔ [کنز]

یعنی مثلاً کسی بادشاہ نے صدقہ کا حکم دیا اور اس کے عملہ کے اتنے آدمیوں کو اس میں واسطہ بننا پڑا تو سب کو ثواب ہوگا، یعنی اجر وثواب کے اعتبار سے وہ بھی سب ایسے ہی ہیں جیسا کہ صدقہ کرنے والا ثواب کا مستحق ہے، گو دونوں کے ثواب میں فرقِ مراتب[7] ہو، اور فرقِ مراتب کے لیے ضروری نہیں کہ مالک ہی کا ثواب زیادہ ہو، کہیں مالک کا ثواب زیادہ ہوگا، مثلاً سو روپیہ ملازم کو دیے یا خزانچی کو حکم کرے کہ فلاں شخص کو جو دروازہ پر یا اپنے پاس موجود ہے دے دے، اس صورت میں یقیناً مالک کو ثواب زیادہ ہوگا اور ایک انار کسی کو دے کہ فلاں محلّہ میں جو بیمار ہے اس کو دے آؤ کہ اتنی دور جانا انار کی قیمت سے بھی مَشقّت[8] کے اعتبار سے بڑھ جائے تو اس صورت میں اس واسطہ کا ثواب اصل مالک سے بھی بڑھ جائے گا۔ [عینی]

اسی طرح اس خَازِن[9] کو مال کی تحصیل میں مشقّت زیادہ اٹھانی پڑتی ہو اور مالک کو بے محنت مفت میں مل جائے تو ایسے مال کے صدقہ کرنے میں یقیناً خازن کا ثواب زیادہ ہو جائے گا کہ "اَلأَجْرُ عَلٰی قَدْرِ النَّصَبِ" ثواب مشقّت کی بقدر ہوا کرتا ہے، یہ شریعتِ مُطہّرہ کا مُستقِل ضابطہ ہے؛ لیکن جیسا کہ بیوی کے لیے بغیر اِذنِ خَاوِند کے تصَرُّف کرنے کا فِی الجُملہ حق ہے، خازن کے لیے یہ جائز نہیں کہ بغیر اذنِ مالک کے کوئی تصَرُّف اس کے مال میں کرے البتہ اگر مالک کی طرف سے تصَرُّف کی اجازت ہو تو مُضَائِقہ[10] نہیں۔

(۲۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا	حضوراقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بھلائی صدقہ

حل لغات: (۱) عملہ۔ (۲) رکاوٹ ڈالنے۔ (۳) بادشاہوں۔ (۴) منیجر۔ (۵) خوشی۔ (۶) خوش مزاجی۔ (۷) درجوں کا فرق۔ (۸) تکلیف۔ (۹) خزانچی۔ (۱۰) حرج۔

مَرْفُوعًا فِيْ حَدِيْثٍ لَفْظُهٗ : كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ، وَالدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ وَاللّٰهُ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔	ہے اور کسی کارِخیر پر دوسرے کو ترغیب دینے کا ثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ خود کرنے کا ثواب ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کو محبوب رکھتا ہے۔

[كذا في المقاصد الحسنة و بسط في تخريجه وطرقه وذكر السيوطي في الجامع الصغير حديث الدّال على الخير كفاعله من رواية ابن مسعود وأبي مسعود وسهل بن سعد وبريدة وانس]

فائدہ: اس حدیث پاک میں تین مضمون ہیں: اول یہ کہ ہر بھلائی صدقہ ہے، یعنی صدقہ کے لیے مال ہی دینا ضروری نہیں ہے اور صدقہ اسی میں مُنْحَصِر[2] نہیں بلکہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے وہ ثواب کے اعتبار سے صدقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کیا کرے۔ صحابہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی طاقت کس کو ہے (کہ تین سو ساٹھ صدقہ روزانہ کیا کرے) حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: مسجد میں تھوک پڑا ہو اس کو ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے، راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اس کو ہٹا دو، یہ بھی صدقہ ہے اور کچھ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام[3] ہو جاتی ہے۔ [مشکوٰۃ]

اس لیے کہ نماز میں ہر جوڑ کو اللہ کی عبادت میں حرکت کرنا پڑتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ جب آفتاب طلوع[4] ہوتا ہے تو آدمی پر ہر جوڑ کے بدلے میں ایک صدقہ ہے، دو آدمیوں کے درمیان انصاف کر دو یہ بھی صدقہ ہے، کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دو یہ بھی صدقہ ہے، اس کا سامان اٹھا کر دے دو یہ بھی صدقہ ہے۔ کلمۂ طَیِّبَہ (یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھنا) بھی صدقہ ہے، ہر وہ قدم جو نماز کے لیے چلے صدقہ ہے، کسی کو راستہ بتا دو یہ بھی صدقہ ہے، راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ [جامع صغیر]

ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ آدمی کے ہر جوڑ کے بدلہ میں اس پر صدقہ ضروری ہے، ہر نماز صدقہ ہے، روزہ صدقہ ہے، حج صدقہ ہے، سُبْحَانَ اللہِ کہنا صدقہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا صدقہ ہے، اَللہُ اَکْبَرُ کہنا صدقہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی راستہ میں مل جائے اس کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔ [ابوداؤد]

اور بھی اس قسم کی مُتَعَدَّد روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بھلائی، ہر نیکی، ہر احسان صدقہ ہے، بشرطیکہ اللہ کے واسطے ہو؛ دوسری چیز حدیث بالا میں یہ ذکر کی گئی کہ جو شخص کسی کارِ خَیرْ پر کسی کو ترغیب دے اس کو بھی ایسا ہی ثواب ہے جیسا کرنے والے کو، یہ حدیث مشہور ہے، بہت سے صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ بھلائی کا راستہ بتانے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ

حل لغات: (۱) اچھے کام۔ (۲) موقوف۔ (۳) سب کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ (۴) سورج نکلتا۔

اس کو کرنے والا ہو، حق تعالیٰ شانُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ کی عطا اور احسان بخشش اور انعام کا کیا ٹھکانا ہے، اس کی عطائیں، اس کے اَلطاف[1] بے محنت ملتے ہیں؛ مگر ہم لینا ہی نہ چاہیں تو اس کا کیا علاج ہے، ایک شخص خود نفلیں کثرت سے نہیں پڑھ سکتا وہ دوسروں کو ترغیب دے کر نفلیں پڑھوائے اس کو بھی ان کا ثواب ہو خود نادار[2] ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مال کثرت[3] سے خرچ نہیں کرسکتا، دوسروں کو ترغیب دے کر خرچ کرائے اور خرچ کرنے والوں کے ساتھ خود بھی ثواب کا شریک بنے، ایک شخص خود روزے نہیں رکھ سکتا، حج نہیں کرسکتا، جہاد نہیں کرسکتا اور کوئی عبادت نہیں کرسکتا؛ لیکن ان چیزوں کی دوسروں کو ترغیب دیتا ہے اور خود ان سب کا شریک بنتا ہے، بہت غور سے سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر آدمی اپنے آپ ہی ان سب عبادتوں کو کرنے والا ہو تو ایک ہی کے کرنے کا ثواب تو ملے گا؛ لیکن ان چیزوں پر سو آدمیوں کو ترغیب دے کر کھڑا کردے تو سو کا ثواب ملے گا اور ہزار دو ہزار کو اور ان سے زیادہ کو لگادے تو جتنے لوگوں کو آمادہ[4] کردے گا سب کا ثواب ملتا رہے گا اور لُطف[5] یہ ہے کہ خود اگر مَر بھی جائے گا تو ان اعمال کے کرنے والوں کے اعمال کا ثواب بعد میں بھی پہونچتا رہے گا، کیا اللہ جَلَّ شانُہٗ کے احسانات کی کوئی حد ہے اور کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو لاکھوں کو اپنی زندگی میں دینی کاموں پر لگا گئے اور اب مرنے کے بعد وہ ان اعمال کے کرنے والوں کے ثواب میں شریک ہیں، میرے چچا جان مولانا مولوی محمد الیاس صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ فرمایا کرتے تھے اور مَسرَّت[6] سے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے بعد آدمیوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں، میں ملک کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ میوات کا خِطّہ جہاں لاکھوں آدمی ان کی کوشش سے نمازی بنے، ہزاروں تہجد گزار بنے، ہزاروں حافظِ قرآن، ان سب کا ثواب ان شاء اللہ ان کو ملتا رہے گا، اور اب یہ خوش قسمت جماعت عرب اور عجم[7] میں تبلیغ کررہی ہے، ان کی کوشش سے جتنے آدمی کسی دینی کام میں لگ جائیں گے، نماز و قرآن پڑھنے لگیں گے اس سب کا ثواب ان کوشش کرنے والوں کو بھی ہوگا اور ان کو بھی ہوگا جن کو یہ مسرت تھی کہ میں ملک کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ زندگی بہر حال ختم ہونے والی چیز ہے اور مرنے کے بعد وہی کام آتا ہے جو اپنی زندگی میں آدمی کرلے، زندگی کے ان لمحات کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیے اور جو چیز ذخیرہ بنائی جاسکتی ہے اس میں کَسَر[8] نہ چھوڑنی چاہیے اور بہترین چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب مَرنے کے بعد بھی ملتا رہے۔ میرے بزرگوار اور دوستو! وقت کو بہت غنیمت سمجھو اور جو ساتھ لے جانا ہے لے جاؤ، بعد میں نہ کوئی باپ پوچھتا ہے نہ بیٹا، سب چند روز روکر چپ ہو جائیں گے اور بہترین چیز صدقۂ جاریہ[9] ہے۔ تیسری چیز حدیثِ بالا میں یہ ذکر فرمائی ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ

حل لغات: (۱) مہربانیاں۔ (۲) غریب۔ (۳) زیادتی۔ (۴) راضی۔ (۵) مزہ۔ (۶) خوشی۔ (۷) غیر عرب۔ (۸) کمی۔ (۹) جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے۔

مصیبت[1] زدہ لوگوں کی فریادرسی[2] کو پسند کرتے ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ اس پر رحم نہیں فرماتے جو آدمیوں پر رحم نہیں کرتا۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مصیبت زدہ عورتوں کی مدد کرتا ہے یا غریب کی مدد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا ہو اور غالبًا یہ بھی فرمایا کہ اور وہ ایسا ہے جیسا کہ تمام رات نفلیں پڑھنے والا ہو کہ ذرا بھی سُستی نہیں کرتا اور وہ ایسا ہے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی افطار نہ کرتا ہو۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مومن سے دنیا کی کسی مُصیبت کو زائل[3] کرتا ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس سے قیامت کے دن کی مصیبت کو زائل کرتا ہے، اور جو شخص کسی مُشکل میں پھنسے ہوئے کو سہولت[4] پہونچاتا ہے اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کو دنیا اور آخرت کی سہولت عطا فرماتا ہے، جو شخص کسی مسلمان کی دنیا میں پردہ[5] پوشی کرتا ہے اللہ جَلَّ شانُہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت[6] پوری کرے اس کو ایسا ثواب ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی تمام عمر خدمت (عبادت) کی ہو۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حاکم[7] تک پہونچائے تو اُس کی پل صراط پر چلنے میں مدد کی جائے گی، جس دن کہ اس پر پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کریں، ان کے کاموں میں مدد دیا کریں، یہ لوگ قیامت کے سخت دن میں بےفکر ہوں گے ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مُضطَر[8] بھائی کی مدد کرے حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو اس دن ثابت[9] قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ ٹھہر سکیں گے (یعنی قیامت کے دن) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی کسی کلمہ سے اِعانت[10] کرے یا اس کی مدد میں قدم چلائے حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر تہتر ۷۳ رحمتیں نازل فرماتے ہیں، جن میں سے ایک میں اس کی دُنیا اور آخرت کی درستگی ہے اور بہتر ۷۲ آخرت میں رَفعِ دَرَجات[11] کے لیے ذخیرہ ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس قسم کے مضامین کی صاحبِ کنزُ العُمّال نے نقل کی ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ تعلق میں، ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب بدن کا کوئی عُضو ماؤف[12] ہو جاتا ہے، تو سارے اعضاء جاگنے میں، بخار میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ [مشکوٰۃ] یعنی جیسا کہ ایک عضو کی تکلیف سے سارے اعضاء بےچین ہو جاتے ہیں، مثلاً ہاتھ میں زخم ہو جاتا ہے تو پھر کسی عضو

حل لغات: (۱) مصیبت کا مارا ہوا۔ (۲) مدد کرنا، انصاف۔ (۳) دور۔ (۴) آسانی۔ (۵) عیب چھپاتا ہے۔ (۶) ضرورت۔ (۷) بادشاہ۔ (۸) پریشان۔ (۹) جمائے۔ (۱۰) مدد۔ (۱۱) درجات کی بلندی۔ (۱۲) سُن ہونا۔

کو بھی نیند نہیں آتی سب کو جاگنا پڑتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اکڑاہٹ سے سارے بدن کو بخار ہوجاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سے سب کو بے چین ہوجانا چاہیے، ایک اور حدیث میں ہے کہ رحم کرنے والے آدمیوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے، تم ان لوگوں پر رحم کرو، جو دنیا میں ہیں، تم پر وہ رحم کریں گے جو آسمان میں ہیں اس سے حق تعالیٰ شانُہٗ بھی مراد ہوسکتے ہیں اور فرشتے بھی۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو اور بدترین[1] گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص میری اُمّت میں سے کسی شخص کی حاجت[2] پوری کرے، تاکہ اس کی خوشی ہو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا، اس نے اللہ جَلَّ شانُہٗ کو خوش کیا اور جو شخص حق تعالیٰ شانُہٗ کو خوش کرتا ہے وہ اس کو جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مُصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا ہے اس کے لیے تہتّر درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک درجہ سے اس کی درستگی ہوتی ہے (یعنی لَغزِشوں[3] کا بدلہ ہوجاتا ہے) باقی بہتر درجے رفع درجات کا سبب ہوتے ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیَال ہے، آدمیوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ جَلَّ شانُہٗ کے نزدیک وہ ہے جو اس کی عیَال[4] کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ [مشکوٰۃ]

مخلوق ساری کی ساری اللہ کی عیال ہے، مشہور حدیث ہے کہ مُتعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل کی گئی، علماء نے لکھا ہے کہ جیسا آدمی اپنے عیال کی روزی کا اہتمام کرنے والا ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ شانُہٗ بھی اپنی ساری مخلوق کے روزی رساں[5] ہیں، اسی لحاظ سے ان کو اللہ کی عیال بتایا گیا۔ [مقاصد حسنہ]

اور اس صفت میں مسلمانوں کی بھی خصوصیّت نہیں ہے مسلمان، کافر سب ہی شریک ہیں بلکہ سارے حیوانات[6] اس میں داخل ہیں کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی مخلوق اور اس کی عیال ہیں جو شخص سب کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہوگا وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

(۲۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ۔ [رواه أحمد كذا في المشكوٰة]	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ریاء[7] کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریاء کے ارادہ سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے ریاء کی نیّت سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

حل لغات: (۱) خراب۔ (۲) ضرورت۔ (۳) غلطیوں۔ (۴) کنبہ۔ (۵) روزی دینے والے۔ (۶) جانور۔ (۷) دکھلانے۔

فائدہ: یعنی جس نے اپنی ان عبادتوں میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ دُوسروں کو شریک بنالیا اور وہ وہ لوگ ہیں جن کو دکھانا مقصود ہے، اس نے اپنی عبادت کو خالص حق تعالیٰ شانُہٗ کے لیے نہیں رکھا، بلکہ اس کی عبادت سا[1]جھے کی عبادت بن گئی اور اس عبادت کی غرض میں ان کا حصّہ بھی ہوگیا، جن کو دکھانا مقصود ہے، یہ بہت ہی اہم چیز ہے، اس پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں، مقصد یہ ہے کہ جو عبادت بھی ہو خالص اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے ہو، اس میں کوئی فاسد[2] غرض، ریاء، شہرت، وجاہت[3] وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اس میں نیکی برباد، گناہ لازم ہوجاتا ہے۔ احادیث میں بہت کثرت سے اس پر وعیدیں اور تنبیہیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں حق سُبحانہٗ وتقدّس کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں سب شریکوں میں سب سے زیادہ بے پرواہوں، جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کردیتا ہے، میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے (بنائے ہوئے) شریک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔ [مشکوٰۃ]

یعنی وہ اپنا بدلہ اور ثواب اس شریک سے جا کر لے لے مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک مُنَادِی[4] اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے، وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جَلَّ شانُہٗ شرکت سے بے نیاز[5] ہے۔ [مشکوٰۃ]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، تو ہم لوگ دجّال کا تذکرہ کررہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجال سے بھی زیادہ خوف کرتا ہوں، ہم نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شرکِ خفی ہے، مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے (اخلاص سے شروع کی ہے کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھنے لگے) وہ آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کردے۔ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: چھوٹا شرک کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ریاء'' ہے۔ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جس دن حق تعالیٰ شانُہٗ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے، ان لوگوں سے یہ ارشاد ہوگا کہ جن کو دکھانے کے لیے کیے تھے، دیکھو ان کے پاس تمہارے اعمال کا بدلہ ہے یا نہیں۔ [مشکوٰۃ]

قرآنِ پاک میں بھی حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ [سورۂ کہف: ۱۱۰] ''جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور ان کا محبوب ومُقَرّب[6] بننا چاہے) تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک

حل لغات: (۱) شریک۔ (۲) خراب ارادہ۔ (۳) عزت۔ (۴) اعلان کرنے والا۔ (۵) بے پرواہ۔ (۶) قریب۔

نہ کرے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں بعضے (دینی) مواقع میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے کھڑا ہوتا ہوں، مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میری اس کوشش کو لوگ دیکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں صدقہ کرتا ہوں اور صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا مقصود ہوتی ہے مگر دل یہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ایک حدیث قُدسی میں ہے حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شریک کرتا ہے تو میں اس عمل کو سارے ہی کو چھوڑ دیتا ہوں، میں صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لیے ہو، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں ہے اللہ جَلَّ شانُہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ بہترین تقسیم کرنے والا ہوں، جو شخص اپنی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو ساجھی(۱) کر دے میں اپنا حِصّہ بھی اس ساجھی کو دے دیتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنّم میں ایک وادی ایسی ہے، جس سے جہنم خود بھی چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے، وہ ریا کار قاریوں(۲) کے واسطے ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ جُبُّ الحُزْن سے پناہ مانگا کرو (یعنی غم کے کُنویں سے جو جہنم میں ہے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس میں کون لوگ رہیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ قرآنِ پاک میں سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ [درِمنثور]

قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ الآیۃ [سورۂ بقرہ: ۲۶۴] ''اے ایمان والو! تم احسان جتا(۳) کر یا اِیذا(۴) پہونچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو، جس طرح وہ شخص (برباد) کرتا ہے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دِن پر، اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک چکنا پتھر ہو جس پر کچھ مٹی آ گئی ہو (اور اس مٹّی میں کچھ سبزہ وغیرہ جم گیا ہو) پھر اس پتّھر پر زور کی بارش پڑ جائے سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے گی (اسی طرح ان احسان رکھنے والوں، ایذا دینے والوں اور ریاکاروں کا خرچ کرنا بھی بالکل صاف اُڑ جائے گا اور قیامت کے دن) ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی یعنی جو نیکیاں کی تھیں صدقات دیے تھے یہ سب ضائع(۵) جائیں گے اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ قرآنِ پاک میں ریاء کی مَذمّت(۶) فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا اس کو بلایا جائے گا اور

حل لغات: (۱) شریک۔ (۲) دکھلاوے کے لیے قرآن پڑھنے والے۔ (۳) یاد دلاکر۔ (۴) تکلیف۔ (۵) برباد ہو۔ (۶) بُرائی۔

بلانے کے بعد دنیا میں جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے انعامات اس پر ہوئے تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے اس کے بعد اس سے مُطالبہ ہوگا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا نیک عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری رضا[1] جوئی میں جہاد کیا حتّٰی کہ شہید ہوگیا (اور تجھ پر قربان ہوگیا) ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے تو نے جہاد اس لیے کیا تھا کہ لوگ بڑا بہادر بتائیں گے، وہ تجھے بہت بڑا بہادر بتا چکے ہیں (جو غرض[2] عمل کی تھی وہ پوری ہوگئی ہے) اس کے بعد اس کو جہنّم میں پھینک دینے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیلِ[3] حکم میں اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ دوسرا شخص ایک عالم ہوگا جس کو بلا کر اللہ جَلَّ شانُہٗ کے انعامات اور احسانات جتا کر اس سے بھی دریافت[4] کیا جائے گا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی ان نعمتوں میں تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا تیری رضا جوئی میں قرآن پاک پڑھتا رہا ارشاد ہوگا یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا عالم بڑا قاری ہے، سو لوگوں نے کہہ دیا ہے (اور جو مقصد اس محنت سے تھا وہ حاصل ہو چکا ہے) اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیلِ حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ تیسرا شخص ایک سخی ہوگا جس پر اللہ جَلَّ شانُہٗ نے دنیا میں بڑی وُسعت[5] فرما رکھی تھی، ہر قسم کے مال سے اس کو نوازا تھا، اس کو بلایا جائے گا اور جو انعامات اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس پر دنیا میں فرمائے تھے وہ جتا[6] کر سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا کارگزاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے خیر کا کوئی موقع جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی[7] کے لیے خرچ نہ کیا ہو، ارشاد ہوگا یہ جُھوٹ ہے تو نے مَحض[8] اس لیے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے بڑا سخی شخص ہے سو کہا جا چکا ہے۔ اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم ہوگا اور تعمیلِ حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ بروایت مسلم]

اس حدیث میں اور اسی طرح اور احادیث میں جہاں ایک ایک شخص کا ذکر آتا ہے اس سے ایک قسم آدمیوں کی مراد ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں کہ یہ معاملہ صرف تین آدمیوں کے ساتھ کیا جائے گا؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تینوں قسم کے آدمیوں سے یہ مطالبہ ہوگا اور مثال کے طور پر ہر قسم میں سے ایک ایک آدمی کا ذکر کردیا، ان کے علاوہ اور بھی احادیث میں کثرت سے اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور بہت زیادہ اہمیّت سے حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کو اس پر مُتنَبِّہ[9] کیا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص

حل لغات: (۱) خوشی کی طلب۔ (۲) مقصد۔ (۳) حکم پورا کرنا۔ (۴) پوچھا۔ (۵) کشادگی۔ (۶) یاد دلا کر۔ (۷) خوشی۔ (۸) صرف۔ (۹) متوجہ۔

اللہ جَلَّ شانُہٗ کے لیے کیا جائے اور جتنا بھی اہتمام[1] ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نمود و شہرت اور دکھاوے کا شائبہ[2] بھی نہ آنے پائے؛ مگر اس جگہ شیطان کے ایک بڑے مکر[3] سے بے فکر نہ ہونا چاہیے، دشمن جب قوی[4] ہوتا ہے وہ مختلف انواع[5] سے اپنی دشمنی نکالا کرتا ہے، یہ بہت مرتبہ آدمی کو اس وسوسہ کی بدولت کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں اہم ترین عبادتوں سے روک دیا کرتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان اوّل تو نیک کام سے روکا کرتا ہے اور ایسے خیالات دل میں ڈالا کرتا ہے جس سے اس کام کے کرنے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو؛ لیکن جب آدمی اپنی ہمت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے پر عمل نہیں کرتا تو وہ کہا کرتا ہے، تجھ میں اخلاص تو ہے نہیں یہ تیری عبادت محنت بے کار ہے۔ جب اخلاص ہی نہیں پھر ایسی عبادت کرنے سے کیا فائدہ اور اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے نیک کام سے روک دیا کرتا ہے اور جب آدمی رُک جاتا ہے تو اس کی غرض[6] پوری ہو جاتی ہے۔ [اِحیاء]

اس لیے اس خیال سے نیک کام کرنے سے رکنا نہیں چاہیے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں؛ بلکہ نیک کام کرنے میں اخلاص کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور اس کی دعا کرتا رہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ محض اپنے لُطف سے دَستِ گیری[7] فرمائے تا کہ نہ تو دین کا مشغلہ[8] ضائع ہو نہ برباد ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ[9]۔

حل لغات: (۱) پابندی۔ (۲) شبہ۔ (۳) دھوکہ۔ (۴) مضبوط۔ (۵) الگ الگ طریقوں۔ (۶) مقصد۔ (۷) مدد۔ (۸) کام۔ (۹) یہ اللہ تعالیٰ پر بھاری نہیں

دوسری فصل: بُخل[1] کی مَذَمَّت[2] میں

پہلی فصل میں جتنی آیات اور احادیث اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی گذر چکی ہیں ان سے خود ہی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے اتنے فضائل وفوائد اور خوبیاں ہیں تو جتنی اس میں کمی ہوگی یہ مَنَافِع[3] حاصل نہ ہوں گے یہ خود ہی کافی مذمت انتہائی نقصان ہے؛ لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ اور اس کے پاک رسول ﷺ نے تنبیہ اور اہتمام کی وجہ سے بخل اور مال کو روک کر رکھنے پر خصوصی وعیدیں بھی ارشاد فرمائی ہیں جو اللہ کا انعام اور اس کے پاک رسول ﷺ کی امت پر انتہائی شفقت ہے کہ اس نے اس مُہلِک[4] مَرَض پر خاص طور سے بہت سی تنبیہیں فرمادیں۔ قرآن وحدیث میں ہر مضمون نہایت ہی کثرت سے ذکر کیا گیا اور مختلف عنوانوں سے ہر خیر کے کرنے پر ترغیب اور ہر بُرائی سے رکنے پر تنبیہیں کی گئیں، کسی ایک مضمون کا احاطہ بھی دُشوار[5] ہے، نمونہ کے طور پر اس کے متعلق بھی چند آیات اور چند احادیث لکھی جاتی ہیں۔

آیات

① وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ [سورۂ بقرہ:۱۹۵]	ترجمہ: تم لوگ اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ پہلی فصل کے سلسلہ آیات میں نمبر تین[3] صفحہ ۲۵ پر گزر چکی ہے، اس آیتِ شریفہ میں اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنے کو، اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنا قرار دیا ہے؛ جیسا کہ پہلے مُفَصَّل[6] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا جاچکا ہے۔ کون شخص ہے جو اپنی تباہی اور بربادی چاہتا ہو؛ مگر کتنے آدمی ہیں جو یہ معلوم ہوجانے کے باوجود کہ یہ تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے اس سے بچتے ہیں اور مال کو جوڑ جوڑ کر نہیں رکھتے، اس کے سوا کیا ہے کہ غفلت کا پردہ ہم لوگوں کے دلوں پر پڑا ہوا ہے اور اپنے ہاتھوں ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے جارہے ہیں۔

② اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمۡ مَّغۡفِرَۃً مِّنۡہُ وَفَضۡلًا ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۸﴾ [سورۂ بقرہ:۲۶۸]	ترجمہ: شیطان تم کو محتاجی (اور فقر) سے ڈراتا ہے اور تم کو بُری بات (بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے (خرچ کرنے پر) اپنی طرف سے گناہ معاف کردینے اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ

وُسعت[7] والے ہیں (وہ سب کچھ دے سکتے ہیں) خوب جاننے والے ہیں (نیت کے موافق ثَمَرہ[8] دیتے ہیں)۔

حل لغات: ① کنجوسی۔ ② برائی۔ ③ فائدے۔ ④ ہلاک کرنے والی بیماری۔ ⑤ مشکل۔ ⑥ تفصیل سے کھول کھول کر۔ ⑦ کشادگی۔ ⑧ بدلہ، پھل۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اندر ایک تو شیطان تَصَرُّف[1] کرتا ہے اور ایک فرشتہ تصرف کرتا ہے، شیطان کا تصرف تو بُرائی سے ڈرانا ہے (مثلاً صدقہ کرے گا تو فقیر ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ) اور حق بات کا جھٹلانا ہے؛ اور فرشتہ کا تصرف بھلائی کا وعدہ کرنا ہے اور حق بات کی تصدیق کرنا ہے جو اسکو پاوے (یعنی بھلائی کی بات کا خیال دل میں آوے تو اس کو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا شکر ادا کرے اور جو دوسری بات کو پاوے (یعنی برا خیال دل میں آوے) تو شیطان سے پناہ مانگے اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی۔ [مشکوٰۃ]

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کی تائید[2] میں یہ آیتِ شریفہ پڑھی جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ شیطان فقر کا خوف اور فُحش[3] باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور یہی حق کا جھٹلانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں دو چیزیں اللہ جَلَّ شانہٗ کی طرف سے ہیں اور دو چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں، شیطان فقر کا وعدہ کرتا ہے اور بری بات کا حکم کرتا ہے، یہ کہتا ہے کہ مال خرچ نہ کر، احتیاط سے رکھ، تجھے اس کی ضرورت پڑے گی اور اللہ جَلَّ شانہٗ ان گناہوں پر مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور رزق میں زیادتی کا وعدہ فرماتا ہے۔ [دُرِ منثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو آئندہ کی فکر میں زیادہ مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ کیا ہوگا، بلکہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے رزق کا وعدہ فرما رکھا ہے تو اس پر اعتماد[4] کرنا چاہیے اور یہ سمجھتے رہنا چاہیے کہ آئندہ کی اِحتیاج[5] کا خوف شیطانی اثر ہے جیسا کہ اس آیتِ شریفہ میں بتایا گیا، وہ آدمی کے دل میں یہ خیال پکاتا رہتا ہے کہ اگر تو مال جمع کر کے نہیں رکھے گا تو جس وقت تو بیمار ہو جائے گا، یا کمانے کے قابل نہیں رہے گا، یا کوئی اور وقتی ضرورت پیش آجائے گی تو اس وقت تو مشکل میں پھنس جائے گا اور تجھے بڑی دِقّت[6] اور تکلیف ہوگی اور ان خیالات کی وجہ سے اس کو اس وقت مَشَقَّت اور کُوفت[7] اور تکلیف میں پھانس دیتا ہے اور ہمیشہ اسی تکلیف میں مبتلا رکھتا ہے اور پھر اس کا مذاق اڑاتا ہے کہ یہ احمق[8] آئندہ کی موہوم[9] تکلیف کے ڈر سے اس وقت کی یقینی تکلیف میں پھنس رہا ہے [اِحیاء] کہ جمع کی فکر میں ہر وقت پریشان رہتا ہے اور آئندہ کا فکر سوار رہتا ہے۔

(٣) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ	ترجمہ: ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے
بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ	میں بُخل[10] کرتے ہیں جو ان کو اللہ جَلَّ شانہٗ نے مَحض[11] اپنے فضل سے

حل لغات: (١) اثر ڈالنا۔ (٢) تقویت۔ (٣) بے شرمی کی۔ (٤) بھروسہ۔ (٥) ضرورت۔ (٦) پریشانی۔ (٧) مصیبت۔ (٨) بیوقوف۔ (٩) خیالہ۔ (١٠) کنجوسی۔ (١١) صرف۔

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ [سورۂ آل عمران:۱۸۰]

عطا کی ہے کہ یہ بات (یعنی بخل کرنا) ان کے لیے کچھ اچھی ہوگی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت بُری ہوگی اس لیے کہ وہ لوگ قیامت کے دن طَوق[۱] پہنائے جائیں گے اس مال کا جس کے ساتھ بخل کیا تھا (یعنی سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں) ڈال دیا جائے گا اور اخیر میں آسمان و زمین (اور جو کچھ ان کے اندر ہے لوگوں کے مرجانے کے بعد) اللہ ہی کا رہ جائے گا، (تم اپنے ارادہ سے اس کو دے دو تو ثواب بھی ہو، ورنہ ہے تو اسی کا) اور اللہ جلَّ شانُہٗ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہیں۔

فائدہ: بخاری شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ جس شخص کو اللہ جلَّ شانُہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ (جس کے زہر کی کثرت[۲] اور شدّت[۳] کی وجہ سے اس کے سر کے بال بھی جاتے رہے ہوں) بنایا جائے گا جس کے منہ کے نیچے دو نقطے ہوں گے (یہ بھی زہر کی زیادتی کی علامت ہے) اور وہ سانپ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جو اس شخص کے دونوں جبڑے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی۔ [مشکوٰۃ]

یہ حدیث شریف زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعیدوں میں پانچویں فصل کی احادیث میں نمبر دو ۲ صفحہ ۲۷۶ پر آرہی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ کافروں کے بارے میں اور اس مؤمن کے بارے میں جو اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے بخل کرتا ہو نازل ہوئی ہے۔ حضرت عِکْرِمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مال میں سے جب اللہ جلَّ شانُہٗ کے حقوق ادا نہ ہوتے ہوں تو وہ مال گنجا سانپ بن کر قیامت میں اس کے پیچھے لگ جائے گا اور وہ آدمی اس سانپ سے پناہ مانگتا ہوا ہوگا۔ حُجَیر بن بیان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو ذی رَحم[۴] اپنے قریبی رشتہ دار سے اس کی ضرورت سے بچے ہوئے مال سے مدد مانگے اور وہ مدد نہ کرے اور بخل کرے تو وہ مال قیامت کے دن سانپ بنا کر اس کو طوق پہنا دیا جائے گا، اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی اور مُتعَدَّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کو اللہ جلَّ شانُہٗ نے مال عطا کیا اور وہ اپنے رشتہ داروں کے ان حقوق کو جو اللہ جلَّ شانُہٗ نے اس پر رکھے ہیں ادا نہ کرے تو اس کا مال سانپ بنا کر اس کو طوق پہنا دیا جائے گا وہ شخص اس سانپ سے کہے گا تو نے میرا پیچھا کیوں لیا؟ وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) بیڑی، زنجیر۔ (۲) تیزی۔ (۳) سختی۔ (۴) رشتہ دار۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اوپر کی آیات میں جہاد میں اپنی جانوں کی شرکت پر تاکید[1] و ترغیب[2] تھی اس کے بعد اس آیت میں جہاد میں مال خرچ کرنے کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں مال خرچ نہیں کرتے تو وہ مال سانپ بن کر ان کے گلے کا ہار بن جائے گا۔ اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ طویل[3] بحث اس پر کرتے ہیں کہ جو شدید[4] وعید اس آیتِ شریفہ میں ہے وہ تَطَوُّعَات[5] کے ترک[6] پر تو مشکل ہے، ترکِ[7] واجب پر ہی ہو سکتی ہے۔ البتہ واجبات کئی قسم کے ہیں: اوّل اپنے اوپر اور اپنے ان اَقارِب[8] پر خرچ کرنا جن کا نفقہ اپنے ذمہ واجب ہے، دوسرے زکوٰۃ، تیسرے جس وقت مسلمانوں پر کفّار کا ہُجُوم[9] ہو کہ وہ اُن کے جان و مال کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں تو اس وقت سب مالداروں پر حسبِ ضرورت[10] خرچ کرنا واجب ہے۔ جس سے مُدَافعت[11] کرنے والوں کی مدد ہو کہ یہ دراصل اپنی ہی جان و مال کی حفاظت میں خرچ ہے، چوتھے مُضطر[12] پر خرچ کرنا ہے جس سے اس کی جان کا خطرہ زائل[13] ہو جائے، یہ سب اخراجات[14] واجب ہیں۔ [تفسیر کبیر]

④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ	ترجمہ: بے شک اللہ جلَّ شانُہٗ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا جو (دل میں) اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں (زبان سے) شیخی[15] کی باتیں کرتے ہوں جو خود بھی بُخل[16] کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی بُخل کی تعلیم دیتے ہوں اور جو چیز اللہ جلَّ شانُہٗ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اس کو چھپاتے ہوں اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے اہانت[17] والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ	
وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ	
مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا	
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ	
[سورۂ نساء: ۳۶-۳۷]	

فائدہ: "دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہوں" عام ہے کہ زبان سے ان کو ترغیب دیتے ہوں یا اپنے عمل سے تعلیم دیتے ہوں کہ ان کے عمل کو دیکھ کر دوسروں کو بخل کی ترغیب ہوتی ہو۔ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص برا طریقہ اختیار کرتا ہے اس کو اپنے کیے کا وبال[18] بھی ہوتا ہے اور جتنے آدمی اس کی وجہ سے اس پر عمل کریں ان سب کا گناہ بھی اس کو ہوتا ہے، اس طرح پر کہ اُن کی اپنی اپنی سزاؤں میں کوئی کمی نہ ہوگی، یہ مضمون قریب ہی مُفَصَّل[19] گزر چکا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے "مُخْتَالًا فَخُوْرًا" کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ یہ ہر وہ مُتکبِّر[20] ہے جو اللہ کی عطا کی ہوئی چیزوں کو گن گن کر رکھتا ہے اور اللہ جلَّ شانُہٗ

حل لغات: ① زور دینا۔ ② شوق دلانا۔ ③ لمبی۔ ④ سخت دھمکی۔ ⑤ مستحب ونوافل۔ ⑥ چھوڑنے۔ ⑦ واجب چھوڑنے۔ ⑧ رشتہ داروں۔ ⑨ بھیڑ۔ ⑩ ضرورت کے موافق۔ ⑪ دفاع۔ ⑫ تکلیف میں مبتلا۔ ⑬ ختم۔ ⑭ خرچ۔ ⑮ گھمنڈ۔ ⑯ کنجوسی۔ ⑰ ذلت۔ ⑱ عذاب۔ ⑲ تفصیل کے ساتھ۔ ⑳ تکبر کرنے والا۔

کا شکر ادا نہیں کرتا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہٗ ساری مخلوق کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے تو جہنم کی آگ تو بتو چڑھتی ہوئی ان کی طرف شدت[1] سے بڑھے گی جو فرشتے اس پر متعیّن[2] ہیں وہ اس کو روکنا چاہیں گے تو وہ کہے گی کہ میرے رب کی عزت کی قسم یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے جوڑی داروں (یاروں) کو لے لوں ورنہ میں سب پر چھا جاؤں گی، وہ پوچھیں گے تیرے جوڑی دار کون ہیں؟ وہ کہے گی ہر متکبر ظالم، اس کے بعد جہنم اپنی زبان نکالے گی اور ہر ظالم مُتکبّر کو چُن چُن کر اپنے پیٹ میں ڈال لے گی (جیسا کہ جانور زبان کے ذریعے سے گھاس وغیرہ کھاتا ہے) ان سب کو چن کر پیچھے ہٹ جائے گی، اس کے بعد اسی طرح دوبارہ زور کر کے آئے گی اور یہ کہے گی کہ مجھے اپنے جوڑی داروں کو لینے دو اور جب اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے جوڑی دار کون ہیں؟ تو وہ کہے گی ہر اکڑنے والا، ناشکری کرنے والا اور پہلے کی طرح ان کو بھی چن کر اپنی زبان کے ذریعہ سے اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ پھر اسی طرح تیسری بار جوش کر کے چلے گی اور اپنے جوڑی داروں کا مطالبہ کرے گی اور جب اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے جوڑی دار کون لوگ ہیں؟ تو وہ اس مرتبہ کہے گی ہر اکڑنے والا، فخر کرنے والا اور ان کو بھی چن کر اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ اس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوتا رہے گا۔ حضرت جابر بن سُلَیم ہُجَیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں چلتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی، میں نے سلام کیا اور لنگی کے متعلق مسئلہ دریافت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پنڈلی کے موٹے حصے تک ہونی چاہیے اور اگر تجھے اتنی اونچی پسند نہ ہو تو تھوڑی اور نیچے تک سہی اور یہ بھی پسند نہ ہو تو ٹخنوں کے اوپر تک اور یہ بھی پسند نہ ہو تو (آگے گنجائش نہیں اس لیے کہ) اللہ جَلَّ شانہٗ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے (اور ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ کو لٹکانا تکبّر میں داخل ہے) پھر میں نے کسی کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کے متعلق دریافت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھلائی کو حقیر[3] نہ سمجھو (کہ اس کی وجہ سے مُلتوی[4] کر دو) چاہے رسّی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، جوتے کا تسمہ[5] ہی کیوں نہ ہو، کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی کا ڈول ہی ڈال دو، راستہ میں کوئی اَذِیّت[6] پہونچانے والی چیز ہو اس کو ہٹا دو، حتیٰ کہ اپنے بھائی سے خندہ[7] پیشانی سے بات ہی سہی، راستہ چلنے والے سے سلام ہی سہی، کوئی گھبرا رہا ہو اس کی دل بستگی[8] ہی سہی (کہ یہ سب چیزیں احسان اور نیکی میں داخل ہیں) اور اگر کوئی شخص تمہارے عیب[9] کو ظاہر کرے اور تمہیں اس کے اندر کوئی دوسرا عیب معلوم ہے تو تم اس کو ظاہر نہ کرو، تمہیں اس اِخفا[10] کا ثواب ملے گا، اس کو اس اظہار[11] کا گناہ ہوگا اور جس کام کو تم یہ سمجھو کہ اگر

حل لغات: (۱) تیزی۔ (۲) مقرر۔ (۳) معمولی۔ (۴) ختم۔ (۵) فیتا۔ (۶) تکلیف۔ (۷) خوش مزاجی۔ (۸) دل لگی۔ (۹) بُرائی۔ (۱۰) چھپانے۔ (۱۱) ظاہر کر دینے۔

کسی کو اس کی خبر ہوگئی تو مُضَائِقہ[1] نہیں اس کو کرو اور جس کو تم یہ سمجھو کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہوا س کو نہ کرو (کہ یہ علامت[2] اس کے بُرا ہونے کی ہے) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کَرْدَم بن یزید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بہت سے آدمی انصار کے پاس آتے اور ان کو نصیحت کرتے کہ اتنا خرچ نہ کیا کرو ہمیں ڈر ہے کہ یہ سب خرچ ہوجائے گا، تم فقیر بن جاؤ گے، ہاتھ روک کر خرچ کیا کرو، نہ معلوم کل کو کیا ضرورت پیش آجائے، ان لوگوں کی مَذَمَّت[3] میں یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ [دُرِّ منثور]

⑤ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ [سورۂ توبہ: ۳۴-۳۵]	ترجمہ: جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے، وہ اس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اوّل جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پُشتوں[4] کو داغ[5] دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا، اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کر کے رکھا تھا۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ پیشانیوں وغیرہ کے ذکر سے آدمی کی چاروں طرف مراد ہیں، پیشانی سے اگلا حِصّہ، پسلیوں سے دایاں اور بایاں، اور پُست سے پچھلا حِصّہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سارے بدن کو داغ دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ جس میں منہ سے قدم تک داغ دیا جانا وارد ہوا ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین اعضاء کی خصوصیت اس لیے ہے کہ ان میں ذرا سی تکلیف بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ آدمی جب چہرہ سے فقیر کو دیکھتا ہے، تو پہلو بچا کر اس طرف پُشت کر کے چل دیتا ہے، اس لیے ان تینوں[3] اعضاء کو خصوصیّت سے عذاب ہے، اس کے علاوہ اور بھی وُجوہ[6] ذکر کی گئیں۔ [تفسیر کبیر]

اس آیتِ شریفہ میں اس مال کو تپا کر داغ دینا وارد ہے اور آیت نمبر تین[3] صفحہ ۱۵۹ پر اس کا سانپ بن کر پیچھے لگنا وارد ہوا ہے، اِن دونوں میں کچھ اِشکال[7] نہیں یہ دونوں عذاب علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، جیسا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی حدیث نمبر دو[2] صفحہ ۲۷۶ پر آرہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مُتعَدَّد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل کیا گیا کہ اس آیت شریفہ میں خزانہ سے مراد وہ مال ہے جس

حل لغات: ① حرج۔ ② نشانی۔ ③ برائی۔ ④ پشت کی جمع، پیٹھ۔ ⑤ لوہے کو گرم کر کے جسم پر نشان لگانا۔ ⑥ وجہ کی جمع۔ ⑦ یعنی اعتراض۔

کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ خزانہ نہیں ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ یہ حکم زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا، جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہو گیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے زکوٰۃ ادا کر دینے کو بقیہ مال کے پاک ہو جانے کا سبب قرار دے دیا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو ہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سونا چاندی جمع کرنے کا تو یہ حشر[1] ہے، اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ بہترین مال کیا ہے جس کو خزانہ کے طور پر جمع کر کے رکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر کرنے والی زبان، اللہ کا شکر ادا کرنے والا دل، اور نیک بیوی جو آخرت کے کاموں میں مدد دیتی رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ آیتِ شریفہ لوگوں پر بہت بار[2] ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے زکوٰۃ اسی لیے مشروع[3] فرمائی ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائے اور میراث تو اسی مال میں جاری ہو گی، جو بعد میں باقی رہے اور بہترین چیز جس کو آدمی خزانہ کی طرح محفوظ رکھے وہ نیک بیوی ہے، جس کو دیکھ کر جی راضی[4] ہو جائے، جب اس کو کوئی حکم کیا جائے فوراً اطاعت[5] کرے اور جب خاوند[6] غائب ہو (سفر وغیرہ میں) تو وہ اپنی (اور اس کے مال کی) حفاظت کرے۔ حضرت بُرَیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا چرچا ہوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! خزانہ بنانے کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور وہ نیک بیوی جو ایمانی چیزوں پر مدد کرے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دینار (سونے کا سکّہ) دِرَم (چاندی کا سکہ) یا سونے چاندی کا ٹکڑا رکھے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرے گا، بشرطیکہ قرض کے ادا کرنے کے واسطے نہ رکھا ہو وہ خزانہ میں داخل ہے، جس کا قیامت کے دن داغ دیا جائے گا۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص سونا یا چاندی چھوڑ کر مر جائے اس کو قیامت کے دن داغ دیا جائے گا، بعد میں چاہے جہنم میں جائے یا مغفرت ہو جائے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مسلمانوں کے اغنیاء[7] کے مالوں میں وہ مقدار فرض کر دی ہے جو ان کے فُقَراء[8] کو کافی ہے، فُقَراء کو بھوکے یا ننگے ہونے کی مَشَقَّت[9] صرف اس وجہ سے پڑتی ہے کہ اغنیاء ان کو دیتے نہیں، خبردار رہو کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ان اغنیاء سے سخت مطالبہ کریں گے یا سخت عذاب دیں گے۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) انجام۔ (۲) بوجھ۔ (۳) یعنی حکم دیا گیا۔ (۴) دل خوش ہو۔ (۵) فرمانبرداری۔ (۶) شوہر۔ (۷) مالدار۔ (۸) فقیر کی جمع۔ (۹) تکلیف۔

کنزُ العُمّال میں اس حدیث پر کلام بھی کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ اگر اللہ جَلَّ شانُہٗ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ اغنیاء کی زکوٰۃ فقراء کو کافی نہ ہوگی، تو زکوٰۃ کے علاوہ اَور کوئی چیز ان کے لیے تجویز[1] فرماتے جو ان کو کافی ہوجاتی، پس اب جو فقراء بھوکے ہیں وہ اغنِیاء کے ظلم کی وجہ سے ہیں۔ [کنز]

کہ وہ زکوٰۃ پوری نہیں نکالتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے فقر کی حالت میں ملو، تَوَنگَرِی[2] کی حالت میں نہ ملو، انہوں نے عرض کیا: اس کی کیا صورت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کہیں سے کچھ مُیَسَّر ہو اس کو چھپا کر نہ رکھو، مانگنے والے سے انکار نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا: حضور! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی ہے اور یہ نہ ہو تو جہنم ہے۔ [درمنثور]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی انہیں حضرات میں ہیں، جن کا مسلک یہ ہے کہ روپیہ پیسہ بالکل رکھنے کی چیز نہیں ہے، ایک درم[3] جہنم کا ایک داغ ہے اور دو درم دو داغ ہیں، ان کے مختلف واقعات پہلے گزر چکے ہیں، جن میں سے بعض پہلی فصل کے سلسلہ احادیث میں نمبر ایک[1] صفحہ ۶۷ پر گزرے۔ ایک مرتبہ حبیب بن سَلَمہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو شام کے امیر تھے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس تین سو دینار (اشرفیاں) بھیجے اور عرض کیا کہ ان کو اپنی ضروریات میں صَرف[4] کرلیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے واپس فرمادیے اور یہ فرمادیا کہ دنیا میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ دھوکا کھانے والا میرے سوا کوئی نہ ملا؟ یعنی دنیا کی اتنی بڑی مقدار اپنے پاس رکھنا اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے غافل ہونا ہے اور یہی اللہ کے ساتھ دھوکا ہے کہ اس کے عذاب سے آدمی بے فکر ہوجائے۔ جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے مُتَعَدَّد جگہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ تم کو دھوکا باز شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا میں نہ ڈال دے، جیسا کہ چھٹی فصل میں دنیا اور آخرت کی آیات میں نمبر اَڑتیس[۳۸] صفحہ ۳۲۷ پر آرہا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے صِرف تھوڑا سا سایہ چاہیے جس میں اپنے کو چھپالوں اور تین بکریاں جن کے دودھ پر ہم سب گذر کرلیں اور ایک باندی جو اپنی خدمت کا احسان ہم پر کردے، اس سے زائد جو ہو مجھے اس کے اندر اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن دو درم والا ایک درم والے کی بہ نسبت زیادہ قید میں ہوگا۔ [درمنثور]

حضرت عبداللہ بن صامِت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ان کا روزینہ[5] بیت المال سے آیا۔ ایک باندی ان کے پاس تھی جو اس میں سے ضروری چیزیں خرید کر لائی، اس کے بعد سات درم ان کے پاس بچے، فرمانے لگے کہ اس کے پیسے کرلاؤ (تاکہ تقسیم کردیں)

حل لغات: ① مقرر۔ ② مالداری۔ ③ سونے کا سکّہ۔ ④ خرچ کرنا۔ ⑤ روز کا خرچ۔

میں نے کہا: ان کو اپنے پاس رہنے دو کوئی ضرورت پیش آجائے، کوئی مہمان آجائے فرمایا: مجھ سے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ طے شدہ بات فرمائی تھی کہ جس سونے یا چاندی کو باندھ کر رکھا جائے گا وہ اپنے مالک پر آگ کی چنگاری ہے، جب تک کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کر دیا جائے۔ [ترغیب]
حضرت شدّاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سخت حکم سنتے تھے، پھر جنگل چلے جاتے تھے (کہ اکثر جنگل میں قیام رہتا تھا) ان کے تشریف لے جانے کے بعد اس حکم میں کچھ سہولت[1] پیدا ہو جاتی جس کا ان کو علم نہ ہوتا، اس لیے وہ سخت ہی حکم پر قائم رہتے۔ [درمنثور] یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مَسلک اس بارے میں بہت ہی سختی اور شدت کا ہے، باقی اس میں تو شک نہیں کہ زُہد[2] کا کمال یہی ہے جو ان کا مَسلک تھا اور بہت سے اکابر[3] کا یہی پسندیدہ معمول[4] رہا، مگر اس پر نہ تو کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے، نہ اس پر عمل نہ کرنے میں جہنمی قرار دیا جا سکتا ہے، اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے اختیار کرنے کی چیز یہی ہے، جس خوش نصیب کو بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ اپنے لُطف[5] و کرم سے نصیب فرمادے۔ کاش اس دنیا کے کُتّے کو بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ ان حضراتِ زاہدین[6] کے اوصافِ[7] جمیلہ کا کچھ حصہ عطا فرما دیتا۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[8] ﴾

⑥ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ [سورۂ توبہ: ۵۴، ۵۵]	ترجمہ: اور ان (منافقوں) کی خیر خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع[9] نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (نفاق سے اپنے کو مومن بتاتے ہیں) یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر بہت کاہلی[10] سے (ہارے دل سے) اور (نیک کاموں میں) خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری[11] کے ساتھ (بدنامی سے بچنے کی وجہ سے) ان (مردودوں[12]) کا مال اور اولاد آپ کو تعجّب میں نہ ڈالے (کہ ایسے مردودوں پر اتنے انعامات کیوں ہیں؟) اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارادہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیوی عذاب میں مبتلا رکھے (کہ ہر وقت ان کے فکروں میں مبتلا رہیں) اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکل جائے۔

حل لغات: ① آسانی۔ ② دنیا سے بے رغبتی۔ ③ بڑوں۔ ④ طریقہ۔ ⑤ مہربانی۔ ⑥ دنیا سے بے رغبت لوگ۔ ⑦ خوبیاں۔ ⑧ پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ⑨ روکنے والی۔ ⑩ سُستی۔ ⑪ ناپسندیدگی۔ ⑫ مردود کی جمع، نالائق۔

فائدہ: ابتداء[1] میں خیرات کے قبول نہ ہونے میں کفر کے علاوہ کاہلی سے نماز پڑھنے کو اور بد دِلی سے صدقہ دینے کو بھی دخل بتایا ہے، نماز کے متعلق مضامین اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل نماز'' میں گزر چکے ہیں، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جس کی نماز نہیں، اس کے لیے دین نہیں جس کی نماز نہیں، نماز دین کے لیے ایسی ضروری چیز ہے جیسا کہ آدمی کے لیے اس کا سر ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو نماز کو خشوع وخضوع سے اچھی طرح پڑھے، وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر دعائے خیر دیتی ہوئی جاتی ہے اور جو بُری طرح پڑھے وہ بُری صورت میں سیاہ[2] رنگ میں بددُعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تُو نے مجھے برباد کیا اور ایسی نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے اوّل نماز کا حساب ہوگا اگر وہ اچھی ہوئی تو باقی اعمال بھی اچھے ہوں گے، وہ بری ہوئی تو باقی اعمال بھی برے ہوں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر وہ قبول ہوئی تو باقی اعمال بھی قبول ہوں گے، وہ مردُود[3] ہوگئی تو باقی اعمال بھی مردود ہوں گے۔ [فضائل نماز]

اس کے بعد آیتِ شریفہ میں بد دلی سے صدقہ کا ذکر فرمایا ہے اور بد دلی سے صدقہ دینا ظاہر ہے کہ کیا قابلِ قبول ہوسکتا ہے؛ لیکن اگر وہ صدقہ فرض ہے جیسا کہ زکوٰۃ تو وُجوب[4] ساقط[5] ہو ہی جائے گا۔ اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ادا کرنے کی روایات میں مُتَعَدَّد جگہ ''طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ'' [ترغیب] ''رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ'' [ابوداؤد] وغیرہ الفاظ ذکر فرمائے، جن کا مطلب یہی ہے کہ نہایت خوش دلی سے ادا کرے تاکہ فرض ادا ہونے کے علاوہ اس کا اجر وثواب بھی ہو اور اس پر انعام واکرام بھی ہو۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیّت سے ادا کرے گا اس کو اس کا اجر[6] ملے گا اور جو ادا نہ کرے گا ہم اس کو لے کر رہیں گے اور بعض روایات میں اس کے ساتھ تاوان[7] بھی وارد ہے کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ بھی کریں گے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ امیر المومنین ابوجعفر منصور کے پاس گئے تو وہاں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کوئی شخص تھے، جنہوں نے منصور سے کوئی اپنی حاجت[8] پیش کی تھی اور منصور نے ان کی درخواست پر کچھ ان کو دینے کا حکم بھی کر دیا تھا، مگر وہ مقدار زبیری کے نزدیک کم تھی جس کی شکایت انہوں نے کی اور منصور کو اس پر غصہ آگیا۔ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے اپنے باپ دادوں کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ جو عطا خوشدلی سے دی جائے اس میں

حل لغات: (۱) شروع۔ (۲) کالا۔ (۳) یعنی قبول نہ ہوئی۔ (۴) واجب ہونا۔ (۵) یعنی ادا ہوجائے گا۔ (۶) **ثواب**۔ (۷) جرمانہ۔ (۸) ضرورت۔

دینے والے کے لیے بھی برکت ہوتی ہے اور لینے والے کے لیے بھی۔ منصور نے یہ حدیث سنتے ہی کہا کہ خدا کی قسم! دیتے وقت تو مجھے خوشدلی نہ تھی مگر تمہاری حدیث سن کر مجھ میں طِیبِ نفس[1] پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ ان زُبیری کی طرف متوجّہ ہوئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے باپ دادوں کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ جو شخص قلیل[2] رزق کو کم سمجھے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کو کثیر[3] سے محروم فرمادیتے ہیں۔ زُبیری کہنے لگے کہ خدا کی قسم! پہلے سے تو یہ عَطِیَہ[4] میری نگاہ میں کم تھا، تمہاری حدیث سننے کے بعد بہت معلوم ہونے لگا۔ سفیان بن عُیَینہ رحمۃ اللہ علیہ جو اس قصّہ کو نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے زُبیری سے پوچھا کہ وہ کیا مقدار تھی جو تمہیں منصور نے دی تھی؟ وہ کہنے لگے کہ اس وقت تو بہت تھوڑی سی تھی؛ لیکن میرے پاس پہونچنے کے بعد اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس میں ایسی برکت اور نفع عطا فرمایا کہ وہ پچاس ہزار کی مقدار تک پہونچ گئی۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ (اہلِ بیت حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اکابر[5] کی طرف اشارہ ہے) بھی بارش کی طرح سے جہاں پہونچ جاتے ہیں نفع ہی پہونچاتے ہیں۔ [کنز] مطلب یہ ہے کہ اس جگہ دو حدیثیں سنا کر دونوں کو خوش اور مطمئن کردیا، اسی طرح سے یہ حضرات جہاں بھی پہونچتے ہیں روحانی یا مادّی[6] نفع پہونچائے بغیر نہیں رہتے، اس کے ساتھ ہی اس زمانے کے اُمراء[7] کی یہ چیز بھی قابلِ رشک[8] ہے کہ بادشاہت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر ان کے سامنے گردن رکھ دینا اس زمانہ کی عام فضا[9] تھی۔

آیتِ شریفہ میں اس کے بعد آل واولاد اور مال کو دنیا میں عذاب کا ذریعہ فرمایا۔ ان چیزوں کا دنیا میں مُوجبِ[10] دِقّت اور کُلفت[11] ہونا ظاہر ہے، کہیں اولاد کی بیماری ہے، کہیں ان پر مَصَائب[12] ہیں، کہیں ان کے مرنے کا رنج وحسرت[13] ہے اور یہ سب چیزیں مسلمانوں پر بھی پیش آتی ہیں؛ لیکن مسلمان کے لیے چونکہ ہر تکلیف جو دنیا میں پیش آئے وہ آخرت میں اجر وثواب کا ذریعہ ہے اس لیے وہ تکلیف نہیں رہتی، کیونکہ وہ تکلیف تکلیف نہیں بلکہ راحت ہے جس کے بدلہ میں اس سے کہیں زیادہ مل جائے اور جن کو آخرت میں ان مَصائب کا بدلہ نہیں ہے ان کے لیے یہ دنیا کا عذاب ہی عذاب رہ گیا۔ ابنِ زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کے دنیا میں عذاب ہونے سے مَصائب مراد ہیں کہ ان کے لیے یہ عذاب ہیں اور مؤمنین کے لیے ثواب کی چیزیں ہیں۔

(۷) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ	ترجمہ: اور نہ تو (بُخل کی وجہ سے) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ لینا چاہیے اور نہ بہت زیادہ کھول دینا چاہیے (کہ

حل لغات: (۱) خوشدلی۔ (۲) تھوڑا۔ (۳) زیادہ۔ (۴) بخشش۔ (۵) بڑوں۔ (۶) یعنی جسمانی۔ (۷) امیر کی جمع، بادشاہ۔ (۸) فخر کے لائق۔ (۹) ماحول۔ (۱۰) پریشانی کا سبب۔ (۱۱) پریشانی۔ (۱۲) مصیبتیں۔ (۱۳) افسوس۔

فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿٢٩﴾	اِسراف[1] کی حد تک پہونچ جائے کہ اس صورت میں) مَلَامَت[2] زدہ اور
اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ	(فقر کی وجہ سے) تھکے ہوئے بیٹھے رہو (اور محض کسی کے فقر کی وجہ
لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ	سے اپنے کو پریشانی میں مبتلا کرنا مناسب نہیں) بے شک تیرا رب جس
کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا	کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، بے شک
بَصِیۡرًا ﴿٣٠﴾	وہ اپنے بندوں (کی مَصالح[3] اور ان کے اَحوال[4]) سے باخبر ہے (کہ کس
[سورۂ بنی اسرائیل: ۲۹، ۳۰]	کے لیے کتنا مناسب ہے) اور ان کے اَحوال کو دیکھنے والا ہے۔

فائدہ: قرآنِ پاک میں اس جگہ معاشرت[5] کے بہت سے آداب پر بڑی تفصیلی تنبیہات فرمائی ہیں، مِنجُملہ[6] ان کے اس آیتِ شریفہ میں بخل اور اسراف پر تنبیہ فرما کر اِعتِدال[7] اور مَیانہ رَوِی[8] کی گویا ترغیب دی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ سے کسی نے کچھ سوال کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اِس وقت تو کچھ ہے نہیں، اس نے کہا کہ اپنا کرتا جو آپ پہن رہے ہیں، یہ دے دیجیے۔ حضور ﷺ نے کرتا نکال کر مَرحَمت[9] فرما دیا، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ خانگی اِخراجات[10] کے بارے میں ہے کہ نہ ان میں بہت بخل کیا جائے، نہ بہت وُسعت اختیار کی جائے، مَیانہ رَوِی اختیار کی جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ سے بھی مُتعَدَّد روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مَیانہ رَوِی اختیار کرے وہ فقیر نہیں ہوتا۔ اور آیتِ شریفہ کے ختم پر اس اَحمقانہ[11] خیال کی تردید[12] فرمائی کہ سب کے سب مالی حیثیت سے برابری کا درجہ رکھتے ہیں، یہ صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ وہ جس پر چاہے فَراخی[13] فرمائے، جس پر چاہے تنگی[14] کرے، وہی بندوں کے اَحوال سے واقف ہے، وہی ان کے مَصالح کو خوب جانتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بندوں کے اَحوال سے باخبر ہیں، جس کے لیے ثَروت[15] بہتر سمجھتے ہیں اس کو ثروت عطا فرماتے ہیں اور جس کے لیے تنگی مفید سمجھتے ہیں اس پر تنگی فرماتے ہیں۔

دوسری جگہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ﴿وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ﴾ [سورۂ شوریٰ: ۲۷] ’’اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی میں وسعت کر دیتا، تو وہ دنیا میں شرارت (اور فساد) کرنے لگتے؛ لیکن حق تعالیٰ شانُہٗ

حل لغات: (۱) فضول خرچی۔ (۲) وہ شخص جسے برا بھلا کہا جائے۔ (۳) مصلحت کی جمع، بھلائی۔ (۴) حالت کی جمع۔ (۵) رہن سہن۔ (۶) ان میں سے۔ (۷) درمیانی راستہ۔ (۸) درمیانی راستہ۔ (۹) دے دیا۔ (۱۰) گھر کے خرچ۔ (۱۱) بیوقوفی کا۔ (۱۲) انکار کرنا۔ (۱۳) خوش حالی۔ (۱۴) کمی۔ (۱۵) دولت مندی۔

(جس کے لیے) جتنا رزق مناسب سمجھتا ہے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں (کی مصالح) سے باخبر[1] اور ان کے احوال کو دیکھنے والا ہے۔ اس آیتِ شریفہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ سب پر وسعت کا ہونا دنیا میں سرکشی[2] اور فساد کا سبب ہے اور قرینِ قیاس[3] اور تجربہ کی بات بھی ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لُطف[4] سے سب ہی کو مالدار بنادیں تو پھر دنیا کا نظام چلنا ناممکن ہوجائے کہ سب تو آقا بن جائیں، مزدوری کون کرے؟ ابن زید رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عرب میں جس سال پیداوار کی کثرت[5] ہوتی ایک دوسرے کو قید کرنا اور قتل کرنا شروع کردیتے اور جب قحط[6] پڑ جاتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ [دُرِّ منثور] حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مُتعَدَّد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل کیا گیا کہ اصحابِ صُفّہ نے دنیا کی تمنا کی تھی، جس پر آیتِ شریفہ "وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ" نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بہترین رزق وہ ہے جو نہ تجھ میں سرکشی پیدا کرے نہ اپنے اندر تجھے مشغول کر لے۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ دنیا کی چمک دمک ہے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا خیر (مال) بھی برائی کا سبب بن جاتا ہے؟ اس پر یہ آیتِ شریفہ ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ﴾ نازل ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ قُدسی میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اِہانت[7] کرتا ہے، وہ میرے ساتھ لڑائی کے لیے مقابلے میں آتا ہے، میں اپنے دوستوں کی حمایت[8] میں ایسا غصّہ میں آتا ہوں جیسا کہ غضب ناک شیر، اور کوئی بندہ میرے ساتھ تقرُّب[9] ان چیزوں سے زیادہ کسی چیز سے حاصل نہیں کرسکتا جو میں نے ان پر فرض کی ہیں (یعنی حق تعالیٰ شانُہٗ نے جو چیزیں فرض کردیں ان کی بجا آوری[10] سے جتنا تقرب حاصل ہوتا ہے کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے بعد دوسرے درجہ میں نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل ہوتا ہے) اور نوافل کے ذریعہ سے بندہ میرے ساتھ قُرب حاصل کرتا رہتا ہے (اور جتنا نوافل میں اضافہ ہوتا رہے گا) اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا رہے گا، یہاں تک کے وہ میرا محبوب بن جاتا ہے اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ، کان، ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں، اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار قبول کرتا ہوں اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو اس کا سوال پورا کرتا ہوں اور مجھے کسی چیز میں جس کے کرنے کا میں ارادہ کرتا ہوں اتنا تردّد[11] نہیں ہوتا جتنا اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں تردّد ہوتا ہے کہ وہ (کسی وجہ سے) موت کو پسند نہیں کرتا اور میں اس کا جی[12] برا کرنا نہیں چاہتا؛ لیکن موت ضروری چیز ہے، میرے بعض

حل لغات: (۱) خبر رکھنے والا۔ (۲) نافرمانی۔ (۳) سمجھ میں آنے والی بات۔ (۴) مہربانی۔ (۵) زیادتی۔ (۶) بارش نہ ہونا، سوکھا۔ (۷) بے عزتی۔ (۸) مدد۔ (۹) نزدیکی۔ (۱۰) حکم پورا کرنا۔ (۱۱) سوچ بچار۔ (۱۲) دل۔

بندے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص نوع[1] کی عبادت کے خواہشمند ہوتے ہیں، لیکن میں اس لیے وہ نوع عبادت کی ان کو مُیسّر نہیں کرتا کہ اس سے ان میں عُجب[2] پیدا نہ ہوجائے، میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو ان کی تندرستی ہی درست رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو بیمار کردوں تو ان کی حالت خراب ہوجائے اور بعض بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو ان کی بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو تندرستی دے دوں تو وہ بگڑ جائیں، میں اپنے بندوں کے حال کے موافق عمل درآمد کرتا ہوں، اس لیے کہ میں ان کے دلوں کے احوال سے واقف ہوں اور باخبر ہوں۔ [درمنثور]

یہ حدیث شریف بڑی قابلِ غور ہے، اس کا تعلق تکوینی[3] امور سے ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی غریب ہے تو اس کی امداد کی ہمیں ضرورت نہیں، کوئی بیمار ہے تو اس کے علاج کی ضرورت نہیں؛ اگر یہ ہوتا تو پھر صدقات کی سب روایات اور آیات بے محل[4] ہو جاتیں، دوا کرنے کا حکم جن روایات میں ہے وہ بے محل ہوتیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سلسلہ تو اسی طرح رہے گا۔ کوئی ماہر ڈاکٹر یا مُحکمۂ حفظانِ[5] صحت یہ چاہے کہ کوئی بیمار نہ ہو ناممکن، کوئی حکومت یہ کوشش کرے کہ کوئی غریب نہ رہے، کبھی بھی نہیں ہوسکتا؛ البتہ ہم لوگ اپنی وُسعت[6] کے موافق ان کی اِعانت[7] کے، ہمدردی کے، علاج کے، امداد کے مَامُور[8] ہیں اور جتنی کوئی شخص اس میں کوشش کرے گا اس کا اجر، اس کا ثواب، اس کا دین اور دنیا میں اس کو بدلہ ملے گا؛ لیکن اپنی سَعی[9] کے باوجود کوئی بیمار اچھا نہیں ہوتا، اپنی کوشش کے باوجود کسی کی مالی حالت درست نہیں ہوتی، تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں میرے لیے خیر ہے، اس سے پریشان اور گھبرانا نہیں چاہیے اور چونکہ غیب کی خبر نہیں اور تکوینی چیزوں پر عمل کے ہم مامور نہیں؛ اس لیے اپنی کوشش علاج اور اعانت، ہمدردی اور مدد کی زیادہ سے زیادہ رکھنی چاہیے۔

''وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ[10] وَيَرْضٰى''

⑧ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ [سورۂ قصص:۷۷]	ترجمہ: اور تجھے جو کچھ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے دے رکھا ہے، اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو[11] کر اور دنیا سے اپنا حِصّہ (آخرت میں لے جانا) فراموش[12] نہ کر، جس طرح اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تیرے ساتھ احسان کیا تُو بھی (بندوں پر) احسان کر (اور خدا کی نافرمانی اور حقوق کو ضائع[13] کرکے) دنیا میں فساد نہ کر، بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حل لغات: ① قسم۔ ② اپنے کو اچھا سمجھنا۔ ③ اللہ کی طرف سے، قدرتی۔ ④ بے کار۔ ⑤ صحت وتندرستی کی حفاظت کا شعبہ۔ ⑥ طاقت۔ ⑦ مدد۔ ⑧ حکم دیا گیا۔ ⑨ کوشش۔ ⑩ اللہ ہی اپنے محبوب اور پسندیدہ کاموں کے کرنے کی توفیق دینے والا ہے۔ ⑪ تلاش۔ ⑫ بھولا ہوا۔ ⑬ برباد۔

فائدہ: یہ قرآن پاک میں مسلمانوں کی طرف سے قارُون کو نصیحت کا بیان ہے، اس کا پورا قصہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر تین (۳) پر آرہا ہے۔ سُدّی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آخرت کی جُستجو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرکے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا تقرُّب[1] حاصل کر اور صِلۂ رحمی[2] کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دنیا سے اپنا حِصّہ مت بھول کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنا نہ چھوڑ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، یہ دنیا سے اپنا حصہ ہے جس کا ثواب آخرت میں ملتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت اپنے لیے روک کر باقی زائد کا خرچ کر دینا اور آگے چلتا کر دینا، یہ دنیا میں سے اپنا حصہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک سال کا خرچ روک کر باقی کا صدقہ کر دے۔ [درمنثور]

آدمی کا اپنی دنیا میں سے اپنی آخرت کا حصہ بھلا دینا اپنے نفس پر انتہائی ظلم ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی ایسی حالت میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے سامنے لایا جائے گا، جیسا کہ (ضُعف[3] اور ذلّت کے اعتبار سے) بھیڑ کا بچہ ہو، وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، وہاں سے مُطالَبہ[4] ہوگا کہ میں نے تجھے مال دیا، دولت عطا کی، تجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے، تو نے میرے ان انعامات میں کیا کارگزاری کی؟ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میں نے مال خوب جمع کیا، اس کو خوب بڑھایا اور جتنا مال تھا اس سے بہت زیادہ اس کو کر کے دنیا میں چھوڑ آیا، آپ مجھے دنیا میں واپس کر دیں تو میں وہ سب کچھ اپنے ساتھ لے آؤں، ارشاد ہوگا: وہ دکھاؤ جس کو ذخیرہ بنا کر آگے بھیج رکھا ہو، وہ پھر یہی عرض کرے گا کہ یا اللہ! میں نے اس کو بہت ہی جمع کیا اور بڑھایا اور جتنا تھا اس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا مجھے آپ واپس بھیج دیں میں وہ سارا ہی ساتھ لے آؤں؛ بالآخر جب اس کے پاس ذخیرہ ایسا نہ ہوگا جس کو آگے بھیج رکھا ہو تو اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ]

یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بڑے غور اور بہت اہتمام سے عمل کرنے کی چیزیں ہیں، سرسری[5] پڑھ کر چھوڑ دینے کے واسطے نہیں ہیں۔ دنیا کی زندگی کو جو بالکل خواب کی مثال ہے بہت اہتمام سے آخرت کی تیاری کے لیے غنیمت[6] سمجھو اور جو کمایا جا سکے کمالو، حق تعالیٰ شانُہٗ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات: ① نزدیکی۔ ② رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ ③ کمزوری۔ ④ پوچھ تاچھ۔ ⑤ بے پروائی۔ ⑥ قدر کرنا۔

بخل کی مذمت

⑨ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾ [سورۂ محمد:۳۸]	ترجمہ: تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (تھوڑا سا) خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے، سو اس پر بھی تم میں سے بعض آدمی بُخل[1] کرنے لگتے ہیں (اگر زیادہ مانگا جاتا تو کیا کرتے) اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے (اس لیے کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا نفع اسی کو ملتا) اللہ تعالیٰ تو غنی[2] ہے (اس کو تمہارے مال کی پرواہ نہیں) اور تم محتاج ہو (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اسی لیے تمہیں صدقہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس کا نفع تمہیں کو پہونچتا ہے) اور اگر تم (اللہ تعالیٰ کے احکام سے) رُوگردانی[3] کروگے، تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا اور پھر وہ تم جیسے (روگردانی کرنے والے) نہ ہوں گے (بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے)۔

فائدہ: یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی کوئی غرض[4] ہماری خیرات اور صدقات کے ساتھ وَابستہ[5] نہیں ہے، اس نے جس قدر زیادہ ترغیبیں اپنے پاک کلام اور اپنے پاک رسول ﷺ کے ذریعہ سے فرمائی ہیں، وہ ہمارے ہی نفع کے واسطے ہیں؛ چنانچہ پہلی فصل میں بہت سے دینی اور دُنیوی فوائد[6] صدقے کے گزر چکے ہیں اور جب ایک حاکم مالک خالق کسی شخص کو ایسے کام کا حکم کرے جس سے حکم کرنے والے کا کوئی نفع نہ ہو بلکہ جس کو حکم دیا ہے اسی کا نفع ہو اور پھر بھی وہ حکم عُدولی[7] کرے، تو یقیناً اس کا جتنا خمیازہ[8] بھی بھگتے وہ ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بہت سے لوگوں کو نعمتیں اس لیے دیتا ہے کہ لوگوں کو نفع پہونچائیں، جب تک وہ لوگ ایسا کرتے ہیں وہ نعمتیں اُن کے پاس رہتی ہیں، جب وہ اس سے رُوگردانی کرنے لگتے ہیں وہ نعمتیں ان سے چھین کر حق تعالیٰ شانُہٗ دوسروں کی طرف منتقل کردیتے ہیں۔ [کنز] اور یہ نعمتیں مال ہی کے ساتھ مخصوص[9] نہیں، عزت، وجاہت اثر[10] وغیرہ سب ہی چیزیں اس میں داخل ہیں اور سب کا یہی حال ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی کہ اگر تم رُوگردانی کروگے تو اللہ جَلَّ شانُہٗ دوسری قوم کو پیدا کردے گا، تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضور! یہ لوگ کن میں سے ہوں گے جو ہماری رُوگردانی کی صورت میں ہمارے بدل ہونگے؟ تو حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اور ان کی قوم، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر دین ثُریّا (جو چند ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے) پر

حل لغات: ① کنجوسی۔ ② مالدار، بے نیاز۔ ③ نافرمانی۔ ④ ضرورت۔ ⑤ متعلق، جڑی ہوئی۔ ⑥ فائدہ کی جمع۔ ⑦ نافرمانی۔ ⑧ سزا بھگتنا، نقصان اٹھانا۔ ⑨ خاص۔ ⑩ دبدبہ۔

ہوتا، تو فارس کے کچھ لوگ وہیں سے دین کو پکڑتے۔ مُتعَدَّد روایات میں یہ مضمون آیا ہے۔[درمنثور] یعنی حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان کو دین کی اتنی پَرواز[1] عطا فرمائی ہے کہ دین اور علم کو اگر وہ ثُریّا پر ہوتا وہاں سے بھی حاصل کرتے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت ترمذی شریف سے نقل کی ہے اور اسی طرح ایک اور روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے عجمی لوگوں کا ذکر کیا گیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ان پر یا اُن میں سے بعض پر تم سے یا تم میں سے بعض سے زیادہ اعتماد[2] ہے۔ [مشکوٰۃ] اور یہ ظاہر ہے کہ عَجَم[3] میں بعض بعض اکابر ایسے اونچے درجے اور کمالات کے پیدا ہوئے ہیں کہ صحابی ہونے کی فضیلت کو چھوڑ کر دوسرے اعتبارات سے ان کے کمالات بہت اونچے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل حدیث میں آئے ہیں اور آنے بھی چاہئیں کہ دینِ حق کی تلاش میں انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں بہت سے ملکوں کی خاک[4] چھانی، اُن کی عمر بہت زیادہ ہوئی، ڈھائی سو سال میں تو کسی مُعتمَد[5] کا اختلاف ہی نہیں ہے، بعض نے ساڑھے تین سو سال بتائی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے کہ اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَام کا زمانہ پایا اور حضور ﷺ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں چھ سو سال کا فرق ہے۔ ان کو پہلی کتابوں سے حضورِ اقدس ﷺ نبی آخرُالزَّماں کے مبعوث ہونے کی خبر معلوم ہوئی، یہ حضور ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے اور راہبوں[6] سے اور اس زمانہ کے عالموں سے تحقیق کرتے رہے اور وہ لوگ حضور ﷺ کے عنقریب پیدا ہونے کی بَشارت[7] اور حضور ﷺ کی علامات بتاتے رہے، یہ فارس کے شہزادوں میں تھے اسی تلاش میں ملک در ملک تلاش کرتے پھرتے تھے، کسی نے ان کو قید کر کے اپنا غلام بنا کر فروخت[8] کر دیا، پھر یہ اسی طرح بِکتے رہے۔ خود فرماتے ہیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ مجھے دس آقاؤں سے زیادہ نے خریدا اور فروخت کیا، آخر میں مدینہ منورہ کے ایک یہودی نے ان کو خریدا۔ اس وقت حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے، ان کو اس کی خبر ہوئی، یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو علامات ان کو بتائی گئی تھیں ان علامات کو جانچا اور امتحان کیا، اس کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے یہودی آقا سے فِدْیَہ[9] دے کر (جس کو مُکاتَب بننا کہتے ہیں) آزاد ہوئے۔ ایک حدیث میں ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ چار آدمیوں کو محبوب رکھتے ہیں جن میں سلمان بھی ہیں۔[اِصابہ] اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی سے محبت نہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ چار محبوبوں میں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے لیے

حل لغات: (۱) اُڑان۔ (۲) بھروسا۔ (۳) عرب کے علاوہ تمام ملک۔ (۴) پریشان پھرنا۔ (۵) قابلِ اعتبار آدمی۔ (۶) عیسائی عبادت گذار۔ (۷) خوشخبری۔ (۸) بیچ دیا۔ (۹) بدلہ، معاوضہ۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے سات نُجَبَاء[1] بنائے ہیں (یعنی مخصوص جماعت برگزیدہ لوگوں کی، جو اس نبی کے کام کی ظاہری اور باطنی نگرانی کرنے والے اور مدد کرنے والے ہوں) لیکن میرے لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے چودہ نُجَبَاء مقرر فرمائے ہیں، کسی نے عرض کیا: وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور میرے دونوں بیٹے (حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما) اور جعفر اور حمزہ، ابوبکر، عمر، مُصعَب بن عُمیر، بلال، سلمان، عمّار، عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری، مقداد رضی اللہ عنہم۔ [مشکوٰۃ]

حالات کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے کسی اہم اَمر[2] میں ان حضرات کی خصوصیات ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب سورۂ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکرّر[3] دریافت[4] کیا، حتیٰ کہ تین دفعہ سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اوپر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثُریّا پر ہوتا، تو ان میں سے بعض آدمی وہاں سے بھی لے آتے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر علم ثُریّا پر ہوتا۔ دوسری حدیث میں ہے: اگر دین ثُریّا پر ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آتے۔ [فتح الباری] علّامہ سُیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو خود محققینِ[5] شافعیہ میں ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل میں پیشین[6] گوئی کے طور پر ایسی صحیح چیز ہے جس پر اعتماد[7] کیا جاتا ہے۔ [مقدمہ اوجز]

(١٠) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ	ترجمہ: کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں؛
فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	مگر وہ (سب) ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں) ان جانوں کے
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ	پیدا ہونے سے پہلے سے لکھی ہوئی ہے اور یہ بات (کہ وُقوع[8] سے
نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ	اتنا پہلے لکھ دینا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان کام ہے (اور یہ اس لیے
يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى	بتلادیا) تاکہ جو چیز عافیت (مال یا اولاد وغیرہ) تم سے جاتی رہے،
مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ	اس پر (زیادہ) رنج نہ کرو اور جو تم کو ملے اس پر اتراؤ نہیں (اس لیے کہ
اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ	اتراوے وہ جس کو اپنے استحقاق[9] سے ملے اور جو دوسرے کے حکم سے
مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ الَّذِيْنَ	ایک چیز ملے اس پر کیا اترانا) اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز[10]
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ	کو پسند نہیں کرتا (بالخصوص) جو لوگ ایسے ہیں کہ خود بھی بُخل[11]

حل لغات: (١) نیک لوگ، مقبول۔ (٢) معاملہ۔ (٣) دوبارہ۔ (٤) پوچھا۔ (٥) یعنی مذہبِ شافعی کے زبردست عالم۔ (٦) آئندہ کی خبر۔ (٧) بھروسا۔ (٨) واقع ہونا۔ (٩) صلاحیت۔ (١٠) گھمنڈی۔ (١١) کنجوسی۔

بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ [سورۂ حدید: ۲۲ - ۲۴]	کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں اور جو (اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے یا دینی کاموں سے) اِعراض[1] کرے گا تو اللہ تعالیٰ (کا کیا نقصان کرے گا وہ تو) بے نیاز ہے، حمد کے لائق ہے۔

فائدہ: مَصَائب[2] پر رنج[3] تو طبعی[4] چیز ہے، مقصد یہ ہے کہ اتنا زیادہ رنج نہ ہو کہ دین اور دنیا کے سب ہی کاموں سے روک دے اور یہ بھی طبعی بات ہے کہ جب کسی بات کے متعلق یہ پُختہ[5] یقین پہلے سے ہو جائے کہ فلاں بات ہو کر رہے گی، کسی سعی اور کوشش سے وہ مُلتوی[6] نہیں ہو سکتی، تو پھر اس پر رنج و غم ہلکا ہو جایا کرتا ہے برخلاف اس کے کہ کوئی بات خلافِ تَوَقُّع[7] پیش آئے، تو اس پر رنج زیادہ ہوا کرتا ہے، اس لیے اس آیتِ شریفہ میں اس پر مُتَنَبِّہ[8] کر دیا کہ موت و حیات[9]، رنج و خوشی، راحت آفت یہ سب چیزیں ہم نے پہلے سے طے کر رکھی ہیں، وہ اسی طرح ہو کر رہیں گی، پھر اس میں اِترانے یا غم سے ہلاکت کے قریب ہو جانے کی کیا بات ہے؟ آیتِ شریفہ میں دو لفظ وارد ہوئے ہیں ﴿مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ﴾ جس کا ترجمہ: اترانے والے، شیخی باز کا کیا ہے۔ اترانا اپنے آپ سے ہوتا ہے یعنی دوسرے کے بغیر بھی ہوتا ہے اور شیخی دوسرے کے سامنے اور دوسرے کے مقابلہ میں ہوا کرتی ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اختیال تو ایسی چیزوں پر اِترانا ہوتا ہے جو آدمی کے اندر ذاتی کمال ہوں اور فخر ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو خارجی[10] ہوں جیسا کہ مال و جاہ وغیرہ۔ [بیان القرآن]

حضرت قَزَعَۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو موٹے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، میں نے عرض کیا کہ میں خراسان کے بنے ہوئے نرم کپڑے یہ لایا ہوں؛ اگر ان کو پہن لیں تو آپ کے بدن پر یہ کپڑے دیکھ کر میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچے گی۔ انہوں نے فرمایا: مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ کپڑے پہن کر کہیں میں ﴿مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ﴾ نہ بن جاؤں۔ [دُرِّ منثور] یعنی اُن کے پہننے سے کہیں مجھ میں عُجب[11] اور تفاخُر[12] پیدا نہ ہونے لگے۔

⑪ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ	ترجمہ: یہی (منافقین) وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جمع ہیں، ان پر خرچ کچھ نہ کرو؛ یہاں تک کہ یہ آپ ہی (خرچ نہ ملنے کی وجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے) مُنتَشِر[13] ہو جائیں گے

حل لغات: ① منہ پھیرنا۔ ② مصیبت کی جمع۔ ③ غم۔ ④ فطری۔ ⑤ مضبوط۔ ⑥ یعنی نہیں رک سکتی۔ ⑦ امید کے خلاف۔ ⑧ خبردار۔ ⑨ زندگی۔ ⑩ باہر کی چیز۔ ⑪ خودپسندی۔ ⑫ گھمنڈ۔ ⑬ الگ ہو جائیں۔

الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ۞	اور (بے وقوف یہ نہیں جانتے کہ) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمینوں کے، لیکن یہ منافق (احمق[1]) ہیں، سمجھتے نہیں ہیں۔
[سورۂ منافقون: ۷]	

فائدہ: مُتعَدَّد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ عبداللہ بن اُبی رئیس[2] المنافقین اور اس کی ذُرِّیات[3] نے یہ کہا کہ یہ لوگ جو حضورِ اقدس ﷺ کے پاس جمع ہیں، اُن کی اِعانت[4] کرنا چھوڑ دی جائے، یہ بھوک سے پریشان ہو کر خود بخود مُنتشِر ہو جائیں گے، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ اور بالکل حق ہے، روزمَرّہ[5] کا مُشاہدہ[6] ہے، سینکڑوں مرتبہ اس کا تجربہ ہوا کہ جب بھی کسی دینی کام کرنے والوں کے متعلق عِناد[7] اور بدباطنیّت[8] سے لوگوں نے یا کسی خاص فرد نے اعانت روکی، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے لُطف وکرم سے دوسرا دروازہ کھول دیا۔ یہ ہر شخص کو یقین کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے کہ روزی اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے اور صرف اپنے ہی قبضہ میں رکھی ہے وہ کسی کے باپ کے بند کرنے سے بھی بند نہیں ہوتی، البتہ بند کرنے والے دین کی اعانت سے ہاتھ روک کر آخرت میں اللہ جلَّ جلالہٗ کے یہاں جواب دینے کے لیے تیار ہو جائیں، جہاں نہ تو جھوٹ چل سکتا ہے کہ ہماری یہ غرض[9] تھی اور وہ غرض تھی، نہ کوئی بیرِسٹر[10] یا وکیل کام دے سکتا ہے، فرضی[11] حیلے[12] تلاش کر کے اللہ کے اور دین کے کاموں سے پہلو تہی[13] کرنے سے بجز[14] اس کے کہ اپنی ہی عاقبت[15] خراب کی جائے اور کوئی فائدہ نہیں، ذاتی عناد اور دنیوی اغراضِ فاسدہ[16] کی وجہ سے کسی دینی کام میں روڑے[17] اٹکانا یا کسی دین کا کام کرنے والے کی اعانت سے ہاتھ روکنا یا دوسروں کو روکنا، اپنا ہی نقصان کرنا ہے کسی دوسرے کا نقصان نہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت پہلو تہی کرے جب کہ اس کی آبرو[18] گرائی جارہی ہو، اس کا احترام توڑا جارہا ہو، تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس شخص کی مدد کرنے سے ایسے وقت میں بے اِلتِفاتی[19] فرماتے ہیں، جب کہ یہ کسی مدد کرنے والے کی مدد کا خواہش مند ہو۔ [مشکوٰۃ] حضورِ اقدس ﷺ کا عمل امت کے لیے شاہراہ[20] ہے، ہر چیز میں اس کی کوشش ہر امتی کا فرض ہے کہ حضور ﷺ کا طریقہ کیا تھا اور اس راہ پر چلنے کی حَتَّی الْوُسع[21] کوشش کرنا چاہیے، حضور ﷺ کا معمول تھا کہ دشمنوں کی اعانت سے بھی دریغ[22] نہ تھا سینکڑوں واقعات کتبِ احادیث وتاریخ میں اس پر شاہد[23] ہیں، خود یہی عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار جس قدر تکالیف اور اذیتیں پہونچا سکتا تھا اس نے کبھی دریغ

حل لغات: (۱) بے وقوف۔ (۲) منافقوں کا سردار۔ (۳) یعنی پیروی کرنے والے۔ (۴) مدد۔ (۵) روزانہ۔ (۶) دیکھنا۔ (۷) دشمنی۔ (۸) کینہ کپٹ۔ (۹) مقصد۔ (۱۰) وہ وکیل جس نے برطانیہ سے وکالت کی ڈگری حاصل کی ہو۔ (۱۱) بناوٹی۔ (۱۲) بہانے۔ (۱۳) کترانا، بچانا۔ (۱۴) صِرف۔ (۱۵) آخرت۔ (۱۶) غلط مقصد۔ (۱۷) رکاوٹ ڈالنا۔ (۱۸) عزت۔ (۱۹) بے توجہی۔ (۲۰) کھلا راستہ۔ (۲۱) جہاں تک ہو سکے۔ (۲۲) انکار۔ (۲۳) گواہ۔

نہیں کیا، اسی شخص کا مقولہ[1] اسی سفر کا، جس میں آیتِ[2] بالا نازل ہوئی یہ ہے کہ: جب ہم لوگ مدینہ واپس پہونچ جائیں گے تو عزت دار لوگ یعنی ہم لوگ ان ذلیلوں کو (یعنی مسلمانوں کو) مدینہ سے نکال دیں گے؛ لیکن ان سب حالات کے باوجود اسی سفر سے واپسی کے چند روز بعد یہ بیمار ہوا تو اپنے بیٹے سے جو بہت بڑے پکّے مسلمان تھے کہا کہ تم جا کر حضور ﷺ کو میرے پاس بلا لاؤ، تمہارے بلانے سے وہ ضرور آجائیں گے، یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کی درخواست نقل کی، حضور اقدس ﷺ اسی وقت جوتے پہن کر ساتھ ہو لیے، جب حضور ﷺ کو اس نے دیکھا تو رونے لگا، حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! کیا گھبرا گیا؟ اس نے کہا کہ میں نے اس وقت آپ کو تنبیہ کے واسطے نہیں بلایا بلکہ اس واسطے بلایا ہے کہ اس وقت مجھ پر رحم کریں۔ یہ کلمہ سن کر حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ارشاد فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ اُس نے عرض کیا کہ میری موت کا وقت قریب ہے جب میں مرجاؤں تو میرے غسل دینے میں آپ موجود ہوں اور اپنے مَلبُوس[3] میں مجھے کفن دیں اور میرے جنازہ کے ساتھ قبر تک جائیں اور میری نماز جنازہ پڑھیں۔ حضور ﷺ نے ساری درخواستیں اس کی قبول فرمائیں، جس پر آیتِ شریفہ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ [سورۂ برأۃ:۸۴] نازل ہوئی۔ [درمنثور]

جس میں حق تعالیٰ شانُہٗ نے منافقین کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی مُمانعت[4] فرمائی، یہ تھا حضور ﷺ کا برتاؤ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ اور یہ کرم تھا ان کمینوں کے ساتھ جو کسی وقت بھی سَبّ[5] وشتم اور عیب[6] تراشی میں کمی نہ کرتے تھے، کیا ہم لوگ بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاملہ کرسکتے ہیں کہ اس جانی دشمن کی تکلیف کو دیکھ کر رحمۃ اللعالمین ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور جتنی فرمائشیں[7] اس نے اپنے کُفر کے باوجود کیں، حضور ﷺ نے اپنے کرم سے سب پوری کیں اپنا کرتا مبارک اتار کر اس کو کفن کے لیے مرحمت فرمایا اور بقیہ سب درخواستیں پوری کیں، گو[8] کُفر کی وجہ سے اس کو کارآمد[9] نہ ہوسکیں، بلکہ آئندہ کے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے اس انتہائی کرم کی مُمانعت اُتر آئی۔

⑫ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۞ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ	ترجمہ: ہم نے (ان مکہ والوں کو سامان عیش دے کر) ان کی آزمائش کر رکھی ہے (کہ یہ ان نعمتوں میں کیا عمل کرتے ہیں) جیسا کہ (اُن سے پہلے) ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب کہ اُن باغ والوں نے آپس میں قسم کھائی اور عہد[10] کیا

حل لغات: ① کہاوت۔ ② اوپر والی آیت۔ ③ پہنا ہوا کپڑا۔ ④ منع کرنا۔ ⑤ گالی گلوچ۔ ⑥ عیب نکالنا۔ ⑦ فرمائش کی جمع، درخواست۔ ⑧ اگرچہ۔ ⑨ مفید۔ ⑩ وعدہ۔

نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ [سورۂ قلم: ۱۷-۳۳]	کہ اس باغ کا پھل ضرور صبح کو جا کر توڑ لیں گے اور (ان کو ایسا پختہ[۱] یقین تھا کہ) محتاج[۲] تم تک نہ آنے پائے، وہ اپنے خیال میں اس کے روک لینے پر اپنے آپ کو قادر[۳] سمجھ کر چلے (کہ سب کچھ خود ہی لے آئیں گے) جب وہاں پہونچ کر اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے (کہیں اور پہونچ گئے یہ تو وہ باغ نہیں ہے؛ لیکن جب قرائن[۴] سے معلوم ہوا کہ یہ وہی جگہ ہے، تو کہنے لگے) کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ان میں جو ایک آدمی (کسی قدر) نیک تھا (لیکن عمل میں ان کا شریکِ حال تھا) کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا (کہ ایسی بدنیتی نہ کرو غریبوں کے دینے سے برکت ہوتی ہے، اب) اللہ کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے (یعنی توبہ استغفار کرو) وہ باغ والے کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہم قصور وار ہیں، پھر ایک دوسرے کو الزام دینے لگے (جیسا کہ عام طور سے عادت ہے کہ جب کوئی کام بگڑ جائے تو ہر ایک دوسرے کو قصوروار بتایا کرتا ہے) پھر سب کے سب کہنے لگے کہ بے شک ہم سب ہی حد سے تجاوُز[۵] کرنے والے تھے (کسی ایک پر الزام نہیں ہے سب کی یہی صلاح[۶] تھی سب مل کر توبہ کرو اس کی برکت سے) شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ دے دے، اب ہم توبہ کرتے ہیں (اس کے بعد اللہ جلَّ جلالُہٗ تنبیہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ) اسی طرح (دنیا کا) عذاب ہوا کرتا ہے (کہ ہم بدنیتی سے چیز ہی فنا[۷] کر دیتے ہیں) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے، کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ اس بات کو جان لیتے (کہ غریبوں سے بخل کا نتیجہ اچھا نہیں)۔

فائدہ: یہ بڑی عبرت[۸] کا قصہ ہے جو ان آیات میں ذکر فرمایا ہے، جو لوگ غُرَباء[۹]، مساکین[۱۰]، اہل ضرورت

حل لغات: (۱) پکا۔ (۲) غریب۔ (۳) طاقت رکھنے والا۔ (۴) اندازے۔ (۵) آگے بڑھنا۔ (۶) رائے۔ (۷) ختم۔ (۸) نصیحت۔ (۹) غریب کی جمع۔ (۱۰) مسکین کی جمع، فقیر۔

کو نہ دینے کے عہد و پیمان[1] کرتے ہیں، قسمیں کھا کھا کر وعدے کرتے ہیں کہ ان ضرورت مندوں کو ایک پیسہ بھی نہیں دیا جائے گا، ایک وقت کی روٹی بھی نہ دی جائے گی، یہ نالائق ہرگز اِعانت[2] کے مُستحق[3] نہیں، ان کو دینا بے کار ہے؛ وہ اپنے سارے مال سے یوں بَیک وقت ہاتھ دھو لیتے ہیں اور جو نیک دل اس طرز[4] کو پسند نہیں کرتے؛ لیکن عملاً[5] لحاظ مُلاحَظہ[6] میں ان کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں، وہ بھی عذاب کی بلا[7] سے نَجات نہیں پاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان آیات میں جو واقعہ گزر رہا ہے وہ حبشہ کے رہنے والے آدمیوں کا ہے، ان کے باپ کا ایک بہت بڑا باغ تھا، وہ اس میں سے مانگنے والوں کو بھی دیا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی اولاد کہنے لگی کہ ابا جان تو بے وقوف تھے، سب کچھ ان لوگوں پر بانٹ دیتے تھے، پھر قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم صبح ہی سارا باغ کاٹ لائیں گے اور کسی فقیر کو اس میں سے کچھ نہیں دیں گے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس باغ کے مالک بڑے میاں کا دستور[8] یہ تھا کہ اس کی پیداوار میں سے اپنا ایک سال کا خرچ رکھ کر باقی سب کا سب اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے، اُن کی اولاد ان کو اس طرز سے روکتی رہتی تھی مگر وہ مانتے نہ تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی اولاد نے یہ کوشش کی جو اوپر ذکر کی گئی کہ سارا کا سارا روک لیں اور کسی غریب کو کچھ نہ دیں۔ سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ باغ یمن میں تھا، اس جگہ کا نام ضروان تھا جو (یمن کے مشہور شہر) صَنعا سے چھ میل تھا۔ ابنِ جُریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ عذاب جو اس باغ پر مُسلّط ہوا، جہنم کی گھاٹی سے ایک آگ نکلی جو اس پر پھر گئی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ باغ انگور کا تھا۔

حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتے رہا کرو، آدمی بعض گناہ ایسے کرتا ہے کہ اُس کی نُحوست[9] سے علم کا ایک حصہ بھول جاتا ہے (یعنی حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور پڑھا ہوا بھول جاتا ہے) اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے تہجد کو آنکھ نہیں کھلتی اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی آمدنی جو بالکل اس کے لیے آنے کو تیار ہوتی ہے جاتی رہتی ہے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی: ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ الآیۃ۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ کی وجہ سے اپنے باغ کی پیداوار سے محروم ہو گئے۔ [درمنثور] خود حق سُبحانہٗ وتقدّس کا قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾﴾ [سورۂ شوریٰ:۳۰] اور جو مصیبت تم کو پہونچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہونچتی ہے اور (ہر گناہ پر نہیں پہونچتی بلکہ)

حل لغات: (۱) یعنی آپس کا پکا وعدہ۔ (۲) مدد۔ (۳) حق دار۔ (۴) طریقہ۔ (۵) یعنی عمل اور کام میں۔ (۶) مروّت۔ (۷) مصیبت۔ (۸) عادت۔ (۹) بُرا اثر۔

بہت سے گناہ تو حق تعالیٰ شانہٗ معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تمہیں بتاؤں؟ اے علی! جو کچھ بھی تمہیں پہونچے مرض[1] ہو یا کسی قسم کا عذاب یا دنیا کی اور کوئی مصیبت ہو، وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اس مضمون کو بندہ اپنے رسالہ ''اِعْتِدَال'' معروف اسلامی سیاست میں تفصیل سے لکھ چکا ہے وہاں دیکھا جائے۔

(۱۳) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۚ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ﴿۲۶﴾ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ؕ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۙ﴿۳۳﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ؕ﴿۳۴﴾ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ۙ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ۙ﴿۳۶﴾ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ۠﴿۳۷﴾ [سورۃ الحاقۃ: ۱۹-۳۷]	ترجمہ: اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (نہایت ہی حسرت[2] سے) کہے گا: کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے، اچھا ہوتا کہ موت ہی سب قصہ ختم کر دیتی (قیامت ہی نہ آتی جو حساب کتاب ہوتا) میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا میری جاہ (آبرو[3]) بھی جاتی رہی (اس کے لیے فرشتوں کو حکم ہوگا) اس کو پکڑو اور اس کو طوق[4] پہنا دو پھر جہنم میں اس کو داخل کر دو پھر ایک ستّر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو، اس لیے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا تھا (اور خود تو کیا کھلاتا) دوسرے آدمیوں کو بھی غریب کے کھلانے کی ترغیب[5] نہ دیتا تھا، پس نہ تو آج اس کا کوئی یہاں دوست ہے اور نہ اس کے لیے کوئی چیز کھانے کو ہے بجز غِسْلِین کے جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے اور کوئی نہ کھائے گا۔

فائدہ: غِسْلِین کا مشہور ترجمہ دُھوَن کا ہے یعنی زخموں وغیرہ کے دھونے سے جو پانی جمع ہو جائے وہ غِسْلِین کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ زخموں کے اندر سے جو لہو[6] پیپ وغیرہ نکلتی ہے وہ غِسْلِین ہے۔ حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ غِسْلِین کا ایک ڈول اگر دنیا میں ڈال دیا جائے تو اُس کی بدبو سے ساری دنیا سڑ جائے۔ نَوف شامی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ وہ زنجیر جو ستّر گز لمبی ہے اُس کا ہر گز ستّر باع ہے اور ہر باع اتنا لمبا ہے کہ مکّہ مکرّمہ سے کوفہ تک پہونچے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسرے مفسّرین سے نقل کیا گیا کہ یہ زنجیر پاخانہ کی جگہ کو داخل کر کے ناک میں کو نکالی جائے گی اور پھر اس پر لپیٹ دی جائے گی جس سے وہ بالکل جکڑا جائے گا۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) بیماری۔ (۲) افسوس۔ (۳) عزت۔ (۴) زنجیر۔ (۵) شوق دلانا۔ (۶) خون۔

اس آیتِ شریفہ میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینے پر بھی عِتاب[1] ہے۔ اس لیے آپس میں اپنے عزیزوں کو، اپنے اَحباب[2] کو، ملنے والوں کو، غُرَباء پَرْوَرِی[3] پر، مساکین کو کھلانے پلانے پر خاص طور سے ترغیب دیتے رہنا چاہیے کہ دوسروں کو ترغیب دینے سے اپنے اندر سے بھی بُخل کا مادّہ کم ہوگا۔

(۱۴) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَیْلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ۝ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ ۝ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَۃُ ۝ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ ۝ اِنَّہَا عَلَیْہِمْ مُّؤْصَدَۃٌ ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۝ [سورۂ ہمزہ:۹]	ترجمہ: بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لیے جو پَسِ[4] پُشت عیب نکالنے والا ہو، مُنہ[5] دَرمُنہ طعنہ دینے والا ہو، جو مال جمع کر کے رکھتا ہے (اور غایتِ[6] محبت سے) اس کو بار بار گنتا ہے، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، ہرگز نہیں (یہ مال ہمیشہ نہیں رہے گا) خدا کی قسم! یہ شخص ایسی آگ میں ڈال دیا جائے گا کہ اس میں جو چیز پڑ جائے گی وہ آگ اس کو توڑ پھوڑ کر ڈال دے۔ آپ کو خبر بھی ہے وہ کیسی توڑ دینے والی آگ ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی آگ ہے جو دلوں تک پہونچ جائے گی (یعنی دنیا کی آگ تو جہاں بدن میں لگی آدمی مر گیا، اور وہاں چونکہ موت نہیں، اس لیے بدن میں لگتے ہی دل تک پہونچ جائے گی اور دل کی ذرا سی ٹھیس بھی آدمی کو بہت محسوس ہوتی

ہے) اور وہ آگ ان لوگوں پر بند کر دی جائے گی اس طرح پر کہ وہ لوگ لمبے لمبے ستونوں میں گِھرے ہوئے ہوں گے۔

فائدہ: ''ہُمَزَہ، لُمَزَہ'' کی تفسیر میں مختلف اَقوال علماء کے ہیں، ایک تفسیر یہ بھی ہے جو اوپر نقل کی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہُمَزَہ کی تفسیر: طعن دینے والا۔ اور لُمزہ کی تفسیر: غیبت کرنے والا نقل کی گئی ہے۔ ابنِ جُریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہُمزہ اشارہ سے ہوتا ہے: آنکھ کے، منہ کے، ہاتھ کے، جس کے بھی اشارہ سے ہو اور لُمزہ زبان سے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معراج کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے مَردوں کی ایک جماعت دیکھی جن کے بدن قینچیوں سے کترے جا رہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زینت اختیار کرتے تھے (یعنی حرام کاری کے لیے بن سنور کر نکلتے تھے) پھر میں نے ایک کنواں دیکھا جس میں نہایت سخت بدبو آ رہی تھی اور اس میں چلّانے کی آوازیں آ رہی تھیں،

حل لغات: (۱) وعید۔ (۲) دوست۔ (۳) غریبوں کی دیکھ بھال۔ (۴) پیٹھ پیچھے۔ (۵) آمنے سامنے۔ (۶) انتہائی محبت۔

میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو (حرام کاری کے لیے) بنتی سنورتی تھیں اور ناجائز کام کرتی تھیں، پھر میں نے کچھ مرد اور عورتیں مُعَلَّق[1] دیکھیں جو پِستانوں[2] کے ذریعہ سے لٹک رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ طعن دینے والے، چغل خوری کرنے والے ہیں۔ [درمنثور]

اللہ جَلَّ شانُہٗ اپنے فضل سے ان چیزوں سے محفوظ رکھے، بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اس سورتِ شریفہ میں بُخل[3] اور حِرص[4] کی خاص طور سے مَذَمَّت[5] ارشاد فرمائی ہے کہ بُخل کی وجہ سے مال جمع کر کے رکھتا ہے اور حرص کی وجہ سے بار بار گنتا ہے کہ کہیں کم نہ ہو جائے اور اتنی محبت اس سے ہے کہ اس کے بار بار گننے میں بھی مزہ آتا ہے اور یہ بُری عادت تکبُّر[6] اور تَعَلِّی[7] کا سبب بنتی ہے، جس کی وجہ سے دوسروں کی عیب[8] جُوئی اور ان پر طَعَن[9] و تشنیع پیدا ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس سورت کے شروع میں ان عُیوب[10] پر تنبیہ فرمانے کے بعد اس بُری خصلت[11] کی مذمت ذکر کی ہے اور ہر شخص اس خَبط[12] میں مبتلا ہے کہ مال کی افزائش[13] اس کو آفات[14] اور حوادث[15] سے بچا سکتی ہے، گویا مالدار کو موت آتی ہی نہیں، اس لیے اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ واقعات بھی کثرت سے اس کی تائید کرتے ہیں کہ جب کوئی آفت اور مصیبت مُسلَّط ہوتی ہے یہ مال و متاع سب رکھا رہ جاتا ہے بلکہ مال کی کثرت[16] بَسا اوقات[17] خود آفات کو کھینچتی ہے، کوئی زہر دینے کی فکر میں ہوتا ہے، کوئی قتل کرنے کی اور لوٹ مار چوری ڈاکہ سینکڑوں آفات اس مال کی بدولت آدمی پر مُسلَّط رہتی ہیں۔ اور جب مال زیادہ ہو جاتا ہے پھر تو عزیز و اقارب بیوی بیٹیاں سب ہی دل سے اس کی خواہش کرنے لگتے ہیں کہ بڈھا کہیں مرے تو یہ ہمارے ہاتھ آئے۔

(۱۵) بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○	ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کے دن کو جُھٹلاتا ہے، پس (اس شخص کا حال یہ ہے کہ) یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور غریب کو (خود تو کیا دیتا، دوسروں کو بھی ان کے) کھانا کھلانے کی ترغیب[18] نہیں دیتا، پس ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں کو بُھلا بیٹھتے ہیں (یعنی نہیں پڑھتے اور اگر کبھی نماز پڑھتے بھی ہیں تو) وہ لوگ دکھاوا کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں (بالکل دیتے ہی نہیں)۔
اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ۞ فَذٰلِكَ	
الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۞ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ	
الۡمِسۡكِيۡنِ ۞ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۞ الَّذِيۡنَ	
هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۞ الَّذِيۡنَ هُمۡ	
يُرَآءُوۡنَ ۞ وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۞	
[سورۂ ماعون]	

حل لغات: (۱) لٹکا ہوا۔ (۲) چھاتی۔ (۳) کنجوسی۔ (۴) لالچ۔ (۵) بُرائی۔ (۶) گھمنڈ۔ (۷) بڑائی۔ (۸) بُرائی تلاش کرنا۔ (۹) بُرا بھلا کہنا۔ (۱۰) عیب کی جمع، برائی۔ (۱۱) عادت۔ (۱۲) پاگل پن۔ (۱۳) زیادتی۔ (۱۴) آفت کی جمع، مصیبت۔ (۱۵) حادثہ کی جمع۔ (۱۶) زیادتی۔ (۱۷) کبھی کبھی۔ (۱۸) شوق دلانا۔

بُخل کی مذمت

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یتیم کو دھکے دینا یہ ہے کہ اس کا حق روکتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس دھکے دینے سے اس پر ظلم کرنا مراد ہے اور یہ چیز قیامت کے دن کو غلط سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے جس کو آخرت کے دن کا یقین ہوگا، وہاں کی جزا اور سزا کا پورا وُثوق[1] ہوگا وہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا، اور اپنے مال کو جمع کر کے نہیں رکھے گا، بلکہ خوب خرچ کرے گا اس لیے کہ جس کو اس کا کامل یقین ہو جائے کہ آج اگر میں اس تجارت میں دس روپیہ لگا دوں، کل کو ضرور مجھے ایک ہزار جائز طریقے سے ملیں گے، وہ کبھی بھی اس میں تأمّل[2] نہ کرے گا۔ اور جن نمازیوں کا اس میں ذکر ہے ان کے متعلق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ منافق لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے سامنے تو دکھلاوے کے واسطے نماز پڑھتے ہیں اور جہاں کہیں اکیلے ہوں اس کو چھوڑ دیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ مُتعدّد حضرات سے نقل کیا گیا کہ نماز کو چھوڑنے سے مراد تأخیر[3] سے پڑھنا ہے کہ بے وقت پڑھتے ہیں۔ ماعون کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں، اس کی تفسیر بعض علماء سے زکوٰۃ نقل کی گئی ہے؛ لیکن اکثر علماء سے جو تفسیریں منقول ہیں ان کے موافق معمولی روزمرّہ[4] کے برتنے[5] کی چیزیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ماعون کا مِصداق یہ چیزیں قرار دیتے تھے: ڈول[6] مانگا دے دینا، ہانڈی، کلہاڑی[7]، ترازو اور اس قسم کی جو چیزیں ایک دوسرے کو مانگی دے دی جاتی ہیں کہ اپنا کام پورا کر کے واپس کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ماعون سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کر دیتے ہیں جیسا کہ کُلہاڑی، دیگچی، ڈول وغیرہ۔ اور بھی مُتعدّد روایات میں یہ مضمون کثرت سے ذکر کیا گیا۔ عِکرِمہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ماعون کا مطلب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی جڑ تو زکوٰۃ ہے اور اَدنیٰ[8] درجہ چھلنی، ڈول، سوئی کا دینا ہے۔ [درمنثور]

اس سورتِ شریفہ میں کئی چیزوں پر تنبیہ کی گئی ہے، مِنجُملہ اُن کے یتیموں کے بارے میں خاص تنبیہ ہے کہ ہلاکت کے اسباب میں سے یتیم کو دھکے دے کر نکال دینا بھی ہے۔ بہت سے لوگ یتیموں کے والی[9] وارث بن کر ان کا مال اپنے تصرّف[10] میں لاتے ہیں اور جب وہ یا اس کی طرف سے کوئی مُطالبہ[11] کرے تو اس کو ڈانٹتے ہیں؛ اُن پر ہلاکت[12] اور عذابِ شدید[13] میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ یہی نوع[14] اس سورتِ شریفہ کا شانِ نزول بتایا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں بہت کثرت سے یتیموں کے بارے میں

حل لغات: (۱) بھروسہ۔ (۲) سوچ بچار۔ (۳) دیر۔ (۴) روزانہ۔ (۵) استعمال کرنا۔ (۶) کنویں سے پانی نکالنے کا برتن۔ (۷) لکڑی کاٹنے کا چھوٹا آلہ۔ (۸) کم، چھوٹا۔ (۹) سرپرست۔ (۱۰) استعمال، خرچ۔ (۱۱) مانگنا۔ (۱۲) تباہی، بربادی۔ (۱۳) سخت عذاب۔ (۱۴) قسم۔

تنبیہات اور آیات نازل ہوئی ہیں، چند آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ جَلَّ جلالُہٗ عَمَّ نوالُہٗ نے کس اہتمام سے اس پر تنبیہ بار بار فرمائی ہے۔

① وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ	[سورۂ بقرہ: ۸۳]
② وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ	[سورۂ بقرہ: ۱۷۷]
③ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی	[سورۂ بقرہ: ۲۱۵]
④ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ط	[سورۂ بقرہ: ۲۲۰]
⑤ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَهُمْ	[سورۂ نساء: ۲]
⑥ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی	[سورۂ نساء: ۳]
⑦ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی اِلٰی قَوْلِهٖ: وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ط	[سورۂ نساء: ۶]
⑧ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی الاٰیة	[سورۂ نساء: ۸]
⑨ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا الاٰیة	[سورۂ نساء: ۱۰]
⑩ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی الاٰیة	[سورۂ نساء: ۳۶]
⑪ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الاٰیة	[سورۂ نساء: ۱۲۷]
⑫ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ط	[سورۂ نساء: ۱۲۷]
⑬ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ	[سورۂ انعام: ۱۵۲]
⑭ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ	[سورۂ بنی اسرائیل: ۳۴]
⑮ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ الاٰیة	[سورۂ حشر: ۷]
⑯ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا الاٰیة	[سورۂ دہر: ۸]
⑰ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ۝۱۷	[سورۂ فجر: ۱۷]
⑱ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵	[سورۂ بلد: ۱۴، ۱۵]
⑲ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝۶	[سورۂ والضحیٰ: ۶]
⑳ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹	[سورۂ والضحیٰ: ۹]

یہ بیس آیات نمونہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں اور آیات کی سورت اور نمبر بھی لکھ دیے ہیں۔ اگر کسی مُتَرجَم[1] قرآن شریف میں ان آیات کو نکال کر ترجمہ دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے بار بار مختلف عنوانوں سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یتیموں کے بارے میں اُن کی اصلاح، ان کی خیر خواہی، اُن

حل لغات: ① ترجمہ کیا ہوا۔

کے مال میں احتیاط، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، اُن کی صَلاح[1] اور فلاح[2] کی کوشش حتیٰ کہ اگر کسی یتیم لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے مہر کو کم نہ کرنے پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ کَس مپُرسی[3] کی وجہ سے اس کے مہر میں بھی کمی نہ کی جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے: میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کی کفالت کرتا ہو جنت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں، اس ارشاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر اُن کی طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے یہ دو قریب ہیں، ملی ہوئی ہیں؛ ایسے ہی میں اور وہ شخص جنت میں قریب ہوں گے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے تھوڑی سی آگے نکلی ہوئی ہوتی ہے، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میرا درجہ نبوّت کی وجہ سے تھوڑا سا آگے بڑھا ہوا ہوگا اور اس کے قریب ہی اس شخص کا درجہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی یتیم کے سر پر (شَفقَت[4] سے) ہاتھ پھیرے اور صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے ایسا کرے تو اس کا ہاتھ یتیم کے سر کے جتنے بالوں پر پھرے گا ہر بال کے بدلہ میں اس کو نیکیاں ملیں گی، اور جو شخص کسی یتیم لڑکے یا لڑکی پر احسان کرے تو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح ہوں گے، وہی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا جیسا اوپر گزرا۔ اور بھی کئی حدیثوں میں مُختَلِف عُنْوان سے یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ [دُرِّ منثور]

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ قبروں سے ایسے اٹھیں گے کہ اُن کے منہ میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ گُذَشتہ میں سے نویں آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ شبِ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ اُونٹ کے ہونٹوں کی طرح سے بڑے بڑے ہیں اور فرشتے اُن پر مُسَلَّط ہیں کہ وہ اُن کے ہونٹوں کو چیر کر اُن میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ٹھُونس رہے ہیں کہ وہ آگ منہ سے داخل ہو کر پاخانہ کی جگہ سے نکلتی ہے اور وہ لوگ نہایت آہ وزاری[5] سے چلّا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے تھے اُن کو آگ کھلائی جارہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ چار قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نہ تو جنت میں داخل فرمائیں گے، نہ جنت کی نعمتیں ان کو چکھنا نصیب ہوں گی، ایک: وہ شخص جو شراب پیتا ہو، دوسرے: سود خور، تیسرے: وہ شخص جو ناحق یتیم کا مال کھائے، چوتھے: وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرے۔ [دُرِّ منثور] حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز

حل لغات: (۱) بہتری۔ (۲) کامیابی۔ (۳) ایسی حالت جس میں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ (۴) پیار، مہربانی۔ (۵) رونا پیٹنا۔

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یتیموں پر احسان دو قسم کا ہے: ایک تو وہ ہے جو وارثوں پر واجب ہے، مثلاً اس کے مال کی حفاظت کہ اس میں زراعت[1] یا تجارت وغیرہ سے ترقی ہو، تاکہ اس کا نفقہ[2] اور ضروریات پوری ہوسکیں اور اس کی خوراک[3] پوشاک[4] وغیرہ کی خبر گیری[5] نیز اس کے لکھنے پڑھنے اور تعلیم آداب وغیرہ کی خبر گیری۔ دوسری قسم وہ ہے جو عام آدمیوں پر واجب ہے اور وہ اس کی ایذا[6] کو ترک[7] کرنا ہے اور نرمی اور مہربانی سے اس سے پیش آنا ہے، محفلوں اور مجالس میں اپنے پاس بٹھانا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اپنی اولاد کی طرح اس کو گود میں لینا اور اس سے محبت ظاہر کرنا، اس لیے کہ جب وہ یتیم ہوگیا اور اس کا باپ نہ رہا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے سب بندوں کو حکم کیا کہ اس کے ساتھ باپ جیسا برتاؤ کریں اور اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں تاکہ باپ کے مرنے کی وجہ سے جو عجز[8] حکمی اس کو لاحق[9] ہوگیا اس قوتِ حقیقی کے ساتھ کہ ہزاروں آدمی اس کے باپ کی جگہ ہوجائیں، دور ہوجائے؛ پس یتیم بھی قرابت[10] شرعی رکھتا ہے، جیسا کہ دوسرے اقارب[11] قرابتِ[12] عرفی رکھ سکتے ہیں۔ [سورۂ بقرہ]

دوسرا مضمون جو آیتِ بالا میں خصوصی مذکور ہے، وہ مسکین کے کھانے پر ترغیب[13] نہ دینے پر تنبیہ ہے اور گویا بخل کے انتہائی درجہ کی طرف اشارہ ہے کہ خود تو وہ اپنا مال کیا خرچ کرتا، وہ یہ بھی گوارا[14] نہیں کرتا کہ دوسرا ابھی کوئی فقیروں پر خرچ کرے۔ قرآن پاک میں مسکینوں کے کھانا کھلانے پر بہت سی آیات میں ترغیب دی گئی جن میں سے بعض پہلے مذکور[15] ہوچکی ہیں، سورۂ فجر میں ہے : ﴿ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ ﴾ اس میں اس پر بھی تنبیہ کی گئی کہ تم لوگ نہ تو یتیموں کا اکرام[16] کرتے ہو، نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔

تیسری چیز جو آیتِ بالا میں ذکر کی گئی وہ ماعون کو روکنا ہے جس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ اس سورۃ کا نام ماعون اس وجہ سے ہے کہ یہ احسان کا ادنیٰ[17] درجہ ہے اور جب کہ احسان نہ کرنے کا ادنیٰ درجہ بھی موجب[18] حجاب و عتاب ہے، تو اعلیٰ درجہ یعنی حقوق اللہ اور حقوق الناس[19] کے ضائع کرنے سے بطریقِ[20] اولیٰ ڈرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس مضمون کے متعلق چند آیات ذکر کی گئی ہیں، آگے چند احادیث اس مضمون کے متعلق لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بخل اور مال کو جمع کرکے رکھنا کس قدر سخت چیز ہے۔

حل لغات: (۱) کھیتی باڑی۔ (۲) خرچ۔ (۳) کھانا پینا۔ (۴) کپڑا۔ (۵) دیکھ بھال۔ (۶) تکلیف دینا۔ (۷) چھوڑنا۔ (۸) مسکین پنا۔ (۹) لگ گیا۔ (۱۰) شرعی رشتہ داری۔ (۱۱) رشتہ دار۔ (۱۲) عرف اور رواج والی رشتہ داری (۱۳) شوق دلانا۔ (۱۴) پسند۔ (۱۵) ذکر کی گئی۔ (۱۶) عزت۔ (۱۷) کم، چھوٹا۔ (۱۸) دوری اور غصہ کا سبب۔ (۱۹) لوگوں کے حقوق۔ (۲۰) بہتر طریقے سے، یعنی بہت زیادہ۔

بخل کی مذمت

احادیث: مذمّتِ بُخل

① عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔ [رواه الترمذی کذا فی المشکوٰۃ]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں[۲] ایسی ہیں کہ وہ مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں، ایک تو بخل دوسری بد خُلقی[۳]۔

فائدہ: یعنی کوئی شخص مومن ہوکر بخیل بھی ہو اور بدخُلق بھی یہ مومن کی شان ہرگز نہیں، ایسے شخص کو اپنے ایمان کی بڑی فکر چاہیے، خدانخواستہ[۴] ایسا نہ ہو کہ اُسی سے ہاتھ دھوبیٹھیں کہ جیسا ہر خوبی دوسری خوبی کو کھینچتی ہے، ایسے ہی ہر عیب دوسرے عیب کو کھینچتا ہے۔ دوسری حدیث میں اس سے بھی بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شُح (یعنی بخل کی اعلیٰ قسم) ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ [مشکوٰۃ] کہ ان دونوں چیزوں کا اجتماع[۵] گویا ضِدَّین[۶] کا اجتماع ہے جیسا کہ آگ اور پانی کا جمع ہونا کہ جونسی چیز غالب ہوگی وہ دوسرے کو فنا[۷] کردے گی، اگر پانی غالب ہے آگ کو بجھا دے گا، آگ غالب ہے تو پانی کو جلا دے گی، ایسے ہی یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے مُنافی[۸] ہیں، جونسی چیز غالب ہوگی رفتہ[۹] رفتہ دوسری کو فنا کردے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی ولی ایسا نہیں ہوا جس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ نے دو عادتیں پیدا نہ کردی ہوں، ایک سخاوت دوسری خوش خُلقی[۱۰]۔ [کنز] دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کا کوئی ولی ایسا نہیں جو سخاوت کا عادی نہ بنایا گیا ہو۔ [کنز] اور بہت ظاہر بات ہے کہ اگر اللہ جَلَّ شانُہٗ سے تعلق اور محبت ہے تو اس کی مخلوق پر خرچ کرنے کو بے اختیار دل چاہے گا کہ محبوب کے عزیز[۱۱] و اقارب کی خَاطِر[۱۲]، محبت کے لوازِمات[۱۳] سے ہے اور جب مخلوق اللہ کی عَیَال[۱۴] ہے تو اُن پر خرچ کرنے کو ولی کا دل ضرور چاہے گا اور اس کے عیال میں بھی جس کا تعلق اس کے ساتھ جتنا زیادہ قوی[۱۵] ہوگا اتنا ہی اس پر خرچ کرنے کو زیادہ چاہے گا اور اگر نہ چاہے تو معلوم ہوا کہ مال کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ جھوٹ ہے۔

② عَنْ أَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔ [رواه الترمذي كذا في المشكوٰة]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جنت میں نہ تو چالباز (دھوکہ باز) داخل ہوگا، نہ بخیل[۱۶]، نہ صدقہ کرکے احسان رکھنے والا۔

حل لغات: ① کنجوسی کی برائی۔ ② خصلت کی جمع، عادت۔ ③ بُرے اخلاق۔ ④ اللہ نہ کرے۔ ⑤ اکٹھا ہونا۔ ⑥ دو الگ الگ چیزیں۔ ⑦ ختم۔ ⑧ ضد، خلاف۔ ⑨ آہستہ آہستہ۔ ⑩ اچھے اخلاق ⑪ دوست رشتہ دار وغیرہ۔ ⑫ لیے، وجہ سے۔ ⑬ ضروری چیزیں۔ ⑭ کنبہ، خاندان۔ ⑮ مضبوط۔ ⑯ کنجوس۔

فائدہ: علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات کے ساتھ کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اگر کسی مومن میں یہ بری صفات خدانخواستہ[1] پائی جاتی ہوں گی تو اوّل تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو دنیا ہی میں اُن سے توبہ کی توفیق عطا فرمائیں گے، اور اگر یہ نہ ہو تو اول جہنم میں داخل ہو کر ان صفات کا تنقیہ[2] ہونے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا؛ لیکن جہنم میں داخل ہونا، چاہے تھوڑی ہی دیر کے لیے ہو، کیا کوئی معمولی اور آسان کام ہے؟ دنیا کی آگ میں تھوڑی دیر کے لیے ڈالا جانا کیا اثرات پیدا کرتا ہے، حالانکہ یہ آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا ستّرواں حصّہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! یہ آگ کیا کچھ کم ہے؟ یہ تو خود ہی بہت کافی اَذِیَّت[3] پہونچانے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس سے اُنہتّر ۶۹ درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ [مشکوٰۃ]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب والا شخص وہ ہوگا جس کو جہنم کی آگ کی صرف دو جُوتیاں پہنائی جائیں گی اور اُن کی وجہ سے اس کا دماغ ایسا جوش مارے گا جیسا کہ ہنڈیا آگ پر جوش مارتی ہے۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں آیا کہ اللہ جَلّ شانہٗ نے جنتِ عَدن کو اپنے دستِ[4] مبارک سے بنایا پھر اس کو آراستہ[5] اور مُزَیَّن[6] کیا، پھر فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اس میں نہریں جاری کریں اور پھل اس میں لٹکائیں۔ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی زیب و زینت[7] کو مُلاحَظہ[8] فرمایا، تو ارشاد فرمایا کہ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میرے عرش پر بلندی کی قسم! تجھ میں بخیل نہیں آسکتا۔ [کنز]

③ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِنْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ: هُمُ الْأَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ: فَدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمُ الْأَكْثَرُوْنَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ	حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے، مجھے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ کے رب کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارہ[9] میں ہیں، میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون لوگ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن کے پاس مال زیادہ ہو مگر وہ لوگ جو اس طرح، اس طرح (خرچ کریں) اپنے

حل لغات: ① اللہ نہ کرے۔ ② صفائی۔ ③ تکلیف۔ ④ ہاتھ۔ ⑤ سجانا۔ ⑥ خوب صورتی۔ ⑦ سجاوٹ۔ ⑧ دیکھا۔ ⑨ نقصان۔

وَقَلِيْلٌ مَّاهُمْ۔	سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے؛ لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں۔
[متفق عليه كذا في المشكوٰة]	

فائدہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ زاہدین[1] صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا۔ ان کو دیکھ کر یہ ارشاد حقیقتًا ان کی تسلی تھی کہ اپنے فقر و زُہد پر کسی وقت بھی خیال نہ کریں، یہ مال[2] و متاع کی کثرت فی ذاتہٖ[3] کوئی محبوب چیز نہیں بلکہ بڑے خسارے اور نقصان کی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ سے غفلت کا سبب بنتی ہے، روزمرّہ[4] کا مُشاہَدہ[5] ہے کہ بغیر تنگدستی[6] کے اللہ کی طرف رُجوع[7] بہت ہی کم ہوتا ہے البتہ جن لوگوں کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ ضرورت کے مواقع میں جہاں اور جس طرف ضرورت ہو، چاروں طرف بخشش کا ہاتھ پھیلاتے ہوں اُن کے لیے مال مُضِر[8] نہیں ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمادیا کہ ایسے آدمی کم ہیں، عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جہاں مال کی کثرت ہوتی ہے، فِسق و فُجور[9]، آوارگی[10] عیاشی اپنے ساتھ لاتی ہے اور بے محل[11] خرچ کرنا، نام و نُمود[12] پر صَرف[13] کرنا تو دولت کے ادنیٰ[14] کرشموں میں سے ہے، بیاہ شادیوں اور دوسری تقریبات[15] پر بے جا[16] اور بے محل ہزاروں روپیہ خرچ کردیا جائے گا؛ لیکن اللہ کے نام پر ضرورت مندوں اور بھوکوں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہی نہ نکلے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو لوگ دنیا میں زیادہ مالدار ہیں وہی لوگ آخرت میں کم سرمایہ[17] والے ہیں، مگر وہ شخص جو حلال ذریعہ سے کمائے اور یوں یوں خرچ کردے۔ [کنز] پہلی حدیث کی طرح یوں یوں کا اشارہ ادھر اُدھر خرچ کرنے کی طرف ہے۔ حقیقت میں مال اس کے لیے زینت اور عزّت ہے جو اس کو اِدھر اُدھر خرچ کردے اور جو گِن گِن کر باندھ باندھ کر رکھے اس کے لیے یہ ہر قسم کی آفات کا پیش[18] خیمہ ہے، اس کو بھی ہلاک کرتا ہے اور خود بھی اس کے پاس سے ضائع ہوتا ہے، یہ بے مُروّت[19] کسی شخص کو دین یا دنیا کا فائدہ اس وقت تک نہیں پہونچاتا جب تک اس کے پاس سے جدا نہ ہو۔

④ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ؛ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللهِ، بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ،	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخی[20] آدمی اللہ کے قریب ہے؛ جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، آدمیوں سے دور ہے اور جہنم

حل لغات: ① دنیا سے بے رغبت لوگ۔ ② سازوسامان۔ ③ حقیقت میں۔ ④ روزانہ۔ ⑤ دیکھنا۔ ⑥ مال کی کمی۔ ⑦ توجّہ۔ ⑧ نقصان دہ۔ ⑨ بدکاری، گناہ۔ ⑩ بدمعاشی۔ ⑪ نامناسب جگہ۔ ⑫ دکھاوا، شہرت۔ ⑬ خرچ کرنا۔ ⑭ چھوٹا، کم۔ ⑮ شادی بیاہ اور دوسری رسمیں۔ ⑯ نامناسب جگہ۔ ⑰ دولت، سامان۔ ⑱ یعنی سبب۔ ⑲ بے درد، کسی کا لحاظ نہ کرنے والا۔ ⑳ اچھے کام میں خوب خرچ کرنے والا۔

قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ، وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ [رواه الترمذي كذا في المشكوٰة]	سے قریب ہے۔ بیشک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

فائدہ: یعنی جو شخص عبادت بہت کثرت سے کرتا ہو، نوافل بہت لمبی لمبی پڑھتا ہو، اس سے وہ شخص اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے جو نوافل کم پڑھتا ہو؛ لیکن سخی ہو۔ عابد سے مراد نوافل کثرت سے پڑھنے والا ہے، فرائض کا پڑھنا تو ہر شخص کے لیے ضروری ہے، چاہے سخی ہو یا نہ ہو۔ امام غزالی رَحمۃُ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا عَلٰی نَبِیِّنَا وعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلام نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت فرمایا کہ تجھے سب سے زیادہ محبوب کون شخص ہے اور سب سے زیادہ نفرت کِس سے ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے سب سے زیادہ محبّت مومن بخیل سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت فاسق[1] سخی سے ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے؛ لیکن فاسق سخی پر مجھے ہر وقت فکر سوار رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگذر[2] نہ فرمادیں۔ [اِحیاء] یعنی اگر حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی سخاوت کی وجہ سے کِسی وقت اس سے راضی ہوگئے تو اس کے دریائے مغفرت و رحمت میں عمر بھر کے فِسق[3] و فُجور کی کیا حقیقت ہے، وہ سب کچھ معاف فرما سکتا ہے، ایسی صورت میں میری عمر بھر کی محنت جو اس سے گناہ صادر[4] کرانے میں کی تھی؛ ساری ضائع ہوگئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ حُسنِ ظن[5] کی وجہ سے کرتا ہے اور جو بُخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کے ساتھ بدظنی[6] سے کرتا ہے۔ [کنز]

حُسنِ ظن کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے یہ عطا فرمایا وہ پھر بھی عطا فرما سکتا ہے اور ایسے شخص کے اللہ سے قریب ہونے میں کیا تَرَدُّد[7] ہے اور بدظنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ختم ہوگئے تو پھر کہاں سے آئیں گے ایسے شخص کا اللہ جَلَّ شانُہٗ سے دور ہونا ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ کو بھی محدود[8] سمجھتا ہے۔ حالانکہ آمدنی کے اسباب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور ان اسباب سے پیداوار کا نہ ہونا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ نہ چاہے تو دکاندار ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے، کاشتکار[9] بوئے اور پیداوار نہ ہو اور جب کہ یہ سب اسی کی عطا کی وجہ سے ہے، پھر اس کا کیا مطلب کہ پھر کہاں سے آئے گا؟ مگر ہم لوگ زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد، دل سے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ شانُہٗ ہی کی عطا ہے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) معاف کرنا۔ (۳) گناہ، بدکاری۔ (۴) کسی کام کا کرنا۔ (۵) اچھا گمان۔ (۶) بدگمانی۔ (۷) شک۔ (۸) گھرا ہوا، یعنی کم۔ (۹) کسان۔

سب اُسی کی عطا ہے، جس نے آج دیا وہ کل بھی دے گا؛ اس لیے اُن کو سب کچھ خرچ کر دینے میں ذرا بھی تأمُّل[1] نہ ہوتا تھا۔

⑤ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔ [رواه البيهقي في شعب الايمان كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے پس جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا جس کے ذریعہ سے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور بخل جہنّم کا ایک درخت ہے جو شخص شحیح (بخیل[2]) ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا، یہاں تک کہ وہ ٹہنی اس کو جہنم میں داخل کر کے رہے گی۔

فائدہ: شُحّ بُخل کا اعلیٰ درجہ ہے، جیسا کہ پہلی فصل کی آیات میں نمبر اٹھائیس[28] صفحہ ۶۰ پر گزر چکا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ جب بُخل جہنم کا درخت ہے تو اس کی ٹہنی پکڑ کر جو شخص چڑھے گا وہ جہنّم ہی میں پہونچے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام ''سخا'' ہے، سخاوت اسی سے پیدا ہوئی ہے اور جہنم میں ایک درخت ہے جس کا نام شُحّ ہے، شح اُسی سے پیدا ہوا ہے، جنت میں شحیح داخل نہ ہوگا۔ [کنز]

یہ پہلے مُتعَدَّد مرتبہ معلوم ہو چکا کہ شُحّ بُخل کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دنیا میں جھک رہی ہیں، جو شخص اُس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جنت تک پہونچا دیتی ہے اور بُخل جہنم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دنیا میں جھک رہی ہیں جو شخص اُس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جہنم تک پہونچا دیتی ہے۔ [کنز] یہ ظاہر چیز ہے کہ جو سڑک اسٹیشن پر جاتی ہے جب آدمی اس سڑک پر چلتا رہے گا تو لامُحالہ[3] کسی وقت اسٹیشن پر پہونچے گا، اسی طرح سے یہ ٹہنیاں جن درختوں کی ہیں جب اُن کو کوئی پکڑ کر چڑھے گا تو جہاں وہ درخت کھڑا ہے وہاں پہونچ کر رہے گا۔

⑥ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ۔ [رواه أبوداؤد وكذا في المشكوٰة]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین عادتیں جو آدمی میں ہوں (دو ہیں) ایک وہ بُخل ہے جو بے صبر کر دینے والا ہو، دوسرے وہ نامردی[4] اور خوف جو جان نکال دینے والا ہو۔

حل لغات: ① سوچ بچار۔ ② کنجوس۔ ③ ضرور۔ ④ بُزدلی۔

فائدہ: ان دوعیبوں کی طرف اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں بھی تنبیہ فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾
الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾
وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ
غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾
اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ [سورۂ معارج:۱۹-۳۵] (پوری آیتِ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے) کہ

''بے شک انسان کم ہمت (تھوڑے اور کچے دل کا) پیدا ہوا ہے، جب اس کو تکلیف پہونچتی ہے تو جَزَع فَزَع[1] کرنے لگتا ہے اور جب اس کو خیر (مال) پہونچتی ہے تو بُخْل[2] کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر پابندی کرنے والے ہیں اور جن کے مالوں میں سوال کرنے والوں کے لیے اور سوال نہ کرنے والوں کے لیے مقرّرہ[3] حق ہے اور وہ لوگ جو قیامت کے دن کا اِعْتِقاد[4] رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں، بیشک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یقیناً اُس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے) اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام جگہ سے) محفوظ رکھتے ہیں؛ لیکن اپنی بیبیوں سے یا باندیوں سے (حفاظت کی ضرورت نہیں) کیونکہ ان پر ان میں کوئی الزام نہیں (یعنی ان لوگوں پر بیویوں اور باندیوں سے صحبت کرنے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے) ہاں جو لوگ ان کے علاوہ (اَور جگہ شہوت پوری کرنے) کے طلبگار[5] ہوں وہ حُدود[6] سے تجاوُز[7] کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے (سُپُرد[8] کی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد (قول وقرار) کا خیال رکھنے والے ہوں اور اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہوں اور جو اپنی فرض نماز کی پابندی کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت سے داخل ہوں گے۔'' فَقَطْ[9] یہ اُن آیات کا ترجمہ ہے اور اس قسم کا پورا مضمون اس کے قریب قریب دوسری جگہ سورۂ مومنون کے شروع میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عِمامہ[10] کا سِرا[11] پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ عمران! حق تعالیٰ شانُہٗ کو خرچ کرنا بہت پسند ہے اور روک کر رکھنا ناپسند ہے، تُو خرچ کیا کر اور لوگوں کو کھلایا کر، کسی کو مَضَرَّت[12] نہ پہونچا کہ تجھ پر تیری طلب میں مَضَرَّت ہونے لگے گی، غور سے سن حق تعالیٰ شانُہٗ

حل لغات: (۱) رونا پیٹنا۔ (۲) کنجوسی۔ (۳) متعین۔ (۴) یقین۔ (۵) خواہش مند۔ (۶) حد کی جمع، یعنی اللہ کے احکامات۔ (۷) آگے بڑھنا۔ (۸) حوالے کیا ہوا، سونپا ہوا۔ (۹) صرف۔ (۱۰) پگڑی۔ (۱۱) کنارا۔ (۱۲) تکلیف۔

شُبہات[1] کے وقت تیز نظر کو پسند کرتے ہیں (یعنی جس امر[2] میں جائز ناجائز کا شبہ ہو اس میں باریک نظر سے کام لینا چاہیے، ویسے ہی سرسری طور پر جو چاہے کر گزرنا نہ ہو) اور شہوتوں کے وقت کامل[3] عقل کو پسند کرتے ہیں (کہ شہوت کے غلبہ میں عقل نہ کھودے) اور سخاوت کو پسند کرتے ہیں چاہے چند کھجوریں ہی خرچ کرے (یعنی اپنی حیثیت کے موافق زیادہ نہ ہو سکے تو کم میں شرم نہ کرے، جو ہو سکے خرچ کرتا رہے) اور بہادری کو پسند کرتے ہیں چاہے سانپ اور بچھو ہی کے قتل میں کیوں نہ ہو۔ [کنز] لہٰذا ذرا سی خوف کی چیز سے ڈر جانا، اللہ جَلَّ شانُہٗ کو پسند نہیں ہے، اگر دل میں خوف پیدا بھی ہو تو اس کا اظہار نہ کرنا چاہیے بلکہ قُوَّت[4] کے ساتھ اس کو دفع[5] کرنا چاہیے۔ حضورِ اقدس ﷺ سے جو دعائیں امت کی تعلیم کے لیے مَنقُول[6] ہیں، ان میں نامردی[7] سے پناہ مانگنا بھی نقل کیا گیا ہے اور مُتعَدِّد[8] دعاؤں میں اس سے پناہ مانگنا نقل کیا گیا۔ [بخاری]

⑦ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهٖ۔ [رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة]	حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

فائدہ: یقیناً جس شخص کے پاس اتنا ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے اور پاس ہی بھوکا پڑوسی ہے تو اس کے لیے ہرگز ہرگز زیبا[9] نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھائے اور وہ غریب بھوک میں تلملا[10]تا رہے، ضروری ہے کہ اپنے پیٹ کو کچھ کم پہونچائے اور پڑوسی کی بھی مدد کرے۔ ایک حدیث میں ہے: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کو یہ بات معلوم ہے کہ اُس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں کتنے آدمی ایسے ہوں گے جو اپنے پڑوسی کا دامن پکڑے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: یا اللہ! اس سے پوچھیں کہ اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا اور مجھے اپنی ضرورت سے زائد جو چیز ہوتی تھی وہ بھی نہ دیتا تھا۔ [ترغیب] ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے: لوگو! صدقہ کرو، میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا، شاید تم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس رات کو سَیر[11] ہونے کے بعد بچ رہے اور اس کا چچازاد بھائی بھوک کی حالت میں رات گزارے، تم میں شاید کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو خود تو اپنے مال کو بڑھاتے رہیں اور ان کا مسکین پڑوسی کچھ نہ کما سکے۔ [کنز]

حل لغات: ① شبہ کی جمع، شک۔ ② کام۔ ③ پورا، مکمل۔ ④ طاقت۔ ⑤ دور کرنا۔ ⑥ نقل کیا گیا۔ ⑦ بزدلی۔ ⑧ کئی، بہت۔ ⑨ مناسب۔ ⑩ بے چین۔ ⑪ پیٹ بھرنا۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے بُخل[1] کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ یوں کہے میں اپنا حق پورا کا پورا لوں گا، اُس میں سے ذرا سا بھی نہیں چھوڑوں گا۔ [کنز] یعنی تقسیم وغیرہ میں رشتہ داروں سے ہو یا پڑوسیوں سے اپنا پورا حق وصول کرنے کی فکر میں لگا رہے، ذرا ذرا سی چیز پر کنج[2] وکاؤ کرے یہ بھی بخل کی علامت ہے، اگر تھوڑا بہت دوسرے کے پاس چلا ہی جائے گا تو اس میں کیا مرجائے گا؟

⑧ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ أَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَأْكُلَ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ ایک عورت کو اس پر عذاب کیا گیا کہ اُس نے ایک بلّی کو باندھ رکھا تھا جو بھوک کی وجہ سے مرگئی، نہ تو اُس نے اُس کو کھانے کو دیا، نہ اُس کو چھوڑا کہ وہ زمین کے جانوروں (چوہے وغیرہ) سے اپنا پیٹ بھر لیتی۔

فائدہ: جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں، اُن کی ذمہ داری بڑی سخت ہے کہ وہ بے زبان جانور اپنی ضروریات کو ظاہر بھی نہیں کر سکتے، ایسی حالت میں ان کے کھانے پینے کی خبر گیری[3] بہت اہم اور ضروری ہے، اس میں بُخل سے کام لینا اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے تیار کرنا ہے۔ بہت سے آدمی جانوروں کے پالنے کا بڑا شوق رکھتے ہیں؛ لیکن ان کے گھاس دانہ پر خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون نقل کیا گیا کہ ان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک اونٹ نظرِ اقدس سے گزرا جس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا (بھوک کی وجہ سے یا دبلے پن کی وجہ سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو، اُن کی اچھی حالت میں ان پر سوار ہوا کرو اور اچھی حالت میں ان کو کھایا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ استنجے کے لیے جنگل تشریف لے جایا کرتے، کسی باغ میں یا کسی ٹیلے وغیرہ کی آڑ میں ضرورت سے فراغت حاصل کرتے، ایک مرتبہ اِس ضرورت سے ایک باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک اونٹ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بڑ انے[4] لگا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے (ایک معروف[5] چیز ہے کہ ہر مصیبت[6] زدہ کا کسی غم خوار[7] کو دیکھ کر دل بھر آیا کرتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے کانوں کی جڑ پر شَفقت[8] کا ہاتھ پھیرا جس سے وہ چُپکا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حل لغات: ① کنجوسی۔ ② پوچھ تاچھ۔ ③ دیکھ بھال۔ ④ شور مچانا۔ ⑤ مشہور۔ ⑥ تکلیف میں مبتلا۔ ⑦ ہمدرد۔ ⑧ پیار۔

فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری تشریف لائے اور عرض کیا کہ میرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس اللہ سے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا، ڈرتے نہیں ہو؟ یہ اونٹ تمہاری شکایت کرتا ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس کے منہ پر داغ[1] دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اب تک یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے منہ کو داغ دے یا منہ پر مارے۔

ابوداؤد شریف میں یہ روایات ذکر کی گئی، ان کے علاوہ اور بھی مختلف روایات میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جانوروں کی خبر گیری[2] میں کوتاہی[3] نہ کی جائے اور جب جانوروں کا یہ حال ہے اور ان کے بارے میں یہ تنبیہات ہیں، تو آدمی جو اَشرفُ المخلوقات[4] ہے اُس کا حال اَظہر[5] ہے اور زیادہ اہم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ جس کی روزی اپنے ذمہ ہے اس کو ضائع کرے؛ اس لیے اگر کسی جانور کو اپنی کسی ضرورت سے روک رکھا ہے تو اُس کے کھانے میں کنجوسی کرنا اور یہ سمجھنا کہ کون جانے؟ کس کو خبر ہوگی؟ اپنے اوپر سخت ظلم ہے، جاننے والا سب کچھ جانتا ہے اور لکھنے والے ہر چیز کی رپورٹ لکھتے ہیں، چاہے کتنی ہی مخفی[6] کی جائے اور یہ آفت[7] بخل سے آتی ہے کہ جانوروں کو اپنی ضرورت سے سواری کی ہو یا کھیتی کی ہو دودھ ہو یا کوئی اور کام لینے کی ہو، پالتے ہیں؛ لیکن کنجوسی سے اُن پر پیسہ خرچ کرتے ہوئے دَم[8] نکلتا ہے۔

(٩) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَأَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ فَيَقُوْلُ لَهٗ: أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ؟ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قیامت کے دن آدمی ایسا (ذلیل وضعیف[9]) لایا جائے گا جیسا کہ بھیڑ کا بچہ ہوتا ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا، حَشَم وخَدَم[10] دیے، تجھ پر نعمتیں برسائیں، تو نے ان سب انعامات میں کیا کارگزاری[11] کی؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے خوب مال جمع کیا، اس کو (اپنی کوشش سے) بہت بڑھایا اور جتنا شروع میں میرے پاس تھا اُس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا، آپ مجھے دنیا میں واپس کر دیں میں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں، ارشاد ہوگا: مجھے تو وہ بتا جو تو نے زندگی

حل لغات: (١) لوہے کو گرم کر کے جسم پر نشان بنانا۔ (٢) دیکھ بھال۔ (٣) کمی۔ (٤) تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والا۔ (٥) خوب ظاہر اور صاف۔ (٦) چھپا ہوا، پوشیدہ۔ (٧) مصیبت، بلا۔ (٨) جان۔ (٩) کمزور۔ (١٠) نوکر چاکر۔ (١١) عمل کرنا، کام کرنا۔

وَتَرَكْتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَيَقُوْلُ لَهٗ: أَرِنِيْ مَا قَدَّمْتَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَكْتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضٰى بِهٖ إِلَى النَّارِ [رواه الترمذي وضعفه كذا في المشكوٰة]

میں (ذخیرہ کے طور پر آخرت کے لیے) آگے بھیجا ہو، وہ پھر اپنا پہلا کلام[1] دہرائے گا کہ میرے پروردگار میں نے اس کو خوب جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا شروع میں تھا اس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا، آپ مجھے دنیا میں واپس کر دیں، میں وہ سب لے کر حاضر ہوں (یعنی خوب صدقہ کروں تاکہ وہ سب یہاں میرے پاس آجائے) چونکہ اُس کے پاس کوئی ذخیرہ ایسا نہ نکلے گا جو اُس نے اپنے لیے آگے بھیج دیا ہو؛ اس لیے اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

فائدہ: ہم لوگ تجارت میں، زراعت[2] میں اور دوسرے ذرائع[3] سے روپیہ کمانے میں جتنی محنت اور دردسری[4] کر کے جمع کرتے ہیں، وہ سب اسی لیے ہوتا ہے کہ کچھ ذخیرہ اپنے پاس موجود رہے جو ضرورت کے وقت کام آئے، نہ معلوم کس وقت کیا ضرورت پیش آجائے، لیکن جو اصل ضرورت کا وقت ہے اور اس کا پیش آنا بھی ضروری اور اس میں اپنی سخت احتیاج[5] بھی ضروری ہے اور یہ بھی یقینی کہ اس وقت صرف وہی کام آئے گا جو اپنی زندگی میں خدائی بینک میں جمع کر دیا گیا ہو کہ وہ تو جمع شدہ ذخیرہ بھی پورا کا پورا ملے گا اور اس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے اضافہ بھی ہوتا رہے گا، لیکن اس کی طرف بہت ہی کم التفات[6] کرتے ہیں، حالانکہ دنیا کی یہ زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے، بہرحال ایک دن ختم ہو جانے والی ہے اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی میں اگر اپنے پاس سرمایہ[7] نہ رہے تو اس وقت محنت مزدوری بھی کی جا سکتی ہے، بھیک مانگ کر بھی زندگی کے دن پورے کیے جا سکتے ہیں؛ لیکن آخرت کی زندگی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں ہے، وہاں صرف وہی کام آئے گا جو ذخیرہ کے طور پر آگے بھیج دیا گیا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس کی دونوں جانب تین سطریں[8] سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں: پہلی سطر میں "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تھا۔ دوسری سطر میں "مَاقَدَّمْنَا وَجَدْنَا، وَمَا أَكَلْنَا رَبِحْنَا، وَمَا خَلَفْنَا خَسِرْنَا" لکھا تھا (جو ہم نے آگے بھیج دیا وہ پالیا اور جو دنیا میں کھایا وہ نفع میں رہا اور جو کچھ چھوڑ آئے وہ نقصان رہا) اور تیسری سطر میں لکھا تھا "أُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ" اُمت گنہگار اور رب بخشنے والا۔ [برکات ذکر]

پہلی فصل کی آیات میں نمبر چھ صفحہ ۲۸ پر گزر چکا کہ اس دن نہ تجارت ہے، نہ دوستی، نہ سفارش۔ اسی

حل لغات: ① بات۔ ② کھیتی باڑی۔ ③ ذریعہ کی جمع، طریقے۔ ④ محنت، مشقت۔ ⑤ ضرورت۔ ⑥ توجہ۔ ⑦ پونجی، اصل مال۔ ⑧ لائن، لکیر۔

فصل میں نمبر تیس ۳۰ صفحہ ۶۵ پر اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد گزر را ہے کہ ہر شخص یہ دیکھ لے کہ اُس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو فرشتے تو یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ذخیرہ اپنے حساب میں جمع کرایا، کیا چیز کل کے لیے بھیجی اور آدمی یہ پوچھتے ہیں: کیا مال چھوڑا؟ [مشکوٰۃ] ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میں کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال اپنے وارث سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنا مال وہ ہے جو اُس نے آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ گیا وہ اس کا مال نہیں، اس کے وارث کا مال ہے۔ [مشکوٰۃ عن البخاری] ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے کہ آدمی کہتا ہے: میرا مال میرا مال، اس کے مال میں سے اس کے لیے صرف تین چیزیں ہیں: جو کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا اللہ کے یہاں اپنے حساب میں جمع کرا دیا؛ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کا مال نہیں ہے، لوگوں کے لیے چھوڑ جائے گا۔ [مشکوٰۃ] اور بڑا لُطف[1] یہ ہے کہ آدمی اکثر ایسے لوگوں کے لیے جمع کرتا ہے، محنت اٹھاتا ہے، مصیبت جھیلتا ہے، تنگی برداشت کرتا ہے، جن کو وہ اپنی خواہش سے ایک پیسہ دینے کا روادار[2] نہیں ہے؛ لیکن جمع کر کے چھوڑ جاتا ہے اور مقدرات[3] اُنہیں کو سارے کا وارث بنا دیتے ہیں، جن کو وہ ذرا سا بھی دینا نہ چاہتا تھا۔ ارطاۃ بن سہیہ رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ میں نے بہت مال جمع کیا، لیکن اکثر کمانے والا دوسروں کے یعنی وارثوں کے لیے جمع کرتا ہے، وہ خود تو اپنی زندگی میں اپنا بھی حساب لیتا رہتا ہے کہ کتنا کہاں خرچ ہوا، کتنا کہاں ہوا؛ لیکن بعد میں ایسے لوگوں کی لوٹ کے لیے چھوڑ جاتا ہے جن سے حساب بھی نہیں لے سکتا کہ سارا کہاں اُڑا دیا، پس اپنی زندگی میں کھالے اور کھلا دے اور بخیل وارث سے چھین لے، آدمی خود تو مرنے کے بعد نامُراد[4] رہتا ہے (کوئی اس کو اس مال میں یاد نہیں رکھتا) دوسرے لوگ اس کو کھاتے اُڑاتے ہیں، آدمی خود تو اس مال سے محروم ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگ اس سے اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ [اتحاف] ایک حدیث میں یہ قصہ جو اُوپر کی حدیث میں ذکر کیا گیا، دوسرے عنوان سے وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا: تم میں کوئی ایسا ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں ہر شخص ایسا ہی ہے، جس کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوچ کر کہو، دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم تو ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ ہم میں ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث

حل لغات: (۱) عجیب بات۔ (۲) یعنی نہ دینا چاہے۔ (۳) مقدر کی جمع، قسمت۔ (۴) محروم۔

کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور! یہ کس طرح۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا مال وہ ہے جو آگے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ [کنز]

یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ لحاظ[1] ہے کہ ان روایات کا مقصد وارثوں کو محروم کرنا نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر تنبیہ[2] فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکّہ کے زمانہ میں ایسے سخت بیمار ہوئے کہ زِیست[3] کی امید نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عِیادت[4] کے لیے تشریف لے گئے، تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میرے پاس مال زیادہ ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے سارے مال کی وصیّت کروں (کہ اس وقت اُن کی اولاد صرف ایک بیٹی ہی تھی اور اس کا تکفُّل[5] اس کے خاوِند[6] کے ذمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ اُنہوں نے دوتہائی کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی انکار کیا، پھر نصف[7] کی درخواست بھی قبول نہیں فرمائی، تو انہوں نے ایک تہائی وصیّت کی اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو (یعنی مرنے کے وقت جو بھی ہوں، چنانچہ اس واقعہ کے بعد اور بھی اولاد ہوگئی تھی) غَنی[8] چھوڑو، یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، جو خرچ اللہ کے واسطے کیا جائے وہ ثواب کا مُوجِب[9] ہے، حتّٰی کہ اللہ کے لیے اگر ایک لقمہ بیوی کو دیا جائے تو اس پر بھی اَجر[10] ہے۔ [مشکوٰۃ عن الصحیحین] حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ پہلی حدیث یعنی "تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کو وارث کا مال محبوب ہو،، کے مُنافی[11] نہیں، اس لیے کہ اس حدیث کا مقصد اپنی صحت اور ضرورت کے وقت میں صدقہ کرنے کی ترغیب[12] ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قصّہ میں مَرَضُ المَوت[13] میں سارا یا اکثر حصہ مال کا وصیّت کرنا مقصود ہے۔ [فتح]

بندۂ ناکارہ[14] کے نزدیک صرف یہی نہیں بلکہ وارثوں کو نقصان پہونچانے کے ارادہ سے وصیت کرنا مُوجِب عِتاب[15] وعِقاب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ بعض مرد اور عورت اللہ کی فرمانبرداری میں ساٹھ سال گزارتے ہیں اور جب مرنے کا وقت آتا ہے تو وصیّت میں نقصان پہونچاتے ہیں، جس کی وجہ سے جہنم کی آگ اُن کے لیے ضروری ہوجاتی ہے، اس کے بعد اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآنِ پاک کی آیت ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ ﴾ [سورۂ نساء:۱۱] پڑھی، جس کا اردو ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جو وَرَثہ[16] کو تقسیم مال کی تفصیل بیان ہوئی ہے،

حل لغات: ① توجہ کے لائق۔ ② خبرداری، نصیحت۔ ③ زندگی۔ ④ بیمار کا حال پوچھنا۔ ⑤ خرچ کی ذمہ داری۔ ⑥ شوہر۔ ⑦ آدھا۔ ⑧ مال دار۔ ⑨ سبب۔ ⑩ ثواب۔ ⑪ خلاف۔ ⑫ شوق دلانا۔ ⑬ وہ بیماری جس میں آدمی مرجائے۔ ⑭ مراد حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ۔ ⑮ غضب وغصہ اور سزا کا سبب۔ ⑯ وارث کی جمع۔

وہ وصیت کی بَقدر مال نکالنے کے بعد ہے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو قرض کی مقدار بھی وَضع[1] کرنے کے بعد اس حال میں کہ وصیت کرنے والا کسی وارث کو ضَرَر[2] نہ پہونچائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو کسی وارث کی میراث کو قَطع[3] کرے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کی میراث کو جنت سے قطع کرے گا۔ [مشکوٰۃ]

لہٰذا اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ وصیّت اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں یہ ارادہ اور نیت ہرگز نہ ہو کہ کہیں فلاں وارث نہ بن جائے، بلکہ ارادہ اور نیت اپنی ضرورت کا پورا کرنا، اپنے لیے ذخیرہ بنانا ہو، آدمی کے ارادہ اور نیت کو عبادات میں بہت زیادہ دَخل[4] ہے۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد جو بہت زیادہ مشہور ہے ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' کہ اعمال کا مَدار[5] نیت اور ارادہ پر ہے، نماز جیسی اہم عبادت اللہ کے واسطے پڑھی جائے تو کتنی زیادہ مُوجِب[6] اجر و موجبِ ثواب، مُوجِب[7] قُربت کہ کوئی دوسری عبادت اس کے برابر نہیں؛ یہی چیز ریا کاری اور دکھاوے کے واسطے پڑھی جائے تو شرک[8] اَصْغر اور وبال[9] بن جائے، اس لیے خالص نیت اللہ ہی کی رضا اور اپنی ضرورت میں کام آنا ہونا چاہیے، جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں، اپنی تندرستی میں، اس حالت میں جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میں پہلے مروں گا یا وارث پہلے مر جائے گا اور کون وارث ہوگا، کون نہ ہوگا، ایسے وقت میں خرچ کرے اور خوب خرچ کرے، جتنا زیادہ سے زیادہ صدقہ کر سکتا ہے کرے، وصیت کرے، وَقف[10] کرے اور جن مَواقِعِ خیر[11] میں زیادہ ثواب کی امید ہو ان کی فکر و جُستجو[12] میں رہے، یہ نہیں کہ اپنے وقت میں بُخل[13] کرے اور جب مرنے لگے تو سخی[14] بن جائے، جیسا کہ حضور ﷺ کا پاک ارشاد پہلی فصل کی احادیث میں نمبر پانچ صفحہ ۸۳ پر گزر چکا کہ افضل صدقہ وہ ہے جو حالتِ صحت میں کیا جائے، نہ یہ کہ جب جان نکلنے لگے تو کہے کہ اتنا فلاں کا، اتنا فلاں کا، حالانکہ مال فلاں کا (یعنی وارث کا) ہو گیا۔ خوب سمجھ لو میں سب سے پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہوں، اس کے بعد اپنے دوستوں کو کہ ساتھ جانے والا صرف وہی مال ہے جس کو اللہ کے بنک میں جمع کر دیا اور جس کو جمع کر کے اور خوب زیادہ بڑھا کر چھوڑ دیا وہ اپنے کام نہیں آتا، بعد میں نہ کوئی ماں باپ یاد رکھتا ہے، نہ بیوی اولاد پوچھتے ہیں، إِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ[15]، اپنا ہی کیا اپنے کام آتا ہے، ان سب کی ساری محبتوں کا خلاصہ دو[2] چار[4] دن ہائے ہائے کرنا ہے اور پانچ[5] سات[7] مفت کے آنسو بہانا ہے، اگر ان آنسوؤں میں بھی پیسے خرچ کرنا پڑیں تو یہ بھی نہ رہیں۔ یہ خیال کہ اولاد کی خیر خواہی[16] کی وجہ سے مال کو جمع کر کے چھوڑتا ہے نفس کا محض دھوکہ ہے، صرف مال جمع کر کے اُن کے لیے چھوڑ جانا

حل لغات: ① کم۔ ② نقصان۔ ③ ختم کرنا۔ ④ اثر۔ ⑤ یعنی بنیاد۔ ⑥ اجر و ثواب کا سبب۔ ⑦ اللہ سے نزدیکی کا سبب۔ ⑧ چھوٹا شرک۔ ⑨ عذاب۔ ⑩ اللہ کے نام پر کوئی چیز دے دینا۔ ⑪ بھلائی کی جگہیں۔ ⑫ تلاش۔ ⑬ کنجوسی۔ ⑭ خوب خرچ کرنا۔ ⑮ مگر جو اللہ چاہے۔ ⑯ بھلائی۔

اُن کے ساتھ خیر خواہی نہیں ہے بلکہ شاید بدخواہی[1] بن جائے، اگر واقعی اولاد کی خیر خواہی مقصود ہے، اگر واقعی یہ دل چاہتا ہے کہ وہ اپنے مرنے کے بعد پریشان حال، ذلیل وخوار[2] نہ پھریں تو ان کو مالدار چھوڑنے سے زیادہ ضروری ان کو دیندار چھوڑنا ہے کہ بد دینی کے ساتھ مال بھی اوّلاً ان کے پاس باقی نہ رہے گا، چند یوم[3] کی لذّات[4] وشہوات[5] میں اُڑ جائے گا اور اگر رہا بھی تو اپنے کسی کام کا نہیں ہے اور دینداری کے ساتھ اگر مال نہ بھی ہو تو اُن کی دینداری اُن کے لیے بھی کام آنے والی ہے اور اپنے لیے بھی کام آنے والی چیز ہے اور مال میں سے تو اپنے کام آنے والا صرف وہی ہے جو ساتھ لے گیا۔

حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے دو غنی[6] اور دو فقیروں کو وفات دی؛ اس کے بعد ایک غنی سے مطالبہ[7] فرمایا کہ اپنے واسطے آگے کیا بھیجا؟ اور اپنے عیال[8] کے واسطے کیا چھوڑ آیا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! تو نے مجھے بھی پیدا کیا اور ان کو بھی تو نے ہی پیدا کیا اور ہر شخص کی روزی کا تو نے ہی ذمہ لیا اور تو نے قرآن پاک میں فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا﴾ (پہلی فصل کی آیات میں نمبر پانچ صفحہ ۲۷ پر گزر چکی ہے) اس بنا پر میں نے اپنا مال آگے بھیج دیا اور مجھے یہ بات محقق[9] تھی کہ آپ ان کو روزی دیں گے ہی، ارشاد ہوگا: اچھا جاؤ اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لیے میرے پاس کیا کیا (انعام واکرام) ہے، تو دنیا میں بہت خوش ہوتے اور بہت کم رنجیدہ[10] ہوتے۔ اس کے بعد دوسرے غنی سے مُطالبہ ہوا کہ تو نے کیا اپنے لیے بھیجا اور کیا عیال کے لیے چھوڑا؟ اُس نے عرض کیا: یا اللہ! میری اولاد تھی مجھے اُن کی تکلیف اور فَقر کا ڈر رہا۔ ارشاد ہوا کہ کیا میں نے ہی تجھ کو اور ان سب کو پیدا نہ کیا تھا؟ میں نے سب کی روزی کا ذمہ نہیں اٹھایا تھا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! بے شک ایسا ہی تھا، لیکن مجھے ان کے فقر کا خوف ہی بہت ہوا۔ ارشاد ہوا کہ فقر تو اُن کو پہونچا، کیا تو نے اُس کو اُن سے روک دیا؟ اچھا جا، اگر تجھے (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تیرے لیے میرے پاس کیا کیا (عذاب) ہے، تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔ پھر ایک فقیر سے مُطالبہ ہوا کہ تو نے کیا اپنے لیے جمع کیا اور کیا عیال کے لیے چھوڑا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! آپ نے مجھے صحیح سالم تندرست پیدا کیا اور گویائی[11] بخشی، اپنے پاک نام مجھے سکھائے، اپنے سے دعا کرنا سکھایا، اگر آپ مجھے مال دے دیتے تو مجھے یہ اندیشہ[12] تھا کہ میں اس میں مشغول ہو جاتا، میں اپنی اس حالت پر جو تھی بہت راضی ہوں، ارشاد ہوا کہ اچھا جاؤ، میں بھی تم سے راضی ہوں، اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لیے میرے پاس کیا ہے؟ تو بہت زیادہ ہنستے اور بہت کم روتے، پھر دوسرے فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لیے کیا بھیجا اور عیال کے لیے کیا

حل لغات: (۱) بُرائی۔ (۲) رسوا۔ (۳) دن۔ (۴) لذت کی جمع، مزہ۔ (۵) نفسانی خواہش۔ (۶) مالدار۔ (۷) پوچھ تاچھ۔ (۸) بال بچے۔ (۹) ثابت۔ (۱۰) غمگین، اُداس۔ (۱۱) بولنے کی طاقت۔ (۱۲) ڈر۔

بخل کی مذمت

چھوڑا؟ اس نے عرض کیا: یااللہ! آپ نے مجھے دیا ہی کیا تھا جس کا اب سوال ہے، ارشاد ہوا: کیا ہم نے تجھے صحت نہ دی تھی؟ گویائی نہ دی تھی؟ کان آنکھ نہ دیے تھے؟ اور قرآن پاک میں یہ نہ کہا تھا ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ "مجھ سے دعائیں مانگو میں قبول کروں گا"؟ اس نے عرض کیا: یااللہ! یہ تو بیشک سب صحیح ہے مگر مجھ سے بھول ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا، آج ہم نے بھی تجھے بھلا دیا، جا چلا جا، اگر تجھے خبر ہوتی کہ تیرے لیے ہمارے یہاں کیا کیا عذاب ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔ [کنز]

⑩ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔ [رواه ابن ماجه والدارمي كذا في المشكوٰة]	حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص رزق (غلّہ وغیرہ) باہر سے لائے (تاکہ لوگوں کو ارزاں[1] دے) اس کو روزی دی جاتی ہے اور جو شخص روک کر رکھے وہ ملعون[2] ہے۔

فائدہ: فقیہ ابواللّیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باہر سے لانے والے سے وہ شخص مراد ہے جو تجارت کی غرض سے دوسرے شہروں سے غلّہ خرید کر لائے، تاکہ لوگوں کے ہاتھ (ارزاں) فروخت[3] کرے، تو اس کو (اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے) روزی دی جاتی ہے کیونکہ لوگ اس سے مُنتفِع[4] ہوتے ہیں، اُن کی دعائیں اس کو لگتی ہیں اور روکنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو روکنے کی نیت سے خرید کر رکھے اور لوگوں کو اس سے نقصان پہونچے۔ [تنبیہ الغافلین] یعنی گِرانی[5] کے انتظار میں روکے رکھے اور باوجود لوگوں کی حاجت[6] کے فروخت نہ کرے اس پر لعنت ہے یعنی بُخل[7] اور لالچ اور نفع کمانے کی غرض سے غلّہ وغیرہ جن چیزوں کی لوگوں کو اپنی زندگی کے لیے احتیاج[8] ہے خرید کر روکے رکھے اور گِرانی کی زیادتی کا دن بدِن انتظار کرتا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لعنت کی گئی۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص مسلمانوں پر ان کے کھانے کو چالیس[4] دن تک (باوجود سخت احتِیاج کے) روکے رکھے (فروخت نہ کرے) حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو کوڑھ[9] کے مرض میں اور اِفلاس[10] میں مبتلا کرتے ہیں۔ [مشکوٰۃ] اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسلمانوں کو نقصان پہونچاتا ہے اور فقر میں مبتلا کرتا ہے، اس پر بدنی عذاب (کوڑھ) بھی مُسلّط ہوتا ہے اور مالی عذاب اِفلاس وفَقر بھی اور اس کے بالمقابل پہلی حدیث میں گزر چکا کہ جو دوسری جگہ سے لاکر ارزانی سے فروخت کرتا ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ خود اس کو روزی (نفع) پہونچاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ غلّہ روکنے والا بھی کیسا برا آدمی ہے کہ

حل لغات: ① سستا۔ ② لعنت کیا ہوا۔ ③ بیچے۔ ④ فائدہ اُٹھانے والا۔ ⑤ مہنگائی۔ ⑥ ضرورت۔ ⑦ کنجوسی۔ ⑧ ضرورت۔ ⑨ خون کی خرابی سے پیدا ہونے والی بیماری جس میں یا تو سفید داغ ہو جاتے ہیں یا بدن میں سوجن پیدا ہو کر انگلیاں جھڑنے لگتی ہیں۔ ⑩ غربت، تنگدستی۔

اگر نرخ[1] ارزاں ہوتا ہے تو اس کو رنج ہوتا ہے اور گراں[2] ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس دن (احتیاج کے باوجود) غلّہ روکے رکھے (فروخت نہ کرے) پھر اس کو لوگوں پر صدقہ کر دے تو یہ صدقہ کرنا بھی اس روکنے کا کفّارہ[3] نہ ہوگا۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پہلی اُمتوں میں ایک بزرگ ریت کے ایک ٹیلے پر گزرے، گرانی کا زمانہ تھا، وہ اپنے دل میں یہ تمنا کرنے لگے کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ غلّہ کا ڈھیر ہوتا تو میں اس سے بنی اسرائیل کو خوب کھلاتا، حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس زمانہ کے نبی علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر وحی ارسال[4] کی کہ فلاں بزرگ کو بشارت[5] سنا دو کہ ہم نے تمہارے لیے اتنا ہی اجر و ثواب لکھ دیا، جتنا کہ یہ ٹیلہ غلّہ کا ہوتا اور تم اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ [تنبیہ الغافلین] حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں ثواب کی کمی نہیں ہے۔ اس کو اجر و ثواب دینے کے لیے نہ ذخیرہ کی ضرورت ہے، نہ آمدنی اور کمائی کی، اس کے ایک اشارہ میں ساری دنیا کی پیداوار ہے؛ وہاں لوگوں کا عمل اور اخلاص دیکھا جاتا ہے اور جو اس کی مخلوق پر رحمت اور شفقت[6] کرتا ہے اس پر رحمت اور شفقت میں وہاں کوئی کمی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرما دیں، آپ نے فرمایا کہ تمہیں چھ چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں: سب سے پہلی چیز اللہ پر بھروسہ اور یقین ان چیزوں کا جن کا اللہ جَلَّ شانُہٗ نے خود ذمہ لے رکھا ہے (مثلاً روزی وغیرہ)۔ دوسرے اللہ کے فرائض[7] کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا۔ تیسرے زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے۔ چوتھے شیطان کا کہنا نہ ماننا، وہ ساری مخلوق سے حسد[8] رکھتا ہے۔ پانچویں دنیا کے آباد کرنے میں مشغول نہ ہونا کہ وہ آخرت کو برباد کرے گی۔ چھٹے مسلمانوں کی خیر خواہی[9] کا ہر وقت خیال رکھنا۔ فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی سعادت[10] کی گیارہ علامتیں[11] ہیں اور اس بدبختی[12] کی بھی گیارہ علامات ہیں، سعادت کی گیارہ علامات یہ ہیں: (۱) دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کرنا۔ (۲) عبادت اور تلاوتِ قرآن کی کثرت۔ (۳) فضول بات سے احتراز[13]۔ (۴) نماز کا اپنے اوقات پر خصوصی اہتمام[14] (۵) حرام چیز سے چاہے ادنیٰ[15] درجہ کی حرام ہو، بچنا۔ (۶) صُلحاء[16] کی صحبت اختیار کرنا۔ (۷) متواضع[17] رہنا، تکبر نہ کرنا۔ (۸) سخی اور کریم[18] ہونا۔ (۹) اللہ کی مخلوقات پر شفقت کرنا۔ (۱۰) مخلوق کو نفع پہونچانا۔ (۱۱) موت کو کثرت سے یاد کرنا۔ اور بدبختی کی علامات یہ ہیں: (۱) مال کے جمع کرنے کی حرص۔ (۲) دنیوی لذتوں اور شہوتوں میں مشغول ہونا۔

حل لغات: (۱) بھاؤ، کسی چیز کی قیمت۔ (۲) مہنگا۔ (۳) گناہ کا بدلہ۔ (۴) بھیجنا۔ (۵) خوشخبری۔ (۶) مہربانی۔ (۷) فرض کی جمع۔ (۸) جلن۔ (۹) بھلائی۔ (۱۰) خوش نصیبی۔ (۱۱) نشانیاں۔ (۱۲) برائی اور بدنصیبی۔ (۱۳) بچنا۔ (۱۴) پابندی۔ (۱۵) کم۔ (۱۶) صالح کی جمع، نیک لوگ۔ (۱۷) عاجزی کرنے والا۔ (۱۸) شریف۔ (۱۹) لالچ۔

(۳) بے حیائی[1] کی گفتگو[2] اور بہت بولنا۔ (۴) نماز میں سستی کرنا۔ (۵) حرام اور مُشتبہ[3] چیزوں کا کھانا اور فاسق، فاجر[4] لوگوں سے میل جول رکھنا۔ (۶) بدخُلق[5] ہونا۔ (۷) متکبّر[6] اور فخر کرنے والا ہونا۔ (۸) لوگوں کے نفع پہونچانے سے یکسُو[7] رہنا۔ (۹) مسلمانوں پر رحم نہ کرنا۔ (۱۰) بخیل[8] ہونا۔ (۱۱) موت سے غافل ہونا۔ [تنبیہ الغافلین] بندہ[9] ناکارہ کے نزدیک ان سب کی جڑ موت کو کثرت سے یاد رکھنا ہے، جب وہ ہر وقت یاد آتی رہے گی تو پہلی گیارہ[11] ان شاء اللہ پیدا ہوجائیں گی اور دوسری گیارہ سے بچاؤ حاصل ہوجائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ لذتوں کے توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ [مشکوٰۃ]

(۱۱) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَلَا تَدْرِيْ لَعَلَّهُ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهُ. [رواه الترمذي كذا في المشكوٰة]	حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو مجمع میں سے کسی نے اُن کو بظاہر حالات کے اعتبار سے جنتی بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا خبر ہے؟ ممکن ہے کبھی انہوں نے بے کار بات زبان سے کوئی نکال دی ہو یا کبھی ایسی چیز میں بُخل کیا ہو جس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا تھا۔

فائدہ: یعنی یہ چیزیں بھی اِبتِداءً جنت میں جانے سے مَانِع[10] بن جاتی ہیں، حالانکہ بیکار باتوں میں مُنہمِک[11] رہنا اور فضول گفتگو میں اوقات ضائع کرنا، ہم لوگوں کا ایسا دلچسپ مَشغَلہ[12] ہے کہ شاید ہی کسی کی کوئی مجلس اس سے خالی ہوتی ہو؛ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور رحمت عَلَی الْاُمّت[13] کے قربان کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مشکل کا حل بتایا اور تئیس[۲۳] برس کے قلیل زمانہ میں ساری دنیا کی ہر قسم کی ضرورتوں کا حل تجویز[14] فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ مجلس کا کفّارہ[15] یہ دعا ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد اُٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرے: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ [حصن حصین]

دوسری چیز حدیثِ بالا میں وہی بخل ہے کہ شاید ایسی چیز میں بخل کرلیا ہو جس سے کوئی نقصان نہیں تھا۔ ایک اور حدیث میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آیا ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شاید کسی لایعنی[16] چیز میں گفتگو کرلی ہو یا کسی لایعنی چیز میں بخل کرلیا ہو۔ [کنز]

ہم لوگ بہت سی چیزوں کو بہت سَرسَری سمجھتے ہیں، لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں ثواب کے اعتبار

حل لغات: (۱) بے شرمی۔ (۲) بات۔ (۳) وہ چیز جس کے جائز اور ناجائز ہونے میں شک ہو۔ (۴) گنہگار۔ (۵) بُری عادت والا۔ (۶) گھمنڈی۔ (۷) الگ تھلگ۔ (۸) کنجوس۔ (۹) مراد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ۔ (۱۰) رکاوٹ۔ (۱۱) مشغول ہونا۔ (۱۲) کام۔ (۱۳) امت پر۔ (۱۴) مقرر کرنا۔ (۱۵) گناہ کا بدلہ۔ (۱۶) بے کار۔

سے بھی اور عذاب کے اعتبار سے بھی ان کا بہت اونچا درجہ ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کی کوئی بات زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ کچھ اہم بھی نہیں سمجھتا، لیکن اس کی وجہ سے اس کے درجات بہت بلند ہو جاتے ہیں اور کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا کہہ دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا، لیکن اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اتنا نیچے پھینک دیا جاتا ہے جتنی مشرق سے مغرب دور ہے۔ [مشکوٰۃ]

(۱۲) عَنْ مَوْلٰى لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أُهْدِيَ لِأُمِّ سَلَمَةَ بَضْعَةٌ مِّنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ: ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِي كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ: تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ فَقَالُوْا: بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أُمَّ سَلَمَةَ! هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ: نَعَمْ، قَالَتْ لِلْخَادِمِ: اِذْهَبِيْ فَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ۔

[رواه البيهقي في دلائل النبوة كذا في المشكوٰة]

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کسی شخص نے گوشت کا ایک ٹکڑا (پکا ہوا) ہدیہ کے طور پر پیش کیا، چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کا بہت شوق تھا، اس لیے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے خادمہ سے فرمایا کہ اس کو اندر رکھ دے، شاید کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوش[1] فرمالیں، خادمہ نے اس کو اندر طاق[2] میں رکھ دیا اس کے بعد ایک سائل[3] آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر سوال کیا کہ کچھ اللہ کے واسطے دے دو، اللہ جَلّ شانُہٗ تمہارے یہاں برکت فرمائے۔ گھر میں سے جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے (یہ اشارہ تھا کہ کوئی چیز دینے کے لیے موجود نہیں) وہ سائل تو چلا گیا، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اُم سلمہ! میں کچھ کھانا چاہتا ہوں، کوئی چیز تمہارے یہاں ہے؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خادمہ سے فرمایا کہ جاؤ وہ گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرو، وہ اندر گئیں اور جا کر دیکھا کہ طاق میں گوشت تو ہے نہیں، سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے، (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ معلوم ہوا تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے وہ گوشت چونکہ سائل (فقیر) کو نہ دیا، اس لیے وہ گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا۔

حل لغات: (۱) کھانا۔ (۲) دیوار میں بنائی ہوئی سامان رکھنے کی جگہ۔ (۳) مانگنے والا۔

فائدہ: بڑی عِبرت کا مقام ہے، اَزواجِ مُطہَّرات کی سخاوت اور فیّاضی[1] کا کوئی کیا مقابلہ کرسکتا ہے، ایک ٹکڑا گوشت کا اگر انہوں نے ضرورت سے روک لیا اور وہ بھی اپنی ضرورت سے نہیں بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت سے روکا، تو اس کا یہ حشر[2] ہوا اور یہ بھی حقیقتاً اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خاص لُطف[3] وکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے ساتھ تھا کہ اس گوشت کا جو اثر فقیر کو نہ دینے سے ہوا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اپنی اصلی حالت میں گھر والوں پر ظاہر ہوگیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرورت مند سے بچا کر اور انکار کرکے جو شخص کھاتا ہے وہ اثر اور ثَمرہ[4] کے اعتبار سے ایسا ہے جیسا کہ پتھر کھالیا ہو کہ اس سے اس چیز کا اصل فائدہ حاصل نہ ہوگا، بلکہ سخت دلی اور مَنافع[5] سے محرومی حاصل ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بہت سی اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نعمتیں کھاتے ہیں، لیکن ان سے وہ فوائد[6] بہت کم حاصل ہوتے ہیں جو ہونے چاہئیں اور کہتے ہیں کہ چیزوں میں اثر نہیں رہا حالانکہ حقیقت میں اپنی نیتیں خراب ہیں، اس لیے بدنیتی[7] سے فوائد میں کمی ہوتی ہے۔

⑬ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ: اَلْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ، وَأَوَّلُ فَسَادِهَا: اَلْبُخْلُ وَالْأَمَلُ۔

[رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اس امت کی صلاح[8] کی ابتدا[9] (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) یقین اور دنیا سے بے رغبتی سے ہوئی اور اس کے فساد[10] کی ابتدا بُخل[11] اور لمبی لمبی امیدوں سے (ہوگی)۔

فائدہ: حقیقت میں بخل بھی لمبی لمبی امیدوں سے ہی پیدا ہوتا ہے کہ آدمی دُور دُور کے منصوبے سوچتا ہے، پھر اُس کے لیے جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے، اگر آدمی کو اپنی موت یاد آتی رہے اور یہ سوچتا رہے کہ نہ معلوم کے[12] دن کی زندگی ہے، تو پھر نہ تو زیادہ دور کی سوچ وفکر ہو، نہ زیادہ جمع کرنے کی ضرورت ہو، بلکہ اگر موت یاد آتی رہے تو پھر اس گھر کے لیے زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی فکر ہر وقت سوار رہے۔

⑭ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا بِلَالُ؟ قَالَ: شَيْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ: أَمَا تَخْشٰى

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے، تو ان کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ بلال! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: حضور! آئندہ کی ضروریات کے لیے ذخیرہ کے طور پر رکھ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

حل لغات: ① خوب خرچ کرنا۔ ② انجام۔ ③ مہربانی۔ ④ نتیجہ۔ ⑤ فائدہ۔ ⑥ فائدے۔ ⑦ بُری نیت۔ ⑧ درستگی، بھلائی۔ ⑨ شروعات، پہل۔ ⑩ بگاڑ، خرابی۔ ⑪ کنجوسی۔ ⑫ کتنا۔

أَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْفِقْ يَابِلَالُ ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا۔ [رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة]	بلال! تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کی وجہ سے کل کو قیامت کے دن جہنم کی آگ کا دھواں تم دیکھو؟ بلال! خرچ کرڈالواور عرش والے (جَلَّ جلالہٗ) سے کمی کا خوف نہ کرو۔

فائدہ: ہر شخص کی ایک شان اور ایک حالت ہوا کرتی ہے، ہم جیسے کمزور ضُعَفاء[1]، ضعیفُ الْایمان[2]، ضعیفُ الیقین[3] لوگوں کے لیے شرعاً[4] اس کی گنجائش ہو بھی کہ وہ ذخیرہ کے طور پر آیندہ کی ضروریات کے لیے کچھ رکھ لیں، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے جلیلُ القدر[5] کامِلُ الْاِیمان[6] کامِلُ الیقین[7] کی یہی شان تھی کہ ان کو اللہ جَلَّ شانُہٗ سے کمی کا ذرا بھی خوف یا واہمہ[8] نہ ہو۔ جہنم کا دھواں دیکھنے سے اس میں جانا لازم نہیں آتا، لیکن لوگوں کے اعتبار سے کمی تو ضرور ہوگئی، جن کو یہ بھی نظر نہ آئے اور کم سے کم حساب کا قصہ تو لمبا ہو ہی جائے گا۔ بعض احادیث میں معمولی معمولی رقم ایک دو دینار کسی شخص کے پاس نکلنے پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جہنم کی آگ کی وعید[9] وارد ہوئی ہے، جیسا کہ چھٹی فصل کی احادیث کے سلسلہ میں نمبر دو[2] صفحہ ۳۶۵ کے ذیل میں آرہا ہے۔ اور حساب کا معاملہ تو ہر شخص کے لیے ہے کہ جتنا مال زیادہ ہوگا اتنا ہی حساب طویل[10] ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا، میں نے دیکھا کہ اس میں کثرت سے داخل ہونے والے فُقَراء[11] ہیں اور وسعت[12] والے ابھی روکے ہوئے ہیں اور جہنمی لوگوں کو جہنم میں پھینک دیا گیا۔ اور میں جہنم کے دروازہ پر کھڑا ہوا، تو میں نے اس میں کثرت سے داخل ہونے والی عورتیں دیکھیں۔ [مشکوٰۃ] عورتوں کے جہنم میں کثرت سے داخل ہونے کی وجہ ایک اور حدیث میں آئی ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن عیدگاہ میں تشریف لے گئے، جب عورتوں کے مجمع پر گزر ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم صدقہ بہت کثرت سے کیا کرو، میں نے عورتوں کو بہت کثرت سے جہنم میں دیکھا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں لعنت (بددعائیں) بہت کرتی ہیں۔ اور خاوِنْد[13] کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ [مشکوٰۃ]

اور یہ دونوں باتیں عورتوں میں ایسی کثرت سے شائع[14] ہیں کہ حد نہیں، جس اولاد پر دَم[15] دیتی ہیں، ہر وقت اس کی راحت اور آرام کی فکر میں رہتی ہیں، ذرا ذرا سی بات پر اس کو ہر وقت بددعائیں: تو مرجا، تو

حل لغات: (۱) ضعیف کی جمع، کمزور۔ (۲) کمزور ایمان والے۔ (۳) کمزور یقین والے۔ (۴) شرعی طور پر۔ (۵) بڑے مرتبہ والا۔ (۶) مکمل ایمان والا۔ (۷) مکمل یقین والا۔ (۸) شک وشبہ۔ (۹) سزا کی دھمکی۔ (۱۰) لمبا۔ (۱۱) فقیر کی جمع۔ (۱۲) مالدار۔ (۱۳) شوہر۔ (۱۴) یعنی پھیلی ہوئی ہیں۔ (۱۵) محبت کرنا۔

گڑ جا، تیرا ناس ہو جا، وغیرہ وغیرہ الفاظ ان کا تکیۂ کلام[1] ہوتا ہے اور خاوند کی ناشکری کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ غریب جتنی بھی ناز برداری[2] کرتا رہے اُن کی نگاہ میں وہ لاپرواہ ہی رہتا ہے، ہر وقت اس غم میں مری رہتی ہیں کہ اس نے ماں کو کوئی چیز کیوں دے دی؟ باپ کو تنخواہ میں سے کچھ کیوں دے دیا؟ بہن بھائی سے سلوک کیوں کر دیا؟ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ الکسوف[3] میں دوزخ جنت کا مُشاہدہ[4] فرمایا تو دوزخ میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ احسان فراموشی[5] کرتی ہیں، خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، اگر تُو تمام عمر ان میں سے کسی پر احسان کرتا رہے، پھر کوئی ذرا سی بات پیش آجائے تو کہنے لگتی ہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہ دیکھی۔

[مشکوٰۃ عن المتفق علیہ]

حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی کہ عورتوں کی عام عادت ہے جتنا بھی اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اگر کسی وقت کوئی بات اُن کے خلافِ طبع[6] پیش آجائے تو خاوند کے عمر بھر کے احسان سب ضائع ہو کر کہتی ہیں کہ اِس گھروے میں مجھے کبھی چین نہ ملا، یہ اُن کا خاص تکیہ کلام ہے۔ ان روایات سے عورتوں کے کثرت سے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سے بچاؤ اور حفاظت کی چیز بھی صدقہ کی کثرت ہے؛ چنانچہ اس وعید والی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ جب یہ ارشاد فرما رہے تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور صحابی عورتیں کثرت سے حضور ﷺ کا پاک ارشاد سننے کے بعد اپنے کانوں کا زیور اور گلے کا زیور نکال نکال کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں جس میں وہ چندہ جمع کر رہے تھے ڈال رہی تھیں۔

ہمارے زمانہ میں اوّل تو عورتوں کو اس قسم کی سخت حدیثیں سن کر خیال بھی نہیں ہوتا اور اگر کسی کو ہوتا بھی ہے تو پھر اس کا نزلہ[7] بھی خاوند ہی پر گرتا ہے کہ وہی اُن کی زکوٰۃ ادا کرے، اُن کی طرف سے صدقے کرے، اگر وہ خود بھی کریں گی تو خاوند ہی سے وصول کر کے، مَجال ہے کہ اُن کے زیوروں کو کوئی آنچ آجاوے، ویسے چاہے سارا ہی چوری ہو جاوے، کھویا جائے یا بیاہ شادیوں اور لغو[8] تقریبات[9] میں گروی رکھ کر ہاتھ سے جاتا رہے، مگر اس کو اپنی خوشی سے اللہ کے یہاں جمع کرنا اس کا کہیں ذکر نہیں، اسی حال میں اس کو چھوڑ کر مر جاتی ہیں پھر وہ وارثوں میں تقسیم ہو کر کم داموں میں فروخت[10] ہوتا ہے، بنتے وقت نہایت گراں[11] بنتا ہے، بکتے وقت نہایت اَرزاں[12] جاتا ہے لیکن ان کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ یہ گھڑائی

حل لغات: (۱) وہ لفظ جو بات چیت کے درمیان بار بار بولا جائے۔ (۲) ناز اٹھانا، یعنی ہر طرح سے خیال رکھنا۔ (۳) سورج گرہن کی نماز۔ (۴) دیکھنا۔ (۵) احسان بھلا دینا۔ (۶) طبیعت کے خلاف۔ (۷) آفت آنا۔ (۸) بے کار۔ (۹) شادی بیاہ، رسم وغیرہ۔ (۱۰) بکنا۔ (۱۱) مہنگا۔ (۱۲) سستا۔

کے دام بالکل ضائع جارہے ہیں ان کو بنواتے رہنے سے، غرض یہ تڑوا کر وہ بنوالیا، وہ تڑوا کر یہ بنوالیا اور اپنے کام آنے والا نہ وہ ہے، نہ یہ ہے اور بار بار تڑوانے میں مال کی اِضاعت کے علاوہ گھڑائی کی اُجرت[1] ضائع ہوتی رہتی ہے۔ یہ مضمون درمیان میں عورتوں کے کثرت سے جہنم میں جانے کی وجہ میں آگیا تھا، اصل مضمون تو یہ تھا کہ مال کی کثرت کچھ نہ کچھ رنگ تو لاتی ہی ہے حتیٰ کہ حضراتِ مہاجرین رضی اللہ عنہم کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن فُقراءِ[2] مہاجرین ، اَغنیاء[3] سے چالیس سال قبل[4] جنت کی طرف بڑھ جائیں گے۔ [مشکوٰۃ] حالانکہ ان حضرات کے ایثار اور صدقات کی کثرت اور اخلاص کا نہ تو اندازہ کیا جاسکتا ہے، نہ مقابلہ ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:
اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّأَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔ (اے اللہ زندگی میں بھی مجھے مسکین رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت عطا کر اور میرا حشر بھی مسکینوں کی جماعت میں فرما)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیوں؟ (یعنی آپ مسکینی کی دعا کیوں فرماتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَساکین اپنے اَغنیاء سے چالیس سال قبل جنت میں جائیں گے۔ عائشہ! مسکین کو نامراد[5] واپس نہ کرو چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، عائشہ! مساکین[6] سے محبت رکھا کرو، ان کو اپنا مقرّب[7] بنایا کرو، اللہ جَلَّ شانُہٗ قیامت کے دن تمہیں اپنا مقرب بنائیں گے۔ [مشکوٰۃ]

بعض علماء کو اس حدیث پر یہ اِشکال[8] ہوگیا کہ اس سے عام فقراء کا انبیاء سے مقدّم[9] ہونا لازم آتا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں یہ اشکال نہیں ہے، اس حدیث پاک میں اپنے اَغنیاء کا لفظ موجود ہے۔ ہر جماعت کے فقراء کا اس جماعت کے اَغنیاء سے مقابلہ ہے، انبیاء علیہم السلام کا انبیاء علیہم السلام سے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور اسی طرح اور جماعتیں۔

⑮ عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَّفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ۔ [رواه الترمذي كذا في المشكوٰة]	حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے (جس میں مبتلا ہو کر وہ فتنے میں پڑ جاتی ہے) میری امت کا فتنہ مال ہے۔

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد بالکل ہی حق ہے، کوئی اعتقادی[10] چیز نہیں ہے۔ روزمرّہ[11] کے مُشاہَدہ[12] کی چیز ہے کہ مال کی کثرت سے جنسی آوارگی[13]، عیّاشی[14]، سودخواری، زناکاری، سینمابینی، جوابازی،

حل لغات: ① مزدوری۔ ② ہجرت کرنے والے فقیر۔ ③ غنی کی جمع، مالدار۔ ④ پہلے۔ ⑤ محروم۔ ⑥ مسکین کی جمع، غریب۔ ⑦ قریبی۔ ⑧ اعتراض۔ ⑨ افضل۔ ⑩ عقیدے سے متعلق۔ ⑪ روزانہ۔ ⑫ دیکھنا، تجربہ۔ ⑬ بدمعاشی۔ ⑭ بدچلنی۔

ظلم وستم، لوگوں کو حقیر[1] سمجھنا، اللہ کے دین سے غافل ہونا، عبادات میں تساہل[2]، دین کے کاموں کے لیے وقت نہ ملنا وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ ناداری[3] میں ان کا تہائی چوتھائی بلکہ دسواں حصّہ بھی نہیں ہوتا، اسی وجہ سے ایک مَثَل[4] مشہور ہے "زَرنیست عشق ٹیں ٹیں" پیسہ پاس نہ ہو تو پھر بازاری عشق بھی زبانی جمع خرچ[5] ہی رہ جاتا ہے۔ اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو کم سے کم درجہ مال کی بڑھوتری کا ہر وقت فکر تو کہیں گیا ہی نہیں۔ صرف تین ہزار روپیہ کسی کو دے دیجیے پھر جو ہر وقت اس کو کسی کام میں لگا کر بڑھانے کا فکر دامن گیر[6] ہوگا، تو کہاں کا سونا، کہاں کا راحت آرام، کیسا نماز روزہ، کیسا حج زکوٰۃ، اب دن بھر رات بھر دوکان کے بڑھانے کی فکر ہے، دوکان کی مشغولی نہ کسی دینی کام میں شرکت کی اجازت دیتی ہے، نہ دین کے لیے کہیں باہر جانے کا وقت ملتا ہے کہ دوکان کا حَرَج[7] ہوجائے گا، ہر وقت یہ فکر سوار کہ کون سا کاروبار ایسا ہے جس میں نفع زیادہ ہو کام چلتا ہوا ہو؛ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد جو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے لیے دو وادیاں (دو جنگل) مال کے حاصل ہوجائیں تو وہ تیسری کی تلاش میں لگ جاتا ہے، آدمی کا پیٹ قبر (کی مٹی) ہی بھر سکتی ہے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کے لیے ایک وادی مال کی ہو تو دوسری کو تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے، آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے لیے ایک جنگل کھجوروں کا ہو تو دوسرے کی تمنا کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسرے کی اور اسی طرح تمنائیں کرتا رہتا ہے، اس کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے اگر آدمی کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ دوسری کو تلاش کرتا ہے، آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ [بخاری]

مٹی سے بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی مٹی میں جا کر ہی وہ اپنی اس "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ"[8] کی خواہش سے رک سکتا ہے، دنیا میں رہتے رہتے تو ہر وقت اس پر اضافہ اور زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ ایک کارخانہ اچھی طرح چل رہا ہے، اس میں بقدر ضرورت آمدنی ہو رہی ہے، کہیں کوئی دوسری چیز سامنے آگئی اس میں بھی اپنی ٹانگ اَڑادی، ایک سے دو ہوگئی، دو سے تین ہوگئی، غرض جتنی آمدنی بڑھتی جائے گی اس کو مزید[9] کاروبار میں لگانے کی فکر رہے گی، یہ نہیں ہوگا کہ اس پر قناعت[10] کر کے کچھ وقت اللہ کی یاد میں مشغولی کا نکل آئے؛ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے: (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا) اے اللہ! میری اولاد کا رزق قوت ہو یعنی بقدرِ کفایت[11] ہو، زاید ہو ہی نہیں جس کے چکّر میں میری اولاد پھنس جائے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہتری اور خوبی اس شخص کے

حل لغات: (۱) کم درجے کا۔ (۲) سستی۔ (۳) غریبی۔ (۴) کہاوت۔ (۵) خالی باتیں بنانا۔ (۶) یعنی لگا رہے گا۔ (۷) نقصان۔ (۸) کچھ اور بھی ہو تو لاؤ۔ (۹) اور زیادہ۔ (۱۰) تھوڑی چیز پر راضی رہنا۔ (۱۱) اتنی مقدار جتنی کافی ہو۔

لیے ہے جو اسلام عطا کیا گیا ہو اور اُس کا رزق بقدرِ کفایت ہو اور اس پر قانع[1] ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہوگا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ دنیا میں اس کی روزی صرف قُوت (یعنی بقدرِ کفایت) ہوتی۔ [اِحیاء]

بخاری شریف کی حدیث میں ہے: حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم! مجھے تمہارے اوپر تمہارے فقر و فاقہ کا خوف[2] نہیں ہے، بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی وُسعت[3] ہوجائے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر ہوچکی ہے، پھر تمہارا اس میں دل لگنے لگے جیسا کہ اُن کا لگنے لگا تھا، پس یہ چیز تمہیں بھی ہلاک کردے جیسا کہ پہلی امتوں کو کرچکی ہے۔ [مشکوۃ]

ان کے علاوہ اَور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے مختلف قسم کی تنبیہات سے مال کی کثرت اور اس کے فتنہ پر مُتنبّہ[4] فرمایا، اس لیے نہیں کہ مال فِی حَدِّ ذاتِہٖ[5] کوئی ناپاک یا عیب کی چیز ہے؛ بلکہ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کے قُلُوب[6] کے فساد[7] کی وجہ سے بہت جلد ہمارے دلوں میں مال کی وجہ سے تَعَفُّن[8] اور بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں، اگر کوئی شخص اس کی مَضَرَّتوں[9] سے بچتے ہوئے، اس کی زیادتی سے اِحتِراز[10] کرتے ہوئے، شَرائِط[11] کے ساتھ اس کو استعمال کرے تو مُضِر[12] نہیں بلکہ مفید ہوجاتا ہے، لیکن چونکہ عام طور سے نہ شرائط کی رعایت ہوتی ہے نہ اصلاح کی فکر ہوتی ہے؛ اس بناء پر اپنا زہریلا اثر بہت جلد پیدا کردیتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ہَیضَہ[13] کے زمانہ میں امرود کا کھانا ہے کہ فِی حَدِّ ذاتِہٖ اَمرُود کے اندر کوئی عیب نہیں، اس کے جو فوائد ہیں وہ اب بھی اس میں موجود ہیں، لیکن ہوا کے فساد کی وجہ سے اس کے استعمال سے بِالخُصُوص[14] کثرتِ استعمال سے بہت جلد اس میں تَغَیُّر[15] پیدا ہوکر مضرّت اور ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے؛ اسی وجہ سے عَلَی العُمُوم[16] ڈاکٹر ہیضہ کے زمانہ میں امرودوں کی سختی سے مُمانَعت[17] کردیتے ہیں، ٹوکرے کے ٹوکرے ضائع کرادیتے ہیں، حیرت کی بات ہے کہ اگر معمولی حکیم یا ڈاکٹر کسی چیز کو مُضِر بتاتا ہے تو طَبعًا[18] ہمارے قلوب اس سے ڈرنے لگتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹروں کے ان اعلانات کے بعد اچھے اچھے سُورماؤں[19] کی ہمت امرود کھانے کی نہیں رہتی، لیکن وہ ہستی جس کے جوتوں کی خاک تک بھی کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں پہونچ سکتا، جس کی تجویزات[20] نورِ نبوت سے مُستفاد[21] ہیں، اس کے اعلان پر، اس کی تجویز پر ذرا بھی خوف پیدا نہ ہو، حضورِ اقدس ﷺ جب بار بار اس کے فتنوں اور اس کی مضرتوں پر

حل لغات: (۱) جو مل جائے اس پر راضی رہنے والا۔ (۲) ڈر۔ (۳) کشادگی۔ (۴) خبردار۔ (۵) اپنی ذات کے اعتبار سے۔ (۶) قلب کی جمع، دل۔ (۷) خرابی۔ (۸) گندگی۔ (۹) مضرت کی جمع، نقصان۔ (۱۰) پرہیز۔ (۱۱) شرط کی جمع۔ (۱۲) نقصان پہونچانے والا۔ (۱۳) ایک بیماری جس میں بدہضمی پیدا ہوکر دست آتے ہیں۔ (۱۴) خاص طور سے۔ (۱۵) تبدیلی۔ (۱۶) عام طور پر۔ (۱۷) منع کرنا۔ (۱۸) فطری طور پر۔ (۱۹) بہادروں۔ (۲۰) تجویز کی جمع، فیصلہ۔ (۲۱) حاصل کیا ہوا۔

تنبیہ فرمارہے ہیں تو یقیناً ہر شخص کو بہت زیادہ اس کی مَضَرَّتوں سے ڈرتے رہنا چاہیے، اس کے استعمال کے لیے شرعی قوانین[1] کے ماتحت[2] جو اس کے لیے ایسے ہیں جیسا کہ امرود کے لیے نمک مرچ لیموں وغیرہ مُصلِحات[3] ہیں، ان کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بہت زیادہ اس میں فکر کرتے رہنا چاہیے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غِنیٰ[4] میں اس شخص کے لیے نقصان نہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ [مشکوۃ]

میرے نسبی[5] بزرگوں میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور فقیہ حضرت اقدس مرجعُ الکل شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کے خاص شاگرد ہیں، ان کی بَیاض[6] میں ان کے شیخ کی بیاض سے نقل کیا ہے کہ دنیا (یعنی مال) آدمی کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کی مَرضیات[7] پر عمل کرنے کے لیے بہترین مدد ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف بلایا تو ان چیزوں کے چھوڑ دینے کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ اسبابِ مَعِیشت[8] اور اہل وعَیال[9] کی خدمت کی ترغیب دی، لہٰذا مال کا اور اپنے اہل وعیال میں رہنے کا انکار ناواقف[10] شخص ہی کرسکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وِصال[11] کے وقت اُن کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس اشرفیاں[12] اور دس لاکھ دِرَم[13] تھے، اور جائیداد: خیبر، وادیٔ قُرٰی وغیرہ کی تھی، جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مال کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ دینار چھوڑے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال کی تو شمار ہی مشکل ہے۔ اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی: ﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ [سورۂ کہف: ۲۷] ''اپنے رب کی عبادت صبح وشام (یعنی ہمیشہ) محض اس کی رضاجوئی[14] کے واسطے کرتے ہیں''۔ اور ارشاد ہے: ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ [سورۂ نور: ۳۷] ''یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو تجارت وغیرہ اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔'' فقط۔

بیاض کی عبارت عربی ہے، یہ اس کا ترجمہ ہے اور صحیح ہے کہ اس زمانہ میں فتوحات[15] کی کثرت سے عام طور پر ان حضرات کی مالی حالت ایسی ہی تھی، دنیا اور ثَرْوَت[16] اُن کے جوتوں سے لپٹتی تھی، یہ اس کو جھٹکتے تھے اور وہ ان کو چمٹتی تھی؛ لیکن اس سب کے باوجود اس کے ساتھ اُن کی دل بستگی[17] اور اللہ تعالیٰ کے

حل لغات: (۱) قانون کی جمع۔ (۲) جو نیچے ہو، تابع۔ (۳) نقصان سے بچانے والا۔ (۴) مالداری۔ (۵) خاندانی۔ (۶) ڈائری۔ (۷) پسندیدہ چیزیں۔ (۸) زندگی اور روزی۔ (۹) بال بچے۔ (۱۰) نہ جاننے والا۔ (۱۱) انتقال۔ (۱۲) سونے کے سکّے۔ (۱۳) چاندی کے سکّے۔ (۱۴) خوشی چاہنا۔ (۱۵) مال و دولت۔ (۱۶) مال و دولت۔ (۱۷) دلچسپی۔

بخل کی مذمت

ساتھ مشغولی کیا تھی؟ فضائلِ نماز اور حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان حضرات کے کچھ واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان کو عبرت اور غور سے دیکھو۔ یہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہٗ اپنی اس دولت کے ساتھ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو جیسے ایک کیل کہیں گاڑ دی ہو، سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ چڑیاں کمر پر آ کر بیٹھ جاتیں اور حرکت کا ذکر نہیں، جس زمانہ میں خود اُن پر چڑھائی ہو رہی تھی اور ان پر گولہ باری ہو رہی تھی، نماز پڑھ رہے تھے، ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا جس سے اس کا ایک حصّہ گرا، ان کی داڑھی کے پاس سے گزرا مگر اُن کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔ ایک صحابی کا باغ کھجوروں کا خوب پک رہا تھا، یہ اس باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں باغ کا خیال آ گیا۔ اس کا رنج[1] اور صدمہ اس قدر ہوا کہ نماز کے بعد فوراً باغ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں جو اس وقت امیر المؤمنین تھے پیش کر دیا، انہوں نے پچاس ہزار میں اس کو فروخت[2] کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو بوریاں دِرَم کی نذرانہ[3] میں آئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ دِرَم تھے، طَباق[4] منگا کر اور بھر بھر کر سب تقسیم کر دیں، اپنا روزہ تھا یہ بھی خیال نہ آیا کہ اپنے افطار کے لیے کچھ رکھ لیں یا کوئی چیز منگا لیں، افطار کے وقت جب باندی نے افسوس کیا کہ اگر ایک درم کا گوشت منگا لیتیں تو آج ہم بھی گوشت سے کھانا کھا لیتے، تو فرمایا: اب افسوس سے کیا ہوتا ہے، جب یاد دلاتی تو میں منگا دیتی۔ حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ اور اس قسم کے چند واقعات ذکر کیے گئے، اُن کے علاوہ ہزاروں واقعات ان حضرات کے تاریخ میں موجود ہیں، ان کو مال کیا نقصان دے سکتا تھا جن کے نزدیک اس میں اور گھر کے کوڑے میں کوئی فرق ہی نہ ہو، کاش اللہ جلّ شانہٗ اس صفت کا کوئی شمّہ[5] اس ناپاک کو بھی عطا کر دیتا۔

یہاں ایک بات خاص طور سے قابلِ لحاظ[6] ہے، وہ یہ کہ ان حضرات مُتَموّل[7] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان اَحوال[8] سے مال کی کثرت کے جواز[9] پر استدلال[10] تو ہو سکتا ہے کہ خیرُالقُرون[11] اور خلفائے راشدین[12] کے دَور میں یہ مثالیں بھی ملتی ہیں؛ لیکن ہم لوگوں کو اس زہر کے اپنے پاس رکھنے میں اُن کے اِتبّاع[13] کو آڑ بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی تپِ[14] دِق کا بیمار کسی جوان قوی[15] تندرست کے اتباع میں روزانہ صحبت کیا کرے کہ وہ تین چار دن میں قبر کا گڑھا ہی دیکھے گا۔ رسالہ کے ختم پر حکایات کے سلسلہ میں نمبر چوَن ۵۴ صفحہ ۶۰۸ پر ایک عارف[16] کا ارشاد غور سے دیکھنا چاہیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال بمنزلہ[17] ایک سانپ کے ہے جس میں زہر بھی

حل لغات: (۱) غم۔ (۲) بیچنا۔ (۳) ہدیہ۔ (۴) تھال۔ (۵) تھوڑی سی چیز۔ (۶) توجہ کے قابل۔ (۷) مالدار۔ (۸) حال کی جمع، حالت۔ (۹) جائز ہونا۔ (۱۰) دلیل لانا۔ (۱۱) بہترین زمانہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ۔ (۱۲) ہدایت پانے والے خلیفہ یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم۔ (۱۳) پیروی۔ (۱۴) پُرانا بخار جو عام طور پر پھیپھڑوں کے خراب ہونے کی وجہ سے آتا ہے۔ (۱۵) طاقتور۔ (۱۶) ولی۔ (۱۷) درجے میں۔

ہے اور تریاق[1] بھی ہے، اس کے فوائد بمنزلہ تریاق کے ہیں اور اس کے نقصانات بمنزلہ زہر کے، جو اس کے فوائد اور نقصانات سے واقف[2] ہو جائے وہ اس پر قادر[3] ہو سکتا ہے کہ اس کے فوائد حاصل کرے اور نقصانات سے محفوظ رہے۔ اس میں فوائد تو دو قسم کے ہیں دنیوی اور دینی: دنیوی فوائد تو ہر شخص جانتا ہے، انہیں کی وجہ سے سارا جہان[4] اس کے کمانے میں مرمٹ رہا ہے، دینی فوائد تین ہیں: اوّل یہ کہ بواسطہ یا بلاواسطہ عبادت کا سبب ہے، بلاواسطہ تو جیسے حج جہاد وغیرہ کہ یہ روپیہ ہی سے ہو سکتے ہیں اور بواسطہ یہ کہ اپنے کھانے پینے اور ضروریات میں خرچ کرے کہ یہ ضرورتیں اگر پوری نہ ہوں تو آدمی کا دل ادھر مشغول رہتا ہے، جس کی وجہ سے دینی مَشاغل[5] میں اشتِغال[6] کا وقت نہیں ملتا اور جب یہ بواسطہ عبادت کا ذریعہ ہے تو خود بھی عبادت ہوا؛ لیکن صرف اتنی ہی مقدار جس سے دینی مشاغل میں اعانت[7] ملے، اس سے زیادہ مقدار اس میں داخل نہیں۔

دوسرا دینی فائدہ اس سے، کسی دوسرے پر خرچ کرنے کے متعلق ہے اور یہ چار قسم پر ہے: (الف) صدقہ جو غُرَبا[8] پر کیا جائے، اس کے فضائل بے شمار ہیں جیسا کہ پہلے کچھ گزر چکے۔ (ب) مُروّت[9] جو اغنِیاء[10] پر دعوت ہدیہ وغیرہ میں خرچ کیا جائے کہ وہ صدقہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ صدقہ فُقَراء[11] پر ہوتا ہے، یہ قسم بھی دینی فوائد لیے ہوئے ہے کہ اس سے آپس کے تعلقات قَوِی[12] ہوتے ہیں، سخاوت[13] کی بہترین عادت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی احادیث ہَدَایا[14] اور کھانا کھلانے کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں، اس قسم میں ان لوگوں کے فقر کی قید نہیں ہے جن پر خرچ کیا جائے بندہ کے ناقص خیال میں یہ فائدہ بسا اوقات[15] پہلے نمبر سے بھی بڑھ جاتا ہے، مگر جب ہی تو جب اس میں خرچ بھی کیا جائے، لیکن جو شخص ننانوے کے پھیر[16] میں پڑ جائے اس کے لیے نہ یہ فضائل کارآمد[17] ہیں، نہ وہ سب احادیث جو اُن کے فضائل میں آئی ہیں، اُس پر اثر کرتی ہیں۔ (ج) اپنی آبرو[18] کا تحفُّظ[19] یعنی مال کا ایسی جگہ خرچ کرنا، جس میں اگر خرچ نہ کیا جائے، تو کمینہ لوگوں کی طرف سے بدگوئی[20]، فحش[21] وغیرہ مضرّتوں[22] کا اندیشہ[23] ہے یہ بھی صدقہ کے حکم میں آجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنی آبرو کی حفاظت کے لیے جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کرتا ہے۔ بندۂ ناکارہ کے نزدیک دفعِ ظلم[24] کے لیے رشوت دینا بھی اس میں داخل ہے۔ رشوت کا دینا کسی نفع کے حاصل کرنے کے واسطے حرام ہے، ناجائز ہے، دینے والا بھی ایسا ہی گنہگار ہے جیسا کہ لینے والا،

حل لغات: (۱) زہر کی دوا۔ (۲) جاننے والا۔ (۳) قابو پانا۔ (۴) دنیا۔ (۵) مشغلہ کی جمع، کام۔ (۶) مشغول ہونا۔ (۷) مدد۔ (۸) غریب کی جمع (۹) انسانیت۔ (۱۰) مالدار۔ (۱۱) فقیر کی جمع۔ (۱۲) مضبوط۔ (۱۳) نیک کاموں میں خوب خرچ کرنا۔ (۱۴) ہدیہ کی جمع۔ (۱۵) اکثر مرتبہ۔ (۱۶) لالچ میں پھنسنا، روپیہ جمع کرنے کی فکر کرنا۔ (۱۷) فائدہ مند۔ (۱۸) عزت۔ (۱۹) حفاظت کرنا۔ (۲۰) بری بات۔ (۲۱) بے ہودہ بات۔ (۲۲) مضرت کی جمع، نقصان۔ (۲۳) ڈر۔ (۲۴) ظلم کو ختم کرنا۔

لیکن ظالم کے ظلم کو ہٹانے کے واسطے دینے والے کو جائز ہے، لینے والے کو حرام ہے۔(د) مزدوروں کی اُجرت دینا کہ آدمی بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرسکتا اور بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آدمی خود کرتو سکتا ہے، لیکن ان میں بہت ساعزیز[1] وقت صَرف[2] ہوتا ہے اگر ان کاموں کو اجرت پر کرالے تو اپنا یہ وقت علم وعمل، ذکر وفکر وغیرہ ایسے اُمور میں خرچ ہوسکتا ہے جن میں دوسرا نائب[3] نہیں ہوسکتا۔ تیسرا دینی فائدہ عُمومی اِخراجات[4] خیر ہیں جن میں کسی دوسرے مُعیَّن[5] شخص پر تو خرچ نہیں کیا جاتا کہ یہ دوسرے نمبر میں گزر چکے ہیں، البتہ عمومی فوائد[6] اس سے حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ مَساجِد کا بنانا، مسافر خانے، پُل وغیرہ بنانا، مَدارِس[7]، شِفاخانے[8] وغیرہ ایسی چیزیں بنانا جو اپنے مرنے کے بعد بھی اُن کے اجروثواب اوران سے فوائد حاصل کرنے والے صُلَحاء[9] کی دعائیں پہونچتی رہیں، یہ تو اِجمال ہے اس کے فوائد کا اور سارے فوائد جو اس سے حاصل ہوسکتے ہیں وہ ان میں آ گئے۔

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب قُدِّس سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ مال کا خرچ کرنا سات طرح سے عبادت ہے: ① زکوٰۃ جس میں عُشر[10] بھی داخل ہے۔ ② صدقۂ فطر۔ ③ نفل خیرات جس میں مہمانی بھی داخل ہے اور قرضداروں کی اِعانت[11] بھی۔ ④ وقف[12]، مَساجد، سَرائے[13]، پل وغیرہ بنانا۔ ⑤ حج فرض ہو یا نفل، یا کسی دوسرے کی حج میں مدد ہو توشہ[14] سے یا سواری سے۔ ⑥ جہاد میں خرچ کرنا کہ ایک دِرَم اس میں سات سو دِرَم کے برابر ہے۔ ⑦ جن کے اِخراجات[15] اپنے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنا جیسا کہ بیوی کا اور چھوٹی اولاد کا خرچ ہے اور اپنی وُسعت[16] کے بعد محتاج رشتہ داروں کا خرچ وغیرہ۔
[تفسیر عزیزی]

امام غَزالی رَحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال کے نقصانات بھی دو قسم کے ہیں: دینی اور دنیوی، دینی نقصانات تین قسم پر ہیں: (الف) مَعاصی[17] کی کثرت کا سبب ہوتا ہے کہ آدمی اکثر و بیشتر[18] اسی کی وجہ سے شہوتوں[19] میں مبتلا ہوتا ہے اور ناداری[20] اور عِجز[21] ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونے دیتا، جب آدمی کو کسی معصیت[22] کے حصول سے ناامیدی ہوتی ہے تو دل اس کی طرف زیادہ متوجہ بھی نہیں ہوتا اور جب اپنے کو اس پر قادر سمجھتا ہے تو کثرت سے اُدھر توجّہ رہتی ہے اور مال قُدرت[23] کے بڑے اسباب میں سے ہے؛ اسی وجہ سے مال کا فتنہ فَقْر[24] کے فتنہ سے بڑھا ہوا ہے۔

حل لغات: ① یعنی قیمتی۔ ② خرچ۔ ③ قائم مقام۔ ④ عام لوگوں کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا۔ ⑤ خاص۔ ⑥ فائدہ کی جمع۔ ⑦ مدرسہ کی جمع۔ ⑧ اسپتال۔ ⑨ نیک لوگ۔ ⑩ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ۔ ⑪ مدد۔ ⑫ اللہ کے نام پر کوئی چیز دے دینا۔ ⑬ مسافرخانہ۔ ⑭ سفر کا سامان۔ ⑮ خرچ۔ ⑯ یعنی ضرورت۔ ⑰ گناہ۔ ⑱ زیادہ تر۔ ⑲ نفسانی خواہشات۔ ⑳ غریبی۔ ㉑ مسکینی۔ ㉒ گناہ کا کرنا۔ ㉓ طاقت۔ ㉔ غریبی۔

(ب) جائز چیزوں میں تنعُّم[1] کی کثرت کا سبب ہے، اچھے سے اچھا کھانا، اچھے سے اچھا لباس وغیرہ وغیرہ، بھلا مالدار سے یہ کب ہوسکتا ہے کہ جَو کی روٹی اور موٹا کپڑا پہنے۔ اور ان تنعُّمات[2] کا حال یہ ہے کہ ایک چیز دوسرے کو کھینچتی ہے اور شُدہ شُدہ[3] اِخراجات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور آمدنی جب ان کو کافی نہیں ہوتی تو ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کی فکریں پیدا ہونے لگتی ہیں اور جھوٹ، نفاق وغیرہ بری عادات کی بنیاد اسی سے پڑتی ہے کہ مال کی کثرت[4] کی وجہ سے ملاقاتی بھی کثیر[5] ہوں گے اور ان کے تعلّقات کی بقا[6] اور حفاظت کے واسطے اس قسم کے اُمور کثرت سے پیدا ہوں گے اور تعلّقات کی کثرت میں بُغض[7]، عداوت[8]، حسد[9]، کینہ[10] وغیرہ اُمور[11]، طرفین[12] میں کثرت سے پیدا ہوں گے اور ایسے بے انتہا عوارض[13] آدمی کے ساتھ لگ جائیں گے، جن سے مال کے ہوتے ہوئے خلاصی[14] دشوار[15] ہے اور غور کرنے سے یہ مضرّتیں[16] وسیع[17] پیمانے پر پہونچ جاتی ہیں اور ان سب کا پیدا ہونا مال ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔

(ج) اور کم سے کم اس بات سے تو کوئی بھی مالدار خالی نہیں ہوسکتا کہ اس کا دل مال کی صلاح[18] وفلاح[19] کے خیال میں اللہ کے ذکر وفکر سے غافل رہے گا اور جو چیز اللہ جَلَّ شانُہٗ سے غافل کردے وہ خسارہ ہی خسارہ[20] ہے، اسی واسطے حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَام نے فرمایا کہ مال میں تین آفتیں[21] ہیں: اوّل یہ کہ ناجائز طریقہ سے کمایا جاتا ہے، کسی نے عرض کیا کہ اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو، تو آپ نے فرمایا کہ بے جگہ خرچ ہوتا ہے۔ کسی نے عرض کیا: اگر اپنے محل[22] ہی پر خرچ کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اِصلاح[23] کا فکر اللہ جَلَّ شانُہٗ سے تو مشغول کر ہی دے گا اور یہ لاعلاج بیماری ہے کہ ساری عبادات کا لُبِّ لُباب[24] اور مغز اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ذکر وفکر ہے اور اس کے لیے فارغ دل کی ضرورت ہے اور صاحبِ جائیداد[25] شخص دن بھر، رات بھر کا شتکاروں[26] کے جھگڑوں کے سوچ میں رہتا ہے، ان سے وصولی کے حساب کتاب میں رہتا ہے، شریکوں[27] کے مُعامَلات کی فکر میں رہتا ہے، کہیں ان کے حِصّوں کا جھگڑا، کہیں اُن سے پانی کی بانٹ[28] پر جھگڑا ہے، کہیں ڈول بندیوں میں لڑائی ہے اور حُکّام[29] اور ان کے اہلچیوں[30] کا قصہ علیحدہ ہر وقت کا ہے، نوکروں، مزدوروں کی خبر گیری[31]، ان کے کام کی نگرانی ایک مستقل[32] مشغلہ ہے۔ اسی طرح تاجر کا حال ہے کہ اگر شرکت[33] میں تجارت ہو تو شرکاء[34] کی حرکتیں ہر وقت کی ایک مستقل مصیبت اور

حل لغات: (۱) عیش وآرام۔ (۲) عیش وآرام۔ (۳) آہستہ آہستہ۔ (۴) زیادتی۔ (۵) بہت۔ (۶) باقی رکھنا۔ (۷) نفرت۔ (۸) دشمنی۔ (۹) جلن۔ (۱۰) دل میں دشمنی رکھنا۔ (۱۱) چیزیں۔ (۱۲) دونوں طرف۔ (۱۳) بیماریاں۔ (۱۴) چھٹکارا۔ (۱۵) مشکل۔ (۱۶) نقصانات۔ (۱۷) بہت دور تک۔ (۱۸) بہتری۔ (۱۹) کامیابی۔ (۲۰) نقصان ہی نقصان۔ (۲۱) مصیبتیں۔ (۲۲) جگہ۔ (۲۳) درستی۔ (۲۴) خلاصہ۔ (۲۵) زمین والا۔ (۲۶) کسانوں۔ (۲۷) حصہ دار۔ (۲۸) کنویں سے پانی نکالنے کی باری۔ (۲۹) حاکم کی جمع، افسر۔ (۳۰) پیغام لانے والا۔ (۳۱) دیکھ بھال۔ (۳۲) الگ کام۔ (۳۳) حصہ داری۔ (۳۴) حصہ دار۔

مستقل مشغلہ ہے اور تنہا تجارت ہو تو نفع کے بڑھنے کا فکر، ہر وقت اپنی محنت میں کوتاہی[1] کا خیال، تجارت میں نقصان کا فکر، ایسے اُمور[2] ہیں جو ہر وقت مُسلّط[3] رہتے ہیں۔ مَشاغِل[4] کے اعتبار سے سب سے کم وہ خزانہ ہے جو نقد کی صورت میں اپنے پاس ہو، لیکن اس کی حفاظت اور اِضاعت[5] کا اندیشہ، چوروں کا فکر اور اس کے خرچ کرنے کے مَصارِف[6] کا فکر اور جن لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف لگی رہتی ہیں ان کا خیال، ایسے تفکُّرات[7] ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہی وہ سب دنیوی مضرَّات[8] ہیں جو مال کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور جس کے پاس بقدرِ ضرورت ہو وہ ان سب اَفکار[9] سے فارغ۔

لُنگلے زیر و لُنگلے بالا نے غم دُزْد و نے کالا

ایک لنگی نیچے ایک لنگی اوپر، نہ چور کا ڈر نہ پونجی کا (کہ اس کی کس طرح حفاظت کروں، روز اَفزُوں[10] اِخراجات[11] کس طرح پورے کروں) پس مال کا تِریاق[12] اس میں بقدرِ ضرورت اپنے ذاتی مَصارف میں خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے اس کو خیر کے مَصارف میں خرچ کر دینا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زہر ہی زہر ہے، آفت ہی آفت ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لطف و کرم سے اس زہر سے اس ناکارہ کو بھی محفوظ رکھے اور نیک مصرف پر خرچ کی توفیق عطا فرمائے۔ [احیاء] اس کی مثال بالکل سانپ کی سی ہے کہ جو لوگ اس کے پکڑنے کے ماہر ہیں، اس کے طریقوں سے واقف[13] ہیں، ان کے لیے اس کے پکڑنے میں کوئی نقصان نہیں؛ بلکہ وہ اس سے تِریاق بنا سکتے ہیں اور دوسرے فوائد حاصل کر سکتے ہیں؛ لیکن کوئی ناواقف ان ماہروں کی حِرْص[14] کر کے سانپ کو پکڑے گا تو ہلاک ہو گا۔ اسی طرح مُتموِّل[15] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حرص کر کے ہم لوگ اگر اس زہر کا استعمال کثرت سے کریں تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ان حضرات کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق محض[16] اعتقادی[17] بات نہیں، ان کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی کھلی شہادت[18] دیتا ہے کہ ان کے یہاں اس کی وَقعت[19] ایندھن سے زیادہ نہ تھی، ان کے لیے اس کا وجود حق تعالیٰ شانُہٗ سے ذرا سی توجہ بھی ہٹانے والا نہ تھا اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے رہتے تھے جیسا کہ ان کی پوری تاریخ اس پر شاہد[20] ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى[21]

حل لغات: (۱) کمی۔ (۲) چیزیں۔ (۳) سوار۔ (۴) مشغلہ کی جمع، کام۔ (۵) برباد ہونے کا ڈر۔ (۶) خرچ کرنے کی جگہیں۔ (۷) فکریں۔ (۸) نقصان پہونچانے والی چیزیں۔ (۹) فکر کی جمع۔ (۱۰) آئے دن زیادہ۔ (۱۱) خرچے۔ (۱۲) زہر کی دوا۔ (۱۳) جاننے والا۔ (۱۴) لالچ۔ (۱۵) مالدار۔ (۱۶) صرف۔ (۱۷) عقیدے سے متعلق۔ (۱۸) گواہی۔ (۱۹) اہمیت۔ (۲۰) گواہ۔ (۲۱) اللہ ہی اپنے محبوب اور پسندیدہ کاموں کی توفیق دینے والا ہے۔

تیسری فصل: صلہ رحمی[1] کے بیان میں

یہ فصل درحقیقت پہلی ہی فصلوں کا تتمہ[2] ہے، لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک ارشادات میں اس پر خصوصیت سے تاکیدیں فرمائی ہیں اور تعلقات کے توڑنے پر خصوصی وعیدیں فرمائی ہیں؛ اس لیے اس مضمون کو اہتمام کی وجہ سے مستقل فصل میں ذکر کیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اہلِ قَرابت[3] پر صدقہ کا ثواب دوگُنا[4] ہے۔ [کنز] اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی آزاد کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس کو اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو وہ افضل تھا۔ [کنز] لہٰذا صدقات کے اندر اگر کوئی دوسری دینی ضرورت اہم نہ ہو تو عام صدقہ سے اہلِ قرابت پر صدقہ کرنا افضل ہے، البتہ اگر کوئی دینی ضرورت درپیش[5] ہو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اور احادیث میں بہت کثرت سے صِلہ رحمی کی ترغیبات اور قطعِ رحمی[6] پر وعیدیں آئی ہیں، مگر خوف ہے اس رسالہ کے بڑھ جانے کا، اس لیے صرف تین آیات ترغیب کی اور تین آیات وعید کی ذکر کر کے چند احادیث اس مضمون کی ذکر کرتا ہوں کہ ذرا بھی طُول[7] ہو گیا تو ہم لوگوں کو ان کے پڑھنے کی بھی فُرصَت نہ ملے گی؛ مگر یہ سارے مضامین اس قدر اہم ہیں کہ باوجود اختصار[8] کے بھی یہ رسالہ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ایک حصہ کے بجائے شاید دو حصے کرنے پڑ جائیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ [سورۂ نحل: ۹۰]	ترجمہ: بے شک اللہ جَلَّ شانُہٗ اعتدال[9] کا اور احسان کا اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان امُور[10] کی) نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرلو۔

فائدہ: حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآن پاک میں بہت سی جگہ اہلِ قرابت کی خیرخواہی[11]، ان کو دینے کا حکم اور اس کی ترغیب فرمائی ہے۔ چند آیات کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے، جس کا دل چاہے کسی مُترجَم[12] قرآن شریف کو لے کر دیکھ لے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى [سورۂ بقرہ: ۸۳]

حل لغات: (۱) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۲) خاتمہ، آخری حصہ۔ (۳) رشتے دار۔ (۴) ڈبل۔ (۵) سامنے۔ (۶) رشتہ توڑنا۔ (۷) لمبا۔ (۸) کم کرنا۔ (۹) انصاف، درمیانی درجہ نہ کمی نہ زیادتی۔ (۱۰) امر کی جمع، کام۔ (۱۱) بھلائی۔ (۱۲) ترجمہ کیا ہوا۔

صلہ رحمی

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ	[سورۂ بقرہ:۲۱۵]
سورۂ نساء کا پہلا رکوع تمام وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی	[سورۂ نساء:۳۶]
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	[سورۂ انعام:۱۵۱]
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ	[سورۂ انفال:۷۵]
قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۬	[سورۂ یوسف:۹۲]
وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ	[سورۂ رعد:۲۱]
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ [ابراہیم:۴۱]　وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ	[سورۂ بنی اسرائیل:۲۳]
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ	[سورۂ بنی اسرائیل:۲۴]
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ [سورۂ بنی اسرائیل:۲۶]　وَكَانَ تَقِيًّا ۙ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ	[سورۂ مریم:۱۳تا۱۴]
وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ ۬ [سورۂ مریم:۳۲]　اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ الخ	[سورۂ مریم:۴۲]
وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ص [سورۂ مریم:۵۵] وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ	[سورۂ طٰہٰ:۱۳۲]
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا	[سورۂ فرقان:۷۴]
وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّيَّتِیْ ؕ [احقاف:۱۵]　رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ	[سورۂ نوح:۲۸]

یہ چند آیات نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں کہ سب کے لکھنے میں اور ترجمہ میں طُول[1] کا ڈر تھا، یہ اُن تین آیات کے علاوہ ہیں جو مُفَصَّل[2] یہاں ذکر کی گئیں ان کے علاوہ اور بھی آیات ملیں گی، جس چیز کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں بار بار ارشاد فرمایا ہو، اس کی اہمیت کا کیا پوچھنا۔ حضرت کَعب اَحبار رَحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے سمندر کو حضرت موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَام اور بنی اسرائیل کے لیے دو ٹکڑے کر دیا تھا! توراۃ میں لکھا ہے کہ اللہ سے ڈرتا رہ اور صلہ رحمی کرتا رہ، میں تیری عمر بڑھا دوں گا۔ سَہولت[3] کی چیزوں میں تیرے لیے سہولت پیدا کر دوں گا، مشکلات کو دور کر دوں گا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾ [سورۂ نساء:۱] یعنی اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرتے رہو جس سے کہ اپنی حاجت[4] طلب[5] کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی ان کو جوڑتے رہو، توڑو نہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ یعنی رشتہ دار کا جو حق نیکی اور صلہ رحمی کا ہے وہ ادا کرتے رہو۔ تیسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ یعنی اللہ جَلَّ شانُہٗ توحید کا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت[6] کا حکم فرماتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا اور ان سے دَرگزر[7] کرنے کا حکم

حل لغات: (۱) لمبا ہونا۔ (۲) تفصیل سے۔ (۳) آسانی۔ (۴) ضرورت۔ (۵) مانگنا۔ (۶) گواہی دینا۔ (۷) معاف کرنا۔

صلہ رحمی

فرماتے ہیں اور رشتہ داروں کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔ تین چیزوں کا حکم فرمانے کے بعد تین چیزوں سے منع کیا ہے: فحش سے یعنی گناہ سے اور منکر سے یعنی ایسی بات سے جس کی شریعت میں اور سنت میں اصل نہ ہو اور ظلم سے یعنی لوگوں پر تعلّی[1] سے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی تم کو نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے مجھے بہت محبت تھی اور اسی کی شرم میں میں مسلمان ہوا تھا کہ حضور ﷺ مجھ سے مسلمان ہونے کو فرماتے تھے، اس وجہ سے میں مسلمان ہو گیا، لیکن اسلام میرے دل میں نہ جما تھا، ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا کچھ باتیں کر رہا تھا کہ مجھ سے باتیں کرتے کرتے حضور ﷺ کسی دوسری طرف ایسے متوجہ ہو گئے جیسے کسی اور سے باتیں کر رہے ہوں، تھوڑی دیر بعد پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اور یہ آیتِ شریفہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ آخر تک نازل ہوئی، مجھے اس مضمون سے بہت مسرّت[2] ہوئی اور اسلام میرے دل میں جم گیا، میں وہاں سے اُٹھ کر حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس گیا (جو مسلمان نہ تھے) اُن سے جا کر میں نے کہا کہ میں تمہارے بھتیجے کے پاس تھا ان پر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، وہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کا اتباع[3] کرو فلاح[4] کو پہونچو گے، خدا کی قسم! وہ اپنی نبوت کے دعویٰ میں سچے ہوں یا جھوٹے، لیکن تمہیں تو اچھی عادتوں کی ہی تعلیم اور کریمانہ[5] اخلاق سکھاتے ہیں۔ [تنبیہ الغافلین] یہ ایسے شخص کی نصیحت ہے، جو خود مسلمان بھی نہیں ہیں مگر وہ بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ نبوت کا دعوی سچا ہو یا جھوٹا، لیکن اسلام کی تعلیم بہترین تعلیم ہے وہ کریمانہ اخلاق سکھاتی ہے، مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں ہی کے اخلاق سب سے زیادہ گرے ہوئے ہیں۔

(۲) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [سورۂ نور:۲۲]

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ اور اس کا ترجمہ پہلی فصل میں نمبر اٹھارہ صفحہ ۴۷ پر گزر چکا ہے، مجھے اس کے اعادہ[6] سے اس پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ہم لوگ اپنے ان اَسلاف[7] کے معمولات[8] پر بھی غور کریں اور حق تعالیٰ شانہٗ کی اس ترغیب پر بھی۔ کتنا سخت اور اہم واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کی بیوی، سارے مسلمانوں کی ماں، ان پر اولاد کی طرف سے بے بنیاد[9] تہمت[10] لگائی جائے اور اس کو پھیلانے والے وہ قریبی رشتہ دار ہوں جن کا

حل لغات: (۱) ظلم و زیادتی۔ (۲) خوشی۔ (۳) پیروی کرنا۔ (۴) کامیابی۔ (۵) اچھے اخلاق۔ (۶) لوٹانا، دوبارہ ذکر کرنا۔ (۷) بزرگانِ دین۔ (۸) معمول کی جمع، روزانہ کیے جانے والے اعمال۔ (۹) یعنی غلط۔ (۱۰) جھوٹا الزام۔

گزر[1] اوقات بھی اُن کے باپ ہی کی اعانت[2] پر ہو، اس پر باپ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس قدر بھی رنج اور صدمہ ہو وہ ظاہر ہے؛ اس پر بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے یہ ترغیب کہ معاف کریں اور درگزر کریں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عمل کہ جتنا پہلے خرچ کرتے تھے، اس میں اضافہ فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا، کیا ہم بھی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ کوئی ہم پر الزام رکھے، ہمارے گھر والوں کو ایسی سخت چیز کے ساتھ مُتّہم[3] کرے اور پھر ہم قرآن پاک کی اس آیتِ شریفہ کو تلاوت کریں اور اس رشتہ دار کی قرابت[4] پر نگاہ رکھتے ہوئے کسی قسم کی اِعانت اس کی گوارا[5] کرلیں؟ حاشا وَکَلّا[6] عمر بھر کی اُسی سے نہیں اس کی اولاد سے بھی دشمنی بندھ جائے گی، بلکہ جو دوسرے رشتہ دار اس سے تعلق رکھیں گے ان کا بھی بائیکاٹ[7] کردیں گے اور جس کسی تقریب[8] میں وہ شریک ہوں گے مجال ہے کہ ہم اس میں شرکت کرلیں۔ کیوں؟ فقط اس لیے کہ یہ لوگ ایسے شخص کی تقریب میں یا دعوت میں شریک ہوگئے جس نے ہمیں گالی دے دی، ہماری آبرو گرادی، ہماری بہو، بیٹی پر تہمت لگادی، چاہے یہ لوگ اس گالی دینے والے کے فعل[9] سے کتنے ہی ناراض ہوں؛ مگر اس کی تقریب میں شرکت کے جُرم میں ان سے بھی ہمارا قطع تعلق[10] ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد یہ ہے کہ ہم خود بھی اس کی اعانت سے ہاتھ نہ روکیں اور ہمارا عمل یہ ہے کہ کوئی دوسرا بھی اس کی دعوت کردے تو ہم اس دوسرے سے بھی تعلقات مُنقطع[11] کردیں، لیکن جن کے دل میں حقیقی ایمان ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ کی عظمت ان میں رَاسِخ[12] ہے، اس کے پاک ارشاد کی ان کو وَقعت[13] ہے، انہوں نے اس پر عمل کرکے دکھادیا کہ اطاعت[14] کرنا اس کو کہتے ہیں، مُطیع[15] ایسے ہوتے ہیں، اللہ جَلَّ شانُہٗ اپنے عالی شان کے موافق ان پر رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی شان کے موافق ان کے درجات بلند فرمائے، آخر یہ بھی جذبات رکھتے تھے، غیرت حَمِیّت[16] رکھتے تھے، ان کے سینوں میں دل اور اس میں جذبات بھی تھے؛ لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے سامنے کیسا دل اور کہاں کے جذبات، کیسی غیرت اور کہاں کی بدنامی، اللہ کی رضا کے مقابلہ میں سب چیز فنا[17] تھی۔

(۳) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ	ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (بِالخُصُوص[18] ماں کے ساتھ احسان کا اَور بھی زیادہ کیونکہ) اس کی ماں نے بڑی مَشَقَّت[19] کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقّت سے اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنے

حل لغات: (۱) گزربسر۔ (۲) مدد۔ (۳) جھوٹا الزام لگائے۔ (۴) رشتہ داری۔ (۵) منظور۔ (۶) ہرگز نہیں۔ (۷) رشتہ ناطہ توڑنا۔ (۸) شادی بیاہ یا اور کوئی مجلس۔ (۹) کام۔ (۱۰) تعلق توڑنا۔ (۱۱) توڑ دیں۔ (۱۲) مضبوط۔ (۱۳) اہمیت۔ (۱۴) فرمانبرداری۔ (۱۵) فرمانبردار۔ (۱۶) شرم۔ (۱۷) ختم۔ (۱۸) خاص طور سے۔ (۱۹) تکلیف۔

صلہ رحمی

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا
بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ
سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ
اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ
اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ
وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ
اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ ۝۱۵ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ
نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ
اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ
الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝۱۶

[سورۂ احقاف: ۱۵ تا ۱۶]

اور دودھ چھڑانے میں (اکثر کم سے کم) تیس مہینے ہو جاتے ہیں (کتنی طویل[1] مشقّت ہے) یہاں تک کہ جب وہ بچہ جوان ہوتا ہے (اور دانائی[2] کے زمانہ) چالیس برس کو پہونچتا ہے تو (جو سعید[3] ہوتا ہے وہ) کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے اس پر مُداومت[4] دیجیے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور (اس کی توفیق دیجیے کہ) میں ایسے نیک کام کیا کروں، جن سے آپ راضی ہوجائیں اور میری اولاد میں بھی میرے (نفع کے) لیے صَلاحیت پیدا فرما دیں، میں (اپنے سارے گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں اور میں آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں (آگے حق تعالیٰ شانُہٗ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ) یہی لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول کرلیں گے اور اُن کی برائیوں سے دَرگُزر[5] کریں گے اس طرح پر کہ یہ جنت والوں میں سے ہوں گے، یہ اس وعدہ کی وجہ سے ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا (کہ نیک اعمال کا صِلہ[6] جنت ہے)۔

فائدہ: حق تعالیٰ شانُہٗ نے اہلِ قرابت[7] اور والدین کے بارہ میں بار بار تاکید فرمائی، جیسا کہ پہلی آیتِ شریفہ کے ذیل[8] میں بھی گزر چکا۔ اس آیتِ شریفہ میں خاص طور سے والدین کے بارہ میں احسان کی خصوصی تاکید فرمائی کہ ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے، یہ مضمون اسی عنوان سے کہ ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا، تین جگہ قرآن پاک میں وارد ہے: پہلی جگہ سورۂ عنکبوت رکوع ۱ میں، پھر سورۂ لقمان رکوع ۲ میں، تیسری مرتبہ یہاں، جس سے بہت زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ صاحبِ خازن نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ شریفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی کہ ابتداءً[9] ان کی رِفاقت[10] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شام کے سفر میں ہوئی تھی، جب کہ اُن کی عمر اٹھارہ[18] سال کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس[20] سال کی تھی، اس سفر میں راستہ میں ایک بیری کے درخت کے پاس ان دونوں حضرات کا قیام[11] ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (وہاں ایک راہِب[12] تھا) اس سے ملنے تشریف لے گئے اور

حل لغات: (۱) لمبی۔ (۲) سمجھ بوجھ۔ (۳) خوش قسمت۔ (۴) پابندی۔ (۵) معاف کرنا۔ (۶) انعام۔ (۷) رشتے دار۔ (۸) وہ چیز جو نیچے لکھی ہوئی ہو۔ (۹) پہلے پہل۔ (۱۰) ساتھ۔ (۱۱) ٹھہرنا۔ (۱۲) عیسائی عبادت گذار۔

صلہ رحمی

حضور ﷺ درخت کے سایہ میں تشریف فرما رہے۔ اس راہب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ شخص جو درخت کے نیچے ہے کون ہے؟ آپ نے فرمایا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ راہب نے کہا: خدا کی قسم! یہ نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سے اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھا، یہی نبی آخرالزماں[1] ہیں۔ جب حضور ﷺ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور آپ کو نبوّت ملی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور دو برس بعد جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو یہ دعا کی: رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ کہ مجھے توفیق دیجیے کہ میں اس نعمت کا شکرادا کروں جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہوئی۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت مہاجرین میں اَور کسی کو حاصل نہیں ہوئی کہ اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوئے ہوں اور دوسری دعا اولاد کے متعلق صلاحیت[2] کی فرمائی، جس کا ثمرہ[3] یہ ہے کہ آپ کی اولاد بھی مسلمان ہوئی۔ [خازن] سب سے پہلی آیت سورۂ عنکبوت والی اور بھی زیادہ سخت ہے کہ اس میں ان والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم ہے جو کافر ہوں۔ اور جب کافر والدین کے ساتھ بھی حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے اچھا برتاؤ اور بھلائی کرنے کا حکم ہے تو مسلمان والدین کے ساتھ بھلائی اور احسان کی تاکید بطریقِ[4] اَولیٰ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میری ماں نے یہ عہد[5] کرلیا کہ میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو محمد ﷺ کے دین سے نہ پھرے گا، اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا حتیٰ کہ زبردستی اس کے منہ میں ڈالا جاتا تھا، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ [درمنثور]

عبرت کا مقام ہے کہ ایسی سخت حالت میں بھی اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے آدمی کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے، البتہ اگر وہ مُشرِک بنانے کی کوشش کریں تو اس میں اطاعت[6] نہیں ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی کیا مقدار ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ تیری مِلک[7] میں ہے اُن پر خرچ کرے اور جو وہ حکم کریں اس کی اطاعت کرے، بجُز[8] اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم کریں کہ اس میں اطاعت نہیں ہے۔ یہ تھی اسلام کی تعلیم، مسلمانوں کا عمل کہ مشرک والدین اگر اولاد کو مشرک بنانے کی کوشش بھی کریں، تب بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا حکم ہے، البتہ شرک کرنے میں ان کی اطاعت اور فرماں برداری نہیں اس لیے کہ یہ خالق[9] کا حق ہے، والدین کا حق خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہوجائے مالک کے حق کے مقابلہ میں کسی کا حق نہیں ہے۔ "لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں؛ لیکن ان کے اس حکم اور اولاد کو

حل لغات: (۱) آخری نبی۔ (۲) نیک بننے کی۔ (۳) نتیجہ۔ (۴) اور زیادہ۔ (۵) پکّا ارادہ کرنا۔ (۶) فرمانبرداری۔ (۷) ملکیت، قبضہ۔ (۸) سوائے۔ (۹) پیدا کرنے والا یعنی اللہ۔

صلہ رحمی

مُشرِک بنانے کی کوشش پر بھی ان کے ساتھ احسان کا بھلائی کا حکم ہے۔ایک اور حدیث میں سورۂ لقمان والی آیت کے متعلق وارد ہوا ہے کہ یہ حضرت سعد رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے واقعہ میں نازل ہوئی، اس حدیث میں حضرت سعد رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ بہت سلوک کیا کرتا تھا، جب میں مسلمان ہوگیا تو میری والدہ نے کہا: سعد! یہ کیا کیا؟ یا تو اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی یہاں تک کہ مرجاؤں گی، ہمیشہ تیرے لیے یہ طَعَن[1] کی چیز رہے گی، لوگ تجھے اپنی ماں کا قاتل کہیں گے، میں نے اس سے کہا کہ ایسا نہ کر میں اپنا دین تو چھوڑ نہیں سکتا۔ اُس نے ایک دن بالکل نہ کھایا نہ پیا۔ دوسرا دن بھی اسی حال میں گذر گیا، تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب ختم ہو جائیں تب بھی دین تو چھوڑ نہیں سکتا۔ جب اُس نے یہ پُختگی[2] دیکھی تو کھانا پینا شروع کر دیا۔ [درمنثور] اس آیتِ شریفہ میں والدین کے ساتھ نیک سلوک کا حکم ہے۔ فقیہ ابو اللّیث رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ والدین کے حق کا حکم نہ بھی فرماتے تب بھی عقل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کا حق بہت ضروری اور اہم ہے، چہ جائیکہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنی سب کتابوں توراۃ، انجیل، زبور، قرآن شریف میں ان کے حق کا حکم فرمایا، تمام انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو اُن کے حق کے بارہ میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی، اپنی رَضا کو والدین کی رضا کے ساتھ وَابَستہ[3] کیا اور ان کی ناراضی پر اپنی ناراضی مُرتّب[4] فرمائی۔ [تنبیہ الغافلین]

یہ تین آیات حسنِ سلوک کے متعلّق تھیں، اس کے بعد صرف تین آیات بدسلوکی پر تنبیہ کے متعلق بھی ذکر کرتا ہوں۔

① وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۶، ۲۷]	ترجمہ: اور نہیں گمراہ کرتے اللہ تعالیٰ شانُہٗ اس مثال سے (جس کا پہلی آیت میں ذکر ہوا) مگر ایسے فَاسِق[5] لوگوں کو جو توڑتے رہتے ہیں اُس معاہدہ[6] کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس معاہدہ کی پُختگی کے بعد اور قَطع[7] کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو جن کے وابستہ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں پورے خَسارہ[8] والے۔

فائدہ: جیسا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صِلہ رَحمی[9] بِالخُصُوص[10] والدین کے حقوق کی

حل لغات: ① لعنت، ملامت۔ ② جماؤ، مضبوطی۔ ③ ملایا، جوڑا۔ ④ یعنی رکھی ہے۔ ⑤ گنہگار۔ ⑥ آپس میں وعدہ کرنا۔ ⑦ توڑنا۔ ⑧ نقصان۔ ⑨ رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ ⑩ خاص طور سے۔

رعایت کا حکم اور ترغیب فرمائی جیسا کہ اوپر گزرا، اسی طرح سے بہت سی جگہ اپنے پاک کلام میں قطعِ رَحمی[1]، بالخصوص والدین کے ساتھ بدسلوکی[2] پر تنبیہ بھی فرمائی، پہلے کی طرح سے اُن میں سے بھی چند آیات کا حوالہ لکھتا ہوں۔ دوستو غور کرو! اللہ کے پاک کلام میں جب بار بار اس پر تنبیہ ہے تو اس کو سوچو اور عبرت[3] حاصل کرو، اللہ کا پاک ارشاد ہے: (۱) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾ [سورۂ نساء: ۱] (۲) ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ [سورۂ انعام: ۱۵۱] (۳) ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ [سورۂ بنی اسرائیل: ۳۱] (۴) ﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ﴾ الآیۃ [سورۂ احقاف: ۱۷] (۵) ﴿اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ [سورۂ محمد: ۲۲]

حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے والد نے جو خاص طور سے اہتمام سے وصیت فرمائی ہے، جو پہلی فصل کی احادیث کے سلسلہ میں نمبر تئیس۲۳ صفحہ ۱۳۶ پر بھی گزر چکی ہے، وہ بہت تجربہ کی بات ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد (حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ) نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ قسم کے آدمیوں کے پاس نہ پھٹکیو[4]، اُن سے بات نہ کیجیو، حتیٰ کہ راستہ چلتے ہوئے اتفاقاً[5] بھی اُن کے ساتھ نہ چلنا: اوّل فَاسِق[6] شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلہ میں تجھ کو بیچ دے گا، بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی، میں نے پوچھا کہ ایک لقمہ سے کم میں کس طرح بیچے گا؟ فرمانے لگے کہ محض لقمہ کی امید پر تجھ کو بیچ دے گا اور وہ لقمہ اس کو مُیَسَّر[7] بھی نہ ہوگا۔ دوسرے: بخیل[8] کہ وہ تیری سخت احتِیاج[9] کے وقت بھی تیرے سے کِنارہ[10] کش ہو جائے گا۔ تیسرے: جھوٹا شخص کہ وہ بالُو (دھوکہ) کی طرح سے تجھے دھوکہ میں رکھے گا، جو چیز دور ہوگی اس کو قریب بتائے گا، جو قریب ہوگی اس کو دور ظاہر کرے گا۔ چوتھے: بے وقوف کے پاس نہ لگنا کہ وہ تجھے نفع پہونچانے کا ارادہ کرے گا تب بھی اپنی حِماقت[11] سے نقصان پہونچا دے گا، مَثَل[12] مشہور ہے کہ ''دانا[13] دشمن نادان[14] دوست سے بہتر ہے''۔ پانچویں: قطع رحمی کرنے والے کے پاس نہ جائیو کہ میں نے قرآن پاک میں تین جگہ اس پر اللہ کی لعنت پائی ہے۔ [روض]

(۲) وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۲۵ [سورۂ رعد: ۲۵]	ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مُعاہَدہ[15] کو اس کی پختگی[16] کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلّقات کے جوڑنے کا حکم فرمایا ان کو توڑتے ہیں اور دنیا میں فساد[17] کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے اس جہاں میں خرابی ہے۔

حل لغات: (۱) رشتہ توڑنا۔ (۲) بُرا برتاؤ۔ (۳) نصیحت۔ (۴) جانا، پاس رہنا۔ (۵) اچانک۔ (۶) کھلم کھلا گناہ کرنے والا۔ (۷) حاصل۔ (۸) کنجوس۔ (۹) ضرورت۔ (۱۰) الگ۔ (۱۱) بے وقوفی۔ (۱۲) کہاوت۔ (۱۳) عقلمند۔ (۱۴) بے وقوف۔ (۱۵) آپس میں وعدہ کرنا۔ (۱۶) مضبوطی۔ (۱۷) تباہی پھیلانا۔

فائدہ: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ اس سے بہت احتراز[1] کرو کہ عہد[2] کرکے توڑ دو، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس کو بہت ناپسند کیا ہے اور بیس آیتوں سے زائد میں اس پر وعید فرمائی ہے، جو نصیحت کے طور پر اور خیر خواہی[3] کے طور پر اور حجت[4] قائم کرنے کے لیے وارد ہوئی ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے عہد کے توڑنے پر جتنی وعیدیں فرمائی ہیں، اس سے زائد کسی اور چیز پر فرمائی ہوں، پس جو شخص اللہ کے واسطے سے عہد کر لے اس کو ضرور پورا کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ جو شخص امانت کو ادا نہ کرے اس کا ایمان ہی نہیں اور جو عہد کو پورا نہ کرے اس کا دین نہیں۔ حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا۔ [درمنثور] حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کافر مسلمان کی کوئی تفریق[5] نہیں، سب کا حکم برابر ہے: اوّل جس سے معاہدہ کیا جائے اس کو پورا کیا جائے، چاہے وہ مُعاہدہ کافر سے کیا ہو یا مسلمان سے، اس لیے کہ عہد حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے ہے۔ دوسرے: جس سے رشتہ کا تعلق ہو اس کی صِلہ رَحمی[6] کی جائے، چاہے وہ رشتہ دار مسلمان ہو یا کافر ہو۔ تیسرے: جو شخص امانت رکھوائے اُس کی امانت واپس کی جائے، چاہے امانت رکھوانے والا مسلمان ہو یا کافر ہو۔ [تنبیہ الغافلین] قرآن پاک میں بہت سی آیات کے علاوہ ایک جگہ خاص طور سے اسی کا حکم ہے: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ [سورۂ بنی اسرائیل: ۳۴] ''عہد کو پورا کیا کرو، بے شک عہد کی باز پُرس[7] ہوگی۔'' حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم فرمایا، اس سے رشتہ داریاں قریب کی اور دور کی مراد ہیں۔ [درمنثور]

دوسری چیز تعلّقات کے توڑنے کے متعلق ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قَرابت[8] کے تعلقات کو توڑنے والا ہو، اس سے میل جول پیدا نہ کیجیو کہ میں نے قرآن پاک میں دو جگہ ان لوگوں پر لعنت پائی ہے، ایک اس آیتِ شریفہ میں، دوسری سورۂ محمد میں۔ [دُرمنثور]

سورۂ محمد کی آیتِ شریفہ کا حوالہ قریب گزر چکا ہے جس میں قطعِ رَحمی[9] کے بعد ارشاد فرمایا ہے ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر ان کو (اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام سننے سے) بہرا کر دیا اور (راہ حق دیکھنے سے اندھا کر دیا)۔'' حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دو جگہ لعنت کا لفظ فرمایا اور حضرت زینُ العابِدین رحمۃ اللہ علیہ نے جیسا کہ ابھی گزرا تین جگہ فرمایا، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ دو جگہ تو

حل لغات: (۱) پرہیز کرنا، بچنا۔ (۲) وعدہ۔ (۳) بھلائی۔ (۴) دلیل۔ (۵) فرق کرنا۔ (۶) رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔ (۷) پوچھ تاچھ۔ (۸) رشتہ داری۔ (۹) رشتہ توڑنا۔

صلہ رحمی

لعنت ہی کا لفظ ہے سورۂ رعد میں اور سورۂ محمد میں اور تیسری جگہ ان کو گمراہ اور خسارہ[1] والا فرمایا ہے جو لعنت ہی کے قریب ہے، جیسا کہ اس سے پہلے نمبر پر سورۂ بقرہ کی آیت میں ابھی گزرا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس وقت کہ قول[2] ظاہر ہو جائے اور عمل خزانہ میں چلا جائے، (یعنی تقریریں تو بہت ہونے لگیں، مضامین[3] بہت کثرت سے لکھے جائیں؛ لیکن عمل نَدارَد[4] ہو جائے گویا مُقفَّل[5] رکھا ہوا ہے) اور زبانی اتفاق[6] تو آپس میں ہو جائے؛ لیکن قلوب[7] مختلف ہوں اور رشتہ دار آپس کے تعلقات توڑنے لگیں، تو اس وقت میں اللہ جَلَّ شانُہٗ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ جب لوگ عُلوم کو ظاہر کریں اور عمل کو ضائع کر دیں اور زبانوں سے محبت ظاہر کریں اور دلوں میں بُغض[8] رکھیں اور قطع رحمی کرنے لگیں، تو اللہ جَلَّ شانُہٗ اس وقت ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں۔ [درمنثور] کہ پھر یہ سیدھا راستہ ان کو نظر آتا ہے، نہ حق بات اُن کے کانوں میں پہونچتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی خوشبو اتنی دور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے[9] ہو، والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سُونگھ سکے گا۔ [احیاء]

حضرت عبداللہ بن اَبِی اَوفیٰ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم عَرَفہ[10] کی شام کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حلقہ کے طور پر چاروں طرف بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو تو وہ اُٹھ جائے، ہمارے پاس نہ بیٹھے۔ سارے مجمع میں سے صرف ایک صاحب اٹھے جو دور بیٹھے ہوئے تھے اور پھر تھوڑی دیر میں واپس آ کر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ میرے کہنے پر مجمع میں سے صرف تم اُٹھے تھے اور پھر آ کر بیٹھ گئے، یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور کا ارشاد سن کر میں اپنی خالہ کے پاس گیا تھا، اس نے مجھ سے قطعِ تعلق[11] کر رکھا تھا، میرے جانے پر اُس نے کہا کہ تو خلافِ عادت کیسے آ گیا؟ میں نے اُس سے آپ کا ارشاد مُبارک سنایا۔ اُس نے میرے لیے دعائے مغفرت کی، میں نے اُس کے لیے دعائے مغفرت کی (اور آپس میں صُلح[12] کر کے واپس حاضر ہو گیا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا، بیٹھ جاؤ، اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔ فقیہ ابواللّیث رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے؛ لیکن صاحبِ کنز نے اس کے ایک راوی کے متعلق ابنِ معین سے کِذب[13] کی نسبت نقل کی ہے۔ [کنز] فقیہ

حل لغات: (۱) نقصان۔ (۲) بات۔ (۳) مضمون کی جمع۔ (۴) غائب۔ (۵) تالا لگا ہوا۔ (۶) میل جول، محبت۔ (۷) قلب کی جمع، دل۔ (۸) دشمنی۔ (۹) پورا کرنا۔ (۱۰) ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔ (۱۱) تعلق توڑنا۔ (۱۲) میل ملاپ۔ (۱۳) جھوٹ۔

ابواللّیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس قصّہ سے معلوم ہوا کہ قطع رحمی اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے پاس بیٹھنے والے بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہو وہ اس سے توبہ کرے اور صلہ رحمی[1] کا اہتمام کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو، صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے اور کوئی گناہ جس کا وبال[2] دنیا میں اس کے علاوہ ملے جو آخرت میں ملے گا قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں ہے۔ [تنبیہ الغافلین]

متعدّد[3] روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قطع رحمی کا وبال آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی پہونچتا ہے اور آخرت میں بُرے ٹھکانے کا تو خود اس آیتِ شریفہ ہی میں ذکر ہے۔ فقیہ ابواللّیث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مکّہ مکرّمہ میں ایک نیک شخص، امانت دار، خُراسان کے رہنے والے تھے، لوگ اُن کے پاس اپنی امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دس ہزار اشرفیاں امانت رکھوا کر اپنی کسی ضرورت سے سفر میں چلا گیا۔ جب وہ سفر سے واپس آیا تو ان خُراسانی کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے اہل[4] وعیال سے اپنی امانت کا حال پوچھا، انہوں نے لاعلمی[5] ظاہر کی، ان کو بڑا فکر ہوا کہ بہت بڑی رقم تھی۔ علمائے مکّہ مکرّمہ سے کہ اتفاق سے اس وقت ایک مجمع ان کا موجود تھا، مسئلہ پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ وہ آدمی تو بڑا نیک تھا، ہمارے خیال میں جنّتی آدمی تھا، تو ایک ترکیب کر جب آدھی یا تہائی رات گزر جائے تو زمزم کے کنوئیں پر جا کر اس کا نام لے کر پکار کے اس سے دریافت[6] کر، اس نے تین دن تک ایسا ہی کیا، وہاں سے کوئی جواب نہ ملا، اس نے پھر جا کر اُن علماء سے تذکرہ[7] کیا، انہوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور کہا کہ ہمیں تو یہ ڈر ہو گیا کہ وہ شاید جنّتی نہ ہو، تو فلاں جگہ جا، وہاں ایک وادی ہے جس کا نام بَرہُوت ہے، اس میں ایک کنواں ہے، اس کنوئیں پر آواز دے۔ اس نے ایسا ہی کیا، وہاں سے پہلی ہی آواز میں جواب ملا کہ تیرا مال ویسا ہی محفوظ[8] رکھا ہے، مجھے اپنی اولاد پر اطمینان نہ ہوا، اس لیے میں نے فلاں جگہ مکان کے اندر اس کو گاڑ دیا ہے، میرے لڑکے سے کہہ کہ تجھے اس جگہ پہونچا دے، وہاں سے زمین کھود کر اُس کو نکال لے؛ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور مال مل گیا۔ اس شخص نے وہاں بہت تعجب سے اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ تُو تو بہت نیک آدمی تھا، تُو یہاں کیوں پہونچ گیا؟ کنوئیں سے آواز آئی کہ خُراسان میں میرے کچھ رشتہ دار تھے جن سے میں نے قطع[9] تعلق کر رکھا تھا، اسی حال میں میری موت آ گئی اس کی گرفت[10] میں مَیں یہاں پکڑا ہوا ہوں۔ [تنبیہ الغافلین]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ سب سے بہترین وادی تمام وادیوں میں مکّہ مکرّمہ کی وادی ہے اور

حل لغات: (۱) رشتہ جوڑنا۔ (۲) عذاب۔ (۳) کئی، بہت۔ (۴) گھر والے۔ (۵) بے خبری، کوئی بات معلوم نہ ہونا۔ (۶) پوچھنا۔ (۷) بیان۔ (۸) صحیح سلامت۔ (۹) رشتہ توڑنا۔ (۱۰) پکڑ۔

ہندوستان کی وہ وادی جہاں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام جنت سے اترے تھے، اسی جگہ ان خوشبوؤں کی کثرت ہے جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں، اور بدترین وادی اَحْقاف ہے اور وَادیِٔ حَضرَمُوت جس کو بَرہُوت کہتے ہیں، اورسب سے بہترین کنواں دنیامیں زمزم کا ہے اور بدترین کنواں بَرہُوت کا ہے جس میں کفار کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ [درمنثور] ان روحوں کا کسی وقت ان مَواقع[1] میں ہونا شرعی حُجت[2] نہیں، کشفی اُمور[3] سے تعلق رکھتا ہے جو حق تعالیٰ شانُہٗ جس پر چاہے کسی وقت مُنکشِف[4] فرمادیتے ہیں؛ لیکن کشف شرعی حُجت نہیں ہے۔

(۳) اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ [سورۂ بنی اسرائیل: ۲۳-۲۵]	ترجمہ: اگر وہ (یعنی ماں باپ) تیرے سامنے (یعنی تیری زندگی میں) بڑھاپے کو پہونچ جائیں، چاہے ایک اُن میں سے پہونچے یا دونوں (اور بڑھاپے کی بعض باتیں جوانوں کو گراں[5] ہونے لگتی ہیں اور اس وجہ سے ان کی کوئی بات تجھے گراں ہونے لگے) تب بھی اُن سے کبھی ''ہوں'' بھی مت کرنا اور نہ اُن سے جھڑک کر بولنا، ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور اُن کے سامنے شفقت سے اِنکساری[6] کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے ہمارے پروردگار! تو اُن پر رحمت کر جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے (اور صرف ظاہر[7] داری ہی نہیں بلکہ دل سے اُن کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دل کی بات کو خوب جانتا ہے اگر تم سَعادت[8] مند ہو (اور غلطی سے کوئی بات خلافِ ادب سرزد[9] ہو جائے اور تم توبہ کرلو) تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطائیں[10] بڑی کثرت سے معاف کرنے والا ہے۔

فائدہ: حضرت مجاہد رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیْہ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اگر وہ بوڑھے ہوجائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے، تو کبھی اُف بھی نہ کرو، جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ اگر بے ادبی میں اُف کہنے سے کوئی اَدنیٰ[11] درجہ ہوتا تو اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کو بھی حرام فرمادیتے۔ حضرت حسن رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیْہ سے کسی نے پوچھا کہ نافرمانی کی مقدار کیا

حل لغات: (۱) موقع کی جمع، جگہ۔ (۲) دلیل۔ (۳) ایسی چھپی ہوئی باتیں جن کو اللہ کسی بندے کو بتلادیں۔ (۴) ظاہر۔ (۵) ناپسند، بھاری۔ (۶) عاجزی۔ (۷) دکھاوا۔ (۸) خوش قسمت۔ (۹) واقع ہونا۔ (۱۰) غلطیاں۔ (۱۱) کم، چھوٹا۔

صلہ رحمی

ہے؟انہوں نے فرمایا کہ اپنے مال سے ان کو محروم رکھے اور ملنا چھوڑ دے اور اُن کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے۔ حضرت حسن رَحمۃُ اللہ عَلیہ سے کسی نے پوچھا کہ ان سے ''قولِ کریم'' کا کیا مطلب ہے؟انہوں نے فرمایا کہ ان کو ''اماں ابا'' کر کے خطاب کرے، ان کا نام نہ لے۔حضرت زہیر بن محمد رَحمۃُ اللہ عَلیہ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ جب وہ پکاریں تو ''حاضر ہوں، حاضر ہوں'' سے جواب دے۔ حضرت قتادہ رَحمۃُ اللہ عَلیہ سے نقل کیا گیا کہ نرمی سے بات کرے۔ حضرت سعید بن المُسیَّب رَحمۃُ اللہ عَلیہ سے کسی نے عرض کیا کہ قرآن پاک میں حُسنِ[1] سلوک کا حکم تو بہت جگہ ہے اور میں اس کو سمجھ گیا؛ لیکن قولِ کریم کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، تو اُنہوں نے فرمایا: جیسا کہ بہت سخت مُجرم غلام سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہا فرماتی ہیں کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے، ان کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ان سے آگے نہ چلنا، ان سے پہلے نہ بیٹھنا، ان کا نام لے کر نہ پکارنا اور ان کو برا نہ کہنا۔ حضرت عُروہ رَضِیَ اللہُ عَنہ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن پاک میں اُن کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری[2] کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے ان کو مت دیکھ کہ آدمی کی ناگواری اوّل اس کی آنکھ سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہا حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے نقل کرتی ہیں کہ جس نے اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ کر کے دیکھا وہ فرمانبردار نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے؟ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جہاد۔ ایک اور حدیث میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا ارشاد وارد ہے کہ اللہ کی رَضا[3] والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ [دُرِّ منثور]

صاحبِ مَظاہر رَحمۃُ اللہ عَلیہ نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میں ہے کہ ایسی تواضع[4] اور تملُّق کرے اور ادائے خدمت کرے کہ وہ راضی ہو جائیں، جائز کاموں میں ان کی اِطاعت[5] کرے، بے ادبی نہ کرے، تکبُّر سے پیش نہ آئے، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں، اپنی آواز کو اُن کی آواز سے بلند نہ کرے، ان کو نام لے کر نہ پکارے، کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے، اَمر بالمعروف[6] نَہی عَنِ المُنکَر[7] میں نرمی کرے، ایک

حل لغات: (۱) اچھا برتاؤ۔ (۲) طبیعت کے خلاف۔ (۳) خوشی۔ (۴) عاجزی۔ (۵) فرمانبرداری۔ (۶) اچھے کاموں کا حکم کرنا۔ (۷) بری باتوں سے روکنا۔

بار کہے اگر وہ قبول نہ کریں تو خود سلوک کرتا رہے اور اُن کے لیے دعا واستغفار کرتا رہے اور یہ بات قرآن پاک سے نکالی ہے یعنی حضرت ابراہیم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے سے۔ [مظاہر حق] یعنی حضرت ابراہیم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے ایک مرتبہ نصیحت کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ اچھا اب میں اللہ سے تمہارے لیے دعا کرتا ہوں، جیسا کہ سورۂ مریم کے تیسرے رکوع میں آیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اُن کی اطاعت حرام میں تو ناجائز ہے؛ لیکن مُشتبہ[1] اُمور میں واجب ہے، اس لیے کہ مُشتبہ اُمور سے احتیاط تقوٰی اور ان کی رَضاجُوئی[2] واجب ہے، پس اگر ان کا مال مُشتبہ ہوگا اور وہ تیرے علیحدہ کھانے سے مُکدّر[3] ہوں تو ان کے ساتھ کھانا چاہیے۔ حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے والدین حیات ہوں اور وہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو؛ اس کے لیے جنت کے دو دروازے نہ کھل جاتے ہوں اور اگر اُن کو ناراض کردے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ، اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک اُن کو راضی نہ کرلے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ ظلم کرتے ہوں؟ ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا نے فرمایا: اگرچہ وہ ظلم کرتے ہوں۔ حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور جہاد میں شرکت کی درخواست کی، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: زندہ ہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اُن کی خدمت کو مضبوط پکڑلو، جنت اُن کے پاؤں کے نیچے ہے، پھر دوبارہ اور سہ بارہ[4] حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہی ارشاد فرمایا۔ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا جہاد کو بہت دل چاہتا ہے؛ لیکن مجھ میں قدرت[5] نہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: والدہ زندہ ہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی اُن کے حقوق کی ادائیگی میں فتوٰی سے آگے بڑھ کر تقوٰی پر عمل کرتے رہو) جب تم ایسا کروگے تو تم حج کرنے والے بھی ہو، عمرہ کرنے والے بھی ہو، جہاد کرنے والے بھی ہو، یعنی جتنا ثواب ان چیزوں میں ملتا اُتنا ہی تمہیں ملے گا۔ حضرت محمد بن المُنکَدِر رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ میرا بھائی عُمر تو نماز پڑھنے میں رات گزارتا تھا اور میں والدہ کے پاؤں دبانے میں رات گزارتا تھا، مجھے اس کی کبھی تمنّا نہ ہوئی کہ اُن کی رات (کا ثواب) میری رات کے بدلہ میں مل جائے۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کہتی ہیں: میں نے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: خَاوِنْد[6] کا، میں نے پھر پوچھا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق

حل لغات: (۱) ایسی چیزیں جس کے جائز اور ناجائز ہونے میں شک ہو۔ (۲) خوشی چاہنا۔ (۳) ناراض۔ (۴) تیسری مرتبہ۔ (۵) طاقت۔ (۶) شوہر۔

صلہ رحمی

کس کا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ماں کا۔ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم لوگوں کی عورتوں کے ساتھ عَفیف[1] رہو تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی، تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ[2] کرو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی۔ [درمنثور]

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے، وہ بیمار ہوا، ان بیٹوں میں سے ایک نے اپنے تین بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمارداری[3] اس شرط پر کرو کہ تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا تو تم کرو، ورنہ میں اس شرط پر تیمارداری کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لوں گا، وہ اس پر راضی ہوگئے کہ تو ہی اس شرط پر تیمارداری کر، ہم نہیں کرتے اس نے خوب خدمت کی؛ لیکن باپ کا انتقال ہی ہوگیا اور شرط کے موافق اس نے کچھ نہ لیا، رات کو خواب میں دیکھا کوئی شخص کہتا ہے: فلاں جگہ سو دینار[4] اشرفیاں گڑی[5] ہوئی ہیں وہ تو لے لے، اس نے خواب میں ہی دریافت کیا کہ ان میں برکت بھی ہوگی؟ اُس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے، صبح کو بیوی سے خواب کا ذکر کیا، اُس نے اُن کے نکالنے پر اِصرار[6] کیا، اس نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر خواب دیکھا جس میں کسی نے دوسری جگہ دس دینار بتائے، اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا، اس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے، اس نے صبح کو بیوی سے اس کا بھی ذکر کیا، اُس نے پھر اصرار کیا مگر اُس نے نہ مانا۔ تیسرے دن پھر خواب دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے: فلاں جگہ جا وہاں تجھے ایک دینار (اشرفی) ملے گا وہ لے لے، اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا، اُس شخص نے کہا: ہاں اس میں برکت ہے۔ یہ جا کر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جا کر اُس سے دو مچھلیاں خریدیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا جس قسم کا عمر بھر کسی نے نہیں دیکھا تھا، بادشاہِ وقت نے ان دونوں کو بہت اصرار سے نوّے خچّروں کے بوجھ کے بقدر سونے سے خریدا۔

احادیث

① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ: أُمُّكَ۔ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّكَ۔ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّكَ۔ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أَبُوْكَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ: أُمُّكَ ثُمَّ	حضور اقدس ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ میرے بہترین تعلقات (احسان، سلوک) کا سب سے زیادہ مُستحق[7] کون ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماں، پھر دوبارہ سہ بارہ[8] ماں ہی کو بتایا۔ پھر فرمایا کہ باپ، پھر دوسرے رشتہ دار

حل لغات: ① پاکدامن۔ ② سلوک۔ ③ بیمار کی دیکھ بھال۔ ④ سونے کے سکّے۔ ⑤ دفن کی ہوئی۔ ⑥ ضد۔ ⑦ حقدار۔ ⑧ تیسری مرتبہ۔

أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ۔ [متفق علیه کذا في المشکوٰة]	اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ (جو جتنا قریب ہو، اتنا ہی مُقدّم ہے)۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے بعض علماء نے اِستنباط[2] کیا ہے کہ حُسنِ سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصے ہے اور باپ کا ایک حصّہ، اس لیے کہ حضور ﷺ نے تین مرتبہ ماں کو بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا۔ اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ اولاد کے لیے ماں تین مشقّتیں[3] برداشت کرتی ہے: حمل[4] کی، جننے کی، دودھ پلانے کی۔ اسی وجہ سے فُقہاء[5] نے اس کی تصریح[6] کی ہے کہ احسان اور سلوک میں ماں کا حق باپ پر مُقدّم ہے اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری[7] کی وجہ سے دونوں کے ساتھ سلوک نہیں کر سکتا تو ماں کے ساتھ سلوک کرنا مقدّم ہے، البتہ اعزاز[8] اور ادب تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مُقدّم ہے۔ [مظاہر حق] اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے ماں احسان کی زیادہ محتاج ہوتی ہے اور ان دونوں کے بعد دوسرے رشتہ دار ہیں، جس کی قرابت[9] جتنی قریب ہوگی اتنا ہی مُقدّم ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ابتداء[10] کرو، اس کے بعد باپ کے ساتھ، پھر بہن کے ساتھ، پھر بھائی کے ساتھ اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ اور اپنے پڑوسیوں اور حاجت مندوں[11] کو نہ بھولنا۔ [کنز]

حضرت بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور! میں سلوک واحسان کس کے ساتھ کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، انہوں نے پھر یہی دریافت فرمایا، حضور ﷺ نے پھر یہی جواب دیا، اسی طرح تیسری مرتبہ بھی، چوتھی مرتبہ میں حضور ﷺ نے فرمایا، باپ کے ساتھ، اس کے بعد پھر دوسرے رشتہ دار جو جتنا قریب ہو، اتنا ہی مُقدّم ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کوئی حکم دیں تا کہ تعمیل[12] ارشاد کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ احسان کرو، دوسری اور تیسری مرتبہ کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ باپ کے ساتھ احسان کرو۔ [درمنثور] ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جس میں یہ پائی جائیں، حق تعالیٰ شانُہٗ مرنے کے وقت کو اس پر آسان کر دیتے ہیں اور جنت میں اس کو داخل کر دیتے ہیں، ضعیف[13] پر مہربانی، والدین پر شفقت اور ماتحتوں[14] پر احسان۔ [مشکوٰۃ]

(۲) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ

حل لغات: (۱) پہلے۔ (۲) مسئلہ نکالنا۔ (۳) تکلیفیں۔ (۴) بچہ کا پیٹ میں ہونا۔ (۵) فقیہ کی جمع، عالم۔ (۶) وضاحت۔ (۷) غریبی۔ (۸) عزت کرنا۔ (۹) رشتہ داری۔ (۱۰) شروع کرنا۔ (۱۱) ضرورت مند۔ (۱۲) حکم پورا کرنا۔ (۱۳) کمزور۔ (۱۴) جو نیچے ہوں یعنی نوکر وغیرہ۔

صلہ رحمی

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِيْ رِزْقِہٖ وَ یُنْسَأَ لَہٗ فِيْ أَثَرِہٖ، فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔ [متفق علیہ۔ کذا في المشکوٰۃ]	چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وُسعت کی جائے اور اس کے نشاناتِ قدم میں تاخیر[1] کی جائے، اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔

فائدہ: نشاناتِ قدم میں تاخیر کیے جانے سے عمر کی درازی[2] مراد لی جاتی ہے، اس لیے کہ جس شخص کی جتنی عمر زیادہ ہوگی اتنے ہی زمانہ تک اس کے چلنے سے نشاناتِ قدم زمین پر پڑیں گے اور جو مَر گیا اس کے پاؤں کا نشان زمین سے مٹ گیا۔ اس پر یہ اِشکال[3] کیا جاتا ہے کہ عمر ہر شخص کی متعیّن[4] ہے، قرآن پاک میں کئی جگہ یہ مضمون صراحت[5] سے مذکور ہے کہ ہر شخص کا ایک مقرّرہ وقت ہے، جس میں ایک ساعت[6] کی نہ تو تقدیم[7] ہو سکتی ہے، نہ تاخیر[8] ہو سکتی ہے، اس وجہ سے درازیٔ عمر[9] کو بعض علماء نے وُسعتِ رزق[10] کی طرح سے برکت پر محمول فرمایا ہے کہ اس کے اوقات میں اس قدر برکت ہوتی ہے کہ جو کام دوسرے لوگ دنوں میں کرتے ہیں، وہ گھنٹوں میں کر لیتا ہے اور جس کام کو دوسرے لوگ مہینوں میں کرتے ہیں، وہ دنوں میں کر گزرتا ہے اور بعض علماء نے درازیٔ عمر سے اُس کا ذکرِ خیر[11] مراد لیا ہے کہ بہت دنوں تک اس کے کارناموں کے نشانات اور ذکرِ خیر اس کا جاری رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی اولاد میں زیادتی ہوتی ہے جس کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد دیر تک رہتا ہے اور یہی وُجوہ[12] اس کی ہو سکتی ہیں، جب نبیٔ کریم ﷺ نے، جن کا قول سچا ہے، ارشاد برحق[13] ہے، اس کی اطلاع دی ہے تو صورت اس کی جو بھی ہو اس کا حاصل ہونا یقینی ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی پاک ذات قادرِ مُطلق[14] اور مُسبِّبُ الْاَسْبَاب[15] ہے اس کو اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ ہر چیز کا جس کو وہ کرنا چاہے ایسا سبب پیدا کرتا ہے کہ عُقَلاء[16] کی عقلیں دنگ[17] رہ جاتی ہیں، اس لیے اس میں نہ کوئی اشکال[18] ہے، نہ کوئی مانع[19] ہے۔ [مظاہر بتغیر]

مُقدَّرات[20] کا مسئلہ اپنی جگہ پر اٹل ہے؛ لیکن اس دنیا کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے دَارُ الْاَسْبَاب[21] بنایا ہے اور ہر چیز کے لیے ظاہری یا باطنی سبب پیدا کیا ہے، اگر ہَیضَہ[22] کے بیمار کے لیے حکیم ڈاکٹر وغیرہ کے لیے ایک ایک منٹ میں آدمی دوڑ سکتا ہے کہ شاید اِس دوا سے فائدہ ہو، اُس دوا سے فائدہ ہو، کیوں؟ تاکہ عمر باقی رہے، حالانکہ وہ ایک مقرّرہ متعیّنہ چیز ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ بَقاءِ عمر[23] کے لیے اس سے زیادہ جِدّ و جُہد[24] صلہ رحمی میں نہ کی جائے، اس لیے کہ اس کا بقاء اور طُولِ عمر[25] کے لیے سبب ہونا یقینی ہے اور ایسے

حل لغات: (۱) ڈھیل، مہلت۔ (۲) لمبائی۔ (۳) اعتراض۔ (۴) مقرر۔ (۵) وضاحت۔ (۶) گھڑی، لمحہ۔ (۷) آگے ہونا۔ (۸) پیچھے ہونا۔ (۹) عمر کا لمبا ہوا۔ (۱۰) رزق کی کشادگی، فراخی۔ (۱۱) اچھائی کے ساتھ یاد کرنا۔ (۱۲) وجہ کی جمع۔ (۱۳) درست۔ (۱۴) پوری پوری قدرت رکھنے والا۔ (۱۵) سبب پیدا کرنے والا۔ (۱۶) عاقل کی جمع، عقلمند۔ (۱۷) حیران۔ (۱۸) دشواری، مشکل۔ (۱۹) رکاوٹ۔ (۲۰) مقدر کی جمع۔ (۲۱) اسباب کا گھر۔ (۲۲) بدہضمی سے پیدا ہونے والی ایک خطرناک بیماری۔ (۲۳) عمر کا باقی رہنا۔ (۲۴) کوشش۔ (۲۵) عمر کا لمبا ہونا۔

حکیم کا ارشاد ہے جس کے نسخہ میں نہ کبھی غلطی ہوئی ہو اور ان معمولی حکیم ڈاکٹروں کے نسخوں اور تشخیص[1] میں غلطیوں کے سینکڑوں احتمالات[2] ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کا یہ پاک ارشاد جو اوپر گزرا مختلف احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے، اس لیے اس میں تردُّد[3] نہیں۔ ایک حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص ایک بات کا ذمہ لے لے، میں اس کے لیے چار باتوں کا ذمہ لیتا ہوں: جو شخص صلہ رحمی کرے اس کی عمر دراز ہوتی ہے، اَعِزَّہ[4] اس سے محبت کرتے ہیں، رزق میں اس کے وُسعت ہوتی ہے اور جنت میں داخل ہوتا ہے۔ [کنز] حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تین باتیں بالکل حق (اور پکّی ہیں) ① جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ چشم پوشی[5] کرے، اس کی عزت بڑھتی ہے۔ ② جو شخص مال کی زیادتی کے لیے سوال کرے، اس کے مال میں کمی ہوتی ہے۔ ③ جو شخص عطا اور صلہ رحمی کا دروازہ کھول دے اس کے مال میں کثرت ہوتی ہے۔ [درمنثور] فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی میں دس چیزیں قابلِ مَدح[6] ہیں: اوّل یہ کہ اس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ عَمَّ نَوالُہٗ کی رضا و خوشنودی ہے کہ اللہ پاک کا حکم صِلہ رحمی کا ہے۔ دوسرے: رشتہ داروں پر مَسرَّت[7] پیدا کرنا ہے اور حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل مؤمن کا خوش کرنا ہے۔ تیسرے: اس سے فرشتوں کو بھی بہت مَسرَّت ہوتی ہے۔ چوتھے: مسلمانوں کی طرف اس شخص کی مَدح[8] اور تعریف ہوتی ہے۔ پانچویں: شیطان عَلَیہِ اللّعنۃ[9] کو اس سے بڑا رنج[10] ہوتا ہے۔ چھٹے: اس کی وجہ سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔ ساتویں: رزق میں برکت ہوتی ہے۔ آٹھویں: مُردوں کو اس سے مَسرَّت ہوتی ہے کہ باپ دادا جن کا انتقال ہو گیا ان کو جب اس کی خبر ہوتی ہے، تو ان کو بڑی خوشی اس سے ہوتی ہے۔ نویں: آپس کے تعلقات میں اس سے قوّت ہوتی ہے، جب تم کسی کی مدد کرو گے، اس پر احسان کرو گے، تمہاری ضرورت اور مشقّت[11] کے وقت میں وہ دِل سے تمہاری اِعانت[12] کرنے کا خواہش مند ہوگا۔ دسویں: مرنے کے بعد تمہیں ثواب مِلتا رہے گا کہ جس کی بھی تم مدد کرو گے تمہارے مرنے کے بعد وہ ہمیشہ تمہیں یاد کر کے دعائے خیر[13] کرتا رہے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دِن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے: ایک: صلہ رحمی کرنے والا کہ اس کے لیے دنیا میں بھی اس کی عمر بھی بڑھائی جاتی ہے، رزق میں بھی وُسعَت کی جاتی ہے اور اس کی قبر میں بھی وُسعت کر دی جاتی ہے۔ دوسرے: وہ عورت جس کا خاوِند[14] مر گیا ہو اور وہ چھوٹی اولاد کی پَرورِش[15] کی خاطر[16] ان کے جوان ہونے تک نکاح نہ کرے؛ تا کہ اُن کی

حل لغات: ① جانچ۔ ② امکان ③ شک۔ ④ رشتہ دار۔ ⑤ معاف۔ ⑥ تعریف کے لائق۔ ⑦ خوشی۔ ⑧ تعریف۔ ⑨ اس پر لعنت ہو۔ ⑩ غم۔ ⑪ تکلیف۔ ⑫ مدد۔ ⑬ بھلائی کی دعا۔ ⑭ شوہر۔ ⑮ تعلیم و تربیت، پالنا۔ ⑯ واسطے۔

صلہ رحمی

پرورش میں مُشکلات پیدا نہ ہوں۔ تیسرے: وہ شخص جو کھانا تیار کرے اور یَتَامیٰ[1] مَسَاکین[2] کی دعوت کرے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ دو قدم اللہ کے یہاں بہت محبوب ہیں، ایک: وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کے لیے اٹھا ہو، دوسرا: وہ قدم جو کسی مَحْرَم[3] کی ملاقات کے لیے اٹھا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دَوام[4] اور استقلال سے اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں، جیسے کہ اونچے اونچے پہاڑ اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وسعت ہوتی ہے: ایک صدقہ کی مُداوَمت[5] تھوڑا ہو یا زیادہ، دوسرے: صلہ رحمی پر مُداوَمت، چاہے قلیل[6] ہو یا کثیر[7]، تیسرے: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، چوتھے: ہمیشہ باوُضو رہنا، پانچویں: والدین کی فرمانبرداری پر مُداوَمت کرنا۔ [تنبیہ الغافلین] ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس عمل کا ثواب اور بدلہ سب سے جلدی ملتا ہے وہ صِلہ رحمی[8] ہے، بعض آدمی گنہگار ہوتے ہیں؛ لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مالوں میں بھی برکت ہوتی ہے اور ان کی اولاد میں بھی۔ [اِحیاء]

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ طریقہ کے مُوافق[9] کرنا اور معروف (بھلائی) کا اختیار کرنا، والدین کے ساتھ احسان کرنا، اور صلہ رحمی آدمی کو بدبختی[10] سے نیک بختی کی طرف پھیر دیتا ہے، عمر میں زیادتی کا سبب ہے اور بری موت سے حفاظت ہے۔ [کنز] عمر میں اور رزق میں زیادتی جتنی کثرت سے روایات میں ذکر کی گئی ہے، اس کا نمونہ معلوم ہوگیا اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن پر ہر شخص مرتا ہے، اور دنیا کی ساری کوششیں انہیں دو چیزوں کی خاطر[11] ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے بہت سَہل[12] تدبیر بتادی کہ صلہ رحمی کیا کرے، دونوں تمنّائیں حاصل ہوں گی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے حق ہونے پر یقین ہے تو پھر عمر اور رزق کی زیادتی کے خواہشمندوں کو اس نسخہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا چاہیے اور جو مُیَسَّر[13] ہو، اَقرِباء[14] پر خرچ کرنا چاہیے کہ رزق میں زیادتی کے وعدہ سے اس کا بدل بھی ملے گا، اور عمر میں اضافہ[15] مفت میں ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ بَعْدَ أَنْ يُّوَلِّيَ۔ [رواه مسلم كذا في المشكوٰة]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کے ساتھ حُسنِ[16] سلوک کا اعلیٰ[17] درجہ یہ ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس کے ساتھ تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے۔

حل لغات: (۱) یتیم کی جمع۔ (۲) مسکین کی جمع۔ (۳) ایسا رشتہ دار جس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہو۔ (۴) ہیشگی۔ (۵) پابندی۔ (۶) تھوڑا۔ (۷) زیادہ۔ (۸) رشتہ ناطہ جوڑنا۔ (۹) مطابق۔ (۱۰) بدقسمتی۔ (۱۱) واسطے۔ (۱۲) آسان۔ (۱۳) جو آسانی سے ملے۔ (۱۴) رشتے دار۔ (۱۵) زیادتی۔ (۱۶) اچھا برتاؤ۔ (۱۷) بلند۔

صلہ رحمی

فائدہ: چلے جانے سے مُراد عارضی[1] چلا جانا بھی ہوسکتا ہے اور مستقل[2] چلا جانا یعنی مرجانا بھی ہوسکتا ہے۔ اور یہ درجہ بڑھا ہوا اس لیے ہے کہ زندگی میں تو اس کے دوستوں کے ساتھ حُسنِ سلوک میں اپنے ذاتی اَغراض[3] کا شائبہ[4] بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کے ساتھ تعلّق کی قوت اور اچھا سلوک ان اَغراض کے پورا ہونے میں مُعین[5] ہوگا، جو والد سے وَابستہ[6] ہیں؛ لیکن باپ کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا اپنے ذاتی اَغراض سے بالاتر[7] ہوتا ہے، اس میں باپ کا احترام خالص رہ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ابنِ دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما مکّہ کے راستے میں تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک بَدّو[8] جاتا ہوا نظر پڑ گیا حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو اپنی سواری دے دی اور اپنے سرِمبارک سے عِمامہ اتار کر اس کی نَذر[9] کر دیا۔ ابنِ دینار رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص تو اس سے کم درجہ احسان پر بھی بہت خوش ہوجاتا (آپ نے عِمامہ بھی دے دیا اور سواری بھی؟) حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا باپ میرے باپ کے دوستوں میں تھا اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ ''بہترین صِلَہ[10] آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں پر احسان کرنا ہے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیّبہ حاضر ہوا تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما مجھ سے ملنے تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے میں کیوں آیا؟ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صِلہ رحمی کرے، اس کو چاہیے کہ اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور میرے باپ عمر رضی اللہ عنہ میں اور تمہارے والد میں دوستی تھی، اس لیے آیا ہوں۔ [ترغیب] کہ دوست کی اولاد بھی دوست ہی ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: حضرت ابو اُسَید مالک بن رَبیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، قبیلہ بَنوسَلمہ کے ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والدین کے انتقال کے بعد اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کا کوئی درجہ باقی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہاں اُن کے لیے دعائیں کرنا، اُن کی مغفرت کی دعا مانگنا، ان کے عہد[11] کو جو کسی سے کر رکھا ہو پورا کرنا اور اُن کے رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا، ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔ [مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد] ایک اور حدیث میں اس قصہ کے بعد ہے: اُس نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیسی بہترین اور بڑھیا بات ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر اس پر عمل کرو۔ [ترغیب]

حل لغات: ① وقتی۔ ② ہمیشہ کے لیے۔ ③ غرض کی جمع، ضرورت۔ ④ شبہ۔ ⑤ مددگار۔ ⑥ متعلق، جڑی ہوئی۔ ⑦ بہت اونچا۔ ⑧ عرب کا دیہاتی۔ ⑨ دینا۔ ⑩ بدلہ۔ ⑪ وعدہ۔

صلہ رحمی

④ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌّ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْلَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا۔ [رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ماں باپ دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک مرجائے اور وہ شخص ان کی نافرمانی کرنے والا ہو، تو اگر وہ اُن کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا رہے اس کے علاوہ اُن کے لیے اور دعائیں کرتا رہے؛ تو وہ شخص فرمانبرداروں میں شمار ہوجائے گا۔

فائدہ: یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر انعام واحسان اور لطف وکرم ہے کہ والدین کی زندگی میں بَسا اوقات[1] ناگوار[2] اُمور[3] پیش آجانے سے دلوں میں مَیل[4] آجاتا ہے؛ لیکن جتنا بھی رنج ہوجائے والدین ایسی چیز نہیں جن کے مرنے کے بعد بھی دلوں میں رنج رہے، اُن کے احسانات یاد آکر آدمی بے تاب[5] نہ ہوجائے، لیکن اب وہ مرگئے اب کیا تَلافی[6] ہوسکتی ہے؟ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے فضل سے اس کا دروازہ بھی کھول دیا کہ اُن کے مرنے کے بعد اب اُن کے لیے دعائیں کرے، اُن کی مغفرت کو اللہ سے مانگتا رہے، ان کے لیے ایصالِ ثواب جانی اور مالی کرتا رہے کہ یہ اُن کی زندگی کے زمانہ میں جو اُن کے حقوق ضائع ہوئے ہیں؛ اس کی تلافی کردے گا اور بجائے نافرمانوں میں شمار ہونے کے فرمانبرداروں میں شمار ہوجائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ ہاتھ سے وقت نکل جانے کے بعد بھی اس کا راستہ کھول دیا۔ کس قدر بے غیرتی[7] اور دِلی قَساوت[8] ہوگی، اگر اس موقع کو بھی ہاتھ سے کھودیا جائے۔ ایسا کون ہوگا جس سے ہمیشہ والدین کی رضا ہی کے کام ہوتے رہے ہوں اور اداءِ حقوق[9] میں کوتاہی[10] تو کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے، اگر اپنا معمول اور کوئی ضابطہ[11] ایسا مقرّر کرلیا جائے جس سے اُن کو ثواب پہونچتا رہے، تو کس قدر اعلیٰ[12] چیز حاصل ہوسکتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو یہ اُن کے لیے حجِ بَدَل[13] ہوسکتا ہے، ان کی روح کو آسمان میں اس کی خوشخبری دی جاتی ہے اور یہ شخص اللہ کے نزدیک فرمانبرداروں میں شمار[14] ہوتا ہے؛ اگرچہ پہلے سے نافرمان ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین میں سے کسی کی طرف سے حج کرے، تو اُن کے لیے ایک حج کا ثواب ہوتا ہے اور حج کرنے والے کے لیے نو۹ حجوں کا ثواب ہوتا ہے۔ [رحمۃ المہداۃ]

علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یہ دعا

حل لغات: ① اکثر مرتبہ۔ ② نامناسب۔ ③ معاملے۔ ④ غم، تکلیف۔ ⑤ بے چین۔ ⑥ بھرپائی۔ ⑦ بے شرمی۔ ⑧ سخت دلی۔ ⑨ حقوق کی ادائیگی۔ ⑩ کمی۔ ⑪ طریقہ۔ ⑫ بہتر، اونچی۔ ⑬ وہ حج جو کسی دوسرے کی طرف سے کیا جائے۔ ⑭ گننا۔

پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. لِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَلَهُ الْعَظْمَةُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، هُوَ الْمَلِكُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعٰلَمِيْنَ، وَلَهُ النُّوْرُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اوراس کے بعد یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس کا ثواب میرے والدین کو پہونچا دے، اُس نے والدین کا حق ادا کر دیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اگر کوئی نفلی صدقہ کرے تو اس میں کیا حرج[1] ہے کہ اس کا ثواب اپنے والدین کو بخش دیا کرے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں کہ اس صورت میں ان کو ثواب پہونچ جائے گا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ [کنز] اس حدیث شریف کے موافق کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا جو کچھ بھی کسی موقع پر خرچ کیا جائے اس کا ثواب اپنے والدین کو پہونچا دیا کرے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس پاک ذات کی قسم جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات کے ساتھ بھیجا ہے! یہ اللہ کے پاک کلام میں ہے کہ جو شخص تیرے باپ کے ساتھ صلہ رحمی[2] کرتا ہو، تو اس کے ساتھ قطع رحمی[3] نہ کر، اس سے تیرا نور جاتا رہے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو اپنے والدین کی یا اُن میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے اس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی زندگی میں نافرمان ہو، پھر ان کے انتقال کے بعد اُن کے لیے استغفار کرے، اگر اُن کے ذمہ قرض ہو تو اس کو ادا کرے اور ان کو بُرا نہ کہے، تو وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوجاتا ہے اور جو شخص والدین کی زندگی میں فرمانبردار تھا، لیکن اُن کے مرنے کے بعد اُن کو بُرا بھلا کہتا ہے، ان کا قرض بھی ادا نہیں کرتا، اُن کے لیے استغفار بھی نہیں کرتا، وہ نافرمان شمار ہوجاتا ہے۔ [درّ منثور]

⑤ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ إِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ۔ [رواه ابن ماجه كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاتا ہوں: تیری وہ لڑکی (اس کا محل[4]) ہے، جو لوٹ کر تیرے ہی پاس آگئی ہو اور اس کے لیے تیرے سوا کوئی کمانے والا نہ ہو (کہ ایسی لڑکی پر جو بھی خرچ کیا جائے گا وہ بہترین صدقہ ہے۔)

حل لغات: (۱) نقصان۔ (۲) رشتہ دار سے اچھا سلوک۔ (۳) رشتہ توڑنا۔ (۴) جگہ۔

فائدہ: لَوٹ کرآ جانے سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح کر دیا تھا اس کے خاوِند[1] کا انتقال ہوگیا، یا خاوند نے طلاق دے دی، یا کوئی اور عارضہ[2] ایسا پیش آ گیا جس کی وجہ سے وہ لڑکی پھر باپ کے ذمہ ہوگئی، تو اس کی خبر گیری[3]، اس پر خرچ کرنا، افضل ترین صدقہ ہے۔ اور اس کا افضل ہونا صاف ظاہر ہے کہ اس میں ایک صدقہ ہے، دوسرے مصیبت[4] زدہ کی اِمداد[5] ہے، تیسرے صلہ رحمی ہے، چوتھے اولاد کی خبر گیری ہے، پانچویں غم[6] زدہ کی دلداری[7] ہے کہ اولاد کا ابتداء[8] میں والدین کے ذمہ ہونا رنج کے بجائے خوشی کا سبب ہوتا ہے؛ لیکن اس کا اپنا گھر ہو جانے کے بعد اپنا ٹھکانا بن جانے کے بعد پھر والدین کے ذمہ ہو جانا زیادہ رنج کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی فریادرَسی[9] کرے، اس کے لیے تہتر ۷۳ درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں، جن میں سے ایک میں اس کے تمام اُموْر[10] کی اصلاح اور درستی ہے اور بہتر ۷۲ درجے اس کے لیے قیامت میں ترقیات کا سبب ہیں۔ اس مضمون کی بہت سی روایات پہلی فصل کی احادیث میں نمبر چھبیس ۲۶ کے ذیل میں صفحہ ۱۵۱ پر گزر چکی ہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے پہلے خاوند ابوسلمہ کی جو اولاد میرے پاس ہے، ان پر خرچ کرنے کا بھی مجھے ثواب ملے گا؟ وہ تو میری ہی اولاد ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان پر خرچ کیا کر اس کا تجھے ثواب ملے گا۔ [مشکوۃ]

اور اولاد پر رحمت اور شفقت تو بغیر اس کی احتیاج[11] اور ضرورت کے بھی مُستقِل[12] مَندوب[13] اور مطلوب[14] ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس دونوں نواسے حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک موجود تھے، حضور ﷺ نے ان کو پیار کیا۔ اَقْرَع بن حابس رضی اللہ عنہ قبیلۂ تمیم کا سردار بھی وہاں موجود تھا، کہنے لگا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے اُن میں سے کبھی بھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اور فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم کیا بھی نہیں جاتا۔ ایک اور حدیث میں ہے: ایک بدّو[15] نے عرض کیا: تم بچوں کو پیار کرتے ہو ہم تو نہیں کرتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں اس کا کیا علاج کروں کہ اللہ نے تیرے دِل سے رحمت کا مادّہ نکال دیا۔ [ترغیب] اولاد ہونے کے علاوہ اس کا مصیبت زدہ ہونا مستقل اجر کا سبب ہے۔

⑥ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی

حل لغات: ① شوہر۔ ② یعنی کوئی اور پریشانی۔ ③ دیکھ بھال۔ ④ تکلیف میں مبتلا۔ ⑤ مدد کرنا۔ ⑥ غم میں مبتلا۔ ⑦ تسلّی۔ ⑧ شروع، پہلے۔ ⑨ فریاد پہنچانا۔ ⑩ امر کی جمع، کام۔ ⑪ ضرورت۔ ⑫ ہمیشہ۔ ⑬ پسندیدہ۔ ⑭ چاہا گیا۔ ⑮ عرب کا دیہاتی۔

[رواه أحمد والترمذي وغيرهما كذا في المشكوة]	ہے اور صلہ رحمی بھی، دو چیزیں ہوگئیں۔

فائدہ: جہاں تک اہلِ قَرابت[1] اور رشتہ داروں کا تعلق ہے، ان پر صدقہ عام غُرَباء[2] پر صدقہ سے مُقدّم[3] ہے اور افضل ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بہت مختلف روایات ہیں، مختلف عنوانات سے یہ مضمون بھی بہت کثرت سے نقل کیا گیا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک اشرفی[4] تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، ایک اشرفی تو غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کرے، ایک اشرفی تو کسی فقیر کو دے، ایک اشرفی تو اپنے اہل[5] وعَیال پر خرچ کرے، ان میں سب سے افضل یہی ہے جو تو اپنے اہل وعَیال پر خرچ کرے (بشرطیکہ محض اللہ کے واسطے خرچ کیا جائے اور وہ ضرورت مند بھی ہوں، جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت مَیمُونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی آزاد کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کو اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور فُقَہاء[6] صحابہ میں ہیں، اُن کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اُن سے کہا کہ آج حضور ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، تمہاری مالی حالت کمزور ہے؛ اگر تم حضور ﷺ سے جاکر یہ دریافت کرلو کہ میں صدقہ کا مال تمہیں دے دوں، تو یہ کافی ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ تم خود ہی جاکر دریافت کرلو (کہ ان کو اپنی ذات کے لیے دریافت کرنے میں غالبًا حجاب[7] اور خودغَرضی[8] کا خیال ہوا ہوگا) حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں دروازہ پر دیکھا کہ ایک اور عورت بھی کھڑی ہیں اور وہ بھی یہی مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں؛ لیکن حضور ﷺ کے رُعب[9] کی وجہ سے دریافت کرنے کی ہمّت نہ ہوئی، اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگئے، ان دونوں نے اُن سے درخواست کی کہ حضور ﷺ سے عرض کردیں کہ دو عورتیں کھڑی ہیں اور یہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر وہ اپنے خاوندوں پر اور جو یتیم بچّے پہلے خاوندوں سے اُن کے پاس ہیں، ان پر صدقہ کردیں تو یہ کافی ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پیام[10] پہونچایا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کون عورتیں ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ایک فلاں عورت انصاریہ ہیں اور ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے لیے دوگنا ثواب ہے: صدقہ کا بھی اور قَرابت[11] کا بھی۔ [مشکوۃ]

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کی ایک دِرَم سے مدد کروں، یہ مجھے

حل لغات: (۱) قریبی لوگ۔ (۲) غریب کی جمع۔ (۳) پہلے، ضروری۔ (۴) سونے کا سکّہ۔ (۵) گھر والے۔ (۶) فقیہہ کی جمع، عالم۔ (۷) شرم۔ (۸) اپنی ضرورت۔ (۹) دبدبہ، خوف۔ (۱۰) پیغام۔ (۱۱) رشتہ داری۔

زیادہ پسند ہے دوسرے پر بیس[20] درم خرچ کرنے سے اور میں اُس پر سو درم خرچ کردوں یہ زیادہ محبوب ہے ایک غلام آزاد کرنے سے۔ [اِحیاء، اتحاف] ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی خود ضرورت مند ہو تو وہ مُقدّم[1] ہے، جب اپنے سے زائد ہو تو عیَال[2] مُقدّم ہے، اس سے زائد ہو تو دوسرے رشتہ دار مُقدّم ہیں، ان سے زائد ہو تو پھر اِدھر اُدھر خرچ کرے۔ [کنز] یہ مضمون کنزُ العُمّال وغیرہ میں کئی روایات میں ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو مُؤخّر[3] کرنا جب ہی ہے جب کہ اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو احتِیاج[4] زیادہ ہو اور اگر اپنے سے زیادہ محتاج دوسرے ہوں یا خود باوجود احتِیاج کے صبر پر قادر ہے اور اللہ پر اعتمادِ کامل[5] ہے تو دوسروں کو مُقدّم کردینا کمال کا درجہ ہے۔ پہلی فصل کی آیات میں نمبر اٹھائیس[28] صفحہ ۶۰ پر ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ ﴾ کے ذیل میں یہ مضمون مُفصّل[6] گزر چکا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں اپنا اور (اپنی بیوی حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی اولاد تھیں، قصہ سناؤں؟ وہ میرے گھر رہتی تھیں، خود چکّی پیستیں جس کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹّے[7] پڑ گئے، خود پانی بھر کر لاتیں جس کی وجہ سے مَشکیزہ[8] کی رگڑ سے بدن پر رسّی کے نشان پڑ گئے، خود گھر میں جھاڑو وغیرہ دیتیں جس سے کپڑے میلے رہتے، خود کھانا پکاتیں جس سے دھوئیں کے اثر سے کپڑے کالے رہتے، غرض ہر قسم کی مشقّتیں اُٹھاتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ باندی غلام وغیرہ آئے، تو میں نے کہا کہ تم بھی جا کر ایک خادم مانگ لو کہ اس مَشقّت سے کچھ امن[9] ملے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں کچھ مجمع[10] تھا، شرم کی وجہ سے کچھ عرض[11] نہ کرسکیں، واپس چلی آئیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کر کے چلی آئیں۔ دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تم کل کیا کہنے گئی تھیں؟ وہ تو شرم کی وجہ سے چُپکی ہو گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُن کی ساری حالت پانی وغیرہ بھرنے کی بیان کر کے عرض کیا کہ میں نے ان کو بھیجا تھا کہ ایک خادم آپ سے مانگ لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں خادم سے بہتر چیز بتاؤں؟ جب سونے لیٹا کرو تو سبحان اللہ تینتیس[33] مرتبہ، الحمد للہ تینتیس[33] مرتبہ، اللہ اکبر چونتیس[34] مرتبہ پڑھا کرو، یہ خادم سے بڑھ کر ہے۔ [ابوداؤد] ایک اور حدیث میں اس قصّہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا کہ میں تمہیں ایسی حالت میں ہرگز نہیں دے سکتا کہ اہلِ صُفّہ[12] کے پیٹ بُھوک کے وجہ سے لپٹ رہے ہیں، میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کی قیمت

حل لغات: (۱) پہلے، ضروری۔ (۲) بال بچے۔ (۳) پیچھے کرنا۔ (۴) ضرورت۔ (۵) پورا بھروسہ۔ (۶) تفصیل سے۔ (۷) وہ نشان جو کام کرنے کی وجہ سے پڑ جائے۔ (۸) کھال سے بنا پانی کا برتن۔ (۹) آرام۔ (۱۰) بھیڑ۔ (۱۱) کہنا۔ (۱۲) وہ صحابۂ کرام کی جماعت جو ہر وقت تعلیم وتربیت کے لیے مسجد نبوی میں رہتے تھے۔

اہلِ صُفّہ پر خرچ کروں گا۔ [فتح الباری]

⑦ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ أُمِّيْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، صِلِيْهَا۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش سے مُعاہَدہ[1] ہو رہا تھا، اس وقت میری کافر والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) آئیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میری اِعانت[2] کی) طالب[3] بن کر آئی ہیں، ان کی اعانت کردوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ان کی اعانت کرو۔

فائدہ: ابتداءِ[4] زمانہ میں کفّار کی طرف سے مسلمانوں پر جس قدر مَظالِم[5] ہوئے وہ بیان سے باہر ہیں، تواریخ[6] کی کُتب اُن سے پُر[7] ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں کو مجبور ہو کر مکّہ مکرّمہ سے ہجرت کرنی پڑی، مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد بھی مشرکین کی طرف سے ہر طریقہ سے لڑائی اور ایذا رسانی[8] کا سِلسلہ رہا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ محض عُمرہ کرنے کی نیت سے مکّہ مکرّمہ تشریف لائے، تو کافروں نے مکّہ میں داخل بھی نہ ہونے دیا، باہر ہی سے واپس ہونا پڑا؛ لیکن اس وقت آپس میں ایک معاہدہ چند سال کے لیے ہو گیا تھا، جس میں چند سال کے لیے کچھ شرائط پر آپس میں لڑائی نہ ہونے کا فیصلہ ہوا تھا، مشہور قصّہ ہے، اسی معاہدہ کی طرف حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا کہ جس زمانہ میں قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس معاہدہ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں اور مسلمان نہیں ہوئی تھیں، اپنی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اِعانت[9] کی خواہش لے کر گئیں، چونکہ وہ مشرک تھیں اس لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اِشکال[10] پیش آیا کہ اُن کی اعانت کی جائے یا نہیں؟ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعانت کا حکم فرمایا۔ امام خطّابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کافر رشتہ داروں کی صلہ رحمی[11] بھی مال سے ضروری ہے، جیسا کہ مسلمان رشتہ داروں کی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی قصہ میں قرآن پاک کی آیت ﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ [سورۂ ممتحنہ: ۸] نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے

حل لغات: ① آپسی وعدہ۔ ② مدد کرنا۔ ③ امیدوار۔ ④ شروع۔ ⑤ ظلم وستم۔ ⑥ تاریخ کی جمع۔ ⑦ بھری ہوئی۔ ⑧ تکلیف پہونچانا۔ ⑨ مدد۔ ⑩ شک، شبہ۔ ⑪ رشتہ داروں سے اچھا سلوک۔

صلہ رحمی

والوں سے محبت رکھتے ہیں۔"

حضرتِ اقدس حکیمُ الاُمّت مولانا تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ مراد وہ کافر ہیں جو ذِمّی[1] یا مُصالِح[2] ہوں یعنی مُحسِنانہ[3] برتاؤ ان سے جائز ہے اور اسی کو مُنصِفانہ[4] برتاؤ فرمایا، پس انصاف سے مراد خاص انصاف ہے یعنی اُن کی ذِمّیّت[5] یا مُصالحت[6] کے اعتبار سے انصاف اسی کو مُتقاضِی[7] ہے کہ اُن کے ساتھ احسان سے دَرِیغ[8] نہ کیا جائے، ورنہ مُطلَق[9] انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ [بیان القرآن] حضرت اسماء رَضِیَ اللہُ عَنہَا کی یہ والدہ جن کا نام قَتِیلَہ یا قتیلہ بنت عبدُ العُزّیٰ ہے، چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھیں اس لیے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ عَنہُ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ کچھ گھی پنیر[10] وغیرہ ہدیہ کے طور پر لے کر اپنی بیٹی حضرت اسماء رَضِیَ اللہُ عَنہَا کے پاس گئیں، انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیا اور اپنی عَلّاتی ہَمشِیرہ[11] حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے دریافت کر کے اطلاع دیں، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اجازت فرمادی اور یہ آیتِ شریفہ اسی قصّہ میں نازل ہوئی۔ [فتح، درمنثور]

یہ اُن حضرات کی دین پر پُختگی[12] اور قابلِ رَشک[13] جذبہ تھا کہ ماں گھر پر آئی ہے، مَحض[14] بیٹی سے ملنے کے واسطے آئی ہے کہ اس وقت تک اعانت کی طلب کا تو وقت ہی نہ آیا تھا؛ لیکن حضرت اسماء رَضِیَ اللہُ عَنہَا نے مسئلہ تحقیق کرنے کے لیے آدمی دوڑا دیا کہ میں اپنی ماں کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتی ہوں یا نہیں۔ مُتعَدِّد[15] روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنہُم غیر مسلموں پر صدقہ کرنا ابتداء میں پسند نہیں کرتے تھے۔ جس پر حق تعالیٰ شانُہٗ نے آیتِ شریفہ ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ﴾ الآیۃ [سورۂ بقرہ: ۲۷۲] نازل فرمائی کہ "آپ کے ذمّہ اُن کی ہدایت نہیں ہے، یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے جس کو چاہیں ہدایت پر لاویں، جو کچھ تم (خیرات وغیرہ) خرچ کرتے ہو، اپنے نفع کے واسطے کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رِضا جُوئی[16] کے علاوہ کسی اور فائدہ کی غرض سے نہیں کرتے"، یعنی تم تو صدقہ وغیرہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی رضا کے واسطے کرتے ہو، اس میں ہر حاجت مند[17] داخل ہے، کافر ہو یا مسلمان ہو۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے کافر رشتہ داروں پر احسان کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں، انہوں نے اس بارے میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے اِستِفسار[18] کیا، اس پر یہ آیتِ شریفہ ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ﴾

حل لغات: (۱) وہ غیر مسلم جو اسلامی ملک میں جزیہ اور ٹیکس دے کر رہتا ہو۔ (۲) صلح کیے ہوئے۔ (۳) بھلائی اور نیکی کا معاملہ۔ (۴) انصاف کے مطابق سلوک۔ (۵) غیر مسلم کا اسلامی ملک میں ٹیکس دے کر رہنا۔ (۶) آپس میں صلح کرنا۔ (۷) تقاضا کرنے والا۔ (۸) کوتاہی۔ (۹) بے قید، سب کے لیے۔ (۱۰) دودھ کو پھاڑ کر بنائی ہوئی نمکین چیز۔ (۱۱) باپ شریک بہن۔ (۱۲) مضبوطی۔ (۱۳) تمنا کرنے کے لائق۔ (۱۴) صرف۔ (۱۵) کئی۔ (۱۶) خوشی چاہنا۔ (۱۷) ضرورت مند۔ (۱۸) پوچھنا۔

نازل ہوئی اور بھی مُتعَدَّد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ [درمنثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مَجُوسی[1] حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مہمان بننے کی درخواست کی، آپ نے فرمادیا کہ اگر تو مسلمان ہوجائے تو میں تیری مہمانی قبول کرتا ہوں، وہ مجوسی چلا گیا۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ابراہیم! تم ایک رات کا کھانا تبدیلیٔ مذہب[2] بغیر نہ کھلا سکے، ہم ستّر برس سے اس کے کفر کے باوجود اس کو کھانا دے رہے ہیں، ایک وقت کا کھانا کھلا دیتے تو کیا مُضائِقہ[3] تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً اس کی تلاش میں دوڑنے لگے، وہ مل گیا، اس کو اپنے ساتھ واپس لائے اور اس کو کھانا کھلایا، اس مجوسی نے پوچھا کہ کیا بات پیش آئی کہ تم خود مجھے تلاش کرنے نکلے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وحی کا قصہ سُنایا، وہ مجوسی کہنے لگا: اس کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے تو مجھے اسلام کی تعلیم دیجیے اور اُسی وقت مسلمان ہوگیا۔ [اِحیاء]

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں: ① والدین کے ساتھ احسان کرنا، چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر۔ ② جس سے عَہد[4] کرلیا جائے اس کو پورا کرنا، چاہے مسلمان سے عہد کیا ہو یا کافر سے۔ ③ امانت کو واپس کرنا، چاہے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔ [جامع صغیر] محمد بن الحَنَفِیّہ، عَطاء اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم تینوں حضرات سے یہ نقل کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے پاک ارشاد: ﴿اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيَآئِكُمْ مَّعْرُوْفًا﴾ [سورۂ احزاب:٦] میں مسلمان کی یہود و نصاریٰ غیر مُسلم رشتہ داروں کے لیے وصیت مراد ہے۔ [مغنی]

⑧ عَنْ أَنَسٍ وَ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلٰى عِيَالِهٖ۔ [رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عِیال[5] ہے، پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص بہت محبوب ہے جو اُس کی عیال کے ساتھ احسان کرے۔

فائدہ: مخلوق کے اندر مسلمان، کافر، انسان، حیوان سب ہی داخل ہیں، ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیم ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کو محبوب ہے۔ پہلی فصل کے نمبر دس[10] صفحہ ۹۴ پر یہ حدیث گزر چکی کہ ایک فاحِشہ[6] عورت کی اس پر بخشش ہوگئی کہ اُس نے پیاسے کُتّے کو پانی پلایا۔ دوسری فصل نمبر آٹھ[8] صفحہ ۱۹۴ پر یہ حدیث گزری ہے کہ ایک عورت کو اس بناء پر عذاب ہوا کہ اُس نے ایک بِلّی پال رکھی تھی اور اس کو

حل لغات: ① آگ کی پوجا کرنے والے۔ ② مذہب کو بدلنا۔ ③ حرج، دشواری۔ ④ آپس میں وعدہ کرنا۔ ⑤ خاندان، کُنبہ۔ ⑥ بدکار۔

کھانے کو نہ دیا۔ جب جانوروں کا یہ حال ہے تو آدمی تو اَشرَفُ المخلوقات[1] ہے، اس پر احسان اور اچھے برتاؤ کا کیا کچھ اجر ہوگا۔ حضورِ اقدس ﷺ کا مشہور ارشاد ہے: "اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ"، "تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔"

دوسری حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ جلَّ شانُہٗ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بَدبَخت[2] ہو۔ [مشکوۃ]

خود حضورِ اقدس ﷺ کی ساری زندگی ساری دنیا کے لیے رحمت تھی، آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی شہادت[3] دیتا ہے۔ اُمّت کے لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی کے واقعات کی تحقیق کرے اور اس کا اِتباع[4] کرے، حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [سورۂ انبیاء: ۱۰۷] "اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے لیے نہیں بھیجا، مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لے آئے، اُن کے لیے تو آپ کا وُجود[5] دنیا اور آخرت کی رحمت ہے ہی؛ لیکن جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے لیے بھی آپ کا وجود اس لحاظ سے رحمت ہے کہ وہ پہلی اُمّتوں کی طرح دنیا کے عذاب: مسخ[6] ہو جانے سے، زمین میں دھنس جانے سے، آسمانوں سے پتھر برسنے سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ قریش نے مسلمانوں کو بہت اَذِیّت[7] پہونچائی، بہت نقصانات دیے، آپ ان لوگوں پر بددُعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بددُعائیں دینے کے لیے نہیں بھیجا گیا، میں لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور بھی مُتعدّد[8] روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ [درمنثور]

حضورِ اقدس ﷺ کے طائف کے سفر کا جانگداز[9] واقعہ حکایاتِ صحابہ کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ ان بدنصیبوں نے کتنی سخت سخت تکلیفیں پہونچائیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کے بدن مبارک سے خون جاری ہو گیا اور اس پر جب اس فرشتہ نے جو پہاڑوں پر متعیّن تھا، آکر درخواست کی کہ اگر آپ فرماویں تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں، جس سے یہ سب بیچ میں کچل جائیں گے؛ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اگر یہ لوگ مسلمان نہ بھی ہوں تو اُن کی اولاد میں سے کچھ لوگ اللہ کا نام لینے والے پیدا ہو جائیں گے۔ اُحد کی لڑائی میں جب حضور ﷺ پر سخت حملہ کیا گیا،

حل لغات: (۱) مخلوق میں سب سے بہتر۔ (۲) بدنصیب۔ (۳) گواہی۔ (۴) پیروی کرنا۔ (۵) ذات، موجود رہنا۔ (۶) صورت خراب ہو جانا۔ (۷) تکلیف۔ (۸) کئی، بہت سے۔ (۹) دل پر اثر کرنے والا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ[1] مبارک شہید ہوگیا، لوگوں نے کُفّار پر بد دُعا کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ ناواقف[2] ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح بد دُعا فرما دیتے، تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے کہ آپ کو ہر قسم کی تکلیفیں پہونچائی گئیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت یہی فرماتے رہے کہ یا اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کہ وہ جانتے نہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان حالات کو بڑے غور سے دیکھنا چاہیے کہ کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حِلم[3] اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور جود و کرم[4] کی انتہا ہے کہ ان سخت سخت تکلیفوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مغفرت کی، کبھی ہدایت کی دُعائیں ہی کرتے رہے۔ غَورَث بن حارث کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہا[5] سو رہے تھے، وہ تلوار ہاتھ میں لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ اس وقت کھلی جب کہ وہ تلوار سُونتے[6] ہوئے پاس کھڑا تھا، اُس نے للکار کر کہا کہ بتا: اب تجھے بچانے والا کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جَلَّ شانُہٗ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ اس کے ہاتھ کو کپکپی ہوئی اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اپنے دستِ[7] مبارک میں لے کر فرمایا کہ اب تُو بتا کہ تجھے بچانے والا کون ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ بہترین تلوار لینے والے ہیں (یعنی معاف فرمائیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔ یہودی عورت کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کا واقعہ بھی مشہور ہے اور اس عورت نے اس کا اقرار بھی کر لیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا انتقام[8] نہیں لیا۔ لَبِیدُ بن اَعصم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بھی ہوگیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا چرچا[9] بھی گوارا[10] نہیں کیا۔ غرض دو چار واقعات نہیں ہزاروں واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر رحم و کرم کے ہیں۔ [شفا]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا برتاؤ[11] نہ کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص رحم تو کرتا ہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رحم نہیں ہے جو اپنے ہی کے ساتھ ہو، بلکہ رحم وہ ہے جو عام ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں تشریف لے گئے وہاں چند قریش کے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سلطنت[12] اور حکومت کا سلسلہ قریش میں رہے گا جب تک کہ وہ یہ معمول رکھیں کہ جو ان سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں، جب کوئی حکم لگائیں تو عدل[13] کا لحاظ رکھیں، جب کوئی چیز تقسیم کریں تو انصاف کو اختیار کریں اور جو شخص ان اُمور[14] کا خیال نہ کرے اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی

حل لغات: (۱) دانت۔ (۲) انجان۔ (۳) بردباری، نرم دلی۔ (۴) سخاوت و بخشش۔ (۵) اکیلے۔ (۶) تانے ہوئے۔ (۷) ہاتھ۔ (۸) بدلہ۔ (۹) شور۔ (۱۰) پسند۔ (۱۱) سلوک۔ (۱۲) بادشاہت۔ (۱۳) انصاف۔ (۱۴) امر کی جمع، کام۔

لعنت ،سارے آدمیوں کی لعنت ۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں تشریف لے گئے جہاں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت تشریف رکھتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتا دیکھ کر ہر شخص اپنی جگہ سے ہٹ گیا، اس اُمید پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف رکھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر تشریف فرما رہے اور دروازہ کی دونوں جانبوں پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ میرا تم پر بہت حق ہے، یہ اَمرِ سلطنت کا قریش میں رہے گا، جب تک وہ تین باتوں کا اہتمام[1] رکھیں: (۱) جو شخص ان سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں۔ (۲) جو فیصلہ کریں انصاف سے کریں۔ (۳) جو مُعاہدہ[2] کسی سے کرلیں اس کو پورا کریں اور جو شخص ایسا نہ کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص چڑیا کو بھی بغیر حق کے ذبح کرے گا، قیامت کے دن اس سے مُطالبہ[3] ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کا حق کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذبح کرکے اس کو کھایا جائے، یہ نہیں کہ ویسے ہی ذبح کرکے پھینک دی جائے۔

بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ غلام جو تمہارے ماتحت[4] ہیں ان کو اس چیز سے کھلاؤ جس سے خود کھاتے ہو، اس چیز سے پہناؤ جس سے خود پہنتے ہو اور جس سے مُوافقت[5] نہ آئے اس کو فروخت[6] کردو، اس کو عذاب میں مبتلا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ [ترغیب] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تمہارا کوئی خادم تمہارے لیے کوئی چیز پکا کر لائے کہ اس کی گرمی اور دھوئیں کی مَشقّت[7] اُس نے اٹھائی ہے، تو تمہیں چاہیے کہ اس کو کھانے میں اپنے ساتھ شریک کرو، اگر اتنی مقدار نہ ہو کہ اس کو شریک کرسکو تو اس میں سے تھوڑا سا اُسے بھی دے دو۔ [مشکوٰۃ] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مبارک ہے اور اُن کے ساتھ بدخُلقی[8] برتنا بدبختی[9] ہے۔ [مشکوٰۃ] غرض ہر نوع[10] سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق پر رحم کی تاکید فرمائی، مختلف نوع سے اُن پر اکرام کی ترغیب[11] دی۔

(۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ [رواه البخاري كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی[12] کرنے والا نہیں ہے جو برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا ہو، صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسرے کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے۔

فائدہ: بالکل ظاہر اور بدیہی[13] بات ہے، جب آپ ہر بات میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ جیسا برتاؤ دوسرا

حل لغات: (۱) پابندی۔ (۲) آپس میں وعدہ کرنا۔ (۳) پوچھ تاچھ، سوال۔ (۴) یعنی نگرانی میں۔ (۵) یعنی مزاج نہ ملے۔ (۶) بیچنا۔ (۷) تکلیف۔ (۸) بُرے اخلاق سے پیش آنا۔ (۹) بدنصیبی۔ (۱۰) قِسم، طرح۔ (۱۱) شوق دلانا۔ (۱۲) رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا۔ (۱۳) وہ بات جس میں دلیل کی ضرورت نہ ہو، کُھلی، واضح

کرے گا ویسا ہی میں بھی کروں گا، تو آپ نے کیا صلہ رحمی کی؟ یہ بات تو ہر اجنبی کے ساتھ بھی ہوتی ہے کہ جب دوسرا شخص آپ پر احسان کرے گا تو آپ خود اس پر احسان کرنے میں مجبور ہیں۔ صلہ رحمی تو درحقیقت یہی ہے کہ اگر دوسرے کی طرف سے بے التفاتی[1]، بے نیازی[2]، قطع تعلق[3] ہو تو تم اس کے جوڑنے کی فکر میں رہو، اس کو مت دیکھو کہ وہ کیا برتاؤ کرتا ہے، اس کو ہر وقت سوچو کہ میرے ذمہ کیا حق ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہو، ایسا نہ ہو کہ اس کا کوئی حق اپنے ذمہ رہ جائے جس کا قیامت میں اپنے سے مطالبہ[4] ہو جائے اور اپنے حقوق کے پورا ہونے کا واہمہ[5] بھی دل میں نہ لو؛ بلکہ اگر وہ پورے نہیں ہوتے تو اور بھی زیادہ مسرور[6] ہو کہ دوسرے عالم میں جو اجر و ثواب اس کا ملے گا، وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا، جو یہاں دوسرے کے ادا کرنے سے وصول ہوتا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے رشتہ دار ہیں، میں اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں وہ قطع رحمی[7] کرتے ہیں، میں اُن پر احسان کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں ہر معاملہ میں تحمل[8] سے کام لیتا ہوں وہ جہالت پر اُترے رہتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو تُو ان کے مُنہ میں خاک ڈال رہا ہے (یعنی خود ذلیل ہوں گے) اور تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد شاملِ[9] حال رہے گی، جب تک تُو اپنی اس عادت پر جما رہے گا۔ [مشکوٰۃ] اور جب تک اللہ جَلَّ شانُہٗ کی مدد کسی کے شاملِ حال رہے، نہ کسی برائی سے نقصان پہونچ سکتا ہے، نہ کسی کا قطع تعلق نفع پہونچنے سے مانع[10] ہو سکتا ہے۔

تو نہ چھوٹے مجھ سے یا رب تیرا چھٹنا ہے غضب | یُوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کسی کا مددگار ہو جائے، تو اس کو کب کسی دوسرے کی کسی مدد کی احتیاج[11] باقی رہ سکتی ہے، پھر ساری دنیا اس کی مجبوراً مُعین[12] ہے اور ساری دنیا مل کر اُس کو کوئی نقصان پہونچانا چاہے تو نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے میرے رب نے نَو $\frac{9}{}$ باتوں کا حکم فرمایا ہے: (۱) حق تعالیٰ شانُہٗ کا خوف ظاہر میں اور باطن میں بھی (یعنی دل سے اور ظاہر سے یا خَلوَت[13] میں اور جَلوَت[14] میں) (۲) انصاف کی بات خوشی میں بھی، غصہ میں بھی (آدمی جب کسی سے خوش ہوا کرتا ہے تو عُیُوب[15] چھپا کر تعریفوں کے پُل[16] باندھا کرتا ہے، جب خفا[17] ہوتا ہے تو جھوٹے الزام[18] تراشا کرتا ہے) مجھے حکم ہے کہ ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں (۳) میانہ[19] روی

حل لغات: (۱) بے توجہی۔ (۲) بے فکری۔ (۳) تعلق اور رشتہ داری توڑنا۔ (۴) پوچھ تاچھ۔ (۵) وہم، خیال۔ (۶) خوش ہونا۔ (۷) رشتہ توڑنا۔ (۸) برداشت۔ (۹) ساتھ۔ (۱۰) رکاوٹ۔ (۱۱) ضرورت۔ (۱۲) مددگار۔ (۱۳) تنہائی۔ (۱۴) مجمع، سب کے سامنے۔ (۱۵) عیب کی جمع۔ (۱۶) بہت زیادہ تعریف کرنا۔ (۱۷) ناراض۔ (۱۸) عیب لگانا۔ (۱۹) یعنی درمیانہ خرچ، نہ کمی نہ زیادتی۔

فَقْر کی حالت میں بھی اور وُسعَت[۱] کی حالت میں بھی (نہ تنگی میں کنجوسی کروں، نہ وُسعَت میں اسراف[۲] کروں، یا نہ فقر میں جزع[۳] فزع کروں، نہ غنا[۴] میں عُجب[۵] اور فخر کروں) (۴) نیز یہ کہ جو شخص مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس کے ساتھ بھی تعلقات وَابَستہ[۶] کروں (۵) اور جو شخص مجھے اپنی عطا سے محروم کرے میں اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں (۶) جو شخص مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کردوں انتقام[۷] لینے کی فکر میں نہ پڑوں (۷) یہ میرا سکوت[۸] (آخرت کا) یا اللہ تعالیٰ کی آیات کا فکر ہو (۸) میری گویائی[۹] اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو (تسبیح وغیرہ یا اللہ کے احکام کا بیان) (۹) میری نظر عبرت ہو (یعنی جس چیز کو دیکھوں عبرت کی نگاہ سے دیکھوں) (۱۰) اور میں نیک کام کا حکم کرتا ہوں۔ شروع میں نو چیزیں فرمائی تھیں تفصیل میں دس ہو گئیں، مگر یہ دسویں چیز سابقہ نو چیزوں کا اجمال[۱۰] بھی ہو سکتا ہے اور نمبر ۷، ۸ دو مقابل ہونے کی وجہ سے ایک بھی شُمار[۱۱] ہو سکتے ہیں؛ جیسا کہ شروع میں ظاہر، باطن ایک شمار ہوئے، خوشی اور غُصّہ ایک شمار ہوئے۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ افضل ترین صدقہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاشح رشتہ دار کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا۔ [ترغیب]

''کاشح'' اس شخص کو کہتے ہیں جو دل میں کسی سے بُغض[۱۲] وکینہ رکھے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ قیامت میں اس کو بلند مکانات ملیں، اس کو اونچے درجے ملیں، اس کو چاہیے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس سے دَرگُذَر[۱۳] کرے، جو اس کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس پر احسان کرے اور جو اس سے تعلقات توڑے اس سے تعلقات جوڑے۔ [درمنثور]

ایک حدیث میں ہے کہ جب آیتِ شریفہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [سورۂ اعراف: ۱۹۹] ''معافی کو اختیار کرو، نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو'' نازل ہوئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کی تفسیر دریافت فرمائی، تو انہوں نے عرض کیا کہ جاننے والے (تعالیٰ شانُہٗ) سے دریافت کر کے عرض کروں گا، وہ واپس تشریف لے گئے اور پھر آ کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اس کو معاف کریں اور جو آپ کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا فرمائیں اور جو آپ سے تعلقات توڑے اس سے تعلقات جوڑیں۔ ایک اور حدیث میں اس واقعہ کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تم کو دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد

حل لغات: (۱) مال کی زیادتی۔ (۲) فضول خرچی۔ (۳) تکلیف سے چیخ وپکار۔ (۴) مالداری۔ (۵) خود کو اچھا سمجھنا۔ (۶) جوڑنا۔ (۷) بدلہ۔ (۸) خاموش رہنا۔ (۹) بات کرنا۔ (۱۰) مختصر ذکر کرنا۔ (۱۱) گننا۔ (۱۲) دل میں دشمنی رکھنا۔ (۱۳) معاف کرنا۔

صدقات

فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کرو، جو تمہیں اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا کرو، جو تم سے تعلقات توڑے اس سے صِلہ[1] رحمی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اوّلین[2] اور آخرین[3] کے بہترین اخلاق بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو تمہیں اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا کرو، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کرو اور جو تم سے قرابت[4] کے تعلقات توڑے اس کے ساتھ تعلّقات جوڑو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق بتاؤں، پھر یہی تین چیزیں ارشاد فرمائیں۔ اور بھی متعدد[5] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی خالص ایمان تک اس وقت تک نہیں پہونچ سکتا جب تک یہ کام نہ کرے کہ اپنے سے تعلق توڑنے والوں کے ساتھ تعلّقات جوڑا کرے، اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کیا کرے، اپنے کو گالیاں دینے والے کو بخش دیا کرے اور جو اپنے ساتھ برائی کرے، اس کے ساتھ بھلائی کرے۔ [درمنثور]

⑩ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَامِنْ ذَنْبٍ أَحْرٰى أَنْ يُّعَجِّلَ اللهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَايَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ۔ [رواه الترمذي وأبوداؤد وكذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نہیں ہے کوئی گناہ جو زیادہ مستحق اس بات کا ہو کہ اس کا وبال آخرت میں ذخیرہ رہنے کے باوجود، دنیا میں اس کی سزا بہت جلد نہ بھگتنی پڑے، ان دو کے علاوہ: ایک ظلم، دوسرا قطع رحمی[6]۔

فائدہ: یعنی یہ دو گناہ ظلم اور قطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہوگا وہ ہوگا ہی، آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اُن کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر گناہ کی جب چاہے مغفرت فرما دیتے ہیں، مگر والدین کی قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے پہلے دے دیتے ہیں۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں ہے کہ ہر گناہ کی سزا اللہ جلّ شانہٗ آخرت پر مؤخّر[7] فرما دیتے ہیں؛ لیکن والدین کی نافرمانی کی سزا کو بہت جلد دنیا میں دے دیتے ہیں۔ [جامع صغیر] بہت سی احادیث میں یہ بھی مضمون ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن رحم (قرابت) کو زبان عطا فرما دیں گے، وہ عرشِ معلّٰی[8] کو پکڑ کر

حل لغات: ① رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ② پہلے زمانے کے لوگ۔ ③ بعد کے زمانے کے لوگ۔ ④ رشتہ داری۔ ⑤ کئی، بہت سے۔ ⑥ رشتہ توڑنا۔ ⑦ ٹالنا، یعنی رکھ چھوڑنا۔ ⑧ سب سے اونچا عرش یعنی اللہ تعالیٰ کا تخت۔

صلہ رحمی

درخواست کرتا رہے گا کہ یا اللہ! جس نے مجھے ملایا تو اس کو ملا اور جس نے مجھے قطع کیا تُو اس کو قطع کر۔ بہت سی احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ رحم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالا گیا ہے، جو اس کو ملائے گا رحمٰن اس کو ملائے گا، جو اس کو قطع کرے گا رحمٰن اس کو قطع کرے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہر پنج شنبہ[۱] کو اللہ جَلَّ شانہٗ کے یہاں اعمال پیش ہوتے ہیں، قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ [درمنثور]

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطع رحمی اس قدر بدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دور کر دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہر شخص اس سے بہت جلد توبہ کرے اور صِلہ رحمی کا اہتمام کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں جس کا بدلہ بہت جلد ملتا ہو اور قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا وبال[۲] آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں جلدی نہ مل جاتا ہو۔ [تنبیہ الغافلین] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع[۳] میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے: میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو تو وہ چلا جائے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایک دعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ [ترغیب] یعنی اس کی دعا آسمان پر نہیں جاتی، اس سے پہلے ہی دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ ہماری دعا ہو گی تو وہ دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے رہ جائے گی۔ ان کے علاوہ بہت سی روایات سے یہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور دنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت[۴] دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والا دنیا میں بھی ایسے مصائب[۵] میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے اور اپنی حماقت[۶] اور جہالت سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ اتنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اس کی تلافی[۷] نہ کرے، اس کا بدل نہ کرے، اتنے اس آفت اور اس عذاب سے جس میں مبتلا ہے خلاصی[۸] نہ ہو گی، چاہے لاکھ تدبیریں کر لے اور اگر کسی دنیوی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بددینی میں خدا نہ کرے مبتلا ہو جائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کر لے، حق تعالیٰ شانہٗ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔

حل لغات: ① جمعرات۔ ② عذاب۔ ③ مجلس۔ ④ گواہی۔ ⑤ مصیبت کی جمع۔ ⑥ بے وقوفی۔ ⑦ بھرپائی۔ ⑧ چھٹکارا۔

صلہ رحمی

چوتھی فصل: زکوٰۃ کی تاکید اور فضائل میں

زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ارکان میں سے اہم ترین رکن ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں مشہور قول کے موافق بیاسی[82] جگہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم فرمایا اور جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا حکم ہے، وہ ان کے علاوہ ہیں، حضور اقدس ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) کلمہ طیبہ کا اقرار۔ (۲) نماز۔ (۳) زکوٰۃ۔ (۴) روزہ۔ (۵) حج۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) اس کو نماز کے ساتھ جمع کیا ہے، پس ان دونوں میں فرق نہ کرو۔ [کنز]

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی چیز کا انکار کرنے والا کافر ہے، یہی پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد[1] ہیں، یہی اَہَمُّ العِبادات[2] ہیں، یہی وہ چیزیں ہیں جن پر اسلام کا گویا مدار[3] ہے؛ لیکن اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا خلاصہ[4] کیا ہے؟ اقرارِ عبدیت[5] کے بعد صرف دو حاضریاں ہیں: آقا کے دربار کی، محبوب کی بارگاہ کی، پہلی حاضری روحانی ہے، جو نماز کے ذریعہ سے ہے، اسی لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے؛ اسی لیے اس کو "معراج المؤمنین" کہا جاتا ہے، یہ حاضری اپنی ہر وقت کی حاجات[6] اور ضرورتیں مالک کے حُضُور[7] میں پیش کرنے کا وقت ہے، اسی لیے بار بار حاضری کی ضرورت پیش آتی ہے کہ آدمی کی ضرورتیں ہر وقت پیش آتی رہتی ہیں، اسی وجہ سے احادیث میں کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اور سارے انبیاء کرام علیہم السلام کو جب کوئی حاجت پیش آتی نماز کی طرف رُجُوع[8] کرتے، اس حاضری میں بندہ کی طرف سے حمد وثناء کے بعد اعانت[9] کی درخواست ہے اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے اجابت[10] کا وعدہ ہے، جیسا کہ احادیث میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں اس کی تصریح[11] ہے؛ اسی لیے جب نماز کے لیے پکارا جاتا ہے، تو "نماز کے لیے آؤ" کے ساتھ ہی اعلان کیا جاتا ہے کہ "فلاح[12] کے لیے آؤ"، یعنی دونوں جہان کی کامیابی کے لیے آؤ، اس کی تائید[13] میں کثرت سے احادیث کا ذخیرہ موجود ہے اور نماز پر چونکہ دونوں جہان کی فلاح اور کامیابی ہی مولیٰ اور آقا کے دربار سے ملتی ہے، دین اور دنیا دونوں ہی عطا ہوتی ہیں، اس لیے زکوٰۃ گویا اس کا تکملہ[14] اور تتمّہ[15] ہے کہ ہمارے دربار سے جو عطا ہو، اس میں سے نہایت[16] قلیل[17] مقدار ڈھائی روپے سینکڑہ[18] ہمارے

حل لغات: (۱) سب سے زیادہ اہم۔ (۲) عبادتوں میں سب سے اہم اور ضروری۔ (۳) بنیاد۔ (۴) نچوڑ، حاصل۔ (۵) بندگی کا اقرار۔ (۶) حاجت کی جمع، ضرورت۔ (۷) دربار۔ (۸) متوجہ ہونا۔ (۹) مدد۔ (۱۰) قبولیت۔ (۱۱) تفصیل، وضاحت۔ (۱۲) کامیابی۔ (۱۳) قوت پہنچانا، مضبوط کرنا۔ (۱۴) جو کسی چیز کو مکمل کرے۔ (۱۵) کسی چیز کا بقیہ حصہ۔ (۱۶) انتہائی، بہت۔ (۱۷) تھوڑا۔ (۱۸) سو۔

زکوٰۃ

نام[1] لیوا فقیروں کو بھی دے دیا کرو، یہ گویا شکرانہ ہے دربار کی عطا کا، جو عقلی بھی ہے فطری بھی ہے اور مُعتاد[2] بھی ہے کہ دربار کی عطاؤں میں سے دربار کے نوکروں کو بھی دیا ہی جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کثرت سے جہاں جہاں نماز کا حکم آتا ہے، اس کے ساتھ ہی اس کے بعد اکثر زکوٰۃ کا حکم ہوتا ہے کہ نماز کے ذریعہ ہم سے مانگو اور لو، پھر جو ملے اس میں سے تھوڑا سا ہمارے نام لیواؤں کو دیتے جاؤ، پھر لُطف[3] پر لطف یہ ہے کہ اس قلیل مقدار کی ادائیگی پر مستقل اجر ہے، مُستقل[4] ثواب ہے اور انعاماتِ[5] کثیرہ کا وعدہ ہے۔

دوسری حاضری جسمانی محبوب کے گھر کی ہے جس کو ''حج'' کہتے ہیں، اس میں چونکہ فی الجملہ مشقت ہے، جانی بھی مالی بھی، اس لیے استطاعت[6] پر عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کی حاضری ضروری قرار دی اور وہاں کی حاضری کے لیے اپنے آپ کو گندگیوں سے پاک کرنے کے لیے چند یوم[7] کا روزہ ضروری قرار دیا گیا کہ ساری گندگیوں کی جڑ پیٹ اور شرمگاہ ہے، ان کی چند یوم اہتمام سے حفاظت کی جائے، تاکہ وہاں کی حاضری کی قابلیّت[8] پیدا ہوجائے، اسی لیے روزہ کا مہینہ ختم ہوتے ہی حج کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے، اسی مَصٰلِحْ سے غالباً فقہاءِ کرام اسی ترتیب سے ان عبادات کو اپنی کتابوں میں ذکر فرماتے ہیں، اس کے علاوہ روزہ میں دوسری مَصَالح[9] کا ملحوظ[10] ہونا اس کے منافی[11] نہیں، مال خرچ نہ کرنے پر آیات میں جو وعید[12] یں آئی ہیں، جن میں سے بعض دوسری فصل میں گزر چکی ہیں، وہ اکثر علماء کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ کرنے ہی پر نازل ہوئی، ان سب آیات یا احادیث کا ذکر کرنا تو ظاہر ہے کہ دشوار[13] ہے، نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث اس بارہ میں ذکر کی جاتی ہیں، مسلمان کے لیے تو ایک آیت یا حضور اقدس ﷺ کا ایک ارشاد بھی کافی ہے۔ اور جو محض نام کا مسلمان ہے اس کے لیے تمام قرآن پاک اور احادیث کا سارا دفتر بھی بیکار ہے، فرماں بردار کے لیے تو اُس کا ایک مرتبہ معلوم ہوجانا بھی کافی ہے کہ آقا کا یہ حکم ہے اور نافرمان کے لیے ہزار تنبیہیں بھی بیکار ہیں، اتنے عذاب کا جُوتا[14] نہ پڑے اتنے کب سمجھ میں آسکتا؟۔

آیات

(۱) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ [سورۂ بقرہ:۴۳]	ترجمہ: اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ یا رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

حل لغات: (۱) نام لینے والے۔ (۲) عادت کے مطابق۔ (۳) مہربانی۔ (۴) علیحدہ، الگ۔ (۵) بہت سارے انعام۔ (۶) قدرت، حیثیت۔ (۷) دن۔ (۸) صلاحیت۔ (۹) مصلحت کی جمع۔ (۱۰) لحاظ رکھا جانا، خیال رکھا جانا۔ (۱۱) خلاف۔ (۱۲) وعید کی جمع، سزا کی دھمکی۔ (۱۳) مشکل۔ (۱۴) بڑا جوتا۔

زکوٰۃ

فائدہ: حضرت مولانا تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں: فروع اسلامیہ[1] میں اعمال دو قسم کے ہیں: اعمالِ ظاہری[2] اور اعمالِ باطنی[3]، پھر اعمالِ ظاہری دو قسم کے ہیں، عبادتِ بدنی اور عبادتِ مالی، تو یہ تین کُلّیات[4] ہوئیں، ان تینوں کلّیات میں سے ایک ایک جُزئی[5] کو ذکر کر دیا، نماز عبادتِ بدنی ہے اور زکوٰۃ عبادتِ مالی ہے اور خشوع خضوع عبادتِ باطنی[6] ہے، چونکہ تواضعِ باطنی[7] میں اہلِ تواضع[8] کی معیّت[9] کو بڑا دخل ہے اور تاثیرِ عظیم[10] ہے، اس لیے مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کا لفظ بڑھانا نہایت بَرمحل[11] ہوا۔ [بیان القرآن]

اس قول کے مُوافق رکوع سے خشوع وخضوع مراد ہے اور بڑے لطیف[12] امور آیتِ شریفہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ ساری عبادات میں اہمُّ العبادات[13] نماز ہے، اسی لیے اس کو سب سے مقدّم[14] کیا۔ (۲) دوسرے درجہ میں زکوٰۃ ہے اسی لیے اس کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ (۳) زکوٰۃ اس عطا کا شکرانہ ہے، جیسا کہ ابھی مفصّل[15] گزرا۔ (۴) یہ کہ عبادات میں بدنی عبادات مالی عبادات پر مقدّم ہیں، اس لیے بدنی عبادات کو اوّل اور مالی کو دوسرے نمبر پر ذکر فرمایا۔ (۵) یہ کہ عبادات میں ان کو ظاہری صورت باطنی حقیقت پر مُقدّم ہے، اسی لیے خشوع خضوع کو تیسرے نمبر پر ذکر فرمایا۔ (۶) یہ کہ خشوع خضوع پیدا کرنے میں اس جماعت کے ساتھ شرکت کو بڑا دخل ہے، اسی وجہ سے مشائخ[16] خانقاہوں کے قیام کو اہمیت دیتے ہیں کہ ان حضرات کی خدمت میں رہنے سے یہ صفت جلدی پیدا ہوتی ہے۔ (۷) تینوں قسم کی عبادات میں مسلمانوں کے عمومی[17] افراد کے عمل کو بہت اہمیت ہے، اسی لیے سب جگہ جمع کے صیغے ارشاد ہوئے، غور سے اور بھی لطائف[18] پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رکوع سے مراد نماز کا رکوع ہے، ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تفسیرِ عزیزی میں جو لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ: نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ، یعنی جماعت سے نماز ادا کرو۔ اس لفظ میں گویا جماعت کی تاکید ہے اور جماعت کی نماز اِسی مذہب کا خاصّہ[19] ہے اور دینوں میں نہیں ہے۔ اور اس کو رکوع کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہود کا اوپر سے بیان ہو رہا ہے اور ان کی نماز میں رکوع نہیں ہوتا، پس گویا اشارہ ہے اس طرف کہ نماز مسلمانوں کی طرح پڑھو۔ [تفسیر عزیزی] نماز کے ذیل میں جماعت کو بہت خصوصی دخل ہے، جیسا کہ رسالہ فضائلِ نماز میں اس کا بیان تفصیل سے گزر چکا ہے، حتیٰ کہ فقہاء

حل لغات: (۱) اسلام کے وہ مسائل جو عمل سے متعلق ہیں۔ (۲) وہ اعمال جن کا تعلق بدن کے ظاہری اعضا سے ہو۔ (۳) وہ اعمال جن کا تعلق اندرون یعنی دل سے ہو۔ (۴) مجموعہ، پوری اور مکمل چیز۔ (۵) ٹکڑا، حصہ۔ (۶) دل کی عبادت۔ (۷) دل کی عاجزی۔ (۸) عاجزی والے، مراد اللہ والے۔ (۹) ساتھ، صحبت۔ (۱۰) بہت زیادہ اثر کرنے والی۔ (۱۱) درست۔ (۱۲) باریک، یعنی نکتے والی بات۔ (۱۳) عبادتوں میں سب سے اہم عبادت۔ (۱۴) پہلے، آگے۔ (۱۵) تفصیل سے۔ (۱۶) اللہ والے۔ (۱۷) عام لوگ۔ (۱۸) لطیف کی جمع، نکتے والی بات۔ (۱۹) خاصیت۔

زکوٰۃ

نے بغیر جماعت کی نماز کو ناقص[1] ادا بتایا ہے۔

② وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ۗ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ [سورۂ اعراف:۱۵۶]	ترجمہ: ’’اور میری رحمت (ایسی عام ہے کہ) تمام چیزوں کو محیط[2] ہے، پس اس کو ان لوگوں کے لیے (کامل طور پر خاص طور سے) لکھوں گا، جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں‘‘۔

فائدہ: حضرت حسن اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رحمت دنیا میں ہر شخص کو شامل ہے، نیک ہو یا بد ہو، لیکن آخرت میں خاص طور سے متقی[3] لوگوں ہی کے لیے ہے۔ ایک اعرابی[4] مسجد میں آئے اور نماز پڑھ کر انہوں نے دعا کی: یا اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما اور ہمارے ساتھ رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا کرتے ہوئے سن لیا، تو فرمایا کہ تم نے اللہ کی وسیع[5] رحمت کو تنگ کیا، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے رحمت کے سو حصے فرما کر ایک حصہ دنیا میں اتارا، جس کو ساری دنیا میں تقسیم فرما دیا، اسی کی وجہ سے مخلوق ساری کی ساری جنات ہوں یا انسان یا چوپائے[6]، ایک دوسرے پر (آل اولاد پر، اپنے پر، بیگانے[7] پر) رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں، جن میں سے ایک کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے، اسی کی وجہ سے جانور اپنی اولاد پر رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصہ قیامت کے دن کے لیے مؤخر[8] کر دیے، اور بھی متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے۔ [درمنثور] کس قدر مَسرّت کی بات ہے، کس قدر لُطف کی چیز ہے کہ مائیں اپنی اولاد پر جتنی شفقت[9] کرتی ہیں کہ اس کی ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جاتی ہیں، باپ اپنی اولاد کو کسی مصیبت میں دیکھتے ہیں پریشان ہو جاتے ہیں، عزیز[10] و اقربا میاں بیوی اپنے اور اجنبی کسی پر مصیبت دیکھ کر تلملانے[11] لگتے ہیں، یہ ساری چیزیں اس رحمت ہی کا تو اَثر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قلوب میں رکھی ہے، ساری دنیا کی ساری رحمتیں ملا کر ایک بٹہ سو حصہ ہے اس رحمت کا جس کے ننانوے حصے اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے لیے اختیار فرمائے، اتنے بڑے رحیم، اتنے بڑے شفیق کے احکام کی پرواہ نہ کرنا کس قدر بے غیرتی ہے، کس قدر ظلم ہے۔ کوئی ماں اپنے لڑکے پر انتہائی کرم کرتی ہو اور پھر وہ لڑکا اس کے کہنے کی پرواہ نہ کرے تو ماں کو کس قدر رنج[12] ہو، حالانکہ ماں کا لُطف و کرم اللہ کے لطف و کرم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، اسی سے حق تعالیٰ شانُہٗ کے احکام کی پرواہ نہ

حل لغات: ① ادھورا۔ ② گھیرے ہوئے۔ ③ پرہیز گار۔ ④ دیہاتی۔ ⑤ کشادہ۔ ⑥ جانور۔ ⑦ غیر، اجنبی۔ ⑧ پیچھے کرنا، یعنی جمع کرنا۔ ⑨ مہربانی۔ ⑩ رشتہ دار اور دوست وغیرہ۔ ⑪ بے چین ہونا۔ ⑫ افسوس، غم۔

کرنے کا اندازہ کرلیا جائے۔

③ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۞ [سورۂ روم:۳۹]	ترجمہ: اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ سود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے، یہ تو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ اور جو کچھ زکوٰۃ (وغیرہ) دو گے جس سے کہ اللہ کی رضا مقصود ہو، تو ایسے لوگ اپنے دیے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہتے ہیں۔

فائدہ: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بڑھوتری کی غرض سے مال دینے میں وہ سب مال داخل ہیں جو اس نیت سے دیے جائیں کہ اس سے افضل ملے، یعنی چاہے دنیا میں اس سے افضل ملنے کی، زیادہ ملنے کی اُمید پر خرچ کرے یا آخرت میں زیادہ ملنے کی اُمید پر خرچ کرے، وہ سب بڑھوتری کی امید میں داخل ہے؛ اسی لیے رِبا اور زکوٰۃ کو ساتھ ذکر کیا۔ ایک اور حدیث میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ اس سے ہدایا[۲] مراد ہیں۔ [درمنثور]

یعنی جو ہدیہ وغیرہ کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ وہ اس کے بدلہ میں اس سے بڑھ کر دے گا، مثلاً کسی کی دعوت اس غرض سے کی جائے کہ پھر وہ نذرانہ[۳] دے گا، جو اس سے زیادہ ہوگا جتنا دعوت میں خرچ کیا گیا، اسی میں نوتہ[۴] وغیرہ بھی داخل ہے کہ یہ سب کے سب بڑھوتری کی نیت سے خرچ کیے جاتے ہیں، ان سب کا ایک ہی ضابطہ[۵] ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اِضافہ[۶] اسی چیز کا ہوتا ہے جو اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔ حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہدیہ اس نیت سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ دنیا میں ملے، اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جب آخرت کی نیّت سے دیا ہی نہیں تو وہاں کیوں ملے۔ حضرت کَعب قُرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو اس نیّت سے دے کہ وہ بدلہ میں اس سے زیادہ دے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اضافہ کا سبب نہیں۔ اور جو شخص محض[۷] اللہ کے واسطے دے کہ جس شخص کو دیا ہے اس سے کسی قسم کی مُکافات[۸] اور بدلہ کا امیدوار نہ ہو، یہی وہ مال ہے جو اللہ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے۔ [درمنثور] لہٰذا جو لوگ کسی کو زکوٰۃ وغیرہ کا مال دے کر اس کے امیدوار رہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ احسان مَند[۹] رہیں گے وہ اپنے ثواب میں اس بدنیتی[۱۰] سے خود کمی کر دیتے ہیں۔

سب سے پہلی فصل کی آیات میں چونتیس[۳۴] صفحہ ۶۹ پر گزرا ہے: ﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴾ [سورۂ دھر] ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں، نہ تو ہم اس کا تم

حل لغات: ① سود۔ ② ہدیہ کی جمع۔ ③ ہدیہ، تحفہ۔ ④ شادی بیاہ میں روپیہ پیسہ لینے کی رسم۔ ⑤ قانون۔ ⑥ زیادتی۔ ⑦ صرف۔ ⑧ بدلہ۔ ⑨ احسان ماننے والا۔ ⑩ بری نیت۔

سے بدلہ چاہتے ہیں، نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے زیادہ بدلہ چاہنے کی نیت سے خرچ کرنے کو حضور اقدس ﷺ کو تو خاص طور سے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ دوسری جگہ خصوصیت سے حضور ﷺ کو ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴾[سورۂ مدثر] ''اور آپ کسی کو اس غرض سے نہ دیں کہ اس کا زیادہ مُعاوَضہ چاہیں''۔ اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے لیے خرچ کرنے کا ثواب اور اس کی زیادتی دین اور دنیا میں، مُتعَدَّد[1] آیات اور روایات سے پہلی فصل میں گزر چکی ہے، اس لیے خرچ کرنے والوں کو بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کسی پر خرچ کرنے کی صورت میں ہرگز ان سے کسی قسم کے بدلہ یا شکریہ کا اُمیدوار نہ رہنا چاہیے، یہ دوسری بات ہے کہ لینے والے کا فرض ہے کہ وہ احسان مند ہو اور اس کا شکر ادا کرے؛ لیکن دینے والا اگر اس کی نیّت کرے گا تو وہ اللہ کے واسطے سے نکل کر دنیا کے واسطے میں داخل ہو جائے گا؛ بالخصوص زکوٰۃ میں تو اس کا واہمہ[2] بھی نہ ہونا چاہیے کہ اس میں وہ خود اپنا فرض ادا کر رہا ہے، اس میں کسی پر کیا احسان ہے؟ اسی لیے آیتِ شریفہ میں زکوٰۃ کو اللہ کی رضا کے لیے دینے کے ساتھ مُقیّد[3] کیا ہے۔

احادیث

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ، كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ. فَقَالَ عُمَرُ: أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ. فَانْطَلَقَ فَقَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى أَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ. فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرُضِ الزَّكٰوةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ، وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ. فَقَالَ: فَكَبَّرَ عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ لَهٗ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ؟	حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قرآن پاک میں آیتِ شریفہ ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت بہت شاق[4] ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مشکل کو میں حل کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرما کر حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور وہاں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آیت تو لوگوں پر بڑی شاق ہو رہی ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے تاکہ بقیہ مال کو عمدہ اور طیّب[5] بنا دے اور میراث تو آخر اسی وجہ سے فرض ہوئی کہ مال بعد میں باقی رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوشی میں اللہ اکبر فرمایا، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بہترین چیز خزانہ

حل لغات: ① کئی، بہت سے۔ ② توہم، خیال۔ ③ پابند، یعنی شرط لگانا۔ ④ مشکل، دشوار۔ ⑤ پاکیزہ۔

اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ، وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔	کے طور پر رکھنے کی بتاؤں، وہ عورت ہے جو نیک ہو کہ جب خاوند[1] اس کو دیکھے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے اور جب اس کو کوئی حکم کرے تو وہ اطاعت[2] کرے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو وہ عورت (خاوند کی متروکہ[3] چیزوں کی) حفاظت کرے (جس میں اپنی عِفّت[4] بھی داخل ہے)۔
[رواه أبو داؤد كذا في المشكوٰة]	

فائدہ: دوسری فصل کی آیات میں نمبر پانچ[5] صفحہ ۱۶۲ پر یہ آیتِ شریفہ اور اس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ اس آیتِ شریفہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ چاہے کیسی ہی ضرورت سے جمع کیا جائے وہ سخت عذاب کا سبب ہے، اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بڑا شاق گزرا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جان تھی اور ضرورتیں بسا اوقات[5] روپیہ وغیرہ رکھنے پر مجبور کرتی تھیں، اس لیے بڑی گرانی[6] ہو رہی تھی، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے حل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلّی فرما دی کہ زکوٰۃ اسی لیے فرض ہوئی کہ اس کے ادا کرنے کے بعد باقی مال طیّب ہو جائے۔ اور اس سے مال کے جمع رکھنے پر دلیل ہوگئی کہ زکوٰۃ تو جب ہی واجب ہوگی جب سال بھر مال موجود رہے، اگر مال کا رکھنا جائز نہ ہوتا تو زکوٰۃ کیوں واجب ہوتی؟ نیز اس سے زکوٰۃ کی کتنی بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کے ادا کرنے کا ثواب تو مُستقِل اور علیحدہ[7] رہا، اس کی وجہ سے باقی مال بھی پاک صاف اور طیّب بن جاتا ہے۔ خود قرآن پاک میں بھی اس طرف اشارہ ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾ الآية [سورۂ توبہ:۱۰۳] ''آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار[8] سے) پاک صاف کر دیں گے۔'' ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو کہ یہ تمہارے پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ [کنز]

ایک اور حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کیا کرو کہ وہ پاک کرنے والی ہے، اللہ تعالیٰ تم کو (اس کے ذریعہ سے) پاک کر دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ سے (گندگی سے یا اضاعت[9] سے) محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کرو اور بلاؤں[10] کے لیے دعاؤں کو تیار کرو۔ [کنز]

ایک اور حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنے مال کو محفوظ بناؤ، اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کرو اور بلاؤں کے زوال[11] کے لیے دعا اور عاجزی سے مدد چاہو۔ [کنز]

حل لغات: (۱) شوہر۔ (۲) حکم ماننا۔ (۳) چھوڑی ہوئی۔ (۴) عزت، پاک دامنی۔ (۵) اکثر وقت۔ (۶) بوجھ، دشواری۔ (۷) الگ۔ (۸) اثر کی جمع، نشان۔ (۹) برباد کرنا۔ (۱۰) بلاء کی جمع، آفت، مصیبت۔ (۱۱) ختم ہونا۔

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حدیثِ[1] بالا میں مال جمع رکھنے کے جواز[2] کی دوسری دلیل ارشاد فرمائی کہ میراث کا حکم تو اسی وجہ سے ہے کہ مال رکھنا جائز ہے، اگر مال کا رکھنا جائز نہ ہو تو پھر تقسیم میراث[3] کس چیز کی ہوگی؟ اس کے بعد حضور ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ جائز ہونا اَمرِ آخر[4] ہے؛ لیکن خزانوں میں رکھنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کو تو خرچ ہی کر دینا چاہیے، محفوظ رکھنے کی چیز نیک بیوی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس جگہ سوال فرمایا تھا، جس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ شریفہ ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ الاٰیۃ نازل ہوئی، تو ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ خزانہ کے طور پر کیا چیز حفاظت سے رکھنے کی ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: بہترین چیز وہ زبان ہے جو ذکر کرنے والی ہو، وہ دل ہے جو شکر گزار ہو؛ اور وہ نیک بیوی ہے جو دین کے کاموں میں مدد کرنے والی ہو۔ [درمنثور] ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے چاندی کا ناس[5] ہو کیسی بُری چیز ہے، تین مرتبہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا۔ اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ خزانہ کے طور پر قابلِ حفاظت کیا چیز بہتر ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: زبان ذکر کرنے والی، دل اللہ سے ڈرنے والا اور وہ نیک بیوی جو دین کے کاموں میں مُعین[6] و مددگار رہو۔ [تفسیر کبیر]

کیسی پاک اور جامع[7] تعلیم ہے حضور اقدس ﷺ کی، کہ مال رکھنے کا جواز بھی بتادیا اور جمع رکھنے کا پسندیدہ نہ ہونا بھی بتادیا، اور دنیا میں راحت کی ایسی زندگی جو آخرت میں کام دے وہ بھی بتادی کہ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل۔ اور دنیا کی لذّت کی وہ چیز بھی بتادی جو راحت سے زندگی گزرنے کا سبب ہو، اور وہ فتنے اس میں نہ ہوں جو مال میں ہیں، ہر قسم کی راحت اس سے مُیسّر[8] ہو اور وہ: بیوی ہے، بشرطیکہ نیک ہو، دیندار ہو، فرمانبردار ہو اور سمجھ دار ہو کہ خاوند کے مال و متاع[9] کی حفاظت کرنے والی ہو۔

(۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلزَّكٰوةُ قَنْطَرَةُ الْإِسْلَامِ۔ [رواه الطبراني في الأوسط والكبير كذا في الترغيب]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پُل ہے۔

فائدہ: جیسا کہ مضبوط پل ذریعہ اور سہولت[10] کا سبب ہوتا ہے کسی جگہ جانے کا، اسی طرح زکوٰۃ ذریعہ ہے اور راستہ ہے اسلام کی حقیقت تک سہولت سے پہونچنے کا، یا اللہ جلَّ شانُہٗ کے عالی[11] دربار تک

حل لغات: (۱) اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔ (۲) جائز ہونا۔ (۳) میت کے چھوڑے ہوئے مال کو وارثوں کے درمیان تقسیم کرنا۔ (۴) آخری درجہ۔ (۵) بُرا۔ (۶) مددگار۔ (۷) مکمل۔ (۸) حاصل۔ (۹) سامان۔ (۱۰) آسانی۔ (۱۱) اونچا۔

پہونچنے کا۔ عبد العزیز بن عمیر، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے فرماتے ہیں کہ نماز تجھے آدھے راستہ تک پہونچا دے گی اور روزہ بادشاہ کے دروازہ تک پہونچا دے گا اور صدقہ تجھے بادشاہ کے پاس پہونچا دے گا۔ [اتحاف]

پُل کے ساتھ ایک لطیف[1] مناسبت حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگ اور صوفی ہیں، کے کلام سے بھی معلوم ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں ان کو پانچ جگہ پایا: روزی کی برکت کو چاشت کی نماز میں پایا اور قبر کی روشنی تہجّد کی نماز میں ملی، مُنکر نکیر کے جواب کو تلاوتِ قرآن میں پایا اور پُل صِراط پر سہولت سے گزرنا روزہ اور صدقہ میں پایا اور عرش کا سایہ خلوت[2] میں پایا۔

[فضائل نماز]

③ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ أَدَّى الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهٖ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَدّٰى زَكٰوةَ مَالِهٖ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهٗ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو اس مال کی شر[3] اس سے جاتی رہتی ہے۔

[رواه الطبراني في الأوسط وابن خزيمة في صحيحه والحاكم مختصرا وقال صحيح على شرط مسلم كذا في الترغيب]

فائدہ: بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ جب تو مال کی زکوٰۃ ادا کر دے، تو تُو نے اس مال کے شر کو زائل[4] کر دیا۔ [کنز]

یعنی مال بہت سے شُرور[5] کا سبب ہوتا ہے؛ لیکن اس کی زکوٰۃ اگر اہتمام سے ادا ہوتی رہے، تو اس کے شر سے حفاظت رہتی ہے، آخرت کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ پھر اس مال پر عذاب نہیں ہوتا، دنیا کے اعتبار سے اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا مال کے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے، جیسا کہ اس سے اگلی حدیث میں آرہا ہے، اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ مال ضائع ہو جاتا ہے جیسا کہ آئندہ فصل کے نمبر ۶ چھ صفحہ ۲۹۰ پر آرہا ہے۔

④ عَنِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حَصِّنُوْا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ، وَدَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَاسْتَقْبِلُوْا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ بناؤ۔ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو۔ اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا، دعا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے استقبال کرو۔

[رواه أبوداؤد في المراسيل ورواه الطبراني والبيهقي وغيرهما عن جماعة من الصحابة مرفوعا متصلا والمرسل أشبه كذا في الترغيب]

حل لغات: ① عمدہ، باریک۔ ② تنہائی۔ ③ برائی۔ ④ ختم کرنا، دور کرنا۔ ⑤ شر کی جمع، برائی۔

زکوٰۃ

فائدہ: تَحْصِین کے معنی اپنے چاروں طرف قلعہ بنالینے کے ہیں، یعنی جیسا کہ آدمی قلعہ میں بیٹھ جانے سے ہر طرف سے محفوظ ہوجاتا ہے، ایسا ہی زکوٰۃ کا ادا کردینا اس مال کو ایسا محفوظ کردیتا ہے، جیسا کہ وہ مال قلعہ میں محفوظ ہوگیا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجدِ کعبہ میں حَطِیم[1] میں تشریف رکھتے تھے، کسی شخص نے تذکرہ کیا کہ فلاں آدمیوں کا بڑا نقصان ہوگیا، سمندر کی موج نے ان کے مال کو ضائع[2] کردیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنگل ہو یا سمندر، کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کیا کرو۔ اور اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کیا کرو اور بلاؤں[3] کے نُزُول[4] کو دعاؤں سے دور کیا کرو، دعا اُس بلا کو بھی زائل[5] کردیتی ہے جو نازل ہوگئی ہو اور اس بلا کو بھی روک دیتی ہے جو ابھی تک نازل نہ ہوئی ہو۔ جب اللہ جَلَّ شانُہٗ کسی قوم کا بَقا[6] چاہتے ہیں یا اُن کی بڑھوتری چاہتے ہیں، تو اس قوم میں گناہوں سے عِفّت[7] اور جوانمردی (یعنی جُود[8] و بخشش) عطا فرماتے ہیں اور جب کسی قوم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں خیانت پیدا کردیتے ہیں۔ [کنز]

⑤ رُوِيَ عَنْ عَلْقَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُمْ أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ تَمَامَ إِسْلَامِكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا زَكٰوةَ أَمْوَالِكُمْ۔ [رواه البزار كذا في الترغيب]	حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہماری جماعت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اسلام کی تکمیل[9] اس میں ہے کہ مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

فائدہ: اسلام کی تکمیل کا زکوٰۃ پر موقوف ہونا ظاہر ہے کہ جب زکوٰۃ اسلام کے پانچ مشہور ارکان: کلمہ طیّبہ کا اقرار، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ایک رکن ہے، تو جب تک ایک رکن بھی باقی رہے گا اسلام کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتادیجیے جو مجھے جنت میں داخل کردے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رَحمی[10] کرتے رہو۔ ایک اور حدیث میں ہے: ایک اَعرابی[11] نے سوال کیا کہ مجھے ایسا عمل بتادیجیے جس پر عمل کرکے جنت میں داخل ہوجاؤں، حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز کو اہتمام سے ادا کرتے رہو، فرض زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان کے روزے رکھتے رہو، ان صاحب

حل لغات: ① خانۂ کعبہ کے باہر بنی ہوئی دیوار۔ ② ختم، برباد۔ ③ بَلا کی جمع، آفت، مصیبت۔ ④ اترنا، نازل ہونا۔ ⑤ ختم کرنا۔ ⑥ باقی رکھنا۔ ⑦ پاک دامنی، عزت۔ ⑧ سخاوت یعنی نیک کاموں میں خوب خرچ کرنا۔ ⑨ مکمل، پورا ہونا۔ ⑩ رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا۔ ⑪ عرب کا دیہاتی۔

زکوٰۃ

نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس میں ذرا بھی کمی زیادتی نہ ہوگی، جب وہ چلے گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا کسی جنتی آدمی کو دیکھ کر دِل خوش ہو؛ وہ اِس شخص کو دیکھے۔ [ترغیب]

⑥ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلٰثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ، وَعَلِمَ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَعْطٰى زَكٰوةَ مَالِهٖ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ وَلَمْ يُعْطِ الْهَرِمَةَ وَلَا الدَّرِنَةَ وَلَا الْمَرِيْضَةَ وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيْمَةَ وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهٗ وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهٖ۔ [رواه أبو داؤد كذا في الترغيب]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تین کام کرلے اس کو ایمان کا مزہ آجائے: صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کی عبادت کرے اور اس کو اچھی طرح جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور زکوٰۃ کو ہر سال خوشدلی سے ادا کرے (بوجھ نہ سمجھے) اس میں (جانوروں کی زکوٰۃ میں) بوڑھا جانور یا خارشی[1] جانور یا مریض یا گھٹیا قسم کا جانور نہ دے، بلکہ متوسط[2] جانور دے، اللہ جَلَّ شانُہٗ زکوٰۃ میں تمہارے بہترین مال نہیں چاہتے؛ لیکن گھٹیا مال کا بھی حکم نہیں فرماتے۔

فائدہ: اس حدیث میں تذکرہ اگرچہ جانوروں کی زکوٰۃ کا ہے، لیکن ضابطہ[3] ہر زکوٰۃ کا یہی ہے کہ نہ تو بہترین مال واجب ہے، نہ گھٹیا مال جائز ہے؛ بلکہ درمیانی مال ادا کرنا اصل ہے، البتہ کوئی اپنی خوشی سے ثواب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عمدہ مال ادا کرے تو اس کی سعادت[4] ہے، اس کی خوش قسمتی ہے، اس سلسلہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال کو غور سے دیکھے، ان کے طرزِ[5] عمل کی تحقیقات کرے۔ دو واقعے نمونہ کے طور پر اس جگہ نقل کرتا ہوں: مسلم بن شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نافع بن علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے والد کو ہماری قوم کا چودھری بنادیا تھا، ایک مرتبہ انہوں نے میرے والد کو حکم دیا کہ ساری قوم کی زکوٰۃ جمع کرکے لے جائیں، میرے والد نے مجھے سب سے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے اور جمع کرنے کو بھیج دیا، میں ایک بڑے میاں کے پاس جن کا نام حضرت سعر رضی اللہ عنہ تھا، اُن کی زکوٰۃ لینے کے لیے گیا، اُنہوں نے مجھ سے پوچھا بھتیجے! کس طرح کا مال لوگے؟ میں نے کہا: اچھے سے اچھا لوں گا، حتیٰ کہ بکری کے تھن تک بھی دیکھوں گا کہ بڑے ہیں یا چھوٹے، یعنی ایک ایک چیز دیکھ کر ہر اعتبار سے عمدہ سے عمدہ مال چھانٹ کرلوں گا، انہوں نے فرمایا کہ پہلے میں تمہیں ایک حدیث سُنا دوں (تاکہ مسئلہ تم کو معلوم ہوجائے، اس کے بعد جیسا دل چاہے لے لینا) میں حضور ﷺ کے زمانہ میں اسی

حل لغات: ① کھجلی والا۔ ② درمیانی درجہ کا۔ ③ قانون۔ ④ نیک بختی، خوش قسمتی۔ ⑤ طریقہ۔

زکوٰۃ

جگہ رہتا تھا، میرے پاس حضور اقدس ﷺ کے پاس سے دو آدمی قاصد[1] بن کر آئے اور یہ کہا کہ ہمیں حضور ﷺ نے تمہاری زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا ہے، میں نے ان کو بکریاں دکھا کر دریافت[2] کیا کہ ان میں کیا چیز واجب ہے؟ انہوں نے شمار[3] کر کے بتایا کہ ایک بکری واجب ہے، میں نے ایک نہایت عمدہ بکری جو چربی اور دودھ سے لبریز[4] تھی نکالی کہ زکوٰۃ میں دوں، ان صاحبوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ بچہ والی بکری ہے، ہمیں ایسی بکری لینے کی حضور ﷺ کی طرف سے اجازت نہیں ہے، میں نے پوچھا کہ پھر کیسی لوگے؟ ان دونوں نے کہا کہ چھ مہینہ کا مینڈھا یا ایک سال کی بکری، میں نے ایک ششماہا[5] بچہ نکال کر ان کو دے دیا وہ لے گئے۔ [ابوداؤد] اس واقعہ میں حضرت سعر رضی اللہ عنہ کی خواہش ابتداءً[6] یہی تھی کہ تمام بکریوں میں جو بہتر سے بہتر ہو وہ ادا کی جائے، اور ابن نافع رضی اللہ عنہ کو غالباً یہ واقعہ اس لیے سنایا کہ ان کو مسئلہ معلوم ہو جائے اور اس کے بعد ان کا انداز تو اس واقعہ سے خود ہی معلوم ہو گیا کہ یہ زکوٰۃ میں اپنا بہترین مال دینا چاہتے ہیں۔

دوسرا واقعہ: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، میں ایک صاحب کے پاس گیا، جب انہوں نے اپنے اونٹ میرے سامنے کیے، تو میں نے دیکھا کہ ان میں ایک سال کی اونٹنی واجب ہے، میں نے اُن سے کہا کہ ایک سالہ اونٹنی دے دو، وہ کہنے لگے کہ ایک سالہ اونٹنی کس کام آئے گی؟ نہ تو وہ سواری کا کام دے سکتی ہے نہ دودھ کا، یہ کہنے کے بعد انہوں نے ایک نہایت عمدہ بہت موٹی تازی بڑی اونٹنی نکالی اور کہا کہ یہ لے جاؤ، میں نے کہا میں تو اس کو قبول نہیں کر سکتا، البتہ حضور اقدس ﷺ خود سفر ہی میں تشریف فرما ہیں اور تمہارے قریب ہی آج منزل[7] ہے، اگر تمہارا دل چاہے تو براہِ راست[8] حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر پیش کر دو، اگر حضور ﷺ نے اجازت دے دی تو میں لے لوں گا، وہ صاحب اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ چل دیے، جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے، تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے قاصد میرے پاس آئے تھے کہ میری زکوٰۃ لیں، اور خدا کی قسم! یہ سعادت مجھے اب سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی کہ حضور نے یا حضور کے قاصد نے کبھی مجھ سے مال طلب کیا ہو، میں نے آپ کے قاصد کے سامنے اپنے اُونٹ کر دیے، انہوں نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ان میں ایک سالہ اونٹنی واجب ہے، حضور! ایک سالہ اونٹنی نہ تو دودھ کا کام دے سکتی ہے، نہ سواری کا، اس لیے میں نے ایک بہتر سی اونٹنی اُن کی

حل لغات: (۱) پیغام لانے والا۔ (۲) پوچھنا۔ (۳) گِنتا۔ (۴) بھری ہوئی۔ (۵) چھ مہینے کا۔ (۶) پہلے۔ (۷) قیام، پڑاؤ۔ (۸) خود ہی۔ ؎ ابن نافع کی جگہ ابن شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہونا چاہیے

زکوٰۃ

خدمت میں پیش کی تھی، جو یہ میرے ساتھ حاضر ہے، انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لیے میں آپ کی خدمت میں لایا ہوں، یارسول اللہ! اس کو قبول فرما لیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتایا؛ اگر تم نفل کے طور پر زیادہ عمر کی عمدہ اونٹنی دیتے ہو، تو اللہ جَلَّ شانُہٗ تمہیں اس کا اجر[1] دے گا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اسی لیے ساتھ لایا ہوں اس کو قبول فرما لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لینے کی اجازت فرمادی۔ [ابوداؤد]

ان حضرات کے دلوں میں زکوٰۃ کا مال ادا کرنے کے یہ ولولے[2] تھے وہ اس پر فخر کرتے تھے، اس کو عزت سمجھتے تھے کہ اللہ کا اور اس کے رسول کا قاصد آج میرے پاس آیا اور میں اس قابل ہوا، وہ اس کو تاوان[3] اور بیگار[4] نہیں سمجھتے تھے، وہ اس کو اپنی ضرورت، اپنی غرض اور اپنا کام سمجھتے تھے، ہم لوگ عمدہ مال کو یہ سوچتے ہیں کہ اس کو رکھ لیں کہ اپنے کام آئے گا اور یہ حضرات اپنے کام آنا اسی کو سمجھتے تھے جو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پہلی فصل کی آیات کے ذیل میں نمبر گیارہ[11] صفحہ ۳۸ پر گزر چکا کہ جب قبیلہ بنی سُلَیم کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں رہنے کی درخواست کی، تو آپ نے اُن سے یہ فرمایا کہ اس شرط پر میرے پاس قیام کی اجازت ہے کہ جب میں کسی کو کوئی چیز دینے کو کہوں، تو جو چیز میرے مال میں سب سے عمدہ اور بہتر ہو اس کو چھانٹ کر دینا ہوگا۔ یہ مُفصّل[5] قصہ گزر چکا ہے اور آئندہ فصل کی احادیث میں نمبر چھ[6] صفحہ ۲۹۵ پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے کہ زکوٰۃ صدقات میں بالخصوص[6] زکوٰۃ میں خراب مال ہرگز نہ دینا چاہیے۔

⑦ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَدَّيْتَ الزَّكٰوةَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَاعَلَيْكَ، وَمَنْ جَمَعَ مَالًا حَرَامًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فِيْهِ أَجْرٌ وَكَانَ إِصْرُهٗ عَلَيْهِ۔ [رواه ابن حبان وابن خزيمة في صحيحيهما والحاكم وقال صحيح الإسناد كذا في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جب تُو مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو جو حق (واجب) تجھ پر تھا، وہ تو ادا ہو گیا (آگے نوافل کا صرف درجہ ہے) اور جو شخص حرام طریقہ (سُود رشوت وغیرہ) سے مال جمع کر کے صدقہ کرے، اس کو اس صدقہ کا کوئی ثواب نہیں ہے؛ بلکہ اس حرام کمائی کا وبال[7] اس پر ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں دو مضمون وارد ہوئے ہیں: ایک تو یہ کہ واجب کا درجہ زکوٰۃ کا ہے، اس

حل لغات: ① ثواب، بدلہ۔ ② جوش، جذبے۔ ③ جرمانہ۔ ④ ایسا کام جس پر اجرت نہ دی جائے۔ ⑤ تفصیل سے۔ ⑥ خاص طور پر۔ ⑦ عذاب۔ ـــ یہ مضمون حدیث نمبر دس[10] پر ملاحظہ فرمائیں۔

کے علاوہ جو درجات ہیں وہ صدقات اور نوافل کے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا کردے اس نے اس حق کو تو ادا کردیا جو اس پر واجب تھا، اس سے زیادہ جو ادا کرے وہ افضل ہے۔ [کنز]

حضرت ضِمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث جو بخاری شریف و مسلم شریف وغیرہ سب کتب میں بہت طریقوں سے ذکر کی گئی ہے، جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام اور اس کے ارکان کے متعلق سوالات کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو تفصیل سے بتایا، اس میں مِنجُملہ[1] دوسرے ارکان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا، حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی چیز مجھ پر واجب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، البتہ اگر نفل کے طور پر تم ادا کرو تو اختیار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے مکان فروخت کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی قیمت کو احتیاط سے اپنے گھر میں گڑھا کھود کر اس میں رکھ دینا، اس نے عرض کیا کہ اس طرح کنز[2] میں داخل نہ ہو جائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہوتا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ مجھے اس کی پروا نہیں کہ میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو، میں اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور اس میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں۔ [درمنثور]

اس نوع[3] کی بہت سی روایات کُتُب احادیث میں موجود ہیں، جن کی بنا پر جُمہور[4] علماء اور ائمۂ اربعہ[5] کا یہی مذہب ہے کہ مال میں بحیثیت مال کے زکوٰۃ کے علاوہ کسی دوسری چیز کا وُجوب[6] نہیں، البتہ دوسری حَیثیات[7] سے اگر وجوب ہو تو وہ امرِ آخَر[8] ہے، جیسا کہ بیوی کا اور چھوٹی اولاد کا نفقہ[9] ہے اور اسی طرح سے دوسرے نَفَقات[10] ہیں اور اسی طرح سے مُضطَر[11] کی ضرورت کا پورا کرنا ہے کہ جو شخص بھوک یا پیاس کی وجہ سے مر رہا ہے اس کو موت سے بچانا فرضِ کفایہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں، جیسا کہ نَخَعی، شَعْبی اور عطا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ امام شَعْبی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہے، اور قرآن پاک کی آیت ﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ﴾ تلاوت فرمائی، جو سب سے پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲ صفحہ ۲۳ پر گزر چکی ہے، یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ حُقوقِ[12] مُسلِم میں داخل ہے کہ مالداروں کے ذمّہ یہ ضروری ہے کہ جب وہ کسی ضرورت مند کو دیکھیں تو اس

حل لغات: (۱) ان تمام میں سے ایک۔ (۲) خزانہ۔ (۳) قسم، طرح۔ (۴) تمام۔ (۵) یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (۶) واجب ہونا، ضروری ہونا۔ (۷) حیثیت کی جمع: وجہ، سبب۔ (۸) دوسری بات۔ (۹) خرچ۔ (۱۰) نفقہ کی جمع یعنی خرچ وغیرہ۔ (۱۱) انتہائی ضرورت مند۔ (۱۲) حق کی جمع۔

زکوٰۃ

کی ضرورت کا ازالہ[1] کریں، لیکن جو چیز فقہ کے اعتبار سے صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اِضطرار[2] کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کا ازالہ فرضِ کفایہ[3] ہے؛ لیکن اس کا اِزالہ بطورِ قرض کے کیا جائے یا اِعانت[4] کے طور پر یہ فقہاء کے یہاں مُختَلف فِیہ[5] ہے۔ [اِحیاء]

مُضطَر کی اعانت اپنی جگہ پر مُستَقِل واجب ہے، جبکہ وہ بھوک سے یا پیاس سے یا کسی اور وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو؛ لیکن مالدار پر مالی حیثیت سے زکوٰۃ سے زیادہ واجب نہیں ہے، یہاں دو امر قابل لحاظ ہیں: اوّل اِفراط[6]: ہم لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب بھی کسی چیز کی طرف بڑھتے ہیں، تو ایسا زور سے دوڑتے ہیں کہ پھر حُدُود[7] کی ذرا بھی پروا نہیں رہتی، اس لیے اس کی رعایت ضروری ہے کہ کسی دوسرے شخص کا مال بغیر اس کی طیبِ[8] خاطر کے لینا جائز نہیں ہے، فُقَہاء[9] نے مُضطَر کے لیے دوسرے کا مال کھانے کی ضرور اجازت دی ہے؛ لیکن اس میں خود حَنَفِیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں کہ اس کو مُردار کا کھانا دوسرے کا مال کھانے پر مُقَدَّم[10] ہے، یا دوسرے کا مال مُردار کھانے پر مُقَدّم ہے، جیسا کہ کُتُبِ فقہ میں مذکور ہے؛ لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اس حالت پر پہونچ جائے کہ اس کو مردار کھانے کی اجازت ہو جائے، جب وہ دوسرے کا مال کھا سکتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۸۸] ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق[11] نہ کھاؤ اور اُن کو حُکاّم[12] کے یہاں اس غرض سے نہ لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا ایک حِصّہ بطریق گناہ کے کھا جاؤ اور تم اس کو جانتے ہو۔''

حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، کسی شخص کا مال اس کی طِیبِ خَاطِر بغیر لینا حلال نہیں ہے۔ [مشکوٰۃ، زیلعی] حضورِ اقدس ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت[13] زمین کسی کی ظلم سے لے لے گا، قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا وہ حصہ جو اس ایک بالشت کے مقابل ہے طوق[14] بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ] وفد ہوازن کا قِصّہ نہایت مشہور ہے کہ جب وہ شِکَسْت[15] کھانے کے بعد مسلمان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ غنیمت[16] میں جو قیدی اور مال ان کا لیا گیا ہے وہ ان کو واپس مل جائے، تو حضور ﷺ نے بعض مَصَالِح[17]

حل لغات: (۱) پورا کرنا۔ (۲) سخت مجبوری۔ (۳) ایسا فرض جو چند آدمیوں کے ادا کر لینے سے سب کے ذمے سے ختم ہو جائے۔ (۴) مدد۔ (۵) جس بات میں اختلاف ہو۔ (۶) حد سے آگے بڑھنا۔ (۷) حد کی جمع۔ (۸) خوش دلی، رضا مندی۔ (۹) شریعت کے مسائل جاننے والے۔ (۱۰) پہلے۔ (۱۱) غلط طریقے سے۔ (۱۲) حاکم کی جمع، حکومت کرنے والا۔ (۱۳) انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کے سرے کے درمیان کی چوڑائی کا فاصلہ۔ (۱۴) پھندا۔ (۱۵) ہار جانا۔ (۱۶) جنگ کے موقع پر کافروں سے لوٹا گیا مال۔ (۱۷) مصلحت کی جمع۔

زکوٰۃ

کی بنا پر یہ وعدہ فرمالیا کہ دونوں چیزیں تو واپس نہیں ہوسکتیں، ان میں سے ایک واپس ہوسکتی ہے، انہوں نے قیدیوں کے واپس مل جانے کی درخواست کی، تو حضور ﷺ نے سب مسلمانوں سے جن کا ان میں حق تھا یہ اعلان فرمایا کہ میں نے ان کے قیدیوں کو واپس کرنے کا وعدہ کرلیا ہے، تم میں سے جو شخص طِیبِ خاطر سے اپنا حصّہ مفت دے سکے وہ دے دے اور جو اس کو پسند نہ کرے ہم اُس کا بدل اس کو دے دیں گے، بھلا حضور ﷺ کے اِیماء[1] کے بعد صحابہ میں کون انکار کرنے والا تھا؟ مجمع نے عرض کیا ہم طِیبِ خاطر سے پیش کرتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجمع کے درمیان میں یہ صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکتا کہ کس کی خوشی سے اجازت ہے اور کس کی نہیں؛ اس لیے تمہارے چودھری تم سے علٰیحدہ علٰیحدہ بات کرکے تمہاری رضا کی مجھے اطلاع کریں۔ [بخاری]

دوسرے کے مال میں احتیاط کا یہ اُسوَہ[2] حضور ﷺ کا ہے۔ اور اس مضمون کی تائید میں احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے کہ جَبر[3] و اِکراہ سے بِلا رضامندی کسی دوسرے کا مال لینا ہرگز جائز نہیں ہے، علمائے حق نے اس میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ جو مجمع کی شرم میں کسی کارِ خیر[4] میں چندہ دیا جائے اس کو بھی پسند نہیں کیا، اس لیے ایک جانب تو اس میں اِفراط[5] سے بچنا ضروری ہے کہ جَبر و اِکراہ کسی دوسرے کا مال نہ لیا جائے، کسی وقتی تحریک[6] سے مرعوب[7] ہوکر ہرگز قول[8] و فعل[9] سے تحریر و تقریر سے جمہورِ اسلاف[10] کا خلاف نہ کرنا چاہیے، غریب پَروری[11] کا جذبہ بہت مبارک ہے، مگر اس میں حُدُود[12] سے تجاوُز ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ نبیِ کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ بدترین لوگوں میں سے ہے وہ شخص جو دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے۔ [مشکوٰۃ]

اس لیے اس میں ایک جانب اِفراط سے بچنا ضروری ہے اور دُوسری جانب اس میں تفریط سے بچنا بھی اہم اور نہایت ضروری ہے، یہ صحیح ہے کہ مال میں زکوٰۃ ہی واجب ہے، لیکن محض واجب کی ادائیگی پر کفایت[13] کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اب تک جو مضامین اور روایات رسالے میں گزر چکی ہیں وہ سب کی سب بَبَانگِ دُہل[14] اس کا اعلان کر رہی ہیں کہ اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے، جو اپنی زندگی میں دے دیا گیا اور اللہ کے یہاں جمع کردیا گیا، بعد میں نہ کوئی ماں باپ یاد رکھتا ہے، نہ بیوی یا اولاد پوچھتی ہے، سب چند روز کے فرضی[15] آنسو مفت کے بہا کر اپنے اپنے مشغلہ میں لگ جائیں گے، کسی کو مہینوں اور

حل لغات: (۱) اشارہ کرنا۔ (۲) طریقہ۔ (۳) زور وزبردستی۔ (۴) نیک کام۔ (۵) حد سے زیادہ آگے بڑھنا۔ (۶) تھوڑی دیر کی ترغیب۔ (۷) متاثر ہونا۔ (۸) بات۔ (۹) کام۔ (۱۰) تمام بزرگان دین۔ (۱۱) غریبوں کی مدد۔ (۱۲) حد کی جمع۔ (۱۳) کافی سمجھنا۔ (۱۴) کھلم کھلا، ڈنکے کی چوٹ بات کہنا۔ (۱۵) جھوٹے، نقلی۔

زکوٰۃ

برسوں بھی مرنے والے کا خیال نہیں آئے گا۔

اس سب سے قطعِ[1] نظر حدیثِ[2] بالا کے سلسلے میں ایک اور اہم اور کُلّی[3] بات بھی ذہن نشین[4] رکھنا چاہیے کہ دین کے متعلق ایک مُہمَل[5] اور بے ہودہ لفظ ہماری زبانوں پر ہوتا ہے: اجی ہم دنیا داروں سے فرائض ہی ادا ہو جائیں تو غنیمت ہے، نوافل تو بڑے لوگوں کا کام ہے، یہ شیطانی دھوکہ ہے نوافل اور تطوُّعات[6] فرائض ہی کی تکمیل[7] کے واسطے ہوتے ہیں، کون شخص یہ یقین کر سکتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے کسی فرض کو بھی پورا کا پورا ادا کر دیا، اور جب اس میں کوتاہی[8] رہتی ہی ہے تو اس کے پورا کرنے کے لیے نوافل ہوتے ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے ایسی حالت میں فارغ ہوتا ہے کہ اس کے لیے اس نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے۔ نواں حصہ، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ [ابوداؤد]

یہ مثال کے طور پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہم لوگ جیسی نماز پڑھتے ہیں اُس کا تو ہزاروں بلکہ لاکھواں حصہ بھی لکھ لیا جائے تو محض اُس کا لُطف[9] و کرم ہے، ورنہ وہ تو اپنی بد اعمالیوں اور بے اخلاصی کی وجہ سے ایسی ہوتی ہیں جیسا کہ دُوسری احادیث میں ہے: کہ ''بعض نمازیں پُرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر منہ پر ماردی جائیں گی کہ ان میں قبولیت کا کوئی درجہ بھی نہ ہوگا،'' ایسے احوال میں نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے فرائض کا کتنا حصہ لکھا گیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا مُحَاسَبَہ[10] ہوگا، اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد فرشتوں کو ہوگا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو کہ ناقص[11] ہے یا پوری ہے؟ اگر پوری ہوتی ہے تو وہ پوری لکھ لی جاتی ہے اور اگر ناقص ہوتی ہے تو جتنا نقصان ہوتا ہے وہ درج[12] ہو جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو اس کے پاس کچھ نوافل ہیں یا نہیں؟ اگر نوافل اس کے پاس ہوتے ہیں تو اُن سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر اسی طرح زکوٰۃ کا حساب کتاب ہوتا ہے، یعنی اوّل فرائض کا حساب ہوتا ہے، پھر نوافل سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، اس کے بعد پھر اسی طرح بقیہ اعمال کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ [ابوداؤد]

ایسی صورت میں اس گھمنڈ میں کسی شخص کو ہرگز نہ رہنا چاہیے کہ میں زکوٰۃ حساب کے موافق دیتا رہتا ہوں، نہ معلوم کتنی کوتاہیاں اُس میں ہو جاتی ہوں گی، ان کی تلافی[13] کے لیے زیادہ سے زیادہ مقدار صدقاتِ نافلہ کا ذخیرہ رہنا چاہیے، عدالت میں جب مقدمہ کے لیے آدمی جاتا ہے، ہمیشہ خرچ سے

حل لغات: (۱) اس کے علاوہ۔ (۲) اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔ (۳) اصولی۔ (۴) یاد رکھنا۔ (۵) بیکار۔ (۶) نفلی کام۔ (۷) پورا کرنا۔ (۸) کمی، نقص۔ (۹) مہربانی۔ (۱۰) حساب و کتاب۔ (۱۱) ادھوری۔ (۱۲) لکھنا۔ (۱۳) بھرپائی۔

زکوٰۃ

زیادہ روپیہ جیب میں ڈال کر جاتا ہے کہ نہ معلوم کیا خرچ پیش آجائے، وہ عدالت تو سب عدالتوں سے اُونچی ہے، جہاں نہ جھوٹ چلتا ہے، نہ زبان زوری[1]، نہ سفارش، ہاں اللہ کی رحمت ہر چیز سے بالاتر[2] ہے، وہ صاحبِ[3] حق ہے، بالکل ہی معاف کردے تو کسی کا کیا اِجارہ[4] ہے؟ لیکن یہ ضابطہ[5] کی چیز نہیں ہے اور مَراحمِ خُسرِوانہ[6] کی امید پر جرم نہیں کیے جاتے، اس لیے فرض کی مقدار کو بہت اہتمام سے اس کے شرائط اور آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کرتے رہنا چاہیے اور محض فرائض کی ادائیگی پر ہرگز ہرگز قناعت[7] نہ کرنا چاہیے، بلکہ اُن کی کوتاہی کے خوف سے تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ حصّہ نوافل کے ذخیرے کا اپنے پاس رہنا چاہیے۔ علامہ سُیُوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مِرْقَاۃُ الصُّعُود میں نقل کیا ہے کہ ستّر نوافل ایک فریضہ کی برابری کرتے ہیں، اس لیے فرض کو بہت اہتمام سے ادا کرنا چاہیے کہ اس کی تھوڑی سی کوتاہی سے نوافل کا بہت بڑا ذخیرہ اس میں وَضع[8] ہوجاتا ہے اور فرائض میں اہتمام کے باوجود احتیاط کے طور پر نوافل کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے نامۂ اعمال میں محفوظ رکھنا چاہیے۔

دوسرا مضمون حدیثِ بالا[9] میں یہ تھا کہ جو شخص حرام مال جمع کرکے اس میں سے صدقہ کرے اس کو صدقہ کا ثواب نہیں ہے، بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ حلال مال سے صدقہ قبول کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ غُلول کے مال کا صدقہ قبول نہیں کرتے۔ غُلول: مالِ غنیمت میں خَیانت کو کہتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ غُلول کا تذکرہ اس وجہ سے فرمایا کہ غنیمت کے مال میں سب کا حصّہ ہوتا ہے، تو جب ایسے مال کا صدقہ جس میں خود اپنا بھی حصّہ ہے، قبول نہیں ہوتا تو جس مال میں اپنا کوئی حصّہ نہ ہو اس میں سے صدقہ بطریقِ اولیٰ قبول نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص حرام مال کماتا ہے، وہ اگر خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا، پیچھے میراث کے طور پر چھوڑ جائے، تو گویا جہنم کا توشہ[10] چھوڑ گیا۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلال مال کماوے، اس کا زکوٰۃ ادا نہ کرنا اس مال کو خبیث بنادیتا ہے۔ اور جو شخص حرام مال کماوے اس کا زکوٰۃ ادا کرنا اس مال کو طیّب[11] نہیں بناتا۔ [درمنثور]

حل لغات: ① چکنی چپڑی باتیں کرنا۔ ② بلند، اونچی۔ ③ حق والا۔ ④ دعویٰ، اختیار۔ ⑤ قانون۔ ⑥ بادشاہ کی عنایت اور مہربانی۔ ⑦ تھوڑی چیز پر راضی اور خوش ہونا۔ ⑧ کاٹنا، کمی کرنا۔ ⑨ اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔ ⑩ سامان۔ ⑪ پاکیزہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پانچویں فصل: زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعید میں

قرآن پاک میں بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں، جن میں سے مُتَعَدَّد[1] آیات دوسری فصل میں یعنی مال خرچ نہ کرنے کی وعید میں گذر چکی ہیں، جن کے متعلق علماء نے تصریح[2] کی ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے میں ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنی وعیدیں گذری ہیں وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر، جب کہ زکوٰۃ بالاجماع[3] فرض ہے بطریقِ اَولیٰ[4] شامل ہوں گی، چنانچہ

(۱) ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ الآیۃ، جو دوسری فصل کی نمبر پانچ۵ صفحہ ۱۶۲ پر مع ترجمہ گزر چکی ہے، جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کے نزدیک زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں اور جو سخت عذاب اس آیتِ شریفہ میں ذکر کیا گیا وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے ہے، جیسا کہ اس کے ذیل میں بھی گزر چکا اور متعدد احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو عذاب اس آیتِ شریفہ میں ذکر کیا گیا کہ اس کے مال کو تپا کر اس شخص کی پیشانی کو اور پہلو وغیرہ کو اس سے داغ دیے جائیں گے، یہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب ہے، اللہ ہی اپنے فضل سے محفوظ رکھے کہ پکتے ہوئے دھات کا ذرا سا داغ[5] بھی سخت اَذِیَّت[6] پہونچانے والا ہوتا ہے، چہ جائیکہ جتنا زیادہ مال ہوا تنے ہی زیادہ داغ آدمی کو دیے جائیں گے، چند روزان سونے چاندی کے ٹھیکروں کو اپنے پاس رکھ کر کتنی سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(۲) ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ الآیۃ، یہ آیتِ شریفہ بھی مع ترجمہ کے دوسری فصل کے نمبر تین۳ صفحہ ۱۵۸ پر گزر چکی ہے اور اس کی تائید میں بخاری شریف کی حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی گزر چکا ہے کہ جس شخص کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو، وہ مال سانپ بن کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ سانپ جس گھر میں بھی نکل آتا ہے دہشت کی وجہ سے اندھیرے میں اس گھر میں بھی جانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کہیں لپٹ نہ جائے، لیکن اللہ کا پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے کہ یہی مال جس کو آج محفوظ خزانوں اور لوہے کی الماریوں میں رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر کل کو سانپ بن کر تمہیں لپٹا دیا جائے گا، گھر کے سانپ کا لپٹنا ضروری نہیں، محض احتمال ہے کہ شاید وہ لپٹ جائے اور اس

حل لغات: (۱) کئی، بہت سے۔ (۲) خوب کھول کر بیان کرنا۔ (۳) سب کے نزدیک۔ (۴) بہتر طریقہ پر اور زیادہ۔ (۵) لوہے کو گرم کر کے جسم پر نشان لگانا۔ (۶) تکلیف۔

شاید اور احتمال پر بار بار فکر و خوف ہوتا ہے کہ کہیں اِدھر سے نہ نکل آئے، اُدھر سے نہ نکل آئے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اس کا عذاب یقینی ہے، مگر پھر بھی اس کا خوف ہم کو نہیں ہوتا۔

قارون حضرت موسیٰ (علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کا چچازاد بھائی تھا، جس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ قرآنِ پاک میں سورۂ قصص کا آٹھواں رکوع سارا کا سارا اسی قصہ میں ہے، جس کا ترجمہ مع توضیح[1] یہ ہے کہ

(۳) ﴿ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۞ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۞ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۞ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۞ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۞ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۞﴾ [سورۂ قصص: ۷۶-۸۲]

قارون (حضرت) موسیٰ (علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) کی برادری میں سے (ان کا چچازاد بھائی) تھا، سو وہ (کثرتِ مال کی وجہ سے) اُن لوگوں کے مقابلہ میں تکبّر کرنے لگا اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور[2] آور شخصوں کو گراں[3] بار کر دیتی تھیں (یعنی ان سے بمشکل اُٹھتی تھیں اور جب خزانوں کی کنجیاں اتنی تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے تو بہت ہی ہوں گے؛ اور اُس نے یہ تکبر اس وقت کیا تھا) جب کہ اس کو اس کی برادری نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ نے سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تُو (اس مال و دولت پر) اِترا مت، واقعی اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا تعالیٰ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو[4] کیا کر اور دنیا سے اپنا حصّہ (آخرت میں لے جانا) فراموش[5] نہ کر، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں پر) احسان کیا کر (اور خدا کی نافرمانی اور حقوقِ واجبہ ضائع کر کے) دنیا میں فساد کا خواہاں[6] مت ہو، بے شک

حل لغات: (۱) وضاحت۔ (۲) طاقت، زبردست۔ (۳) بوجھ لدا ہوا۔ (۴) تلاش، کوشش۔ (۵) بھولنا۔ (۶) چاہنے والا۔

اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ قارون نے (ان کی نصیحتیں سن کر یہ) کہا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی[1] سے ملا (کہ میری حُسنِ تدبیر[2] سے یہ جمع ہوا، نہ اس میں کچھ غیبی احسان ہے نہ کسی دوسرے کا اس میں کوئی حق ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے قول پر عتاب[3] فرماتے ہیں کہ) کیا اس قارون نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو مالی قوت میں بھی اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے (اور جماعتی حیثیت سے) مجمع بھی ان کا زیادہ تھا (یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں جہنم کا عذاب الگ رہا) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کا (معلوم کرنے کی غرض سے) سوال بھی نہ ہوگا (کہ ہر شخص کا پورا حال اللہ تعالیٰ شانہٗ کو معلوم ہے، مطالبہ کی وجہ سے سوال علیحدہ رہا) پھر (وہ قارون ایک مرتبہ) اپنی آرائش[4] و شان کے ساتھ اپنی برادری کے سامنے نکلا، تو جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے، وہ کہنے لگے: کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو بھی یہ ساز و سامان ملا ہوتا جو قارون کو ملا ہے، واقعی یہ قارون بڑا صاحبِ نصیب ہے (یہ تمنا[5] اور حرص مال کی تھی، اس سے ان لوگوں کا کافر ہونا لازم نہیں ہے، جیسا اب بھی بہت سے مسلمان دوسری قوموں کی دنیاوی ترقیاں دیکھ کر ہر وقت للچاتے ہیں اور اس کی فکر و سعی[6] میں لگے رہتے ہیں کہ یہ دنیاوی فروغ[7] ہمیں بھی نصیب ہو) اور جن لوگوں کو علمِ دین (اور اس کا فہم[8]) عطا کیا گیا تھا، وہ (ان حریصوں[9] سے) کہنے لگے: ارے تمہارا ناس[10] ہو (تم اس دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس چند روزہ مال و دولت سے لاکھ لاکھ درجے) بہتر ہے، جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرے؛ اور (ان میں سے بھی کامل درجہ کا ثواب) ان ہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں؛ اور پھر (جب ہم نے قارون کی سرکشی[11] اور فساد کی وجہ سے) اس کو اور اس کی محل سرائے[12] کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی جماعت ایسی نہ ہوئی کہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی کسی تدبیر سے بچ سکا (بے شک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے اور کون بچ سکتا ہے؟ قارون پر یہ عذاب کی حالت دیکھ کر) کل جو لوگ اس جیسا ہونے کی تمنّا کر رہے تھے، وہ کہنے لگے: بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ (رزق کی فراخی[13] اور تنگی کا مدار[14] خوش نصیبی یا بد نصیبی پر نہیں ہے، بلکہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے روزی کی فراخی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی دیتا ہے (یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کی فراخی کو خوش نصیبی سمجھ رہے تھے واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (کہ گنہگار تو آخر ہم بھی ہیں ہی) بس جی معلوم ہو گیا کہ کافروں کو فلاح[15] نہیں ہے (گویہ چند

حل لغات: ① سلیقہ، قابلیت۔ ② بہترین کوشش۔ ③ غصہ، ناراضگی۔ ④ سجاوٹ۔ ⑤ لالچ۔ ⑥ کوشش۔ ⑦ ترقی۔ ⑧ سمجھ۔ ⑨ لالچیوں۔ ⑩ بُرا۔ ⑪ نافرمانی ⑫ بادشاہ یا امیر کا گھر۔ ⑬ خوشحالی۔ ⑭ بنیاد۔ ⑮ کامیابی۔

زکوٰۃ

روزہ زندگی کے مزے لوٹ لیں)۔ [بیان القرآن بتغیر]

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تھا، ان کا چچازاد بھائی تھا، دنیاوی علوم میں بہت ترقی کی تھی اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام پر حسد کرتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے تم سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے، اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ موسیٰ اس نام سے تمہارے مالوں کو کھانا چاہتا ہے، اس نے نماز کا حکم کیا، تم نے برداشت کیا، اس نے اور احکام جاری کیے جن کو تم برداشت کرتے رہے، اب وہ تمہیں زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے اس کو بھی برداشت کرو، لوگوں نے کہا: یہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا، تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ؟ اس نے کہا: میں نے یہ سوچا ہے کہ کسی فاحشہ[1] عورت کو اس پر راضی کیا جائے، جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر اس کی تہمت لگائے کہ وہ مجھ سے زنا کرنا چاہتے ہیں، لوگوں نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ انعام کا وعدہ کر کے اس پر راضی کرلیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگائے، اس کے راضی ہونے پر قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام آپ کو دیے ہیں وہ بنی اسرائیل کو سب کو جمع کر کے سنا دیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پسند فرمایا اور سارے بنی اسرائیل کو جمع کیا؛ اور جب سب جمع ہوگئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام بتانے شروع کیے کہ مجھے یہ احکام دیے ہیں کہ اس کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، صلہ رحمی کرو اور دوسرے احکام گنوائے جن میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیوی والا زنا کرے تو اس کو سنگسار[2] کیا جائے، اس پر لوگوں نے کہا اور اگر آپ خود زنا کریں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں زنا کروں تو مجھے بھی سنگسار کیا جائے، لوگوں نے کہا کہ آپ نے زنا کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (تعجب سے) فرمایا کہ میں نے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے؛ اور یہ کہہ کر اس عورت کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کو قسم دے کر فرمایا کہ تو کیا کہتی ہے؟ اس عورت نے کہا کہ جب آپ قسم دیتے ہیں، تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھ سے اتنے اتنے انعام کا وعدہ کیا ہے کہ میں آپ پر الزام لگاؤں، آپ اس الزام سے بالکل بَرِی[3] ہیں، یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے، اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے سجدہ ہی میں وحی آئی کہ رونے کی کیا بات ہے؟ تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے ہم نے زمین پر تسلّط[4] دے دیا، تم جو چاہو ان کے متعلق زمین کو حکم فرماؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین کو حکم فرمایا کہ ان کو نگل جا، اُس نے ایڑیوں تک نگلا تھا کہ وہ عاجزی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

حل لغات: (۱) بدکار۔ (۲) پتھروں سے مار کر ہلاک کرنا۔ (۳) آزاد، بے گناہ۔ (۴) قابو، قبضہ۔

زکوٰۃ

پکارنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر حکم فرمایا کہ ان کو دھنسادے، حتیٰ کہ وہ لوگ گردن تک دھنس گئے، پھر بہت زور سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارتے رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر زمین کو یہی فرمایا کہ اُن کو لے لے وہ سب کو نگل گئی، اس پر اللہ جلَّ شانُہٗ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ وہ تمہیں پکارتے رہے اور تم سے عاجزی کرتے رہے، میری عزت کی قسم! اگر وہ مجھے پکارتے اور مجھ سے دعا کرتے تو میں ان کی دعا کو قبول کرلیتا۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ آیتِ شریفہ میں ''دنیا سے اپنا حصّہ نہ بھول'' کا مطلب یہ ہے کہ اس میں آخرت کے لیے عمل کر۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ اللہ کی اطاعت کرنا دنیا کا وہ حصّہ ہے جس میں آخرت کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ ''دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول۔'' یعنی جتنے کی دنیا میں ضرورت ہے اس کو باقی رکھ اور جو زائد ہے اس کو آگے بھیج دے۔ ایک اور حدیث میں اس سے نقل کیا گیا کہ ایک سال کی روزی باقی رکھ لے اور جو اس سے زائد ہے وہ صدقہ کردے۔ [درمنثور]

اس کا کچھ حصہ بخل[1] کے بیان میں دوسری فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر آٹھ ۸ صفحہ ۲۰۷ پر بھی گزر چکا ہے۔

احادیث

① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِيْنُهٗ وَظَهْرُهٗ، كُلَّمَا رُدَّتْ أُعِيْدَتْ لَهٗ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيُرٰى	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص جو سونے کا مالک ہو یا چاندی کا اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کے پترے بنائے جائیں گے اور ان کو جہنّم کی آگ میں ایسا تپایا جائے گا گویا کہ وہ خود آگ کے پترے ہیں، پھر ان سے اس شخص کا پہلو اور پیشانی اور کمر داغ[2] دی جائے گی اور بار بار اسی طرح تپا تپا[3] کر داغ دیے جاتے رہیں گے، قیامت کے پورے دن میں جس کی مقدار دنیا کے حساب سے پچاس ہزار

حل لغات: ① کنجوسی۔ ② لوہے کو گرم کرکے جسم پر نشان لگانا۔ ③ گرم کرکے۔

سَبِیْلُهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ۔	برس ہوگی، اس کے بعد اس کو جہاں جانا ہوگا جنت میں یا جہنم میں چلا جائے گا۔
[الحديث بطوله في المشكوٰة عن مسلم]	

فائدہ: یہ بڑی لمبی حدیث ہے جس میں اونٹ والوں پر اونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے کا، گائے بکری والوں پر اُن کی زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب اور اس کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ یہاں عام طور سے جانوروں کی اتنی مقداریں جن پر زکوٰۃ واجب ہو، نہیں ہوتیں، عرب میں انہیں کی کثرت تھی، البتہ سونا چاندی اور اس کے متعلقات[1] ایسی چیزیں ہیں جو یہاں عام طور سے ہوتی ہیں، اس لیے اتنی ہی حدیث پر قناعت[2] کی اور اس سے بھی سب چیزوں کا انداز معلوم ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے کا حشر کیا ہے کہ یہ وبال اور عذاب جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا کہ سونا چاندی جہنم کی آگ کے ٹکڑے بن کر داغ دیے جائیں گے، یہ تو صرف قیامت کے ایک دن کا عذاب ہے جو پیشی کا دن ہے؛ لیکن اس دن کی مقدار بھی پچاس ہزار برس کی ہوگی اور اتنے دن زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب بھگت کر یہ معلوم ہوگا کہ اپنے دوسرے اعمال اس قابل ہیں کہ اُن کی وجہ سے معافی ہوکر جنت میں جانے کی اجازت ہوجائے یا وہ اگر اس قابل نہیں اور معافی کی کوئی صورت نہیں، یا زکوٰۃ نہ دینے ہی کا ابھی کچھ اور عذاب بھگتنا باقی ہے تو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، وہاں جو کچھ گزرے گی وہ تحریر وتقریر میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس حدیث میں قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہے اور قرآن پاک کی آیت شریفہ سورۂ معارج کے شروع میں بھی قیامت کے دن کو اسی مقدار کا بتایا ہے، لیکن بعض احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں پر یہ دِن ایسا ہلکا گزر جائے گا جیسا کہ ایک فرض نماز پڑھ لی ہو؛ اور بعض لوگوں پر ان کے اعمال کے لحاظ سے ایسا ہوگا جیسا ظہر سے عصر تک کا وقت۔ [درمنثور] اور اتنی جلدی گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دن سیر وتفریح میں ہوں گے اور سیر و تفریح کے شوقین سب ہی اس سے واقف ہیں کہ لذت کے اوقات منٹوں میں ختم ہوجایا کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ نہ ہوگا کہ روپیہ پر روپیہ اور اشرفی پر اشرفی رکھ دی جائے بلکہ اس کے بدن کو اتنا وسیع[3] کردیا جائے گا جس پر یہ سب برابر برابر رکھے جاسکیں اور ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جتنا سونا چاندی اس کے پاس ہوگا اس کے ہر قیراط کا (جو تقریباً تین رتی کا ہوتا ہے، پھیلا کر) آگ کا ایک ٹکڑا بنایا جائے گا، پھر اس سے اس کے سارے بدن کو منہ سے پاؤں تک داغ دیا جائے گا، اس کے بعد چاہے اس کی بخشش ہوجائے یا جہنم میں ڈال دیا جائے۔ [درمنثور]

آگ میں تپا کر داغ دیے جانے کا جو عذاب اس حدیث شریف میں گذرا ہے، یہ قرآن پاک

حل لغات: (۱) وہ چیزیں جو دوسری چیز سے تعلق رکھیں۔ (۲) اکتفا کرنا، کافی سمجھنا۔ (۳) کشادہ، چوڑا۔

زکوٰۃ

میں بھی آیا ہے، جیسا کہ دوسری فصل کی آیات میں نمبر پانچ[۵] صفحہ ۱۶۲ پر گزرا۔ بعض احادیث میں اس کے مال کا سانپ بن کر طوق[۱] پہنانا بھی آیا ہے جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے۔

② عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: مَنْ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزَمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلَا: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ، الْاٰيَة: [رواه البخاري كذا في المشكوٰة و قد روي من مسند ثوبان و ابن مسعود و ابن عمر بمعناه في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا جو گنجا ہو اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ[۲] نقطے ہوں پھر وہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا، جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی تائید میں) قرآن پاک کی آیت: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَة پڑھی۔

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ مع اس کے ترجمہ کے دوسری فصل کے نمبر تین[۳] صفحہ ۱۵۸ پر گزر چکی ہے۔ اس سانپ کی ایک صفت تو یہ بیان کی کہ وہ شجاع ہو جس سے بعض علماء نے نر سانپ مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ شجاع وہ سانپ کہلاتا ہے جو دم کے اوپر سیدھا کھڑا ہو کر مقابلہ کرے۔ [فتح]

اور دوسری صفت اس کی یہ فرمائی کہ وہ گنجا ہوگا اور گنجا اس واسطے کہا کہ سانپ جب بہت زہریلا ہوتا ہے، تو اس کے زہر کی شِدّت[۳] سے اس کے سر پر سے بال اُڑ جایا کرتے ہیں۔ اور تیسری صفت اس سانپ کی یہ بیان فرمائی کہ اس پر دو نقطے سیاہ ہوں گے، اس پر دو نقطے سیاہ ہونا بھی سانپ کے زیادہ زہریلا ہونے کی علامت ہے، ایسے سانپ کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے اور بعض علماء نے دو نقطوں کے بجائے سانپ کے منہ میں زہر کی کثرت سے دونوں جانب ''زہر کا جھاگ'' ترجمہ کیا ہے اور بعض نے ''دو دانت'' جو اس کے منہ سے باہر دونوں جانب نکلے ہوئے ہوں اور بعض نے ''دو زہر کی تھیلیاں'' جو دونوں جانب لٹکی ہوئی ہوں، ترجمہ کیا ہے۔ [فتح]

اس حدیثِ پاک میں زکوٰۃ نہ دینے پر اس مال کا سانپ بن کر طوق پہنانا ذکر کیا ہے اور پہلی

حل لغات: ① پھندا، گلے کی بیڑی۔ ② کالے۔ ③ تیزی۔

زکوٰۃ

حدیث میں آگ پر تپا کر داغ دینا گذرا ہے اور دونوں قسم کے عذاب قرآنِ پاک کی دو آیتوں میں بھی گزر چکے ہیں؛ اور دونوں آیتیں دوسری فصل کی آیات کے ذیل میں گذری ہیں، دو عذابوں میں کوئی اشکال نہیں، مختلف اوقات کے اعتبار سے بھی فرق ہوسکتا ہے اور مختلف انواعِ[1] مال کے اعتبار سے بھی اور مختلف آدمیوں کے اعتبار سے بھی اور دونوں عذاب جمع بھی ہوسکتے ہیں۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حُجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ سانپ بن کر پیچھے لگتے ہیں اور پترے بن کر داغ دینے میں فرق اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو اگر مجملاً[2] مال سے محبت ہو، اس کی تفاصیل سے خصوصی تعلق نہ ہو، اس کا مال تو ایک شئے واحد سانپ بن کر اس کے پیچھے لگ جائے گا، اور جس کو مال کی تفاصیل[3] سے تعلّقِ خاطِر[4] ہو، وہ روپیہ اور اشرفی کو گن گن کر رکھتا ہو اور جو مل جائے اس کے روپیہ بنا کر رکھتا ہو، تو اس کا مال پترے بنا کر داغ[5] دیا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ جائے تو وہ خزانہ ایک گنجا دو نقطوں والا سانپ بن کر قیامت کے دِن اس شخص کے پیچھے لگ جائے گا، وہ شخص گھبرا کر کہے گا: تُو کیا بلا ہے؟ وہ کہے گا: میں تیرا خزانہ ہوں اس کو چھوڑ کر آیا تھا، وہ سانپ اوّل اس کے ہاتھ کو کھا لے گا، پھر سارے بدن کو۔ [ترغیب] قیامت کے عذابوں میں کثرت سے یہ بات ہے کہ جو شخص کسی عذاب کی وجہ سے ریزہ ریزہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا، پھر عذاب کے مُسلّط[6] ہونے کے واسطے اپنی اصلی حالت پر عَود[7] کرکے دوبارہ عذاب کا محل[8] بنے گا۔

(۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أُمِرْنَا بِإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، وَمَنْ لَّمْ يُزَكِّ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ۔ [رواه الطبراني في الكبير بأسانيد أحدها صحيح كذا في الترغيب]	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز بھی (قبول) نہیں۔

فائدہ: یعنی نماز پر جو ثواب اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں سے ملتا وہ بھی نہیں ملے گا، اگرچہ فرض ادا ہوجائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ (کامل) مسلمان نہیں، اس کو اس کے نیک عمل فائدہ نہ دیں گے۔ [ترغیب] یعنی دُوسرے نیک اعمال سے زکوٰۃ نہ دینے کا وبال[9] نہیں ٹلے گا، اس کا مطالبہ بدستور[10] رہے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بغیر زکوٰۃ ادا کرنے کے دین (کامل) نہیں ہے۔ [کنز]

حل لغات: (۱) مال کی قسمیں۔ (۲) مختصر طور سے، صرف۔ (۳) تفصیل کی جمع۔ (۴) دل کا تعلق۔ (۵) لوہے کو گرم کرکے جسم پر نشان لگانا۔ (۶) سوار ہونا۔ (۷) لوٹنا۔ (۸) جگہ۔ (۹) عذاب۔ (۱۰) برابر، ہمیشہ۔

زکوٰۃ

ایک اورحدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی نماز کوقبول نہیں فرماتے جوزکوٰۃ نہ دیتا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے (بیسیوں جگہ قرآن پاک میں) نماز اورزکوٰۃ کوجمع فرمایا ہے تواس کوعلیحدہ نہ کرو۔ [کنز] علیحدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے، اورزکوٰۃ ادانہ کی جائے۔

(۴) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَى أَغْنِيَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمُ الْقَدْرَ الَّذِيْ يَسَعُ فُقَرَائَهُمْ. وَلَنْ يُّجْهِدَ الْفُقَرَاءَ إِذَا جَاعُوْا أَوْ عَرُوْا إِلَّا بِمَا يَمْنَعُ أَغْنِيَائُهُمْ أَلَا وَ إِنَّ اللّٰهَ يُحَاسِبُهُمْ حِسَابًا شَدِيْدًا أَوْ يُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا۔	حضوراقدس ﷺ کاارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شانہٗ نے دولت مندوں پر اُن کے مالوں میں اتنی مقدارکوفرض کردیا ہے جوان کے فُقَراءکوکافی ہے اورنہیں مَشَقَّت[۱] میں ڈالتی فُقَراء[۲] کو جب کہ وہ بھوکے یا ننگے ہوں، مگرصرف یہ بات کہ ان کے غَنی[۳] اپنے فریضہ[۴] کو روکتے ہیں یعنی پورا ادانہیں کرتے۔غور سے سن لوکہ حق تعالیٰ شانہٗ ان دولت مندوں سے سخت مُحاسَبہ[۵] فرمائیں گے اور (فرض کی کوتاہی[۶] پر) سخت عذاب دیں گے۔

[كذا في الدّر، وقال:أخرجه الطبراني في الأوسط وأبوبكر الشافعي في الغيلانيات۔ قلت: ولفظ المنذري في الترغيب ''ويعذبهم'' بالواو۔ وقال: رواه الطبراني في الأوسط والصغير۔ وقال: تفرد به ثابت بن محمد الزاهد۔ قال الحافظ: ثابت ثقة صدوق روى عنه البخاري وغيره، وبقية رواته لابأس بهم۔ وروي موقوفا على علي وهو أشبه كذا في الترغيب۔ وعزاه صاحب كنزالعمّال إلى الخطيب في تاريخه وابن النجّار، وقال: فيه محمد بن سعيد البورقي كذاب يضع۔ اه]

فائدہ: حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے عَلّامُ الغُیُوب[۷] ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی جومقدار فرض فرمادی ہے، وہ یقیناً اتنی کافی مقدار ہے کہ اگرلوگ اس کوپوراپوراادا کرتے رہیں اوراصول سے ادا کرتے رہیں، تو کوئی شخص بھوکا یا ننگا نہیں رہ سکتا اور یہ بالکل ظاہری اوریقینی چیز ہے۔ حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مقصود زیادہ واضح الفاظ میں ذکر کیا گیا۔ یہ طویل[۸] حدیث ہے جس کوفقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ الغافلین میں مفصّل[۹] ذکر کیا ہے، اس میں مِنْجُمْلہ[۱۰] اور سوالات کے ایک یہ بھی ہے: میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ نے زکوٰۃ کا حکم فرمایا، زکوٰۃ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا: ابوذر! جوشخص امانتدار نہیں اس کا ایمان نہیں اورجوشخص زکوٰۃ ادانہیں

حل لغات: (۱) تکلیف۔ (۲) فقیر کی جمع، غریب۔ (۳) مالدار۔ (۴) جوضروری اورفرض ہو۔ (۵) حساب۔ (۶) کمی۔ (۷) چھپی ہوئی باتوں کوجاننے والا۔ (۸) لمبی۔ (۹) تفصیل سے۔ (۱۰) سب میں سے۔

زکوٰۃ

کرتا اس کی نماز (مقبول) نہیں، حق تعالیٰ شانہٗ نے غنی لوگوں پر ان کے مالوں کی زکوٰۃ اتنی مقدار میں واجب کردی ہے جوان کے فقراء کوکافی ہوجائے، حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ان کے مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا اور اس پر ان کو عذاب فرمائے گا۔ یہ حدیث صاف طور سے ان پر دلالت[1] کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد زکوٰۃ ہی کے متعلق ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے زکوٰۃ میں کوتاہی[2] کرنے والوں کے لیے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ ﴾ الآیۃ، اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اپنے متعلقات کے اعتبار سے چھ قسم پر ہے: جانوروں کی زکوٰۃ، سونے چاندی کی زکوٰۃ، تجارتی مال کی زکوٰۃ، رِکاز و مَعْدِن[3] کی زکوٰۃ، پیداوار کی زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔ [اِحیاء]

یہ سب چیزیں ائمہ اربعہ[4] کے نزدیک مُتَّفَق عَلَیہ[5] ہیں بجز[6] معدن کے کہ اس میں حنفیہ کے نزدیک بجائے زکوٰۃ کے خُمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہے، جو وجوب کے اعتبار سے زکوٰۃ ہی جیسا ہے اور یقیناً اگر مسلمان ان سب انواع[7] کو اہتمام اور پابندی سے نکالتے رہیں، تو کسی غریب کو اضطرار[8] سے مرنے کی نوبت نہ آئے۔بعض علماء کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اشتباہ[9] پیدا ہوگیا کہ اس سے زکوٰۃ سے زائد مقدار کا ایجاب[10] مقصود ہے، یہ صحیح نہیں؛ اس لیے کہ اگر یہ مراد ہوتو وہ خود حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی دوسری روایت کے خلاف ہوجائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے نے اس کے علاوہ صدقات کو منسوخ[11] کردیا۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی نقل کی گئی ہے، اور امام رازی جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہونا بہتر سند سے نقل کیا گیا۔ صاحبِ کنز العمال رحمۃ اللہ علیہ نے مُتَعَدَّد کُتُب سے اس روایت کو نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کردیا جو قرآن پاک میں ہے اور غُسلِ[12] جنابت نے اس کے علاوہ اور غُسلوں کو منسوخ کردیا اور رمضان کے روزہ نے ہر روزہ کو منسوخ کردیا اور قربانی نے ہر ذبیحہ کو منسوخ کردیا۔خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ساری دنیا کا مال لے لے اور اس کی نیت محض رضاءِ الٰہی ہو وہ زاہد ہے، جیسا کہ آئندہ فصل کے شروع میں آرہا ہے۔بعض علماء نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے اپنی ضرورت کے بقدر رکھ کر باقی کا خرچ کرنا ضروری تھا، جس کو زکوٰۃ کی فرضیت نے منسوخ کردیا۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ[13] ﴾

حل لغات: (۱) دلیل ہونا۔ (۲) سستی۔ (۳) سونے چاندی کی کان۔ (۴) چار امام۔ (۵) جس بات پر تمام اماموں کا اتفاق ہو۔ (۶) صرف، سوائے۔ (۷) قسموں۔ (۸) سخت بھوک کی حالت۔ (۹) شک وشبہ۔ (۱۰) کسی چیز کا واجب اور ضروری ہونا۔ (۱۱) ختم۔ (۱۲) ناپاکی دور کرنے لیے نہانا۔ (۱۳) (اے نبی) درگذر کرو اور نیکی کا حکم دو۔

[سورۂ اعراف:۱۹۹] کی تفسیر میں سُدّی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ لہٰذا اگر اس سے ایجاب مراد ہو بھی تو وہ منسوخ ہے۔ نیز حدیثِ[1] بالا سے زکوٰۃ سے زائد کا مراد لینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد کے بھی خلاف ہوگا، جس میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص نے زکوٰۃ ادا کردی، اس نے اس حق کو ادا کردیا جو اس پر ہے؛ اور جو زائد ہے وہ فضل ہے۔ [کنز العمال عن الحسن مرسلا]

اس مضمون کی مُتعَدّد[2] روایات پہلے بھی گزر چکی ہیں اور اس سے واضح وہ روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل کی گئی اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ہم معنیٰ[3] ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ یہ جانتے کہ اغنیاء[4] کی زکوٰۃ فقراء[5] کے لیے کافی نہ ہوگی، تو زکوٰۃ کے علاوہ اور چیز اُن پر فرض کرتے، پس اگر اب فقراء بھوکے ہوتے ہیں تو اغنیاء کے ظلم کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ [کنز] یعنی اغنیاء زکوٰۃ کو پورا ادا نہیں کرتے اس وجہ سے فقراء پر فاقوں کی نوبت آتی ہے۔ اسی وجہ سے محدث ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر فرضیتِ زکوٰۃ کا ترجمہ باندھا؛ بلکہ اس باب کو اسی حدیث سے شروع کیا جس سے اس کا محمل[6] زکوٰۃ ہونا ظاہر ہے اور صاحبِ کنز العمال نے بھی اسی وجہ سے کتابُ الزّکوٰۃ ہی میں اس کو ذکر کیا۔ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ [سورۂ توبہ: ۳۴] اور اس قسم کے دوسرے ارشادات اس حالت پر محمول ہیں جبکہ زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، جمہور فقہاءِ اَمصَار[7] کا یہی مذہب ہے، اور یہی قول ہے حضرت عمر، حضرت ابنِ عمر، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا؛ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابوداؤد وغیرہ نے ذکر کیا کہ حضرت اُمِّ سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سونے کا ایک زیور پہن رہی تھی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ بھی کنز[8] میں داخل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز مقدار زکوٰۃ کو پہونچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے، وہ کنز میں داخل نہیں ہے۔ نیز اس کی تائید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جب تُو نے زکوٰۃ ادا کردی تو اس حق کو پورا کردیا، جو تجھ پر واجب تھا۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جب تُو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی، تو اس کی بُرائی کو زائل[9] کردیا۔ حاکم نے اس حدیث کو مرفوعاً[10] مسلم کی شرط پر

حل لغات: (۱) اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔ (۲) کئی، بہت سی۔ (۳) جن کا معنی ایک ہو۔ (۴) مالداروں۔ (۵) فقیر کی جمع، غریب۔ (۶) متعلق۔ (۷) تمام ملکوں کے فقیہ۔ (۸) خزانہ، مال و دولت۔ (۹) ختم، دور۔ (۱۰) حدیث کی ایک قسم۔

زکوٰۃ

نقل کیا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف بتایا ہے اور ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً[1] ان الفاظ کے ساتھ صحیح بتایا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے، وہ کنز نہیں ہے اور یہی مضمون حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا۔

عطا رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی گئی ہو وہ کنز نہیں ہے، اگرچہ زمین کے اندر گاڑ رکھا ہو؛ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے، اگرچہ زمین کے اوپر رکھا ہو اور ظاہر ہے کہ شرعی اصطلاح لغوی اصطلاح پر مقدم ہے (یعنی لغت میں اگرچہ کنز اس کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر گڑا ہوا ہو؛ لیکن شریعت میں وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) اور میں نے چند حضرات کے سوا کسی کو اس کا مخالف نہیں پایا کہ کنز وہی ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، البتہ چند حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے زاہد[2] اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں، ان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو مال روزی اور زندگی سے زائد ہو وہ سارا ہی کنز ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ چار ہزار کی مقدار سے زائد کنز ہے اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں دس ہزار درم کی مقدار مالِ کثیر ہے۔ نیز ابراہیم نخعی، مجاہد، شعبی اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم بھی اس کے قائل ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ حقوق ہیں۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اُن کے علاوہ بقیہ سب علماء متقدمین[3] اور متاخرین[4] کا مذہب کنز کے بارہ میں وہی ہے جو پہلے گزرا (کہ کنز وہ ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) اور جن آیات واحادیث سے یہ دوسرا فریق[5] استدلال[6] کرتا ہے، وہ جمہور[7] کے نزدیک استحباب[8] پر محمول[9] ہیں یا زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے کا حکم ہے جو زکوٰۃ کے واجب ہونے سے منسوخ ہوگیا، جیسا کہ عاشورہ[10] کا روزہ رمضان کے روزہ سے منسوخ[11] ہوگیا، البتہ فضیلت کا درجہ اب بھی باقی ہے۔ [اتحاف]

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب فقراءِ مہاجرین بے مال و زَر ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مُواسات[12] کے طور پر مقامی انصار سے جو مالدار تھے، اُن کا بھائی چارہ کیا تو انصار نے یہ درخواست کی کہ ہمارے اموال کو بھی ان پر آدھا تقسیم کردیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار فرمادیا بلکہ یہ طے فرمایا کہ مہاجرین اُن کے باغات میں کام کریں گے اور بٹائی کے طور پر پھلوں میں شرکت ہوگی۔ اسی ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) حدیث کی ایک قسم۔ (۲) دنیا سے بے پرواہ، اللہ والے۔ (۳) پہلے کے علماء۔ (۴) بعد کے علماء۔ (۵) گروہ، جماعت۔ (۶) دلیل پکڑنا۔ (۷) تمام علماء۔ (۸) جس کام کا کرنا ثواب ہو۔ (۹) رکھی گئی ہے۔ (۱۰) دسویں محرم۔ (۱۱) ختم ہونا۔ (۱۲) غم خواری

زکوٰۃ

اور حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) فرمائی، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سب کو یہ بات معلوم ہے کہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار میں ہوں، میں اپنا مال آدھا تمہیں دیتا ہوں۔ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول فرمانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے بازار کا راستہ بتادو، وہاں جا کر خرید وفروخت[1] کا کام شروع کر دیا، اگر مالداروں کے زائد اموال[2] میں فقراء کا بلا اضطرار[3] حق تھا تو پھر کیوں حضور ﷺ نے انکار فرمایا اور کیوں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا حق لینے سے انکار فرمایا؟

اصحابِ صُفّہ کے واقعات اتنی کثرت سے کتبِ احادیث وسیر میں موجود ہیں کہ ان کا احاطہ[4] بھی مشکل ہے، ان حضرات پر کئی کئی دن کے فاقے گذر جاتے تھے، بھوک کی وجہ سے گر جاتے تھے اور انصار میں بہت سے حضرات مالدار بھی تھے؛ لیکن حضور اقدس ﷺ نے کسی پر جبر[5] نہیں فرمایا کہ اپنے مال کا زائد از ضرورت[6] حصہ ان لوگوں پر تقسیم کر دو، ترغیبات[7] البتہ کثرت سے فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صُفّہ ستر آدمی تھے جن میں سے کسی ایک کے پاس چادر نہ تھی۔ [درمنثور] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے واقعات اس حال کے کثرت سے بیان کیے ہیں جو کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں اپنے جگر کے بل زمین پر بھوک کی شدّت سے پڑا رہتا تھا اور کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ میں راستہ میں اس امید پر بیٹھ گیا کہ شاید مجھے کوئی اپنے ساتھ لے جائے، اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، میں نے ایک آیت اُن سے محض[8] اس لیے دریافت[9] کی کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں، مگر وہ ویسے ہی چلے گئے، ان کے بعد حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور میری حالت دیکھ کر تبسّم[10] فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ آجاؤ، میں ہمراہ[11] چل دیا، حضور ﷺ مکان تشریف لے گئے، وہاں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے عرض کیا: فلاں نے ہدیہ بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابو ہریرہ! سب اصحابِ صُفّہ کو بلالاؤ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صُفّہ اسلامی مہمان تھے، نہ اُن کے اہل وعیال تھے، نہ اُن کے پاس مال و زر تھا، نہ کسی کے ذمّہ اُن کا کھانا مقرر تھا، نہ کسی کے ذمّہ ان کا بار[12] تھا، جب حضور ﷺ کے پاس کہیں سے صدقہ کی

حل لغات: (۱) بیچنا۔ (۲) زیادہ مال۔ (۳) سخت مجبوری کے بغیر۔ (۴) جمع کرنا۔ (۵) زور، زبردستی۔ (۶) ضرورت سے زیادہ۔ (۷) کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرنا۔ (۸) صرف۔ (۹) پوچھا۔ (۱۰) مسکرانا۔ (۱۱) ساتھ۔ (۱۲) ذمہ داری، بوجھ۔

کوئی چیز آتی تو اُن کو مرحمت فرما دیتے، خود اس میں سے نوش نہ فرماتے، اور جب ہدیہ کی کوئی چیز آتی تو خود بھی حضور ﷺ اس کو تناول[1] فرماتے اور ان لوگوں کو بھی شریک فرما لیتے، حضور ﷺ نے اس وقت جب یہ فرمایا کہ اصحابِ صُفّہ کو بلا لاؤ تو مجھے بہت گرانی[2] ہوئی کہ یہ ایک پیالہ دودھ اصحابِ صُفّہ کا کیا بنائے گا؟ حضور ﷺ مجھے مرحمت فرما دیتے مجھ میں پی کر کچھ جان آ جاتی، اب میں ان سب کو لے کر آؤں گا، تو حضور ﷺ مجھ ہی کو حکم فرمائیں گے کہ سب کو دے دو، میں جب ان کو تقسیم کروں گا تو میرا نمبر آخر میں آئے گا، نہ معلوم کچھ بچے گا بھی یا نہیں مگر تعمیلِ حکم[3] کے بغیر چارۂ کار[4] کیا تھا؟ میں ان سب کو بلا لایا، جب وہ سب آ کر حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھ گئے، تو حضور ﷺ نے وہ پیالہ مجھے مرحمت[5] فرمایا کہ ان سب کو پلا دو، میں نے سب کو پلایا اور ہر ایک سیر ہو گیا، آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابو ہریرہ! اب تم اور میں ہی باقی رہ گئے، میں نے عرض کیا: بے شک حضور ﷺ نے فرمایا: لو بیٹھ کر پی لو، میں نے خوب سیر[6] ہو کر پیا، حضور ﷺ نے فرمایا: اور پیو، میں نے اور پیا؛ حضور ﷺ نے پھر فرمایا: اور پی لو، میں نے پھر اور پیا؛ حتیٰ کہ میں نے عرض کیا کہ حضور! اب مجھ میں اور پینے کی گنجائش نہیں، تو پھر بقیہ حضور ﷺ نے پیا۔ ایک اور مرتبہ کا اپنا ہی قصہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر تین دن کا فاقہ تھا، مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا، میں صُفّہ پر جا رہا تھا کہ راستہ میں گر گیا، بچے کہنے لگے کہ ابو ہریرہ کو جنون[7] ہو گیا، میں نے کہا: جنون تو تمھیں ہو رہا ہے، بالآخر میں صُفّہ تک پہونچا، وہاں حضور ﷺ کے پاس دو پیالے ثرید[8] کے کہیں سے آئے ہوئے تھے اور حضور ﷺ اصحابِ صُفّہ کو کھلا رہے تھے، میں بھی سر اوپر کو اٹھا رہا تھا کہ حضور ﷺ کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور حضور ﷺ مجھ کو بھی بلا لیں؛ حتیٰ کہ سب فارغ ہو گئے اور پیالوں میں کچھ بھی نہ بچا، حضور ﷺ نے ان پیالوں کو اپنے دستِ مبارک سے چاروں طرف سے پونچھا تو ایک لقمہ بن گیا، حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں پر رکھ کر مجھ سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر اس کو کھاؤ، میں نے اس کو کھایا تو پیٹ بھر گیا۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ کر تشریف فرما ہوتے، تو اصحابِ صُفّہ میں سے بعض لوگ بھوک کی شِدّت سے کھڑے کھڑے گر جاتے، حضور اقدس ﷺ ان کی طرف التفات[9] فرما کر ارشاد فرماتے کہ اگر تمھیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمھارے لیے کیا درجہ ہے تو اس سے زیادہ فقر و فاقہ[10] کو پسند کرنے لگو۔ [ترغیب]

پہلی فصل کی آیات میں نمبر تیس[30] صفحہ ۲۴ پر قبیلۂ مُضَر کی ایک جماعت کا مُفَصَّل[11] قصّہ گزر چکا، جو

حل لغات: (۱) کھانا پینا۔ (۲) بوجھ۔ (۳) حکم کا پورا کرنا۔ (۴) تدبیر۔ (۵) دیا۔ (۶) پیٹ بھر کر پینا۔ (۷) پاگل پن۔ (۸) ایک قسم کا کھانا۔ (۹) توجہ۔ (۱۰) غریبی۔ (۱۱) تفصیل سے۔

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بھوکے اور ننگے حاضر ہوئے کہ اُن کے پاس پہننے کے لیے کپڑا نہ تھا، کھانے کو کوئی چیز نہ تھی، فاقہ کی وجہ سے مشقّت[1] میں پڑے ہوئے تھے؛ حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں اُن کے لیے تلاش کیا، کچھ نہ ملا تو مجمع اکٹھا کیا اور صدقہ کی ترغیب دی؛ اور بہت زور سے ترغیب دی جس پر دو ڈھیر سامان کے جمع ہو گئے اور وہ ان لوگوں پر تقسیم فرما دیے، نہ کسی پر جبر[2] فرمایا، نہ کسی سے اس کے پاس زائد از ضرورت کا محاسبہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نے آکر حضور ﷺ سے سوال[3] کیا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ایک ٹاٹ ہے جس کو آدھے کو بچھا لیتے ہیں اور آدھا اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے پانی پینے کو، حضور ﷺ نے دونوں چیزیں منگائیں اور دو درم میں نیلام[4] کر دیں اور وہ اُن کو دیے کہ ایک درم کا غلّہ خرید کر گھر دے آویں اور دوسرے درم کا کلہاڑی کا پھلڑا خرید کر لائیں، وہ لے کر آئے تو حضور ﷺ نے اپنے دستِ[5] مبارک سے اس میں لکڑی یعنی دستہ لگایا اور فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں کاٹ کر بیچو، پندرہ دن تک تمہیں یہاں نہ دیکھوں۔ انھوں نے ارشاد کی تعمیل[6] کی اور پندرہویں دن دس درم کما کر لائے جن میں سے کچھ کا غلّہ خریدا، کچھ کا کپڑا خریدا، حضور ﷺ نے فرمایا: یہ اچھا ہے سوال کرنے سے کہ بھیک مانگنے سے قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر داغ ہوتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوال کی صرف تین آدمیوں کے لیے گنجائش ہے: " لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ أَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ " "ایک اُس شخص کے لیے جس کا فقر ہلاک کرنے والا ہو، دوسرے اس کے لیے جس پر کوئی تاوان سخت پڑ گیا ہو، تیسرے جو دردناک خون کے معاملہ میں پھنس گیا ہو"۔ ان تین حالتوں میں بھی حضور ﷺ نے سوال ہی کی اجازت دی اور خود یہ صاحبِ واقعہ جس فقر میں مبتلا تھے ان کو نہ تو سوال کی اجازت دی، نہ کسی پر ان کا نفقہ[7] واجب فرمایا۔ غرض ہزاروں واقعات کتبِ احادیث میں اس کے شاہد[8] ہیں کہ جہاں تک وجوب[9] کا تعلق ہے، وہ صرف زکوٰۃ ہے، اس پر اضافہ حضور اقدس ﷺ کے مشہور قول " اَلْمُتَعَدِّيْ فِي الصَّدَقَةِ كَمَا نِعِهَا " "صدقہ میں تعدّی[10] اور افراط کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کو نہ دینے والا" کا مصداق ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ضحّاک بن قیس رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا وہ اس مال میں بہترین اونٹ چھانٹ لائے، حضور ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تم ان لوگوں کا عمدہ مال لے آئے؟ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت آپ جہاد میں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں، میں اس لیے ایسے اونٹ لایا جن پر سواری

حل لغات: (۱) تکلیف۔ (۲) زور زبردستی۔ (۳) مانگا۔ (۴) کسی چیز کو بولی لگا کر بیچنا۔ (۵) ہاتھ۔ (۶) حکم پورا کرنا۔ (۷) خرچ۔ (۸) گواہ۔ (۹) واجب ہونا۔ (۱۰) حد سے بڑھنا۔

زکوٰۃ

ہو سکے اور سامان لادا جا سکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان کو واپس کر کے آؤ اور معمولی مال لے کر آؤ۔ [مجمع الزوائد]

حالانکہ جہاد کی ضرورت بھی ظاہر اور اس موقع پر حضور ﷺ نے ایسی ایسی ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ یعنی سامان لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر چیز کا آدھا حصہ پیش کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس چار ہزار ہیں، دو ہزار گھر کے اخراجات کے واسطے رکھتا ہوں، دو ہزار اللہ کے واسطے پیش کرتا ہوں اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے رات بھر مزدوری کر کے دو صاع (سات سیر) کھجوریں مزدوری میں کمائی ہیں، آدھی گھر کے خرچ کے واسطے چھوڑ دی، آدھی حاضر ہیں۔ [درمنثور] حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ صدقہ کا حکم فرماتے اور ہم میں سے بعض کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو وہ صرف اس کے لیے بازار جاتا مزدوری کرتا اور مزدوری میں ایک مُد (ا ½ پاؤ) کھجور کماتا اور صدقہ کر دیتا۔ [بخاری] پہلی فصل کی احادیث میں نمبر چوبیس[۲۴] صفحہ ۱۴۰ پر یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا؛ لیکن اس سب کے باوجود ضابطہ[۱] کے طور پر یہاں معمولی اونٹ کی جگہ عمدہ اونٹ بھی قبول نہیں فرمایا، اس لیے جہاں تک وجوب کا تعلق ہے وہ مالی حیثیت سے صرف زکوٰۃ ہے اور جہاں تک خرچ کرنے کا تعلق ہے، مسلمان اس لیے پیدا ہی نہیں ہوا کہ وہ مال جمع کر کے رکھے۔ قرآن پاک کی آیات اور حضور اقدس ﷺ کے ارشادات جو پہلی فصل میں گزر چکے، وہ بڑے زور سے اس کی ترغیب و تاکید کر رہے ہیں کہ مال صرف اس لیے ہے کہ اس کو اللہ کی رضا کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے، خود اپنی طاقت کے موافق تنگی اٹھالی جائے، دوسروں پر خرچ کیا جائے۔ اپنے کام صرف وہی آئے گا جو اللہ کے خزانہ میں جمع کر دیا جائے گا اور اس کے بینک میں جمع کر دینے پر نہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے نہ بینک کے فیل[۲] ہو جانے کا احتمال ہے اور ایسی ضرورت کے وقت کام آئے گا جس وقت کہ آدمی انتہائی محتاج[۳] ہوگا۔ خود حق سُبحَانَہٗ وَتَقَدَّسَ کا ارشاد حضور ﷺ نقل فرماتے ہیں کہ اے آدمی! تُو اپنا خزانہ میرے پاس بہادے، نہ تو اس کو آگ لگ جانے کا خوف رہے گا، نہ چوری کا، نہ دریا بُرد[۴] ہونے کا اور میں ایسے وقت تجھ کو پورا کا پورا دے دوں گا، جب تو بے حد محتاج ہوگا۔ [ترغیب]

حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد پہلی فصل کے نمبر تیس[۳۰] صفحہ ۶۴ پر گزر چکا کہ "ہر شخص یہ غور کر لے کہ اُس نے کل قیامت کے دن کے لیے کیا چیز آگے بھیجی ہے، ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو خود ان کی جانیں بھلا دیں"۔ دوسری آیت میں نمبر اکتیس[۳۱] صفحہ ۶۶ پر گزرا کہ

حل لغات: ① قاعدہ۔ ② ناکامیاب۔ ③ ضرورت مند۔ ④ غرق ہونا، ڈوبنا۔

’’تمہارے مال ومتاع[1] آل اولاد تمہارے لیے امتحان کی چیزیں ہیں، اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہو، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا‘‘۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد اسی فصل کی احادیث میں نمبر ایک[1] صفحہ ۷۶ پر گزر چکا کہ اگر میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو، تو میرا دل نہیں چاہتا کہ اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس رکھوں بجز[2] اس کے کہ قرض کی ادائیگی کے واسطے رکھا ہو۔ نمبر تین[3] صفحہ ۷۹ پر حضور ﷺ کا ارشاد گزرا کہ جو چیز ضرورت سے زائد ہو، اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے، بچا کر رکھنا بُرا ہے۔ نمبر بارہ[12] صفحہ ۱۰۰ پر حضور ﷺ کا پاک ارشاد گزرا کہ گن گن کر خرچ نہ کر جتنا بھی ہو سکے خرچ کر ڈال۔ نمبر بیس[20] صفحہ ۱۲۳ پر یہ واقعہ گزر چکا کہ ایک بکری ذبح کی گئی اور بجز ایک شانہ[3] کے ٹکڑے کے ساری تقسیم کر دی گئی، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتنی تقسیم ہوگئی؟ تو عرض کیا گیا کہ ایک شانہ باقی رہ گیا اور باقی سب خرچ ہو چکی، حضور ﷺ نے فرمایا: وہ ساری باقی ہے اس شانہ کے علاوہ۔ اس قسم کے بہت سے ارشادات فصلِ اوّل میں گزر چکے ہیں، اس لیے اس سے قطعِ نظر کہ واجب کیا ہے، مندوب ومستحب کیا ہے، اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے جو اپنی زندگی میں آدمی آگے بھیج دے۔ اگر اس محنت ومشقت سے کمائی ہوئی چیز کو اپنی ضرورت کے وقت کام آنے کے لیے کہیں محفوظ کرنا ہے، وہ تو صرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، جس کا نفع آخرت میں تو ہے ہی؛ دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ ہے کہ بلاؤں کے دور ہونے میں، اَمراض[4] سے صحت ہونے میں، صدقہ کو زیادہ سے زیادہ دخل ہے، بُرے خاتمہ سے اس کی وجہ سے حفاظت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ قابلِ رشک[5] دو آدمی ہیں: ایک وہ جس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے قرآنِ پاک عطا فرمایا ہو کہ وہ رات دن اس کی تلاوت میں، اس پر عمل کرنے میں مُنہمِک[6] رہے؛ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے بہت مال عطا کیا ہو اور وہ ہر وقت اس کو اللہ کے راستے میں لٹانے پر تُلا ہوا ہو۔ [مجمع الزوائد]

حضور ﷺ کا پاک ارشاد دوسری فصل کے نمبر تین[3] صفحہ ۱۸۸ پر گزر چکا کہ سرمایہ دار بڑے خسارہ[7] میں ہیں بجز اس شخص کے جو دونوں ہاتھوں سے اِدھر اُدھر، دائیں بائیں، آگے پیچھے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا رہے اور نمبر سات[7] صفحہ ۱۹۳ پر حضور ﷺ کا پاک ارشاد گزر چکا کہ وہ حقیقت میں مومن ہی نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ غرض اس رسالہ میں پہلی فصلوں میں تفصیل سے یہ مضمون گزر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کی ہرگز یہ شان نہیں ہے کہ مال کو جمع کر کے رکھے۔ اس کی صحیح مثال بالکل پاخانہ کی سی ہے کہ ضروری تو اتنا کہ ایک دو دن نہ ہو تو حکیم اور ڈاکٹر

حل لغات: ① سامان۔ ② سوائے۔ ③ کاندھے کا حصہ۔ ④ بیماریاں۔ ⑤ کسی کے برابر ہونے کی خواہش ہونا۔ ⑥ مشغول۔ ⑦ نقصان۔

زکوٰۃ

دوائیں وغیرہ سب ہی کچھ آدمی کرنے پر مجبور ہے؛ لیکن اگر مناسب مقدار سے زائد آنے لگے تو اس کو بند کرنے کے واسطے بھی حکیم اور ڈاکٹر کی ضرورت ہے اور اگر کوئی شخص پاخانہ کو اس وجہ سے کہ وہ اتنی اہم اور ضروری چیز ہے اپنے گھر میں محفوظ رکھے کہ بڑی مَشَقَّت[۱] سے حاصل ہوئی ہے تو مکان بھی سڑ جائے گا، دماغ بھی سڑ جائے گا، اَمراض بھی بکثرت پیدا ہو جائیں گے، بعینہٖ[۲] یہی صورت اس مال کی ہے کہ ضروری تو اتنا کہ اگر چند روز کچھ نہ ملے تو سارے جَتَن[۳] اس کے لیے بھی کرنا پڑیں؛ لیکن اس کے باوجود اتنا ہی گندہ ہے کہ اگر اس کو فورًا مجبوری سے زائد مقدار کو پاخانہ کی طرح سے گھر سے نہ نکالا جائے، تو تکبُّر اس سے پیدا ہوتا ہے، غرور[۴] اس سے پیدا ہوتا ہے، تَفَاخُر[۵] اس سے پیدا ہوتا ہے، دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھنا اس سے ہوتا ہے، آوارگی، عیّاشی اس کا ثمرہ[۶] ہے؛ غرض ہر قسم کے آفات اس پر مُسَلَّط[۷] ہیں۔ اسی لیے حضور اقدس ﷺ کی دعا اپنی اولاد کے لیے ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا" "یا اللہ! محمد (ﷺ) کی اولاد کا رزق بقدرِ کفایت عطا فرما" یعنی زیادہ ہو ہی نہیں جس پر فسادات مرتب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد عام طور سے زیادہ مُتَموّل[۸] نہیں ہوتے، ایک دو کا مُتَموّل ہو جانا اس کے منافی نہیں، اکثریت ایسی ہی ملے گی، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اس کی ناپاک حقیقت کو اس ناپاک پر بھی واضح کردے تو کیسے لطف کی زندگی مُیَسّر[۹] ہو۔

⑤ عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكٰوةَ إِلَّا ابْتَلَاهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِيْنَ۔	حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جو قوم بھی زکوٰۃ کو روک لیتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو قحط[۱۰] میں مبتلا فرماتے ہیں۔

[رواه الطبراني في الأوسط ورواته ثقات كذا في الترغيب وفي الباب روايات كثيرة في الترغيب و الكنز وغيرهما]

فائدہ: قحط کی وباء ہم لوگوں پر ایسی مسلّط ہو رہی ہے کہ اس کی حد نہیں، ہزاروں تدبیریں اس کے زائل[۱۱] کرنے کے واسطے کی جاتی ہیں؛ لیکن کوئی بھی کارگر[۱۲] نہیں ہو رہی ہے اور جب حق تعالیٰ شانہٗ کوئی وبال[۱۳] کسی گناہ پر اتار دیں؛ دنیا میں کس کی طاقت ہے کہ اس کو ہٹا سکے، لاکھ تدبیریں کیجیے، ہزاروں طرح کے قانون بنائیے، جو چیز مالک الملک کی طرف سے مسلّط[۱۴] ہے وہ تو اسی کے ہٹانے سے ہٹ سکتی ہے، اس نے مرض[۱۵] بتا دیا اس کا صحیح علاج بتا دیا، اگر مرض کو زائل کرنا مقصود ہے تو صحیح علاج اختیار کیجیے۔ ہم لوگ امراض کے اَسباب خود پیدا کرتے رہیں اور اس پر روتے رہیں کہ امراض بڑھ رہے ہیں، یہ کہاں

حل لغات: ① مشکل۔ ② اسی طرح، اسی جیسی۔ ③ ترکیب۔ ④ گھمنڈ۔ ⑤ ایک دوسرے پر فخر کرنا۔ ⑥ نتیجہ۔ ⑦ سوار ہونا۔ ⑧ مالدار۔ ⑨ حاصل ہونا۔ ⑩ خشک سالی، بارش نہ ہونا۔ ⑪ دور۔ ⑫ مفید، فائدہ مند۔ ⑬ مصیبت، عذاب۔ ⑭ مقرر۔ ⑮ بیماری۔

کی عقلمندی ہے؟ حضورِ اقدس ﷺ نے اس عالم میں جو حوادث اور مصائب[1] آتے ہیں ان پر اور ان کے اسباب پر خاص طور سے مُتنبّہ[2] فرمادیا، جن کو بندہ مختصر طور پر اپنے رسالہ (''الاعتدال'' معروف بہ اسلامی سیاست) میں لکھ چکا ہے، یہاں ان کا اِعادہ[3]، تطویل[4] کا سبب ہے، کسی کا دل چاہے تو اس میں دیکھ لے کہ اس میں حضورِ اقدس ﷺ نے کیسے اہتمام سے اس پر مُتنبّہ فرمایا کہ جب میری امت یہ حرکتیں کرنے لگے گی تو آفات اور بلاؤں میں پھنس جائے گی، اس وقت سرخ آندھیاں، زمینوں میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ[5] ہوجانا اور زلزلوں کا آنا، آسمان سے پتھر برسنا، دشمنوں کا غلبہ اور مسلمانوں پر ان کا مسلّط ہوجانا، طاعون اور قتل و غارت[6] کا مسلّط ہونا، بارش کا رک جانا، طوفان کا آجانا، دلوں کا مَرعُوب[7] ہوجانا، اور دلوں پر خوف کا مسلط ہوجانا، نیک لوگ دعائیں بھی کریں تو اُن کی دعاؤں کا قبول نہ ہونا، یہ سب آفات حضور ﷺ نے بتائیں اور جس جس حرکت پر جو آفت مسلّط ہوتی ہے اس کو حضور ﷺ نے تقریباً چودہ سو برس پہلے سے بتادیا، مُتنبّہ کردیا اور ہم لوگ اب ان کے تجربے بھی کررہے ہیں اور ایسے حَرف[8] بحَرف یہ ارشادات سامنے آرہے ہیں کہ ذرا بھی فرق نہیں ہورہا ہے، کاش ہم لوگ حضور ﷺ جیسے شفیق کے ارشادات کی قدر کرتے جو صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے؛ اور ان اصول پر عمل کرنا ساری ہی مخلوق کے لیے انتہائی فائدہ کی چیز ہے، مگر جب خود مسلمان اپنے اسلامی دعوؤں کے باوجود اُن کی قدر نہ کریں، تو دوسروں پر کیا الزام ہے اور دوسروں کو کیا خبر کہ اللہ کی مُجسّم[9] رحمت نے دنیاوی آفات سے بچنے کے بھی کیسے کیسے زَرّیں[10] اصولوں پر مُتنبّہ فرمایا ہے، اب بھی اگر ان اصولوں کو اہتمام سے پکڑلیا جائے تو دنیا کو مصائب سے نجات مل جائے۔ مسلم حکیم ڈاکٹروں کا علاج غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور غیر مسلموں کا علاج مسلم بھی کرتے ہیں، اگر اس حاذِق[11] حکیم کے نسخہ پر لوگ عمل کریں، تو کیسی راحت آرام سب کو مل جائے؟ اس جگہ مجھے زکوٰۃ کے متعلق دو ایک احادیث پر متنبّہ کرنا ہے کہ وہی اس جگہ مقصود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہوجاؤ اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تم ان میں مبتلا ہو (تو بڑی آفات میں پھنس جاؤ) ایک تو یہ ہے کہ فحش بدکاری جس قوم میں بھی کُھلّم کُھلّا علی الاعلان ہونے لگے، تو ان میں ایسی نئی نئی بیماریاں پیدا ہوں گی جو پہلے کبھی سننے میں نہ آئی ہوں؛ اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے ان پر قحط[12] اور مَشقّت[13] اور بادشاہ کا ظلم مسلّط[14] ہوجائے گا؛ اور جو قوم زکوٰۃ کو روک لے گی ان پر

حل لغات: (۱) مصیبتیں۔ (۲) آگاہ، خبردار۔ (۳) دہرانا، دوبارہ بیان کرنا۔ (۴) لمبا ہونا۔ (۵) بگڑنا۔ (۶) لوٹ مار۔ (۷) ڈرنا۔ (۸) مکمل طور پر۔ (۹) سَراپا، مکمل۔ (۱۰) قیمتی، سنہری۔ (۱۱) ماہر۔ (۱۲) سوکھا۔ (۱۳) مشکل۔ (۱۴) سوار، چھاجائے۔

بارش روک دی جائے گی، اگر جانور نہ ہوں تو ایک قطرہ بھی بارش کا نہ ہو (جانور چوں کہ اللہ کی مخلوق ہیں اور بے قصور ہیں ان کی وجہ سے تھوڑی بہت بارش ہوگی)؛ اور جو لوگ مُعاہدوں کی خلاف ورزی کریں گے، اُن پر دوسری قوموں کا تسلّط ہوجائے گا اور ان کے مال ومتاع[1] کو لُوٹ لیں گے؛ اور جو لوگ اللہ کے قانون کے خلاف حکم جاری کریں گے ان میں خانہ جنگی[2] ہوجائے گی۔ [ترغیب] آج ہم لوگوں کو بڑے غور سے ان عُیوب[3] کو دیکھنا چاہیے کہ ان میں سے کون سا عیب ایسا ہے جس میں ہم مبتلا نہیں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی غور کرلیں کہ جو آفات اُن پر بتائی گئی ہیں کون سی آفت ایسی ہے جو ہم پر مسلط نہیں ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلہ میں ہیں، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا کیا مطلب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم معاہدہ[4] کی خلاف ورزی کرتی ہے اس پر دشمن غالب آجاتا ہے؛ اور جو لوگ اللہ کے قانون کے خلاف حکم کریں گے ان میں اموات[5] کی کثرت ہوگی؛ اور جو لوگ زکوٰۃ کو روک لیں گے ان پر بارش بند کردی جائے گی ؛ اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کی پیداوار میں کمی ہوجائے گی اور قحط مسلّط ہوجائے گا۔ [ترغیب]

اس حدیث شریف میں غالباً اِختصار[6] ہوا کہ تفصیل میں چار ہی چیزیں ذکر کی گئیں، اس حدیث پاک میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی پر اموات کی کثرت اور پہلی میں خانہ جنگی ارشاد ہوا ہے، دونوں چیزیں علیٰحدہ علیٰحدہ بھی ہوسکتی ہیں اور خانہ جنگی سے اموات کی کثرت کا نمونہ آج کل تو آنکھوں کے سامنے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات سے یہ حدیث نقل کی گئی کہ جب میری امت ان پندرہ عیوب میں مبتلا ہوجائے، مِنجملہ[7] اُن کے یہ بھی دونوں حدیثوں میں ہے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان[8] بن جائے (یعنی اُس کا ادا کرنا ایسا مصیبت ہوجائے جیسا تاوان ہوتا ہے، یا وہ تاوان کی طرح سے وصول کی جانے لگے) تو اس وقت سرخ[9] آندھیاں، زلزلے، زمینوں میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ[10] ہوجانا، آسمانوں سے پتھر برسنا، ایسے لگاتار مصائب[11] یکے بعد دیگرے نازل ہونے لگیں گے جیسا کہ تسبیح کا تاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے ایک ایک ہوکر گرنا شروع کردیں۔ رسالہ ''الاعتدال فی مراتب الرجال''، یعنی ''اسلامی سیاست'' میں یہ روایتیں پوری ذکر کی گئی ہیں اور اس میں ان پندرہ عیوب کی تفصیل بھی ہے جس پر یہ سخت عذاب ذکر فرمائے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی روایات اس قسم کے مضامین کی ذکر کی گئیں، یہاں صرف زکوٰۃ کی وجہ سے ان روایات کی طرف اشارہ کردیا۔

حل لغات: (۱) سامان۔ (۲) آپس کی لڑائی۔ (۳) برائیوں۔ (۴) وعدہ، کوئی بات جس پر دونوں طرف کے لوگ متفق ہوجائیں۔ (۵) موت کی جمع۔ (۶) مختصر کرنا، کمی کرنا۔ (۷) تمام باتوں میں سے۔ (۸) جرمانہ۔ (۹) لال۔ (۱۰) بگڑ جانا۔ (۱۱) مصیبت کی جمع۔

⑥ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدِيْثًا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَكُنْتُ أَكْثَرَهُمْ لُزُوْمًا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ عُمَرُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَاتَلَفَ مَالٌ فِيْ بَرٍّ وَّلَا بَحْرٍ إِلَّا بِحَبْسِ الزَّكٰوةِ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مال کسی جنگل میں یا دریا میں کہیں بھی ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ کے روکنے سے ضائع ہوتا ہے۔

[رواه الطبراني في الأوسط وهوغريب كذا في الترغيب، وله شاهد من حديث عبادة بن الصّامت في الكنز برواية ابن عساكر]

فائدہ: یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے جو وبال وعذاب آخرت کے ہیں وہ تو علیٰحدہ رہے، دنیا میں بھی اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ مال کے ضائع ہوجانے کا سبب بنتا ہے۔ایک اور حدیث میں اس حدیث شریف کے متعلق ایک قصہ بھی نقل کیا ہے: حضرت عُبادۃ بن الصّامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مکّہ مکرّمہ میں حطیم کے سایہ میں تشریف فرما تھے، کسی نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں گھرانہ کا سامان سمندر کے کنارہ پر پڑا ہوا تھا وہ ہلاک ہوگیا (سمندر کی موج سے بظاہر ضائع ہوا)، حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مال برّ وبحر میں (یعنی خشکی میں ہو یا سمندر میں، مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا میں) اس کے بغیر ضائع نہیں ہوتا کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی ہو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کیا کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کیا کرو اور ناگہانی[1] مصیبتوں کو دعا کے ذریعہ سے ہٹایا کرو کہ دعا اس مصیبت کو زائل کردیتی ہے جو آن پڑی ہو اور اس کو روک دیتی ہے جو ابھی تک نہ آئی ہو۔ اور حضور ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ جس قوم کی بڑھوتری اور بقاء[2] کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں عِفّت (پاکبازی) اور سماحت یعنی نرمی اور جُود[3] عطا فرماتے ہیں اور جس قوم کے خاتمہ اور فنا کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں خیانت پیدا فرمادیتے ہیں، اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی: ﴿حَتّٰٓى إِذَا فَرِحُوْا بِمَآ أُوْتُوْٓا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ [کنز]

یہ آیتِ شریفہ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع کی ہے، جس کا شروع فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ سے ہے اور اوپر کی دو آیات سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے پہلی امتوں کی ہلاکت کا ایک دستور[4] ارشاد فرمایا ہے کہ ''ہم نے پہلی امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے تھیں، پیغمبر بھیجے تھے (جب انہوں نے پیغمبروں کا کہنا نہ مانا تو) پھر ہم نے اُن کو مصیبتوں اور بیماریوں سے پکڑا (یعنی

حل لغات: ① اچانک کے حادثات۔ ② باقی رہنے۔ ③ سخاوت۔ ④ اصول قانون۔

زکوٰۃ

مصائب اور بیماریوں میں مبتلا کیا) تاکہ وہ عاجزی کریں، پس جب ان کو ہماری (طرف سے مصائب کی) سزا پہونچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی (کہ ان پر رحم کیا جاتا، اور ان کا قصور[1] معاف کر دیا جاتا) لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے (وہ نصیحت کیا قبول کرتے) اور شیطان ان کے اعمال کو (جن کو وہ پہلے کر رہے تھے ان کی نگاہ میں) آراستہ[2] کر کے دکھلاتا رہا (جس کی وجہ سے وہ اپنے بُرے اعمال میں جن کو وہ اچھا سمجھتے رہے، پھنسے رہے) پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے (اور اُن کی طرف التفات[3] بھی نہ کیا) جن کی ان کو پیغمبروں کی طرف سے نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر (عیش و عشرت، راحت و آرام کے) ہر قسم کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر (جو اُن کو عیش و عشرت کی ملی تھیں) اِترانے لگے (جس سے ان کی گمراہی اور بھی بڑھ گئی) تو ہم نے اُن کو (عذاب میں ایسا) دفعتہً[4] پکڑ لیا (کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا) پھر ظالم لوگوں کی جڑیں تک کٹ گئیں''۔ فقط۔ یہ آیاتِ شریفہ بڑی عبرت کی آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے باوجود اگر کسی قِسم کی سختی کے بجائے عیش و عشرت اور راحت کے سامان ہوتے رہیں تو یہ زیادہ خطرہ کی چیز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جب تُو یہ دیکھے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں پر مُصِر[5] ہے اور اس پر دنیا کی وسعت ہو رہی ہے، تو یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت: ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوحازم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جب تُو یہ دیکھے کہ تو اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے اور اس کی نعمتیں تجھ پر لگاتار ہو رہی ہیں، تو اس سے ڈرتا رہ اور ہر وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے قُرب پیدا نہ کرے وہ مصیبت ہے۔ [درمنثور] چھٹی فصل کی احادیث میں نمبر سترہ (۱۷) صفحہ ۵۰۹ پر یہ مضمون تفصیل سے آ رہا ہے؛ اور چونکہ مال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی پاک بارگاہ میں تقرُّب[6] پیدا کرنے کا ذریعہ بنانا چاہیے؛ اور کوئی شخص بجائے اس کے کہ اس کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے تقرب پیدا کرے اس کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے، جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا اہم فریضہ ہے، تو اس کی نافرمانی میں کیا شک ہے؟ اور ایسے شخص کو اپنے مال کے باقی رہنے کی زیادہ امید نہ رکھنی چاہیے، وہ خود اس کے ضائع[7] ہو جانے کی تدبیر کر رہا ہے، اور اگر اس حال میں بھی خدانخواستہ ضائع نہ ہو تو یہ اور بھی سخت خطرناک ہے کہ اس صورت میں یہ کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ[8] ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی اپنے فضل سے محفوظ رکھے۔

⑦ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ:	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس مال

حل لغات: ① غلطی۔ ② سجانا۔ ③ توجہ۔ ④ اچانک۔ ⑤ اِصرار کرنے والا، اَڑ جانے والا۔ ⑥ نزدیکی۔ ⑦ برباد۔ ⑧ علامت، نشانی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالاً قَطُّ إِلاَّ أَهْلَكَتْهُ.	کے ساتھ زکوٰۃ کا مال مل جاتا ہے وہ اس مال کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہتا۔

[رواه الشافعي والبخاري في تأريخه كذا في المشكوٰة وعزاه المنذري إلى البزار والبيهقي]

فائدہ: اس حدیثِ پاک کے مطلب میں علماء کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں صحیح ہیں، حضور ﷺ کا یہ پاک ارشاد دونوں پر صادق آتا ہے: ایک یہ کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگئی ہو اور اس میں سے زکوٰۃ نہ نکالی گئی ہو، تو یہ سارا مال زکوٰۃ کے ساتھ مخلوط[1] ہے اور یہ زکوٰۃ کا مال سب کو ہی ہلاک کردے گا؛ اس مطلب کے موافق یہ حدیث پاک اس سے پہلی حدیث شریف کے ہم معنیٰ[2] ہوئی کہ یہی مضمون بعَینِہٖ[3] پہلی حدیث شریف کا ہے۔ حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منتقٰی میں انہیں معنیٰ کو اختیار کیا ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ نکالنے میں جلدی کرنے کا باب لکھا ہے اور حُمَیدی رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بعد یہ نقل کیا ہے کہ اگر تجھ پر زکوٰۃ واجب ہوجائے اور تو اس کو نہ نکالے، تو حرام مال حلال کو بھی ہلاک کردے گا، یعنی زکوٰۃ کا مال جس کا روکنا حرام ہے، باقی مال کو جس کا روکنا حلال ہے، ضائع کردے گا۔ دوسری تفسیر جو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی یہ ہے کہ جو شخص خود صاحبِ نصاب ہو، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی چیز، اصلی ضرورت سے زائد اس کے پاس ہو اور پھر وہ اپنے کو غریب ظاہر کرکے کسی سے زکوٰۃ کا مال لے لے تو یہ مال اس کے پاس جو اپنا اصلی مال پہلے سے تھا، اس کو بھی ضائع کردے گا۔ [مشکوٰۃ]

اس حدیث پاک سے ان لوگوں کو بہت ڈرتے رہنا چاہیے جو صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود لوگوں کی زکوٰتیں لیتے رہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کا مال ان کے اصلی مال کو بھی فنا کردے گا، اور تھوڑے سے نفع کی خاطر[4] بہت سا نقصان برداشت کرنا پڑ جائے گا، پھر چاہے چوروں کو گالیاں دیتے رہیں یا ظالموں کو بد دُعائیں دیتے رہیں، اپنی حرکت کی بدولت مال چلا ہی جائے گا اور ایسی حالت میں کہ وہ مُستحق نہ تھا، لینے کا گناہ سر پر رہے گا۔

⑧ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ كَسَبَ طَيِّبًا خَبَّثَهُ مَنْعُ الزَّكٰوةِ، وَمَنْ كَسَبَ خَبِيْثًا لَمْ تُطَيِّبْهُ الزَّكٰوةُ. [رواه الطبراني في الكبير موقوفاً بإسناد منقطع كذا في الترغيب]	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طیّب مال (حلال مال) کماوے زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا اس کو خبیث بنا دیتا ہے؛ اور جو شخص حرام مال کمائے زکوٰۃ ادا کرنا اس کو پاک نہیں بناتا۔

حل لغات: ① ملا ہوا۔ ② ایک ہی مطلب۔ ③ اسی طرح، اسی جیسا۔ ④ وجہ سے۔

زکوٰۃ

فائدہ: کتنی سخت وعید ہے کہ جس مال کو بڑی جاں[1] فشانی سے جائز ناجائز کا اہتمام رکھتے ہوئے کمایا تھا، وہ ذرا سے بخل سے کہ اس کی زکوٰۃ کا اہتمام نہیں رکھا، سارا کا سارا اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک خبیث بن گیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص حرام طریقہ سے مال کمائے اور پھر اس کو صدقہ کرے، اس کے لیے اس میں کوئی اجر نہیں اور اس کا وبال اس پر ہے۔ [ترغیب] یعنی حرام کمانے کا وبال سر پر رہا اور اس صدقہ کا کوئی ثواب اس کو نہیں ہے۔

(۹) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ جَعَلَتْ فِيْ أُذُنِهَا خُرْصًا مِّنْ ذَهَبٍ جُعِلَ فِيْ أُذُنِهَا مِثْلُهٗ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ [رواه أبوداؤد والنسائي بإسناد جيد كذا في الترغيب]	حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے گلے میں سونے کا ہار ڈالے گی، اس کے گلے میں اسی طرح کا آگ کا ہار قیامت کے دن ڈالا جائے گا؛ اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی بالی ڈالے گی، اس کے کان میں اسی جیسی آگ کی بالی قیامت کے دن ڈالی جائے گی۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے عورتوں کے لیے بھی سونے کا پہننا ناجائز اور حرام معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو ابتداءِ اسلام پر محمول[2] کیا ہے، اس لیے کہ سب علماء کے نزدیک دوسری احادیث کی بناء پر عورتوں کے لیے سونے چاندی کا زیور جائز ہے؛ لیکن بعض علماء نے اس حدیث کو اور اس جیسی احادیث کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر محمول فرمایا ہے، اور بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے؛ چنانچہ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے کہ میں اور میری خالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ہمارے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس سے نہیں ڈرتیں کہ اللہ جلّ شانہٗ تمہیں آگ کے کنگن پہنائیں، ان کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ [ترغیب]

یہ روایت اس مضمون میں صاف اور واضح[3] ہے۔ جہنم کی آگ اس کے بدلہ میں پہننا اسی صورت میں ہے کہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، عورتوں کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ جو زیور آج بدن کی زینت[4] بن رہا ہے، وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں کل کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ بن کر بدن کا عذاب بنے گا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''زکوٰۃ ادا نہیں کرتی''، ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ ان کو اس

حل لغات: (۱) محنت، کوشش۔ (۲) گمان۔ (۳) کھلی ہوئی۔ (۴) خوبصورتی۔

زکوٰۃ

وقت تک یہ مسئلہ معلوم نہ تھا؛ چنانچہ دوسری حدیث میں اُن کا سوال کرنا اس کی دلیل ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک وہ زیور کو عورت کی اصلی ضرورت میں سمجھتی ہوں؛ حالانکہ زیور اصلی ضرورت میں نہیں ہے، ایک زائد[1] چیز ہے۔ اس مطلب کے موافق سونے کی کوئی تخصیص[2] نہ ہوگی، چاندی کا بھی یہی حکم ہے؛ چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے ملاحظہ[3] فرمائے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں نے اس لیے بنوائے کہ آپ کے لیے اپنی زینت کروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ کو تو جہنم کی آگ کے لیے یہی کافی ہیں۔ [ترغیب] یہاں انکار کی ان دو وجہوں کے علاوہ جو پہلی حدیث میں گزریں، تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چاندی کے چھلّوں کا وزن عام طور سے اتنا نہیں ہوتا کہ وہ نصاب تک پہونچ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایک زیور کی مقدار اگرچہ اتنی نہ ہو؛ لیکن دوسرے زیور کے ساتھ ملا کر بھی نصاب کو پہونچ جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں، ان کے ساتھ اُن کی بیٹی تھیں، جن کے ہاتھ میں دو وزنی کنگن سونے کے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمھیں اس بات سے خوشی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کے بدلہ میں آگ کے دو کنگن تمھیں قیامت میں پہنا دیں؟ انھوں نے یہ سنتے ہی دونوں کنگن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے کہ یہ اللہ کے واسطے دیتی ہوں۔ [ترغیب]

یہی وہ خاص ادا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مرد و عورت میں تھی کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سننے کے بعد پھر تعمیل[4] میں کوئی حِیل[5] حُجّت، لَیت[6] و لَعل ہوتی ہی نہ تھی، ان سب روایات کے موافق سونے چاندی کے سب زیوروں کا ایک ہی حکم ہے، زکوٰۃ نہ دینے پر جہنم کی آگ مسلّط ہوجانے میں دونوں برابر ہیں، خواہ کسی روایت میں سونے کے زیور ہوں یا چاندی کے زیور۔ اور بعض علماء نے ان روایات کی وجہ سے جن میں زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اور سونے چاندی میں فرق کیا گیا ہے؛ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے تکبّر[7]، تفاخُر[8] اور اظہار مراد ہے، ایک روایت سے اس مفہوم کی تائید بھی ہوتی ہے؛ چنانچہ ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اے عورتوں کی جماعت! کیا تمھیں زیور بنانے کے لیے چاندی کافی نہیں ہے؟ یاد رکھو کہ جو عورت سونے کا زیور بنائے اور اس کو ظاہر

حل لغات: (۱) زیادہ۔ (۲) خصوصیت۔ (۳) دیکھے۔ (۴) حکم پورا کرنا۔ (۵) بہانہ، عذر۔ (۶) ٹال مٹول۔ (۷) گھمنڈ۔ (۸) ایک دوسرے پر بڑائی جتانا۔

زکوٰۃ

کرے، وہ اس کی وجہ سے عذاب دی جائے گی۔ [ترغیب]

اور یہ بات عام طور سے مُشَاہَدہ[1] میں آتی ہے کہ عورتوں کے یہاں چاندی کا زیور بالخصوص جو عورتیں اپنی جہالت سے اپنے کو اُونچے خاندان کی سمجھتی ہیں کچھ وقعت اور اہمیت نہیں رکھتا، وہ چاندی کے زیور کو کوئی اظہار یا تفاخر کی چیز نہیں سمجھتیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن ہوں تو ذرا بھی ان کو اس کے اظہار کا دَاعِیہ[2] پیدا نہ ہو؛ لیکن سونے کے کنگن ہوں تو بے وجہ پچاس مرتبہ مکھی اُڑانے کے بہانے سے ہاتھ ہلائیں گی، بیس[20] مرتبہ دوپٹہ درست کرنے کے واسطے ہاتھ کو پھیریں گی، بالخصوص کوئی نئی عورت گھر میں آجائے یا وہ کسی دوسرے کے گھر جائیں پھر تو نہ مکھی ان کے بدن سے اُڑ کر دیتی ہے، نہ اُن کا دوپٹہ درست ہو کر دیتا ہے، بار بار ہاتھوں کو حرکت دیتی رہتی ہیں اور اس حرکت سے محض دوسرے پر تفاخُر[3] مقصود ہوتا ہے، اپنے زیور کو دکھانا ہوتا ہے؛ لہٰذا دونوں باتوں کا اہتمام بہت ضروری ہے کہ زیور سے تفاخُر اور تکبّر اور اس کا اظہار ہرگز نہ ہونا چاہیے اور اس کی زکوۃ بہت اہتمام سے ادا کرنا چاہیے، اور دونوں میں سے اگر کوئی سی ایک بات کا بھی لحاظ نہ رکھا جائے تو اپنے آپ کو عذاب کے لیے تیار رکھنا چاہیے۔

(۱۰) عَنِ الضَّحَّاكِ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: كَانَ أُنَاسٌ مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ حِيْنَ أَمَرَاللهُ أَنْ تُؤَدّٰى الزَّكٰوةُ يَجِيْئُوْنَ بِصَدَقَاتِهِمْ بِأَرْدَإِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الثَّمَرَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ۔	حضرت ضحّاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ نے زکوۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا، تو منافق آدمی بدترین پھل جو اُن کے پاس ہوتے تھے وہ دیا کرتے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآن پاک میں آیتِ شریفہ ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ﴾ نازل فرمائی۔
[أخرجه ابن جرير وغيره كذا في الدّر المنثور]	

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ سورۂ بقرہ کے سینتیسویں[37] رکوع کی پہلی آیت کا جُزْو[4] ہے، یہ آیت شریفہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ سے شروع ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ مال کو خرچ کیا کرو (نیک کاموں میں؛ اور خرچ کیا کرو عمدہ مال کو) اس چیز میں سے جس کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا (یعنی پھل وغیرہ) اور رَدّی[5] مال کا ارادہ نہ کیا کرو کہ اس میں سے خرچ کرنے لگو، حالانکہ (اگر تم کو ویسی خراب چیز کوئی تمہارے حقِ واجب میں یا سَوغات[6] میں دینے لگے تو) تم کبھی بھی اس کو لینے والے نہ ہو، مگر یہ کہ چشم پوشی کر کے (شرمے شرمائے)

حل لغات: (۱) دیکھنا۔ (۲) جذبہ، تمنا۔ (۳) بڑائی، فخر۔ (۴) حصہ، ٹکڑا۔ (۵) گھٹیا، بدترین۔ (۶) تحفہ، ہدیہ۔

زکوۃ

لے لو اور یہ سمجھ لو کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی کے محتاج نہیں ہیں (کہ ایسے ردّی مال سے خوش ہو جائیں) وہ تعریف کے لائق ہیں۔'' بہت سی احادیث ان آیات کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، مآل[1] سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ہم انصاریوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں، ہم باغات کے مالک تھے، ہر شخص اپنے باغ کی حیثیت کے موافق کم وبیش[2] لایا کرتا تھا، بعض آدمی ایک دو خوشے[3] مسجد میں ٹانگ دیتے، اہلِ صُفّہ فقراء کی جماعت تھی جن کے کھانے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا، ان میں سے جس کو بھوک لگتی وہ ان خوشوں میں لکڑی مارتا اور جو پکی کچی کھجوریں گرتیں کھالیتا، بعض لوگ جنہیں خیر کے کاموں میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی، وہ بعض ردّی[4] قسم کی کھجوروں کا خوشہ یا خراب شدہ خوشہ ٹانگ دیتا، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو ہدیہ میں ایسی چیز دی جائے تو شرمے شرمائے تو لے لو ویسے نہ لو، اس کے بعد سے اچھے اچھے خوشے آنے لگے، اس مضمون کی متعدد[5] روایات وارد ہوئی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بازار سے سستا مال خریدتے اور صدقہ میں دیتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے روایت ہے کہ یہ آیتِ شریفہ فرض زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی، جب لوگ کھجوریں کاٹتے تو اچھا اچھا مال چھانٹ کر علیحدہ کر لیتے، جب زکوٰۃ لینے کے لیے آدمی جاتا تو ردّی مال اس کے سامنے کر دیتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ[6] مبارک میں ایک لکڑی تھی اور مسجد میں کسی نے ردّی کھجوروں کا خوشہ لٹکا رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشہ میں لکڑی ماری اور فرمایا کہ جس نے یہ لٹکایا ہے اگر اس سے بہتر لٹکاتا تو کیا نقصان ہو جاتا، یہ شخص جنت میں ایسی ہی ردّی کھجوریں پائے گا۔ [درمنثور]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ مساکین کو اس مال کو نہ کھلاؤ جس کو تم خود نہ کھاسکو۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ گوشت میں بُو ہو گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ فرمایا کہ وہ کسی کو اللہ واسطے دے دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسی چیز کا صدقہ کرتی ہو جس کو خود نہیں کھاتیں؟ [جمع الفوائد]

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جب دیا جا رہا ہے تو اچھا مال جہاں تک ممکن ہو دینا چاہیے؛ لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھا نہ دیا جائے اور خراب اس وجہ سے نہ دے بس حذف[7] ہی ہو جائے، اگر عمدہ کی توفیق نہ ہو تو نہ دینے سے گھٹیا دینا بہتر ہے۔ زکوٰۃ میں ردّی مال دینا بھی زکوٰۃ نہ دینے ہی کی

حل لغات: (١) انجام۔ (٢) کم زیادہ۔ (٣) کھجور کے گچھے۔ (٤) بیکار۔ (٥) کئی، بہت سے۔ (٦) ہاتھ۔ (٧) ختم ہونا۔

ایک قسم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا زکوٰۃ ادا کرنے کا ضابطہ[1]، چوتھی فصل کی احادیث میں نمبر چھ[6] صفحہ ۲۶۲ پر گزر چکا ہے کہ: نہ تو اللہ جَلَّ شانُہٗ بہترین مال کا مطالبہ فرماتے ہیں نہ گھٹیا مال کی اجازت دیتے ہیں؛ بلکہ مُتوسِّط[2] مال کا مطالبہ ہے، یہی اصل ضابطہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو احکامات اپنے ماتحتوں کو زکوٰۃ وصول کرنے کے تحریر فرمائے، ان میں زکوٰۃ کی تفصیل تحریر فرمائی اور تمہید[3] میں تحریر فرمایا کہ جو اس تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرے اس کو دی جائے اور جو اس سے زیادہ لینا چاہے اس کو نہ دی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو نماز کے حکم کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم کی تلقین فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ زکوٰۃ ادا کریں تو ان کے بہترین مال کو لینے کی کوشش نہ کرنا؛ مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ مظلوم کی بددعا کے قبول ہونے میں کوئی آڑ[4] نہیں ہوتی۔ امام زُہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حکومت کا آدمی زکوٰۃ لینے آئے تو بکریوں کے تین حصے کر دیے جائیں، عمدہ عمدہ ایک جگہ اور ردّی ردّی ایک جگہ، تیسرا حصہ جو درمیانی ہے ان میں سے لے لے۔ [ابوداؤد] یہی اصل ضابطہ ہے زکوٰۃ لینے والے کے حق میں؛ لیکن دینے والا اگر اپنی خوشی سے اچھے سے اچھا مال دے تو اس میں مُضائِقہ[5] نہیں ہے، جیسا کہ اسی حدیث نمبر چھ[6] صفحہ ۲۶۲ کے ذیل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض واقعات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد گزر چکا کہ تم اگر خوشی سے عمدہ مال ضابطہ سے زائد دینا چاہو تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر دے گا۔ اس لیے دینے والے کو یہ سمجھ کر: اپنے کام آنے والا صرف یہی مال ہے جو دیا جا رہا ہے، بہتر سے بہتر مال چھانٹ کر دینا چاہیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ کو آخرت کے واسطے ادا کرنا چاہے، اس کے لیے کچھ آداب ہیں، کچھ قواعد[6] ہیں، اُن کی رعایت کرنا چاہیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ بندہ اس کو نہایت اختصار[7] سے اور کہیں کہیں معمولی توضیح[8] سے ذکر کرتا ہے، یہ اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ ادب ذکر فرمائے ہیں: (۱) سب سے پہلی چیز تو یہ سمجھنے کی ہے کہ آخر زکوٰۃ کیوں واجب ہوئی؟ کیوں اس کو اسلام کا رکن قرار دیا گیا؟ اس کی تین وجہیں ہیں (الف) اس وجہ سے کہ زبان سے کلمہ کا اقرار کر لینا وہ اللہ تعالیٰ کو تنِ تنہا معبود ماننے کا اقرار ہے، یعنی یہ کہ اس کے ساتھ کوئی دُوسری چیز شریک نہیں ہے اور اس کی تکمیل[9] اور تمامی[10] جب ہی ہوسکتی ہے، جب کہ اس ایک پاک ذات کے سوا محبت کے دعویدار کے دل میں اختیاری طور پر کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہے، اس لیے کہ محبت شرکت کی ہرگز متحمّل[11] نہیں ہے اور محض زبانی دعوائے محبت

حل لغات: (۱) اصول، قانون۔ (۲) درمیانی درجہ کا۔ (۳) شروع۔ (۴) رکاوٹ۔ (۵) حرج۔ (۶) قاعدہ کی جمع، اصول۔ (۷) مختصر۔ (۸) تفصیل، وضاحت۔ (۹) پورا ہونا۔ (۱۰) مکمل ہونا۔ (۱۱) برداشت۔

زکوٰۃ

بیکار ہے، محبت کا امتحان جب ہی ہو سکتا ہے جب دوسری محبوب چیزوں سے مقابلہ پڑ جائے اور مال ہر شخص کو بالطبع[1] محبوب ہوتا ہے، اس لیے اللہ سے محبت اور اس کی تنہا معبودیّت کے اقرار میں امتحان کی کسوٹی[2] کے طور پر مال کا خرچ کرنا فرض کیا گیا ہے، جس سے لوگوں کی حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ محبت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی لیے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ [سورۂ توبہ:۱۱۱] ''بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس بات کے بدلہ میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی''۔ اور جانوں کو خرید لینا جہاد کے ذریعہ سے ہے اور مالوں کا خرچ کرنا جان کے خرچ کرنے سے ہلکا ہے؛ اور جب مال کے خرچ کرنے کا یہ مفہوم ہوا کہ محبت کے امتحان کی کسوٹی ہے، تو آدمی اس امتحان میں تین قسم کے ہوئے: پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی یکتائی[3] کا سچا اقرار کیا کہ اس کی محبت میں ذرا سی بھی شرکت کسی چیز کی نہیں آنے دی اور اپنے عہد کو پورا پورا ادا کر دیا کہ اپنے مالوں کو سب کو اس کے نام پر قربان کر دیا، نہ اپنے لیے کوئی دینار[4] رکھا نہ درم[5]، وہاں زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں آتا، اسی وجہ سے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اُن سے کسی نے دریافت[6] کیا کہ دو سو درم میں کتنی مقدار واجب ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ عام لوگوں پر شریعتِ مُطَہَّرہ[7] کے ضابطہ کے موافق پانچ درم ہیں؛ لیکن ہم لوگوں کو سب کا خرچ کر دینا ضروری ہے، یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے اپنا سارا مال خدمت میں پیش کر دیا اور محبت کے دعویٰ کو ایسا پورا کیا کہ محبوب کے سوا کچھ بھی نہ چھوڑا۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو درمیانی درجہ کے ہیں کہ وہ بقدرِ حاجت وضرورت باقی رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نعمتوں اور لذّتوں میں تو مشغول نہیں ہوتے البتہ بقدرِ ضرورت ذخیرہ رکھتے ہیں اور ضرورت سے زائد کو صَرف[8] کر دیتے ہیں، یہ حضرات بھی خرچ کرنے میں مقدارِ زکوٰۃ پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ فاضل[9] مال جو کچھ ہوتا ہے وہ سب خرچ کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے بعض تابعین جیسا کہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق واجب ہیں، ان حضرات کے نزدیک مالدار کے ذمہ واجب ہے کہ جہاں کہیں ضرورت مند کو دیکھے تو زکوٰۃ سے زائد سے بھی اس کی حاجت کو پورا کرے؛ لیکن فقہ کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص اضطرار[10] کے درجہ کو پہونچ گیا ہو، تو اس کی ضرورت کا پورا کرنا فرضِ کفایہ ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مُضطَر پر اتنی مقدار خرچ کرنا بھی جس سے وہ ہلاکت سے بچ جائے، مفت ضروری ہے یا قرض دینا بھی کافی ہے، اور جو قرض دینا کہتے

حل لغات: ① فطری طور پر ② پرکھنا۔ ③ ایک ہونے کا۔ ④ سونے کا سکہ۔ ⑤ چاندی کا سکہ۔ ⑥ پوچھنا۔ ⑦ پاکیزہ شریعت۔ ⑧ خرچ۔ ⑨ زیادہ۔ ⑩ سخت بھوک کی حالت۔

زکوٰۃ

ہیں وہ گویا تیسری قسم میں داخل ہیں۔ اور تیسری قسم اَدْنٰی[1] درجہ کے لوگوں کی ہے جو صرف واجب یعنی مقدارِ زکوٰۃ ہی ادا کرتے ہیں نہ اس سے کم کرتے ہیں نہ زیادہ۔ عام لوگ بیشتر[2] اسی قسم میں داخل ہیں، اس لیے کہ اُن کو مال سے محبت ہے، وہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، انہیں آخرت کی رغبت کم ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تین ہی قسمیں آدمیوں کی لکھی ہیں، چوتھی قِسم کا ذکر نہیں کیا جو مقدارِ واجب کو بھی پوری ادا نہیں کرتے یا بالکل ہی ادا نہیں کرتے، اس لیے کہ یہ لوگ تو اپنے دعوائے محبت میں بالکل ہی جھوٹے ہیں، ایسوں کا کیا ذکر کرنا جو جھوٹی محبت کے دعوے دار ہوں۔ (ب) اس وجہ سے بھی کہ زکوٰۃ سے آدمی کو صفتِ بخل سے پاک کرنا مقصود ہے جو بڑی مُہلک[3] چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ تین چیزیں مہلک ہیں: ایک وہ حِرص[4] و بُخل[5] جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اگر طبعاً[6] کوئی شخص بخیل ہو مگر عمل اپنی طبیعت کے خلاف کرتا ہے اور طبیعت پر جَبر[7] کرتا ہے تو یہ تو مُہلِک نہیں۔ مُہلِک وہ بخل ہے کہ عمل بھی اس کے موافق ہو)، دوسری وہ خواہشِ نفس جس کا اتباع کیا جائے (اُس کا بھی وہی مطلب ہے کہ مثلاً شہوت کسی شخص کو ہو اور وہ اس کو بجبر روکے تو وہ مُہلِک نہیں، مُہلِک وہ ہے کہ اس کے موافق عمل بھی کرے)، تیسری چیز ہر شخص کا اپنی رائے کو سب سے بہتر سمجھنا ہے، اس کے علاوہ قرآن پاک کی مُتعَدَّد آیات اور بہت سی احادیث میں بخل کی مَذَمَّت[8] وارد ہوئی ہے جیسا کہ دوسری فصل میں ان میں سے چند گزر چکیں اور آدمی سے صفتِ بخل اسی طرح زائل[9] ہوسکتی ہے کہ زبردستی اس کو مال خرچ کرنے کا عادی[10] بنائے کہ جب کسی سے محبت، تعلق چھڑانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ اپنے کو اس سے دور رکھنے پر مجبور کیا جائے تاکہ اس کی محبّت جاتی رہے۔ اسی لحاظ سے زکوٰۃ کو پاکی کا ذریعہ کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کو بخل کی گندگی سے پاک کرتی ہے، اور جس قدر زیادہ مال خرچ کرے گا اور جتنی زیادہ مَسَرّت اور خوشی سے خرچ کرے گا اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بَشاشَت[11] ہوگی اتنی ہی بخل کی گندگی سے نَظَافَت[12] حاصل ہوگی۔ (ج) اس وجہ سے بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نعمتِ مال کا شکرانہ ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ہر شخص کے جان و مال میں اس قدر انعامات، احسانات ہیں کہ حد نہیں، پس طاعاتِ بَدَنیہ[13] بدنی انعامات کا شکرانہ ہیں اور طاعاتِ مَالیہ[14] مالی انعامات کا شکرانہ ہیں۔ اور کس قدر کمینہ اور ذلیل ہے وہ شخص جو کسی فقیر کو دیکھے، اس کی تنگدستی[15] اور بدحالی کو، اس پر رزق کی کمی کی مصیبت کو دیکھے، پھر بھی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکرانہ کا خیال نہ آئے جو

حل لغات: (۱) کم۔ (۲) زیادہ تر۔ (۳) ہلاک کرنے والی۔ (۴) لالچ۔ (۵) کنجوسی۔ (۶) پیدائشی، فطری۔ (۷) زور زبردستی۔ (۸) برائی۔ (۹) دور۔ (۱۰) عادت والا۔ (۱۱) خوشی۔ (۱۲) پاکیزگی، صفائی۔ (۱۳) بدن کے ذریعے ادا کی جانے والی عبادتیں۔ (۱۴) مال کے ذریعے ادا کی جانے والی عبادتیں۔ (۱۵) غریبی۔

زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر کی، کہ اس کو بھیک مانگنے سے مُستغنی[1] کیا اور اس فقیر کی طرح اپنی حاجت کو دوسرے کے سامنے لے جانے سے بے نیاز[2] کیا؛ بلکہ اس قابل کیا کہ دوسرا شخص اس کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے، کیا اس کا شکرانہ یہ نہیں ہے کہ اپنے مال کا دسواں یا چالیسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کر دے؟ (دسویں سے پیداوار کا عُشر اور چالیسویں سے زکوٰۃ مراد ہے)۔ (۲) دوسرا ادب: زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کے اعتبار سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں بہت عُجلت[3] کرے کہ اس کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہی ادا کر دے کہ اس میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے اِمتثالِ حکم میں رغبت کا اظہار ہے اور فقراء کے دلوں میں مَسرّت[4] کا پیدا کرنا ہے اور دیر کرنے میں اپنے اوپر اور مال پر کسی قسم کی بیماری اور آفت آجانے کا بھی احتمال[5] ہے؛ اور جن کے نزدیک زکوٰۃ کا فوراً ادا کرنا ضروری ہے، ان کے نزدیک تو تاخیر[6] کا گناہ مستقل ہے، لہٰذا جس وقت بھی دل میں خرچ کرنے کا خیال پیدا ہو، اس کو فرشتہ کی تحریک سمجھے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کے ساتھ ایک تحریک فرشتہ کی ہوتی ہے اور ایک شیطان کی۔ فرشتہ کی تحریک تو خیر کی طرف متوجہ کرنا اور حق کی تصدیق ہے، جب آدمی اس کو پاوے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے؛ اور شیطان کی تحریک برائی کی طرف متوجہ کرنا اور حق بات کو جھٹلانا ہے، جب آدمی اس کو پاوے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھے۔ [سادۃ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہے جس طرح چاہے پلٹ دیتا ہے، اس لیے دل میں جو یہ خیال خرچ کرنے کا آیا ہے، اس کے بدل جانے کا بھی خطرہ ہے، اس کے علاوہ شیطان آدمی کو اپنی اِحتیاج[7] کا خیال دلاتا رہتا ہے جیسا کہ دوسری فصل کی آیات میں نمبر دو[2] صفحہ ۱۵۸ پر گزرا اور فرشتہ کی تحریک کے بعد شیطان کی تحریک بھی ہوتی ہے، اس لیے اس کی تحریک کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے ادا کر لے؛ اور اگر ساری زکوٰۃ ایک ہی وقت ادا کرنا مقصود ہو تو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کوئی سا ایک مہینہ زکوٰۃ ادا کرنے کا مُعیّن[8] کر لے اور بہتر یہ ہے کہ افضل مہینوں میں سے مقرّر کرے تاکہ اس میں خرچ کرنے سے ثواب میں زیادتی ہو، جیسا کہ مثلاً محرم کا مہینہ ہے کہ وہ سال کا شروع مہینہ ہونے کے علاوہ اشہرِ حُرُم میں سے ہے اور اس میں ایک دن یعنی عاشورہ کا ایسا ہے کہ اس میں صدقہ کرنے کی اور اہل عیال پر خرچ میں وسعت کی فضیلت آئی ہے، لہٰذا اس مہینہ میں اگر ادا کرے تو بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو ادا کرے۔ [سادۃ]

یا مثلاً رمضان المبارک کا مہینہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جود و بخشش میں

حل لغات: (۱) آزاد، بے پرواہ۔ (۲) بے پرواہ۔ (۳) جلدی، جلد بازی۔ (۴) خوشی۔ (۵) گمان۔ (۶) دیر کرنا۔ (۷) ضرورت، حاجت۔ (۸) مقرر، متعین۔

زکوٰۃ

تمام آدمیوں سے بڑھ کر تھے اور ماہِ رمضان میں تو آپ کی بخشش اور جود ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسا کہ تیز ہَوا۔ نیز اس مہینہ میں لیلۃُ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی اس مہینہ میں اپنے بندوں پر روز[1] اَفزوں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ذوالحجہ کا مہینہ بھی بڑی فضیلت والے مہینوں میں ہے، اس میں حج ہوتا ہے، اس میں ایامِ معلومات ہیں یعنی عشرہ ذی الحجہ؛ اور ایامِ معدودات ہیں؛ یعنی ایامِ تشریق[2]؛ اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی ترغیب قرآن پاک میں آتی ہے، پس اگر کوئی رمضان کو مُتعَیَّن کرے تو اس کا عشرۂ آخر مناسب ہے، اور ذی الحجہ کو مقرر کرے تو اس کا عَشَرہ[3] اوّل بہتر ہے۔

بندہ نا کارہ[4] زکریا کا مشورہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی زکوٰۃ کا تقریبی اندازہ تو ہوتا ہی ہے، اس لیے سال کے شروع ہی سے ضرورت کے مواقع پر اس انداز کی رعایت رکھتے ہوئے تھوڑا تھوڑا دیتا رہے اور جب سال وجوب کا ختم ہو اس وقت اپنے مال کا اور اپنی زکوٰۃ کا پورا حساب لگالے؛ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس وقت پوری کردے اور کچھ زیادہ ادا ہوگیا ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق تھی کہ واجب سے بھی زیادہ ادا ہوگیا۔ اس میں تین مصلحتیں ہیں: اوّل تو یہ کہ پوری رقم اگر مقدار میں زیادہ ہوتی تو بڑی رقم کا بیک وقت خرچ کرنا اکثر طبیعت پر بَار[5] ہوجاتا ہے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے میں طیبِ[6] نفس سے خرچ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت ہے؛ دوسری مصلحت یہ ہے کہ ضرورت کے مواقع ہر وقت مُیَسَّر[7] نہیں ہوتے، اس طرح ادا کرنے میں ضرورت کے مواقع پر خرچ ہوتا رہے گا، اور اگر سال کے ختم پر حساب کرکے اس خیال سے اس کو علیٰحدہ رکھے گا کہ وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہوں گا، تو اس میں ایک تو ہر دن تاخیر ہوتی رہے گی، دوسرے اس کا اطمینان نہیں کہ ادائیگی سے پہلے کوئی حادثہ جانی یا مالی پیش نہ آجائے؛ اور زکوٰۃ واجب ہوجانے کے بعد ادا نہ ہونے میں سب کے نزدیک گناہ ہے؛ تیسری مصلحت یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنے میں اگر آدمی کے بخل نے زیادہ زور نہ کیا تو اُمید یہ ہے کہ مقدارِ واجب سے کچھ زیادہ اکثر ادا ہوجایا کرے گا جو مرغوب[8] چیز ہے، اور بیک وقت حساب لگا کر اس پر اضافہ کرنا بہت سے لوگوں کو دشوار[9] ہوگا۔ یہاں ایک بات اہتمام سے ذہن میں رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ کا مدار[10] قمری[11] سال پر ہے، شمسی[12] سال پر نہیں ہے، بعض لوگ انگریزی مہینہ سے زکوٰۃ کا حساب رکھتے ہیں، اس میں دس یوم کی تاخیر تو ہر سال ہو ہی جاتی ہے، اس کے علاوہ چھتیس سال میں ایک سال کی زکوٰۃ کم ہوجائے گی جو اپنے ذمہ پر رہ گئی۔ (۳) تیسرا ادب زکوٰۃ کا مخفی[13] طریقہ سے ادا کرنا ہے، اس لیے کہ اس میں رِیا

حل لغات: (۱) آئے دن زیادہ۔ (۲) ذی الحجہ کی ۹ تاریخ سے ۱۳ تاریخ تک۔ (۳) پہلے دس دن۔ (۴) یعنی مولف کتاب حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ (۵) بوجھ۔ (۶) خوش دلی۔ (۷) حاصل (۸) پسندیدہ۔ (۹) مشکل۔ (۱۰) انحصار، ادا کرنے کا وقت۔ (۱۱) ہجری، اسلامی۔ (۱۲) عیسوی، انگریزی۔ (۱۳) چھپا ہوا۔

زکوٰۃ

اورشہرت سے امن ہے اور لینے والے کی پردہ[1] پوشی ہے، اس کو ذلت سے بچانا ہے اور افضل یہی ہے کہ اگر کوئی مجبوری اظہار[2] کی نہ ہو تو مخفی طور پر ادا کرے، اس لیے کہ صدقہ کی مصلحت بخل[3] کی گندگی کو دور کرنا ہے، مال کی محبت کو زائل[4] کرنا ہے اور زیادہ شہرت میں حُبِّ[5] جاہ کو دخل ہوتا ہے، اور یہ مرض یعنی حُبِ جاہ کا حُبِ مال سے بھی زیادہ سخت ہے، اور لوگوں پر حُبِ مال سے بھی زیادہ مسلّط[6] ہے اور صفتِ بخل قبر میں بچھو بن کر آدمی کو کاٹتی ہے؛ اور صفتِ ریا وشہرت اژدہا بن کر ڈستی ہے، تو صفتِ بخل کو زائل کر کے صفت ریا کو تقویت[7] دینے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص بچھو کو مار کر سانپ کو کھلائے کہ اس میں بچھو تو یقینا مر گیا اور اس کی مَضَرَّت[8] جاتی رہی؛ لیکن سانپ زیادہ قَوِی[9] ہو گیا اور مقصود دونوں کو مارنا ہے اور سانپ کا مارنا زیادہ ضروری ہے۔ (۴) چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر کوئی دینی مصلحت اظہار کی ہو، مثلاً: دوسروں کو ترغیب مقصود ہو، یا دوسرے لوگ اس کے فعل کا اتباع کرتے ہوں یا اور کوئی دینی مصلحت ہو تو اس وقت اظہار افضل ہوگا۔ ان دونوں نمبروں کا بیان پہلی فصل کی آیات میں نمبر نو۹ صفحہ ۳۰ پر مفصل گزر چکا۔ (۵) پانچواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو منّ واَذٰی سے برباد نہ کرے، من کے معنی احسان رکھنے کے ہیں، یعنی جس پر صدقہ کیا ہے اس پر اپنے صدقہ کا احسان جتائے؛ اور اذٰی کے معنی تکلیف کے معنی ہیں، یعنی: اس کو کسی اور طرح کی اذیت[10] اس گھمنڈ پر پہونچائے کہ یہ اپنا دستِ[11] نگر ہے، محتاج[12] ہے، اس کی ضرورت اپنے سے وَابَستہ[13] ہے یا میں نے زکوٰۃ دے کر اس پر احسان کیا ہے، یہ مضمون بھی پہلی فصل کی آیات میں نمبر آٹھ۸ صفحہ ۲۹ پر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ (۶) چھٹا ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو حقیر[14] سمجھے اس کو بڑی چیز سمجھنے سے عُجب[15] پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، جو بڑی ہلاکت کی چیز ہے اور نیک اعمال کو برباد کرنے والی ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے بھی قرآنِ پاک میں طعن[16] کے طور پر اس کو ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: {وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا} [سورۂ براۃ:۲۵] ”اور حُنین کے دن (بھی تم کو غلبہ دیا تھا) جبکہ (یہ قصہ پیش آیا تھا کہ) تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (کفّار کے تیر برسانے سے تمہیں اس قدر پریشانی ہوئی کہ) زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم (میدانِ جنگ سے) منہ پھیر کر بھاگ گئے، اس کے بعد اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے رسول اور مؤمنین پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر (فرشتوں کے) تمہاری مدد کے لیے بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اس کا قصہ کتبِ احادیث میں مشہور ہے، کثرت سے روایات اس قصہ

حل لغات: (۱) راز میں رکھنا۔ (۲) ظاہر کرنا۔ (۳) کنجوسی۔ (۴) دور کرنا، ختم کرنا۔ (۵) عہدہ چاہنا۔ (۶) سوار۔ (۷) قوت، طاقت۔ (۸) نقصان، تکلیف۔ (۹) طاقت ور۔ (۱۰) تکلیف۔ (۱۱) ماتحت۔ (۱۲) ضرورتمند۔ (۱۳) متعلق، لگی ہوئی۔ (۱۴) معمولی۔ (۱۵) بڑائی، اپنے کو اچھا سمجھنا۔ (۱۶) ملامت۔

زکوٰۃ

کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان المبارک ۸ھ میں جب کہ حضور اقدس ﷺ نے مکّہ مکرّمہ کو فتح فرمالیا تو قبیلہ ھَوازن اور ثَقیف پر حملہ کے لیے رمضان میں تشریف لے گئے؛ چونکہ مسلمانوں کی جمعیت[1] اس وقت پہلے غزوات[2] کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوگئی تھی، تو ان میں اپنی کثرت پر عُجب پیدا ہوا کہ ہم اتنے زیادہ ہیں کہ مغلوب نہیں ہوسکتے، اسی بنا پر کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کو گھمنڈ اور عُجب بہت ناپسند ہے، ابتداء میں مسلمانوں کو شکست[3] ہوئی، جس کی طرف آیتِ بالا میں اشارہ ہے کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر گھمنڈ پیدا ہوا؛ لیکن مجمع کی کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاک رسول ﷺ نے مکّہ مکرّمہ فتح کرلیا، تو قبیلہ ھَوازن اور ثَقیف کے لوگ چڑھائی کرکے آئے اور مَوضَعِ[4] حُنین میں وہ لوگ جمع ہوگئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جب مکّہ والے بھی فتح کے بعد مدینہ والوں کے ساتھ مجتمع[5] ہوگئے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ واللہ! اب ہم اکٹھے ہوکر حُنین والوں سے مقابلہ کریں گے، حضور اقدس ﷺ کو ان لوگوں کی یہ گھمنڈ کی بات گراں[6] گزری اور ناپسند ہوئی۔ [درمنثور] غرض عُجب کی وجہ سے یہ پریشانی پیش آئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ نیکی جتنی بھی اپنی نگاہ میں کم سمجھی جائے گی، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی سمجھی جائے گی؛ اور گناہ جتنا بھی اپنی نگاہ میں بڑا سمجھا جائے گا، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں ہلکا اور کم سمجھا جائے گا۔ یعنی ہلکے سے گناہ کو بھی یہی سمجھے کہ میں نے بہت بڑی حماقت[7] کی، ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیے تھا، کسی گناہ کو بھی یہ نہ سمجھے کہ چلو اس میں کیا ہوگیا۔ بعض علماء سے نقل کیا گیا کہ نیکی تین چیزوں سے کامل ہوتی ہے: ایک یہ کہ اس کو بہت کم سمجھے کہ کچھ بھی نہ کیا، دوسرے جب کرنے کا خیال آجائے تو اس کو کرنے میں جلدی کرے، مَبادا[8] یہ مبارک خیال یعنی نیکی کرنے کا نکل جائے، یا کسی وجہ سے نہ ہوسکے؛ تیسرے یہ کہ اس کو مخفی[9] طور سے کرے؛ اور جو کچھ خرچ کیا ہے اس کو حقیر سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مُوازنہ[10] اس سے کرے جو اپنے اوپر خرچ کیا جاچکا اور اپنے پاس باقی رہنے دیا، پھر سوچے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کتنا خرچ کیا اور اپنے لیے کتنا رکھا؟ مثلاً: اگر جو کچھ اس کے پاس موجود تھا اس میں سے ایک تہائی خرچ کردیا، تو گویا مالکُ المُلک آقا اور محبوب کی رضا میں تو ایک تہائی ہوا اور محبّت کے دعوے دار کے حصّہ میں دو تہائی، اور اگر کوئی شخص اس کا عکس[11] یا سارا بھی خرچ کردے جس کی مثال اس زمانہ میں تو ملنا بھی مشکل ہے، تب بھی یہ سوچنا چاہیے کہ آخر مال تو اللہ ہی کا تھا، اسی کی عطا فرمائی ہوئی چیز اپنے پاس تھی، جس میں اس نے اپنے لطف وکرم احسان سے خرچ کی اور اپنی ضرورت میں کام

حل لغات: (۱) مجمع۔ (۲) غزوہ کی جمع، جنگ۔ (۳) ہار۔ (۴) جگہ، مقام۔ (۵) جمع ہونا۔ (۶) ناپسند، بُرا لگنا۔ (۷) بے وقوفی۔ (۸) خدانخواستہ۔ (۹) پوشیدہ، چھپا ہوا۔ (۱۰) دو باتوں میں مقابلہ کرنا۔ (۱۱) اُلٹا۔

زکوٰۃ

لانے کی اجازت دے رکھی تھی، اگر کسی ایسے شخص کی امانت اپنے پاس ہو جس نے امانت رکھواتے وقت یہ بھی کہہ دیا ہو کہ اگر آپ کو کوئی ضرورت پیش آوے تو اس کو اپنا ہی مال تصوّر[1] کر کے خرچ کر لیں، پھر تم کسی وقت اس کی امانت کم و بیش واپس کرو تو اس میں کون سا احسان تمہارا ہوا جس کو تم سمجھو کہ ہم نے بڑا کارنامہ کیا؛ اور پھر مزید[2] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کو اس کی عطا کی ہوئی چیز واپس کرنے میں یعنی اس کے نام پر خرچ کرنے میں اس کی طرف سے اجر و ثواب اور بدلے کا ایسا ایسا وعدہ ہے کہ اس کے لحاظ سے تو یہ کہا بھی نہیں جا سکتا کہ ہم نے اس کی امانت واپس کر دی، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ایک شخص نے مثلاً سو روپے امانت رکھوائے تھے اور اس میں سے اس نے پچاس ساٹھ واپس لے لیے اس وعدہ پر کہ عنقریب[3] ہی اتنی گنیاں[4] اس کے بدلے میں تمہیں دے دوں گا، یا یوں سمجھو کہ پچاس واپس لیے اور پانچ سَو کا چیک بینک کا کاٹ کر تمہارے حوالے کر دیا، تو ایسی حالت میں کیا گھمنڈ کا موقع ہے اس بات کا کہ میں نے امانت رکھنے والے کو کچھ واپس کیا، اسی وجہ سے اس ادب کے ماتحت[5] یہ چیز بھی ہے کہ جب صدقہ کرے تو بجائے فخر اور گھمنڈ کے شرمندگی کی سی صورت سے خرچ کرے جیسا کہ کسی کی امانت کوئی شخص اس طرح واپس کرے کہ اس میں سے کم یا زیادہ رکھ بھی لے مثلاً: کسی کے سو روپیہ امانت رکھے ہوں اور امانت کی واپسی کے وقت اس میں سے پچاس ہی واپس کرے اور یہ کہہ کر واپس کرے کہ تم نے چونکہ مجھے خرچ کی اجازت دے دی تھی اس لیے پچاس میں نے خرچ کر لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لیے رکھ لیے، یہ کہتے وقت جیسا کہ آدمی پر ایک حجاب[6]، ایک شرم، ایک غیرت، ایک عاجزی، ایک ذلّت ٹپکتی ہے اور اس کو یہ بات خود کو محسوس ہوتی ہے کہ میں نے اس کریم النفس[7] آدمی کے مال میں تصرف[8] کیا، اُس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے باقی کا مطالبہ نہیں کیا۔ یہی ہیئت[9] بعینہٖ[10] اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ہونی چاہیے کہ اسی کی عطا کا کچھ حصہ اسی کو ایسی طرح واپس کیا جا رہا ہے کہ اس میں سے ہم نے کچھ کھا بھی لیا اور کچھ رکھ بھی لیا اور یہ اس وجہ سے کہ صدقہ جو کسی فقیر کو دیا جا رہا ہے یا ضرورت کے موقع پر خرچ کیا جا رہا ہے تو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ ہی کو واپس کیا جا رہا ہے، فقیر تو محض ایک ایلچی[11] ہے جو گویا اس نے اپنا آدمی اپنی امانت واپس لینے کے لیے بھیجا ہے، ایسے مواقع میں آدمی ایلچی کی کیسی خوشامد کیا کرتا ہے کہ تو آقا سے، حاکم سے ذرا سفارش کر دیجیو، کہہ دیجیو کہ اس کے پاس سارا مطالبہ ادا کرنے کو اس وقت تھا نہیں، میری ضرورتوں اور احوال[12] پر نظر کر کے اتنے ہی کو قبول کر لیں، وغیرہ وغیرہ، غرض جتنی چاپلوسی قاصدوں کی، اہلکاروں کی ایسے وقت میں ہوتی ہے جب کہ پورا حق ادا نہ کیا جا رہا ہو، اس سے

حل لغات: (۱) خیال۔ (۲) زیادتی، بڑھوتری۔ (۳) جلدی۔ (۴) سکّے۔ (۵) حکم میں، اندر۔ (۶) جھجک۔ (۷) شریف۔ (۸) استعمال۔ (۹) حالت۔ (۱۰) اسی طرح۔ (۱۱) قاصد، پیغام لے جانے والا۔ (۱۲) حالت۔

زیادہ عملی صورت سے فقراء اور صدقہ کا مال لینے والوں کی ہونا چاہیے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ایلچی ہیں، مالکُ المُلک کے قاصد ہیں، اس مالکُ المُلک، قادرِ مطلق اور بے نیاز کے بھیجے ہوئے ہیں جس نے سب کچھ عطا کیا اور وہ جب چاہے آن کی آن[1] میں سب کچھ چھین کر تمہیں بھی ایسا ہی محتاج کر دے جیسا کہ تمہارے سامنے ہے؛ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ مال سارا کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کی راہ میں سارا خرچ کر دینا مرغوب اور پسندیدہ ہے؛ اس نے اپنے لطف و کرم سے سب کے خرچ کرنے کا ایجاب[2] ہم پر نہیں فرمایا، اس لیے کہ اگر وہ سب کچھ خرچ کرنا واجب فرما دیتا تو ہمیں اپنے طبعی[3] بخل و کنجوسی سے بہت بار[4] ہو جاتا۔ ⑦ ساتواں ادب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کے لیے بالخصوص زکوٰۃ ادا کرنے میں جو اس کا ایک اہم حکم اور فریضہ ہے، بہتر سے بہتر مال خرچ کرے، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ خود طیّب ہیں، ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں، اس لیے طیّب ہی مال قبول فرماتے ہیں، اگر آدمی یہ خیال کرے کہ یہ مال جو صدقہ کیا جا رہا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ کو دیا جا رہا ہے، تو کِس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے کہ جس پاک ذات کا مال ہے، جس کا عطا کیا ہوا ہے، اس کی خدمت میں تو گھٹیا قسم کا مال پیش کرے اور خود اپنے لیے عمدہ اور بہتر رکھے، اس کی مثال اس نوکر یا خانسامہ[5] کی سی ہے جو آقا کے لیے تو باسی روٹی اور دال بُودار[6] رکھے اور اپنے لیے قورمہ پکائے، خود ہی غور کر لو کہ ایسے نوکر کے ساتھ آقا کا کیا معاملہ ہونا چاہیے۔ پھر دنیا کے آقاؤں کو تو ہر ہر چیز کی خبر بھی نہیں ہوتی اور اس علیم و خبیر کے سامنے ہر ہر بات رہتی ہے، بلکہ دل کے خیالات بھی ہر وقت سامنے ہیں ایسی حالت میں اس کے مال میں سے اسی کے لیے گھٹیا اور خراب چیز بھیجنا کِس قدر نمک حرامی ہے؛ اور اگر آدمی یہ خیال کرے کہ یہ جو کچھ خرچ کر رہا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہے، اس کا بدلہ نہایت سخت احتیاج[7] کے وقت اپنے ہی کو ملتا ہے تو کس قدر حماقت[8] کی بات ہے کہ آدمی اپنے لیے تو سڑیل گھٹیا چیزیں رکھے اور اچھا اچھا مال دوسروں کے واسطے چھوڑ جائے۔ حدیث میں آیا ہے ''آدمی کہتا ہے: میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو صدقہ کر کے آگے بھیج دیا یا کھا کر ختم کر دیا، باقی جو رہ گیا وہ دوسروں کا مال ہے'' (یعنی وارثوں کا)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک درم کبھی لاکھ درم سے بڑھ جاتا ہے اور وہ اسی طرح سے ہے کہ آدمی حلال کمائی سے عمدہ مال طِیبِ[9] خاطِر اور سُرور[10] سے خرچ کرے بجائے اس کے کہ مکروہ مال سے ایک لاکھ درم خرچ کرے۔ ⑧ آٹھواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو ایسے موقع میں خرچ کرے جس سے اس کا ثواب بڑھ جائے، اور چھ صفات ایسی ہیں کہ جس کے اندر ان میں سے ایک بھی

حل لغات: ① ذرا سی دیر میں، ایک لمحہ میں۔ ② واجب کرنا، ضروری ہونا۔ ③ فطری۔ ④ بوجھ، دشوار۔ ⑤ باورچی، کھانا بنانے والا۔ ⑥ بدبو والی۔ ⑦ ضرورت، حاجت۔ ⑧ بے وقوفی۔ ⑨ خوش دلی۔ ⑩ خوشی۔

زکوٰۃ

صفت ہو اس کو دینے سے صدقہ کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے، اور جس میں ان میں سے جتنی صفات زیادہ ہوں گی، اتنا ہی اجر بھی زیادہ ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے اُتنا ہی صدقہ بڑھ جائے گا۔ (الف) متقی پرہیز گار ہو، دنیا سے بے رغبت اور آخرت کے کاموں میں مشغول ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ تیرا کھانا متقیوں کے سوا کوئی نہ کھاوے۔ یہ حدیث پہلی فصل کی احادیث میں نمبر تیئس[۲۳] صفحہ ۱۳۵ پر گذر چکی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ متقی آدمی تیرے اس صدقہ سے اپنے تقویٰ اور طاعت میں اعانت[۱] حاصل کرے گا اور تو گویا اس کے تقویٰ میں مُعِین[۲] ہوا اور اس کی عبادت میں ثواب کا شریک ہوا۔ (ب) اہلِ علم ہو اس لیے کہ اس سے تیری اعانت اس کے علوم حاصل کرنے میں اور پھیلانے میں شامل ہو جائے گی؛ اور علم تمام عبادتوں میں اشرف[۳] اور اعلیٰ عبادت ہے؛ اور جتنی بھی علمی مشغلہ میں نیت اچھی ہوگی اُتنی ہی یہ عبادت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدّث اور بزرگ ہیں، وہ اپنی عطاؤں[۴] کو علماء کے ساتھ مخصوص رکھتے تھے، کسی نے عرض کیا کہ اگر غیر عالموں پر بھی آپ کرم فرمائیں تو کیسا اچھا ہو، انہوں نے فرمایا کہ میں نبوت کے درجے کے بعد علم کے برابر کسی کا درجہ بھی نہیں پاتا، جب کوئی اہلِ علم میں سے کسی دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے علمی مشغلہ میں نقصان ہوتا ہے، اس لیے ان کو علمی مشاغل کے لیے فارغ رکھنا سب سے افضل ہے۔ (ج) وہ شخص اپنے تقویٰ اور اپنے علم میں حقیقی مُوَحِّد[۵] ہو اور حقیقی مُوَحِّد ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی احسان کرے تو وہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا شکر کرے اور دل سے یہ بات سمجھے کہ حقیقی احسان اسی پاک ذات کا ہے، وہی اصل عطا کرنے والا ہے؛ اور جو دینے والا ظاہر میں دے رہا ہے وہ صرف واسطہ اور ایلچی ہے، حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ اپنے اور حق تعالیٰ شانُہٗ کے درمیان کسی دوسرے کو احسان کرنے والا مت بنا کسی دُوسرے کے احسان کو اپنے اُوپر تاوان[۶] سمجھ، جو شخص واسطہ کا حقیقی احسان سمجھتا ہے اس نے حقیقی احسان کرنے والے کو پہچانا ہی نہیں، اس نے یہ نہ سمجھا کہ یہ واسطہ ہے اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ فلاں شخص پر احسان کیا جائے اس لیے وہ اپنے اس احسان کرنے میں مجبور تھا؛ اور جب آدمی کے دل میں یہ بات جم جائے تو پھر اس کی نگاہ اسباب پر نہیں رہتی بلکہ مُسَبِّبُ[۷] الْاَسْبَاب پر ہو جاتی ہے، اور ایسے شخص پر احسان کرنا احسان کرنے والے کے لیے زیادہ نافع[۸] ہوتا ہے، اور دوسروں کے بہت لمبے چوڑے ثناو شکر کے الفاظ سے اس پر احسان کرنا کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے، اس لیے کہ جو آج احسان پر لمبی چوڑی تعریف کر رہا ہے وہ کل کو اعانت روکنے پر اسی طرح

حل لغات: (۱) مدد۔ (۲) مددگار۔ (۳) بہترین۔ (۴) بخشش۔ (۵) اللہ کو ایک ماننے والا۔ (۶) جرمانہ۔ (۷) یعنی اللہ تعالیٰ شانُہٗ۔ (۸) فائدہ مند۔

زکوٰۃ

برائیاں شروع کردے گا۔ اور جو حقیقی مُوَحِّد ہوگا وہ کل کو مَذَمَّت[1] بھی نہ کرے گا کہ وہ واسطہ کو واسطہ ہی سمجھتا ہے۔ (د) جس پر صدقہ کیا جائے وہ اپنی حاجات اور ضرورتوں کا اخفا[2] کرنے والا ہو، لوگوں سے اپنی قلّتِ[3] معاش کا اور آمدنی کی کمی کا اظہار نہ کرتا ہو، بالخصوص وہ شخص جو مُرُوَّت والوں میں سے ہو اور اس کی آمدنی پہلے سے کم رہ گئی ہو؛ لیکن اس کی مروت کی عادت جو آمدنی کی زیادتی کے زمانہ میں تھی وہ بدستور باقی ہو، وہ درحقیقت ایسا ضرورتمند ہے جو ظاہر میں غَنی ہے، ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا: ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ یہ آیتِ شریفہ سورۂ بقرہ کے سینتیسویں[37] رکوع کی ہے، پوری آیتِ شریفہ یہ ہے: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۷۳]

ترجمہ: ''صدقات (اصل حق) ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہوگئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت میں اور اسی خدمتِ دین میں مُقَیَّد[4] و مشغول رہنے سے وہ لوگ) طلبِ[5] معاش کے لیے (کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا) عادۃً[6] (امکان نہیں رکھتے اور ناواقف شخص ان کو تَوَنگر[7] خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے) البتہ (تم ان لوگوں کو ان کے طرز[8] سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے) جس سے کوئی ان کو حاجت[9] مند سمجھے، یعنی مانگتے ہی نہیں؛ کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں اور ان لوگوں کی خدمت کرنے کو (جو مال خرچ کروگے بے شک حق تعالیٰ شانُہٗ کو اس کی خوب اطلاع ہے) دوسرے لوگوں کو دینے سے ان کی خدمت کا فِی نَفْسِہٖ[10] ثواب زیادہ دیں گے۔

فائدہ: فی نفسہٖ کی قید اس لیے لگائی کہ اصل میں تو زیادہ ثواب اسی میں ہے، لیکن کسی عارِض[11] کی وجہ سے اس کے غیر میں بھی ثواب کا زیادہ ہونا ممکن ہے، مثلاً: ان لوگوں کی حاجت سے زیادہ دوسروں کو حاجت ہو، یا یہ توقع[12] ہو کہ ان کی خدمت تو کوئی اور بھی کردے گا، دوسرے بالکل محروم رہ جائیں گے اور جہاں یہ عوارض[13] نہ ہوں وہاں یہ لوگ خدمت کے لیے افضل ہیں، اور عارض کی وجہ سے غیر متقی بلکہ غیر مومن کے ساتھ احسان کرنے میں بھی افضلیت ممکن ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق[14] سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت[15] میں مشغول ہیں، پس اس بنا پر سب سے اچھا مصرف[16] طالب علم ٹھہرے اور ان پر جو بعض ناتجربہ کار یہ طعن[17] کرتے ہیں کہ ان سے کمایا نہیں

حل لغات: (۱) بُرائی۔ (۲) چھپانا، پوشیدہ رکھنا۔ (۳) روزی کی کمی۔ (۴) گھرے ہوئی۔ (۵) روزی کا حاصل کرنا۔ (۶) عام طور پر۔ (۷) مالدار۔ (۸) طریقہ، عادت۔ (۹) ضرورتمند۔ (۱۰) خود سے۔ (۱۱) سبب۔ (۱۲) امید، بھروسہ۔ (۱۳) عارض کی جمع۔ (۱۴) مراد۔ (۱۵) پھیلانے۔ (۱۶) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۱۷) ملامت۔

جاتا، اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کرسکتا جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پُوری مشغولی کی ضرورت ہو؛ اور جس کو علم دین کا کچھ مذاق[1] ہوگا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت[2] مشغولی اور انہماک[3] کی حاجت ہے، اس کے ساتھ اکتسابِ[4] مال کا شغل جمع نہیں ہوسکتا اور اس کے کرنے سے علمِ دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہزاروں نظائر[5] پیشِ نظر[6] ہیں۔ [بیان القرآن بتغیر]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں فقراء سے اصحابِ صُفّہ مراد ہیں، اصحابِ صُفّہ کی جماعت بھی حقیقت میں طلبہ ہی کی جماعت تھی، جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ظاہری اور باطنی[7] علوم حاصل کرنے کے لیے پڑے ہوئے تھے۔

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے اصحابِ صُفّہ مراد ہیں جن کے نہ گھر تھے نہ کنبہ[8]، حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُن پر صدقات کی ترغیب دی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ فقراء مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے راستہ میں جہاد میں روک رکھا ہے (یعنی مشغول کر رکھا ہے) تجارت وغیرہ نہیں کرسکتے۔ [درمنثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سوال میں نہیں لپٹتے، ان کے دل اپنے یقین کی وجہ سے غنی ہیں مجاہدۂ نفس پر غالب ہیں، ایسے لوگوں کو خاص طور سے تلاش کرکے دیا جائے اور دینداروں کے اندرونی احوال[9] کی خاص طور سے جستجو[10] کی جائے کہ اُن کے گذران[11] کی کیا صورت ہے کہ اُن پر خرچ کرنے کا ثواب بھیک مانگنے والوں پر خرچ سے کہیں زیادہ ہے؛ لیکن ایسے لوگوں کی جستجو بھی مشکل ہے کہ یہ اپنا حال دوسروں پر کم ظاہر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے لوگ ان کو غنی[12] سمجھتے ہیں۔ (ہ) یہ کہ آدمی عیال دار[13] ہو یا کسی بیماری میں مبتلا ہو یا کسی اور ایسے سبب میں گرفتار ہو کہ کما نہیں سکتا، تو وہ بھی قرآنِ پاک کی آیت بالا: ﴿اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ میں داخل ہے کہ وہ بھی گھرا ہوا ہے، خواہ اپنے فقر میں گھرا ہوا ہو، یا معاش[14] کی تنگی میں گھرا ہو، یا اپنی اصلاحِ قلب[15] کے مشغلہ میں گھرا ہوا ہو کہ یہ لوگ اپنی ان مجبوریوں کی وجہ سے بقدرِ ضرورت کمانے پر قادر نہیں ہیں، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض گھر والوں کو دس دس بکریاں یا اس سے بھی زائد دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فَیْ کا مال آتا تو بیوی والے کو دوہرا حصہ دیتے اور مجرّد[16] آدمی کو اکہرا حصّہ مرحمت فرماتے، فَیْ کا مال وہ مال کہلاتا

حل لغات: (۱) ذوق وشوق۔ (۲) انتہائی۔ (۳) مکمل توجہ، دھن۔ (۴) مال کمانے۔ (۵) مثالیں۔ (۶) سامنے۔ (۷) یعنی دل کی صفائی۔ (۸) خاندان۔ (۹) حالتوں۔ (۱۰) تلاش۔ (۱۱) گذر بسر۔ (۱۲) مالدار۔ (۱۳) بیوی بچوں والا۔ (۱۴) روزی۔ (۱۵) دل۔ (۱۶) تنہا، بغیر بیوی بچوں والے۔

ہے جو کفّار سے بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہو۔ (و) یہ کہ رشتہ دار ہو کہ اس میں صدقہ کا ثواب علیٰحدہ ہے اور صلہ رحمی کا علیٰحدہ ہے۔ تیسری فصل کی احادیث میں نمبر چھ صفحہ ۲۳۹ پر مضمون گذر چکا ہے۔ ان چھ اوصاف کو ذکر کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صفات اس شخص میں مطلوب ہیں جن پر خرچ کیا جائے اور ہر صفت میں کمی بیشی[1] کے اعتبار سے درجات کا بہت تفاوت[2] ہے۔ یعنی مثلاً: تقویٰ کی اعلیٰ قسم اور ادنیٰ قسم میں زمین آسمان کا فرق ہے، قرابت[3] ایک بہت قریب کی ہے اور ایک بہت دُور کی، اسی طرح دُوسرے اوصاف بھی ہیں، لہٰذا ہر صفت میں اعلیٰ درجہ کی تلاش اہم ہے اور کسی شخص میں یہ ساری ہی صفات موجود ہوں تو وہ شخص بڑی غنیمت چیز ہے اور بہت بڑا ذخیرہ ہے، اس پر اپنی کوئی چیز خرچ ہو جانے میں بڑی کوشش کرنا چاہیے اور ان اوصاف کے ساتھ متّصف[4] ہونے والے کی کوشش اور تلاش کرنا چاہیے، اگر اپنی کوشش کے بعد حقیقت میں ایسا شخص مل گیا تب تو نورٌ علیٰ نُور[5] ہے اور دوہرا اجر ہے، ایک کوشش کا دوسرا حقیقی مصرف[6] کا اور اگر کوشش کے بعد اپنی تحقیق کے موافق تو ان اوصاف کے متّصف ہی پر خرچ کیا تھا اور وہ درحقیقت ایسا نہ تھا بلکہ اس کو معلومات میں غلطی ہوگئی، تب بھی اس کو اپنی کوشش کا ایک اجر تو مل ہی گیا کہ اس ایک اجر میں بھی ایک تو اس کے نفس کا بخل سے پاک ہونا ہے، دُوسرے اللہ تعالیٰ کی محبّت کا اس کے دل میں زور سے جگہ پکڑنا ہے اور اس کی اطاعت میں اپنی کوشش کا ہونا ہے اور یہ تینوں صفات ایسی ہیں جو اس کے دل کو قوی[7] کرتی ہیں اور دل میں اللہ تعالیٰ کے ملنے کا شوق پیدا کرتی ہیں، لہٰذا یہ منافع[8] تو بہر حال حاصل ہیں اور اگر دوسرا اجر بھی حاصل ہو گیا، یعنی صحیح مصرف پر خرچ ہو گیا تو اس میں اور مزید فوائد حاصل ہوں گے کہ لینے والے کی دعا اور توجہ اس کو شامل ہوگی کہ اللہ کے نیک بندوں کے دلوں کی بڑی تاثیرات[9] اور برکات دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی توجہ اور دعا میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ [احیاء العلوم باختصار وزیادۃ]

تمت بالخیر
دسمبر ۶۴ء
محمد زکریا کاندھلوی
مقیم مظاہر علوم، سہارنپور

حل لغات: (۱) کمی زیادتی۔ (۲) فرق۔ (۳) رشتے داری۔ (۴) جس میں یہ صفات لگی ہوں۔ (۵) بہت بہتر۔ (۶) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۷) مضبوط، طاقتور۔ (۸) فائدے۔ (۹) اثرات۔

زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

[سورۂ بقرہ: ۱۹۵]

تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فضائل صدقات

حصہ دوّم

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

چھٹی فصل: زُہد[1] و قناعت[2] اور سوال نہ کرنے کی ترغیب میں

تالیف[3] کے وقت یہ سب ایک ہی رسالہ تھا، لیکن طَبَاعَت[4] کے وقت ضَخَامت[5] کے بڑھ جانے کی وجہ سے چھٹی ساتویں فصل کو علیحدہ کر کے حصہ دوم قرار دے دیا کہ پڑھنے والوں کو اس میں شاید سہولت[6] رہے۔

قناعت کی فضیلت مصائب پر صبر کی ترغیب و تاکید اور سوال کرنے کی مَذَمَّت[7] یہ تینوں چیزیں قرآنِ پاک اور احادیث میں اتنی کثرت سے مختلف عنوانات سے اور مختلف مضامین سے، مثالوں سے اور تنبیہوں سے، احکام سے اور قصّوں سے ذکر کی گئی ہیں کہ ان کو اِجمالاً اور مختصراً ذکر کرنا بھی بڑی تفصیل کو چاہتا ہے، جن کا اس مختصر رسالہ میں اختصار سے لکھنا بھی رسالہ کے طویل[8] ہو جانے کا سبب ہے، تاہم[9] مختصراً تو کرنا ہی ہے۔ یہ مضمون دوسری فصل کے ختم پر گذر چکا ہے کہ مال میں نفع بھی ہے نقصان بھی ہے، یہ تریاق[10] بھی ہے زہر بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ "ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے، میری امت کا فتنہ مال ہے"، اس لیے اس فتنہ سے اور اس کے زہر سے اپنے کو محفوظ رکھنا بڑی اہم چیز ہے اور یہ سانپ کسی کے پاس ہو تو اس سے اگر تریاق بنالیا جائے، تو اپنے لیے بھی مفید ہے دوسروں کو بھی فائدہ ہے، ورنہ اس کا زہر اپنے کو بھی ہلاک کرے گا دوسروں کو بھی نقصان پہونچائے گا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ مال سرسبز شاداب اور میٹھی چیز ہے، اگر اس کو حق کے موافق (یعنی شرعی ضابطہ[11] اور طریقہ کے موافق) حاصل کرے اور حق کے موافق خرچ کرے تو کام آنے والی مددگار چیز ہے اور جو بغیر حق کے حاصل کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ آدمی کو جُوعُ الْبقر[12] ہو جائے کہ آدمی کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے۔ [مشکوٰۃ] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے، اس کی مثال سانپ کی سی ہے کہ جو شخص اس کا منتر جانتا ہے وہ سانپ کو پکڑ کر اس کے دانت نکال دیتا ہے، پھر اس سے تریاق تیار کرتا ہے اور اس کو دیکھ کر کوئی ناواقف شخص اس کو پکڑ لے تو وہ سانپ اس کو کاٹ لے گا اور وہ ہلاک ہوگا۔ اور اس کے زہر سے وہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو پانچ چیزوں کا اہتمام کرے:

حل لغات: (۱) دنیا سے بے پروائی۔ (۲) تھوڑے پر اکتفاء کرنا۔ (۳) کتاب لکھنا۔ (۴) چھپائی۔ (۵) موٹائی۔ (۶) آسانی۔ (۷) برائی۔ (۸) لمبا۔ (۹) پھر بھی۔ (۱۰) زہر کا توڑ کرنے والی ایک دوا۔ (۱۱) قانون۔ (۱۲) ایک قسم کی بیماری۔

زہد و قناعت

(۱) یہ غور کرے کہ مال کا مقصد کیا ہے؟ کس غرض سے یہ پیدا کیا گیا؟ تاکہ صرف وہی غرض اس سے وابستہ[1] رکھی جائے۔ (۲) مال کے آنے اور حاصل کرنے کے طریق کی سختی سے نگرانی کرے، کہیں اس میں ناجائز طریقہ شامل نہ ہوجائے مثلاً ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شائبہ[2] ہو یا ایسا سوال جس میں ذلت کا اندیشہ[3] ہو۔ (۳) حاجت کی مقدار سے زیادہ اپنے پاس نہ رہنے دے، جتنی مقدار کی واقعی ضرورت ہے وہ تو مجبوری ہے، اس سے زیادہ کو فوراً خرچ کردے۔ (۴) خرچ کے طریق کی نگرانی کرے، کہیں بے محل[4] خرچ نہ ہوجائے، ناجائز موقع پر خرچ نہ ہوجائے۔ (۵) مال کی آمد میں، خرچ میں اور بقدرِ ضرورت روکنے میں، ہر چیز میں نیت خالص رہے، محض[5] اللہ کی رضا مقصود ہو، جو رکھے یا استعمال میں لاوے وہ محض اس نیت سے کہ اس سے اللہ کی اطاعت میں قوّت ہو، جو ضرورت سے زائد ہو اس کو لغو بیکار سمجھ کر جلد خرچ کردے، اس کو ذلیل سمجھ کر خرچ کرے، وقیع[6] نہ سمجھے، ان شرائط کے ساتھ مال کا ہونا مُضِر[7] نہیں ہے، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دنیا کا مال محض اللہ تعالیٰ کے واسطے لیتا ہے (اپنی غرض سے نہیں) تو وہ زاہد ہے اور اگر بالکل ذرا سا بھی نہیں لیتا اور یہ نہ لینا اللہ کے واسطے نہیں ہے (بلکہ کسی دنیوی غرض حُبِّ[8] جاہ وغیرہ کی وجہ سے ہے) تو وہ دنیادار ہے۔ [اِحیاء]

ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے جو اس کو حق کے موافق حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دنیا کیا ہی اچھا گھر ہے اس شخص کے لیے جو اس کو آخرت کا توشہ[9] بنائے اور حق تعالیٰ شانُہٗ کو (اس کے ذریعے) راضی کرلے اور کتنا بُرا ہے اس شخص کے لیے جس کو آخرت سے روکدے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوتاہی پیدا کردے۔ [کنز]

غرض بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مال فی حَدِّ[10] ذَاتِہٖ بری چیز نہیں ہے، اچھی چیز ہے، کارآمد[11] ہے اور بہت سے دینی اور دنیوی فوائد اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اسی لیے روزی کے کمانے کی، مال کے حاصل کرنے کی ترغیبات بھی احادیث میں وارد ہوئی ہیں؛ لیکن چونکہ اس میں ایک زہریلا اور سَمّی مادہ ہے اور قلوب[12] عام طور سے بیمار ہیں، اس لیے کثرت سے قرآنِ پاک کی آیات اور احادیثِ شریفہ میں اس کی زیادتی اور کثرت سے بچنے کی ترغیبیں آئی ہیں، اس کی کثرت کو خاص طور سے غیر پسندیدہ بلکہ مُہلِک[13] بتایا گیا، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ جس بندے سے محبت فرماتے ہیں، دنیا سے اس کی ایسی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کو اہتمام سے بچاتے ہیں جیسا کہ تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔ [مشکوٰۃ]

حل لغات: (۱) متعلق، لگی ہوئی۔ (۲) ڈر۔ (۳) شک، شبہ۔ (۴) بے موقع۔ (۵) صرف۔ (۶) اہم، قیمتی۔ (۷) نقصان دہ۔ (۸) عہدہ چاہنا۔ (۹) کھانا، راستے کا خرچ۔ (۱۰) حقیقت میں، ذاتی طور پر۔ (۱۱) کام آنے والی، فائدہ دینے والی۔ (۱۲) دل۔ (۱۳) ہلاک کرنے والا۔

زہد و قناعت

حالانکہ پانی کیسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ زندگی کا مدار[1] ہی اس پر ہے بغیر اس کے زندگی نہیں رہ سکتی؛ لیکن اس سب کے باوجود اگر حکیم کسی بیمار کے لیے پانی کو مضر بتادے تو کتنی کتنی ترکیبیں اس کو پانی سے روکنے کی کی جاتی ہیں اور یہ کیوں؟ اس لیے کہ مال کی کثرت سے عموماً نقصانات زیادہ پہونچتے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے قلوب ایسے صاف نہیں ہیں کہ وہ اس کے نشہ سے متاثر نہ ہوں، اسی وجہ سے حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں پانی میں تَر[2] نہ ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: یہی حال دنیادار کا ہے کہ اُس کا گناہوں سے بچنا مشکل ہے۔ [مشکوٰۃ]

اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بُخل[3]، حسد، کبر، عُجب[4]، کینہ، ریا، تفاخُر[5] وغیرہ قلبی اَمراض[6] اور گناہ جتنے ہیں وہ مال کی وجہ سے بہت جلد اور بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح آوارگی[7]، شراب نوشی، قِمار[8] بازی، سود خواری وغیرہ اور مختلف قسم کے شہوانی گناہ بھی اس کی وجہ سے بہت کثرت سے ہوتے ہیں اور پھر اس کی طبعی محبت قلوب میں اس درجہ جگہ پکڑے ہوئے ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ہوجائے اس پر ہمیشہ زیادتی کا طالب اور اس کا کوشاں[9] رہتا ہے؛ چنانچہ مُتعَدَّد[10] روایات میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں تو وہ تیسرے کا طالب ہوتا ہے اور دنیا کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ کوئی شخص کسی مقدار پر بھی قناعت[11] کرنے والا نہیں ہے اِلا ماشاء اللہ، اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے قناعت کی ترغیبات دی گئی ہیں کہ یہ جُوعُ البَقر[12] کچھ کم ہو، اسی وجہ سے دنیا کی حقیقت اور اس کی گندگی اور ناپائیداری[13] واضح کی گئی کہ اس سے محبت میں کمی ہو کہ جو چیز بہر حال بہت جلد زائل ہونے والی ہے، اس سے آدمی کیا دل لگائے، دل لگانے کی چیز صرف وہی ہے جو ہمیشہ رہنے والی اور ہمیشہ کام آنے والی ہو اور اسی وجہ سے صبر کی تاکید اور ترغیب کثرت سے وارد ہوئی کہ آدمی اس کی کمی کو مطلقاً مصیبت نہ سمجھے، بلکہ اس میں بھی بسا اوقات اللہ کی بڑی حکمتیں مُضمَر[14] ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ﴾ الآیۃ [سورہ شوریٰ: ۲۷]

اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں رزق کی زیادتی، وسعت فرمادے تو وہ زمین میں سَرکَشی[15] شروع کردیں، چنانچہ تجربہ بھی یہی ہے کہ جہاں اس کی کثرت ہے، وہیں حد سے زیادہ فسادات ہیں اور چونکہ اس کی فراوانی[16] مقصود نہیں اور لوگوں کے دل اس کی طرف طبعاً متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے سوال

حل لغات: (۱) بنیاد۔ (۲) گیلا۔ (۳) کنجوسی۔ (۴) خود پسندی۔ (۵) فخر۔ (۶) دل کی یعنی روحانی بیماریاں۔ (۷) بدمعاشی گمراہی۔ (۸) جوا کھیلنا۔ (۹) کوشش میں، کوشش کرنے والا۔ (۱۰) کئی۔ (۱۱) تھوڑے پر راضی ہونا۔ (۱۲) ایک قسم کی بیماری۔ (۱۳) کمزوری، بےثباتی۔ (۱۴) پوشیدہ۔ (۱۵) نافرمانی، بغاوت۔ (۱۶) زیادتی، کثرت۔

زہد وقناعت

کرنے کی ممانعت، اس کی قباحت[1] کثرت سے ذکر کی گئی کہ آدمی مال کی محبت اور کثرت کی فکر میں بلا مجبوری بھی سوال کرنے لگتا ہے کہ اس میں محنت تو کچھ کرنی نہیں پڑتی ذراسی زبان ہلانے سے کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے؛ جس سے مال میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ انہیں تین مضامین (۱) قناعت (۲) مَصائِب پر صبر (۳) اورسوال کی مذمت کے متعلق کچھ آیات اور کچھ احادیث اس جگہ لکھی جاتی ہیں:

آیات

(۱) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ
مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾
قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ
لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾
اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا
فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ

ترجمہ: آراستہ[2] کردی گئی لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت (مثلاً) عورتیں ہوئیں، اور بیٹے ہوئے اور ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی کے، اورنشان لگے ہوئے (یعنی عمدہ اوراعلیٰ) گھوڑے اور دوسرے مویشی[3] اور زراعت[4] (لیکن یہ سب چیزیں) دنیوی زندگی کی استعمالی چیزیں ہیں اورانجام کار کی خوبی (اورکام آنے والی چیزتو) اللہ ہی کے پاس ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان سے کہہ دو کیا میں تم کو ایسی چیز بتادوں جو (بدرجہا) بہتر ہوان سب چیزوں سے (وہ کیا ہے غور سے سنو) ایسے لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے، اور (اُن کے لیے وہاں) ایسی بیبیاں ہیں جو ہر طرح پاک صاف ستھری ہیں اور (ان سب سے بڑھ کر چیز) اللہ کی خوشنودی ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں (کے احوال) کوخوب دیکھنے والے ہیں (یہ لوگ جن کے لیے یہ آخرت کی چیزیں ہیں ایسے لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں پس آپ ہمارے گناہوں کومعاف کردیجیے اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچادیجیے، یہ لوگ (وہ ہیں جومصیبتوں پر) صبر کرنے والے

حل لغات: (۱) بُرائی۔ (۲) سجانا۔ (۳) چوپائے، جانور۔ (۴) کھیتی باڑی۔

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ [سورہ آل عمران: ۱۴-۱۷]	ہیں سچ بولنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) عاجزی کرنے والے ہیں اور (نیک کاموں میں مال) خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

فائدہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سب چیزوں کی محبت کو شہوتوں کی محبت سے تعبیر کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہوت کی اِفراط[1] ہی کا نام عشق ہے جو بیماری ہے ایسے دل کی جو تفکّرات[2] سے خالی ہو اس کا علاج ابتداء ہی سے کرنا ضروری ہے کہ اس کی طرف نظر کم کردے، اس کی طرف اِلتفات[3] کم کردے، ورنہ جب التفات بڑھ جائے گا تو ہٹانا مشکل ہوجائے گا اور ابتداء میں بہت سہل[4] ہے، یہی حال ہے ہر چیز کے عشق کا، مال ہو، جاہ[5] ہو، جائیداد ہو، اولاد ہو، حتی کہ پرندوں (کبوتر وغیرہ) سے کھیلنے کا اور شطرنج وغیرہ سے کھیلنے کا بھی یہی حال ہے کہ یہ سب چیزیں جب آدمی پر مُسلّط[6] ہوجاتی ہیں تو اس کی دین اور دنیا دونوں کو برباد کردیتی ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سواری پر سوار ہے اگر وہ جانور کی باگ[7] اسی وقت دوسری طرف پھیر دے جب وہ بے جگہ جانے کا رخ کررہا ہو تو اس وقت بہت آسانی سے وہ جگہ پر پڑسکتا ہے؛ لیکن جب وہ جانور کسی دروازہ میں گھس جائے اور سوار پھر دُم پکڑ کر پیچھے کو کھینچنا چاہے تو پھر بڑی سخت دشواری[8] ہوجاتی ہے، اس لیے ان سب چیزوں کی محبت کو ابتداء ہی سے نگاہ میں رکھے کہ اعتدال سے نہ بڑھنے دے۔ [احیاء] علماء نے فرمایا ہے کہ دنیا کی جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ تین قسم میں داخل ہیں: مَعْدَنِیات[9]، نباتات، حیوانات حق تعالیٰ شانہٗ نے ان آیات میں تینوں کی مثالیں ذکر فرماکر دنیا کی ساری ہی چیزوں پر مُتنبِّہ[10] فرمادیا، بیویوں اور بیٹوں کو ذکر فرماکر آل اولاد، عزیز واقارب[11] احباب، غرض انسانی محبوبوں پر تنبیہ فرمادی اور سونے چاندی کو ذکر فرماکر ساری معدنیات پر، اور گھوڑے مویشی کو ذکر فرماکر ہر قسم کے جانوروں پر، اور کھیتی سے ہر قسم کی پیداوار پر اور یہی چیزیں ساری دنیا کی کائنات ہیں۔ [احیاء]

اور ان سب کو گنوا کر ان پر تنبیہ فرماکر ارشاد فرمادیا کہ یہ سب کی سب اس چندروزہ زندگی کے گزران[12] کی چیزیں ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی محبّت کے قابل نہیں، دل لگانے کے قابل نہیں، دل لگانے کی چیزیں صرف وہی ہیں جو پائدار ہیں، ہمیشہ رہنے والی ہیں ہمیشہ کام آنے والی ہیں اور ان میں سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا ہے اس کی خوشنودی ہے، وہ دنیا اور آخرت کی ہر چیز پر فائق[13] ہے، ہر چیز

حل لغات: ① زیادتی۔ ② سوچ بچار۔ ③ توجہ۔ ④ آسان۔ ⑤ عزت۔ ⑥ سوار ہونا۔ ⑦ لگام۔ ⑧ مشکل۔ ⑨ وہ چیزیں جو کان سے نکلیں جیسے کوئلہ، لوہا، وغیرہ، دھات۔ ⑩ خبردار۔ ⑪ رشتہ دار۔ ⑫ دن کاٹنا، گزارہ کرنا۔ ⑬ بڑھا ہوا۔

زہد وقناعت

سے بڑھ کر ہے، دوسری جگہ جنت کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد ہے:﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾[سورہ توبہ:۷۲] کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان سب چیزوں سے بڑھی ہوئی ہے اور وہی چیز ہے جو بڑی کامیابی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی برابری نہ دنیا کی کوئی چیز کرسکتی ہے نہ آخرت کی کوئی نعمت اس کے برابر ہے، آیاتِ بالا[1] میں دنیا کی ساری مرغوبات[2] کو تفصیل سے ذکر فرما کر اس پر متنبہ کردیا کہ یہ سب محض دنیوی زندگی کے اسباب ہیں اور پھر بار بار قرآن پاک میں اس چیز پر تنبیہ فرمائی گئی، مختلف عنوانات سے نصیحت کی گئی کہیں دنیا طلبی کی مذمت کی گئی، کہیں دنیا کو ترجیح دینے والوں کی قباحت[3] بیان کی گئی، کہیں اس کی بے ثباتی[4] پر تنبیہ کی گئی کہیں اس کو محض دھوکا بتایا گیا تاکہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین[5] کرلیا جائے کہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز محض عارضی محض ضرورت پورا کرنے کی چیز ہے نہ یہ دائمی[6] ہے نہ دل لگانے کی چیز ہے اسی سلسلہ کی چند آیات پر اس جگہ تنبیہ کرتا ہوں۔

① اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ [سورہ بقرہ:۸۶]	ترجمہ: یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا پس نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف[7] کی جائے گی نہ اُن کی کسی قسم کی مدد کی جائے گی۔
② فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ [سورہ بقرہ:۲۰۰-۲۰۲]	ترجمہ: پس بعض آدمی تو ایسے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں تو جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دیدے (پس ان کو تو جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل جائے گا) اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے یہی لوگ ہیں جن کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے (نیک اعمال سے) کمایا ہے۔
③ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ [سورہ بقرہ:۲۰۷]	ترجمہ: اور بعض آدمی بیچ دیتے ہیں اپنی جان کو اللہ کی رضا کی چیزوں میں اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر مہربان ہیں۔

حل لغات: ① اوپر ذکر کی ہوئی آیتیں۔ ② پسندیدہ چیزیں۔ ③ بُرائی۔ ④ باقی نہ رہنا۔ ⑤ ذہن میں بٹھالینا۔ ⑥ ہمیشہ رہنے والا۔ ⑦ کمی۔

زہد وقناعت

④ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ [سورہ بقرہ: ۲۱۲]	ترجمہ: دنیوی معاش[1] کفّار کے لیے آراستہ[2] کردی گئی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ تمسخر[3] کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلمان جو کفر وشرک سے بچتے ہیں قیامت کے دن اُن کافروں سے (درجوں میں) بلند ہوں گے اور (آدمی کو محض فراغِ معیشت[4] پر غرور نہ کرنا چاہیے کیونکہ) روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب دے دیتے ہیں۔ (اس لیے محض امیر ہونا کوئی فخر کی چیز نہیں ہے)۔
⑤ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ [سورۂ آل عمران: ۱۴۰]	ترجمہ: اور یہ (دنیا کی زندگی کے) دن اُن کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (یعنی کبھی ایک قوم غالب ہوگئی کبھی دوسری غالب ہوگئی اس لیے غالب) یا مغلوب ہونے کی فکر سے زیادہ اہم اور زیادہ ضروری آخرت کی فکر ہے۔
⑥ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ [سورۂ نساء: ۷۷-۷۸]	ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا تمتّع[5] بہت تھوڑا (چند روزہ ہے) اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور تم پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی موت آکر رہے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو (پھر جب مرنا بہرحال ہے تو اس کی فکر ہر وقت رہنا چاہیے)۔
⑦ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۚ [سورۂ نساء: ۹۴]	ترجمہ: اور ایسے شخص کو جو تمہارے سامنے اطاعت[6] (کی علامت) ڈال دے (مثلاً السلام علیکم کرے یا کلمہ پڑھے) یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو (دل سے) مسلمان نہیں تم دنیاوی زندگی کا سامان ڈھونڈتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سے غنیمت کے مال ہیں۔

فائدہ: یہ آیتیں اس پر تنبیہ ہیں کہ بعض مسلمانوں نے بعض کافروں کو جو اپنے کو مسلمان بتاتے تھے،

حل لغات: ① روزی۔ ② سجانا۔ ③ مذاق اڑانا۔ ④ آسودہ زندگی، روزی روزگار سے بے فکری۔ ⑤ فائدہ۔ ⑥ فرماں برداری، حکم ماننا۔

زہد و قناعت

مالِ غنیمت[1] کے شوق میں قتل کر دیا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ محض دنیا کم بخت کا مال کمانے کے لیے یہ ناپاک حرکت کی گئی بہت سی احادیث میں ان واقعات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مسلمان نے ایک کافر پر حملہ کیا اس نے جلدی سے کلمہ پڑھ لیا اس مسلمان نے پھر بھی اس کو قتل کر دیا، حضور ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ نے اس مسلمان سے مطالبہ کیا اس نے یہ معذرت کی کہ اس شخص نے محض ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کے دل کو چیر کے دیکھ لیا تھا کہ اُس نے ڈر کی وجہ سے پڑھا ہے، اس کے بعد اس مسلمان کی موت بہت بری طرح سے ہوئی۔ [درمنثور]

حق تعالیٰ شانُہٗ نے حدود سے تجاوز[2] کی اجازت کسی جگہ نہیں دی، دوسرا مضمون شروع ہو جائے گا اس لیے اس کو نہیں لکھتا؛ لیکن محض دنیوی اغراض[3] کی وجہ سے کفار پر زیادتی کی بھی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی بہت سی آیات بہت سی روایات اس مضمون میں وارد ہیں، سورۂ مائدہ کے شروع میں حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ﴾ الآية [سورۂ مائدہ:۸] یعنی کفارِ مکّہ نے جو تم کو عُمرۂ حُدَیبیہ کے موقع پر مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور بغیر عمرہ کے تم کو مکّہ مکرّمہ کے قریب سے بے نَیل و مَرام[4] واپس ہونا پڑا، اس کا غصہ تم کو حدود سے نہ نکلنے دے ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم تعدّی[5] کرنے لگو، نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت[6] کرو اور گناہ اور ظلم میں کسی کی اعانت نہ کرو۔'' اسی سورت شریفہ کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ ﴾ الآية

اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس کے احکام کی پوری پابندی کرنے والے بنو اور (کہیں نوبت آجائے تو) گواہی انصاف کے ساتھ دو کسی قوم کے ساتھ عداوت[7] تم کو عدل وانصاف سے نہ ہٹادے۔'' غرض بہت سی جگہ ان امور پر تنبیہ کی گئی، دنیا کی محبت آدمی کی عقل کو بھی بے کار کر دیتی ہے۔

⑧ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ [سورۂ انعام:۳۲]	ترجمہ: اور دنیوی زندگی کچھ بھی نہیں ہے بجز لعب ولہو[8] کے اور آخرت کا گھر متقیوں کے لیے بہتر ہے کیا تمھیں عقل نہیں ہے (جو ایسی صاف واضح بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ دنیا کے اس لہو ولعب کو آخرت کی عمدہ زندگی سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے)۔
⑨ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ	ترجمہ: ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش (یکسو اور علیٰحدہ) رہو جنھوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی

حل لغات: ① جنگ جیتنے پر کافروں سے ملا ہوا مال۔ ② گزرنے، آگے بڑھنا۔ ③ ضرورتوں۔ ④ مقصد حاصل ہوئے بغیر۔ ⑤ ظلم۔ ⑥ مدد۔ ⑦ دشمنی۔ ⑧ کھیل کود۔

الدُّنْيَا [سورۂ انعام:۷۰]	نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔
⑩ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ [سورۂ انعام:۹۴]	ترجمہ: اور تم ہمارے پاس (مرنے کے بعد) تنہا تنہا ہوکر آ گئے جس طرح ہم نے تم کو دنیا میں اوّل مرتبہ پیدا کیا تھا (کہ ہر شخص الگ پیدا ہوتا تھا) اور جو کچھ ہم نے تم کو (دنیا میں مال ومتاع ساز وسامان) عطا کیا تھا اس کو وہیں چھوڑ آئے۔

فائدہ: یعنی جس طرح آدمی ماں کے پیٹ سے بغیر مال ومتاع پیدا ہوتا ہے، اسی طرح قبر کی گود میں تن تنہا جاتا ہے یہ سب کچھ مال ومتاع یہاں کا یہاں ہی رہ جائے گا بجز[1] اس کے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی زندگی میں جمع کرا دیا ہو وہ سب جمع شدہ مال وہاں پورا کا پورا مل جائے گا بلکہ سرکاری خزانہ سے اس میں اضافہ بھی ملے گا۔

⑪ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ [سورۂ اعراف:۵۱]	ترجمہ: اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔
⑫ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا [سورۂ اعراف:۱۶۹]	ترجمہ: پس (نیک بندوں کے بعد) ایسے لوگ اُن کے جانشین[2] ہوئے کہ کتاب کو تو اُن سے حاصل کیا (لیکن ایسے حرام خور ہیں کہ کتاب کے احکام کے بدلہ میں) اس دنیائے دَنی[3] کا مال ومتاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہوجائے گی (کیونکہ ہم اللہ کے لاڈلے ہیں)۔
⑬ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ [سورۂ اعراف:۱۶۹]	ترجمہ: اور آخرت کا گھر بہتر ہے متقی لوگوں کے واسطے کیا تم بالکل عقل نہیں رکھتے (جو ایسی کھلی ہوئی صاف بات بھی نہیں سمجھتے)۔
⑭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ [سورۂ انفال:۲۸]	ترجمہ: تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے (تاکہ ہم اس کا امتحان کریں کہ کون شخص ان کی محبت کو ترجیح[4] دیتا ہے اور کون شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور اس بات کو جان رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے، دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لیے کارآمد[5] بناتا ہے اس کے لیے) اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

حل لغات: ① سوائے۔ ② نائب۔ ③ کمینی دنیا۔ ④ برتری، فضیلت۔ ⑤ مفید۔

زہد وقناعت

⑮ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ [سورۂ انفال:٦٧]	ترجمہ: تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ (تم سے) آخرت کو چاہتے ہیں یعنی یہ کہ تم آخرت کی فکر میں رہو اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہو۔
⑯ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٨﴾ [سورۂ توبہ:٣٨]	ترجمہ: کیا تم لوگ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔
⑰ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨﴾ [سورۂ یونس:٧، ٨]	ترجمہ: جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس سے ان کو اطمینان حاصل ہو گیا اور جو لوگ ہماری تنبیہوں[1] سے غافل ہو گئے ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ اُن کے اعمال کی وجہ سے جہنم ہے۔
⑱ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ	ترجمہ: اے لوگو سن لو یہ تمہاری سرکشی[2] تمہارے لیے وبال[3] ہونے والی ہے، دنیوی زندگی میں (چند روز اس سے) نفع اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے، پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کے نباتات (زمین سے اُگنے والی چیزیں) جن کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں خوب گنجان[4] ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق[5] کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش[6] ہو گئی (یعنی پیداوار سبزہ وغیرہ خوب شباب پر ہو گیا) اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ ہم اس پیداوار پر بالکل قابض[7] ہو چکے ہیں تو ایک دم اس پیداوار پر ہماری طرف سے دن میں یا رات میں کوئی حادثہ پڑا

حل لغات: ① تنبیہ کی جمع، خبردار کرنا۔ ② نافرمانی۔ ③ عذاب، مصیبت۔ ④ گھنا۔ ⑤ چمک، تازگی۔ ⑥ سجاوٹ۔ ⑦ قبضہ کرنا۔

السَّلٰمِ ط وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ [سورۂ یونس:۲۳-۲۵]	(پالا[1]، ٹڈی وغیرہ) پس ہم نے اس کو ایسا صاف کردیا کہ گویا وہ کل یہاں موجود ہی نہ تھی (یہی حالت بِعَیْنِہٖ[2] اس

دنیا کی زندگی اور اس کی رونق اور زیب و زینت کی ہے کہ وہ اپنے پورے شباب اور کامل زیب و زینت کے باوجود دم کے[3] دم میں ایسی زائل[4] ہوجاتی ہے کہ گویا تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے جو سوچتے ہیں (اور جو سوچنے کا ارادہ نہیں کرتا وہ کیا سمجھے) اور (جب دنیا کی اور اس کی زیب و زینت کی یہ حالت ہے کہ ناپائیدار[5] اور خطرہ کی چیز ہے بس اسی لیے) حق تعالیٰ شانُہٗ تم کو دار البقاء (جو گھر پائیدار ہے اور اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست[6] پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

(۱۹) قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ۝ [سورۂ یونس:۵۸]	ترجمہ: (پہلے سے قرآن پاک کی خوبیاں بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے) آپ کہہ دیجیے (کہ جب قرآن پاک ایسی چیز ہے) پس لوگوں کو خدا کے انعام اور رحمت

پر خوش ہونا چاہیے (کہ اُس نے اتنی بڑی دولت ہم کو عطا فرمائی) وہ اس (دنیا سے بدرجہا) بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں (اس لیے کہ دنیا کا نفع بہت تھوڑا اور بہت جلد زائل ہوجانے والا ہے اور قرآن پاک کا نفع بہت زیادہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے)۔

(۲۰) مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ [سورۂ ھود:۱۵، ۱۶]	ترجمہ: جو شخص (اپنے نیک اعمال) سے دنیاوی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہے (جیسے مال و متاع یا شہرت نیک نامی وغیرہ) ہم ان لوگوں کے اعمال (کا بدلہ) ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بُھگتا[7] دیتے ہیں اور اُن کے لیے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی، یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں بجز[8] دوزخ کے اور کچھ نہیں ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب کا سب

بے کار ثابت ہوگا اور (حقیقت میں) یہ جو کچھ کر رہے ہیں سب باطل (بے کار) ہے۔

حل لغات: (۱) برف گرانا، کہرا گرنا۔ (۲) بالکل اسی طرح۔ (۳) فوراً، تھوڑی ہی دیر میں۔ (۴) دور، ختم۔ (۵) کمزور۔ (۶) سیدھا راستہ۔ (۷) دے دینا۔ (۸) سوائے، علاوہ۔

زہد و قناعت

﴿۲۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ [سورۂ رعد:۲۶]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے (رحمت اور غضب کا یہ مدار[1] نہیں ہے) یہ لوگ دنیاوی زندگی پر خوش ہوتے ہیں (اور اس کے عیش وعشرت راحت وآرام پر اتراتے ہیں) حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی ایک متاعِ قلیل[2] ہے (کچھ بھی نہیں ہے چند روزہ زندگی کے دن کاٹنے ہیں جس طرح بھی گذر جائیں)۔
﴿۲۲﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ [سورۂ حجر:۸۸]	ترجمہ: آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس (زیب وزینت اور مال ومتاع راحت وآرام) کو جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو (اہل کتاب ہوں یا مشرکین) دے رکھا ہے برتنے کے لیے (کہ چند روز کے فوائد[3] اس سے اُٹھالیں اور پھر یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا)۔
﴿۲۳﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ [سورۂ نحل:۹۶]	ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ (ایک دن) ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، دونوں حال میں ختم ہوگا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔
﴿۲۴﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ [سورۂ نحل:۱۰۷]	ترجمہ: یہ (جو عذاب اُوپر کی آیات میں ذکر کیا گیا) اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا۔
﴿۲۵﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ	ترجمہ: جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے (اور اپنی کوشش اور اعمال کا ثمرہ[4] صرف دنیا ہی میں چاہتا ہے) ہم اس کو دنیا میں جتنا چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں (نہ یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کو دے دیں جس کو ہمارا دل چاہتا ہے دیتے ہیں اور جس کو دیتے ہیں اس کو بھی یہ ضروری نہیں کہ جتنا وہ مانگے سب دے دیں جتنا ہمارا دل چاہتا ہے دیتے ہیں) پھر آخرت میں اس کے لیے جہنّم تجویز[5] کر دیتے ہیں کہ وہ اس میں بدحال راندہ[6] ہو کر جلتا رہے گا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے جیسی کوشش کرنا چاہیے کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو ایسے لوگوں کی کوشش اللہ کے یہاں مقبول ہے ہر فریق کی (دنیا دار ہو یا دیندار)

حل لغات: ① بنیاد۔ ② تھوڑا سامان۔ ③ ختم۔ ④ نتیجہ، پھل۔ ⑤ مقرر کرنا۔ ⑥ مردود، دھتکارا ہوا۔

زہد وقناعت

رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ [سورۂ بنی اسرائیل:۱۸-۲۱]	آپ کے رب کی عطا میں سے ہم مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی (یہ دنیاوی عطا) کسی سے بھی بند نہیں کی گئی۔آپ خود ہی دیکھ لیں کہ اس دنیاوی عطا میں ہم نے ایک کو دوسرے پر (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) کیسی فوقیت[۱] دے رکھی ہے (آپ اس سے خود ہی اندازہ کرلیں گے کہ عطا کسی اور کی طرف سے ہے کہ ایک شخص کو کوشش سے بھی بہت کم ملتا ہے اور دوسرا بغیر کوشش کے بھی بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے) اور آخرت (جو مخصوص ہے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے)

درجوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

(۲۶) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ [سورۂ کہف:۴۵-۴۶]	ترجمہ: آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجیے، وہ ایسی ہے جیسا کہ ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس کی وجہ سے زمین کے نباتات (پیداوار) خوب گنجان[۲] ہوگئے ہوں پھر (خوب سرسبز[۳] و شاداب ہوکر ایک دم کسی حادثہ سے خشک ہوکر) ریزہ[۴] ریزہ ہوجائے کہ اس کو ہوا اڑائے اڑائے پھرتی ہو (بالکل یہی حالت دنیاوی زندگی اس کی عیش وعشرت اور مال ومتاع کی ہے کہ آج سب کچھ ہے اور ایک دم کوئی مصیبت آئے تو کچھ بھی نہ رہا اور اب تو زمانہ اس کو اپنی آنکھوں سے خوب ہی دیکھ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (جب چاہے جس کو چاہے امیر بنادے، جس کو چاہے لکھ پتی سے فقیر بنادے،

جس کو چاہے صاحبِ اولاد کردے اور جس کو چاہے بڑی اولاد اور کُنبہ[۵] والا ہونے پر دم کے دم میں اکیلا کردے تو یہ سمجھ لو کہ) مال اور اولاد دنیوی زندگی کی صرف ایک رونق[۶] ہے اور جو نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ ثواب اور بدلہ کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں (کہ ان کی ہی امیدیں لگانی چاہئیں اور ان اُمیدوں کے پورا ہونے کی کوشش کرنا چاہیے)۔

حل لغات: (۱) ترجیح، فضیلت۔ (۲) گھنا۔ (۳) ہرا بھرا۔ (۴) ٹکڑا ٹکڑا۔ (۵) خاندان۔ (۶) چمک دمک۔

زہد وقناعت

﴿۲۷﴾ يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۱۰۳، ۱۰۴]	ترجمہ: (اُوپر کی آیات میں قیامت کے آنے کا اور صُور پھونکے جانے کا ذکر ہے اس دن یہ مجرم لوگ) چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے (ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے) کہ تم لوگ (دنیا میں) صرف دس دن رہے ہوگے جس بات کو وہ کہیں گے ہم اس کو خوب جانتے ہیں جبکہ ان میں کا زیادہ صائبؔ الرائے کہے گا کہ نہیں تم تو ایک ہی دن رہے ہو (اس کو زیادہ صائب الرائے ان میں کا اس لیے کہا کہ اس کا قول ایک دن کا بمقابلہ دس دن کے زیادہ قریب ہے، ویسے تو آخرت کے دنوں کے اعتبار سے دنیا کی ساری زندگی ایک دن کیا اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے، یہ ہے حقیقت دنیا کے سارے قیام کی آخرت کے مقابلہ میں)۔
﴿۲۸﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۬ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۱۳۱، ۱۳۲]	ترجمہ: اور ہرگز آنکھ اُٹھا کر بھی آپ اُن چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے مُتمتّعؔ کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیوی زندگی کی رونقؔ ہے (اور آزمائش اس کی ہے کہ کون اس مال متاع میں بندگی کا حق ادا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا) اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا وہ اس سے بدرجہا) بہتر اور پائیدارؔ ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہیں، اور خود بھی اس کے اوپر جمے رہیں ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔
﴿۲۹﴾ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۱﴾ [سورۃ الانبیاء: ۱]	ترجمہ: لوگوں کے لیے ان کے حساب (کتاب) کا دن آپہونچا اور وہ غفلت میں اعراضؔ کیے ہوئے پڑے ہیں۔
﴿۳۰﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ	ترجمہ: حتّٰی کہ جب اُن میں سے کسی کے سر پر موت آجاتی ہے (اور آخرت کے احوالؔ کھلنے لگتے ہیں) تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے (موت سے بچا کر) دنیا میں پھر بھیج دیجیے،

حل لغات: (۱) ٹھیک رائے والا۔ (۲) فائدہ اٹھانے والا۔ (۳) خوبصورتی۔ (۴) مضبوط۔ (۵) دھیان نہ دینا، منھ پھیرنا۔ (۶) حالتیں۔

زہد و قناعت

هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝ [سورۂ مؤمنون:۹۹، ۱۰۰]	تاکہ جس (دنیا کو اور اس کے مال و متاع) کو چھوڑ آیا ہوں (اس میں واپس جاکر) نیک کام کروں (حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا (جس کا وقت آچکا ہے وہ ٹلتا نہیں)

یہ (شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ فضول) ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے۔

(۳۱) قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ۝ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ ۝ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ [سورۂ مؤمنون:۱۱۲-۱۱۴]	ترجمہ: (قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ان لوگوں کی حسرت و افسوس بڑھانے کے لیے) ارشاد ہوگا (اچھا یہ بتلاؤ) کہ تم دنیا میں کتنے برس رہے تھے وہ (وہاں کے زمانہ کے طول[1] کے لحاظ سے) کہیں گے کہ ہم تو (دنیا میں) ایک دن یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے (اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں خواب کی طرح سے یہ بھی اندازہ نہیں کہ کتنا

وقت گزرا) پس گننے والوں سے (یعنی فرشتوں سے جو ہر چیز کا حساب لکھتے تھے) پوچھ لیں (کہ ہم کتنا تھوڑا اٹھہرے تھے) ارشاد ہوگا کہ جب تم اتنا کم ٹھہرے تھے تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم (یہ بات) جان لیتے (کہ یہ دنیا محض[2] چند روزہ[3] ہے بہت ہی تھوڑے دن یہاں قیام ہے، اچھا یہ تو بتاؤ) کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کیا (کوئی غرض تمہارے پیدا کرنے سے نہیں تھی، حالانکہ ہم نے قرآن پاک میں صاف صاف بتادیا تھا کہ جن وانس کی پیدائش ہم نے محض عبادت کے لیے کی ہے، کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ) تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

(۳۲) وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍۭ بَطِرَتۡ مَعِيۡشَتَهَا ۚ فَتِلۡكَ مَسٰكِنُهُمۡ لَمۡ تُسۡكَنۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ؕ [سورۂ قصص:۵۸]	ترجمہ: (یہ لوگ جو اپنی خوش عیشی[4] پر نازاں[5] ہیں ان کی حماقت[6] ہے، ان کو خبر نہیں کہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھے، پس (تم خود ہی دیکھ لو کہ) یہ اُن کے گھر (خالی پڑے ہوئے ہیں جو)

ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر تھوڑی دیر کو۔

(۳۳) وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتُهَا ۚ	ترجمہ: پس جو کچھ تم کو (دنیا میں عیش و عشرت اور راحت و آرام کا سامان) دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لیے ہے اور (اسی

حل لغات: (۱) لمبا ہونا۔ (۲) صرف۔ (۳) تھوڑے دن۔ (۴) اچھی زندگی۔ (۵) فخر کرنے والا۔ (۶) بے وقوفی۔

زہد و قناعت

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ [سورۂ قصص:۶۰]	چندروزہ زندگی کی) زیب[۱] وزینت ہے (جو بہت جلد زائل[۲] ہوجانے والی ہے) اور اللہ (جَلَّ شانُہٗ) کے یہاں جو اجروثواب ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے!۔
﴿۳۴﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ [سورۂ قصص:۶۱]	ترجمہ: کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ (آخرت کا) کر رکھا ہے، پھر وہ شخص اس موعود[۳] چیز کو پانے والا بھی ہے، ایسے شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا کچھ متاع (معمولی فائدہ) دے رکھا ہے پھر قیامت کے دن یہ شخص (اپنے جرموں کی پاداش[۴] میں) گرفتار کرلیا جائے گا۔
﴿۳۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ [سورۂ قصص:۷۹]	ترجمہ: جو لوگ طالب[۵] دنیا تھے وہ (تو قارون کی زیب زینت کو دیکھ کر) کہنے لگے: کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم کو بھی ایسا ہی ساز و سامان ملتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے، وہ تو بڑا صاحبِ[۶] نصیب ہے۔

(قارون کا مُفصَّل[۷] قصہ عبرتناک زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر تین صفحہ ۲۱۷ پر گزر چکا ہے دولت اور ثروت[۸] کی کثرت کا اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ نہ بنایا جائے تو یہی حشر ہے)۔

﴿۳۶﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ [سورۂ عنکبوت:۶۴]	ترجمہ: اور یہ دنیوی زندگی بجز[۹] لہو[۱۰] ولعب کے کچھ بھی نہیں ہے، دراصل زندگی (جو حقیقت میں زندگی کہلانے کے لائق ہے) وہ آخرت ہی کی زندگی ہے، کاش یہ لوگ اس بات کو (اچھی طرح) جان لیتے (تو پھر آخرت کے لیے کیسی کوشش کرتے)۔
﴿۳۷﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ [سورۂ روم:۷]	ترجمہ: یہ لوگ دنیوی زندگی کی صرف ظاہری حالت کو جانتے ہیں (اسی کی کوشش کرتے ہیں، اسی پر جان دیتے ہیں) اور یہ لوگ آخرت سے بالکل غافل ہیں (نہ وہاں کے ثواب کی تمنّا، نہ وہاں کے عذاب کا خوف)۔

حل لغات: ① سجاوٹ۔ ② ختم۔ ③ وعدہ کی ہوئی۔ ④ بدلہ۔ ⑤ طلب گار۔ ⑥ اچھی قسمت والا۔ ⑦ تفصیل سے۔ ⑧ مالداری۔ ⑨ صرف۔ ⑩ کھیل کود۔

زہد وقناعت

﴿۳۸﴾ يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۚ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ [سورۂ لقمان:۳۳]	ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنی اولاد کی طرف سے کوئی مطالبہ پورا کرسکتا ہے، نہ کوئی اولاد اپنے باپ کی طرف سے ہی کوئی چیز ادا کرسکتی ہے، بے شک اللہ کا وعدہ (جو آخرت کے متعلق ہے) سچا ہے، پس تم کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (کہ تم اس میں لگ کر آخرت کے دن کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ باز (شیطان) اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ تم اس کے بہکائے میں آکر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے فکر ہوجاؤ) اور یہ سمجھنے لگو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا۔

حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم کو شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی آرزو کرتے رہو۔ [درمنثور] یعنی حق تعالیٰ شانُہٗ سے مغفرت طلب کرنے کا مُنہ جب ہے جب پُختہ[1] طور پر گناہوں سے توبہ کرو، گناہ نہ کرنے کا پکّا ارادہ کرو، پھر اللہ تعالیٰ سے گُذشتہ[2] گناہوں کی مغفرت چاہو اور یہ حماقت[3] ہے کہ دن بھر گناہوں سے منہ کالا کرتے رہو اور زبان سے کہتے رہو کہ یا اللہ تُو معاف کر جیسا کہ اسی فصل کے نمبر اٹھارہ ۱۸ صفحہ ۵۱۰ پر مُفصّل[4] آرہا ہے اور اس مضمون کی آیت دوسری بھی آرہی ہے۔

﴿۳۹﴾ يَآيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ [سورۂ احزاب:۲۸، ۲۹]	ترجمہ: اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنی بیبیوں سے (بھی دوٹوک صاف صاف بات) کہہ دو کہ اگر تم کو دُنیوی زندگی اور اس کی زیب[5] وزینت چاہیے تو آؤ میں تم کو کچھ دنیوی مال ومتاع[6] (مہر نفقہ[7] وغیرہ) دے دوں اور تم کو خوبی (اور خوش دلی کے ساتھ طلاق دے کر) رخصت کردوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ (کی رضا) کو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تنگی اور فقر[8] وفاقہ کے ساتھ رہنے) کو اور آخرت (کے عالی[9] درجوں) کو چاہتی ہو تو (یہ دل نشین[10] کرلو کہ) تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجرو ثواب تیار کررکھا ہے (جو جتنی زیادہ نیکی کرے گی اتنا ہی زیادہ اجرو ثواب پاوے گی)۔

حل لغات: ① پکا۔ ② پہلے کیے ہوئے۔ ③ بیوقوفی۔ ④ تفصیل سے۔ ⑤ سجاوٹ، خوبصورتی۔ ⑥ سامان۔ ⑦ خرچہ۔ ⑧ غریبی۔ ⑨ اونچے۔ ⑩ دل میں جمانا۔

﴿۴۰﴾ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ [سورۂ فاطر:۵]	ترجمہ: اے لوگو! (اچھی طرح سمجھ لو، خوب دل میں جما لو، کہ) بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈال دے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکے باز (شیطان) تم کو اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دے۔ (کہ اس کے دھوکہ میں آ کر تم اللہ جَلَّ شانُہٗ سے بے فکر ہو جاؤ)۔

حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دنیا کا دھوکے میں ڈالنا یہ ہے کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاؤ اور شیطان کا دھوکہ یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا کرتے رہو۔ [درمنثور]

﴿۴۱﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۥ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ [سورۂ غافر:۳۹]	ترجمہ: (فرعون کے خاندان کے اس مومن شخص نے جس نے اپنے ایمان کو مخفی[۱] کر رکھا تھا اپنی برادری[۲] کو نصیحت کرتے ہوئے کہا) اے قوم! یہ دنیوی زندگی محض[۳] چند روزہ ہے اور اصل ٹھہرنے کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔
﴿۴۲﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ [سورۂ شوریٰ:۲۰]	ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب[۴] ہو (یعنی جیسا کھیتی کے لیے بیج بویا جاتا ہے پھر اس کو پانی وغیرہ دیا جاتا ہے تا کہ پھل پیدا ہو اسی طرح وہ آخرت کی کھیتی کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بیج ڈال کر اس کی پرورش[۵] کرتا ہے ایمان سے اور اعمال[۶] صالحہ سے) ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو (کہ ساری کوشش اسی زندگی پر خرچ کر دے) تو ہم اس کو دنیا میں

سے کچھ دے دیں گے اور ایسے شخص کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے۔

﴿۴۳﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ	ترجمہ: پس جو کچھ تم کو (اس دنیا میں) دیا گیا وہ محض چند روزہ زندگی کے برتنے[۷] کے لیے ہے (بہت جلد فنا[۸] ہو جانے والا ہے اور آخرت میں) جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بدرجہا[۹] بہتر اور پائدار[۱۰] ہے۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور

حل لغات: ① چھپانا۔ ② خاندان۔ ③ صرف۔ ④ چاہنے والا۔ ⑤ دیکھ بھال کرنا۔ ⑥ نیک اعمال کرنا۔ ⑦ استعمال کرنا۔ ⑧ ختم۔ ⑨ بہت زیادہ۔ ⑩ مضبوط۔

اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾
[سورۂ شوریٰ: ۳۶-۳۹]

اپنے رب ہی پر توکّل[1] کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہ سے اور بے حیائی کی باتوں سے احتراز[2] کرتے ہیں اور جب ان کو غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور (یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا اور نماز کو قائم کیا اور ان کا (ہر مُہتم[3] بالشّان کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔ اور جو ایسے (مُنصِف مزاج ہیں) کہ اگر ان پر ظلم ہو (اور ان کو بدلہ لینے کی ضرورت پڑے) تو برابر کا بدلہ لیتے ہیں (یہ نہیں کہ ایک کے بدلہ میں دو اور کسی کا بدلہ کسی سے لے لیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات میں بعض اہم امور اور خصوصی اوصاف کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے چاروں خلفائے راشدین کی طرف ترتیب خلافت سے نمبروار اشارہ ہے)۔

(۴۴) وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٣٢﴾ [سورۂ زخرف: ۳۲]

ترجمہ: اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بدرجہا بہتر ہے جس (دنیا) کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

اس کے بعد دنیوی زیب[4] وزینت کی چند اشیاء[5] ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾ [سورۂ زخرف: ۳۵] (اوپر سے سونے چاندی کی چھتوں اور دروازوں وغیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہے) اور یہ سب کا سب صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (دو چار دن کی بہار ہے) اور آپ کے رب کے یہاں آخرت تو متقی لوگوں کے لیے ہے۔

(۴۵) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾
[سورۃ الذاریٰت: ۵۶-۵۸]

ترجمہ: اور میں نے جن اور انس کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کیا کریں، میں اُن سے رزق رسانی (روزی پہونچانا) نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں، حق تعالیٰ شانہٗ تو خود ہی سب کو رزق پہونچانے والا قوی نہایت قوّت والا ہے۔

(۴۶) اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ

ترجمہ: تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی (ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ آدمی اسی میں لگ جائے) یہ تو محض لہو[6] ولعب اور ظاہری

حل لغات: (۱) بھروسہ۔ (۲) بچنا۔ (۳) اہم، ضروری۔ (۴) سجاوٹ۔ (۵) چیزیں۔ (۶) کھیل کود۔

وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ	زیب[1] و زینت اور باہم[2] ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے اور
غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ	اموال و اولاد میں ایک دوسرے پر بڑھوتری ہے اس کی مثال
يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ	ایسی ہے جیسا کہ مینہ[3] برسا کہ اس کی وجہ سے پیداوار (ایسی
حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ	بڑھی کہ وہ کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہونے لگی پھر وہ کھیتی
وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا	خشک ہوجاتی ہے کہ تو اس کو زرد[4] دیکھتا ہے پھر وہ چُورا چُورا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾	ہوجاتی ہے (یہی حالت دنیا کی زیب و زینت اور بہار کی
سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ	ہے کہ آج زوروں پر ہے پھر اضمحلال[5] ہے، پھر زوال[6] ہے)
عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ	اور آخرت کی یہ حالت ہے کہ اس میں سخت عذاب ہے (جس
اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ	سے بچنے کی انتہائی کوشش ہونا چاہیے اور خدا تعالیٰ کی طرف
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ	مغفرت اور رضامندی ہے (جس کے حاصل کرنے کی کوشش
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾	اس کی شان کے مناسب ہونا چاہیے اور یہ بات ذہن نشین[7]
[سورۂ حدید: ۲۰ - ۲۱]	کرلینا چاہیے کہ) دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے (جب دنیا

کی یہ حالت ہے اور آخرت کی یہ کیفیت تو سعادت[8] کی بات یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو (اور اس کی شان کے مناسب کوشش کرو اور نہایت اہتمام سے دوڑو) ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت[9] آسمان زمین کی وسعت کے برابر ہے جو ایسے لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و احسان ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ بہت زیادہ فضل والے ہیں (مگر کوئی اس کے فضل سے حصہ لینا بھی چاہے)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ جب اس کو کچھ بھی سمجھ شروع ہوتی ہے تو وہ لہو ولعب کی طرف مشغول ہوتا ہے اور اس کے اندر اس کا ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں اس کو کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی، پھر اس کے بعد جب وہ ذرا بڑا ہوتا ہے، تو اس میں زیب و زینت، اچھے کپڑوں کا پہننا، گھوڑے وغیرہ کی سواری کا شوق پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے لہو ولعب کی لذت بھی لغو[10] ہوجاتی ہے، اس کے بعد اس میں جوانی کی لذتوں کا زور ہوتا ہے، شہوت پوری کرنے کے مقابلہ میں اس کی نگاہ میں کوئی چیز نہیں رہتی، نہ مال ومتاع[11] کی وقعت[12] رہتی ہے، نہ عزت و آبرو کی، اس کے بعد پھر اس میں بڑائی اور تفاخر اور

حل لغات: (۱) خوبصورتی، سجاوٹ۔ (۲) آپس میں۔ (۳) بارش۔ (۴) پیلا۔ (۵) مرجھا جانا۔ (۶) ختم ہونا۔ (۷) ذہن میں بٹھالینا۔ (۸) خوش قسمتی۔ (۹) کشادگی۔ (۱۰) بے کار۔ (۱۱) سامان۔ (۱۲) اہمیت۔

زہد و قناعت

ریاست کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو پہلے جذبوں پر غالب آجاتا ہے، یہ سب دنیاوی لذات ہیں اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں ہر چیز لغو بن جاتی ہے، یہی اصل جذبہ ہے جو سب سے زیادہ قوی[1] ہے۔ پس ابتدائی[2] زمانہ میں کھیل کود کی رغبت ہوتی ہے اور بلوغ[3] کے شروع میں شہوت کا زور ہوتا ہے، بیس[20] سال کی عمر کے بعد ریاست کا جذبہ شروع ہوتا ہے اور چالیس سال کی عمر کے قریب سے علوم اور معرفت[4] کا جذبہ شروع ہوتا ہے، جیسا کہ بچپن میں بچہ کھیل کے مقابلہ میں عورتوں کے اختلاط[5] اور ریاست[6] کو لغو[7] سمجھتا ہے، اسی طرح یہ دنیا داران لوگوں پر ہنستے ہیں جو اللہ کی معرفت میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ اللہ والے سمجھتے ہیں کہ یہ بچے ہیں بلوغ کے لطف[8] کو جانتے ہی نہیں۔ [احیاء] اس آیتِ شریفہ میں دنیوی لذات کے سب انواع[9] کا ذکر فرما کر اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ ساری لذتیں دھوکہ ہیں اور کام آنے والی صرف آخرت اور آخرت کی زندگی ہے، دنیا کی ساری لذتیں اس کھیتی کی طرح ہیں جو لہلہا کر خشک ہو جائے اور پھر اس کو ہوا اڑا کر فنا[10] کر دے۔

(۴۷) اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿۲۷﴾ [سورۂ دھر: ۲۷]	ترجمہ: یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں، یعنی قیامت کے دن کی نہ تو کوئی فکر ہے نہ اُس کی کوئی تیاری ہے، دنیا کی محبت نے ایسا

اندھا کر رکھا ہے کہ ذرا بھی تو اس انتہائی مصیبت کے دن کی پروا نہیں ہے۔

(۴۸) فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ [سورۂ والنازعٰت: ۳۴-۴۱]	ترجمہ: پس جس دن وہ بہت بڑا ہنگامہ (مصیبت کا دن یعنی قیامت کا دن) آجائے گا جس دن آدمی یاد کرے گا کہ (دنیا میں) کس کام کے لیے کوشش کی تھی اور دوزخ اس دن آنکھوں کے سامنے ہوگی (اس دن کا قانون یہ ہے) کہ جس شخص نے (دنیا میں) سرکشی[11] کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح[12] دی ہوگی اس کا ٹھکانا تو جہنم ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہشات سے روکا ہوگا۔ پس جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔

حل لغات: (۱) طاقتور۔ (۲) شروع۔ (۳) بالغ ہونا۔ (۴) اللہ کی پہچان۔ (۵) میل جول۔ (۶) سرداری۔ (۷) بے کار۔ (۸) باریکی۔ (۹) قسمیں۔ (۱۰) ختم۔ (۱۱) نافرمانی، بدمعاشی۔ (۱۲) بڑھوتری۔

زہد وقناعت

﴿۴۹﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ [سورۂ اعلیٰ: ۱۴-۱۹]	ترجمہ: بیشک بامراد[1] ہو گیا وہ شخص جو (برائیوں سے) پاک ہوا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر تم لوگ قرآن پاک کی نصیحتوں پر عمل ہی نہیں کرتے) بلکہ تم تو دنیوی زندگی کو (آخرت کی زندگی پر) ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے کہیں زیادہ) بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے، یہی مضمون اگلے صحیفوں[2] میں ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کے صحیفوں میں۔

فائدہ: ان صحیفوں کے مضامین بہت سے آثار[3] اور روایات میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کُل کتابیں کتنی نازل ہوئیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو[۱۰۰] صحیفے اور چار[۴] کتابیں، ان میں سے حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس[۵۰] صحیفے نازل ہوئے اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس[۳۰] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس[۱۰] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے قبل دس[۱۰] صحیفے نازل ہوئے اور چار[۴] کتابیں: تورات (حضرت موسیٰ علیہ السلام پر)، انجیل (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر)، زبور (حضرت داؤد علیہ السلام پر) اور قرآن (سید الرُّسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل ہوئیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب اَمثال[4] (تنبیہات) تھیں (ایک مضمون اس کا یہ ہے) او غلبہ کر کے حکومت لینے والے بادشاہ، او مغرور[5]! میں نے تجھے اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ تو دنیا کو تہ بتہ[6] جمع کرتا رہے، میں نے تجھے اس لیے اُبھارا تھا کہ تو مظلوم کی آواز کو مجھ تک نہ آنے دے (اس کی دادرسی[7] وہیں کر دے) اس لیے کہ میں اس کی پکار کو رد[8] نہیں کروں گا چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، عقل والے کے لیے ضروری ہے اگر اس کی عقل مغلوب نہیں ہو گئی کہ اپنے اوقات کو تین حصوں پر تقسیم کر دے، ایک حصہ میں اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز (اس کی عبادت) کرے، ایک حصہ اپنے اوپر محاسبہ[9] میں خرچ کرے کہ میں نے کیا کیا (کتنے اوقات نیکیاں کمانے میں خرچ کئے، کتنے برائیاں اور گناہ کمانے میں، اور ان اوقات میں کیا کیا نیک کام کیے اور کیا کیا برے کام کیے، نیکیاں کس درجہ کی کمائیں اور گناہ کس درجہ کے کیے اور کتنے اوقات محض بے کار ضائع[10] کر دیے) اور ایک حصہ اپنی جائز ضروریات (کھانے کمانے) میں خرچ کرے تا کہ یہ حِصّہ اوقات کا پہلے دو حصوں کے لیے مددگار بنے اور دل جمعی[11] کا اور پہلے دونوں کاموں کے لیے وقت کے فارغ کرنے کا

حل لغات: (۱) کامیاب۔ (۲) پیغمبروں پر نازل ہونے والی چھوٹی کتابیں۔ (۳) صحابۂ کرام کی باتیں۔ (۴) کہاوتیں۔ (۵) گھمنڈی۔ (۶) ایک کے نیچے ایک تہ۔ (۷) انصاف۔ (۸) لوٹانا۔ (۹) جائزہ۔ (۱۰) برباد۔ (۱۱) سکون، اطمینان۔

زہد و قناعت

سبب بنے اور عاقل[1] کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اوقات کا محافظ ہو، اپنے مشاغل[2] میں متوجہ رہے، اپنی زبان کی حفاظت کرے، جو شخص اپنی بات کی نگہبانی کرے گا بے کار باتوں میں گفتگو کم کرے گا اور عاقِل کے ذمّہ ضروری ہے کہ تین باتوں کا طالب رہے: ایک اپنی گزر اوقات یعنی معاشی[3] اصلاح کا، دوسری آخرت کا توشہ[4]، تیسری جائز راحتیں (کھانا پینا سونا وغیرہ)۔ ان تین کے علاوہ جس چیز میں بھی وقت ضائع کیا جائے محض بے کار اور لغو ہے، جب آدمی کوئی بات یا کام شروع کرے تو یہ سوچ لے کہ ان تین میں سے کون سے میں داخل ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ ارشاد فرمایا کہ سب کی سب عبرت[5] کی باتیں تھیں (منجملہ[6] اُن کے یہ بھی تھا) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین ہو پھر وہ کسی بات پر کس طرح خوش ہوتا ہے (کہ موت ہر وقت سر پر سوار ہے نہ معلوم کس وقت آ جائے)؛ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین ہے پھر اس کو کسی بات پر ہنسی آئے؛ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اس کے انقلابات کو دیکھے (کہ آج ایک شخص لکھ پتی ہے، کل کو فقیر اور ٹکڑے ٹکڑے کا محتاج ہے؛ آج ایک شخص جیل خانہ میں ہے اور کل کو حاکم بن رہا ہے) پھر اس کی کسی بات پر اطمینان کرے اور (تعجب ہے) اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھتا ہو پھر وہ کسی بات پر رنج کرے اور (تعجب ہے) اس شخص پر جس کو (قیامت کے دن) حساب کا یقین ہے پھر وہ عمل نہ کرے (کہ اس دن ہر قسم کا جانی مالی مطالبہ نیک اعمال ہی سے پورا کیا جائے گا اور اپنے پاس نیک عمل نہ ہوں گے تو دوسرے کے گناہ حساب پورا کرنے کو لینے پڑیں گے۔) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں سے کچھ نازل ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں یہی آیت ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ ﴾ [درمنثور]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے سورۂ نجم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ۝ ﴾ اور وہ ابراہیم جنہوں نے پورا پورا ادا کر دیا، یعنی اسلام کے سارے سِہاموں[7] کو پورا کر دیا۔ اسلام کے کل تیس (۳۰) سہام ہیں جن میں دس (۱۰) تو سورۂ براءۃ میں ذکر کیے گئے؛ ان آیات میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۱۱] اور دس (۱۰) سورۂ احزاب میں ان آیات میں ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ﴾ [سورۂ احزاب: ۳۵] اور چھ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ کی شروع کی آیات میں اور چار سَاَلَ سَائِلٌ میں ﴿ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ [سورۂ معارج: ۲۶] یہ سب تیس (۳۰) ہوئے، جو ان میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں جائے گا وہ اسلام کے ایک سہام کے ساتھ جائے گا۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) عقلمند۔ (۲) کام۔ (۳) روزی روزگار کی درستی۔ (۴) سفرِ آخرت کا سامان۔ (۵) نصیحت۔ (۶) ان تمام میں سے۔ (۷) حصے۔

زہد و قناعت

⑸⓪ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨ [سورۂ تکاثر]	ترجمہ: (دنیوی سامان پر) تفاخر[1] نے تم کو (آخرت سے) غافل کر رکھا ہے حتی کہ تم (مرکر) قبرستان میں پہونچ جاتے ہو ہرگز (یہ چیزیں قابل فخر اور توجہ) نہیں ہیں تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی) معلوم ہوجائے گا (کہ دنیا کیا تھی اور آخرت کیا ہے) پھر تم کو دوسری مرتبہ مُتنبّہ[2] کیا جاتا ہے کہ ہرگز (یہ چیزیں قابلِ فخر والتفات) نہیں تم

کو بہت جلد (قبروں سے نکلتے ہی حشر میں) معلوم ہوجائے گا (اور تم کو تیسری دفعہ مُتنبّہ کیا جاتا ہے) کہ ہرگز (یہ چیزیں قابلِ فخر والتفات[3]) نہیں؛ اگر تم یقینی طور پر (قرآن وحدیث سے اس بات کو) جان لیتے (کہ یہ چیزیں قابلِ تفاخر نہیں ہیں جیسا کہ تم کو مرنے کے بعد اس کا یقین ہوا تو کبھی بھی ان میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم جہنم کو ضرور دیکھو گے (وہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے دوبارہ تم سے تاکید سے) پھر (کہا جاتا ہے کہ) واللہ تم اس کو ایسا دیکھو گے جو خود یقین ہے (یعنی اس کا دیکھنا بالکل یقینی اور قطعی ہے) پھر اس دن تم سے ساری نعمتوں کی پُوچھ ہوگی (کہ اللہ کی نعمتوں کا کیا حق ادا کیا)۔

فائدہ: ان نعمتوں کے سوال کے متعلق بہت سی تفاصیل بہت سی احادیث میں آئی ہیں اور جتنی تفاصیل آئی ہیں وہ سب ہی مثال کے طور پر ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمتوں کا جو ہر وقت ہر آن ہر آدمی پر بارش کی طرح برستی رہتی ہیں کون احاطہ یا شمار کرسکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد بالکل حق ہے ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [سورۂ ابراہیم: ۳۴ وسورۂ نحل: ۱۸] ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار بھی نہیں کرسکتے''۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت تلاوت فرمائی اور جب یہ پڑھا ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨﴾ [سورۂ تکاثر: ۸] پھر اس دن نعمتوں سے سوال کیے جاؤ گے، تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے رب کے سامنے تم سے ٹھنڈے پانی کا سوال کیا جائے گا، مکانوں کے سایہ کا سوال کیا جائے گا (کہ ہم نے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے سایہ عطا کیا تھا) پیٹ بھرائی کھانے سے سوال کیا جائے گا، اعضاء[4] کے صحیح سالم ہونے سے سوال کیا جائے گا (کہ ہم نے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان وغیرہ صحیح سالم عطا کیے تھے ان کا کیا حق ادا کیا) میٹھی نیند سے سوال کیا جائے گا۔ حتی کہ اگر تم نے کسی عورت سے منگنی چاہی اور کسی اور شخص نے بھی اس عورت سے منگنی چاہی اور اللہ تعالیٰ نے تم سے اس کا نکاح کرادیا تو اُس سے بھی سوال ہوگا، کہ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا تم پر احسان تھا کہ بیٹی والوں کے دل

حل لغات: ① ایک دوسرے پر فخر کرنا۔ ② خبردار، آگاہ۔ ③ توجہ۔ ④ جسم کے حصے۔

زہد و قناعت

میں حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ بات ڈالی کہ وہ تم سے اس کا نکاح کریں دوسرے سے نہ کریں اور ان چیزوں کو جو اس حدیث شریف میں ذکر کی گئیں غور کرنے سے آدمی اندازہ کرسکتا ہے کہ اُس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کس قدر احسانات ہیں اور ان چیزوں میں غریب امیر سب ہی شریک ہیں، کون شخص غریب سے غریب فقیر سے فقیر ایسا ہے جس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بے انتہا انعامات نہ برستے ہوں، ایک صحت اور اعضاء کی تندرستی ہی ایسی چیز ہے اور اس سے بڑھ کر ہر وقت سانس کا آتے رہنا ہی ایک ایسی نعمت ہے جو ہر وقت ہر زندہ کو میسّر[1] ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی نعمتوں میں ہم ہیں، جو کی روٹی وہ بھی آدھی بھوک ملتی ہے پیٹ بھر کر نہیں ملتی، تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرمائیں کیا تم جوتہ نہیں پہنتے، ٹھنڈا پانی نہیں پیتے، یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کا سوال ہوگا وہ بدن کی صحت اور ٹھنڈا پانی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جن نعمتوں کا سوال ہوگا وہ روٹی کا ٹکڑا ہے جس کو کھائے اور وہ پانی ہے جس سے پیاس بجھائے اور وہ کپڑے کا ٹکڑا ہے جس سے بدن چھپائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سخت دھوپ میں دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی وہ بھی اپنے گھر سے تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس وقت کیسے آنا ہوا انہوں نے فرمایا کہ بھوک کی شدت[2] نے مجبور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسی بے چینی نے مجھے بھی مجبور کیا، یہ دونوں اسی حال میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ[3] سے تشریف لائے اور ان سے دریافت کیا کہ تم اس وقت کہاں آئے، انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی شدت نے مجبور کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی مجبوری سے میں بھی آیا ہوں۔ یہ تینوں حضرات اُٹھ کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے، وہ خود تو موجود نہیں تھے اُن کی اہلیہ[4] نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ ابوایوب کہاں ہیں؟ بیوی نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی آتے ہیں اتنے میں ابوایوب رضی اللہ عنہ آگئے اور جلدی سے کھجور کا ایک خوشہ[5] توڑ کر لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارا خوشہ کیوں توڑ لیا اس میں سے پکّی پکّی کیوں نہ چھانٹ لیں۔ انہوں نے عرض کیا: حضرت اس خیال سے توڑ لیا کہ پکی اور اَدھ کچری اور خشک و تر ہر قسم کی سامنے ہوجائیں جس کی رغبت[6] ہو۔ ان حضرات نے ہر قسم کی کھجوریں اُس خوشہ میں سے نوش[7] فرمائیں، اتنی دیر میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے جلدی

حل لغات: (۱) حاصل۔ (۲) تیزی، سختی۔ (۳) گھر، کمرہ۔ (۴) بیوی۔ (۵) گُچھا۔ (۶) چاہت۔ (۷) کھانا۔

زہد و قناعت

سے کچھ حصہ آگ پر بھونا کچھ ہانڈی میں پکایا اوران حضرات کے سامنے لاکر رکھا۔ حضور ﷺ نے ذرا سا گوشت ایک روٹی میں لپیٹ کر ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے آؤ، اُس نے بھی کئی دن سے ایسی کوئی چیز نہیں کھائی وہ جلدی سے دے آئے، ان حضرات نے گوشت روٹی کھایا اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا (اللہ کی اتنی نعمتیں کھائیں) گوشت اور روٹی اور کچی کھجوریں، پکی کھجوریں یہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ارشاد فرمایا کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن سے قیامت میں سوال ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ سن کر بڑا شاق[1] ہوا (کہ ایسی سخت بھوک کی حالت میں یہ چیزیں بھی بازپرس[2] کے قابل ہیں) حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک ہیں اور اس کی تلافی[3] یہ ہے کہ جب شروع کرو تو بِسْمِ اللّٰهِ کے ساتھ شروع کرو اور جب ختم کرو تو یہ دعا پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ أَشْبَعَنَا وَأَنْعَمَ عَلَيْنَا وَأَفْضَلَ تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں کہ اسی نے ہم کو (محض اپنے فضل سے) پیٹ بھر کر عطا کیا اور ہم پر انعام فرمایا اور بہت زیادہ عطا کیا۔ [درمنثور]

اس مضمون کی بہت سی روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں ان کا ذکر اس وقت مقصود نہیں ہے، اس جگہ تو صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ دنیا کی ناپائیداری کو، اس کے ناقابلِ التفات[4] ہونے کو، آخرت کے مقابلہ میں اس کے بالکل ہیچ[5] ہونے کو، اس میں اشتغال[6] کے باعث خسارہ[7] ہونے اور انجام کار عذاب تک پہونچ جانے کو، کس کثرت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے کلام اللہ شریف میں فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی جس میں سے نمونہ کے طور پر صرف پچاس آیتوں کا ذکر اس جگہ کیا گیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بکثرت آیات میں اس مضمون پر تنبیہ فرمائی ہے، کس قدر سخت حیرت اور غیرت[8] کی بات ہے کہ جتنی زیادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس پر تنبیہ ہے اتنی ہی زیادہ ہماری طرف سے اس میں غفلت برتی جارہی ہے۔ اس کے بعد اُس پاک بارگاہ میں حاضری کا کیا منہ رہ جاتا ہے۔ [فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ][9]

⑵ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ	ترجمہ: اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے (جو مخالفین کی طرف سے یا حوادث[10] سے پیش آئے) اور (کسی قدر) فقر[11] وفاقہ سے اور (کسی قدر) مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (پس تم لوگ اس قسم کی جو چیزیں پیش آویں ان پر صبر کرنا) اور آپ اُن صبر کرنے والوں کو

حل لغات: ⑴ دشوار۔ ⑵ پوچھ تاچھ۔ ⑶ بھرپائی۔ ⑷ توجہ کے لائق نہ ہونا۔ ⑸ ناکارہ۔ ⑹ مشغول ہونے۔ ⑺ نقصان۔ ⑻ شرم۔ ⑼ اللہ ہی سے فریاد ہے اور وہی مددگار ہے۔ ⑽ حادثہ کی جمع۔ ⑾ غریبی۔

صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ [سورۂ بقرہ:۱۵۵۔۱۵۷]	بشارت[۱] سنا دیجیے۔ (جن کی یہ عادت ہے) کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ'' پڑھتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ

شانہٗ کی خاص خاص رحمتیں ہیں اور رحمتِ عامہ بھی ہے اور یہی لوگ ہدایت[۲] یافتہ ہیں۔

فائدہ: مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰهِ'' کا زبان سے پڑھنا بھی مفید اور باعث اجر ہے اور دل سے اس کے معنی سمجھ کر پڑھنا اور بھی زیادہ مؤثر[۳] اور باعثِ اجر اور باعثِ طمانینت[۴] ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم سب کے سب (مع اپنی جانوں کے اور مالوں کے) اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک[۵] ہیں (اور مالک کو اپنی مِلک میں ہر طرح تصرف[۶] کا حق ہے وہ جس طرح چاہے تصرف کرے) اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یعنی مرنے کے بعد سب کو وہیں جانا ہے یہاں کے نقصانات اور تکالیف کا بدلہ اور ثواب بہت زیادہ وہاں ملے گا جیسا کہ دنیا میں کسی شخص کا کچھ نقصان ہو جائے اور اس کو کامل[۷] یقین ہو کہ اس نقصان کے بدلہ میں اُس سے بہت زیادہ بہت جلد مل جائے گا تو اس کو اپنے نقصان کا ذرا سا بھی رنج نہیں ہوتا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں زیادہ سے زیادہ بدلہ ملنے کا یقین ہو جائے تو پھر ذرا بھی کُلفت[۸] نہ رہے؛ لیکن ہم لوگوں میں چونکہ ایمان اور یقین کی کمی ہے اس وجہ سے ذرا سی مشقت[۹]، ذرا سی تکلیف، ذرا سا نقصان بھی ہمارے لیے مصیبتِ عظمیٰ[۱۰] بن جاتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں اس کی طرف بھی مجملاً[۱۱] اور مفصلاً[۱۲] بہت جگہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ دنیا سخت ابتلاء[۱۳] اور امتحان کی جگہ ہے اور کئی کئی مضمونوں میں امتحان ہوتا ہے، کبھی مال کی افراط[۱۴] سے کہ اس کو کس طرح کمایا اور کس طرح خرچ کیا جا رہا ہے اور کبھی فقر و فاقہ سے کہ اس کا کس طرح استقبال کیا جا رہا ہے، جزع فزع[۱۵] سے یا صبر و صلوٰۃ سے، اسی لیے بار بار صبر و صلوٰۃ اور اللہ کی طرف رجوع کی ترغیبیں دی جاتی ہیں اور اس پر تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم آج کل زیرِ امتحان ہو ایسا نہ ہو کہ اس امتحان میں فیل ہو جاؤ۔ نمونہ کے طور پر چند آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

① وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ [سورۂ بقرہ:۴۵]	ترجمہ: اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی طرف سے مدد ہیں ان سے مدد لو۔ حضرت

حل لغات: ① خوش خبری۔ ② ہدایت پائے ہوئے۔ ③ اثر کرنے والا۔ ④ اطمینان کا سبب۔ ⑤ ملکیت۔ ⑥ اختیار۔ ⑦ پورا۔ ⑧ بے چینی۔ ⑨ تکلیف۔ ⑩ بڑی مصیبت۔ ⑪ مختصر طور پر۔ ⑫ تفصیل سے۔ ⑬ آزمائش۔ ⑭ زیادتی۔ ⑮ رونے پیٹنے۔

زہد وقناعت

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے میں تجھے چند باتیں بتاتا ہوں تجھے حق تعالیٰ شانہٗ ان سے نفع دیں گے۔ میں نے عرض کیا ضرور بتائیں، ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حفاظت کر (یعنی اس کے حقوق ادا کر) اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری حفاظت فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ (کے حقوق) کی حفاظت کر تو اُس کو (ہر وقت اپنی مدد کے لیے) سامنے پائے گا؛ ثروت[1] کی حالت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کو پہچان لے (یعنی یاد کر لے) وہ تجھے مصیبت کے اوقات میں پہچانے گا (مدد کرے گا) اور یہ اچھی طرح جان لے کہ جو کچھ بھی مصیبت تجھے پہونچی ہے، وہ ہرگز تجھ سے چُوکنے والی نہ تھی اور جو نہیں پہونچی وہ کبھی بھی پہونچنے والی نہ تھی اگر ساری مخلوق سب کی سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ وہ تجھے کچھ دیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کا ارادہ نہ کریں تو وہ سب کے سب ہرگز اس پر قادر نہیں ہو سکتے کہ تجھے کچھ دے دیں اور اگر وہ سب کے سب مل کر تجھ سے کسی مصیبت کو ہٹانا چاہیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نہ چاہے تو وہ کبھی بھی اس مصیبت کو نہیں ہٹا سکتے تقدیر کا قلم ہر اُس چیز کو لکھ چکا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہے جب تو کچھ مانگے تو صرف اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد چاہے تو صرف اللہ ہی سے مدد چاہ اور جب بھروسہ کرے تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کر، ایمان ویقین میں شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کر اور یہ خوب جان لے کہ ناگوار[2] چیزوں پر صبر بہت بہتر چیز ہے اور اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت ہے اور تنگدستی[3] کے ساتھ فراخ دستی[4] ہے، یعنی جب کوئی تکلیف پہونچے تو سمجھ لو کہ اب کوئی راحت بھی ملنے والی ہے، اور جب تنگی ہو تو سمجھو کہ اب فراخی[5] بھی ہونے والی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو اور اپنی حاجت کو لوگوں سے چھپائے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال طریقہ سے عطا فرمائیں گے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی اہم چیز پیش آتی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پہلے انبیاء کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی وہ نماز میں مشغول ہوتے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں اپنے بیٹے کے انتقال کی خبر سنی سواری سے اترے، دو رکعت نماز پڑھی اور "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ پھر یہ آیت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ پڑھی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ میں تم میں سے ہر شخص کو اس سے روکتا ہوں کہ کوئی مجھے روئے اور جب میری جان نکل جائے تو ہر شخص بہت اچھی طرح وضو کرے اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے پھر میرے لیے اور اپنے لیے دعائے مغفرت کرے اور پھر جلدی ہی مجھے دفن کر دینا۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) خوشی، مالداری۔ (۲) ناپسند۔ (۳) غُربت۔ (۴) دولت مندی۔ (۵) کشادگی، خوب مال ہونا۔

زہد و قناعت

آیت	ترجمہ
② یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ (الاٰیة) [سورۂ بقرہ:۱۵۳]	ترجمہ: اے ایمان والو! (مصیبتوں میں) صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو۔
③ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ (الاٰیة) [سورۂ بقرہ:۱۷۷]	ترجمہ: اور صبر کرنے والے تنگدستی میں اور بیماری میں اور خوف وقتال کے وقت۔

یہ آیت شریفہ پہلی فصل کے نمبر دو ② صفحہ ۲۳ پر پوری گذر چکی۔

آیت	ترجمہ
④ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ [سورۂ بقرہ:۲۴۹]	ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس مضمون کی آیت قرآن پاک میں بہت جگہ نازل ہوئی۔ بار بار اللہ تعالیٰ شانہٗ یہ مُژدہ[1] اور تسلی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

⑤ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ [سورۂ ال عمران:۱۷]

یہ آیتِ شریفہ اسی فصل کے نمبر ایک ① صفحہ ۳۱۴ پر پوری گزر چکی۔

آیت	ترجمہ
⑥ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ [سورۂ ال عمران:۱۲۰]	ترجمہ: اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان (کافروں) کا کوئی مکر[2]، تم کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔
⑦ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ [سورۂ ال عمران:۱۴۲]	ترجمہ: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک نہیں جانا (یعنی ابھی تک امتحان نہیں لیا) ان لوگوں کو

جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں جانا (اور جانچا) صبر کرنے والوں کو (اور یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ دین کے لیے ہر کوشش جہاد میں داخل ہے)۔

آیت	ترجمہ
⑧ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ [سورۂ ال عمران:۱۸۶]	ترجمہ: اگر تم صبر کرو اور پرہیز گار بنے رہو تو (بہتر ہے کیونکہ صبر اور تقویٰ) تاکیدی احکام میں سے ہیں۔
⑨ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۝ [سورۂ انعام:۳۴]	ترجمہ: بہت سے رسول جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کو بھی (بے ایمانوں کی طرف سے) تکذیب کی گئی (اور ان کو سخت تکلیفیں پہونچائی

گئیں) پس انہوں نے اس پر صبر ہی کیا جو اُن کی تکذیب[3] کی گئی اور ان کو تکلیفیں پہونچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہونچی (اسی طرح آپ بھی اُن کی تکلیفوں پر صبر کرتے رہیں)۔

حل لغات: ① خوشخبری۔ ② چال۔ ③ جھٹلانا۔

زہد و قناعت

⑩ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝١٢٨ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝١٢٩ [سورۂ اعراف:۱۲۸]	ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد چاہتے رہو اور صبر کرتے رہو، زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث (اور حاکم) بنا دیتا ہے (چنانچہ اس وقت فرعون کو دے رکھی ہے) اور آخر کامیابی انہیں کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں (اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو انجام[1] کار تمہاری ہو جائے گی) (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی) قوم نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کے تشریف لانے سے پہلے بھی (ہم پر مصیبتیں ڈالی جاتی تھیں اور ہماری اولاد کو قتل

کیا جاتا تھا) اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی (طرح طرح کی مصیبتیں ہم پر ڈالی جارہی ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا بہت جلد حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس زمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہیں دیکھیں گے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو (شکر اور اطاعت کرتے ہو یا ناقدری اور معصیت[2] کرتے ہو، پھر جیسا تمہارا عمل ہوگا ویسا تمہارے ساتھ برتاؤ ہوگا)۔

⑪ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ [سورۂ توبہ:۱۱۱]	ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض[3] خرید لیا کہ اُن کو جنت ملے گی۔

فائدہ: جب مسلمانوں کا جان و مال سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت[4] ہو چکا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسی چیزوں میں جو اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور پھر مزید یہ کہ ان کو خرید بھی لیا جو چاہے تصرف[5] کرے، بلکہ مسلمانوں کے بیچ دینے کا مُقتضا[6] تو یہ ہے کہ اب یہ خود مشتری[7] تک اُس کو خریدا ہوا مال پہونچانے کی کوشش کریں اور خود اس پر پیش قدمی[8] کریں چہ جائیکہ وہ خود اپنی خریدی ہوئی چیز لے تو اس میں بھی رنج و قلق[9] کریں۔

⑫ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩ [سورۂ یونس:۱۰۹]	ترجمہ: آپ اس کا اتباع کرتے رہیں جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور (ان کی ایذا[10] پر) صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (خود ہی ان کا) فیصلہ کر دیں گے

(چاہے دنیا میں ہلاکت سے کریں یا آخرت میں عذاب سے) اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں

حل لغات: ① آخر میں۔ ② نافرمانی۔ ③ بدلہ میں۔ ④ بک چکا۔ ⑤ استعمال۔ ⑥ تقاضا۔ ⑦ خریدار۔ ⑧ پہل۔ ⑨ افسوس اور غم۔ ⑩ تکلیفیں۔

زہد وقناعت

بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔

(۱۳) وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ [سورۂ ہود:۹-۱۱]	ترجمہ: اور اگر ہم آدمی کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر (راحت و دولت وغیرہ دے کر) اُس سے چھین لیتے ہیں تو وہ بہت نا اُمید ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو (بے فکر ہو کر) کہنے لگتا ہے کہ میری برائیوں کا دور ختم ہو گیا (پھر وہ) اِترانے لگتا ہے، شیخی[۱] مارنے لگتا ہے (حالانکہ نہ پہلی چیز مایوسی اور ناشکری کی تھی نہ دوسری حالت اَکڑنے اور اِترانے کی) البتہ جو لوگ صابر ہیں اور نیک عمل کرنے والے ہیں (وہ نہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں نہ راحت وثروت[۲] میں شیخی مارتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑی مغفرت اور بڑا اجر[۳] ہے۔
(۱۴) اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ [سورۂ یوسف:۹۰]	ترجمہ: بے شک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور (مصیبتوں پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع[۴] نہیں کرتا۔
(۱۵) اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ [سورۂ رعد:۱۹-۲۴]	ترجمہ: اس کے سوا دوسری بات ہی نہیں کہ نصیحت تو سمجھ دار ہی قبول کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جو کہ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد[۵] کیا اس کو پورا کرتے ہیں اور اُس (عہد) کو توڑتے نہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے تعلقات کو (رشتہ داری وغیرہ کے) قائم رکھنے کا اللہ نے حکم کیا ہے ان کو باقی رکھتے ہیں (ان کو توڑتے نہیں) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور (قیامت کے دن کے) حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر (مصیبتوں پر) صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس سے مخفی[۶] طور پر بھی اور علانیہ[۷] بھی

حل لغات: (۱) اکڑنا۔ (۲) مالداری۔ (۳) بدلہ، ثواب۔ (۴) برباد۔ (۵) وعدہ۔ (۶) چھپ کر۔ (۷) کھلم کھلا۔

زہد وقناعت

خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دفع[1] کرتے ہیں (یعنی کوئی ان کے ساتھ بدسلوکی کرے تو یہ پھر بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لیے پچھلا گھر ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی جنتیں جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور (اُن کے ساتھ) اُن کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد (میں جو جنت میں داخل ہونے کے لائق ہوں گے یعنی مومن ہوں گے اگرچہ وہ اعمال اور درجوں کے اعتبار سے اُن کے برابر نہ ہوں داخل ہوں گے) اور فرشتے اُن لوگوں کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے حاضر ہوکر سلام کریں گے (یا سلامتی کی بشارت دیں گے کہ تم ہر آفت سے اب محفوظ رہو گے یہ سب کچھ) اس وجہ سے ہے کہ تم نے صبر کیا تھا (اور دین پر مضبوط قائم رہے تھے) پس کیا ہی اچھا ہے پچھلا گھر۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت میں سب سے اَدنیٰ[2] درجہ کا آدمی جو ہوگا اُس کو ایک محل صاف شَفَّاف موتی کا ملے گا۔ جس میں ستر ہزار کمرے ہوں گے اور ہر کمرہ میں ستر ہزار دروازے ہوں گے اور ہر دروازے سے ستر ہزار فرشتے سلام کرنے کے لیے آئیں گے۔

(۱۶) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

[سورۂ ابراہیم:۵]

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات یاد دلاؤ (کہ جن پر انعام ہوا تو کیسا کیسا ہوا اور عذاب ہوا تو کیسا سخت ہوا) بے شک ان معاملات میں عبرتیں[3] ہیں ہر صبر کرنے والے کے لیے اور ہر شکر کرنے والے کے لیے (کہ اللہ کی نعمتوں پر شکر کرے اور مصیبتوں پر صبر کرے کہ صبر و شکر دونوں اس کے یہاں مطلوب اور مرغوب[4] ہیں)۔

(۱۷) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

[سورۂ نحل:۴۱-۴۲]

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا (یعنی ہجرت کرکے دوسری جگہ چلے گئے) بعد اس کے کہ ان پر (کفار کی طرف سے) ظلم کیا گیا تھا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب (اس دنیا کے ٹھکانے سے بھی) بہت بڑھا ہوا ہے کاش ان لوگوں کو (اُس کی خوبیوں کی اور بڑائی کی) خبر ہوتی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنی مصیبتوں پر) صبر کیا اور یہ لوگ اپنے اللہ پر توکّل[5] کرتے ہیں (گھر چھوڑتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ دارالاسلام میں جا کر کھانے پینے کی کیا صورت ہوگی)۔

حل لغات: (۱) مٹانا۔ (۲) کم۔ (۳) نصیحتیں۔ (۴) پسندیدہ۔ (۵) بھروسہ۔

⑱ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۞ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۞ [سورۂ نحل:۱۲۶-۱۲۸]	ترجمہ: اور اگر تم (اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا (اور اس وجہ سے کہ دوسرے نے ظلم کی ابتدا[1] کی ہے تم بدلہ میں اس سے کہیں زیادہ بدلہ لے لو اس کا حق ہرگز نہیں ہے یہ تو جب ہے جب تم بدلہ لینا ہی چاہو) اور اگر تم صبر کر جاؤ تو یہ بات تو صابر لوگوں کے لیے بہت اچھی چیز ہے (اسکے بعد خاص طور سے حضور اقدس ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ کی شان بدلہ لینے سے بلند ہے اس لیے) آپ تو صبر کریں اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا مگر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے اور ان لوگوں (کی

مخالفت) پر رنج نہ کیجیے اور جو کچھ بھی (مخالفین آپ کی مخالفت میں) تدبیریں کرتے ہیں اس سے تنگ دل[2] نہ ہوجیے (کہ یہ آپ کا کچھ بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ آپ صاحب تقویٰ[3] اور صاحب احسان ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی[4] ہوں اور احسان کرنے والے ہوں۔

⑲ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۞ [سورۂ کہف:۷]	ترجمہ: ہم نے زمین کے اوپر کی سب چیزوں کو زمین کے لیے زینت[5] بنایا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان لیں کہ کون شخص زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی، میں نے اس کا مطلب دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کا امتحان لے کہ کون زیادہ عقلمند ہے (جو عقل کی بات کو اختیار کرے) اور کون حق تعالیٰ شانہٗ کی ناجائز کردہ[6] چیزوں سے زیادہ احتیاط کرتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت[7] میں جلدی کرتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امتحان اس کا ہے کہ دنیا چھوڑنے میں زیادہ سخت کون ہے اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امتحان اس کا ہے کہ دنیا میں زیادہ زاہد[8] کون ہے۔ [درمنثور] یعنی دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے صبر کرنے والا کون سب سے زیادہ ہے۔

⑳ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ	ترجمہ: پس آپ اُن کی باتوں پر صبر کیجیے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کیجیے (جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد

حل لغات: ① شروعات۔ ② کم حوصلہ۔ ③ پرہیزگار۔ ④ پرہیزگار۔ ⑤ خوبصورتی۔ ⑥ ناجائز کی ہوئی۔ ⑦ فرمانبرداری۔ ⑧ بزرگ، دنیا سے بے پرواہ۔

زہد و قناعت

غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۱۳۰]	وثنا اور نماز سب داخل ہے) آفتاب[1] نکلنے سے پہلے (جس میں صبح کی نماز بھی آگئی) اور آفتاب غروب[2] ہونے سے پہلے (جس میں ظہر عصر بھی آگئیں) اور رات کے حصہ میں

بھی تسبیح کیا کیجیے (جس میں مغرب، عشاء بھی آگئیں) اور دن کے اول حِصّہ میں اور آخر حصہ میں (تسبیح کے لیے مکرر کہا جاتا ہے، جس میں صبح اور عصر کی نماز کی زیادہ تاکید آگئی۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں اُن کی خاص تاکید آئی ہے اور صبح شام کی تسبیحیں بھی آگئیں) تاکہ (آپ کو ان سب چیزوں پر جو آخرت کا بہت زیادہ ثواب ملے اُس سے) آپ خوش ہو جائیں۔

(۲۱) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ [سورۂ حج: ۳۵]	ترجمہ: اور آپ (اللہ کے حکم کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری (اللہ کی رضا اور جنت کی) سنا دیجیے جو ایسے لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل (اُس کی عظمت اور خوف سے) ڈر جاتے ہیں اور جو ان پر مصیبت پڑتی ہے اس پر

صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اُس چیز سے جو ہم نے اُن کو دی ہے خرچ کرتے ہیں،

یہ آیت پہلی فصل کے نمبر سولہ صفحہ ۴۵ پر مُفصّل[3] گزر چکی۔

(۲۲) الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ [سورۂ عنکبوت: ۱-۴]	ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض[4] اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم تو مسلمان ہیں اور ان کو (مختلف انواع[5] کی مصائب[6] سے) آزمایا نہ جائے گا (ایسا نہیں ہوسکتا یہ دنیا امتحان کا گھر ہے) اور ہم تو ان لوگوں کا امتحان لے چکے ہیں جو اُن سے پہلے گزرے (ان میں بھی بعض اپنے دعووں میں سچے نکلے اور بعض جھوٹے اسی طرح اب بھی) اللہ تعالیٰ (امتحانی قاعدہ سے) جان کر رہے گا ان لوگوں کو جنہوں نے (اپنے ایمان اور محبت کے دعووں

میں) سچ کہا اور ان لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ بولا (چنانچہ ایسے ہی امتحانات میں جو سچے مسلمان ہیں وہ

حل لغات: (۱) سورج۔ (۲) ڈوبنا۔ (۳) تفصیل سے۔ (۴) صرف۔ (۵) قسمیں۔ (۶) مصیبت کی جمع۔

زہد و قناعت

ان حوادث سے اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوجاتے ہیں اور جو نالائق ہیں وہ اور زیادہ گمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتد ہوکر اسلام ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں یا مصائب کے ڈر سے برائیوں کی حمایت شروع کردیتے ہیں) ہاں تو یہ لوگ جو برائیاں کررہے ہیں کیا یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل جائیں گے ان کی یہ تجویز نہایت بیہودہ ہے۔

(۲۳) نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ [سورۂ عنکبوت: ۵۸-۶۰]

ترجمہ: نیک کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا اور وہ (ہر تنگی میں روزی کی طرف سے ہو یا اور کسی بات سے) اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ آخر معاش کا ذریعہ کیا ہوگا تو آخر یہ تو سوچو کہ) بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہی ان کو روزی دیتا ہے اور وہی تم کو بھی روزی دیتا ہے وہ (ہر مانگنے والے کی بات کو) سننے والا ہے اور (ہر شخص کے حال کو) جاننے والا ہے (اُسی سے مانگو، وہ تمہاری حالت سے بخوبی واقف ہے، جتنا مناسب سمجھے گا عطا کرے گا)۔

(۲۴) اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ [سورۂ زمر: ۱۰]

ترجمہ: اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب (بے شمار) ملتا ہے۔

(۲۵) وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۖ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۖ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ [سورۂ فصلت: ۳۴-۳۶]

ترجمہ: اور بھلائی اور بُرائی کبھی برابر نہیں ہوتیں (بلکہ ہر ایک کے نتائج[1] اور اثرات جدا جدا ہیں جب یہ بات ہے تو) آپ (اور اسی طرح آپ کا اتباع[2] کرنے والے بھی) برائی کو نیکی کے ساتھ ہٹا دیا کیجیے، پھر ایک دم وہ شخص جس میں اور آپ میں عداوت[3] ہے ایسا ہوجائے گا جیسا کہ دلی دوست ہوتا ہے (یعنی برائی کا بدلہ برائی سے کرنا عداوت کو کم نہیں کیا کرتا، بلکہ بڑھایا کرتا ہے اور بُرائی کا بدلہ احسان سے کرنا اگر دوسرا بالکل ہی کمینہ نہ ہو، تو اُس کو ترکِ عداوت[4] پر مجبور کردیتا ہے حتیٰ کہ وہ احسان مند ہوکر دوست بن جاتا ہے؛ لیکن چونکہ برائی اور ایذا رسانی[5] کا بدلہ احسان سے کرنا بہت دشوار ہے، اس لیے ارشاد ہے کہ) اور یہ عادت انہی کو دی جاتی

حل لغات: (۱) آفتیں، مصیبتیں۔ (۲) پیروی۔ (۳) دشمنی۔ (۴) دشمنی چھوڑنا۔ (۵) تکلیف پہونچانا۔

زہد و قناعت

ہے جو صابر ہوں (کہ مصائب کا تحمّل ان کی عادت ہوگئی ہو) اور یہ عادت اُسی کو دی جاتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب[1] ہو اور اگر ایسے وقت آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے (مثلاً یہی کہ اس کے ساتھ بھلائی کرنے سے اپنی توہین[2] ہوگی یا اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا وغیرہ وغیرہ) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے۔

㉖ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ [سورۂ حم سجدۃ:۴۹-۵۰]	ترجمہ: آدمی کا دل ترقی کی خواہش سے کبھی نہیں بھرتا اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہونچ جائے تو بالکل مایوس ناامید بن جاتا ہے (حالانکہ اللہ کی ذات سے ناامید کبھی بھی نہ ہونا چاہیے) اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہونچی، ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں، تو کہتا ہے کہ یہ تو (آئینی[3] طور پر) میرا حق ہے ہی (حالانکہ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامید ہونا چاہیے، نہ اپنا کوئی استحقاق[4] ہے)۔
㉗ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ [سورۂ شوریٰ:۴۰-۴۳]	ترجمہ: اور بُرائی کا بدلہ اسی قسم کی برائی ہے (یعنی جس قسم کی برائی کسی نے کی، اُسی قسم کی بُرائی سے بدلہ لیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ فعل جائز ہو مثلاً سخت کلامی کا بدلہ سخت کلامی، اور مار کا بدلہ مار ہے، یہ نہیں کہ سخت کلامی کا بدلہ مارنے سے لیا جائے) پھر جو (شخص بدلہ ہی نہ لے بلکہ) معاف کردے اور اصلاح کرے (یعنی اس کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ کرے) تو اس کا اجر[5] اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتے اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے، پس ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف انہیں لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور دنیا میں سرکشی[6] کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو (دوسروں کے ظلم پر) صبر کرے اور (اس کو) معاف کردے، یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے

ہے (یعنی مظالم پر صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی اُولُو العزمی[7] کی بات ہے)۔

حل لغات: ① خوش قسمت۔ ② بے عزتی۔ ③ قانونی۔ ④ حق۔ ⑤ بدلہ، ثواب۔ ⑥ نافرمانی، بدمعاشی۔ ⑦ بلند ہمتی۔

﴿۲۸﴾ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط [سورۂ ملک: ۱، ۲]	ترجمہ: وہ (پاک ذات) بڑی عالی شان ہے، جس کے قبضہ میں تمام ملک ہے (ساری دنیا کی سلطنتیں اُسی کے قبضہ میں ہیں) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ (پاک) ذات ہے، جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا، تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ جلَّ شانُہٗ نے اس گھر کو زندگی اور موت کا گھر بنایا ہے اور آخرت کے گھر کو بدلہ اور بقاء[۱] کا گھر بنایا ہے۔ [درمنثور]

اس گھر کی ساری تکالیف کا مُنتہا[۲] موت ہے اور وہ بہرحال آنے والی چیز ہے اور اُس گھر کی تکلیف کی کوئی انتہا ہی نہیں کہ وہاں موت بھی نہیں ہے۔

﴿۲۹﴾ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــًٔا مَّذْكُوْرًا ۝۱ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ [سورۂ دہر: ۱-۳]	ترجمہ: بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کچھ بھی قابلِ ذکر نہ تھا (کہ اس سے پہلے منی تھا اور اُس سے پہلے وہ بھی نہ تھا) ہم نے اُس کو نطفۂ مخلوط سے (یعنی ماں باپ کی منی کے ملنے سے) پیدا کیا کہ ہم اُس کو جانچیں، پھر ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا (یعنی آنکھ کان دیے کہ حق بات خود دیکھے یا دوسروں سے سنے پھر) ہم نے اس کو (بھلائی کا) راستہ بتادیا (پھر وہ آدمی دو طرح کے ہوگئے) یا تو شکر گذار (اور مومن بن گیا) یا ناشکری کرنے والا (کافر) بن گیا۔

فائدہ: جب یہ دارالامتحان[۳] ہے، ایسی حالت میں کسی حالت پر بھی ناشکری کرتے ہوئے یہ سوچنا ضروری ہے کہ اللہ کے کتنے انعامات ایسے ہیں جن پر شکر اس تکلیف اور مصیبت سے زیادہ ضروری ہے۔

﴿۳۰﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ۝۱۷ وَلَا	ترجمہ: پس آدمی کا جب حق تعالیٰ شانُہٗ امتحان لیتا ہے، پس (امتحان کے طور پر کبھی) اس پر انعام واکرام فرماتا ہے (مال کا، جاہ[۴] کا اور اس قسم کی چیزوں کا تاکہ اُن چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کا امتحان ہو اور یہ جانچا جائے کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگذاری کی، یہ مال اور جاہ اُس کے راستہ میں خرچ ہوئے یا ناراضی میں) تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا (یعنی

حل لغات: ① ہمیشہ رہنے۔ ② انجام۔ ③ امتحان کا گھر۔ ④ مرتبہ، عزت۔

تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾	اپنے مکرّم[1] اور معزز ہونے کا گھمنڈ شروع ہوجاتا ہے، حالانکہ یہ گھمنڈ کی چیز نہیں ہے اور اگرچہ اللہ کا شکر اُس کی نعمتوں پر بہت ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان نعمتوں کے امتحانی پہلو کا خوف بھی ضروری ہے اور جب حق تعالیٰ شانُہٗ کو آدمی کا دوسری طرح امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے) اور اُس کو جانچتا ہے اس طرح پر کہ اس کی روزی اس پر تنگ کردیتا ہے (جس سے اس کے صبر اور رضا کا امتحان مقصود ہوتا ہے) تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا (یعنی میرے استحقاقِ[2] اکرام کے باوجود مجھے نظروں سے گرا رکھا ہے، حالانکہ نہ مال و دولت اکرام کی دلیل ہے، نہ فقر و فاقہ اِہانت[3] کی دلیل ہے) ہرگز نہیں (یہ بات بالکل نہیں ہے کہ روزی کی تنگی اہانت کی بات ہو) بلکہ (موجب[4] اہانت
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾	
وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّآ اِذَا	
دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ	
وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ	
بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ	
وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ	
قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿٢٤﴾	
[سورۃ الفجر: ۱۵-۲۴]	

یہ چیزیں ہیں کہ) تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سارا کھا جاتے ہو (دوسروں کا حق بھی ہضم کرجاتے ہو بالخصوص یتیموں اور ضعیفوں کا، جو تم سے لڑ بھی نہ سکتے ہوں) اور تم مال سے بہت ہی محبّت رکھتے ہو (جو جڑ ہے ساری برائیوں کی، سارے مظالم کی، سارے عیوب کی، اس لیے کہ دنیا کی محبت ہر خطا[5] کی جڑ ہے، تم لوگ ان چیزوں کو ہلکا سمجھتے ہو) ہرگز نہیں (یہ معمولی چیزیں نہیں ہیں بلکہ) جس وقت زمین کو توڑ کر ریزہ[6] ریزہ کردیا جائے گا اور آپ کا رب اور فرشتے جُوق جُوق[7] (میدانِ حشر میں) آئیں گے اور اُس دن جہنّم کو (سامنے) لایا جائے گا، اُس دن آدمی کو سمجھ آوے گی اور اُس وقت سمجھ آنے کا وقت کہاں (رہے گا، اُس دن کا سمجھ میں آنا کارآمد[8] نہیں) اس دن آدمی کہے گا کہ کاش میں آج کی زندگی کے واسطے کچھ ذخیرہ آگے بھیج دیتا۔

﴿٣١﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞	ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی (کہ جس کے تغیرات[9] مُوجبِ[10] عبرت ہیں کہیں رنج، کہیں خوشی، کہیں ثروت[11]، کہیں غربت، کہیں صحت، کہیں بیماری) کہ انسان (اپنی عزیز عمر کو ضائع کرکے) بڑے خسارہ[12] میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان
وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿٢﴾	
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	

حل لغات: (۱) عزت والا ہونا۔ (۲) عزت کا مستحق ہونا۔ (۳) بے عزتی، ذلت۔ (۴) ذلت کا سبب۔ (۵) گناہ، برائی۔ (۶) ٹکڑا ٹکڑا۔ (۷) گروہ کے گروہ، جماعت کی جماعت۔ (۸) فائدہ مند۔ (۹) تبدیلیاں۔ (۱۰) نصیحت حاصل کرنے کے لائق۔ (۱۱) مالداری۔ (۱۲) نقصان۔

زہد و قناعت

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝	لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق
[سورۂ عصر]	(بات کہنے کی اور حق پر قائم رہنے) کی وصیت (اور تاکید)

کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے (جس میں طاعات[1] پر اہتمام بھی داخل ہے ہے اور شہوتوں اور ناجائز اُمور سے نفس کو روکنا بھی داخل ہے اور مصائب[2] اور زمانہ کے حوادث پر صبر کرنا بھی داخل ہے)۔

یہ اکتیس[۳۱] آیات اشارہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔ ہر آیتِ شریفہ پر اگر فائدہ اور تنبیہ لکھی جائے تو بہت طُول[3] ہوجائے۔ مشترک طریقہ سے یہ مضمون سب ہی میں مشترک ہے کہ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، جس کی نہ دولت وعزّت باعثِ[4] غرور وافتخار، نہ فقر وفاقہ باعثِ اہانت اور حقارت[5] ہے، مال کا وجود بھی مُوجبِ[6] شکر ہونے کے ساتھ امتحان کا ایک مضمون ہے، جیسا کہ فقر وفاقہ مُوجبِ صبر ہونے کے علاوہ رضا کا امتحان ہے اور مال کا وجود امتحان کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے، اس لیے کہ اس امتحان میں آدمی بہت کم پاس ہوتے ہیں، فیل زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ مجھے تمہارے اوپر فقر وفاقہ کا اتنا خوف نہیں ہے، جتنا کہ اس بات کا خوف ہے کہ دنیا کی فتوحات[7] اور اس کی نعمتیں تم پر پھیل جائیں اور تم اُس میں ایسا دل لگا کر بیٹھو، جیسا کہ پہلے لوگ اُس کے ساتھ دل لگا بیٹھے، پس یہ آفت تمہیں بھی ہلاک کردے جیسا کہ اُن کو ہلاک کرچکی ہے۔ اس لیے اس کے فتنہ سے بہت زیادہ بچنا چاہیے اور ناداری[8] اور مصائب کو بھی امتحان کی حیثیت سے برداشت کرنا چاہیے۔

﴿۳۲﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ [سورۂ الانفال: ۲-۴]	ترجمہ: اس کے سوا دوسری بات ہی نہیں کہ ایمان والے تو ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے (تو اس کی عظمت اور خوف سے) اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں اُن کو پڑھ کر سنائی جائیں، تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو مضبوط کردیں اور وہ صرف اپنے رب ہی پر توکّل[9]

کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں، پس ایمان والے حقیقتاً یہی لوگ ہیں۔ ان کے لیے بڑے بڑے درجے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور (ان کے لیے ان کے گناہوں سے) معافی ہے اور عزّت کی روزی ہے۔

حل لغات: ① عبادات۔ ② مصیبتیں۔ ③ لمبا۔ ④ گھمنڈ کا سبب۔ ⑤ بے عزتی۔ ⑥ شکر کا سبب۔ ⑦ کامیابیاں۔ ⑧ غریبی۔ ⑨ بھروسہ۔

زہد وقناعت

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ پہلی فصل کے نمبر تیرہ[13] پر بھی گزر چکی ہے۔ یہاں اس لیے دوبارہ لکھی ہے کہ حقیقی مؤمن کی شان صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ پر توکّل کرنا، اُسی پر اعتماد کرنا، اُسی پر بھروسہ کرنا، اُس کے غیر کی طرف التفات[1] نہ کرنا، اس آیتِ شریفہ میں وارد ہے اور اس پر درجات بلند ہونا، گناہوں کا معاف ہونا اور عزت کی روزی کا وعدہ مذکور[2] ہے، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ وہ تنہا بھی توکّل پر انتہائی کوشش کا مُوجَب[3] ہوتی ہے چہ جائیکہ تین ایسے اونچے وعدے اس پر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے ہوں، اس کے بعد جتنی بھی اس صفت کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، کم ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ پر توکّل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے غیر سے کوئی امید نہ رکھی جائے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ پر توکّل ایمان کا مجموعہ ہے۔ [درمنثور]

اگر قرآن پاک میں صرف ایک ہی آیت اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کے متعلق نازل ہوتی، تب بھی بہت کافی تھی؛ لیکن قرآن پاک میں اس کثرت سے اللہ پر اعتماد اور صرف اُسی پاک ذات پر اعتماد کرنا اور مصائب اور حاجات[4] میں صرف اُسی کو پکارنا اور اُسی سے مدد چاہنا، اُسی پر نظر رکھنا وارد ہوا ہے کہ بہت کم دوسرے مضامین اتنی کثرت سے وارد ہوئے ہوں گے۔ بار بار اُسی کا حکم ہے اور نیک اور پسندیدہ لوگوں کے احوال میں اُسی کا ذکر ہے، اُسی کی ترغیب ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ حقیقت میں توکّل توحید کا ثمرہ[5] ہے، جو شخص توحید میں جتنا زیادہ پختہ[6] ہوگا اتنا ہی اس کا توکّل بڑھا ہوا ہوگا اور چونکہ توحید ہی اسلام کی بنیاد ہے، ایمان کی جڑ ہے، بغیر توحید کے کوئی چیز بھی معتبر نہیں، سارے مذہب اور ساری شریعت کا مدار[7] توحید ہی پر ہے، اس لیے جتنا بھی اس کا اہتمام وارد ہو، ظاہر ہے اور پھر اللہ جَلَّ شانُہٗ نے قرآن پاک میں اتنا اونچا پروانۂ[8] رضا توکّل پر ارشاد فرمایا ہے کہ مرمٹنے کے قابل ہے۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ توکّل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ صفتِ محبوبیت کے برابر کوئی صفت دنیا میں ہوسکتی ہے؟ کوئی شخص مالکُ[9] الملک، شہنشاہِ عالم کا محبوب بن جائے، اس سے بڑھ کر کون سا عزت وافتخار[10] کا مقام دنیا یا آخرت میں ہوسکتا ہے پھر اس کی ذمہ داری کا بھی اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ پر توکّل کرلے، تو وہ اس کو کافی ہے۔ بھلا پھر ایسے شخص کی کسی ضرورت کے لیے کسی اور کی کیا حاجت باقی رہے گی؟ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکّل کرلو جیسا کہ اس کا حق ہے، تو تم کو ایسی طرح روزی عطا کرے، جیسا کہ پرندوں کو عطا کرتا ہے''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بِالکُلِّیہ[11] منقطع ہوجائے، توحق تعالیٰ شانُہٗ اُس کی ہر مَشَقَّت[12] کی کفایت فرماتا ہے اور ایسی طرح اس کو روزی عطا کرتا ہے جس کا اس کو گمان بھی نہ ہو''۔ [اِحیاء العلوم]

حل لغات: (۱) توجہ۔ (۲) ذکر کیا گیا۔ (۳) سبب۔ (۴) ضروریات۔ (۵) نتیجہ۔ (۶) پکا۔ (۷) بنیاد۔ (۸) خوشنودی کا پروانہ۔ (۹) یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۱۰) فخر کرنا۔ (۱۱) پورے طور پر الگ ہوجانا۔ (۱۲) تکلیف۔

زہد و قناعت

احادیث کے سلسلہ میں پہلی حدیث کے ذیل میں بھی مُتعدّد[1] روایات[2] اس مضمون کے مناسب آرہی ہیں۔اس جگہ بھی حسبِ[3] معمول چند آیات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے،جن سے اللہ پر توکّل اور اسی کی طرف حاجات[4] میں رجوع[5] کا ارشاد وارد ہے اور صرف نمونہ کے طور پر چند آیات ذکر کی جاتی ہیں کہ اختصار[6] کے خیال سے ہر جگہ اجمال[7] اور اشارات پر اکتفا کیا گیا۔اگر ہم لوگوں کو دین کا کچھ خیال ہو، آخرت کا اہتمام ہو، دنیا کے بے کار مَشغلوں[8] سے ہم کو تھوڑا بہت وقت خالی مل جائے، تو یہ آیات اور احادیث بہت اہتمام سے، بہت غور و فکر سے سوچنے کی چیزیں ہیں۔

① وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ	ترجمہ:''مومنوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیے''۔
[سورۂ آل عمران: ۱۲۲-۱۶۰]	یعنی کسی دوسرے پر بھروسہ ذرا بھی نہ کرنا چاہیے۔

یہ مضمون انہی الفاظ کے ساتھ قرآن پاک میں کئی جگہ وارد ہوا ہے، بار بار نازل ہوا ہے۔
[سورۂ آل عمران: ۱۲۲-۱۶۰-سورۂ مائدہ: ۱۱-سورۂ توبہ: ۵۱-سورۂ ابراہیم: ۱۱-سورۂ مجادلہ: ۱۰-سورۂ تغابن: ۱۳]
ان سب آیات میں یہی ارشاد ہے۔

② قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ [سورۂ آل عمران: ۷۳-۷۴]	ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ بے شک فضل (جس میں روزی بھی داخل ہے) تو خدا کے قبضہ میں ہے، وہ اس کو جسے چاہیں عطا کردیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (اُن کے یہاں فضل کی کمی نہیں)

خوب جاننے والے ہیں (کہ کس کو کس وقت کتنا دینا چاہیے) خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (اور فضل) کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝	ترجمہ: حق تعالیٰ شانُہٗ توکّل کرنے والوں کو محبوب رکھتے
[سورۂ آل عمران: ۱۷]	ہیں۔

فائدہ: اور جس کو اللہ تعالیٰ محبوب بنالے، اس کے عروج[9] کا کیا کہنا۔

④ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ	ترجمہ: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں ارشاد ہے کہ) یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں نے (یعنی دشمنوں نے) تمہارے (مقابلہ کے) لیے بڑا سامان جمع کر رکھا ہے، سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے،

حل لغات: ① کئی، بہت سی۔ ② حدیثیں۔ ③ معمول کے مطابق۔ ④ ضرورتیں۔ ⑤ لوٹنا، متوجہ ہونا۔ ⑥ مختصر ہونا، کم کرنا۔ ⑦ صاف صاف نہ کہنا۔ ⑧ کام۔ ⑨ اونچا درجہ، ترقی۔

زہد و قناعت

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ ۞ اِنَّمَاذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ [سورۂ آل عمران: ۱۷۳-۱۷۵]	تو اس خبر نے ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کردیا اور کہنے لگے کہ ہمیں حق تعالیٰ شانُہٗ کافی ہے (ہر مصیبت میں وہی کفایت[1] فرمانے والا ہے) اور وہی بہترین کارساز[2] ہے، پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ (اس موقعہ سے ایسی طرح) واپس ہوئے کہ اُن کو کوئی مَضرَّت[3] نہ پہونچی اور وہ رضاءِ[4] حق کے تابع رہے اور اللہ تعالیٰ

بڑے فضل والا ہے۔ (مسلمانو! ایسے حوادث میں ایک بات سمجھ لو کہ اس قسم کے واقعات میں) شیطان اپنے دوستوں سے ڈرایا کرتا ہے، تم ان سے نہ ڈرا کرو اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ جس وقت دشمنوں کے مقابلہ اور حملہ کی خبریں سنو، تو اُس سے خوفزدہ اور مُتَوَحِّش[5] ہونے کی بات نہیں، اللہ پر اعتمادِ کامل اور پورا بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی امکانی[6] تیاری کرو۔ اور خوف صرف اس بات کا رکھو کہ ہم سے کوئی بات مالک کی مرضی کے خلاف صادر نہ ہو کہ اصل ہلاکت یہی ہے، جو دنیا کی بھی ہلاکت ہے اور آخرت کی ہلاکت تو ہے ہی۔ اس کے علاوہ کسی سے خوف کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ دوسرے آدمی اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتے کہ وہ ماردیں گے، سو موت بہرحال آنے والی چیز ہے۔ اور اپنے وقت سے پہلے آ نہیں سکتی۔

⑤ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۞ [سورۂ نساء: ۴۵]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ شانُہٗ تمہاری مدد کے لیے بھی کافی ہے اور تمہاری حمایت[7] کے لیے بھی کافی ہے۔
⑥ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞ [سورۂ نساء: ۸۱]	ترجمہ: آپ اللہ ہی پر توکل کیجیے، وہ کارساز[8] ہونے کے لیے کافی ہے۔
⑦ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ [سورۂ مائدۃ: ۲۳]	ترجمہ: صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔
⑧ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ [سورۂ انعام: ۱۴]	ترجمہ: آپ کہہ دیجیے: کیا اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں؟ وہ اللہ جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، وہ سب کو روزی دیتا ہے، اُس کو کوئی (بوجہ عدم احتیاج[9]) روزی نہیں دیتا۔

حل لغات: ① کافی ہونا۔ ② کام بنانے والا۔ ③ نقصان۔ ④ اللہ کی خوشنودی۔ ⑤ گھبرانا۔ ⑥ جتنا ہو سکے۔ ⑦ مدد، حفاظت۔ ⑧ کام بنانے والا۔ ⑨ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے۔

زہد و قناعت

⑨ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ [سورۂ انعام:۱۷]	ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی مضرت[1] پہونچائیں، تو اُس کا دور کرنے والا اُن کے سوا کوئی نہیں اور اگر وہ کوئی نفع پہونچائیں تو (کوئی روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
⑩ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾ [سورۂ انفال:۴۹]	ترجمہ: اور جو شخص اللہ پر توکّل[2] کرتا ہے (تو وہ اکثر غالب رہتا ہے اس لیے کہ) اللہ تعالیٰ بلاشبہ زبردست ہے (وہ اپنے اوپر اعتماد رکھنے والے کو غالب کرتا ہے اور اگر کبھی ایسا نہ ہو تو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ) وہ حکیم ہے۔
⑪ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ [سورۂ انفال:۶۱]	ترجمہ: آپ اللہ پر توکل کیجیے۔ بے شک وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے (لوگوں کی پکار کو بھی سنتا ہے اور ان کے احوال سے بھی بخوبی واقف ہے)۔
⑫ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ [سورۂ یونس:۱۲]	ترجمہ: جب انسان کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے، تو ہم کو پکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، پھر جب ہم (اس کی آہ وزاری[3] سے) وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر وہ (ہم سے ایسا بے تعلق) ہوجاتا ہے، گویا ہم کو کسی تکلیف کے لیے پکارا ہی نہ تھا (یہ بڑی حماقت[4] ہے)۔
⑬ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ [سورۂ یونس:۳۱]	ترجمہ: آپ ان سے پوچھیں وہ کون ہے، جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے، جو تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؛ اور وہ کون ہے، جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے؟ اور وہ کون ہے، جو سارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ پس وہ لامحالہ[5] یہی کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، پھر آپ ان سے کہئے کہ تم پھر اُس سے کیوں نہیں ڈرتے (دوسروں سے کیوں ڈرتے ہو)۔

حل لغات: ① تکلیف، نقصان۔ ② بھروسہ۔ ③ رونا پیٹنا، شور مچانا۔ ④ بے وقوفی۔ ⑤ یقینی طور پر۔

زہد و قناعت

(۱۴) وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۞ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ [سورۂ یونس: ۸۴-۸۵]	ترجمہ: اور (موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو، تو اس پر توکل[۱] کرو اگر تم مسلمان ہو، پس ان لوگوں نے (جواب میں) کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔
(۱۵) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ [سورۂ یونس: ۱۰۷]	ترجمہ: اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہونچائے تو بجز[۲] اُس کے کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ کوئی راحت[۳] پہونچانا چاہے، تو اُس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل جس کو چاہے پہونچادے۔ وہ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے۔
(۱۶) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۞ [سورۂ ھود: ۶]	ترجمہ: اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے، جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو (پس اُسی سے روزی طلب کرنا چاہیے)۔
(۱۷) قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۞ [سورۂ رعد: ۳۰]	ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ وہی میرا رب ہے (میرا مربّی[۴] ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ میں نے اُسی پر بھروسہ کرلیا ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔
(۱۸) الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۞ [سورۂ نحل: ۴۲]	ترجمہ: یہی لوگ (جن کی اوپر مدح[۵] ہو رہی ہے) ایسے ہیں جو (مصائب میں) صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں (یہ نہیں سوچتے کہ ہجرت کے بعد کھانے کا کیا انتظام ہوگا)۔
(۱۹) اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۞ [سورۂ نحل: ۹۹]	ترجمہ: اُس کا (یعنی شیطان کا) قابو ایسے لوگوں پر نہیں چلتا، جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں۔
(۲۰) وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۞ [سورۂ بنی اسرائیل: ۲]	ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) کو کتاب (تورات) دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا (اور اُس میں اور احکام کے ساتھ یہ بھی حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز[۶] نہ بناؤ۔

حل لغات: (۱) بھروسہ۔ (۲) سوائے، علاوہ۔ (۳) آرام۔ (۴) پالنے والا۔ (۵) تعریف۔ (۶) کام بنانے والا۔

(۲۱) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

[سورۂ بنی اسرائیل: ۶۷]

ترجمہ: اور جب تم کو دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مضرت[1] پہونچتی ہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور جتنوں کو پکارا کرتے تھے (اُن کی عبادت کرتے تھے، ان سے مدد چاہتے تھے) سب کھوئے جاتے ہیں (دل میں بھی ان کا خیال نہیں آتا، اُس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جاتا ہے) اور جب اللہ تعالیٰ تم کو خشکی[2] پر پہونچا دیتا ہے، تو اس سے روگردانی[3] کرنے لگتے ہو، واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔

(۲۲) مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

[سورۂ کہف: ۲۶]

ترجمہ: نہ تو اُن کے لیے اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (کہ پارلیمنٹ سے رائے لے)۔

(۲۳) يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

[سورۂ حج: ۱۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیز کو پکارتا ہے (اس کی عبادت کرتا ہے) جو نہ نقصان دے سکتی ہے نہ نفع، یہ انتہائی گمراہی ہے۔

(۲۴) وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

[سورۂ فرقان: ۵۸]

ترجمہ: اس (پاک ذات) پر جو زندہ ہے اور کبھی اُس پر موت طاری نہ ہوگی، توکل[4] کیجیے۔

(۲۵) وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾

[سورۂ شعریٰ: ۷۹-۸۰]

ترجمہ: وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔

(۲۶) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾

[سورۂ شعریٰ: ۲۱۷]

ترجمہ: اور آپ اُس (پاک ذات) پر توکل کیجیے جو قادر[5] ہے، رحیم ہے۔

(۲۷) فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

[سورۂ عنکبوت: ۱۷]

ترجمہ: پس تم لوگ رزق خدا سے مانگو (کہ وہی رزق کا مالک ہے) اس کی عبادت کرو، اُس کا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف (قیامت میں) لوٹ کر جانا ہے۔

(۲۸) وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ

ترجمہ: کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اٹھا کر نہیں

حل لغات: (۱) تکلیف، نقصان۔ (۲) زمین۔ (۳) منھ موڑنا۔ (۴) بھروسہ۔ (۵) قدرت والا، طاقت والا۔

رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ [سورۂ عنکبوت:۶۰]	رکھتے ، اللہ تعالیٰ ہی ان کو روزی پہونچا تا ہے اور تم کو بھی (اور وہی بھروسہ کے قابل ہے کیونکہ) وہ سننے والا ، جاننے والا ہے۔
﴿۲۹﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾ [سورۂ احزاب:۳]	ترجمہ: اور آپ اللہ پر توکل کیجیے، وہی کارسازی کے لیے کافی ہے۔
﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ [سورۂ احزاب:۱۷]	ترجمہ: آپ ان سے یہ فرمادیجیے کہ وہ کون ہے، جو اللہ تعالیٰ سے تم کو بچا سکے، اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی بُرائی (کسی قسم کی مضرت نقصان) پہونچانا چاہے تو کون روک سکتا ہے یا وہ کون ہے، جو خدا کی رحمت کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر کسی قسم کا فضل کرنا چاہے (تو ساری دنیا مل کر نہیں

روک سکتی، اس کو خوب سمجھ لیں کہ) وہ خدا کے سوا نہ تو کوئی اپنا حمایتی پائیں گے، نہ مددگار۔

﴿۳۱﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۚ [سورۂ زمر:۳۶]	ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟
﴿۳۲﴾ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ [سورۂ زمر:۳۸]	ترجمہ: آپ ان سے فرمائیں کہ اچھا تو یہ بتاؤ کہ خدا کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو (اُن کی بندگی کرتے ہو) اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہونچانا چاہے، تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کوئی رحمت (عنایت[1]) کرنا چاہے، تو کیا یہ اس کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے اور اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں۔
﴿۳۳﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ [سورۂ شوریٰ:۱۰]	ترجمہ: یہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع[2] کرتا ہوں۔
﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ [سورۂ شوریٰ:۱۹]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جس شخص کو (جتنی زیادہ) چاہتا ہے روزی دیتا ہے، وہ قوت[3] والا اور زبردست ہے۔

حل لغات: (۱) عطا کرنا، دینا۔ (۲) لوٹنا۔ (۳) طاقت۔

زہد و قناعت

﴿۳۵﴾ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ [سورۂ شوریٰ:۳۱]	ترجمہ: اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز[1] ہے، نہ مددگار ہے۔
﴿۳۶﴾ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ [سورۂ شوریٰ:۳۶]	ترجمہ: اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ بدرجہا[2] بہتر اور باقی رہنے والی ہے، وہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکّل[3] کرتے ہیں۔
﴿۳۷﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ [سورۂ ذاریات:۲۲]	ترجمہ: اور تمہارا رزق اور جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ سب آسمان میں ہے (یعنی وہاں لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے یا وہاں سے بارش وغیرہ کے ذریعہ سے نازل ہوتا ہے)۔
﴿۳۸﴾ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾ [سورۂ ممتحنہ:۴]	ترجمہ: (حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام کی دعا ہے) اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے توکل کیا اور تیری ہی طرف ہر ضرورت میں ہم نے رجوع[4] کیا اور تیری ہی طرف (قیامت میں) لوٹ کر جانا ہے۔
﴿۳۹﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ [سورۂ منافقون:۷]	ترجمہ: یہ منافق یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جمع ہیں، ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک (کہ جب یہ بھوکے مرنے لگیں گے تو) آپ ہی حضور کے پاس سے مُنتشِر[5] ہوجائیں گے (حالانکہ یہ اَحمق[6] یہ نہیں جانتے کہ) صرف اللہ ہی کے لیے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمین کے، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں (احمق ہیں۔ یوں سمجھتے ہیں کہ روزی ان لوگوں کے عَطایا[7] پر موقوف[8] ہے)۔
﴿۴۰﴾ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ [سورۂ طلاق:۲، ۳]	ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات[9] (اور سہولت[10] کا) راستہ نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہونچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ (جس کام کا ارادہ کرتا ہے) اپنے کام کو پورا کرکے رہتا ہے

حل لغات: (۱) کام بنانے والا۔ (۲) بہت زیادہ۔ (۳) بھروسہ۔ (۴) متوجہ ہونا۔ (۵) الگ الگ۔ (۶) بے وقوف۔ (۷) بخشش۔ (۸) منحصر ہونا، گھرا ہوا ہونا۔ (۹) چھٹکارا۔ (۱۰) آسانی۔

زہدوقناعت

(البتہ یہ ضرور ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ہر شے[1] کا ایک اندازہ (اور وقت) مقرر کر رکھا ہے۔ اَحادیث کے سلسلہ میں پہلی حدیث کے ذیل میں اس آیتِ شریفہ کے متعلق ایک قصہ بھی آ رہا ہے۔

(۴۱) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ [سورۂ مزمل:۹]	ترجمہ: وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے، اُسی کو اپنا کام سُپُرد[2] کرنے کے لیے قرار دیے رہو (یعنی جبکہ مشرق ومغرب کا مالک وہی ہے، تو اُس پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہیے)۔

یہ اکتالیس آیتیں نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں، ورنہ قرآن پاک کا تو ہر مضمون توحید ہی کی تعلیم ہے اور توحید ہی کا ثمرہ[3] توکل ہے، جس کو جتنا زیادہ توحید میں رُسُوخ[4] اور کمال ہوگا اتنا ہی توکل، اللہ پر اعتماد، اس کے ماسوا[5] سے بے نیازی[6] ہوگی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ علٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃ والسَّلام کو جب آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو حضرت جبرئیل عَلَیہِ السَّلَام نے آکر درخواست کی کہ میرے قابل کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم سے میری کوئی حاجت[7] وابستہ[8] نہیں۔

ایک مسجد میں ایک فقیر اعتکاف کی نیت سے جا کر بیٹھ گئے، پاس کوئی سامان کھانے پینے کا کچھ نہ تھا۔ مسجد کے امام صاحب نے اُن کو نصیحت کی کہ یوں بے سروسامانی سے مسجد میں بیٹھنے سے یہ اچھا تھا کہ کہیں مزدوری کرتے (پیٹ کا پالنا فرض ہے)۔ فقیر نے ان کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری دفعہ پھر یہی کہا۔ فقیر پھر چپ ہوگئے۔ اُس نے تیسری مرتبہ پھر کہا۔ فقیر خاموش رہے۔ اُس نے چوتھی دفعہ پھر کہا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ مسجد کے قریب جو یہودی کی دکان ہے، اُس نے میری دو روٹی روزانہ کی مقرر کر لی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا: اگر اس نے کھانا مقرر کر دیا تو بہت اچھا ہے، پھر اعتکاف ضرور کریں۔ فقیر نے کہا: کاش آپ امام نہ ہوتے، تو بہت اچھا تھا، تم اپنی اس ناقص[9] توحید کے ساتھ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن کر کھڑے ہوتے ہو۔ ایک کافر یہودی کے وعدہ کو تم نے اللہ تعالیٰ کے روزی کے وعدہ پر بڑھایا۔ (افسوس ہے تم پر اور تمہارے حال پر)

واقعی سچ کہا۔ ہماری یہی حالت ہے کہ بندہ کے وعدہ پر تو ہمیں اطمینان ہے، اللہ کے وعدہ پر نہیں ہے۔ ان آیات پر جو ذکر کی گئیں انتہائی غور ہونا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ اس کی کوشش ہونا چاہیے کہ صرف حق تعالیٰ شانُہٗ وتقدّس پر ہی ہماری نگاہ ہو، اُسی پر اعتماد ہو، اُسی کی پاک ذات سے اپنا سوال ہو، اُسی سے بھیک مانگی جائے، اُس کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلے بلکہ دل میں بھی کسی دوسرے کا خیال نہ آئے، بلکہ وہی پاک ذات اور صرف وہی پاک ذات اپنا سہارا ہو، وہی نفع اور

حل لغات: (۱) چیز۔ (۲) دینا۔ (۳) نتیجہ۔ (۴) مضبوطی۔ (۵) علاوہ۔ (۶) بے پروائی۔ (۷) ضرورت۔ (۸) متعلق۔ (۹) ادھوری۔

زہد وقناعت

نقصان کا مالک دل سے سمجھا جائے۔ زبان سے کہتے رہنا تو ہماری عام عادت ہے، لیکن اصل کار آمد[1] یہ چیز ہے کہ ہمارے دل میں یہ بات اچھی طرح جم جائے کہ بغیر اس کے ارادہ کے کوئی حاکم، کوئی دولت مند، نہ کسی قسم کی مَضَرَّت[2] پہونچا سکتا ہے، نہ کسی قسم کا نفع پہونچا سکتا ہے اور تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو بہت ہی کھلی ہوئی بات ہے کہ تمام دنیا کے قُلوب[3] صرف اُسی کے قبضہ میں ہیں، ہم لاکھ کسی شخص کی منت ساجت کریں مگر جب اُس کا اپنا دل دوسرے کے قبضہ میں ہے تو جب تک دلوں کے مالک کا ارادہ نہ ہو ہماری منت ساجت سے اُس کے دل پر کیا اثر ہو سکتا ہے اور جب دلوں کا مالک کسی کام کو کرنا چاہے تو وہ بات خود بخود دوسروں کے دلوں میں پڑے گی، ہم لاکھ بے نیازی[4] برتیں، اُس کا دل اُس کو خود مجبور کرے گا، بار بار اس کے دل میں خیال آئے گا، بغیر تحریک کے خیال آئے گا، اس لیے اگر اپنی حاجات[5] مانگنے کا محل[6] ہے تو صرف وہی پاک ذات ہے، اگر عاجزی اور منت ساجت کرنے کی جگہ ہے تو اُسی کا دربار ہے، ساری دنیا کے دل اس کے ارادہ کے تابع ہیں، ساری دنیا کے خزانے اس کی مِلک[7] ہیں۔

یا اللہ! محض اپنے فضل سے بلا استحقاق[8] بلکہ استحقاق کے خلاف اس ناپاک کو بھی اس جوہر کا کوئی شمّہ[9] عطا فرمادے کہ تیری عطا کے واسطے استحقاق بھی شرط نہیں۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس کے بعد چند احادیث ان ہی مضامین کے متعلق مختصراً پیش کرتا ہوں، جن کے متعلق اوپر کی تین آیات مستقل طور پر ذکر کی گئیں۔

(۱) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ، وَمَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللهِ فَيُوْشِكُ اللهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ اٰجِلٍ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت[10] آجائے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اُس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو شخص اپنے فاقہ کو اللہ تعالیٰ پر پیش کرے (اور اس سے درخواست کرے) تو حق تعالیٰ شانُہٗ جلد اُس کو روزی عطا فرماتے ہیں۔ فوراً ہو جائے یا کچھ تاخیر[11] سے مل جائے۔

[رواه الترمذي وهكذا في الدُّر المنثور برواية أبي داؤد والترمذي والحاكم وقد صحّحه ولفظ أبي داؤد: بِموتٍ عاجل أوغنى عاجل۔ و في المشكوٰة: بموت عاجل أوغنى اجل۔

حل لغات: (۱) فائدہ مند۔ (۲) نقصان۔ (۳) دل۔ (۴) بے پروائی۔ (۵) ضروریات۔ (۶) موقع، جگہ۔ (۷) ملکیت۔ (۸) بغیر حق۔ (۹) کم مقدار۔ (۱۰) حالت۔ (۱۱) دیر۔

فائدہ: ''جو شخص لوگوں سے سوال کرتا پھرے، اُس کا فاقہ بند نہ ہوگا'' کا مطلب یہ ہے کہ اِحتیاج[1] پوری نہ ہوگی۔ آج اگر ایک ضرورت کے واسطے بھیک مانگی ہے اور وہ صورت کے اعتبار سے پوری ہوگئی، تو کل اُس سے اہم ضرورت پیش آجائے گی اور احتیاج بدستور باقی رہے گی؛ اور اگر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی پاک بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے، تو یہ ضرورت تو پوری ہوگی ہی، دوسری ضرورت پیش نہ آئے گی اور اگر آئی تو اس کا انتظام مالک ساتھ ہی کردے گا۔

پہلی فصل کی احادیث میں نمبر آٹھ (۸) کے ذیل میں حضرت کَبْشہ رَضِیَ اللہُ عَنہٗ کی حدیث گذر چکی ہے، جس میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے قسم کھا کر چند باتیں ارشاد فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں۔ اُسی جگہ ایک اور حدیث میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا قسم کھا کر یہی مضمون حضرت عبدالرحمن بن عوف رَضِیَ اللہُ عَنہٗ کی روایت سے بھی گذر چکا۔ یہی وجہ ہے کہ دَر بَدر[2] بھیک مانگنے والے ہمیشہ فقیر اور تنگ دَست[3] ہی رہتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں یہ مضمون اس طرح وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے فاقہ اور احتیاج کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے پیش کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ بہت جلد اس کے فقر کو دور فرماتے ہیں، جلدی کی موت سے یا جلدی کے غِنا[4] سے۔ ''جلدی کی موت'' کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ اُس کا وقت اگر خود قریب آگیا تو اُس کو فاقوں کی تکلیف میں مصیبت اٹھانے سے پہلے ہی حق تعالیٰ شانُہٗ موت عطا فرمادیں گے۔ دوسرا مطلب ہے کہ کسی کی موت اس کے غنا کا سبب بن جائے مثلاً کسی کی میراث کا وافر[5] حصہ مل جائے یا کوئی شخص مرتے وقت اس کی وصیت کرجائے کہ میرے مال میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دینا۔

مُتَعَدَّد[6] واقعات اس قسم کے دیکھنے اور سننے میں آئے کہ مکّہ میں بعض مرنے والوں نے یہ وصیت کی کہ ہندوستان کے فلاں شہر میں اس نام کا ایک شخص ہے، اُس کو میرا مال فروخت[7] کرکے روپیہ بھیج دیا جائے۔

کُرد ایک قبیلہ کا نام ہے، اُس میں ایک شخص مشہور ڈاکو تھا۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکہ کے لیے جارہا تھا، راستہ میں ہم ایک جگہ بیٹھے تھے، وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں، دو پر تو خوب پھل آرہا ہے اور ایک بالکل خشک ہے اور ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تر و تازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اُس خشک درخت پر جاتی ہے، ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں نے دس مرتبہ اُس چڑیا کو لے جاتے دیکھا تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کو کیا کرتی ہے۔ میں نے اُس درخت کی چوٹی پر جاکر دیکھا کہ وہاں

حل لغات: (۱) ضرورت۔ (۲) ایک دروازے سے دوسرے دروازے پر جانا۔ (۳) غریب۔ (۴) مالداری۔ (۵) بہت زیادہ۔ (۶) کئی، بہت سے۔ (۷) بیچنا۔

ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے اور یہ چڑیا وہ تروتازہ کھجور اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے، مجھے یہ دیکھ کر اس قدر عبرت[1] ہوئی کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا: میرے مولا! یہ سانپ جس کے مارنے کا حکم تیرے نبی ﷺ نے دیا، تُو نے جب یہ اندھا ہو گیا تو اس کو روزی پہونچانے کے لیے چڑیا کو مقرر کر دیا اور میں تیرا بندہ، تیری توحید کا اقرار کرنے والا، تُو نے مجھے لوگوں کے لُوٹنے پر لگا دیا؟ اس کہنے پر میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ میرا دروازہ توبہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ میں نے اُسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی، جو لوگوں کو لُوٹنے میں کام دیتی تھی اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا **اِقَالَةً اِقَالَةً** (درگذر[2] درگذر) چلّانے لگا۔ مجھے غیب سے آواز آئی کہ ہم نے درگذر کر دیا، درگذر کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا وہ کہنے لگے: تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے کہا: میں مہجور[3] تھا، اب میں نے صلح کر لی۔ یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ ان کو سنایا، وہ کہنے لگے کہ ہم بھی صلح کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں اور سب لُوٹ کا سامان چھوڑ کر ہم احرام باندھ کر مکّہ کے ارادہ سے چل دیے۔ تین دن چل کر ایک گاؤں میں پہونچے تو ایک اَندھی بڑھیا ملی، اُس نے ہم سے میرا نام لے کر پوچھا: تم میں اس نام کا کوئی کُردی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہے۔ اُس نے کچھ کپڑے نکالے اور یہ کہا کہ تین دن ہوئے میرا لڑکا مر گیا۔ اُس نے یہ کپڑے چھوڑے۔ میں تین دن سے روزانہ حضورِ اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھ رہی ہوں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے کپڑے فلاں کُردی کو دے دو۔ وہ کُردی کہتے ہیں کہ وہ کپڑے میں نے لے لیے اور ہم سب نے ان کو پہنا۔ [روض]

اس قصہ میں دونوں چیزیں قابلِ عبرت ہیں: اندھے سانپ کی اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے روزی کا سامان اور حضور ﷺ کی طرف سے کپڑوں کا عطیہ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی مدد کرنا چاہے تو اس کے لیے اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ سارے اسبابِ غنا[4] اور فقر کے وہی پیدا کرتا ہے اور سچی توبہ کی برکت سے حضور ﷺ کی طرف سے کپڑوں کا اعزاز خود ایک قابلِ فخر چیز ہے اور "جلدی کی موت" سے غنا کے حاصل ہونے کی ایک مثال ہے اور بہت سے واقعات مرتے وقت وصیتوں کے تو اکثر سننے میں آئے کہ میرے سامان میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دیں۔

ایک حدیث میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو یا حاجت[5] مند ہو اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ[6] رکھے، تو اللہ تعالیٰ شانُہٗ پر (بوجہ اُسکے

حل لغات: (۱) نصیحت حاصل کرنا۔ (۲) معافی کرنا۔ (۳) چھوڑا ہوا، باغی۔ (۴) مالداری۔ (۵) ضرورت مند۔ (۶) چھپانا۔

زہد و قناعت

لطف[1] وکرم کے) یہ حق ہے کہ اُس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے۔ [مشکوٰۃ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو اور لوگوں سے اس کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مانگے، تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ایک سال کے لیے حلال روزی کا دروازہ اُس پر کھول دیتے ہیں۔ [کنز]

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کو غنا عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عِفَّت[2] مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو عِفَّت عطا فرماتے ہیں اور اُوپر کا ہاتھ (یعنی عطا کرنے والا) بہتر ہے، نیچے کے ہاتھ سے (یعنی مانگنے والے ہاتھ سے) اور کوئی شخص ایسا نہیں جو سوال کا دروازہ کھولے، مگر حق تعالیٰ شانہٗ اُس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ نے ایک شخص کی آواز سُنی جو عرفات کے میدان میں لوگوں سے سوال کر رہا تھا، انھوں نے دُرّے[3] سے اُس کی خبر لی کہ ایسے دن میں اور ایسی جگہ اللہ کے غیر سے سوال کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس پر دنیا اور آخرت میں فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے عطا کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس پر دنیا اور آخرت کی خیر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ کوئی شخص رسّی لے کر لکڑیاں اِکٹھی کر کے اپنی کمر پر لا کر فروخت[4] کر دے اور اس سے اپنا گذر چلا لے، یہ اس سے بہتر ہے کہ بھیک مانگے، چاہے وہ بھیک ملے یا نہ ملے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص عطا کا دروازہ کھولتا ہے صدقہ سے ہو یا صلہ رحمی سے، حق تعالیٰ شانہٗ اس پر کثرت فرماتے ہیں (یعنی اس کے مال میں اضافہ ہوتا ہے) اور جو شخص مال کی زیادتی کی نیت سے سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اس کی وجہ سے اُس پر کمی بڑھتی جاتی ہے یعنی حاجتیں بڑھتی جائیں گی اور آمدنی کے ناکافی ہونے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص کُلِّیَّۃً[5] اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کی ہر ضرورت کا تَکَفُّل[6] فرماتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں، جس کا اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص ہَمہ تَن[7] دنیا کی طرف لگ جاتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو دنیا کے حوالے کر دیتے ہیں (کہ تُو جان اور تیرا کام یعنی محنت کر اور کما لے، جتنی مَشَقّت[8] اٹھائے گا اس کے مناسب ہم دیتے رہیں گے)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد

حل لغات: (۱) مہربانی۔ (۲) پاکدامنی۔ (۳) کوڑا۔ (۴) بیچنا۔ (۵) بالکل۔ (۶) ذمہ دار ہونا۔ (۷) پورے کا پورا۔ (۸) تکلیف۔

فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، تنہائی میں بھی اور اَعلانیہ[1] میں بھی اور جب کوئی بُرا کام سَرزَد[2] ہو جائے تو (تلافی[3] کے طور پر کوئی) اچھا کام بھی کرو اور کسی سے سوال نہ کرو، کسی کی امانت نہ رکھو، دو آدمیوں کے درمیان قاضی نہ بنو (کہ یہ بہت اہم کام ہے، ہر شخص کے بس کا نہیں ہے)۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تھوڑے پر راضی ہو جائے اور قناعت[4] کر لے اور اللہ پر توکّل[5] کرے، وہ کمانے کی محنت سے بےفکر ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ سب سے زیادہ قوِی[6] ہو، وہ اللہ پر توکّل کرے اور یہ جو چاہے کہ یہ سب سے زیادہ غنی[7] ہو، اُس کو چاہیے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اُس پر اُس سے زیادہ اعتماد رکھے، جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے اور جو یہ چاہے کہ سب سے زیادہ مُعَزّز[8] ہو جائے، وہ تقویٰ اختیار کرے (اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ آدمی کے تقویٰ کا جتنا اثر لوگوں پر پڑتا ہے اتنا کسی چیز کا نہیں پڑتا، جس شخص میں جتنا تقویٰ زیادہ بڑھا ہوا ہوگا اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں اس کا اعزاز و اکرام زیادہ ہوگا)۔

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بندہ مجھ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو اگر آسمان زمین سب کے سب مل کر بھی اس کے ساتھ مَکر[9] کریں، تو میں اس کے لیے راستہ نکال دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسّلام پر وحی بھیجی کہ مجھ پر توکّل کرو، میں تمہاری ضروریات کا کفیل[10] بنوں گا، میرے غیر کو اپنا ولی نہ بناؤ تاکہ میں تمہیں نہ چھوڑ دوں۔ بہت سی احادیث میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کو کافروں نے قید کر لیا اور چمڑے کے تسموں[11] سے خوب مضبوط ان کو جکڑ دیا، ان پر نہایت سختی کی جاتی تھی اور بھوکا بھی رکھا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے پاس کسی طرح اپنے احوال کی اطلاع بھیجی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لیے عرض کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع پہونچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کے پاس یہ کہلا بھیجو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں (تقویٰ اختیار کریں) اور اسی پر توکل کریں اور صبح شام یہ آیت شریفہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ [سورۂ توبہ: ۱۲۸، ۱۲۹] پڑھا کریں۔ اُن کے پاس جب اطلاع پہونچی تو انہوں نے اس آیت شریفہ کو پڑھنا شروع کیا، خود بخود ایک دن وہ تسمے ٹوٹ گئے، یہ اُن کی قید سے چھوٹ کر بھاگ آئے اور کچھ جانور وغیرہ بھی ان کے اپنے ساتھ پکڑ لائے۔

حل لغات: (۱) کھلم کھلا، ظاہر۔ (۲) واقع ہونا۔ (۳) بھرپائی۔ (۴) تھوڑے کو کافی سمجھنا۔ (۵) بھروسہ۔ (۶) طاقت ور۔ (۷) مالدار۔ (۸) بزرگ، عزت والا۔ (۹) دھوکہ۔ (۱۰) ذمہ دار۔ (۱۱) رسّی۔

زہد و قناعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بادشاہ کے ظلم کا خوف ہو یا کسی دَرِنْدہ[1] کا یا دریا میں ڈوب جانے کا ڈر ہو اور اس آیتِ شریفہ کو تلاوت کرے، تو اِنْ شَاءَ اللہ کوئی مَضرَّت[2] اُس کو نہ پہونچے گی۔ ایک اور حدیث میں اس قصہ میں یہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلاَّ بِاللّٰہِ بھی کثرت سے پڑھنے کا حکم ہے۔ انہی صاحبزادہ کے قصہ میں آیت شریفہ ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ﴾ [سورۂ طلاق: ۲، ۳] نازل ہوئی کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کے لیے راستہ کھول دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اُس کو روزی پہونچاتے ہیں، جہاں سے اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔'' ان صحابی کو اس کا کیا گمان ہوسکتا تھا کہ یہی کافر جو اس قدر سخت ظلم پر اُترے ہوئے ہیں، اُنہیں کے مال سے ان کی روزی مقدّر ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی ایک پہاڑ میں رہتے تھے، ہر وقت عبادت ہی مشغلہ تھا۔ میرے ساتھی کا گذر تو گھاس وغیرہ پر تھا اور میرے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ نے یہ انتظام فرما رکھا تھا کہ ایک ہرنی روزانہ آیا کرتی تھی اور میرے قریب آ کر ٹانگیں چیر کر کھڑی ہوجاتی، میں اُس کا دودھ پی لیا کرتا، وہ چلی جاتی۔ بہت زمانہ اسی طرح گزر گیا کہ وہ ہرنی روز آجایا کرتی اور میں اس کا دودھ پیتا تھا۔ میرے ساتھی کے قیام کی جگہ اُس پہاڑ میں مجھ سے دور تھی۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک قافلہ یہاں قریب آ کر ٹھہرا ہے، چلو قافلہ والوں کے پاس چلیں وہاں شاید کچھ دودھ اور اس کے علاوہ کچھ کھانے کی چیزیں مُیَسَّر[3] آجائیں۔ میں نے اوّل تو بہت انکار کیا؛ لیکن جب اُس نے بہت اِصْرار[4] کیا تو میں بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ ہم دونوں قافلے میں پہونچے، ان لوگوں نے ہمیں کھانا کھلایا ہم کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد میں ہمیشہ اس ہرنی کے وقت پر اُس کا انتظار کیا کرتا، مگر اس کا آنا بند ہوگیا۔ کئی دن انتظار کے بعد میں سمجھا کہ اس گناہ کی نحوست[5] سے وہ روزی جس کی وجہ سے میں بےفکر تھا بند ہوگئی۔

صاحبِ روض کہتے ہیں کہ بظاہر تین چیزیں اس میں گناہ کی تھیں۔ ایک: جس توکّل[6] کو اختیار کر رکھا تھا اُس کو چھوڑا۔ دوسرے: طَمَع[7] کی اور اس روزی پر قناعت[8] نہ کی جس کی وجہ سے بےفکری تھی۔ تیسرے: ایسا کھانا کھایا جو طَیِّبْ[9] نہ تھا، جس کی وجہ سے طَیِّب رزق سے محرومی ہوگئی۔

بڑی عبرت[10] کا قصہ ہے۔ ہم لوگ بسا اوقات[11] اپنی حرص وطمع سے حق تعالیٰ شانُہٗ کے انعامات سے محروم ہوجاتے ہیں۔ صورت کے اعتبار سے سوال کرنے پر اُس وقت کچھ مل جاتا ہے، مگر اس کی نحوست

حل لغات: (۱) جنگلی جانور، چیر پھاڑ کرنے والا جانور۔ (۲) تکلیف، نقصان۔ (۳) حاصل۔ (۴) بار بار تقاضہ کرنا، ضد۔ (۵) منحوس ہونا۔ (۶) بھروسہ۔ (۷) لالچ۔ (۸) کافی نہ سمجھا۔ (۹) حلال۔ (۱۰) نصیحت حاصل کرنا۔ (۱۱) کبھی کبھی۔

زہد و قناعت

سے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے اس انعام سے محرومی ہو جاتی ہے، جو بے طلب[1] اور بے مِنّت[2] ملتا۔

حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دعا ہے: اَللّٰهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنْ سُجُوْدِ غَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِيْ عَنْ مَسْئَلَةِ غَيْرِكَ۔ ترجمہ: اے اللہ! جیسا کہ تو نے میرے سر کو اپنے غیر کے سامنے سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا، اسی طرح میری زبان کو اپنے غیر سے سوال کرنے سے بھی محفوظ فرما۔ اَللّٰهُمَّ اٰمِيْنَ۔

(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْلِيَسْتَكْثِرْ۔ [رواہ مسلم کذا في المشکوٰۃ]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس لیے سوال کرتا ہے کہ اپنے مال میں زیادتی کرے، وہ جہنّم کے انگارے مانگ رہا ہے، جس کا دل چاہے تھوڑے مانگ لے یا زیادہ مانگ لے۔

فائدہ: پہلی حدیث شریف میں صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے غیبی[3] اعانت اور اِمداد کے بند ہونے کی وعید[4] تھی، اس لیے کہ اس حدیث میں ضرورت کے موقع پر سوال کا ذکر تھا اور اس جگہ بلا ضرورت محض[5] اپنی جمع بڑھانے کے لیے بھیک مانگنا مذکور ہے، اس لیے اس میں زیادہ سخت وعید ہے کہ وہ جہنّم کی آگ اِکٹھی کر رہا ہے، اب آدمی کو اختیار ہے کہ جتنے انگارے دل چاہے اِکٹھے کر لے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ فلاں فلاں دو شخص آپ کی تعریف کر رہے تھے کہ آپ نے اُن کو دو دو دینار دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن فلاں شخص میں نے اس کو دس سے لے کر سو تک اَشرفیاں[6] دیں، مگر اُس نے ایسا نہیں کیا، پھر فرمایا کہ بعض آدمی سوال کرتے ہیں اور میں ان کے سوال کی وجہ سے جو دیتا ہوں، وہ بغل میں دبا کر لے جاتے ہیں، لیکن وہ اپنی بغل میں آگ دبا کر لے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر آپ دیتے کیوں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیا کروں وہ بغیر مانگے رہتے نہیں اور اللہ تعالیٰ میرے لیے بُخل[7] کو گوارا[8] نہیں فرماتے۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! جب آپ کو معلوم ہے کہ وہ آگ ہے تو آپ کیوں مرحمت فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیا کروں وہ بغیر سوال کے رہتے نہیں اور اللہ تعالیٰ میرے لیے بخل گوارا نہیں فرماتے۔

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوجھ (تاوان[9] وغیرہ کا) اپنے ذمہ رکھ لیا یعنی کسی چیز کی ضمانت کر لی۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا۔

حل لغات: (۱) بغیر مانگے۔ (۲) بغیر خوشامد کے۔ (۳) پوشیدہ مدد۔ (۴) دھمکی۔ (۵) صرف۔ (۶) سونے کے سکّے۔ (۷) کنجوسی۔ (۸) پسند۔ (۹) جرمانہ۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیر جاؤ کہیں سے صدقہ کا مال آجائے گا تو میں مدد کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبیصہ! سوال صرف تین آدمیوں کے لیے جائز ہے: ایک وہ شخص جس نے کوئی بوجھ ضمان وغیرہ کا اپنے ذمّہ رکھ لیا ہو، اُس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کرلے اور پھر رک جائے، اُس سے زیادہ کے سوال کا حق نہیں ہے۔ دوسرے وہ شخص جس کو کوئی حادثہ پہونچ جائے جس سے سارا مال ہلاک ہوجائے (مثلاً آگ لگ جائے یا کوئی اور ایسی آفت اچانک پہونچ جائے جس سے سب کچھ لُٹ لُٹا جائے) تو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کرلے، جس سے زندگی کا سہارا ہوسکے۔ تیسرے وہ شخص جس کو فاقے گزرنے لگیں حتیٰ کہ تین آدمی اُس کی قوم کے کہنے لگیں کہ اس کو فاقہ ہونے لگا، تو اس کو بھی اتنی مقدار سوال کرلینا جائز ہے جس سے زندگی کا سہارا ہوجائے، ان تین کے علاوہ جو شخص سوال کرتا ہے وہ حرام مال کھاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سوال کرنا دو شخصوں کے لیے جائز نہیں، ایک غنی[1] کے لیے، دوسرے قوی[2] تندرست کے لیے (جو کمانے پر قادر ہو) البتہ جس شخص کو خاک میں ملادینے والا فقر یا پریشان کردینے والا قرض لاحق ہوگیا ہو، اُس کو سوال کرنا جائز ہے اور جو شخص مال کو بڑھانے کی غرض سے سوال کر رہا ہے، اس کے مُنہ پر قیامت کے دن زخم ہوں گے اور وہ جہنم میں آگ کھا رہا ہے، جس کا دل چاہے زیادہ سوال کرلے، جس کا دل چاہے کم کرلے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سوال قیامت کے دن منہ پر زخم بن جائیں گے جن سے اُس کا چہرہ زخمی ہوجائے گا، جس کا دل چاہے اپنے چہرہ کی رونق کو باقی رکھے، جس کا دل چاہے چھوڑ دے۔ البتہ اگر بادشاہ سے (یعنی بیت المال سے بشرطیکہ اس میں سے لینے کا حق ہو) مانگے یا مجبوری کے درجہ میں مانگے تو مُضائقہ[3] نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی سوال کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ قیامت کے دن اس کے چہرہ پر ذرا سا بھی گوشت نہ رہے گا۔

حضرت مسعود بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک جنازہ نماز پڑھنے کے لیے لایا گیا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا ترکہ چھوڑا؟ لوگوں نے عرض کیا: دو تین اشرفیاں چھوڑی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کے دو تین داغ ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ عبداللہ بن قاسم رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا کہ یہ مال بڑھانے کی نیت سے سوال کرتا تھا۔

کُتُبِ اَحادیث میں مُتعدّد[4] واقعات اس قسم کے وارد ہوئے ہیں، جن میں حضور ﷺ نے معمولی معمولی رُقوم[5] چھوڑنے پر جہنم کے داغ اور اس قسم کی وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔ عُلَماء نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب آدمی کے پاس پہلے سے کچھ موجود ہو اور وہ جھوٹ بول کر اپنے

حل لغات: (۱) مالدار۔ (۲) طاقت ور۔ (۳) حرج۔ (۴) کئی، بہت سے۔ (۵) روپے۔

زہد و قناعت

آپ کو بالکل فقیر اور محتاج ظاہر کر کے سوال کرے اور باوجود فقیر نہ ہونے کے فقراء کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوال کرنے کے بارہ میں ممانعت[1] کی بہت سی روایات وارد ہوئیں اور بڑی سخت سخت وعیدیں حدیث میں آئی ہیں؛ لیکن ساتھ ہی بعض احادیث سے اجازت معلوم ہوتی ہے۔ اُس کا واضح بیان یہ ہے کہ فی نفسہٖ[2] تو سوال کرنا حرام ہے، لیکن مجبوری کے درجہ میں یا ایسی حاجت میں جو مجبوری کے قریب ہو جائز ہے، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو حرام ہے اور حرمت کی وجہ یہ ہے کہ سوال کرنا تین باتوں سے خالی نہیں ہوتا اور وہ تینوں حرام ہیں: اوّل تو اس میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی شکایت کا اظہار ہے گویا اس کی طرف سے انعام میں کمی ہے، جیسا کہ کوئی غلام اگر کسی سے سوال کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا سیّد[3] کی طرف سے اُس پر تنگی ہے اور اس کا مُقتضیٰ[4] یہ ہے کہ بلا سخت مجبوری کے حلال نہ ہو جیسا کہ مُردار کا کھانا سخت مجبوری میں حلال ہے۔ دوسرے اس میں مانگنے والے کا اپنے نفس کو غیر اللہ کے سامنے ذلیل کرنا ہے اور مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے سوا کسی کے سامنے ذلیل نہ کرے۔ البتہ اس پاک مولا کے سامنے ذلیل کرنا، اپنی عزت ہے، اس لیے کہ محبوب کے سامنے ذلّت و انکسار لذّت ہے اور آقا کے سامنے عجز[5] کا اظہار سَعادَت[6] ہے۔ تیسرے اس میں اس شخص کی ایذاء[7] اکثر ہوتی ہی ہے جس سے سوال کیا جائے، بسا اوقات[8] دینے والے کا دل خوشی سے آمادہ[9] نہیں ہوتا، محض شرم وغیرہ کی وجہ سے خرچ کرتا ہے، پس اگر اُس نے شرم کی وجہ سے یا رِیا[10] کی وجہ سے دیا ہے، تو وہ لینے والے پر بھی حرام ہے اور اگر وہ انکار بھی کر دے تب بھی بسا اوقات اُس کو اس بات سے رنج ہوگا کہ وہ صورتاً[11] بخیل[12] بنا، اس لیے ہر حال میں ایذاء کا احتمال ہے جس کا سبب یہ سائل[13] بنا اور ایذاء دینا بلا مجبوری کے حرام ہے اور جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوال کرنے پر اس قدر سخت وعیدیں کیوں وارد ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو ہم سے سوال کرے گا اُس کو ہم دے دیں گے (ہم کیوں انکار کریں؟ اپنے سوال کے جواز[14] کا وہ خود ذمہ دار ہے) اور جو مستغنی ہوتا ہے (یعنی سوال نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ سے غنیٰ کا طالب ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ اُس کو غنی کر دیتے ہیں اور جو ہم سے سوال نہ کرے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے، اُس شخص کے مقابلہ میں جو سوال کرے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے مستغنی رہو اور سوال جتنا بھی کم ہو

حل لغات: (۱) منع کرنا۔ (۲) اصل میں۔ (۳) آقا، مالک۔ (۴) تقاضا۔ (۵) عاجزی۔ (۶) خوش نصیبی۔ (۷) تکلیف۔ (۸) کئی مرتبہ۔ (۹) تیار۔ (۱۰) دکھاوا۔ (۱۱) ظاہر میں۔ (۱۲) کنجوس۔ (۱۳) مانگنے والا۔ (۱۴) جائز ہونا۔

اتنا ہی اچھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کو دیکھا کہ مغرب کے بعد سوال کر رہا ہے۔ آپ نے کسی سے فرما دیا کہ اس کو کھانا کھلا دو۔ انہوں نے فوراً تعمیل[1] کی اور کھانا کھلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اُس کی آواز سوال کی سنی، تو ان صاحب سے مطالبہ کیا کہ میں نے تم سے اس کو کھانا کھلانے کو کہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کھلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سائل کی طرف دیکھا تو اس کی بغل میں ایک جھولی پڑی ہوئی تھی جس میں بہت سی روٹیاں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تُو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے، یعنی فقیر نہیں بلکہ تجارت کے لیے سوال کرتا ہے تا کہ ان روٹیوں کو جمع کر کے فروخت[2] کرے۔ اُس کے بعد اس کی جھولی چھین کر صدقہ کے اونٹوں کے سامنے اُلٹ دی اور اس کے دُرّہ[3] مار کر کہا کہ پھر کبھی ایسا نہ کیجیو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر سوال حرام نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ تو اس کو مارتے اور نہ اس کی روٹیاں چھینتے۔ بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مارنا تو تنبیہ اور تادیب ہوسکتی ہے، لیکن اس کے مال کا چھیننا ظلم ہے، شریعت نے کسی کا مال چھین لینے کی سزا نہیں بتائی؛ لیکن یہ اعتراض حقیقت کی ناواقفیت سے پیدا ہوا۔ بھلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فقاہت[4] تک دوسروں کی رسائی[5] کہاں ہوسکتی ہے؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان ہوسکتا ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ دوسرے کا مال لینا جائز نہیں؟ یا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے ان کو فعلِ حرام یعنی سوال پر غصہ آ گیا اور نعوذُ باللہ غصہ میں ایسا کر گئے یا سوال سے آئندہ روکنے کی مصلحت کی وجہ سے ایسا طریق اختیار کیا جو ناجائز تھا، اگر ایسا تھا تو یہ فعل خود ناجائز تھا۔ بلکہ یہ بات تھی کہ جب اُس نے بے ضرورت سوال کیا اور دینے والوں نے اُس کو فقیر اور محتاج سمجھ کر دیا تو یہ دھوکا سے حاصل کرنے کی وجہ سے اُس کی ملک[6] میں نہ آیا تھا اور اصل مالکوں کا پتہ چلنا اب دشوار[7] تھا تو یہ بمنزلہ ''لُقَطَہ''[8] کے تھا کہ جس کے مالک کا پتہ نہیں ہے، اس لیے اس کا مَصْرَف[9] (بیت المال کے) مَصالِحِ عامّہ[10] ہیں، اس لیے صدقہ کے اونٹوں کو کھلا دیا۔ اس فقیر کا سوال کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی گنہ گار شخص اپنے کو صوفی ظاہر کر کے صدقات لے لے، اگر دینے والے کو اس کا حال معلوم ہو جائے تو کبھی بھی نہ دے، ایسے شخص کو لینا جائز نہیں، اُس کو ضروری ہے کہ مالک کو واپس کرے۔

جب یہ بات مُحقَّق[11] ہوگئی کہ سوال صرف ضرورت میں جائز ہے، تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ضرورت کے چار درجے ہیں: اوّل درجہ اِضْطِرار[12] کا ہے، دوسرا سخت حاجت کا، لیکن اضطرار کی حد سے کم، تیسرا معمولی

حل لغات: (۱) حکم پورا کرنا۔ (۲) بیچنا۔ (۳) چمڑے کا چابک۔ (۴) دین کی سمجھ۔ (۵) پہونچ۔ (۶) ملکیت۔ (۷) مشکل۔ (۸) گری پڑی چیز۔ (۹) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۱۰) عام لوگوں کی بھلائی۔ (۱۱) ثابت۔ (۱۲) سخت بھوک کی حالت۔

حاجت کا، چوتھا عدمِ[1] حاجت کا۔ یہ پہلا درجہ مثلاً کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو بھوک کی وجہ سے یا مَرَض[2] کی وجہ سے ہلاکت کا اور مر جانے کا اندیشہ ہے یا ایسا ننگا ہے کہ اس کے پاس کوئی کپڑا بدن چھپانے کو نہیں ہے، تو ایسے شخص کو سوال کرنا جائز ہے[ع]۔

بشرطیکہ جواز کی باقی شرطیں پائی جاتی ہوں اور وہ یہ ہیں: (الف) جو چیز مانگے وہ چیز جائز ہو۔ (ب) جس سے مانگے وہ طِیبِ[3] خاطر سے راضی ہو۔ (ج) مانگنے والا کمانے سے عاجز ہو، اگر وہ کمانے پر قادر ہے تو وہ لَغو[4] آدمی ہے، جو بجائے کمانے کے سوال کرتا ہے۔

البتہ اگر کوئی طالب علم ہو جو اپنے اوقات کو طلبِ علم میں مشغول رکھتا ہو، تو اُس کو مُضَائِقہ[5] نہیں کہ سوال کر لے اور چوتھا درجہ اس کے بالمقابل کوئی شخص ایسی چیز کا سوال کرے، جو چیز اس کے پاس موجود ہے مثلاً کپڑے کا سوال کرے اور بقدرِ ضرورت کپڑا اس کے پاس موجود ہے تو اس شخص کو سوال حرام ہے۔ یہ دو درجہ تو مقابل ہوئے۔ ان کے درمیان دو درجے رہے ایک سخت حاجت کا مثلاً کوئی شخص بیمار ہے اور دوا کے لیے دام[6] نہیں ہیں، لیکن مرض ایسا نہیں ہے جو ہلاکت کے درجہ کا ہو یا مثلاً کسی کے پاس کپڑا تو ہے مگر سردی کا پورا بچاؤ اُس سے نہیں ہوتا، یہ درجہ بھی ایسا ہے کہ اس میں سوال کے جائز ہونے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کا تَرک[7] اَولیٰ ہے۔ ایسا شخص اگر سوال کرے تو اس کو ناجائز یا مکروہ تو نہ کہیں گے لیکن خلافِ اَولیٰ کہیں گے بشرطیکہ اپنے سوال کی نوعیت ظاہر کر دے۔ مثلاً یوں کہے کہ میرے پاس کپڑا تو ہے، مگر سردی کے لیے کافی نہیں، ضرورت کے درجہ سے زیادہ کا اظہار نہ کرے۔ دوسرا درجہ کم حاجت کا ہے مثلاً اس کے پاس روٹی کے دام تو ہیں، سالن کے لیے دام نہیں یا پھٹے پُرانے کپڑے ہیں اور وہ ایک کرتہ ایسا بنانا چاہتا ہے جو اُن پر باہر جانے کے وقت پہن لیا کرے تاکہ لوگوں پر بوسیدہ[8] کپڑے ظاہر نہ ہوں تو ایسے شخص کے لیے سوال جائز تو ہے مگر کراہت کے ساتھ بشرطیکہ جس درجہ کی ضرورت ہے اس کو ظاہر کر دے اور ان تین چیزوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے جو پہلے گزر چکیں یعنی ایک یہ کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی شکایت نہ ہو، یعنی ایسی طرح سوال کرے جس سے شکایت ٹپکتی ہو، دوسرے اپنی ذلّت نہ ہو، تیسرے جس سے مانگے اس کو اَذِیّت[9] نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی ہونے کی کیا صورت ہے؟

تو میں بتاتا ہوں کہ شِکوے[10] سے خالی ہونے کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ساتھ ہو اور

حل لغات: (۱) ضرورت کا نہ ہونا۔ (۲) بیماری۔ (۳) خوش دلی۔ (۴) بے کار۔ (۵) حرج۔ (۶) قیمت، پیسہ۔ (۷) چھوڑنا زیادہ بہتر ہے۔ (۸) پھٹے پرانے۔ (۹) تکلیف۔ (۱۰) شکایت۔

ع بلکہ بعض احوال میں واجب ہے اور مضطر کے لیے بغیر اجازت کے لینا بھی بعض اوقات جائز ہے۔

زہد و قناعت

اپنی عدمِ[1] ضرورت کا اظہار بھی ہو، فقیروں کی طرح سے سوال نہ کرے مثلاً یوں کہے کہ ضرورت کا درجہ تو ہے نہیں، ضرورت کی مقدار اللہ کا شکر ہے میرے پاس موجود ہے، لیکن یہ نفس ایک اچھے کپڑے کی خواہش کرتا ہے؛ اور ذلّت سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے باپ بھائی یا کسی ایسے دوست سے سوال کرے جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ اس سوال سے اس کی نگاہ میں ذلّت نہ ہوگی یا ایسے کریم سے سوال کرے، جس کے یہاں صدقات کا زور ہو کہ اُس کے سوال کرنے سے اُس کو مَسَرّت[2] ہو اور اِیذا[3] سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً خصوصی سوال کسی سے نہ کرے بلکہ عمومی سوال کرے یا ایسے انداز سے کرے کہ اگر وہ شخص جس سے سوال کیا ہے ٹالنا چاہے تو ٹال سکے۔

اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو چیز دینے والے نے شرم کی وجہ سے یا زور دینے سے مجبور ہو کر بادلِ[4] نخواستہ دی ہے اُس کا لینا اِجماعاً[5] حرام ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مال مار کر زبردستی چھین لیا ہو، اس لیے کہ کسی شخص کے ظاہر بدن کو مارنا اور دل کو ملامت اور شرم کے کوڑے سے مارنا برابر ہے البتہ مُضطَر[6] کے لیے یہ حق ہے کہ بغیر طِیبِ[7] خاطر کے بھی لے لے، لیکن معاملہ احکم الحاکمین سے ہے اور حالات سب اس کے سامنے عَیاں[8] ہیں، وہ ہر شخص کی حالت کو خوب جانتا ہے۔ نیز ایسے دوستوں سے سوال میں بھی مُضَائِقَہ[9] نہیں جن کے متعلق یہ اندازہ ہو کہ وہ سوال سے خوش ہوں گے۔ [احیاء مختصراً]

علّامہ زُبَیدِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان وعیدات[10] میں سوال سے مراد اپنی ذات کے لیے سوال ہے، جو سوال کسی دوسرے کے لیے ہو وہ اس میں داخل نہیں، بلکہ وہ اُس کی اِعانت[11] ہے، نیز وہ سوال میں داخل نہیں جو اپنے لیے ہو لیکن اپنے اَعِزّہ[12] اور دوستوں سے ہو، اس لیے کہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ [اتحاف]

لیکن یہ شرط ہے کہ یہ ایسی جگہ ہوگا جہاں اَعِزّہ اس سے خوش ہوتے ہوں اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں تو اہلِ قرابت[13] کو اَذِیت[14] دینا اور بھی زیادہ سخت ہے، البتہ جو اَعِزّہ کریم ہوتے ہیں وہ اس سوال سے خوش ہوتے ہیں، مجھے خود اس کا ذاتی تجربہ ہے اور بہت کثرت سے واقعات اس کے شاہد[15] ہیں، میری والدہ کی ایک حقیقی خالہ ہیں جو اَب تک بھی حیات[16] ہیں۔

میرے بچپن سے اُن کا دستور مجھے کاندھلہ کے ہر سفر میں دو پیسے دینے کا تھا، جب میں صاحبِ اولاد ہو گیا اور انہوں نے میرے بچوں کو بھی دو دو پیسے دینا شروع کر دیے، تو میں نے بہت اِصرار[17] سے

حل لغات: (۱) ضرورت کا نہ ہونا۔ (۲) خوشی۔ (۳) تکلیف۔ (۴) دل سے ناچاہتے ہوئے۔ (۵) سب علماء کے نزدیک۔ (۶) مجبور۔ (۷) خوش دلی۔ (۸) ظاہر۔ (۹) حرج۔ (۱۰) دھمکیاں۔ (۱۱) مدد۔ (۱۲) رشتے دار۔ (۱۳) رشتے دار۔ (۱۴) تکلیف۔ (۱۵) گواہ۔ (۱۶) زندہ، طباعت کے وقت انتقال ہو گیا غفر اللہ لھا، ناظرین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (۱۷) ضد۔

زہد و قناعت

اپنے دو پیسے کے بجائے چار پیسے کرے اور یہ کہہ کر کرائے کہ تم مجھے اور میری اولاد کو ایک درجہ میں رکھتی ہو؟ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ میرے ان چار پیسوں کا مطالبہ اُن کے لیے اس قدر مَسرّت[1] کا سبب ہوتا ہے کہ مجھے بھی اُن کی خوشی سے لُطف[2] آ جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات اگر ان کے پاس اُس وقت کچھ نہ ہوا، تو میں نے خود اُن کی کچھ نذر کیا، تا کہ اس میں سے وہ میرے پیسے مجھے مرحمت[3] فرمادیں، اس لیے کہ ان کو ان میں سے دینے سے بھی اتنی ہی خوشی ہوتی تھی اور اس کی طرف التفات[4] بھی نہیں ہوتا کہ یہ میں اسی کے پیسوں میں سے دے رہی ہوں۔

اسی طرح میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حقیقی ماموں مولانا شمس الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، ہمیشہ سے اُن کا معمول مجھے ہر سفر میں ایک روپیہ مرحمت فرمانے کا تھا، جب میرے اولاد ہوگئی تو انہوں نے بجائے میرے اُن کی طرف اُس کو منتقل کر دیا، میں نے زبردستی اپنے روپیہ کا اِجراء[5] کرایا، میں نے اُن سے کہا کہ بچوں کو آپ دیں یا نہ دیں میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں، میرا روپیہ بند نہیں ہوگا، مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اور جب بھی یاد آ جاتا ہے میں ہمیشہ اُن کے لیے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُن کی مغفرت فرما کر اپنی عالی[6] شان کے موافق اجرِ جزیل[7] عطا فرمائے کہ اُن کو میرے اس مطالبہ سے کس قدر مَسرّت ہوتی تھی، اکثر قہقہہ سے ہنسا کرتے تھے اور بار بار میرے اس لفظ کو دہراتے۔ ''ہاں جی میرا روپیہ بند نہیں ہوگا، میں کہتا کہ ہرگز بند نہ ہوگا۔''

اور بھی مجھے اپنے اَعزّہ اور احباب سے اس نوع کے واقعات کا سابقہ پڑا ہے، یہ میں نے اس لیے لکھا کہ آج کل تعلقات بالخصوص آپس داری[8] کے عام طور سے ایسے خراب ہوتے جاتے ہیں کہ یہ بات اب ذہنوں میں آنا بھی دشوار[9] ہو جائے گی کہ عزیزوں کا سوال باعثِ مَسرّت[10] بھی ہو سکتا ہے۔

دوسری چیز علّامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ اگر دوسرے کے واسطے کوئی شخص سوال کرے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے اور پہلی فصل میں جتنی روایات کسی دوسرے کے لیے اعانت اور مدد کی گزری ہیں وہ اس کے لیے دلیل ہیں، اسی طرح طلبِ علم کی مشغولی سوال کی ذلّت سے اہم ہے۔ ملاعلی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کمانے پر قادر ہے اور علمی اِشتغال[11] کی وجہ سے اُس کو نہیں کرتا، تو اس کو زکوٰۃ کا لینا بھی جائز ہے اور صدقاتِ تطوّع[12] کا لینا بھی۔ اور اگر باوجود قدرت کے کمانا نوافل اور عبادات میں مشغولی کی وجہ سے چھوڑا ہے، تو اُس کو مالِ زکوٰۃ کا سوال جائز نہیں ہے، صدقات تطوّع سے سوال میں مَضَائقہ[13] نہیں گو کراہتہً[14] ہو اور اگر کوئی جماعت اصلاحِ نفس اور تزکیۂ[15] باطن کے لیے مجتمع ہے،

حل لغات: (1) خوشی۔ (2) مزہ۔ (3) عطا کرنا، دینا۔ (4) توجہ۔ (5) جاری کرنا، شروع کرنا۔ (6) اونچی۔ (7) بڑا بدلہ۔ (8) رشتہ داری۔ (9) مشکل۔ (10) خوشی کا سبب۔ (11) مشغولیت۔ (12) نفلی صدقات۔ (13) حرج۔ (14) اگر چہ کراہت کی وجہ سے۔ (15) دل کی صفائی۔

تو بہتر یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ان سب کے لیے روٹی کپڑا جمع کرلیا کرے۔[مرقات]علمی اِشتغال چاہے علوم ظاہرہ ہوں یا علومِ باطنہ[1]، یقیناً بہت زیادہ اہم ہے اور ایسے لوگوں کے لیے یقیناً کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا ہرگز نہ چاہیے اور محض نادانوں، احمقوں[2] کے طعن تشنیع[3] کے خوف سے اس اہم مشغلہ کے ساتھ کمائی وغیرہ کی طرف لگنا، جاہلوں کے طعن کے خوف سے اپنی قیمتی مایہ[4] کو ضائع کرنا ہے، نادانوں کے طعن وتشنیع سے نہ اہلِ علم کبھی بچے، نہ انبیائے کرام علیہم السلام بچے۔

آج کل یہ وبا[5] بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ اہلِ علم کو اپنا گزر چلانے کے لیے کسی صَنعَت[6] وحرفت کا سیکھنا ضروری ہے اور اہلِ علم بھی دنیاداروں کے طعن وتشنیع سے بددل ہوکر اس کی اہمیت کو محسوس کررہے ہیں اور مدارسِ عربیہ دینیہ میں یہ سلسلے بھی جاری ہورہے ہیں؛ لیکن یہ علم کو بہت زیادہ نقصان دینے والی چیز ہے، اس میں اسلاف کے نمونے سامنے رکھے جاتے ہیں، جنھوں نے اپنے معاش کے لیے تجارت وحرفت وغیرہ کے مشاغل اختیار کرتے ہوئے دین کی اور علم کی خدمت کی اور یقیناً اگر اللہ جَلَّ شانُہٗ توفیق عطا فرمائے، تو یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے، مگر ہم لوگوں کے قلوب[7] اور ہمارے قُویٰ[8] اور ہمارے احوال نہ تو اس کے مُتحَمِّل[9] ہیں کہ ہم لوگ دوکام بیک وقت کرسکیں اور نہ ہماری طمعِ نفس[10] اور حُبِّ دنیا[11] اس کی گنجائش دیتی ہے کہ مال کی بڑھوتری کے اسباب پیدا ہونے کے باوجود اللہ کے کام کے واسطے دین کی خاطر، علم کی خاطر ہم اپنے اوقات کو دنیا کے کمانے کے مشاغل سے زیادہ سے زیادہ فارغ کرسکیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں دونوں کام شروع کیے اور آخر میں علمی مشغلہ پر دنیا کی کمائی اور طلب غالب آگئی، جس کے بارہا[12] تجربے ہوچکے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے طلب علم کے جودس آداب لکھے ہیں، اُس میں لکھتے ہیں کہ چوتھا ادب یہ ہے کہ دنیا میں مشغولی کو بہت ہی کم کردے اور اپنے اہل اور وطن سے دور چلا جائے، اس لیے کہ تعلّقات کی کثرت مشغولی کا سبب ہوتی ہے اور مقصد سے ہٹانے والی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے دو دل نہیں بناتے (کہ ایک دل علم میں مشغول رہے اور دوسرا دنیا کمانے میں، یہ قرآن پاک کی آیت ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ [سورۂ احزاب:۴] کی طرف اشارہ ہے) اور جتنا زیادہ اپنے فکر وغور کو متفرّق[13] چیزوں میں مشغول کروگے، علوم کے حقائق سے دُور رہوگے، اسی وجہ سے کہا گیا کہ علم تجھے اپنا تھوڑا سا حصہ جب دے گا، جب تُو اپنے آپ کو پورا کا پورا علم کی نذر[14] کردے گا اور جو غور وفکر

حل لغات: (۱) اندرونی علوم۔ (۲) بیوقوف۔ (۳) برا بھلا کہنا۔ (۴) پونجی۔ (۵) بیماری۔ (۶) پیشہ۔ (۷) دِل۔ (۸) طاقت۔ (۹) برداشت کرنا۔ (۱۰) نفس کی لالچ۔ (۱۱) دنیا کی محبت۔ (۱۲) کئی بار۔ (۱۳) الگ الگ۔ (۱۴) حوالے کرنا۔

زہد و قناعت

متفرق امور کی طرف مُنتَشِر[1] رہتا ہے، اُس کی مثال اُس نالی کی سی ہے جس کی ڈول ٹوٹ گئی ہو کہ اُس میں سے پانی اِدھر اُدھر نکلے گا اور بہت کم کھیت میں پہونچے گا۔ [اِحیاء] لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ واقعی علم حاصل کرنا مقصود ہو، محض روٹی کھانے اور صدقات کا مال جو آدمیوں کا میل ہے، جمع کرنا مقصود نہ ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وہ وعیدات جو بُرے عالموں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوا کہ دنیا دار عالم حالت کے اعتبار سے بہت زیادہ خسیس[2] ہے اور عذاب کے اعتبار سے بہت زیادہ عذاب کا مستحق ہے، بہ نسبت جاہل کے اور کامیاب صرف وہی علماء ہیں جو آخرت کے عالم ہیں اور آخرت کے عالم کے لیے چند علامات ہیں، جن میں سے پہلی یہ ہے کہ اپنے علم سے دنیا کمانا مقصود نہ ہو، عالم کا سب سے ادنیٰ[3] درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت[4]، دنیا کا کمینہ پن، دنیا کی گندگی، اُس کا فانی[5] ہونا اُس کو مُستحضر[6] ہو، وہ آخرت کی بڑائی، اس کی پائیداری[7]، اس کی عمدگی، اُس کی نعمتوں کی پاکیزگی، اُس کی رفعتِ[8] شان کو پانے والا ہو اور اس بات کو خوب سمجھتا ہو کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں[9] ہیں، جب وہ ایک کو راضی کرے گا دوسری ناراض ہوگی (جیسا کہ حدیث میں یہی مضمون آیا ہے) اور یہ سمجھے کہ دنیا اور آخرت بمنزلہ[10] ترازو کے دو پلڑوں کے ہیں، جونسا ایک جھکائے گا، دوسرا اوپر چڑھ جائے گا، جو شخص دنیا کی حقارت کو نہ سمجھتا ہو، وہ فاسد العقل[11] ہے، وہ علماء میں سے کیسے ہوسکتا ہے؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دل کی موت ہے اور دل کی موت آخرت کے عمل سے دنیا کی طلب ہے (یعنی دین کا کام اس غرض سے کرنا کہ اُس سے دنیا کی مال و دولت یا عزّت و وجاہت کمائی جائے)۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم وحکمت کی رونق جاتی رہتی ہے، جب اُن سے دنیا کمائی جائے۔

حضرت سعید بن المُسَیِّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عالم کو اُمَرَاء[12] کے دروازوں پر دیکھو، تو وہ چور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا سمجھو، تو اس کو اپنے دین کے بارے میں مُتّہم[13] سمجھنا، اس لیے کہ ہر شخص اسی میں گھسا کرتا ہے جس سے اس کو محبّت ہو۔ [اِحیاء مختصراً]

لہٰذا یہ تو ضروری ہے کہ علماء کو اپنے نفس کو ہروقت متّہم سمجھتے ہوئے اُس کی سختی سے نگرانی کرتے رہنا چاہیے، ہروقت اس فکر میں ضرور رہنا چاہیے کہ کہیں دنیا کی محبت جو ہر خطا کی جڑ ہے، غیر محسوس طریقہ سے جڑ نہ پکڑ لے اور دُنیا سے بے رغبتی بلکہ نفرت راسخ[14] ہوجانے کے بعد نہ سوال میں مُضَایَقہ[15] ہے، نہ

حل لغات: (۱) بکھرا ہوا۔ (۲) کمینہ۔ (۳) کم۔ (۴) ذلیل ہونا۔ (۵) ختم۔ (۶) یاد۔ (۷) مضبوطی۔ (۸) بلند۔ (۹) ایک شوہر کی دو بیویاں۔ (۱۰) کے درجہ میں، کی طرح۔ (۱۱) کم عقل۔ (۱۲) امیر لوگ۔ (۱۳) تہمت والا، عیب والا۔ (۱۴) دل میں جم جانا۔ (۱۵) حرج۔

صدقات و زکوٰۃ کے لینے میں، بلکہ صدقات والوں کا اہم وظیفہ ہے کہ اہل علم کو مُقدّم[1] کریں، جیسا کہ پہلے صدقہ ادا کرنے کے آداب میں گذر چکا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس ناپاک دنیا کے کتّے کو بھی اس مُہلِک[2] مرض سے نجات عطا فرمائے کہ دنیا طلبی ایسا مہلک مرض ہے، جو آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہتا ہے اور وہ صرف مال ہی کے حاصل کرنے میں مُضِر[3] نہیں ہے بلکہ جاہ[4] کے حاصل کرنے میں مال سے بھی زیادہ سُرعت[5] کے ساتھ بڑھتا ہے اور دینی ماحول میں یہ مرض حُبِّ دنیا[6] سے بھی زیادہ ترقی کرتا ہے۔

(۳) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ قَالَ لِيْ: يَا حَكِيْمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ، فَمَنْ أَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ، وَمَنْ أَخَذَهٗ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ، وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى. قَالَ حَكِيْمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا۔

[متفق عليه كذا في المشكوٰة]

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے حکیم! یہ مال سرسبز[7] میٹھی چیز ہے یعنی خوشنما[8] ہے دیکھنے میں، لذیذ ہے دلوں میں، پس جو شخص اس کو نفس کی سخاوت (یعنی استغناء[9]) سے لیتا ہے، اس کے لیے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو اس کو اِشرافِ نفس[10] (یعنی حرص اور طمع جیسا کہ آئندہ حدیث کے ذیل میں آئے گا) کے ساتھ لیتا ہے، اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوتی، وہ ایسا ہے جیسا کوئی (بھوک کا مریض کہ) کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی نہ مانگنے والا ہاتھ مانگنے والے سے اچھا ہے) حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اب آپ کے بعد مرنے تک کبھی کسی کو تکلیف نہیں دوں گا۔

فائدہ: یعنی اب ساری عمر کبھی کسی سے سوال نہیں کروں گا۔ بعض روایات میں اس حدیث کے بعد یہ مضمون بھی ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کے زمانہ میں حکیم رضی اللہ عنہ کو

حل لغات: (۱) پہلے آگے۔ (۲) ہلاک کرنے والی بیماری۔ (۳) چھٹکارا۔ (۴) دنیا کی تلاش میں رہنا۔ (۵) تیزی۔ (۶) دنیا کی محبت۔ (۷) ہرا بھرا۔ (۸) خوبصورت۔ (۹) بے نیازی، بے پروائی۔ (۱۰) وہ مال جو بغیر دل کی خواہش کے حاصل ہو جائے۔

زہد و قناعت

بلاتے تاکہ ان کا جوحق بیت المال کے فئی میں ہے، وہ اُن کو مرحمت فرمادیں، وہ لینے سے انکار کردیتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا کہ وہ حکیم رضی اللہ عنہ کو ان کا حصہ دینے کو بلاتے، وہ لینے سے انکار کردیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر گواہ بنایا کہ وہ حکیم رضی اللہ عنہ کا حصہ دینے کو بلاتے ہیں وہ قبول نہیں کرتے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال تک کسی سے نہ لیا۔ [ترغیب]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا۔ اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس میں سے عطا فرمایا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم رضی اللہ عنہ کو بلایا اور لپ[1] بھر کر عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا لینا میرے لیے اچھا ہے یا بُرا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بُرا ہے۔ انہوں نے واپس کردیا اور قسم کھائی کہ میں کسی کی بھی عطا قبول نہیں کروں گا۔ پھر حکیم رضی اللہ عنہ نے درخواست کی: یارسول اللہ! میرے لیے دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ میرے یہاں برکت عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کے ہاتھ کی کمائی میں برکت عطا فرمائے۔ [ترغیب]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مانگنے میں اِصرار[2] نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم جو شخص مجھ سے کوئی چیز مانگے اور محض اس کے مانگنے کی وجہ سے اپنی طبیعت کے خلاف میں کوئی چیز اس کو دوں، تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کو میں طِیبِ[3] نفس سے کوئی چیز دوں اس میں تو برکت ہوگی اور جس شخص کو اُس کی طمع[4] اور سوال کی وجہ سے بغیر طِیبِ[5] خاطر کے کوئی چیز دوں گا، وہ ایسا ہوگا جیسا کہ آدمی کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سوال میں اصرار نہ کیا کرو۔ جو شخص اصرار کے ساتھ ہم سے کوئی چیز لے گا اُس میں برکت نہ ہوگی۔ [ترغیب]

قرآنِ پاک میں بھی اس پر تنبیہ فرمائی گئی، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾

ترجمہ: کہ لوگوں سے اصرار سے نہیں مانگتے۔ [سورۂ بقرہ: ۲۷۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے، پس جس شخص کو ہم اس میں سے کوئی چیز اپنی طِیبِ نفس سے دیں، ایسی حالت میں کہ لینے والے کی طرف سے روزی لینے کی اچھی حالت ہو (یعنی استحقاق[6] کے اعتبار سے بہترین مستحق ہو، سوال کے اعتبار سے جائز طلب ہو، مبالغہ[7] نہ ہو) اور اس کی طرف سے طمع نہ ہو، تو اس مال میں اس کے لیے برکت دی

حل لغات: ① مُٹھی بھر کر۔ ② ضِد۔ ③ خوش دلی۔ ④ لالچ۔ ⑤ خوش دِلی۔ ⑥ حق مانگنا، حق طلب کرنا۔ ⑦ بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔

زہد و قناعت

جاتی ہے۔ اور جس شخص کو ہم کوئی چیز ایسی طرح دیں کہ ہماری طِیبِ خاطر نہ ہو اور اس کی طرف سے لینے کی اچھی حالت نہ ہو اور اس کی طمع شامل ہو، تو اُس میں برکت نہیں ہوتی۔ [ترغیب]

برکت ایسی اہم اور قابلِ قدر چیز ہے کہ اُس میں تھوڑی سی چیز میں بہت سی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ پہلے اس نوع[1] کے واقعات گذر چکے ہیں کہ ایک پیالہ دودھ بہت سے اَصحابِ[2] صُفّہ کو کافی ہو گیا۔ یہ آخر برکت ہی تو تھی اور اس زمانہ میں بھی بسا اوقات[3] اس کا مشاہدہ[4] ہوتا رہتا ہے۔ گو[5] ویسا نہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برکت کا نمونہ ظاہر ہوتا تھا اور ویسا ہو بھی نہیں سکتا، لیکن اس زمانہ اور حالات کے اعتبار سے بہت مرتبہ اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے فضل سے کسی چیز میں ایسی برکت فرما دیتے ہیں کہ دیکھنے والے تعجب میں رہ جاتے ہیں اور اس کے بالمقابل بے برکتی ایسی منحوس چیز ہے کہ جتنا بھی کمائے جاؤ، کبھی کافی نہیں ہوتا۔ جس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام میں قریب ہی گذری ہے کہ ''کھائے جاؤ پیٹ نہ بھرے۔'' اس بے برکتی میں ایک اپنا ہی تجربہ خود اپنے ہی اوپر اور اپنی حماقت[6] کا اظہار کرتا ہوں: مجھے بچپن میں بیت[7] بازی کا بہت شوق تھا اور چونکہ والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کی طرف سے باوجود ان کے تَشَدُّد اور سختیوں کے اس فعل پر نکیر[8] نہ تھی، اس لیے یہ مَرَض[9] ترقی پذیر[10] تھا اور بلا مبالغہ ہر زبان کے ہزاروں شعر یاد تھے جو اَب نہیں رہے۔ میرا اہم ترین کھیل یہ تھا کہ اپنے مخصوص اَعِزّہ[11] جب کہیں ایک جگہ اتفاقیہ جمع ہو جاتے تو یہ مشغلہ شروع ہو جاتا۔ مجھے اپنے ابتدائی مُدرِّسی کے زمانہ میں ایک شب[12] کے لیے کیرانہ جانے کا اتفاق ہوا، جہاں میرے پھوپھی زاد بھائی وکالت کرتے تھے، وہ بھی اس مشغلہ کے شوقین یا مریض تھے، میری وجہ سے اور بھی بعض اَعزہ جمع ہو گئے اور حسبِ[13] معمول عشاء کی نماز کے بعد یہ بے کار مشغلہ شروع ہو گیا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ انہوں نے تین سیر[14] دودھ اس خیال سے منگا کر رکھا تھا کہ رات کو دو تین مرتبہ تو چائے کا دور آخر چلے ہی گا، مگر اس خیال سے کہ ابھی تھوڑا سا وقت گزر جائے تو چائے پکائی جائے گی، چائے پکانے کی نوبت[15] بھی نہ آئی تھی، میرے اندازے کے موافق آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ گذرا ہو گا کہ مجھے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور باہر آیا تو آسمان پر مشرق کی جانب ایسی تیز سفیدی نظر آئی کہ حیرت ہو گئی، کچھ سمجھ نہ آیا کہ یہ سفیدی کیا چیز ہے؟ اُسکے دیکھنے کے واسطے میں نے دوسرے اَعزہ کو آواز دی سب اُس کو دیکھ کر مُتَحَیَّر[16] تھے کہ یہ سفیدی کس چیز کی ہے؟ مختلف قیاسات[17] گھڑے جا رہے تھے کہ چاروں طرف سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں، جس سے

حل لغات: (۱) قسم۔ (۲) وہ صحابہ جنہوں نے اپنے آپ کو علم دین کے لیے فارغ رکھا تھا۔ (۳) بہت دفعہ۔ (۴) دیکھنا۔ (۵) اگرچہ۔ (۶) بیوقوفی۔ (۷) شعر و شاعری کا مقابلہ۔ (۸) انکار۔ (۹) بیماری۔ (۱۰) بڑھا ہوا ہونا۔ (۱۱) رشتہ دار۔ (۱۲) رات۔ (۱۳) معمول کے مطابق۔ (۱۴) ایک وزن جو کلو سے کم ہوتا ہے۔ (۱۵) موقع۔ (۱۶) حیران۔ (۱۷) اندازے۔

معلوم ہوا کہ وہ صبح صادق ہے۔ وہ دن بھی عجیب حیرت میں گزرا کہ رات کہاں نکل گئی؛ اور اس کے بعد سے اب تک بھی جب خیال آجاتا ہے ایک سناٹا سا گذر جاتا ہے کہ اُس رات میں اس قدر بے برکتی کیوں ہوئی اور اب تو جب کبھی اس رات کا خیال آجاتا ہے تو حیرت کے علاوہ ایک عبرت[1] اور افسوس بھی ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ساری عمر ہی اس رات جیسی ہوگی۔ اُسی دن میرے موصوف بھائی نے اپنے والد، میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو ایک بزرگ ہستی حضرت قطب عالم گنگوہی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کے حدیث میں شاگرد تھے، خواب میں دیکھا، فرمارہے ہیں کہ میاں زکریا بھی کیسے بزرگ ہیں، اس طرح رات کو ضائع کردیتے ہیں۔ کچھ انہی کی توجّہ کا اثر ہوگا کہ اُس کے بعد سے پھر کبھی اس مشغلہ کی نوبت نہ آئی؛ لیکن عمر بھر کی حیرت کے لیے یہ کیرانہ کی رات مجھے تعجب میں ڈالنے کے لیے کافی ہے اور اس واقعہ سے دو چیزیں ایسی ذہن نشین[2] ہوگئیں کہ ان میں ذرا بھی استبعاد[3] نہیں رہا۔ ایک تو بزرگوں کے وہ واقعات اور حالات جن کے متعلق تواریخ میں اس قسم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں کہ ساری رات نماز میں گذار دی، عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی، رات رات بھر مناجات[4] میں گذار دی کہ اس نوع[5] کے جتنے واقعات ہیں وہ سب قرینِ قیاس[6] ہیں۔ لذّت اور انہماک[7] یقینا ایسی چیز ہے کہ اس کے حاصل ہونے کے بعد نہ رات کو طُول[8] رہ سکتا ہے، نہ نیند کا حملہ۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے لُطف سے اُن حضرات کو ان عبادات میں لذّت کا مرتبہ عطا فرمایا، یہ اس کو وصول کرتے ہیں، جن کو ان میں لذّت نہیں ہے ان کو جتنا بھی دشوار اور پہاڑ معلوم ہو، ظاہر ہے۔

اور دوسری چیز جو اپنے تجربہ سے ذہن میں آئی، وہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ قیامت کا سخت ترین دن جو پچاس ہزار برس کے برابر ہے، بعض لوگوں پر ایسا گذر جائے گا جیسا کہ ایک نماز یا ایک نماز سے دوسری نماز تک کا وقت ہوتا ہے۔ یقینا یہ حضرات جن کے پاس معاصی نہ ہونے سے خوف کا گذر نہ ہوا اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ الآیۃ کے مصداق ہیں کہ نہ اُن کو اس دن کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ عرش کے سایہ تلے اپنے کارناموں کے لذائذ میں مشغول اور منہمک ہوں گے۔ ان پر یہ طویل وقت جتنا بھی مختصر سے مختصر گزر جائے، میرے لیے تو اپنا تجربہ اس کی تائید کرتا ہے۔

④ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَدِيٍّ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت خالد بن علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص

حل لغات: ① نصیحت۔ ② ذہن میں بیٹھ جانا۔ ③ عقل سے دور ہونا۔ ④ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا۔ ⑤ قسم۔ ⑥ عقل کے مطابق۔ ⑦ مشغولی۔ ⑧ لمبا ہونا۔

زہد و قناعت

يَقُوْلُ: مَنْ بَلَغَهٗ عَنْ أَخِيْهِ مَعْرُوْفٌ مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ وَلَا إِشْرَافِ نَفْسٍ فَلْيَقْبَلْهُ وَلَا يَرُدُّهٗ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَيْهِ۔ [رواه أحمد بإسناد صحيح وابن حبان في صحيحه والحاكم كذا في الترغيب]	کو بغیر سوال کے اور بغیر اشرافِ نفس (یعنی طمع[1] اور حرص) کے اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز پہونچے، اُس کو قبول کرلینا چاہیے، اس کو رد نہ کرنا چاہیے، یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے روزی ہے جو اُس کو بھیجی گئی ہے۔

فائدہ: مُتعدَّد[2] احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ بلا طلب اور بلا طمع کے اگر کوئی ہدیہ ملے تو اس کو قبول کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کے واپس کرنے میں اللہ کی نعمت کا کُفران[3] ہے اور ٹھکرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اکابر[4] باوجود طبیعت نہ چاہنے کے بھی قبول کرتے ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطاء کے طور پر کچھ مرحمت فرماتے، میں عرض کردیتا کہ حضور! کسی ایسے شخص کو مرحمت فرمادیں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، لے لو جب کوئی مال ایسی طرح آوے کہ نہ تو اُس کا سوال کیا جائے، نہ اُس میں اشراف[5] نفس ہو، تو اس کو لے لیا کرو۔ پھر اگر دل چاہے تو اُس کو اپنے کام میں لاؤ اور دل نہ چاہے صدقہ کردیا کرو اور جو مال خود نہ آئے اس کی طرف دھیان بھی نہ لگاؤ۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادہ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی یہ عادت تھی کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تھے اور کہیں سے کچھ آتا تو اس کو رَدّ[6] نہ فرماتے۔

اسی قسم کا قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی پیش آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ مرحمت فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کو واپس کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس کیوں کردیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ہی نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ کسی سے کوئی چیز نہ لیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مانگ کر نہ لینا مراد ہے، جب بغیر مانگے کوئی چیز ملے، تو وہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے روزی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر حضور! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اب سے کبھی کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں گا اور بلا طلب ملے گی اُس کو قبول کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کچھ دام اور کچھ کپڑا

زہد وقناعت

حل لغات: ① لالچ۔ ② کئی۔ ③ ناشکری۔ ④ بزرگ۔ ⑤ دل کی چاہت۔ ⑥ لوٹانا۔

کسی قاصد[1] کے ہاتھ بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میری عادت تو کسی سے لینے کی نہیں ہے۔ جب وہ قاصد واپس جانے لگا، گھر سے نکلا ہی تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو واپس بلا لیا اور اُس ہدیہ کو رکھ لیا اور یہ فرمایا کہ مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ عائشہ! بے مانگے کوئی چیز ملے تو اُس کو لے لینا، وہ اللہ کی طرف سے روزی ہے جو تمہاری طرف بھیجی گئی۔ غالباً یہ ابتدائی[2] قصہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہدایا قبول کرنے لگیں۔ مُتعَدِّد[3] روایات میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑی بڑی رقمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش ہونا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان کو لے کر ہاتھ کے ہاتھ تقسیم کر دینا وارد ہوا ہے۔ واصل بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کسی سے کچھ مانگنا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں مانگنے کے متعلق میں نے کہا ہے، لیکن بغیر مانگے اگر اللہ تعالیٰ کوئی چیز مرحمت فرما دیں تو اس کو لے لینا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ بے مانگے کوئی چیز دلوائیں تو اُس کو قبول کرنا چاہیے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کو روزی بھیجی گئی ہے۔

عابد بن عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی روزی بغیر مانگے اور بغیر اشرافِ نفس[4] کے پیش کی گئی ہو، اُس سے اپنے خرچ میں وسعت[5] پیدا کرنا چاہیے اور اگر خود اُس کو حاجت نہ ہو تو پھر کسی ایسے شخص کو دے دینا چاہیے جو اپنے سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اِشرافِ نفس کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تُو اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ یہ شخص مجھے کچھ دے گا، فلاں شخص مجھے کچھ بھیجے گا۔ [ترغیب]

اِشراف کے اصل معنی جھانکنے کے ہیں۔ اِشرافِ نفس یہ ہے کہ نفس اس کو جھانک رہا ہو، اُس کی تاک میں لگا ہوا ہو، جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مجھے کچھ عطا کرے گا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس کو حرص[6] وطمع سے تعبیر[7] کرتے ہیں کہ اس میں بھی نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے مل جائے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشرافِ نفس کے معنی بعض نے ''شدّتِ[8] حرص'' کے فرمائے ہیں

حل لغات: (١) چٹھی لے جانے والا ایلچی۔ (٢) شروع شروع کا۔ (٣) کئی۔ (٤) دِلی خواہش۔ (٥) کشادگی۔ (٦) لالچ۔ (٧) مراد لینا۔ (٨) بہت زیادہ لالچ۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اشراف نفس یہ ہے کہ دینے والا گرانی[1] کے ساتھ عطا کرے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس چیز کے قبول کرنے کے آداب میں جو بے طلب کہیں سے آئے، لکھتے ہیں کہ اس میں تین چیزیں قابل غور و فکر ہوتی ہیں۔ ایک تو مال، دوسرے دینے والے کی غرض، تیسرے لینے والے کی غرض، یعنی اوّل تو مال دیکھنا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ اگر حرام مال ہے یا مُشتبہ[2] ہے، تو اُس سے احتراز[3] ضروری ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز دینے والے کی غرض کو دیکھنا ہے کہ وہ کس نیت سے دیتا ہے یعنی ہدیہ کی نیت سے دے رہا ہے، جس سے دوسرے کا دل خوش کرنا اور اس کی محبت کا بڑھانا مقصود ہے یا صدقہ کی نیت سے دے رہا ہے یا اپنی شہرت اور نمود[4] کی غرض سے دے رہا ہے (یا کسی اور فاسد[5] غرض سے دے رہا ہے، جس کا بیان دوسری حدیث میں آ رہا ہے) پس اگر محض ہدیہ ہے تو اس کا قبول کرنا سنت ہے (بہت سی احادیث میں ہدیہ کے دینے کی اور قبول کرنے کی ترغیبات آئی ہیں، بشرطیکہ اُس میں لینے والے پر مِنّت[6] واحسان اور بوجھ نہ ہو)۔ اگر مِنّت ہو تو رَدّ[7] کرنے میں مُضَائِقہ[8] نہیں اور اگر ہدیہ کی مقدار زیادہ ہونے پر مِنّت ہو تو اُس میں سے کچھ مقدار لے لینے اور کچھ مقدار واپس کر دینے میں مضائقہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے گھی اور پنیر اور ایک مینڈھا پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور پنیر قبول فرما لیا، مینڈھا واپس کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ بھی تھی کہ بعض کا ہدیہ قبول فرما لیتے اور بعض کا رَد فرما دیتے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا یہ ارادہ ہے کہ کسی شخص کا ہدیہ قبول نہ کروں بجُز[9] ان لوگوں کے جو قریشی ہوں یا انصاری یا ثقفی یا دوسی۔ (اور اس ارشاد کا مبنیٰ[10] یہ تھا کہ) ایک اعرابی[11] نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹنی پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ چونکہ ہدیہ کا بدلہ مرحمت فرمانے کی تھی، اس لیے اس کے بدلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ اونٹ اس کو دیے جو اُس نے کم سمجھے کہ وہ اُن سے بھی زائد کا امیدوار تھا اور اس پر اس نے ناگواری[12] کا اظہار کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ میں اس واقعہ کا ذکر فرما کر اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا اور جن لوگوں کو مستثنیٰ[13] کیا، ان کے اخلاص پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد تھا۔ [بذل]

اور حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہ معمول کثرت سے نقل کیا گیا کہ بعض ہدیہ قبول فرما لیتے، بعض کو رَدّ فرما دیتے۔

فتح بن شَخْرَف موصلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے ایک تھیلی پچاس درم کی پیش کی۔ انہوں نے فرمایا: مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ جس شخص کے پاس بلا طلب کوئی رزق آئے اور وہ اُس کو

حل لغات: (۱) بوجھ، ناپسندیدگی۔ (۲) شک والا۔ (۳) بچنا۔ (۴) دکھاوا۔ (۵) خراب۔ (۶) احسان۔ (۷) لوٹانا۔ (۸) حرج۔ (۹) سوائے۔ (۱۰) بنیاد۔ (۱۱) دیہاتی۔ (۱۲) ناپسندیدگی۔ (۱۳) الگ کرنا۔

واپس کردے، تو وہ اللہ کی روزی کو واپس کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ تھیلی لی اور اُس میں سے ایک درہم(۱) قبول کر کے باقی کو واپس کر دیا۔ حسن بصریؒ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، لیکن ان کے پاس ایک شخص دراہم کی تھیلی اور ایک گٹھری خراسان کے باریک کپڑوں کی لایا۔ انہوں نے اُس کو واپس فرما دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص اس مرتبہ پر بیٹھے جہاں میں بیٹھا ہوں (یعنی وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت کے مرتبہ پر) پھر لوگوں سے اس قسم کی چیزیں قبول کرے، وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسے حال میں ملے گا کہ اُس کا کوئی حصہ نہ ہو گا (یعنی آخرت میں کچھ نہ ملے گا، اس لیے کہ اس میں شائبہ(۲) دینی کام میں بدلہ لینے کا ہے)۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اصحابِ صُفّہ کو قرآن شریف پڑھایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کمان ہدیہ میں دی۔ میں نے یہ سوچا کہ یہ کچھ ایسا مال بھی نہیں ہے اور اللہ کے راستہ جہاد میں اس سے کام لوں گا۔ پھر بھی مجھے خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت تو کرلوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ آگ کا ایک طوق(۳) تمہارے گلے میں ڈال دیا جائے تو لے لو۔ [ابوداؤد]

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد) سے معلوم ہوا کہ قبول ہدیہ کے معاملہ میں عالم اور واعظ کا معاملہ زیادہ سخت ہے۔ اس کے باوجود حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (اپنے مخصوص) احباب سے ہدیہ قبول کرتے تھے (جہاں مُعاوَضَہ(۴) کا شبہ نہ ہوتا تھا)۔ اور ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب سے ایک ایک، دو دو درم لے لیتے تھے اور بعض لوگ سیکڑوں پیش کرتے تھے، اُس کو قبول نہ کرتے تھے اور بعض حضرات کا یہ معمول تھا کہ جب ان کو کوئی ہدیہ دیتا، تو وہ فرماتے کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو اور مجھے غور کر کے یہ بتاؤ کہ اگر اس کے قبول کرنے سے میری وقعت (محبت) تمہارے دل میں اس سے زیادہ بڑھ جائے، جتنی قبول کرنے سے پہلے ہے تب تو مجھے خبر دینا، میں لے لوں گا ورنہ نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی علامت یہ ہے کہ رَدّ(۵) کرنے سے دینے والے کی دِل شکنی(۶) ہو اور قبول کرنے سے اُس کو مَسرّت(۷) ہو اور اس کا قبول کر لینا وہ اپنے اوپر احسان سمجھتا ہو۔

بِشر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سِرّی سَقَطی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کبھی کسی سے سوال نہیں کیا، اُن سے البتہ اس لیے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ان کے زُہد(۸) کا حال معلوم ہے، مجھے یہ بات مُحَقَّق(۹) ہے کہ اُن کی مِلک(۱۰) سے کسی چیز کا نکل جانا اُن کی مسرت کا سبب ہوتا ہے اور ان کے پاس رہنا گرانی(۱۱) کا سبب ہوتا ہے، اس لیے میں ان سے لے کر ان کی خوشی میں مدد کرتا ہوں۔ ایک شخص خراسان کے رہنے والے

حل لغات: (۱) روپیہ، چاندی کا سکہ (۲) شبہ۔ (۳) ہار۔ (۴) بدلہ۔ (۵) لوٹانا۔ (۶) دل توڑنا۔ (۷) خوشی۔ (۸) بزرگی۔ (۹) ثابت۔ (۱۰) ملکیت۔ (۱۱) بوجھ۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سا مال ہدیہ میں لائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا، میں اس کو فقراء پر تقسیم کردوں گا۔ اُس نے عرض کیا: میں اس لیے نہیں پیش کرتا، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو آپ خود اپنے کھانے میں خرچ کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس کے ختم ہونے تک کہاں زندہ رہوں گا (بہت بڑی مقدار ہے، اس کے ختم ہونے کے واسطہ زمانہ چاہیے) اُس نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ اس کو سرکہ اور سبزی میں خرچ کریں (کہ برسوں میں ختم ہو) میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے آپ حلوا وغیرہ اچھی چیزیں نوش فرماویں۔ حضرت نے قبول فرمالیا۔ خراسانی نے عرض کیا کہ بغداد میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کا احسان مجھ پر آپ سے زیادہ ہو (اس وجہ سے کہ آپ نے میری درخواست پر میرا ہدیہ قبول فرمالیا)۔ حضرت نے فرمایا: تیرے جیسے شخص کا ہدیہ ضرور قبول کرنا چاہیے (یہ ساری بحث ہدیہ کی تھی)۔

دوسری قسم صدقات اور زکوٰۃ ہے، پس اگر وہ زکوٰۃ ہے تو لینے والے کو چاہیے کہ وہ یہ دیکھے کہ زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر مستحق ہے تو لے لے (زکوٰۃ کی فصل کے ختم پر اُس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے) اور اگر بغیر زکوٰۃ کا صدقہ ہے تو لینے والے کو یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ کیوں دے رہا ہے، اگر وہ اس کی دینداری کی وجہ سے دے رہا ہے تو اپنے حال پر نظر کرنا چاہیے کہ وہ در پردہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب[۱] تو نہیں ہے کہ اگر دینے والے کو اس گناہ کا علم ہوجائے تو کبھی بھی نہ دے اور اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہوجائے، اگر ایسا ہے تو اس کا لینا ناجائز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شخص کو عالم سمجھ کر کوئی شخص دے اور وہ محض جاہل ہو یا سیّد سمجھ کر کوئی شخص دے اور وہ سیّد نہ ہو، تو ان کو اس کا لینا بالکل جائز نہیں ہے، بے تردّد[۲] حرام ہے؛ اور اگر دینے والے کی غرض فخر و ریا[۳] اور شہرت ہے تو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ ممانعت[۴] ہے اور لینے والا گناہ میں مددگار ہوگا (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کا کھانا کھانے کی ممانعت[۵] فرمائی ہے، جو تفاخُر کے لیے کھلاتے ہوں)۔ [ترغیب]

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بعض ہدایا کو یہ کہہ کر واپس کردیتے تھے کہ اگر مجھے یہ یقین ہوجائے کہ دینے والا فخر کے طور پر اس کا ذکر نہیں کرے گا تو میں لے لوں۔ بعض بزرگوں پر جب اُن کے ہدایا واپس کرنے پر اعتراض کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ دینے والوں پر ترس کھا کر واپس کردیتا ہوں کہ وہ اس کا لوگوں سے تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان کا ثواب جاتا رہتا ہے، تو بغیر ثواب کے ان کا مال کیوں ضائع ہو۔

تیسری چیز لینے والے کی غرض ہے۔ اگر وہ محتاج ہے اور مال ان آفات سے محفوظ ہے، جو پہلے دو نمبروں میں گذریں تو اُس کا لینا افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لینے والا اگر محتاج ہے تو وہ

حل لغات: (۱) کرنے والا۔ (۲) بغیر شک وشبہ۔ (۳) دکھاوا۔ (۴) گناہ۔ (۵) منع کرنا۔

زہد و قناعت

صدقہ کے لینے میں ثواب کے اعتبار سے دینے والے سے کم نہیں ہے؛ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ کوئی مال بغیر مانگے اور بغیر اشرافِ[1] نفس کے دے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو اُس نے عطا فرمایا۔

اس مضمون کی مُتعَدَّد[2] روایات ابھی گزر چکی ہیں۔ علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص بغیر مانگے ملنے پر نہ لے، اُس کو مانگنے پر بھی نہیں ملتا۔

حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے واپس کر دیا، تو حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ احمد رحمۃ اللہ علیہ واپس کرنے کا وبال[3] لینے کے وبال سے سخت ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ پھر اس بات کو فرمادیں (تا کہ میں اس پر غور کروں)۔ حضرت سرّی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر یہی بات فرمائی کہ واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے اس لیے واپس کیا کہ میرے پاس ایک مہینے کے گذر کے قابل موجود ہے۔ آپ اس کو اپنے پاس رہنے دیجیے۔ ایک مہینہ کے بعد مجھے مرحمت فرمادیں۔

بعض علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص احتیاج[4] کے باوجود واپس کردے، وہ کسی سزا میں مبتلا ہوتا ہے، طمع[5] پیدا ہوجائے یا مشتبہ مال لینا پڑ جائے یا کوئی اور آفت ایسی ہی آجائے اور اگر اُس کو احتیاج نہیں ہے تو پھر یہ دیکھے کہ وہ انفرادی زندگی گزارتا ہے یا اجتماعی۔ یعنی اگر وہ یکسُو[6] رہتا ہے، دوسرے لوگوں سے اس کے تعلقات نہیں ہیں تو ایسے آدمی کو ضرورت سے زیادہ لے کر اپنے پاس روکنا نہیں چاہیے کہ یہ محض اتباعِ خواہش ہے اور اُس کو فتنہ میں مبتلا کردینے کا سبب ہے، اگر کسی وجہ سے لے لے تو اُس کو دوسروں پر تقسیم کردے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی عطا اس وجہ سے قبول نہیں کی کہ ان کو خود تو حاجت نہ تھی اور یہ گوارا[7] نہ ہوا کہ اُس کو لے کر اُس کی تقسیم اور خرچ کرنے میں اپنے اوقات کو مشغول کریں، اس لیے کہ اس میں بہت سی آفات اور بہت سی دقتیں[8] تھیں اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آفات کے محل[9] سے دور رہے، اس لیے کہ شیطان کے مکر[10] سے کسی وقت میں اطمینان نہیں۔

ایک شخص مکّہ کے رہنے والے کہتے ہیں کہ میرے پاس کچھ دراہم تھے، جن کو میں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لیے رکھا تھا۔ میں نے ایک فقیر کی آواز سنی جو طواف سے فارغ ہو کر بہت آہستہ سے (کعبہ کا پردہ پکڑ کر) کہہ رہے تھے: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں بھوکا ہوں، اے اللہ!

حل لغات: (۱) دل کی چاہت۔ (۲) کئی۔ (۳) عذاب، گناہ۔ (۴) ضرورت۔ (۵) لالچ۔ (۶) اکیلا، تنہا۔ (۷) پسند۔ (۸) پریشانیاں۔ (۹) جگہ۔ (۱۰) دھوکہ۔

تجھے معلوم ہے کہ میں ننگا ہوں، اے وہ ذات پاک جو دوسروں کو دیکھتی ہے، اُس کو کوئی نہیں دیکھتا۔ میں نے جو اُن فقیر صاحب کی طرف نگاہ کی تو اُن کے بدن پر دو پرانی چادریں تھیں جن سے اُن کا بدن ڈھکا بھی نہ جاتا تھا، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میرے دراہم کا مَصرَف[1] ان سے بہتر نہیں ملے گا۔ میں نے وہ سب اُن کے سامنے پیش کر دیے۔ انھوں نے اُن میں سے صرف پانچ درہم لے کر باقی مجھے واپس کر دیے اور یہ کہا کہ چار درہم دو لنگیوں کی قیمت ہے اور ایک درہم تین دن کھانے میں خرچ ہو جائے گا (ایک درم تقریباً ساڑھے تین آنے کا ہوتا ہے) میں نے دوسری رات کو ان کو دیکھا کہ دو نئی لنگیاں ان کے بدن پر تھیں۔ میرے دل میں اُن کی طرف سے کچھ خطرہ گزرا انھوں نے مجھے دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ طواف کرایا تو طواف کے ساتوں چکروں کے ہر پھیرے میں میرے پاؤں کے نیچے معدنیات بھرے پڑے تھے کہ پاؤں کے نیچے وہ حرکت کرتے تھے، جس میں سونا، چاندی، یاقوت، موتی اور جواہرات تھے۔ مجھے وہ نظر آرہے تھے اور لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ اس کے بعد اُن صاحب نے کہا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرما رکھا ہے، لیکن میں اس میں سے لینا نہیں چاہتا، لوگوں کے ہاتھ سے لے کر خرچ کرتا ہوں اس لیے کہ اس میں ان لوگوں کا نفع ہے جن سے لوں اور اُن پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

غرض ان واقعات سے یہ ہے کہ ضرورت سے زائد لینا فتنہ کا سبب ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے کہ اُس کو کس کام میں خرچ کیا اور بقدر حاجت کا لینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، پس آدمی کو رحمت اور امتحان میں فرق کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ [سورۂ کہف: ۷] ترجمہ: ہم نے جو کچھ زمین کے اوپر ہے اُس کو زمین کے لیے زینت[2] بنا رکھا ہے، تاکہ ان لوگوں کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ ان میں کون شخص زیادہ اچھے عمل کرتا ہے (اور کون نہیں کرتا، یعنی کون شخص اس زیب و زینت میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور کون اس سے اعراض[3] کر کے خدا میں مشغول رہتا ہے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لیے تین چیز کے علاوہ کوئی حق نہیں۔ ایک اتنی مقدار کھانا جس سے کمر سیدھی رہے، ایک اتنا کپڑا جس سے بدن ڈھکا رہے اور ایک گھر جس میں آدمی سما سکے، اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ حساب ہے۔ پس ان تینوں چیزوں میں سے صرف ضرورت کی مقدار تو باعثِ[4] اجر ہے، اس سے زیادہ میں اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی نہ کرے، تب بھی حساب تو ہے ہی اور اگر نافرمانی بھی کی تو عذاب بھی ہے۔ پس ضرورت سے زائد اگر کچھ ہو بھی، تو وہ محتاجوں پر صَرف[5] کر دے۔ یہ سب تو انفرادی زندگی کا حال تھا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کی اجتماعی

حل لغات: (۱) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۲) خوبصورتی۔ (۳) منہ پھیرنا۔ (۴) ثواب کا سبب۔ (۵) خرچ۔

زہد و قناعت

زندگی ہے، اس کی طبیعت میں جود[1] وسخا کا مادہ ہے، فقراء اور صلحاء[2] کی جماعت اُس سے وابستہ[3] ہے، اُن کی ضروریات بھی پوری کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو ایسے شخص کو اپنی حاجت سے زائد لینے میں مضائقہ[4] نہیں لیکن لینے کے بعد بہت جلد اُس کو خرچ کر دینا چاہیے، اہلِ ضرورت پر بانٹ دینا چاہیے، ایک رات بھی اس کو اپنے پاس رکھنا فتنہ کی بات ہے، ایسا نہ ہو کہ دل میں اس کا خیال پیدا ہونے لگے، خرچ کرنے سے طبیعت رکنے لگے بلکہ ایسے شخص کو اللہ پر اعتماد کر کے قرض لے کر خرچ کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اس کا قرض ادا فرمائیں گے۔ [احیاء]

⑤ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْدٰى إِلَيْهِ أَوْ حَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ۔ [رواه ابن ماجه والبيهقي في الشعب كذا في المشكوة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے پھر وہ قرضدار اُس کو کوئی ہدیہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرائے، تو نہ ہدیہ قبول کرے، نہ اُس کی سواری پر سوار ہو، البتہ اگر اس قرض کے معاملہ سے پہلے اس قسم کا برتاؤ دونوں میں تھا تو مضائقہ نہیں۔

فائدہ: یعنی اگر اس سے پہلے سے آپس میں اس قسم کے تعلقات ہدیہ وغیرہ کے یا اس کی چیز مُستعار[5] لینے کے تھے، تب تو قرض کی حالت میں بھی اس کے قبول کرنے میں مُضائقہ نہیں اور اگر پہلے سے ایسے تعلقات نہ تھے بلکہ اب قرضدار ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے، تو وہ سُود ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: حضرت ابو بُردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ کے رہنے والے ہو، جہاں سُود کا بہت رواج ہے، پس اگر تمہارا کسی شخص کے ذمہ کوئی حق ہو، پھر وہ تمہارے یہاں بھُس کی گٹھری یا گھاس کی گٹھری ڈال دے تو اُس کو مت لینا، وہ سود ہے۔ [مشکوۃ]

پس ہدیہ قبول کرنے میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ دینے والے کی کوئی فاسد[6] غرض تو نہیں ہے۔ جیسا کہ قرض ہی کی صورت میں علاوہ سود ہونے کے اگر یہ بھی غرض ہے کہ قرض خواہ تقاضا نہ کرے، تو یہ سُود کے ساتھ رشوت بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث میں رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر، دونوں پر لعنت آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر لعنت کی ہے۔ ایک اور حدیث میں

حل لغات: ① سخاوت، فیاضی۔ ② نیک لوگ۔ ③ متعلق، لگی ہوئی۔ ④ حرج۔ ⑤ اُدھار۔ ⑥ غلط مقصد۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس قوم میں سود کا رواج ہوگا، ان پر قحط[1] مُسَلّط[2] ہوگا؛ اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہوگا، وہ مرعوب اور خوف[3] زدہ ہوں گے، مُتعَدَّد[4] احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے کو، رشوت دینے والے کو اور اس شخص کو جو رشوت کے معاملہ میں درمیانی واسطہ بنے، لعنت فرمائی ہے۔ [ترغیب]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، وہ جب اپنے کام سے فارغ ہوکر واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یہ مال تو صدقہ میں ملا ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ کے طور پر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ بعض لوگوں کو صدقہ کا مال وصول کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے، وہ آکر یہ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے، اپنے باوا[5] کے گھر یا اپنی میّا[6] کے گھر بیٹھ کر دیکھتے کہ ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ [مشکوٰۃ]

جیسا کہ پہلی احادیث میں قرض کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر بلا معاملہ قرض کے یہ صورت ہدیہ کی پہلے سے ہو تو مضائقہ نہیں، اُسی کی طرف اس عتاب[7] میں بھی اشارہ ہے کہ بغیر حاکم ہونے کی صورت میں اپنے گھر بیٹھے جس شخص کا ہدیہ ملتا ہو وہ تو ہدیہ ہے، لیکن جو ہدیہ محض حاکم ہونے کی وجہ سے دیا جاتا ہو، وہ ہدیہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے اور اس سفارش کی وجہ سے اُس کو ہدیہ میں کوئی چیز ملے اور وہ اس کو قبول کرلے، تو وہ سود کے دروازوں میں سے بہت بڑے دروازے میں داخل ہوگیا۔ [مشکوٰۃ]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا جو مجھے راستہ سے واپس بُلا کر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیوں بلایا ہے؟ کوئی چیز میری بغیر اجازت نہ لینا کہ یہ خیانت ہوگی۔ ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۶۱] اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس کو قیامت میں (اپنے اوپر لادکر عدالت میں) لائے گا۔ [مشکوٰۃ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے ایک غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گئے، وہ ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سامان باندھ رہے تھے کہ ایک تیر کہیں سے آکر اُن کے لگا جس سے وہ شہید

حل لغات: (۱) سوکھا۔ (۲) چھاجانا، سوار ہونا۔ (۳) ڈرے ہوئے۔ (۴) کئی۔ (۵) ابا۔ (۶) ماں۔ (۷) ناراضگی۔

زہدو قناعت

ہو گئے۔ لوگوں نے کہا کہ اُن کو شہادت مبارک مبارک (کہ حضور ﷺ کے غلام اور پھر اضافہ شہادت کا، مبارکبادی کی بات ہے ہی) حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اُس نے ایک چادر کی خیانت کر لی تھی، جو اس وقت آگ بن کر اس کو لپٹ رہی ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حُنَین کی لڑائی میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا، جب جنازہ تیار ہوا تو حضور ﷺ کی خدمت میں نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ حضور ﷺ نے فرما دیا کہ تم ہی اس کی نماز پڑھ لو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے (رنج کی وجہ سے) چہرے اُتر گئے۔ حضور ﷺ نے جب ان کو اَفسُردہ(۱) دیکھا تو فرمایا کہ اس نے خیانت کر رکھی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اُس مرحوم کے سامان کی تلاشی لی، تو اس میں یہود کے موتیوں میں سے کچھ چھوٹے چھوٹے موتی (جن کو پوتھ کہتے ہیں) ملے، جو دو درم (یعنی تقریباً سات آنے) کے بھی نہ ہوں گے۔ [درمنثور]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ خود طَیِّب(۲) ہیں، اس لیے طیب ہی مال قبول فرماتے ہیں اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے مسلمانوں کو اُسی چیز کا حکم فرمایا جس کا رسولوں کو حکم فرمایا: چنانچہ ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ [سورہ مومنون: ۵۱] اے رسولو! کھاؤ اچھی چیزیں (یعنی حلال مال) اور نیک عمل کرو۔ اور مؤمنوں کو فرمایا۔ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوا﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۷۲] اے مومنو! کھاؤ طیب چیزیں ان میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک آدمی کا کہ لمبے سفر میں جا رہا ہے (جو دعا قبول ہونے کا خاص محل(۳) ہے) پریشان، بال غبار میں بھرا ہوا (جس سے اس کی مَسکَنَت(۴) بھی معلوم ہوتی ہے) پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر اے اللہ اے اللہ! (کر کے دعائیں) کرتا ہے، لیکن اُس کا کھانا حرام (مال سے) ہے، پینا حرام ہے، لباس حرام ہے اور حرام مال ہی سے پَرْوَرِش(۵) ہوئی ہے، بھلا اُس کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے، جس میں آدمی کو یہ بھی پروانہ ہوگی کہ حلال مال سے ملا یا حرام مال سے۔ [مشکوٰۃ]

ان کے علاوہ بہت سے مختلف مضامین کی روایات کتب احادیث میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، جن میں بہت زیادہ تنبیہ اس پر کی گئی ہے کہ آدمی کو آمدنی کے ذرائع پر کڑی نگاہ کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ پیسہ کے لالچ میں ناجائز آمدنی سے چَشْم پُوشی(۶) کر لے۔ اس سلسلہ میں اہلِ علم کی ذمّہ داری عام لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے کہ وہ جائز ناجائز کو خود سمجھتے ہیں، بالخصوص اہلِ مدارس اور دوسرے ایسے حضرات جن کا

حل لغات: (۱) غمگین۔ (۲) پاک۔ (۳) جگہ، وقت۔ (۴) عاجزی۔ (۵) پلنا بڑھنا۔ (۶) توجہ نہ کرنا، نظر انداز کرنا۔

زہد و قناعت

تعلق چندہ کے مال سے ہے، اُن کو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے حضرت بَقِیَّۃُ السَّلَف فَخْرُ الاَمَاثِل حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ان مدارس کے روپیہ سے جتنا ڈرتا ہوں، لوگوں کے مَمْلُوک[1] روپیہ سے اتنا نہیں ڈرتا، اگر کسی کے ذاتی مال میں کچھ بے احتیاطی ہوجائے اُس سے آخر میں معاف کرالے تو وہ معاف ہوجاتا ہے، لیکن مدارس کا روپیہ دنیا بھر کا چندہ ہے اور منتظمین مدارس امین ہیں اگر اس میں کوئی خیانت ہو یا ناحق تصرّف[2] ہو تو منتظمین کے معاف کرنے سے معاف تو ہوتا نہیں، البتہ وہ خود معاف کرکے اس جرم میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف[3] وکرم سے حقوق العباد[4] کے معاملہ سے محفوظ رکھے کہ یہ بڑی سخت چیز ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں قیامت کے دن تین کچہریاں[5] ہیں۔ ایک کچہری میں تو معافی کا ذکر ہی نہیں، یہ تو شرک وتوحید کی کچہری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمادیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ الاٰیۃ [سورۂ نساء:۴۸]

حق تعالیٰ شانہٗ شرک کو تو معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف کردیں گے۔ دوسری کچہری میں (بغیر محاسبہ[6] کے) اللہ تعالیٰ نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ اُس کا بدلہ نہ لے لے اور یہ لوگوں کے ایک دوسرے پر ظلم کی ہے (چاہے جانی ہو جیسا کہ بُرا بھلا کہنا، آبروریزی[7] کرنا، عیب لگانا وغیرہ وغیرہ یا مالی ہو کہ کسی کا مال ناحق طریقہ سے لے لیا ہو) اور تیسری کچہری اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے، اُس میں چاہے عذاب دے دے، چاہے معاف کردے۔ [مشکوٰۃ]

ان احادیث کے ذکر کرنے سے یہی مقصد ہے کہ آدمی کو اپنی آمدنی کے ذرائع پر بہت گہری نگاہ رکھنا چاہیے کہ آمدنی اگر حرام ہو تو نہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ ابھی گزرا، نہ اس کے صدقات قبول ہوں جیسا کہ زکوٰۃ کے بیان میں مُتَعَدِّد[8] روایات اس کی گزر چکی ہیں، بلکہ بعض روایات میں یہ مضمون بھی گزر چکا ہے کہ جو گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو، جہنم کی آگ اُس کے لیے زیادہ موزوں[9] ہے اور آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی اس قسم کے مضامین آرہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

⑥ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَزُوْلُ	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے دونوں قدم اُس وقت تک

حل لغات: ① وہ مال جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ ② استعمال۔ ③ مہربانی۔ ④ بندوں کے حق۔ ⑤ عدالتیں۔ ⑥ جائزہ، حساب کتاب۔ ⑦ بے عزتی کرنا۔ ⑧ کئی۔ ⑨ مناسب۔

قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَ فِيْمَا أَنْفَقَهٗ وَمَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔	(محاسبہ[1] کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکتے، جب تک پانچ چیزوں کا مطالبہ نہ ہو جائے (اور ان کا معقول[2] جواب نہ ملے)۔ ① اپنی عمر کس کام میں خرچ کی۔ ② اپنی جوانی کس چیز میں خرچ کی۔ ③ مال کہاں سے کمایا اور ④ کہاں خرچ کیا۔ ⑤ اپنے علم میں کیا عمل کیا۔

[رواه الترمذي وقال: حديث غريب كذا في المشكوٰة/ ٢٢٥ ـ وقد روي هذا الحديث عن معاذ بن جبل وأبي برزة الأسلمي في الترغيب/ ٤٣]

فائدہ: یہ حدیث پاک کئی صحابہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں حضور اقدس ﷺ نے مختصر طریقہ سے قیامت کے محاسبوں کی فہرست شمار کر دی اور ان میں سے ہر ہر چیز کے متعلق دوسری احادیث میں مختلف عنوانات سے اُن پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ سب سے اوّل مطالبہ اور جواب طلب چیز یہ ہے کہ اپنی عمر جس کا ہر سانس انتہائی قیمتی سرمایہ[3] ہے کس چیز میں خرچ کی؟ ہم لوگ کیوں پیدا کیے گئے؟ ہماری زندگی کسی مصلحت کے لیے ہے، کسی کام کے لیے ہے یا ایک بیکار چیز پیدا کی گئی؟ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ [در منثور]

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ[4] ﴾ [سورۂ مومنون ۱۱۵]

''ہاں تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار (فضول) پیدا کیا ہے اور (تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ) تم ہماری طرف نہیں لائے جاؤ گے (اور تمہیں اپنی زندگی کا حساب دینا نہیں ہوگا)'' اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مقصدِ زندگی بھی خود ہی ارشاد فرما دیا:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ [سورۂ ذاریات: ۵۶]

ترجمہ: ''میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

ایسی حالت میں ہر شخص کو اپنی زندگی کے پورے اوقات کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ اپنے قیمتی اوقات کا کس قدر حصہ تو اس مقصد میں خرچ کرتا ہے، جس کام کے لیے وہ پیدا کیا گیا اور کتنا حصہ اپنی

حل لغات: ① حساب کتاب۔ ② عقل کے موافق۔ ③ پونجی، مال۔ ④ اس آیت شریفہ کے متعلق ایک عجیب چیز حدیث میں آئی ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ نے ایک لڑائی پر بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا کہ صبح شام اس آیت شریفہ کو پڑھتے رہا کرو، ہم پڑھتے رہے ہم کو اس لڑائی میں غنیمت بھی ملی اور ہم صحیح سالم بھی رہے۔

ضروریات، تفریحات[1] اور غیر متعلق مشاغل[2] میں خرچ کرتا ہے۔

آپ ایک مِعمار[3] کو تعمیر کے کام کے واسطے نوکر رکھتے ہیں، وہ آپ کے اوقات میں کتنا وقت تعمیر میں خرچ کرتا ہے اور کتنا حُقّہ بازی اور اپنے کھانے میں۔ اس کا آپ خود اندازہ کرلیں کہ کتنا وقت آپ اس کی اپنی ضروریات میں برداشت کر سکتے ہیں؛ اور جتنا آپ اپنے ماتحتوں[4] سے تسامُح[5] کر سکتے ہیں اتنا ہی تسامُح اپنی ذات کے لیے بھی برداشت کریں۔

آپ ایک شخص کو دوکان پر رہنے کے لیے ملازم رکھتے ہیں، اسی کی اس کو تنخواہ دیتے ہیں وہ دن بھر اپنی خانگی[6] ضروریات میں لگا رہتا ہے، چند منٹ کو ایک پھیرا دوکان پر بھی لگا جاتا ہے۔ کیا آپ گوارا[7] کرلیں گے کہ اس کو پوری تنخواہ دیتے رہیں؟ اور اگر نہیں، تو پھر اپنے متعلق آپ کا کیا عذر ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے محض عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ مالک و خالق ہر وقت آپ کو اپنی عطاؤں سے نوازتا ہے اور آپ اپنے فضول کاموں میں عمر گذار دیں اور اپنے آپ کو تسلّی دیتے رہیں کہ پانچ وقت نماز میں حاضری تو دے دیتے ہیں اور کیا ہوسکتا ہے؟ غور کر لیجیے کہ یہ جواب اپنے نوکروں سے بھی برداشت کرلیں گے؟

حق تعالیٰ شانُہٗ کا محض انعام واحسان ہے کہ اُس نے تمام اوقات کی عبادت فرض نہیں فرمائی بلکہ اُس کا بہت تھوڑا سا حصہ فرض کیا ہے، اُس میں بھی اگر کوتاہی ہو تو کتنا ظلم ہے۔

مطالبہ کی دوسری چیز حدیثِ بالا میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جوانی کی قوت[8] کس چیز میں خرچ کی گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے کاموں میں؟ اُس کی عبادت میں؟ مظلوموں کی حمایت[9] میں؟ ضعیفوں[10] اور اپاہجوں کی اعانت[11] میں؟ یا فسق[12] و فجور میں؟ عیاشی[13] اور آوارگی میں؟ بے بسوں پر ظلم کرنے میں؟ ناحق کی مدد کرنے میں؟ ناپاک دنیا کے کمانے میں؟ اور دین و دنیا دونوں جگہ کام نہ آنے والے فضول مشغلوں میں؟

اس کا جواب ایسی عدالت میں دینا ہے جہاں نہ تو کوئی وکالت چل سکتی ہے، نہ جھوٹ فریب اور لَسّانی[14] کام آسکتی ہے۔ جہاں کی خفیہ[15] پولس ہر وقت، ہر آن آدمی کے ساتھ رہتی ہے اور یہی نہیں بلکہ خود آدمی کے وہ اعضاء[16] جن سے یہ حرکات کی ہیں، وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں اور جرائم[17] کا اقرار کریں گے۔

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [سورۂ یٰس: ۶۵]

حل لغات: (۱) کھیل کود۔ (۲) کام۔ (۳) مستری۔ (۴) یعنی نوکروں۔ (۵) معاف۔ (۶) گھر کی۔ (۷) پسند۔ (۸) طاقت۔ (۹) مدد۔ (۱۰) بوڑھوں۔ (۱۱) مدد۔ (۱۲) گناہ کے کام۔ (۱۳) مستی۔ (۱۴) چکنی چپڑی باتیں بنانا۔ (۱۵) سی۔آئی۔ڈی۔ (۱۶) جسم کے حصے۔ (۱۷) جرم کی جمع۔

آج (یعنی قیامت کے دن) ہم اُن کے مونہوں پر مُہر لگادیں گے (تا کہ لغو[1] اعذار نہ گھڑیں) اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اُس چیز کی جو کچھ یہ کیا کرتے تھے۔

یعنی ہاتھ خود بول اُٹھے گا کہ مجھ سے کس کس پر ظلم کیا گیا، کیا کیا ناجائز حرکات مجھ سے صادر کرائی گئیں۔ پاؤں خود گواہی دے گا کہ مجھے کیسی کیسی ناجائز مجلسوں میں لے جایا گیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللهِ إِلَى النَّارِ﴾ الآیة [سورۂ حٰم سجدہ:۱۹] ''اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے، پھر ان کو (ایک جگہ چلتے چلتے) روک دیا جائے گا (تا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہوجائیں) یہاں تک کہ جب سب دوزخ کے قریب آجائیں گے (اور حساب شروع ہوگا) تو ان کے کان اور آنکھیں اور کھال (اُن کے اوپر اُن کے اعمال کی) گواہی دیں گے اور وہ لوگ اپنے اُن اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ اعضاء کہیں گے، ہم کو اُس (قادر) نے بولنے کی طاقت دی، جس نے ہر چیز کو گویائی[2] عطا فرمائی اور اسی نے تم کو اوّل مرتبہ پیدا کیا تھا اور اُسی کے پاس اب (دوبارہ زندہ کرکے) لائے گئے ہو۔ (آگے حق تعالیٰ شانُہٗ تنبیہ فرماتے ہیں) اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تم پر تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی (اور ظاہر ہے کہ آدمی جو جو حرکتیں کرتا ہے، اُس کے آنکھ کان وغیرہ تو اس کو دیکھتے ہی ہیں، اُن سے کیسے چھپا کر کوئی شخص کوئی کام کرسکتا ہے) لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں (جو چاہو کر گذرو، کون پوچھ سکتا ہے؟) اور تمہارے اس گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کر رکھا تھا (کہ اس کو خبر بھی نہیں ہے) تم کو برباد کردیا، پس تم خسارہ[3] میں پڑ گئے''۔

احادیث میں بہت سی روایات ان گواہیوں کے بارے میں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم[4] فرمایا: جس سے دندان[5] مبارک ظاہر ہوگئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو میں کیوں ہنسا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اپنے مولا سے قیامت کے دن یوں کہے گا کہ یا اللہ! تو نے مجھ پر ظلم سے تو امان دے رکھی ہے، ارشاد ہوگا کہ بالکل، تو بندہ کہے گا: یا اللہ! میں اپنے خلاف کسی دوسرے کی گواہی معتبر نہیں مانتا۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا ہم تجھی کو تیرے نفس پر گواہ بناتے ہیں۔ اُس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے بدن کے اعضاء سے پوچھا جائے گا اور جب وہ اپنے سب اعمال گنوادیں گے تو منہ کی مہر ہٹادی جائے گی، تو وہ اپنے اعضاء سے کہے گا: کم بختو! تمہارا

حل لغات: (۱) بے کار بہانے۔ (۲) بولنے کی طاقت۔ (۳) نقصان۔ (۴) مسکرانا۔ (۵) دانت۔

زہد وقناعت

ناس ہو،تمہارے ہی لیے تو میں یہ چیزیں کرتا تھا (یعنی ان حرکتوں کی لذّتیں تم کو ہی تو ملتی تھیں تم ہی اپنے خلاف گواہی دینے لگے، مگر اعضاء بھی مجبور ہیں کہ اُس دن کوئی چیز خلافِ حق بات نہ کہہ سکیں گے)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے اعضاء میں سب سے پہلے بائیں ران بولے گی کہ اُس سے کیا کیا حرکتیں ہوئیں اور اس کے بعد دوسرے اعضاء بولیں گے، غرض ہر عضو اپنے کیے ہوئے نیک اور بد اعمال گنوادے گا۔اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ کو انگلیوں پر گنا کرو، اس لیے کہ قیامت کے دن ان اعضاء کو گویائی عطا ہوگی اور ان سے باز پُرس[1] ہوگی۔

یعنی جہاں یہ اعضاء اپنے گناہ گنوائیں گے، وہاں بہت سے نیک کام بھی تو گنوائیں گے۔ جہاں ہاتھ بُری حرکات ظلم وستم اور ناجائز افعال بتائے گا، وہاں اللہ کا پاک کام اس سے گننا، صدقات کا دینا، نیک اعمال میں ہاتھوں کا مشغول رکھنا بھی تو بتائیں گے۔غرض یہ مضمون اپنی تفصیل کے اعتبار سے بہت طویل[2] ہے، لیکن مختصر یہ ہے کہ ان اعضاء کو جوانی کے زور میں ظلم وستم اور ناجائز حرکات سے بچانے کی بہت ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ وَالنِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّیْطٰنِ۔ ترجمہ:''جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے اور عورتیں شیطان کا جال ہیں''۔ [جامع صغیر]

یعنی آدمی اپنے جنون کی وجہ سے اس جال میں پھنس جاتا ہے۔ ہر جمعہ کو خطبہ میں یہ الفاظ سنے جاتے ہیں۔اس وقت جوانی کے نشہ میں ذرا بھی اس کا خیال ہم لوگوں کو نہیں ہوتا کہ اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ ہم اُس کی قوت[3] کو گناہوں میں اور دنیا کمانے میں ضائع کررہے ہیں، حالانکہ جوانی اس لیے ہے کہ اُس کی قوت کو ایسے کام میں خرچ کیا جائے جو مرنے کے بعد کام آئے۔خوش قسمت ہیں وہ نوجوان جو اللہ کے کام میں ہر وقت مُنْہَمِک[4] رہتے ہیں اور گناہوں سے دور رہتے ہیں۔

تیسری چیز جو حدیثِ بالا[5] میں ذکر کی گئی، جس کے جواب بغیر قیامت میں حساب کی جگہ سے ٹلنا نہ ہوسکے گا، وہ یہ ہے کہ مال جو حاصل کیا کس ذریعہ سے کیا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ اس سے پہلی حدیث میں کچھ ذکر اس کا آچکا ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی ناجائز طریقہ سے جو مال حاصل کرتا ہے اگر اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہ ہوگا، خرچ کرے تو برکت نہ ہوگی اور جو ترکہ[6] چھوڑے گا وہ اس کے لیے جہنم کا ذخیرہ ہوگا۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جو گوشت (یعنی آدمی کے بدن کا ٹکڑا) حرام مال سے نشوونما[7] پائے، جہنم اس کے لیے بہتر ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی دس[10] درم کا کپڑا خریدے

حل لغات: (۱) پوچھ تاچھ۔ (۲) لمبا۔ (۳) طاقت۔ (۴) مشغول۔ (۵) اوپر ذکر کی گئی حدیث۔ (۶) مرنے والے کی جائیداد۔ (۷) پلنا بڑھنا۔

زہد وقناعت

اوران میں ایک درم ناجائز آمدنی کا ہوتو جب تک وہ کپڑا بدن پر رہے گا، اُس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ [مشکوٰۃ]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مُتعَدّد[1] احادیث میں آیا ہے کہ روزی کو دور نہ سمجھو، کوئی آدمی اُس وقت تک مر ہی نہیں سکتا جب تک کہ جو اس کے مُقدّر میں روزی لکھ دی گئی ہے وہ اس کو نہ مل جائے۔ لہٰذا روزی کے حاصل کرنے میں بہتر طریقہ اختیار کرو، حلال روزی کماؤ، حرام کو چھوڑو۔ کئی حدیثوں میں ہے کہ رزق آدمی کو اسی طرح تلاش کرتا ہے، جس طرح موت آدمی کو تلاش کرتی ہے۔ یعنی جس طرح آدمی کو اُس کی موت آئے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح اس کو اس کی روزی جو اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے بغیر ملے چارہ کار نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی اپنی روزی سے بھاگنا بھی چاہے تو وہ اُس کو پاکر رہے گی جیسا کہ موت اس کو لامحالہ[2] پاکر رہے گی، ایک حدیث میں ہے کہ روزی آدمی کے لیے متعین ہے، اگر ساری دنیا کے جن وانس مل کر اُس کو روزی سے ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تجھ میں چار چیزیں ہوں تو دنیا کی کسی چیز کے نہ ہونے کا قلق[3] نہیں ہے۔ امانت کی حفاظت، بات میں سچائی، اچھی عادت، روزی میں پاکیزگی۔ ایک حدیث میں ہے: مبارک ہے وہ شخص جس کی کمائی اچھی ہو (یعنی پاکیزہ ہو)، اُس کا باطن[4] نیک ہو، اُس کا ظاہر شریفانہ ہو، لوگ اُس کی برائی سے محفوظ ہوں۔ مبارک ہے وہ شخص جو اپنے علم پر عمل کرے اور ضرورت سے زائد مال کو (اللہ کی راہ[5] میں) خرچ کر دے اور ضرورت سے زائد بات کو روک لے۔ یعنی بے ضرورت بات نہ کیا کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے اس بات کی دعا کر دیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ مجھے ''مُستجابُ الدُّعاء'' (جو دعا کرے، وہ قبول ہوجائے) بنادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی روزی کو پاکیزہ بنالو (مشتبہ مال نہ کھاؤ) ''مُستجابُ الدُّعاء'' بن جاؤ گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ آدمی ایک حرام کا لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے، جس سے اُس کی چالیس دن کی عبادت نامقبول بن جاتی ہے اور جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو، جہنم اُس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اور بھی بہت سی روایات اسی مضمون کی احادیث میں آئی ہیں۔ [ترغیب]

اس لیے اپنی آمدنی کے ذرائع میں بڑی احتیاط کرنا چاہیے۔ ظاہر کے اعتبار سے اگر اس احتیاط میں کوئی نقصان نظر میں آتا ہو، تب بھی برکت اور مال[6] کے اعتبار سے وہ کمی بہت زیادہ فائدہ مند اور نقصان سے بچانے والی ہے۔

چوتھا مطالبہ حدیثِ بالا[7] میں یہ ہے کہ مال کو کہاں خرچ کیا۔ یہ رسالہ سارا ہی اس مضمون میں ہے

حل لغات: (۱) کئی۔ (۲) ضرور، یقینا۔ (۳) افسوس، رنج۔ (۴) اندرون، دل۔ (۵) راستہ۔ (۶) انجام۔ (۷) اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔

زہد و قناعت

کہ آدمی کے مال میں اس کے کام آنے والا صرف وہی ہے جس کو اللہ کے راستہ میں آدمی خرچ کردے، اس کے موجود رہنے میں اس کے علاوہ کہ وہ اپنے کام نہ آسکا بےکارِ محض[1] رہا۔ مُتعَدَّد[2] نقصانات بھی دوسری فصل کے ختم پر گزر چکے ہیں اور جتنی زیادہ مال کی کثرت ہوگی اتنا ہی زیادہ حساب میں دیر لگنا تو ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ قیامت کا وہ سخت ترین ہوش رُبا[3] دن جس میں گرمی کی شِدَّت[4] سے ہر شخص پسینہ پسینہ ہو رہا ہوگا، ہر شخص خوف کی شِدَّت سے ایسا معلوم ہوگا جیسا کہ نشہ میں ہو مگر حقیقتاً نشہ نہ ہوگا، جس کے متعلق حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے:﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝﴾ [سورۂ حج:۲] ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ (جو عنقریب[5] آنے والا ہے) بہت سخت چیز ہے۔ جس دن تم اس کو دیکھو گے تمام دودھ پلانے والی عورتیں (خوف کی وجہ سے) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حاملہ عورتیں (دہشت[6] کی وجہ سے) اپنے حمل (وقت سے پہلے ہی) اَدھورے گرادیں گی اور تُو لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا اور حقیقۃً نشہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی سخت ہے (جس کے خوف سے ان سب کی یہ حالت ہوگی)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ [سورۂ انبیاء:۱] لوگوں کے حساب کا دن تو قریب آگیا (کہ قیامت تیزی سے قریب آرہی ہے) اور یہ لوگ (ابھی تک) غفلت میں پڑے ہیں (اور اس کے لیے تیاری سے) رُوگرداں[7] ہیں۔ اس کے چند رکوع بعد ارشاد ہے:﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝﴾ [سورۂ انبیاء:۴۷] اور قیامت کے دن ہم میزانِ عدل[8] قائم کریں گے اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا کوئی عمل (نیک یا بد[9]) ہوگا، تو ہم اس کو وہاں سامنے لائیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ﴾ [سورۂ رعد:۱۸] جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا (اور اس کے ارشادات کی تعمیل کی) ان کے لیے اچھا بدلہ ہے (جو جنت میں ان کو ملے گا) اور جن لوگوں نے اُس کا کہنا نہ مانا اُن کے پاس (قیامت کے دن) اگر تمام دنیا کی ساری چیزیں موجود ہوں، بلکہ اس کے ساتھ اسی کے برابر اور بھی ہوں (یعنی ساری دنیا کی تمام چیزوں سے

حل لغات: ① صِرف۔ ② کئی۔ ③ ہوش اُڑانے والا۔ ④ تیزی، سختی۔ ⑤ جلدی۔ ⑥ ڈر۔ ⑦ منہ پھیرنے والے۔ ⑧ انصاف کا ترازو۔ ⑨ بُرا۔

زہد و قناعت

دوگنی ہوں) تو وہ سب چیزیں اپنی (خلاصی[1] کے لیے) فدیہ میں دے دیں، ان لوگوں کا سخت حساب ہوگا۔ اور بھی بہت سی آیات میں اُس دن کے حساب پر اُس کی سختی اور اہمیت پر تنبیہ کی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جس شخص سے حساب کیا جائے گا، وہ ہلاک ہوجائے گا (اس لیے کہ حساب میں پورا اُترنا سخت مشکل ہوگا)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! حق تعالیٰ شانُہٗ نے تو سورۂ ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ میں یہ ارشاد فرمایا کہ سہل[2] حساب ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حساب (جس کا اس سورت میں ذکر ہے یہ) تو محض اعمال کا پیش ہونا ہے، جس کا مُحاسبہ[3] شروع ہوجائے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔ ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: یا اللہ! مجھ سے حسابِ یسیر (سہل حساب) کیجیے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حسابِ یسیر کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا اعمال نامہ دیکھ کر یہ فرمادیا جائے کہ اس کو معاف کردیا، لیکن جس سے محاسبہ ہونے لگے وہ ہلاک ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں، جس شخص میں یہ تینوں موجود ہوں اُس کا حساب سہل ہوگا اور حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردے گا، وہ تین چیزیں یہ ہیں کہ: جو شخص تجھے اپنی عنایت[4] سے محروم رکھے تو اُس پر احسان کر، جو تجھ پر ظلم کرے اُس کو معاف کر، جو تجھ سے قطع[5] رحمی کرے تو اُس کے ساتھ صلہ رحمی[6] کر۔ [درمنثور]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس سے حق تعالیٰ شانُہٗ ایسی طرح بات نہ کریں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں نہ کوئی پردہ ہوگا، نہ کوئی واسطہ ہوگا۔ اپنے دائیں طرف دیکھے گا، تو وہ اعمال ہوں گے جو دنیا میں کیے، بائیں طرف دیکھے گا تو وہ اعمال ہوں گے جو کیے تھے (نیک اعمال ہوں یا بُرے۔ دہکتی ہوئی) جہنم آنکھ کے سامنے ہوگی۔ اُس سے (بچنے کی بہترین چیز صدقہ ہے، پس صدقہ کے ذریعہ سے اُس سے بچو) چاہے آدھی کھجور ہی صدقہ کیوں نہ ہو۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے جنت دکھائی گئی۔ اس کے اعلیٰ درجوں میں فقراء[7] مہاجرین تھے اور غنی[8] لوگ اور عورتیں بہت کم مقدار میں اُس جگہ تھیں۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ غنی لوگ تو ابھی جنت کے دروازوں پر حساب میں مبتلا ہیں؛ اور عورتوں کو سونے چاندی کی محبت نے مشغول کر رکھا

حل لغات: ① چھٹکارا۔ ② آسان۔ ③ حساب کتاب۔ ④ عطا، بخشش۔ ⑤ رشتہ توڑنا۔ ⑥ رشتہ جوڑنا۔ ⑦ فقیر لوگ، غریب۔ ⑧ مالدار۔

زہد وقناعت

ہے۔ایک اور حدیث میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازوں پر کھڑا تھا، اکثر مساکین[1] اُس میں داخل ہورہے تھے اور غنی لوگ (حساب میں) مقید[2] تھے اور میں نے دوزخ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر دیکھا کہ عورتیں اُس میں کثرت سے داخل ہورہی ہیں۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی دو چیز سے گھبراتا ہے اور دونوں اس کے لیے خیر[3] ہیں: ایک موت سے گھبراتا ہے، حالانکہ موت فتنوں سے بچاؤ ہے۔ دوسرے مال کی کمی سے گھبراتا ہے حالانکہ جتنا مال کم ہوگا اتنا ہی حساب کم ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مجمع میں تشریف فرما تھے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج رات جنت کو اور اُس میں تم لوگوں کے مرتبوں کو دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے جس دروازہ پر بھی جاتا تھا وہاں سے مَرْحَبا مَرْحَبا (تشریف لائیے، تشریف لائیے) کی آوازیں آتی تھیں (ہر نیک عمل کے لیے جنت میں ایک خاص دروازہ ہے، ہر دروازہ سے درخواست کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیک عمل میں اس کا پایہ بہت بڑھا ہوا ہے۔) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جس شخص کا یہ مرتبہ ہے وہ تو کوئی بہت ہی بلند پایہ شخص ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ شخص ابوبکر ہیں، پھر حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں نے جنت میں سفید موتی کا ایک گھر دیکھا، جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے، میں نے پوچھا: یہ مکان کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ قریش کے ایک نوجوان کا ہے (اُس مکان کی نہایت عمدگی، چمک، رونق[4] اور اپنے سَیّدُ المُرسلین[5] ہونے کی وجہ سے) مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مکان میرا ہی ہے، میں اُس میں داخل ہونے لگا، تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر کا ہے، پھر حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ مُتعدّد[6] حضرات کے مراتب[7] ارشاد فرمائے، اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھیوں میں سے تم بہت دیر میں میرے پاس پہونچے، مجھے تو تمہارے متعلق یہ ڈر ہوگیا تھا کہ کہیں ہلاک تو نہیں ہوگئے اور تم پسینہ پسینہ ہورہے تھے، میں نے تم سے پوچھا کہ اتنی دیر آنے میں تمہیں کہاں لگ گئی تھی؟ تو تم نے جواب دیا کہ میں اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے حساب میں مبتلا رہا، مجھ سے اس کا حساب ہوا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے متعلق یہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! رات ہی

حل لغات: (۱) غریب لوگ۔ (۲) یعنی پھنستے ہوئے۔ (۳) اچھی، بھلی۔ (۴) خوبصورتی۔ (۵) تمام رسولوں کے سردار۔ (۶) کئی۔ (۷) مرتبے، درجے۔

میرے پاس مصر کی تجارت سے سو اونٹ آئے ہیں، یہ مدینہ منورہ کے فقراء[1] اور یتامیٰ[2] پر صدقہ ہیں، شاید اللہ جَلَّ شانُہٗ اسی کی وجہ سے اس دن کے حساب میں مجھ پر تخفیف[3] فرمادیں۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن! تم میری امت کے غنی لوگوں میں ہو؛ اور جنت میں گھسٹ کر جاؤ گے (پاؤں پر کھڑے ہو کر نہ جاؤ گے) تم اللہ تعالیٰ شانُہٗ کو قرض دو تاکہ تمہارے پاؤں کھل جائیں۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا چیز قرض دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا سارا مال۔ یہ سن کر فوراً اُٹھے تاکہ اپنا سارا مال لا کر حاضر کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے قاصد[4] بھیج کر اُن کو بلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ابھی آئے اور یہ پیام دے گئے کہ عبدالرحمٰن سے کہہ دیجیے کہ مہمان نوازی کیا کریں، غریبوں کو کھانا کھلایا کریں، سوال کرنے والوں کا سوال پورا کیا کریں اور جو اُن کے عیال[5] ہیں ان سے صدقہ میں ابتداء[6] کیا کریں، یہ چیزیں ان کے تزکیہ (درست ہونے) کے لیے کافی ہیں۔ [حاکم]

یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی، بڑے فضائل اور مفاخر[7] کے مالک ہیں، ''عشرۂ مُبشَّرہ'' میں ان کا شمار ہے، یعنی ان دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں جن کو دنیا ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی خوشخبری دے گئے، نیز ان چھ حضرات میں ہیں جن پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلیفہ بنانے کا دارومدار رکھا تھا اور یہ کہا تھا کہ ان حضرات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں؛ اور پھر ان چھ[۶] حضرات سے بقیہ پانچ[۵] حضرات نے بالآخر ان ہی کی رائے پر خلیفہ کے چننے کا مدار رکھا تھا اور اُن کی تجویز سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ ثالث مقرر ہوئے تھے۔ سابقین اوّلین میں ان کا شمار ہے جن کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ الآیۃ۔ [سورۂ توبہ:۱۰۰] ترجمہ: ''اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں اُمت سے سابق اور مُقدّم[8] ہیں اور جو لوگ اخلاص سے اُن کے پیرو ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے''۔

اس کے علاوہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دونوں ہجرتیں کیں، غزوۂ بدر اور سب غزوؤں کے شریک ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں اہلِ علم اور اہلِ فتویٰ میں ان کا شمار ہے، محض ان کی رائے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض امور کو اختیار کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں صبح

حل لغات: (۱) فقیر کی جمع۔ (۲) یتیم کی جمع۔ (۳) ہلکا۔ (۴) پیغام پہونچانے والا۔ (۵) رشتہ دار۔ (۶) شروع۔ (۷) بڑائی۔ (۸) پہلے۔

زہد و قناعت

کی نماز اُن کا مقتدی بن کر ادا فرمائی کہ حضور ﷺ ضرورت کے لیے تشریف لے گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر ان کو امام چنا تھا، جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو نماز ہو رہی تھی، ایک رکعت ہو چکی تھی، حضور ﷺ نے اُن کے اقتداء میں نماز پڑھی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو پہلے سال میں اپنا قائم مقام امیرُ الحج بنا کر اُن کو بھیجا۔ [اِصابہ]

غرض بے انتہا فضائل کے باوجود اس مال کی کثرت نے ان کو اپنے مرتبہ کے لوگوں میں پیچھے کر دیا؛ اور مال بھی محض حق تعالیٰ شانُہٗ کے فضل اور اس کی عطا اور اس کے انعام ہی سے ملا تھا ورنہ بہت غریب تھے۔ ہجرت کی ابتداء میں حضور اقدس ﷺ نے جب مہاجرین اور انصار کا آپس میں بھائی چارہ کیا تھا تاکہ فقراء مہاجرین کی اعانت اور مدد خصوصی تعلق پر انصار کرتے رہیں، تو ان کو حضرت سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ مال اور دولت اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مجھے عطا فرما رکھا ہے، میں سب مال میں سے آدھا آدھا تمہیں دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جونسی تمہیں پسند ہو میں اُس کو طلاق دے دوں گا، عدت کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا، ان کی سیرچشمی[1] کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تو تم یہاں کے بازار کا راستہ بتا دو۔ بازار گئے اور خرید و فروخت[2] شروع کی اور شام کو نفع میں تھوڑا سا گھی اور پنیر بچا کر لائے، اسی طرح روزانہ جاتے اور کچھ ہی دن گذرے تھے کہ بچت اتنی ہو گئی کہ نکاح کر لیا۔ [بخاری] پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ صدقہ کی ترغیب دی تو اپنے سارے مال کا آدھا حصہ صدقہ کیا اور مال کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے جو ابھی گذرا کہ صرف مصر کی تجارت سے سو اونٹ سامان کے لدے ہوئے آئے تھے جو صدقہ کر دیے؛ اور اس کے بعد ایک مرتبہ چالیس ہزار دینار (اشرفیاں) صدقہ کیں، ایک موقعہ پر پانچ سو گھوڑے، پانچ سو اونٹ جہاد کے لیے دیے اور تیس ہزار غلام آزاد کیے اور ایک روایت میں ہے کہ تیس ہزار گھرانے آزاد کیے۔ [مستدرک] ہر گھرانہ میں نہ معلوم کتنے مرد عورت بڑے اور بچے ہوں گے۔ ایک مرتبہ ایک زمین چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت کی اور سب کی سب فقراء مہاجرین اور اپنے رشتہ داروں اور ازواج مطہرات[3] رضی اللہ عنہن پر تقسیم کر دیں۔ [مستدرک] اور اپنے انتقال کے وقت جو وصیت کی اس میں ہر اُس شخص کو جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا، فی آدمی چار سو دینار (اشرفیاں) کی وصیت کی تھی، اُس وقت اہل بدر میں سے سو آدمی زندہ تھے۔ [اِصابہ] اور ایک باغ کی وصیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے کی، جو چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوا۔ [مستدرک] اور خود اپنا

حل لغات: (۱) سخاوت۔ (۲) خریدنا بیچنا۔ (۳) حضور ﷺ کی بیویاں۔

زہد و قناعت

حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ غسل کر کے کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک پیالہ میں روٹی اور گوشت (ثرید) سامنے رکھا گیا، اُس کو دیکھ کر رونے لگے، کسی نے رونے کی وجہ پوچھی، تو فرمایا کہ حضور ﷺ کا ایسی حالت میں وصال ہوا کہ جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی، ہمیں یہ حالات جو اپنے سامنے ہیں کچھ اپنے لیے خیر نہیں معلوم ہوتے۔ [اصابہ] یعنی اگر یہ وُسعت[1] کچھ خیر[2] کی چیز ہوتی تو حضور ﷺ کے لیے بھی ہوتی، جب حضور ﷺ کے لیے یہ چیزیں نہ تھیں تو کچھ خیر کی چیز نہیں معلوم ہوتیں، ان کمالات پر وہ مُحاسبہ[3] ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔

پانچواں مطالبہ حدیث[4] بالا میں جس کا قیامت کے میدان میں جواب دینا ہوگا یہ ہے کہ جو علم حق تعالیٰ شانُہٗ نے تمہیں عطا کیا تھا اُس پر کس حد تک عمل کیا، کسی جُرم کا معلوم نہ ہونا کوئی عذر نہیں، قانون سے ناواقفیت کسی عدالت میں بھی معتبر نہیں، کیونکہ اُس کا معلوم کرنا اپنا فریضہ ہے؛ اور یہ بات کہ اللہ کا حکم معلوم نہیں تھا، مستقل جرم اور مستقل گناہ ہے، اس لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان پر (مذہبی) علم سیکھنا فرض ہے، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ علم کے بعد کسی جرم کا کرنا زیادہ سخت ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنے علم سے ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہا کرو، علم میں خیانت مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے؛ اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں اس کا مطالبہ ہوگا؛ اور یہ مضمون تو بہت سی احادیث میں ہے کہ جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چھپائے، تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے وعظ فرمایا جس میں بعض قوموں کی تعریف فرمائی اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنی پڑوسی قوموں کو تعلیم نہیں دیتیں، نہ اُن کو نصیحت کرتی ہیں، نہ اُن کو سمجھ دار بناتی ہیں، نہ اُن کو اچھی باتوں کا حکم کرتی ہیں، نہ بری باتوں سے روکتی ہیں؛ اور یہ کیا بات ہے کہ بعضی قومیں اپنے پڑوسیوں سے نہ علم سیکھتی ہیں، نہ سمجھ سیکھتی ہیں، نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں اور ان کو نصیحت کریں اور ان کو سمجھ دار بنائیں اور دوسرے لوگ ان علم والوں سے ان چیزوں کو حاصل کریں اور اگر ایسا نہ ہوا تو خدا کی قسم! میں ان سب کو دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا (آخرت کا قصہ الگ ہے) اس کے بعد حضور اقدس ﷺ منبر سے اتر آئے، لوگوں میں اس کا چرچا ہوا کہ اس سے کون سی قومیں مراد ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اشعری قوم کے لوگ مراد ہیں کہ وہ اہل علم ہیں، اہل فقہ ہیں اور اُن کے آس پاس کی رہنے والی قومیں جاہل ہیں۔

یہ خبر اَشعری لوگوں کو پہونچی وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

حل لغات: (۱) کشادگی، خوب مال کا ہونا۔ (۲) بھلائی۔ (۳) پوچھ گچھ، حساب۔ (۴) اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔

زہد و قناعت

یا رسول اللہ! آپ نے بعض قوموں کی تو تعریف فرمائی اور ہم لوگوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا۔ حضور ﷺ نے اپنا پاک ارشاد ان کے سامنے فرمایا کہ یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں اور ان کو نصیحت کریں، ان کو سمجھ دار بنائیں، اُن کو اچھی باتوں کا حکم کریں، بری باتوں سے منع کریں اور دوسرے لوگ ان سے ان چیزوں کو حاصل کریں، ورنہ میں دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دوسروں کو کس طرح سمجھدار بنائیں؟ حضور ﷺ نے پھر اپنا وہی حکم ارشاد فرمایا۔ انہوں نے تیسری دفعہ پھر یہی عرض کیا اور حضور ﷺ نے پھر بھی اپنا وہی حکم ارشاد فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اچھا ایک سال کی مہلت[1] ہم کو دے دیں، حضور ﷺ نے ان کو ان پڑوسیوں کی تعلیم کے لیے ایک سال کی مہلت عطا فرما دی۔ [ترغیب و مجمع الزوائد]

اس حدیث پاک اور حضور اقدس ﷺ کے اس سخت عتاب[2] سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ خود اہلِ علم ہیں، سمجھ دار ہیں، ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آس پاس کے رہنے والے جاہلوں کی تعلیم کی کوشش کریں، ان کا یہ خیال کہ جس کو غرض ہوگی خود سیکھے گا، کافی نہیں، نہ سیکھنے کا مستقل مطالبہ اور مستقل گناہ ان کے ذمہ ہے، لیکن ان کو سکھانے کی ذمّہ داری ان عالموں کی بھی ہے کہ یہ خود اُس کی کوشش کریں، اُس کی تدبیریں کریں کہ وہ علم سیکھیں، یہ بھی اپنے علم پر عمل کرنے میں داخل ہے کہ علم کے عمل میں اُس کا سکھانا بھی داخل ہے۔ [ترغیب]

حضور اقدس ﷺ سے جو دعائیں کثرت سے نقل کی گئی ہیں، اُن میں یہ دعا بھی بکثرت وارد ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص (یعنی ایک نوع[3] آدمیوں کی چاہے اس نوع کے کتنے ہی آدمی ہوں) لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، جس سے اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ اُن کے گرد اس طرح گھومے گا جیسا کہ چکّی کا گدھا چکّی کے گرد پھرتا ہے (یعنی جیسا کہ جانور گدھا، بیل وغیرہ آٹا پیسنے کی چکّی کے چاروں طرف گھومتا ہے) جہنم کے لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہوجائیں گے اور اس سے دریافت کریں گے تجھے کیا ہوا، تُو تو ہم کو بھی اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا، بری باتوں سے روکتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ میں تم کو اس کا حکم کرتا تھا، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ جہنم کی آگ کی قینچیوں سے کترے جارہے ہیں، میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ واعظ[4] ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس پر

حل لغات: (۱) ڈھیل۔ (۲) غصہ۔ (۳) قسم۔ (۴) بیان کرنے والے، نصیحت کرنے والے۔

عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''زَبَانِیَۃ'' ایسے پڑھے لکھوں کو جو فسق[1] میں مبتلا ہوں، کافروں سے بھی پہلے پکڑیں گے، وہ کہیں گے کہ یہ کیا ہوا کہ ہماری پکڑ کافروں سے بھی پہلے ہو رہی ہے ان کو جواب دیا جائے گا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے۔ [ترغیب] یعنی تم نے باوجود جاننے کے یہ حرکتیں کیں۔ ''زَبَانِیہ'' فرشتوں کی وہ سخت ترین جماعت ہے جو لوگوں کو جہنم میں پھینکنے پر مامور[2] ہے۔ سورۂ اقراء میں بھی ان کا ذکر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ بعض جنتی، بعض جہنمی لوگوں کے پاس جا کر کہیں گے کہ تمہیں کیا ہوا تم یہاں پڑے ہو؟ ہم تو تمہاری ہی وجہ سے جنت میں گئے ہیں کہ تم ہی سے ہم نے علم سیکھا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم دوسروں کو تو بتاتے تھے خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی وعظ کہتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس سے قیامت کے دن مطالبہ فرمائیں گے کہ اس کا کیا مقصد تھا؟۔ (یعنی اس سے کوئی دنیوی غرض تھی مال ومنفعت یا جاہ[3] وشہرت یا خالص اللہ کے واسطے کہا تھا)۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اتنا روتے کہ آواز نہ نکلتی پھر یوں فرماتے کہ تم یوں سمجھتے ہو کہ وعظ سے میری آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے (یعنی میرا دل خوش ہوتا ہے) حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ سے قیامت کے دن اس کا سوال ہوگا کہ اس وعظ کا کیا مقصد تھا؟۔ [ترغیب] اس کے باوجود جو کہنے کی مجبوری ہے وہ ابھی گذر چکی ہے یعنی لوگوں کو علم سے روشناس[4] کرنے کی ذمہ داری بھی ہے، جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا اور اشعری لوگوں کا قصہ ابھی گذرا۔ حضرت اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہٗ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس کا خوف اور ڈر ہے کہ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے مجھے آواز دی جائے میں عرض کروں: ''لَبَّيْكَ رَبِّيْ'' میرے رب میں حاضر ہوں، وہاں سے مطالبہ ہو کہ اپنے علم میں کیا عمل کیا تھا۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب والا وہ عالم ہے جس کے علم سے اس کو نفع نہ ہو۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ نے قبیلۂ قیس کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ میں نے جا کر دیکھا کہ وہ وحشی اونٹوں کی طرح سے ہیں، ان کا ہر وقت دھیان اپنے اونٹ اور بکری میں لگا رہتا ہے، اُن کے سوا کوئی دوسرا فکر ہی اُن کو نہیں (ہر وقت بس دنیا کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں) میں وہاں سے واپس آ گیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا کر کے آئے؟ میں نے حضور ﷺ سے ان کا حال بیان کر دیا اور (دین سے) اُن کی غفلت کی خبر سنائی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمار! اس سے زیادہ تعجب کی بات اس

حل لغات: (۱) گناہ۔ (۲) مقرر۔ (۳) عہدہ، مرتبہ۔ (۴) واقف۔

زہد و قناعت

قوم کی حالت ہے جو عالم ہونے کے باوجود (دین سے) ایسے ہی غافل ہو جیسا کہ یہ غافل ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض آدمی جہنم میں ڈالے جائیں گے جن کی بدبُو، اور تعفُّن[1] سے جہنمی لوگ بھی پریشان ہو جائیں گے۔ وہ لوگ اُن سے کہیں گے کہ تمہارا کیا عمل ایسا تھا جس کی یہ نحوست ہے، ہمیں اپنی ہی مصیبت جس میں ہم مبتلا تھے کیا کم تھی، تمہاری اس بدبُو نے اور بھی پریشان کر دیا، یہ لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے علم سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ [ترغیب]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس اُمت پر زیادہ خوف منافق عالم کا ہے، کسی نے پوچھا کہ منافق عالم کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زبان کا عالم، دل اور عمل کا جاہل، یعنی تقریر تو بڑی لچھے دار کرے، مگر عمل کے نام صفر۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا جمع کرنے والا ہو، حکیموں کے نادر[2] کلام کا حامل[3] ہو، مگر عمل میں احمق بیوقوفوں کی طرح ہو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم عمل کے لیے آواز دیتا ہے، اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو وہ علم باقی رہتا ہے، ورنہ وہ بھی چلا جاتا ہے یعنی علم ضائع ہو جاتا ہے۔ حضرت فُضَیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے تین شخصوں پر بڑا رحم آتا ہے۔ ایک قوم کا سردار جو ذلیل ہو گیا۔ دوسرا وہ غنی[4] جو غنا کے بعد فقیر ہو گیا ہو۔ تیسرا وہ عالم جس سے دنیا کھیلتی ہو (یعنی دنیا کا طالب ہو اور جو اس کا طالب ہوگا، یہ اُس سے کھیلے گی)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دل کی موت ہے اور دل کی موت آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرنا ہے کسی شاعر کا شعر ہے۔

عَجِبْتُ لِمُبْتَاعِ الضَّلٰلَةِ بِالْهُدٰى ۔۔۔ وَمَنْ يَّشْتَرِيْ دُنْيَاهُ بِالدِّيْنِ أَعْجَبَا
وَأَعْجَبَ مِنْ هٰذَيْنِ مَنْ بَاعَ دِيْنَهٗ ۔۔۔ بِدُنْيَا سِوَاهُ فَهُوَ مِنْ ذَيْنِ أَعْجَبُ

ترجمہ: ”مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدے اور اس سے زیادہ تعجب اُس شخص پر ہے جو دین کے بدلہ دنیا خریدے اور ان دونوں سے زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو اپنے دین کو دوسروں کی دنیا کے بدلے فروخت کر دے، یعنی دنیا کا فائدہ تو دوسرے کو ہو اور دین ان کا ضائع اور برباد ہو“۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو عالم دنیا دار ہو وہ احوال کے اعتبار سے جاہل سے زیادہ کمینہ ہے اور عذاب کے اعتبار سے زیادہ سختی میں مبتلا ہوگا اور کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مُقرَّب[5] علمائے آخرت ہیں جن کی چند علامتیں ہیں: (۱) اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو، عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت[6] کا، اس کے کمینہ پن کا، اس کے مُکدَّر[7] ہونے کا، اس کے جلد ختم ہو جانے کا اُس کو احساس ہو،

حل لغات: (۱) سڑان۔ (۲) انوکھا۔ (۳) جاننے والا۔ (۴) مالدار۔ (۵) قریبی۔ (۶) کم درجہ کا ہونا۔ (۷) میلا۔

آخرت کی عظمت، اُس کا ہمیشہ رہنا، اُس کی نعمتوں کی عُمدگی کا احساس ہو؛ اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ دنیا اور آخرت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دو سوکنوں کی طرح ہیں، جونسی ایک کو راضی کرے گا دوسری خفا[1] ہوجائے گی، یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح سے ہیں جونسا ایک پلڑا جھکے گا دوسرا ہلکا ہوجائے گا، دونوں میں مشرق مغرب کا فرق ہے، جونسے ایک سے تو قریب ہوگا دوسرے سے دور ہوجائے گا۔ جو شخص دنیا کی حقارت کا، اُس کے گدلے پن کا اور اس بات کا احساس نہیں کرتا کہ دنیا کی لذتیں دونوں جہاں کی تکلیفوں کے ساتھ مُنضَم[2] ہیں، وہ فاسدُ[3] العقل ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ ان باتوں کا شاہد ہے کہ دنیا کی لذّتوں میں دنیا کی بھی تکلیف ہے اور آخرت کی تکلیف تو ہے ہی، پس جس شخص کو عقل ہی نہیں وہ عالم کیسے ہوسکتا ہے، بلکہ جو شخص آخرت کی بڑائی اور اس کے ہمیشہ رہنے کو بھی نہیں جانتا ہے وہ تو کافر ہے، ایسا شخص کیسے عالم ہوسکتا ہے جس کو ایمان بھی نصیب نہ ہو؟ اور جو شخص دنیا اور آخرت کا ایک دوسرے کی ضد ہونے کو نہیں جانتا اور دونوں کے درمیان جمع کرنے کی طمع[4] میں ہے، وہ ایسی چیز میں طمع کررہا ہے جو طمع کرنے کی چیز نہیں ہے، وہ شخص تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت سے ناواقف ہے اور جو شخص ان سب چیزوں کو جاننے کے باوجود دنیا کو ترجیح[5] دیتا ہے، وہ شیطان کا قیدی ہے، جس کو شہوتوں نے ہلاک کررکھا ہے اور بدبختی اس پر غالب ہے، جس کی یہ حالت ہو وہ علماء میں کیسے شمار ہوگا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو عالم دنیا کی خواہش کو میری محبت پر ترجیح دیتا ہے اس کے ساتھ ادنیٰ[6] سے ادنیٰ معاملہ میں یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات[7] کی لذت سے اس کو محروم کردیتا ہوں (کہ میری یاد میں، میری دعاء میں اس کو لذت نہیں آتی) اے داؤد! ایسے عالم کا حال نہ پوچھ جس کو دنیا کا نشہ سوار ہو کہ میری محبت سے تجھ کو دور کردے ایسے لوگ ڈاکو ہیں، اے داؤد! جب تُو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اُس کا خادم بن جا، اے داؤد! جو شخص بھاگ کر میری طرف آتا ہے میں اس کو جَہبَذ (حاذق[8]، سمجھ دار) لکھ دیتا ہوں اور جس کو جہبذ لکھ دیتا ہوں اُس کو عذاب نہیں کرتا۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو اُن کی رونق جاتی رہتی ہے۔ سعید بن المُسَیَّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ اُمَرَاء[9] کے یہاں پڑا رہتا ہے تو اُس کو چور سمجھو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو، اپنے دین کے بارے میں اس کو مُتَّہَم[10] سمجھو، اس لیے کہ جس شخص کو جس سے محبت ہوتی ہے اُسی میں گُھسا کرتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جس کو گناہ میں لذت آتی ہو وہ اللہ کا عارف[11] ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس میں ذرا تَرَدُّد[12] نہیں کہ جو شخص دنیا

حل لغات: (۱) ناراض۔ (۲) ملی ہوئی۔ (۳) پاگل۔ (۴) لالچ۔ (۵) فضیلت، بڑھوتری۔ (۶) کم۔ (۷) دعا، سرگوشی (۸) ماہر۔ (۹) امیروں۔ (۱۰) تہمت کے قابل، ملزم۔ (۱۱) پہچاننے والا۔ (۱۲) شک وشبہ۔

زہد وقناعت

کو آخرت پر ترجیح دے وہ عارف نہیں ہوسکتا اور گناہ کرنے کا درجہ تو اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ صرف مال کی محبت نہ ہونے سے آخرت کا عالم نہیں ہوتا، جاہ[1] کا درجہ اور اُس کا نقصان مال سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

یعنی جتنی وعیدیں[2] اوپر دنیا کے ترجیح دینے کی اور اُس کی طلب کی گذری ہیں، ان میں صرف مال کمانا ہی داخل نہیں بلکہ جاہ کی طلب مال کی طلب کی بہ نسبت زیادہ داخل ہے، اس لیے کہ جاہ طلبی[3] کا نقصان اور اس کی مَضَرَّت[4] مال طلبی سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول[5] و فعل میں تَعَارُض[6] نہ ہو، دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے، حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۴۴] کیا غضب ہے کہ دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے، حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ [سورۂ صف: ۳] اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حاتم اَصَم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اُس عالم سے زیادہ حسرت[7] والا کوئی نہ ہوگا، جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا، وہ تو کامیاب ہوگئے اور وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا۔ ابن سَماک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کتنے شخص ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں؛ دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ پر جُرْأَت[8] کرتے ہیں؛ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مُقَرَّب[9] بناتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے دور ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن غَنْم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مضمون بیان کیا کہ ہم لوگ قُبا کی مسجد میں بیٹھے ہوئے علم حاصل کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جتنا چاہے علم حاصل کرلو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اَجر[10] بغیر عمل کے نہیں ملتا۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں، نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں، ایسے علوم سے احتراز[11] کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے یا نفع کم ہے، ہم لوگ اپنی نادانی[12] سے ان کو بھی علم کہتے ہیں جن سے صرف دنیا کمانا مقصود ہو؛ حالانکہ

حل لغات: (۱) مرتبہ، عہدہ۔ (۲) دھمکی۔ (۳) مرتبہ کی چاہت۔ (۴) نقصان۔ (۵) کہنا اور عمل کرنا۔ (۶) اختلاف۔ (۷) افسوس۔ (۸) ہمت۔ (۹) قریبی۔ (۱۰) ثواب، بدلہ۔ (۱۱) بچنا۔ (۱۲) بیوقوفی۔

زہد و قناعت

وہ جہلِ[1] مُرَکَّب ہے کہ ایسا شخص اپنے کو پڑھا لکھا سمجھنے لگتا ہے، پھر اس کو دین کے علوم سیکھنے کا اہتمام بھی نہیں رہتا، جو شخص کچھ بھی پڑھا ہوا نہ ہو وہ کم سے کم اپنے آپ کو جاہل تو سمجھتا ہے، دین کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر جو اپنی جہالت کے باوجود اپنے آپ کو عالم سمجھنے لگے، وہ بڑے نقصان میں ہے۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگ اور حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں، اُن سے ایک مرتبہ حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ حاتم کتنے دن سے تم میرے ساتھ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ۳۳/ برس سے، فرمانے لگے کہ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: آٹھ مسئلے سیکھے ہیں، حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اتنی طویل[2] مدت میں صرف آٹھ مسئلے سیکھے؟ میری تو عمر ہی تمہارے ساتھ ضائع ہوگئی، حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: حضور صرف آٹھ ہی سیکھے ہیں، جھوٹ تو بول نہیں سکتا، حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟ حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:

(الف) میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے (بیوی سے، اولاد سے، مال سے، احباب[3] سے وغیرہ وغیرہ) لیکن میں نے دیکھا کہ جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اُس کا محبوب اُس سے جدا ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے نیکیوں سے محبت کر لی تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی ساتھ ہی جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہ ہو۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بہت اچھا کیا۔

(ب) میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن پاک میں دیکھا ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ الآیۃ [سورۂ نازعات: ۴۰] ''اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا، تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا''۔ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے، میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت[4] پر جم گیا۔

(ج) میں نے دنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے، بہت محبوب ہوتی ہے، وہ اُس کو اٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے، اُس کی حفاظت کرتا ہے، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ [سورۂ نحل: ۹۶] ''جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، ہر حال میں وہ ختم ہوگا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے'' اس آیتِ شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس کبھی ایسی ہوئی جس کی مجھے وقعت[5] زیادہ ہوئی، وہ پسند زیادہ آئی، وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

حل لغات: (۱) دوہری جہالت۔ (۲) لمبا وقت۔ (۳) دوست، رشتہ دار۔ (۴) فرماں برداری۔ (۵) اہمیت۔

زہد و قناعت

(د) میں نے ساری دنیا کو دیکھا کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزّت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے، کوئی حَسَب کی شرافت کی طرف، کوئی اور فخر کی چیزوں کی طرف یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ [سورۂ حجرات: ۱۳]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو'' اس بناء پر میں نے تقویٰ اختیار کر لیا تاکہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے نزدیک شریف بن جاؤں''۔

(ھ) میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن[1] کرتے ہیں، عیب جوئی[2] کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں اور یہ سب کا سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حسد آتا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد دیکھا: ﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ ﴾ الآية [سورۂ زخرف: ۳۲] ''دنیوی زندگی میں اُن کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فَوقیت[3] دے رکھی ہے، تاکہ (اس کی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے'' (سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں، تو پھر کوئی کسی کا کام کیوں کرے، کیوں نوکری کرے؛ اور اس سے دنیا کا نظام خراب ہو ہی جائے گا)۔ میں نے اس آیتِ شریفہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا، ساری مخلوق سے بے تعلق ہو گیا؛ اور میں نے جان لیا کہ روزی کا بانٹنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے، وہ جس کے حصہ میں جتنا چاہے لگائے، اس لیے لوگوں کی عداوت[4] چھوڑ دی؛ اور یہ سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال کے زیادہ یا کم ہونے میں ان کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے، یہ تو مالک الملک کی طرف سے ہے، اس لیے اب کسی پر غصہ ہی نہیں آتا۔

(و) میں نے دنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی ہے، کسی نہ کسی سے دشمنی ہے، میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ [سورۂ فاطر: ۶] ''شیطان بلاشبہ تمہارا دشمن ہے پس اس کے ساتھ دشمنی ہی رکھو'' (اس کو دوست نہ بناؤ) پس میں نے اپنی دشمنی کے لیے اُسی کو چن لیا اور اُس سے دور رہنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں، اس لیے کہ جب حق تعالیٰ نے اُس کے دشمن ہونے کو فرما دیا، تو میں نے اُس کے علاوہ سے اپنی دشمنی ہٹا لی۔

(ز) میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں لگ رہی ہے، اسی کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ [سورۂ ہود: ۶]

حل لغات: (۱) لعنت ملامت۔ (۲) عیب ڈھونڈنا۔ (۳) ترجیح، فضیلت۔ (۴) دشمنی۔

''اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔'' میں نے دیکھا کہ میں بھی انہیں زمین پر چلنے والوں میں سے ایک ہوں جن کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، پس میں نے اپنے اوقات ان چیزوں میں مشغول کر لیے، جو مجھ پر اللہ کی طرف سے لازم ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھی اُس سے اپنے اوقات کو فارغ[1] کر لیا۔

(ح) میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے، کوئی اپنی جائیداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دست[2] کاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لوں گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کیے ہوئے ہے، جو اُن کی طرح خود مخلوق ہیں، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ [سورۂ طلاق: ۳]

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ اُس کے لیے کافی ہے''۔ اس لیے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاتم رحمۃ اللہ علیہ تمہیں حق تعالیٰ شانُہٗ توفیق عطا فرمائے، میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن عظیم کے علوم کو دیکھا، میں نے سارے خیر[3] کے کام ان ہی آٹھ مسائل کے اندر پائے، پس جو ان آٹھوں پر عمل کر لے اُس نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کر لیا، اس قسم کے علوم کو علمائے آخرت ہی پا سکتے ہیں اور دنیا دار عالم تو مال اور جاہ[4] کے ہی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

④ چوتھی علامت آخرت کے علماء کی یہ ہے کہ کھانے پینے کی اور لباس کی عمدگیوں اور بہترائیوں کی طرف متوجہ نہ ہو، بلکہ ان چیزوں میں درمیانی رفتار اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز[5] کو اختیار کرے، ان چیزوں میں جتنا کمی کی طرف اُس کا میلان بڑھے گا، اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے اتنا ہی اس کا قرب[6] بڑھتا جائے گا اور علمائے آخرت میں اتنا ہی اُس کا درجہ بلند ہوتا جائے گا۔ انہیں شیخ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب قصہ جس کو شیخ ابو عبد اللہ خوّاص رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ہیں نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت شیخ حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ موضع رَیّ میں جو ایک جگہ کا نام ہے گیا، تین سو بیس آدمی ہمارے ساتھ تھے، ہم حج کے ارادہ سے جا رہے تھے، سب مُتَوَکِّلین[7] کی جماعت تھی، ان لوگوں کے پاس توشہ سامان وغیرہ کچھ نہ تھا۔ رَیّ میں ایک معمولی خشک مزاج تاجر پر ہمارا گذر ہوا، اُس نے سارے قافلہ کی دعوت کر دی اور ہماری ایک رات کی مہمانی کی، دوسرے دن صبح کو وہ میزبان

حل لغات: ① الگ۔ ② ہنر، کاریگری۔ ③ بھلائی۔ ④ عہدہ، مرتبہ۔ ⑤ طریقہ۔ ⑥ نزدیکی۔ ⑦ اللہ پر بھروسہ کرنے والے۔

زہد وقناعت

حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ یہاں ایک عالم بیمار ہیں مجھے اُن کی عیادت کو اس وقت جانا ہے، اگر آپ کی رغبت ہو تو آپ بھی چلیں، حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیمار کی عیادت تو ثواب ہے اور عالم کی تو زیارت بھی عبادت ہے، میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا، یہ بیمار عالم اُس مَوْضَع[1] کے قاضی شیخ محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ تھے، جب اُن کے مکان پر پہونچے، تو حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ سوچ میں پڑ گئے کہ اللہ اکبر! ایک عالم کا مکان اور ایسا اونچا محل۔ غرض ہم نے حاضری کی اجازت منگائی اور جب اندر داخل ہوئے، تو وہ اندر سے بھی نہایت خوش نُما[2]، نہایت وسیع[3]، پاکیزہ، جگہ جگہ پردے لٹک رہے۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے اور سوچ میں پڑے ہوئے تھے، اتنے میں ہم قاضی صاحب کے قریب پہونچے، تو وہ ایک نہایت نرم بستر ے پر آرام کر رہے تھے، ایک غلام ان کے سرہانے پنکھا جھل رہے تھے، وہ تاجر تو سلام کر کے اُن کے پاس بیٹھ گئے اور مزاج پُرسی[4] کی، حاتم رحمۃ اللہ علیہ کھڑے رہے، قاضی صاحب نے ان کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا، انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ قاضی صاحب نے پوچھا: آپ کو کچھ کہنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، قاضی صاحب نے فرمایا: کہو، انہوں نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیں (غلاموں نے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سہارا دے کر اُٹھایا کہ خود اُٹھنا مشکل تھا) وہ بیٹھ گئے۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ انہوں نے فرمایا: معتبر علماء سے، انہوں نے پوچھا کہ ان علماء نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے، حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضرت جبرئیل علیہ السلام سے، حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو علم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانُہٗ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے معتبر علماء کو اور ان کے ذریعہ سے آپ تک پہونچا، اس میں کہیں یہ بھی وارد ہے کہ جس شخص کا جس قدر مکان اونچا اور بڑا ہوگا، اُس کا اتنا ہی درجہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں بھی زیادہ ہوگا؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ نہیں یہ اُس علم میں نہیں آیا۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر یہ نہیں آیا، تو پھر اُس علم میں کیا آیا ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس میں یہ آیا ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت میں رغبت رکھتا ہو، فُقَراء[5] کو محبوب رکھتا ہو، اپنی آخرت کے لیے اللہ کے یہاں ذخیرہ بھیجتا رہتا ہو، وہ شخص

حل لغات: (۱) جگہ، مقام۔ (۲) اچھا۔ (۳) کشادہ، لمبا چوڑا۔ (۴) حالت، پوچھنا۔ (۵) غریبوں۔

زہد و قناعت

حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں صاحبِ[1] مرتبہ ہے۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر آپ نے کس کا اتباع اور پیروی کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی، متقی علماء کی یا فرعون اور نمرود کی؟ اے بُرے عالمو! تم جیسوں کو جاہل دنیا دار جو دنیا کے اوپر اوندھے گرنے والے ہیں، دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ جب عالموں کا یہ حال ہے، تو ہم تو اُن سے زیادہ بُرے ہوں ہی گے۔

یہ کہہ کر حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ تو واپس چلے گئے اور قاضی صاحب کے مرض میں اس گفتگو اور نصیحت کی وجہ سے اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا، لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو کسی نے حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ طَنَافِسی رحمۃ اللہ علیہ جو قَزْوِین میں رہتے ہیں (قزوین، ''رَیْ'' سے ستائیس فرسخ یعنی اکاسی ۸۱ میل ہے) وہ ان سے بھی زیادہ رئیسانہ شان سے رہتے ہیں۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ (ان کو نصیحت کرنے کے ارادہ سے چل دیے) جب اُن کے پاس پہونچے تو کہا کہ ایک عجمی آدمی ہے (جو عرب کا رہنے والا نہیں ہے) آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کو دین کی بالکل ابتداء سے یعنی نماز کی کنجی وضو سے تعلیم دیں طنافسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بڑے شوق سے، یہ کہہ کر طنافسی رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کا پانی منگایا اور طنافسی رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کر کے بتایا کہ اس طرح وضو کی جاتی ہے۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی وضو کے بعد کہا کہ میں آپ کے سامنے وضو کرلوں تا کہ اچھی طرح ذہن نشین[2] ہو جائے، طنافسی رحمۃ اللہ علیہ وضو کی جگہ سے اُٹھ گئے اور حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بیٹھ کر وضو کرنا شروع کیا اور دونوں ہاتھوں کو چار چار مرتبہ دھویا۔ طنافسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ اِسراف[3] ہے، تین تین مرتبہ دھونا چاہیے، حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''سبحان اللہ العظیم[4]'' میرے ایک چلو پانی میں تو اِسراف ہو گیا اور یہ سب کچھ جو ساز و سامان میں تمہارے پاس دیکھ رہا ہوں اس میں اِسراف نہ ہوا۔ جب طنافسی رحمۃ اللہ علیہ کو خیال ہوا کہ ان کا مقصد سیکھنا نہیں تھا، بلکہ یہ غرض تھی، اس کے بعد جب بغداد پہونچے اور حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے احوال کا علم ہوا، تو وہ ان سے ملنے کے لیے تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا کہ دنیا سے سلامتی کی کیا تدبیر ہے؟ حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا سے اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے، جب تک تم میں چار چیزیں نہ ہوں: لوگوں کی جہالت سے درگذر کرتے رہو، خود اُن کے ساتھ کوئی حرکت جہالت کی نہ کرو، تمہارے پاس جو چیز ہو ان پر خرچ کر دو، ان کے پاس جو چیز ہو اُس کی اُمید نہ رکھو۔

اُس کے بعد جب حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ پہونچے، تو وہاں کے لوگ خبر سن کر اُن کے پاس ملنے کے لیے جمع ہو گئے، انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے، کہنے لگے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محل کون سا تھا، میں بھی وہاں جا کر دوگانہ ادا

حل لغات: (۱) مرتبہ والا، مقام والا۔ (۲) یاد۔ (۳) فضول خرچی۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو بہت عظمت والا ہے۔

زہد و قناعت

کروں؟ لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو محل نہیں تھا، بہت مختصر سا مکان تھا جو بہت نیچا تھا، کہنے لگے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے محل کہاں کہاں ہیں؟ مجھے وہی دکھادو، لوگوں نے کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی محل نہیں تھے، ان کے بھی چھوٹے چھوٹے مکانات زمین سے لگے ہوئے تھے، حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پھر یہ تو شہر فرعون کا شہر ہے۔ لوگوں نے ان کو پکڑ لیا (کہ یہ شخص مدینہ منورہ کی توہین[1] کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کو فرعون کا شہر بتاتا ہے) اور پکڑ کر امیرِ مدینہ کے پاس لے گئے کہ یہ عجمی شخص مدینہ طیبہ کو فرعون کا شہر بتاتا ہے۔ امیر نے ان سے مطالبہ کیا کہ یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا آپ جلدی نہ کریں پوری بات سن لیں، میں ایک عجمی آدمی ہوں، میں جب اس شہر میں داخل ہوا، تو میں نے پوچھا کہ یہ کس کا شہر ہے؟ پھر پورا قصہ اپنے سوال و جواب کا سنا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں یہ فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ الآیۃ [سورۂ احزاب:۲۱] ترجمہ: ”تم لوگوں کے واسطے (یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو یعنی کامل مومن ہو، غرض ایسے شخص کے لیے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے“ (یعنی ہر بات میں یہ دیکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا معمول تھا اور اُس کا اتباع کرنا چاہیے) پس اب تم ہی بتاؤ کہ تم نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر رکھا ہے یا فرعون کا؟ اس پر لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔

یہاں ایک بات یہ قابلِ لحاظ ہے کہ مُباح[2] چیزوں کے ساتھ لذت حاصل کرنا یا اُن کی وسعت[3] حرام یا ناجائز نہیں ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اُن کی کثرت سے ان چیزوں کے ساتھ اُنس پیدا ہوتا ہے، ان چیزوں کی محبت دل میں ہوجاتی ہے اور پھر اس کا چھوڑنا مشکل ہوجاتا ہے اور ان کے فراہم کرنے کے لیے اسباب تلاش کرنا پڑتے ہیں، پیداوار اور آمدنی کے بڑھانے کی فکر ہوتی ہے اور جو شخص روپیہ بڑھانے کی فکر میں لگ جاتا ہے اُس کو دین کے بارہ میں مُداہنت[4] بھی کرنی پڑتی ہے، اس میں بسا[5] اوقات گناہوں کے مرتکب ہونے کی نوبت بھی آجاتی ہے، اگر دنیا میں گھسنے کے بعد اُس سے محفوظ رہنا آسان ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اہتمام سے دنیا سے بے رغبتی پر تنبیہ نہ فرماتے اور اتنی شدت[6] سے اُس سے خود نہ بچتے کہ نقشین[7] کرتا بھی بدن مبارک پر سے اُتار دیا۔

یحییٰ بن یزید نوفلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا، جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ آپ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور پتلی روٹی استعمال کرتے ہیں اور نرم بستر پر آرام کرتے ہیں، دربان بھی آپ نے مقرر کر رکھا ہے، حالانکہ آپ اونچے علماء میں ہیں، دُور دُور سے لوگ سفر کر کے آپ کے پاس علم سیکھنے کے لیے آتے ہیں، آپ امام ہیں، مُقتداء[8] ہیں، لوگ آپ کا اتباع

حل لغات: (۱) بے عزتی، بے ادبی۔ (۲) جائز۔ (۳) کشادگی، خوب زیادہ ہونا۔ (۴) بات کو چھپانا۔ (۵) بہت مرتبہ، کئی بار۔ (۶) سختی۔ (۷) نقش و نگار والا۔ (۸) رہبر۔

زہد و قناعت

کرتے ہیں، آپ کو بہت احتیاط کرنی چاہیے، محض مخلصانہ یہ خط لکھ رہا ہوں، اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس خط کی خبر نہیں، فقط والسلام۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ تمہارا خط پہونچا جو میرے لیے نصیحت نامہ، شفقت نامہ اور تنبیہ تھی، حق تعالیٰ شانہٗ تقوی کے ساتھ تمہیں مُنتفَع[1] فرمائے اور اس نصیحت کی جزائے خیر عطا فرمائے اور مجھے حق تعالیٰ شانہٗ عمل کی توفیق عطا فرمائے، خوبیوں پر عمل اور برائیوں سے بچنا اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہوسکتا ہے، جو اُمور[2] تم نے ذکر کیے یہ صحیح ہیں ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے (لیکن یہ سب چیزیں جائز ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾ الایة [سورۂ اعراف: ۳۲] ''آپ یہ کہہ دیجیے کہ (یہ بتلاؤ) کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں وغیرہ) کو جن کو اُس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کیا اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا؟'' اس کے بعد تحریر فرمایا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ ان امور کا اختیار نہ کرنا، اختیار کرنے سے اَولیٰ اور بہتر ہے، آئندہ بھی اپنے گرامی نامُوں[3] سے مجھے مُشَرَّف[4] کرتے رہیں، میں بھی خط لکھتا رہوں گا۔ فقط والسلام۔

کتنی لطیف[5] بات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمائی کہ جواز[6] کا فتوٰی بھی تحریر فرمادیا اور اس کا اقرار بھی فرمالیا کہ واقعی زیادہ بہتر ان امور کا ترک[7] ہی تھا۔

⑤ پانچویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ سَلاطین[8] اور حُکّام[9] سے دور رہیں، (بلاضرورت کے) ان کے پاس ہرگز نہ جائیں، بلکہ وہ خود بھی آئیں تو ملاقات کم رکھیں، اس لیے کہ اُن کے ساتھ میل جول، ان کی خوشنودی اور رضاجوئی میں تکلف برتنے سے خالی نہ ہوگا، وہ لوگ اکثر ظالم اور ناجائز اُمور کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں جس پر انکار کرنا ضروری ہے، ان کے ظلم کا اظہار، اُن کے ناجائز فعل پر تنبیہ کرنا ضروری ہے اور اس پر سکوت[10] دین میں مُداہَنَت[11] ہے اور اگر ان کی خوشنودی کے لیے ان کی تعریف کرنا پڑے تو یہ صریح[12] جھوٹ ہے؛ اور ان کے مال کی طرف اگر طبیعت کو میلان ہوا اور طمع[13] ہوئی تو ناجائز ہے، بہرحال ان کا اختلاط[14] بہت سے مفاسد[15] کی کنجی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص جنگل میں رہتا ہے، وہ سخت مزاج ہوجاتا ہے اور جو شکار کے پیچھے لگ جاتا ہے، وہ (سب چیز سے) غافل ہوجاتا ہے اور جو بادشاہ کے پاس آمد ورفت[16] شروع کردے، وہ فتنہ میں پڑجاتا ہے۔ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ

حل لغات: ① فائدہ اُٹھانے والا۔ ② باتیں۔ ③ خط۔ ④ عزت دینا۔ ⑤ باریک۔ ⑥ جائز ہونا۔ ⑦ چھوڑنا۔ ⑧ بادشاہوں۔ ⑨ افسروں۔ ⑩ چپ رہنا۔ ⑪ دین کے کاموں میں نرمی برتنا۔ ⑫ صاف۔ ⑬ لالچ۔ ⑭ ملنا۔ ⑮ برائیوں۔ ⑯ آنا جانا۔

فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ، کسی نے پوچھا کہ فتنوں کی جگہ کون سی ہیں؟ فرمایا: اُمَرَاء[1] کے دروازے کہ اُن کے پاس جا کر ان کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے اور (اُن کی تعریف میں) ایسی باتیں کہنی پڑتی ہیں، جو ان میں نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے یہاں حاضری دیں اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علماء کے یہاں حاضر ہوں۔ حضرت سمنون رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ (جو حضرت سرّی سقطی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے اصحاب[2] میں ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے یہ سنا تھا کہ جب تم کسی عالم کو یہ سنو کہ وہ دنیا کی محبت رکھتا ہے، تو اس شخص کو اپنے دین کے بارہ میں مُتَّہَم[3] سمجھو، میں نے اُس کا خود تجربہ کیا، جب بھی میں بادشاہ کے یہاں گیا تو واپسی پر میں نے اپنے دل کو ٹٹولا، تو اُس پر میں نے ایک وبال[4] پایا، حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میں وہاں سخت گفتگو کرتا ہوں اور ان کی رائے کا سختی سے خلاف کرتا ہوں، وہاں کی کسی چیز سے مُنْتَفِع نہیں ہوتا، حتّٰی کہ وہاں کا پانی بھی نہیں پیتا، ہمارے علماء بنو اسرائیل کے علماء سے بھی بُرے ہیں کہ وہ حُکام کے پاس جا کر ان کو گنجائشیں بتاتے ہیں، اُن کی خوشنودی کی فکر کرتے ہیں، اگر وہ اُن سے اُن کی ذمہ داریاں صاف صاف بتائیں تو وہ لوگ ان کا جانا بھی گراں[5] سمجھنے لگیں اور یہ صاف صاف کہنا ان علماء کے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں نجات کا سبب بن جائے، علماء کا سلاطین کے یہاں جانا ایک بہت بڑا فتنہ ہے اور شیطان کے اغوا کرنے کا ذریعہ ہے، بِالخُصوص جس کو بولنا اچھا آتا ہو، اُس کو شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ تیرے جانے سے ان کی اصلاح ہوگی، وہ اس کی وجہ سے ظلم سے بچیں گے اور دین کے شعائر[6] کی حفاظت ہوگی حتّٰی کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُن کے پاس جانا بھی کوئی دینی چیز ہے حالانکہ ان کے پاس جانے سے ان کی دل داری میں مُدَاہَنَت کی باتیں کرنا اور اُن کی بے جا[7] تعریفیں کرنا پڑتی ہیں، جس میں دین کی ہلاکت ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے حضرت حسن بصری رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو لکھا کہ مجھے ایسے مناسب لوگوں کا پتہ بتاؤ، جن سے میں اپنی اس (خلافت کے کام) میں مدد لوں۔ حضرت حسن رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے (جواب میں) لکھا کہ اہلِ دین تو تم تک نہ آئیں گے اور دنیا داروں کو تم اختیار نہ کرو گے (اور نہ کرنا چاہیے یعنی حریص[8] طَمَّاع[9] لوگوں کو کہ وہ اپنے لالچ میں کام خراب کر دیں گے) اس لیے شریف[10] النسب لوگوں سے کام لو، اس لیے کہ ان کی قومی شرافت[11] ان کو اس بات سے روکے گی کہ وہ اپنی نسبی شرافت کو خیانت سے گندہ کریں۔ یہ جواب حضرت عمر بن عبد العزیز رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو لکھا، جن کا زہد و تقویٰ، عدل و انصاف ضَرَبُ[12] المثل ہے، حتّٰی کہ وہ ''عمر ثانی'' کہلاتے ہیں، یہ امام غزالی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا ارشاد ہے؛ لیکن

حل لغات: (۱) امیروں۔ (۲) شاگرد۔ (۳) جس پر تہمت اور الزام لگایا جائے۔ (۴) بوجھ۔ (۵) بوجھ، ناپسند۔ (۶) علامتیں، نشانیاں۔ (۷) فضول، بے کار۔ (۸) لالچی۔ (۹) بہت لالچی۔ (۱۰) اچھے خاندان والا۔ (۱۱) عزت۔ (۱۲) مشہور۔

اس ناکارہ[1] کے خیال میں اگر کوئی دینی مجبوری ہو تو وہ اپنے نفس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے جانے میں مُضائقہ[2] نہیں، بلکہ بسا اوقات[3] دینی مصالح اور ضرورتوں کا تقاضا جانا ہی ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنی ذاتی غرض، ذاتی نفع، مال وجاہ کمانا مقصود نہ ہو بلکہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہو، حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾ [سورۂ بقرہ، ۲۲۰] اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں''۔

⑥ چھٹی علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ فتویٰ صادر کر دینے میں جلدی نہ کرے، مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرے، حتی الوُسع[4] اگر کوئی دوسرا اہل[5] ہو تو اُس کا حوالہ کر دے۔ ابوحفص نیساپوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے کہ جو مسئلہ کے وقت اس سے خوف کرتا ہو کہ کل کو قیامت میں یہ جواب دہی کرنا پڑے گی کہ کہاں سے بتایا تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چار چیزوں سے بہت احتراز[6] کرتے تھے۔ ① امامت کرنے سے۔ ② وصی بننے سے (یعنی کسی کی وصیت میں مال وغیرہ تقسیم کرنے سے)۔ ③ امانت رکھنے سے۔ ④ فتویٰ دینے سے اور ان کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں: ① قرآن پاک کی تلاوت ② مساجد کا آباد کرنا ③ اللہ تعالیٰ کا ذکر ④ اچھی باتوں کی نصیحت کرنا ⑤ بُری باتوں سے روکنا۔ ابن حصین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض آدمی ایسے جلدی فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ وہ مسئلہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے سامنے پیش ہوتا تو سارے بدر والوں کو اکٹھا کر کے مشورہ کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ اتنے جلیل القدر صحابی ہیں کہ دس برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، جب اُن سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ مولانا الحَسَن سے دریافت کرو (یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مشہور فقہاء اور مشہور صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہٗ باوجود صحابی ہونے کے ان تابعی کا نام بتاتے) اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جب مسئلہ دریافت کیا جاتا (حالانکہ وہ مشہور صحابی اور رئیس[7] المفسِّرین ہیں) تو فرماتے کہ جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ (جو اہلِ فتویٰ تابعی ہیں) سے دریافت کرو۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بڑے مشہور فقیہ صحابی ہیں، حضرت سعید بن المُسَیَّب رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) پر حوالہ فرما دیتے۔

⑦ ساتویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سُلوک[8] کا اہتمام بہت زیادہ ہو، اپنی اصلاحِ[9] باطن اور اصلاحِ[10] قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو کہ یہ علوم ظاہریہ میں بھی ترقی

حل لغات: ① مراد مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ② حرج۔ ③ کئی دفعہ۔ ④ جہاں تک ہو سکے۔ ⑤ قابل، لائق۔ ⑥ بچنا۔ ⑦ سب سے بڑے تفسیر کرنے والے۔ ⑧ اللہ سے قریب ہونے کا راستہ۔ ⑨ اندر کی اصلاح، دل کی درستگی۔ ⑩ دل کی درستگی۔

زہد وقناعت

کا ذریعہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جو اس نے نہیں پڑھیں۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم یہ مت کہو کہ علوم آسمان پر ہیں ان کو کون اتارے، یا وہ زمین کی جڑوں میں ہیں ان کو کون اوپر لائے، یا وہ سمندروں کے پار ہیں کون اُن پر گذرے تا کہ ان کو لائے، علوم تمہارے دلوں کے اندر ہیں، تم میرے سامنے روحانی ہستیوں کے آداب کے ساتھ رہو، صدیقین کے اخلاق اختیار کرو، میں تمہارے دلوں میں سے علوم کو ظاہر کردوں گا، یہاں تک کہ وہ علوم تم کو گھیر لیں گے اور تم کو ڈھانک لیں گے۔ اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ اہلُ اللہ کو حق تعالیٰ شانہٗ وہ علوم اور معارف عطا فرماتا ہے کہ کتابوں میں تلاش سے بھی نہیں ملتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد جس کو حق تعالیٰ شانہٗ سے نقل فرماتے ہیں کہ میرا بندہ کسی ایسی چیز کے ساتھ مجھ سے تقرّب[1] حاصل نہیں کرسکتا، جو مجھے زیادہ محبوب ہو ان چیزوں سے جو میں نے اس پر فرض کیں (جیسا کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ، یعنی جتنا تقرب فرائض کے اچھی طرح ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، ایسا تقرب دوسری چیزوں سے نہیں ہوتا) اور بندہ نوافل کے ساتھ بھی میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس کو محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے؛ اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے؛ اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے؛ اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو پورا کرتا ہوں؛ اور وہ کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو اُس کو پناہ دیتا ہوں۔ [بخاری شریف]

یعنی اُس کا چلنا پھرنا دیکھنا سننا سب کام میری رضا کے مطابق ہوجاتے ہیں اور بعض حدیثوں میں اس کے ساتھ یہ مضمون بھی آیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے اعلانِ جنگ کرتا ہے اور چونکہ اولیاء اللہ کا غور وفکر سب ہی حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ وابستہ[2] ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک کے دقیق[3] علوم ان کے قلوب[4] پر مُنکشف[5] ہوجاتے ہیں، اُس کے اَسرار[6] ان پر واضح ہوجاتے ہیں، بالخصوص ایسے لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر کے ساتھ ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور ہر شخص کو اس میں سے حسبِ توفیق اتنا حصہ ملتا ہے جتنا کہ عمل میں اُس کا اہتمام اور اُس کی کوشش ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی طویل[7] حدیث میں علمائے آخرت کا حال بیان فرمایا ہے، جس کو ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے مفتاح دار السعادۃ میں اور ابو نُعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حِلیہ میں ذکر فرمایا ہے، اُس میں

حل لغات: (۱) نزدیکی۔ (۲) متعلق۔ (۳) باریک۔ (۴) دل۔ (۵) کھل جانا۔ (۶) بھید، راز۔ (۷) لمبی۔

زہد و قناعت

فرماتے ہیں کہ قلوب بمنزلہ برتن کے ہیں اور بہترین قلوب وہ ہیں جو خیر کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں، علم کا جمع کرنا مال کے جمع کرنے سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تجھ کو حفاظت کرنی پڑتی ہے، علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے، مال کا نفع اس کے زائل ہونے (خرچ کرنے) سے ختم ہوجاتا ہے، لیکن علم کا نفع ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے (عالم کے انتقال سے بھی ختم نہیں ہوتا کہ اُس کے ارشادات باقی رہتے ہیں)، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ میرے سینے میں علوم ہیں کاش اُس کے اہل ملتے، مگر میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو دین کے اسباب کو دنیا طلبی پر خرچ کرتے ہیں یا ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو لذتوں میں مُنْہمِک[1] ہیں، شہوتوں کی طلب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یا مال کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ غرض یہ طویل مضمون ہے جس کے چند فقرے[2] یہاں نقل کیے ہیں۔

⑧ آٹھویں علامت یہ ہے کہ اس کا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ بڑھا ہوا ہو؛ اور اُس کا بہت زیادہ اہتمام اُس کو ہو، یقین ہی اصل رأس[3] المال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یقین ہی پورا ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''یقین کو سیکھو''؛ اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقین والوں کے پاس اہتمام سے بیٹھو، اُن کا اتباع کرو تا کہ اُس کی برکت سے تم میں یقین کی پختگی[4] پیدا ہو۔ اُس کو حق تعالیٰ شانُہٗ کی قدرتِ کاملہ اور صفات کا ایسا ہی یقین ہو جیسا کہ چاند سورج کے وجود کا، وہ اس کا کامل یقین رکھتا ہو کہ ہر چیز کا کرنے والا صرف وہی ایک پاک ذات ہے اور یہ دنیا کے سارے اسباب اُس کے ارادہ کے ساتھ مُسَخَّر[5] ہیں جیسا کہ مارنے والے کے ہاتھ میں لکڑی کہ اس میں لکڑی کو کوئی شخص بھی دَخِیل[6] نہیں سمجھتا؛ اور جب یہ پختہ ہو جائے گا تو اُس کو توکُّل[7]، رضا اور تسلیم سہل[8] ہو جائے گی، نیز اُس کو اس کا پختہ یقین ہو کہ روزی کا ذمہ صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ہے اور اُس نے ہر شخص کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے، جو اُس کے مقدر میں ہے وہ اس کو بہر حال مل کر رہے گا اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کسی حال میں نہ مل سکے گا اور جب اس کا یقین پختہ ہو جائے گا تو روزی کی طلب میں اعتدال[9] پیدا ہو جائے گا، حرص[10] اور طمع جاتی رہے گی، جو چیز مُیَسَّر[11] نہ ہوگی اُس پر رنج نہ ہوگا، نیز اُس کو اس کا یقین ہو کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ ہر بھلائی اور برائی کا ہر وقت دیکھنے والا ہے، ایک ذرہ کی برابر کوئی نیکی یا برائی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اُس کا بدلہ نیک یا بد ضرور ملے گا، وہ نیک کام کے کرنے پر ثواب کا ایسا ہی یقین رکھتا ہو جیسا کہ روٹی کھانے سے پیٹ بھرنا، اور بُرے کام پر عذاب کو ایسا ہی یقین سمجھتا ہو جیسا کہ سانپ کے کاٹنے سے

حل لغات: ① بہت مشغول، بہت مبتلا۔ ② جملے۔ ③ سرمایہ، اصل مال۔ ④ مضبوطی۔ ⑤ تابع، قبضہ میں ہونا۔ ⑥ دخل دینے والا۔ ⑦ اللہ پر بھروسہ۔ ⑧ آسان۔ ⑨ درمیانی درجہ، برابری۔ ⑩ لالچ۔ ⑪ حاصل۔

زہد و قناعت

زہر کا چڑھنا (وہ نیکی کی طرف ایسا ہی مائل ہو جیسا کہ کھانے پینے کی طرف؛ اور گناہ سے ایسا ہی ڈرتا ہو جیسا کہ سانپ بچھو سے) اور جب یہ پختہ ہو جائے گا تو ہر نیکی کے کمانے کی اُس کی پوری رغبت ہوگی اور ہر بُرائی سے بچنے کا پورا اہتمام ہوگا۔

⑨ نویں علامت یہ ہے کہ اُس کی ہر حرکت وسکون سے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خوف ٹپکتا ہو، اس کی عظمت وجلال اور ہیبت[1] کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو، اُس کے لباس سے، اُس کی عادات سے، اس کے بولنے سے، اس کے چُپ رہنے سے حتیٰ کہ ہر حرکت اور سکون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو، اس کی صورت دیکھنے سے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی یاد تازہ ہوتی ہو، سکون، وقار، مسکنت[2]، تواضع اُس کی طبیعت بن گیا ہو، بیہودہ[3] گوئی، لغو کلامی[4]، تکلف سے باتیں کرنے سے گریز[5] کرتا ہو کہ یہ چیزیں فخر اور اکڑ کی علامات ہیں، اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے بے خوفی کی دلیل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ علم سیکھو اور علم کے لیے سکون اور وقار سیکھو، جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے نہایت تواضع سے رہو، جابر[6] علماء میں سے نہ بنو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہترین افراد وہ ہیں جو مجمع میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت سے خوش رہتے ہوں اور تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے روتے ہوں، اُن کے بدن زمین پر رہتے ہوں اور ان کے دل آسمان کی طرف لگے رہتے ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناجائز امور سے بچنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ذکر سے تیری زبان تر وتازہ رہے، کسی نے پوچھا کہ بہترین ساتھی کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ اگر تُو نیک کام سے غفلت کرے تو وہ تجھے مُتنبّہ[7] کر دے اور اگر تجھے خود یاد ہو تو اس میں تیری اِعانت[8] کرے، کسی نے پوچھا کہ بُرا ساتھی کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہے کہ اگر تجھے نیک کام سے غفلت ہو تو وہ متنبہ نہ کرے اور تو خود کرنا چاہے تو اس میں تمہاری اعانت نہ کرے، کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرنے والا ہو، کسی نے پوچھا کہ ہم کن لوگوں کے پاس زیادہ تر اپنی نِشست[9] رکھیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن کی صورت سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آخرت میں زیادہ بے فکر وہ شخص ہوگا جو دنیا میں فکرمند رہا ہو، اور آخرت میں زیادہ ہنسنے والا وہ ہوگا جو دنیا میں زیادہ رونے والا ہو۔

حل لغات: ① ڈر رعب۔ ② عاجزی۔ ③ نامناسب باتیں۔ ④ بے کار باتیں۔ ⑤ بچنا۔ ⑥ متکبر، گھمنڈ۔ ⑦ خبردار۔ ⑧ مدد۔ ⑨ بیٹھنا، صحبت، ساتھ۔

زہد وقناعت

⑩ دسویں علامت یہ ہے کہ اس کا زیادہ اہتمام ان مسائل سے ہو جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں، جائز ناجائز سے تعلق رکھتے ہیں، فلاں عمل کرنا ضروری، فلاں عمل سے بچنا ضروری ہے، اس چیز سے فلاں عمل ضائع ہو جاتا ہے (مثلاً فلاں چیز سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، مسواک کرنے سے یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ) ایسے علوم سے زیادہ بحث نہ کرتا ہو جو محض دماغی تفریحات[1] اور تفریعات ہوں تاکہ لوگ اُس کو محقق[2] سمجھیں، حکیم[3] اور فلاسفر[4] سمجھیں۔

⑪ گیارہویں علامت یہ ہے کہ اپنے علوم میں بصیرت[5] کے ساتھ نظر کرنے والا، محض لوگوں کی تقلید میں اور اتباع میں اُن کا قائل نہ بن جائے، اصل اتباع حضورِ اقدس ﷺ کے پاک ارشادات کا ہے اور اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اتباع ہے کہ وہ حضورِ اقدس ﷺ کے افعال کو دیکھنے والے ہیں اور اب اصل اتباع حضور ﷺ ہی کا ہے، تو حضور ﷺ کے اقوال[6] و افعال کے جمع کرنے میں، اُن پر غور و فکر میں بہت زیادہ اہتمام کرے۔

⑫ بارہویں علامت: بدعات سے بہت شدّت[7] اور اہتمام سے بچنا ہے، کسی کام پر آدمیوں کی کثرت کا جمع ہو جانا کوئی معتبر چیز نہیں ہے، بلکہ اصل اتباع حضور ﷺ کا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا معمول رہا ہے اور اس کے لیے ان حضرات کے معمولات اور احوال کا تتبّع اور تلاش کرنا اور اس میں مُنہمِک[8] رہنا ضروری ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دو شخص بدعتی ہیں جنھوں نے اسلام میں دو بدعتیں جاری کیں: ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دین وہ ہے جو اُس نے سمجھا ہے اور جو اس کی رائے کی موافقت[9] کرتا ہے، وہی ناجی[10] ہے، دوسرا وہ شخص جو دنیا کی پرستش[11] کرتا ہے، اُسی کا طالب ہے، دنیا کمانے والوں سے خوش ہوتا ہے اور جو دنیا نہ کماوے اس سے خفا[12] ہوتا ہے، ان دونوں آدمیوں کو جہنم کے لیے چھوڑ دو اور جس شخص کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان دونوں سے محفوظ رکھا ہو، وہ پہلے اکابر[13] کا اتباع کرنے والا ہے اُن کے احوال اور طریقہ کی پیروی کرنے والا ہے اس کے لیے ان شاء اللہ بہت بڑا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ اس وقت خواہشات علم کے تابع ہیں، لیکن عنقریب[14] ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ علم خواہشات کے تابع ہوگا، یعنی جن

حل لغات: ① دماغ کو خوش اور تر و تازہ کرنے والی چیزیں۔ ② تحقیق کرنے والا، وہ آدمی جو بات کو دلیل سے ثابت کرے۔ ③ عقلمند، ہوشیار۔ ④ دانشور، علم فلسفہ کا جاننے والا۔ ⑤ دل کی گہرائی۔ ⑥ کہنا اور کرنا، باتیں اور کام۔ ⑦ سختی۔ ⑧ پوری طرح مشغول رہنا۔ ⑨ برابر سمجھنا۔ ⑩ نجات پانے والا۔ ⑪ عبادت۔ ⑫ ناراض۔ ⑬ بزرگوں۔ ⑭ جلد ہی۔

چیزوں کو اپنا دل چاہے گا وہی علوم سے ثابت کی جائیں گی۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں شیطان نے اپنے لشکروں کو چاروں طرف بھیجا، وہ سب کے سب پھر پھرا کر نہایت پریشان حال تھکے ہوئے واپس ہوئے، اُس نے پوچھا: کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہم کو پریشان کردیا، ہمارا کچھ بھی اثر ان پر نہیں ہوتا، ہم اُن کی وجہ سے بڑی مشقت میں پڑ گئے۔ اُس نے کہا کہ گھبراؤ نہیں یہ لوگ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحبت[1] یافتہ ہیں ان پر تمہارا اثر مشکل ہے، عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہارے مقاصد پورے ہوں گے، اُس کے بعد تابعین کے زمانہ میں اُس نے اپنے لشکروں کو سب طرف پھیلایا، وہ سب کے سب اس وقت بھی پریشان حال واپس ہوئے۔ اُس نے پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہمیں دِق[2] کردیا، یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ ہماری اغراض[3] 'مقاصد، حاجتیں' اُن سے کچھ پوری ہوجاتی ہیں مگر جب شام ہوتی ہے تو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرتے ہیں کہ ہمارا سارا کیا کرایا برباد ہوجاتا ہے، شیطان نے کہا کہ گھبراؤ نہیں، عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی، وہ اپنی خواہشات میں دین سمجھ کر ایسے گرفتار ہوں گے کہ اُن کو توبہ کی بھی توفیق نہ ہوگی، وہ بددینی کو دین سمجھیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں شیطان نے اُن لوگوں کے لیے ایسی بدعات نکال دیں جن کو وہ دین سمجھنے لگے اُس سے ان کو توبہ کیسے نصیب ہو۔ یہ بارہ علامات مختصر طریقہ سے ذکر کی گئی ہیں، جن کو علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس لیے علماء کو اپنے مُحاسبہ[4] کے دن سے خاص طور سے ڈرنے کی ضرورت ہے کہ اُن کا مُحاسبہ بھی سخت ہے، ان کی ذمہ داری بھی بڑھی ہوئی ہے اور قیامت کا دن جس میں یہ مُحاسبہ ہوگا بڑا سخت دن ہوگا، اللہ تعالیٰ شانُہٗ محض اپنے فضل وکرم سے اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے۔

⑦ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ تَعَالىٰ يَقُوْلُ: يَا ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَ إِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ وعمّ نوالُہٗ کا فرمان ہے کہ اے آدم کی اولاد! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہوجا، میں تیرے سینے کو غنا[5] سے پُر کردوں گا اور تیرے فقر کو زائل[6] کردوں گا اور اگر تُو ایسا نہیں کرے گا تو میں تجھے مشاغل[7] میں

حل لغات: ① ساتھ میں رہے ہوئے۔ ② تنگ، پریشان۔ ③ مقصد، ضرورتیں۔ ④ پوچھ تاچھ، حساب کتاب۔ ⑤ مالداری، بے نیازی۔ ⑥ ختم، دور۔ ⑦ کاموں۔

زہد و قناعت

پھانس دوں گا اور تیرا فقر زائل نہیں کروں گا۔

[رواه أحمد وابن ماجه كذا في المشكوة وزاد في الترغيب الترمذي وابن حبّان و الحاكم صَححهٗ وفي الباب عن عمران وغيره في الترغيب]

فائدہ: مُتعدّد[۱] احادیث میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ہمہ تن[۲] اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف متوجہ ہو جائے، اُسی کا بن جائے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کی ہر ضرورت کو خود پورا فرماتے ہیں اور ایسی جگہ سے اُس کو روزی عطا فرماتے ہیں کہ اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا؛ اور جو شخص دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اُسی کے فکر میں ہر وقت رہتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کو دنیا کے حوالے کر دیتے ہیں کہ تُو دنیا سے نبٹ لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی پوری توجہ اور آخری مقصد دنیا کمانا ہو، اُسی کے لیے سفر کرتا ہے، اُسی کا خیال دل میں رہتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ فقر و فاقہ (کا خوف) اُس کی آنکھ کے سامنے کر دیتے ہیں (ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ آمدنی تو بہت کم ہے کیا ہوگا؟ کیوں کر گذر چلے گا؟) اور اس کے اوقات کو (اسی فکر و تردّد[۳] میں) پریشان کر دیتے ہیں اور ملتا اتنا ہی ہے جتنا کہ مقدر ہوتا ہے اور جس شخص کی توجہ اور حقیقی مقصد آخرت ہوتی ہے، اُسی کے کاموں کے لیے سفر کرتا ہے، اُسی کا خیال دل میں رہتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ (دنیا سے بے نیازی اور بے فکری[۴] اور) اِستِغنَاء اس کے سامنے کر دیتے ہیں اور اس کے احوال کو مجتمع[۵] کر دیتے ہیں اور دنیا خود بخود ذلیل ہو کر اُس کے پاس آتی ہے۔ [ترغیب]

خود بخود ذلیل ہو کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مقدر ہے وہ تو آ کر رہے گی، اس لیے کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ روزی خود آدمی کو ایسا تلاش کرتی ہے، جیسا کہ موت آدمی کو تلاش کرتی ہے، جب وہ خود اُس کی تلاش میں ہے، اس کے پاس آنے پر مجبور ہے اور اُس کی طرف سے اِستِغنَاء رہے تو وہ بہر حال اس کے پاس آ کر رہے گی، اس سے زیادہ ذلّت کیا ہوگی کہ وہ خود اس کے پاس آئے اور یہ لاپروائی برتے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص اس چیز کی طلب میں لگ جائے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے پاس ہے، آسمان اس کا سایہ ہو، زمین اُس کا بستر ہو، دنیا کی کسی چیز کا اُس کو فکر نہ ہو، تو ایسا شخص بغیر کھیتی کیے روٹی کھائے گا، بغیر باغ لگائے پھل کھائے گا، اللہ پر اس کا توکل[۶] ہو اور اُس کی رضا کی جستجو[۷] میں لگا رہتا ہو اللہ جَلَّ شانُہٗ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو اُس

حل لغات: (۱) کئی بہت سی۔ (۲) مکمل طور پر۔ (۳) سوچ بچار۔ (۴) بے فکری۔ (۵) اکٹھا کرنا، جمع کرنا۔ (۶) بھروسہ۔ (۷) تلاش، کوشش۔

زہد و قناعت

کی روزی کا ذمہ دار بنا دیتے ہیں، وہ سب کے سب اُس کو روزی پہونچانے کے کوشاں[1] رہتے ہیں، اُس کو حلال روزی پہونچانے میں کوتاہی[2] نہیں کرتے اور وہ بغیر حساب کے اپنی روزی پوری کر لیتے ہیں۔ [درمنثور]

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ خیف (منیٰ کی مسجد) میں وعظ فرمایا، اس میں حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا مقصد دنیا بن جائے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے احوال کو پریشان اور منتشر[3] کر دیتے ہیں اور فقر (کا خوف) ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور دنیا تو جتنی مقدر ہے اس سے زیادہ ملتی نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہٗ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے پیچھے پڑ جائے، اُس کا حق تعالیٰ شانہٗ سے کوئی واسطہ نہیں اور جس کو مسلمانوں کا (اُن کی بھلائی کا، خیر خواہی کا) فکر نہ ہو اُس کو مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں، اور جو (دُنیوی اغراض[4] کے لیے) اپنے آپ کو خوشی سے ذلیل کرے اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں (محض[5] چار پیسے کے واسطے یا کسی اور دنیوی غرض کے لیے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرنا یقیناً اپنی قدر و قیمت کا نہ پہچاننا ہے، اور اپنے ان بزرگوں کے نام کو دھبّہ لگانا ہے جن کی طرف اپنی نسبت ہے اور سب سے اونچی نسبت فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہونا ہے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چار چیزیں بدبختی[6] کی علامت ہیں: ① آنکھوں کا خشک ہونا (اللہ کے خوف سے کسی وقت بھی آنسو نہ ٹپکے)۔ ② دل کا سخت ہونا (کہ اپنی آخرت کے لیے یا کسی دوسرے کے لیے کسی وقت بھی نرم نہ پڑے)۔ ③ آرزوؤں کا لمبا ہونا۔ ④ اور دنیا کی حرص[7]۔ [ترغیب]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہٗ نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی: لوگو! تمہیں کیا ہو رہا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے علماء دن بدن (موت کی وجہ سے) کم ہوتے جا رہے ہیں اور تمہارے جاہل لوگ علم سیکھتے نہیں، اس سے پہلے پہلے علم سیکھ لو کہ علماء انتقال کر جائیں اور ان کے انتقال سے علم جاتا رہے (پھر کوئی پڑھانے والا بھی صحیح نہ ملے گا)، میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اس چیز کے جمع کرنے پر تو بڑا لالچ کرتے ہو، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے (یعنی روزی) اور اُس چیز کو ضائع کر رہے ہو جس کے تم خود ذمّہ دار ہو (یعنی علم و عمل)، میں تمہارے بدترین آدمیوں کو دیکھ رہا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کو تاوان[8] سمجھتے ہیں اور نماز کو ٹال کر پڑھتے ہیں اور قرآن پاک کے پڑھنے میں بھی بے التفاتی[9] کرتے ہیں۔ [تنبیہ الغافلین]

حل لغات: ① کوشش کرنا۔ ② کمی۔ ③ بکھیرنا۔ ④ مقصد۔ ⑤ صِرف۔ ⑥ بدنصیبی، بری قسمت۔ ⑦ لالچ۔ ⑧ جرمانہ، ڈنڈ۔ ⑨ بے توجہی۔

⑧ عَنْ أَبِي مُوسىٰ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ، وَمَنْ أَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ. فَاٰثِرُوْا مَايَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى۔ [رواه أحمد و البيهقي في شعب الإيمان كذا في المشكوٰة]۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ (صورت کے اعتبار سے) دنیا کو نقصان پہونچاتا ہے پس (جب یہ ضابطہ ہے تو) جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے (یعنی آخرت) اُس کو ترجیح[1] دو اس چیز پر جو بہر حال فنا[2] ہو جانے والی ہے۔

فائدہ: دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے بہر حال ختم ہونے والی ہے اور اُس کا مال و متاع[3] چاہے کتنا ہی زیادہ سے زیادہ ہو جائے ایک دن چھوٹنے والا ہے، موت سے چھوٹ جائے، چاہے ضائع ہو جانے سے چھوٹ جائے، اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہے، اُس کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہیں، ایسی حالت میں کھلی ہوئی بات ہے کہ آدمی میں اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو ایسی چیز کو اختیار کرنا چاہیے جو ہمیشہ اپنے پاس رہے گی، ایسی چیز کے پیچھے پڑنا جو کسی طرح بھی اپنے پاس ہمیشہ نہیں رہ سکتی بیوقوفی کی انتہا[4] ہے، مگر ہم لوگوں کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس اسٹیشن کے ویٹنگ روم کی زیب و زینت[5] پر دل لگائے بیٹھے ہیں اور قیام صرف اتنا ہے کہ جب ریل گاڑی آ جائے، اس پر سوار ہو جانا ہے، اتنے ذرا سے وقت میں اگر آدمی اپنے سفر کی تیاری میں مشغول رہے، اپنے سامانِ سفر کو تیار کر لے جو چیزیں وطن میں پہونچ کر کام آنے والی ہیں ان کو فراہم کر لے تو یقیناً اُس کے لیے کار آمد[6] ہیں، وہ اپنا یہ قیمتی وقت اور تھوڑی سی فرصت وہاں کے سیر سپاٹے میں خرچ کر دے، اپنا سامان بکھرا پڑا رہے اور خود ویٹنگ روم کی صفائی اور اس کے فرنیچر کو قرینہ[7] سے رکھنے میں لگ جاوے یا اس سے بڑھ کر حماقت[8] یہ کرے کہ اس میں لٹکانے کے واسطے آئینے اور نقشے خریدنے میں لگ جائے تو اپنا سامان بھی کھوئے گا اور اپنی متاع[9] بھی ضائع کرے گا۔

اس حدیث پاک میں دنیا سے محبت نہ کرنے پر تنبیہ ہے کہ محبت ایسی سخت چیز ہے کہ جس کے ساتھ بھی لگ جائے رفتہ رفتہ[10] آدمی کو اُسی کا بنا دیتی ہے، اسی لیے آخرت کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی ترغیب فرمائی ہے اور دنیا سے ترکِ[11] محبت پر تنبیہ ہے کہ دنیا سے محبت رکھنے والا اگرچہ آخرت کے اعمال اس وقت کرتا ہو، لیکن اس ناپاک دنیا کی محبت رنگ لائے بغیر نہ رہے گی اور آہستہ آہستہ آخرت کے

حل لغات: ① بڑھاوا۔ ② ختم۔ ③ سامان۔ ④ آخری حد۔ ⑤ خوبصورتی۔ ⑥ کام آنے والی۔ ⑦ ڈھنگ، سلیقہ۔ ⑧ بیوقوفی۔ ⑨ پونجی، سرمایہ۔ ⑩ آہستہ آہستہ۔ ⑪ چھوڑنا۔

زہد و قناعت

کاموں میں تساہُل[1] و حرج اور نقصان پیدا کردے گی۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کو محبوب رکھتا ہے سارے پیر و مُرشِد مل کر بھی اس کو ہدایت نہیں کر سکتے اور جو شخص دنیا کو ترک کردیتا ہے (اُس سے نفرت کرتا ہے) اس کو سارے مُفسِد[2] مل کر بھی گمراہ نہیں کر سکتے۔ [مظاہر حق]

حضرت بَراء رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں اپنی شہوتوں کو پورا کرتا ہے وہ آخرت میں اپنی خواہشات کے پورا کرنے سے محروم ہوتا ہے اور جو شخص دنیا میں ناز پروردہ (رئیس) لوگوں کی زیب و زینت کی طرف (للچائی ہوئی) آنکھوں سے دیکھتا ہے، وہ آسمانوں کی بادشاہت میں ذلیل سمجھا جاتا ہے اور جو شخص کم سے کم روزی پر صبر و تحمل کرتا ہے وہ جنت میں فردوسِ اعلیٰ میں ٹھکانا پکڑتا ہے۔ [درِ منثور]

حضرت لقمان علیہ السلام مشہور حکیم ہیں، قرآن پاک میں بھی ان کی نصائح[3] کا ذکر فرمایا گیا، یہ ایک حبشی غلام سیاہ فام[4] تھے، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے نوازا کہ حکیم لقمان بن گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ حکمت اور بادشاہت میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں، تو انہوں نے حکمت کو پسند فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان سے ارشاد فرمایا: کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ تم کو بادشاہ بنادیا جائے اور تم حق کے موافق حکومت کرو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میرے رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو مجھے عذر نہیں، اس لیے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے میری اعانت[5] ہوگی اور اگر مجھے اس کا اختیار ہے کہ میں قبول کروں یا نہ کروں، تو میں معافی کا خواست گار[6] ہوں، میں اپنے ذمہ مصیبت رکھنا نہیں چاہتا، فرشتوں نے پوچھا کہ لقمان یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حاکم بڑی سخت جگہ میں ہوتا ہے، ناگوار[7] چیزیں اور ظلم ہر طرف سے اُس کو گھیر لیتا ہے، اس میں اس کی مدد ہو سکے یا نہ ہو سکے، اگر حق کے موافق فیصلہ کرے تب تو نجات ہو سکتی ہے، ورنہ جنت کے راستہ سے بھٹک جائے گا، اور کوئی شخص دنیا میں ذلیل بن کر دن گذار دے یہ اس سے بہتر ہے کہ دنیا میں شریفانہ زندگی گذار کر (آخرت کے اعتبار سے) ضائع ہو جائے، اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح[8] دیتا ہے، دنیا تو اس سے چھوٹ جاتی ہے اور آخرت کے کام کا رہتا نہیں۔ فرشتوں کو اُن کے جواب سے بڑی حیرت ہوئی، اس کے بعد وہ سو گئے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان پر حکمت کو ڈھانک دیا۔ [درِ منثور]

ان سے جو حکمتیں اور اپنے صاحبزادہ کو نصیحتیں نقل کی گئیں بڑی عجیب ہیں، وہ بہت کثرت سے روایات میں آئی ہیں، مِنجُملہ[9] ان کے یہ بھی ہے کہ بیٹا علماء کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکماء کی

حل لغات: (۱) کاہلی، سستی۔ (۲) شریر لوگ، فسادی لوگ۔ (۳) نصیحتیں۔ (۴) کالا کلوٹا۔ (۵) مدد۔ (۶) امیدوار، چاہنے والا۔ (۷) ناپسندیدہ۔ (۸) فضیلت، بڑھاوا۔ (۹) ان تمام میں سے۔

زہد و قناعت

بات اہتمام سے سُنا کرو، اللہ تعالیٰ شانُہٗ حکمت کے نور سے مردہ دل کو ایسا زندہ فرماتے ہیں جیسا کہ مردہ زمین زوردار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ایک شخص ان کے پاس کو گذرا، اُن کے پاس اس وقت مجمع بیٹھا ہوا تھا، وہ کہنے لگا: کیا تو فلاں قوم کا غلام نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ان کا غلام تھا، اُس نے پوچھا: کیا تو وہی نہیں ہے جو فلاں پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں وہی شخص ہوں، اُس نے پوچھا کہ پھر تُو اس مرتبہ تک کیسے پہونچ گیا؟ انہوں نے فرمایا: چند چیزوں کی پابندی اور اہتمام کرنے سے، وہ چیزیں یہ ہیں: اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا خوف اور بات میں سچائی اور امانت کا پورا پورا ادا کرنا اور بے کار گفتگو سے احتراز[1]۔ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ایسی طرح امید رکھو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور ایسی طرح اُس کے عذاب سے خوف کرو کہ اُس کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ، صاحبزادہ نے عرض کیا کہ دل تو ایک ہی ہے اس میں خوف اور امید دونوں کس طرح جمع ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مومن ایسا ہی ہوتا ہے کہ اُس کے لیے گویا دو دل ہوتے ہیں، ایک میں پوری امید اور ایک میں پورا خوف ۔اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بیٹا! ''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ'' بہت کثرت سے پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے الطاف[2] میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے، وہ مل جاتا ہے۔ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا! نیک عمل اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ یقین بغیر نہیں ہوسکتا، جس کا یقین ضعیف[3] ہوگا اُس کا عمل بھی سُست ہوگا۔ بیٹا! جب شیطان تجھے کسی شک میں مبتلا کرے، تو اُس کو یقین کے ساتھ مغلوب کر اور جب وہ تجھے عمل میں سستی کرنے کی طرف لے جائے، تو قبر اور قیامت کی یاد سے اُس پر غلبہ حاصل کر اور جب دنیا میں رغبت یا (یہاں کی تکلیف کے) خوف کے راستہ سے وہ تیرے پاس آئے تو اُس سے کہہ دے کہ دنیا ہر حال میں چھوٹنے والی چیز ہے (نہ یہاں کی راحت کو دوام[4] ہے، نہ یہاں کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی ہے)۔

ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا! جو شخص جھوٹ بولتا ہے اُس کے منہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور جس شخص کی عادتیں خراب ہوں گی اس پر غم سوار ہوگا اور پہاڑ کی چٹانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا احمقوں[5] کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے۔ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا! جھوٹ سے اپنے کو بہت محفوظ رکھو، جھوٹ بولنا چڑیا (پرند) کے گوشت کی طرح سے لذیذ تو معلوم ہوتا ہے، لیکن بہت جلد جھوٹ بولنے والے شخص کے ساتھ دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بیٹا! جنازہ میں اہتمام سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا کرو، اس لیے کہ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور شادیاں تقریبات[6] دنیا کی طرف

حل لغات: (۱) بچنا، پرہیز کرنا۔ (۲) مہربانی۔ (۳) کمزور۔ (۴) ہمیشگی، ہمیشہ رہنا۔ (۵) بیوقوفوں۔ (۶) دنیاوی رسوم ورواج۔

زہد وقناعت

مشغول کرتی ہیں۔ بیٹا! جب پیٹ بھرا ہوا ہو اُس وقت نہ کھاؤ، پیٹ بھرے پر کھانے سے کتے کو ڈال دینا بہتر ہے، بیٹا! نہ تو تم اتنا میٹھا بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں، نہ اتنا کڑوا بنو کہ لوگ تمہیں تھوک دیں۔ بیٹا! تم مرغے سے زیادہ عاجز نہ بنو کہ وہ تو سحر کے وقت جاگ کر چلانا شروع کر دے اور تم اپنے بستر ے پر پڑے سوتے رہو، بیٹا! توبہ میں دیر نہ کرو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں وہ دفعتہً[1] آجاتی ہے، بیٹا! جاہل سے دوستی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی جہالت کی باتیں تمہیں اچھی معلوم ہونے لگیں، اور حکیم سے دشمنی مول نہ لو ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اعراض[2] کرنے لگے (اور پھر اس کی حکمتوں سے تم محروم ہو جاؤ)، بیٹا! اپنا کھانا متقی لوگوں کے سوا کسی کو نہ کھلاؤ اور اپنے کاموں میں علماء سے مشورہ لیا کرو۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ بدترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جو اس کی پروا نہ کرتا ہو کہ کوئی شخص اس کو بُرائی کرتے ہوئے دیکھ لے۔

ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا! نیک لوگوں کے پاس اپنی نَشِستَ[3] کثرت سے رکھا کرو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے نیکی حاصل کر سکو گے اور اگر اُن پر کسی وقت اللہ کی رحمت خاصہ نازل ہوئی تو اُس میں سے تم کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا (کہ جب بارش اُترتی ہے تو اس مکان کے سب حصوں میں پہونچتی ہے)، اور اپنے آپ کو بُرے لوگوں کی صحبت سے دور رکھو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے کسی خیر کی تو اُمید نہیں اور ان پر کسی وقت عذاب ہوا تو اس کا اثر تم تک پہونچ جائے گا۔ ان کا ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لیے ایسی مفید ہے جیسا کہ پانی کھیتی کے لیے۔ ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا! تم جس دن سے دنیا میں آئے ہو ہر دن آخرت کے قریب ہوتے جا رہے ہو اور دنیا سے ہر دن پُشت[4] پھیرتے جا رہے ہو، پس وہ گھر جس کی طرف تم روزانہ چل رہے ہو، وہ بہت قریب ہے اُس گھر سے جس سے ہر دن دور ہوتے جا رہے ہو۔ بیٹا! قرض سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو کہ یہ دن کی ذلت اور رات کا غم ہے (یعنی قرض خواہ کے تقاضے سے دن میں ذلت اُٹھانا پڑتی ہے اور رات بھر قرض کے فکر میں گذرتی ہے)۔ بیٹا! اللہ کی رحمت کی ایسی امید رکھو جس سے گناہوں پر جرأت[5] نہ ہونے پائے اور اس کے خوف سے ایسا ڈرو کہ اُس کی رحمت سے نا اُمیدی نہ ہو جائے۔ بیٹا! جب تم سے کوئی شخص آ کر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اُس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں، تو اُس وقت تک اُس کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو، کیا خبر ہے کہ اُس نے خود پہل کی ہو اور اُس نے اُس سے پہلے چار آنکھیں نکال دی ہوں۔ [درمنثور]

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت لقمان علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا، تو انہوں

حل لغات: (۱) اچانک، فوراً۔ (۲) بچنا، منہ پھیرنا۔ (۳) اُٹھنا بیٹھنا، صحبت۔ (۴) پیٹھ۔ (۵) ہمت۔

زہد و قناعت

نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ بیٹا! میں نے تم کو اس مُدّتِ زندگی میں بہت سی نصیحتیں کیں، اس وقت (آخری وقت ہے)، چھ نصیحتیں تم کو کرتا ہوں: (۱) دنیا میں اپنے آپ کو فقط اتنا ہی مشغول رکھنا جتنی زندگی باقی ہے (اور وہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں)۔ (۲) حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف جتنی تمہیں احتیاج[1] ہے اتنی ہی اس کی عبادت کرنا (اور ظاہر ہے کہ آدمی ہر چیز میں اُس کا محتاج ہے)۔ (۳) آخرت کے لیے اس مقدار کے موافق تیاری کرنا جتنی مقدار وہاں قیام کا ارادہ ہو (اور ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد تو وہاں کے علاوہ کوئی مقام ہی نہیں)۔ (۴) جب تک تمہیں جہنم سے خلاصی[2] کا یقین نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے خلاصی کی کوشش کرتے رہنا (ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی سنگین مقدمہ میں ماخوذ[3] ہو تو جب تک اس کو مقدمہ کے خارج ہوجانے کا یقین نہ ہو، ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے)۔ (۵) گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنا جہنم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ اور ہمت ہو (کہ گناہوں کی سزا ضابطہ کی چیز ہے اور مَراحِمِ[4] خُسروانہ کی خبر نہیں)۔ (۶) جب کوئی گناہ کرنا چاہو ایسی جگہ تلاش کرلینا جہاں حق تعالیٰ شانُہٗ اور اُس کے فرشتے نہ دیکھیں (کہ خود حاکم کے سامنے سی آئی ڈی کے عملہ کے سامنے بغاوت کا انجام معلوم ہے)۔ [تنبیہ الغافلین]

یہ چند نَصائح[5] حضرت لقمان علیہ السلام کی تبعاً ذکر کردی گئیں، مقصود ان کی نَصائح میں سے بھی وہی مضمون ہے جو پہلے سے میں لکھ رہا تھا کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچاتا ہے۔

عَرفَجہ ثَقَفِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے "سَبِّحِ اسْمَ" پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور جب ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ پر پہونچے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم دنیا کی زندگی کو ترجیح[6] دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے"، تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت کو بند کرکے فرمایا کہ بے شک ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی، سب حاضرین خاموش تھے، پھر دوبارہ فرمایا کہ ہم نے دنیا کو ترجیح دے دی، اس لیے کہ ہم نے اس کی زیب وزینت کو دیکھا، اس کی عورتوں کو دیکھا، اس کے کھانے پینے کو دیکھا اور آخرت کی یہ سب چیزیں ہم سے مخفی[7] تھیں، اس لیے دنیا کو ترجیح دے بیٹھے اور آخرت کو چھوڑ دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا کلمہ

حل لغات: (۱) حاجت، ضرورت۔ (۲) چھٹکارا۔ (۳) گرفتار، پھنسا ہوا۔ (۴) بادشاہ کی عنایتیں اور عطائیں۔ (۵) نصیحتیں۔ (۶) فضیلت، بڑھاوا۔ (۷) پوشیدہ، چھپی ہوئی۔

اللہ کی ناراضی سے بندوں کو محفوظ رکھتا ہے، جب تک کہ دنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح نہ دیں اور جب دنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح دینے لگیں پھر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہیں تو وہ کلمہ ان پر یہ کہہ کر لوٹا دیا جاتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو (یعنی تمہارا اقرار جھوٹا ہے محض زبانی جمع خرچ ہے)۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کی گواہی کے ساتھ اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ملتا ہے وہ (سیدھا) جنت میں داخل ہوتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ دوسری چیز کو خلط[1] نہ کردے، تین مرتبہ حضور ﷺ نے اپنا یہ ارشاد فرمایا، مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! دوسری چیز خلط کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور اس کی ترجیح، اس کے لیے مال کا جمع کرنا اور دنیا کی چیزوں سے خوش ہونا اور متکبر لوگوں کا سا عمل۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا اُس شخص کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہیں اور دنیا اُس شخص کا مال ہے جس کا (آخرت میں) مال نہیں اور دنیا کے لیے وہ شخص مال جمع کرتا ہے جس کو بالکل عقل نہیں ہے۔ [درمنثور]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا خود ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعون ہے بجز[2] اس کے جو حق تعالیٰ شانُہٗ کے لیے ہو۔ [جامع صغیر]

امام غزالی رَحمۃُ اللہِ علیہ مذمتِ دنیا کی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اور حمد اُسی پاک ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے دوستوں کو دنیا کے مُہلِکات[3] اور اس کی آفات سے واقف کر دیا اور دنیا کے عیوب اور اس کے رازوں کو اپنے دوستوں پر روشن کر دیا، یہاں تک کہ ان حضرات نے دنیا کے احوال کو پہچان لیا اور اس کی بھلائی اور بُرائی کا مُوازنہ[4] کر کے یہ جان لیا کہ اس کی بُرائیاں اس کی بھلائی پر غالب ہیں اور جو اُمیدیں دنیا سے وَابَستہ[5] ہیں وہ ان اندیشہ ناک چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو اس پر مُرتّب[6] ہیں، دنیا ایک چٹ پٹی عورت کی طرح سے لوگوں کو اپنے حسن و جمال سے گرفتار کرتی ہے اور اپنی بدکرداری سے اپنے وِصال[7] کے خواہش مندوں کو ہلاک کرتی ہے، یہ اپنے چاہنے والوں سے بھاگتی ہے، ان کی طرف توجہ کرنے میں بڑی بخیل[8] ہے اور اگر مُتوجّہ بھی ہوتی ہے تو اُس کی توجہ میں بھی آفت اور مصیبت سے امن نہیں ہے، اگر ایک دفعہ احسان کرتی ہے تو ایک سال تک بُرائیاں کرتی رہتی ہے، جو اس کے دھوکہ میں آجاتا ہے اس کا انجام ذِلّت ہے اور جو اس کی وجہ سے تکبر کرتا ہے، وہ آخر کار حسرت و افسوس کی طرف چلتا ہے، اس کی عادت اپنے عُشّاق سے بھاگنا ہے اور جو اس سے بھاگے اس کے پیچھے

حل لغات: (۱) ملانا۔ (۲) سوائے، علاوہ۔ (۳) ہلاک کرنے والی چیزیں۔ (۴) مقابلہ کرنا۔ (۵) لگی ہوئی۔ (۶) ترتیب دی ہوئی۔ (۷) ملاپ، ملاقات۔ (۸) کنجوس۔

پڑتا ہے، جو اس کی خدمت کرے اُس سے علیحدہ رہتی ہے اور جو اس سے اعراض[1] کرے اُس کی ملاقات کی کوشش کرتی ہے، اس کی صفائی میں بھی تکدُّر[2] رہے، اس کی خوشی میں بھی رنج و غم لازم ہیں، اس کی نعمتوں کا پھل حسرت و ندامت[3] کے سوا کچھ نہیں، یہ بڑی دھوکہ دینے والی مکّار عورت ہے، بڑی بھگوڑی اور ایک دم اُڑ جانے والی ہے، یہ اپنے چاہنے والوں کے لیے نہایت زیب و زینت اختیار کرتی ہے اور جب وہ اچھی طرح اس میں پھنس جاتے ہیں تو دانت دکھانے لگتی ہے اور ان کے مُنظّم احوال کو پریشان کر دیتی ہے اور اپنی نیرنگیاں[4] ان کو دکھاتی ہے، پھر اپنا زہرِ قاتل اُن کو چکھاتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے، اس کے دوستوں کی دشمن ہے، اُس کے دشمنوں کی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دشمنی اس طرح سے کہ اُس کی طرف چلنے والوں کی رہزنی[5] کرتی ہے، اُس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ ان کے دل لُبھانے کے لیے طرح طرح کی زینتیں اپنے اوپر لادتی ہے، جس سے وہ اس طرف مُلتفِت[6] ہو کر اس سے قطعِ تعلق[7] پر صبر کا کڑوا گھونٹ پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اپنے مکر و فریب سے ان کو شکار کرتی ہے اور جب وہ اس کی دوستی پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں، تو ایسے وقت ان کو ایک دم اَدھر[8] میں چھوڑ دیتی ہے، جس وقت کہ وہ اس کے سخت محتاج ہوں، جس سے وہ دائمی حسرت[9] اور دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ میں کثرت سے اس کی مَذمّت[10] وارد ہوئی ہے، بلکہ تمام انبیائے کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بِعثت[11] اسی پر تنبیہ کے لیے ہوئی ہے کہ اس سے دل نہ لگایا جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ ایک مرتبہ ایک مُردہ بکری کے پاس سے گذرے، حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب فرما کر ارشاد فرمایا: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس مری ہوئی بکری کی کوئی وَقعت[12] اس کے مالک کے یہاں ہوگی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کی بے وقعتی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کو پھینک دیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہے جتنی یہ مُردہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ہے، اگر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے نزدیک دنیا کی وقعت ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اِس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا کی محبت ہر خطا[13] کی اَساس[14] اور بنیاد ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ

حل لغات: (۱) منہ موڑنا، بچنا۔ (۲) میلا پن۔ (۳) افسوس اور شرمندگی۔ (۴) مکر و فریب، دھوکہ بازی۔ (۵) ڈاکہ ڈالنا۔ (۶) متوجہ۔ (۷) رشتہ توڑنا۔ (۸) بیچ راستے میں چھوڑ دینا۔ (۹) ہمیشہ کا افسوس۔ (۱۰) برائی۔ (۱۱) پیغمبر کا بھیجا جانا۔ (۱۲) عزت، اہمیت۔ (۱۳) غلطی، گناہ۔ (۱۴) جڑ۔

نے کچھ پینے کو مانگا، تو شہد کا شربت خدمت میں پیش کیا گیا، اُس کو منہ کے قریب فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ پاس بیٹھنے والے بھی متاثر ہو کر رونے لگے اور خوب روئے، اس کے بعد پھر دوبارہ منہ کے قریب کیا پھر رونے لگے، اس کے بعد اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو دفع[1] فرما رہے ہیں اور کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے نظر نہ آئی، تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور! کس چیز کو اپنے سے ہٹا رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے حاضر ہوئی تھی میں نے اس کو اپنے سے ہٹا دیا، اس کے بعد پھر دوبارہ دنیا میرے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے) پاس آئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو (کچھ قلق[2] نہیں اس لیے کہ) آپ کے بعد آنے والے مجھ سے نہیں بچ سکتے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ بہت زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور اس کے بعد بھی وہ اس دھوکہ کے گھر دنیا کے لیے کوشش کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک کُوڑی پر کو گذرے جہاں کچھ بوسیدہ[3] ہڈیاں، پاخانہ اور پرانے پھٹے ہوئے چیتھڑے پڑے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ آؤ؛ لو دیکھو! یہ ہے دنیا کا مُنتہیٰ[4] اور اُس کی ساری زیب و زینت۔ ایک اور حدیث میں اس مُجمل[5] ارشاد کی تفصیل بھی آئی ہے، لیکن علّامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات مُحدِّثین فرماتے ہیں کہ ہمیں وہ روایت نہیں ملی کہ کہاں ہے، تاہم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے اور صاحبِ قُوت نے اس کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً نقل کیا ہے، وہ یہ ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں دنیا کی حقیقت دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساتھ لے کر مدینہ مُنوَّرہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے، جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں، پاخانے اور پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں، یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص[6] کرتے تھے، جس طرح تم سب زندہ آج کل کر رہے ہو، یہ بھی اسی طرح اُمیدیں باندھا کرتے تھے، جس طرح تم اُمیدیں لگائے ہوئے ہو، آج یہ بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں اور چند روز اور گذر جانے کے بعد مٹی ہو جائیں گی، یہ پاخانے: وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں، جن کو بڑی محنت سے کمایا، حاصل کیا، پھر ان کو تیار کیا اور کھایا، اب یہ اس حال میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے (نفرت کر کے) بھاگتے

حل لغات: (۱) دور کرنا، بھگانا۔ (۲) افسوس، پچھتاوا۔ (۳) گلی سڑی۔ (۴) آخری انجام۔ (۵) مختصر۔ (۶) لالچ۔

ہیں، (وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دور سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی آج اس کا مُنتہا[1] یہ ہے کہ اُس کی بد بُو دور سے لوگوں کو اپنے سے مُتنفِّر[2] کرتی ہے)، یہ چیتھڑے وہ زینت کا لباس (تھا جس کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا، آج یہ اس حال میں) ہے کہ ہوائیں اس کو ادھر سے اُدھر پھینکتی ہیں، یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر لوگ سواریاں کیا کرتے تھے (گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے) اور دنیا میں گھومتے تھے، بس جسے ان احوال پر (اوران کے عبرت ناک انجام پر) رونا ہو، وہ ان کو دیکھ کر روئے، حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے۔ ایک اور حدیث میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ دنیا (ظاہر کے اعتبار سے) میٹھی اور سرسبز ہے اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے تم کو اس میں اپنے اسلاف کا جانشین[3] اس لیے بنایا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو، بنی اسرائیل پر جب دنیا کی فتوحات ہونے لگیں تو وہ اس کی زیب وزینت اور عورتوں اور زیوروں کے چکر میں پڑ گئے۔

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ وہ تمھیں اپنا غلام بنالے گی، اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس محفوظ کرو جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، دنیا کے خزانوں میں اِضاعت[4] کا اندیشہ ہر وقت ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانہ پر کوئی آفت نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا ارشاد ہے کہ دنیا کی خَبَاثَت[5] کے آثار[6] میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے، اور اس کی خباثت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آخرت اس کو چھوڑے بغیر نہیں ملتی، یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کی محبت ہر خطا[7] کی جڑ ہے اور تھوڑی دیر کی خواہش بہت طویل[8] زمانہ کے رنج و عذاب کا ذریعہ بن جاتی ہے، ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دنیا بعضوں کی طالب ہوتی ہے، بعضوں کی مطلوب ہوتی ہے، جو آخرت کے طالب ہیں ان کی تو یہ خود طالب ہوتی ہے کہ جھک مار کر ان کی روزی ان کو پہونچاتی ہے، اور جو اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں آخرت ان کو خود طلب نہیں کرتی حتیٰ کہ موت آکر ان کی گردن دبالیتی ہے۔ حضرت سلیمان علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک مرتبہ اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے، پرند ان پر سایہ کیے ہوئے تھے اور جن[9] وانس[10] دائیں بائیں تھے، ایک عابد پر گذرے، اُس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے بہت بڑی سلطنت آپ کو عطا فرما رکھی ہے (کہ جن و انس، چرند پرند، سب پر آپ کی حکومت ہے) حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ مسلمان کے اعمال نامہ میں ایک مرتبہ "سُبْحَانَ اللهِ" سلیمان کے سارے ملک سے زیادہ افضل ہے، اس لیے کہ یہ ساری سلطنت بہت جلد ختم ہوجائے گی اور "سُبْحَانَ اللهِ" کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

حل لغات: (۱) آخری انجام۔ (۲) بے زار کرنا، نفرت دلانا۔ (۳) نائب، قائم مقام۔ (۴) ضائع ہونا۔ (۵) ناپاکی، گندگی۔ (۶) علامات، نشانیاں۔ (۷) غلطی، گناہ۔ (۸) زیادہ، لمبا۔ (۹) جنات۔ (۱۰) انسان۔

زہد وقناعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا مُنتہائے[1] مقصد دنیا ہو جائے، اس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور اس کو حق تعالیٰ شانہٗ چار چیزوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں: ایک ایسا غم جو کبھی ختم نہ ہو (کہ ہر وقت آمدنی کے بڑھانے کی فکر میں لگا رہے گا)، ایک ایسا شُغُل[2] جس سے کسی وقت بھی فراغت نہ ہو، ایک ایسا فقر جو کبھی بھی مُستَغنِی[3] نہ بنائے (کہ جتنی آمدنی بڑھتی جائے اتنا ہی خرچ زیادہ ہو کر آمدنی کم ہی معلوم ہو) اور ایسی لمبی لمبی امیدیں جو کبھی بھی پوری نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام کے صحیفے میں ہے کہ اے دنیا! تُو کس قدر ذلیل ہے، ان نیک بندوں کی نگاہ میں جن کے لیے تو اپنے کو آراستہ[4] کرتی ہے میں نے اُن کے دلوں میں تیری عداوت[5] ڈال دی ہے اور تیرے سے اِعراض[6] ان میں پیدا کر دیا ہے، میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ ذلیل پیدا نہیں کی، تیری ساری رفعت[7] نہایت ناچیز ہے اور ختم ہو جانے والی ہے، میں نے تیرے متعلق تیری پیدائش کے دن یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تُو ہمیشہ کسی کے پاس رہے گی اور نہ تیرے ساتھ ہمیشہ کوئی رہے گا، چاہے تیرا مالک کتنا ہی تیرے ساتھ بُخل[8] کرے، مبارک ہیں وہ نیک بندے جو دل سے راضی برضا[9] رہنے کی مجھے اطلاع دیتے ہیں اور اپنے ضمیر سے سچائی اور پختگی[10] کی مجھے خبر دیتے ہیں، ان کے لیے سرسبزی ہے، جب وہ اپنی قبروں سے اُٹھ کر میرے پاس آئیں گے، تو میرے پاس اُن کے لیے ایک نور ہے جو اس وقت ان کے سامنے ہو گا اور فرشتے دائیں بائیں جانب ہوں گے حتیٰ کہ میں اُن کی ان سب اُمیدوں کو پورا کر دوں، جو انہوں نے میرے ساتھ باندھ رکھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قیامت کے دن اتنے زیادہ اعمال لے کر آئیں گے جیسا کہ ملک عرب کے پہاڑ، لیکن وہ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے، کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ لوگ نمازی ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازی بھی ہوں گے روزہ دار بھی ہوں گے بلکہ تہجد گذار ہوں گے، لیکن جب دنیا کی کوئی چیز (دولت عزت وغیرہ) اُن کے سامنے آجائے تو ایک دم اس پر کود پڑتے ہیں (جائز ناجائز کی بھی پروا نہیں کرتے) حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی جیسا کہ آگ اور پانی ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچتے رہو، یہ ھاروت و ماروت[11] سے بھی زیادہ جادو کرنے والی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اُس کے (دل کے) اندھے پن کو دور کر دے اور

حل لغات: (۱) آخری مقصد۔ (۲) کام، پیشہ۔ (۳) بے نیاز، بے پروا۔ (۴) سجانا۔ (۵) دشمنی۔ (۶) بچنا، منہ پھیرنا۔ (۷) بلندی، عزت۔ (۸) کنجوسی۔ (۹) خدا کے حکم پر راضی رہنا۔ (۱۰) مضبوطی۔ (۱۱) دو فرشتوں کے نام۔

زہد و قناعت

اُس کی (عبرت کی) آنکھیں کھول دے، (جو یہ چاہتا ہو، وہ غور سے سن لے کہ) جو شخص دنیا میں جتنی رغبت[1] کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے اُسی کی بقدر حق تعالیٰ شانہٗ اُس کے دل کو اندھا کردیتے ہیں، اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں اور بغیر کسی کے دکھائے راستہ بتاتے ہیں، عنقریب[2] ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے لیے سلطنت، قتل اور جبر[3] سے قائم ہوگی، بخل وفخر سے ان کو غنا[4] حاصل ہوگا، خواہشات کے اتباع سے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہوگی، تم میں سے جو شخص ایسے زمانہ کو پائے اور اس وقت فقر پر صبر کرے حالانکہ وہ غنی ہوسکتا ہے، وہ لوگوں کی دشمنی کو برداشت کرے حالانکہ وہ (اُن کی خواہشات کے تابع ہو کر اُن کے دلوں میں محبت پیدا کرسکتا ہے وہ ذلت پر قناعت[5] کرے حالانکہ وہ (لوگوں کی مُوافقت[6] کرکے) عزت پاسکتا ہے، لیکن وہ شخص ان چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کرتا ہے تو اُس کو پچاس صدیقین کا ثواب ہوگا۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین[7] کا بہت سا مال آیا (اہلِ ضرورت) انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ خبر سنی تو کثرت سے صبح کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد مجمع کو دیکھ کر تبسم[8] فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس مال کی خبر سن کر تم آئے ہو، انہوں نے عرض کیا: بے شک یا رسول اللہ! اسی لیے حاضر ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں (کثرتِ مال کی) خوشخبری دیتا ہوں کہ عنقریب مال بہت زیادہ ہونے والا ہے اور جس چیز سے تم خوش ہوتے ہو (یعنی مال) اُس کی امید رکھو کہ وہ تمہارے پاس بہت زیادہ آنے والا ہے، میں تمہارے فقر وفاقہ سے خائف[9] نہیں ہوں، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ تمہارے اوپر دنیا پھیل پڑے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر پھیل چکی ہے اور پھر تم اس میں دل لگا کر بیٹھو جس کی وجہ سے وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کردے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کرچکی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے تم لوگوں پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر زمین کی برکات نکال دے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! زمین کی برکات کیا چیز ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی رونق۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہوجائے تو ہنسنا کم کردو اور بہت کثرت سے رونے لگو اور دنیا تمہارے نزدیک بہت ذلیل بن جائے اور آخرت کو اس پر ترجیح دینے لگو۔ اس کے بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ نے

حل لغات: (۱) خواہش کرنا، دلچسپی لینا۔ (۲) جلد ہی۔ (۳) ظلم۔ (۴) مالداری۔ (۵) تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ (۶) اتفاق کرنا۔ (۷) ایک ملک کا نام۔ (۸) مسکرانا۔ (۹) ڈرنے والا۔

زہد وقناعت

اپنی طرف سے فرمایا کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہو جائے تو تم جنگلوں کو روتے ہوئے اور چلاتے ہوئے نکل جاؤ اور اپنے مالوں کو بغیر مُحافِظ[1] کے چھوڑ جاؤ، لیکن تمہارے دلوں سے آخرت کا ذکر غائب ہے اور دنیا کی اُمیدیں تمہارے سامنے ہیں، اس لیے دنیا تمہارے اعمال کی مالک بن رہی ہے اور تم ایسے بن گئے گویا کچھ جانتے ہی نہیں، اس لیے تم میں سے بعض تو ان جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے جو انجام کے خوف سے اپنی شہوتوں کو نہیں چھوڑتے، تمہیں کیا ہو گیا کہ تم آپس میں محبتیں نہیں رکھتے؟ ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے؟ حالانکہ تم آپس میں دینی بھائی ہو، تمہاری خواہشات میں صرف تمہارے باطنی خُبث[2] نے تفریق[3] کر رکھی ہے، اگر تم سب دین پر اور دینی امور پر مُجتمع ہو جاؤ تو آپس میں تعلقات بھی زیادہ ہو جائیں، آخر تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ دنیا کے کاموں میں تو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو، لیکن آخرت کے کاموں میں ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے؟ تم جس سے محبت کرتے ہو اُس کو آخرت کے امور پر نصیحت کی قدرت تمہیں نہیں ہے، آخرت کے امور پر اُس کو نصیحت نہیں کر سکتے، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی کمی ہے، اگر تم آخرت کی بھلائی اور بُرائی پر ایسا یقین رکھتے جیسا کہ دنیا کی بھلائی اور برائی پر یقین رکھتے ہو، تو ضرور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے، اس لیے کہ آخرت تمہارے کاموں کی دنیا سے زیادہ مالک ہے، اگر تم یہ کہو کہ دنیا کی ضرورت فوری[4] ہے، اس وقت درپیش[5] ہے، آخرت کی ضرورت بعد میں ہو گی، تو تم خود سوچو کہ دنیا میں بعد میں آنے والے اور حاصل ہونے والے کاموں کے لیے تم کتنی مَشَقَّت اُٹھاتے ہو (کھیتی کی مشقت برداشت کرتے ہو کہ بعد میں پیداوار ہو گی، باغ لگانے میں کتنی جاں فشانی[6] کرتے ہو کہ کئی سال بعد پھل آئے گا وغیرہ وغیرہ) تم کس قدر بُری قوم ہو کہ اپنے ایمان کی جانچ ان چیزوں کے ساتھ نہیں کرتے، جس سے تمہارے ایمان کی مقدار تمہیں معلوم ہو جائے کہ ایمان کس درجہ تک تم میں موجود ہے، اگر تم لوگوں کو اس چیز میں شک ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، تو آؤ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں واضح طریق سے بتائیں اور وہ نور دکھائیں جس سے تمہیں اطمینان ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ حق ہے، تم کم عقل بیوقوف نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تم کو معذور سمجھ لیں، دنیا کے کاموں میں تو تم بڑی اچھی رائے رکھتے ہو اور اس میں بڑی احتیاط پر عمل کرتے ہو (پھر کیا مصیبت ہے کہ آخرت کے کاموں میں نہ تم سمجھ سے کام لیتے ہو، نہ احتیاط پر عمل کرتے ہو) آخر یہ کیا بات ہے؟ تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ دنیا کے ذرا سے فائدہ سے بڑے خوش ہوتے ہو، ذرا سے نقصان سے رنجیدہ[7] ہو جاتے ہو، جس کا اثر تمہارے چہروں تک پر معلوم ہونے

حل لغات: (۱) حفاظت کرنے والا۔ (۲) اندرونی گندگی۔ (۳) جدائی۔ (۴) فوراً، اسی وقت۔ (۵) سامنے۔ (۶) محنت، کوشش۔ (۷) غمگین۔

زہد وقناعت

لگتا ہے (کہ خوشی میں پھول جاتا ہے، رنج میں ذرا سا منہ نکل آتا ہے) مصیبتیں زبان پر آنے لگتی ہیں، ذرا سی بات کو مصائب کہنے لگتے ہو، ماتم کی مجلسیں قائم کرتے ہو، لیکن دین کی بڑی سے بڑی بات بھی چھوٹ جائے، تو نہ اس کا رنج وغم ہے، نہ چہرہ پر کوئی تغیر ہے، میں تمہاری بددینی کی حالت دیکھ کر یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی تم سے بےزار[1] ہو گئے ہیں، تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے خوشی خوشی ملتے ہو اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کے سامنے کوئی ایسی (حق) بات نہ کہے جو اس کو ناگوار[2] ہو، تاکہ وہ بھی اس کے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات نہ کہہ دے، پس دلوں کے اندر ہی اندر ایسی باتیں رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہو اور باطن[3] کی گندگیوں پر تمہارے ظاہر کے چمن کِھل رہے ہیں اور موت کی یاد کے چھوڑ دینے پر سب جمع ہو گئے ہو، کاش حق تعالیٰ شانہٗ مجھے موت دے کر تم لوگوں سے راحت عطا کرتا اور مجھے ان حضرات (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کے ساتھ ملا دیتا، جن کے دیکھنے کا میں مُشتاق[4] ہوں، اگر یہ حضرات زندہ ہوتے تو تمہارے ساتھ رہنا ذرا بھی پسند نہ کرتے، پس اگر تم میں کوئی شَمّہ[5] خیر کا باقی ہے تو میں تمہیں صاف صاف کہہ چکا ہوں اور حق کی بات سنا چکا ہوں، اگر تم اُس چیز کو (یعنی آخرت کو) جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، طلب کرنا چاہو تو وہ بہت آسان ہے اور میں صرف اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں، تمہارے حق میں بھی۔ اور اپنے حق میں بھی (فقط حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہٗ کا ارشاد ختم ہو گیا)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہٗ کی یہ ڈانٹ بڑے غور سے پڑھنے کی ہے، یہ ان حضرات پر خفا[6] ہو رہے ہیں جن کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان جیسے دین دار بن بھی نہیں سکتے، ان کے احوال، اُن کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں، اگر یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہٗ ہم لوگوں کو دیکھتے تو یقیناً رنج[7] سے ہلاک ہو جاتے۔ یقیناً یہ حضرات ہمارے احوال کو دیکھ بھی نہ سکتے، اُن کا کسی طرح تحمّل[8] نہ کر سکتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُن لوگوں پر رحم کرے جن کے پاس دنیا امانت تھی، وہ اس امانت کو دوسروں کے حوالے کر گئے اور خود بےفکر چل دیے۔ آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جو شخص دین کے بارے میں تیری مُزاحمت[9] کرے اُس سے مزاحمت کر اور جو دنیا کے بارے میں تیری مزاحمت کرے اس دنیا کو اس کے منہ پر مار اور بےفکر ہو جا۔ حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچتے رہو، قیامت کے دن آدمی کو میدانِ حشر میں کھڑا کر کے کہا جائے گا: یہ وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کو بڑا سمجھا، جس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حقیر[10] بتایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کا ارشاد ہے کہ

حل لغات: (۱) ناراض۔ (۲) ناپسند۔ (۳) اندر، دل۔ (۴) آرزومند، خواہشمند۔ (۵) ذرّہ، تھوڑی سی چیز۔ (۶) ناراض، غصّہ۔ (۷) غم، تکلیف۔ (۸) برداشت۔ (۹) روک ٹوک کرنا۔ (۱۰) معمولی چیز، کم درجہ کی۔

ہر شخص اپنے گھر میں چند روزہ مہمان ہے اور اُس کا مال ومتاع[1] مانگی ہوئی چیز ہے، مہمان کو بہرحال چند دن میں اپنے گھر (یعنی آخرت کو) چلا جانا ہے اور مانگی ہوئی چیز بہرحال واپس ہونے والی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا ایک مجمع میں تشریف رکھتی تھیں، لوگ کچھ دنیا کی بُرائی کرر ہے تھے، وہ کہنے لگیں کہ اس کا ذکر بُرائی سے بھی نہ کرو، اُس کے ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمہارے دلوں میں وَقعت[2] ہے، اگر یہ نہ ہوتی تو اس کا بار بار ذکر بھی زبان پر نہ آتا (پاخانہ کی گندگی اور برائی کا بار بار کون ذکر کرتا ہے؟)۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ اپنی دنیا کو دین کے بدلے میں بیچ دو، دونوں جہان میں نفع ملے گا اور دین کو دنیا کے بدلے میں نہ بیچو، دونوں جہاں میں خسارہ[3] رہے گا۔ حضرت مُطرِّف بن شخّیر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ بادشاہوں کے عیش وعشرت اور ان کے عمدہ لباس پر نظر نہ کرو، بلکہ یہ سوچو کہ اُن کا انجام کیا ہوگا؟ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بِعثت[4] ہوئی، تو شیطان نے اپنے لشکروں کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا، انہوں نے بتایا کہ ایک نبی کی بعثت ہوئی ہے اور اُن کی بہت بڑی امت ہے، تو اُس نے تحقیق کیا کہ ان لوگوں میں دنیا کی محبت بھی ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں ہاں ہے، شیطان نے کہا کہ پھر مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ وہ بت پرستی[5] نہ کریں، میں تین چیزیں ان پر مسلط کردوں گا: ناجائز طریقہ سے کمانا، ناجائز طریقہ پر خرچ کرنا اور جہاں خرچ کا واقعی محل[6] ہو اُس میں خرچ نہ کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ دنیا کے حلال مال کا حساب ہے اور اس کے حرام میں عذاب ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اس جادوگر سے بچتے رہو، یہ علماء کے دلوں پر بھی جادو کردیتی ہے۔ حضرت ابوسُلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس دل میں آخرت ہوتی ہے، دنیا اس سے جھگڑا کرتی رہتی ہے اور اُس دل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے، اور جس دل میں دنیا ہوتی ہے، آخرت اُس سے مُزاحمت نہیں کرتی اس لیے کہ آخرت کریم ہے وہ دوسرے کے گھر پر قبضہ کرنا نہیں چاہتی، اور دنیا کمینی ہے وہ ہر ایک کے گھر پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تو جس قدر دنیا کا غم کرے گا، اتنا ہی آخرت کا غم تیرے دل سے نکل جائے گا اور جتنا تو آخرت کا غم کرے گا اتنا ہی دنیا کا غم تیرے دل سے نکل جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے آدمیوں کو پایا ہے، جن کے نزدیک دنیا اُس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی، جس پر تم چلتے ہو، ان کو اس کی پروا نہ تھی کہ دنیا ہے یا جاتی رہی، اس کے پاس چلی گئی یا اُس کے پاس چلی گئی۔ ایک آدمی نے

حل لغات: (۱) سامان۔ (۲) عزت، اہمیت۔ (۳) نقصان (۴) نبی بنائے گئے۔ (۵) بتوں کی پوجا اور عبادت۔ (۶) خرچ کرنے کی جگہ۔

زہد وقناعت

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مال و دولت عطا کیا ہو، وہ اس میں سے صدقات بھی کرتا ہے، صلہ رحمی[1] بھی کرتا ہے، کیا اس کے لیے یہ موزوں[2] اور مناسب ہے کہ خود بھی اچھے اچھے کھانے کھائے اور نعمتوں میں زندگی گذارے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں! اگر ساری دنیا بھی اُس کو مل جائے، تو اُس کو اپنے اوپر بقدرِ ضرورت ہی خرچ کرنا چاہیے اور اس سے زیادہ کو اس دن (یعنی آخرت کے دن) کے لیے بھیج دینا چاہیے، جو دن اُس کی سخت احتیاج[3] کا ہوگا۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا ساری کی ساری مجھے مل جائے اور مجھ سے اُس کا حساب بھی نہ لیا جائے، تب بھی میں اُس سے ایسی گھن اور کراہت[4] کروں، جیسی کہ تم لوگ مُردار جانور سے کرتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کو حق تعالیٰ شانہٗ کی بندگی کرنے کے باوجود صرف دنیا کی محبت نے بت پرستی تک پہونچا دیا تھا، ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے مال کو تو ہمیشہ کم سمجھتا ہے مگر اپنے عمل کو کبھی کم نہیں سمجھتا، دین میں کوئی مصیبت آجائے تو خوش رہتا ہے، دنیا میں کوئی مصیبت پیش آجائے تو گھبرا جاتا ہے۔ حضرت فُضَیل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے، لیکن اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین ہو کہ وہ بہر حال آنے والی ہے، نہ معلوم کب آجائے، پھر بھی کسی بات سے کیوں کر خوش ہوتا ہے؟ تعجب ہے اُس شخص پر جس کو اس کا یقین ہے کہ جہنم حق ہے (اور اپنا حشر معلوم نہیں) پھر کس طرح وہ کسی بات پر ہنستا ہے؟ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کے ہر وقت کے انقلابات[5] دیکھتا ہے، پھر کیسے دنیا کی کسی بات پر مطمئن ہوتا ہے؟ تعجب ہے اس شخص پر جس کو یقین ہے کہ تقدیر برحق ہے (جو کچھ مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا) پھر کیوں مصیبتیں اٹھاتا ہے؟۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شہر نجران کے ایک بزرگ آئے، جن کی عمر دو سو برس تھی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: دنیا کو تم نے بہت دیکھا کیسا پایا؟ کہنے لگے: چند ایک سال راحت کے، چند ایک سال تکلیف کے، ہر دن رات میں کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی مر جاتا ہے، اگر پیدا ہونا بند ہو جائے تو دنیا ایک دن ختم ہو جائے (کہ مرنے کا سلسلہ بھی ہے) اگر مرنا بند ہو جائے تو دنیا میں رہنے کو جگہ بھی نہ ملے (اس لیے معتدل نظام یہی ہے کہ پیدا بھی ہوتے رہیں، مرتے بھی رہیں)، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ سے کوئی چیز مطلوب ہو، میرے قابل کوئی خدمت ہو تو بتاؤ، میں اس کو پورا کر دوں، وہ کہنے لگے کہ جو عمر میری ختم ہو چکی ہے، وہ مجھے واپس مل جائے یا آئندہ کو موت نہ آئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کر سکتا، کہنے لگے: پھر مجھے آپ سے کچھ مانگنا بھی نہیں

حل لغات: ① رشتہ جوڑنا۔ ② لائق۔ ③ حاجت، ضرورت۔ ④ نفرت، ناپسند۔ ⑤ چیزوں کو ادلنا بدلنا۔

زہد و قناعت

ہے۔ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی شہوتوں سے وہی شخص صبر کرسکتا ہے، جس کے دل میں آخرت کی چیزوں کے ساتھ کوئی مشغولی ہو۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم سب نے دنیا کے ساتھ محبت کر لینے پر صلح کر لی ہے، جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کو نہ اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے، نہ بُری باتوں سے روکتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس حال پر ہمیں ہمیشہ چھوڑے رکھیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، نہ معلوم کس وقت کیا عذاب ہم پر نازل ہوجائے۔حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جس بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اس کو تھوڑی سی دنیا مرحمت فرما کر روک لیتے ہیں، جب وہ مال اس کے پاس ختم ہوجاتا ہے تو پھر تھوڑا سا اور دے دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اُس پر دنیا کو پھیلا دیتے ہیں۔

ایک بزرگ کی دعا کے الفاظ ہیں: اے وہ پاک ذات جو اس پر قادر ہے کہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دے، دنیا کو میرے پاس آنے سے روک دے۔محمد بن مُنکدِر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزے رکھے، کبھی افطار نہ کرے، رات بھر تہجد پڑھے بالکل نہ سوئے، اپنے مال کو خوب خیرات کرتا ہو، اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو، لیکن قیامت کے دن اس کو کھڑا کر کے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اس کی نگاہ میں وہ چیز وقیع[۱] تھی، جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل بتایا (یعنی دنیا) اور وہ چیز غیر وقیع[۲] تھی، جس کو اللہ تعالیٰ نے وقیع بتایا (یعنی آخرت) تم ہی بتاؤ کہ اس پر کیا گذرے گی؟ پھر ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو اس مرض میں یعنی دنیا کی وقعت میں مبتلا ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی مبتلا ہیں۔عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت نے اور گناہوں نے دلوں کو وحشی[۳] بنا رکھا ہے، اس لیے خیر کی بات دلوں تک پہونچتی نہیں، یعنی اثر نہیں کرتی۔وہب بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت کے خلاف کرتا ہے اور جو شخص شہوتوں کو اپنے قدم کے نیچے دبا لیتا ہے کہ اُن کو سر بھی نہیں اُٹھانے دیتا، شیطان ایسے شخص کے سایہ سے ڈرتا ہے۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک دینی بھائی کو نصیحت فرمائی کہ دنیا ایسا کیچڑ ہے جس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں (لہٰذا بچ بچ کر قدم رکھنا چاہیے اور پاؤں کی لغزش[۴] سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے) دنیا ذلت کا گھر ہے، اس کی آبادی کا مُنتہا[۵] بربادی ہے، اس میں رہنے والوں کو تنہا قبروں تک جانا ہے، اس کا اجتماع افتراق[۶] پر موقوف ہے، اس کی وُسعت[۷] فقر کی طرف لوٹا دی گئی، اس کی کثرت مُشقّت میں پڑنا اور اس کی تنگی سہولت میں پہونچنا ہے، پس ہمہ تن[۸] اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ رہو اور

حل لغات: (۱) قیمتی، اہم۔ (۲) غیر اہم۔ (۳) جنگلی۔ (۴) پھسلنا۔ (۵) آخری انجام۔ (۶) جدائی۔ (۷) کشادگی۔ (۸) مکمل طور پر۔

زہد وقناعت

اللہ جَلَّ شانُہٗ نے جتنا رزق عطا فرما دیا اُس پر راضی رہو، اپنی آخرت میں سے دنیا کے لیے قرض نہ لو (یعنی ایسی چیزیں اختیار نہ کرو جن کا بدلہ آخرت میں ادا کرنا پڑ جائے اور وہاں ضرورت کے موقع پر کمی پڑ جائے) اس لیے کہ یہاں کی زندگی بمنزلہ ایک سایہ کے ہے جو عنقریب① ختم ہونے والا ہے اور بمنزلہ ایک دیوار کے ہے جو جُھک گئی، عنقریب گرنے والی ہے، نیک عمل کثرت سے کرتے رہو اور اُمیدیں بہت کم باندھو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رَحمۃُ اللہ علیہ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تمھیں اگر خواب میں کوئی شخص ایک درہم (ساڑھے تین آنے) دے، وہ تمھیں زیادہ پسند ہے یا کوئی شخص تمھیں جاگنے کی حالت میں ایک دینار (اشرفی) دے، وہ زیادہ پسند ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ (یہ تو کھلی بات ہے) جاگتے ہوئے دینار زیادہ محبوب ہے، حضرت ابراہیم رَحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، اس لیے کہ جس چیز کو تم دنیا میں محبوب رکھتے ہو، اس کو تو تم گویا خواب میں پسند کر رہے ہو اور جس چیز کو آخرت کی پسند نہیں کر رہے ہو، اُس سے گویا جاگنے میں اعراض② کر رہے ہو۔ یحییٰ بن معاذ رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تین آدمی عقل مند ہیں: ایک وہ شخص جو دنیا کو اس سے پہلے خود چھوڑ دے کہ دنیا اس کو چھوڑے، دوسرا وہ شخص جو اپنی قبر کی تیاری اس سے پہلے کرلے کہ اس میں داخل ہونے کا وقت آجائے، تیسرے وہ شخص جو اپنے مولا کو اس سے پہلے پہلے راضی کرلے کہ اس سے ملاقات کرے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دنیا کی بدبختی اس درجہ کو پہونچ گئی ہے کہ اس کی تمنا تجھے حق تعالیٰ شانُہٗ کی اطاعت سے اپنے اندر مشغول کر دیتی ہے، جب اُس کی تمنا کا یہ حال ہے، تو اگر دنیا میں پھنس جائے گا تو کیا حال ہوگا۔ بکر بن عبداللہ رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا کو حاصل کر کے اس سے بے فکر ہونا چاہتا ہے، وہ ایسا ہے جیسا کوئی شخص آگ کو بجھانے کے لیے اس پر خشک گھاس ڈالے۔

بُندار رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب دنیا دار زہد کی باتیں کرتے ہیں، تو سمجھ لے کہ شیطان اُن کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ لوگو! فرصت کے ان اَیّام③ میں نیک عمل کرلو اور حق تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرتے رہو اور اپنی لمبی لمبی اُمیدوں سے اور موت کو بھول جانے سے دھوکہ میں نہ پڑو اور دنیا کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہو، یہ کم بخت بڑی بے وفا، بڑی دھوکہ باز ہے، اپنے دھوکہ سے تمھارے لیے بنتی اور سنورتی ہے اور اپنی آرزوؤں کے ساتھ تم کو فتنہ میں ڈالتی ہے، وہ اپنے خاوِندوں④ کے لیے زینت اختیار کرتی ہے اور بالکل نئی دلھن کی طرح سے بن جاتی ہے، جیسا کہ وہ شادی کے دن ہوتی ہے کہ آنکھیں اُس کی طرف لگ جاتی ہیں اور دل اس پر جم جاتے ہیں اور آدمی اس کے عاشق بن جاتے ہیں، لیکن اس کم بخت نے اپنے کتنے عاشقوں کو قتل کر ڈالا اور کتنے آدمیوں کو جو اس پر اطمینان کیے ہوئے

حل لغات: ① جلدی۔ ② منہ پھیرنا، بچنا۔ ③ دنوں۔ ④ شوہروں۔

زہد و قناعت

بیٹھے تھے، بے یار و مددگار چھوڑ دیا، اس کو حقیقت کی نگاہ سے غور سے دیکھو، یہ ایسا گھر ہے جس میں مُہلِکات بہت زیادہ ہیں اور خود اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی برائی بتائی ہے، (ایک حکیم کوئی دوائی تیار کرتا ہے اور وہ خود کہتا ہے کہ اس میں زہر ہے، صرف ایک رتی[۱] اس کی احتیاج[۲] کے وقت استعمال کی جاسکتی ہے، اگر کوئی بیوقوف ایک تولہ، دو تولہ اُس میں سے کھالے گا تو لامحالہ[۳] مرے گا اور بنانے والے حکیم کے خبر کر دینے کے بعد ایسا کرنا حماقت[۴] کی انتہا ہے) اس کی ہر نئی چیز پُرانی ہوجائے گی، اس کا ملک خود ہی فنا[۵] ہوجائے گا، اس کا عزیز آخر کار ذلیل ہوگا، اس کی کثرت[۶] بالآخر قِلّت[۷] کی طرف پہونچتی ہے، اس کی دوستی فنا ہونے والی ہے، اس کی بھلائی ختم ہوجانے والی ہے، تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ شانُہٗ رحم کرے، اپنی غفلت سے ہوشیار ہوجاؤ، اپنی نیند سے جاگ جاؤ، اس سے پہلے پہلے کہ یہ شور ہوجائے فلاں شخص بیمار ہوگیا ہے، مایوسی کی حالت ہے، کوئی اچھا حکیم بتاؤ، کسی اچھے ڈاکٹر کو لاؤ، پھر تمہارے لیے حکیم اور ڈاکٹر بار بار بلائے جائیں اور زندگی کی کوئی بھی اُمید نہ دلائے، پھر یہ آواز آنے لگے کہ اُس نے وصیتیں شروع کر دیں، اے لو اس کی تو زبان بھی بھاری ہوگئی، اب تو آواز بھی اچھی طرح نہیں نکلتی، اب تو وہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں، لمبے لمبے سانس بھی آنے لگے، کَراہ[۸] بھی بڑھ گئی، پلکیں بھی جھکنے لگیں، اس وقت تجھے آخرت کے احوال محسوس ہونے لگیں گے، لیکن زبان تُتلا گئی، اب کوئی بات کہہ بھی نہیں سکتا، بھائی بند رشتہ دار کھڑے رو رہے ہیں، کہیں بیٹا سامنے آتا ہے، بھائی سامنے آتا ہے، بیوی سامنے آتی ہے، مگر زبان کچھ نہیں بولتی، اتنے میں بدن کے اجزا[۹] سے روح نکلنا شروع ہوجاتی ہے اور آخر وہ تو نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے، عزیز و اقارب جلدی جلدی دفنانے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں، عیادت[۱۰] کرنے والے رو دھو کر چپ ہوجاتے ہیں، دشمن خوشیاں مناتے ہیں، عزیز، رشتہ دار مال بانٹنے میں لگ جاتے ہیں اور مرنے والا اپنے اعمال میں پھنس جاتا ہے (یہ حقیقت ہے اس زندگی کی)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا، جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا کہ دنیا کُوچ کا گھر ہے، یہ رہنے کا گھر نہیں ہے، حضرت آدم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام کو اس میں سزا کے طور پر بھیجا گیا تھا کہ جنت میں ان سے ایک لغزش ہوگئی تھی (تو بطور جیل خانہ کے) یہاں بھیجا گیا تھا، اس لیے اس سے ڈرتے رہیں، اس کا توشہ[۱۱] اس کو چھوڑ دینا ہے، اس کا غِنیٰ[۱۲] اس کا فقر[۱۳] ہے (یعنی اس میں غنی وہی شخص ہے جو ظاہر میں فقیر ہے) یہ ہر وقت کسی نہ کسی کو

حل لغات: (۱) ذرا سا، تھوڑا۔ (۲) ضرورت۔ (۳) ضرور، یقیناً۔ (۴) بے وقوفی۔ (۵) ختم۔ (۶) زیادتی۔ (۷) کمی۔ (۸) وہ آواز جو دکھ یا درد کے وقت نکلے۔ (۹) حصوں۔ (۱۰) تیمارداری، بیمار سے ہمدردی کا اظہار۔ (۱۱) سامان، سفر کا خرچ۔ (۱۲) مالداری، بے نیازی۔ (۱۳) غریبی، مفلسی۔

زہد و قناعت

ہلاک کرتی رہتی ہے، جو اس کو عزیز سمجھے اس کو یہ ذلیل کرتی ہے، جو اس کو جمع کرنے کا ارادہ کرے اس کو یہ (دوسروں کا) محتاج بناتی ہے، یہ ایک زہر ہے جس کو انجان لوگ کھاتے ہیں، پھر وہ مر جاتے ہیں، اس میں ایسی طرح زندگی گزار دیں جیسا کہ زخمی بیمار ہر چیز سے احتیاط کرتا ہے تا کہ صحت نصیب ہو جائے اور کڑوی دوا اس لیے استعمال کرتا ہے تا کہ مرض طُول[1] نہ پکڑے۔ آپ اس مکار، دغاباز[2]، فریبی سے احتیاط رکھیں جو محض دھوکہ دینے کی وجہ سے بنتی سنورتی ہے اور دھوکہ سے لوگوں کو مصیبت میں پھنساتی ہے اور اپنی اُمیدوں کے ساتھ لوگوں کے یہاں آتی ہے اور اپنے منگنی کرنے والوں کو آج کل پر ٹالتی رہتی ہے، پس یہ اُن کے لیے ایسی بنی ٹھنی نئی دلہن بن جاتی ہے کہ آنکھیں اس پر ٹکٹکی لگا لیتی ہیں اور دل اس کے فریفتہ[3] ہو جاتے ہیں اور آدمی اس کے جاں نثار[4] بن جاتے ہیں، لیکن یہ کم بخت سب کے ساتھ دشمنی کرتی ہے، حیرت ہے کہ نہ تو رہنے والے جانے والوں سے عبرت[5] پکڑتے ہیں، نہ بعد کے آنے والے پہلوں کا حال سن کر اس سے احتراز[6] کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو جاننے والے اس کے ارشادات سے نصیحت پکڑتے ہیں، اس کے عاشق اپنی حاجت[7] پوری ہوتی دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور سَرکَشی[8] میں مبتلا ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں، حتی کہ ان کا دل اس میں مشغول ہو جاتا ہے اور قدم آخرت کے راستہ سے پھسل جاتا ہے، پھر نَدامَت[9] اور حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ موت کی اور نزاع[10] کی کَرب[11] اور بے چینی ان کو گھیر لیتی ہے اور اس سب کے چھوٹ جانے کی حسرتیں اُس پر مُسلّط ہو جاتی ہیں، اس میں رغبت کرنے والا اپنے مقاصد کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکتا اور مَشقّت سے کبھی بھی راحت نہیں پاتا، یہاں تک کہ بغیر توشہ[12] لیے اس عَالَم[13] سے چلا جاتا ہے اور بغیر تیاری کے آخرت میں پہونچ جاتا ہے۔ امیر المومنین! اس سے بہت بچتے رہیں اور اس کی نہایت خوشی کے اوقات میں بھی بہت زیادہ ڈرتے رہیں، اس پر اعتماد کرنے والا جب بھی کچھ خوش ہوتا ہے تو یہ کسی نہ کسی مصیبت میں اس کو مبتلا کر دیتی ہے، اس میں خوش رہنے والا دھوکہ میں پڑا ہوا ہے اور اس میں (ضرورت سے زیادہ) نفع اُٹھانے والا نقصان میں پڑا ہوا ہے، اس کی راحت تکلیفوں کے ساتھ وَابَستہ[14] ہے اور اس میں رہنے کا مُنتَہا[15] فنا ہے، اس کی خوشی رنج کے ساتھ مخلوط[16] ہے، جو کچھ گزر چکا ہے، وہ واپس آنے والا نہیں ہے اور جو آنے والا ہے، اس کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہو، اس کی آرزوئیں جھوٹی، اس کی امیدیں سب باطل، اُس کی صفائی میں گدلاپن[17] ہے، اس کے عیش میں مشقت ہے اور آدمی اس میں ہر وقت خطرہ کی حالت میں ہے،

حل لغات: (۱) لمبا ہونا، دیر تک رہنا۔ (۲) دھوکہ دینے والا۔ (۳) عاشق، فدا ہونے والا۔ (۴) جان قربان کرنے والے۔ (۵) نصیحت۔ (۶) بچنا، پرہیز کرنا۔ (۷) ضرورت۔ (۸) نافرمانی۔ (۹) شرمندگی۔ (۱۰) جان نکلنے کا وقت۔ (۱۱) انتہائی تکلیف اور سختی۔ (۱۲) سازوسامان، مال و دولت۔ (۱۳) دنیا۔ (۱۴) متعلق، ملی ہوئی۔ (۱۵) آخری انجام۔ (۱۶) ملی ہوئی۔ (۱۷) میلا ہونا، آلودگی۔

اگر اس کو عقل ہو اور وہ غور کرے تو اس کی نعمتیں خطرناک ہیں اور اس کی بلاؤں کا ہر وقت خوف ہے۔ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ، جو اس کے خالق ہیں وہ اس کی بُرائیوں کی اطلاع نہ فرماتے، تب بھی اس مکار کی اپنی حالت ہی سوتوں کو جگانے کے واسطے اور غافلوں کو ہوشیار کرنے کے واسطے کافی تھی، چہ جائیکہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے خود اس پر تنبیہیں فرمائیں اور اس کے بارہ میں نصیحتیں فرمائیں کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں اور اس کو پیدا فرما کر کبھی بھی اس کی طرف نظرِ [1] التفات نہیں فرمائی۔ یہ اپنے سارے خزانوں کے ساتھ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خدمت میں حاضر ہوئی، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، منہ نہیں لگایا، اس لیے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے حق تعالیٰ شانُہٗ کی منشاء [2] کے خلاف کو پسند نہیں کیا اور جس چیز سے اس کے خالق نے بُغض [3] رکھا اُس سے آپ نے محبت نہیں کی اور جس چیز کی اللہ نے قیمت گرادی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اُس کو پسند کر کے اُس کا درجہ بلند نہیں کیا، اسی لیے حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے نیک بندوں سے اُس کو قصداً [4] ہٹادیا اور اپنے دشمنوں پر اس کی وُسعَت [5] کردی، بعض دھوکہ میں پڑے ہوئے لوگ جو اس کو وقعت [6] سے دیکھتے ہیں وہ اس کی وسعت کو دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے ان پر اکرام کیا اور وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ سَیِّدُ الرُّسُل فَخرُ الاَوَّلِین وَالاٰخِرِین سَیِّدُنا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے اس بارہ میں کیا معاملہ رکھا کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔

ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے ہے کہ جب تم وُسعَت کو آتے دیکھو تو سمجھو کہ کسی گناہ کی سزا میں یہ آرہی ہے اور جب فقر و فاقہ کو آتا دیکھو تو کہو کہ صالحین [7] کا شِعار [8] آرہا ہے اور اگر کوئی حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصلوٰۃُ وَالسَّلَام کا اتباع کرنا چاہتا ہے تو ان کا ارشاد یہ ہے کہ میرا سالن بھوک ہے (یعنی بھوک میں فقط روٹی بھی ایسی لذیذ معلوم ہوتی ہے جیسی سالن سے) اور میرا شعار اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا خوف ہے اور میرا لباس صُوف ہے (بھیڑ بکری کے بال) اور میرا سردی میں سینکنا دھوپ ہے اور میرا چراغ چاند کی روشنی ہے اور میری سواری میرے پاؤں ہیں اور میرا کھانا اور میوے زمین کی گھاس ہے، میں صبح اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا، شام اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ غنی (بے پروا، جو کسی کا محتاج نہ ہو) کوئی بھی نہیں ہے۔

اس قسم کے ارشادات ان حضراتِ کرام انبیاء عَلَیْہِمُ الصلوٰۃُ وَالسَّلَام اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کے بہت کثرت سے کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں غور سے ایک بات سمجھ لینا

حل لغات: (۱) توجہ کرنا، متوجہ ہونا۔ (۲) مقصد، مرضی۔ (۳) دشمنی۔ (۴) جان بوجھ کر۔ (۵) کشادگی۔ (۶) عزت، اہمیت۔ (۷) نیک لوگ۔ (۸) طور، طریقہ۔

زہد و قناعت

چاہیے وہ یہ کہ اصل زندگی اور محمود و مرغوب[1] زندگی یہی ہے، جو ان حضرات کے ارشادات اور حالات سے معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے اعضاء[2] اور اپنے قُویٰ[3] کے تحمّل[4] کی رعایت بھی ضروری ہے، جہاں تک اپنے قُویٰ تحمل کریں، وہاں تک اتباع کی سعی[5] ہونا چاہیے اور جہاں اپنا ضعف مُتحمِّل[6] نہ ہو وہاں مجبوراً اپنے ضعف کی رعایت ضروری ہے۔ ان احوال کے نقل سے مقصود یہ ہے کہ کم از کم اتنا ذہن نشین ہو جائے کہ دنیا کی اصل زندگی یہ ہے اور اس سے زائد جہاں تک ہم اپنے اَمراض[7] اور اَعذار[8] سے مجبور ہیں، وہاں مجبوری کے درجہ میں اپنے ضعف اور عذروں کی رعایت کرنی ضروری ہے، اس کی مثال بیمار کا روزہ کھولنا ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ ماہِ مبارک[9] میں روزہ رکھا جائے، لیکن اگر کوئی بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا یا طبیب[10] روزہ کو صحت کے لیے مُضر[11] بتاتا ہے تو مجبوراً روزہ کھولنا پڑے گا، مگر یہ ظاہر ہے کہ اصل ماہِ مبارک میں روزہ ہی تھا، وہی اصل مقصود ہے، وہی مرغوب ہے مگر بیمار غریب مجبور ہے کہ نہیں رکھ سکتا البتہ اس کی رغبت، اس کی سعی ہر سچا مسلمان کرتا ہے۔ اسی طرح ہم لوگ اپنی ہمتوں اور قُویٰ کے ضعف کی وجہ سے اس طرزِ[12] زندگی کے مُتحمِّل نہیں ہیں، اس لیے بدرجہ مجبوری جس قدر حاجت ہے اس قدر دنیا سے تلبُّس[13] ضروری ہے، مگر اپنے ضعف کی مجبوری کا احساس بھی رہے اور اصل زندگی دل سے اسی کو سمجھتا رہے جو حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ان اولیائے عظام کی تھی، جن میں سے چند کے اقوال گزرے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ دنیا کا بے حقیقت ہونا، اُس کا دل نہ لگانے کے قابل ہونا، اُس کا فانی اور محض دھوکہ ہونا، یہ امور ایسے ضروری ہیں کہ اپنے ضعف اور مجبوری کی حالت میں بھی دل میں جتنے زیادہ سے زیادہ جمائے جا سکتے ہوں ان کو جمائے، زبان سے نہیں دل سے دنیا کو حقیقتاً ایسا ہی سمجھے، اس کے سمجھنے میں کوئی چیز مانع[14] نہیں، ہمارے پاس کوئی عذر ایسا نہیں جو کسی درجہ میں بھی اس بدبخت کو دلوں میں وقیع[15] بنا دے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا بہت جلد فنا ہو جانے والی ہے، جلدی ہی ختم ہونے والی ہے، یہ اپنے باقی رہنے کے وعدے تو کرتی ہے، مگر ان وعدوں کو پورا نہیں کرتی، تُو جب اس کو دیکھے تو یہ تجھے ایک جگہ ٹھہری ہوئی معلوم ہوگی، لیکن واقعہ میں یہ بہت سُرعت[16] سے چل رہی ہے مگر دیکھنے والے کو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوتی، اُس کو جب ہی پتہ چلتا ہے جب یہ ختم ہو جاتی ہے، اس کی مثال سایہ کی سی ہے کہ وہ ہر وقت چلتا رہتا ہے لیکن اُس کی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک مرتبہ دنیا کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا:

حل لغات: (۱) پسندیدہ۔ (۲) جسم کے حصّے۔ (۳) ہمت، طاقت۔ (۴) برداشت۔ (۵) کوشش۔ (۶) کمزوری۔ (۷) بیماریاں۔ (۸) مجبوریاں۔ (۹) یعنی رمضان کا مہینہ۔ (۱۰) علاج کرنے والا، ڈاکٹر۔ (۱۱) نقصان۔ (۱۲) طریقہ۔ (۱۳) لگاؤ۔ (۱۴) رکاوٹ۔ (۱۵) قیمتی، اہم۔ (۱۶) تیزی۔

زہد و قناعت

أَحْلَامُ نَوْمٍ أَوْ كَظِلٍّ زَائِلٍ   إِنَّ اللَّبِيْبَ بِمِثْلِهَا لَا يُخْدَعُ

اس کی مثال سونے والوں کے خواب کی ہے یا چلنے والے سایہ کی ہے، عقل مند آدمی کو اس جیسی چیز کے ساتھ دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت امام حسن رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

يَاأَهْلَ لَذَّاتِ دُنْيَا لَا بَقَاءَ لَهَا   إِنَّ اغْتِرَارًا بِظِلٍّ زَائِلٍ حُمْقٌ

اے دنیا کی لذت والو! اس کو دوام[1] بالکل نہیں ہے، ایسے سایہ کے ساتھ دھوکہ کھانا جو چل رہا ہو، حماقت[2] ہے۔

یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل کو دنیا کی یہ مثال سمجھائی کہ ایک آدمی مثلاً سو رہا ہے، وہ خواب میں بہت سی اچھی اور بُری باتیں دیکھتا ہے، ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ سارا خواب ختم ہوگیا، اسی طرح آدمی سب سو رہے ہیں اور یہ سب کچھ خواب میں دیکھ رہے ہیں، جب موت سے ایک دم آنکھ کھل جائے گی تو یہاں کی نہ خوشی رہے گی، نہ غم رہے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا کی حقیقت کا کشف[3] ہوا، دیکھا کہ وہ ایک نہایت بوڑھی عورت ہے، جس کے بڑھاپے کی وجہ سے دانت بھی ٹوٹ گئے اور نہایت زرق برق[4] کا فاخرہ[5] لباس پہن رہی ہے، ہر قسم کی زینت کا سامان اُس پر ہے، بالکل دُلہن بن رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تُو اب تک کتنے نکاح کرچکی ہے (کہ اب پھر نکاح کرنے کے شوق میں دلہن بن رہی ہے؟) اُس نے جواب دیا کہ ان کی کوئی شمار نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ وہ سب مرگئے یا انہوں نے تجھ کو طلاق دے دی؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے سب کو قتل کردیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: تیرے باقی خاوندوں[6] کا ناس[7] ہو وہ تیرے گذشتہ خاوندوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ تُو نے کس طرح ایک ایک کرکے سب کو ہلاک کردیا۔ حقیقی بات یہی ہے کہ یہ بالکل ایک بڑی عمر کی بڑھیا ہے، جس نے اپنے اوپر زینت کا لباس پہن رکھا ہے لوگ اس کی ظاہری زینت کو دیکھ کر دھوکہ کھاجاتے ہیں، جب اُس کی حقیقت پر مطلع ہوتے ہیں اور اس کے چہرہ سے پردہ ہٹاتے ہیں تو اُس کی اصلی صورت نظر آتی ہے۔

علا بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک بڑھیا کو دیکھا جو بہت بوڑھی تھی اور بہت عمدہ لباس، زیور وغیرہ پہن رہی تھی، دنیا کی ہر قسم کی زیب وزینت[8] اُس پر موجود تھی اور لوگ بہت کثرت سے اس کے گرد جمع ہیں، بڑے شوق سے اُس کو دیکھ رہے ہیں، میں اس کے قریب گیا اور اُس کو دیکھ کر مجھے ان سب دیکھنے والوں پر بڑا تعجب ہوا، میں نے خواب میں اُس سے پوچھا کہ تُو کون ہے؟

حل لغات: (۱) ہمیشگی۔ (۲) بے وقوفی۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں کسی بات کا ظاہر ہونا۔ (۴) شان وشوکت والا۔ (۵) قیمتی۔ (۶) شوہروں۔ (۷) بُرا ہو۔ (۸) خوبصورتی، سجاوٹ۔

زہد وقناعت

کہنے لگی: تو مجھے نہیں جانتا؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو نہیں جانتا، اُس نے کہا: میں دنیا ہوں، میں نے کہا: اللہ تعالیٰ شانہٗ تجھ سے مجھے اپنی پناہ میں رکھے، کہنے لگی: اگر تُو مجھ سے پناہ میں رہنا پسند کرتا ہے تو درہم (روپیہ) سے بغض[1] پیدا کرلے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت میں دنیا ایسی حالت میں لائی جائے گی کہ بہت بوڑھی عورت، بدصورت، کیری[2] آنکھیں، دانت آگے کو نکلے ہوئے لوگوں کے سامنے لاکر کھڑی کی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: خدا کی پناہ یہ کیا بلا ہے؟ اُن سے کہا جائے گا: یہ وہی دنیا ہے، جس کی بدولت ایک نے دوسرے کو قتل کیا، آپس میں قطع رحمی[3] کی، اسی کی وجہ سے تم آپس میں ایک دوسرے سے حسد رکھتے تھے، بغض رکھتے تھے اور اس کے دھوکہ میں پڑے رہے۔ اس کے بعد اُس بڑھیا کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، وہ چلّائے گی کہ میرے ساتھ ان کو بھی تو لاؤ، میرے پیچھے لگنے والوں کو بھی تو میرے ساتھ کرو، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے پیچھے چلنے والوں کو بھی اسی کے ساتھ کرو۔

درحقیقت آدمی کے غور کرنے کی بات ہے کہ اس کے تین زمانے ہیں: ایک عالَم[4] کی ابتدا[5] سے اُس کی پیدائش تک کا زمانہ ہے، دوسرا آدمی کے مرنے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کا زمانہ، ان دونوں کے درمیان میں تیسرا زمانہ یہ ہے، جو اُس کی پیدائش سے لے کر اُس کی موت تک کا وقت ہے، اس مدت کو اگر ابتدا اور انتہا دونوں کے مجموعہ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ کتنا قلیل[6] وقت ہے، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ مجھے دنیا سے کیا لینا ہے، میری مثال تو اُس سوار کی سی ہے، جو سخت گرمی میں سفر کررہا ہو، گرمی کی شدت[7] میں کوئی سایہ دار درخت نظر پڑ جائے تو اُس کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے دوپہر میں ٹھہر جائے، پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر آگے چلا جائے اور واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص دنیا کو اس نگاہ سے دیکھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کبھی بھی اُس کی طرف نہ جُھکے اور ذرا بھی اس کی پروا نہ کرے کہ یہ تھوڑا سا وقت راحت اور خوشی میں گزر گیا یا رنج و تکلیف میں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ چونے سے مکان کی تعمیر کر رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت اس سے زیادہ قریب ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ دنیا دار کی مثال اس شخص کی ہے جو پانی پر چل رہا ہو، کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے کہ پانی میں چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے تمہیں ان لوگوں کی جہالت کا اندازہ ہوگیا ہوگا، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بدن تو دنیاوی لذتوں سے مُنتَفِع[8] ہو رہے ہیں، لیکن ہمارے دل دنیا سے

حل لغات: (۱) دشمنی۔ (۲) نیلی۔ (۳) رشتہ توڑنا۔ (۴) دنیا۔ (۵) شروعات۔ (۶) تھوڑا، مختصر۔ (۷) تیزی۔ (۸) فائدہ اُٹھانا۔

پاک ہیں اور ہمارے قلبی[1] تعلقات دنیا سے ٹوٹے ہوئے ہیں، یہ تخیل[2] شیطان کا ان لوگوں کے ساتھ ایک مکر[3] ہے، بلکہ اُن لوگوں کے پاس سے اگر دنیا کو چھین لیا جائے تو اُس کے فراق[4] میں ایک دم بے چین ہوجائیں، پس جس طرح پانی میں چلنے سے پاؤں لامحالہ[5] بھیگتے ہیں اسی طرح دنیا کے ساتھ تعلق اور اختلاط دل میں ظلمت[6] ضرور پیدا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کا ارشاد ہے کہ ایک حقیقی بات تم سے کہتا ہوں کہ جیسے بیمار آدمی کو تکلیف کی شدت کی وجہ سے کھانے میں لذت نہیں آتی، اسی طرح دنیا دار کو عبادت میں لذت نہیں آتی اور جس طرح جانور پر اگر سواری کرنا چھوڑ دیا جائے تو اس سے اس کا مزاج سخت ہوجاتا ہے اور سواری کی عادت اُس کو نہیں رہتی، اسی طرح اگر موت کے ذکر اور عبادت کی مشقت کے ساتھ دلوں کو نرم نہ کیا جائے تو وہ سخت ہوجاتے ہیں، ان میں قساوت[7] پیدا ہوجاتی ہے اور ایک حق بات کہتا ہوں کہ مَشکیزہ[8] جب تک پھٹے نہیں، وہ شہد (پانی وغیرہ) کا برتن بنتا ہے، لیکن جب وہ پھٹ جاتا ہے تو پھر شہد اس میں نہیں رکھا جاتا، اسی طرح دلوں کو جب تک شہوتوں سے پھاڑا نہ جائے یا طمع[9] سے اس کو خراب نہ کیا جائے یا نعمتوں سے اس کو سخت نہ کیا جائے، تو وہ حکمت کا برتن بنتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دنیا کی شہوتیں اس وقت بڑی لذیذ معلوم ہوتی ہیں، لیکن مُنتہا[10] کے اعتبار سے موت کے وقت اتنی ہی مکروہ اور ناگوار ہوں گی۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان لذات سے دنیا کی زندگی میں جتنا زیادہ شَغَف[11] اور محبت ہوگی موت کے وقت اتنی ہی زیادہ کراہت ان سے ہوگی۔ اس کی مثال کھانے کے ساتھ دی جاتی ہے کہ جو کھانا جتنا زیادہ لذیذ اور زیادہ چکنائی اور گھی والا ہوتا ہے اس کا پاخانہ اتنا ہی زیادہ گندہ اور بدبودار ہوتا ہے اور جتنا زیادہ سادہ کھانا ہوتا ہے اتنی ہی اس کے پاخانہ میں بدبو بھی کم ہوتی ہے۔

اس سب کے بعد یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ دنیا کیا چیز ہے، جس کی اتنی مَذَمَّتیں[12] قرآن پاک اور احادیث وغیرہ میں آئی ہیں؟ اس کو غور سے سمجھ لینا چاہیے کہ آدمی کی موت سے پہلے پہلے (یعنی زندگی میں) جو کچھ احوال پیش آتے ہیں، جو امور اُس کو لاحق ہوتے ہیں، وہ سب دنیا کہلاتے ہیں اور موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ سب آخرت کہلاتا ہے۔ موت سے پہلے امور تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک[1] وہ چیزیں ہیں جو آدمی کے ساتھ اُس عالم میں چلی جاتی ہیں، وہ علم دین اور نیک عمل ہے جو خالص حق تعالیٰ شانہٗ کے واسطے کیا گیا ہو، یہ دونوں چیزیں خالص آخرت اور دین ہیں، دنیا نہیں ہیں، اگرچہ آدمی کو ان میں لذّت آتی ہو اور جن لوگوں کو ان میں لذتیں آجاتی ہیں وہ اُن کی وجہ سے کھانا پینا، سونا، شادی وغیرہ

حل لغات: (۱) دِلی۔ (۲) خیال، گمان۔ (۳) دھوکہ، فریب۔ (۴) جدائی۔ (۵) ضرور۔ (۶) تاریکی۔ (۷) بے رحمی، دل کی سختی۔ (۸) پانی بھرنے کا چمڑے کا برتن۔ (۹) لالچ۔ (۱۰) آخری انجام۔ (۱۱) رغبت، دلچسپی۔ (۱۲) برائیاں۔

زہد و قناعت

تک چھوڑ دیتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود یہ دونوں چیزیں آخرت ہی کی چیزیں ہیں۔ دوسری[2] قسم ان کے بالمقابل گناہوں کی لذتیں اور جائز چیزوں کی وہ مقداریں، جو محض فضول اور زائد ہیں جیسا کہ سونے چاندی کے ڈھیر اور فاخرہ[1] لباس، خوشنما[2] جانوروں کا شوق، اونچے اونچے محل، لذیذ لذیذ کھانے یہ سب دنیا ہے، جن کی مذمت[3] پہلے گذری ہے۔ تیسری[3] قسم ان دونوں کے درمیان وہ ضروری چیزیں جو آخرت کے کاموں کے لیے مُعین اور مددگار ہوں جیسا کہ بقدر ضرورت کھانا، سونا اور ضرورت کے موافق معمولی لباس گرمی کا، سردی کا اور ہر وہ چیز جس کی آدمی کو اپنی صحت اور بقا[4] کے لیے ضرورت ہے اور ان کی وجہ سے پہلی قسم میں اعانت[5] حاصل ہوتی ہے، یہ چیزیں بھی دنیا نہیں ہیں، یہ آخرت ہی ہیں، دین ہی ہیں بشرطیکہ واقعی ضرورت کے درجہ میں ہوں، ان سے مقصد دینی امور پر تقویت[6] ہو اور اگر ان کا مقصد محض حظِ نفس[7] اور دل کی خواہش کا پورا کرنا ہوگا تو یہی چیز دنیا ہو جائیں گی۔ [اِحیاء]

میں نے اپنے والد صاحب نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ سے ایک قصہ اکثر سنا، وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کو پانی پَت ایک ضرورت سے جانا تھا، راستہ میں جمنا پڑتی تھی، جس میں اتفاق سے طُغیانی[8] کی صورت تھی کہ کشتی بھی اُس وقت نہ چل سکتی تھی، یہ شخص بہت پریشان تھا، لوگوں نے اُس سے کہا کہ فلاں جنگل میں ایک بزرگ رہتے ہیں، ان سے جا کر اپنی ضرورت کا اظہار کرو اگر وہ کوئی صورت تجویز کر دیں تو شاید کام چل جائے، ویسے کوئی صورت نہیں ہے، لیکن وہ بزرگ اوّل اوّل بہت خفا[9] ہوں گے، انکار کریں گے، اس سے مایوس نہ ہونا چاہیے، چنانچہ یہ شخص وہاں گیا، اُس جنگل میں ایک جھونپڑی پڑی ہوئی تھی اُسی میں ان کے اہل وعیال[10] بھی رہتے تھے، اس شخص نے بہت رو کر اپنی ضرورت کا اظہار کیا کہ مقدمہ کی کل کو تاریخ ہے جانے کی کوئی صورت نہیں، اوّل تو انہوں نے حسبِ عادت خوب ڈانٹا کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میرے قبضہ میں کیا ہے؟ اس کے بعد جب اُس نے بہت زیادہ عاجزی کی، تو انہوں نے فرمایا کہ جمنا سے جا کر کہہ دو کہ ایسے شخص نے مجھے بھیجا ہے، جس نے عمر بھر نہ کبھی کچھ کھایا، نہ بیوی سے صحبت کی۔ یہ شخص واپس ہوا اور ان کے کہنے کے موافق عمل کیا، جمنا کا پانی ایک دم رک گیا اور یہ شخص پار ہو گیا، جمنا پھر حسبِ معمول چلنے لگی، لیکن اس شخص کے واپس ہونے کے بعد ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کر دیا کہ تُو نے مجھے ذلیل اور رُسوا[11] کیا، بغیر کھائے تو خود پھول کر ہاتھی بن گیا، اس کا تو تجھے اختیار ہے، اپنے متعلق جو چاہے جھوٹ بول دے، لیکن یہ بات کہ تو کبھی بیوی کے پاس نہیں گیا، اس بات نے مجھے رُسوا کر دیا، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ اولاد جو پھر رہی ہے، یہ سب حرام کی اولاد ہوئی۔ ان بزرگ نے

حل لغات: (۱) قیمتی۔ (۲) اچھا دکھنے والا۔ (۳) برائی۔ (۴) باقی رہنا۔ (۵) مدد۔ (۶) مضبوطی۔ (۷) نفسانی خواہش۔ (۸) طوفان۔ (۹) ناراض۔ (۱۰) گھر والے۔ (۱۱) بے عزت۔

زہد وقناعت

اوّل[1] تو عورت سے یہ کہا کہ تجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، جب میں اولاد کو اپنی اولاد بتاتا ہوں، پھر کیا اعتراض ہے، مگر وہ بے تحاشا[2] روتی رہی کہ تُو نے مجھے زنا کرنے والی بنا دیا۔ اس پر ان بزرگ نے کہا کہ غور سے سُن، میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، کبھی اپنی خواہشِ نفس[3] کے لیے کوئی چیز نہیں کھائی، ہمیشہ جو کھایا محض[4] اس ارادہ اور نیت سے کھایا کہ اس سے اللہ کی اطاعت کے لیے بدن کو قوت پہونچے اور جب بھی تیرے پاس گیا ہمیشہ تیرا حق ادا کرنے کا ارادہ رہا، کبھی اپنی خواہش کے تقاضہ سے صحبت نہیں کی۔ قصہ تو ختم ہوا۔ اب حضور اقدس ﷺ کے ایک پاک ارشاد میں غور کرنے سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اُس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے (اُس کی سلامتی کے شکرانہ میں) روزانہ ایک صدقہ ادا کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اتنے صدقات (یعنی تین سو ساٹھ) روزانہ ادا کرنے کی کس کو طاقت ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں تھوک وغیرہ پڑا ہو، اُس پر مٹی ڈال دینا صدقہ (کا ثواب رکھتا) ہے، راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اور چاشت کی نماز ان سب صدقوں کے برابر ہوسکتی ہے۔ [مشکوٰۃ] چونکہ نماز میں بدن کا ہر جوڑ عبادت میں مشغول رہتا ہے، اس لیے ہر جوڑ کی طرف سے گویا صدقہ ہوگیا، دوسری حدیث میں ان چیزوں کی اور بھی مثالیں ذکر فرمائی ہیں، جس میں ارشاد ہے کہ کسی کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے، اچھے کام کا حکم کرنا، بُرے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے اور بیوی سے صحبت کرنا بھی صدقہ ہے اور ان سب کے قائم مقام دو رکعت چاشت کی نماز ہے کہ وہ سارے جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہوجاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے، یہ بھی صدقہ ہوجائے گا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ اس کو ناجائز جگہ پوری کرتا تو کیا گناہ نہ ہوتا؟ [ابوداؤد]

یعنی جب حرام کاری گناہ ہے تو اُس سے بچنے کی نیت سے بیوی سے صحبت یقیناً ثواب کی چیز ہے۔ اسی طرح کھانا پینا، سونا، پہننا سب چیزیں عبادتیں ہیں بشرطیکہ واقعی اللہ کی اطاعت کے ارادہ سے ہوں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ دنیا فی نفسہٖ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ممنوع ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانُہٗ تک پہونچنے میں مانع بنتی ہے، اسی طرح فقر فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہے بلکہ وہ اس لیے مطلوب ہے کہ اُس میں حق تعالیٰ شانُہٗ سے ہٹانے والی کوئی چیز نہیں (بلکہ وہ حق تعالیٰ شانُہٗ تک پہونچانے میں مُعین[5] ہے) لیکن بہت سے غنی[6] ایسے بھی ہیں کہ غنا[7] ان کو حق تعالیٰ شانُہٗ تک

حل لغات: (۱) پہلے، شروع میں۔ (۲) بے حد، بہت زیادہ۔ (۳) نفس کی چاہت، نفس کو خوش کرنا۔ (۴) صِرف۔ (۵) مددگار۔ (۶) مالدار۔ (۷) مالداری۔

زہد و قناعت

پہونچنے میں مانع نہیں ہوا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات اور بعض فقیر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا فقر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ تک پہونچنے سے مانع[1] بن جاتا ہے کہ ناداری[2] کے ساتھ مال کی محبت اُس کو راستہ سے ہٹا دیتی ہے، لہٰذا اصل ممنوع اور ناجائز مال کی محبت ہے، چاہے اس کے وِصال[3] سے ہو جیسا کہ غنا یا فراق[4] سے ہو جیسا کہ دنیا دار فقیر، دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غافل لوگوں کی معشوقہ ہے جو اس کا عاشق یعنی دنیا دار فقیر اس سے محروم ہے، وہ اس کی طلب میں مر رہا ہے اور جس عاشق کو اس کا وصال حاصل ہے جیسا کہ غنی وہ اس کی حفاظت اور اس سے لذتیں حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غافل ہے، لیکن اکثر قاعدہ یہ ہے کہ جو اس سے محروم ہے، وہ اس کے فتنوں سے بہت زیادہ محفوظ ہے اور جو اس میں پھنسا ہوا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہے، اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ارشاد ہے کہ ہم ناداری کے فتنہ (امتحان) میں مبتلا کیے گئے تو ہم نے صبر کیا (یعنی کامیاب رہے) پھر ہم ثروت[5] اور دولت کے فتنہ اور امتحان میں مبتلا ہوئے تو ہم صبر نہ کر سکے (یعنی اس حال میں بھی اُس مال سے بالکل علیٰحدہ رہتے یہ نہ ہوسکا)۔ اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ مال کے ہونے کی صورت میں اُس کی مضرتوں[6] سے کوئی برسہا برس میں ہی ایسا نکلتا ہے، جو اس سے محفوظ رہ سکے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس سے بچنے کی ترغیب اور اس میں پھنس جانے کی مضرتوں پر تنبیہ کی ہے، اس لیے کہ اس سے بچنا تو ہر شخص کے لیے مفید ہی ہے، اسی وجہ سے علماء کا ارشاد ہے کہ ہاتھ سے (روپیہ پیسہ وغیرہ) مال کا اُلٹنا پلٹنا بھی ایمان کی حلاوت[7] کو چُوس لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر اُمت کے لیے کوئی بچھڑا (گئو ماتا وغیرہ) ہے جس کی وہ پرستش[8] کرتے ہیں، میری اُمت کا بچھڑا روپیہ اور اَشرفی ہے (کہ اُس کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ پرستش کا ہوتا ہے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بچھڑا بھی تو سونے چاندی کا زیور ہی تھا۔ [اِحیاء]

اور یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام اور اَولیاء عظام رحمہم اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے کہ اُن کی نگاہ میں سونا چاندی، پانی پتھر ایک ہی درجہ رکھتے ہیں، پھر اس کے بعد مجاہدات کی کثرت ان حضرات کے لیے اور بھی زیادہ اس چیز کو پورا کر دیتی ہے، اسی وجہ سے جب دنیا اپنی زیب و زینت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمادیا کہ مجھ سے دور ہی رہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اے زرد و سفید (سونے چاندی) میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ میں ڈال (میں تیرے دھوکہ

حل لغات: ① رکاوٹ۔ ② غریبی۔ ③ ملاقات، ملنا۔ ④ جدائی۔ ⑤ مالداری۔ ⑥ نقصان۔ ⑦ مٹھاس، چاشنی۔ ⑧ پوجا، عبادت۔

زہد وقناعت

میں نہیں آؤں گا) اور یہی اصل غنا ہے کہ دل کو اس کے ساتھ تعلق نہ رہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غِنا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ اصل غِنا دل کا غنی ہونا ہے اور یہ بات ہر شخص کو نصیب ہونا مشکل ہے، اس لیے اَسْلَم[1] طریقہ اس سے دور ہی رہنا ہے، اس لیے کہ مال پر قدرت اور قبضہ کی صورت میں چاہے صدقہ خیرات بھی کرتا ہو، لیکن دل میں اُس کے ساتھ اُنس[2] پیدا ہو ہی جاتا ہے اور یہی مُہلِک[3] چیز ہے کہ جس درجہ میں اس سے اُنس ہوگا اتنا ہی حق تعالیٰ شانُہٗ سے بُعد[4] ہوگا اور وحشت[5] ہوگی اور جب تنگ[6] دستی کی وجہ سے اُس سے اُنس کم ہوگا تو مسلمان ہونے کی صورت میں لامَحَالہ[7] حق تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ وابستہ[8] ہوگا، اس لیے کہ دل فارغ نہیں رہتا، کسی نہ کسی سے اُس کا لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر سے مُنقطع[9] ہوجائے گا، تو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ ہی لگے گا، مال دار آدمی کو اکثر یہ دھوکہ لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے مال سے محبت نہیں ہے، لیکن یہ بڑی لغزش[10] اور محض دھوکہ ہے در حقیقت اس کے دل میں محبت مرکوز[11] ہوتی ہے، جو اس کو محسوس نہیں ہوتی اور اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے، جب وہ مال ضائع ہوجائے یا چوری ہوجائے اور جو شخص اس کا تجربہ کرنا چاہے، وہ اپنے مال کو تقسیم کر کے تجربہ کرلے، اگر دل کو اس کے بُعد سے اُس کی طرف التفات ہو، تو معلوم ہوگا کہ محبت تھی اور دل کو اس کا خیال بھی نہ آئے تو معلوم ہوگا کہ محبت نہ تھی اور جتنی بھی دنیا سے محبت کم ہوگی اتنا ہی اس شخص کی عبادت میں ثواب زیادہ ہوگا، اس لیے کہ عبادات اور تسبیحات میں زبان کی محض حرکت اصل مقصود نہیں، بلکہ ان کا مقصود دل پر اثر ہے اور دل جتنا فارغ ہوگا اتنا ہی اس پر اثر قوی[12] ہوگا۔

ضَحَّاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص بازار جائے اور کسی چیز کو دیکھ کر اس کے خریدنے کی رغبت ہو اور نا داری[13] کی وجہ سے اُس پر صبر کرے، وہ ایک ہزار اَشرفیاں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔ ایک شخص نے حضرت بِشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: میرے لیے دعا کیجیے، کُنبہ[14] زیادہ ہے جس کی وجہ سے خرچ میں تنگی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب گھر والے کہیں کہ آٹا نہیں ہے (اور تو اس سے پریشان ہو) اُس وقت تُو اللہ سے دعا کر، تیری اُس وقت کی دعا میری دعا سے افضل ہوگی۔ اس کے علاوہ مال کی کثرت میں قیامت کے دن کے حساب کا طویل[15] ہونا تو بہر حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جنت کے داخلہ میں دیر ہوئی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پہلے گزر چکا۔ اسی وجہ سے حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری کوئی دکان مسجد کے دروازہ پر ہو، جس کی وجہ سے ہر وقت کی جماعت مجھے ملتی رہے اور ذکر و شغل میں مشغول رہوں اور دکان

حل لغات: (۱) سلامتی والا، محفوظ۔ (۲) محبت، پیار۔ (۳) ہلاک کرنے والی۔ (۴) دوری۔ (۵) گھبراہٹ۔ (۶) غربت، مفلسی۔ (۷) ضرور۔ (۸) ملا ہوا، متعلق۔ (۹) کٹنا، الگ ہونا۔ (۱۰) بھول، غلطی۔ (۱۱) بیٹھی ہوئی، جمی ہوئی۔ (۱۲) زبردست، مضبوط۔ (۱۳) غریبی۔ (۱۴) اہل و عیال، خاندان۔ (۱۵) زیادہ، لمبا۔

سے پچاس اشرفیاں روزانہ میں کماتا رہوں اور صدقہ کرتا رہوں، کسی نے پوچھا اس میں کیا برائی ہوگئی؟ فرمانے لگے کہ حساب تو لمبا ہو ہی جائے گا۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقراء نے تین چیزیں پسند کیں اور مالداروں نے تین چیزیں پسند کیں۔ فقراء نے تو نفس کی راحت، دل کا فارغ ہونا اور حساب کی تخفیف[1] پسند کی اور مالداروں نے نفس کی مَشَقَّت[2]، دل کی مشغولی اور حساب کا لمبا ہونا پسند کیا۔ [اِحیاء]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ آدمی اُسی کے ساتھ (قیامت میں) ہوگا، جس سے اُس کو محبت ہوگی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسلام کے بعد کسی دوسری چیز کی اتنی خوشی نہیں ہوئی، جتنی کہ اس حدیث کی ہوئی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان حضرات کی محبت ضربُ المَثَل[3] اور آفتاب[4] سے زیادہ روشن تھی پھر ان کو خوشی کیوں نہ ہوتی؟ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ اپنی محبت کا ذرا سا ذائقہ بھی چکھا دیتے ہیں، وہ دنیا کی طلب سے فارغ ہو جاتا ہے اور لوگوں سے اس کو وَحْشَت[5] ہونے لگتی ہے۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی ایسی بھی مخلوق ہے جن کو جنت اپنی ساری نعمتوں اور دائمی[6] راحتوں کے باوجود اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی، وہ صرف حق سبحانہٗ وتقدّس ہی سے وابستہ[7] ہیں ایسے لوگوں کو دنیا اپنی طرف کیا کھینچ سکتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک جماعت پر گزرے جن کے بدن دبلے تھے، چہرے زرد[8] تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تمہیں یہ کیا ہوگیا؟ انہوں نے کہا: جہنم کے خوف نے یہ حال کر دیا، حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے (فضل سے اُس کے) ذمہ ہے کہ جس شخص کو جہنم کا خوف ہو، اُس کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ آگے چلے تو چند آدمی ملے اور ان کا حال ان پہلے لوگوں سے بھی زیادہ سخت تھا، بہت دبلے چہروں پر بہت زیادہ پریشانی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: یہ تمہیں کیا ہوگیا؟ انہوں نے عرض کیا: جنت کے شوق (وعشق) نے یہ حال کر دیا، حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ذمہ ہے کہ تم جس چیز کی امید اُس سے لگائے ہوئے ہو، وہ تم کو عطا کرے۔ آگے چلے تو ایک اور جماعت ملی جوان دوسروں سے بھی زیادہ ضعیف، مُنحنی[9] مگر ان کے چہرے نور سے آئینہ کی طرح چمک رہے تھے، ان سے بھی حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام نے یہی سوال کیا، انہوں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے عشق نے یہ حال کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ہی لوگ اصل مُقَرَّب[10] ہو، تم ہی مُقَرَّب ہو، تم ہی مُقَرَّب ہو۔ تین مرتبہ فرمایا۔

حل لغات: (۱) کمی۔ (۲) تکلیف۔ (۳) کہاوت، وہ حصہ جو مثال کے طور پر مشہور ہو۔ (۴) سورج۔ (۵) گھبراہٹ۔ (۶) ہمیشہ کی۔ (۷) جُڑا ہونا، لگا ہونا۔ (۸) پیلے۔ (۹) دبلے، کمزور۔ (۱۰) انتہائی قریبی۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی محبت مجھے بغیر محبت کی ستر برس کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔ [احیاء]

⑨ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِي اثْنَيْنِ: فِيْ حُبِّ الْأَمَلِ وَطُوْلِ الدُّنْيَا۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بوڑھے آدمی کا دل ہمیشہ دو چیزوں میں جوان رہتا ہے: ایک دنیا کی محبت میں، دوسرے آرزوؤں اور اُمیدوں کے طویل ہونے میں۔

فائدہ: پہلی حدیث شریف کے ذیل میں یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا ہے کہ اصل دنیا جس کی برائی قرآن پاک اور احادیث وغیرہ میں بہت کثرت سے آئی ہے، وہ مال کی محبت ہے۔ اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلہ کی ایک خاص چیز پر تنبیہ فرمائی ہے، جو تجربہ میں بہت صحیح ثابت ہوئی کہ بڑھاپے میں دنیا کی محبت اور لمبی لمبی اُمیدیں بہت بڑھ جاتی ہیں اور جتنا بھی مرنے کا زمانہ بڑھاپے کے لحاظ سے قریب آتا جاتا ہے اتنی ہی اولاد کی شادیوں کی اُمنگیں، اچھے اچھے مکانات تعمیر کرنے کا ولولہ[1]، جائیداد کے بڑھانے کا جذبہ وغیرہ وغیرہ زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں آدمی کو اپنے نفس کی خاص طور سے نگہداشت[2] کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور دو چیزیں اُس میں جوان ہوتی رہتی ہیں: ایک مال کی حرص[3]، دوسری زیادہ عمر ہونے کی حرص۔ [مشکوٰۃ]

زیادہ عمر ہونے کی حرص بھی وہی امیدوں کا طویل ہونا ہے کہ وہ مرنے کے قریب ہوتا جارہا ہے، لیکن مرنے کی تیاری کے بجائے دنیا میں ہمیشہ رہنے کی تیاری میں مشغول رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر سمجھانے کے طور پر ایک مُربع (چار لکیروں والی) شکل کھینچی اور اس کے درمیان میں ایک دوسری لکیر کھینچی، جو اس مُربع شکل سے آگے نکلی چلی گئی، پھر اس مُربع شکل کے اندر چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائیں، جس کی صورت علماء نے مختلف لکھی ہے، منجملہ اُن کے یہ صورت  واضح ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ درمیانی لکیر تو آدمی ہے اور جو لکیر (مُربع) اس کی چاروں طرف سے گھیر رہی ہے، وہ اس کی موت ہے کہ آدمی اس سے نکل ہی نہیں سکتا اور جو لکیر باہر نکل رہی ہے، وہ اس کی اُمیدیں ہیں کہ اپنی زندگی سے بھی آگے کی لگائے بیٹھا ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں جو اس کے دونوں طرف ہیں، وہ اس کی بیماریاں، حوادث[4] وغیرہ ہیں، جو اس کی طرف متوجہ ہیں، ہر ایک

حل لغات: (۱) جوش۔ (۲) نگرانی۔ (۳) لالچ۔ (۴) مصیبتیں، تکلیفیں۔

چھوٹی لکیر ایک آفت ہے، اگر ایک سے بچ جائے تو دوسری مُسلَّط[1] ہے اور موت کے اندر تو گھرا ہوا ہے کہ وہ تو چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہے، لیکن امید کی لکیر موت سے بھی آگے نکلی ہوئی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے سر مبارک کے پچھلے حصے پر اپنا دست[2] مبارک رکھ کر فرمایا کہ یہ تو آدمی کی موت ہے جو اُس کے سر پر ہر وقت سوار ہے اور دوسرے ہاتھ کو دور تک پھیلا کر ارشاد فرمایا کہ یہ دُور تک اُس کی اُمیدیں جارہی ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اس اُمت کی بھلائی کی ابتدا[3] آخرت کے یقین اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ ہوئی ہے اور اس کے فساد کی ابتدا مال کے بخل اور اُمیدوں کی لمبائی سے ہوگی۔ [مشکوٰۃ] ایک اور حدیث میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس اُمت کے ابتدائی حصہ نے اللہ کے ساتھ یقین اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ نجات پائی اور اس کے آخری حصہ کی ہلاکت بُخل[4] اور اُمیدوں کی وجہ سے ہے۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ عنقریب[5] ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ تمہارے (مسلمانوں کے) کھا جانے کے واسطے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے، جیسا کہ دستر خوان پر بیٹھنے والا دوسرے کی تواضع[6] کرتا ہے (کہ ہر قوم دوسروں کو اس کی ترغیب اور دعوت دے گی کہ ان مسلمانوں کو کسی طرح پہلے ہلاک کردو) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد بہت ہی کم ہوگی؟ (جس کی وجہ سے کافروں کے یہ حوصلے ہوں گے) حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، تمہاری تعداد اس زمانہ میں بہت زیادہ ہوگی، لیکن تم لوگ اس زمانہ میں سیلاب کے جھاگ کی طرح سے (بالکل بے جان) ہوگے اور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا خوف جاتا رہے گا اور تمہارے اپنے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ''وھن'' کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے ڈرنا۔ [مشکوٰۃ]

اُمِّ ولید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ شام کے وقت اندر سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بات ہوئی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتنی مقدار جمع کرتے ہو، جتنا کھاتے نہیں ہو اور اتنے مکانات بنا لیتے ہو، جن میں رہتے بھی نہیں ہو اور ایسی اُمیدیں باندھ لیتے ہو، جن کو پوری بھی نہیں کر سکتے، کیا ان باتوں سے تم شرماتے نہیں ہو؟ [ترغیب] یعنی ضرورت سے زائد مکان بنا لیتے ہو، مکان اتنا ہی بنانا چاہیے جتنے کی ضرورت ہو، اسی طرح خزانہ جمع کرتے جاتے ہو، جو اپنی حاجت[7] سے زائد ہے وہ جمع کرنے کے لیے نہیں ہے، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے۔

حل لغات: (۱) سوار ہونا۔ (۲) ہاتھ۔ (۳) شروعات۔ (۴) کنجوسی۔ (۵) جلدی۔ (۶) مہمان نوازی۔ (۷) ضرورت۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ منبر پر تشریف رکھتے تھے اور مجمع سامنے حلقہ بنائے ہوئے تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسی شرم کرو، جیسا کہ اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حق تعالیٰ شانہٗ سے تو ہم حیا(1) کرتے ہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے حق تعالیٰ شانہٗ سے حیا کرے، اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی رات اُس پر ایسی نہ گزرے کہ اُس کی موت اُس کی آنکھوں کے سامنے نہ ہو اور اُس کے لیے ضروری ہے کہ حفاظت کرے پیٹ کی اور اُس چیز کی جس کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے اور حفاظت کرے سر کی اور اُس چیز کی جس کو سر نے گھیر رکھا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ موت کو یاد رکھے اور اپنی بوسیدگی(2) کو (کہ مرنے کے بعد یہ بدن سارا کا سارا شکستہ(3) ہو کر خاک(4) ہو جائے گا) اور ضروری ہے کہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دے۔ [ترغیب] علماء نے لکھا ہے کہ سر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علاوہ کسی کے سامنے نہ جھکے، نہ عبادت کے لیے نہ تعظیم کے لیے حتی کہ جھک کر سلام بھی نہ کرے اور جن چیزوں کو سَر نے گھیر رکھا ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان یہ سب چیزیں سر کے تحت میں داخل ہیں، ان سب کی حفاظت کرے، اسی طرح پیٹ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ(5) مال سے حفاظت کرے اور جس چیز کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے سے مراد وہ چیزیں ہیں جو پیٹ کے قریب ہیں جیسے شرمگاہ، ہاتھ، پاؤں اور دل کہ ان سب چیزوں کی حفاظت کرے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کثرت سے پڑھنا مستحب ہے۔ [مظاہر حق]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسی حیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم لوگ حق تعالیٰ شانہٗ سے سب کے سب حیا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، یہ معمولی حیا نہیں، بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ سے حیا کا حق یہ ہے کہ آدمی سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جس کو سر نے گھیر رکھا ہے اور پیٹ کی حفاظت کرے اور ان چیزوں کی حفاظت کرے جن پر پیٹ حاوی(6) ہو رہا ہے (شرمگاہ وغیرہ) اور ضروری ہے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھا کرے اور شکستگی (مرنے کے بعد سب ٹوٹ پھوٹ کر خاک ہو جانے) کو یاد رکھا کرے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دیتا ہے۔ [ترغیب] چونکہ موت کو کثرت سے یاد کرنے کو دنیا سے بے رغبتی میں اور اُمیدوں کے اختصار(7) میں بہت زیادہ دخل ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کا

حل لغات: (1) شرم۔ (2) گلنے سڑنے۔ (3) ٹوٹ پھوٹ۔ (4) مٹی۔ (5) شک والا۔ (6) غالب ہونا، چھا جانا۔ (7) کم ہونا۔

حکم فرمایا ہے۔

ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے بڑا زاہد[1] کون شخص ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو موت کو اور اپنے مَر، گل کر پُرانا ہوجانے کو نہ بھولے اور دنیا کی زینتوں کو چھوڑ دے اور آخرت کو دنیا پر ترجیح[2] دے اور آنے والی کل کو اپنی زندگی یقینی نہ سمجھے اور اپنے آپ کو مُردوں میں سمجھتا رہے [ترغیب] کہ عنقریب[3] مرکر اُن میں شامل ہوجاؤں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس لذّتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، جو شخص تنگی کی حالت میں اس کو یاد کرتا ہے تو یہ اُس پر وسعت[4] اور سہولت[5] کا سبب ہوتی ہے (یہ اطمینان ہوتا ہے کہ موت بہرحال آنے والی ہے، اُس سے ساری تکلیفوں کا خاتمہ ہے) اور جو شخص فراخ[6] دستی میں اس کو یاد کرتا ہے، اس کے لیے اخراجات[7] میں تنگی کا سبب ہوتا ہے (موت کے فکر سے زیادہ عیش وعشرت کو دل نہیں چاہتا)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لذّتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کا تذکرہ کثرت سے رکھا کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہنس رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لذّتوں کو توڑ دینے والی چیز کو کثرت سے یاد رکھا کرو، اس کو جو شخص فراخی[8] میں یاد کرتا ہے، اُس پر یہ تنگی کرتی ہے اور جو تنگی میں اس کو یاد کرتا ہے اس پر فراخی کرتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، تو بعض لوگوں کے ہنسی کی وجہ سے دانت کِھل رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لذّتوں کی توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کرتے، تو وہ ان چیزوں میں مشغول ہونے سے روک دیتی جن سے ہنسی آئی، ہر شخص کی قبر روزانہ اعلان کرتی ہے کہ میں بالکل تنہائی کا گھر ہوں، میں سب سے علیٰحدہ رہنے کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، جب نیک مؤمن دفن ہوتا ہے، تو قبر اُس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا بڑا مبارک ہے، تیرے آنے سے بڑی خوشی ہوئی، جتنے لوگ میری پشت[9] پر چلتے تھے، اُن میں تُو مجھے بہت پسند تھا، آج تُو میری ماتحتی[10] میں آیا ہے، تو میں اپنا طرزِ عمل[11] تجھے دکھاؤں گی، اس کے بعد وہ اتنی وسیع[12] ہوجاتی ہے کہ جہاں تک مُردہ کی نظر جائے، وہاں تک زمین کھل جاتی ہے اور ایک کھڑکی جنت میں کھل جاتی ہے (جس سے وہاں کی خوشبوئیں، ہوائیں وغیرہ آتی رہتی ہیں) اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن ہوتا ہے، تو زمین اس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا بڑا نامبارک ہے، تیرے آنے سے بہت جی بُرا ہوا، جتنے لوگ

حل لغات: (۱) دنیا کی رغبت نہ رکھنے والا۔ (۲) فضیلت۔ (۳) جلدی۔ (۴) کشادگی۔ (۵) آسانی۔ (۶) مالداری۔ (۷) خرچوں۔ (۸) خوشحالی۔ (۹) پیٹھ۔ (۱۰) حوالہ۔ (۱۱) سلوک۔ (۱۲) کشادہ۔

زہد وقناعت

میری پُشت پر چلتے تھے، تو اُن میں مجھے بہت ہی بُرا لگتا تھا، آج تُو میری ماتحتی میں آیا ہے تو میں اپنا طرزِ عمل تجھے دکھاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ ایسی ملتی ہے (یعنی اس کو بھینچتی ہے) کہ مردہ کی ہڈیاں پسلیاں ایک دوسرے میں گھُس جاتی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر بتایا کہ اس طرح ہڈیاں پسلیاں ایک جانب کی دوسری جانب میں گھُس جاتی ہیں اور ستّر اژدھے اس کو ڈسنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین کے اوپر پھونک مار دے، تو قیامت تک زمین پر گھاس اُگنا بند ہو جائے، یہ سب کے سب قیامت تک اُس کو کاٹتے رہیں گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! سب سے زیادہ سمجھ دار اور سب سے زیادہ محتاط[1] آدمی کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد رکھتا ہو اور موت کے لیے ہر وقت تیاری میں مشغول رہتا ہو، یہی لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت[2] اور آخرت کا اکرام حاصل کرنے والے ہیں۔ [ترغیب]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور قبرستان میں پہونچ کر علیٰحدہ ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے، کسی نے عرض کیا: امیر المومنین! آپ اس جنازہ کے ولی تھے، آپ ہی علیٰحدہ بیٹھ گئے؟ فرمایا: ہاں، مجھے ایک قبر نے آواز دے دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبدالعزیز! تُو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں؟ میں نے کہا: تُو ضرور بتا؟ اُس نے کہا: اُن کے کفن پھاڑ دیتی ہوں، بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں، خون سارا چُوس لیتی ہوں، گوشت کھا لیتی ہوں اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں؟ مونڈھوں کو باہوں سے جُدا کر دیتی ہوں اور باہوں کو پہونچوں سے جُدا کر دیتی ہوں اور سُرینوں کو بدن سے جدا کر دیتی ہوں اور سُرینوں سے رانوں کو جُدا کر دیتی ہوں اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو پاؤں سے جُدا جُدا کر دیتی ہوں، یہ فرما کر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور فرمایا کہ دنیا کا قیام[3] بہت ہی تھوڑا ہے اور اس کا دھوکہ بہت زیادہ ہے، اس میں جو عزیز[4] ہے، وہ آخرت میں ذلیل ہے، اس میں جو دولت والا ہے، وہ آخرت میں فقیر ہے، اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا، اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا، اس کا تمہاری طرف متوجہ ہونا تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کتنی جلدی منہ پھیر لیتی ہے اور بیوقوف وہ ہے، جو اس کے دھوکہ میں پھنس

حل لغات: (۱) ہوشیار۔ (۲) عزت۔ (۳) ٹھہراؤ۔ (۴) عزت والا۔

زہد و قناعت

جائے۔کہاں گئے اس کے وہ دل دادہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے، بڑی بڑی نہریں نکالیں، بڑے بڑے باغ لگائے اور بہت تھوڑے دن رہ کر سب کو چھوڑ کر چل دیے، وہ اپنی صحت اور تندرستی سے دھوکہ میں پڑے کہ صحت کے بہتر ہونے سے ان میں نشاط[1] پیدا ہوا اور اس سے گناہوں میں مبتلا ہوئے، وہ لوگ خدا کی قسم! دنیا میں مال کی کثرت کی وجہ سے قابلِ رشک تھے، باوجود یہ کہ مال کے کمانے میں ان کو رُکاوٹیں پیش آتی تھیں، مگر پھر بھی خوب کماتے تھے، ان پر لوگ حسد کرتے تھے، لیکن وہ بے فکر مال کو جمع کرتے رہتے تھے اور اس کے جمع کرنے میں ہر قسم کی تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے تھے، لیکن اب دیکھ لو کہ مٹّی نے اُن کے بدنوں کا کیا حال کر دیا اور خاک نے اُن کے بدنوں کو کیا بنا دیا؟ کیڑوں نے اُن کے جوڑوں اور اُن کی ہڈیوں کا کیا حال بنایا؟ وہ لوگ دنیا میں اونچی اونچی مسہریوں[2] پر اونچے اونچے فرش اور نرم نرم گدوں پر نوکروں اور خادموں کے درمیان آرام کرتے تھے، عزیز واَقارِب، رشتہ دار اور پڑوسی ہر وقت دلداری[3] کو تیار رہتے تھے، لیکن اب کیا ہو رہا ہے؟ آواز دے کر اُن سے پوچھ کہ کیا گزر رہی ہے؟ غریب، امیر سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے مالدار سے پوچھ کہ اُس کے مال نے کیا کام دیا، اُن کے فقیر سے پوچھ کہ اس کے فقر نے کیا نقصان دیا، اُن کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چہکتی تھی، اُن کی آنکھوں کو دیکھ جو ہر طرف دیکھتی تھیں، اُن کی نرم نرم کھالوں کا حال دریافت کر، اُن کے خوبصورت اور دلرُبا[4] چہروں کا حال پوچھ: کیا ہوا؟ اُن کے نازک بدن کو معلوم کر کہاں گیا اور کیڑوں نے ان سب کا کیا حشر بنایا؟ ان کے رنگ کالے کر دیے، ان کا گوشت کھالیا، اُن کے منہ پر مٹی ڈال دی، اعضاء کو الگ الگ کر دیا، جوڑوں کو توڑ دیا۔ آہ! کہاں ہیں اُن کے وہ خُدّام[5] جو ہر وقت ''حاضر ہوں جی'' کہتے تھے؟ کہاں ہیں ان کے وہ خیمے اور کمرے جن میں آرام کرتے تھے؟ کہاں ہیں اُن کے وہ مال اور خزانے جن کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے؟ ان حَشَم وخَدَم[6] نے اُس کو قبر میں کھانے کے لیے کوئی توشہ[7] بھی نہ دیا اور اس کی قبر میں کوئی بستر ہ بھی نہ بچھا دیا، کوئی تکیہ بھی نہ رکھ دیا، زمین ہی پر ڈال دیا، کوئی درخت، پھول، پھُلواری بھی نہ لگا دی۔ آہ! اب وہ بالکل اَکیلے پڑے ہیں، اندھیرے میں پڑے ہیں، اُن کے لیے اب رات دن برابر ہے، دوستوں سے مل نہیں سکتے، کسی کو اپنے پاس بلا نہیں سکتے۔ کتنے نازک بدن مرد، نازک بدن عورتیں آج اُن کے بدن بوسیدہ[8] ہیں، اُن کے اعضا[9] ایک دوسرے سے جدا ہیں، آنکھیں نکل کر منہ پر گر گئیں، گردن جدا ہوئی پڑی ہے، مُنہ میں پانی پیپ وغیرہ بھرا ہوا ہے اور سارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں۔ وہ اس حال میں پڑے ہیں اور اُن

حل لغات: ① چستی پھرتی۔ ② پلنگوں۔ ③ تسلی۔ ④ پیارے۔ ⑤ نوکر۔ ⑥ نوکر چاکر۔ ⑦ کھانے کا سامان۔ ⑧ گلا سڑا۔ ⑨ جسم کے حصے۔

زہد وقناعت

کی جورُوؤں[1] نے دوسرے نکاح کر لیے، وہ مزے اُڑا رہی ہیں، بیٹوں نے مکانوں پر قبضہ کر لیا، وارثوں نے مال تقسیم کر لیا، مگر بعض خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اپنی قبروں میں لذّتیں اُڑا رہے ہیں، تر و تازہ چہروں کے ساتھ راحت و آرام میں ہیں (لیکن یہ وہی لوگ ہیں، جنھوں نے اس دھوکہ کے گھر میں اُس گھر کو یاد رکھا، اس کی اُمیدوں سے اس کی امیدوں کو مقدم کیا اور اپنے لیے توشہ جمع کر دیا اور اپنے پہونچنے سے پہلے اپنے جانے کا سامان کر دیا) اے وہ شخص جو کل کو قبر میں ضرور جائے گا! تجھے اس دنیا کے ساتھ آخر کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے؟ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ یہ کم بخت دنیا تیرے ساتھ رہے گی؟ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ تُو اس کُوچ کے گھر میں ہمیشہ رہے گا؟ تیرے یہ وسیع[2] مکان، تیرے باغوں کے پکے ہوئے پھل، تیرے نرم بستر ے، تیرے گرمی سردی کے جوڑے، یہ سب کے سب ایک دم رکھے رہ جائیں گے، جب مَلَکُ المُوت آ کر مُسلَّط[3] ہو جائے گا، کوئی چیز اس کو نہ ہٹا سکے گی، پسینوں پر پسینے آنے لگیں گے، پیاس کی شدّت[4] بڑھ جائے گی اور جاں کَنی[5] کی سختی میں کروٹیں بدلتا رہ جائے گا۔ افسوس صد افسوس! اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے بیٹے کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے باپ کی آنکھ بند کر رہا ہے، ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے، کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازے کے ساتھ جا رہا ہے، کسی کو قبر کے گڑھے میں ڈال رہا ہے، کل کو تجھے بھی یہ سب کچھ پیش آنا ہے۔

اور بھی اس قسم کی باتیں فرمائیں پھر دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "آدمی ایسی چیز کے ساتھ خوش ہوتا ہے، جو عنقریب فنا[6] ہونے والی ہے اور لمبی لمبی آرزوؤں اور دنیا کی اُمیدوں میں مشغول رہتا ہے، ارے بیوقوف! خواب کی لذّتوں سے دھوکہ میں نہیں پڑا کرتے، تیرا دن سارا غفلت میں گزرتا ہے اور تیری رات سونے میں گزرتی ہے اور موت تیرے اوپر سوار ہے، آج تُو وہ کام کر رہا ہے کہ کل کو ان پر رنج[7] کرے گا، دنیا میں چوپائے اسی طرح زندگی گزارتے ہیں، جس طرح تو گزار رہا ہے"۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا وصال[8] ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہُ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: (۱) آنکھ کا خشک ہونا (کہ اپنے گناہ اور آخرت کی کسی بات پر رونا ہی نہ آئے)۔ (۲) دل کا سخت ہونا۔ (۳) اُمیدوں کا طویل[9] ہونا۔ (۴) اور دنیا کی حرص[10]۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک باندی قرض

حل لغات: (۱) بیویاں۔ (۲) کشادہ۔ (۳) سر پر سوار۔ (۴) سختی۔ (۵) دم توڑنا۔ (۶) ختم۔ (۷) افسوس۔ (۸) انتقال۔ (۹) لمبا۔ (۱۰) لالچ۔

زہد و قناعت

خریدی اور ایک مہینہ کا وعدہ قیمت ادا کرنے کا کرلیا۔ حضور اقدس ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مہینے کے وعدے پر قرض خریدا، اُسامہ کو بھی (اپنی زندگی کی) بڑی لمبی امید ہے، (گویا اس کو یہ یقین ہوگیا کہ ایک مہینہ تو وہ زندہ ہی رہے گا)۔ اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! مجھے آنکھ کی پل جھپکنے تک بھی اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوتا اور پانی پینے کا پیالہ جب میں اُٹھاتا ہوں تو اُس کے رکھنے تک بھی مجھے اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوتا اور جب کوئی لقمہ کھاتا ہوں، تو اُس کے نگلنے کا بھی موت سے پہلے پہلے یقین نہیں ہوتا، قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (موت، قیامت، حساب وغیرہ) سب چیزیں ضرور آنے والی ہیں اور تم لوگ حق تعالیٰ شانُہٗ کو عاجز[1] نہیں کر سکتے (کہ وہ کسی کام کا ارادہ فرمائے اور کوئی اس میں رکاوٹ ڈال دے)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے میرا مونڈھا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اس طرح زندگی گزار دو، جیسا کہ کوئی مسافر، کوئی راستہ چلنے والا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو قبرستان والوں میں سمجھا کرو، اس کے بعد حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابنِ عمر! (اور بعض روایات میں ہے کہ یہ مقولہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے) جب صبح ہوجائے تو شام تک کی زندگی کا یقین نہ کرو اور جب شام ہوجائے تو صبح تک کی زندگی کی اُمید نہ باندھو، اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے زمانہ کے لیے نیک عمل کر رکھو (کہ بیماری کے زمانہ میں جو کوتاہی[2] ہو، اُس کا جبر[3] پہلے سے ہوجائے یا صحت میں جن اعمال کا عادی ہوگا بیماری کی وجہ سے اُن کے نہ ہو سکنے پر بھی ان کا ثواب ملتا رہے گا) اور اپنی موت کے لیے اپنی زندگی ہی میں تیاری کرلو، کل کو معلوم نہیں کہ تمہارا نام کیا ہوجائے، (یعنی کن لوگوں میں شمار ہوجائے، نیک لوگوں میں یا بد[4] لوگوں میں ﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾۔) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرما دیجیے! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی عبادت اس طرح کیا کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، وہ تمہارے سامنے ہے اور اپنے آپ کو ہر وقت مُردوں کی فہرست میں شمار کیا کرو اور ہر پتھر اور درخت کے قریب اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا ذکر کیا کرو (تا کہ قیامت میں اس کی گواہی دینے والے بہت کثرت سے ہوجائیں) اور جب کوئی بُری[5] حرکت ہوجائے، تو اُس کی تلافی کے لیے کوئی نیک عمل کرو، اگر بُرائی چھپ کر کی ہے، تو اُس کی تلافی میں نیک عمل بھی چھپ کر کرو اور بُرائی علانیہ[6] ہوئی ہے، تو اس کی توبہ اور تلافی بھی علانیہ کی جائے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت تو قریب آتی جارہی ہے اور لوگ دنیا

حل لغات: (۱) بے بس، مجبور۔ (۲) کمی۔ (۳) تلافی۔ (۴) بُرے۔ (۵) گناہ۔ (۶) کھلم کھلا۔

زہد و قناعت

کی حرص① میں اور حق تعالیٰ شانہٗ سے بعید② ہونے میں بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ [ترغیب]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے یہ چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو بغیر سیکھے علم عطا فرمائیں اور بغیر کسی کے راستہ بتائے ہدایت عطا فرمائیں؟ کوئی تم میں ایسا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُس کے اندھے پن کو دُور فرما کر اُس کے (دل کی) نگاہ کو کھول دیں؟ اگر ایسا چاہتے ہو، تو سمجھ لو کہ جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرے اور اپنی اُمیدوں کو مختصر③ رکھے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں اور بغیر کسی کے راستہ دکھائے خود ہدایت فرماتے ہیں۔ [درمنثور]

پہلے بھی یہ روایت مُفصَّل④ گزر چکی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خوف، خواہشات کی کثرت اور اُمیدوں کے بڑھ جانے کا ہے، خواہشات حق سے ہٹادیتی ہیں اور اُمیدوں کا طویل⑤ ہونا آخرت کو بُھلا دیتا ہے، یہ دنیا بھی چل رہی ہے اور ہر دن دور ہوتی جارہی ہے اور آخرت بھی چل رہی ہے اور ہر دن قریب ہوتی جارہی ہے۔ (یعنی ہر وقت، ہر آن زندگی کم ہوتی جارہی ہے اور موت قریب آتی جارہی ہے)۔

غافل تجھے گھڑیال⑥ یہ دیتا ہے مُنادِی⑦ گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹادی

اگر گھنٹہ کی آواز کو غور سے سُنا جائے تو واقعی ''گھٹادی، گھٹادی'' کا نعرہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت ہر ایک کے اس دنیا میں کچھ سپُوت⑧ ہیں، اگر تم سے ہوسکے تو اس کی کوشش کرو کہ دنیا کے سپوت نہ بنو، (آخرت کے سپوت بنو) آج عمل کا (اور کھیتی بونے کا) دن ہے، حساب آج نہیں ہے، کل کو تم آخرت کے گھر میں ہوگے جہاں عمل نہیں (بلکہ کھیتی کے کاٹنے کا اور بدلہ کا دن ہے)۔ [مشکوٰۃ]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: تین آدمی ایسے ہیں کہ جب مجھے ان کا خیال آتا ہے، تو اس قدر تعجب ہوتا ہے کہ مجھے ہنسی آنے لگتی ہے: ایک وہ شخص جو دنیا میں اُمیدیں لگائے بیٹھا ہے اور موت اس کی فکر میں ہے، دوسرا وہ شخص جو (اللہ تعالیٰ سے) غافل⑨ ہے اور (اللہ تعالیٰ شانہٗ) اُس سے غافل نہیں، تیسرے وہ شخص جو منہ بھر کر (کِھل کِھلا کر) ہنستا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اُس سے خوش ہیں یا ناراض ہیں، (حالانکہ یہ فکر ایسی چیز ہے کہ کسی وقت بھی ہنسی نہ آنا چاہیے) اور تین چیزیں ایسی ہیں، جو مجھے ہر وقت غمگین رکھتی ہیں، یہاں تک کہ میں رونے لگتا ہوں: ایک دوستوں

حل لغات: ① لالچ۔ ② دور۔ ③ کم۔ ④ تفصیل سے۔ ⑤ لمبا۔ ⑥ گھڑی۔ ⑦ آواز دینا، پکارنا۔ ⑧ بیٹے۔ ⑨ بے خبر۔

کا فِراق[1] یعنی حضور ﷺ کا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا، دوسرے موت کا فکر، تیسرے حشر میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے پیش ہونا ہے، پھر معلوم نہیں کہ میرے لیے جنت کا حکم ہوگا یا دوزخ کا۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے زُرارہ بن اَوفی رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا، تو میں نے اُن سے پوچھا کہ سب سے بڑھا ہوا عمل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: توکّل اور اُمیدوں کا مختصر[2] رکھنا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زُہد[3] اُمیدوں کے مختصر کرنے کا نام ہے، موٹا کھانے اور جُبّہ پہننے کا نام نہیں ہے۔ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ اُمید رکھوں کہ میں ایک مہینہ زندہ رہوں گا، تو میں اپنے آپ کو بڑا مجرم سمجھوں اور اس کی کس طرح اُمید کر سکتا ہوں ایسی حالت میں کہ میں دیکھتا ہوں کہ آئے دن لوگوں کو حوادث[4] کبھی رات میں پکڑ لیتے ہیں، کبھی دن میں پکڑ لیتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک اُستاد ابو ہاشم رُمّانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُن کی چادر کے کونہ میں کچھ بندھ رہا تھا، ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ میرے ایک دوست نے چند ''لوز[5]'' دیے تھے، میرا دل چاہتا ہے کہ آج شام کو آپ ان سے افطار کر لیں، ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شقیق! تمہیں یہ اُمید ہے کہ تم رات تک زندہ رہو گے (میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا اب) میں تم سے کبھی نہ بولوں گا، یہ کہہ کر اندر چلے گئے اور کِواڑ[6] بند کر لیے۔ قعقاع بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں تیس برس سے ہر وقت موت کے لیے تیار ہوں، اگر وہ آجائے تو مجھے ذرا بھی اُس کی تاخیر[7] کی خواہش نہ ہو۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بزرگ کو دیکھا، وہ فرماتے تھے کہ میں تیس برس سے اس مسجد میں ہر وقت موت کا انتظار کرتا ہوں، اگر وہ آجائے تو مجھے نہ کسی سے کچھ کہنا، نہ سننا، نہ میرا کسی کے پاس کچھ چاہیے، نہ کسی کا میرے پاس۔ ابو محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازہ کے ساتھ چلا، حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے، قبرستان پہونچ کر وہ ایک جگہ علیٰحدہ کو بیٹھ گئے، میں بھی اُن کے پاس بیٹھ گیا، وہ فرمانے لگے: جو شخص اللہ تعالیٰ کی وعید[8] سے ڈرتا ہو، اُس کے لیے دور کا سفر (یعنی آخرت کا) آسان ہے اور جس شخص کی اُمیدیں لمبی ہوتی ہیں اُس کا عمل سُست ہو جاتا ہے اور جو چیز آنے والی ہے (یعنی موت) وہ قریب ہے۔ بھائی! ایک بات سمجھ لے کہ جو چیز بھی تجھے تیرے رب سے اپنی طرف مشغول کر لے وہ منحوس[9] ہے۔ ایک بات سنو! جتنے آدمی دنیا میں ہیں سب ہی کو قبر میں جانا ہے، اُس وقت ان کو اس چیز کی نَدامت[10] ہوگی جو یہاں چھوڑ دی اور اس چیز کی خوشی ہوگی جو آگے بھیج دی اور جس چیز پر مرنے والے کو نَدامت ہے، اُس پر یہ رہنے والے (وارث) لڑتے، جھگڑتے ہیں، مقدمہ بازی کرتے ہیں۔ [اِحیاء]

حل لغات: (۱) جدائی۔ (۲) کم۔ (۳) پرہیزگاری۔ (۴) حادثہ۔ (۵) بادام۔ (۶) دروازہ۔ (۷) دیر کرنا۔ (۸) دھمکی۔ (۹) بُری۔ (۱۰) شرمندگی۔

زہد و قناعت

فقیہ ابواللیث سَمَرقَندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص امیدوں کو مختصر رکھے، حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے اکرام اُس پر کرتے ہیں: (۱) اپنی طاعَت[1] پر اُس کو قوّت[2] عطا فرماتے ہیں اور جب اُس کو عنقریب موت کا یقین ہوتا ہے، تو عمل میں خوب کوشش کرتا ہے اور ناگوار[3] چیزوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ (۲) اس کو غم کم ہوجاتا ہے۔ (۳) روزی کی تھوڑی مقدار پر راضی ہوجاتا ہے۔ (۴) اس کے دل کو مُنوَّر[4] کردیتے ہیں۔

علماء نے کہا ہے: دل کا نور چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے: (۱) خالی پیٹ رہنے سے۔ (۲) نیک آدمی کے پاس رہنے سے۔ (۳) گزرے ہوئے گناہوں کو یاد کرنے (اور ان پر نَدامت) سے۔ (۴) اور اُمیدوں کے مختصر[5] کرنے سے اور جس شخص کی اُمیدیں لمبی لمبی ہوتی ہیں اُس کو حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے عذابوں میں مبتلا کردیتے ہیں: (۱) عبادت میں کاہلی[6] پیدا ہوجاتی ہے۔ (۲) دنیا کا غم زیادہ سوار ہوجاتا ہے۔ (۳) مال کے جمع کرنے اور بڑھانے کا فکر ہر وقت مُسلَّط[7] رہتا ہے۔ (۴) دل سخت ہوجاتا ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ دل کی سختی چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے: (۱) زیادہ شکم سیری[8] سے۔ (۲) بُری صحبت سے۔ (۳) گناہوں کو یاد نہ کرنے سے۔ (۴) لمبی اُمیدوں کے ہونے سے، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی لمبی لمبی اُمید ہرگز نہ باندھے۔ ہر وقت یہ فکر رہنا چاہیے کہ نہ معلوم کون سا سانس زندگی کا آخری سانس ہو (کس وقت قلب[9] کی حرکت بند ہوجائے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اگر تُو (قیامت میں) میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تو دنیا میں ایسے گزار دینا، جیسا کہ مسافر سواری پر جاتا جاتا کہیں ذرا ٹھہر جائے اور مالداروں کے پاس بیٹھنے سے احتراز[10] کرنا اور کپڑے کو اُس وقت تک بے کار کرکے نہ چھوڑنا جب تک کہ اُس میں پیوند نہ لگ جائیں۔ ابوعثمان نَہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کے کُرتے میں بارہ پیوند لگ رہے تھے۔ [تنبیہ الغافلین]

(۱۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا	ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا
قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! دُلَّنِيْ	عمل بتادیجیے جس سے اللہ جلَّ شانُہٗ بھی مجھ سے محبت
عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهٗ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَأَحَبَّنِيَ	فرماویں اور آدمی بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔
النَّاسُ؟ قَالَ: اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا سے بے رغبتی

حل لغات: (۱) بندگی۔ (۲) طاقت۔ (۳) ناپسند۔ (۴) روشن۔ (۵) کم۔ (۶) سستی۔ (۷) سوار، لگا رہنا۔ (۸) پیٹ بھرنا۔ (۹) دل۔ (۱۰) بچنا۔

زہد و قناعت

اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ۔	پیدا کرلو، حق تعالیٰ شانہٗ تم کو محبوب رکھیں گے اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں (مال وغیرہ) اُن سے بے رغبتی پیدا کرلو، وہ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔
[رواه الترمذي وابن ماجه كذا في المشكوٰة ۴۳۲]	

فائدہ: دنیا سے بے رغبتی پر حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت، آخرت کا اعزاز واکرام وغیرہ امور تو پہلی روایات میں بہت کثرت سے گزر ہی چکے ہیں۔ دوسرا مضمون کہ لوگوں کے اموال پر نگاہ نہ رکھی جائے، اسی سے ان کے دلوں میں بھی محبت پیدا ہوتی ہے، بڑے تجربہ کی بات ہے، ہر شخص کو ہر وقت اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ جتنے بھی آپس میں بہترین تعلقات ہوں، لیکن جہاں کسی چیز کے سوال کا ذکر آجاتا ہے، سارے ہی تعلقات اور عقیدتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جتنے دن بھی زندہ رہیں، موت بہر حال ایک دن آنے والی چیز ہے اور جو عمل بھی آپ کریں گے (بھلا یا بُرا) اُس کا بدلہ ملے گا اور جس سے بھی آپ (دنیا میں) تعلقات پیدا کریں، اُس سے ایک دن جدا ہونا پڑے گا (اُس کی موت سے ہو یا اپنی موت سے ہو) یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ آدمی کا شرف (بزرگی) تہجّد کی نماز ہے اور آدمی کی عزت لوگوں سے اِستغنا[1] ہے۔ [ترغیب] یعنی آدمی کی عزت اُسی وقت تک ہے، جب تک لوگوں کی اَشیاء[2] پر نگاہ نہ ہو اور جہاں کہیں دوسروں کے مال پر نگاہ پڑی، ساری عزت خاک میں مل جاتی ہے۔

حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص دنیا کی زینت اور اُس کی رونق کو دیکھے (اور وہ اچھی لگے) تو اس کو چاہیے کہ اپنے گھر جاکر گھر والوں کو نماز میں مشغول کردے، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ الاية [سورۂ طٰہٰ: ۱۳۱، ۱۳۲] اور ہرگز آپ اپنی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں ان چیزوں کی طرف، جو ہم نے ان دنیا داروں کو دے رکھی ہیں، تاکہ ان چیزوں سے ان کا امتحان لیں یہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ جو آخرت میں ملے گا اس سے بدرجہا[3] بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے''۔ [درمنثور]

دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ الاية [سورۂ حجر: ۸۸] ''آپ آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس (زیب و[4] زینت) کو، جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھا ہے''۔ اس

حل لغات: (۱) بے پروائی۔ (۲) چیزوں۔ (۳) بہت زیادہ۔ (۴) خوب صورتی، سجاوٹ۔

آیتِ شریفہ کی تفسیر میں حضرت سفیان بن عیینہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآن پاک کی دولت سے نوازا ہو، پھر وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھے، اُس نے قرآن پاک کو بہت کم سمجھا (یعنی اس کی قدر نہ کی)۔

امام غزالی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ فَقْر[1] بہت محبوب[2] چیز ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ شخص قَنَاعت[3] کرنے والا ہو، لوگوں کے پاس جو اَموال ہیں ان میں طَمَع[4] نہ رکھتا ہو، اُن کی طرف ذرا بھی التفات[5] نہ کرتا ہو اور نہ مال کے کمانے کی اس میں حِرص[6] ہو اور یہ سب چیزیں جب ہی ہو سکتی ہیں جب کہ آدمی اپنے اِخراجات[7] میں نہایت کمی کرنے والا ہو، کھانے میں، لباس میں، مکان میں کم سے کم اور مجبوری کے درجہ پر کفایت کرنے والا ہو اور گھٹیا سے گھٹیا چیز پر قناعت کرنے والا ہو، اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو ایک مہینہ کے اندر اندر کی ضرورت کا تو خیال ہو، اس سے آگے کی کسی چیز کی طرف اپنے خیال اور دھیان کو نہ لگائے، اگر اس سے آگے کی سوچ میں پڑ جائے گا، تو قناعت کی عزت سے محروم ہو کر حرص وطمع کی ذلت میں پھنس جائے گا اور اُس کی وجہ سے بُری عادتیں پیدا ہو جائیں گی، مکروہ[8] چیزیں اختیار کرنا پڑ جائیں گی، اس لیے کہ آدمی بِالطَّبع[9] حریص[10] ہے۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے لیے دو جنگل سونے کے ہو جائیں، تب بھی وہ تیسرے کی فکر میں لگ جائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ اَشْعَرِی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک سورۃ اتنی بڑی جتنی کہ سورۂ برأت ہے، نازل ہوئی تھی، پھر وہ منسوخ ہو گئی، اُس میں سے یہ مضمون یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ اس دین کی مدد ایسے (فاسِق[11] اور کافر) لوگوں سے بھی کر دیتے ہیں، جن کا کوئی حصہ دین میں نہ ہو اور اگر آدمی کے لیے دو جنگل مال کے ہو جائیں، تو وہ تیسرے کی تمنا کرتا ہے، آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص توبہ کر لے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ توبہ قبول کرتے ہیں اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ دو حریص آدمیوں کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا: ایک وہ شخص جو علم کا حریص ہو (اُس کو علمی چسکہ لگ گیا ہو کسی وقت اُس کا دل نہیں بھرتا)۔ دوسرا وہ شخص جو مال کا حریص ہو اور چوں کہ آدمی کی جِبِلَّت[12] میں یہ مُہلِک[13] چیز ہے، اسی بِناء پر حق تعالیٰ شانُہٗ نے اور حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قَنَاعَت کی بڑی تَعریف فرمائی ہے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے اسلام کی دولت سے نوازا ہو اور صرف ضرورت کے بقدر اس کی روزی ہو اور وہ اُس پر قانِع[14] ہو۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص غریب ہو یا امیر ایسا نہ ہوگا، جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ کاش دنیا میں اُس کو

حل لغات: ① غریبی۔ ② پسندیدہ۔ ③ تھوڑی چیز پر خوش رہنا۔ ④ لالچ۔ ⑤ توجہ۔ ⑥ لالچ۔ ⑦ خرچوں۔ ⑧ ناپسند۔ ⑨ طبعی طور پر۔ ⑩ لالچی۔ ⑪ گنہ گار۔ ⑫ فطرت۔ ⑬ ہلاک کرنے والی۔ ⑭ قناعت کرنے والا۔

زہد وقناعت

صرف ضرورت کے درجہ کی روزی ملتی اس سے زیادہ نہ ملتی۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے طَمَع[1] سے اور مال کمانے میں زیادہ کوشش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگو! مال کے حاصل کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کیا کرو (برے طریقوں سے نہ کماؤ) اس لیے کہ آدمی کو مقدّر سے زیادہ تو ملتا نہیں اور جو مقدر ہے، وہ بہر حال مل کر رہے گا۔ آدمی اُس وقت تک مر ہی نہیں سکتا، جب تک اُس کا جو مقدر حصہ ہے، وہ ذلیل اور مجبور ہو کر اُس تک نہ پہونچ جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تُو متقی بن جا، تو سب سے بڑا عبادت کرنے والا ہو جائے گا اور (کم سے کم مقدار پر) قناعت کرنے والا بن جا، تو سب سے زیادہ شکر گزار ہو جائے گا اور اپنے بھائی کے لیے بھی اُس چیز کو پسند کر جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے، تُو کامل مؤمن بن جائے گا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے مختصر سی[2] نصیحت کر دیجیے (تا کہ میں اس کو مضبوط پکڑ لوں) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھو، تو ایسی پڑھو جیسا کہ عمر کی آخری نماز یہی ہو (جب آدمی کو یہ خیال ہو جائے کہ یہ بالکل آخری نماز ہے، تو پھر جس قدر زیادہ اہتمام اور خشوع و خضوع سے پڑھے گا، وہ ظاہر ہے) اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو، جس کی معذرت کرنا (اور معافی چاہنا) پڑے اور اپنے دل کو پکّے طور سے اس چیز سے مایوس کر لو، جو دوسرے کے پاس ہو (کہ اس کی طرف ذرا سا بھی تمہیں التفات[3] نہ ہو)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ طمع کرنا فقر (اور محتاجگی) ہے اور نا اُمیدی غِنا[4] ہے، جو شخص ایسی چیزوں سے نا اُمید ہو جائے، جو دوسروں کے قبضہ میں ہیں، وہ اُن سے مُستغنی[5] رہتا ہے، ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا: تمناؤں کا کم کرنا اور جو اپنے لیے کافی ہو جائے، اُس پر خوش رہنا، محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سوکھی روٹی کو پانی میں بھگو کر کھا لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو اس پر قناعت کر لے، وہ کسی کا بھی محتاج نہ ہو۔ ایک حکیم سے کسی نے پوچھا: تمہاری مالیت کیا ہے؟ فرمانے لگے: ظاہر میں خوش حال رہنا، باطن میں اختصار[6] اور میانہ رَوی[7] اختیار کرنا اور دوسروں کے پاس جو چیزیں ہیں، اُن سے اُمید نہ رکھنا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا (حدیث میں) ارشاد ہے کہ آدم کے بیٹے! اگر ساری دنیا تجھ کو مل جائے، تب بھی تو تُو اس میں سے اپنی حاجت کے بقدر ہی کھائے گا، اگر میں اتنی مقدار تجھے دے دوں اور اس سے زائد نہ دوں، جس کا تجھے حساب دینا پڑے، تو یہ تو میں نے تجھ پر احسان کیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کوئی حاجت[8] طلب[9] کرے، تو معمولی طریقہ سے طلب کرے، ایسا نہ کہے کہ آپ تو ایسے ہیں، آپ تو ایسے

حل لغات: ① لالچ۔ ② چھوٹی۔ ③ توجہ۔ ④ مالداری۔ ⑤ بے پرواہ۔ ⑥ مختصر۔ ⑦ کم خرچی۔ ⑧ ضرورت کی چیز۔ ⑨ مانگے۔

زہد وقناعت

ہیں، چناں ہیں، چنیں ہیں کہ اس سے اُس کی تو کمر توڑ دو گے (کہ وہ عُجُب[1] اور تکبر میں ہلاک ہو جائے گا) اور تمہیں مقدر سے زیادہ نہ ملے گا، کہتے ہیں کہ بنُواُمیَّہ کے ایک بادشاہ (سلیمان بن عبدالملک) نے حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کو بڑے اِصرار[2] سے لکھا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہوا کرے تو مجھ سے منگا لیا کریں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے اپنی ضرورتیں اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اُس نے ان پر جو کچھ مجھے عطا فرما دیا، میں نے اُس پر قناعت کر لی۔ ایک حکیم کا ارشاد ہے کہ میں نے سب سے زیادہ غم میں مبتلا رہنے والا، حسد کرنے والے کو پایا اور سب سے بہترین زندگی گزارنے والا، قناعت کرنے والے کو پایا اور سب سے زیادہ صبر کرنے والا حریص[3] کو پایا (کہ ہر چیز کی حرص کرتا ہے، پھر وہ ملتی نہیں، تو صبر کرتا ہے) اور سب سے زیادہ لطیف[4] زندگی گزارنے والا، دنیا کے چھوڑ دینے والے کو پایا اور سب سے زیادہ نَدامَت[5] والا، اُس عالم کو پایا، جو حد سے بڑھنے والا ہو۔ حضرت عبداللہ ابنِ سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب اَحبار رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ علماء کے قلوب[6] سے علم کو کیا چیز ضائع[7] کر دیتی ہے؟ حالانکہ پڑھتے وقت انہوں نے سمجھ کر پڑھا تھا، اُس کو یاد رکھا تھا۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: طَمَعْ اور حِرص اور لوگوں سے اپنی حاجتوں کا مانگنا۔ کسی شخص نے حضرت فُضَیل بن عِیاض رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی شرح[8] پوچھی، تو انہوں نے فرمایا (کہ جب عالم کسی چیز کی طمع کرنے لگتا ہے، تو اُس کی طلب میں لگ جاتا ہے، جس سے اُس کا دین برباد ہو جاتا ہے کہ اُس کی طلب کی مشغولی دین کی مشغولی کو کھو دیتی ہے) اور حرص اُس کو ہر ہر چیز کی طرف کھینچتی ہے حتیٰ کہ اُس کا ہر چیز کو یہ دل چاہتا ہے کہ یہ بھی مجھے مل جائے، یہ بھی مل جائے، پھر لوگوں سے اُس کے پورا کرنے کا طالب ہوتا ہے۔ جو شخص اس کی طلب کو پورا کر دیتا ہے، اس کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، اُس کا مُطیع[9] ہونا پڑتا ہے، وہ جدھر چاہے، کھینچ کر لے جائے، تمہیں جَھک مار کر اس کا کہنا ماننا پڑتا ہے، جب وہ گزرے، تو اس کو سلام کرنا پڑتا ہے، بیمار ہو جائے، تو عیادت کرنا پڑتا ہے اور یہ سلام اور عیادت اللہ کے واسطے نہیں ہوتی، بلکہ دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے (اور جب دنیا کی وجہ سے ہوئی، تو اس کا ثواب معلوم ہے)۔ اس کے بعد حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث (عمل کے لیے اور کارآمد[10] ہونے کے لیے) سو حدیثوں سے بڑھ کر ہے۔ [احیاء]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے مختصر سی نصیحت فرما دیجیے (تاکہ میں اس کو مضبوط پکڑ لوں)

حل لغات: (۱) خود پسندی۔ (۲) تاکید۔ (۳) لالچی۔ (۴) مزہ دار۔ (۵) شرمندگی۔ (۶) دلوں۔ (۷) ختم۔ (۸) وضاحت۔ (۹) ماننا، تابع ہونا۔ (۱۰) فائدہ مند۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز دوسروں کے پاس ہے، اُس سے اپنے کو بالکل مایوس بنالو (ذرا بھی اُس کی طرف التفات[1] نہ کرو) اور طمع سے اپنے کو بالکل محفوظ رکھو، اس لیے کہ طمع[2] فوری فقر[3] ہے (یعنی اُس چیز کی ضرورت تو جب ہوگی جب ہوگی اُس کی طرف احتیاج ابھی سے ہوگئی) اور اپنے آپ کو ایسی چیز سے بچاؤ جس کی معذرت کرنا پڑے۔ [ترغیب]

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس قسم کا ایک سوال و جواب اور بھی قریب ہی گزر چکا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں اور نصیحتیں مشترک[4] ہیں۔ ایک ایک نصیحت ہر شخص کے مناسب حال علیحدہ ہے اور بعض روایات میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں چار باتیں مذکور ہیں، تین وہ جو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزریں اور چوتھی طمع کی اس میں زائد ہے۔ [ترغیب]

اور یہ بات کہ دوسروں کے پاس جو چیز ہو اُس سے اپنے آپ کو بالکل مایوس رکھو، دونوں میں مشترک اور بڑی اہم چیز ہے کہ اُس کی وجہ سے نہ تو خود کو پریشان ہونا پڑتا ہے، نہ دوسرے کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص اپنے گھر میں امن سے ہو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بدن کی صحت عطا فرما رکھی ہو اور ایک دن کا کھانا اُس کے پاس موجود ہو، تو گویا دنیا ساری کی ساری اُس کے پاس موجود ہے۔ [ترغیب]

پھر اُس کو کسی دوسرے کی کسی چیز کی طرف کیا نگاہ لگانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس قسم کا واقعہ نقل کیا گیا کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر بات بتا دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز ایسی پڑھو گویا یہ آخری نماز ہے (اور تم حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے حاضر ہو) اس لیے کہ اگر تم اُس کو نہیں دیکھ سکتے، تو وہ تو تمہیں بہرحال دیکھ رہا ہے اور جو چیز دوسروں کے قبضہ میں ہے اُس سے مایوس بنے رہو، تم سب سے زیادہ غنی[5] ہوگے اور اپنے آپ کو ایسی چیز سے (قول ہو یا فعل) بچاؤ، جس کی پھر معذرت کرنا پڑے۔ [ترغیب]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی ایک شخص نے یہ درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ انہوں نے فرمایا: جب نماز پڑھو تو بہت اچھی طرح وضو کرو، اس لیے کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اور بغیر نماز کے ایمان نہیں، پھر جب نماز شروع کرو، تو ایسی پڑھو جیسا کہ آخری نماز ہو اور بہت سی حاجتیں طلب نہ کیا کرو، اس لیے کہ یہ بھی فوری فقر ہے اور جو چیز دوسروں کے قبضہ میں ہو اُس سے اپنے آپ کو بالکل مایوس رکھو، یہی اصل غنا ہے اور کوئی کلام یا کوئی فعل ایسا نہ کرو جس سے پھر معذرت کرنا اور معافی چاہنا پڑے۔ [اتحاف السادۃ]

حل لغات: (۱) توجہ۔ (۲) لالچ۔ (۳) جلد محتاجی۔ (۴) ایک جیسی۔ (۵) مال دار۔

زہد و قناعت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ مال کا چھوڑ دینے والا زاہد[1] ہے، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ مال کا چھوڑ دینا اور موٹے کپڑے پہن لینا ہر ایسے شخص کے لیے آسان ہے جو لوگوں میں اپنی وقعت[2] چاہتا ہو، ان کے یہاں اپنی تعریف کا طالب ہو۔ کتنے ہی دنیا سے بے تعلقی[3] کا اظہار کرنے والے جو تھوڑے سے کھانے پر قناعت[4] کرتے ہیں اور اپنا دروازہ ہر وقت بند رکھتے ہیں، بلکہ ایسے بند مکان میں رہتے ہیں، جس کے دروازہ ہی نہ ہو، اُن کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کے یہاں اُن کی شہرت ہو اور کتنے ہی عمدہ لباس پہننے والے زُہد کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اچھا لباس اتباعِ سنت میں پہنتے ہیں اور یہ کہ وہ خود ان کپڑوں وغیرہ کی طرف اپنی خواہش سے متوجہ نہیں ہوتے، بلکہ لوگوں کے اِصرار[5] اور خواہش سے پہنتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس قسم کے کپڑے ہدایا میں پیش کیا کریں، یہ دونوں فریق[6] دنیا کو دین کے ذریعہ سے حاصل کرنے والے ہیں کہ دنیا صرف مال ہی کا نام نہیں۔ جاہ[7] کی طلب بھی دنیا ہے۔ زاہد کی تین علامتیں ہیں جن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے:

(۱) جو اُس کے پاس موجود ہے اُس سے خوش نہ ہو اور جو چیز نہیں ہے اُس پر رنجیدہ[8] نہ ہو، بلکہ اَولیٰ[9] تو یہ ہے کہ موجود سے رنجیدہ ہو اور جو نہیں ہے اُس سے خوش ہو۔

(۲) اُس کی نگاہ میں اُس کی تعریف کرنے والا، مَذمّت[10] کرنے والا، برابر ہو کہ یہ جاہ کے زُہد کی علامت ہے اور پہلی چیز مال کے زہد کی علامت ہے۔

(۳) حق تعالیٰ شانہٗ سے اُنس اور محبت ہو اور طاعات[11] میں حلاوت[12] ہو۔ [احیاء]

اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر[13] کے نمونہ کے لیے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوب[14] گرامی جو شیخ المشائخ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قُدّس سرّہٗ نے اپنے مُرشد شیخُ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اَعْلَی اللہُ مَرَاتِبَہٗ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیبِ رشیدیہ میں طَبع[15] بھی ہو چکا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار[16] فرمایا ہے، میرے ماوائے[17] دارین! اس ناکس[18] کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے، جو آفتاب کمالات کے روبرو[19] عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں؛ مگر جو ارشادِ حضرت ہے تو کیا کروں، بناچاری[20] کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ حضرت مرشدِ من[21] علمِ ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دُور ہوئے غالباً عرصہ[22] سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے، اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سندِ حدیث حاصل کر کے گئے اور اکثر اُن میں وہ ہیں کہ

حل لغات: (۱) متقی۔ (۲) عزت۔ (۳) جدائی۔ (۴) اکتفا کرنا، بس کرنا۔ (۵) بار بار کہنا۔ (۶) جماعت۔ (۷) منصب، عہدہ۔ (۸) اُداس۔ (۹) بہتر (۱۰) برائی۔ (۱۱) عبادت۔ (۱۲) مزہ آئے۔ (۱۳) بزرگوں۔ (۱۴) خط۔ (۱۵) چھپنا۔ (۱۶) پوچھ تاچھ۔ (۱۷) دونوں جہاں کے ٹھکانے۔ (۱۸) نالائق۔ (۱۹) سامنے۔ (۲۰) مجبوری۔ (۲۱) میرے پیر۔ (۲۲) زمانہ۔

زہد و قناعت

انہوں نے درس[1] جاری کیا اور سنت کے اِحیاء[2] میں سرگرم[3] ہوئے اور اِشَاعتِ[4] دین ان سے ہوئی اور اس شَرَف[5] سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہوجائے اور حضرت کے اِقدامِ نَعلَین[6] کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذبۂ قلب[7] میں غیر حق[8] تعالیٰ سے نفع وضرر[9] کا التفات[10] نہیں، واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علاحدگی ہوجاتی ہے۔ لہٰذا کسی کے مدح[11] وذم[12] کی پروانہیں رہی اور ذام[13] و مادح[14] کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اُسی نسبت یادداشت بے رنگ کا ہے، جو مشکوٰۃ انوارِ حضرت سے پہونچی ہے، پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ[15] چشمی ہے۔ یا اللہ! معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل[16] ہے، تیرا ہی وجود ہے، میں کیا ہوں؟ کچھ نہیں اور وہ جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تُو خود شرک در شرک ہے۔ أَسْتَغْفِرُ اللهَ أَسْتَغْفِرُ اللهَ أَسْتَغْفِرُ اللهَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرماویں۔

والسلام سنہ ۱۳۰۶ھ

یہ گرامی قدر مکتوب وصال[17] سے ۱۷ رسال قبل[18] کا ہے۔ ان ۱۷ رسال میں مدح وذم کی برابری میں اور غیر حق سے نفع وضرر کی طرف عدمِ[19] التفات میں جو ترقیات ہوئی ہوں گی ان کا ادراک بھی کون کرسکتا ہے۔

دوسرا واقعہ جس کو امیر شاہ خان صاحب نے امیرُ الروایات میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تحصیل سکندر آباد میں ایک گاؤں ہے حسن پور، میں نے بھی دیکھا ہے، بہت بڑا گاؤں ہے۔ یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (دہلوی جو مشہور اساتذۂ حدیث میں ہیں) اور مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (کاندھلوی) فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے کچھ ملول[20] سے رہتے تھے؛ لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشّاش بشّاش ہیں اور خوشی میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہیں اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کررہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آگئی (دونوں حضرات مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے) جس سے یہ اس قدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں؛ مگر بڑے میاں سے تو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی، چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ آج بہت خوش نظر آتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے تعجب کے لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہوگیا، یہ خوشی اُس کی ہے، کیوں کہ جب تک وہ

حل لغات: (۱) سبق۔ (۲) زندہ کرنے۔ (۳) کوشش۔ (۴) دین کو پھیلانا۔ (۵) عزت۔ (۶) تشریف لانا۔ (۷) دل۔ (۸) اللہ تعالیٰ کے سوا۔ (۹) نقصان۔ (۱۰) توجّہ۔ (۱۱) تعریف۔ (۱۲) بُرائی۔ (۱۳) بُرائی کرنے والا۔ (۱۴) تعریف کرنے والا۔ (۱۵) بے حیائی۔ (۱۶) سایہ۔ (۱۷) انتقال۔ (۱۸) پہلے۔ (۱۹) توجہ نہ کرنا۔ (۲۰) غمگین۔

زہد وقناعت

تھا ہم کو خدا پر پورا توکُّل[1] نہ تھا اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نَوَّرَاللہُ مَرْقَدَہٗ اس واقعہ پر لکھتے ہیں کہ مجھے حضرتِ غوث پاک رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی خوشی یاد آگئی کہ جس وقت خادم نے ایک قیمتی آئینہ کے ٹوٹ جانے کی ڈرتے ڈرتے اس مصرعہ سے اطلاع دی کہ ع ازقضا آئینۂ چینی شکست۔ آپ نے فی البدیہہ[2] فرمایا: ع خوب شد اَسبابِ خود بینی شکست۔ [ایسر الروایات]

پہلے مصرعہ کا ترجمہ ہے کہ تقدیر سے چینی کا آئینہ ٹوٹ گیا۔ دوسرے کا ترجمہ ہے بہت اچھا ہوا کہ خود بینی[3] کے اَسباب جاتے رہے۔ فقط

⑪ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِيْرٍ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ۔ [رواه الترمذي في الشمائل]	حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تمام عمر میں اپنی وفات تک کبھی جَو کی روٹی بھی دو دن لگاتار پیٹ بھر کر نوش[4] نہیں فرمائی۔

فائدہ: یہی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زندگی تھی، دو چار حدیثوں میں نہیں، سیکڑوں احادیث میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زندگی کا یہی نقشہ موجود ہے۔ آج مسلمانوں کے فقر و فاقہ کا اس قدر شور ہے کہ حد نہیں؛ مگر کتنے آدمی ایسے ہوں گے جن کو عمر بھر میں دو دن بھی پیٹ بھر کر معمولی روٹی نہ ملی ہو۔ شمائل ہی کی ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سارے گھرانے کا یہی عمل نقل کرتی ہیں کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے گھر والوں نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وفات تک کبھی بھی دو دن لگاتار جَو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر کئی کئی راتیں مسلسل[5] ایسی گزر جاتی تھیں کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے گھر والوں کو شام کو کھانا میسّر[6] نہیں ہوتا تھا رات بھر سب کے سب فاقہ سے گزار دیتے تھے اور جَو کی روٹی پر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا گذارہ تھا۔ حضرت سہل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے کسی نے پوچھا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا معمول چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانے کا تھا؟ حضرت سہل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وصال[7] تک چھنے ہوئے آٹے کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ پھر اُس نے پوچھا: کیا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں آپ حضرات کے یہاں چھلنیاں نہیں تھیں؟ حضرت سہل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ چھلنیوں کا دستور[8] نہیں تھا۔ انہوں نے (تعجب سے) پوچھا کہ بغیر چھنے جَو کے آٹے کو کیوں کر کھاتے تھے؟ حضرت سہل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ آٹے (کو حرکت دے کر اُس) میں پھونک مار دیا

حل لغات: ① بھروسہ۔ ② فوراً۔ ③ گھمنڈ۔ ④ کھائی۔ ⑤ لگاتار۔ ⑥ حاصل۔ ⑦ انتقال۔ ⑧ رواج۔

زہد و قناعت

کرتے تھے، جس سے (موٹے موٹے) تنکے اُڑ جاتے تھے باقی کو پکا لیا کرتے تھے۔ [شمائل ترمذی]

فائدہ: آج گیہوں کی روٹی بغیر چھنے آٹے کی کھانا مشکل سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات جَو کے آٹے کی روٹی بغیر چھنے نوش فرماتے تھے، وہ بھی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں، تو میرا رونے کو (بے اختیار) دل چاہتا ہے، پس رونے لگتی ہوں۔ کسی نے عرض کیا: یہ کیا بات ہے؟ فرمانے لگیں: مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آجاتا ہے کہ گوشت سے یا روٹی سے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال[1] تک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر تناول[2] فرمانے کی نوبت نہیں آئی۔ [شمائل]

سعید مَقبُری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک جماعت پر گزر ہوا، وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور مرغی بھنی ہوئی اُن کے سامنے رکھی تھی۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تواضع[3] کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انکار فرما دیا اور یہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ جَو کی روٹی سے پیٹ بھرنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ [مشکوٰۃ] میرا کس طرح دل چاہے کہ مرغ کھاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد عام حالت کے اعتبار سے ہے، ورنہ مرغ کا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بھوکے رہتے تھے، بغیر ناداری[4] کے، یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانا موجود ہو، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کم تناول فرماتے تھے، اس لیے کہ بھوکے رہنے سے انوار کی کثرت[5] ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دنیا میں کھانے پینے کی مقدار کم رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فرشتوں کے سامنے تفاخُر[6] کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو! میں نے اس کو کھانے پینے کی کمی میں مبتلا کیا اُس نے صبر کیا، تم گواہ رہو کہ جو لقمہ اُس نے کم کیا ہے، اس کے بدلہ میں جنت کے درجے اُس کے لیے تجویز[7] کرتا ہوں۔ [احیاء]

یہ بات ہر جگہ ملحوظ[8] رکھنا چاہیے کہ اپنے اختیار سے اتنی کمی ہرگز نہ کرے، جو صحت کو مُضِر[9] ہو کر دوسرے دینی کاموں میں نقصان کا سبب ہو۔ اسی وجہ سے روزہ میں سحری کو سنّت قرار دیا گیا کہ روزہ میں ضُعف[10] نہ پیدا ہو۔ اسی وجہ سے دوپہر کا سونا سنّت قرار دیا گیا کہ رات کے جاگنے میں مُعِین[11] ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی برتن بھرنے کے اعتبار سے پیٹ سے بُرا نہیں ہے (یعنی جتنا

حل لغات: (۱) انتقال، وفات۔ (۲) کھانا کھانا۔ (۳) آؤ بھگت کرنا۔ (۴) تنگدستی، غربت۔ (۵) زیادتی۔ (۶) فخر جتانا۔ (۷) مقرر۔ (۸) یاد۔ (۹) نقصان دہ۔ (۱۰) کمزوری۔ (۱۱) مددگار۔

زہد و قناعت

پیٹ کا بھرنا بُرا ہے اتنا کسی برتن کا بھرنا بُرا نہیں ہے) اور چوں کہ مجبوری ہے، کھانا پڑتا ہی ہے، اس لیے ایک تہائی پیٹ کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے رکھنا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک روٹی کا ٹکڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا چیز ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے آج روٹی پکائی تھی، میرے دل نے بغیر آپ کے نوش فرمائے کھانا گوارا نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تین دن کے اندر یہ پہلی چیز ہے، جو تمہارے باپ کے منہ میں جارہی ہے'' (یعنی تین دن سے کوئی چیز کھانے کی نوبت نہیں آئی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ'' دنیا میں جو لوگ بھوکے رہنے والے ہیں، آخرت میں وہی لوگ پیٹ بھرنے والے ہیں اور حق تعالیٰ شانُہٗ کو وہ شخص بہت ناپسند ہے جو اتنا کھائے کہ بدہضمی ہوجائے، جو کسی ایسی چیز کے کھانے کو ترک[1] کرے، جس کو دل چاہتا ہے اُس کے لیے جنت میں درجے ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے احتیاط رکھو، یہ زندگی میں بھاری پن کا سبب ہے اور مرنے کے وقت گندگی اور عُفُونت[2] ہے۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عبادت ایک پیشہ[3] ہے، جس کی دکان تنہائی ہے اور اُس کا آلہ (جس سے پیشہ کیا جائے) بھوکا رہنا ہے۔ حضرت فضیل اپنے دل سے فرمایا کرتے تھے کہ تُو بھوکا رہنے سے ڈرتا ہے، یہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے، تیری کیا حقیقت ہے؟ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوکے رہ چکے ہیں۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہا کرتے: یا اللہ! تو نے مجھے اور میرے اہل وعیال[4] کو بھوکا رکھا، اندھیری راتوں میں بغیر روشنی کے رکھا، یہ تو تُو اپنے نیک بندوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ یا اللہ! تُو نے مجھے یہ دولت کس عمل پر عطا فرمائی؟ (یعنی اس پر تعجب کیا کرتے تھے کہ میں اپنے خیال کے موافق) نیک تو ہوں نہیں، پھر یہ نیک لوگوں کا سا برتاؤ میرے ساتھ کس عمل کے صلہ[5] میں ہے۔ حضرت کَہمس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: یا اللہ! تو نے مجھے بھوکا رکھا، ننگا رکھا، اندھیری راتوں میں بغیر چراغ کے رکھا (میں تو ان احسانات کے قابل نہ تھا، یہ درجے) کن چیزوں کی وجہ سے مجھے ملے؟۔ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی سخت بیماری لاحق[6] ہوتی یا بھوک کی شدت[7] ہوتی تو کہتے، یا اللہ! تو نے مجھے بھوک اور مرض میں مبتلا کیا اور تو یہ اِبتلا[8] اپنے نیک بندوں کو دیا کرتا ہے۔ میں کس نیک عمل سے تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں؟ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: بڑا مبارک ہے، وہ شخص جس کے لیے معمولی سی پیداوار ایسی ہو،

حل لغات: ① چھوڑنا۔ ② بدبو۔ ③ تجارت۔ ④ گھر والے۔ ⑤ بدلہ۔ ⑥ لگ جاتی۔ ⑦ زیادتی۔ ⑧ آزمائش۔

جس سے وہ زندہ رہ سکے اور لوگوں سے مانگنے کا محتاج نہ ہو۔ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مبارک وہ شخص ہے جو صبح کو بھی بھوکا رہے، شام کو بھی بھوکا رہے اور اس پر بھی اپنے رب سے راضی رہے۔ تورات میں لکھا ہے کہ جب تُو پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرے، تو بھوکے آدمیوں کا بھی دل میں خیال لے آیا کر۔ ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں رات کے کھانے میں سے ایک لقمہ کم کھاؤں، یہ مجھے ساری رات کے جاگنے سے زیادہ پسند ہے، ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھوک اللہ کا ایسا خزانہ ہے، جو اپنے دوستوں ہی کو دیتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تُستَری رحمۃ اللہ علیہ مسلسل بیس بیس دن سے زیادہ بھوکے گزار دیتے تھے اور اُن کی سال بھر کی غذا کی میزان① ایک درم یعنی ۳۰۲ر ہوتی تھی، یہ بھوکے رہنے کی بڑی ترغیب دیا کرتے، یہاں تک کہا کرتے تھے کہ ضرورت سے زائد کھانا چھوڑنے کے برابر کوئی بھی نیک عمل نہیں، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اتباع ہے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ حکمت اور علم بھوکے رہنے میں ہے اور جہل اور گناہ پیٹ بھر کر کھانے میں مرکوز ہے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اَبدال میں سے نہیں ہوسکتا، جب تک بھوکا رہنے اور چُپ رہنے اور راتوں کو جاگنے کا عادی نہ ہو اور تنہائی کو پسند نہ کرتا ہو۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص بھوکا رہتا ہے، اُس کو وسوسے کم آیا کرتے ہیں۔ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کسی شخص کی صفائی بغیر بھوکا رہنے کے نہیں کرتے اور اسی وجہ سے بزرگ پانی پر چلا کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے ان کو طَیُّ الْاَرض حاصل ہوتا ہے۔ [احیاء] طَیُّ الْاَرض بزرگوں کی ایک خاص رفتار کا نام ہے، جس کی وجہ سے چند قدم میں ہزاروں میل طے کر لیتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھوکے رہنے میں دس فائدے حاصل ہوتے ہیں:

① **پہلا فائدہ:** دل کی صفائی اس سے حاصل ہوتی ہے، طبیعت تیز ہوتی ہے، بصیرت② بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے طبیعت میں بلادت③ آتی ہے اور دل کا نور جاتا رہتا ہے، معدے کے بخارات دماغ کو گھیر لیتے ہیں جس کا اثر دل پر بھی پڑتا ہے کہ وہ فکر میں دوڑنے سے عاجز ہوجاتا ہے، بلکہ کم عمر بچہ اگر زیادہ کھانے لگے تو اس کا حافظہ بھی خراب ہوجاتا ہے، ذہن بھی کُند④ ہوجاتا ہے۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھوکا رہنے کی عادت پیدا کرو، یہ نفس کو مطیع⑤ کرتا ہے، دل کو نرم کرتا ہے اور آسمانی علوم اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے جس دن بھوکا رہا، میں نے اپنے اندر عبرت اور حکمت کا ایک دروازہ کھلا ہوا پایا۔ اسی وجہ سے حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جب معدہ بھر جاتا ہے، تو فکر سو جاتا ہے اور حکمت گونگی ہوجاتی ہے اور اعضاء عبادت سے سُست پڑجاتے ہیں۔ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

حل لغات: ① مقدار۔ ② دل کی روشنی۔ ③ بے وقوفی۔ ④ کمزور۔ ⑤ فرمانبردار۔

زہد و قناعت

ہیں کہ بھوک ایک اَبر[1] ہے جب آدمی بھوکا ہوتا ہے، تو وہ اَبر دل پر حکمت کی بارش کرتا ہے۔

(۲) **دوسرا فائدہ:** دل کا نرم ہونا ہے جس سے ذکر وغیرہ کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ بسا اوقات آدمی بڑی توجہ سے ذکر کرتا ہے، لیکن دل اس سے لذت حاصل نہیں کرتا اور نہ اس سے متاثر ہوتا ہے اور جس وقت دل نرم ہوتا ہے تو ذکر میں بھی لذت آتی ہے، دعا اور مناجات میں بھی مزہ آتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ کہتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ عبادت میں مزہ جب آتا ہے، جب میرا پیٹ بھوک کی وجہ سے کمر کو لگ جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ فرماتے ہیں کہ آدمی حق تعالیٰ شانُہٗ کے اور اپنے سینے کے درمیان ایک جھولی کھانے کی کر لیتا ہے، پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کی حلاوت[2] بھی نصیب ہو (پیٹ بھرنے کو فقیر کی جھولی بھرنے سے تشبیہ دی ہے)۔

(۳) **تیسرا فائدہ:** یہ ہے کہ آدمی میں عاجزی، مسکنت پیدا ہوتی ہے اور اَکڑ مکڑ جاتی رہتی ہے، جو سرکشی[3] اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے غفلت کا سرچشمہ[4] ہے۔ نفس کسی چیز سے بھی اتنا زیر[5] نہیں ہوتا، جتنا بھوکا رہنے سے ہوتا ہے اور آدمی جب تک اپنے نفس کی ذلت اور عاجزی نہیں دیکھتا، اس وقت تک اپنے مولا کی عزت اور اس کا غلبہ نہیں دیکھ سکتا۔ آدمی کو چاہیے کہ کثرت سے بھوکا رہے تاکہ ذوق[6] سے اپنے مولا کی طرف متوجہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ پر یہ پیش فرمایا کہ مکہ مکرمہ کی ساری زمین سونے کی کر دی جائے، تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے عرض کیا: یا اللہ! یہ نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں تاکہ جس دن بھوکا رہوں تو صبر کروں اور تیری طرف عاجزی کروں (تجھ سے مانگوں) اور جس دن کھاؤں اُس دن تیرا شکر ادا کروں''۔

(۴) **چوتھا فائدہ:** یہ ہے کہ اہلِ مصیبت[7] اور فاقہ زدوں[8] سے غفلت پیدا نہیں ہوتی۔ پیٹ بھرے آدمی کو بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ بھوکوں اور محتاجوں[9] پر کیا گزر رہی ہے۔

حضرت یوسف علٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ السَّلَام سے کسی نے عرض کیا کہ زمین کے خزانے تو آپ کے قبضہ میں ہیں، پھر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ ڈر ہے کہ خود پیٹ بھر لینے سے کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں اور بھوکے پیاسے رہنے سے قیامت کے دن کی بھوک اور پیاس کی یاد بھی تازہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے عذاب کا خوف بھی پیدا ہوتا ہے، یہ بھی یاد آجاتا ہے کہ بھوک اور پیاس کی شدت میں جہنم میں کھانا کیا ملے گا، وہ جو حلق میں اَٹک جائے اور پینے کو کیا ملے گا؟ جہنمیوں کے زخموں کا لہو[10] اور پیپ۔

(۵) **پانچواں فائدہ:** جو اصل اور اہم گناہوں سے بچنا ہے کہ پیٹ بھرنا ہی ساری شہوتوں کی جڑ ہے اور بھوکا رہنا ہر قسم کی شہوت کو توڑتا ہے اور آدمی کے لیے بڑی سعادت[11] یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر قابو

حلِ لغات: (۱) بادل۔ (۲) مزہ، لذت۔ (۳) نافرمانی۔ (۴) جڑ۔ (۵) کمزور۔ (۶) شوق۔ (۷) تکلیف والوں۔ (۸) بھوکوں۔ (۹) غریبوں۔ (۱۰) خون۔ (۱۱) نیک بختی۔

زہد و قناعت

رکھے اور بڑی بدبختی یہ ہے کہ اُس کا نفس اُس پر قابو پا جائے اور جیسا کہ سرکش[1] گھوڑے کو بھوکا رکھ کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے اور جب وہ خوب کھاتا پیتا رہتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے، اسی طرح نفس کا بھی حال ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑھاپے میں بھی اپنے بدن کی خبر گیری نہیں کرتے؟ (کچھ طاقت اور قوت کی چیزیں کھانے کی ضرورت ہے) وہ فرمانے لگے کہ یہ نفس نشاط[2] کی طرف بڑی تیزی سے چلنے والا ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں مجھے کسی گناہ کی مصیبت میں نہ پھانس دے، اس لیے میں اُس کو مشقت میں ڈالے رکھوں، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ وہ مجھے کسی گناہ کی ہلاکت میں ڈال دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلی بدعت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی، وہ پیٹ بھر کر کھانے کی ہے۔ جب آدمیوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں تو اُن کے نفوس[3] دنیا کی طرف جھکنے لگتے ہیں اور یہ فائدہ جو ذکر کیا جا رہا ہے، ایک ہی فائدہ نہیں، بلکہ فوائد کا خزانہ ہے اور اس میں کم سے کم جو فائدہ ہے وہ شرمگاہ کی شہوت اور فضول[4] بات کی خواہش کا چھوڑنا ہے، اس لیے کہ بھوکے آدمی کا دل فضول باتیں کرنے کو نہیں چاہا کرتا اور اسی ایک بات کی وجہ سے آدمی غیبت سے، جھوٹ سے، فحش[5] بات کرنے سے، چغلی وغیرہ بہت سی چیزوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے اور پیٹ بھرنے پر آدمی کا دل تفریحی باتوں کو چاہا کرتا ہے اور عام طور سے ہم لوگوں کی تفریحیں آدمیوں کی آبرُوؤں[6] سے ہی ہوتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ زبان کی کھیتیاں ہی آدمی کو (اکثر) جہنم میں ڈالتی ہیں اور شرمگاہ کی شہوت کی ہلاکت تو کسی سے بھی مخفی[7] نہیں ہے اور آدمی کا جب پیٹ بھرا ہوتا ہے، تو پھر شرمگاہ پر قدرت[8] دشوار[9] ہو جاتی ہے، اگر اللہ کے خوف سے آدمی اس پر قدرت پا بھی لے تب بھی آنکھ کا گناہ (ناجائز طریقہ سے کسی عورت یا امرد کو دیکھنا) تو ہو ہی جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے، جیسا کہ شرمگاہ زنا کرتی ہے اور اگر آدمی آنکھ بند کر کے اس پر بھی قدرت پالے تب بھی جس کو دیکھ چکا ہے، اُس کا خیال تو دل میں آتا ہی رہے گا اور شہوت کے خیالات حق تعالیٰ شانُہٗ سے مناجات کی لذت کو کھو دیتے ہیں اور بسا اوقات[10] یہ فاسد[11] خیالات نماز میں بھی آجاتے ہیں۔ زبان اور شرمگاہ مثال کے طور پر ذکر کر دیے ورنہ ساتوں اَعضاء کے سارے گناہ اسی قوت سے پیدا ہوتے ہیں، جو پیٹ بھرنے سے حاصل ہوئی ہے۔

(۶) **چھٹا فائدہ:** یہ ہے کہ کم کھانے سے نیند کم آتی ہے، کثرت سے جاگنے کی دولت نصیب ہوتی ہے، اس لیے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے پیاس خوب لگتی ہے اور پانی پینے سے نیند خوب آتی ہے۔ مشائخ[12]

حل لغات: (۱) شریر۔ (۲) چستی۔ (۳) دل۔ (۴) بے کار۔ (۵) بے حیائی۔ (۶) عزت۔ (۷) چھپی۔ (۸) قابو۔ (۹) مشکل۔ (۱۰) کئی مرتبہ، بہت بار۔ (۱۱) گندے۔ (۱۲) اللہ والے۔

زہد و قناعت

کا مقولہ ہے کہ زیادہ نہ کھاؤ ورنہ زیادہ پانی پیوگے پھر زیادہ سوؤگے، جس کی وجہ سے زیادہ خسارہ[1] میں رہوگے۔ کہتے ہیں کہ ستر حکیموں کا اس پر اتفاق ہے کہ زیادہ پانی پینے سے زیادہ نیند آتی ہے اور زیادہ سونے میں عمر کا بہت بڑا حصہ ضائع[2] ہوجاتا ہے اور تہجد کا فوت[3] ہوجانا علیحدہ رہا نیز زیادہ سونے سے طبیعت کی بلادت[4] اور دل کی قساوت[5] بھی پیدا ہوتی ہے اور بیوی پاس نہ ہو تو احتلام کا سبب بھی ہوتا ہے، پھر غسل کے اسباب مُہیّا[6] نہ ہونے میں اکثر تہجد بھی فوت ہوجاتا ہے۔

⑦ **ساتواں فائدہ:** عبادت پر سہولت[7] سے قادر ہونا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے اکثر کاہلی پیدا ہوتی ہے، جو عبادت کو مانع ہوتی ہے اور خود کھانے ہی میں بہت سا وقت ضائع[8] ہوجاتا ہے اور اگر اس کو تیار بھی کرنا پڑے تو اور بھی زیادہ اضاعتِ وقت[9] ہے، پھر کھانے کے بعد ہاتھ دھونا، خلال کرنا، پھر بار بار اُٹھ کر پانی پینا، ان سب اوقات کا حساب لگایا جائے تو کتنا وقت ہوا، اگر یہ سارا وقت اللہ کی یاد میں اور دوسری عبادتوں میں خرچ ہوتا تو کتنا نفع کماتا۔ حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ستّو دیکھا، جس کو وہ پھانک رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ستّو کی عادت کیسے پڑگئی؟ فرمانے لگے کہ میں نے جو حساب لگایا، تو لُقمہ مُنہ میں رکھنے سے اس کے نگلنے تک ستر مرتبہ سُبْحَانَ اللہِ کہنے کا وقت ملتا ہے، اس وجہ سے میں نے چالیس سال سے روٹی نہیں کھائی کہ اس کے چبانے میں بہت دیر لگتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آدمی کا ہر سانس بہت بڑا قیمتی جوہر ہے، جس کو آخرت کے خزانے میں محفوظ کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ کبھی ضائع نہ ہو اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ اس سانس کو اللہ کے ذکر یا کسی اور عبادت میں صرف کردے، اس کے علاوہ کھانا زیادہ کھانے سے وضو کم ٹھہرتی ہے، اِستنجے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اور ان امور کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ ان میں وقت ضائع ہوتا ہے، مسجد میں زیادہ اوقات نہیں گزار سکتا کہ بار بار ان ضروریات کی وجہ سے نکلنا پڑے گا، اس کے علاوہ روزہ بھی اس کو بہت سہل[10] ہوتا ہے، جو بھوکا رہنے کا عادی ہوجائے۔ غرض روزہ اعتکاف اور کثرت سے باوضو رہنا اور کھانے پینے کے اوقات کو عبادت میں خرچ کرنا اتنے کثیر[11] فائدے ہیں کہ جن کا شمار نہیں۔ اس کی قدر وہ غافل لوگ کیا جانیں، جن کو دین کی قدر ہی نہیں ہے، وہ دنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی ہوکر مطمئن ہوگئے، پس دنیا ہی کے حالات کو جانتے ہیں ان کو آخرت کی خبر ہی نہیں کیا چیز ہے؟

⑧ **آٹھواں فائدہ:** کم کھانے میں بدن کی صحت ہے کہ بہت سے اَمراض[12] زیادہ کھانے ہی سے

حل لغات: ① نقصان۔ ② برباد۔ ③ چھوٹ۔ ④ بے وقوفی۔ ⑤ سختی۔ ⑥ حاضر۔ ⑦ آسانی۔ ⑧ خراب۔ ⑨ وقت کی بربادی۔ ⑩ آسان۔ ⑪ زیادہ۔ ⑫ بیماریاں۔

زہد و قناعت

پیدا ہوتے ہیں کہ اس کی وجہ سے معدہ میں اور رگوں میں اخلاطِ رَدِّیہ[1] جمع ہوجاتے ہیں، جن سے طرح طرح کے اَمراض پیدا ہوتے ہیں اور اَمراض قطع[2] نظر اس کے کہ صحت کے مُنافی[3] ہیں عبادات سے بھی مانع[4] ہوتے ہیں، دل کو تشویش[5] میں ڈالتے ہیں، ذکر وفکر سے مانع ہونے کے علاوہ دوا پرہیز، حکیم، ڈاکٹر فَصد کھولنے[6] والا، جونکیں لگانے والا۔ غرض ایک لمبا چوڑا جھگڑا آدمی کے ساتھ کھڑا ہوجاتا ہے، پھر ان سب چیزوں میں مَشقّت علیحدہ ہے، خرچ علیحدہ ہے اور بھوکے رہنے میں ان سب آفات سے امن ہے۔ کہتے ہیں ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ چار ماہر حکیموں کو جمع کیا۔ ایک ہندی ماہر، دوسرا رومی (انگریزی)، تیسرا اعراقی، چوتھا سوادی (سواد کا رہنے والا) اور چاروں سے دریافت کیا: کوئی ایسی دوا بتاؤ جو کسی چیز کو نقصان نہ کرتی ہو۔ ہندی نے کہا: میرے خیال میں ایسی دوا جو کسی چیز کو نقصان نہیں کرتی اَہلیج اَسود (ہلیلہ سیاہ) ہے، عراقی نے کہا: میرے خیال میں حَبُّ الرَّشَادِ الْاَبْیَض (جس کو فارسی میں تخم سپندان اور ہندی میں ہالون کہتے ہیں) ہے۔ رومی نے کہا: میرے نزدیک گرم پانی ہے یعنی وہ کسی چیز کو مُضر نہیں ہے۔ سوادی نے کہا: یہ سب غلط ہے، ہلیلہ معدہ کو رَوندتا ہے (پاؤں سے کسی چیز کا مَسلنا) اور یہ بیماری ہے (اس کے علاوہ جگر کے لیے بھی مضر ہے۔ زکریا) اور حَبُّ الرشاد معدہ میں پھسلن پیدا کرتا ہے اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کردیتا ہے۔ ان سب طبیبوں[7] نے کہا: پھر تم بتاؤ ایسی کیا دوا ہے، جو کسی کو نقصان نہیں کرتی۔ سوادی نے کہا: کھانا اس وقت تک نہ کھایا جائے، جب تک خوب رغبت پیدا نہ ہو اور ایسی حالت میں ختم کیا جائے کہ زیادہ کی رغبت باقی ہو۔ بقیہ تینوں طبیبوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ ایک فلسفی حکیم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ تہائی پیٹ کھانے کے، تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس لینے کے لیے۔ اُس نے سُن کر بڑا ہی تعجب کیا اور کہا کہ کھانا کم کھانے میں اس سے بہتر اور مضبوط بات میں نے آج تک نہیں سُنی بے شک یہ حکیم کا کلام ہے۔

⑨ **نواں فائدہ:** اخراجات[8] کی کمی ہے، جو شخص کم کھانے کا عادی ہوگا۔ اس کا خرچ بھی کم ہوگا اور زیادہ کھانے میں اخراجات بھی بڑھیں گے، جن کے حاصل کرنے کے لیے یا تو ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوگا یا لوگوں سے مانگنے کی ذلت اختیار کرے گا (حضرت سہل تُستَری رحمۃ اللہ علیہ کا حال قریب ہی گزر چکا ہے کہ اُن کے کھانے کی میزان[9] سال بھر کی ساڑھے تین آنے ہوتی تھی)۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ میں اپنی اکثر ضرورتیں ترک[10] کردینے سے پوری کرتا ہوں، جس سے مجھے بڑی یکسوئی[11] اور راحت رہتی ہے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ جب مجھے اپنی کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لیے کسی سے

حل لغات: ① خراب خون۔ ② اس کے سوا۔ ③ خلاف۔ ④ روکنے والے۔ ⑤ بے چینی۔ ⑥ رگ سے خون نکالنے والا۔ ⑦ حکیم۔ ⑧ خرچ۔ ⑨ مقدار۔ ⑩ چھوڑنا۔ ⑪ اطمینان۔

زہد وقناعت

قرض کی ضرورت ہوتی ہے، تو میں اپنے نفس ہی سے قرض مانگ لیتا ہوں، اس کو سمجھا دیتا ہوں کہ اس کو پھر کسی وقت ادا کردوں گا یعنی تیری خواہش اس وقت میرے ذمہ قرض ہے، اس کو کسی دوسرے وقت پوری کردوں گا۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی چیز کا نرخ[1] معلوم کرتے کہ وہ بہت گراں[2] ہے، تو اپنے دوستوں سے فرماتے کہ اس کو چھوڑ کر ارزاں[3] کر دو (جس چیز کا خریدنا آدمی چھوڑ دے، اپنی طرف سے تو وہ ٹکہ سیر[4] ہو ہی گئی، اپنی بلا سے جتنے میں چاہے بکے) آدمی کی ہلاکت کا بڑا سبب دنیا کی حرص[5] ہے اور یہ حرص پیٹ اور شرمگاہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور شرمگاہ کی قوت بھی پیٹ کی قوت سے ہوتی ہے اور کھانا کم کھانے میں ان سب آفتوں سے امن ہے حق تعالیٰ شانہٗ جس کو بھی نصیب فرمادے۔

(۱۰) **دسواں فائدہ:** ایثار و ہمدردی اور صدقات کی کثرت کا سبب ہے کم کھانے کی وجہ سے جتنا کھانا بچے گا وہ یتامیٰ[6]، مساکین، غرباء پر صدقہ ہو کر قیامت میں اس کے لیے سایہ بنے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد پہلے گزر چکا ہے کہ آدمی قیامت کے دن اپنے صدقے کے سایہ کے نیچے ہوگا اور جتنا زیادہ کھائے گا وہ پاخانہ بن کر کوڑی پر جمع ہوتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے خزانہ میں جو جمع ہوگیا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کام آتا رہے گا اور جو پاخانہ ہوگیا، وہ ضائع گیا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو پہلے بھی گذر چکا کہ آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال، اُس کے لیے اس کے مال میں سے بجز[7] تین چیز کے کچھ نہیں ہے۔ ایک وہ جو صدقہ کردیا اور ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ کرلیا۔ دوسرا وہ جو کھالیا اور کھا کر ختم کردیا۔ تیسرا وہ جو پہن کر پُرانا کردیا۔ اس کے علاوہ جو ہے وہ دوسروں کا مال ہے، وارثوں کا حصہ ہے، اس کا اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ صدقات کے فضائل کثرت سے گزر ہی چکے ہیں۔ یہ دس فوائد کم کھانے کے نہایت اختصار سے ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک فائدہ اپنے اندر بے شمار فائدے رکھتا ہے۔ [احیاء]

یہ بات قابلِ لحاظ[8] ہے جو پہلے بھی مُتعدّد[9] بار لکھی جا چکی ہے کہ ان فضائل کے حق ہونے میں تردّد[10] نہیں، یقیناً یہ وہ کمالات ہیں کہ جس خوش نصیب کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف[11] سے عطا فرمادے، اس کے لیے دین اور دنیا دونوں کی راحت ہے اور آخرت کے لیے بے شمار درجات اور ترقیات کا زینہ یہی چیزیں ہیں، لیکن اپنے تحمُّل[12] کی رعایت ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ ''کوّا چلا ہنس کی چال، وہ اپنی بھی بھول گیا''۔ زیادہ کے شوق میں آدمی تھوڑے سے بھی جاتا رہے، اس لیے ان سب چیزوں کی طرف دل کو رغبت[13] دیتے رہنے کے ساتھ ان چیزوں کے اور اس طرزِ[14] زندگی کے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے

حل لغات: (۱) قیمت۔ (۲) مہنگا۔ (۳) سستا۔ (۴) بہت سستا۔ (۵) لالچ۔ (۶) یتیموں۔ (۷) سوائے۔ (۸) توجہ کے لائق۔ (۹) کئی۔ (۱۰) شک۔ (۱۱) مہربانی۔ (۱۲) برداشت۔ (۱۳) شوق۔ (۱۴) طریقۂ زندگی۔

ساتھ اوران امورکونہایت وقعت[1] سے دیکھنے کے ساتھ عمل اتنا ہی کرنا چاہیے، جتنا اپنے اندر تحمل ہو۔ بیمار آدمی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھائے گا تو جلدی مرے گا۔ ہم لوگ نفس کی بیماریوں کے بیمار ہیں، اعضاء اور قُویٰ[2] کے ضعف[3] کے مارے ہوئے ہیں، اس لیے صحت کی تمنا اور کوشش سعی اور رغبت کے ساتھ ایسی کوئی چیز عملی طور سے اختیار نہ کرنا چاہیے جو اس حالت سے بھی گرادے جس پر اب موجود ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کم کھانے کی عادت آہستہ آہستہ پیدا کرنا چاہیے، جو شخص زیادہ کھانے کا عادی ہو وہ دفعتاً[4] کم کرے گا تو اُس کا تحمل بھی نہ ہوگا۔ ضُعف بھی ہو جائے گا۔ مشقت بھی بڑھ جائے گی، اس لیے بہت آہستگی اور سہولت کے ساتھ اس کو اختیار کرنا چاہیے، مثلاً اگر کوئی شخص دو نان کھاتا ہو تو اُس کو ایک نان کا اَٹھائیسواں حصہ روزانہ کم کرنا چاہئے۔ اس سے ایک مہینہ کے اندر آدھی خوراک رہ جائے گی (اور اگر اس کا تحمل بھی دشوار ہو تو چالیسواں حصہ کم کرنا چاہیے)۔

حضرت سَہل تُستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے مجاہدوں کی ابتداء[5] کس طرح ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ میرا سالانہ خرچ ابتداء میں تین درم تھا (یعنی ساڑھے دس آنے) ابتداء میں اس کی صورت یہ تھی کہ میں ایک درم کا تو دِبَس (انگور یا کھجور کا شیرہ یا رس) لے لیتا تھا اور ایک درم کا چاول کا آٹا اور ایک درم کا گھی اور ان تینوں کو ملا کر تین سو ساٹھ لڈّو بنالیتا تھا، ایک روزانہ روزہ افطار کرنے کے وقت کھالیتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اب کیا معمول ہے؟ فرمایا: اب تو کوئی متعین چیز نہیں، جب موقع ہو کچھ کھالیتا ہوں (یہ قریب ہی گزر چکا کہ یہ حضرت بیس بیس دن بغیر کھائے گزار دیتے تھے)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گزران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاع جَو (تقریباً ساڑھے تین سیر) فی ہفتہ تھا، خدا کی قسم! میں اس سے زیادہ مرنے تک کبھی بھی نہ بڑھاؤں گا، اس لیے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا، جو مرنے تک اُسی حال پر رہے، جس پر اب ہے، اسی وجہ سے یہ بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ تم نے وہ طرز[6] چھوڑ دیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، تم نے جَو کا آٹا چھاننا شروع کر دیا، حالانکہ اُس زمانہ میں نہیں چھانا جاتا تھا، تم نے پتلی روٹیاں کھانا شروع کر دیں، کئی کئی سالن دسترخوان پر آنے لگے، تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے نہیں تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی مثال بکری کے بچہ کی سی ہے، جسے ایک مٹھی پُرانی کھجور ایک مٹھی ستّو ایک گھونٹ پانی کافی ہے اور منافق کی مثال درندہ[7] کی سی ہے، ہَپ ہَپ غٹ غٹ

حل لغات: (۱) عظمت۔ (۲) قوتیں۔ (۳) کمزوری۔ (۴) ایکدم۔ (۵) شروعات۔ (۶) طریقہ۔ (۷) پھاڑ کھانے والا جانور۔

زہد وقناعت

جو ہو، سب کھاپی لے، نہ اپنے پڑوسی کا خیال کرے، نہ دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح[1] دے۔ ضرورت سے زائد چیزیں (خیرات کر کے) آگے بھیج دو (تمہارے کام آئیں گی)۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ یوم کا مسلسل فاقہ کر لیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سات دن کا فاقہ کر لیتے تھے۔ کہتے ہیں ایک بزرگ کی ایک راہب[2] سے ملاقات ہوئی، اس سے باتیں کرتے رہے، اسی میں اس کو اسلام کی دعوت بھی دے دی، اُس نے گفتگو[3] کے دوران[4] میں کہا کہ حضرت مسیح (علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام) چالیس دن کا فاقہ کرلیا کرتے تھے، یہ بات معجزہ ہی کے طور پر ہوسکتی ہے، نبی کے علاوہ کسی سے نہیں ہوسکتی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر میں پچاس دن کا فاقہ کردوں تب بھی تم مسلمان ہوجاؤ گے۔ اُس راہب نے کہا ضرور۔ یہ وہیں اُس کے پاس ہی ٹھہر گئے، اُسی کے پاس رہتے جب پچاس دن پورے ہوگئے، تو کہنے لگے کہ یہ تو وعدے کے تھے، دس دن اور زائد لو، یہ کہہ کر دس دن کا فاقہ اور بھی کر دیا۔ پورے ساٹھ دن بعد کھایا۔ وہ راہب بڑی ہی حیرت میں رہ گیا اور مسلمان ہوگیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کو کھانا تناول[5] فرما لیتے تھے تو شام کو تناول نہ فرماتے تھے اور جب شام کو تناول فرما لیتے تھے تو صبح کو تناول نہ فرماتے تھے۔ [جامع صغیر]

(یعنی کبھی ایسا بھی معمول تھا) اور بھی پہلے بزرگوں سے ایک وقت کھانے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک وقت کھانے کا عادی ہو اُس کے لیے بہتر یہ ہے کہ سحری کے وقت کھائے، تاکہ دن میں روزہ کی فضیلت حاصل ہو اور رات کو نوافل، ذکر وغیرہ معدہ کے خالی ہونے کی حالت میں ہوں۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس سال تک دودھ کو دل چاہتا رہا، مگر استعمال نہیں کیا۔ ایک مرتبہ کہیں سے اُن کی خدمت میں تروتازہ کھجوریں آئیں۔ اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ان کو کھالو، میں نے ان کو چالیس سال سے نہیں چکھا۔ [اِحیاء]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کثرت سے اس قسم کے واقعات ان حضرات کے ذکر فرمائے ہیں۔ انہیں مجاہدوں کی برکات سے ان حضرات سے کرامتوں کا ظہور[6] ہوتا تھا۔ اب ان حضرات کی سی کرامتوں کا تو ہر شخص خواہش مند ہے، مگر اس کے لیے ان جیسے مجاہدے بھی تو کیے جائیں۔ ہم لوگوں کو غذائیں تو عمدہ سے عمدہ، بہتر سے بہتر چاہئیں، پھر مجاہدے کیسے ہوں۔ ایک بزرگ نے اپنے کسی ملنے والے کی دعوت کی اور ان کے لیے دسترخوان پر روٹیاں رکھیں۔ وہ ان میں سے اُلٹ پلٹ کر اچھی روٹی تلاش کرنے لگے۔ میزبان بزرگ نے فرمایا: یہ کیا کر رہے ہو؟ جس روٹی کو تم بُری سمجھ کر چھوڑ رہے ہو، اُس میں اتنے اتنے تو فوائد ہیں اور اتنی اتنی مشقت اُٹھانے والوں کی اس میں محنت ہوئی ہے کہ بہت

حل لغات: (۱) فضیلت، بڑھاوا۔ (۲) عیسائی عالم۔ (۳) بات چیت۔ (۴) بیچ۔ (۵) کھانا۔ (۶) ظاہر ہونا۔

زہد و قناعت

سے کام کرنے والوں کے عمل کے بعد اَبر[1] میں پانی آیا، پھر وہ برسا، پھر ہواؤں کی زمین کی چوپاؤں[2] کی آدمیوں کی محنت اس میں لگی، جب تو یہ روٹی تمہارے سامنے آئی۔ اس کے بعد تم اس میں اچھی بُری چھانٹنے لگے؟ کہتے ہیں کہ ایک روٹی پک کر تمہارے سامنے اُس وقت تک نہیں آتی، جب تک اُس میں تین سو ساٹھ کام کرنے والوں کا عمل نہیں ہوتا۔ سب سے اوّل حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانہ سے ناپ کر چیز نکالتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو اَبر پر مامور[3] ہیں اور بادلوں کو چلاتے ہیں، پھر چاند وسورج، آسمان، پھر وہ فرشتے جو ہواؤں پر مامور ہیں، پھر چوپائے، سب سے آخر میں روٹی پکانے والے۔ سچ ہے پاک ارشاد میرے رب سبحانہٗ وتقدس کا ﴿ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ﴾ [سورۂ ابراہیم: ۳۴] اگر تم اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت (اور اس کی تفصیلات) کو شمار کرنے لگو تو کبھی بھی پوری نہیں گن سکتے۔

اس کے بعد نہایت اہم اور قابلِ لحاظ چیز یہ بھی ہے کہ کم کھانے کی اگر صورت اختیار کرے، تو اس میں رِیا[4] اور حُبِّ جاہ[5] سے بچنے کا بھی بہت اہتمام رکھے، ایسا نہ ہو کہ بھوکا بھی مرے اور نفس بجائے صالح[6] بننے کے اور زیادہ فاسد[7] بن جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کھانے کی خواہش سے بھاگ کر رِیا کی خواہش میں پھنس جائے، وہ ایسا ہے جیسا کہ بچھو سے بھاگ کر سانپ کے منہ میں چلا جائے۔ [اِحیاء]

الغرض کم کھانا محمود[8] ہے، دین اور دنیا دونوں کے کثیر[9] فائدے اس میں ہیں، بشرطیکہ ضعف[10] یا ریا وغیرہ کسی دوسرے خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت[11] اور مُعاشرت[12]، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر اور فاقہ کو ذہن میں رکھے، دل سے اس کو پسند کرتا رہے کہ اصل چیز وہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز اختیار فرمایا تھا، وہ ناداری[13] اور مجبوری سے نہیں تھا، اس وجہ سے نہیں تھا کہ میسّر[14] نہیں آسکتا تھا، بلکہ خوشی اور رغبت[15] سے اسی طرز[16] کو پسند فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ حق تعالیٰ شانُہٗ سے روزی کی وُسعت[17] نہیں مانگ لیتے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں یہ کہہ کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کی شدت[18] کو دیکھ کر رو پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اپنے رب سے یہ مانگوں کہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کریں، تو حق تعالیٰ شانُہٗ اُن کو بھی میرے ساتھ چلا دیں؛ لیکن میں نے دنیا میں بھوکا رہنے کو۔ پیٹ بھرنے پر ترجیح[19] دے رکھی ہے، میں نے دنیا کے فقر کو اُس کی ثَرْوَت[20] پر ترجیح دی ہے، میں نے دنیا کے غم کو اُس کی

حل لغات: (۱) بادل۔ (۲) جانوروں۔ (۳) مقرر۔ (۴) دکھلاوا۔ (۵) عہدہ کی محبت۔ (۶) نیک۔ (۷) شریر۔ (۸) پسندیدہ۔ (۹) بہت۔ (۱۰) کمزوری۔ (۱۱) روزی۔ (۱۲) رہن سہن۔ (۱۳) غریبی۔ (۱۴) حاصل۔ (۱۵) شوق۔ (۱۶) طریقہ۔ (۱۷) کشادگی۔ (۱۸) زیادتی۔ (۱۹) فضیلت۔ (۲۰) دولتمندی۔

خوشی پر ترجیح دی ہے، عائشہ! دنیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی آل کے لیے مناسب نہیں ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُولُوالعزم (یعنی ہمت والے اور اونچے درجہ کے) رسولوں کے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے کہ دنیا کی تکلیفوں پر صبر کریں۔ دنیا کی راحتوں سے بچے رہیں اور جو چیز اُن کے لیے پسند فرمائی تھی اُسی کا مجھے حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [سورۂ احقاف: ۳۵] ''آپ بھی اسی طرح صبر کیجئے، جس طرح اُولُوالعزم رسولوں نے صبر کیا''۔

میرے لیے اللہ کے حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں ہے۔ میں خدا کی قسم! جہاں تک میری طاقت ہے ایسا ہی صبر کروں گا، جیسا کہ انہوں نے کیا اور طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی کے دینے سے آتی ہے''۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات[۱] کی کثرت بہت ہوگئی تو اُن کی صاحبزادی اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اب تو آپ بھی جب دوسرے ملکوں کے قاصد[۲] آئیں، تو باریک کپڑا پہن لیا کریں اور کسی کو کھانا پکانے کا حکم فرمادیا کریں تاکہ آپ ان لوگوں کو کھلائیں اور آپ بھی اُن کے ساتھ کھالیا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ آدمی کے حالات سے اس کے گھر والے ہی اچھی طرح واقف[۳] ہوا کرتے ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: بے شک۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد اتنے سال زندہ رہے، اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے اگر رات کو کھانا نوش[۴] فرمالیتے تھے تو دن میں بھوکے رہتے تھے اور دن میں کھالیتے تھے تو رات کو بھوکے رہتے تھے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبوت کے بعد اتنے سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے گھر والوں نے خیبر کے فتح ہونے تک کبھی پیٹ بھر کر کھجوریں بھی نہیں کھائیں؟ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے اونچے خوان پر (میز کی طرح) کھانا رکھ دیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تغیر[۵] آگیا تھا، یہاں تک کہ اس کو ہٹا کر زمین پر کھانا رکھا گیا (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا)؟ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عَبا کو (چادر کی ایک قسم) دوہرا کر کے اُس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ تم نے ایک مرتبہ اس کو چوہرا (چارتہ) کر کے بچھا دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے رات کے اٹھنے سے روکا (کہ چارتہ ہو جانے سے بستر ہ نرم ہوگیا جس سے نیند اچھی طرح آگئی) اس کو دوہرا ہی کردو جیسا کہ روزانہ ہوا کرتا تھا؟ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کپڑا دھونے کے لیے بدن مبارک سے اُتارتے اور اس کو

حل لغات: (۱) کامیابیاں۔ (۲) ایلچی۔ (۳) جاننے والے۔ (۴) کھانا۔ (۵) تبدیلی۔

زہد و قناعت

دھوتے ایسی حالت میں اگر بلال نماز کے لیے بلانے آجاتے تھے، تو حضور ﷺ کے پاس دوسرا کپڑا نہ تھا، جس کو پہن کر نماز پڑھاویں۔ حضور ﷺ اسی کو خشک کر کے پہن کر نماز پڑھایا کرتے تھے؟ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بنوظفر کی ایک عورت نے حضور ﷺ کے لیے دو کپڑے تیار کیے: ایک لنگی ایک چادر، ان میں سے اُس نے ایک پہلے بھیج دیا، دوسرے کے بھیجنے میں دیر لگی، تو حضور ﷺ اسی کو بدن پر اس طرح لپیٹ کر دونوں کونوں میں گردن پر گرہ لگائی تھی (کہ بدن نہ کھل جائے) پہن کر نماز کے لیے تشریف لے گئے، حضور ﷺ کے پاس دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے؟ اسی طرح اور واقعات گنواتے رہے یہاں تک کہ اُن واقعات کو یاد دلا کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی رُلایا اور خود بھی اتنے روئے کہ چیخیں مارنے لگے۔ ہمیں یہ اندیشہ[1] ہوا کہ اس غم میں کہیں اُن کی جان نہ نکل جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے دو رفیق[2] تھے (حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) وہ دونوں ایک ہی راستہ پر چلے اگر میں ان کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کروں، تو میرے ساتھ بھی وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا جو اُن کے ساتھ کیا گیا۔ میں خدائے پاک کی قسم! ان کی (دنیا کی) سخت زندگی پر اپنے آپ کو مجبور کروں گا تا کہ (آخرت کی) ان کی شاداب[3] زندگی کو پاسکوں۔ [اِحیاء]

فتاوٰی عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ کھانے کے چند مراتب[4] ہیں: پہلا درجہ فرض ہے اور وہ اتنی مقدار ہے جس سے آدمی ہلاکت سے بچے۔ اگر کوئی شخص اتنا کم کھائے یا کھانا پینا چھوڑ دے جس سے ہلاک ہو جائے، تو گناہ گار ہوگا اور دوسرا درجہ ثواب کا ہے کہ اتنی مقدار کھائے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جاسکے اور روزہ سہولت[5] سے رکھ سکے۔ تیسرا درجہ جائز کا ہے اور وہ نمبر دو کی مقدار پر پیٹ بھرنے کی مقدار تک اضافہ[6] ہے، تا کہ بدن میں قوت[7] پیدا ہو۔ اس درجہ میں نہ تو ثواب ہے، نہ گناہ ہے، معمولی حساب اس میں ہے بشرطیکہ مال حلال طریقہ سے حاصل ہوا ہو۔ چوتھا درجہ حرام ہے وہ پیٹ بھرنے سے زائد مقدار ہے، البتہ اس درجہ میں اگر مقصود روزہ پر قوت ہو کہ کل کو روزہ رکھنا ہے یا یہ غرض ہو کہ مہمان بھوکا نہ رہے، تو اس مقدار میں بھی مضائقہ[8] نہیں اور کم کھانے کا ایسا مجاہدہ جس سے فرائض میں نقصان آوے جائز نہیں، البتہ اگر اس میں نقصان نہ آوے تو کم کھانے کا مجاہدہ کرنے میں مضائقہ نہیں کہ اس میں نفس کی اصلاح بھی ہے اور کھانا بھی رغبت[9] سے کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی جوان کو کم کھانے کا مجاہدہ تا کہ اس کی شہوت کا زور ٹوٹ جائے جائز ہے۔ [عالمگیریہ]

حل لغات: (۱) خوف۔ (۲) دوست۔ (۳) خوش حال۔ (۴) درجے۔ (۵) آسانی۔ (۶) زیادتی۔ (۷) طاقت۔ (۸) حرج۔ (۹) شوق۔

اس تقسیم میں نمبر دو[۲] پر صاحبِ درِّ مختار رَحمۃُ اللہ علیہ وغیرہ نے کلام کیا ہے اور اتنی مقدار کو فرض میں داخل کیا ہے، جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے۔ عالمگیری کی اَخیر عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

⑫ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَضِيَ مِنَ اللهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ۔ [رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة]	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ شانُہٗ سے تھوڑی روزی پر راضی رہے، حق تعالیٰ شانُہٗ بھی اُس کی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں آمدنی کی کمی میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے ایک خاص احسان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اس صورت میں آدمی کی طرف سے اگر نیکیوں میں کمی ہوتی ہے، تو وہ مالکُ الملک بھی اس کمی کو بخوشی قبول فرما لیتے ہیں، اس کے بالمقابل جب اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے عطایا[۱] میں افراط[۲] ہو اور آدمی کسی چیز میں کمی کو بھی گوارا[۳] نہ کرے تو اس مالک کی طرف سے بھی یہی مطالبہ[۴] ہے کہ پھر اس کے حقوق کی ادائیگی میں تمہاری طرف سے بھی افراط ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ جس ملازم کو تنخواہ منہ مانگی دی جائے پھر وہ اپنی منصبی[۵] خدمت میں کوتاہی کرے تو اس کی نمک حرامی میں کیا تردّد[۶] ہے؛ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس[۷] ہے کہ غرباء کو تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، ذکر اور نوافل کے لیے وقت بھی مل جاتا ہے؛ لیکن جہاں چار پیسے ہاتھ میں آئے یا اُن کے آنے کے اسباب پیدا ہوئے پھر فرض نمازوں کے واسطے بھی وقت نہیں ملتا اور قلیل[۸] روزی پر قناعت[۹] جب حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی پانچ باتوں کا اہتمام کرے۔

① اپنے اخراجات[۱۰] میں کمی کرے ضرورت کی مقدار سے زیادہ خرچ نہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تنہا آدمی ہو تو اس کو ایک جوڑا کافی ہے، کئی کئی جوڑے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے ہی معمولی روٹی سالن پر گزر ہو سکتا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو خرچ میں میانہ روی[۱۱] اختیار کرے، وہ فقیر نہیں ہوتا۔

② اگر بقدرِ ضرورت میسّر[۱۲] ہو تو آئندہ کی فکر میں نہ پڑے اور حق تعالیٰ شانُہٗ کے وعدہ پر اعتماد کرے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے روزی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ شیطان ہمیشہ آدمی کو آئندہ کی سوچ میں ڈالے رکھا کرتا ہے کہ کچھ ذخیرہ فنڈ کے طور پر جمع رکھنا چاہیے، آدمی کے ساتھ حرج بھی لگا ہوا ہے، بیماری بھی لگی ہوئی ہے،

حل لغات: ① بخشش۔ ② زیادتی۔ ③ پسند۔ ④ مانگ۔ ⑤ دی گئی ذمہ داری۔ ⑥ شک۔ ⑦ خلاف، الٹا۔ ⑧ تھوڑی۔ ⑨ جو مل جائے اس پر راضی رہنا۔ ⑩ خرچ۔ ⑪ درمیانہ چال۔ ⑫ موجود۔

وقتی اخراجات بھی پیش آتے رہتے ہیں، پھر تجھے دِقّت اور مَشقّت[1] ہوگی اور ان خیالات کی وجہ سے اُس کو مشقت اور آئندہ کے فکر اور سوچ میں پریشان رکھا کرتا ہے اور پھر آدمی کا مذاق اڑایا کرتا ہے کہ یہ بیوقوف آئندہ کی تکلیف کے ڈر سے جو موہوم[2] ہے، اس وقت کی یقینی مشقت اور تکلیف اٹھارہا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر زیادہ غم سوار نہ کرو، جو مقدر ہے وہ ہوکر رہے گا اور جتنی روزی تمہاری ہے وہ آکر رہے گی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے مومن بندہ کو روزی اس جگہ سے عطا فرماتا ہے، جہاں سے اُس کا گمان بھی نہ ہو اور قرآن پاک میں بھی یہ مضمون وارد ہے۔

③ اس امر پر غور کیا کرے کہ تھوڑے پر قناعت میں لوگوں سے استغنا[3] کی کتنی بڑی عزت حاصل ہے اور حرص[4] و طمع میں لوگوں کے سامنے کتنا ذلیل ہونا پڑتا ہے، اس کو بہت اہتمام سے غور کیا کرے کہ اُس کو ایک تکلیف ضرور برداشت کرنی ہے یا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت کی یا اپنے نفس کو لذیذ چیزوں سے روکنے کی۔ اور یہ دوسری تکلیف جو ہے، اس پر اللہ کے یہاں ثواب کا وعدہ بھی ہے اور پہلی میں آخرت کا وبال[5] ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں آدمی ان کو حق بات کہنے سے رک جاتا ہے۔ اکثر دین کے بارے میں مُداہنت[6] کرنی پڑتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کی عزت اس کا لوگوں سے استغناء ہے۔ اسی وجہ سے مشہور مقولہ ہے کہ جس سے تُو استغناء کرے تُو اس کا ہمسَر[7] ہے (یعنی اس سے دبنے پر مجبور نہیں ہے) اور جس کی طرف احتیاج[8] پیش کرے اُس کا قیدی ہے اور جس پر احسان کرے اُس کا حاکم ہے۔

④ دنیا دار مال داروں کے انجام کو سوچا کرے، یہود و نصاریٰ اور بے دین ثروت[9] والوں کا انجام سوچے اور انبیاء اور اولیاء کا انجام سوچے، ان کے حالات کو غور سے پڑھے اور تحقیق کرے، پھر اپنے نفس سے پوچھے کہ اللہ کے مُقرّب[10] لوگوں کی جماعت میں شریک ہونا پسند کرتا ہے یا احمقوں[11] اور بے دین لوگوں کی مُشابہت[12] پسند کرتا ہے۔

⑤ مال کے زیادہ ہونے میں جو خطرات پہلے بیان ہو چکے ہیں، ان پر غور کیا کرے کہ کتنے مصائب[13] اس کے ساتھ ہیں۔ جب آدمی ان پانچوں کو غور کرتا رہے گا تو تھوڑے پر قناعت آسان ہوجائے گی۔ [احیاء]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ شخص فلاح[14] کو پہونچ گیا جو مسلمان ہو اور تھوڑی روزی دیا گیا ہو اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کو اسی پر قناعت عطا فرما رکھی ہو۔

حل لغات: ① پریشانی۔ ② خیالی۔ ③ بے نیازی، بے پروائی۔ ④ لالچ۔ ⑤ عذاب۔ ⑥ بات کا چھپانا۔ ⑦ برابر۔ ⑧ ضرورت۔ ⑨ دولت مندی۔ ⑩ نزدیکی۔ ⑪ بیوقوف۔ ⑫ شکل وصورت۔ ⑬ آفتیں۔ ⑭ کامیابی۔

حضرت فَضالہ بن عُبید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مبارک ہے وہ شخص جس کو اسلام لانے کی توفیق ہوگئی ہو، اُس کی آمدنی بقدرِ ضرورت ہو اور اس پر وہ قانع[1] ہو۔ [ترغیب] حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی سورج نکلتا ہے، اس کے دونوں جانب دو فرشتے روزانہ یہ اعلان کرتے ہیں۔ اے لوگو! اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ، جو مال تھوڑا ہو اور وہ کفایت[2] کر جائے وہ بہتر ہے اس کثیر[3] مال سے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے علاوہ دوسری طرف مشغول کرے۔

⑬ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ۔ [رواه أحمد كذا في المشكوٰة]	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو ناز و نعمت میں پرورش کرنے سے بچاتے رہنا، اس لیے کہ اللہ کے نیک بندے ناز و نعمت میں لگنے والے نہیں ہوتے۔

فائدہ: حاکم اور گورنر ہو جانے کے بعد راحت و آرام کے اسباب کثرت سے مُہیّا ہو ہی جاتے ہیں، ہر قسم کی نعمتیں بھی آسانی سے مُیسّر[4] ہو جاتی ہیں، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ یہ حاکم بنا کر بھیجے جا رہے تھے اس چیز سے بچنے کی خصوصی تنبیہ فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصایا[5] میں، اسی طرح حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی وصایا اور احکام میں اس چیز پر خاص طور سے تنبیہیں بڑی کثرت سے کی گئی ہیں۔

حضرت فَضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے قاضی تھے، اُن کی خدمت میں ایک صحابی کسی حدیث کی تحقیق کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے جا کر دیکھا کہ قاضی صاحب کے بال بھی پریشان سے ہیں اور پاؤں بھی ننگے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم اس زمین کے حاکم ہو، میں تمہارے بالوں کو بکھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زیب و زینت کی کثرت سے منع فرمایا تھا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ میں تمہیں ننگے پاؤں دیکھ رہا ہوں۔ حضرت فَضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد تھا کہ کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ عبداللہ بن مُغفّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں میں روزانہ کنگھا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [ابوداؤد]

حل لغات: ① قناعت کرنے والا۔ ② کافی ہوجائے۔ ③ زیادہ۔ ④ حاصل۔ ⑤ نصیحتوں۔

زہد و قناعت

⑭ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ رَحِمَهُ اللهُ مُرْسَلًا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. [رواه في شرح السنة وأبو نعيم في الحلية عن أبي مسلم كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میں تاجر بنوں اور مال جمع کروں، بلکہ یہ وحی بھیجی ہے کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحمید کرتے رہو اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) تم کو موت آجائے۔

فائدہ: یہ وحی جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، سورۂ حجر کی آخری آیت ہے اور حدیث پاک کا یہ مضمون متعدد[1] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا، چنانچہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درِّ منثور میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابو مسلم خولانی، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ بہترین آدمی دو شخص ہیں: ایک وہ جو اپنے گھوڑے کی باگ[2] پکڑے ہوئے اللہ کے راستہ میں جان دے دینے کو تلاش کرتا پھرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کے پاس چند بکریاں ہوں اور کسی جنگل یا پہاڑی میں (یعنی غیر معروف جگہ جہاں یکسوئی ہو) نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو اور اپنے مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہے، یہاں تک کہ اس کو اسی حال میں موت آجائے، آدمیوں کو اُس سے خیر[3] کے سوا کوئی (شر) نہ پہونچے۔ [درمنثور]

حق تعالیٰ شانہٗ کے اس پاک ارشاد کی تعمیل جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال[4] تک کر کے دکھادی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نظر رکھنے والوں سے مخفی[5] نہیں اور پھر جتنے جتنے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے انعامات زیادہ ہوتے تھے، اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عبادت میں انہماک[6] زیادہ ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں اور بھی زیادہ کوشش شروع کردی۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس آیتِ شریفہ میں تو آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں سب ہی معاف کردی گئیں، پھر اتنی مشقت حضور برداشت کرتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی طویل[7] نماز کردی کہ پاؤں پر ورم[8] آگیا اور عبادت میں اتنی کثرت[9] کردی کہ سوکھ کر

حل لغات: ① کئی۔ ② لگام۔ ③ بھلائی۔ ④ وفات۔ ⑤ پوشیدہ۔ ⑥ مشغولیت۔ ⑦ لمبی۔ ⑧ سوجن۔ ⑨ زیادتی۔

زہد وقناعت

پرانی مَشک① کی طرح سے ہو گئے اور جب وہ عرض کیا گیا جو اوپر گزرا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب ارشاد فرمایا: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں''؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں اتنی زیادہ کوشش فرماتے تھے کہ پرانی مَشک کی طرح سے بالکل سوکھ گئے تھے۔ اس کے بعد پھر وہی سوال و جواب ذکر فرمایا۔ حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں مبارک پھٹ گئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آ گیا تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں کثرت سے اس قسم کے مضمون نقل کیے گئے اور ان میں سے اکثر میں لوگوں کی طرف سے یہی درخواست کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو معافی کا قطعی② ارشاد قرآنِ پاک میں آ چکا ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں''؟ مذکور ہے۔ [درمنثور]

کیا ہم لوگ بھی کبھی اس چیز کو سوچ لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا فلاں خصوصی انعام ہوا ہے، اُس کے شکرانہ میں دو رکعت مختصر ہی پڑھ لیں۔ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے فتح کی خبر آتی یا کوئی خوشی کی بات سننے میں آتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم شکر کے لیے سجدہ میں گر جاتے اور ان سب احوال کے باوجود اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے خوف کا یہ حال تھا کہ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا، ''خدا کی قسم! مجھے معلوم نہیں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ قیامت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا''۔ [مشکوٰۃ] معلوم نہیں کا مطلب یہ ہے کہ تفصیلی احوال کا علم نہیں، بااختیار بادشاہ کو حق ہے کہ جو چاہے کرے۔

حضرت اُمِّ درداء رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ اس طرح مال کی تلاش اور جستجو کیوں نہیں کرتے، جس طرح فلاں شخص کرتے ہیں؟ (آخر وہ بھی تو مال کماتے ہیں، تم کو تو اس کی فکر ہی نہیں) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار③ گزار گھاٹی (میدانِ حشر) آنے والی ہے، اُس میں سے بھاری بوجھ والے (جن کے ذمہ حساب کتاب کا بوجھ ہو، سہولت④ سے) نہیں گزر سکتے، اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھاٹی میں ہلکا رہوں۔ [مشکوٰۃ] یعنی میرے ذمہ حساب کا زیادہ بوجھ نہ ہوتا کہ میں ہلکا پھُلکا اُس میں سے گذر جاؤں۔

ان حضرات کو بہت ہی خوف اس کا رہتا تھا کہ قیامت میں کیا گزرے گی؟ اس لیے ہر وقت وہاں

حل لغات: ① چمڑے سے بنا ہوا پانی بھرنے کا برتن۔ ② یقینی۔ ③ مشکل۔ ④ آسانی۔

زہد و قناعت

کی فکر اور تیاری میں مشغول رہتے تھے اور ہم کو ہر وقت دنیا کا فکر سوار رہتا ہے اور اُس گھاٹی کا خیال بھی نہیں آتا۔ حسّان بن سِنان رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ جارہے تھے، راستہ میں ایک مکان نظر پڑ گیا جو پہلے سے وہاں نہ تھا۔ کہنے لگے: یہ مکان کب بنا ہے؟ پھر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا: تو نے فضول[1] بات کیوں پوچھی؟ تجھے اس سے کیا غرض تھی کہ یہ کب بنا؟ تجھے ایک سال روزے رکھنے کی سزا دوں گا۔ ایک سال تک روزے رکھے کہ فضول بات کیوں کی؟۔ مالک بن ضَیغَم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت رِباحؒ قیسی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر عصر کے بعد آئے اور میرے والد کو پوچھنے لگے کہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا: سورہے ہیں۔ کہنے لگے کہ یہ وقت کیا سونے کا ہے؟ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ میں نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا کہ اگر آپ فرمادیں تو جگادیں۔ وہ آدمی اُن کے پیچھے گیا تو وہ اتنے میں ایک قبرستان میں داخل ہو چکے تھے اور وہاں اپنے آپ کو ملامت[2] کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے؟ ہاں، یہ کیا وقت سونے کا ہے، تجھے اس سے کیا مطلب تھا؟ آدمی جس وقت چاہے سووے، تجھے کیا خبر تھی کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں ہے؟ مجھے بھی اللہ کی قسم کہ تجھے سال بھر تک زمین پر سونے کے لیے نہیں لٹاؤں گا، مگر یہ کہ تُو بیمار ہوجائے یا تیری عقل جاتی رہے تو مجبوری ہے، تیرا ناس ہو، تُو کب تک لوگوں پر طعن کرتا رہے گا، تُو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ وہ قاصد[3] یہ دیکھ کر واپس آگیا اور اس کی ہمت نہ پڑی کہ اُن سے کوئی بات کرے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی ایک دن اپنے کپڑے اُتار کر سخت گرم ریت میں لوٹ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ مزہ چکھ لے اور جہنم کی گرمی اس سے بہت زیادہ سخت ہوگی، رات کو مُردار بنا (سوتا) رہتا ہے، دن کو بے کار پھرتا ہے۔ وہ اسی حال میں تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیکھ لیا، اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ عرض کرنے لگے: حضور! میری طبیعت پر ایسا غلبہ اس کا ہوا، کیا عرض کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اس کی ضرورت نہ تھی، تمہارے لیے آسمان کے سب دروازے کھول دیے گئے اور اللہ جَلّ شانُہٗ تمہارے ساتھ اپنے فرشتوں سے فخر کر رہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے لیے ان سے توشہ لو، سب نے اُن سے دعا کی درخواست کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب کے لیے دعا کرو۔

حضرت حذیفہ بن قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ جب تمہارا نفس کسی چیز کو چاہے، تو تم اس کی کیا صورت اختیار کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے اپنے نفس سے جتنا بُغض[4] ہے اتنا ساری دنیا میں کسی سے بھی نہیں، بھلا میں اس کی خواہش کو کیسے پورا کرسکتا ہوں جس سے

حل لغات: (۱) بے کار۔ (۲) لعن طعن۔ (۳) ایلچی۔ (۴) دشمنی۔

مجھے اس قدر نفرت ہو۔

حضرت مُجمّع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کوٹھے[1] کی طرف منہ اُٹھایا، تو ایک نامحرم عورت پر نگاہ پڑ گئی، انہوں نے عہد کرلیا کہ اتنے زندہ رہوں گا کبھی سر اوپر نہیں اُٹھاؤں گا۔

اس کے علاوہ بہت سے واقعات ان حضرات کے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیے ہیں، جن میں ذراسی معمولی بات بھی اگر ان سے صادر ہوجاتی تھی، تو اپنے نفس کو سخت سزا دیتے تھے اور یہ سب کیوں تھا؟ صرف اُسی گھاٹی کے ڈر کی وجہ سے، جس کا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے ذکر کیا اور ہم سب اُس سے ایسے مطمئن ہیں جیسا کہ وہ گھاٹی ان حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے راستہ میں آئے گی، ہم تو ہوائی جہاز میں سوار ہوکر اس پر سے گذر جائیں گے! ہم لوگ کس قدر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں کہ بھول کر بھی اُس گھاٹی کا خیال نہیں آتا۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے غلام کو (اپنے نوکر کو) اپنی اولاد کو جب اُن سے کوئی کوتاہی ہوجاتی ہے، سزا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر تنبیہ نہ کی گئی تو وہ بے قابو ہوجائیں گے، سرکش ہوجائیں گے؛ لیکن اپنے نفس کی کبھی پروا نہیں کرتا کہ یہ سرکش[2] ہوتا جارہا ہے۔ دوسروں کی سرکشی سے تجھے اتنا نقصان نہیں پہونچتا جتنا تیرے نفس کی سرکشی سے تجھے نقصان پہونچتا ہے، اس لیے کہ دوسروں کی سرکشی سے اگر نقصان پہونچتا ہے تو وہ تیری دنیا کا نقصان ہے اور تیرے نفس کی سرکشی سے تیری آخرت کو نقصان پہونچ رہا ہے جو کبھی فنا ہونے والی نہیں ہے، اُس کی نعمتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں، ان کا نقصان کتنا سخت نقصان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف[3] میں سے اگر کسی سے آخرت کے کاموں میں کچھ کوتاہی ہوجاتی تھی، تو وہ اُس کی تلافی کا انتہائی فکر کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرتبہ عصر کی نماز جماعت سے فوت[4] ہوگئی تو انہوں نے اس کی تلافی[5] میں ایک باغ جس کی قیمت دو لاکھ درہم تھی، صدقہ کردیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جس دن کسی نماز کی جماعت فوت ہوجاتی تو اُس دن شام کو ساری رات جاگا کرتے تھے۔ ایک دن مغرب کی نماز کو دیر ہوگئی تھی، تو دو غلام اس کی تلافی میں آزاد کیے۔ جب کسی شخص کو عبادات میں سستی پیدا ہو تو مناسب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے کسی ایسے بندے کی صحبت میں رہے، جو عبادت میں زیادہ انہماک سے مشغول ہو اور اگر کسی ایسے کی صحبت مُیَسّر[6] نہ آوے تو پھر ایسے لوگوں کے احوال کو عبرت اور غور کی نگاہ سے پڑھا کرے (جن میں سے بہت سے واقعات ''روض الریاحین'' میں لکھے ہیں، جس کا مختصر اُردو ترجمہ ''نُزْہَۃُ الْبَسَاتِیْن'' بھی ہے۔)

حل لغات: (۱) اوپر کا کمرہ۔ (۲) نافرمان۔ (۳) پہلے کے بزرگوں۔ (۴) چھوٹنا۔ (۵) بھرپائی۔ (۶) حاصل۔

زہد و قناعت

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب مجھے عبادات میں سستی ہونے لگتی ہے، تو میں حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دیکھتا ہوں اور ایک ہفتہ مسلسل اس عمل کو جاری رکھتا ہوں (اسی طرح دوسرے اولیاء اللہ کی سوانح عمریاں[1] ہیں بشرطیکہ معتبر حضرات کی لکھی ہوئی ہوں) کہ ان لوگوں کے احوال کا دیکھنا، اس شوق کے پیدا کرنے کے لیے بہت زیادہ مفید ہے اور یہ چیز بھی سوچنے کی ہے کہ ان کی ساری مشقّتیں اور محنتیں آخر ختم ہوگئیں؛ لیکن اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی نعمتیں، ان کی راحتیں باقی رہ گئیں جو کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ کس قدر حسرت ہے ہم جیسوں پر جو ان احوال کو جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی دنیا کمانے میں اور دنیا کی لذتوں میں مشغول رہتے ہیں اور ان ہمیشہ کے مزے اڑانے والوں کے حالات سے بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے اور بعض لوگوں نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ایسے لوگوں پر رحم فرمائے، جن کو لوگ بیمار سمجھیں اور وہ واقع[2] میں بیمار نہ ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن کو عبادت کی کثرت نے مشقت میں ڈال رکھا ہے، جس سے لوگ ان کو بیمار سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے اور ان کی صحبتوں میں رہا ہوں، جن کو دنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوشی نہ ہوتی تھی، جانے سے رنج[3] نہ ہوتا تھا، ان کی نگاہ میں دنیا کے مال ومتاع[4] کی حقیقت اُس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی، جو جُوتوں میں لگی رہتی ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ عمر بھر میں کبھی نہ ان کا کوئی کپڑا اطے ہوکر رکھا گیا، نہ کبھی کسی کھانے کی چیز کے پکانے کی فرمائش کی، نہ کبھی سونے کے لیے ان کو بستر ہ کی ضرورت ہوئی، زمین پر لیٹے، سوگئے۔ زمین کے اور اُن کے درمیان میں کوئی چیز بھی آڑ نہ ہوتی تھی۔ وہ لوگ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے والے تھے، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا اتباع کرنے والے تھے۔ جب رات ہوجاتی تو ساری رات پاؤں پر (نماز میں) کھڑے رہتے یا زمین پر اپنے منہ کو (سجدہ میں) بچھادیتے اور ان کی آنکھوں سے ان کے رخساروں[5] پر آنسوؤں کی لڑی بندھی رہتی، رات بھر اپنے رب سے باتیں کرتے رہتے (صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نمازی آدمی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے) عذاب سے نجات کو اپنے مولیٰ سے مانگتے رہتے، جب کوئی نیک کام اُن سے ہوجاتا، اُس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ادا کرتے، اُس سے خوش ہوتے اور اس کے قبول کی دعا کرتے، جب کوئی بُری بات ہوجاتی، اس سے بہت رنجیدہ[6] ہوتے، اللہ سے توبہ کرتے، معافی کی دعا اور استغفار کرتے، اسی حال میں انہوں نے اپنی عمریں گذار دیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے تو ایک مجمع ان کی عیادت کے لیے گیا۔ ان میں ایک نوجوان نہایت کمزور زرد رنگ دُبلا پتلا[7] بھی تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت

حل لغات: (۱) زندگی کے حالات۔ (۲) حقیقت۔ (۳) غم۔ (۴) سامان۔ (۵) گالوں۔ (۶) غمگین۔ (۷) پیلا۔

فرمایا: تمہارا یہ کیا حال ہورہا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اَعذار[1] اور بیماریاں لاحق[2] ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں، صحیح بات بتاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے دنیا کا مزہ چکھا، وہ بہت ہی کڑوا نکلا، اُس کی رونق، اُس کی حلاوت[3]، اُس کا لطف، اُس کی راحت میری نگاہ میں بہت ہی ذلیل بن گئی، اُس کا سونا اور اس کا پتھر میری نگاہ میں بالکل برابر ہے اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا عرش گویا ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے اور میدانِ حشر میں ایک جماعت کا جنت کی طرف جانا، دوسری جماعت کا جہنم میں پھینکا جانا میری نگاہ کے گویا سامنے رہتا ہے، جس کی وجہ سے میں سارے دن اپنے کو (روزہ میں) پیاسا رکھتا ہوں اور ساری رات (اللہ کی یاد میں) جاگتا رہتا ہوں اور یہ دونوں چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عذاب کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھیگے ہوئے پی لیا کرتے تھے، روٹی نہ کھاتے تھے۔ کسی نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا کہ اس کے پینے میں اور روٹی چبا کر کھانے میں قرآن پاک کی پچاس آیتوں کا حرج[4] ہوتا ہے۔ ایک دن اُن کے گھر میں کوئی شخص آیا، وہ کہنے لگا کہ آپ کے حجرہ کی کڑی ٹوٹ گئی وہ فرمانے لگے کہ میں نے بیس[20] برس سے اس کی چھت نہیں دیکھی۔

یہ حضرات جیسے فضول[5] بات کرنے سے احتراز[6] کرتے تھے، ایسے ہی اِدھر اُدھر فضول دیکھنے سے بھی بچتے تھے۔

محمد بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں احمد بن رزین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صبح سے عصر تک رہا، میں نے ان کو اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، کسی نے اُن سے اس کے متعلق پوچھا: تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھیں اس لیے دی ہیں کہ ان سے اس کی عظمت اور بڑائی کی چیزوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے، جب یہ نہ ہو تو وہ دیکھنا خطا ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کہتی ہیں کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی پنڈلیوں پر رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے ورم[7] آجاتا تھا، جب وہ نماز میں مُنہمِک[8] ہوتے تو میں اُن کے پیچھے بیٹھی ہوئی اُن کی حالت پر ترس کھا کر روتی رہتی تھی۔

حضرت ابوالدّرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں تین لذّت کی چیزیں نہ ہوتیں، تو میرے لیے اس دنیا میں ایک دن بھی جینا گوارہ[9] نہ تھا۔ ایک سخت گرمی کے دن دوپہر کے وقت (روزہ میں) پیاسے رہنے کی لذّت، دوسری آخری شب میں سجدہ کرنے میں جو لُطف[10] آتا ہے اُس کی لذّت، تیسری ایسے بزرگوں کی صحبت جن کی باتوں میں سے عمدہ میوے ایسے چنے جاتے ہیں، جیسے باغ میں سے عمدہ

حل لغات: (۱) مجبوریاں۔ (۲) لگی ہوئی۔ (۳) مٹھاس۔ (۴) نقصان۔ (۵) بے کار۔ (۶) پرہیز۔ (۷) سوجن۔ (۸) مشغول۔ (۹) پسند۔ (۱۰) مزہ۔

زہد و قناعت

عمدہ پھل چھانٹ کر چُنے جاتے ہیں ۔ اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ عبادت میں اتنی مَشَقَّت اٹھاتے اور گرمیوں کی شِدَّت[1] میں روزے رکھتے کہ اُن کا بدن کالا پڑ گیا تھا۔ علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ اپنے بدن کو اس قدر عذاب کیوں دیتے ہیں؟ فرمانے لگے: (قیامت میں) اُس کے اِعزاز[2] کے لیے، یعنی یہ مشقت اس لیے اُٹھاتا ہوں کہ قیامت کے دن اس بدن کو اعزاز نصیب ہو جائے۔ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز کھڑے ہو کر پڑھتے جب پاؤں رہ جاتے یعنی کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاتے تو ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے اور عصر کے بعد عاجزی سے بیٹھ کر کہتے: یا اللہ! اس مخلوق پر بڑی حیرت ہے کہ کس طرح انہوں نے تیرا بدل دوسری چیزوں کو بنالیا، کیسی تعجب کی بات ہے، ان کا دل تیرے سوا کسی چیز سے کس طرح مانوس[3] ہوتا ہے، بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تیرے ذکر کے سوا کوئی دوسری چیز ان کے دل میں کس طرح چمکتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سِرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اٹھانوے (۹۸) برس تک کسی نے اُن کو مرض الموت کے علاوہ لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ نے مکّہ مکرّمہ میں ایک سال کا اعتکاف کیا، جس میں نہ تو بالکل سوئے نہ بات کی، نہ کسی لکڑی یا دیوار پر سہارا لیا یا ٹیک لگائی۔ حضرت ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا کہ اِس مجاہدہ پر تمہیں کس چیز سے قدرت[4] حاصل ہوئی؟ وہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے میرے باطن[5] کی پختگی[6] کو دیکھا، اُس نے میرے ظاہر کو اس پر قدرت عطا فرمائی۔ حضرت ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر سوچ اور فکر میں گردن جھُکا لی اور تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہے، پھر اسی سوچ و فکر میں چلے گئے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن سعید موصلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گزرا وہ دونوں ہاتھ پھیلائے رو رہے تھے اور ان کے آنسو انگلیوں کے بیچ میں سے نیچے گر رہے تھے اور وہ زرد تھے (یعنی آنسوؤں میں خون کی آمیزش[7] تھی)۔ میں نے اُن سے قسم دے کر پوچھا کہ یہ خون کے آنسو کس صدمہ سے گرا رہے ہو (خیر تو ہے کیا آفت آ گئی)؟ وہ فرمانے لگے کہ اگر تم قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ ہاں میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں نے حق تعالیٰ شانُہٗ کا جو حق مجھ پر تھا، اس کو ادا نہیں کیا، میں نے کہا کہ خون کیوں آ گیا؟ کہنے لگے: اس خوف سے کہ میرا یہ رونا کہیں غیر معتبر اور جھوٹا (نفاق سے) نہ ہو۔ وہ شخص کہتے ہیں کہ جب ان کا انتقال ہو گیا، تو میں نے ان کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: میری مغفرت ہو گئی، میں نے پوچھا کہ تمہارے آنسوؤں کا کیا

حل لغات: (۱) تیزی۔ (۲) عزت۔ (۳) گھل مل جانا۔ (۴) طاقت۔ (۵) اندر، دل۔ (۶) مضبوطی۔ (۷) ملاوٹ۔

حشر ہوا؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے مجھے اپنے قریب فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ آنسو کیسے تھے؟ میں نے عرض کیا: اس پر رنج تھا کہ آپ کا جو مجھ پر حق واجب ہے، وہ میں ادا نہ کرسکا، ارشاد ہوا کہ خون کیوں تھا؟ میں نے عرض کیا: اس خوف سے کہ یہ رونا جھوٹا نہ ہو، غیر معتبر نہ ہوجائے۔ ارشاد ہوا کہ آخر تُو اس سب سے کیا چاہتا تھا؟ میری عزت کی قسم! تیرے ''کراماً کاتبین'' چالیس سال سے تیرے اعمال کا صحیفہ ایسا لا رہے ہیں کہ ان میں کوئی خطا لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔

عبد الواحد بن زید رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کہتے ہیں کہ میرا گزر ایک گرجا پر ہوا، وہاں ایک راہب (دنیا سے مُنقطع[1]) رہتا تھا۔ میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی، وہ نہ بولا، پھر دوسری دفعہ پکارا، پھر بھی نہ بولا، پھر تیسری دفعہ جب میں نے پکارا، تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں راہب نہیں ہوں۔ راہب وہ شخص ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرتا ہو، اس کی کبریائی میں اس کی تعظیم کرتا ہو، اُس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو پھر اس کے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو، اُس کی نعمتوں کا شکر کرتا ہو، اُس کی عظمت کے سامنے تواضع سے رہتا ہو۔ اُس کی عزت کے مقابلہ میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو، اس کی قدرتِ کاملہ کا اطاعت کرنے والا ہو، اُس کی ہَیبت[2] سے عاجزی کرتا ہو۔ اس کے حساب اور اس کے عذاب کی ہر وقت فکر میں رہتا ہو، دن میں روزہ رکھتا ہو، رات کو بیدار رہتا ہو، جہنم کے خوف نے اور میدانِ حشر کے سوال نے اس کی نیند اُڑادی ہو، جس میں یہ باتیں ہوں وہ راہب ہے۔ میں تو ایک ہڑکایا کتّا ہوں، اس وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں۔ میں نے اُس سے پوچھا کیا بات ہے کہ لوگ حق تعالیٰ شانُہٗ کی بڑائی کو جانتے ہیں پھر بھی اُس سے اُن کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے۔ اُس نے کہا کہ صرف دنیا کی محبت نے اور اس کی زیب وزینت[3] نے ان کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔ دنیا گناہوں کا گھر ہے سمجھ دار اور عاقل[4] وہ شخص ہے جو اس کو اپنے دل سے پھینک دے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف متوجہ ہوجائے اور ایسے کام اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے قریب کردیں۔

حضرت اُوَیس قَرنی رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ جو مشہور بزرگ ہیں، کسی دن فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے پس تمام رات رکوع میں گذار دیتے۔ پھر کہتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے تو تمام رات ایک سجدہ میں گذار دیتے۔ جب عتبہ غلام تائب[5] ہوئے، تو کھانے پینے کی ذرا بھی پروانہ کرتے تھے۔ اُن کی ماں نے ایک مرتبہ ان سے کہا: اپنے نفس پر رحم کھا، کچھ راحت بھی لے لیا کر، کہنے لگے کہ اس پر رحم کھانے ہی کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں، تھوڑے دن کی مَشقّت ہے، پھر ہمیشہ ہمیشہ راحت ہی لینا ہے۔ عبد اللہ ابن داؤد رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کہتے ہیں کہ یہ (بزرگ حضرت) جب کوئی ان میں چالیس[4] سال کی عمر کو پہونچ جاتا

حل لغات: (۱) الگ تھلگ۔ (۲) ڈر۔ (۳) چمک دمک۔ (۴) عقلمند۔ (۵) گناہوں سے توبہ کرنا۔

ہے، تو وہ بستر اُٹھا کر لپیٹ دیتا ہے یعنی پھر سونے کا نمبر ختم ہوجاتا ہے۔ حضرت کَہمَس بن حسن رحمۃ اللہ علیہ ہر رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے کہ اے ہر بُرائی کی جڑ (نماز کے لیے) کھڑا ہوجا۔ جب ضُعف[1] بہت زیادہ ہوگیا تو روزانہ پانچ سَو رکعتیں کردی تھیں اور اس پر رویا کرتے تھے کہ میرا آدھا عمل جاتا رہا۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، وہ صبح کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہوگئے تھے، مجھے خیال ہوا کہ اس وقت ان کا حرج ہوگا، میں فراغت[2] کے انتظار میں بیٹھ گیا، وہ اسی حال میں بیٹھے پڑھتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا، وہ ظہر کی نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے، پھر عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اُسی جگہ مغرب تک بیٹھے رہے، پھر مغرب کی نماز پڑھی، عشاء کی نماز پڑھی، پھر صبح تک وہیں جمے رہے، دوسرے صبح کی نماز کے بعد بیٹھے تھے، اسی حال میں کچھ غنودگی[3] سی آگئی۔ چونک کر کہنے لگے: یا اللہ! ایسی آنکھ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، جو بار بار سوتی ہو اور ایسے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں، جو بھرتا ہی نہ ہو۔ میں یہ سب حالت دیکھ کر وہاں سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ مجھے تو عبرت کے واسطے یہی کافی ہے جو میں نے دیکھ لیا۔

احمد بن حَرب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تعجب تو اس شخص پر ہے جس کو یہ معلوم ہے کہ آسمانوں پر اُس کے لیے جنت کو آراستہ[4] کیا جارہا ہے اور اس کے نیچے جہنم بھڑکائی جارہی ہے، اُن دونوں کے درمیان اس کو کیسے نیند آتی ہے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم بن اَدھَم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنی عَبَا[5] میں لپٹ کر ایک کروٹ لیٹے اور صبح تک اسی طرح لیٹے رہے، نہ تو حرکت کی، نہ کروٹ بدلی، صبح اُٹھ کر بغیر وضو کیے نماز پڑھ لی میں نے اُن سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم کرے ساری رات لیٹے سوتے رہے اور بغیر وضو ہی نماز پڑھ لی۔ فرمانے لگے کہ میں ساری رات کبھی جنت کے باغوں میں دوڑتا تھا، کبھی جہنم کی گھاٹیوں میں، ایسی حالت میں نیند کہاں آسکتی تھی؟

کہتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ چالیس[40] برس تک بستر پر نہیں لیٹے اور اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کھڑکی (کوٹھی) میں گناہ نہ کرنا، مَیں نے اس میں بارہ ہزار قرآن پاک ختم کیے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو مکان کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کونہ میں مَیں نے چوبیس ہزار[24000] قرآن ختم کیے ہیں۔

حضرت سَمنُون رحمۃ اللہ علیہ پانچ سَو رکعت نفل روزانہ پڑھتے تھے۔ انہیں کا ایک قصہ علّامہ زُبَیدی نے لکھا ہے کہ بغداد میں ایک شخص نے چالیس ہزار درم فقراء پر تقسیم کیے۔ سمنون رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے

حل لغات: (۱) کمزوری۔ (۲) فارغ ہونا۔ (۳) نیند۔ (۴) تیار۔ (۵) لمبا کوٹ، جُبہ۔

زہد و قناعت

کہ درہم تو ہمارے پاس ہیں نہیں، چلو ہم ہر درم کے بدلہ ایک رکعت نماز پڑھ لیں۔ یہ کہہ کر مدائن گئے اور وہاں چالیس ہزار رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر مُطوِّعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرا معمول اپنی جوانی میں اِکتیس ہزار یا چالیس ہزار مرتبہ۔ راوی کو شک ہے، روزانہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ شریف پڑھنے کا تھا۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبدالقیس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چار مہینے رہا، میں نے ان کو دن میں یا رات میں سوتے نہیں دیکھا۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھا کر دائیں جانب منہ کر کے بیٹھے، آپ پر رنج کا اثر بہت تھا۔ طلوعِ[1] آفتاب تک آپ بیٹھے رہے، اس کے بعد ہاتھ کو (افسوس کے ساتھ) پلٹ کر فرمایا: خدا کی قسم! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیکھا، آج کوئی بات بھی ان کی مشابہت کی نہیں دیکھتا۔

وہ حضرات اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے، چہرے غُبار آلود[2] اور زَرد[3] ہوتے تھے، وہ ساری رات اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں پڑے رہتے تھے یا اُس کے سامنے کھڑے قرآن پاک پڑھتے رہتے تھے، کھڑے کھڑے کبھی ایک پاؤں پر سہارا دے لیتے تھے، کبھی دوسرے پاؤں پر، جب وہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا ذکر کرتے تھے تو ایسے (مزے میں) جھومتے تھے جیسے کہ ہواؤں میں درخت حرکت کرتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے شوق اور خوف سے) ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو بہتے کہ اُن کے کپڑے تر ہوجاتے تھے۔ اب لوگ بالکل ہی غفلت میں رات گذار دیتے ہیں۔

حضرت ابومسلم خَوْلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کوڑا اپنے گھر کی مسجد میں لٹکا رکھا تھا اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ اُٹھ کھڑا ہو، میں تجھے (عبادت میں) اچھی طرح گھسیٹوں گا یہاں تک کہ تو تھک جائے گا، میں نہیں تھکوں گا اور جب اُن پر کچھ سُستی ہوتی تو اس کوڑے کو اپنی پنڈلیوں پر مارتے اور فرماتے کہ یہ پنڈلیاں پٹنے کے لیے میرے گھوڑے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ یہ بھی کہا کرتے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یوں سمجھتے ہیں (کہ جنت کے سارے درجے) وہی اُڑا کر لے جائیں گے، نہیں ہم ان سے (ان درجوں میں) اچھی طرح مُزاحمَت[4] کریں گے، تاکہ اُن کو بھی معلوم ہوجائے کہ وہ بھی اپنے پیچھے مردوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن صبح کو اپنی پھوپی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا۔ وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں اور یہ آیتِ شریفہ پڑھ رہی تھیں: ﴿فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ [سورۂ طور: ۲۷] ’’پس احسان کیا

حل لغات: (۱) سورج کا نکلنا۔ (۲) گرد وغبار میں بھرے ہوئے۔ (۳) پیلے۔ (۴) مقابلہ۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے ہم پر، پس ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالیا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیتِ شریفہ کو بار بار پڑھتی جاتی تھیں اور روئی جاتی تھیں۔ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بہت دیر تک تو انتظار کرتا رہا، پھر مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بازار ہو آؤں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر واپسی میں سلام کرتا جاؤں گا۔ میں بازار چلا گیا اور وہاں سے فراغت کے بعد جب میں واپس آیا، تو وہ اُسی طرح کھڑی ہوئی اسی آیت کو پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔

محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے جب آئے، تو اُن کے ایک پاؤں میں تکلیف تھی، وہ عشاء کے بعد صرف ایک پاؤں کے سہارے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی پاؤں پر کھڑے نفل پڑھتے رہے، حتّٰی کہ اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے موت سے صرف اس لیے ڈر لگتا ہے کہ پھر تہجد کی نماز جاتی رہے گی (اور وہ لطف[1] جو اس نماز میں آتا ہے، وہ ختم ہو جائے گا)۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ کا ارشاد ہے کہ صلحاء کی علامت رات کے جاگنے سے چہروں کا زرد[2] ہو جانا اور راتوں کو رونے کی وجہ سے آنکھوں کا چوندھا ہو جانا اور روزوں کی کثرت سے ہونٹوں کا خشک ہو جانا ہے، ان کے چہرے خوفزدہ رہتے ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ عبادت کی کثرت کرنے والوں کے چہرے ایسے خوبصورت کس طرح ہو جاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ تنہائی میں رحمان کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، تو وہ رحمت والا اپنے نور کا سایہ اُن پر ڈال دیتا ہے۔ حضرت قاسم بن راشد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زمعہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے قریب مُحَصَّب میں (جو مکّہ مکرّمہ کے قریب ایک جگہ ہے) ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور بیٹیاں بھی تھیں، وہ رات کو بہت لمبی نماز پڑھتے رہتے۔ جب پچھلا پہر ہو جاتا، تو وہ زور سے آواز دیتے: اَرے مسافرو! کیا رات بھر سوتے ہی رہو گے اُٹھو چلو۔ اس آواز پر سب کے سب جاگ جاتے، کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی کسی کونے میں بیٹھا رو رہا ہے، کوئی قرآن پاک پڑھ رہا ہے، جب صبح ہو جاتی تو وہ فرماتے، رات کے چلنے والے صبح کو ٹھہر جایا کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں بیت المُقدَّس کے پہاڑوں میں جا رہا تھا۔ ایک جگہ پہونچ کر میں نے ایک آواز سُنی، میں اُس آواز کی طرف چل دیا، دیکھا کہ ایک سبزہ[3] ہے وہاں ایک درخت ہے اس کے نیچے ایک شخص کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ آیت بار بار پڑھتے ہیں: ﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۚ

حل لغات: (۱) مزہ۔ (۲) پیلا۔ (۳) ہریالی۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ﴾ [سورۂ اٰلِ عمران:۳۰] ترجمہ: جس دن ہر شخص اپنے اچھے کاموں کو (جو اُس نے دنیا میں کیے ہوں گے) سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے بُرے کاموں کو (بھی سامنے لایا ہوا پائے گا) اوراس بات کی تمنا کرتا ہوگا، کاش اُس دن کے درمیان اور اُس آدمی کے (یعنی میرے) درمیان بہت بڑی دُور دراز کی مسافت[۱] حائل[۲] ہوجاتی (کہ یہ بُرے اعمال اس کے سامنے نہ آتے) اورتم کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ اپنے سے ڈراتا ہے۔'' (اس کے مطالبہ اور حساب اور عذاب سے بہت اہتمام سے ڈرتے رہو)۔

یہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں چُپکے سے ان کے پیچھے بیٹھ گیا، وہ بار باراسی آیتِ شریفہ کو پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے، اتنے میں انہوں نے زور سے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر گئے۔ مجھے بہت قلق[۳] ہوا کہ یہ میری نحوست[۴] سے بیہوش ہوکر گر گئے۔ بہت دیر میں ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جھوٹے طور پر کھڑے ہوکر رونے والوں سے (گویا انہوں نے اپنے اس پڑھنے اور رونے کو نفاق کا رونا قرار دیا) اور اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بیہودہ لوگوں کے اعمال سے (کہ میرا یہ پڑھنا اور رونا لغو[۵] آدمیوں کا پڑھنا ہے کہ میرے برابر دوسرا کون بے ہودہ ہوگا) اے اللہ! میں تجھ سے غافل لوگوں کے اعراض سے پناہ مانگتا ہوں (کہ یہ میرا فعل بھی غفلت کے ساتھ ہورہا ہے) پھر کہنے لگے: یااللہ! ڈرنے والوں کے دل تیری ہی طرف عاجزی کرتے ہیں اور نیک عمل میں کوتاہی کرنے والے تیری ہی (رحمت کی) طرف اُمیدیں لگاتے ہیں، عارف[۶] لوگوں کے دل تیری ہی بڑائی کے سامنے ذلیل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے (جیسا کہ مٹی وغیرہ ہاتھ کو لگ جانے سے جھاڑے جاتے ہیں) اور فرمایا: مجھے دنیا سے کیا کام اور دنیا کو مجھ سے کیا کام، اے دنیا تو اپنے بیٹوں کے پاس چلی جا، تو اپنی نعمتوں کے قدردانوں کے پاس چلی جا، تو اپنے عاشقوں کے پاس چلی جا، انہیں کو دھوکہ میں ڈال (مجھے دِق[۷] نہ کر) پھر کہنے لگے: پہلے زمانوں والے کہاں چلے گئے؟ سب کے سب مٹی میں مِل گئے بوسیدہ[۸] ہوکر خاک[۹] میں رَل[۱۰] گئے اور جو جو زمانہ گزر رہا ہے لوگ فنا[۱۱] ہوتے جارہے ہیں۔ میں نے اُن بزرگ سے کہا کہ میں بڑی دیر سے آپ کے فارغ ہونے کے انتظار میں بیٹھا ہوں، فرمانے لگے: ایسے شخص کو فراغت کہاں ہوسکتی ہے جس کو وقت ختم ہونے کا فکر ہورہا ہے؟ وہ جلدی کرتا ہے کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے کچھ کرلوں اور وقت جلدی کر رہا ہے کہ میں کسی طرح جلدی ختم ہوجاؤں۔ وہ کیسے فارغ ہوسکتا ہے جس کو وقت گزر جانے سے موت کے جلدی آجانے کا فکر سوار ہو؟ وہ کیسے فارغ ہوسکتا ہے جس کے اوقات تو گذرتے جارہے ہوں اور ان گذرے ہوئے

حل لغات: (۱) فاصلہ۔ (۲) بیچ میں آجانا۔ (۳) افسوس۔ (۴) بدبختی۔ (۵) بے کار۔ (۶) خدا کو پہچاننے والا۔ (۷) تنگ کرنا۔ (۸) گلنا سڑنا۔ (۹) مٹی۔ (۱۰) مِل۔ (۱۱) ختم۔

اوقات میں جو گناہ کیے ہیں وہ اس کے حساب میں جمع ہوں؟ پھر وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے: تُو ہی میری اس مصیبت کے لیے (یعنی جو گناہ میرے حساب میں جمع ہوگئے) اور ہر آنے والی مصیبت کے لیے پناہ کی جگہ ہے (تیری ہی رحمت سے بیڑا پار ہوسکے گا) پھر تھوڑی دیر اس میں مشغول رہے پھر قرآنِ پاک کی دوسری آیت ﴿ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ [سورۂ زمر:۴۷] ترجمہ: ''اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آئے گا، جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا''۔ یہ ایک آیتِ شریفہ کا ٹکڑا ہے۔ پوری آیتِ شریفہ یہ ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ ﴾ [سورۂ زمر:۴۷] اور اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: ''کہ جن لوگوں نے (دنیا میں) ظلم کیا تھا، (یعنی کفر وشرک وغیرہ کیا تھا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ شرک کرنا ظلمِ عظیم ہے) اگر ان کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان سب کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں، تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لیے (بے تردّد[1]) ان سب کو فدیہ میں دے دیں (لیکن فدیہ اُس دن قبول نہیں ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں کئی جگہ اور سورۂ مائدہ میں گزرا) اور (اُن لوگوں کے ساتھ) خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ معاملہ پیش آئے گا، جس کا ان کو (وہم اور) گمان بھی نہ تھا (کہ اتنی سختی ہو بھی سکتی ہے۔ اس جگہ کئی آیتیں اس مضمون کے مناسب ہیں) غرض ان بزرگ نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی اور پہلے سے بہت زیادہ زور سے چلائے اور بیہوش ہوکر اس طرح گرے کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ جان نکل گئی۔ میں اُن کے قریب پہونچا، تو وہ تڑپ رہے تھے، بہت دیر کے بعد افاقہ[2] ہوا تو وہ یہ کہہ رہے تھے: یا اللہ! میں جب (قیامت میں) آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو محض اپنے فضل سے میری بُرائیاں معاف کردیجیو اور (اپنی ستّاری کے) پردہ میں مجھے چھپالیجیو اور صرف اپنے کرم سے میرے گناہ معاف کردیجیو۔ میں نے اُن سے کہا کہ جس (پاک ذات) کی رحمت کی تم اُمید کررہے ہو، اُسی کے واسطے میری یہ درخواست ہے کہ ذرا مجھ سے بات کرلیجیے۔ وہ فرمانے لگے کہ تجھے ایسے شخص سے بات کرنا چاہیے جس کے کلام سے تجھے نفع پہونچے اور جس شخص کو اُس کے گناہوں نے ہلاک کررکھا ہو (یعنی مَیں) ایسے شخص سے بات کرنا چھوڑ دے۔ اس کے بعد فرمایا: میں اس جگہ اللہ جانے کتنے عرصہ[3] سے شیطان سے لڑرہا ہوں، میں اس سے لڑائی میں مشغول ہوں اور وہ مجھ سے لڑنے میں مشغول ہے (کہ وہ مجھ کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف توجہ سے ہٹانے کی ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے) اُس کو اب تک تیرے سوا کوئی صورت ایسی نہ ملی، جس سے وہ مجھے اس چیز سے ہٹا دیتا، جس میں مَیں مشغول ہوں

حل لغات: (۱) بغیر خوف کے۔ (۲) آرام۔ (۳) زمانہ۔

زہد وقناعت

(یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجّہ سے) پس تُو مجھ سے دور ہوجا، تُو (شیطان کے) دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، تُو نے میری زبان کو مُناجات[1] سے مُعطّل[2] کردیا اور میرے دل کو حق تعالیٰ شانُہٗ سے (ہٹا کر) اپنی بات کی طرف متوجہ کرلیا، میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے تیرے شر[3] سے پناہ مانگتا ہوں اور اس پاک ذات سے اس کی بھی اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے غصہ سے مجھے پناہ عطا فرمائے گا۔ یہ صاحب جو بات کرنا چاہتے تھے، کہتے ہیں: مجھے یہ ڈر ہوا کہ میں نے ان کی حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے توجّہ کو ہٹادیا ہے، ایسا نہ ہو کہ مجھ پر اس بات کی وجہ سے کوئی عذاب نازل ہوجائے، اس لیے میں ان کو اُسی جگہ چھوڑ کر چلا آیا۔ حضرت کُرز بن وَبرہ رحمۃ اللہ علیہ ہر روز تین[3] قرآن شریف ختم کرلیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ عبادات میں ہر وقت مُنہمک رہتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے نفس کو بڑی محنت میں ڈال دیا۔ فرمانے لگے کہ ساری دنیا کی عمر کتنی ہے؟ اُس نے عرض کیا: سات ہزار برس۔ فرمایا: قیامت کا دن کتنا ہے؟ عرض کیا: پچاس ہزار برس۔ فرمانے لگے: کیوں کر تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز رہ سکتا ہے کہ دن کے ساتویں حصہ میں محنت کرلے، تاکہ سارا دن راحت[4] سے رہے (یعنی اگر کسی شخص کو صرف ساڑھے تین گھنٹہ محنت کرکے سارا دن راحت کا ملے، تو کون چھوڑ سکتا ہے؟) پس اگر قیامت کے دن کی راحت کے لیے کوئی دنیا کی پوری زندگی سات ہزار برس محنت کرلے تب بھی بڑے نفع کا سودا ہے، چہ جائیکہ آدمی کی عمر دنیا کی تمام عمر میں سے بھی بہت تھوڑا سا حصہ ہے اور آخرت کی زندگی قیامت کے دن کے بعد بھی بے انتہا ہے۔

یہ چند قصے نمونہ کے طور پر ذکر کیے گئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تھی پہلے زمانہ کے بزرگوں کی عادت اور خصلت۔ اگر تیرا مُتمرِّد[5] نفس عبادت خود نہیں کرسکتا، تو اُن مرمٹنے والوں کے اَحوال میں غور کر اور یہ غور کر کہ ان اکابر کا اِقتدا[6] اور ان بزرگوں کی جماعت میں شامل ہونا بہتر ہے، جو دین کے حکیم اور آخرت میں بصیرت رکھنے والے عقل مند تھے۔ یا اپنے زمانہ کے ان جاہل بیوقوفوں کا اقتداء بہتر ہے جو دین سے غافل ہیں۔ ایسا ہرگز نہ کر کہ عقل مندوں کا اتّباع چھوڑ کر احمقوں[7] کا اتباع کرے۔ اگر تجھے یہ وہم ہو کہ یہ قوی لوگ تھے، ان کا اقتداء مشکل ہے تو پھر چند عورتوں کے حالات بھی سُن لے اور تُو مَرد ہوکر اس سے تو عاجز نہ بن کہ عورتوں جیسا بھی نہ ہو۔ تُو ہی غور کر وہ مَرد کتنا خسیس[8] ہے جو دین میں عورتوں کا بھی ساتھ نہ دے سکے۔ اب غور سے سُن۔

حضرت حبیبہ عَدوِیہ رحمۃ اللہ علیہا جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوجاتیں تو اپنے کپڑوں کو اپنے اوپر

حل لغات: ① خدا کی تعریف۔ ② روکنا۔ ③ بُرائی۔ ④ آرام۔ ⑤ نافرمان۔ ⑥ پیروی۔ ⑦ بے وقوفوں۔ ⑧ نالائق، کمینہ۔

اچھی طرح لپیٹ کر چھت پر کھڑی ہوجاتیں اور دعا میں مشغول ہوجاتیں اور کہتیں: یا اللہ! ستارے چھٹک گئے اور لوگ سو گئے، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کردیے اور ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ تَخْلِیَہ[۱] میں چلا گیا اور میں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔ یہ کہہ کر نماز شروع کردیتیں اور ساری رات نماز پڑھتیں، جب صبح صادق ہوجاتی تو کہتیں: یا اللہ! رات چلی گئی اور دن کا چاندنا ہوگیا، کاش مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ میری یہ رات تو نے قبول فرمائی تا کہ میں اپنے کو مبارکباد دوں یا تو نے رَد فرمادی تا کہ میں اپنی تعزیت کروں۔ تیری عزت کی قسم! میں تو ہمیشہ اسی طرح کرتی رہوں گی، تیری عزت کی قسم! اگر تو نے مجھے اپنے دروازہ سے ڈھکیل دیا تب بھی تیرے کرم اور تیری بخشش کا جو حال مجھے معلوم ہے اُس کی وجہ سے میں تیرے دَر[۲] سے ہٹوں گی نہیں۔ حضرت عُجْرۃ رَحِمَہَا اللہُ عَلَیْہَا نابینا تھیں۔ ساری رات جاگتیں اور جب سَحَر[۳] کا وقت ہوتا تو بہت غمگین آواز سے کہتیں: یا اللہ! عابدوں کی جماعت نے تیری طرف چل کر رات کے اندھیرے کو قطع[۴] کیا، وہ تیری رحمت اور تیری مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ یا اللہ! میں صرف تجھ ہی سے سوال کرتی ہوں، تیرے سوا کسی دوسرے سے میرا سوال نہیں کہ تُو مجھے سابِقِین[۵] کے گروہ میں شامل کرلے اور اعلیٰ علیین[۶] تک پہونچادے اور مُقَرَّب[۷] لوگوں کے درجہ میں داخل کردے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کردے، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، ہر اونچے درجہ والے سے بلند ہے، سارے کریموں سے زیادہ کریم ہے۔ اے کریم (مجھ پر کرم کر) یہ کہہ کر سجدہ میں گرجاتیں کہ اُن کے رونے کی آواز سنائی دیتی اور صبح تک روتی رہتیں اور دعائیں کرتی رہتیں۔

یحییٰ بن بِسْطام رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ ہم حضرت شَعْوانَہ رَحِمَہَا اللہُ عَلَیْہَا کی مجلس میں حاضر ہوتے اور اُن کے رونے چلانے کو سنتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کسی وقت تنہائی میں اُن کے پاس جاکر سمجھائیں کہ اس رونے میں کچھ کمی کردیں۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اچھا جیسے تمہاری رائے ہو، ہم اُن کے پاس تنہائی میں گئے اور ان سے جاکر کہا: اگر تم اس رونے کو کچھ کم کردو اور اپنی جان پر ترس کھاؤ تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ بدن میں کچھ طاقت رہے گی دیر تک اس سے کام لے سکو گی۔ وہ یہ سن کر رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ میری تو یہ تمنا ہے کہ میں اتنا روؤں کہ آنکھ میں آنسو نہ رہے، پھر خون کے آنسوؤں سے رونا شروع کردوں یہاں تک کہ میرے بدن کا سارا خون آنکھوں سے نکلے، ایک بھی قطرہ خون کا نہ رہے اور کہنے لگیں کہ مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ مجھے رونا کہاں آتا ہے بار بار اسی لفظ کو کہتی رہیں کہ مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ یہاں تک کہ بیہوش ہوگئیں۔

حل لغات: (۱) تنہائی۔ (۲) دروازہ۔ (۳) صبح۔ (۴) کاٹنا۔ (۵) پہلے درجہ کے لوگ۔ (۶) جنت کا سب سے بڑا درجہ۔ (۷) قریبی۔

زہد وقناعت

محمد بن معاذ رَحمۃُاللہِ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عبادت گزار عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہونے کو جارہی ہوں، وہاں دیکھا کہ سارے آدمی جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ یہ سب کے سب دروازہ پر کیوں جمع ہو گئے؟ کسی نے بتایا کہ ایک عورت آرہی ہیں جن کے آنے کی وجہ سے جنت کو سجایا گیا ہے، یہ سب اُن کے استقبال کے واسطے باہر آ گئے ہیں۔ میں نے پوچھا: وہ عورت کون ہیں؟ کہنے لگے کہ اَیکہ کی رہنے والی ایک سیاہ[1] باندی ہیں، جن کا نام ''شعوانہ'' ہے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! وہ تو میری بہن ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ شعوانہ رَحمۃُاللہِ علیہا ایک نہایت عمدہ خوش نما اصیل[2] اُونٹنی پر بیٹھی ہَوا میں اُڑی آرہی ہیں۔ میں نے ان کو آواز دی کہ میری بہن تمہیں اپنا اور میرا تعلق معلوم ہے، اپنے رب سے دعا کر دو کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ کردے۔ وہ یہ سن کر ہنسیں اور کہنے لگیں: ابھی تمہارے آنے کا وقت نہیں آیا، لیکن میری دو باتیں یاد رکھنا (آخرت کے) غم کو اپنے ساتھ چمٹالو اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنی ہر خواہش پر غالب کر دو اور اس کی پروانہ کرو کہ موت کب آئے گی یعنی ہر وقت اس کے لیے تیار رہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک دن بازار جارہا تھا، میرے ساتھ میری حبشی باندی تھی، میں اس کو ایک جگہ بٹھا کر آگے چلا گیا اور اس سے کہہ گیا کہ یہیں بیٹھی رہنا، میں اَبھی آتا ہوں۔ جب میں واپس آیا تو وہ اس جگہ نہ ملی، مجھے بہت غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں گھر واپس آ گیا۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تو میرے چہرہ سے غصہ کو محسوس کیا، کہنے لگی: میرے آقا! عتاب[3] میں جلدی نہ کرو، ذرا میری بات سن لو، آپ مجھے ایسی جگہ بٹھا کر گئے، جہاں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں تھا، مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں یہ جگہ زمین میں نہ دھنس جائے (جس جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اُس جگہ جتنی جلدی عذاب آجائے قرینِ قیاس[4] ہے) اُس کی اس بات سے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو آزاد ہے۔ کہنے لگی: آقا تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگی کہ پہلے جب میں باندی تھی تو مجھے دوہرا ثواب ملتا تھا (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو غلام اللہ کی اطاعت کرے اور اپنے مولیٰ کی خدمت کرے، اُس کو دوہرا اَجر ہے) اب آپ نے آزاد کر کے میرا ایک اجر ضائع کر دیا۔

حضرت خواص رَحمۃُاللہِ علیہ جو مشہور بزرگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم حضرت رحلہ رَحمۃُاللہِ علیہا عابدہ کے پاس گئے، وہ روزے رکھتے رکھتے کالی پڑگئی تھیں اور نماز پڑھتے پڑھتے (پاؤں شَل[5] ہو گئے تھے جس کی وجہ سے) اَپاہج ہو گئی تھیں، بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں اور روتے روتے نابینا ہو گئی تھیں۔ ہم نے جا کر حق تعالیٰ شانُہٗ کی رحمت اور معافی کا ذکر کیا کہ شاید اس سے ان کے مجاہدہ کی شدت میں کچھ کمی آئے۔ انہوں

حل لغات: (۱) کالی۔ (۲) شریف، عمدہ۔ (۳) غصہ۔ (۴) سمجھ میں آنے والی بات۔ (۵) سُن۔

زہد و قناعت

نے میری بات سن کر بے[1] تحاشا ایک چیخ ماری، پھر کہنے لگیں کہ مجھے جو اپنی حالت معلوم ہے، اُس نے میرے دل کو زخمی کر رکھا ہے اور میرے جگر کو چھیل دیا۔ کاش میں تو پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی نماز کی نیت باندھ لی۔

نمونہ کے طور پر دو ایک واقعات ذکر کیے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی اس قسم کے واقعات عورتوں کے نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے نفس کی نگہد[2]اشت کرنے والا ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ ان محنت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے احوال کو غور وفکر کی نگاہ سے دیکھے تاکہ تیری طبیعت میں نشاط[3] بڑھے اور محنت کی تجھے حرص[4] پیدا ہو اور اپنے زمانہ کے آدمیوں کے احوال دیکھنے سے احتر[5]از کر کہ ان میں سے اکثر ایسے ملیں گے کہ اگر تُو ان کا اتباع کرے گا، تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ ان محنت کرنے والوں کے واقعات کی کوئی تعداد نہیں ہے، ہم نے نمونہ کے طور پر چند لکھے ہیں جو عبرت کے لیے کافی ہیں اگر تُو زیادہ حالات دیکھنا چاہے تو ''حِلیۃُ الاولیاء'' کا مطالعہ کیا کر کہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد والوں کے احوال تفصیل سے لکھے ہیں۔ (اور کچھ واقعات شارح اِحیاء نے بھی ذکر کیے ہیں) اور ان کے احوال کے دیکھنے سے معلوم ہوگا، تُو اور تیرے زمانے کے لوگ دین سے کتنے دور ہیں اور اگر تیرے دل میں اپنے زمانہ کے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آئے کہ پہلے زمانہ میں چوں کہ خیر کی کثرت تھی، اس لیے اس زمانہ میں یہ سہل[6] تھا، اب اگر ان حالات پر عمل کیا جائے، تو لوگ پاگل کہیں گے، اس لیے جو حشر اس زمانہ کے سب آدمیوں کا ہوگا، وہ میرا بھی ہو جائے گا۔ مصیبت جب عام آتی ہے، تو اس میں سب ہی کو شامل ہونا پڑتا ہے، تو یہ تیرے نفس کا دھوکہ ہے، تُو ہی بتا کہ اگر کہیں سے پانی کا سیلاب آ گیا ہو، جس میں سب ہی بہتے جا رہے ہوں، تو اگر کوئی شخص تیرنا جانتا ہے یا کسی اور ذریعہ سے بچ سکتا ہے، تو کیا وہ یہ سمجھ کر چپ ہو جائے کہ اس مصیبت میں تو سب ہی گرفتار ہیں، حالانکہ سیلاب کی مصیبت بہت تھوڑی دیر کی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ موت آ جائے گی، اس سے زیادہ تو کچھ نہ ہوگا اور آخرت کا عذاب نہایت سخت ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور ہمیشہ غور کرتے رہنا چاہیے۔ [اِحیاء]

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ کسی وقت تشریف رکھا کریں، تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں کہ کچھ ارشادات سنیں، انہوں نے فرمایا: مجھے چار کام اس وقت در[7]پیش ہیں، ان میں مشغول ہوں، ان سے فراغت[8] پر یہ ہو سکتا ہے۔

حل لغات: (۱) بے دھڑک۔ (۲) نگرانی۔ (۳) خوشی۔ (۴) لالچ۔ (۵) بچنا۔ (۶) آسان۔ (۷) سامنے۔ (۸) فرصت۔

زہد وقناعت

① جب اَزَل[1] میں عہد لیا گیا تھا، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے ایک فریق[2] کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہیں اور دوسروں کو فرمایا تھا کہ یہ دوزخی ہیں، مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میں کن میں ہوں۔
② جب بچہ ماں کے پیٹ میں شروع ہوتا ہے، تو اُس وقت ایک فرشتہ جو اُس نطفہ پر مقرر ہوتا ہے، وہ حق تعالیٰ شانُہٗ سے پوچھتا ہے کہ اُس کو سعید[3] لکھوں یا بد بخت؟ مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم مجھے کیا لکھا گیا۔
③ جب فرشتہ آدمی کی روح قبض کرتا ہے، تو یہ پوچھتا ہے کہ اس روح کو مسلمانوں کی روحوں میں رکھوں یا کافروں کی؟ نہ معلوم میرے متعلق اُس فرشتہ کو کیا جواب ملے گا۔
④ قیامت میں حکم ہوگا: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾ [سورۂ یٰسین:۵۹] آج مجرم لوگ فرماں برداروں سے علیٰحدہ ہو جائیں، مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میرا شمار کس فریق میں ہوگا۔ [تنبیہ الغافلین]

یعنی جب ان چاروں فکروں سے اَمن نصیب ہو جائے، اس وقت دوستوں سے بے فکری سے باتیں کرنے کا وقت مل سکتا ہے، اب تو میں ہر وقت ان فکروں میں رہتا ہوں، کہاں اطمینان سے بیٹھ سکتا ہوں۔

⑮ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ [متفق عليه، كذا في المشكوٰة]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کا غنی ہونا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا، بلکہ حقیقی غنا[4] تو دل کا غنی ہونا ہے۔

فائدہ: مطلب حدیث پاک کا بالکل ظاہر ہے کہ اگر آدمی کا دل غنی نہیں ہے، تو جتنا مال بھی اس کے پاس زیادہ ہو وہ مال کے خرچ کرنے میں فقیروں سے زیادہ کم خرچ ہوگا اور جتنا بھی مال اس کے پاس ہو، وہ ہر وقت اس کے بڑھانے کی فکر میں محتاجوں سے زیادہ پریشان ہوگا اور اگر اس کا دل غنی ہے، تو تھوڑا سا مال بھی اُس کو بے فکر رکھے گا اور جتنا ہوگا اس کے ہر وقت بڑھانے کے فکر سے آزاد ہوگا۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غنا کئی معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔ ایک تو غنا کے معنی کسی قسم کی حاجت نہ ہونے کے ہیں اس معنی کے اعتبار سے تو صرف حق تعالیٰ شانُہٗ غنی ہے کہ اس کو کسی چیز کی احتیاج[5] نہیں ہے، اسی معنیٰ کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝﴾ ”تم سب کے سب اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے محتاج ہو، وہ پاک ذات، بے احتیاج ہے، ہر قسم کی تعریف والا ہے“۔ دوسرے معنی حاجات کی کمی کے ہیں، اس معنیٰ کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانُہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: ① دنیا بنانے سے پہلے۔ ② جماعت۔ ③ نیک بخت۔ ④ بے پرواہ ہونا۔ ⑤ ضرورت۔

زہد و قناعت

کے متعلق سورۂ والضحیٰ میں ارشاد فرمایا: ﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو فقیر پایا، پھر آپ کو غنی بنادیا اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد حدیث بالا میں ہے کہ اصل غنا دل کا غنی ہونا ہے۔ تیسرے معنیٰ مال کی کثرت اور سامان کی فراوانی[1] کے ہیں، جس کو قرآن پاک میں: ﴿ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۷۳] میں ذکر فرمایا اس آیتِ شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ صدقات اصل حق ایسے لوگوں کا ہے، جو اللہ کے راستے میں گھر گئے ہوں اور ناواقف آدمی اُن کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مال دار سمجھتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: حضورِ اقدس ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی کثرت غنا ہے، میں نے عرض کیا بے شک، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی قلت[2] فقر ہے، میں نے عرض کیا بے شک، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غنا، صرف دل کا غنا ہے اور فقر صرف دل کا فقر ہے۔ [ترغیب]

حقیقت یہی ہے کہ اصل غنا دل کا غنا ہے جس خوش قسمت کو حق تعالیٰ شانہٗ نصیب فرمادے اور یہی حقیقی زُہد[3] ہے، جس دل کے اندر مال کی محبت بالکل نہ ہو، وہی غنی ہے، وہی زاہد ہے چاہے ظاہر میں اس کے پاس مال نہ ہو اور جس دل میں دنیا کی محبت ہو وہ فقیر ہے، وہ دنیا دار ہے، چاہے کتنا ہی مال اس کے پاس ہو۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ ایک حکیم کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے چار چیزیں تلاش کیں اور ان کی تلاش کا غلط راستہ اختیار کیا، ہم نے غنا کو مال میں تلاش کیا حالانکہ وہ مال میں نہیں تھا، بلکہ قناعت[4] میں تھا، (ہم اُس کو مال میں تلاش کرتے رہے، وہ جب وہاں تھا ہی نہیں تو کیسے ملتا) ہم نے راحت[5] کو (جان و مال کی) کثرت میں تلاش کیا، حالانکہ راحت اُن کی کمی میں تھی۔ ہم نے اعزاز[6] کو مخلوق میں تلاش کیا (کہ ان کی خوشی کے اسباب اختیار کریں تاکہ اُن کے یہاں اعزاز ہو) مگر وہ تقویٰ میں ملا۔ (اور بالکل صحیح ہے جس قدر آدمی میں تقویٰ زیادہ ہوگا، اتنا ہی اس کا اعزاز زیادہ ہوگا) ہم نے اللہ کی نعمت کو کھانے اور پہننے میں تلاش کیا (اور یہ سمجھا کہ اللہ کے بڑے انعامات ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا بڑا انعام اسلام کی دولت اور گناہوں کی ستّاری[7] ہے۔ (جس کو یہ دو نعمتیں حاصل ہیں اُس پر اللہ کا بڑا انعام ہے)۔

حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص کا دنیا مقصد بن جائے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کے دل پر تین چیزیں مُسلّط[8] کر دیتے ہیں۔ ایک ایسا غم جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو اور ایسا مشغلہ جس سے فراغت

حل لغات: ① زیادتی۔ ② کمی۔ ③ دنیا سے بے رغبتی۔ ④ تھوڑے پر اکتفا کرنا۔ ⑤ آرام۔ ⑥ عزت۔ ⑦ گناہوں کو چھپانا۔ ⑧ سوار۔

زہد و قناعت

نصیب نہ ہو اور ایسا فقر جس کا کبھی خاتمہ نہ ہو۔ [تنبیہ الغافلین]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنا عطا فرمایا ہو، تو اُس کے پاس رہا کرو اُس کو حکمت دی گئی ہے۔ [مشکوٰۃ]

(١٦) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ۔ [متفق علیه كذا في المشكوٰة]	ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جب آدمی کسی ایسے شخص کی طرف دیکھے جو مال میں یا صورت میں اپنے سے اعلیٰ ہو تو ایسے شخص کی طرف بھی غور کرلے جو اُن چیزوں میں اپنے سے کم ہو۔

فائدہ: یعنی آدمی جب کسی لکھ پتی کو دیکھے اور اس کو دیکھ کر للچائے اور افسوس کرے کہ یہ تو ایسا مال دار ہے، میں نہیں ہوں، تو کسی ایسے آدمی کو بھی غور کرلے، جس کو ناداری[1] کی وجہ سے فاقے کرنے پڑ رہے ہوں تاکہ پہلے افسوس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کا اُس پر شکر ادا ہو سکے کہ اُس نے ایسا نہیں کر رکھا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے سے زیادہ مالداروں کی طرف نگاہیں نہ لے جایا کرو، اپنے سے کم درجے والوں کو سوچا کرو اس سے اس نعمت کی حقارت[2] تمہارے دلوں میں نہیں ہوگی، جو اللہ جَلَّ شانہٗ نے تمہیں عطا کر رکھی ہے۔ [مشکوٰۃ]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب (ﷺ) نے سات نصیحتیں کی ہیں: (١) مجھے اس کا حکم فرمایا ہے کہ مسکینوں سے محبت کیا کروں اور ان کے قریب رہا کروں۔ (٢) مجھے اس کا حکم فرمایا ہے کہ میں اپنے سے اونچے لوگوں (زیادہ مالداروں) پر نگاہ نہ رکھا کروں، اپنے سے کم درجہ والوں پر نگاہ رکھوں (ان پر غور کیا کروں)۔ (٣) مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں صلہ رحمی کیا کروں اگرچہ وہ مجھ سے منہ پھیرے (یعنی جس کے ساتھ صلہ رحمی[3] کروں وہ مجھ سے غائب ہو دُور ہو یا یہ کہ وہ میرے ساتھ توجہ سے پیش نہ آئے، بلکہ مجھ سے رُوگردانی[4] کرے۔ ترغیب ترہیب کے الفاظ یہ ہیں کہ اگرچہ وہ مجھ پر ظلم کرے، اس سے دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے)۔ (٤) مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں کسی شخص سے کوئی چیز نہ مانگوں۔ (٥) مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں حق بات کہوں چاہے کسی کو کڑوی ہی لگے۔ (٦) مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا[5] کے مقابلہ میں کسی ملامت[6] کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کروں (یعنی جس چیز سے حق تعالیٰ شانہٗ راضی ہوں اُس کو اختیار کروں اس

حل لغات: (١) غریبی۔ (٢) نفرت۔ (٣) رشتہ جوڑنا۔ (٤) منہ پھیرنا۔ (٥) خوشی۔ (٦) لعن طعن کرنا۔

زہد و قناعت

کے کرنے پر احمق لوگ ملامت کریں تو کیا کریں۔) (۷) مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کثرت سے پڑھا کروں، اس لیے کہ یہ کلمات ایسے خزانہ سے اُترے ہیں جو خاص عرش کے نیچے ہے۔ [مشکٰوۃ]

لاحول کو کثرت سے پڑھنے کی ترغیب بہت کثرت سے روایات میں آئی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ دو خصلتیں[1] ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ ہوں حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو صابرین اور شاکرین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ جو شخص دین کے بارہ میں اپنے سے اونچے لوگوں کے احوال کو دیکھے اور ان کے اتباع کی کوشش کرے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے (محض اپنے فضل سے) اس کو اُس سے بہتر حالت میں رکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو صابر اور شکر کرنے والوں میں شمار فرمائیں گے اور جو شخص دین کے بارہ میں اپنے سے کم تَر لوگوں کو دیکھے (کہ فلاں تو اتنا بھی نہیں کرتا جتنا میں کرتا ہوں) اور دنیا کے بارہ میں اپنے سے اونچے لوگوں کو دیکھے اور اس پر افسوس کرے کہ میرے پاس اتنا نہیں ہے جتنا فلاں کے پاس ہے، وہ نہ صبر کرنے والوں میں شمار ہے نہ شکر گزاروں میں۔ [مشکٰوۃ]

عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اکثر مال داروں کے پاس بیٹھا کرتا تھا، تو میری طبیعت غمگین رہتی، کسی کا کپڑا اپنے کپڑے سے بہتر دیکھتا (تو اپنے کپڑے کے ادنیٰ[2] ہونے پر اپنی ذلت محسوس کرتا، جس سے رنج ہوتا) کسی کا گھوڑا اپنے گھوڑے سے اعلیٰ[3] دیکھتا، پھر میں نے فقراء کے پاس اپنی نشست[4] شروع کر دی، تو مجھے اُس رنج سے راحت مل گئی (کہ ان لوگوں سے اپنی چیزوں کو افضل دیکھتا ہوں)۔ [اِحیاء]

علماء نے لکھا ہے کہ نکاح بھی کسی غریب سے کرے، مال دار عورت سے نہ کرے، اس لیے کہ جو شخص مال دار عورت سے نکاح کرتا ہے، پانچ آفتوں میں گرفتار ہوگا۔ (۱) مہر زیادہ دینا پڑے گا۔ (۲) رخصتی میں دیر اور ٹال مٹول ہوگی (کہ اس کے جہیز کی تیاری ہی نہ ختم ہوگی)۔ (۳) اس سے خدمت لینا مشکل ہوگا۔ (۴) خرچ زیادہ مانگے گی۔ (۵) طلاق دینا چاہے گا، تو اُس کے مال کا لالچ طلاق نہیں دینے دے گا۔ کہتے ہیں کہ عورت چار چیزوں میں خاوند[5] سے کم تر ہونی چاہیے، ورنہ خاوند اُس کی نگاہ میں ذلیل ہوگا۔ عمر میں، قد کی لمبائی میں، مال میں، شرافت میں اور عورت چار چیزوں میں خاوند سے بڑھی ہوئی ہونی چاہیے۔ خوبصورتی میں، ادب میں، تقویٰ میں، عادتوں میں۔ [اِحیاء]

اور مال سے زیادہ اہم خِلقت[6] اور صحت کے اعتبار سے اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھنا ہے۔ ایک

حل لغات: (۱) عادتیں۔ (۲) معمولی۔ (۳) اچھا۔ (۴) بیٹھک۔ (۵) شوہر۔ (۶) پیدائش۔

زہد وقناعت

بزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے حاضر ہوکر اپنے فقر کی شکایت کی اور بڑی سخت پریشانی کا اظہار کیا کہ اس کے غم میں مرنے کی تمنا ظاہر کی، ان بزرگ نے دریافت کیا کہ تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لیے لے لی جائیں اور تمہیں دس ہزار درم مل جائیں، وہ اس پر راضی نہ ہوا، پھر فرمایا: اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں دس ہزار درم دے کر تمہاری زبان لے لی جائے، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا، پھر انہوں نے فرمایا کہ اس پر راضی ہو کہ تمہارے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں اور تم کو بیس ہزار درم دے دیے جائیں، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا، پھر فرمایا کہ اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں مجنوں[1] بنا دیا جائے اور دس ہزار درم دے دیے جائیں، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا، تو فرمانے لگے کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے اِقرار کے موافق پچاس ہزار سے زیادہ مالیت کا سامان تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے تمہیں عطا فرما رکھا ہے (اور یہ مثال کے طور پر چند چیزیں گنوائی ہیں)، پھر بھی تم شکوَہ[2] کر رہے ہو۔ ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ ایک بادشاہ کے پاس گئے، بادشاہ کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا، بادشاہ نے ان سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے، ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ گلاس پانی کا اُسی ساری سلطنت کے بدلہ میں مل سکتا ہے، جو تمہارے پاس ہے اور نہ خریدا جائے تو پانی ملنے کی کوئی صورت نہیں پیاسے ہی رہنا ہوگا، کیا تم راضی ہوجاؤ گے کہ ساری سلطنت دے کر پانی خریدو، ورنہ پیاسے مرجاؤ؟ بادشاہ نے کہا: یقیناً راضی ہوجاؤں گا، ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایسی بادشاہت پر کیا خوش ہونا، جس کی ساری قیمت ایک گلاس پانی ہو۔ ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی ایک ایک نعمت ہر شخص کے پاس ایسی ہے کہ لاکھوں کروڑوں اُس کی قیمت نہیں ہوسکتی۔

یہ تو عام نعمتیں ہیں جن میں ہر شخص کی شرکت ہے، اگر گہری نگاہ سے غور کیا جائے، تو ہر شخص کے ساتھ خصوصی نعمتیں حق تعالیٰ شانُہٗ کی ایسی ہیں، جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور تین چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان میں ہر شخص کو اعتراف[3] ہے کہ وہ اس نعمت میں ممتاز[4] ہے، کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں، ان میں سے ایک تو عقل ہے کہ ہر ایک شخص چاہے کتنا ہی بیوقوف ہو وہ یہ سمجھا کرتا ہے کہ میں سب سے زیادہ عقل مند ہوں، دوسرے اس بات کو نہیں سمجھتے جس کو میں سمجھتا ہوں، ایسی حالت میں چاہے واقعہ کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط، لیکن اس کے اپنے اعتقاد اور اقرار کے اعتبار سے اس پر حق تعالیٰ شانُہٗ کا ایک ایسا انعام ہے کہ یہ انعام کسی دوسرے پر نہیں ہے، ایسی حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی اس نعمت میں سب سے زیادہ شکر گزار بنے (اور اگر کسی معمولی چیز روپیہ پیسہ وغیرہ میں کسی دوسرے سے کم ہو، تو یہ سوچے کہ سب سے اشرف[5] چیز عقل میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہوں)۔ دوسری چیز عادات ہیں کہ ہر

حل لغات: (۱) پاگل۔ (۲) شکایت۔ (۳) ماننا۔ (۴) الگ تھلگ۔ (۵) اچھی۔

زہد و قناعت

شخص اپنے سوا دوسرے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی ایسی عادت سمجھا اور پایا کرتا ہے، جو اس کے نزدیک عیب ہوتی ہے اور گویا اُس کے نزدیک اُس کے سوا ہر شخص کے اندر کوئی نہ کوئی اخلاقی عیب ضرور ہے اور اپنی کسی عادت کو بھی (لفظوں میں چاہے مان لے مگر دل میں) عیب دار نہیں سمجھا کرتا، نہ اُس کے چھوڑنے کے درپے ہوتا ہے، ایسی حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اگر کسی ایک آدھ چیز میں دوسرے سے کم دے رکھا ہے، تو عادات کی نعمتوں میں اس کو خاص طور سے سب سے بڑھا رکھا ہے۔

تیسری چیز علم ہے کہ ہر شخص اپنے ذاتی حالات اور اندرونی احوال سے اتنا زیادہ واقف اور ان کا جاننے والا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کے احوال سے اتنا واقف نہیں ہوتا اور ان میں ایسی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں کہ آدمی ہرگز یہ گوارا[1] نہیں کرتا کہ اُس کے ان عیوب پر کوئی دوسرا مطلع[2] ہو، تو حق تعالیٰ شانُہٗ کا یہ احسان کہ اس کو اپنے احوال کا علم عطا فرمانے کے باوجود، دوسروں سے اُس کی ستّاری[3] فرما رکھی ہے اور اس کی یہ تمنا کہ میرے اس علم کی کسی کو خبر نہ ہو پوری کر رکھی ہے کہ ان میں دوسرا کوئی بھی شریک نہیں، کیا ایسی چیز نہیں ہے جس میں یہ سب سے ممتاز[4] ہے اور اس کا شکر اس کے ذمہ ضروری ہے؟ ان کے علاوہ ہزاروں چیزیں ہر شخص میں ایسی ہیں، جن کے متعلق وہ کبھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ چیز اس سے لے کر اس کے بدلہ میں اس کی ضد یا کوئی دوسری چیز دے دی جائے، مثلاً انسان ہونا ہے کوئی نہیں گوارا کرتا کہ اس کو آدمی سے بندر بنا دیا جائے۔ مرد ہونا ہے کوئی نہیں پسند کرتا کہ اس کو مرد سے عورت بنا دیا جائے۔ اسی طرح مومن ہونا ہے، حافظ قرآن ہونا ہے، عالم ہونا ہے، خوبصورت ہونا ہے، صاحب اولاد ہونا ہے۔ غرض اخلاق میں، صورت میں، سیرت میں، عزیز و اقارب[5] میں، اہل و عیال[6] میں، عزت، مرتبہ میں ہر شخص کے پاس ایسے خصوصی امور ملیں گے، جن کے تبادلہ پر وہ کبھی بھی راضی نہ ہوگا، تو کیا پھر یہ بات صحیح نہیں کہ ہر شخص پر حق تعالیٰ شانُہٗ کے ہزاروں ایسے خصوصی انعامات ہیں، جو دوسرے کو نصیب نہیں؟ ایسی حالت میں ان سب سے آنکھ بند کر کے اگر کوئی ایک دو چیزیں دوسرے کے پاس ہیں جو اس کے پاس نہیں ہیں، ان میں للچائے اور ناشکری کرے، کیا یہ انتہائی کمینہ پن نہیں ہے؟ اور اگر کسی کے پاس مال ہی زیادہ دیکھتا ہے تو ان اُمور میں جو اوپر ذکر کیے گئے، غور کرے کہ ان میں سے کتنی چیزیں ایسی ہیں جن میں یہ اُس شخص سے بڑھا ہوا ہے، جس پر رشک یا حسد[7] کر رہا ہے، دراں حالیکہ مجموعہ احسانات میں یہ خود اس سے بڑھا ہوا ہے۔ [اِحیاء]

اور اس سب کے بعد جو مال اس کے پاس ہے اُس کا حشر معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے؟ وہ اس

حل لغات: (۱) پسند۔ (۲) واقف۔ (۳) پردہ پوشی، عیب چھپانا۔ (۴) الگ۔ (۵) رشتہ دار۔ (۶) بال بچے۔ (۷) جلن۔

زہد و قناعت

کے لیے راحت کا سبب ہے، یا وبال جان ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ کسی فاجر[1] شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک نہ کرو، تمہیں خبر نہیں کہ مرنے کے بعد وہ کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے، اس لیے کہ فاجر شخص کے لیے اللہ کے یہاں ایسی ہلاکت ہے۔ یعنی جہنم جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ [مشکوٰۃ] آئندہ حدیث میں یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

(۱۷) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا رَأَيْتَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْآ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ [رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تو دیکھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی گناہ گار پر اس کے گناہوں کے باوجود دنیا کی وسعت[2] فرما رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ڈھیل ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا﴾ سے ﴿مُبْلِسُوْنَ﴾ تک تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پس جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی، تو ہم نے اُن پر (راحت کے) ہر قسم کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو ان کو ملی تھیں اترانے لگے، تو ہم نے ان کو دفعتہً[3] پکڑ لیا، پھر تو وہ حیرت میں رہ گئے۔

فائدہ: یہ آیتِ شریفہ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع کی ہے، اُوپر سے حق تعالیٰ شانہٗ نے جو معاملہ پہلی اُمتوں کے ساتھ فرمایا ہے، اُس کا اجمالی بیان ہے، جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ (ہم نے اور اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے) زمانہ میں تھیں، پیغمبر بھیجے تھے، مگر اُنھوں نے ان پیغمبروں کو نہ مانا (سو ہم نے ان کو تنگ[4] دستی اور بیماری) وغیرہ مصائب[5] میں مبتلا کیا اور ان سختیوں (کے ساتھ پکڑا، تا کہ وہ لوگ ڈھیلے پڑ جائیں) کہ آفتیں[6] آنے پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کو یاد کیا جاتا ہے، مگر وہ اس پر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، (پس جب اُن کو ہماری طرف سے سزا پہونچی تھی، تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی)، تا کہ اُن کی آہ وزاری[7] اور عاجزی اور توبہ سے ان کا قصور معاف کر دیا جاتا (لیکن اُن کے دل تو ویسے ہی سخت رہے اور شیطان اُن کے اعمال) بد کو[8] جن میں وہ مبتلا تھے اور ان کی حرکتوں (کو ان کی نگاہ میں آراستہ[9] کر کے دکھاتا رہا، پس جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے، جن کو اُن کو) پیغمبروں کی طرف

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) کشادگی۔ (۳) اچانک۔ (۴) غریبی۔ (۵) مصیبتیں۔ (۶) مصیبتیں۔ (۷) رونا دھونا۔ (۸) برا۔ (۹) سجانا۔

زہد و قناعت

سے (نصیحت کی جاتی تھی، تو ہم نے اُن پر) راحت وآرام اورعیش وعشرت کی (ہر چیز کے دروازے کھول دیے) جس سے وہ عیش پرستی میں خوب مست ہوگئے (یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ جواُن کو دی گئی تھیں، خوب اِترانے) اوراَکڑنے (لگے، تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑلیا) اورایسا فوری عذاب ایک دم اُن پر مُسلَّط[1] کردیا کہ ان کواس کا وَہم وگمان بھی نہ تھا، (پھر تو وہ حیرت میں رہ گئے) کہ یہ کیا ہوگیا، یہ مصیبت کہاں سے نازل ہوگئی؟ (پھر) تو ہمارے فوری عذاب سے (ظالموں کی بالکل جڑ کٹ گئی اوراللہ کا شکر ہے جوتمام جہان کا پروردگار ہے) کہ ایسے ظالموں کی جڑ کٹ گئی۔

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیتِ شریفہ کی تلاوت سے حق تعالیٰ شانُہٗ کی عادتِ شریفہ کی طرف اشارہ کرکے تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اورگناہوں کے باوجودعیش وعشرت اورراحت کے اَسباب کا ہونا بسااَوقات[2] حق تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، جس کو اِستدراج کہتے ہیں، جس کا قرآن پاک کی اس آیت میں ذکر ہے اوراس کے علاوہ بھی مُتعَدَّد[3] آیات میں اس پرتنبیہ فرمائی ہے، یہ بڑی خطرہ کی چیز ہے، اس لیے کہ اس میں اکثرفوری عذاب آدمی پرایسا مسلط ہوجاتا ہے کہ وہ حیران کھڑا رہ جاتا ہے اورکوئی راستہ اُس کواس آفت سے بچنے کانہیں ملتا، اس لیےاس سے بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ کسی قوم کو بڑھانا چاہتے ہیں، تو اُن میں میانہ رَوی[4] اور عِفّت[5] پیدا فرماتے ہیں اورجب کسی قوم کوختم کرنا مقصود ہوتا ہے، تو اس میں خیانت کا دروازہ کھل جاتا ہے، پھرجب وہ اپنی اس حرکت پرخوب خوش ہونے لگتے ہیں، تو ایک دم اُن پرعذاب مسلّط ہوجاتا ہے اوریہ آیت پڑھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس پروسعت کی جائے اوروہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میری ہلاکت کا پیش خیمہ[6] ہے، وہ سمجھ دارنہیں ہےاورجس پر تنگی ہواوروہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میرے لیےحق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف رجوع کرنے کے لیے مہلت ہے، وہ سمجھ دارنہیں۔ [درمنثور]

ایک حدیث میں ہے کہ خودحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی: یااللہ! جو مجھ پرایمان لائے اوران احکامات کوسچا جانے، جومیں لایاہوں، تو اُس کو مال کم عطا کر، اولادکم عطاکراوراپنی ملاقات کا شوق اس کوزیادہ دے اورجومجھ پرایمان نہ لائے اوران احکامات کوسچا نہ جانے، اُس کو مال بھی زیادہ دے، اولادبھی زیادہ دے اوراُس کی عمربھی زیادہ کر۔ [کنز]

بہرحال معاصی[7] کی کثرت کے ساتھ نعمتوں کا ہونا زیادہ خطرناک ہے اورایسے وقت میں بہت

حل لغات: (۱) سوار۔ (۲) کبھی کبھی۔ (۳) بہت سی۔ (۴) درمیانی چال۔ (۵) پاکدامنی۔ (۶) شروعات۔ (۷) گناہوں۔

زہدوقناعت

زیادہ توبہ استغفار اور حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو قریب ہی اس سے پہلی حدیث کے آخر میں گزرا کہ کسی فاجر(۱) کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک(۲) نہ کرو، تمہیں خبر نہیں کہ وہ مرنے کے بعد کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔

⑱ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ۔ [رواهُ الترمذي وابن ماجه كذا في المشكوٰة، وزاد السيوطي في الجامع الصّغير، أحمد والحاكم ورقم له بالصّحةِ]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو (اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں کا) مُطیع(۳) بنائے اور مرنے کے بعد کام آنے والے اعمال کرے اور عاجز (بیوقوف) ہے وہ شخص جو نفس کی خواہشوں کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھے۔

فائدہ: یعنی حالت تو یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں حرام حلال کی بھی پروا نہیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے بڑی بڑی اُمیدیں لگائے رکھتا ہے کہ وہ رحیم ہے کریم ہے، اور اُن اُمیدوں پر گناہ کی پروا نہ کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے سمجھ دار وہ ہے، جو موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور ننگا وہ ہے، جو دین سے خالی ہو، یا اللہ زندگی صرف آخرت ہی کی زندگی ہے۔ [جامع صغیر] یعنی وہی پائیدار(۴) زندگی ہے، جو اُس میں خالی ہاتھ گیا، تو اُس نے عمر بھی کھودی۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور مغفرت کا اُمیدوار ہونا اور اُس کی تمنا کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مانگنا دوسری چیز ہے اور اُس کی رحمت اور مغفرت کے گھمنڈ پر غرور اور یہ گمان کہ میں جو چاہے کرتا رہوں، میری مغفرت تو ہو ہی جائے گی، دوسری چیز ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد: ﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾ [سورۂ لقمان: ۳۳] اور دوسرا ارشاد: ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ﴾ [سورۂ حدید: ۱۴] یہ دونوں آیتیں غرور(۵) کی مَذمّت(۶) کے لیے بہت کافی ہیں۔ [اِحیاء]

پہلی آیت شریفہ سورۂ لقمان کے آخر میں ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”تم لوگوں کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے (کہ تم اس میں لگ کر آخرت کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ باز (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے“ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے

حل لغات: ① گنہگار۔ ② کسی کے برابر ہونے کی خواہش کرنا۔ ③ فرمانبردار۔ ④ باقی رہنے والی۔ ⑤ گھمنڈ، تکبر۔ ⑥ بُرائی۔

دھوکہ میں ڈال دینے کا مطلب یہ ہے کہ تو گناہ کرتا رہے اور مغفرت کی تمنائیں کرتا رہے۔

دوسری آیتِ شریفہ سورۂ حدید کے دوسرے رکوع کی ہے، جس میں اوپر سے قیامت کے دن کے ایک منظر کا ذکر ہے کہ اُس دن مسلمانوں کے سامنے ایک نور دوڑتا ہوا ہوگا، جو اُن کے آگے آگے چل رہا ہوگا (یہ پُل صراط پر سے گزرنے کے لیے ہوگا) اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۞ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۞ ﴾ [سورۂ حدید: ۱۳، ۱۴] ترجمہ: اُس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو، تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، تو اُن کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، وہاں روشنی تلاش کرو، پھر قائم کردی جائے گی ان کے درمیان ایک دیوار، جس کا ایک دروازہ ہوگا کہ اُس کے اندرونی جانب رحمت ہے اور اس کے باہر کی طرف عذاب، (پھر وہ منافق) آواز دیں گے: کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ (مسلمان) کہیں گے کہ ہاں! ساتھ تھے تو سہی، لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصائب کے متمنی[1] اور) منتظر رہا کرتے (اور اسلام کے حق ہونے میں) تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہُودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ خدا کا حکم (موت کے متعلق) آپہونچا اور تم کو دھوکہ دینے والے (شیطان) نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔

ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ ﴿ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ یعنی تم نے گناہوں کے ساتھ اپنے آپ کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا اور تم کو تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا کہ تم یہ کہتے تھے کہ ہماری مغفرت ہوجائے گی۔ [درمنثور] صاحب مظاہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "کہ شیخ ابن عُبادشاذلی رحمۃ اللہ علیہ بیچ شرح حِکَم کے کہتے ہیں کہ علماءِ باللہ نے کہا ہے کہ رجاء کاذِب[2] کہ مغرور ہو صاحب اُس کا اُس پر اور باز رہے عمل سے اور دلیر کرے اُس کو گناہوں پر، حقیقت میں رجاء نہیں ہے، بلکہ وہ آرزو اور فریب شیطان کا ہے۔ اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ طلب کرنا بہشت[3] کا بے عمل کے ایک گناہ ہے گناہوں سے، اور اُمید شفاعت بے سبب و[4] بے علاقہ ایک قسم ہے فریب[5] سے، اور اُمید رکھنا رحمت کا اُس سے کہ فرماں برداری نہ کرے اُس کی حُمق[6] اور جہالت ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حل لغات: ① خواہش مند، آرزو کرنے والا۔ ② جھوٹی امید۔ ③ جنت۔ ④ بے تعلق۔ ⑤ دھوکہ۔ ⑥ بیوقوفی، نادانی۔

کہتے ہیں کہ ایک قوم کو باز رکھا، بخشش کی آرزؤں نے، یہاں تک کہ باہر نکلی دنیا سے اور حال یہ ہے کہ نہیں ہے اُن کے لیے نیکی، کہتا ہے ایک اُن میں سے کہ اچھا رکھتا ہوں میں گمان اپنے پروردگار سے کہ بخشنے والا ہے؛ جھوٹ کہتا ہے، اگر اچھا ہوتا گمان اس کا ساتھ پروردگار کے تو اچھے عمل کرتا۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دُور رہو اے بندگان خدا ان آرزوؤں باطل سے کہ یہ وادی احمقوں کی ہیں کہ پڑے ہیں لوگ ان میں، قسم ہے خدا تعالیٰ کی نہ دی خدا تعالیٰ نے کسی بندے کو اس کی آرزوؤں سے خیر دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ [مظاہر حق]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر سعادت[1] کی کُنجی[2] چوکنا رہنا اور سمجھ سے کام کرنا ہے اور ہر قسم کی بدبختی کا چشمہ غرور[3] اور غفلت ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ کا کوئی احسان ایمان اور معرفت سے بڑھ کر نہیں ہے اور اُن کے لیے کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بصیرت کے نور[4] کے ساتھ دل میں انشراح[5] پیدا کر دے اور حق تعالیٰ شانُہٗ کا کوئی عذاب کفر اور مَعصیت[6] سے بڑھ کر نہیں ہے اور اس کا مُحرِّک[7] صرف یہ ہے کہ جہالت کی ظلمت[8] سے دل کی آنکھ اَندھی ہو جائے، پس سمجھ دار اور بصیرت والے لوگوں کے دل ایسے ہیں جیسا کہ کسی طاق میں نہایت روشن چراغ (بجلی کا قمقمہ) رکھا ہوا ہو، جس کی مثال قرآنِ پاک کی آیت: ﴿ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ﴾ الاية۔ [سورۂ نور: ۳۵]

اور غرور میں پڑے ہوئے لوگوں کے دل ایسے ہیں جیسا کہ بہت سی تاریکیوں میں کوئی شخص ہو کہ کوئی چیز اس کو نظر نہ آتی ہو: ﴿ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ ﴾ الاية۔ [سورۂ نور: ۴۰]

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ غرور ہی اصل سر[9] چشمہ ہر ہَلاکت کا ہے، تو اُس کی تھوڑی سی تفصیل معلوم ہونے کی ضرورت ہے تاکہ اُس سے اہتمام سے بچا جا سکے۔ غرور کی مَذمت[10] قرآنِ پاک اور احادیث میں کثرت سے وارد ہوئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے، جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرتا رہے اور احمق[11] وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ پر تمنائیں کرے۔ اور احادیث میں جہل کے متعلق جتنی مذمتیں اور وعیدیں آئی ہیں، وہ ساری غرور پر بھی صادق آتی ہیں، اس لیے کہ غرور جہل سے پیدا ہوتا ہے بلکہ جہل ہی کا جزو[12] ہے، اگرچہ ہر جہل غرور نہیں، لیکن ہر غرور جہل ضرور ہے اور ان میں سب سے بڑھا ہوا جہل و غرور کفار اور فاسق فاجر[13] لوگوں کا ہے، جو کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے، اس وقت موجود ہے اور آخرت اُدھار

حل لغات: (۱) نیک بختی۔ (۲) چابی۔ (۳) گھمنڈ، تکبر۔ (۴) دل کی روشنی۔ (۵) کھلنا، واضح ہونا۔ (۶) گناہ، نافرمانی۔ (۷) ابھارنے والا۔ (۸) تاریکی، اندھیرا۔ (۹) بنیاد، جڑ۔ (۱۰) برائی۔ (۱۱) بے وقوف۔ (۱۲) حصہ۔ (۱۳) گنہگار۔

زہد و قناعت

ہے، بعد کو آنے والی ہے اور ''نقد را بنَسِیہ گذاشتن کارِ خردمندان نیست''، نقد کو اُدھار پر چھوڑنا سمجھ داروں کا کام نہیں ہے، یہ خیال انتہائی بیوقوفی اور جہالت ہے، یہ قاعدہ وہاں ہے جہاں نقد اور اُدھار برابر ہوں، لیکن جہاں کوئی چیز نقد ایک روپیہ میں فروخت ہوتی ہو اور اُدھار سو روپیہ میں جاتی ہو، وہاں کوئی احمق بھی یہ نہ کہے گا کہ نقد کو اُدھار پر نہ چھوڑنا چاہیے، حالانکہ دنیا کی نقد لذّتوں کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی نسبت ہی نہیں، دنیا کی زندگی کسی شخص کی اگر ہو سکتی ہے، تو سوڈیڑھ سو برس، اس مدت کو آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی مدت کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اسی طرح کوئی طبیب کسی بیمار کو ایک پھل کو منع کرتا ہے اور مُہلِک[1] بتاتا ہے، لیکن بیمار کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس پھل کے کھانے کی لذت نقد ہے اور صحت اُدھار ہے؛ لہٰذا نقد کو اُدھار پر نہ چھوڑنا چاہیے۔ اسی طرح بعض بیوقوف کہتے ہیں کہ دنیا کی مضرت اور تکلیف یقینی ہے اور آخرت میں شک ہے یقین کو شک پر نہیں چھوڑنا چاہیے، یہ بھی جہالت کی بات ہے، آدمی تجارت میں مَشَقَّتیں برداشت کرتا ہے، جو یقینی ہیں، محض نفع کی اُمید پر، جس میں شک ہے کہ تجارت میں نفع ہوگا یا نہیں، بیمار کڑوی دوا پیتا ہے، فصد کراتا ہے، جونکیں لگواتا ہے، شگاف دلواتا ہے، جن کی تکلیف یقینی ہے اور یہ سب کچھ صحت کی اُمید پر ہے، جس کا ہونا یقینی نہیں۔ اسی طرح سے یہ خیال بھی دھوکہ ہے کہ آخرت کو ہم نے دیکھا نہیں ہے، تجربہ نہیں کیا، معلوم نہیں، کیا حقیقت ہے؟ یہ خیال بھی انتہائی جہالت ہے، ناواقف[2] آدمی کے لیے اگر ذاتی علم نہ ہو، تو تجربہ[3] کار واقف لوگوں کا قول ہی مُعتبر[4] ہوتا ہے، کوئی بیمار کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں دوا میں یہ تاثیر مجھے معلوم نہیں کہ ہے یا نہیں؟ وہ ہمیشہ علاج میں واقف طبیب اور ڈاکٹروں کے قول[5] پر اعتماد کرتا ہے، کبھی کسی ڈاکٹر سے یہ نہیں پوچھتا کہ اس دوا کا فلاں اثر ہونا مجھے دلیل سے سمجھاؤ، اگر کوئی ایسا کہے گا، تو وہ بیوقوف سمجھا جائے گا، اسی طرح آخرت کے بارہ میں انبیاء علیہم السلام، اولیاء رحمہم اللہ، حکماء اور علماء کے اقوال جن پر ساری دنیا نے ہمیشہ اعتماد کیا ہے، معتبر ہوں گے اور چند جہلاء[6] کے یہ کہہ دینے سے کہ ہمیں معلوم نہیں یا ہمیں یقین نہیں، کچھ اثر نہیں پڑتا، اس قسم کے اَوھَام[7] آخرت کے بارے میں کافروں کو پیش آتے ہیں اور مسلمان اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرنے کی وجہ سے زبان سے تو ایسی باتیں نہیں کہتے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پسِ[8] پُشت ڈال کر، اُس کے گناہوں کا اِرتکاب[9] کر کے شہوتوں اور دنیا کی لذتوں میں مُنہمک[10] ہو کر عملی طور پر اور زبانِ حال سے گویا وہ بھی یہی کہتے ہیں، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں۔ یہ لوگ زبانی طور پر دوسرے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کریم

حل لغات: (۱) ہلاک کرنے والا۔ (۲) جاہل، انجان۔ (۳) ہوشیار، ماہر۔ (۴) درست، بھروسے کے قابل۔ (۵) بات۔ (۶) بے قوفوں، جاہلوں۔ (۷) خیالات۔ (۸) چھوڑنا۔ (۹) گناہ جرم کرنا۔ (۱۰) انتہائی مصروف، مشغول۔

زہد وقناعت

ہیں، غفور ہیں، رحیم ہیں، اُس کی معافی کے ہم اُمیدوار ہیں، ہم کو اس کی مغفرت پر اعتماد ہے اور اس کا اُمیدوار رہنا مطلوب ہے، محمود ہے، پسندیدہ ہے، اُس کی رحمت بڑی وسیع ہے، اُس کی مغفرت کے دریاؤں کے مقابلہ میں ہمارے گناہ کیا چیز ہیں، خود حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، اُس کو چاہیے کہ میرے ساتھ نیک گمان کرے۔

یہ ارشاد یقیناً صحیح ہے اور حق تعالیٰ شانُہٗ کا یہی پاک ارشاد ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان آدمی کو کسی صحیح کلام کے غلط معنی سے گمراہ کرسکتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان کو دھوکہ دینے میں مشکل پیش آتی، اسی چیز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں واضح فرمایا ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو مُطیع[1] کرے اور مرنے کے بعد کے لیے اعمال کرے اور احمق وہ شخص ہے جو نفس کی خواہشات کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ پر اُمیدیں باندھے۔ یہی وہ اُمیدیں ہیں حق تعالیٰ شانُہٗ پر جس کو شیطان نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ نیک اُمید کا غلاف پہنایا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے سے اُمیدیں رکھنے کی خود شرح[2] فرمادی، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ ﴾ [سورۂ بقرہ:۲۱۸]

ترجمہ: حقیقت میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہے (جس میں دین کے لیے ہر کوشش داخل ہے) یہی لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

قرآن پاک میں جگہ جگہ جنت کو اور اس کی نعمتوں کو اعمال کا بدلہ بتایا گیا ہے، ایسی حالت میں غور کرنے کی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو برتن بنانے پر مزدور رکھے اور بہت بڑی اُجرت[3] اس کی مقرر کردے، جس کی کوئی حد نہیں اور وہ شخص نہایت کریم ہو، مزدوری دینے میں بہت سخی اور اُجرت مقررہ پر بہت زیادہ انعام دینے والا ہو، جو برتن خراب بن جائیں، ان پر بھی اُجرت دے دیتا ہو، جن میں معمولی نقص[4] رہ جائے، ان پر بھی تسامُح[5] کرلیتا ہو اور مزدور بجائے برتن بنانے کے ان اوزاروں کو بھی توڑ دے، جن سے برتن بنایا جاتا ہے اور یہ کہے کہ برتن بنوانے والا بڑا کریم ہے، اُجرت بہت زیادہ دیتا ہے، اس لیے ان سب کو توڑ پھوڑ کر بہت زیادہ اُجرت ملنے کے انتظار میں بیٹھا رہے، کیا کوئی احمق[6] بھی اس کو عقل والا کہے گا؟ اور یہ حماقت[7] اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اُمید اور تمنا میں فرق نہیں سمجھا جاتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ نیک عمل تو کرتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ شانُہٗ

حل لغات: (۱) فرمانبردار، تابع۔ (۲) وضاحت کرنا، صاف صاف کہنا۔ (۳) مزدوری۔ (۴) کمی۔ (۵) معافی، مہربانی۔ (۶) بے وقوف۔ (۷) بے وقوفی۔

زہد و قناعت

سے نیک اُمید رکھتے ہیں، وہ فرمانے لگے (اُمید تم سے) بہت دور ہے، بہت دُور ہے، یہ اُن کی آرزوئیں ہیں، جن میں وہ جُھکے جارہے ہیں، جو شخص کسی چیز کی اُمید رکھتا ہے، وہ اُس کو طلب کیا کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز سے (مثلاً عذابِ الٰہی سے) ڈرا کرتا ہے، وہ اُس سے بھاگا کرتا ہے (اُس سے بچنے کی کوشش کیا کرتا ہے)۔ مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اتنا لمبا سجدہ کیا کہ (دانتوں میں خون اُتر آیا اور) دو دانت گر گئے۔ ایک شخص کہنے لگے (کہ مجھ سے عمل تو ہوتا نہیں لیکن) اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ضرور رکھتا ہوں، مسلم کہنے لگے: بہت بعید[1] ہے اور بہت ہی بعید ہے، جو شخص کسی چیز کی اُمید کرتا ہے اُس کو طلب کیا کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز سے ڈرا کرتا ہے، اُس سے بھاگا کرتا ہے، پس جب کوئی شخص لڑکا ہونے کی اُمید کرے اور نکاح نہ کرے یا نکاح کرے اور صُحبت نہ کرے اور لڑکا ہونے کی اُمید باندھے رہے، وہ بیوقوف کہلائے گا، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کرے اور ایمان بھی نہ لائے یا ایمان لائے اور نیک عمل ہی نہ کرے اور گناہوں کو نہ چھوڑے، وہ بیوقوف ہے۔ البتہ جو شخص نکاح کرے اور صُحبت کرے، پھر وہ مُتردِّد[2] رہے کہ بچہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اور اللہ کے فضل سے اُمید رکھے کہ بچہ ہوگا اور اس سے ڈرتا رہے کہ رحم پر کوئی آفت نہ آئے، بچہ ضائع[3] نہ ہوجائے، اُس کی حفاظت کرتا رہے، یہاں تک کہ بچہ پیدا ہوجائے، تو وہ عقل مند ہے، اسی طرح جو شخص ایمان لائے، نیک عمل کرے، بُرے اعمال سے بچتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کرے کہ وہ قبول فرمالے گا اور قبول نہ ہونے سے ڈرتا رہے، حتیٰ کہ اُسی حال پر اُس کی موت آجائے تو وہ سمجھ دار ہے، اس کے علاوہ سب بیوقوف ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے متعلق قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ الآیۃ [سورۂ سجدہ: ۱۲] "اور اگر آپ ان لوگوں کا حال دیکھیں تو عجب حال دیکھیں، جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور کہتے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار! بس ہماری آنکھیں اور کان کُھل گئے، پس ہم کو دنیا میں پھر بھیج دیجیے، تاکہ ہم اب نیک کام کریں، اب ہم کو پورا یقین آگیا"۔

یعنی اب ہم کو اس کا پورا یقین آگیا کہ جیسا بغیر نکاح کے اور صُحبت کے بچہ پیدا نہیں ہوتا اور بغیر زمین کو درست کرنے اور بیج ڈالنے کے کھیتی نہیں ہوتی، اسی طرح بغیر نیک عمل کے آخرت کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی مغفرت کی اُمید بہت پسندیدہ ہے، جب کہ کوئی شخص گناہوں میں مُنہمک[4] ہو اور توبہ کرنا چاہتا ہو اور شیطان اس کو دھوکہ میں ڈالے کہ تجھ جیسے گناہ گار کی توبہ کہاں قبول ہوسکتی ہے، تُو نے اتنے گناہ کیے ہیں کہ اُن کی بخشش تو ممکن ہی نہیں، تو اس کے لیے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد

حل لغات: (۱) دور۔ (۲) فکر مند، پریشان۔ (۳) بے کار۔ (۴) انتہائی مصروف، مشغول۔

ہے: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ کُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّةً فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾
[سورۂ زمر: ۵۳-۵۸]

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں (اور کفر وشرک اور گناہوں کے ظلم) کیے ہیں، تم خدا کی رحمت سے نا اُمید مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ شانہٗ تمام گناہوں کو معاف کردے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ تم اپنے رب کی طرف رجوع کرلو اور اس کی فرماں برداری کرلو قبل اس کے کہ تم پر عذاب ہونے لگے، پھر اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو، (اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے کہ کل کو قیامت کے دن) کبھی کوئی شخص کہنے لگے: افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا تعالیٰ کی جناب میں کی (یعنی اُس کی اطاعت میں مجھ سے کوتاہی ہوئی) اور میں (خدا تعالیٰ کے احکام پر) ہنستا ہی رہا، یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا، یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہوجائے، تو میں نیک بندوں میں سے ہوجاؤں''۔

ان آیتوں میں حق تعالیٰ شانہٗ نے سارے گناہوں کی بخشش کے وعدے کے ساتھ اُس کی طرف رجوع کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے، اور دوسری جگہ ﴿ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾ ﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۸۲] ارشاد فرمایا ہے کہ ''میں بڑی مغفرت کرنے والا ہوں اُس شخص کے لیے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے، پھر اسی راہ پر قائم رہے''۔

اس آیتِ شریفہ میں مغفرت کو اِن چیزوں پر مُرَتَّب(۱) فرمایا ہے، پس جو شخص توبہ کے ساتھ مغفرت کا امیدوار ہے، وہ تو حقیقت میں اُمیدوار ہے، اور جو گناہوں پر اصرار(۲) کے ساتھ مغفرت کی اُمید باندھے ہوئے ہے، وہ احمق(۳) ہے دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ پہلے لوگ عبادات پر مر مٹتے تھے، گناہوں سے نہایت اہتمام سے بچتے تھے، تقویٰ میں مُبالغہ(۴) کرتے تھے، شبہ کی چیزوں سے بھی دور رہتے تھے، رات دن

حل لغات: (۱) منحصر۔ (۲) ہٹ دھرمی، ضد۔ (۳) بے وقوف۔ (۴) بہت زیادہ کوئی کام کرنا۔

عبادت میں مشغول رہ کر ہر وقت اللہ کے خوف سے روتے تھے، اور اس زمانہ میں ہر شخص خوش ہے، اللہ کے عذاب سے ہر وقت مطمئن ہے، اُس کو کسی وقت بھی عذاب کا ڈر نہیں، دن رات شہوتوں اور دنیا کی لذتوں میں منہمک[1] ہے، دنیا کے کمانے کا ہر وقت فکر ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں ہے اور گمان یہ ہے کہ ہم لوگوں کو اللہ کے کرم پر بھروسہ ہے اُس کی مغفرت کی اُمید ہے، اُس کی معافی کا یقین ہے گویا انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور اَولیاء مخلصین رحمہم اللہ میں سے تو کسی کو اس کی رحمت کی امید ہی نہ تھی جو اس قدر مشقتیں برداشت کرتے رہے۔ [احیاء]

(١٩) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاشِرَ عَشْرَةٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ وَأَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ أُولٰئِكَ الْأَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی جن میں ایک میں بھی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے ہوں اور موت کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کا اِعزاز[2] لے اُڑے۔

[رواه ابن أبي الدّنيا والطبراني في الصغير بإسناد حسن و رواه ابن ماجه مختصرا بإسناد جيّد كذا في الترغيب، وذكر له الزبيدي طرقا عديدة]۔

فائدہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے موت کو کثرت سے یاد کرنے اور یاد رکھنے کے بارہ میں مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض روایات اس رسالہ میں قریب ہی اُمیدوں کے مختصر کرنے کی حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہیں، اُن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی مختلف روایات میں گزر چکا ہے کہ لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہتمام ہی کی وجہ سے اس مضمون کو مستقل بھی ذکر کر رہا ہوں، اس لیے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھنا اُمیدوں کے مختصر ہونے کا بھی ذریعہ ہے، موت کی تیاری کا بھی سبب ہے، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہونے کا بھی سبب ہے جو اصل مقصود ہے، مال کو جمع کر کے بیکار چھوڑ جانے سے بھی روکنے والا ہے، آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کر لینے میں بھی مُعین[3] ہے اور گناہوں سے توبہ کرتے رہنے پر بھی اُبھارنے

حل لغات: (١) انتہائی مشغول۔ (٢) عزت، مرتبہ۔ (٣) مددگار۔

زہد و قناعت

والا ہے، دوسروں پر ظلم وستم اور دوسرے کے حقوق کو ضائع کرنے سے بھی روکنے والا ہے، غرض یہ عمل بہت فوائد اپنے اندر رکھتا ہے، اسی وجہ سے مشائخ[1] سلوک کا بھی معمول ہے کہ اپنے مریدین میں سے اکثروں کو جن کے مناسب حال ہو اس کا مراقبہ خاص طور سے تلقین[2] کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک جوان مجلس میں کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مومنین میں سب سے زیادہ سمجھ دار کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کا کثرت سے ذکر کرنے والا اور اُس کے آنے سے پہلے پہلے اُس کے لیے بہترین تیاری کرنے والا۔[اتحاف] ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی آیت : ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ ﴾ الآیۃ [سورۂ انعام:۱۲۵] تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''حق تعالیٰ جس کو ہدایت فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں، اسلام کے لیے اُس کے سینہ کو کھول دیتے ہیں'' (کہ اسلام کے متعلق اُس کو شرحِ صدر[3] ہو جاتا ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اسلام کا) نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے، تو سینہ اس کے لیے کھل جاتا ہے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کی (اسلام کا نور سینہ میں داخل ہو گیا) کوئی علامت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دھوکہ کے گھر (دنیا سے) بُعد[4] پیدا ہونا ہمیشہ رہنے والے گھر (آخرت) کی طرف رجوع[5] اور موت آنے سے پہلے اُس کے لیے تیاری۔ [مشکوٰۃ]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تھی، مجھے اس کی زیارت کی اجازت مل گئی، تم لوگ قبرستان جایا کرو، اس لیے کہ یہ چیز موت کو یاد دلاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس سے عبرت ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قبرستان جانے سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قبرستان جایا کرو، اس سے تم کو آخرت یاد آئے گی اور مُردوں کو غسل دیا کرو کہ یہ (نیکیوں سے) خالی بدن کا علاج ہے اور اس سے بہت بڑی نصیحت حاصل ہوتی ہے اور جنازہ کی نماز میں شرکت کیا کرو، شاید اس سے کچھ رنج وغم تم میں پیدا ہو جائے کہ غمگین آدمی (جس کو آخرت کا غم ہو) اللہ تعالیٰ کے سایہ میں رہتا ہے اور ہر خیر کا طالب رہتا ہے۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیماروں کی عیادت کیا کرو اور جنازوں کے ساتھ جایا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک حکیم کسی جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے، راستہ میں لوگ اس میّت پر افسوس اور رنج کر رہے تھے، وہ صاحب فرمانے لگے کہ تم اپنے اوپر رنج اور افسوس کرو، تو زیادہ مفید ہے، یہ تو چلا گیا اور تین آفتوں سے نجات پا گیا، آئندہ مَلَکُ الْمَوْت کے دیکھنے کا خوف اُس کو نہیں

حل لغات: ① اللہ والے، صوفیا۔ ② تعلیم، نصیحت، ہدایت۔ ③ دل کا مطمئن ہو جانا۔ ④ دوری۔ ⑤ متوجہ ہونا۔

زہد وقناعت

رہا، موت کی سختی جھیلنے کی اب اس کو نوبت نہیں آئے گی، بُرے خاتمہ کا خوف ختم ہو گیا (اپنی فکر کرو کہ یہ تینوں مرحلے تمہارے لیے باقی ہیں)۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ایک جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے، کسی راستہ چلنے والے نے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ فرمانے لگے کہ یہ تیرا جنازہ ہے اور اگر تجھے یہ بات گراں[1] گذرے تو میرا جنازہ ہے (مطلب یہ ہے کہ یہ وقت اپنی موت کے یاد کرنے کا ہے، اس وقت فضول بات کی طرف متوجہ ہونا بالکل نامناسب ہے۔) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ تعجب اور بہت زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے، جن کو (آخرت کے) سفر کے لیے توشہ تیار کر لینے کا حکم ملا ہوا ہے اور روانگی عنقریب ہونے کا اعلان ہو چکا ہے، پھر بھی یہ لوگ (دنیا کے) کھیل میں مشغول ہیں۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ جب یہ کسی جنازہ کو دیکھتے، تو ان کا ایسا حال رنج و غم سے ہوتا جیسا کہ ابھی اپنی ماں کو دفن کر کے آئے ہوں۔ [تنبیہ الغافلین] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت اُن کے پاس آئی اور (کسی احسان کے بدلہ میں) کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے اور اس کے بعد سے (لوگوں کی تعلیم کے لیے) ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مُردوں پر قبر میں ایسا سخت عذاب ہوتا ہے کہ اُس کی آواز چوپائے[2] تک سنتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم (خوف کی وجہ سے) مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرتا کہ تمہیں قبر کے عذاب کی آواز سنا دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے، تو اتنا روتے کہ داڑھی مبارک تر[3] ہو جاتی، کسی نے پوچھا کہ آپ اتنا زیادہ جنت اور جہنم کے ذکر سے بھی نہیں روتے، جتنا قبر کے تذکرہ سے روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے، جو اس سے سہولت سے چھوٹ گیا، اس کے لیے اس کے بعد کی منزلیں سب آسان ہیں اور جو اس میں (عذاب میں) پھنس گیا، اُس کے لیے اس کے بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ سخت ہیں اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا ہے کہ میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ سخت نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قبر میں روزانہ صبح اور شام دو وقت میت کو اس کا وہ گھر دکھایا جاتا ہے، جس میں وہ قیامت کے بعد جائے گا، اگر

حل لغات: (۱) ناپسند، مشکل۔ (۲) جانور۔ (۳) بھیگنا۔

زہد و قناعت

وہ جنت والوں میں ہے، تو جنت کا مکان دکھایا جاتا ہے (جس سے اُس کو قبر ہی میں فرحت[1] اور سُرُور[2] حاصل رہتا ہے) اور اگر وہ جہنم والوں میں ہوتا ہے، تو جہنم کا مکان دکھایا جاتا ہے (جس سے اس کے رنج وغم، فکر وخوف میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عورت میرے دروازہ پر آئی اور بھیک مانگنے لگی کہ مجھے کچھ کھانے کو دے دو، اللہ تعالیٰ تمھیں دجّال کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے بچائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو ٹھہرا لیا، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس یہودی عورت نے دو باتیں کہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دجّال کا فتنہ ایسا ہے کہ کوئی نبی پہلے انبیاء میں سے ایسے نہیں گزرے، جنھوں نے اپنی اُمت کو اس کے فتنہ سے نہ ڈرایا ہو، لیکن میں اُس کے متعلق ایک بات کہتا ہوں، جواب تک کسی نبی نے نہیں کہی، وہ یہ ہے کہ وہ ''کانا'' ہے اور اس کی پیشانی پر ''کافر'' کا لفظ لکھا ہوا ہوگا، جس کو ہر مومن پڑھ لے گا؛ اور قبر کے فتنہ کی بات یہ ہے کہ جب کوئی نیک بندہ مرتا ہے، تو فرشتے اُس کو قبر میں بٹھاتے ہیں، وہ ایسی حالت میں بیٹھتا ہے کہ نہ اس کو کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے، نہ اُس پر کوئی غم مُسَلَّط[3] ہوتا ہے، پھر اُس سے اوّل تو اسلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ تُو اسلام کے بارہ میں کیا کہتا تھا؟ اس کے بعد پھر اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ تُو اس شخص کے (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے) بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے پاس سے ہمارے پاس واضح[4] دلیلیں لے کر آئے، ہم نے ان سب کو سچا مانا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، اس کے بعد اُس کو اوّل دوزخ کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے، جہاں وہ دیکھتا ہے کہ آدمی ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑے ہیں، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کو دیکھ! حق تعالیٰ شانہٗ نے تجھے اس آفت سے نجات[5] عطا فرمادی، اس کے بعد اس کو جنت کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے، جہاں وہ نہایت زیب وزینت دیکھتا ہے اور اس کے لطف[6] کے مناظر دیکھتا ہے، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ جگہ تیرے رہنے کی ہے (قیامت کے بعد تُو یہاں لایا جائے گا) تُو دنیا میں آخرت کا یقین کرنے والا تھا اور اسی پر تیری موت ہوئی اور اسی پر قیامت میں تُو قبر سے اُٹھایا جائے گا، اور جب کوئی بُرا آدمی مرتا ہے، تو اس کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے، وہ نہایت گھبراہٹ اور خوف زدہ ہو کر بیٹھتا ہے اور اُس سے بھی وہی سوال ہوتا ہے، جو پہلے گزرا، وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو کچھ خبر نہیں، لوگوں کو میں نے جو کہتے سنا تھا، وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، اُس کے لیے اوّل جنت کا دروازہ کھول کر اُس کو وہاں کی زیب وزینت اور جو نعمتیں وہاں ہیں، دکھائی جاتی ہیں، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ

حل لغات: (۱) خوشی۔ (۲) خوشی۔ (۳) سوار ہونا۔ (۴) صاف، تفصیلی۔ (۵) چھٹکارا۔ (۶) مزہ۔

زہد وقناعت

یہاں تیرا اصل مقام تھا، مگر تجھے یہاں سے ہٹا دیا گیا، پھر اُس کو جہنم دکھائی جاتی ہے، جہاں ایک پر دوسرا ٹوٹا پڑا ہے اور اُس سے کہا جاتا ہے کہ اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے، تو دنیا میں شک ہی میں رہا، اُسی پر مرا، اُسی پر قیامت میں اُٹھایا جائے گا۔ [ترغیب]

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص یا تو راحت[1] پانے والا ہے یا اس سے راحت ہوگئی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ تو مَر کر دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے راحت پالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کے اندر چلا جاتا ہے (یہ تو راحت پانے والا ہوا) اور فاجر[2] آدمی جب مَرتا ہے، تو دوسرے آدمی اور آبادیاں اور درخت اور جانور سب کے سب اُس کی موت سے راحت پاتے ہیں [مشکوٰۃ] اس لیے کہ اُس کے گناہوں کی نحوست سے دنیا میں آفات نازل ہوتی ہیں، بارش بند ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے شہروں میں فساد ہوتا ہے اور درخت خُشک ہونے لگتے ہیں، جانوروں کو چارہ ملنا مشکل ہوجاتا ہے، اس وجہ سے اس کی موت سے سب کو راحت ملتی ہے کہ اس کی نحوست سے سب کو تکلیف پہونچ رہی تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسا کوئی اجنبی بلکہ راستہ چلتا مسافر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تُو صبح کرے، تو شام کا انتظار نہ کر اور جب شام کرے، تو صبح کا انتظار نہ کر اور اپنی صحت کے زمانہ میں مرض[3] کے زمانہ کے لیے توشہ[4] لے لے (کہ جو اعمال صحت میں کرتا ہوگا، مرض میں ان کا ثواب ملتا رہے گا) اور اپنی زندگی میں موت کے لیے توشہ لے لے۔ [مشکوٰۃ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مَعیّت[5] میں ایک جنازہ کے ساتھ چلے، قبرستان پہونچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر کے پاس تشریف رکھی اور ارشاد فرمایا کہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا، جس میں وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان نہیں کرتی کہ اے آدم کے بیٹے! تُو مجھے بھول گیا، میں تنہائی کا گھر ہوں، اَجنبیت کا گھر ہوں، میں وحشت[6] کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، میں نہایت تنگی کا گھر ہوں، مگر اُس شخص کے لیے جس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ مجھے وسیع[7] بنادے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کا انتقال ہوا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کی

حل لغات: (۱) آرام۔ (۲) گنہگار۔ (۳) بیماری۔ (۴) نیکی کا ذخیرہ جمع کرنا۔ (۵) ساتھ۔ (۶) خوف، ڈر، گھبراہٹ۔ (۷) کشادہ، لمبا چوڑا۔

تعریف کرنے لگے اور ان کی کثرت سے عبادت کا حال بیان کرنے لگے، حضور ﷺ سکوت[1] کے ساتھ سنتے رہے، جب وہ حضرات چپ ہوئے، تو حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ موت کو کبھی یاد کیا کرتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کا ذکر تو نہیں کرتے تھے۔ پھر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اپنے جی چاہنے کی چیزوں کو چھوڑ دیتے تھے؟ (کہ کسی چیز کے کھانے کو مثلاً دل چاہتا ہو اور نہ کھاتے ہوں)، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ایسا تو نہیں ہوتا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ صحابی ان درجوں کو نہ پہونچیں گے، جن کو تم لوگ (جو ان دونوں چیزوں کو کرتے ہو) پہونچ جاؤ گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک صحابی کی عبادت اور مجاہدہ کی کثرت کا ذکر ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ موت کو کتنا یاد کرتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کا تذکرہ تو ہم نے نہیں سنا، حضور ﷺ نے فرمایا: تو پھر وہ اس درجہ کے نہیں ہیں (جیسا تم سمجھ رہے ہو)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ کے دفن میں شریک ہوئے، حضور ﷺ نے وہاں جا کر ایک قبر کے قریب تشریف رکھی اور اتنا روئے کہ زمین تر[2] ہو گئی اور ارشاد فرمایا کہ بھائیو! اس چیز کے لیے (یعنی قبر میں جانے کے لیے) تیاری کر لو۔ [ترغیب]

حضرت شقیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی چار چیزوں میں زبان سے تو میری مُوافقت[3] کرتے ہیں اور عمل سے مخالفت کرتے ہیں: (۱) وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے بندے (اور غلام) ہیں اور کام آزاد لوگوں کے سے کرتے ہیں، (۲) یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ شانُہٗ ہماری روزی کا ذمہ دار ہے، لیکن ان کے دلوں کو (اُس کی ذمہ داری پر) اُس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا، جب تک دنیا کی کوئی چیز اُن کے پاس نہ ہو، (۳) یہ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے افضل ہے، لیکن دنیا کے لیے مال جمع کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں (آخرت کا کچھ بھی فکر نہیں)، (۴) کہتے ہیں کہ موت یقینی چیز ہے، آ کر رہے گی، لیکن اعمال ایسے لوگوں کے سے کرتے ہیں، جن کو کبھی مرنا ہی نہ ہو۔ ابو حامد لَفّاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے، اس کے اوپر تین چیزوں کا اِکرام ہوتا ہے: (۱) توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے، (۲) مال میں قَناعَت[4] مُیَسَّر ہوتی ہے، (۳) اور عبادت میں نَشاط[5] اور دِل بَستگی[6] پیدا ہوتی ہے، اور جو شخص موت سے غافل رہتا ہے، اُس پر تین عذاب مُسلَّط کیے جاتے ہیں: (۱) گناہ سے توبہ میں تاخیر ہوتی رہتی ہے، (۲) آمدنی پر راضی نہیں ہوتا (اس کو کم ہی سمجھتا رہتا ہے، چاہے کتنی ہی ہو جائے)، (۳) اور عبادات میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ [تنبیہ الغافلین]

حل لغات: (۱) خاموشی۔ (۲) بھیگنا۔ (۳) طبیعت ملنا، اتفاق کرنا۔ (۴) تھوڑی چیز پر راضی رہنا۔ (۵) چستی۔ (۶) دل لگنا۔

زہد و قناعت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں صرف اُسی پاک ذات کے لیے ہیں، جس نے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں موت سے مروڑ دیں اور اونچے اونچے بادشاہوں کی کمریں موت سے توڑ دیں اور بڑے بڑے خزانوں کے مالکوں کی اُمیدیں موت سے ختم کردیں، یہ سب لوگ ایسے تھے، جو موت کے ذکر سے بھی نفرت کرتے تھے، لیکن اللہ کا جب وعدہ (موت کا وقت) آیا، تو ان کو گڑھے میں ڈال دیا اور اونچے محلوں سے زمین کے نیچے پہونچادیا اور بجلی اور قمقموں کی روشنی میں نرم بستروں سے قبر کے اندھیرے میں پہونچادیا، غلاموں اور باندیوں سے کھیلنے کے بجائے زمین کے کیڑوں میں پھنس گئے اور اچھے اچھے کھانے اور پینے میں لطف(۱) اُڑانے کے بجائے خاک(۲) میں لوٹنے لگے اور دوستوں کی مجلسوں کے بجائے تنہائی کی وحشت(۳) میں گرفتار ہوگئے، پس کیا اُن لوگوں نے کسی مضبوط قلعہ کے ذریعہ موت سے اپنی حفاظت کرلی یا اُس سے بچنے کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرلیا، پس وہ ذات پاک ہے جس کے قہر اور غلبہ میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور ہمیشہ رہنے کے لیے صرف اُسی کی تنہا ذات ہے، کوئی اس کا مثل(۴) نہیں، پس جب موت ہر شخص کو پیش آنے والی ہے اور مٹی میں جاکر ملنا ہے اور قبر کے کیڑوں کا ساتھی بننا ہے اور مُنکر نکیر(۵) سے سابقہ(۶) پڑنا ہے اور زمین کے نیچے مدتوں رہنا ہے اور وہی بہت طویل(۷) زمانہ تک ٹھکانا ہے اور پھر قیامت کا سخت منظر دیکھنا ہے اور اس کے بعد معلوم نہیں کہ جنت میں جانا ہے یا دوزخ ٹھکانا ہے، تو نہایت ضروری ہے کہ موت کا فکر ہر وقت آدمی پر مُسلّط رہے، اُسی کے ذکر تذکرہ کا مشغلہ رہے، اُسی کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہے، اُسی کا اہتمام ہر چیز پر غالب رہے اور اس کی آمد کا ہر وقت انتظار رہے کہ اس کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں، نہ معلوم کب آجائے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے، جو اپنے نفس پر قابو رکھے اور موت کے بعد کام آنے والی چیزوں میں مشغول رہے اور کسی کام کے لیے تیاری اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ ہر وقت اس کا اہتمام رہے، اُس کا ذکر تذکرہ رہے، اس لیے کہ جو شخص دنیا میں مُنہمک(۸) ہے اور اس کے دھوکہ کی چیزوں میں پھنسا ہوا ہے، اُس کی شہوتوں پر فریفتہ(۹) ہے، اس کا دل موت سے بالکل غافل ہوتا ہے اور اگر موت کا ذکر بھی کیا جائے، تو اس کی طبیعت کو اُس سے تکدّر(۱۰) اور کراہیت(۱۱) ہوتی ہے، اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸﴾ [سورۂ جمعہ:۸] ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ تم کو آ پکڑے گی، پھر تم اس پاک ذات کی طرف لے جائے جاؤ گے، جو ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو جاننے والی ہے، پھر وہ تم کو تمہارے سب کیے ہوئے کام جتادے گی (اور

حل لغات: (۱) مزہ۔ (۲) مٹی۔ (۳) خوف، ڈر، گھبراہٹ۔ (۴) جیسا۔ (۵) وہ دو فرشتے جو قبر میں سوال کرتے ہیں۔ (۶) واسطہ۔ (۷) لمبا۔ (۸) انتہائی مشغول۔ (۹) عاشق، دلدادہ۔ (۱۰) پریشانی۔ (۱۱) نفرت، بیزاری۔

زہد و قناعت

ان کا بدلہ دے گی)۔

علماء نے لکھا ہے کہ موت کے بارے میں آدمی چار طریقے کے ہوتے ہیں: ایک تو وہ لوگ ہیں، جو دنیا میں مُنْہمِک[1] ہیں جن کو موت کا ذکر بھی اس وجہ سے اچھا نہیں لگتا کہ اس سے دنیا کی لذّتیں چھوٹ جائیں گی، ایسا شخص موت کو کبھی یاد نہیں کرتا اور کبھی کرتا بھی ہے، تو بُرائی کے ساتھ، اس لیے کہ دنیا کے چھوٹنے کا اس کو قلق[2] اور افسوس ہوتا ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے، جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تو ہے، مگر ابتدائی[3] حالت میں ہے، موت کے ذکر سے اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوتا ہے اور اس سے توبہ میں پختگی[4] بھی ہوتی ہے، یہ شخص بھی موت سے ڈرتا ہے، مگر نہ اس وجہ سے کہ دنیا چھوٹ جائے گی، بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی توبہ تام[5] نہیں ہے، یہ بھی ابھی مرنا نہیں چاہتا، تاکہ اپنے حال کی اصلاح کر لے اور اس کے فکر میں لگا ہوا ہے، تو یہ شخص موت کے ناپسند کرنے میں معذور ہے اور یہ حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد میں داخل نہ ہوگا، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ شانُہٗ بھی اس کے ملنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ شخص حقیقت میں حق تعالیٰ شانُہٗ کی ملاقات سے کراہت نہیں کرتا، بلکہ اپنی تقصیر اور کوتاہی سے ڈرتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو محبوب کی ملاقات کے لیے اُس سے پہلے کچھ تیاری کرنا چاہتا ہو، تاکہ محبوب کا دل خوش ہو؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ شخص اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہتا ہو، اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ اُس کو نہ ہو اور اگر یہ بات نہیں ہے، تو پھر یہ بھی پہلے ہی جیسا ہے، یہ بھی دنیا میں منہمک ہی ہے۔

تیسرا وہ شخص ہے جو عارف[6] ہے، اُس کی توبہ کامل ہے، یہ لوگ موت کو محبوب رکھتے ہیں، اُس کی تمنائیں کرتے ہیں، اس لیے کہ عاشق کے لیے محبوب کی ملاقات سے زیادہ بہتر وقت کون سا ہوگا؟ موت کا وقت ملاقات کا وقت ہے، عاشق کو وصل[7] کے وعدہ کا وقت ہر وقت خود ہی یاد رہا کرتا ہے، وہ کسی وقت بھی اُس کو نہیں بھولتا، یہی لوگ ہیں جن کو موت کے جلدی آنے کی تمنائیں رہتی ہیں، وہ اسی قلق[8] میں رہتے ہیں کہ موت آ ہی نہیں چکتی کہ اس معاصی[9] کے گھر سے جلد خلاصی[10] ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا، تو فرمانے لگے: محبوب (موت) احتیاج[11] کے وقت آیا، جو نادِم[12] ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ ہمیشہ مجھے فقر، غنا سے زیادہ محبوب رہا اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ رہی اور موت زندگی سے زیادہ مرغوب[13] رہی، مجھے جلدی سے

حل لغات: (۱) مشغول۔ (۲) رنج، افسوس۔ (۳) شروع۔ (۴) مضبوطی۔ (۵) مکمل۔ (۶) ولی۔ (۷) ملاقات۔ (۸) بے قراری، بے چینی۔ (۹) گناہوں۔ (۱۰) چھٹکارا ملنا۔ (۱۱) ضرورت۔ (۱۲) شرمندہ۔ (۱۳) پسند۔

زہد و قناعت

موت عطا کردے کہ تجھ سے ملوں۔

چوتھی قسم جو سب سے اونچا درجہ ہے ان لوگوں کا ہے، جو حق تعالیٰ شانُہٗ کی رضا کے مقابلہ میں تمنا بھی نہیں رکھتے، وہ اپنی خواہش سے اپنے لیے نہ موت کو پسند کرتے ہیں، نہ زندگی کو، یہ عشق کی انتہاء میں رضا اور تسلیم کے درجہ کو پہونچے ہوئے ہیں، بہرحال موت کا ذکر ہر حالت میں مُوجِبِ[1] اجر و ثواب ہے کہ جو شخص دنیا میں منہمک ہے، اس کو بھی موت کے ذکر سے اُس کی لذّتوں میں کمی آئے گی اور کچھ نہ کچھ تو دنیا سے بُعد[2] پیدا ہو ہی گا، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لذّتوں کی توڑنے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو، یعنی اس کے ذکر سے اپنی لذتوں میں کمی کیا کرو، تاکہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف رجوع ہو سکے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر جانوروں کو موت کے متعلق اتنی معلومات ہوں، جتنی تم لوگوں کو ہیں، تو کبھی کوئی موٹا جانور تم کو کھانے کو نہ ملے (موت کے خوف سے سب دُبلے ہو جائیں)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کوئی شخص (بغیر شہادت کے بھی) شہیدوں کے ساتھ ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بیس[۲۰] مرتبہ موت کو یاد کرے، وہ ہو سکتا ہے۔ (ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پچیس[۲۵] مرتبہ "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ" پڑھے، وہ شہیدوں کے درجہ میں ہو سکتا ہے)۔ اور ان سب فضیلتوں کا سبب یہی ہے کہ موت کا کثرت سے ذکر کرنا، اس دھوکہ کے گھر سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور آخرت کے لیے تیاری پر آمادہ کرتا ہے، اور موت سے غفلت دنیا کی شہوتوں اور لذّتوں میں اِنْہِماک[3] پیدا کرتی ہے۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجلس پر گزر ہوا، جہاں زور سے ہنسنے کی آواز آرہی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی مجالس میں لذّتوں کو مکدّر[4] کرنے والی چیز کا تذکرہ شامل کرلیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لذّتوں کو مکدّر کرنے والی چیز کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، یہ گناہوں کو زائل[5] کرتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔ [احیاء] ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ مرنے کے بعد تم پر کیا کیا گزرے گی، تو کبھی رغبت سے کھانا نہ کھاؤ، کبھی لذت سے پانی نہ پیو۔ ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو، یہ تمھیں دوسری چیزوں میں رغبت سے ہٹا دے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، جو شخص موت کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، اُس کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور موت اُس پر آسان

حل لغات: (۱) سبب۔ (۲) دوری۔ (۳) انتہائی مشغولی۔ (۴) خراب۔ (۵) دور، ختم۔

زہد و قناعت

ہوجاتی ہے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے موت سے محبت نہیں ہے، کیا علاج کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ: ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس کو آگے چلتا کردو، آدمی کا دل مال سے لگا رہتا ہے، جب اُس کو آگے بھیج دیتا ہے، تو خود بھی اس کے پاس جانے کو دل چاہتا ہے اور جب پیچھے چھوڑ جاتا ہے، تو خود بھی اُس کے پاس رہنے کو دل چاہتا ہے۔ [اتحاف] ایک حدیث میں ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی، تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: لوگو! اللہ کو یاد کرلو، اللہ کو یاد کرلو، عنقریب قیامت کا زلزلہ پھر صور پھونکنے کا وقت آرہا ہے اور (ہر شخص کی) موت اپنی ساری سختیوں سمیت آرہی ہے۔ [مشکوٰۃ] حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو علماء کے مجمع کو بلاتے، جو موت کا اور قیامت کا اور آخرت کا ذکر کرتے اور ایسا روتے جیسا کہ جنازہ سامنے رکھا ہو۔ ابراہیم تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی ہر لذت کو مُنقطع کر دیا: ایک موت نے، دوسرے قیامت میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے کھڑا ہونے کے فکر نے۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو پہچان لے، اُس پر دنیا کی ساری مصیبتیں آسان ہیں۔ اَشعث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب بھی حاضر ہوتے جہنم کا اور آخرت کا ذکر ہوتا۔ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دل کی قَساوَت[1] کی شکایت کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ موت کا تذکرہ کثرت سے کیا کرو، دل نرم ہوجائے گا، انھوں نے ایسا ہی کیا، اُس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ [احیاء]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موت کا معاملہ نہایت خطرناک ہے اور لوگ اس سے بہت غافل ہیں، اوّل تو اپنے مَشاغِل[2] کی وجہ سے اُس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تب بھی چوں کہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے، اس لیے محض زبانی تذکرہ مفید نہیں ہے، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل کو سب طرف سے بالکل فارغ کرکے اس کو اس طرح سوچے کہ گویا وہ سامنے ہی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز واَقارب[3] اور جانے والے اَحْباب[4] کا حال سوچے کہ کیوں کر ان کو چارپائی پر لے جاکر مٹی کے نیچے داب دیا، اُن کی صورتوں کا، اُن کے اعلیٰ[5] منصوبوں کا خیال کرے اور یہ غور کرے کہ اب مٹی نے کس طرح اُن کی اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہوگا، اُن کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ ہوگئے ہوں گے، کس طرح بچوں کو یتیم، بیوی کو بیوہ اور عزیز واقارب کو روتا چھوڑ کر چل دیے، اُن کے سامان، اُن کے مال، اُن کے کپڑے پڑے رہ گئے، یہی حشر ایک دن میرا بھی ہوگا، کس طرح وہ

حل لغات: (۱) سنگ دلی، بے رحمی۔ (۲) کاموں۔ (۳) رشتے دار۔ (۴) دوست۔ (۵) بلند، اونچے۔

زہد وقناعت

مجلسوں میں بیٹھ کر قہقہے[1] لگاتے تھے، آج خاموش پڑے ہیں، کس طرح دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے، آج مٹی میں مِلے پڑے ہیں، کیسا موت کو بُھلا رکھا تھا، آج اُس کے شکار ہوگئے، کس طرح جوانی کے نشہ میں تھے، آج کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے، کیسے دنیا کے دھندوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، آج ہاتھ الگ پڑا ہے، پاؤں الگ ہے، زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں، بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے، کیسا کِھل کِھلا کر ہنستے تھے، آج دانت گرے پڑے ہوں گے، کیسی کیسی تدبیریں سوچتے تھے، برسوں کے انتظام سوچتے تھے، حالاں کہ موت سَر پر تھی، مرنے کا دن قریب تھا، مگر انھیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہوں گا، یہی حال میرا ہے، آج میں اتنے انتظامات کر رہا ہوں، کل کی خبر نہیں؛ کیا ہوگا۔ [احیاء]

آگاہ اپنی موت سے کوئی بَشَر[2] نہیں　　　سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

آسمانوں پر جو فرشتے مختلف کاموں پر مُتعَیَّن ہیں، ان کو سال بھر کے احکامات ایک رات میں مل جاتے ہیں کہ اس سال فلاں فلاں کام کرنے ہیں اور فلاں فلاں شخص کے متعلق یہ عمل درآمد ہوگا، اس میں روایات مختلف ہیں کہ یہ احکام لیلۃُ القدر میں ملتے ہیں، یا شب برأت میں، جونسی بھی رات ہو۔ کثرت سے روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اس رات میں ان سب کی فہرست فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہے، جو اس سال میں مرنے والے ہیں، دنیا میں آدمی نہایت غفلت سے اپنے لہو ولعب میں مشغول ہوتا ہے اور آسمانوں پر اُس کی گرفتاری کا[3] وارنٹ جاری ہوگیا ہے، اُس کی موت کا حکم صادر[4] ہو چکا ہے، جس میں نہ کسی سفارش کی گنجائش ہے، نہ اُس حکم کی اپیل ہے، نہ جو وقت اس کی موت کا تجویز[5] ہوا ہے، اس میں ایک منٹ کی تاخیر ہوسکتی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سورۂ دُخان کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لیلۃُ القدر میں لوحِ[6] محفوظ سے ان سب چیزوں کو نقل کیا جاتا ہے، جو اس سال میں ہونے والی ہیں کہ اتنا اتنا رزق دیا جائے گا، فلاں فلاں مرے گا، فلاں فلاں پیدا ہوگا، اتنی بارش ہوگی، حتّٰی کہ یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ اس سال فلاں فلاں شخص حج کو جائے گا۔ ایک حدیث میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تُو آدمی کو دیکھے گا کہ وہ بازاروں میں چل پھر رہا ہے، لیکن اس کا نام اس سال کے مُردوں میں لکھا جا چکا ہے۔ ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس رات میں سال بھر کے سارے کام (فرشتوں پر) مُنقسِم[7] کر دیے جاتے ہیں، تمام سال کی بھَلائی بُرائی، روزی اور موت، تکلیفیں اور نرخوں[8] کی اَرزانی[9] اور گِرانی[10] تمام سال کی دے دی جاتی ہے۔

حل لغات: (۱) زور سے ہنسنا۔ (۲) آدمی، انسان۔ (۳) گرفتاری کا حکم۔ (۴) جاری۔ (۵) مقرر۔ (۶) وہ تختی جس میں اللہ تعالیٰ نے شروع سے آخر تک دنیا میں ہونے والے تمام کام کو لکھ دیا ہے۔ (۷) تقسیم کرنا۔ (۸) بھاؤ، قیمت۔ (۹) سستا پن، سستا ہونا۔ (۱۰) مہنگائی، بھاؤ کی تیزی۔

زہد وقناعت

حضرت عِکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شبِ برأت میں سال بھر کے احکام طے کر کے حوالہ کر دیے جاتے ہیں، اس سال کے مُردوں کی فہرست اور حج کرنے والوں کی فہرست دے دی جاتی ہے، نہ اُن میں کمی ہوسکتی ہے، نہ زیادتی۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک جتنے مرنے والے ہیں، ان سب کے اوقات لکھ کر دے دیے جاتے ہیں، حتیٰ کہ آدمی دنیا میں نکاح کرتا ہے، اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے، لیکن آسمان میں اس کا نام مُردوں کی فہرست میں آچکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں بہت کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، اس لیے کہ اس میں تمام سال میں مرنے والوں کی فہرست مُرتّب ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک آدمی نکاح کرنے میں مشغول ہے اور وہاں اس کا نام مُردوں میں لکھا گیا، ایک آدمی حج کو جارہا ہے اور اُس کا نام مُردوں میں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی کہ حضور! شعبان میں روزے بہت کثرت سے رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں سال بھر کے مُردوں کی فہرست بنتی ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میرا نام جب مُردوں کی فہرست میں آئے، تو میں روزہ دار ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نصف شعبان کی رات کو حق تعالیٰ شانُہٗ مَلَکُ الموت کو اس سال میں مَرنے والوں کی اطلاع فرمادیتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزانہ ہمیشہ جب آفتاب① نکلتا ہے، تو وہ اعلان کرتا ہے کہ جو نیک کام کرنا ہے، کرلے، آج کا دن تیری عمر میں پھر کبھی نہیں آئے گا (اس لیے اس دن میں تیری جو نیکیاں لکھی جاسکتی ہوں لکھوالے) اور دو فرشتے آسمان سے اعلان کرتے ہیں، ایک ان میں سے کہتا ہے: اے نیکی کے طلب کرنے والے! خوشخبری لے (اور آگے بڑھ) اور دوسرا کہتا ہے: اے بُرائی کے کرنے والے! بس کر اور رُک جا (اپنی ہَلاکت② کا سامان اِکٹھا نہ کر) اور دو فرشتے اعلان کرتے ہیں، جن میں سے ایک کہتا ہے: یااللہ! خرچ کرنے والے کو اُس کا بدل دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! مال کو روک کے رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ عطاء بن یَسَار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے، تو مَلَکُ الموت کو ایک فہرست دے دی جاتی ہے کہ اس میں جن کے نام ہیں، ان سب کی اس سال میں روح قبض کرلی جائے، یہاں ایک آدمی فرش فروش③ میں لگا ہوا ہے، نکاح کرنے میں مشغول ہے، مکان کی تعمیر کرارہا ہے اور وہاں مردوں کی فہرست میں آگیا۔ [درمنثور]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی مسکین④ پر اگر کوئی آفت، کوئی مصیبت، کوئی حادثہ، کوئی رنج،

حل لغات: ① سورج۔ ② تباہی، بربادی۔ ③ بچھانے کی چیزیں۔ ④ غریب، بے چارہ۔

زہد وقناعت

کوئی تکلیف، کوئی مشقت، کوئی خوف، کبھی بھی نہ آئے، تب بھی موت کی سختی، نَزْعْ[1] کی حالت اور اس کا اندیشہ[2] ایسی چیز ہے، جو اس کی ساری لذّتوں کو مُکَدَّر[3] کر دینے کے لیے کافی ہے، اس کے سارے راحت وآرام کو کھو دینے والی چیز ہے، اُس کی غفلت کو زائل[4] کر دینے کے لیے، اسی کا فکر بہت کافی ہے، یہی چیز خود اتنی سخت ہے کہ اس کے فکر اور اُس کی تیاری میں آدمی کو ہر وقت مشغول رہنا چاہیے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ اس کا وقت معلوم نہیں کہ کب آکر مُسَلَّط[5] ہو جائے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ رسّی دوسرے کے ہاتھ میں ہے، نہ معلوم کب کھینچ لے۔ حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَام کا ارشاد اپنے بیٹے سے ہے کہ موت ایسی چیز ہے، جس کا حال معلوم نہیں کہ کب آپہونچے، اُس کے لیے اس سے پہلے پہلے تیاری کرلے کہ وہ دفعۃً[6] آجائے اور واقعی بڑے تعجب کی بات ہے کہ اگر آدمی انتہائی لذتوں میں مشغول ہو، لہو ولعب کی اونچی مجلس میں شریک ہو اور اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک سپاہی اُس کی تلاش میں ہے، جو (کسی جرم کی سزا میں) اس کے پانچ کوڑے مارے گا، تو ساری لذّت، سارا عیش وآرام مُکَدَّر ہو جائے گا (بلکہ اگر صرف اتنا ہی معلوم ہو جائے کہ اُس کے پاس اس کی گرفتاری کا وارنٹ ہے، وہ آج کل میں اس کو گرفتار کرلے گا، تب بھی ساری لذّتیں ختم ہو جائیں گی، رات کو نیند اُڑ جائے گی) حالاں کہ اس کو معلوم ہے کہ مَلَکُ الموت ہر وقت اُس پر مسلّط ہے اور موت کی سختیاں (جو ہزاروں کوڑوں سے بڑھ کر ہیں) اس پر مسلّط کرنے والا ہے، پھر بھی ہر وقت اُس سے غافل رہتا ہے، یہ جہالت اور غرور[7] کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ موت کی سختی کا حال وہی جانتا ہے، جس پر گزر چکی ہے، دوسرے کو اُس کی سختی کا حال معلوم نہیں ہوتا، وہ صرف قیاس[8] کر سکتا ہے یا مرنے والوں کی حالت دیکھ کر کچھ اندازہ لگا سکتا ہے اور قیاس اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ یہ تو ظاہر چیز ہے کہ بدن کے جس حصہ میں روح نہیں ہوتی، اس کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی (بدن کی جو کھال مُردہ ہو جاتی ہے، اُس کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی) لیکن جس عضو میں اور جس حصہ میں جان ہوتی ہے، اس میں سوئی چبھونے سے یا اُس کے کاٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے، بس بدن کے جس عضو پر کوئی زخم ہوتا ہے یا اُس کو کاٹا جاتا ہے یا وہ جَل جاتا ہے، تو اس سے تکلیف اس وجہ سے پہونچتی ہے کہ روح کو اور زندگی کو اُس حصۂ بدن سے تعلق ہے، اُس تعلق کی وجہ سے اُس عضو کے ذریعہ سے روح پر اَثر پہونچتا ہے اور رُوح سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے، تو ہر ہر عضو میں اُس کا بہت تھوڑا سا حصہ اثر کیے ہوئے ہے اور جتنا حصہ اس عضو میں ہے، اُسی کے بقدر روح کو تکلیف پہونچتی ہے، جو بہت تھوڑا سا حصہ ہے، لیکن جو تکلیف اعضاء کے بجائے براہِ راست[9] ساری روح کو پہونچے، جو موت کے وقت ہوتی ہے، اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ کتنی ہوگی، اس

حل لغات: (۱) جان نکلنے کا وقت۔ (۲) خوف، ڈر۔ (۳) خراب۔ (۴) دور، ختم۔ (۵) سوار ہونا۔ (۶) اچانک۔ (۷) گھمنڈ۔ (۸) اندازہ، جانچ۔ (۹) سیدھے۔

زہد وقناعت

لیے کہ موت براہِ راست ساری روح کو کھینچتی ہے، جو بدن کے سارے اَعضاء میں پھیلی ہوئی ہے، اس لیے بدن کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہوتا، جس میں اتنی ہی تکلیف نہ ہو، جتنی کہ اس کے کاٹنے میں ہوتی ہے، اس لیے کہ کسی عضو کے کاٹنے سے اس وجہ سے تکلیف ہوتی ہے کہ رُوح اس سے جُدا[1] ہوتی ہے اور اگر وہ مُردہ ہو، اس میں روح نہ ہوتو اس کے کاٹنے سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی، پس جب روح کے ذرا سے حصہ کے جُدا ہونے سے اتنی تکلیف ہوتی ہے، تو جب ساری رُوح کو بدن کے تمام حصوں سے کھینچا جائے گا، تو ظاہر ہے کہ کتنی تکلیف ہوگی، لیکن بدن کا اگر ایک حصہ کاٹا جاتا ہے، تو رُوح کا بقیہ حصہ سارے بدن میں موجود ہوتا ہے، وہ اس وقت قوی[2] ہوتا ہے، اس لیے آدمی چلاتا ہے، تڑپتا ہے، مگر جب ساری روح کھینچی جاتی ہے، تو اس میں ضعف[3] کی وجہ سے اتنی قوت نہیں رہتی کہ وہ کراہنے سے کچھ آرام پالے۔ البتہ اگر بدن قوی ہوتا ہے تو اُس کی بقدر سانس کے اُکھڑنے کے وقت اس میں آواز پیدا ہوتی ہے، جو سنائی دی جاتی ہے، قوت نہیں ہوتی تو یہ بھی پیدا نہیں ہوتی، اس کے نکلنے کے بعد ہر عضو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتا ہے، سب سے پہلے پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں، اس لیے کہ روح پاؤں کی طرف سے سب سے پہلے کھنچتی ہے اور وہاں سے نکل کر منہ کے ذریعہ سے جاتی ہے، پھر پنڈلیاں ٹھنڈی ہوتی ہیں، پھر رانیں، اسی طرح ہر ہر عضو ٹھنڈا ہوتا رہتا ہے اور ہر ایک عضو کو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے، جتنی اُس کے کاٹنے سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہونچتی ہے، تو آنکھوں سے نُور جاتا رہتا ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں بھی یہ دعا ہے کہ یا اللہ! مجھ پر موت کی اور نزع[4] کی سختی آسان فرما، لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اس دعا کو مانگتے ہیں، مگر اُس کی تکلیف سے ناواقف ہونے کی وجہ سے سرسری طور پر مانگ لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنا وَعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلام کا ارشاد اپنے حواریین[5] سے ہے کہ میرے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ سے اس کی دعا کرو کہ نزع کی تکلیف مجھ پر آسان ہو جائے کہ موت کے ڈرنے مجھے موت کے قریب پہونچا دیا۔ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے عابد لوگوں کی ایک جماعت ایک قبرستان میں پہونچی اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ سے اس کی دعا کی جائے کہ اُن میں سے کوئی مُردہ ظاہر ہو، جس سے ہم پوچھیں کہ کیا گزری؟ ان لوگوں نے دعا کی، ایک مُردہ ان پر ظاہر ہوا، جس کی پیشانی پر کثرت[6] سے سجدہ کرنے کا نشان بھی پڑا ہوا تھا، وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ مجھے مَرے ہوئے پچاس سال ہو گئے، لیکن موت کے وقت کی تکلیف اب تک میرے بدن سے نہیں گئی۔

حل لغات: (۱) الگ۔ (۲) مضبوط۔ (۳) کمزوری۔ (۴) جان نکلنے کا وقت۔ (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔ (۶) بہت زیادہ۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یا اللہ! تُو روح کو پٹھوں سے، ہڈیوں سے اور انگلیوں میں سے نکالتا ہے، مجھ پر موت کی سختی آسان کردے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ موت کی سختی کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اتنی تکلیف ہوتی ہے، جتنی کہ تین سوجگہ تلوار کی کاٹ سے ہوتی ہے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ جہاد پر جب ترغیب دیتے تو فرماتے کہ اگر تم قتل نہ کیے گئے، تو بستروں پر مَروگے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! کہ ہزار جگہ تلوار کی کاٹ سے مرنے کی تکلیف زیادہ سخت ہے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ مُردوں کو قیامت میں اُٹھنے تک موت کی تکلیف کا اثر محسوس ہوتا رہتا ہے۔ حضرت شداد ابن اوس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ موت دنیا اور آخرت کی سب تکلیفوں سے زیادہ سخت ہے، وہ آرہ چلا دینے سے زیادہ سخت ہے، وہ قینچیوں سے کتر دینے سے زیادہ سخت ہے، وہ دیگ میں پکا دینے سے زیادہ سخت ہے، اگر مُردے قبر سے اُٹھ کر مَرنے کی تکلیف بتائیں، تو کوئی شخص بھی دنیا میں لذّت سے وقت نہیں گزار سکتا، میٹھی نینداس کو نہیں آسکتی۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام کا جب وصال(۱) ہوا، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے دریافت فرمایا کہ موت کو کیسا پایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی جان کو ایسا دیکھ رہا تھا، جیسے زندہ چڑیا کو اس طرح آگ پر بھونا جارہا ہو کہ نہ اُس کی جان نکلتی ہو، نہ اُڑنے کی کوئی صورت ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایسی حالت تھی جیسا کہ زندہ بکری کی کھال اُتاری جارہی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو رہا تھا، تو پانی سے بھرا ہوا پیالہ حضور ﷺ کے قریب رکھا ہوا تھا، حضور اقدس ﷺ بار بار اپنے مبارک ہاتھ کو پیالہ میں ڈالتے اور پھر منہ پر مَلتے تھے اور فرماتے تھے، یا اللہ! نزع کی سختی پر میری مدد فرما۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ موت کی کیفیت بیان کرو، انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو آدمی کے اندر داخل کردیا جائے، جس کے ساتھ بدن کا ہر جزُ(۲) وِلپٹ جائے، پھر ایک دَم اُس کو کھینچ لیا جائے، اسی طرح جان کھینچی جاتی ہے۔

یہ سب تو نزع کی مختصر کیفیت تھی، ان سب کے علاوہ مَلَکُ المُوت اور اس کے مددگار فرشتوں کی صورتوں کا خوف ایک مُستَقِل مَرحَلَہ ہے، جس صورت پر وہ گناہ گاروں کی جان نکالتے ہیں، وہ ایسی ڈراؤنی صورت ہوتی ہے کہ قَوِیّ(۳) سے قوی آدمی بھی اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ابراہیم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام نے مَلَکُ المُوت سے فرمایا کہ تم جس صورت پر فاجر(۴) لوگوں کی جان نکالتے ہو،

حل لغات: (۱) انتقال، موت۔ (۲) حصہ۔ (۳) مضبوط، طاقتور۔ (۴) گنہگار۔

وہ مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اُس کا تحمل[1] نہ فرماسکیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں! میں تحمل کرلوں گا، حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اچھا دوسری طرف منہ کرلیجیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منہ پھیرلیا، اس کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اب دیکھ لیجیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اوپر دیکھا، تو ایک نہایت کالا آدمی (دیو کی شکل) بال بہت بڑے بڑے کھڑے ہوئے، نہایت سخت بدبو، کالے کپڑے، اُس کے منہ سے، ناک سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں، حضرت ابراہیم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ السَّلَام کو یہ حالت دیکھ کر غش[2] آگیا، بڑی دیر میں اِفاقہ[3] ہوا تو مَلَکُ الموت اپنی پہلی صورت پر تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر فاجر شخص کے لیے کوئی دوسری آفت نہ ہو، تب بھی یہ صورت ہی اُس کی آفت کے لیے کافی ہے۔

یہ فاجروں کا حال ہے، لیکن اللہ کے مُطیع[4] بندوں کی روح نکالنے کے وقت وہ نہایت ہی بہترین صورت میں ہوتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے یہ نقل کیا گیا کہ انہوں نے مَلَکُ المُوت سے فرمایا کہ مجھے اس ہیئت[5] کو بھی دکھاؤ، تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان نہایت نفیس[6] لباس پہنے ہوئے، خوشبوئیں مہکتی ہوئی، سامنے ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن کے لیے اگر مرتے وقت اس صورت کے علاوہ کوئی بھی فرحت[7] کی چیز نہ ہو، تو یہ بھی کافی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ جب کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں، تو مَلَکُ الموت سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے کی روح لے آؤ، میں اُس کو راحت پہونچاؤں، اُس کا امتحان ہوچکا ہے، میں جیسا چاہتا تھا، ویسا ہی کامیاب نکلا۔ مَلَکُ الموت اُس کے پاس آتے ہیں اور پانچ سو فرشتے ان کے ساتھ ہوتے ہیں، اُن میں سے ہر فرشتہ اُس شخص کو ایک ایسی خوش خبری اور بشارت دیتا ہے، جو دوسروں نے نہ دی ہو، اُن کے پاس رَیحان[8] کی ٹہنیاں اور زعفران کی جڑیں ہوتی ہیں، وہ سب فرشتے دو قطاروں میں لائن لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، جب اِبلیس یہ منظر دیکھتا ہے، تو اپنا سَر پکڑ کر رونا چلانا شروع کردیتا ہے، اُس کے حَشَم[9] وخَدَم دوڑے ہوئے آکر پوچھتے ہیں، آقا کیا بات ہوگئی؟ وہ کہتا ہے: کم بختو! دیکھتے نہیں ہو یہ کیا ہورہا ہے؟ تم کہاں مَر گئے تھے؟ وہ یہ کہتے ہیں: ہمارے سردار! ہم نے تو بہت کوشش کی مگر یہ گناہوں سے محفوظ رہا۔

حضرت جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے جب انتقال کا وقت قریب تھا، کسی نے پوچھا: کسی چیز کی رغبت[10] ہے؟ فرمایا کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو

حل لغات: (۱) برداشت۔ (۲) بیہوشی۔ (۳) آرام، صحت۔ (۴) فرماں بردار۔ (۵) حالت۔ (۶) عمدہ، قیمتی۔ (۷) خوشی۔ (۸) ایک خوشبودار پودا۔ (۹) نوکر چاکر۔ (۱۰) خواہش۔

زہد وقناعت

لوگوں نے کہا کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ آگئے ہیں، تو حضرت جابر رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: بھائی یہ رخصت کا وقت ہے، اب جا رہے ہیں، یہ خبر نہیں کہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ [احیاء]

حضرت تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ مَلَکُ الموت سے فرماتے ہیں کہ میرے فلاں ولی کے پاس جاؤ اور اس کی روح لے آؤ، میں نے اس کا خوشی میں اور غم میں، دونوں میں امتحان لے لیا، وہ ایسا ہی نکلا جیسا کہ میں چاہتا تھا، اس کو لے آؤ تا کہ دنیا کی مَشَقَّتوں سے اُس کو راحت مل جائے، مَلَکُ الموت پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس آتے ہیں، ان سب کے پاس جنت کے کفن ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں رَیحان کے گُل دستے ہوتے ہیں، جن میں ہر ایک میں بیس۲۰ رنگ ہوتے ہیں اور ہر رنگ میں نئی خوشبو ہوتی ہے اور ایک سفید ریشمی رومال میں مہکتا ہوا مشک[۱] ہوتا ہے، مَلَکُ الموت اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں اور فرشتے اُس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اس کے ہر عضو[۲] پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اور یہ مُشک والا رُومال اُس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں اور جنت کا دروازہ اس کی نگاہ کے سامنے کھول دیتے ہیں، اُس کے دل کو جنت کی نئی نئی چیزوں سے بہلایا جاتا ہے، جیسا کہ بچّے کے رونے کے وقت اُس کے گھر والے مختلف چیزوں سے اس کا دل بہلاتے ہیں، کبھی اُس کی حوریں سامنے کر دی جاتی ہیں، کبھی وہاں کے پھل، کبھی عمدہ عمدہ لباس، غرض مختلف چیزیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، اس کی حوریں (بیویاں) خوشی میں کُودنے لگتی ہیں، ان سب منظروں کو دیکھ کر اُس کی روح بدن میں پھڑکنے لگتی ہے (جیسا کہ پنجرہ میں جانور نکلنے کو پھڑکتا ہے) اور مَلَکُ الموت اس سے کہتا ہے: اے مبارک روح! چل ایسی بیریوں کی طرف جس میں کانٹا نہیں ہے اور ایسے کیلوں کی طرف جو تَوبتَو[۳] لگے ہوئے ہیں اور ایسے سایہ کی طرف جو نہایت گہرا، وسیع[۴] ہے اور پانی بہہ رہے ہیں (یہ چند منظروں کی طرف اشارہ ہے، جو قرآن پاک میں سورۂ واقعہ کی اس آیت شریفہ میں ذکر کی گئی:

﴿فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾﴾ الاٰية۔ [سورۂ واقعہ:۲۸-۳۰]

اور مَلَکُ الموت ایسی نرمی سے بات کرتا ہے جیسا کہ ماں اپنے بچے سے کرتی ہے، اس وجہ سے کہ اُس کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ روح حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں مُقرَّب[۵] ہے، وہ اس روح کے ساتھ لُطف[۶] سے پیش آتا ہے، تا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس فرشتے سے خوش ہوں، وہ روح بدن میں سے ایسی طرح سہولت سے نکلتی ہے جیسا کہ آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے، جب روح نکلتی ہے تو سب فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت[۷] دیتے ہیں، جس کو قرآن پاک: ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

حل لغات: ① خشبو۔ ② جسم کا حصہ۔ ③ تہہ بہ تہہ، ایک کے اوپر ایک۔ ④ خوب لمبا چوڑا۔ ⑤ عزت والا ہونا۔ ⑥ نرمی، مہربانی۔ ⑦ خوش خبری۔

﴿ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ﴾ الاٰية [سورۂ نحل:۳۲] میں ذکر فرمایا ہے اور اگر وہ مُقرَّب بندوں میں ہوتا ہے تو سورۂ واقعہ میں اُس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴾ [سورۂ واقعہ:۸۹]

پس جس وقت رُوح بدن سے جُدا ہوتی ہے، تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تجھ کو جزائے خیر دے، تُو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں جلدی کرنے والا تھا، اُس کی نافرمانی میں سُستی کرنے والا تھا، تجھے آج کا دن مبارک ہو، تُو نے خود بھی عذاب سے نجات پائی اور مجھے بھی نجات دی اور یہی مضمون بدن رخصت کے وقت روح سے کہتا ہے، اُس کی جُدائی پر زمین کے وہ حصے روتے ہیں، جن پر وہ اکثر عبادت کیا کرتا تھا، آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں، جن سے اس کے اعمال اوپر جایا کرتے تھے اور جن سے اُس کا رزق اُترا کرتا تھا، اس کے بعد وہ پانچ سو فرشتے میّت کے پاس جمع ہوجاتے ہیں اور جب نہلانے والے اس کو کروٹ دیتے ہیں، تو وہ فرشتے فوراً اُس کو کروٹ دینے لگتے ہیں اور جب وہ کفن پہناتے ہیں، تو اس سے پہلے وہ فوراً اپنا لایا ہوا کفن پہنا دیتے ہیں، جب وہ خوشبو ملتے ہیں، تو وہ فرشتے اس سے پہلے اپنی لائی ہوئی خوشبو مَل دیتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کے دروازہ سے قبر تک دونوں جانب قطار[۱] لگا کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس کے جنازہ کا دعا اور استغفار کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔

یہ سارے منظر شیطان دیکھ کر اس قدر زور سے روتا ہے کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے لگتی ہیں اور اپنے لشکروں سے کہتا ہے، تمہارا ناس[۲] ہوجائے! یہ تم سے کس طرح چھوٹ گیا؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ معصوم تھا۔

اس کے بعد جب حضرت مَلَکُ الموت اُس کی روح لے کر اوپر جاتے ہیں، تو حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام ستّر ہزار فرشتوں کے ساتھ اُس کا استقبال کرتے ہیں، یہ فرشتے اُس کو حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے بشارتیں دیتے ہیں، اس کے بعد جب مَلَکُ الموت عَلَیْہِ السَّلَام اُس کو عرش تک لے جاتے ہیں، تو وہاں پہونچ کر وہ روح سجدہ میں گرجاتی ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو ﴿ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ ﴾ [سورۂ واقعہ:۲۸، ۲۹] میں پہونچا دو۔ جب اُس کی نعش قبر میں رکھی جاتی ہے، تو اس کی نماز اُس کے دائیں طرف آکر کھڑی ہوجاتی ہے، روزہ بائیں طرف کھڑا ہوجاتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت اور اللہ کا ذکر سَر کی طرف کھڑا ہوجاتا ہے اور جماعت کی نماز کو جو قدم چلے ہیں، وہ پاؤں کی طرف کھڑے ہوجاتے ہیں اور (مَصائب[۳] اور گناہوں سے) صبر، قبر کے ایک جانب کھڑے ہوجاتے ہیں، اس کے بعد عذاب اُس قبر میں اپنی گردن نکالتا ہے اور مُردہ تک پہونچنا چاہتا ہے، لیکن وہ اگر دائیں جانب سے آتا ہے، تو نماز اس کو کہتی ہے کہ پَرے ہٹ، یہ شخص خدا کی قسم! دنیا میں ہمیشہ مَشَقَّت[۴] اٹھاتا رہا، ابھی ذرا راحت سے سویا ہے، پھر وہ بائیں جانب سے آتا ہے،

حل لغات: (۱) سیدھی اور لمبی لائن۔ (۲) تباہ و برباد ہونا۔ (۳) مصیبتیں۔ (۴) تکلیف۔

زہد و قناعت

تو روزہ اسی طرح اس کو ہٹا دیتا ہے، پھر وہ سَر کی طرف سے آتا ہے، تو تلاوت اور ذکر اُس کو روک دیتے ہیں کہ اِدھر کو تیرا راستہ نہیں ہے۔ غرض وہ جس جانب سے جانا چاہتا ہے، اُس کو راستہ نہیں ملتا، اس لیے کہ اللہ کے وَلی کو ہر جانب سے عبادتوں نے گھیر رکھا ہے، وہ عذاب عاجز ہوکر واپس چلا جاتا ہے، اس کے بعد صبر جو ایک کونہ میں کھڑا تھا، ان عبادتوں سے کہتا ہے کہ میں اس انتظار میں تھا کہ اگر کسی جانب (عبادت کی کسی قسم کی کمزوری سے) کچھ ضُعف[1] ہو، تو میں اس جانب مُزَاحمت[2] کروں گا، مگر الحمد للہ کہ تم نے مِل کر اُس کو دفع[3] کر دیا، اب میں (اعمال تُلنے کی) ترازو کے وقت اس کے کام آؤں گا۔

اس کے بعد دو فرشتے اُس مُردہ کے پاس آتے ہیں، جن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور آواز بادلوں کی زوردار گرج کی طرح ہوتی ہے، اُن کے دانتوں کی کچلیاں[4] گائے کے سینگوں کی طرح ہوتی ہیں، ان کے منہ سے سانس کے ساتھ آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں، بال اتنے بڑے کہ پاؤں تک لٹکے ہوئے، ان کے ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک اتنا فاصلہ کہ کئی دن میں چل کر پورا ہو، مہربانی اور نَرمی گویا اُن کے پاس کو بھی نہیں گزری (البتہ سختی کا معاملہ مومنوں کے ساتھ نہیں کرتے، لیکن ہَیئت[5] ہی کیا کم ہے؟) ان کو مُنکر نکیر کہا جاتا ہے، ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک اتنا بڑا اور بھاری ہتھوڑا ہوتا ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسان اور جنات مِل کر اُٹھائیں، تو اُن سے اُٹھ نہ سکے، وہ آ کر مُردہ سے کہتے ہیں: بیٹھ جا! مُردہ ایک دَم بیٹھ جاتا ہے اور کفن اس کے سر سے نیچے سُرین[6] تک آ جاتا ہے، وہ سوال کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ تیرا مذہب کیا ہے؟ تیرے نبی کا کیا نام ہے؟ مُردہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ جَلَّ شانُہٗ ہے، جو وَحدَہٗ لاشَرِیکَ لَہٗ ہے (وہ تنِ تنہا مالک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں) میرا دین اسلام ہے، میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو خاتم النّبیین ہیں، وہ دونوں کہتے ہیں: تُو نے صحیح کہا ہے، اس کے بعد وہ قبر کی دیواروں کو سب طرف سے ہٹا دیتے ہیں، جس سے وہ اوپر سے اور چاروں جانب دائیں بائیں سَرہانے پائینتی سے بہت زیادہ وسیع[7] ہوجاتی ہے، اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اوپر سَر اُٹھاؤ، مُردہ جب سَر اُٹھاتا ہے، تو اس کو ایک دروازہ نظر آتا ہے، جس میں سے جنت نظر آتی ہے، وہ کہتے ہیں: اے اللہ کے ولی! وہ جگہ تمہارے رہنے کی ہے، اس وجہ سے کہ تم نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی اطاعت کی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اُس کو اُس وقت ایسی خوشی ہوتی ہے، جو کبھی نہ لوٹے گی۔ اس کے بعد وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھو، وہ دیکھتا ہے، تو جہنم کا ایک درواز نظر آتا ہے (جس سے اس کی حالت نظر آتی ہے) وہ

حل لغات: (۱) کمزوری۔ (۲) مقابلہ۔ (۳) دور کرنا، ہٹانا۔ (۴) نوکدار دانت۔ (۵) صورت، شکل۔ (۶) کولا، پٹھا۔ (۷) خوب لمبی چوڑی۔

زہد و قناعت

فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی! تُو نے اس دروازہ سے نجات پالی، اس وقت بھی مُردہ کو اس قدر خوشی ہوتی ہے، جو کبھی نہ لوٹے گی۔ اس کے بعد اُس قبر میں ستّتر دروازے جنت کی طرف کھل جاتے ہیں، جن میں سے وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور قیامت تک یہی منظر رہے گا۔ (اس کے بعد دوسرے کی حالت سنو کہ) حق تعالیٰ شانُہٗ مَلَکُ الموت سے فرماتے ہیں کہ میرے دُشمن کے پاس جاؤ اور اس کی جان نکال لاؤ، میں نے اُس پر ہر قسم کی فراخی[1] رکھی، اپنی نعمتیں (دنیا میں چاروں طرف سے) اُس پر لاد دیں، مگر وہ میری نافرمانی سے باز نہیں آیا، لاؤ آج اس کو سزا دُوں۔ مَلَکُ الموت نہایت تکلیف دہ صورت میں اس کے پاس آتے ہیں، اس صورت سے کہ بارہ آنکھیں ان میں ہوتی ہیں، اُن کے پاس ایک گُرز[2] جہنم کی آگ کا بنا ہوا ہوتا ہے، جس میں کانٹے ہوتے ہیں، اُن کے ساتھ پانچ سو فرشتے جن کے ساتھ تانبہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اور ہاتھوں میں جہنم کی آگ کے بڑے بڑے انگارے اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں، جو دہکتے ہوئے ہوتے ہیں، مَلَکُ الموت آتے ہی وہ گُرز اُس پر مارتے ہیں، جس کے کانٹے اس کے ہر رگ وپے[3] میں گھس جاتے ہیں، پھر وہ اُس کو کھینچتے ہیں اور باقی فرشتے ان کوڑوں سے اس کے منہ کو اور سُرین کو مارنا شروع کر دیتے ہیں، جس سے وہ مردہ غش[4] کھانے لگتا ہے، وہ اس کی روح کو پاؤں کی انگلیوں سے نکال کر ایڑی میں روک دیتے ہیں اور پٹائی کرتے رہتے ہیں، پھر ایڑی سے نکال کر گھٹنوں میں روک دیتے ہیں، پھر وہاں سے نکال کر (اور جگہ جگہ اس لیے روکتے ہیں، تاکہ دیر تک تکلیف پہونچائی جائے) پیٹ میں روک دیتے ہیں اور وہاں سے کھینچ کر سینے میں روک دیتے ہیں، پھر فرشتے اُس تانبہ کو اور جہنم کے اَنگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیتے ہیں اور مَلَکُ الموت عَلَیْہِ السَّلَام کہتے ہیں کہ اے ملعون روح! نکل اور اس جہنم کی طرف چل جس کی صفت (قرآن پاک سورۂ واقعہ میں) ﴿ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ ﴾ [سورۂ واقعہ: ۴۲] ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ آگ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ[5] دھوئیں کے سایہ میں، جو نہ ٹھنڈا ہوگا، نہ فرحت[6] بخش ہوگا (بلکہ نہایت تکلیف دینے والا ہوگا)۔ پھر جب اُس کی روح بدن سے رخصت ہوتی ہے، تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تجھے بُرا بدلہ دے، تُو مجھے اللہ کی نافرمانی میں جلدی سے لے جاتا تھا اور اُس کی اطاعت میں سُستی کرتا تھا، تُو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاک کیا اور یہی مضمون بدن روح سے کہتا ہے اور زمین کے وہ حصے جن پر وہ اللہ کے گناہ کیا کرتا تھا، اُس پر لعنت کرتے ہیں اور شیطان کے لشکر دوڑے ہوئے اپنے سردار ابلیس کے پاس جا کر خوشخبری سناتے ہیں کہ ایک

حلِ لغات: (۱) کشادگی۔ (۲) لوہے کا موٹا سا ڈنڈا۔ (۳) تمام نس اور پٹھا، مراد پورا جسم۔ (۴) بے ہوش۔ (۵) کالے۔ (۶) خوشی دینے والا۔

زہد و قناعت

آدمی کو جہنم تک پہونچا دیا، پھر جب وہ قبر میں رکھا جاتا ہے، تو زمین اس پر اتنی تنگ ہوجاتی ہے کہ اُس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں، پھر اُس پر کالے سانپ مُسَلَّط[1] ہوجاتے ہیں، جو اُس کی ناک اور پاؤں کے انگوٹھے سے کاٹنا شروع کرتے ہیں، یہاں تک کہ درمیان میں دونوں جانب کے سانپ آکر مل جاتے ہیں، پھر اُس کے پاس دو فرشتے (مُنکر نکیر جن کی ہیئت ابھی گزر چکی ہے) آتے ہیں اور اُس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرے نبی کون ہیں؟ وہ ہر سوال کے جواب میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے اور اس کے جواب پر اُس کو گُرز سے اس قدر زور سے مارتے ہیں کہ اُس گُرز کی چنگاریاں قبر میں پھیل جاتی ہیں، اُس کے بعد اُس کو کہتے ہیں کہ اوپر دیکھ، وہ اوپر کی جانب جنت کا دروازہ کھلا ہوا دیکھتا ہے (اس کی باغ و بہار وہاں سے نظر آتی ہے)، وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن! اگر تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اطاعت کرتا تو یہ تیرا ٹھکانہ ہوتا۔ حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اُس کو اس وقت ایسی حسرت[2] ہوتی ہے کہ ایسی حسرت کبھی نہ ہوگی، پھر دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن! اب تیرا یہ ٹھکانہ ہے، اس لیے کہ تو نے حق تعالیٰ شانہٗ کی نافرمانی کی، اس کے بعد ستتّر دروازے جہنم کے اس کی قبر میں کھول دیے جاتے ہیں، جن میں سے قیامت تک گرم ہوائیں اور دھواں وغیرہ آتا رہتا ہے۔ مُحدِّثین رحمۃ اللہ علیہم اس حدیث پر سند کے اعتبار سے کچھ کلام کرتے ہیں، لیکن اس کے مضامین کی تائید بہت سی روایات سے ہوتی ہے۔ [اتحاف]

بالخصوص حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی روایتیں جو ''مشکوٰۃ شریف'' کی ''کتاب الجنائز'' میں اور ''باب اثبات عذاب القبر'' میں ہیں، اگر کوئی ان کا ترجمہ دیکھنا چاہے تو ''مظاہرِ حق'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ منظر بہت زیادہ نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سخت منظر ہے، بہت کثرت سے احادیث میں اس کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، اختصار[3] کی وجہ سے ایک ہی حدیث کا ترجمہ لکھا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ گناہ گاروں کے لیے اہلِ قبور سے ہلاکت ہے کہ اُن کے اُوپر کالے سانپ مُسَلَّط کردیے جاتے ہیں، ایک پاؤں کی جانب سے، دوسرا سر کی جانب سے اور وہ کاٹتے ہوئے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ درمیان میں آکر دونوں مل جاتے ہیں، یہی وہ برزخ کا عذاب ہے، جس کو قرآن پاک میں ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ [سورۂ مومنون:۱۰۰] سے تعبیر[4] فرمایا ہے۔

حل لغات: (۱) چھاجانا۔ (۲) افسوس۔ (۳) مختصر کرنا۔ (۴) بیان کرنا، واضح کرنا۔

زہد وقناعت

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر کا ذکر کرتے، تو اتنا روتے کہ داڑھی مبارک تر[1] ہو جاتی، جیسا کہ اُوپر گزر چکا ہے، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں بہت کثرت سے عذاب قبر سے پناہ مانگی گئی، تا کہ لوگ کثرت سے اُس کی دعا مانگیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تو معصوم ہیں اور اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے، جو پہلے گزرا کہ "تم خوف کی وجہ سے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، ورنہ میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذابِ قبر سنا دے"۔ اور یہ جو کچھ ہے، مقتضائے عدل[2] ہے، اس لیے کہ آدمی اس عالَم[3] میں صرف اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی عبادت کے لیے بھیجا گیا تھا اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے تمام جانی اور مالی احسانات کے ساتھ قرآن پاک میں یہ بات جتا[4] بھی دی تھی کہ تمہیں اس عالم میں صرف عبادت کے لیے بھیجا جاتا ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾
[سورۃ الذاریات: ۵۶]

اور اس پر بھی مُتنبّہ[5] کر دیا تھا کہ زندگی صرف امتحان کے لیے دی گئی ہے کہ ہمارے ان احسانات میں کیا کارگزاری ہے اور موت اس امتحان کا نتیجہ سنانے کے لیے ہے ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ [سورۂ ملک: ۱، ۲]

ترجمہ: وہ (خدا عَزَّ جَلَّ) بڑا عالی شان ہے، جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔

اور جب کہ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور جن[6] وانس کی پیدائش کی حکمت صرف عبادت ہے اور دنیا کی جتنی لذتیں، راحتیں اور سامان دیے گئے ہیں، وہ صرف اس لیے دیے گئے ہیں کہ اپنی ضرورت کے بقدر اُن سے نفع اُٹھائیں اور کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ اپنے ہی نفع کے لیے، اپنے ہی کام آنے کے لیے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے خزانہ میں جمع کر دیں، پھر کتنی غفلت اور حسرت[7] اور خسارہ[8] کی بات ہے کہ ہم ان میں لگ کر حق تعالیٰ شانُہٗ کے احکامات کو بھی بھول جائیں اور اس سے بھی آنکھ بند کر لیں کہ ہم کیوں آئے تھے؟ اور یہ سب ہمیں کیوں دیا گیا تھا؟ ہم کس چیز میں لگ گئے اور اصل حسرت اس وقت ہوتی ہے، جب یہ ہزاروں کی مقدار بڑی محنت اور جاں فشانی سے کمائی ہوئی، اپنے اُوپر خرچ کی تنگی کر کے جمع کی ہوئی، دوسروں کے لیے چھوڑ کر خود خالی ہاتھ دفعتہً[9] اس عالم سے چلا جانا پڑے، اگر ہم میں کچھ بھی عقل کا حصہ ہے، تو تھوڑی دیر بالکل تنہا مکان میں بیٹھ کر یہ منظر سوچنے اور غور

حل لغات: (۱) بھیگ جانا۔ (۲) انصاف کے مطابق۔ (۳) دنیا۔ (۴) بتا دینا۔ (۵) خبردار کرنا۔ (۶) جنات اور انسان۔ (۷) افسوس۔ (۸) نقصان۔ (۹) اچانک۔

زہد و قناعت

کرنے کا ہے کہ اگر اسی وقت مَلَکُ الموت[1] آجائیں تو میرا کیا بنے؟ اور اس سارے ساز و سامان کا کیا بنے؟ برسوں کی محنت ہے، جو برسوں کی کمائی ہے، برسوں کا جوڑا ہوا ہے۔

حضرت وَہَب بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، جس کا ارادہ اپنی مملکت کی زمین کی سَیر کا اور حال دیکھنے کا ہوا، اس کے لیے شاہانہ[2] جوڑا منگایا، ایک جوڑا لایا گیا، وہ پسند نہ آیا، دوسرا منگایا گیا، غرض بار بار رَدّ[3] کے بعد نہایت پسندیدہ جوڑا پہن کر سواری منگائی گئی، ایک عمدہ گھوڑا لایا گیا، وہ پسند نہ آیا اُس کو واپس کر کے دوسرا، تیسرا منگایا، جب وہ بھی پسند نہ آیا تو سب گھوڑے سامنے لائے گئے، ان میں سے بہترین گھوڑا پسند کر کے سوار ہوا، شیطان مَردود نے اس وقت اور بھی نُخُوّت[4] ناک میں پھونک دی، نہایت تکبر سے سوار ہوا، حَشَم[5]، خَدَم[6]، فوج، پیادہ[7] ساتھ چلے، مگر بڑائی اور تکبر سے بادشاہ اُن کی طرف دیکھنا بھی گوارا[8] نہ کرتا تھا، راستہ میں چلتے چلتے ایک شخص نہایت خَستہ[9] حال پُرانے کپڑوں میں ملا اُس نے سلام کیا، بادشاہ نے اِلتفات[10] بھی نہ کیا، اُس خَستہ حال نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی، بادشاہ نے اس کو ڈانٹا کہ لگام چھوڑ، اتنی بڑی جرأت[11] کرتا ہے، اُس نے کہا: مجھے تجھ سے ایک کام ہے، بادشاہ نے کہا: اچھا صبر کر، جب میں سواری سے اُتروں گا اس وقت کہہ لینا، اُس نے کہا: نہیں اَبھی کہنا ہے اور یہ کہہ کر زَبردستی لگام چھین لی، بادشاہ نے کہا: کہہ، اُس نے کہا: بہت رَاز کی بات ہے، کان میں کہنی ہے، بادشاہ نے کان اس کے قریب کر دیا، اُس نے کہا: میں مَلَکُ الموت ہوں، تیری جان لینا ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ کا چہرہ فق[12] ہو گیا اور زبان لڑکھڑا گئی، پھر کہنے لگا کہ اچھا مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں گھر جا کر کچھ اپنے سامان کا نظم کر دوں، گھر والوں سے مِل لوں، فرشتہ نے کہا کہ بالکل مہلت نہیں ہے، اب تُو اپنے گھر کو اور سامان کو کبھی نہیں دیکھ سکے گا، یہ کہہ کر اُس کی روح قبض کر لی، وہ گھوڑے پر سے لکڑی کی طرح نیچے گر گیا۔ اس کے بعد وہ فرشتہ مَلَکُ الموت ایک نیک مسلمان کے پاس گیا کہ وہ (نیک بندہ) بھی کہیں سفر میں جا رہا تھا، اُس کو جا کر سلام کیا، اُس نے وعلیکم السلام کہا، اُس نے کہا: مجھے تیرے کان میں ایک بات کہنی ہے، اُس نے کہا: کہو، اُس نے کان میں کہا کہ میں مَلَکُ الموت ہوں، اُس نے کہا: بہت اچھا کیا آئے، بڑا مبارک ہے ایسے شخص کا آنا جس کا فِراق[13] بہت طویل[14] ہو گیا تھا، مجھ سے تو جتنے آدمی دور ہیں، اُن میں کسی سے بھی ملاقات کا اتنا اشتیاق[15] نہ تھا، جتنا تمہاری ملاقات کا تھا، فرشتے نے کہا کہ تم جس کام کے لیے گھر سے نکلے ہو، اُس کو جلدی پورا کر لو، اُس نے کہا: مجھے حق تعالیٰ شانُہٗ سے ملنے سے زیادہ محبوب کوئی بھی

حل لغات: (۱) روح قبض کرنے والا فرشتہ۔ (۲) قیمتی۔ (۳) واپس کرنا۔ (۴) گھمنڈ، غرور۔ (۵) نوکر چاکر۔ (۶) خادم۔ (۷) پیدل چلنے والے۔ (۸) پسند۔ (۹) خراب حالت والا۔ (۱۰) توجہ۔ (۱۱) ہمت۔ (۱۲) ہکا بکا، حیران و پریشان۔ (۱۳) جدائی۔ (۱۴) لمبا۔ (۱۵) شوق۔

زہد و قناعت

کام نہیں ہے، فرشتے نے کہا کہ تم جس حالت پر مرنا اپنے لیے پسند کرتے ہو، میں اُسی حالت میں جان قبض کروں گا، اُس شخص نے کہا کہ تمہیں اس کا اختیار ہے فرشتہ نے کہا: مجھے یہی حکم دیا گیا (کہ تمہاری خوشی کا اتباع[1] کروں)، اُس شخص نے کہا کہ اچھا تو مجھے وضو کر کے نماز پڑھنے دو اور جب میں سجدہ میں جاؤں تو میری روح قبض کر لینا، چنانچہ اُس نے نماز شروع کی اور سجدہ میں اُس کی روح قبض کی گئی۔ [اِحیاء]

حق تعالیٰ شانُہٗ کے بے نہایت احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس ناکارہ[2] کی سب سے بڑی لڑکی، عزیز محترم مولوی محمد یوسف صاحب زاد فضلہٗ (تاریخ وفات ۲۹/ذی القعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۶۵ء یوم جمعہ مقام لاہور) کی اہلیہ، جو عرصہ سے بیمار تھی اور اشارہ سے نماز پڑھتی تھی، اسی سال ۲۹/شوال ۸۶ھ، شبِ دوشنبہ[3] میں جب کہ وہ مغرب کی نماز میں اشارہ کر کے سجدہ میں گئی، تو وہیں روح کو اس کے پیدا کرنے والے کے سپرد کر دیا اور اسی حالتِ سجود میں دنیا کو رخصت کر دیا، حق تعالیٰ شانُہٗ کے کس کس احسان کا شکر ادا ہو سکتا ہے۔ ابوبکر بن عبد اللہ مُزنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے بہت زیادہ مال جمع کیا تھا، جب مرنے کے قریب ہو گیا، تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرا سارا مال میرے سامنے تو کر دو، وہ سب جلدی جلدی جمع کیا گیا، بہت سے گھوڑے، اونٹ، غلام وغیرہ سب چیزیں سامنے لائی گئیں، وہ ان کو دیکھ کر (حسرت سے) رو رہا تھا کہ یہ سب چھوٹ رہا ہے، اتنے میں مَلَکُ الموت سامنے آ گئے اور کہنے لگے: رونے سے کیا فائدہ ہے؟ اس ذات کی قسم جس نے یہ سب نعمتیں تجھ کو عطا کیں! اب تیری جان لے کر جاؤں گا، اُس نے درخواست کی کہ تھوڑی سی مہلت اگر دے دی جائے، تو میں ان چیزوں کو تقسیم کر دوں، فرشتے نے کہا: اب مہلت کا وقت افسوس ہے کہ جاتا رہا، کاش اس وقت سے پہلے تو تقسیم کر دیتا، یہ کہہ کر اُس کی جان نکال لی۔

ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے بہت سا مال جمع کیا تھا اور کوئی چیز بھی ایسی نہ چھوڑی، جو اپنے یہاں نہ منگا لی ہو اور ایک بہت بڑا عالی شان محل تیار کیا، جس کے دو دروازے تھے، ان پر غلام مُحافِظ[4] مقرر کیے اور مکان کی تیاری کی بہت بڑی دعوت کی، جس میں اپنے سب عزیز و احباب کو جمع کیا اور ایک بڑے عالی شان تخت پر ایک ٹانگ کھڑی کر کے دوسری ٹانگ اُس پر رکھے بیٹھا تھا، لوگ کھانا کھا رہے تھے اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ اتنا جمع ہو گیا ہے کہ کئی سال تک تو اب خریدنا نہ پڑے گا، یہ خیال دل میں گزر ہی رہا تھا کہ ایک فقیر پھٹے کپڑے، گردن میں (فقیروں جیسا)

حل لغات: (۱) فرمانبرداری۔ (۲) مراد مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (۳) پیر کی رات۔ (۴) حفاظت کرنے والے، چوکیدار۔

جھولا پڑا ہو، دروازہ پر آیا اور اس زور سے کواڑوں[1] کو پیٹنا شروع کیا کہ اس کے تخت تک آواز پہونچی، غلام دوڑے ہوئے باہر آئے کہ یہ کون نامعقول[2] ہے؟ اس سے جاکر پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ اُس فقیر نے کہا کہ اپنے سردار کو میرے پاس بھیج دو، غلاموں نے کہا کہ ہمارے آقا تجھ جیسے فقیر کے پاس آئیں گے؟ اُس نے کہا: ضرور آئیں گے، اُس سے جاکر کہہ دو وہ آقا کے پاس گئے اور اُس سے قصہ سنایا، اس نے کہا: تم نے اُس کو اس کے کہنے کا مزہ نہ چکھایا، اتنے میں اُس فقیر نے دوبارہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے کواڑوں کو پیٹا، جس پر دَربان[3] دوڑے ہوئے پھر دروازے پر آئے، تو اُس فقیر نے کہا کہ اُس اپنے آقا سے کہہ دو کہ میں مَلَکُ الموت ہوں، یہ سن کر اُن کے ہوش اُڑ گئے اور آقا سے جاکر کہا، اُس پر بھی مٹی چھت گئی اور بہت عاجزی سے کہنے لگا کہ اس سے یہ کہہ دو کہ میرے فِدیہ[4] میں کسی دوسرے کو قبول کرلے، اتنے میں یہ فقیر اندر پہونچ گیا اور اُس سے کہا کہ تجھے جو کچھ کرنا ہے کرلے، میں تیری روح قبض کیے بغیر واپس نہیں جاسکتا، اُس نے اپنا سب مال جمع کرایا اور مال سے کہنے لگا کہ اللہ کی تجھ پر لعنت ہو کہ تُو نے اور تیری مشغولی نے مجھے اپنے مولیٰ کی عبادت سے روک دیا اور اتنا وقت نہ دیا کہ میں کسی وقت یکسوئی[5] سے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کو یاد کرلیتا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنی قدرت سے مال کو گویائی[6] عطا کی، اُس نے کہا: مجھے لعنت کیوں کرتا ہے، میری ہی وجہ سے تُو بڑے بڑے بادشاہوں تک ایسے وقت پہونچ جاتا تھا، جب کہ نیک لوگ ان کے دروازوں سے ہٹادیے جاتے تھے، میری ہی وجہ سے تو نازک نازک عورتوں کی لذتیں حاصل کرتا تھا، میری ہی وجہ سے تُو بادشاہوں کی طرح رہتا تھا، تُو مجھے بُرائی کے موقعوں میں خرچ کرتا تھا اور میں انکار نہیں کرسکتا تھا، اگر تُو مجھے خیر کے مواقع میں خرچ کرتا تو میں تیرے کام آتا، اس کے بعد مَلَکُ الموت نے ایک دم اُس کی روح قبض کرلی۔

وہب بن مُنَبِّہ رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَلَکُ الموت ایک بہت بڑے ظالم جابر کی روح قبض کرکے لے گئے کہ دنیا میں اس سے بڑا ظالم کوئی نہ تھا، وہ جارہے تھے، فرشتوں نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ہمیشہ جانیں قبض کیں، تمھیں کبھی کسی پر رحم بھی آیا؟ انھوں نے کہا کہ سب سے زیادہ ترس[7] مجھے ایک عورت پر آیا، جو تنہا جنگل میں تھی، جب ہی اس کے بچہ پیدا ہوا تھا، مجھے حکم ہوا کہ اس عورت کی جان قبض کرلوں، مجھے اُس عورت کی اور اس کے بچے کی تنہائی پر بڑا ترس آیا کہ اس بچہ کا اس جنگل میں جہاں کوئی دوسرا نہیں ہے، کیا بنے گا؟ فرشتوں نے کہا کہ یہ ظالم جس کی روح تم لے جارہے ہو، وہی بچہ ہے۔ مَلَکُ الموت حیرت میں رہ گئے، کہنے لگے: مولیٰ تُو پاک ہے، بڑا مہربان ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

حل لغات: (۱) دروازے۔ (۲) بیوقوف۔ (۳) چوکیدار، پہرے دار۔ (۴) بدلہ۔ (۵) اطمینان، دل لگاکر۔ (۶) بولنے کی طاقت۔ (۷) رحم۔

زہد و قناعت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کے گھر والے رونا شروع کرتے ہیں، تو مَلَکُ الموت اُس مکان کے دروازہ پر کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روزی نہیں کھالی (یہ اپنی روزی ختم کرچکا تھا) میں نے اس کی عمر کم نہیں کردی، مجھے تو اس گھر میں پھر آنا ہے اور بار بار آنا ہے، اتنے سب ختم نہ ہوجائیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! اگر گھر والے اُس وقت اس فرشتہ کو دیکھیں اور اُس کی بات سن لیں تو مُردہ کو بھول جائیں اور اپنے فکر میں پڑجائیں۔

یزید رَقاشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ظالموں میں سے ایک ظالم اپنے گھر میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی سے تخلیہ[1] کررہا تھا، اتنے میں دیکھا کہ گھر میں ایک اجنبی آدمی دروازہ سے چلا آرہا ہے، یہ شخص نہایت غصہ میں اُس کی طرف لپکا، اُس سے پوچھا کہ تُو کون ہے؟ اور گھر میں آنے کی تجھے کس نے اجازت دی؟ اُس نے کہا کہ مجھے اس گھر کے مالک نے اندر آنے کو کہا ہے اور میں وہ شخص ہوں جس کو نہ کوئی پردہ روک سکتا ہے اور نہ بادشاہوں کے پاس جانے کے لیے مجھے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کسی ظالم کے دَبدَبہ[2] سے ڈرتا ہوں، نہ کسی مغرور متکبّر کے پاس جانے سے مجھے کوئی چیز مانع[3] ہوتی ہے، اُس کی یہ گفتگو سن کر وہ ظالم خوف زدہ ہوگیا، بدن میں کپکپی آگئی اور اوندھے منہ گر گیا، اس کے بعد نہایت عاجزی سے کہنے لگا: پھر تو آپ مَلَکُ الموت ہیں، اُس نے کہا: ہاں! میں وہی ہوں، صاحبِ مکان نے کہا کہ آپ مجھے اتنی مہلت دے دیں کہ میں وصیت نامہ لکھ دوں، فرشتہ نے کہا کہ اب اس کا وقت دور چلا گیا، افسوس کہ تیری مدت ختم ہوچکی ہے، سانس پورے ہوگئے اور تیرا وقت ختم ہوگیا، اب تیرے لیے ذرا سی تاخیر[4] کی بھی گنجائش نہیں، صاحبِ مکان نے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں لے جائیں گے؟ فرشتہ نے کہا: تیرے اعمال جو آگے گئے ہوئے ہیں، ان کے پاس ہی لے جاؤں گا (جیسے عمل کیے ہوں گے، ویسا ہی ٹھکانا ملے گا) اور جس قسم کا گھر تُو نے اُس جہاں میں بنا رکھا ہوگا، وہی تجھے ملے گا، اُس نے کہا کہ میں نے تو نیک اعمال کچھ بھی نہیں کیے اور نہ کوئی عمدہ گھر اپنے لیے اب تک بنا رکھا ہے، فرشتہ نے کہا: پھر تو ﴿لَظٰی نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی﴾ کی طرف لے جاؤں گا، یہ سورۂ معارج، آیت: ۱۵، ۱۶ کی طرف اشارہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''بے شک وہ آگ ایسی دہکتی ہوئی ہے، جو کھال تک کھینچ لے گی اور اس شخص کو جس نے (دنیا میں حق سے) منہ پھیرا اور بے توجہی کی، وہ آگ خود ہی بلالے گی (اپنی طرف کھینچ لے گی)'' اس کے بعد اُس فرشتہ نے اُس کی جان نکال لی، گھر میں کُہرام[5] مچ گیا، کوئی رو رہا تھا، کوئی چلا رہا تھا۔ یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ مُردہ پر اس وقت کیا

حل لغات: (۱) تنہائی میں رہنا۔ (۲) رعب۔ (۳) روکنے والی۔ (۴) دیر۔ (۵) رونا پیٹنا۔

زہد وقناعت

گزر رہی ہے، تو اُس کے مَرنے سے زیادہ آہ وبکا(۱) اس حالت پر ہونے لگے جو اس پر گزر رہی ہے۔ [اِحیاء]

حضرت سفیان ثَوری رَحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مَلَکُ الموت دل کی رَگ کو چھوتے ہیں، اُس وقت آدمی کا لوگوں کو پہچاننا موقوف(۲) ہوجاتا ہے، زبان بند ہوجاتی ہے اور دنیا کی سب چیزوں کو بھول جاتا ہے، اگر اس وقت آدمی پر موت کا نشہ سوار نہ ہو تو تکلیف کی شدّت سے پاس والوں پر تلوار چلانے لگے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس وقت سانس حلق میں ہوتا ہے، اس وقت شیطان اُس کے گمراہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مَلَکُ الموت نمازوں کے اوقات میں آدمیوں کی جستجو(۳) کرتے ہیں، خبر رکھتے ہیں، اگر کسی شخص کو نماز کے اوقات کا اہتمام رکھنے والا پاتے ہیں، تو مَرتے وقت اس کو خود ہی کلمہ طیّبہ کی تلقین کرتے ہیں اور شیطان کو اُس کے پاس سے ہٹا دیتے ہیں۔

مجاہد رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آدمی مَرنے کے قریب ہوتا ہے، اُس وقت اس کے ہم مجلسوں(۴) کی صورتیں اُس کے سامنے کی جاتی ہیں، اگر اس کا بیٹھنا اُٹھنا نیک لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو یہ مجمع سامنے لایا جاتا ہے، اور فاسِق فاجِر(۵) لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو وہ لوگ سامنے لائے جاتے ہیں۔ حضرت یزید بن شجرہ صحابی رَضِیَ اللہ عنہ سے بھی یہی بات نقل کی گئی ہے۔ ربیع بن بَرَّہ رَحمۃُ اللہ علیہ ایک عبادت گزار آدمی بصرہ میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص مَرنے لگا، لوگ اس کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کررہے تھے اور اُس کی زبان سے نکل رہا تھا کہ (شراب کا گلاس) تو بھی پی، مجھے بھی پلا، تو بھی پی، مجھے بھی پلا۔ اسی طرح اہواز میں ایک شخص کا انتقال ہورہا تھا، لوگ اس کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے تھے اور وہ کہہ رہا تھا، دس دس روپیہ، گیارہ گیارہ، بارہ بارہ۔ [اتحاف]

اس کے بِالمقابل جن لوگوں نے مرنے کی تیاریاں کررکھی تھیں، وہ دنیا میں موت کو یاد رکھتے تھے، اُس کے لیے کچھ کارنامے کررکھے تھے، اُن کے لیے موت ایسی ہی تھی جس کو حضور اقدس صَلَّی اللہ علیہ وسلم نے مومن کا تحفہ بتایا ہے۔ حضرت بلال رَضِیَ اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب تھا اُن کی بیوی کہہ رہی تھی: واحُزْنَاہ! ہائے افسوس! تم جا رہے ہو، اور وہ کہہ رہے تھے: وَاطَرَبَاہ غَدًا نَلْقَی الْأَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ ''کیسے مزے کی بات ہے، کیسے لطف کی بات ہے کل کو دوستوں سے ملیں گے، حضور اقدس صَلَّی اللہ علیہ وسلم سے ملیں گے ان کے ساتھیوں سے ملیں گے''۔

حضرت معاذ رَضِیَ اللہ عنہ کے جب انتقال کا وقت قریب تھا تو فرمایا: یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں دنیا میں زیادہ دن رہنا چاہتا تھا، مگر نہ اس وجہ سے کہ مجھے دنیا سے محبت تھی، نہ اس وجہ سے کہ یہاں نہریں اور باغ لگاؤں، بلکہ اس وجہ سے چاہتا تھا کہ گرمیوں کے دو پہر میں روزہ کی پیاس کا لطف

حل لغات: (۱) رونا پیٹنا۔ (۲) رک جانا، ٹھہر جانا۔ (۳) تلاش۔ (۴) ساتھ میں رہنے والے۔ (۵) گنہگار۔

زہد وقناعت

اٹھاؤں اور (دین کے لیے) مَشَقّت میں اوقات گذاروں اور تیرے ذکر کے حلقوں[1] میں شریک ہوا کروں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے، کسی نے کہا: رونے کی کیا بات ہے؟ تم جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملو گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وِصَال[2] اس حال میں ہوا کہ تم سے راضی تھے، فرمانے لگے کہ میں نہ موت کے ڈر سے رو رہا ہوں، نہ دنیا کے چھوٹنے سے، بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک عہد[3] لیا تھا کہ دنیا سے انتفاع[4] ہمارا صرف اتنا ہو جتنا مسافر کا توشہ، میں اس عہد کو پورا نہ کر سکا، لیکن جب وصال پر اُن کے گھر کا سامان دیکھا گیا تو وہ دس درم سے کچھ زائد تھا اور ایک درم ۳۵۰[5] کا ہوتا ہے۔ یہ تھی وہ کل کائنات[6] جس کی زیادتی پر رو رہے تھے، اس کے بعد انہوں نے تھوڑا سا مشک[7] منگوایا اور بیوی سے فرمایا کہ اس کو بھگو کر میرے بستر ہ پر چھڑک دو، میرے پاس ایسی جماعت آ رہی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن۔ [اتحاف]

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات کا وقت ہوا تو وہ ہنسے اور فرمایا: ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾ [سورۂ صافات: ۶۱] اسی جیسی چیزوں کے واسطے لوگوں کو کام کرنا چاہیے (وہاں کی کچھ لذتیں، فرحتیں سامنے آئیں ہوں گی) نیز جب اُن کی وفات کا وقت قریب تھا، تو انہوں نے اپنے غلام سے جن کا نام نَصر تھا، فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو، وہ رونے لگے، انہوں نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے؟ نَصر نے کہا: آپ ایسی راحتوں میں زندگی گزارتے تھے، اب اس طرح فقیروں کی طرح زمین پر سَر رکھ کر مر رہے ہیں؟ فرمانے لگے: چُپ رہ، میں نے حق تعالیٰ شانُہٗ سے دعا کی تھی کہ میری زندگی مالداروں کی سی ہو اور میری موت فقیروں کی۔ عطاء بن یَسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک شخص کے انتقال کا وقت قریب تھا، شیطان اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا: تُو مجھ سے چھوٹ ہی گیا (میرے بس میں نہ آیا) وہ فرمانے لگے: مجھے تجھ سے اب تک بھی اطمینان نہیں ہے۔ جریری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے انتقال کے وقت موجود تھا، وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے، کسی نے عرض کیا کہ یہ وقت (ضُعف[8] کا ہے) یہ تلاوت کا کیا وقت ہے؟ فرمانے لگے کہ اس سے زیادہ اچھا وقت تلاوت کا کون سا ہوگا؟ میرا اعمال نامہ اس وقت بند ہو رہا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابوسعید خَرَّاز رحمۃ اللہ علیہ انتقال کے وقت بہت ہی مزے پر آرہے تھے، کیا بات تھی؟ فرمانے لگے کہ اگر اُس وقت ان کی روح اشتیاق[9] میں اڑ جاتی تب بھی بعید[10] نہ تھا۔ حضرت ذُوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے انتقال کے قریب پوچھا کہ کچھ فرمانا ہے؟ کوئی خواہش ہو تو بتادیں فرمایا:

حل لغات: (۱) مجلسوں۔ (۲) انتقال، وفات۔ (۳) وعدہ۔ (۴) فائدہ اُٹھانا۔ (۵) چاندی کے سکے کی مقدار۔ (۶) سارا سامان۔ (۷) خوشبو۔ (۸) کمزوری۔ (۹) شوق۔ (۱۰) دور، مشکل۔

زہد و قناعت

صرف یہ خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے اُس کی معرفت[1] حاصل ہوجائے۔

ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت مَمْشاد دِینَوَرِی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا، ایک فقیر آیا اور کہنے لگا: یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی مرجائے؟ انہوں نے ایک جگہ اشارہ کیا جہاں پانی کا چشمہ بھی تھا، وہ اس کے قریب گیا وضو کی اور نماز پڑھی اس کے بعد پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور مرگیا۔

ابو علی رُوذباری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کہتی ہیں کہ جب میرے بھائی کا انتقال ہونے لگا، تو ان کا سَر میری گود میں تھا، انہوں نے آنکھ کھولی اور فرمانے لگے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے اور جنت مُزَیَّن[2] کردی گئی اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ ابو علی! اگرچہ تم اتنے اونچے درجہ کی خواہش نہیں کررہے تھے، مگر ہم نے تمہیں اونچے درجہ پر پہونچادیا، پھر انہوں نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ تیرے حق کی قسم! میں نے کبھی تیرے سوا کسی کی طرف (محبت کی نگاہ سے) آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تُو مجھے اپنی بیمار آنکھوں سے بے چین کررہا ہے اور ان رخساروں[3] سے جو حیا[4] کی وجہ سے سرخ[5] ہوگئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت کسی نے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہا، تو فرمانے لگے کہ میں اس لفظ کو کبھی بھولا ہی نہیں جو اَب یاد کروں۔ حضرت شِبْلِی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم بکران دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے جعفر ابن نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت کیا منظر دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک درم (۳۰۳ر) کا ظلم ایک شخص پر ہوگیا تھا، میں اس کی طرف سے کئی ہزار درم صدقہ کرچکا ہوں، مگر میرے دل پر اَب تک اُس درم کا بوجھ ہے کہ کیوں رہ گیا، اُس کے بعد فرمایا کہ مجھے وضو کرادو، میں نے وضو کرایا اور داڑھی میں خِلاَل[6] کرنا بھول گیا، وہ خود ضُعف[7] کی وجہ سے کرنہ سکتے تھے، زبان بند ہوچکی تھی، میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی کے اندر کردیا اور انتقال ہوگیا، یہ سن کر جعفر رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے کہ جس شخص کا ایسی حالت میں بھی شریعت کا ادب اور ایک مستحب نہ چھوٹے اُس کا کیا کہنا۔ ایک بزرگ کا انتقال ہونے لگا، ان کی بیوی رونے لگیں، وہ فرمانے لگے: کیوں روتی ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ تمہاری جُدائی سے رورہی ہوں، وہ فرمانے لگے کہ اپنے لیے رو، میں تو آج کے دن کے لیے (یعنی اس کے اشتیاق[8] اور انتظار میں) بیالیس[42] برس سے رورہا ہوں۔ حضرت کَتّانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے انتقال کے وقت پوچھا کہ آپ کے معمولات کیا ہیں؟ فرمانے لگے کہ اگر میرے انتقال کا وقت قریب نہ ہوتا تو نہ بتاتا، میں چالیس[40] برس سے اپنے دل کے دروازہ کی حفاظت کررہا ہوں، جب

حل لغات: (۱) اللہ کی پہچان۔ (۲) سجانا۔ (۳) گالوں۔ (۴) شرم۔ (۵) لال۔ (۶) داڑھی میں بھیگی انگلیاں ڈالنا تاکہ پانی اندر تک پہونچ جائے۔ (۷) کمزوری۔ (۸) شوق، تمنا۔

زہد و قناعت

اپنے لڑکے اسحاق سے دریافت کیا کہ آفتاب[1] غروب[2] ہوگیا؟ انہوں نے کہا کہ ابھی تو نہیں ہوا، لیکن ابا جان ایسی سخت بیماری میں تو فرض روزہ کھولنے کی بھی اجازت ہے، آپ کا تو روزہ نفل ہے، اس کو کھول دیجیے۔ فرمانے لگے: ارے ٹھہر جا، اس کے بعد (نہ معلوم کیا دیکھا) فرمانے لگے: اسی جیسی چیزوں کے لیے آدمی کو چاہیے کہ نیک عمل کرتا رہے (یہ قرآن پاک کی آیت سورۂ والصّافات، رکوع: دو کی طرف اشارہ ہے، جس میں حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے کہ ''بے شک یہی بڑی کامیابی ہے، ایسی ہی کامیابی حاصل کرنے کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے)، اس کے بعد روح پرواز کرگئی۔ ابوحکیم حِیَری رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے، لکھتے لکھتے قلم ہاتھ میں سے رکھ کر کہنے لگے: اگر اسی کا نام موت ہے، تو خدا کی قسم! بڑی اچھی موت ہے، یہ کہہ کر مرگئے۔ اَبُوالوَفاء بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو گھر والوں نے رونا شروع کردیا، کہنے لگے کہ پچاس ۵۰ سال سے تو اس کو ہٹا رہا ہوں، اب کہاں تک ہٹائے جاؤں، اب تم مجھے چھوڑ دو، اب میں اس کی آمد[3] پر اس کو مبارکباد دیتا ہوں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب اِحیاء العلوم مشہور ہے، دوشنبہ[4] کی صبح کی نماز وضو کرکے پڑھی پھر اپنا کفن منگایا، اُس کو چوما، آنکھوں پر رکھا اور کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لیے بڑی خوشی سے حاضر ہوں، یہ کہہ کر قبلہ رُخ پاؤں پسار کر لیٹ گئے اور فوراً انتقال کرگئے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب میرے استاذ ابوبکر بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہونے لگا تو شاگردوں نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمادیجیے، فرمایا: تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، (۱) اللہ کا خوف اور، (۲) تنہائی میں اس کا مراقبہ[5]، (۳) اور جو چیز مجھے پیش آرہی ہے (یعنی موت) اس کا خوف رکھا جائے، مجھے اِکسٹھ ۶۱ برس گذر گئے ہیں، لیکن گویا میں نے دنیا کو دیکھا بھی نہیں (ایسے جلدی گذر گئے) اس کے بعد ایک پاس بیٹھنے والے سے پوچھا: دیکھو! میری پیشانی پر پسینہ آگیا یا نہیں؟ اُس نے عرض کیا، آگیا۔ فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ یہ ایمان پر موت کی علامت ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابوالوقت عبدالاوّل رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا جب وقت آیا، تو آخر کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا، یہ تھا: ﴿ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ ﴾ [سورۂ یٰسٓ: ۲۶، ۲۷] (یہ سورۂ یٰسٓ شریف کے دوسرے رکوع کی آیت ہے) جس کا ترجمہ یہ ہے: ''کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہوجاتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزّز[6] اور مکرّم[7] لوگوں میں شامل کردیا''۔

محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں احمد بن خَضرَوَیہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت ان کے پاس

حل لغات: (۱) سورج۔ (۲) ڈوبنا۔ (۳) آنا۔ (۴) پیر۔ (۵) دھیان۔ (۶) عزت والا۔ (۷) بزرگی والا۔

زہد و قناعت

بیٹھا ہوا تھا، ان کو نزع شروع ہوگیا تھا، پچانوے[95] سال کی عمر تھی، ایک شخص نے اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے کہ بیٹا! پچانوے[95] سال سے ایک دروازہ کے کھولنے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں، اس وقت وہ کھُلنے کو ہے، اس کا فکر سوار ہے کہ سعادت[1] کے ساتھ کھُلتا ہے یا بدبختی[2] کے ساتھ؟ اس وقت جواب کی مُہلت کہاں، اسی میں اُن کے قرض خواہ[3] ان کے مَرنے کی خبر سُن کر جمع ہوگئے، سات سو دِینار (اَشرفیاں) ان کے ذمہ قرض تھے، کہنے لگے: یااللہ! تُو نے رَہن[4] اس لیے مشروع[5] کیا ہے کہ قرض خواہوں کو اطمینان رہے، اس وقت تو اُن لوگوں کے اطمینان کو بلا رہا ہے، یعنی ان کو میرے وجود سے اطمینان تھا، اب میں جارہا ہوں ان کا قرض ادا کر۔ اُسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہنے لگا کہ احمد کے قرض خواہ کہاں ہیں؟ اور سب قرضہ گن کر ادا کر گیا اور اُن کی روح نکل گئی۔

ایک بزرگ کا انتقال ہونے لگا، تو اپنے خادم سے کہا کہ میرے دونوں ہاتھ باندھ دے اور میرا منہ زمین پر رکھ دے، اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ کُوچ[6] کا وقت آگیا، نہ تو میں گناہوں سے بَری[7] ہوں، نہ میرے پاس کوئی عذر ہے، جو معذرت میں پیش کروں، نہ کوئی طاقت ہے، جس سے مدد چاہوں، بس میرے لیے تو تُو ہی ہے، میرے لیے تو تُو ہی ہے، یہی کہتے کہتے ایک چیخ ماری اور انتقال ہوگیا، غیب سے آواز آئی کہ اس بندہ نے اپنے مولیٰ کے سامنے عاجزی کی، اُس نے قبول کرلیا۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ایک فقیر نزع کی حالت میں سِسک رہا تھا، مکّھیاں اُس کے منہ پر کثرت سے بیٹھ رہی تھیں مجھے تَرس[8] آیا، میں اس کے پاس بیٹھ کر مکّھیاں اُڑانے لگا، اُس نے آنکھ کھول دی اور کہنے لگا کہ برسوں سے خاص وقت کی کوشش میں لگا ہوا تھا، ساری عمر میں کوشش پر بھی نصیب نہ ہوا، اب ملا تھا، تو تُو آکر بیچ میں گھس گیا، جا! اپنا کام کر، اللہ تیرا بھلا کرے۔

ابوبکر رَقّی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر زُقاق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صبح کے بعد موجود تھا، وہ کہہ رہے تھے: یااللہ! تُو مجھے اس دنیا میں کب تک ڈالے رکھے گا، ظہر کا وقت بھی نہ آنے پایا تھا کہ اُن کا وِصال[9] ہوگیا۔ حضرت مَکحول شامی رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے، ایک شخص ان کے پاس گئے اور کہنے لگے: حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو صحت عطا فرمائے، کہنے لگے: ہرگز نہیں، ایسی ذات کے پاس جانا، جس سے خیر ہی کی اُمید ہے، ایسے لوگوں کے پاس رہنے سے بہتر ہے، جن کی بُرائی سے کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہے۔

ابوعلی رُوذباری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا، بہت خستہ[10] حال،

حل لغات: (۱) خوش نصیبی۔ (۲) بدنصیبی۔ (۳) قرض دینے والے۔ (۴) گروی سامان۔ (۵) جائز۔ (۶) روانگی، جانا۔ (۷) آزاد۔ (۸) رحم۔ (۹) انتقال۔ (۱۰) خراب حالت والا۔

پُرانے کپڑے، کہنے لگا: یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے، جہاں کوئی غریب فقیر مَر جائے، میں نے لا پَروائی سے لغو[1] سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آ جا اور جہاں چاہے پڑ کے مَر جا۔ وہ اندر آیا، وضو کی، چند رکعات نماز پڑھی اور لیٹ کر مَر گیا، میں نے اُس کی تجہیز و تکفین[2] کی اور جب دفن کرنے لگا، تو مجھے یہ خیال آیا کہ اس کے منہ پر سے کفن ہٹا کر اُس کا منہ زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی غربت پر رحم فرمائے، میں نے اس کا منہ کھولا، اُس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے پوچھا: میرے سردار! کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا: میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے، میں کل قیامت میں اپنی وجاہت[3] سے تیری مدد کروں گا۔ علی بن سَہل اَصْبہانی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بھی اسی طرح مَروں گا، جس طرح لوگ مرتے ہیں، بیماری عیادت (سُو دھندے ہوجاتے ہیں) میں تو اس طرح مَروں گا کہ مجھے کہا جائے گا، اے علی! اور میں چل دوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک دن کہیں چلے جا رہے تھے، چلتے چلتے کہنے لگے: لَبَّیْك (حاضر ہوں) اور مَر گئے۔ ابوالحسن مُزَنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابویعقوب نَہرجُوری رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا، نزع کے وقت میں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تلقین[4] کیا، تو میری طرف دیکھ کر ہنسے اور کہنے لگے: مجھے تلقین کرتے ہو؟ اُس ذات کی عزّت کی قسم جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، میرے اور اس کے درمیان صرف اُس کی بڑائی اور عزت کا پردہ ہے اور بس یہ کہتے ہی روح پرواز کر گئی۔ مُزنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی داڑھی پکڑ کر کہتے تھے کہ مجھ جیسا حجّام بھلا اولیاء کو تلقین کرے، کیسی غیرت[5] کی بات ہے اور جب اس واقعہ کو ذکر کرتے تو رو یا کرتے۔

ابوالحسن مالکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت خیر نورباف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی سال رہا، انہوں نے اپنے انتقال سے آٹھ یوم[6] پہلے کہا کہ میں جمعرات کی شام کو مغرب کے وقت مروں گا اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جاؤں گا، بھول نہ جانا؛ لیکن میں بالکل بھول گیا، جمعہ کی صبح کو ایک شخص نے مجھے ان کے انتقال کی خبر سُنائی، میں فورًا گیا کہ جنازہ میں شرکت کروں، راستہ میں لوگ ملے، جو اُن کے گھر سے واپس آرہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جمعہ کے بعد دفن ہوں گے، مگر میں ان کے گھر پہونچ گیا، میں نے وہاں جا کر ان کے انتقال کی کیفیت پوچھی، تو مجھ سے ایک شخص نے جو انتقال کے وقت اُن کے پاس موجود تھے، بتایا کہ رات مغرب کی نماز کے قریب ان کو غشی[7] سی ہوئی، اُس کے بعد ذرا اِفاقہ[8] سا ہوا، تو گھر کے ایک کونہ کی طرف منہ کر کے کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ، تمہیں بھی ایک کام کا حکم ہے اور مجھے بھی ایک کام کا حکم ہے، لیکن تمہیں جس کام کا حکم ہے، وہ تو فوت[9] نہیں ہوگا اور مجھے جس کام کا حکم ہے،

حل لغات: (۱) بیکار۔ (۲) کفن دفن۔ (۳) عزت، مرتبہ۔ (۴) بتلانا۔ (۵) شرم۔ (۶) دن۔ (۷) بے ہوشی۔ (۸) آرام۔ (۹) چھوٹنا۔

زہد و قناعت

وہ رہ جائے گا، اس لیے تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ، میں اُس کو پورا کرلوں، جس کا مجھے حکم ہے۔ اس کے بعد انھوں نے پانی منگایا، تازہ وضو کیا، نماز پڑھی اور اس کے بعد آنکھیں بند کر کے پاؤں پسار[1] کر لیٹ گئے اور چل دیے۔ کسی نے اُن کو خواب میں دیکھا، پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: بس یہ نہ پوچھ، تمہاری سَڑی ہوئی بُودار دنیا سے خَلاصی[2] مل گئی۔ ابوسعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا، باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا، دروازہ سے باہر میں نے ایک نہایت خوبصورت آدمی کو مَرے ہوئے پڑا دیکھا، میں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا، تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا: ابوسعید! تمہیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مَرا نہیں کرتے، ایک عالم[3] سے دوسرے عالم میں مُنتقِل[4] ہو جاتے ہیں۔

حضرت ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال[5] ہونے لگا تو کسی نے اُن سے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرما دیجیے۔ فرمانے لگے: میں اس کی مہربانی کے کرشموں میں مُتعجّب[6] ہو رہا ہوں، اس وقت مجھے مشغول نہ کرو۔ ابوعثمان حِیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہونے لگا، تو کسی نے پوچھا کہ کوئی وصیت فرما دیجیے، فرمانے لگے کہ مجھ میں بولنے کی طاقت نہیں، اُس کے بعد ذرا قوت[7] سی معلوم ہوئی، تو میں نے کہا: اب فرما دیجیے، میں لوگوں تک پہونچا دوں گا، فرمانے لگے کہ اپنی کوتاہی پر پورے دل سے اِنکسار اور عاجزی ہو (بس یہ میری آخری وصیت ہے)۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سَرِی سَقَطی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہونے لگا، نَزع کی حالت تھی، میں سَرہانے بیٹھا تھا، میں نے اپنا منہ ان کے منہ پر رکھ دیا، میری آنکھ سے آنسو جاری تھے، میرا آنسو اُن کے رخسار[8] پر گرا، فرمانے لگے: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ کا خادم جنید ہے۔ فرمانے لگے: مرحبا (بہت اچھا کیا آئے) میں نے عرض کیا: کوئی آخری وصیت فرما دیجیے، فرمانے لگے کہ بروں کی صحبت سے اپنے کو بچانا اور ایسا نہ ہو کہ غیروں کی صحبت اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے تجھے جُدا کر دے۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ (جو مشہور اکابرِ صوفیاء میں ہیں) انتقال کے وقت بہت ہی گھبرا رہے تھے، کسی نے عرض کیا کہ آپ جیسے بزرگ سے یہ گھبراہٹ بعید[9] ہے، اس سے پہلے تو ایسا حال آپ کا نہ ہوتا تھا (یعنی اتنی گھبراہٹ کسی بات سے بھی محسوس نہ ہوتی تھی)، فرمانے لگے: سفر بہت لمبا ہے، توشہ[10] پاس نہیں ہے، کبھی اس سے پہلے اس کا راستہ دیکھا نہیں، آقا اور سردار کی زیارت کرنی ہے، کبھی اس سے پہلے زیارت نہیں کی، ایسے خوفناک مناظر[11] دیکھنے ہیں، جو پہلے کبھی نہیں دیکھے، مٹی کے نیچے تنہا قیامت تک پڑے رہنا ہے، کوئی مُونس[12] پاس نہ ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر وہاں یہ سوال ہو گیا کہ حبیب! ساٹھ برس میں ایک تسبیح ایسی پیش کر دے، جس میں شیطان کا

حل لغات: (۱) پھیلا کر۔ (۲) چھٹکارا۔ (۳) دنیا۔ (۴) چلا جانا۔ (۵) انتقال۔ (۶) تعجب کرنے اولا۔ (۷) طاقت۔ (۸) گال۔ (۹) سمجھ میں نہ آنے والی۔ (۱۰) سفر کا سامان۔ (۱۱) نظارے۔ (۱۲) دوست، یار۔

زہد و قناعت

کوئی دخل نہ ہو، تو کیا جواب دوں گا؟ اور یہ حال اس پر تھا کہ ساٹھ برس کی زندگی میں دنیا سے ذرا سا بھی لگاؤ① نہ تھا، پھر ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا، جو کسی وقت بھی دنیا تو درکنار گناہوں سے بھی خالی نہیں ہوتے، ہر وقت شیطان ہی کی خوشامد② میں لگے رہتے ہیں۔

عبدالجبّار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن شخرف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تیس برس رہا، انہوں نے کبھی آسمان کی طرف منہ نہیں اُٹھایا، اس کے بعد ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے: اب تو آپ کا اشتیاق③ بہت ہی بڑھ گیا، اب جلدی ہی بلا لیجیے۔ اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گذرا کہ انتقال فرما گئے۔

ابوسعید مَوْصِلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فتح بن سعید رحمۃ اللہ علیہ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے دیر میں واپس ہوئے، واپسی میں دیکھا کہ مکانوں کے اندر سے قربانی کے گوشت پکنے کا دھواں ہر طرف سے نکل رہا ہے، تو رونے لگے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے قربانیوں سے آپ کا تقرّب④ حاصل کیا، میرے محبوب! کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں قربانی کس چیز کی کروں؟ یہ کہہ کر بیہوش ہو کر گر گئے، میں نے پانی چھڑکا، دیر میں ہوش آیا، پھر اُٹھ کر چلے، جب شہر کی گلیوں میں پہونچے تو پھر آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہنے لگے کہ میرے محبوب! تجھے میرے رنج وغم کا طویل⑤ ہونا بھی معلوم ہے اور میرا یہ گلی گلی پھرنا بھی تجھے معلوم ہے، میرے محبوب! تُو مجھے یہاں کب تک قید رکھے گا، یہ کہہ کر پھر بیہوش ہو کر گر گئے، میں نے پانی چھڑکا، پھر افاقہ⑥ ہو گیا اور چند روز بعد انتقال ہو گیا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے شیخ محمد بن اسلم طُوسی رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے چار دن پہلے فرمایا کہ آؤ تمہیں خوشخبری سناؤں کہ تمہارے ساتھی کے (یعنی میرے) ساتھ حق تعالیٰ شانُہٗ نے کس قدر احسان کیا کہ میری موت کا وقت آ گیا اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ میرے پاس ایک درہم⑦ بھی نہیں ہے، جس کا حساب دینا پڑے، اب مکان کے کواڑ بند کر دو اور میرے مَرنے تک کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا اور سُن لو کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، جس میں میراث تقسیم ہو، بجز⑧ اس چادر کے اور اس ٹاٹ کے اور اس وضو کے لوٹے کے اور میری کتابوں کے اور اس تھیلی میں تیس دِرم ہیں، یہ میرے نہیں ہیں، بلکہ میرے بیٹے کے ہیں، اس کے ایک رشتہ دار نے اُس کو دیے ہیں اور اس سے زیادہ حلال چیز میرے لیے کیا ہوگی، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے (لہٰذا یہ بیٹے کا مال ہونے کی وجہ سے اس حدیث شریف کی بناء پر مجھے حلال ہے)،

حل لغات: ① جدا، الگ۔ ② چاپلوسی۔ ③ شوق، تمنا۔ ④ نزدیکی۔ ⑤ لمبا۔ ⑥ آرام۔ ⑦ چاندی کا سکہ۔ ⑧ سوائے، علاوہ۔

زہد و قناعت

اس میں سے میرے کفن کی اتنی مقدار خرید لینا، جس سے میرا ستر ڈھک جائے، اس سے زیادہ اس میں سے نہ لینا یعنی صرف لنگی اس میں سے خرید لینا اور یہ ٹاٹ اور یہ چادر کفن میں شامل کر لینا، کفن کے تین کپڑے پورے ہو جائیں گے: لنگی، چادر اور تیسرا ٹاٹ ہو جائے گا، ان تینوں میں مجھے لپیٹ دینا اور یہ وضو کا لوٹا کسی نمازی فقیر کو صدقہ کر دینا کہ وہ وضو کر لیا کرے گا، یہ سب فرما کر چوتھے دن انتقال ہو گیا۔ ابو عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نزع کی حالت میں تھا وہ کہہ رہے تھے، اے اللہ! میں ظاہر میں لوگوں کو نصیحت کرتا رہا اور باطن[1] میں اپنے نفس کے ساتھ کھوٹا پن کرتا رہا، میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کھوٹ کیا، اُس کو اس کے بدلہ میں کہ تیری مخلوق کو نصیحت کرتا رہا معاف کر دے، یہی کہتے کہتے جان نکل گئی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ [اتحاف]

کس قدر خوش قسمت تھے یہ مرنے والے؟ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی برکات سے اس ناپاک کو بھی کوئی حصہ عطا فرما دے کہ وہ بڑا کریم ہے، اس کے کرم سے کوئی چیز بھی بعید[2] نہیں۔

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ : جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! إِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ ، وَأَشْتِمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ ، فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَاخَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ ، كَانَ كَفَافًا ، لَالَكَ وَلَا عَلَيْكَ ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ أُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ ، فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَمَا تَقْرَأُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے کئی غلام ہیں، جو مجھ سے جھوٹ بھی بولتے ہیں، خیانت[3] بھی کرتے ہیں، کہنا بھی نہیں مانتے، میں ان کو بُرا بھلا بھی کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں، میرا ان کا (قیامت میں) کیا معاملہ رہے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جتنی مقدار کی انہوں نے خیانت کی ہوگی اور تیری نافرمانی کی ہوگی اور جھوٹ بولا ہوگا، اُس ساری مقدار کا وزن کیا جائے گا (کہ وہاں ہر چیز کا وزن ہوتا ہے، چاہے وہ چیز جسم والی جوہر[4] ہو یا بے جسم کی عرض[5] ہو) اور

حل لغات: (۱) اندر، دل۔ (۲) مشکل۔ (۳) بے ایمانی، امانت میں چوری۔ (۴) وہ چیز جو بذات خود قائم ہو۔ (۵) وہ چیز جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو۔

قَوْلَ اللهِ تَعَالٰى : ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴾ فَقَالَ الرَّجُلُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا أَجِدُلِيْ وَ لِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ، أُشْهِدُكَ أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ أَحْرَارٌ۔ [رواه الترمذي كذا في المشكوٰة]	تُو نے جو سزا ان چیزوں پر دی ہے، وہ بھی سب تَولی جائے گی، پس اگر تیری سزا اوران کا جُرم برابر رہا، تب تو نہ لینا، نہ دینا اور اگر تیری سزا اُن کے جرم سے وزن میں کم ہوگی تو جتنی کمی ہوگی، وہ تجھے دی جائے گی اور اگر سزا اُن کے جُرم سے بڑھی ہوئی ہوگی، تو اس زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا، وہ شخص

افسوس کرتے ہوئے روتے ہوئے، مجلس سے ہٹ گئے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے قرآن شریف کی آیت ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ﴾ [سورۂ انبیاء: ۴۷] نہیں پڑھی؟ (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم میزانِ[۱] عدل قائم کریں گے جس میں اعمال کا وزن کریں گے) اور کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ کیا جائے گا اور اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو وہاں حاضر کریں گے (اور اس کا وزن کریں گے) اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں)۔

فائدہ: قیامت کے دن حساب کا معاملہ بھی بڑا سخت معاملہ ہے، قرآن پاک اور احادیث میں بہت کثرت سے اس پر تنبیہیں اور اُس کی تفصیلیں ذکر فرمائی گئی ہیں، مثال اور نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث اس جگہ ذکر کی جاتی ہیں: (۱) وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ [سورۂ بقرہ: ۲۸۱] ترجمہ: اور اس دن سے ڈرتے رہو، جس دن تم حق تعالیٰ شانُہٗ کی پیشی میں لائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا عمل (یعنی اُس کا بدلہ) پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۲) يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ [سورۂ آلِ عمران: ۳۰] ترجمہ: جس دن پائے گا ہر شخص اپنے سامنے اس چیز کو، جو اس نے کسی قسم کی خیر کی ہو یا کسی قسم کی بُرائی کی ہو؛ اور تمنا کرے گا کہ کاش اُس دن کے اور اس کے درمیان بہت دور کی مسافت[۲] ہوتی؛ اور اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے تم کو اپنے آپ سے اور اللہ تعالیٰ بڑا شفیق[۳] ہے بندوں پر (اس شفقت[۴] ہی کی وجہ سے ڈراتا ہے کہ تم اُس کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ)۔

(۳) وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

حل لغات: (۱) انصاف کا ترازو۔ (۲) فاصلہ، دوری۔ (۳) مہربان۔ (۴) مہربانی۔

[سورۂ آل عمران:۱۶۱] ترجمہ: اور جو شخص خیانت① کرے گا، وہ اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن (حشر کے میدان میں) لائے گا، پھر ہر شخص کو اُس کے کیے ہوئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

④ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ [سورۂ آل عمران:۱۸۵]

ترجمہ: ہر شخص کو موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور تمہارے (نیک اور بد) اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت ہی کے دن ملے گا۔

⑤ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ [سورۂ آل عمران:۱۹] یہ کلمہ بہت جگہ قرآن پاک میں وارد ہوا ہے کہ ''حق تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب کرنے والے ہیں'' (کہ ہر شخص کا حساب کتاب بہت جلدی پورا کر دیا جائے گا اور اس کے موافق بدلہ دیا جائے گا)۔

⑥ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ [سورۂ اعراف: ۸، ۹]

ترجمہ: اور اُس دن (قیامت کے دن اعمال کا) وزن ضروری ہے پس جس شخص کا (نیک اعمال کا) پلّہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا (نیک اعمال کا) پلّہ ہلکا ہوگا، یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا، اس وجہ سے کہ ہماری آیتوں کی حق② تلفی کرتے تھے۔

⑦ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ [سورۂ یونس:۲۱] ترجمہ: بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں (اور ان سب کا بدلہ تم کو قیامت میں ملے گا جب یہ لکھا ہوا سامنے لایا جائے گا)۔

⑧ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ [سورۂ یونس:۲۷] ترجمہ: اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے، اُن کی برائی کی سزا اُس کے برابر ملے گی اور اُن کو ذلت چھالے گی اور ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا (اور اُن کے منہ ایسے کالے ہوں گے) گویا اُن کے چہروں پر اندھیری رات کے پرَت کے پرَت لپیٹ دیے گئے۔

⑨ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ [سورۂ یونس:۳۰] ترجمہ: اس مقام پر ہر شخص اپنے پہلے کیے ہوئے کاموں کو (جو دنیا میں کیے تھے) جانچ لے گا (کہ وہ کس قسم کے نیک یا بد کیے تھے پھر اُس کا حساب ہو جائے گا)۔

⑩ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ [سورۂ رعد:۱۸] ترجمہ: جن لوگوں

حل لغات: ① امانت میں چوری، دھوکا۔ ② بے انصافی۔

نے اپنے رب کا کہنا مان لیا، اُن کے واسطے اچھا بدلہ ہے اور جنہوں نے اُس کا کہنا نہ مانا، ان کے پاس اگر دنیا کی تمام چیزیں ہوں (بلکہ) اور اس کے ساتھ اُسی کے برابر اور چیزیں ہوں، تو سب کی سب اپنے فدیہ[1] میں دے ڈالیں (اور) ان کا سخت حساب ہوگا۔

(۱۱) فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ [سورۂ رعد: ۴۰] ترجمہ: پس آپ کے ذمّہ تو (اے محمد ﷺ) صرف پہونچا دینا ہے (اور اس پر عمل کرنے، نہ کرنے کا) حساب ہمارے ذمہ ہے۔

(۱۲) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ [سورۂ ابراہیم: ۴۱] ترجمہ: اے ہمارے رب! میری اور میرے والدین کی اور سب مؤمنین کی، حساب قائم ہونے کے دن مغفرت کر دیجیے (یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے)۔

(۱۳) وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ [سورۂ ابراہیم: ۴۹-۵۱]

ترجمہ: اور تُو اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا اور اُن کے کُرتے قطران (چیڑ کے درخت کے تیل) کے ہوں گے (کہ اس تیل میں پٹرول کی طرح سے آگ جلدی لگتی ہے) اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہوئی ہوگی (اور یہ ساری تکلیفیں کیوں ہیں) تا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کی سزا دے، بے شک اللہ تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

(۱۴) وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ [سورۂ بنی اسرائیل: ۱۳-۱۴] ترجمہ: اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نیک ہو یا بد ہو) اُس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ اس کے سامنے کر دیں گے، جس کو وہ کھلا ہوا دیکھے گا (اور اس سے کہا جائے گا) کہ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لے، آج تو خود ہی اپنا مُحاسِب[2] کافی ہے (یعنی خود ہی حساب کر لے کسی دوسرے کی بھی ضرورت نہیں)۔

(۱۵) كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ الاٰية [سورۂ مریم: ۷۹] ترجمہ: (جو بات یہ کافر سمجھ رہے ہیں وہ) ہرگز نہیں ہے، ہم ہر وہ بات لکھ لیتے ہیں، جو کوئی زبان سے کہتا ہے (اس کے بعد قیامت کے دن وہ لکھا ہوا اعمال نامہ اس کے سامنے کر دیا جائے گا)۔

(۱۶) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ [سورۂ انبیاء: ۱] ترجمہ: لوگوں کے حساب کا وقت تو قریب آ گیا اور یہ ابھی تک غفلت ہی میں پڑے ہیں (اور اس کی تیاری سے) اِعراض[3] کیے ہوئے ہیں۔

حل لغات: (۱) بدلہ۔ (۲) حساب کرنے والا۔ (۳) منہ پھیرنا، بچنا۔

زہد و قناعت

(۱۷) فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۞ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۞ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۞ [سورۂ مؤمنون:۱۰۱-۱۰۴] ترجمہ: پھر جب (قیامت کے دن) صور پھونکا جائے گا تو (اس قدر خوف ہوگا کہ) باہمی رشتے بھی اُس دن نہ رہیں گے (یعنی سب اجنبی سے بن جائیں گے، باپ بیٹے سے بھاگے گا وغیرہ، وغیرہ جیسا سورۂ عبس میں ہے: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۞ ﴾ [سورۂ عبس:۳۴] اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (اور اعمال کی ترازو کھڑی کردی جائے گی) پس جس شخص کا پلّہ بھاری ہوگا (یعنی اس کی نیکیاں جھک جائیں گی) پس ایسے لوگ تو کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلّہ ہلکا ہوگا، پس یہ وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا اور وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے، اُن کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اُس میں اُن کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔

(۱۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞ [سورۂ نور:۳۹] ترجمہ: اور جو لوگ کافر ہیں (اور نورِ ہدایت سے دور ہیں) ان کے اعمال ایسے ہیں، جیسا کہ ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اُس کو (دور سے) پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب (اُس کے پاس آیا) تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ شانہٗ کو پایا، جس نے اُس کا پورا پورا حساب وہیں کردیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلدی حساب کردینے والے ہیں۔

(۱۹) اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۞ [سورۂ ص:۲۶] ترجمہ: جو لوگ خدا کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ روزِ حساب کو بھولے ہوئے ہیں۔

(۲۰) اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞ [سورۂ مومن:۱۷] ترجمہ: آج (قیامت) کے دن ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، آج ظلم نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

(۲۱) وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ [سورۂ جاثیہ: ۲۸، ۲۹] ترجمہ: اور آپ (قیامت کے دن) ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (وہ لوگ خوف کی وجہ سے) گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے، ہر فرقہ اپنی کتاب (نامۂ اعمال) کی طرف بلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا)

زہد وقناعت

کہ آج تم کوتمہارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا (اور یہ کہا جائے گا) کہ یہ ہماری کتاب (جس میں تمہارے اعمال لکھے ہوئے ہیں) تمہارے اعمال کوٹھیک ٹھیک بتارہی ہے، ہم (دنیا میں فرشتوں سے) تمہارے اعمال کولکھواتے رہتے تھے (جو اس وقت یہ تمہارے سامنے ہے)۔

(۲۲) اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ [سورۂ ق:۱۷تا۱۸] ترجمہ: جب دواَخذ کرنے والے (بات کوجلدی سے لے کر لکھنے والے فرشتے) لیتے رہتے ہیں اور دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں، وہ (یعنی آدمی) کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا، مگرایک تاک لگانے والا تیار رہتا ہے (اور وہ فوراً اُس کولکھ لیتا ہے، یہی اعمال نامہ ہے)۔

(۲۳) يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ [سورۂ الحاقہ:۱۸تا۳۲] ترجمہ: جس دن تم (خدا تعالیٰ کے سامنے حساب کے لیے) پیش کیے جاؤ گے، تمہاری کوئی بات پوشیدہ[۱] نہ ہوگی، پھر (نامۂ اعمال ہاتھوں میں دے دیے جائیں گے پس) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ تو (خوشی کے مارے آپس میں) کہے گا کہ لو! میرا نامۂ اعمال پڑھ لو، میرا تو (پہلے ہی سے) اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے (میں تو دنیا ہی میں اس کے لیے تیاری کررہا تھا) پس یہ شخص تو پسندیدہ زندگی یعنی بہشتِ بریں[۲] میں ہوگا، جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے (اور اُن سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ، ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گذرے ہوئے زمانہ میں کیے ہیں؛ اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، پس وہ (نہایت حسرت اور غم سے) کہے گا: کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے؟ کاش موت (جو آچکی تھی) وہی سب کام کا خاتمہ کردیتی (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری وَجاہت[۳] بھی میرے سے جاتی رہی (اُس شخص کے لیے حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق[۴] پہنا دو، پھر جہنم میں اُس کو داخل کردو، پھر ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ۷۰ گز ہو، اس کو جکڑ دو (اس آیت شریفہ کا کچھ حصہ بخل کے بیان میں نمبر تیرہ ۱۳ پر گذر چکا ہے)۔

حل لغات: (۱) چھپی ہوئی۔ (۲) اوپر والے باغات۔ (۳) عزت، مرتبہ۔ (۴) زنجیر۔

زہد وقناعت

(۲۴) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ [سورۂ انفطار:۱۰-۱۲]

ترجمہ: اورتم پر (ایسے فرشتے جوتمہارے کاموں کو) یادرکھنے والے ہیں، جو مُعزّز[۱] ہیں (اور ہرکام کو) لکھنے والے ہیں مقرر ہیں، جوتمہارے سارے افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں، قیامت کے دن یہ سب مجموعہ پیش ہوگا۔)

(۲۵) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ [سورۂ انشقاق:۷-۱۴] ترجمہ: پس جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا، اس سے عنقریب سہل[۲] حساب لیا جائے گا اور وہ (اُس سے فارغ ہوکر) اپنے متعلقین[۳] کے پاس خوش خوش آئے گا اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا، سو وہ موت کو پکارے گا (جیسا کہ مصیبت کے وقت پکارا جاتا ہے) اور جہنم میں داخل ہوگا، یہ شخص (دنیا میں) اپنے گھر بہت خوش خوش رہتا تھا، اُس نے گمان کر رکھا تھا کہ اس کو خدا کے یہاں جانا ہی نہیں ہے۔

(۲۶) اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ [سورۂ غاشیہ:۲۵، ۲۶]

ترجمہ: بے شک ہمارے ہی پاس ان سب کو لوٹ کر آنا ہے، پھر ہمارا ہی کام ہے ان سے حساب لینا۔

(۲۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

[سورۂ زلزال]

ترجمہ: جب زمین (زلزلہ کی وجہ سے) اپنی پوری حرکت سے ہلا دی جائے گی (اور جب ساری دنیا میں زلزلہ آئے، تو ظاہر ہے کہ کتنا بڑا زلزلہ ہوگا) اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ (خواہ دفینے[۴] ہوں یا مُردے) باہر نکال کر پھینک دے گی اور آدمی ہَکّابَکّا[۵] ہوکر کہے گا: اس کو کیا ہوگیا اور اُس دن زمین (جو کچھ اُس کے اوپر اچھے یا بُرے کام کیے گئے ہیں) سب کی خبریں دے گی، اس وجہ سے کہ آپ کے رب کا اُس کو یہی حکم ہوگا (جیسا کہ آئندہ روایات کے ذیل میں آرہا ہے) اُس دن لوگ مختلف جماعتیں؛ (کوئی مقربین[۶] کی، کوئی نیک لوگوں کی، کوئی جہنمیوں کی جماعت ہوگی اور پھر ہر جماعت میں مختلف گروہ ہوں گے،

حل لغات: (۱) عزت والا۔ (۲) آسان۔ (۳) تعلق والے۔ (۴) زمین میں دفن کی ہوئی چیزیں۔ (۵) گھبرایا ہوا ہونا، حیران پریشان۔ (۶) اللہ کے نزدیک قریبی لوگ۔

زہد وقناعت

اسی طرح سے کوئی جماعت سواروں کی، کوئی پیدل چلنے والوں کی، کوئی ان لوگوں کی جن کو منہ کے بَل گھسیٹا جائے گا، غرض ہر قسم کی مختلف جماعتیں) ہو کر لوٹیں گی، تا کہ اپنے اعمال کو (جو دنیا میں کیے تھے) دیکھ لیں پس جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر کی نیکی کرے گا، وہ اُس کو وہاں دیکھ لے گا اور جو شخص ذرّہ برابر کی برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

یہ نمونہ کے طور پر ستائیس۲۷ آیات حساب کتاب اور اعمال کے بدلہ کی ذکر کی گئی ہیں، ان کے علاوہ سیکڑوں آیات میں مختلف عنوانات سے یہ اور اسی قسم کے مضامین وارد ہیں، اسی طرح احادیث میں بھی ہزاروں روایات میں اس حساب کے دن کے سخت حالات ذکر کیے گئے ہیں، جن کا احاطہ بھی دشوار(۱) ہے، لیکن ضروری ہے کہ اپنے ان اوقات کو جو محض دنیا کمانے میں ضائع کیے جاتے ہیں، تھوڑا بہت ان کام آنے والی چیزوں میں بھی خرچ کیا جائے، ابھی وقت ہے کچھ کیا جا سکتا ہے، بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ افسوس کے سوا کچھ بھی نہ رہے گا، نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ترجمہ بھی اس جگہ لکھا جاتا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ جہنم کو یاد کر کے رونے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہوئی، کیوں رو رہی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے جہنم یاد آ گئی اس پر رو رہی ہوں، آپ حضرات اس دن اپنے اہل و عیال کو بھی یاد کر لیں گے یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین وقت تو ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، ایک۱ تو ترازو کے وقت (جب اعمال کے تولنے کا وقت ہو گا) یہاں تک کہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اُس کا (نیکیوں کا) پلڑا جھک رہا ہے یا نہیں، دوسرے۲ جب یہ اعلان ہو گا کہ آؤ اپنے اپنے حساب کی کتاب لے لو، اُس وقت کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا پُشت(۲) کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملتا ہے، تیسرے۳ پُل صراط کے وقت جب کہ وہ جہنم پر بچھائی جائے گی (اور اس پر کو چلنا پڑے گا) [مشکوٰۃ] جب تک کہ آدمی اُس پر کو خیریت سے نہ گذر جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حساب کیا جائے گا، جس کی نیکیوں میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے گا، وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کی بُرائیوں میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے گا، وہ جہنم میں جائے گا، اس کے بعد انہوں نے ﴿فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ﴾ [سورۂ مومنون: ۱۰۲] والی آیت پڑھی، جو نمبر چھ۶ پر گذری اور فرمایا کہ ترازو کا پلّہ ایک دانہ سے بھی جھک جائے گا اور جس کی نیکیاں اور بُرائیاں برابر ہوں گی، وہ اَعراف میں ہوں گے (جو جنت اور دوزخ کے درمیان میں ہے)۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْهَهٗ فرماتے ہیں کہ جس کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ اچھا ہو گا، اُس کا

حل لغات: (۱) مشکل۔ (۲) پیٹھ۔

زہد و قناعت

وزن ہلکا ہوگا اور جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہوگا، اُس کا وزن بھاری ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک فرشتہ ترازو کے قریب مقرر ہوگا، پس جس کا پلّہ بھاری ہوجائے گا، وہ ایسے زور سے اعلان کرے گا، جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا سعید[1] ہوگیا اور ایسی سعادت ملی کہ اُس کے بعد بدبختی نہیں ہے؛ اور اگر اس کا پلڑا ہلکا ہوگیا، تو وہ اسی طرح اس کے بدبخت ہونے کا اعلان کرے گا، جس کو ساری مخلوق سنے گی۔

مُتعدّد[2] روایات میں آیا ہے کہ وہ ترازو اتنی بڑی ہوگی کہ آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب اس کے ایک پلڑے میں آجائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ترازو میں سب سے اوّل وہ نفقہ رکھا جاتا ہے، جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں تمہیں ایسی بتاؤں جو عمل میں بہت ہلکی، وزن میں بہت بھاری: ایک تو اچھی عادت، دوسرے چُپ رہنا (یعنی بے کار باتوں سے احتر[3]از کرنا)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں، جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی، وہ ''سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ'' ہیں۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت[4] پوری کرے، میں اُس کی ترازو کے پاس کھڑا ہوں گا، اگر اس کی نیکیاں بڑھ گئیں تو بہت ہی اچھا، نہیں تو میں اس کی سفارش کروں گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن علماء کے لکھنے کی سیاہی اور شہیدوں کا خون بھی تولا جائے گا اور علماء کے لکھنے کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ وزنی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اعمال نامہ کا وزن اور اُمتوں سے بہت بڑھ جائے گا، اس لیے کہ ان کی زبانیں کلمہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' کے ساتھ بہت مانوس[5] ہوں گی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ہر وقت پیٹ اور شرمگاہ ہی کا فکر رہے، اُس کا وزن ہلکا ہوگا۔ [درمنثور]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیوں کا لکھنے والا ہوتا ہے، وہ بائیں جانب والے پر اَمیر ہوتا ہے، جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے، تو دائیں جانب والا دس گنا اُس کا ثواب لکھ لیتا ہے اور جب کوئی بُرائی کرتا ہے اور بائیں جانب والا اُس کو لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ماتحت[6] ہونے کی وجہ سے امیر سے لکھنے کی اجازت لیتا ہے، تو امیر یعنی دائیں جانب کا فرشتہ کہتا ہے کہ

حل لغات: (۱) خوش قسمت۔ (۲) کئی، بہت سی۔ (۳) بچنا۔ (۴) ضرورت۔ (۵) عادی، ملا جلا ہونا۔ (۶) جو کسی کے ہاتھ کے نیچے ہو۔

ابھی چھ، سات گھنٹے انتظار کرلے، اگر بندہ اس درمیان میں اس گناہ سے توبہ کرلیتا ہے تو وہ لکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر توبہ نہیں کرتا تو وہ لکھ لیتا ہے۔ [درمنثور] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مُتعدّد احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین پیشیاں[1] ہوں گی: پہلی دو پیشیوں میں تو مطالبات[2]، سوال جواب، عذر معذرت وغیرہ سب کچھ ہوگا اور تیسری پیشی میں اعمال نامے ہاتھوں میں دے دیے جائیں گے، کسی کے داہنے ہاتھ میں، کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ [درمنثور] ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کا بہت آسان حساب لیتے ہیں اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردیتے ہیں: ایک یہ کہ جو تجھے اپنے احسان سے محروم رکھے تو اُس پر احسان کرے، دوسرے جو شخص تجھ سے قطع رحمی[3] کرے تو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے، تیسرے جو تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کردے۔ [درمنثور]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر (آخرت کے احوال سے) جو کچھ مجھے معلوم ہے تم لوگوں کو معلوم ہوجائے، تو (خوف کی وجہ سے) ہنسنا کم کردو اور رونا بہت زیادہ کردو اور بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذّت حاصل کرنا چھوڑ دو اور چِلّاتے ہوئے جنگل کو نکل جاؤ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر فرمانے لگے: کاش میں تو ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (آدمی ہوتا ہی نہیں جو اتنے مصائب[4] برداشت کرنا پڑیں)۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی جس حالت میں مرتا ہے، اُسی حالت میں قیامت کو اُٹھایا جائے گا (یعنی جس نیکی یا بدی میں مشغول ہے اور اسی حالت میں موت آگئی، اُسی حالت پر حشر بھی ہوگا)۔ [مشکوٰۃ]

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا، جس میں ارشاد فرمایا: غور سے سُن لو کہ دنیا ایک وقتی مَنْفَعَت[5] ہے، جس سے ہر شخص نفع اُٹھاتا ہے، چاہے نیک ہو یا فاجِر[6] (لہٰذا اس سے زیادہ نفع اُٹھانا کوئی نیکی کی علامت نہیں ہے) اور آخرت ایک مقررہ چیز ہے، جو بہر حال وقت مقررہ پر آنے والی ہے اور اس میں ایک ایسا بادشاہ فیصلہ فرمائے گا، جو ہر چیز پر قادر ہے (اس کے اختیارات بہت زیادہ وسیع[7] ہیں) خیر، ساری کی ساری جنت میں ہے (لہٰذا جو خیر بھی آدمی کرسکے، اس میں کوتاہی نہ کرے کہ وہ جنت کی طرف لے جانے والی ہے) اور شر، ساری کی ساری جہنم میں ہے (اس لیے ذرا سی شر سے بھی بچنے کی کوشش کرنا چاہیے، اُس کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے کہ ذرا سی شر بھی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے) اہتمام سے نیک عمل کرتے رہو، تم اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے نہایت خطرہ کی حالت میں ہو (اس سے بے خوف اور

حل لغات: ① حاضری۔ ② درخواست، دعویٰ، مانگنا۔ ③ رشتہ توڑنا۔ ④ تکلیفیں۔ ⑤ فائدہ۔ ⑥ گنہگار۔ ⑦ پھیلے ہوئے۔

زہد و قناعت

بے فکر کسی وقت نہ ہونا چاہیے) اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے (اور ان کا حساب ہوگا) جو شخص ایک ذرہ کی برابر بھی نیکی کرے گا، وہ اس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرّہ کی برابر بھی برائی کرے گا، وہ اس کو بھی دیکھے گا۔ [مشکوٰۃ]

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ دنیا دن بدن منہ پھیرتی جا رہی ہے، یعنی دور ہوتی جا رہی ہے اور آخرت روز بروز قریب آتی جا رہی ہے اور (دنیا اور آخرت میں سے) ہر ایک کی مستقل اولاد ہے، پس تم دنیا کی اولاد نہ بنو اور آخرت کی اولاد بنو، آج عمل کا دن ہے، حساب نہیں ہے اور کل کو حساب کا دن ہے، عمل نہ ہوگا۔ [مشکوٰۃ]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تین کچہریاں[1] ہوں گی، ایک کچہری میں تو معافی ہے ہی نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کی ہے (یعنی اس عدالت میں تو صرف ایمان اور کفر کا مقدمہ پیش ہوگا اور جُرم کی معافی کا اس عدالت میں ذکر ہی نہیں)۔ دوسری کچہری میں حق تعالیٰ شانہٗ، صاحبِ حق کو اس کا حق ضرور دلائیں گے (خواہ اپنے پاس سے عطا فرمائیں یا جس کے ذمہ حق ہے، اُس سے وصول کر کے مَرحَمَت[2] فرمائیں) اور یہ کچہری بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کی ہے کہ اس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ دِلوایا جائے گا۔ تیسری کچہری حق تعالیٰ شانہٗ کے اپنے حقوق کی ہے (فرائض وغیرہ میں کوتاہی کی ہے) اس میں حق تعالیٰ شانہٗ زیادہ پروا نہیں فرمائیں گے، یہ اُس کریم کے اپنے حقوق ہیں، وہ چاہے مطالبہ[3] فرمائیں یا معاف کر دیں۔ [مشکوٰۃ]

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ذمہ اُس کے بھائی کا کوئی حق ہو کہ اُس پر آبرو کی یا مال کی کوئی زیادتی اور ظلم کر رکھا ہو، اُس کو آج معاف کرا لو، اس وقت سے پہلے پہلے نمٹ لو، جس دن نہ دینار ہوگا نہ درم (نہ روپیہ، نہ اَشرَفی[4]، اُس دن سارا حساب نیک اعمال اور گناہوں سے ہوگا) پس اگر اس ظلم کرنے والے کے پاس کچھ نیک عمل ہیں، تو اس کے ظلم کے بقدر نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے اتنے ہی گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے (کہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسرے کے گناہوں کی سزا میں جہنم میں کچھ زیادہ زمانہ پڑے رہنا ہوگا)۔ [مشکوٰۃ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حق والوں کو ان کا حق ضرور دِلوایا جائے گا، حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کے لیے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ]

حل لغات: (۱) عدالتیں۔ (۲) عطا کرنا، دینا۔ (۳) تقاضا، مانگ۔ (۴) سونے کے سکے۔

زہد و قناعت

یعنی اگر دنیا میں ایک بکری کے سینگ تھے، اُس نے دوسری بکری کے مارا جس کے سینگ نہ تھے، جس کی وجہ سے وہ بدلہ نہ لے سکی تو اُس بکری کا بدلہ بھی وہاں دِلوایا جائے گا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو مُفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے نزدیک تو مُفلس وہ شخص سمجھا جاتا ہے، جس کے پاس نہ درم (نقد) ہو نہ مال، حضور ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کا مُفلس وہ ہے، جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے؛ لیکن کسی کو گالی دی تھی، کسی کو تہمت[1] لگائی تھی، کسی کا مال کھالیا تھا، کسی کو مارا تھا، پس کچھ نیکیاں اس نے لے لیں، کچھ اُس نے لے لیں اور جب اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور دوسروں کے مطالبے باقی رہ گئے تو اُن کے مطالبوں کی بقدر ان کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اس کے بعد اُس (ظالم اور کثرت سے عبادتوں کے مالک) کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ]

فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے، اُس وقت ستّر برس تو ایسی حالت میں کھڑے رہیں گے کہ اُن کی طرف اِلتفات[2] بھی نہ ہوگا، وہ اس پریشانی میں اتنا روئیں گے کہ آنسو ختم ہوجائیں گے اور آنسوؤں کی جگہ خون نکلنے لگے گا، اس کے بعد میدانِ حشر کی طرف بلائے جائیں گے اور فرشتے آسمانوں سے اُترنے شروع ہوں گے، ہر آسمان کے فرشتے ایک ایک حلقہ بنا کر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں کے پیچھے کھڑے ہوں گے، جس کو قرآن پاک میں ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۞ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۞ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۞ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۞ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۚ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۞﴾ [سورۂ فرقان: ۲۵-۲۹]

ذکر کیا گیا، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس دن آسمان بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے کثرت سے اُتارے جائیں گے، اُس دن حکومت رحمان ہی کی ہوگی (یعنی حساب کتاب جزا سزا میں کسی کا دخل نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا، جس دن ظالم آدمی اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا: کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول (علیہ السلام) کے ساتھ راستہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت! (کہ میں نے ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو (جس نے نیک کام سے روکا) دوست نہ بناتا، اُس نے مجھ کو نصیحت آنے کے باوجود اُس سے بہکا دیا اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر سب کو کلّی[3] طور پر)

حل لغات: (۱) جھوٹا الزام۔ (۲) توجہ، دھیان۔ (۳) مکمل طور۔

امداد کرنے سے جواب دے دیتا ہے (جس کا مُفصَّل قصہ سورۂ ابراہیم میں ہے)۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اُس وقت حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے ارشاد ہوگا: اے جن وانس! میں نے تمہیں دنیا میں نصیحت کردی تھی، آج تمہارے یہ اعمال تمہارے سامنے ہیں، جو شخص اپنے اعمال نامہ میں بھلائی پائے، وہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا شکر ادا کرے اور جو نیکی نہ پاوے وہ اپنے آپ ہی کو ملامت[1] کرے (کہ نصیحت کی بات نہ مانی) اس کے بعد حق تعالیٰ شانُہٗ جہنم کو حکم فرمائیں گے، اُس کا عذاب سامنے آجائے گا، جس کو دیکھ کر ہر شخص گھٹنوں کے بَل گر جائے گا، جس کو [سورۂ جاثیہ، رکوع: ۴] میں ارشاد فرمایا ہے کہ تو ہر جماعت کو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بَل گری ہوئی ہے اور ہر جماعت اپنے اعمال نامہ کی طرف بُلائی جائے گی، اُس کے بعد لوگوں کے درمیان میں فیصلے شروع ہوجائیں گے، حتیٰ کہ جانوروں تک کے درمیان میں بھی انصاف کیا جائے گا اور بے سینگ والی بکری کے لیے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا، اس کے بعد جانوروں کو حکم ہوجائے گا کہ تم مٹی بن جاؤ (تمہارا معاملہ ختم ہوگیا) اُس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے اور کافر کہے گا: ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ [سورۂ نبا: ۴۰] کاش میں مٹی ہوجاتا۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہی ننگے میدانِ حشر میں ہوں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب کے سامنے ننگا ہونے سے کیسی شرم آئے گی، ایک دوسرے کو دیکھیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس وقت لوگ اپنی مصیبت میں اس قدر گرفتار ہوں گے کہ ایک کو دوسرے کے دیکھنے کی مُہلت بھی نہ ہوگی، سب کی آنکھیں اُوپر کی طرف لگی ہوئی ہوں گی، ہر شخص اپنے اعمالِ[2] بد کی بقدر پسینے میں غَرق[3] ہوگا، کسی کا پسینہ پاؤں تک چڑھا ہوا ہوگا، کسی کا پنڈلی تک، کسی کا پیٹ تک، کسی کا منہ تک آیا ہوا ہوگا، فرشتے عرش کے چاروں طرف حلقہ بنائے ہوئے ہوں گے، اُس وقت ایک ایک شخص کا نام لے کر پکارا جائے گا، جس کو پکارا جائے گا، وہ مجمع سے نکل کر وہاں حاضر ہوگا، جب وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، تو اعلان کیا جائے گا کہ اس کے ذمّہ جس جس کا مطالبہ ہو وہ آئے، اس کے ذمّہ جس جس کا کوئی حق ہوگا یا اُس کی طرف سے اُس پر کسی قسم کا ظلم ہوگا، وہ ایک ایک کر کے پکارا جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی یا نہیں رہیں گی، تو اُن لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور جب وہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسرے گناہوں کو بھی سَر لے لے گا، تو

حل لغات: (۱) لعن طعن۔ (۲) برے اعمال۔ (۳) ڈوبنا۔

زہد و قناعت

اس سے کہا جائے گا کہ جا اپنی مَیَّا ''ہاویہ'' میں چلا جا (القارعہ میں اس کا بیان ہے یعنی دہکتے ہوئے جہنم میں) حساب اور عذاب کی اس شِدّت[1] کو دیکھتے ہوئے کوئی مُقرّب[2] فرشتہ یا نبی ایسا نہ ہوگا، جس کو اپنا خوف نہ ہو، مگر وہ لوگ جن کو حق تعالیٰ شانُہٗ محفوظ فرمادے، اس وقت ہر شخص سے چار چیزوں کا سوال ہوگا (جیسا کہ پہلے مُفَصَّل حدیث میں اسی فصل کے نمبر چھ پر گذر چکا) کہ عمر کس کام میں ختم کی۔ بدن کس کام میں لایا گیا، اپنے علم پر کیا عمل کیا اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ عِکْرِمَہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ اُس دن باپ اپنے بیٹے سے کہے گا کہ میں تیرا باپ تھا، میں تیرا والد تھا، وہ بیٹا اس کے احسانات کا اقرار کرے گا، اس کے بعد باپ کہے گا کہ مجھ کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے، جو ایک ذرّہ کے برابر ہو، شاید اس کی وجہ سے میرا پلّہ جُھک جائے، بیٹا کہے گا کہ مجھے خود ہی مصیبت پیش آرہی ہے، مجھے اپنا حال معلوم نہیں ہے کہ مجھ پر کیا گذرے گی، میں تو کوئی نیکی نہیں دے سکتا، اُس کے بعد وہ شخص اپنی بیوی سے اسی طرح اپنے احسان اور تعلقات جتا کر مانگے گا، وہ بھی اسی طرح انکار کردے گی (غرض اسی طرح سے ہر شخص سے مانگتا پھرے گا) یہی وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ [سورۂ فاطر:۱۸] میں ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اور (اُس دن) کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اُٹھاوے گا (اور خود تو کوئی کسی کی کیا مدد کرتا) اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے بلاوے گا، تب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ اُٹھایا جائے گا (یعنی کسی قسم کی اُس کی مدد نہ کرے گا) اگرچہ وہ شخص قرابت[3] دار ہی کیوں نہ ہو۔ [تنبیہ الغافلین]

عِکْرِمَہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی یہ روایت دُرِّ منثور میں زیادہ واضح الفاظ میں ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ باپ بیٹے سے اوّل پوچھے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا، وہ بہت تعریف باپ کے برتاؤ کی کرے گا، اس کے بعد باپ کہے گا کہ میں آج تجھ سے صرف ایک نیکی مانگتا ہوں، شاید اُسی سے میرا کام چل جائے، بیٹا کہے گا کہ ابا جان! تم نے بہت ہی مختصر چیز کہی ہے، لیکن اس کے باوجود میں سخت مجبور ہوں کہ مجھے خود یہی خوف ہے، جو تمہیں ہے، اُس کے بعد یہی سارا سوال جواب بیوی سے ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ﴾ اور ارشاد ہے: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴾ الآية [درمنثور] ان میں سے پہلی آیت شریفہ سورۂ لقمان کے آخری رکوع کی ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ﴾ الآية حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ایسا ہے کہ

حل لغات: (۱) سختی، تیزی۔ (۲) قریبی۔ (۳) رشتہ دار۔

زہد و قناعت

وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا سا بھی مطالبہ ادا کردے اور بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے (کہ یہ دن ضرور آنے والا ہے) سوتم کو دنیوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے (کہ تم اس میں مُنہمِک[1] ہوکر اس دن کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ دینے والا (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے (کہ اُس کے بہکانے میں آکر تم اس دن سے غافل ہوجاؤ)۔ دوسری آیتِ شریفہ سورۂ ''عبس وتولیٰ'' میں ہے: ﴿ فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ ﴾ الآیۃ پس جس دن کانوں کو بہرا کردینے والا شور برپا ہوگا (یعنی قیامت کا دن آجائے گا، وہ ایسا دن ہوگا) جس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (کوئی کسی کے کام نہ آئے گا) اُس دن ہر شخص کو اپنا ہی ایسا مشغلہ ہوگا، جو اس کو دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہونے دے گا، اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کو یہ بات بہت شاق[2] ہوگی کہ کوئی اس کی جان پہچان والا قریبی رشتہ دار نظر پڑ جائے، اس ڈر سے کہ کہیں وہ اپنا کوئی مطالبہ پیش نہ کردے۔ [درمنثور]

قرآن پاک میں بہت کثرت سے یہ مضمون مختلف عنوانات سے ذکر فرمایا گیا ہے، سورۂ بقرہ کے رکوع نمبر چھ میں ہے ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ ﴾ الآیۃ۔ ''اور ڈرو تم ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ (جانی) بدلہ دے سکے گا (مثلاً ایک کی نماز کے بدلہ میں دوسرے کی نماز قبول کرلی جائے) اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے، نہ کسی کی طرف سے کوئی فدیہ (مالی معاوضہ) لیا جاسکتا ہے اور نہ اُن کی کوئی مدد کی جائے گی (کہ کوئی اپنے زور سے اُن کے عذاب کو روک دے، یہ ناممکن ہے)''۔ اس آیت شریفہ میں اِعَانت[3] کے جتنے ذریعے ہوسکتے تھے، سب کی نفی فرمادی اس لیے کہ کسی کی مدد کے چار ہی طریقے ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ کوئی زوردار شخص بیچ میں حائل[4] ہوجائے اور اپنے زور سے روک دے، یہ نُصرت[5] ہے اس کی بھی نفی فرمادی۔ دوسرے بغیر زور کے کوئی شخص عذاب کو روک دے، اس کی دو صورتیں ہیں: بغیر کسی قسم کا معاوضہ[6] دیے روکے، یہ سفارش ہے، یا کوئی کسی قسم کا بدلہ دے کر روکے اس کی دو قسمیں ہیں کہ جانی بدلہ دے یا مالی بدلہ دے، ان کی بھی دونوں کی نفی فرمادی گئی۔

اسی طرح اور بھی بہت سے مواقع میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے آیا ہے، اس کے متعلق یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ایک تو کفّار کا معاملہ ہے، ان میں تو بالاتفاق یہی سب چیزیں ہیں جو اُوپر ذکر کی

حل لغات: (۱) بہت زیادہ مشغول۔ (۲) ناپسند ہونا، مشکل معلوم ہونا۔ (۳) مدد۔ (۴) روکنے والا۔ (۵) مدد۔ (۶) بدلہ۔

گئی کہ کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ کتنا ہی مُقرَّب[1] کیوں نہ ہو، کفّار کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا۔ دوسرا معاملہ گنہگار مسلمانوں کا ہے ان کے بارہ میں بھی اس قسم کی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں، یہ سب ایک خاص وقت کے اعتبار سے ہیں، اُس کے بعد سفارش کی اجازت ہوجائے گی، چنانچہ قرآن پاک میں مُتعَدَّد جگہ یہ مضمون وارد ہے، جن میں سے ایک جگہ ارشاد ہے ﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ ﴾ الایۃ [سورۂ طہٰ:۱۰۹] ''اُس دن کسی کو سفارش نفع نہ دے گی، مگر ایسے شخص کو (انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام ، اولیاء رحمہم اللہ کی سفارش نفع دے گی) جس کے واسطے اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے سفارش کی اجازت دے دی ہو اور اس کے واسطے (کسی کا بولنا) پسند کرلیا ہو''، اس قسم کے مضامین بھی کثرت سے وارد ہیں، لیکن یہ بات کہ کس کے لیے سفارش کی اجازت ہوتی ہے کسی کو معلوم نہیں ہے گو[2] حق تعالیٰ شانُہٗ کے فضل سے امیدوار ہر شخص کو رہنا ہی چاہیے؛ لیکن یقین کسی کا بھی نہیں ہے، اس وجہ سے یہ سخت ترین دن نہایت ہی خوف وخطر کا دن ہے، اس کی سختی کے واسطے جو کچھ بچاؤ کیا جاسکتا ہے، وہ آج ہی کیا جاسکتا ہے، صدقہ کی کثرت کو اس دن کی شدّت اور سختی سے بچانے میں خاص دخل ہے۔ پہلی فصل میں کثرت سے آیات اور روایات میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مشہور ارشاد ہے (جہنم کی آگ سے بچو چاہے آدھی کھجور ہی سے کیوں نہ ہو۔) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھادیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھادیتا ہے۔ [اتحاف] حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ [اتحاف] یعنی جس قدر آدمی کے صدقہ کی مقدار بڑھی ہوئی ہوگی، اتنا ہی گہرا سایہ اس سخت دن میں ہوگا، جس میں گرمی کی شِدَّت سے منہ تک پسینہ آیا ہوا ہوگا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ صدقہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے غصہ کو بھی روکتا ہے اور سُوءِ خاتمہ (بُری موت) سے بھی حفاظت کا سبب ہے۔ [مشکوٰۃ]

حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَام کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ جب تجھ سے کوئی خطا صادر ہو، صدقہ کیا کر۔ [احیاء] پہلی فصل کی حدیث نمبر دس میں یہ قصہ مُفَصَّل گذر چکا ہے کہ ایک بدکار فاحشہ عورت کی کتّے کو پانی پلانے سے مغفرت ہوگئی۔ عُبید بن عُمیر رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ میدانِ حشر میں لوگ انتہائی بھوکے ہوں گے، انتہائی پیاسے اور بالکل ننگے ہوں گے؛ لیکن جس شخص نے اللہ کے واسطے کسی کو کھانا کھلایا ہوگا، اُس کو حق تعالیٰ شانُہٗ کھانا کھلائیں گے اور جس نے اللہ کے واسطے کسی کو پانی پلایا ہوگا، اُس کو سیراب[3] کریں گے اور جس نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے واسطے کسی کو کپڑا دیا ہوگا اُس کو لباس پہنائیں گے۔ [احیاء]

پہلی فصل میں حدیث نمبر گیارہ کے ذیل میں گذرا ہے کہ قیامت کے دن جہنمی ایک صف[4] میں کھڑے کیے جائیں گے، ان پر کو ایک (کامل ولی) مسلمان کا گذر ہوگا، اُس صف میں سے ایک شخص کہے گا تو میرے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں سفارش کردے، وہ پوچھے گا: تو کون ہے؟ وہ جہنمی کہے گا: تو

حل لغات: (۱) قریبی۔ (۲) اگرچہ۔ (۳) خوب پلانا۔ (۴) لائن۔

زہد وقناعت

مجھے نہیں جانتا، میں نے فلاں وقت دنیا میں تجھے پانی پلایا تھا۔ دوسری حدیث میں گذرا کہ قیامت کے دن جب جنتی اور جہنمی لوگوں کی صفیں لگ جائیں گی، تو جہنمی صفوں میں سے ایک شخص کی نظر جنتی صفوں میں سے ایک شخص پر پڑے گی اور وہ یاد دلائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ فلاں احسان کیا تھا، اس پر وہ شخص اُس کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ میں لے جائے گا اور عرض کرے گا کہ یا اللہ! اس کا مجھ پر فلاں احسان ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ کی رحمت سے اس کو بخش دیا جائے گا۔ ایک اور حدیث میں گذرا کہ قیامت کے دن اعلان ہوگا کہ اُمتِ محمدّیہ کے فقیر لوگ کہاں ہیں؟ اُٹھو اور لوگوں کو میدانِ قیامت میں سے تلاش کرلو، جس شخص نے میرے لیے تم میں سے کسی کو ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لیے ایک گھونٹ بھی پانی پلایا ہو یا نیا پُرانا کپڑا دیا ہو، اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کردو، اس پر فقرائے اُمت اُٹھیں گے اور ان کو چن چن کر جنت میں داخل کردیں گے۔ ایک اور حدیث میں گذرا کہ قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: کہاں ہیں، وہ لوگ جنھوں نے فقیروں کا اور مسکینوں[1] کا اکرام کیا؟ آج تم جنت میں ایسی طرح داخل ہوجاؤ کہ نہ تم پر کسی قسم کا خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔ اس قسم کے مضامین کی کئی روایتیں اس جگہ گذر چکی ہیں۔ اسی فصل کی حدیث نمبر تیرہ[۱۳] کے ذیل میں گذرا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل[2] کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت کی مصائب میں سے اُس کی کوئی مصیبت زائل فرمادیں گے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی[3] کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

حدیث نمبر چودہ[۱۴] کے ذیل میں گذرا کہ جو شخص اپنے مُضطَر[4] بھائی کی مدد کرے حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کو اُس دن ثابت قدم رکھیں گے، جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں گے (یعنی قیامت کے دن)۔

پہلی فصل کی آیات میں نمبر چونتیس[۳۴] پر قرآن پاک کی طویل آیت گذر چکی کہ ''وہ لوگ حق تعالیٰ شانُہٗ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں، یتیم کو اور مسکین کو اور (کافر) قیدیوں کو اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں نہ تو ہم تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکریہ بلکہ ہم کو اپنے رب کی طرف سے ایک نہایت تلخ اور سخت (قیامت کے) دن کا خوف ہے، پس اللہ جَلَّ شانُہٗ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور اُن کو سُرُور اور تازگی عطا فرمائے گا''۔ غرض اس فصل میں کثرت سے اس قسم کے مضامین گذر چکے ہیں کہ قیامت کے دن کی سختی کے بچاؤ کے لیے صدقہ کی کثرت نہایت مفید ہے اور اس آیتِ شریفہ میں تو گویا خود حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے اس کا وعدہ بھی ہوگیا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے؟

حل لغات: (۱) غریبوں۔ (۲) دور۔ (۳) عیب کو چھپانا۔ (۴) پریشان حال۔

زہد وقناعت

ساتویں فصل: زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کے واقعات

اس فصل میں زاہدوں[1] اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کے کچھ واقعات بھی نمونہ کے طور پر پیش کرنے ہیں کہ جن لوگوں نے دنیا اور آخرت کی حقیقت کو سمجھ لیا، اُنہوں نے اس دھوکہ کے گھر سے کیسی بے رغبتی[2] برتی اور آخرت کے لیے کیا کچھ جمع کر لیا۔ زُہد اور سخاوت مفہوم اور صورت عمل کے لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، لیکن مآل[3] کے اعتبار سے قریب قریب ہیں، اس لیے کہ زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی جس شخص میں ہوگی سخاوت اس کے لیے لازم ہے، جب اس کو اس کے رکھنے کی رغبت[4] ہی نہیں تو موجود ہونے کی صورت میں وہ لامحالہ[5] سخاوت ہی کرے گا، اسی طرح سے سخاوت وہی شخص کر سکتا ہے جس کو مال کی محبت نہ ہو اور جتنی زیادہ محبت مال کی ہوگی اتنا ہی بُخل[6] اس میں کرے گا، اس لیے اس فصل میں دونوں قسم کے واقعات کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا اور اسی لیے اس رسالہ میں جو فضائلِ صدقات میں تھا؛ زُہد کی روایات اور آیات بھی ذکر کی گئیں کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا زینہ ہے اور جب تک اس گندگی سے طبیعت کو محبت اور اُنس رہے گا، کبھی بھی خرچ کرنے کو طبیعت نہ اُبھرے گی، اگر اپنا دل بھی کسی وقت چاہے گا تو طبیعت خرچ کرنے پر آمادہ[7] نہ ہوگی۔ اسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین مثال سے ظاہر فرمایا۔

ارشادِ عالی ہے کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کی (جس کی عادت کثرت سے صدقہ کی ہو) ایسی مثال ہے جیسا کہ دو آدمی ہوں، اُن کے اوپر لوہے کی زرہیں اس طرح لپٹی ہوئی ہوں کہ اُن دونوں کے ہاتھ بھی زِرہوں کے اندر ہی سینہ پر چمٹے ہوئے ہوں، زرہ سے باہر نکلے ہوئے نہ ہوں، پس صدقہ والا یعنی سخی شخص جو صدقہ کرنے کا عادی ہے جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو وہ زرہ خود بخود کھلتی چلی جاتی ہے (اور ہاتھ بے تکلف فوراً زرہ سے باہر آجاتا ہے) اور بخیل جب ارادہ کسی صدقہ کا کرتا ہے تو وہ زرہ اور زیادہ سکڑ جاتی ہے جس سے ہاتھ اپنی جگہ سے جُنبش[8] ہی نہیں کر سکتا۔ [مشکوٰۃ]

مطلب یہ ہے کہ سخی جب خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا دل اس کے لیے فراخ[9] ہو جاتا ہے، جس سے وہ بے تکلف خرچ کرتا ہے اور بخیل اگر کہے سُنے سے یا کسی اور وجہ سے کسی وقت ارادہ بھی کر لیتا ہے تو اندر سے کوئی چیز اس طرح اس کو پکڑ لیتی ہے جیسا کہ لوہے کی زرہ نے اس کے ہاتھ باندھ دیے ہوں کہ ہاتھوں کے زور سے زِرہ کے اندر سے نکالنا بھی چاہتا ہے یعنی دل کو بار بار سمجھاتا ہے، مگر وہ

حل لغات: ① دنیا سے بے رغبت۔ ② بے پروائی۔ ③ انجام۔ ④ خواہش۔ ⑤ ضرور۔ ⑥ کنجوسی۔ ⑦ تیار۔ ⑧ حرکت۔ ⑨ کشادہ۔

واقعات

مانتا ہی نہیں، ہاتھ اٹھتا ہی نہیں، بہت ہی صحیح اور سچی مثال ہے۔ روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ بخیل آدمی خرچ کرنا بھی چاہتا ہے تو ہاتھ نہیں اٹھتا، کہیں دس روپے خرچ کرنے کا موقعہ ہوگا تو وہ دس پیسے بھی مشکل سے نکالے گا۔

(١) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کے واقعات اس کثرت سے اس چیز کی مثالیں ہیں کہ اُن کا اِحاطہ بھی دشوار[1] ہے۔ غزوۂ تبوک کے وقت جب کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی تحریک فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس وقت جو کچھ گھر میں رکھا تھا، سب کچھ جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا مشہور واقعہ ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑا؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی ان کی خوشنودی کا ذخیرہ) گھر میں موجود ہے۔ حکایاتِ صحابہ میں یہ قصہ مُفصّل[2] ذکر کیا گیا ہے اور اس نوع کے دوسرے حضرات کے مُتعدّد[3] واقعات ''حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں بھی لکھ چکا ہوں، وہاں دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ ایثار، ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انہیں حضرات کا حصہ تھا کہ اس کا کچھ بھی شائبہ ہم لوگوں کو مل جائے تو نہ معلوم ہم اس کو کیا سمجھیں، لیکن ان حضرات کے یہاں یہ روزمرّہ کے معمولی واقعات تھے بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اس سے بڑھ کر کیا وضاحت ہوسکتی ہے کہ خود حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآن پاک میں تعریف کے موقع پر فرمایا: {وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝} الآیۃ (سورۂ واللیل) اور اس (آگ سے) وہ شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال اس غرض سے (اللہ کے راستہ میں) دیتا ہے کہ پاک ہوجائے اور بجز[4] اپنے عالی شان پروردگار کی رَضا جوئی[5] کے (کوئی اور اُس کی غرض نہیں ہے اور) کسی کا اس کے ذمہ کوئی احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اُتارنا مقصود ہو (اس میں نہایت ہی مبالغہ[6] اخلاص کا ہے۔ کیونکہ کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا بھی مطلوب اور مندوب[7] ہے، مگر فضیلت میں احسان ابتدائی کے برابر نہیں۔) [بیان القرآن]

ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اور میرا مال آپ کے سوا کسی اور کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایات میں نقل کیا گیا ہے۔ سعید بن المُسَیّبِ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حل لغات: (١) مشکل۔ (٢) تفصیل سے۔ (٣) بہت سے۔ (٤) سوائے، علاوہ۔ (٥) خوشنودی حاصل کرنا۔ (٦) اونچا درجہ حد سے زیادہ۔ (٧) پسند کیا گیا، اچھا۔

واقعات

کے مال میں اسی طرح تَصَرُّف[1] فرماتے تھے، جس طرح اپنے مال میں فرماتے تھے۔ حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، جو سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُوپر خرچ کر دیے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میں)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درم تھے اور ہجرت کے وقت پانچ ہزار رہ گئے تھے۔ یہ ساری رقم غلاموں کے آزاد کرنے میں (جن کو اسلام لانے کے جرم میں عذاب دیا جاتا تھا) اور اسلام کے دوسرے کاموں میں خرچ کیے گئے۔ [تاریخ الخلفاء]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعیف[2] ضعیف غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ ان کے والد ابوقحافہ نے فرمایا کہ اگر تمہیں غلام ہی آزاد کرنے ہیں تو قوی[3] قوی غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرو کہ وہ تمہاری مدد بھی کر سکیں، وقت پر کام بھی آسکیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (میں اپنے لیے آزاد نہیں کرتا) میں تو محض[4] اللہ کی خوشنودی کے لیے آزاد کرتا ہوں [درمنثور] اور حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں ضعیف کمزور کی مدد کا جتنا اجر[5] ہے، وہ قوی کی مدد سے بہت زیادہ ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر احسان ہو اور میں نے اس کے احسان کا بدلہ نہ دے دیا ہو؛ مگر ابوبکر کا احسان میرے ذمہ ہے (جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا) حق تعالیٰ شانہٗ خود ہی قیامت کے دن اُس کے احسان کا بدلہ عطا فرمائیں گے، مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا۔ [تاریخ الخلفاء]

(۲) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور اپنی حاجت[6] پیش کر کے کچھ مدد چاہی اور سوال کیا، آپ نے فرمایا: تیرے سوال کی وجہ سے جو مجھ پر حق قائم ہو گیا ہے، وہ میری نگاہ میں بہت اونچا ہے اور تیری جو مدد مجھے کرنا چاہیے، وہ میرے نزدیک بہت زیادہ مقدار ہے اور میری مالی حالت اس مقدار کے پیش کرنے سے عاجز ہے، جو تیری شان کے مناسب ہو اور اللہ کے راستہ میں تو آدمی جتنا بھی زیادہ سے زیادہ خرچ کرے وہ کم ہی ہے؛ لیکن میں کیا کروں میرے پاس اتنی مقدار نہیں ہے جو تیرے سوال کے شکر کے مناسب ہو، اگر تو اس کے لیے تیار ہو کہ جو میرے پاس موجود ہے، اس کو تُو خوشی سے قبول کر لے اور مجھے اس پر مجبور نہ کرے کہ میں اس مقدار کو کہیں سے حاصل کروں جو تیرے مرتبہ کے مناسب ہو اور تیرا جو حق مجھ پر واجب ہو گیا ہے، اس کو پورا کر سکے تو میں بخوشی حاضر

حل لغات: (۱) خرچ کرنا، استعمال کرنا۔ (۲) کمزور، بوڑھے۔ (۳) طاقت ور۔ (۴) صِرف۔ (۵) بدلہ، ثواب۔ (۶) ضرورت۔

واقعات

ہوں۔ اس سائل[1] نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! میں جو کچھ آپ دیں گے اسی کو قبول کرلوں گا اور اس پر شکر گذار ہوں گا اور اُس سے زیادہ نہ کرنے میں آپ کو معذور سمجھوں گا۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خزانچی سے فرمایا کہ ان تین لاکھ درہموں میں سے (جو تمہارے پاس رکھوائے تھے) جو بچے ہوں لے آؤ، وہ پچاس ہزار درم لائے (کہ اس کے علاوہ سب خرچ کر چکے تھے)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پانچ سو دِینار (اَشرَفیاں) اور بھی تو کہیں تھے؟ خزانچی نے عرض کیا کہ وہ بھی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ بھی لے آؤ۔ جب یہ سب کچھ آ گیا تو اس سائل سے کہا کہ کوئی مزدور لے آؤ، جو اُن کو تمہارے گھر تک پہونچادے، وہ دو مزدور لے آئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ اُن کے حوالے کر دیا اور اپنے بدن مبارک سے چادر اُتار کر مرحمت فرمائی کہ ان مزدوروں کی مزدوری بھی تمہارے گھر تک پہونچانے کی میرے ہی ذمہ ہے۔ لہٰذا یہ چادر فروخت[2] کر کے ان کی مزدوری میں دے دینا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو اب کھانے کے لیے ایک درم بھی باقی نہیں رہا، آپ نے سب کا سب ہی دے دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات سے اس کی قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے مجھے اس کا بہت ثواب دے گا۔ [احیاء]

سب کچھ دے دینے کے بعد جبکہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رہا اور مقدار بھی اتنی زیادہ تھی پھر بھی اس کا قلق[3] اور اس کی ندامت[4] تھی کہ سائل کا حق ادا نہ ہوسکا۔

(۳) بصرہ کے چند قاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے جو بہت کثرت سے روزے رکھنے والا ہے، بہت زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے، اس کی عبادت کو دیکھ کر ہم میں سے ہر شخص رشک کرتا ہے اور اس کی تمنا کرتا ہے کہ اس کی سی عبادت ہم بھی کیا کریں، اس نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے؛ لیکن غریب کے پاس جہیز کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ان حضرات کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھولا، جس میں سے چھ توڑے (روپیہ یا اَشرَفی کی تھیلی توڑا کہلاتی ہے) نکالے اور ان حضرات کے حوالے کر دیے کہ اس کو دے دیں، یہ لے کر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اُن سے فرمایا کہ ہم لوگوں نے اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا، یہ مال اس کے حوالے اگر کر دیا جائے گا تو اُس غریب کو بڑی دِقّت[5] ہوگی، وہ اس جہیز کے انتظام کے جھگڑے میں لگ جائے گا، جس سے اس کی مشغولی بڑھ جائے گی، اس کی عبادت میں حرج ہوگا، اس دنیا کم بخت کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ

حل لغات: (۱) سوال کرنے والا، مانگنے والا۔ (۲) بیچنا۔ (۳) رنج، افسوس۔ (۴) شرمندگی۔ (۵) پریشان۔

واقعات

اس کی وجہ سے ایک عبادت گذار مومن کا حرج کیا جائے، ہماری اس میں کیا شان گھٹ جائے گی کہ ایک دین دار کی خدمت ہم ہی کر دیں، لہٰذا اس مال سے شادی کا سارا انتظام ہم سب مل کر کر دیں اور سامان تیار کر کے اس کے حوالے کر دیں، وہ حضرات بھی اس پر راضی ہو گئے اور سارا سامان اس رقم سے مکمل تیار کر کے اس فقیر کے حوالہ کر دیا۔ [اِحیاء]

④ ابوالحسن مدائنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں اُن کے سامان کے اونٹ اُن سے جدا ہو گئے، یہ بھوکے پیاسے چل رہے تھے، ایک خیمہ پر اُن کا گذر ہوا، اس میں ایک بوڑھی عورت تھی، ان حضرات نے اُس سے پوچھا کہ ہمارے پینے کو کوئی چیز (پانی یا دودھ، لسی وغیرہ) تمہارے پاس موجود ہے؟ اُس نے کہا ہے، یہ لوگ اپنی اونٹنیوں سے اُترے، اس بڑھیا کے پاس ایک بہت معمولی سی بکری تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا کہ اس کا دودھ نکال لو اور اس کو تھوڑا تھوڑا پی لو، ان حضرات نے اس کا دودھ نکالا اور پی لیا، پھر انھوں نے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز بھی ہے؟ اُس بڑھیا نے کہا کہ یہی بکری ہے، اس کو تم میں سے کوئی ذبح کر لے تو میں پکا دوں گی۔ انھوں نے اس کو ذبح کیا اُس نے پکایا۔ یہ حضرات کھا پی کر جب شام کو چلنے لگے تو انھوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی لوگ ہیں، اس وقت حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں، اگر ہم زندہ سلامت مدینہ پہونچ جائیں تو تُو ہمارے پاس آنا تیرے اس احسان کا بدلہ دیں گے، یہ حضرات تو یہ فرما کر چلے گئے، شام کو جب اس کا خاوند① (کہیں جنگل وغیرہ سے) آیا تو اس بڑھیا نے ہاشمی لوگوں کا قصہ سنایا، وہ بہت خفا② ہوا کہ تو نے اجنبی لوگوں کے واسطے بکری ذبح کر ڈالی، معلوم نہیں کون تھے کون نہیں تھے، پھر کہتی ہے کہ ہاشمی تھے، غرض وہ خفا ہو کر چپ ہو گیا، کچھ زمانہ کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو غربت نے جب بہت ستایا تو یہ محنت مزدوری کی نیت سے مدینہ منورہ گئے۔ دن بھر مینگنیاں چُگا کرتے اور اُن کو بیچ کر گذر کیا کرتے، ایک دن وہ بڑھیا مینگنیاں چگ رہی تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے دروازے کے آگے تشریف رکھتے تھے، جب یہ وہاں سے گذری تو اس کو دیکھ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو پہچان لیا اور اپنے غلام کو بھیج کر اُس کو اپنے پاس بُلوایا اور فرمایا کہ اللہ کی بندی تو مجھے بھی پہچانتی ہے؟ اس نے کہا: میں نے تو نہیں پہچانا، آپ نے فرمایا کہ میں تیرا وہی مہمان ہوں دودھ اور بکری والا۔ بڑھیا نے پھر بھی نہ پہچانا اور کہا: کیا خدا کی قسم تم وہی ہو؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں وہی ہوں اور یہ فرما کر آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے لیے ایک ہزار بکریاں خرید دی جائیں؛ چنانچہ فوراً خرید دی گئیں اور ان بکریوں کے علاوہ ایک ہزار دینار (اَشرفیاں) نقد بھی

حل لغات: ① شوہر۔ ② ناراض، غصہ۔

واقعات

عطا فرمائے اور اپنے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ بھائی نے کیا بدلہ عطا فرمایا؟ اُس نے کہا کہ ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار، یہ سن کر اتنی ہی مقدار دونوں چیزوں کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عطا فرمائی، اس کے بعد اس کو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، انھوں نے تحقیق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کیا کیا مرحمت فرمایا اور جب معلوم ہوا کہ یہ مقدار ہے تو انھوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے اور یہ فرمایا کہ اگر تو پہلے مجھ سے مل لیتی تو میں اس سے بہت زیادہ دیتا۔ یہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار (اَشرفیاں) لے کر خاوند کے پاس پہونچی کہ یہ اس ضعیف اور کمزور بکری کا بدلہ ہے۔ [اِحیاء]

⑤ عبداللہ بن عامر بن کُرَیز رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی ایک مرتبہ (غالباً رات کا وقت ہوگا) مسجد سے باہر آئے، اپنے مکان تنہا جارہے تھے، راستہ میں ایک نوجوان لڑکا نظر پڑا وہ اُن کے ساتھ ہولیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تمھیں کچھ کہنا ہے؟ اس نے عرض کیا جناب کی صلاح[1] وفلاح کا متمنی[2] ہوں کچھ عرض کرنا نہیں ہے، میں نے جناب کو تنہا اس وقت جاتے دیکھا مجھے اندیشہ[3] ہوا کہ تنہائی سے کوئی تکلیف نہ پہونچے، اس لیے جناب کی حفاظت کے خیال سے ساتھ ہولیا۔ خدا نہ کرے کہ راستے میں کوئی ناگوار[4] بات پیش آجائے۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر تک ساتھ لے گئے اور وہاں پہونچ کر ایک ہزار دینار (اَشرفیاں) اس کو مرحمت فرمائیں کہ اس کو اپنے کام میں لے آنا تمہارے بڑوں نے تمھیں بہت اچھی تربیت دی ہے۔ [اِحیاء]

⑥ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے مکان میں ایک کھجور کا درخت کھڑا تھا، جس کی شاخ پڑوسی کے مکان پر بھی لٹک رہی تھی۔ وہ پڑوسی غریب آدمی تھا، جب یہ شخص اپنے درخت پر کھجوریں توڑنے کے لیے چڑھتا تو حرکت سے کچھ کھجوریں پڑوسی کے مکان میں بھی گر جایا کرتیں، جن کو اُن کے غریب بچے اُٹھالیا کرتے، یہ شخص درخت پر سے اُترتا اور پڑوسی کے مکان پر جاکر اُن کے بچوں کے ہاتھ میں سے کھجوریں چھین لیتا، حتی کہ اُن کے منہ میں سے بھی انگلی ڈال کر نکال لیا کرتا۔ اس فقیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ اچھا جاؤ۔ اس کے بعد کھجور کے مالک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا فلاں کھجور کا درخت جو فلاں شخص کے گھر میں جھک رہا ہے، وہ تم مجھے اس وعدے پر دیتے ہو کہ تمھیں اس کے بدلے میں جنت میں کھجور کا درخت مل جائے؟ اُس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اور لوگ بھی خریدار ہوئے اور میرے پاس اور بھی

حل لغات: ① عافیت، بھلائی۔ ② خواہش مند۔ ③ ڈر۔ ④ ناپسند۔

واقعات

درخت ہیں؛ مگر اس کی کھجوریں مجھے بہت پسند ہیں، اس لیے میں نے فروخت نہیں کیا اور یہ کہہ کر اس کے دینے سے عذر کر دیا۔ (مالک تو بہر حال وہی تھا۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر سکوت[1] فرمایا) ایک تیسرے صاحب بھی اس گفتگو کو سن رہے تھے، انھوں نے اس کے جانے کے بعد حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اگر وہ درخت میں لے کر پیش کر دوں تو میرے لیے بھی وہی وعدہ جنت میں کھجور کے درخت کا ہے، جو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: تم سے بھی وہی وعدہ ہے۔ یہ صاحب اُٹھے اور اُس مالکِ درخت کے پاس جا کر کہا کہ میرے پاس بھی کھجور کا باغ ہے، تم اپنے اس درخت کو کسی قیمت پر بیچ سکتے ہو؟ اُس نے کہا کہ حضور ﷺ نے مجھ سے جنت میں درخت کا وعدہ کیا تھا، میں نے اس پر بھی نہیں دیا۔ یہ درخت مجھے بہت پسند ہے، میں اس کو بیچ تو سکتا ہوں، مگر جتنی قیمت میں چاہتا ہوں، اتنی کوئی دے گا نہیں۔ اُس نے پوچھا کہ کتنی قیمت چاہیے؟ اُس نے کہا کہ چالیس درختوں کے بدلہ میں بیچ سکتا ہوں، اس شخص نے کہا ایک ٹیڑھے درخت کی قیمت چالیس درخت بہت زیادہ ہے، اچھا اگر میں چالیس درخت اس کے بدلہ میں دوں تو تو بیچ دے گا؟ صاحب درخت نے کہا کہ اگر تو اپنی بات میں سچا ہے تو قسم کھا کہ میں نے چالیس درخت ایک درخت کے بدلہ میں دے دیے۔ ان صاحب نے قسم کھالی کہ میں نے چالیس درخت اس ٹیڑھے درخت کے بدلہ میں دے دیے۔ اس کے بعد وہ صاحبِ درخت پھر گیا کہ میں فروخت نہیں کرتا۔ ان صاحب نے کہا کہ اب تو ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ تیرے کہنے پر میں نے قسم کھائی ہے۔ اُس نے کہا کہ اچھا اس شرط پر کہ سب کے سب ایک ہی جگہ ہوں۔ انھوں نے تھوڑی دیر سوچ کر اس کا بھی وعدہ کر لیا کہ سب ایک ہی جگہ ہوں گے۔ بات پختہ کر کے یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور ﷺ وہ درخت میں نے خرید لیا، وہ حضور ﷺ کی نذر[2] ہے۔ حضور اقدس ﷺ اس فقیر کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہ درخت اس فقیر کو مرحمت فرما دیا۔ اس کے بعد سورۂ واللّیل نازل ہوئی۔ [درمنثور]

(۷) ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ ہے کہ احسان اور حسن سلوک اس وقت احسان ہے جب کہ وہ اس کے اہل اور قابل لوگوں پر کیا جائے، نالائقوں پر احسان کرنا نامناسب ہے۔ پس اگر تو کسی پر احسان کیا کرے تو یا تو خالص اللہ کے واسطے صدقہ ہو (کہ اس میں اہلیت[3] کی شرط نہیں ہے۔ کافروں اور جانوروں پر بھی کیا جاتا ہے) یا پھر اہل قرابت[4] پر کیا کر (کہ اُن کا حقِ قرابت ان کی اہلیت پر غالب ہے) اور اگر یہ دونوں باتیں کسی جگہ نہ ہوں تو نالائق پر احسان نہیں کرنا چاہیے (ان شعروں میں حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف

حل لغات: (۱) خاموش رہنا۔ (۲) ہدیہ۔ (۳) لائق ہونا۔ (۴) رشتہ دار۔

واقعات

اشارہ تھا کہ ان کی سخاوت اور بخشش ایسی عام تھی کہ ہر کس و ناکس[1] پر بارش کی طرح برستی تھی) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ شعر سُن کر فرمایا کہ یہ شعر آدمی کو بخیل[2] بناتے ہیں۔ میں تو اپنے احسان کو بارش کی طرح سے برساؤں گا، اگر وہ کریم اور قابل لوگوں تک پہونچ جائے تو وہ یقیناً اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر احسان کیا جائے اور اگر نااہلوں تک پہونچے تو میں اسی قابل ہوں کہ میرا مال نا اَہلوں کے پاس ہی جائے۔ [احیاء]

یہ تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں بھی نا اَہل، اس لیے میرا مال بھی ناکارہ[3] ہے، اس لیے ناکاروں ہی کے پاس جانا چاہیے۔

⑧ حضرت منکدر رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سخت حاجت کا اظہار کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت بالکل کچھ نہیں ہے، اگر میرے پاس دس ہزار بھی ہوتے تو سب کے سب تمھیں دے دیتی، مگر اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد خالد بن اسد رضی اللہ عنہ کے پاس سے دس ہزار کا ہدیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہونچا۔ فرمانے لگیں کہ میری بات کا بہت جلد امتحان لیا گیا، جب ہی حضرت منکدر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو بلا کر وہ ساری رقم ان کے حوالے کر دی، جس میں سے ایک ہزار میں انھوں نے ایک باندی خریدی جس کے پیٹ سے تین لڑکے پیدا ہوئے: محمد، ابوبکر، عمر، تینوں کے تینوں مدینہ منوّرہ کے عابد لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ [تہذیب التہذیب]

کیا ان تینوں کی عبادت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حصہ نہ ہوگا کہ وہی ان کے وجود کا سبب ہوئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت کے واقعات ان کے ابا جان رضی اللہ عنہ کی طرح سے احاطہ سے باہر ہیں۔ ایک قصہ حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی لکھ چکا ہوں کہ دو گونیں دراہم کی بانٹیں اور یہ بھی یاد نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور افطار کے لیے ایک درم کا گوشت ہی منگا لوں، ان دونوں گونوں میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے اور اسی قسم کا ایک اور قصہ بھی روایت میں ہے جس میں ایک لاکھ اسی ہزار درم بتائے جاتے ہیں۔ تمیم بن عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ (اپنے والد کی خالہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ انھوں نے ستّر ہزار درم تقسیم کیے اور وہ خود پیوند لگا ہوا کرتہ پہن رہی تھیں۔ [اتحاف]

⑨ اَبان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو پریشان اور ذلیل کرنے کے لیے یہ حرکت کی کہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر یہ کہا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما

حل لغات: ① چھوٹے بڑے۔ ② کنجوس۔ ③ بے کار۔

واقعات

نے کل صبح کو آپ کی کھانے کی دعوت کی ہے، سب جگہ پیام پہونچاتا ہوا پھر گیا، جب صبح کو کھانے کا وقت ہوا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر اتنا مجمع اِکٹھا ہو گیا کہ گھر بھر گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ صورت پیش آئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سب کو بٹھایا اور بازار سے پھلوں کے ٹوکرے منگا کراُن کے سامنے رکھے کہ اس سے شغل کریں اور بات چیت شروع کردی اور بہت سے باورچیوں کوحکم دے دیا کہ کھانا تیار کیا جائے، اتنے وہ حضرات پھلوں کے کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا تیار ہو گیا۔ سب نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا، اس کے بعد حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے خزانچیوں سے پوچھا: کیا اتنی گنجائش ہے کہ ہم اس دعوت کے سلسلہ کو روزانہ جاری رکھ سکیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمادیا کہ اس مجمع کی روزانہ صبح کو ہمارے یہاں دعوت ہے، روز آجایا کریں۔ [اتحاف]

یہ زمانہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر فتوحات[1] کی کثرت کا تھا؛ مگر ان حضرات کی سخاوت کے زور سے مال اس طرح جلد ختم ہو جاتا تھا جیسا کہ پانی چھلنی میں بھرا اور ختم ہوا، اس لیے جب ہوتا تھا تو خوب ہوتا تھا اور جب وہ ختم ہو جاتا تھا تو اپنے پاس کھانے کو ایک درم بھی نہ رہتا تھا، نہ جمع کرنے کا ان کا دستور تھا نہ اپنے لیے علیٰحدہ کر کے رکھنا یہ جانتے تھے کہ کس جانور کا نام ہے، لاکھوں کی مقدار آتی تھی اور منٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

(۱۰) واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے، ایک ہاشمی اور ایک غیر ہاشمی، ہم تینوں میں ایسے گہرے تعلقات تھے کہ ایک جان تین قالب[2] تھے، میرے اوپر سخت تنگی تھی، عید کا دن آ گیا، بیوی نے کہا کہ ہم تو ہر حال میں صبر کرلیں گے، مگر عید قریب آ گئی بچوں کے رونے اور ضد کرنے نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیے، یہ محلہ کے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمدہ عمدہ لباس اور سامان عید کے لیے خرید رہے ہیں اور یہ پھٹے پُرانے کپڑوں میں پھر رہے ہیں، اگر کہیں سے تم کچھ لا سکتے ہو تو لا دو، ان بچوں کے حال پر مجھے بہت ترس[3] آتا ہے، میں ان کے بھی کپڑے بنادوں۔ میں نے بیوی کی یہ بات سُن کر اپنے ہاشمی دوست کو پرچہ لکھا، اس میں صورت حال ظاہر کی اس کے جواب میں اُس نے ایک سر بمہر[4] تھیلی میرے پاس بھیجی اور کہا کہ اس میں ایک ہزار درم ہیں، تم ان کو خرچ کرلو، میرا دل اس تھیلی سے ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے دوسرے دوست کا پرچہ میرے پاس اسی قسم کے مضمون کا جو میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا تھا، آ گیا، میں نے وہ تھیلی سر بمہر اس کے پاس بھیج دی اور بیوی کی شرم میں گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی، مسجد میں چلا گیا اور دو دن رات مسجد ہی میں رہا، شرم کی وجہ سے گھر نہ جا سکا، تیسرے

حل لغات: (۱) برکات، خوش حالی۔ (۲) جسم۔ (۳) رحم۔ (۴) بند۔

واقعات

دن میں گھر گیا اور بیوی سے سارا قصہ سنا دیا، اس کو ذرا بھی ناگوار[1] نہ ہوا، نہ اُس نے کوئی حرف شکایت کا مجھ سے کہا: بلکہ میرے اس فعل کو پسند کیا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں بات ہی کر رہا تھا کہ میرا وہ ہاشمی دوست وہی سَر بمہر تھیلی ہاتھ میں لیے ہوئے آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ، اس تھیلی کا کیا قصہ ہوا؟ میں نے اس کو واقعہ سنا دیا، اس کے بعد اس ہاشمی نے کہا کہ جب تیرا پرچہ پہونچا تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کوئی چیز بالکل نہ تھی، میں نے یہ تھیلی تیرے پاس بھیج دی، اس کے بعد میں نے تیسرے دوست کو پرچہ لکھا تو اُس نے جواب میں یہی تھیلی میرے پاس بھیجی، اس پر مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ تو میں تیرے پاس بھیج چکا تھا، یہ اُس تیسرے دوست کے پاس کیسے پہونچ گئی؟ اس لیے میں تحقیق کے واسطے آیا تھا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس تھیلی میں سے سو درم تو اس عورت کو دے دیے اور نَو سو درم ہم تینوں نے آپس میں بانٹ لیے۔

اس واقعہ کی کسی طرح مامون الرشید کو خبر ہوگئی۔ اُس نے مجھے بلایا اور مجھ سے سارا قصہ سنا، اس کے بعد مامونُ الرشید نے سات ہزار درہم دیے۔ دو، دو ہزار ہم تینوں کو اور ایک ہزار عورت کو۔ [اتحاف]

(۱۱) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ منوّرہ کے ایک باغ پر گذرے، اس باغ میں ایک حبشی غلام باغ کا رکھوالی تھا وہ روٹی کھا رہا تھا اور ایک کتّا اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، جب وہ ایک لقمہ بنا کر اپنے منہ میں رکھتا تو ویسا ہی ایک لقمہ بنا کر اس کتے کے سامنے ڈالتا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اس منظر کو کھڑے دیکھتے رہے۔ جب وہ غلام کھانے سے فارغ ہو چکا تو یہ اس کے پاس تشریف لے گئے اس سے دریافت کیا: تم کس کے غلام ہو؟ اُس نے کہا: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں کا غلام ہوں، انھوں نے فرمایا کہ میں نے تمہاری ایک عجیب بات دیکھی، اُس نے عرض کیا: آقا تم نے کیا دیکھا؟ فرمانے لگے کہ تم جب ایک لقمہ کھاتے تھے ساتھ ہی ایک لقمہ اس کتّے کو دیتے تھے، اُس نے عرض کیا کہ یہ کتّا کئی سال سے میرا ساتھی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ میں کھانے میں بھی اس کو اپنا ساتھی رکھوں، انھوں نے فرمایا کہ اس کتّے کے لیے تو اس سے کم درجے کی چیز بھی بہت کافی تھی؟ غلام نے عرض کیا: مجھے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اس کی غیرت[2] آتی ہے کہ میں کھاتا رہوں اور ایک جاندار آنکھ مجھے دیکھتی رہے۔ حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ اس سے بات کرکے واپس تشریف لائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اپنی ایک غرض لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا ارشاد ہے ضرور فرما دیں؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں باغ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ انھوں نے عرض کیا کہ جناب کی خدمت میں وہ ہدیہ ہے، اس کو بلا قیمت قبول فرمالیں۔ فرمانے

حل لغات: (۱) ناپسند۔ (۲) شرم۔

واقعات

لگے کہ میں بغیر قیمت لینا نہیں چاہتا، قیمت طے ہو کر معاملہ ہو گیا، پھر حضرت ابنِ جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں جو غلام کام کرتا ہے اس کو بھی لینا چاہتا ہوں، انھوں نے عذر کیا کہ وہ بچپن سے ہمارے ہی پاس پلا ہے، اس کی جدائی شاق[1] ہے، مگر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے اِصرار[2] پر انھوں نے اس کو بھی ان کے ہاتھ فروخت[3] کر دیا۔ یہ دونوں چیزیں خرید کر اس باغ میں تشریف لے گئے اور اس غلام سے فرمایا کہ میں نے اس باغ کو اور تم کو خرید لیا ہے۔ غلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ کو یہ خریداری مبارک فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ البتہ مجھے اپنے آقاؤں سے جدائی کا رنج ہوا کہ انھوں نے بچپن سے مجھ کو پالا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ تمہاری نذر ہے۔ اُس غلام نے عرض کیا کہ پھر آپ گواہ رہیں کہ یہ باغ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں پر وقف کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی اس بات پر اور بھی تعجب ہوا اور اُس کو برکت کی دعائیں دے کر واپس آ گیا۔ [مسامرات] یہ تو مسلمانوں کے اسلاف[4] کے غلاموں کے کارنامے تھے۔

(۱۲) نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے، خدّام ساتھ تھے، کھانے کا وقت ہو گیا۔ خُدّام نے دسترخوان بچھایا، سب کھانے کے لیے بیٹھے، ایک چرواہا بکریاں چراتا ہوا گذرا اُس نے سلام کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی کھانے کی تواضع کی، اُس نے کہا میرا روزہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس قدر سخت گرمی کے زمانے میں کیسی لُو چل رہی ہے، جنگل میں تو روزہ رکھ رہا ہے، اُس نے عرض کیا کہ میں اپنے ایام خالیہ[5] کو وصول کر رہا ہوں۔ یہ قرآن پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ تھا، جو سورۃ الحاقّہ میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جنتی لوگوں کو فرماویں گے ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ ''کھاؤ اور پیو، مزہ کے ساتھ ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گذرے ہوئے زمانہ میں (دنیا میں) کیے ہیں''۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے امتحان کے طور پر اس سے کہا کہ ہم ایک بکری خریدنا چاہتے ہیں، اس کی قیمت بتا دو اور لے لو ہم اس کو کاٹیں گے اور تمھیں بھی گوشت دیں گے کہ افطار میں کام دے گا۔ اس نے کہا: یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو غلام ہوں، یہ میرے سردار کی بکریاں ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سردار کو کیا خبر ہو گی؟ اس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: فَاَيْنَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے؟

(یعنی وہ پاک پروردگار تو دیکھ رہا ہے، جب وہ مالک الملک دیکھ رہا ہے تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ

حل لغات: (۱) مشکل۔ (۲) ضد۔ (۳) بیچنا۔ (۴) بزرگوں۔ (۵) گزرے ہوئے دنوں۔

واقعات

بھیڑیا کھا گیا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تعجب اور مزے سے بار بار فرماتے تھے: اور چرواہا کہتا ہے: اَیْنَ اللّٰہُ اَیْنَ اللّٰہُ! (اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے!) اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شہر میں واپس تشریف لائے تو اس غلام کے آقا سے اُس غلام کو اور بکریوں کو خرید کر غلام کو آزاد کر دیا، اور وہ بکریاں اُسی کو ہبہ کر دیں۔ [درمنثور]

یہ اس وقت کے چرواہوں کا حال تھا کہ ان کو جنگل میں بھی یہ فکر تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ دیکھ رہے ہیں۔

(۱۳) حضرت سعید بن عامر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے حمص کے حاکم (گورنر) تھے۔ اہل حمص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی مُتعَدَّد[۱] شکایتیں کی اور ان کے معزول[۲] کرنے کی درخواست کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فراست[۳] کا خاص حصہ عطا فرمایا تھا، جس کی وجہ سے مردم[۴] شناسی میں خاص دخل تھا اور اس کا ہزاروں مرتبہ تجربہ بھی ہو چکا تھا، اس پر تعجب فرمایا کہ میں نے تو بہت بہتر سمجھ کر تجویز کیا تھا اور اس کی دعا کی کہ یا اللہ میری فراست کو لوگوں کے بارہ میں زائل نہ فرما کہ اس سے تو سارے ہی محکمہ کے آدمیوں میں نااہلوں کے گھس جانے کا اندیشہ[۵] ہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور شکایت کرنے والوں کو بھی بلایا اور اُن سے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کو ان سے کیا کیا شکایتیں ہیں۔ انھوں نے بھی تین شکایتیں کی تھیں۔ ایک یہ کہ دن میں بہت دیر سے گھر سے نکلتے ہیں (عدالت میں دیر سے پہونچتے ہیں) دوسرے رات کو اگر کوئی ان کے پاس جائے تو اُس وقت اس کی شکایت نہیں سنتے، تیسرے ہر مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں فریق[۶] کو سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ نمبروار مطالبات کرو تاکہ ہر شکایت کا علیحدہ علیحدہ جواب لیا جائے۔ ان لوگوں نے کہا کہ صبح کو دیر میں گھر سے نکلتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میری بیوی تنہا کام کرنے والی ہے، میں آٹا گوندھتا ہوں، روٹی پکاتا ہوں، جب روٹی تیار ہو جاتی ہے تو کھانے سے فارغ ہو کر وضو کر کے باہر چلا آتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ دوسرا مطالبہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ رات کو کام نہیں کرتے، کوئی جاتا ہے تو اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا کیا جواب تمہارے پاس ہے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اظہار کروں، میں نے دن اور رات کو تقسیم کر رکھا ہے دن مخلوق کا اور رات خالق کی۔ میں نے رات ساری کی ساری اپنے مولیٰ کو دے رکھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیسرا مطالبہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔ حضرت عمر

حل لغات: (۱) بہت سی۔ (۲) عہدہ سے ہٹا دینا۔ (۳) آدمی کی صورت دیکھ کر اس کی سیرت معلوم کر لینا۔ (۴) اچھے برے آدمی کی پہچان۔ (۵) ڈر۔ (۶) دونوں طرف کے لوگ۔

واقعات

رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔اس کا کیا جواب ہے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، میں مہینے میں ایک دن اپنے کپڑے خود ہی دھوتا ہوں ان کو خشک کر کے پہننے میں شام ہوجاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کیا کہ میری فراست غلط نہ ہوئی، اس کے بعد ان لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے امیر کی قدر کرو۔ان سب کے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار دینار (اشرفیاں) بھیجیں کہ اُن کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ان کی بیوی نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے بہت سی ضروریات کا انتظام فرمادیا۔اب تمھیں خود گھر کے کاروبار کرنے کی احتیاج[1] نہ رہے گی۔ایک خادم بھی اس میں سے خریدا جاسکتا ہے اور دوسری ضروریات بھی پوری کی جاسکتی ہیں۔حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں ہم سے بھی زیادہ محتاج اور ضرورت مند لوگ موجود ہیں ان لوگوں پر نہ خرچ کر دیں۔بیوی نے اس کو خوشی سے قبول فرمالیا۔انھوں نے اس میں سے چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بنا کر ایک فلاں مسکین[2] کو، ایک فلاں یتیم کو، ایک فلاں کو، غرض بہت سا حصہ تو اُسی وقت تقسیم فرمادیا کچھ بچا تھا، اس کو بیوی کے حوالہ کردیا کہ تھوڑا تھوڑا خرچ کرتی رہیں۔بیوی نے کہا کہ اس بچی ہوئی رقم سے ایک غلام خرید لیں، گھر کے کاروبار میں تمھیں سہولت ہوجائے گی۔فرمانے لگے کہ نہیں عنقریب[3] تجھ سے زیادہ حاجت[4] والے تیرے پاس آئیں گے۔ [اشہر]

⑭ ایک مرتبہ مصر میں قحط پڑا، عبدالحمید بن سعد مصر کے حاکم تھے کہنے لگے: میں شیطان کو بتاؤں گا، کہ میں اس کا دشمن ہوں (وہ ایسے وقت میں بہت احتیاط سے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے) مصر میں جتنے فقراء نادار[5] تھے۔سب کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا کہ جب تک ارزانی[6] ہو ان کا کھانا میرے ذمہ رہے گا؛ چنانچہ ایسا ہوتا رہا، یہاں تک کہ قحط دور ہوگیا، بازار کا نرخ[7] ارزاں ہوگیا، اس کے بعد یہ معزول کردیے گئے۔جب یہ مصر سے رخصت ہونے لگے تو جن تاجروں سے قحط کے زمانے میں قرض لے کر کھلاتے رہے ان کے دس لاکھ درم اُن کے ذمہ قرضہ تھا، چوں کہ وہاں سے رخصت ہوکر جارہے تھے، اس لیے اپنے اہل وعیال کے زیور وغیرہ مانگ کر ان تاجروں کے پاس رہن رکھ گئے، جو چیزیں رہن رکھی تھیں، اُن کی قیمت پچاس کروڑ درم تھے، کچھ دن ارادہ کرتے رہے کہ اُن کا قرضہ ادا ہوکر زیورات کے رہن کو خلاص[8] کرلیں، مگر اتنی رقم مہیا نہ ہوسکی۔ان تاجروں کو لکھ دیا کہ ان زیوروں کو فروخت[9] کر کے اپنا قرضہ وصول کرلیں اور جتنی رقم باقی بچے وہ مصر کے ان اہل ضرورت پر تقسیم کردیں جن کی اس وقت میں نے مدد نہیں

حل لغات: ① ضرورت۔ ② غریب۔ ③ جلدی۔ ④ ضرورت۔ ⑤ غریب۔ ⑥ چیزوں کا سستا ہونا۔ ⑦ بھاؤ، قیمت۔ ⑧ چھڑانا۔ ⑨ بیچنا۔

واقعات

کی۔ [اتحاف]

زیور والیاں بھی اسی دور کی پیداوار تھیں اُن کو اس میں کیا تامل ہوسکتا تھا کہ ان کا زیور فروخت کر کے فقراء پر تقسیم ہو جائے۔

⑮ ابومرثد رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور سخی ہیں، اُن کے پاس ایک شخص آیا اور کچھ اشعار ان کی تعریف میں پڑھے (کریم کی مدح[1] ہمیشہ صورتِ سوال ہوتی ہی ہے) انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت تیرے دینے کے لیے بالکل کچھ نہیں ہے۔ ایک صورت ہوسکتی ہے کہ تو قاضی کے یہاں جا کر مجھ پر دس ہزار کا دعویٰ کردے، میں قاضی کے سامنے اس کا اقرار کرلوں گا (اور آدمی کا کسی سے وعدہ کر لینا بھی قرض ہی جیسا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: اَلْعِدَةُ دَیْنٌ (وعدہ قرض ہے)۔ قاضی تیرے قرضہ میں مجھے قید کردے گا، تو پھر میرے گھر والے مجھے قید میں تو رہنے نہیں دیں گے۔ اتنی مقدار میں جمع کر دیں گے، اس نے ایسا ہی کیا، یہ قید ہوگئے اور شام تک دس ہزار قاضی صاحب کے حوالے ہو کر یہ قید سے چھوٹ آئے اور وہ رقم اس شخص کو مل گئی۔ [اتحاف]

⑯ عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی، دور کا سفر تھا، رات کو وہاں ٹھہرے، ان میں سے ایک شخص نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تُو اپنے اونٹ کو میرے بُختی[2] اونٹ کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے (بختی اونٹ اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں شمار ہوتا ہے جو اس میت نے ترکہ میں چھوڑا تھا) خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کرلیا، وہ صاحبِ قبر اُٹھا اور اس کے اونٹ کو ذبح کردیا، جب یہ اونٹ والا نیند سے اُٹھا، تو اس کے اونٹ کے خون جاری تھا، اس نے اُٹھ کر اس کو ذبح کردیا (کہ اس کی زندگی کی امید نہ رہی تھی) اور گوشت تقسیم کردیا۔ سب نے پکایا، کھایا، یہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے، جب اگلی منزل پر پہونچے تو ایک شخص بختی اونٹ پر سوار ملا، جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں سے کوئی ہے؟ اس خواب والے شخص نے کہا کہ: یہ میرا نام ہے، اُس نے پوچھا کہ تُو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے؟ خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب کا قصہ سنایا، جو شخص بختی اونٹ پر سوار تھا، اس نے کہا کہ وہ میرے باپ کی قبر تھی، یہ اُس کا بختی اونٹ ہے، اُس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تُو میری اولاد ہے، تو میرا بختی اونٹ فلاں شخص کو دے دے، تیرا نام لیا تھا، یہ بختی اونٹ تیرے حوالے ہے، یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا۔ [اتحاف]

یہ سخاوت کی حد ہے کہ مَرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی کی، اپنے اصیل اونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی مہمانی کی۔ باقی یہ بات کہ مَرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیوں کر ہوگیا،

حل لغات: ① تعریف۔ ② خالص نسل کا، اونچے خاندان کا۔

واقعات

اس میں کوئی محال[1] چیز نہیں ہے، عالمِ ارواح[2] میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔

(۱۷) ایک قریشی سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک بیمار فقیر ملا، جس کو مصائب[3] نے بالکل ہی عاجز کر رکھا تھا، اس نے درخواست کی کہ کچھ مدد میری کرتے جاؤ، ان قریشی صاحب نے اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس خرچ ہے وہ سب لے آؤ، اس غلام نے جو کچھ تھا جس کی مقدار چار ہزار درم تھی، وہ اس فقیر کی گود میں ڈال دیا، وہ فقیر ان کو لے کر ضعف[4] کی وجہ سے اُٹھ بھی نہ سکا، اس بڑی مقدار کے ملنے پر خوشی میں اس کے آنسو نکل آئے، قریشی کو یہ خیال ہوا کہ شاید اُس نے اس مقدار کو کم سمجھا اس پر رو رہا ہو، اس سے پوچھا: کیا اس وجہ سے رو رہا ہے کہ یہ بہت کم مقدار ہے؟ (مگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ اس وقت نہیں ہے) فقیر نے کہا: نہیں اس پر نہیں رو رہا ہوں، اس پر رو رہا ہوں کہ تیرے کرم سے کتنی زمین کھا رہی ہے۔ [اتحاف]

جب ایک ناواقف[5] سائل کے سوال پر تیرے کرم کا یہ حال ہے کہ سفر کی حالت میں بھی جو موجود تھا، سب دے دیا تو اس سے حضرت کے کرم کا اندازہ ہو گیا۔

(۱۸) عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن عقبہ اموی رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کا مکان اپنی ضرورت سے نوّے ہزار درم میں خریدا، جب وہ فروخت ہو گیا تو خالد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کو اس کی خبر ہوئی، تو ان کو رنج اور صدمہ بہت ہوا، رات کو کچھ رونے کی آواز ابن عامر رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی، اپنے گھر کی مستورات سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ خالد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کو اپنے مکان کے فروخت ہونے کا صدمہ ہو رہا ہے، اُسی وقت ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو اُن کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ مکان تمہاری نذر[6] ہے اور قیمت میں جو دے چکا ہوں، وہ بھی اب واپس نہ ہوگی یہ مکان میری طرف سے تمہاری نذر ہے۔ [اتحاف]

(۱۹) ہارون رشید نے پانچ سو دینار (اشرفیاں) ایک مرتبہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کیے، حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک ہزار دینار حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نذرانہ میں بھیجے، بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ ناراض ہوا کہ تم رعایا ہو کر بادشاہ سے بڑھنا چاہتے ہو؟ (گویا میری توہین مقصود ہے)، لیث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امیر المومنین یہ بات نہیں ہے، بلکہ آج کل میری روزانہ کی آمدنی ایک ہزار دینار ہے، مجھے غیرت آئی کہ اتنے بڑے جلیل القدر امام کو میں نذرانہ پیش کروں اور اپنی ایک دن سے بھی کم کی آمدنی دوں۔ حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کا مستقل معمول بھی تھا کہ

حل لغات: (۱) ناممکن، دشوار۔ (۲) وہ جگہ جہاں روحیں رہتی ہیں۔ (۳) تکلیفوں۔ (۴) کمزوری۔ (۵) اجنبی۔ (۶) ہدیہ۔

واقعات

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سو اشرفی سالانہ نذر پیش کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ بھی نذرانے آتے رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود اللہ کے فضل سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات[1] مقروض رہتے تھے اور خود یہ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدثین اور علماء میں ہیں، جن کی روزانہ کی اس وقت کی آمدنی ایک ہزار دِینار (اشرفیاں) تھی، مگر عمر بھر میں کبھی ان کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، مختلف زمانوں میں اُن کی آمدنی مختلف رہی تھی اور ایسا ہوا ہی کرتا ہے کہ آمدنی کم وبیش ہوتی رہا کرتی ہے، لیکن زکوٰۃ کسی زمانے میں بھی واجب نہ ہوئی کہ زکوٰۃ تو جب واجب ہو جب کوئی جمع کر کے رکھے بھی۔ محمد بن رُمح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کی سالانہ آمدنی ہر سال اَسّی ہزار دینار تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے کبھی ان پر ایک درم کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں کی، خود ان کے بیٹے شعیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد کی آمدنی بیس پچیس ہزار دینار (اشرفیاں) سالانہ تھی، مگر وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتے تھے۔ [اتحاف]

ابتداء[2] میں بیس پچیس ہزار ہوگی جس پر قرضہ ہوتا رہتا تھا، اس کے باوجود وہ سب کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے، اس وجہ سے اس کا بڑھنا ضروری تھا، اس لیے کسی وقت میں ایک ہزار روزانہ بھی ہوگیا۔

ایک عورت حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک پیالی لے کر آئی کہ مجھے تھوڑے سے شہد کی ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس ہو تو مرحمت فرما دیجیے، انہوں نے ایک مَشک[3] شہد کی اس کے حوالے کر دی۔ کسی نے کہا کہ وہ تو تھوڑا مانگتی تھی، آپ نے فرمایا کہ یہ اس کا فعل تھا کہ اُس نے اپنی حاجت کے بقدر مانگا، مجھے اس کے موافق دینا چاہیے تھا جتنا میرے اللہ نے مجھ پر احسان فرما رکھا ہے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اُن کے ایک باغ کا پھل خریدا، اس میں خریداروں کو نقصان ہوا، ان کو اطلاع ہوئی، انہوں نے باغ کی بَیع[4] کا معاملہ فسخ[5] کر دیا، ان کی قیمت واپس کر دی اور ان کو اپنے پاس سے پچاس دینار (اشرفیاں) نذر کیے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا تاوان[6] دیا؟ فرمانے لگے کہ ان لوگوں نے میرے باغ سے نفع کی امید باندھی تھی، میرا دل چاہا کہ ان کی امید پوری کر دوں۔ [اتحاف]

(۲۰) حضرت اَعْمَش سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک بکری تھی، وہ بیمار ہوگئی، حضرت خُثَیمہ بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ روزانہ صبح کو اور شام کو دو وقت اس بکری کی عیادت کرنے میرے پاس تشریف لاتے، بکری کا حال پوچھتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ بچوں کو دودھ تو ملتا نہیں ہوگا، وہ ضد تو نہیں کرتے، بکری نے کچھ کھایا یا نہیں وغیرہ وغیرہ، اور ہمیشہ چلتے ہوئے

حل لغات: (۱) اکثر وقت۔ (۲) شروع۔ (۳) شہد کا برتن جو چمڑے کا ہوتا ہے۔ (۴) خرید وفروخت۔ (۵) ختم۔ (۶) بدلہ، جرمانہ۔

جس ٹاٹ پر میں بیٹھا کرتا تھا، اس کے نیچے کچھ ڈال جاتے کہ یہ بچوں کے لیے اُٹھالینا، بکری کی بیماری کے زمانہ میں تین سو دینار (اشرفیوں) سے زیادہ مجھے ان کے احسان سے ملا، مجھے یہ خواہش ہونے لگی کہ یہ بکری بیمار ہی رہے تو اچھا ہے۔ [اتحاف]

(۲۱) عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بن خارجہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مجھے تمہاری بعض عادتیں بہت اچھی پہونچی ہیں، تم اپنے معمولات مجھے بتاؤ، انہوں نے عذر کردیا کہ میری کیا عادت اچھی ہوسکتی ہے، دوسروں کی عادتیں بہت بہت اچھی ہیں، ان سے دریافت کریں؛ مگر جب انہوں نے اِصرار سے قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے تین چیز کا ہمیشہ اہتمام رہا: ایک یہ کہ کبھی کسی بیٹھنے والے کی طرف میں نے پاؤں نہیں پھیلایا، دوسرے جب میں نے کھانا پکایا اور اس پر لوگوں کو بُلایا تو اُن کھانے والوں کا میں نے اپنے اوپر احسان اس سے بہت زیادہ سمجھا جتنا میرا اُن پر ہو، تیسرے جب مجھ سے کسی ضرورت مند نے کوئی سوال کیا، میں نے اس کے دینے میں کسی مقدار کو بھی زائد نہیں سمجھا (جو کچھ دیا اس کو ہمیشہ کم ہی سمجھتا رہا)۔ [اتحاف]

(۲۲) حضرت سعید بن خالد اُموی رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ مالدار تھے، عرب میں اُن کی ثَرْوَت[۱] ضربُ المثل[۲] تھی، ان کا دستور تھا کہ جب کوئی حاجت مند اُن کے پاس آتا تو جو موجود ہوتا، اس میں بخل[۳] نہ کرتے؛ لیکن اگر کسی وقت کچھ نہ ہوتا تو اس کو ایک اقرار نامہ لکھ کر دے دیتے کہ جب میرے پاس کہیں سے کچھ آئے گا (یا میں مرجاؤں) تو اس رقعہ[۴] کے ذریعے سے وصول کرلینا۔ [اتحاف]

(۲۳) حضرت قیس بن سعد خَزرَجی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور احباب میں سے کوئی عیادت کو نہ آیا، جس پر ان کو تعجب ہوا بالخصوص جن کی آمدورفت زیادہ تھی، صحت کے زمانے میں اکثر آیا کرتے تھے، گھر کے لوگوں سے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہر شخص تمہارا مقروض ہے، ایسی حالت میں بغیر قرضہ لیے ہوئے آنے سے لوگوں کو شرم آتی ہے، فرمانے لگے کہ اس کمبخت مال کا ناس ہو، یہ دوستوں کی ملاقات بھی چھڑا دیتا ہے، یہ کہہ کر ایک شخص کو بلایا اور اس کے ذریعے سے شہر میں منادی[۵] کرائی کہ قیس کا جس جس کے ذمہ قرضہ ہے، وہ قیس نے سب کو معاف کردیا، اس کے بعد جو عیادت کرنے والوں کا ہجوم ہوا تو دروازہ کی دہلیز[۶] بھی ٹوٹ گئی۔ [اتحاف]

(۲۴) مصر میں ایک صاحبِ خیر شخص تھے، جو اہلِ ضرورت اور فقراء کے لیے چندہ کردیا کرتے تھے، جب کسی کو کوئی حاجت پیش آتی، وہ ان سے کہتا، وہ اہلِ ثروت لوگوں سے کچھ مانگ کر اس کو دے دیا

حل لغات: (۱) مالداری۔ (۲) وہ جملہ جو کہاوت کے طور پر مشہور ہو۔ (۳) کنجوسی۔ (۴) پرچہ۔ (۵) آواز لگوانا۔ (۶) چوکھٹ، دروازہ۔

کرتے۔ایک فقیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ میرے لڑکا پیدا ہوا ہے اور میرے پاس اس کی اصلاح کے انتظام کے لیے کوئی چیز نہیں ہے، یہ صاحب اُٹھے اور لوگوں سے اُس کے لیے مانگا؛ لیکن کہیں سے کچھ نہ ملا (کہ جو آدمی کثرت سے مانگتا رہتا ہو، اس کو ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے) یہ سب سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پر گئے اور اس کی قبر پر بیٹھ کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور واپس آکر اپنے پاس سے ایک دینار نکالا، اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا، دوسرا اس فقیر کو دے دیا کہ یہ میں قرض دیتا ہوں، اس وقت تم اس سے اپنا کام چلا لو، جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے تو میرا قرضہ ادا کر دینا، وہ لے کر چلا گیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔رات کو ان صاحبِ دینار نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہاری بات تو سُن لی تھی، مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی، تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ مکان کے فلاں حصہ میں جو چولہا بن رہا ہے، اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان[1] گڑ رہا ہے، اس میں پانچ سو اشرفیاں ہیں، وہ اس فقیر کو دے دیں۔ یہ صبح کو اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے سارا قصہ اور اپنا خواب بیان کیا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانچ سو اشرفیوں کا نکال کر اس کے حوالہ کر دیا، اس شخص نے کہا کہ خواب کوئی شرعی چیز نہیں ہے، تم لوگ اس مال کے وارث اور مالک ہو، اس لیے میں محض اپنے خواب کی وجہ سے اس کو نہیں لیتا؛ مگر ان وارثوں نے اِصرار[2] کیا کہ جب وہ مر کر سخاوت کرتا ہے، تو بڑی بے غیرتی[3] ہے کہ ہم زندہ سخاوت نہ کریں، ان کے اِصرار پر اُس نے وہ اشرفیاں لے کر اس فقیر کو دے دیں اور سارا قصہ سنایا۔ اس نے اُن میں سے ایک دینار لے کر اُس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ان صاحب کو اپنے قرضہ کی ادائیگی میں دیا اور دوسرا ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر کہا کہ میری ضرورت کو تو یہ کافی ہے، باقی یہ سب رقم میری ضرورت سے زائد ہے، میں اس کو لے کر کیا کروں گا؟ وہ سب فقراء پر تقسیم کر دی۔ صاحبِ اتحاف کہتے ہیں کہ اس قصہ میں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ میت یا اس کے گھر والے یا یہ فقیر اور ہمارے نزدیک تو یہ فقیر سب سے زیادہ سخی ہے کہ اپنی اس شدتِ حاجت کے باوجود نصف دینار سے زیادہ لینا پسند نہ کیا۔ [اتحاف]

(۲۵) ابو اسحق ابراہیم بن ابی ہلال میر منشی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ وزیر ابو محمد مُہلّبی کے پاس بیٹھا تھا، دربان نے آکر اطلاع دی کہ سید شریف مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں، وزیر صاحب نے اجازت دے دی اور جب شریف مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ اندر آ گئے، تو وزیر صاحب کھڑے ہوئے اور بڑے اعزاز و اکرام سے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا، اُن سے باتیں کیں اور جب وہ جانے لگے تو کھڑے

حل لغات: (۱) برتن۔ (۲) ضد۔ (۳) بے شرمی۔

ہوکر اُن کو رخصت کیا، وہ چلے گئے۔تھوڑی دیر گذری تھی کہ دربان نے آکر اطلاع دی کہ اُن کے چھوٹے بھائی سید شریف رَضی رَحمۃُ اللہ علیہ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں، وزیر صاحب اس وقت کچھ لکھنے میں مشغول ہو گئے تھے، اس پرچہ کو جلدی سے ڈال کر اُٹھے اور دروازہ تک حیرت زَدہ ہوکر گئے اور ان کا ہاتھ بڑی تعظیم وتکریم سے پکڑا، ان کو اپنے ساتھ لاکر مسند پر بٹھایا اور خود تواضع سے ان کے سامنے بیٹھے اور بات چیت بڑی توجہ سے کرتے رہے اور جب وہ اُٹھ کر جانے لگے تو دروازہ تک اُن کو پہونچانے گئے اور واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گئے، اُس وقت تو وزیر صاحب کے پاس مجمع تھا، میری کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی، جب مجمع کم ہوگیا تو میں نے وزیر صاحب سے عرض کیا کہ میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو تو عرض کروں، وزیر نے کہا: ضرور! اجازت ہے اور غالباً تم یہ پوچھو گے کہ میں نے چھوٹے بھائی کا جتنا اکرام کیا اتنا بڑے کا نہیں کیا؟ حالانکہ وہ علم اور عمر دونوں میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے، میں نے کہا، یہی سوال ہے، وزیر نے کہا: سنو! ہم نے ایک نہر کھودنے کا حکم دیا تھا، اس کے قریب شریف مرتضیٰ کی زمین بھی تھی، جس کی وجہ سے اس نہر کے مَصَارِف[1] میں سے سولہ[16] درم کے قریب حصۂ رَسَد[2] اُن کے ذمہ بھی پڑے تھے۔انہوں نے مجھے کئی مرتبہ پرچہ لکھا کہ اس میں سے کچھ کم کردوں، اتنی ذراسی رقم کے لیے بار بار وہ مجھ سے سوال کرتے رہے اور سید رضی کے متعلق مجھے ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اُن کے گھر لڑکا پیدا ہوا، میں نے اُس کی خوشی میں اور ان کی ضرورت کا خیال کرکے ایک خوانچی[3] میں سو دِینار (اشرفیاں) اُن کی خدمت میں بھیجے، انہوں نے واپس کردیے اور یہ کہہ کر بھیجا کہ وزیر صاحب سے (شکریہ کے بعد) کہہ دیں کہ میں لوگوں کی عطائیں قبول نہیں کرتا (اللہ کا شکر ہے میری ضرورت کے بقدر میرے پاس موجود ہے) میں نے پھر دوبارہ وہ خوان بھیجا کہ یہ دایہ وغیرہ کام کرنے والی عورتوں کے لیے بھیجا ہے، انہوں نے پھر واپس کردیا اور یہ فرمایا کہ میرے گھر کی عورتیں بھی دوسروں سے کچھ لینے کی عادی نہیں ہیں، میں نے تیسری مرتبہ پھر بھیجا اور یہ عرض کیا کہ جناب کے پاس جو طلباء رہتے ہیں، یہ اُن کے لیے ہے، فرمایا: بڑی خوشی سے اور وہ خوان طلباء کے درمیان رکھوادیا کہ جس کو جتنی ضرورت ہو لے لے۔

شریف رضی رَحمۃُ اللہ علیہ کے یہاں طلباء کا بڑا مجمع رہتا تھا، ایک مکان انہوں نے طلباء کے رہنے کے لیے بنا رکھا تھا، جس کا نام دارالعلوم رکھا تھا، اس میں یہ طلباء رہتے تھے اور ان کی ضروریات کا شریف رَضی رَحمۃُ اللہ علیہ کی طرف سے انتظام تھا۔ یہ خوان دارالعلوم میں رکھنے کے بعد طلبہ میں سے کوئی بھی نہ اُٹھا، بجز[4] ایک طالب علم کے کہ اُس نے اُٹھ کر خوان میں سے ایک دینار نکالا اور اس کو وہیں توڑ کر ذرا سا کونہ

حل لغات: (۱) خرچ۔ (۲) بانٹ کے موافق حصہ۔ (۳) چھوٹی پلیٹ۔ (۴) سوائے، صرف۔

اس کا اپنے پاس رکھ لیا اور باقی حصہ اسی خوان میں ڈال دیا۔ شریف رضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طالب علم سے دریافت کیا کہ تمہیں یہ ذراسی مقدار کس کام کے واسطے درکار تھی؟ اس نے عرض کیا کہ ایک رات میرے پاس چراغ میں جلانے کو تیل نہیں تھا، خزانچی صاحب ملے نہیں، میں فلاں دوکاندار سے تیل قرض لایا تھا، یہ اس کا قرض ادا کرنا ہے۔ شریف رضی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خبر سُن کر طلبہ کی تعداد کے موافق اپنے خزانہ کی کنجیاں بنوائیں اور ہر طالب کو ایک ایک کنجی خزانے کی دیدی کہ جس کو جب جتنی ضرورت ہو لے لے، خزانچی صاحب سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور اس خوان کو اسی حال میں کہ ایک دینار اس میں سے ذراسا ٹوٹا ہوا تھا، واپس کر دیا۔ یہ قصہ سنا کر وزیر صاحب نے کہا، کہ تم ہی بتاؤ کہ میں ایسے شخص کا اکرام کیوں نہ کروں؟ [اتحاف]

(۲۶) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا غسلِ میت محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ دیں گے، جب آپ کا انتقال ہو گیا تو محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی، وہ تشریف لائے اور فرمایا کہ اُن کے حساب کا رجسٹر پہلے مجھے دکھاؤ، رجسٹر لایا گیا، اس میں حضرت امام کے ذمہ جو قرضہ لوگوں کا تھا، وہ حساب کر کے جمع کیا، اس کی مقدار ستر ہزار درم تھی، محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سب قرضہ میرے ذمہ ہے، اپنی ذمگی کا کاغذ لکھ دیا اور فرمایا کہ میرے غسل دینے سے یہی مراد تھی اور اس کے بعد اس کے سارے قرضہ کو ادا کر دیا۔ [اتحاف]

(۲۷) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حمّاد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے (جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور اُستاد ہیں) ہمیشہ محبت رہی، اس وجہ سے کہ مجھے ان کا ایک واقعہ معلوم ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک دن گدھے پر سوار جارہے تھے، اُس کے ایڑ ماری، وہ جو زور سے دوڑا تو اُس کے جھٹکے سے حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کے کرتہ کی گُھنڈی[۱] ٹوٹ گئی، راستے میں ایک درزی کی دوکان نظر پڑی، اس کو سلوانے کے لیے اُترنے لگے۔ درزی نے کہا: اُترنے کی ضرورت نہیں، معمولی کام ہے، میں ابھی لگائے دیتا ہوں، درزی نے کھڑے ہو کر وہ گھنڈی کُرتہ میں سی دی، حمّاد رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی اُجرت میں ایک تھیلی دی، جس میں دس اشرفیاں تھیں اور معاوضہ[۲] کی کمی کی معذرت کی۔ [اتحاف]

(۲۸) ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سواری پر سوار ہو رہے تھے، ایک شخص نے جلدی سے رِکاب[۳] پکڑ لی (تا کہ چڑھنے میں سہولت ہو) حضرت امام نے مجھ سے فرمایا کہ میری طرف سے اس شخص کو چار اشرفیاں دے دو اور کمی کی معذرت بھی کر دینا۔ اور عبداللہ بن زبیر حُمَیدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے تشریف لے گئے، دس

حل لغات: (۱) بٹن۔ (۲) مزدوری۔ (۳) سوار جس پر پیر رکھ کر گھوڑے پر چڑھتا ہے۔

ہزار اشرفیاں آپ کے پاس تھیں، مکہ مکرمہ سے باہر آپ کا خیمہ لگا ہوا تھا، صبح کی نماز کے بعد آپ نے وہیں خیمہ میں ایک کپڑا بچھا کر وہ اشرفیاں اس پر ڈال دیں اور (اہل مکہ میں سے) جو جو ملنے کے لیے آتا رہا، ایک ایک مٹھی اُس کو دیتے رہے، ظہر کے وقت تک وہ سب ختم ہوگئیں۔ [اتحاف]

(۲۹) محمد بن عَبّاد مُہلّبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد ایک مرتبہ مامون الرشید کے پاس گئے، اُس نے ایک لاکھ درم نذرانہ[۱] پیش کیا، وہاں سے جب اُٹھ کر آئے، وہ سب اُسی وقت فقراء پر تقسیم کر دیا، اس کے بعد پھر جب مامون کے پاس جانے کی نوبت آئی تو اُس نے سب تقسیم کر دینے پر ناگواری[۲] کا اظہار کیا، تو والد صاحب نے فرمایا کہ امیر المومنین موجود کے ساتھ بخل[۳] کرنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے (کہ اس نے ایک مرتبہ تو دے دیا، پھر کہاں سے دے گا؟) [اتحاف]

(۳۰) حضرت طلحہ بن عُبَیدُ اللہ الفیَّاض رضی اللہ عنہ صحابی مشہور سخی لوگوں میں سے ہیں، ان کے ذمہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پچاس ہزار درم قرض ہو گئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں یہ ملے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دام اس وقت آ گئے ہیں، آپ کا قرضہ ادا کرنا چاہتا ہوں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرما دیا کہ بس وہ تمہاری ہی نذر رہیں، تمہارے ذمہ لوگوں کے بہت اخراجات[۴] رہتے ہیں۔ جابر بن قبیصہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بہت دن تک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، بلا طلب عطا کرنے والا میں نے ان سے زیادہ نہیں دیکھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی ایک زمین سات لاکھ میں فروخت کی، قیمت جب وصول ہوئی تو شام کا وقت ہوگیا تھا، وہ رقم رات کو اُن کے پاس رہی، رات بھر سخت بے چینی میں جاگتے گذر گئی، اس خوف سے کہ یہ مال میرے پاس ہے (کہیں موت نہ آجائے) صبح کو اٹھ کر سب سے پہلے اس کو تقسیم کیا، اُن کی بیوی حضرت سُعدیٰ بنت عوف رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو دیکھا کہ بہت گرانی[۵] سی ہو رہی ہے، میں نے پوچھا: خیریت تو ہے؟ کیسی طبیعت ہو رہی ہے؟ کہنے لگے: میرے پاس کچھ مال جمع ہوگیا ہے، اس کی وجہ سے بڑی گھٹن ہو رہی ہے۔ میں نے کہا: یہ تو کچھ ایسی بات نہیں ہے، اپنے غلام کو بھیج کر اپنے رشتہ داروں کو بلا لیجیے اور (صلہ رحمی میں) ان پر تقسیم کر دیجیے، چنانچہ انہوں نے اسی وقت غلام کو بھیج کر آدمیوں کو بلایا اور اس کو تقسیم کر دیا۔ راوی کہتے کہ میں نے ان کے خادم سے پوچھا: یہ کتنا مال تھا؟ اُس نے بتایا: چار لاکھ تھا۔ اُن کی بیوی ایک اور واقعہ یہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ وہ گھر میں آئے، چہرہ بہت ہی اُترا ہوا، رنج کی وجہ سے سیاہی چہرے پر آ رہی تھی، میں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کچھ میری طرف سے کوئی ناگواری[۶] کی بات پیش آئی ہو تو میں

حل لغات: (۱) ہدیہ۔ (۲) ناپسندیدگی۔ (۳) کنجوسی۔ (۴) بہت سے خرچ۔ (۵) بوجھ، بھاری پن۔ (۶) ناراضگی۔

معافی کی درخواست پیش کروں گی، کہنے لگے: نہیں تُو تو مسلمان کے لیے بہت بہترین بیوی ہے (کہ نیک کام میں مدد کرتی ہے) میں نے پوچھا: پھر آخر کیا بات پیش آگئی؟ کہنے لگے: کچھ مال جمع ہو گیا، مجھے اس کی بڑی بے چینی ہو رہی ہے، میں نے کہا: یہ تو کوئی ایسی بات نہیں، اُسے اُٹھا کر بانٹ دو، اس میں کیا ہو گیا؟ بعض مرتبہ کوئی لینے والا نہیں آتا تھا تو وہ رہ جاتا تھا۔ ان کی بیوی سُعدیٰ یہ بھی کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک لاکھ تقسیم کیا اور اپنا یہ حال تھا کہ اس دن مسجد میں اس وجہ سے جانے میں دیر ہوگئی کہ اُن کے پاس جو کپڑا تھا (چادر) اس کے دونوں کنارے سینے میں مجھے دیر لگی (یعنی وہی ایک کپڑا تھا، اُس کے سِلنے کے انتظار میں بیٹھے رہے دوسرا کپڑا نہ تھا، جس کو پہن کر مسجد میں چلے جاتے)۔ ایک گاؤں کے رہنے والے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنی قرابت[1] کا واسطہ دے کر (صلہ رحمی کے طور پر) کچھ مانگا، فرمانے لگے کہ قرابت کا واسطہ دے کر آج تک مجھ سے کسی نے نہیں مانگا تھا، میرے پاس ایک زمین ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ اس کی قیمت تین لاکھ لگا چکے ہیں، تیرا دل چاہے وہ زمین لے لے اور اگر نقد چاہیے تو میں اس کو ان کے ہاتھ فروخت کر کے اُس کی قیمت دے دوں، اس نے قیمت لینا پسند کیا، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اُس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اُس کو دے دی۔ [اتحاف] ان حضرات کے پاس زمینوں کی بہت کثرت تھی، اس لیے کہ جہاں جہاں جہاد میں جاتے وہ ملک فتح ہوتے تو اکثر غنیمت کے ساتھ زمینیں بھی ان مجاہدین پر تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ [اتحاف]

(۳۱) ایک مرتبہ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ بیٹھے رو رہے تھے، کسی نے رونے کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانُہٗ نے (کسی بات سے ناراض ہو کر) میرے ذلیل کرنے کا ارادہ تو نہیں فرمالیا؟ [اتحاف]

(۳۲) ایک مرتبہ ایک شخص اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور جا کر کہا کہ میرے ذمہ چار سو درم قرض ہو گیا، تجھ سے مدد چاہنے آیا ہوں، اُس نے فوراً چار سو درم وزن کر کے دے دیے، جب وہ چلا گیا تو اُس نے رونا شروع کر دیا، بیوی کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس کو مال کے جانے کا صدمہ ہوا، وہ کہنے لگی: اگر اتنی گرانی[2] تھی تو دینے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہنے لگا کہ میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ تعلقات کے باوجود اس کے حال کی خبر خود کیوں نہ رکھی؟ اس کو مجھ سے مانگنے کی نوبت[3] کیوں آئی؟ [اتحاف]

(۳۳) حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک باغ پر گذر ہوا، وہاں ایک حبشی غلام باغ میں کام کر رہا تھا، اس کی روٹی آئی اور اس کے ساتھ ہی

حل لغات: (۱) رشتہ داری۔ (۲) بوجھ۔ (۳) موقع۔

واقعات

ایک کتا بھی باغ میں چلا آیا اور اس غلام کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، اس غلام نے کام کرتے کرتے ایک روٹی اُس کتے کے سامنے ڈال دی، اس کتے نے اس کو کھا لیا اور پھر کھڑا رہا، اُس نے دوسری اور پھر تیسری روٹی بھی ڈال دی، کل تین ہی روٹیاں تھیں، وہ تینوں کتے کو کھلا دیں۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما غور سے کھڑے دیکھتے رہے، جب وہ تینوں ختم ہو گئیں تو حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے اس غلام سے پوچھا کہ تمہاری کتنی روٹیاں روزانہ آتی ہیں؟ اس نے عرض کیا: آپ نے تو ملاحظہ[1] فرما لیا، تین ہی آیا کرتی ہیں، حضرت نے فرمایا کہ پھر تینوں کا ایثار[2] کیوں کر دیا؟ غلام نے کہا: حضرت یہاں کتے رہتے نہیں ہیں، یہ غریب بھوکا کہیں دور سے مسافت[3] طے کر کے آیا ہے، اس لیے مجھے اچھا نہ لگا کہ اس کو ویسے ہی واپس کر دوں، حضرت نے فرمایا کہ پھر تم آج کیا کھاؤ گے؟ غلام نے کہا: ایک دن فاقہ کر لوں گا، (یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے)، حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے اپنے دل میں سوچا کہ لوگ مجھے ملامت[4] کرتے ہیں کہ تو بہت سخاوت[5] کرتا ہے، یہ غلام تو مجھ سے بہت زیادہ سخی ہے۔ یہ سوچ کر شہر میں واپس تشریف لے گئے اور اس باغ کو اور غلام کو اور جو کچھ سامان باغ میں تھا، سب کو اس کے مالک سے خریدا اور خرید کر غلام کو آزاد کیا اور وہ باغ اس غلام کی نذر کر دیا ہے۔ [اتحاف]

(۳۴) ابو الحسن اِنطاکی رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے شہروں میں ایک جگہ ''رَیْ'' ہے وہاں رہتے تھے، ایک دن تیس آدمیوں سے زیادہ مہمان آ گئے اور روٹی تھوڑی تھی، تیاری کا موقعہ نہ تھا، رات کا وقت تھا، انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں، سب کے ٹکڑے کیے اور دستر خوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھایا اور چراغ گُل[6] کر دیا اور سب کے سب نے کھانا شروع کر دیا، سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی، جب دیر ہو گئی اور گویا سب بالکل فارغ ہو گئے تو چراغ جلایا گیا اور دستر خوان اُٹھایا گیا، اُس میں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے۔ سب ہی خالی منہ چلاتے رہے کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے، دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔ [اتحاف]

(۳۵) حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں، امیر المومنین فی الحدیث (حدیث میں مومنوں کے بادشاہ) ان کا لقب ہے۔ بڑے عابد زاہد لوگوں میں تھے، ایک مرتبہ ایک سائل[7] ان کے پاس حاضر ہوا، دینے کے لیے کوئی چیز میسر نہ ہوئی، اپنے مکان کی چھت میں سے ایک کڑی[8] نکال کر اس کے حوالے کر دی (کہ اس کو فروخت[9] کر لینا) اور اس سے بہت معذرت[10] کی کہ اس وقت میرے پاس دینے کو کچھ ہے نہیں۔ [اتحاف]

حل لغات: (۱) دیکھ لیا۔ (۲) خود پر دوسرے کو ترجیح دینا۔ (۳) فاصلہ۔ (۴) برا بھلا کہنا۔ (۵) فیاضی۔ (۶) بجھانا۔ (۷) مانگنے والا۔ (۸) چھت کی بَلّی یا لکڑی۔ (۹) بیچ لینا۔ (۱۰) معافی مانگنا۔

واقعات

(۳۶) حضرت ابو سہل صُعلُوکِی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ وضو کر رہے تھے، ایک شخص آیا اور کچھ ضرورت کا اظہار کیا، دینے کے واسطے کوئی چیز موجود نہ تھی، فرمانے لگے: تھوڑی دیر انتظار کرلو میں وضو سے فارغ ہو جاؤں، جب وضو کر چکے تو فرمایا کہ یہ لکڑی کا لوٹا جس سے وضو کر رہے تھے؛ لے جاؤ اور تو کوئی چیز اس وقت ہے نہیں۔ [اتحاف]

(۳۷) یرموک کی لڑائی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے پانی کے موجود ہوتے ہوئے اس وجہ سے پیاسے جان دے دی کہ جب اُن کے قریب پانی پہونچا، تو کسی دوسرے نے آہ کردی اور اُس نے بجائے اپنے پینے کے، دوسرے کی طرف پانی لے جانے کا اشارہ کر دیا۔ ایک واقعہ اس کا حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں لکھا جاچکا ہے؛ مگر اصحابِ مغازی نے لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، سہل بن حارث، حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم اور قبیلہ مغیرہ کی ایک جماعت نے اسی طرح پیاسے دم توڑا کہ ان کے پاس پانی لایا جاتا تھا اور یہ دوسرے کا اشارہ کر دیتے تھے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پانی لایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، انہوں نے فرمادیا کہ پہلے سہیل کو پلادو، جب اُن کے پاس لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہل بن حارث رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، انہوں نے فرمادیا کہ پہلے سہل کو پلادو۔ غرض ان سب حضرات نے پیاسے ہی جان دی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب اُن کی نعشوں پر گذرے تو فرمانے لگے کہ تم پر میری جان قربان ہوجائے (تم سے اس وقت بھی ایثار نہ چھُٹا)۔ [اتحاف]

(۳۸) عباس بن دِہقان کہتے ہیں کہ بِشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کہ جس حال میں دنیا میں آیا تھا یعنی خالی ہاتھ، ننگا بدن؛ ایسا ہی دنیا سے گیا ہو، بشر بن حافی رحمۃ اللہ علیہ، البتہ اسی طرح گئے کہ وہ بیمار تھے، وصال کا وقت قریب تھا، ایک سائل آگیا اور اپنی ضرورت کا حال ظاہر کیا جو کرتہ بدن پر تھا، وہ نکال کر اُس کو بخش دیا اور خود تھوڑی دیر کے لیے دوسرے سے کرتہ مُستَعار[۱] مانگا اور اسی میں وصال[۲] فرمایا۔ [اتحاف]

(۳۹) کون کہتا ہے کہ یہ واقعات پچھلے ہی بزرگوں کے ساتھ خاص تھے۔ حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قُدِّسَ سِرُّہٗ کے وصال کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول[۳] تھا کہ جو کچھ کہیں سے آتا وہ فوراً ہی تقسیم[۴] فرمادیتے اور کبھی کبھی تکیہ کے نیچے کچھ رکھا ہوا دیکھ کر فرماتے کہ یہ اور آگیا اور وصال[۵] سے کچھ زمانہ پہلے اپنے سب کپڑے بھی خدام[۶] پر تقسیم فرمادیے تھے اور اپنے مخلص خادم (خلیفہ خاص) حضرت مولانا الحاج شاہ عبد القادر صاحب دَامَ مَجْدُہُمْ وَزَادَ فَضْلُہُمْ

حل لغات: (۱) اُدھار۔ (۲) انتقال۔ (۳) عمل۔ (۴) بانٹ۔ (۵) انتقال۔ (۶) خادموں۔

(المتوفی ۱۳۸۲ھ) سے ارشاد فرمایا کہ بس اب زندگی کے جتنے دن باقی ہیں تم سے کپڑے مستعار[1] لے کر پہن لیا کریں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کے کپڑے آخر میں استعمال فرماتے تھے۔

(۴۰) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی طرسوس میں جو ملک شام کا ایک شہر ہے جمع ہو کر باہر جا رہے تھے، چلتے ہوئے ایک کتا بھی ہمارے ساتھ ہو گیا، جب ہم شہر سے باہر نکلے تو ایک مرا ہوا جانور پڑا تھا ہم لوگ اس سے بچ کر ذرا فاصلے سے ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے، وہ کتا جو ہمارے ساتھ ہو گیا تھا، اس نے جب اس مُردار کو دیکھا تو وہ شہر کی طرف واپس ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ وہ اپنے ساتھ تقریباً بیس کتے اور لایا اور اُس مُردار کے پاس آ کر وہ خود تو علیحدہ[2] کو بیٹھ گیا اور سب کتے اس کو کھاتے رہے، جب وہ سب کھا کر شہر کی طرف چلے گئے تو یہ کتا جو بُلانے گیا تھا، اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس کے پاس آ کر جو ہڈیاں وغیرہ وہ سب کھا کر چھوڑ گئے تھے، اُن کو اس نے کھایا اور پھر شہر کی طرف چلا گیا۔ [اتحاف]

(۴۱) ابو الحسن بُوشَنجی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، ایک مرتبہ پاخانہ میں جا چکے تھے، وہیں سے اپنے ایک شاگرد کو آواز دی اور اپنا کرتہ نکال کر کہا: یہ فلاں فقیر کو دے آؤ، شاگرد نے کہا کہ آپ اِستنجے سے فراغت کا تو انتظار کر لیتے، کہنے لگے کہ مجھے اس کی ضرورت کا خیال آ کر یہ ارادہ ہوا کہ یہ کرتہ اُس کو دے دوں اور اپنے نفس پر اس کا اعتماد نہیں تھا کہ وہ استنجے سے فراغت تک بدل نہ جائے۔ [اتحاف] پاخانہ میں بولنا مکروہ ہے، لیکن صدقہ کرنے کے جذبہ اور اپنے نفس پر بدگمانی نے اس پر مجبور کر دیا، یا اس وقت تک کشفِ[3] عورت ہی نہ ہوا ہو۔ [اتحاف]

(۴۲) امیر المومنین مہدی نے موسیٰ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو بغاوت کے اندیشے[4] سے قید کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، اس میں سورۂ محمد کی آیت ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ[5] اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴾ [سورۂ محمد:۲۲] پر پہونچے اور یہاں پہونچ کر رونے لگے، اس آیتِ شریفہ کو بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے، سلام پھیر کر ربیع رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ موسیٰ کو بلا کر لاؤ۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اُن کو بُلا کر لایا اور جب واپس آیا تب بھی وہ اسی آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے، جب موسیٰ آئے تو مہدی نے کہا کہ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا، مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میں نے قطعِ[6] رحمی کر رکھی ہے، اگر تو اُس کا وعدہ کرے کہ میری اولاد کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا، تو میں چھوڑ دوں، موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حاشا[7] وکلا! میری تو ایسی حیثیت بھی نہیں ہے اور نہ اس کا خیال

حل لغات: (۱) ادھار۔ (۲) الگ۔ (۳) ستر کھولنا۔ (۴) خوف، ڈر۔ (۵) پھر اگر تم نے (جہاد سے) منھ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو۔ (۶) رشتہ توڑنا۔ (۷) ہرگز نہیں۔

واقعات

ہے۔ مہدی نے ربیع سے کہا کہ اس کو اسی وقت تین ہزار اشرفیاں دے کر اسی وقت رات ہی کو چلتا کر دو ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں میری رائے بدل جائے۔ [اتحاف]

(۴۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نذر (منت) مانی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں تو شکرانہ کے طور پر تین تین روزے دونوں حضرات رکھیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے صاحبزادوں کو صحت ہو گئی، ان حضرات نے شکرانہ کے روزے رکھنے شروع فرما دیے، مگر گھر میں نہ سحر[۱] کے لیے کچھ تھا، نہ افطار کے لیے؛ فاقہ پر روزہ شروع کر دیا۔ صبح کو حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے، جس کا نام شمعون تھا کہ اگر تُو کچھ اُون دھاگا بنانے کے لیے اُجرت پر دے دے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اس کام کو کر دے گی، اُس نے اُون کا ایک گٹھر تین صاع جَو کی اُجرت طے کر کے دے دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس میں سے ایک تہائی کاتا اور ایک صاع[۲] جو اُجرت کے لے کر اُن کو پیسا اور پانچ نان[۳] اس کے تیار کیے، ایک ایک اپنا میاں بیوی کا، دو دونوں صاحبزادوں کے اور ایک باندی کا، جس کا نام فضّہ تھا، روزہ میں دن بھر کی مزدوری اور محنت کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کے لوٹے اور کھانا کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازہ سے آواز دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں ایک فقیر مسکین ہوں، مجھے کھانا دو، اللہ جَلَّ شانُہٗ تمہیں جنت کے دسترخوان سے کھانا کھلائے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے ہاتھ روک لیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا، انہوں نے فرمایا: ضرور دے دیجیے، وہ سب روٹیاں اس کو دے دیں اور گھر والے سب کے سب فاقہ سے رہے، اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا، دوسرے دن پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسری تہائی اون کاتی[۴] اور ایک صاع جو کا اُجرت لے کر اُس کو پیسا، روٹیاں پکائیں اور جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور سب کے سب کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک یتیم نے دروازہ سے سوال کیا اور اپنی تنہائی اور فقر کا اظہار[۵] کیا، ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں اس کے حوالے کر دیں اور خود پانی پی کر تیسرے دن کا روزہ شروع کر دیا اور صبح کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُون کا باقی حصہ کاتا اور ایک صاع جَو کا جورہ گیا تھا، وہ لے کر پیسا، روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آ کر آواز دے دی اور اپنی سخت حاجت اور

حل لغات: (۱) سحری کا کھانا۔ (۲) اناج ناپنے کا پیمانہ تقریباً تین کلو ایک سو پچاس گرام۔ (۳) روٹی۔ (۴) روئی سے دھاگا بنانا۔ (۵) اپنی غربت بتائی۔

واقعات

پریشانی کا اظہار کیا، ان حضرات نے اُس دن کی روٹیاں اس کو دے دیں اور خود فاقہ سے رہے، چوتھے دن صبح کو روزہ تو تھا نہیں، لیکن کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں صاحبزادوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، بھوک اور ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری تکلیف اور تنگی کو دیکھ کر مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی ہے چلو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلیں؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے وہ نماز پڑھ رہی تھیں، بھوک کی شدت سے آنکھیں گڑ[1] گئی تھیں، پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور حق تعالیٰ شانہٗ سے فریاد کی، اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ دہر کی آیات ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ ﴾ [سورۂ انسان:۸] لے کر آئے اور اس پروانہ[2] خوشنودی کی مبارک باد دی۔ [مسامرات اوّل] یہ آیات پہلی فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر چونتیس ۳۴ پر گذر چکی ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درِّ منثور میں بروایت ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختصراً یہ مضمون نقل کیا ہے کہ یہ آیتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

(۴۴) ایک شرابی تھا، جس کے یہاں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا، ایک مرتبہ اس کے یار احباب جمع تھے، شراب تیار تھی، اُس نے اپنے ایک غلام کو چار درم دیے کہ شراب پینے سے پہلے دوستوں کو کھلانے کے لیے کچھ پھل خرید کر لائے، وہ غلام بازار جا رہا تھا، راستہ میں حضرت منصور بن عمار بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس پر گذر ہوا، وہ کسی فقیر کے واسطے لوگوں سے کچھ مانگ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ جو شخص اس فقیر کو چار درم دے، میں اس کے لیے چار دعائیں کروں گا، اُس غلام نے وہ چاروں درم اس فقیر کو دے دیے، حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بتا! کیا دعائیں چاہتا ہے؟ غلام نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے، میں اس سے خلاصی یعنی آزادی چاہتا ہوں، حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دعا کی، پھر پوچھا: دوسری دعا کیا چاہتا ہے؟ غلام نے کہا کہ مجھے ان دراہم کا بدل مل جائے، منصور نے اس کی بھی دعا کی، پھر پوچھا تیسری کیا دعا ہے؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میرے سردار (کو توبہ کی توفیق دے اور اس) کی توبہ قبول کر لے، منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی دعا کی، پھر پوچھا کہ چوتھی کیا ہے؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری اور میرے سردار کی اور تمہاری اور اس مجمع کی جو یہاں حاضر ہیں، سب کی مغفرت فرما دے، حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی دعا کی، اس کے بعد وہ غلام (خالی ہاتھ) اپنے سردار کے پاس واپس چلا گیا (اور خیال کر لیا کہ بہت سے بہت اتنا ہی تو ہوگا کہ آقا مارے گا اور کیا ہوگا) سردار

حل لغات: (۱) دھنس۔ (۲) رضامندی کی سند۔

واقعات

انتظار میں تھا ہی، دیکھ کر کہنے لگا کہ اتنی دیر لگادی؟ غلام نے قصہ سنایا، سردار نے (اُن کی دعاؤں کی برکت سے بجائے خفا ہونے اور مارنے کے) یہ پوچھا کہ کیا کیا دعا کرائیں؟ غلام نے کہا: پہلی یہ کہ غلامی سے آزاد ہو جاؤں، سردار نے کہا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا، دوسری کیا تھی؟ غلام نے کہا کہ مجھے ان درہموں کا بدلہ مل جائے، سردار نے کہا کہ میری طرف سے تجھے چار ہزار درم نذر ہیں، تیسری کیا تھی؟ غلام نے کہا، حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں (شراب وغیرہ فسق و فجور سے) توبہ کی توفیق دے، سردار نے کہا کہ میں نے (اپنے سب گناہوں سے) توبہ کرلی، چوتھی کیا تھی؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری اور آپ کی اور اُن بزرگ کی اور سارے مجمع کی مغفرت فرمادے، سردار نے کہا: یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔

رات کو سردار نے خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ جب تُو نے وہ تینوں کام کر دیے جو تیرے اختیار میں تھے، تو کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے اختیار میں ہے؟ میں نے تیری اور اس غلام کی اور منصور رحمۃ اللہ علیہ کی اور اس سارے مجمع کی مغفرت کر دی۔ [اتحاف]

(۴۵) عبد الوہاب بن عبد الحمید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا، جس کو تین مرد اور ایک عورت لیے جارہے ہیں اور کوئی آدمی جنازہ کے ساتھ نہیں تھا، میں ساتھ ہولیا اور عورت کی جانب کا حصہ میں نے لے لیا، قبرستان لے گئے، وہاں اُس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کو دفن کر کے میں نے پوچھا: یہ کس کا جنازہ تھا؟ عورت نے کہا: یہ میرا بیٹا تھا، میں نے پوچھا، تیرے محلہ میں اور کوئی مرد نہ تھا جو تیری جگہ جنازہ کا چوتھا پایہ پکڑ لیتا؟ اُس نے کہا: آدمی تو بہت تھے، لیکن اس کو ذلیل سمجھ کر کوئی ساتھ نہ آیا، میں نے پوچھا: کیا بات تھی، جس سے ذلیل سمجھتے تھے؟ کہنے لگی: یہ مخنث تھا (ہیجڑا یا عورتوں جیسی حرکات کرنے والا) مجھے اس عورت پر ترس آیا، میں اس کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور اس کو کچھ درہم[۱] اور کپڑے اور گیہوں دیے، میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس قدر حسین گویا چودھویں رات کا چاند نہایت سفید عمدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا، میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہنے لگا کہ میں وہی مخنث ہوں جس کو تم نے آج دفن کیا، مجھ پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وجہ سے رحمت فرمادی کہ لوگ مجھے ذلیل سمجھتے تھے۔ [اتحاف]

(۴۶) محمد بن سہل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ کے راستہ میں جارہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک مغربی[۲] شخص ایک خچر پر سوار ہے اور اس کے آگے ایک شخص یہ اعلان کرتا جاتا ہے کہ (ایک ہِمیانی[۳] کھوئی گئی) جو شخص ہمیانی کا پتہ بتادے، اس کو سو اشرفیاں میں اپنے پاس سے دوں گا، اس لیے کہ اس ہمیانی میں امانتیں تھیں (ہمیانی، روپیہ اشرفیاں رکھنے کی لانبی تھیلی ہوتی ہے جو کمر سے باندھی جاتی ہے)

حل لغات: (۱) چاندی کا سکہ۔ (۲) ملک مراقش کا رہنے والا۔ (۳) تھیلی۔

واقعات

اس اعلان پر ایک لنگڑا شخص جس کے اُوپر بہت، پھٹے پُرانے کپڑے تھے، اس مغربی کے پاس آیا اور اُس سے اس ہمیانی کی علامتیں پوچھیں کہ کیسی تھی؟ مغربی نے اس کی علامتیں بتائیں اور کہا کہ اس میں بہت سے آدمیوں کی امانتیں رکھی ہوئی ہیں۔ لنگڑے نے پوچھا کہ کوئی شخص یہاں ایسا ہے کہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو؟ محمد بن سہل رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ نے کہا: میں جانتا ہوں، وہ لنگڑا ہمیں تینوں کو اپنے ساتھ الگ ایک طرف کو لے گیا اور ایک ہمیانی نکال کر دکھائی، وہ مغربی اس کے اندر کی چیزیں بتاتا رہا کہ دو دانے فلاں عورت فلاں کی بیٹی کے پانچ سو اشرفی(۱) کے بدلے میں رکھے ہوئے ہیں اور ایک دانہ (عدد) فلاں شخص کا سو اشرفی میں رکھا ہے، اسی طرح ایک ایک چیز وہ گنواتا رہا اور میں اس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کو پڑھ کر بتاتا رہا کہ وہ یہ ہے، وہ یہ ہے، اُس مغربی نے اس ہمیانی کی سب چیزیں شمار کرادیں اور وہ سب کی سب اس میں سے پوری نکلیں، جب سب صحیح صحیح نکل آیا تو اس لنگڑے نے وہ ہمیانی مغربی کے حوالے کردی، اُس نے اپنے وعدے کے مطابق اپنے پاس سے سو دینار اشرفیاں نکال کر اس لنگڑے کو دیے۔ اُس نے لینے سے انکار کردیا اور یہ کہا کہ اگر اس ہمیانی کی قدر میری نگاہ میں دو مینگنیوں(۲) کے برابر بھی ہوتی تو شاید تم اس کو نہ پاسکتے، ایسی چیز پر کیا معاوضہ لوں، جس کی قیمت میرے نزدیک دو مینگنیاں بھی نہیں ہے اور یہ کہہ کر وہ لنگڑا چل دیا اور ان سو اشرفیوں کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ [مسامرات]

(۴۷) بخارا کا ایک حاکم بڑا سخت ظالم تھا، ایک دن وہ اپنی سواری پر چلا جارہا تھا، راستہ میں ایک کتا نظر پڑا جس کے خارش(۳) ہورہی تھی اور سردی نے اس کو بہت ستا رکھا تھا، اس ظالم کی اُس پر نگاہ پڑتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کتے کو میرے گھر لے جا، میرے آنے تک اس کا خیال رکھیو، یہ کہہ کر وہ اپنے کام جہاں جارہا تھا چلا گیا، جب واپس آیا تو اُس کتے کو منگایا اور گھر کے ایک کونہ میں اس کو بندھوادیا، اُس کے سامنے ٹکڑا ڈالا، پانی رکھوایا اور اس کے بدن پر تیل ملوا کر ایک کپڑے کی جھول اِس کے اوپر ڈلوائی، اُس کے قریب آگ رکھوائی تاکہ اس کی گرمی سے اُس پر سے سردی کا اثر زائل(۴) ہوجائے اور اس قصہ کو دو ہی دن گذرے تھے کہ اس ظالم کا انتقال ہوگیا، ایک بزرگ نے جو اُس کے مظالم(۵) اور اُس کی حالت سے خوب واقف تھے اس کو خواب میں دیکھا، اُس نے پوچھا کہ کیا گذری؟ اُس نے کہا: حق تعالیٰ شانُہٗ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ تو کتا تھا (یعنی کتوں جیسے کام کرتا تھا، انسانوں جیسے کام نہیں کرتا تھا) اس لیے ہم نے بھی ایک کتے ہی کو تجھ کو دے دیا (یعنی اُس خارشی کتے کے طفیل(۶) تیری بخشش کردی) اور میرے ذمہ جو حقوق(۷) تھے، ان کا خود ادا فرمانے کا ارادہ فرمالیا۔ [مسامرات] حق تعالیٰ شانُہٗ کی ذات بڑی کریم ہے، وہ سارے

حل لغات: (۱) سونے کا سکہ۔ (۲) لینڈی۔ (۳) کھجلی۔ (۴) ختم، دور۔ (۵) ظلموں۔ (۶) سبب۔ (۷) حق کی جمع۔

کریموں کا مالک ہے، بادشاہ ہے، اس کے کرم تک کوئی کہاں پہونچ سکتا ہے؟ کسی شخص کی کوئی ادنیٰ سی چیز بھی اس کو پسند آجائے تو اُس شخص کا بیڑا پار ہے، آدمی اس کی خوشنودی کی تلاش میں رہے، نہ معلوم کس کی کیا بات آقا کو پسند آجائے۔

(۴۸) ابوعمر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی حضرت ابوعبداللہ بن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ جارہے تھے، کئی دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز میسّر[2] نہ ہوئی، جنگل میں ایک عورت ملی، ایک بکری اس کے ساتھ تھی، ہم نے (خیال کیا کہ اس کو خرید کر پکالیں گے، اس لیے) اُس عورت سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ اُس نے کہا: پچاس درم[3] قیمت ہے، ہم نے کہا: ہم پر احسان کر، کچھ کم کردے، اُس نے کہا: پانچ درم قیمت ہے، ہم نے کہا: مذاق نہ کر، صحیح صحیح قیمت بتادے، ابھی پچاس درم کہتی تھی، ابھی پانچ درم کہہ دیے، اُس عورت نے کہا: واللّٰہ[4]! مذاق نہیں کرتی، تم نے کہا: احسان کر، کاش مجھے اس پر قدرت ہوتی کہ میں کچھ بھی قیمت اس کی نہ لیتی (لیکن میں مجبور ہوں، اس لیے پانچ بھی بہ مجبوری کہہ دیے) حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ نے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم سب کے پاس کتنے درم ہیں، سب کا مجموعہ چھ سودِرم ہوئے، ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سب اس کو دے دو اور بکری بھی اس کے پاس رہنے دو، ہم نے سب درم اُس کو دے دیے اور ہمارا سفر اللہ کے فضل سے ایسی راحت سے گزرا کہ حد نہیں۔
سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ [مسامرات]

(۴۹) حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے دریافت[5] کیا کہ تُو اللہ کا ولی بننا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا: ضرور چاہتا ہوں، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت کی کسی چیز میں بھی رغبت نہ کر اور اپنے آپ کو صرف حق تعالیٰ شانُہٗ کے لیے خاص کرلے اور تُو ہمہ تن[6] اُس کی طرف متوجہ ہو جا تا کہ وہ بھی ہمہ تن تیری طرف متوجہ ہوجائے اور تجھے اپنا ولی بنالے۔ [روض]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں حق تعالیٰ شانُہٗ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں اور جو میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے، میں اس کی طرف ایک باع (یعنی دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں)۔

(۵۰) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے پانچ سو دِرم پیش کیے اور عرض کیا کہ یہ اپنے خدّام[7] پر تقسیم فرمادیں، حضرت نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس اُن کے علاوہ اور بھی کچھ ہے، اُس نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس بہت سے دینار[8] (اشرفیاں) ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے

حل لغات: (۱) کمتر، چھوٹی۔ (۲) حاصل۔ (۳) چاندی کا سکہ۔ (۴) اللہ کی قسم۔ (۵) پوچھا۔ (۶) مکمل طور سے۔ (۷) خادم کی جمع۔ (۸) سونے کا سکہ۔

دریافت فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ ان میں اور اضافہ[1] ہو جائے یا نہیں چاہتے؟ اُس نے عرض کیا کہ یہ خواہش تو ضرور ہے، حضرت نے فرمایا کہ پھر تو تم ہم سے زیادہ محتاج ہو (اس لیے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، ہم اُس پر اضافہ نہیں چاہتے) اس لیے یہ تم اپنے ہی پاس رکھو، یہ کہہ کر وہ درا ہم واپس کر دیے، قبول نہ فرمائے۔ [روض]

(۵۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شاگردوں کے مجمع میں تشریف رکھتے تھے، ان کی بیوی آئیں اور کہنے لگیں کہ تم تو ان کو لیے بیٹھے ہو اور گھر میں آٹے کی ایک چٹکی بھی نہیں ہے، وہ فرمانے لگے: اری اللہ کی بندی! ہمارے سامنے ایک نہایت سخت گھاٹی بڑی دشوار گذار آرہی ہے، اُس سے صرف وہی لوگ نجات پا سکیں گے، جو بہت ہلکے پھلکے ہوں گے، بیوی یہ بات سُن کر راضی خوشی واپس چلی گئیں۔ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا دار بھی کھاتے ہیں اور ہم بھی کھاتے ہیں، وہ بھی کپڑا پہنتے ہیں اور ہم بھی پہنتے ہیں اور اُن کے پاس جو ضرورت سے زائد مال ہے، وہ اُس کو کام میں تو لاتے نہیں، صرف دیکھتے ہیں کہ ہاں یہ مال ہے، مال کو دیکھ ہم بھی لیتے ہیں (جو دوسروں کے پاس ہوتا ہے، لہٰذا دیکھنے میں تو ہم اور وہ برابر ہیں، کام میں وہ بھی نہیں لاتے، ہم بھی نہیں لاتے) لیکن اُن کو اپنے مال کا حساب دینا پڑے گا اور ہم حساب سے بَرِی[2] ہیں کہ ہمارے پاس ہے نہیں۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ہمارے بھائی ہمارے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کرتے، ہم سے محبت تو اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور دنیا میں ہم سے الگ رہتے ہیں، عنقریب[3] وہ دن آنے والا ہے کہ وہ تو اس کی تمنا کریں گے کہ کاش! وہ ہم جیسے ہوتے اور ہم اس کی تمنّا نہیں کریں گے کہ ہم ان جیسے ہوتے۔ [روض]

(۵۲) ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے لیے دعا کر دیجیے، مجھے اہل وعیال کی کثرت (اور آمدنی کی قلّت[4]) نے بہت مجبور کر رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تیرے گھر والے تجھ سے یہ کہیں کہ ہمارے پاس نہ آٹا ہے، نہ روٹی ہے، اُس وقت کی تیری دعا حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں میرے اس وقت کی دعا سے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ [روض]

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا، لوگوں کو آقا سے مانگنے کی قدر نہیں ہے، نہ اُس کی وقعت[5] قلوب میں ہے، اس کریم کے یہاں تڑپ کے مانگنے کی بڑی قدر ہے اور مُضطَر[6] کی دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ الآية [سورۂ نمل: ۶۲] ”کیا، وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اُس کی مصیبت کو دور کرتا ہے (بھی ایسی ذات ہے جس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے)“۔

حل لغات: (۱) زیادتی۔ (۲) آزاد۔ (۳) جلد ہی۔ (۴) کمی۔ (۵) اہمیت۔ (۶) انتہائی مجبور۔

واقعات

ایک حدیث میں ہے: ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ کس کی طرف لوگوں کو دعوت[1] دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اُس اللہ وحدہٗ کی طرف کہ اگر تجھے کوئی مضرّت[2] پہونچے، پھر تو اُس کو پکارے تو وہ تیری مصیبت کو زائل[3] کر دے اور وہ اللہ وحدہٗ کہ اگر تو کہیں راستہ میں سواری کو گم کر دے، پھر اس کو پکارے تو وہ تیری سواری کو تجھ پر لوٹا دے اور اگر تجھے قحط[4] سے سابقہ[5] پڑے، پھر تو اُس کو پکارے تو وہ تیرے لیے روزی اُتار دے۔ سُحیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک لڑکی آئی اور اُس نے اپنے سردار سے کہا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں، آپ کے گھوڑے کو نظر نے کھالیا، وہ گھوڑا حیران سرگرداں[6] گھومتا پھر رہا ہے، کسی جھاڑ پھونک کرنے والے کو ڈھونڈ کر لائیے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا: کسی جھاڑنے والے کی ضرورت نہیں، اس کے ناک کے داہنے سوراخ میں چار مرتبہ، بائیں میں تین مرتبہ یہ دعا پڑھ کر پھونک مارو: لَابَأْسَ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَايَكْشِفُ الضُّرَّ إِلَّا أَنْتَ۔ ترجمہ: ”کوئی خوف کی بات نہیں ہے، اے آدمیوں کے رب! تُو اس کی تکلیف کو زائل کر دے اور اس کو شفا عطا کر دے، تُو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شخص نقصان کو ہٹانے والا نہیں ہے“ وہ شخص گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کے کہنے کے موافق کیا وہ بالکل اچھا ہو گیا، وہ کھانے بھی لگا اور پیشاب پاخانہ بھی کیا۔ [درمنثور]

یہ بات خوب اچھی طرح دل میں جما لینا چاہیے اور جتنی زیادہ دل میں یہ بات پُختہ[7] ہو جائے گی، اتنی ہی دین اور دنیا میں کام آنے والی ہے کہ نفع اور نقصان صرف اُسی پاک ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے قبضہ میں ہے، اُسی سے اپنی حاجات طلب کرنا چاہیے، اُسی کی طرف ہر مصیبت میں متوجہ ہونا چاہیے، ساری دنیا کے قلوب اُسی کے تابع ہیں۔

(۵۳) حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے دس ہزار درم نذرانہ[8] پیش کیا، انہوں نے اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ دس ہزار درم کی وجہ سے میرا نام فقراء کے دفتر سے کٹ جائے، خدا کی قسم میں اس کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

ان کا یہ بھی ارشاد[9] ہے کہ دنیا دار دنیا میں راحت تلاش کرتے ہیں، اس وجہ سے دھوکا میں پڑ جاتے ہیں، (بھلا دنیا میں راحت کہاں) اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہت ہمارے پاس ہے تو یہ لوگ تلواروں سے ہم سے لڑنے لگیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی

حل لغات: (۱) بلاتے ہیں۔ (۲) نقصان۔ (۳) دور۔ (۴) خشک سالی، بارش کا نہ ہونا۔ (۵) واسطہ پڑے۔ (۶) حیران پریشان۔ (۷) پکی۔ (۸) تحفہ، ہدیہ۔ (۹) کہنا۔

واقعات

کون لوگ ہیں؟ فرمایا علماء، اُس نے پوچھا: بادشاہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: زاہد لوگ (دنیا سے بے رغبتی کرنے والے)، اُس نے پوچھا: بیوقوف احمق کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جو دین کے ذریعہ سے دنیا کماتے ہوں۔ حضرت ذوالنون مصری رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ زاہد لوگ آخرت کے بادشاہ ہیں اور وہ فقراء عارفین ہیں۔ حضرت شیخ ابومدین رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ بادشاہت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک شہروں کی، دوسری دلوں کی، حقیقی بادشاہ زاہد ہی ہوتے ہیں (جو دلوں کے بادشاہ ہوتے ہیں)۔ ایک جماعت کا مذہب[1] جن میں حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہ بھی ہیں؛ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت[2] کر کے مَر جائے کہ میرے مال سے اتنا مال ایسے لوگوں کو دے دیا جائے، جو سب سے زیادہ سمجھ دار ہوں تو وہ مال وصیت کا زاہدوں کو دیا جائے گا (اس لیے کہ حقیقی سمجھ دار وہی ہیں)۔ [روض]

(۵۴) امام کبیر، عارف شہیر، شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہ نے ایک مرتبہ اُن علماء کا جو دنیا کی طرف مائل رہتے ہیں، ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کے پاس بھی تو بہت مال تھا، یہ بیوقوف صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ لوگ ان کو مال جمع کرنے میں معذور سمجھنے لگیں، شیطان اُن کے ساتھ مکر[3] کرتا ہے اور ان کو ذرا بھی پتہ نہیں چلتا، ارے احمق! تیرا ناس ہوجائے تیرا حضرت عبدالرحمن بن عوف رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے مال سے استدلال[4] کرنا یہ شیطان کا مکر ہے، وہ یہ الفاظ تیری زبان سے نکلواتا ہے تاکہ تو ہلاک اور برباد ہوجائے، جب تُو نے یہ کہا کہ حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن نے بھی مال شرافت اور زینت کے لیے جمع کیا، تو تُو نے ان سرداروں کی غیبت کی اور تُو نے اُن کی طرف بڑی سخت چیز منسوب[5] کردی اور جب تُو نے سمجھا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا، اُس کے ترک[6] سے افضل ہے تو تُو نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان میں گستاخی[7] کی، تُو نے سارے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی اور تُو نے نعوذ باللہ ان کو انجان بتایا، جب کہ انہوں نے تیری طرح سے مال جمع نہ کیا اور جب تُو نے یہ خیال کیا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا، اُس کے ترک سے افضل ہے تو تُو نے یہ دعویٰ کردیا کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی اُمت کے ساتھ خیر خواہی[8] نہیں فرمائی، جب کہ انہوں نے مال جمع کرنے کو منع فرمایا، آسمان کے رب کی قسم! تُو نے اپنے اس دعویٰ[9] میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جھوٹ بولا، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی اُمت کے حال پر نہایت شفیق[10] تھے، اُن کے خیر خواہ تھے، اُن پر بڑے مہربان تھے، اُن پر بہت رحم کرنے والے تھے، ارے احمق! حضرت عبدالرحمن بن عوف رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اپنے فضل و کمال کے باوجود، اپنے تقویٰ کے

حل لغات: (۱) مسلک۔ (۲) مرنے سے پہلے اپنے مال میں سے کچھ حصہ کسی کو دینے کا حکم کرنا۔ (۳) دھوکہ بازی۔ (۴) دلیل لانا، ثبوت چاہنا۔ (۵) جوڑ۔ (۶) چھوڑنے۔ (۷) بے ادبی۔ (۸) خیر چاہنا۔ (۹) مطالبہ۔ (۱۰) رحم دل۔

باوجود، اپنے احسانات کے باوجود، اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے راستہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرنے کے باوجود اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کے باوجود اور ان حضرات میں ہونے کے باوجود، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت[1] دے دی تھی (اور عَشَرۂ مُبَشَّرہ[2] کے نام سے مشہور تھے، ان سب کمالات کے باوجود) صرف اپنے مال کی وجہ سے قیامت کے میدان میں رکے رہے اور فقراء مہاجرین کے ساتھ جنت میں تشریف نہ لے جاسکے، پھر تیرا ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ جو دنیا کے دھندوں میں پھنسے رہیں؛ اور تعجب اور سخت تعجب اس فتنہ میں پڑے ہوئے سے ہے، جو حرام اور مشتبہ[3] مال کی گڑبڑ میں آلودہ[4] ہو اور لوگوں کے مَیل (صدقات کا مال) کھاتا ہو، شہوتوں اور زینت اور تفاخُر[5] میں وقت گزارتا ہو، پھر وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہٗ کے حال سے استدلال کرے۔ اس کے بعد علامہ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بہترین حالات ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ حضرات مَسکنت[6] کو پسند کرنے والے تھے، فقر کے خوف سے بے فکر تھے، اپنی روزی میں اللہ جَلَّ شانُہٗ پر پورا اعتماد کرنے والے تھے اور تقدیر پر راضی رہنے والے تھے، مصائب پر خوش ہونے والے تھے ثَروت[7] میں شکر گزار، غربت میں صبر کرنے والے تھے، اچھے حالات میں اللہ جلَّ شانُہٗ کی حمد کرنے والے تھے، تواضع[8] کرنے والے تھے، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح[9] دینے والے تھے، جب اُن کے پاس فقر آجاتا تو اُس کو مَرحبا (بہت اچھا کیا آیا) کہنے والے تھے، اُس کو صلحاء کا شعار[10] کہتے تھے، تو خدا کی قسم کھا کر بتا، کیا تیرا بھی یہی حال ہے؟ تُو اُن کی مشابہت[11] سے بہت دور ہے، تیرا حال اُن کے حال کی بالکل ضد ہے، تُو غنا کے وقت سرکش[12] ہو جاتا ہے، ثَروت کے وقت اَکڑنے لگتا ہے، تُو مال کے وقت خوشی میں ایسا مَحو[13] ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بھول جاتا ہے، تکلیف کے وقت اللہ کی مدد سے نا اُمید ہو جاتا ہے، مصیبت کے وقت ناک منہ چڑھانے لگتا ہے اور تقدیر پر ذرا بھی راضی نہیں ہوتا، تُو فقیروں سے بُغض[14] رکھتا ہے، مسکنت[15] سے ناک چڑھاتا[16] ہے، تُو مال اس لیے جمع کرتا ہے تاکہ دنیا کا تنعُّم[17] اختیار کرے، اُس کی رَونق[18] سے دل بہلائے، اُس کی لذتوں، شہوتوں میں مزے اُڑائے، وہ حضرات دنیا کی حلال چیزوں سے اتنا الگ رہتے تھے، جتنا تُو حرام چیزوں سے بھی علیحدہ[19] نہیں رہتا، وہ معمولی لغزش[20] کو اتنا سخت سمجھتے تھے، جتنا تُو حرام اور کبیرہ گناہ کو بھی سخت نہیں سمجھتا، کاش تیرا عمدہ سے عمدہ اور حلال سے حلال مال بھی ان کے مشتبہ

حل لغات: (۱) خوش خبری۔ (۲) مشہور دس صحابہ یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعید، سعد بن عبادہ، عبدالرحمن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (۳) شک والا۔ (۴) لت پت۔ (۵) فخر کے کاموں۔ (۶) غربت۔ (۷) مالداری۔ (۸) انکساری، اپنے کو چھوٹا بنانا۔ (۹) بڑھاوا دینا۔ (۱۰) طور طریقہ۔ (۱۱) نقل۔ (۱۲) باغی، نافرمان۔ (۱۳) گم، کسی کے خیال میں غرق ہو جانا۔ (۱۴) دشمنی۔ (۱۵) مسکینی، غربت۔ (۱۶) ناراض ہونا، خفا ہونا۔ (۱۷) عیش آرام، نعمت۔ (۱۸) چمک دمک۔ (۱۹) الگ۔ (۲۰) چوک۔

مال کے برابر ہوتا اور کاش تُو اپنے گناہوں سے ایسا ڈرتا، جیسا وہ اپنی نیکیوں کے قبول نہ ہونے سے ڈرتے تھے، کاش تیرا روزہ ان کے افطار کے برابر ہوجاتا (کہ ان کا افطار کرنا بھی اللہ کے واسطے تھا، جس پر ثواب تھا) اور کاش تیرا رات کو جاگنا بھی ان کے سونے کے برابر ہوجاتا اور کاش تیری عمر بھر کی نیکیاں اُن کی کسی ایک نیکی کے برابر ہوجاتیں۔ ارے کم بخت! تیرے لیے یہی مناسب تھا کہ تُو دُنیا سے صرف اتنا حاصل کرتا، جتنا مسافر کا توشہ[1] ہوتا ہے، کاش تُو دنیاداروں کے حال سے عبرت پکڑتا کہ وہ میدان حشر میں حساب میں پکڑے ہوئے ہوں گے اور تُو پہلے ہی زُمرہ میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جنت میں چلا جاتا کہ نہ تو میدان حشر میں روکا جاتا، نہ تجھ پر لمبا چوڑا حساب ہوتا، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کے فقراء اُن کے مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے۔ [روض]

(۵۵) حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ (جو مشائخ چشتیہ[2] کے سلسلہ میں مشہور بزرگ ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ کشتی میں سوار جارہے تھے، ہَوا کی گردِش نے ہماری کشتی کو ایک جزیرہ میں پہونچادیا، ہم نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک بُت کو پوج رہا ہے، ہم نے اُس سے پوچھا کہ تُو کس کی پرستش[3] کرتا ہے؟ اُس نے اُس بُت کی طرف اشارہ کیا، ہم نے کہا: تیرا معبود، خود تیرا بنایا ہوا ہے اور ہمارا معبود ایسی چیزیں بنادیتا ہے، جو اپنے ہاتھ سے بنایا ہوا ہو، وہ پوجنے کے لائق نہیں ہے، اُس نے کہا: تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ ہم نے کہا: اس پاک ذات کی جس کا عرش آسمان کے اوپر ہے، اُس کی گرفت زمین پر ہے، اُس کی عظمت اور بڑائی سب سے بالاتر ہے، کہنے لگا: تمہیں اُس پاک ذات کا علم کس طرح ہوا، ہم نے کہا: اُس نے ایک رسول (قاصد) ہمارے پاس بھیجا، جو بہت کریم اور شریف تھا، اُس رسول نے ہمیں یہ سب باتیں بتائیں، اُس نے کہا: وہ رسول کہاں ہیں؟ ہم نے کہا کہ اُس نے جب پیام[4] پہونچادیا اور اپنا حق پورا کردیا، تو اس مالک نے اُس کو اپنے پاس بلالیا تاکہ اس کے پیام پہونچانے اور اس کو اچھی طرح پورا کردینے کا صلہ[5] وانعام عطا فرمائے، اُس نے کہا کہ اُس رسول نے تمہارے پاس کوئی علامت چھوڑی ہے؟ ہم نے کہا: اُس مالک کا پاک کلام ہمارے پاس چھوڑا ہے، اُس نے کہا: مجھے وہ کتاب دکھاؤ، ہم نے قرآن پاک لاکر اس کے سامنے رکھا، اُس نے کہا: میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، تم اس میں سے مجھے کچھ سناؤ، ہم نے ایک سورت سنائی، وہ سنتے ہوئے روتا رہا، یہاں تک کہ وہ سورت پوری ہوگئی، اُس نے کہا: اس پاک کلام والے کا حق یہی ہے کہ اُس کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا، ہم نے اس کو اسلام کے ارکان اور احکام بتائے اور چند سورتیں

حل لغات: (۱) سفر کا کھانا۔ (۲) تصوف میں چشتی سلسلہ کے بزرگ۔ (۳) پوجنا۔ (۴) پیغام۔ (۵) بدلہ۔

واقعات

قرآن پاک کی سکھائیں، جب رات ہوئی عشاء کی نماز پڑھ کر ہم سونے لگے، تو اُس نے پوچھا کہ تمہارا معبود بھی رات کو سوتا ہے، ہم نے کہا: وہ پاک ذات حیٌّ قیومٌ ہے، وہ نہ سوتا ہے، نہ اُس کو اُونگھ آتی ہے (آیۃُ الکرسی) وہ کہنے لگا: تم کس قدر نالائق بندے ہو کہ آقا تو جاگتا رہے اور تم سو جاؤ، ہمیں اس کی بات پر بڑی حیرت ہوئی، جب ہم اس جزیرہ سے واپس ہونے لگے، تو وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لے چلو، تاکہ میں دین کی باتیں سیکھوں، ہم نے اپنے ساتھ لے لیا، جب ہم شہر عَبَّادَان میں پہونچے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ شخص نَو مسلم ہے، اس کے لیے کچھ معاش کا فکر بھی چاہیے، ہم نے کچھ درہم چندہ کیا اور اس کو دینے لگے، اُس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا: کچھ درم ہیں، ان کو تم اپنے خرچ میں لے آنا، کہنے لگا: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ تم لوگوں نے مجھے ایسا راستہ دکھایا، جس پر خود بھی نہیں چلتے، میں ایک جزیرہ میں تھا، ایک بُت کی پرستش کرتا تھا، خدائے پاک کی پرستش بھی نہ کرتا تھا، اس نے اس حالت میں بھی مجھے ضائع اور ہلاک نہیں کیا، حالانکہ میں اس کو جانتا بھی نہ تھا، پس وہ اس وقت مجھے کیوں کر ضائع کردے گا، جب کہ میں اس کو پہچانتا بھی ہوں، (اس کی عبادت بھی کرتا ہوں) تین دن کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اُس کا آخری وقت ہے، موت کے قریب ہے، ہم اس کے پاس گئے، اُس سے پوچھا کہ تیری کوئی حاجت ہو تو بتا؟ کہنے لگا: میری تمام حاجتیں اُس پاک ذات نے پوری کردیں، جس نے تم لوگوں کو جزیرہ میں (میری ہدایت کے لیے بھیجا تھا)۔ شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر دفعتًہ نیند کا غلبہ ہوا، میں وہیں سو گیا، تو میں نے خواب میں دیکھا، ایک نہایت سرسبز شاداب باغ ہے، اُس میں ایک نہایت نفیس قُبّہ بنا ہوا ہے، اُس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے، اُس تخت پر ایک نہایت حسین لڑکی کہ اس جیسی خوبصورت عورت کبھی کسی نے نہ دیکھی ہوگی، یہ کہہ رہی ہے: خدا کے واسطے اس کو جلدی بھیج دو، اس کے اشتیاق میں میری بے قراری حد سے بڑھ گئی، میری جو آنکھ کھلی، تو اس نومسلم کی روح پرواز کر چکی تھی، ہم نے اس کی تجہیز وتکفین کی اور دفن کردیا، جب رات ہوئی، تو میں نے وہی باغ اور قبہ اور تخت پر وہ لڑکی اس کے پاس دیکھی اور وہ آیت شریفہ پڑھ رہا تھا: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴾ الآیۃ [سورۂ رعد: ۲۳] جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اور فرشتے اُن کے پاس ہر دروازہ سے آتے ہوں گے اور ان کو سلام کرتے ہوں گے (جو ہر قسم کی آفت سے سلامتی کا مُژدہ ہے اور یہ) اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا تھا (اور دین پر مضبوط جمے رہے) پس اس جہاں میں تمہارا انجام بہت بہتر ہے“۔ [روض]

حل لغات: ① زندہ رہنے اور قائم رہنے والا۔ ② نیند کی جھپکی۔ ③ روزی۔ ④ اچانک۔ ⑤ عمدہ، بہترین۔ ⑥ گنبد۔ ⑦ میت کی تیاری اور کفن۔ ⑧ خوشخبری۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی عطااور بخشش کے کرشمے ہیں کہ ساری عمر بُت پرستی کی اوراس نے اپنے لطف و کرم سے موت کے قریب ان لوگوں کو زبردستی کشتی کے بے قابو ہوجانے سے وہاں بھیجا اور اُس کو آخرت کی دولت سے مالا مال کردیا، اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، "مالکُ الملک جس کو تُو دینا چاہے، اُس کو کوئی روکنے والانہیں ہے اور جس کو تُو نہ چاہے اس کو کوئی دینے والانہیں"۔

(۵۶) حضرت مالک بن دینار رَحمَۃُاللّٰہِ عَلَیۡہِ ایک مرتبہ بصرہ کی گلیوں میں جارہے تھے، راستہ میں ایک باندی ایسے جاہ وجلال[1]، حشم[2] وخدم کے ساتھ جارہی تھی جیسا کہ بادشاہوں کی باندیاں ہوتی ہیں۔حضرت مالک رَحمَۃُاللّٰہِ عَلَیۡہِ نے اُس کو دیکھا تو آواز دے کرفرمایا کہ اے باندی! تجھے تیرا مالک فروخت کرتا ہے یا نہیں؟ وہ باندی اس فقرہ[3] کوسُن کر (حیران رہ گئی) کہنے لگی: کیا کہا؟ پھر کہو، انہوں نے پھر ارشادفرمایا، اُس نے کہا: اگر وہ فروخت[4] بھی کرے تو کیا تجھ جیسا فقیر خرید سکتا ہے؟ فرمانے لگے: ہاں! اور تجھ سے بہتر کوخرید سکتا ہے، وہ باندی یہ سُن کرہنس پڑی اوراپنے خدّام کوحکم دیا کہ اس فقیر کو پکڑکر ہمارے ساتھ لے چلو (ذرا مذاق ہی رہے گا) خدّام[5] نے پکڑکرساتھ لےلیا، وہ جب گھر واپس پہونچی تو اُس نے اپنے آقا سے یہ قصہ سنایا، وہ بھی سُن کر بہت ہنسا اوران کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، جب یہ سامنے پیش کیے گئے تو اس آقا کے دل پر ہیبت[6] سی اُن کی چھاگئی، وہ کہنے لگا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ تُو اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کردے، اُس نے پوچھا کہ آپ اس کی قیمت دے سکتے ہیں؟ حضرت مالک رَحمَۃُاللّٰہِ عَلَیۡہِ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی قیمت کھجور کی دو بچھی[7] ہوئی گٹھلیاں ہیں، یہ سُن کرسب ہنسنے لگے، اُس نے پوچھا کہ تم نے یہ قیمت کس مناسبت سے تجویز کی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں عیب بہت ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ اس میں کیا عیب ہیں؟ فرمانے لگے، اگر عِطر نہ لگائے تو بدن میں سے بُو آنے لگے، اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ میں سے سَڑاہند آنے لگے، اگر بالوں میں تیل کنگھی نہ کرے تو وہ پریشان حال ہوجائیں ۔ جُوئیں ان میں پڑجائیں (اور سر میں سے بُو آنے لگے) ذرا عمر زیادہ ہوجاوے گی تو بوڑھی بن جائے گی (منہ لگانے کے بھی قابل نہ رہے گی) حیض اس کو آتا ہے، پیشاب، پاخانہ یہ کرتی ہے، ہرقسم کی گندگیاں (تھوک، سنک[8]، رال[9]، ناک کے چوہے وغیرہ) اس میں سے نکلتے رہتے ہیں، غم، رنج، مصیبتیں اس کوپیش آتی رہتی ہیں، خودغرض اتنی ہے کہ محض[10] اپنی غرض سے تجھ سے محبت ظاہر کرتی ہے، محض اپنے راحت وآرام کی وجہ سے تجھ سے اُلفت[11] جتاتی ہے، (آج

حل لغات: (۱) شان وشوکت۔ (۲) نوکر چاکر۔ (۳) جملہ۔ (۴) بیچے۔ (۵) خادموں۔ (۶) رعب، دہشت۔ (۷) گھن لگی۔ (۸) ناک کی غلاظت۔ (۹) پانی جیسا تھوک۔ (۱۰) صرف۔ (۱۱) محبت۔

کوئی تکلیف تجھ سے پہونچ جائے، ساری محبت ختم ہوجائے) انتہائی بے وفا کوئی قول وقرار پورا نہ کرے، اس کی ساری محبت جھوٹی ہے، کل کو تیرے بعد کسی دوسرے کے پہلو میں بیٹھے گی تو اُس سے بھی ایسی ہی محبت کے دعوے کرنے لگے گی، میرے پاس اس سے ہزار درجہ بہتر باندی ہے، جو اس سے نہایت کم قیمت ہے، وہ کافور کے جوہر سے بنی ہوئی ہے، مُشک اور زعفران کی ملاوٹ سے پیدا کی گئی ہے، اُس پر موتی اور نور لپیٹا گیا ہے، اگر کھارے پانی میں اُس کا آبِ[1] دہن ڈال دیا جائے تو وہ میٹھا ہوجائے اور مُردہ سے اگر وہ بات کرے تو وہ زندہ ہوجائے، اگر اُس کی کلائی آفتاب[2] کے سامنے کردی جائے تو آفتاب بے نُور ہوجائے، گہن ہوجائے، اگر وہ اندھیرے میں آجائے تو سارا گھر روشن ہوجائے، چمک جائے، اگر وہ دنیا میں اپنی زیب[3] و زینت کے ساتھ آجائے تو سارا جہان معطّر[4] ہوجائے، چمک جائے، اُس باندی نے مُشک و زعفران کے باغوں میں پرورش[5] پائی ہے، یاقوت اور مَرجان کی ٹہنیوں میں کھیلی ہے، ہر طرح کی نعمتوں کے خیموں میں اس کا محل[6] سرائے ہے، تسنیم (جو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے) کا پانی پیتی ہے، کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی، اپنی محبت کو نہیں بدلتی (ہرجائی نہیں ہے) اب تم ہی بتاؤ کہ قیمت خرچ کرنے کے اعتبار سے کون سی باندی زیادہ موزوں[7] ہے؟ سب نے کہا کہ وہی باندی جس کی آپ نے خبر دی، آپ نے فرمایا کہ اس باندی کی قیمت ہر وقت، ہر زمانہ میں ہر شخص کے پاس موجود ہے، لوگوں نے پوچھا کہ اُس کی قیمت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اتنی بڑی اہم اور عالی[8] شان چیز خریدنے کے لیے بہت معمولی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رات کا تھوڑا سا وقت فارغ کرکے صرف اللہ جلَّ شانُہٗ کے لیے کم از کم دو رکعت تہجد کی پڑھ لی جائیں اور جب تم کھانا کھانے بیٹھو تو کسی غریب[9] محتاج کو بھی یاد کرلو اور اللہ جلَّ شانُہٗ کی رضا کو اپنی خواہشات پر غالب کردو، راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز کانٹا اینٹ وغیرہ پڑی دیکھو، اس کو ہٹادو، دنیا کی زندگی کو معمولی اخراجات[10] کے ساتھ پورا کردو اور اپنا فکر وغم اس دھوکہ کے گھر سے ہٹا کر ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف لگادو، ان چیزوں پر اہتمام کرنے سے تم دنیا میں عزت کی زندگی گزاروگے، آخرت میں بےفکر اور اعزاز[11] و اکرام کے ساتھ پہونچوگے اور جنت جو نعمتوں کا گھر ہے، اس میں اللہ جلَّ شانُہٗ ربُّ العزت کے پڑوس میں ہمیشہ ہمیشہ رہوگے، اُس باندی کے آقا نے باندی سے خطاب کرکے پوچھا کہ تُو نے شیخ کی باتیں سُن لیں، یہ سچ ہیں یا نہیں؟ باندی نے کہا: بالکل سچ ہیں، شیخ نے بڑی نصیحت اور خیر خواہی اور بھلائی کی بات بتائی ہے، آقا نے کہا کہ اچھا تو تُو اب آزاد ہے اور اتنا اتنا سامان تیری نذر[12] ہے اور اپنے سب غلاموں سے کہا کہ تم بھی سب

حل لغات: (۱) تھوک۔ (۲) سورج۔ (۳) سجاوٹ۔ (۴) خوشبودار۔ (۵) پلی بڑھی ہے۔ (۶) رہنے کی جگہ۔ (۷) مناسب۔ (۸) شاندار۔ (۹) ضرورتمند۔ (۱۰) خرچ۔ (۱۱) عزت واحترام۔ (۱۲) تحفہ۔

واقعات

آزاد ہو اور میرے مال میں سے اتنا اتنا مال تمہاری نذر ہے اور میرا یہ گھر اور جو کچھ مال اس میں ہے سب اللہ کی راہ میں صدقہ ہے اور گھر کے دروازے پر ایک موٹے سے کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا اس کو اُتار کر اپنے بدن پر لپیٹ لیا اور اپنا سارا لباس فاخرہ[1] اُتار کر صدقہ کر دیا، اس باندی نے کہا کہ میرے آقا تمہارے بعد میرے لیے بھی یہ زندگی اب خوش گوار نہیں ہے اور اُس نے بھی ایک موٹا سا کپڑا پہن کر اپنا سارا زیب و زینت کا لباس اور اپنا سارا مال و متاع صدقہ کر کے آقا کے ساتھ ہی ہو لی؛ اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اُن کو دعائیں دیتے ہوئے اُن سے رخصت ہو گئے اور وہ دونوں اس سارے عیش عشرت کو طلاق[2] دے کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ غَفَرَ اللّٰہُ لَنَا وَلَهُمْ[3]۔ [روض]

(۵۷) جعفر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک دفعہ بَصرہ میں چل رہا تھا، ایک عالی شان محل پر گزر ہوا، جس کی تعمیر جاری تھی اور ایک نوجوان بیٹھا ہوا معماروں[4] کو ہدایت دے رہا تھا کہ یہاں یہ بنے گا، وہاں اس طرح بنے گا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اس نوجوان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ شخص کیسا حسین نوجوان ہے اور کس چیز میں پھنس رہا ہے، اس کو اس تعمیر میں کیسا انہماک[5] ہے؟ میری طبیعت پر یہ تقاضا ہے کہ میں اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اس نوجوان کے لیے دعا کروں کہ وہ اس کو اس جھگڑے سے چھڑا کر اپنا مخلص بندہ بنا لے، کیسا اچھا ہو، اگر یہ جنت کے نوجوانوں میں بن جائے۔ جعفر چل اس نوجوان کے پاس چلیں۔ جعفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم دونوں اُس نوجوان کے پاس گئے، اُس کو سلام کیا، اُس نے سلام کا جواب دیا، (وہ مالک رحمۃ اللہ علیہ سے واقف تھا) مگر مالک رحمۃ اللہ علیہ کو پہچانا نہیں، تھوڑی دیر میں پہچانا تو کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: کیسے تشریف آوری[6] ہوئی؟ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم نے اپنے اس مکان میں کس قدر[7] روپیہ لگانے کا ارادہ کیا ہے؟ اُس نے کہا: ایک لاکھ درم[8]۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تم یہ ایک لاکھ درم مجھے دے دو تو میں تمہارے لیے جنت میں ایک مکان کا ذمہ لیتا ہوں، جو اس سے بدرجہا[9] بہتر ہو گا اور اس میں حشم و خدم[10] بہت سے ہوں گے، اُس میں خیمے اور قُبّے[11] سُرخ یاقوت کے ہوں گے، جن پر موتی جڑے ہوئے ہوں گے، اس کی مٹی زعفران کی ہو گی، اُس کا گارا مُشک سے بنا ہو گا، جس کی خوشبوئیں مہکتی ہوں گی، وہ کبھی نہ پُرانا ہو گا، نہ ٹوٹے گا اُس کو معمار نہیں بنائیں گے، بلکہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے اَمرِ کُن[12] سے تیار ہو جائے گا، اُس نوجوان نے کہا: مجھے سوچنے کے لیے آج رات کی مہلت دیجیے، کل صبح آپ تشریف لاویں تو میں اس کے متعلق

حل لغات: (۱) عمدہ۔ (۲) چھوڑ کر۔ (۳) اللہ ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے۔ (۴) مستریوں۔ (۵) انتہائی مشغولیت۔ (۶) آنا ہوا۔ (۷) کتنا۔ (۸) چاندی کا سکہ۔ (۹) کئی درجے۔ (۱۰) نوکر چاکر۔ (۱۱) گنبد۔ (۱۲) حکم۔

واقعات

اپنی رائے عرض کروں گا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے آئے اور رات بھر اُس نوجوان کے فکر اور سوچ میں رہے۔ آخر شب میں اُس کے لیے بہت عاجزی سے دعا کی، جب صبح ہوئی تو ہم دونوں اُس کے مکان پر گئے، وہ نوجوان دروازہ سے باہر ہی انتظار میں بیٹھا تھا اور جب حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا، حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تمہاری کل کی بات میں کیا رائے رہی؟ اس نوجوان نے کہا کہ آپ اس چیز کو پورا کریں گے، جس کا کل آپ نے وعدہ فرمایا تھا؟ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ضرور۔ اُس نے درا[1] ہم کے توڑے[2] سامنے لا کر رکھ دیے اور دوات قلم لا کر رکھ دیا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پرچہ لکھا، جس میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کے بعد لکھا، یہ اقرار نامہ ہے کہ مالک بن دینار نے فلاں شخص سے اس کا ذمہ لیا ہے کہ اُس کے اس محل کے بدلہ میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں اُس کو ایسا ایسا محل جس کی صفت اوپر بیان کی گئی (جو جو صفات اس مکان کی اُوپر گزریں، وہ سب لکھنے کے بعد لکھا) ملے گا، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ عمدہ اور بہتر جو عمدہ سایہ میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے قریب ہوگا۔ یہ پرچہ لکھ کر اس کے حوالہ کر دیا اور ایک لاکھ درم اُس سے لے کر چلے آئے۔ جعفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شام کو حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس میں سے اتنا بھی باقی نہ تھا کہ ایک وقت کے کھانے ہی کا کام چل سکے، اس واقعہ کو چالیس دن بھی نہ گزرے تھے کہ ایک دن حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کے محراب میں ایک پرچہ پڑا دیکھا، یہ وہی پرچہ تھا، جو مالک نے اس نوجوان کو لکھ کر دیا تھا اور اس کی پُشت پر بغیر روشنائی کے لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ کی براءت ہے، جس مکان کا تم نے اُس جوان سے ذمہ لیا تھا، وہ ہم نے اس کو پورا پورا دے دیا اور اس سے ستّر گُنے زیادہ دے دیا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ اس پرچہ کو پڑھ کر مُتحیّر[3] سے ہوئے، اُس کے بعد ہم اس نوجوان کے مکان پر گئے تو وہاں مکان پر سیاہی کا نشان تھا (جو سوگ کی علامت کے طور پر لگایا ہوگا) اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں، ہم نے پوچھا: تو معلوم ہوا کہ اُس نوجوان کا کل گذشتہ انتقال ہوگیا، ہم نے پوچھا کہ اس کا غسل میت کس نے دیا تھا، اُس کو بلایا گیا، ہم نے اُس سے اس کے نہلانے اور کفنانے کی کیفیت پوچھی، اُس نے کہا کہ اس نوجوان نے اپنے مرنے سے پہلے مجھے ایک پرچہ دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ جب تُو مجھے نہلا کر کفن پہنائے تو یہ پرچہ اس میں رکھ دینا، میں نے اُس کو نہلایا کفنایا اور وہ پرچہ اس کے کفن کے اور بدن کے درمیان میں رکھ دیا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وہ پرچہ اپنے پاس سے نکال کر اُس کو دکھایا، وہ کہنے لگا کہ یہ وہی پرچہ ہے، قسم ہے اُس ذات کی جس نے اس کو موت دی، یہ پرچہ میں نے خود اس کے کفن کے اندر رکھا تھا، یہ منظر[4] دیکھ کر ایک دوسرا

حل لغات: (۱) درہم کی جمع۔ (۲) گونی۔ (۳) حیران۔ (۴) حال۔

واقعات

نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ مجھ سے دولاکھ درم لے لیجیے اور مجھے بھی پرچہ لکھ دیجیے۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ بات دور چلی گئی۔ اب نہیں ہوسکتا اللہ جلَّ شانُہٗ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اس کے بعد جب بھی مالک رحمۃ اللہ علیہ اس نوجوان کا ذکر فرماتے تو رونے لگتے اور اس کے لیے دعا کرتے تھے۔ [روض]

بزرگوں کو اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے پیش آتے ہیں کہ جوش میں کوئی بات زبان سے نکل گئی، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اُسی طرح پورا فرماتے ہیں۔ جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد میں اِن الفاظ سے نقل کیا گیا کہ بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے، غبار آلود[1] وہ لوگ جن کو لوگ اپنے دروازہ سے ہٹادیں اور اُن کی پروا بھی نہ کریں ایسے ہیں کہ اللہ جلَّ شانہٗ پر کسی بات کی قسم کھالیں تو وہ ان کی بات کو پورا کرے۔ [مسلم]

---

(۵۸) محمد بن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنواُمیّہ کے لوگوں میں موسیٰ بن محمد بن سلیمان الہاشمی بہت ہی ناز پَرْوَرْدَہ[2] رئیس تھا، دل کی خواہشات پوری کرنے میں ہر وقت منہمک[3] رہتا، کھانے میں، پینے میں، لباس میں، لہو ولعب[4] میں، خواہشات اور لذات کی ہر نوع[5] میں اعلیٰ درجہ پر تھا، لڑکے لڑکیوں میں ہر وقت منہمک رہتا، نہ اس کو کوئی غم تھا، نہ فکر، خود بھی نہایت ہی حسین چاند کے ٹکڑے کی طرح سے تھا، اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی ہر نوع کی دنیوی نعمت اُس پر پوری تھی۔ اُس کی آمدنی تین لاکھ تین ہزار دینار[6] (اشرفیاں) سالانہ تھی، جو ساری کی ساری اسی لہو ولعب میں خرچ ہوتی تھی۔ ایک اُونچا بالاخانہ[7] تھا، جس میں کئی کھڑکیاں تو شارع[8] عام کی طرف کھلی ہوئی تھیں، جن پر بیٹھ کر وہ راستہ چلنے والوں کے نظارے کرتا اور کئی کھڑکیاں دوسری جانب باغ کی طرف کھلی ہوئی تھیں، جن میں بیٹھ کر وہ باغ کی ہوائیں کھاتا، خوشبوئیں سونگھتا، اُس بالاخانہ میں ایک ہاتھی دانت کا قبّہ[9] تھا، جو چاندی کی میخوں[10] سے جڑا ہوا تھا اور سونے کا اُس پر جھول[11] تھا، اس کے اندر ایک تخت تھا، جس پر موتیوں کی چادر تھی اور اس ہاشمی کے سر پر موتیوں کا جڑاؤ عمامہ[12] تھا، اُس قبہ میں اس کے یار[13]، احباب جمع رہتے، خدام ادب سے پیچھے کھڑے رہتے، سامنے ناچنے گانے والیاں قبّہ سے باہر مجتمع[14] رہتیں، جب گانا سننے کو دل چاہتا، وہ سِتار[15] کی طرف ایک نظر اُٹھاتا اور سب حاضر ہوجاتیں اور جب بند کرنا چاہتا، ہاتھ سے ستار کی طرف اشارہ کردیتا، گانا بند ہوجاتا۔ رات کو ہمیشہ جب تک نیند نہ آتی، یہی شغل[16] رہتا اور جب (شراب کے نشہ سے) اُس کی عقل جاتی رہتی، یارانِ مجلس[17]

حل لغات: (۱) گرد میں بھرا ہوا۔ (۲) لاڈ میں پلا ہوا۔ (۳) مشغول۔ (۴) کھیل کود۔ (۵) قسم۔ (۶) سونے کا سکہ۔ (۷) اوپر کی منزل۔ (۸) سڑک۔ (۹) گنبد۔ (۱۰) کیلوں۔ (۱۱) پترا۔ (۱۲) پگڑی۔ (۱۳) دوست۔ (۱۴) جمع۔ (۱۵) موسیقی کا آلہ۔ (۱۶) کام۔ (۱۷) مجلس کے دوست۔

واقعات

اُٹھ کر چلے جاتے، وہ جونسی لڑکی کو چاہتا، پکڑ لیتا اور رات بھر اُس کے ساتھ خلوت[1] کرتا، صبح کو وہ شطرنج چوسر[2] وغیرہ میں مشغول ہوجاتا، اُس کے سامنے کوئی رنج وغم کی بات، کسی کی موت، کسی کی بیماری کا تذکرہ بالکل نہ آتا، اس کی مجلس میں ہر وقت ہنسی اور خوشی کی باتیں، ہنسانے والے قصے اور اسی قسم کے تذکرے رہتے۔ ہر دن نئی نئی خوشبوئیں جو اس زمانہ میں کہیں ملتیں وہ روزانہ اُس کی مجلس میں آتیں، عمدہ عمدہ خوشبوؤں کے گلدستے وغیرہ حاضر کیے جاتے، اسی حالت میں اس کے ستائیس برس گذرے۔ ایک رات کو وہ حسب معمول[3] اپنے قبّہ میں تھا، دفعتًا[4] اس کے کان میں ایک ایسی سُریلی آواز پڑی، جو اُس کے گانے والوں کی آواز سے بالکل جدا[5] تھی، لیکن بڑی دلکش[6] تھی، اُس کی آواز نے کان میں پڑتے ہی اس کو بے چین سا کردیا، اپنے گانے والوں کو بند کردیا اور قبّہ کی کھڑکی سے سَر باہر نکال کر اُس آواز کو سننے لگا، وہ آواز کبھی کان میں پڑجاتی، کبھی بند ہوجاتی، اُس نے اپنے خُدّام[7] کو حکم دیا کہ یہ آواز جس شخص کی آرہی ہے، اس کو پکڑ کے لاؤ، شَراب کا دور چل رہا تھا، خُدام جلدی سے اُس آواز کی طرف دوڑے اور اُس آواز کو تلاش کرتے کرتے ایک مسجد میں پہونچے، جہاں ایک نوجوان نہایت ضعیف بدن، زرد رنگ، گردن سوکھی ہوئی، ہونٹوں پر خشکی آئی ہوئی، بال پراگندہ، پیٹ کمر سے لگا ہوا، دو ایسی چھوٹی چھوٹی لنگیاں اس کے بدن پر کہ ان سے کم میں بدن نہ ڈھک سکے، مسجد میں کھڑا ہوا اپنے رب کے ساتھ مشغول تلاوت[8] کررہا تھا، یہ لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے، نہ اُس سے کچھ کہا، نہ بتایا، ایک دم اُس کو مسجد سے نکال کر وہاں بالاخانہ[9] پر لے جاکر اُس کے سامنے پیش کردیا کہ حضور یہ حاضر ہے، وہ شَراب کے نشہ میں کہنے لگا: یہ کون شخص ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ وہی شخص ہے، جس کی آواز آپ نے سنی تھی، اُس نے پوچھا کہ تم اس کو کہاں سے لائے ہو؟ وہ کہنے لگے: حضور مسجد میں تھا، کھڑا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا، اُس رئیس[10] نے اُس فقیر سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے، اُس نے أَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھ کر یہ آیتیں بتائیں: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۗ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝﴾ [سورۂ مطففین: ۲۲-۲۸] جن کا ترجمہ یہ ہے کہ بے شک نیک لوگ (جنت کی) بڑی نعمتوں میں ہوں گے، مسہریوں[11] پر بیٹھے ہوئے (جنت کے عجائب) دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب! تُو اُن کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی، سرسبزی محسوس کرے گا اور اُن کے پینے کے لیے خالص شراب سربمہر[12] جس پر مُشک کی مہر ہوگی، ملے گی (ایک دوسرے پر)

حل لغات: (١) اکیلے رہتا۔ (٢) لوڈو کی قسم کا کھیل۔ (٣) روزمرہ کی طرح۔ (٤) اچانک۔ (٥) الگ۔ (٦) دل کو کھینچنے والی۔ (٧) نوکروں۔ (٨) قرآن پڑھ رہا۔ (٩) اوپر کی منزل۔ (١٠) امیر۔ (١١) پلنگ۔ (١٢) مہر لگی ہوئی۔

حرص[1] کرنے والوں کو ایسی ہی چیزوں میں حرص کرنا چاہیے (کہ یہ نعمتیں کس کو زیادہ ملتی ہیں اوران کا ملنا اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے ان اعمال میں حرص کرنا چاہیے، جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوں) اور اس شراب کی آمیزش[2] تسنیم کے پانی سے ہوگی (شراب میں کوئی چیز ملائی جاتی ہے تو اُس سے اُس کا جوش زیادہ ہوجاتا ہے اور وہ تسنیم جنت کا) ایک ایسا چشمہ ہے، جس سے مقرب[3] لوگ پانی پیتے ہیں (یعنی اس چشمہ کا پانی مقرب لوگوں کو تو خالص ملے گا اور نیک لوگوں کی شراب میں اس میں سے تھوڑا سا ملا دیا جائے گا)۔

اس کے بعد اس فقیر نے کہا ارے دھوکہ میں پڑے ہوئے تیرے اس محل کو تیرے اس بالا خانہ کو تیرے ان فرشوں[4] کو ان سے کیا مناسبت وہ بڑی اُونچی مسہریاں ہیں، جن پر فرش بچھے ہوئے ہیں، ایسے فرش جو بہت بلند ہیں۔ [سورۂ الواقعہ] ان کے اَستر[5] دبیز[6] ریشم کے ہوں گے۔ [سورۂ الرحمٰن] وہ لوگ سبز[7] شجر اور عجیب وغریب خوبصورت کپڑوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ [سورۂ الرحمٰن] اللہ کا وَلی ان مسہریوں پر سے ایسے دو چشموں کو دیکھے گا، جو دو باغوں میں جاری ہوں گے۔ [سورۂ الرحمٰن] ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی (کہ ایک ہی قسم کے میوے کے دو مزے ہوں گے)۔ [سورۂ الرحمٰن] وہ میوے نہ تو ختم ہوں گے، نہ اُن کی کچھ روک ٹوک ہوگی (جیسا دنیا میں باغ والے توڑنے سے روکتے ہیں)۔ [سورۂ الواقعہ] وہ لوگ پسندیدہ زندگی میں بہت بلند مقام پر جنت میں ہوں گے۔ [سورۂ الحاقہ]

ایسی عالی مقام جنت میں ہوں گے، جہاں کوئی لغوبات نہ سنیں گے، اُس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے اور اُس میں اونچے اونچے تخت بچھے ہوئے ہوں گے اور آب خورے[8] رکھے ہوئے ہوں گے اور برابر گدّے لگے ہوئے ہوں گے اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے (کہ جہاں چاہے بیٹھیں، ساری ہی جگہ صدر نشین[9] ہے)۔ [سورۂ غاشیہ] وہ لوگ سایوں اور چشموں میں رہتے ہوں گے۔ [سورۂ والمرسلات] اُس جنت کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (کبھی ختم نہ ہوں گے) اس کا سایہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، یہ تو انجام ہے متقی لوگوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔ [سورۂ رعد] وہ کیسی سخت آگ ہوگی (اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے) بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، وہ عذاب کسی وقت بھی اُن سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ لوگ اُس میں مایوس پڑے رہیں گے۔ [سورۂ زخرف] بے شک مجرم لوگ بڑی گمراہی اور (حماقت کے) جنون میں پڑے ہوئے ہیں (ان کو اپنی حماقت اُس دن معلوم ہوگی) جس دن منہ کے بَل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیے جائیں گے (اور

حل لغات: ① لالچ۔ ② ملاوٹ۔ ③ قریبی۔ ④ بچھانے کا سامان۔ ⑤ اندرونی کپڑا۔ ⑥ موٹا۔ ⑦ ہرے درخت، ہرے رنگ۔ ⑧ پانی پینے کا برتن، گلاس۔ ⑨ خاص بیٹھنے کی جگہ۔

واقعات

ان سے کہا جائے گا کہ) دوزخ کی آگ لگنے کا (اس میں جلنے کا) مزہ چکھو۔ [سورۂ قمر] وہ لوگ آگ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں اور کالے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔ [سورۂ واقعہ] مجرم آدمی اس بات کی تمنا کرے گا کہ اُس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بیٹوں کو، بیوی کو، بھائی کو اور سارے کنبہ[1] کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام روئے زمین کے آدمیوں کو اپنے فدیہ[2] میں دے دے، پر کسی طرح عذاب سے بچ جائے، لیکن یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا، وہ آگ ایسی شعلہ والی ہے کہ بدن کی کھال تک اُتار دے گی اور وہ آگ ایسے شخص کو خود بلاوے گی، جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی اور (اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے) بے رُخی[3] کی ہوگی اور (ناحق) مال جمع کیا ہوگا اور اُس کو اُٹھا کر حفاظت سے رکھا ہوگا۔ [سورۂ معارج] یہ شخص نہایت سخت مشقت میں ہوگا اور نہایت سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے غصہ میں ہوگا اور یہ لوگ اس عذاب سے کبھی نکلنے والے نہیں ہوں گے (اس کلام میں اس فقیر نے جنت اور دوزخ کی بہت سی آیات کی طرف اشارہ کر دیا، جن کی سورۃ اور رکوع کا حوالہ لکھ دیا گیا پوری آیات مُترجَم[4] قرآن شریف سے دیکھی جا سکتی ہیں۔)

وہ ہاشمی رئیس فقیر کا کلام سُن کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور فقیر سے معانقہ[5] کیا اور خوب چلا کر رویا اور اپنے سب اہل مجلس کو کہہ دیا کہ تم سب چلے جاؤ اور فقیر کو ساتھ لے کر صحن میں گیا اور ایک بوریے پر بیٹھ گیا اور اپنی جوانی پر نوحہ[6] کرتا رہا، اپنی حالت پر روتا رہا اور فقیر اس کو نصیحت کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، اُس نے اپنے سب گناہوں سے اوّل فقیر کے سامنے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے اُس کا عہد کیا کہ آئندہ کبھی کوئی گناہ نہ کرے گا، پھر دوبارہ دن میں سارے مجمع کے سامنے توبہ کی اور مسجد کا کونہ سنبھال کر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور اپنا وہ سارا ساز و سامان مال و متاع سب فروخت[7] کر کے صدقہ کر دیا اور تمام نوکروں کو موقوف کر دیا اور جتنی چیزیں ظلم و ستم سے لی تھیں، سب اہل حقوق کو واپس کیں، غلام اور باندیوں میں سے بہت سے آزاد کیے اور بہت سے فروخت کر کے ان کی قیمت صدقہ کر دی اور موٹا لباس اور جَو کی روٹی اختیار کی، تمام رات نماز پڑھتا، دن کو روزہ رکھتا، حتیٰ کہ بزرگ اور نیک لوگ اُس کے پاس اُس کی زیارت کو آنے لگے اور اتنا مجاہدہ اُس نے شروع کر دیا کہ لوگ اس کو اپنے حال پر رحم کھانے کی اور مشقت میں کمی کرنے کی فرمائش کرتے اور اس کو سمجھاتے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نہایت کریم ہیں، وہ تھوڑی محنت پر بہت زیادہ اَجر عطا فرماتے ہیں، مگر وہ کہتا کہ دوستو! میرا حال مجھی کو معلوم ہے، میں نے اپنے مولیٰ کی رات دن نافرمانیاں کی ہیں، بڑے سخت سخت گناہ کیے ہیں، یہ کہہ کر وہ رونے لگتا

حل لغات: (۱) خاندان۔ (۲) قیدی کی رہائی کا بدلہ۔ (۳) منہ موڑنا۔ (۴) ترجمہ والا۔ (۵) گلے ملنا۔ (۶) ماتم۔ (۷) بیچنا۔

واقعات

اورخوب روتا، اسی حالت میں ننگے پاؤں پیدل حج کو گیا، ایک موٹا کپڑا بدن پر تھا، ایک پیالہ اور ایک تھیلا صرف ساتھ تھا، اسی حالت میں مکہ مکرمہ پہونچا اور حج کے بعد وہیں قیام کرلیا، وہیں انتقال ہوا۔ رَحِمَہُ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً، مکہ کے قیام میں رات کو حطیم[1] میں جا کر خوب روتا اور گڑگڑاتا اور کہتا کہ میرے مولا! میری کتنی خَلْوَتیں[2] ایسی گزر گئیں، جن میں میں نے تیرا خیال بھی نہ کیا، میں نے کتنے بڑے بڑے گناہوں سے تیرا مقابلہ کیا، میرے مولا! میری نیکیاں ساری جاتی رہیں (کہ کچھ بھی نہ کمایا) اور میرے گناہ میرے ساتھ رہ گئے، ہَلاکت ہے میرے لیے اُس دن، جس دن تجھ سے ملاقات ہوگی (یعنی مَرنے کے بعد) میرے لیے ہَلاکت پر ہَلاکت ہے، یعنی بہت زیادہ ہَلاکت ہے اُس دن جس دن میرے اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ آہ! وہ میری رسوائیوں[3] سے بھرے ہوئے ہوں گے، وہ میرے گناہوں سے پُر ہوں گے، بلکہ تیری ناراضی سے مجھ پر ہلاکت اُتر چکی ہے اور تیرا عتاب[4] مجھ پر ہلاکت ہے، جو تیرے ان احسانوں پر ہوگا، جو ہمیشہ تُو نے مجھ پر کیے اور تیری ان نعمتوں پر ہوگا، جن کا ہمیشہ میں نے گناہوں سے مقابلہ کیا اور تو میری ساری حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے آقا! تیرے سوا میرا کون ساٹھکانا ہے، جہاں بھاگ کر چلا جاؤں؟ تیرے سوا کون شخص ایسا ہے جس سے التجا[5] کروں؟ تیرے سوا کون ہے جس پر کسی قسم کا بھروسہ کروں؟ میرے آقا! میں اس قابل ہرگز نہیں ہوں کہ تجھ سے جنت کا سوال کروں۔ البتہ محض تیرے کرم سے تیری عطا سے تیرے فضل سے اس کی تمنا کرتا ہوں کہ تو مجھ پر رحم فرمادے اور میرے گناہ معاف کردے۔ فَإِنَّكَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ۔ [روض]

(۵۹) ہارون الرشید کا ایک بیٹا تھا، جس کی عمر تقریباً سولہ[16] سال کی تھی، وہ بہت کثرت سے زاہدوں[6] اور بزرگوں کی مجلس میں رہا کرتا تھا اور اکثر قبرستان چلا جاتا، وہاں جا کر کہتا کہ تم لوگ ہم سے پہلے دنیا میں تھے، دنیا کے مالک تھے، لیکن اس دنیا نے تمھیں نجات نہ دی، حتیٰ کہ تم قبروں میں پہونچ گئے، کاش مجھے کسی طرح خبر ہوتی کہ تم پر کیا گزر رہی ہے اور تم سے کیا کیا سوال وجواب ہوئے ہیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا:

تَرُوْعُنِيْ الْجَنَائِزُ كُلَّ يَوْمٍ وَيَحْزُنُنِيْ بُكَاءُ النَّائِحَاتِ

"مجھے جنازے ہر دن ڈراتے ہیں اور مرنے والوں پر رونے والیوں کی آوازیں مجھے غمگین رکھتی ہیں"۔

ایک دن وہ اپنے باپ (بادشاہ) کی مجلس میں آیا، اُس کے پاس وُزَراء[7] اُمَرَاء[8] سب جمع تھے اور لڑکے کے بدن پر ایک کپڑا معمولی اور سَر پر ایک لنگی بندھی ہوئی تھی، اَراکینِ[9] سلطنت آپس میں کہنے لگے کہ اس پاگل لڑکے کی حرکتوں نے امیرالمومنین کو بھی دوسرے بادشاہوں کی نگاہ میں ذلیل کردیا، اگر امیرالمومنین

حل لغات: (۱) کعبے کا حصہ۔ (۲) تنہائیاں۔ (۳) ذلتوں۔ (۴) ناراضگی۔ (۵) درخواست۔ (۶) دنیا سے بے رغبت، دنیا سے دل نہ لگانے والے۔ (۷) وزیر کی جمع۔ (۸) امیر کی جمع، حاکم۔ (۹) حکومت کے افراد۔

اُس کو تنبیہ[1] کریں تو شاید یہ اپنی اس حالت سے باز[2] آ جائے، امیر المومنین نے یہ بات سُن کر اس سے کہا کہ بیٹا! تُو نے مجھے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر رکھا ہے، اُس نے یہ بات سُن کر باپ کو تو کوئی جواب نہیں دیا، لیکن ایک پرند وہاں بیٹھا تھا، اُس کو کہا کہ اس ذات کا واسطہ جس نے تجھے پیدا کیا، تُو میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ جا، وہ پرندہ وہاں سے اُڑ کر اُس کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا، پھر کہا: اب اپنی جگہ چلا جا، وہ ہاتھ پر سے اُڑ کر اپنی جگہ چلا گیا، اُس کے بعد اُس نے عرض کیا کہ ابّا جان! اصل میں آپ دنیا سے جو محبت کر رہے ہیں، اُس نے مجھے رسوا کر رکھا ہے، اب میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سے جُدائی اختیار کرلوں، یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ایک قرآن شریف صرف اپنے ساتھ لیا، چلتے ہوئے ماں نے ایک بہت قیمتی انگوٹھی بھی اس کو دے دی (کہ احتیاج[3] کے وقت اُس کو فروخت[4] کر کے کام میں لائے) وہ یہاں سے چل کر بَصرہ پہونچ گیا اور مزدوروں میں کام کرنے لگا، ہفتہ میں صرف ایک دن شنبہ[5] کو مزدوری کرتا اور آٹھ دن تک وہ مزدوری کے پیسے خرچ کرتا اور آٹھویں دن پھر شنبہ کو مزدوری کر لیتا اور ایک درم[6] اور ایک دانق (یعنی درم کا چھٹا حصہ) مزدوری لیتا، اس سے کم یا زیادہ نہ لیتا، ایک دانق روزانہ خرچ کرتا۔ ابو عامر بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری ایک دیوار گر گئی تھی، اُس کو بنوانے کے لیے میں کسی مِعمار[7] کی تلاش میں نکلا (کسی نے بتایا ہوگا کہ یہ شخص بھی تعمیر کا کام کرتا ہے) میں نے دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے، ایک زنبیل[8] پاس رکھی ہے اور قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہے، میں نے اُس سے پوچھا کہ لڑکے مزدوری کرو گے؟ کہنے لگا: کیوں نہیں کریں گے، مزدوری کے لیے تو پیدا ہی ہوئے ہیں، آپ بتائیں کیا خدمت مجھ سے لینی ہے؟ میں نے کہا: گارے مٹی (تعمیر) کا کام لینا ہے، اس نے کہا کہ ایک درم اور ایک دانق مزدوری ہوگی اور نماز کے اوقات میں کام نہیں کروں گا، مجھے نماز کے لیے جانا ہوگا، میں نے اُس کی دونوں شرطیں منظور کر لیں اور اس کو لا کر کام پر لگا دیا، مغرب کے وقت جب میں نے دیکھا، تو اُس نے دس[10] آدمیوں کی بقدر[9] کام کیا، میں نے اس کو مزدوری میں دو دِرم دیے، اس نے شرط سے زائد لینے سے انکار کر دیا اور ایک درم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن میں پھر اُس کی تلاش میں نکلا، وہ مجھے کہیں نہ ملا، میں نے لوگوں سے تحقیق کیا کہ ایسی ایسی صورت کا ایک لڑکا مزدوری کیا کرتا ہے، کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا؟ لوگوں نے بتایا: وہ صرف شنبہ ہی کے دن مزدوری کرتا ہے، اس سے پہلے تمھیں کہیں نہیں ملے گا، مجھے اس کے کام کو دیکھ کر ایسی رغبت ہوئی کہ میں نے آٹھ دن کو اپنی تعمیر بند کر دی اور شنبہ کے دن اُس کی تلاش میں نکلا، وہ اُسی طرح بیٹھا قرآن شریف

حل لغات: (۱) ڈانٹیں۔ (۲) رک جائے۔ (۳) ضرورت۔ (۴) بیچنا۔ (۵) سنیچر۔ (۶) چاندی کا سکہ۔ (۷) مستری۔ (۸) تھیلی۔ (۹) برابر۔

واقعات

پڑھتا ہوا ملا، میں نے سلام کیا اور مزدوری کرنے کو پوچھا، اُس نے وہی پہلی دو شرطیں بیان کیں، میں نے منظور کرلیں، وہ میرے ساتھ آ کر کام میں لگ گیا، مجھے اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ پچھلے شنبہ کو اس اَکیلے نے دس آدمیوں کا کام کس طرح کرلیا، اس لیے اس مرتبہ میں نے ایسی طرح چھُپ کر وہ مجھے نہ دیکھے، اس کے کام کرنے کا طریقہ دیکھا، تو یہ منظر دیکھا کہ وہ ہاتھ میں گارا لے کر دیوار پر ڈالتا ہے اور پتھر اپنے آپ ہی ایک دوسرے کے ساتھ جُڑتے چلے جاتے ہیں، مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی اللہ کا وَلی ہے اور اللہ کے اَولیاء کے کاموں کی غیب سے مدد ہوتی ہی ہے، جب شام ہوئی تو میں نے اس کو تین درم دینا چاہے، اُس نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اتنے درم کیا کروں گا اور ایک درم اور ایک دانق لے کر چلا گیا، میں نے ایک ہفتہ پھر انتظار کیا اور تیسرے شنبہ کو پھر میں اُس کی تلاش میں نکلا؛ مگر وہ مجھے نہ ملا، میں نے لوگوں سے تحقیق کیا، ایک شخص نے بتایا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے، فلاں ویرانہ[1] جنگل میں پڑا ہے، میں نے ایک شخص کو اُجرت[2] دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ مجھے اس جنگل میں پہونچا دے، وہ مجھے ساتھ لے کر اُس جنگل ویران میں پہونچا، تو میں نے دیکھا کہ وہ بیہوش پڑا ہے، آدھی اینٹ کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھا ہوا ہے، میں نے اُس کو سلام کیا، اُس نے جواب نہ دیا، میں نے دوسری مرتبہ سلام کیا، تو اُس نے (آنکھ کھولی اور) مجھے پہچان لیا، میں نے جلدی سے اُس کا سَر اِینٹ پر سے اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا، اُس نے سَر ہٹا لیا اور چند شعر پڑھے جن میں سے دو یہ ہیں:

يَاصَاحِبِيْ لَاتَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمِ — فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ

وَإِذَا حَمَلْتَ عَلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً — فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

''میرے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ میں نہ پڑ، عمر ختم ہوتی جا رہی ہے اور یہ نعمتیں سب ختم ہو جائیں گی، جب تو کوئی جنازہ لے کر قبرستان میں جائے تو یہ سوچتا رہا کر کہ تیرا بھی ایک دن اسی طرح جنازہ اُٹھایا جائے گا۔''

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ ابو عامر جب میری روح نکل جائے تو مجھے نہلا کر میرے اسی کپڑے میں مجھے کفن دے دینا، میں نے کہا: میرے محبوب! اس میں کیا حرج ہے کہ میں تیرے کفن کے لیے نئے کپڑے لے آؤں، اُس نے جواب دیا کہ نئے کپڑوں کے لیے زندہ لوگ زیادہ مستحق[3] ہیں (یہ جواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب ہے، انھوں نے بھی اپنے وصال[4] کے وقت یہی فرمائش کی تھی کہ میری ان ہی چادروں میں کفن دے دینا اور جب اُن سے نئے کپڑے کی اجازت چاہی گئی تو انھوں نے یہی جواب دیا تھا) لڑکے نے کہا: کفن تو (پُرانا ہو یا نیا بہر حال) بوسیدہ[5] ہو جائے گا،

حل لغات: (۱) پُرانا۔ (۲) مزدوری۔ (۳) حق دار۔ (۴) موت۔ (۵) گلنا سڑنا، پُرانا۔

آدمی کے ساتھ تو صرف اُس کا عمل ہی رہتا ہے اور یہ میری لنگی اور لوٹا قبر کھودنے والے کو مزدوری میں دے دینا اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف ہارون رشید تک پہونچا دینا اور اس کا خیال رکھنا کہ خود ان ہی کے ہاتھ میں دینا اور یہ کہہ کر دینا کہ ایک پردیسی لڑکے کی یہ میرے پاس امانت ہے اور آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اِسی غفلت اور دھوکہ کی حالت میں آپ کی موت آجائے، یہ کہہ کر اُس کی روح نکل گئی، اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا شہزادہ تھا، اس کے انتقال کے بعد اس کی وصیت کے موافق میں نے اس کو دفن کر دیا اور دونوں چیزیں گورکن[1] کو دے دیں اور قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر بغداد پہونچا اور قصرِ شاہی[2] کے قریب پہونچا تو بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی، میں ایک اونچی جگہ کھڑا ہو گیا، اوّل ایک بہت بڑا لشکر نکلا، جس میں تقریباً ایک ہزار گھوڑے سوار تھے، اس کے بعد اسی طرح یکے بعد دیگرے[3] دس لشکر نکلے، ہر ایک میں تقریباً ایک ہزار سوار تھے، دسویں جتھے[4] میں خود امیر المومنین بھی تھے، میں نے زور سے آواز دے کر کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کو حضور اقدس ﷺ کی قرابت[5] رشتہ داری کا واسطہ، ذرا سا توقف[6] کر لیجیے، میری آواز پر انھوں نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا کہ میرے پاس ایک پردیسی لڑکے کی یہ امانت ہے، جس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ تک پہونچا دوں۔ بادشاہ نے ان کو دیکھ کر (پہچان لیا) تھوڑی دیر سَر جھکایا، اُن کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور ایک دربان[7] سے کہا کہ اس آدمی کو اپنے ساتھ رکھو جب میں واپسی پر بلاؤں تو میرے پاس پہونچا دینا، جب وہ باہر سے واپسی پر مکان پر پہونچے تو محل کے پردے گروا کر دربان سے فرمایا: اُس شخص کو بُلا کر لاؤ، اگرچہ وہ میرا غم تازہ ہی کرے گا۔ دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے بلایا ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ امیر پر صدمہ کا بہت اثر ہے، اگر تم دس باتیں کرنا چاہتے ہو تو پانچ ہی پر اکتفا کرنا، یہ کہہ کر وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا، اُس وقت امیر بالکل تنہا بیٹھے تھے کہ مجھ سے فرمایا کہ میرے قریب آجاؤ، میں قریب جا کر بیٹھ گیا، کہنے لگے کہ تم میرے اس بیٹے کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! میں اُن کو جانتا ہوں۔ کہنے لگے: وہ کیا کام کرتا تھا؟ میں نے کہا: گارے مٹی کی مزدوری کرتے تھے۔ کہنے لگے: تم نے بھی مزدوری پر کوئی کام اُس سے کرایا ہے؟ میں نے کہا: کرایا ہے۔ کہنے لگے: تمھیں اس کا خیال نہ آیا کہ اُس کی حضور اقدس ﷺ سے قرابت تھی (کہ یہ حضرات حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں)؟ میں نے کہا: امیر المومنین پہلے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے معذرت چاہتا ہوں، اُس کے بعد آپ سے عُذر خواہ[8] ہوں، مجھے اُس وقت اس کا علم ہی نہ تھا کہ یہ کون ہیں؟ مجھے

حل لغات: (۱) قبر کھودنے والا۔ (۲) بادشاہ کا محل۔ (۳) ایک بعد ایک۔ (۴) لشکر۔ (۵) تعلق۔ (۶) ٹھہر جائیے۔ (۷) چوکیدار۔ (۸) معافی چاہتا۔

واقعات

ان کے انتقال کے وقت ان کا حال معلوم ہوا۔ کہنے لگے کہ تم نے اپنے ہاتھ سے اُس کو غسل دیا۔ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ کہنے لگے: اپنا ہاتھ لاؤ۔ میرا ہاتھ لے کر اپنے سینہ پر رکھ دیا اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: اے وہ مسافر! جس پر میرا دل پگھل رہا ہے اور میری آنکھیں اُس پر آنسو بہا رہی ہیں۔ اے وہ شخص جس کا مکان (قبر) دور ہے؛ لیکن اس کا غم میرے قریب ہے۔ بے شک موت ہر اچھے سے اچھے عیش[1] کو مکدّر[2] کر دیتی ہے، وہ مسافر ایک چاند کا ٹکڑا تھا (یعنی اس کا چہرہ) جو خالص چاندی کی ٹہنی پر تھا (یعنی اُس کے بدن پر) پس چاند کا ٹکڑا ابھی قبر میں پہونچ گیا اور چاندی کی ٹہنی بھی قبر میں پہونچ گئی۔

اس کے بعد ہارون رشید نے بصرہ اس کی قبر پر جانے کا ارادہ کیا، ابو عامر رحمۃ اللہ علیہ ساتھ تھے، اس کی قبر پر پہونچ کر ہارون رشید نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: اے وہ مسافر جو اپنے سفر سے کبھی بھی نہ لوٹے گا۔ موت نے کم عمری کے ہی زمانہ میں اس کو جلدی سے اُچک[3] لیا۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو میرے لیے اُنس[4] اور دل کا چین تھا۔ لانبی راتوں میں بھی اور مختصر راتوں میں بھی تو نے موت کا وہ پیالہ پیا ہے جس کو عنقریب[5] تیرا بوڑھا باپ بڑھاپے کی حالت میں پیے گا، بلکہ دنیا کا ہر آدمی اُس کو پیے گا، چاہے وہ جنگل کا رہنے والا ہو یا شہر کا رہنے والا ہو۔ پس سب تعریفیں اُسی وحدہٗ لاشریک[6] لہٗ کے لیے ہیں جس کی لکھی ہوئی تقدیر کے یہ کرشمے ہیں۔ ابو عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو رات آئی تو جب میں اپنے وظائف[7] پورے کر کے لیٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں ایک نور کا قُبہ دیکھا، جس کے اوپر اَبر[8] کی طرح نور ہی نور پھیل رہا ہے، اُس نور کے اَبر میں سے اُس لڑکے نے مجھے آواز دے کر کہا: ابو عامر تمھیں حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے (تم نے میری تجہیز[9] و تکفین[10] کی اور میری وصیت پوری کی) میں نے اُس سے پوچھا کہ میرے پیارے! تیرا کیا حال گزرا؟ کہنے لگا کہ میں ایسے مولیٰ کی طرف پہونچا ہوں جو بہت کریم ہے اور مجھ سے بہت راضی ہے، مجھے اس مالک نے وہ چیزیں عطا کیں، جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سُنی، نہ کسی آدمی کے دل پر اُن کا خیال گزرا۔ (یہ ایک مشہور حدیث پاک کا مضمون ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جَلَّ جلالہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کان نے سنیں، نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن لوگوں کے لیے جن کے پہلو[11] رات کو خواب گاہوں[12] سے دور رہتے ہیں (یعنی تہجد گزاروں کے لیے) وہ

حل لغات: (۱) مزے۔ (۲) بگاڑ۔ (۳) چھین۔ (۴) رغبت، محبت۔ (۵) جلد ہی۔ (۶) تنہا جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ (۷) ذکر وغیرہ۔ (۸) بادل۔ (۹) میت کو نہلانا۔ (۱۰) کفن دینا۔ (۱۱) بازو۔ (۱۲) سونے کی جگہ، بستر۔

چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، نہ کسی آدمی کے دل پر اُن کا خیال گزرا، نہ اُن کو کوئی مقرب[1] فرشتہ جانتا ہے، نہ کوئی نبی رسول جانتا ہے اور یہ مضمون قرآن پاک میں بھی ہے: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ [سورۂ سجدہ:۱۷] ''کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ [درمنثور]

اس کے بعد اُس لڑکے نے کہا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جو بھی دنیا سے اس طرح نکل آئے جیسا میں نکل آیا، اُس کے لیے یہی اعزاز و اکرام ہیں جو میرے لیے ہوئے۔

صاحبِ روض کہتے ہیں کہ یہ سارا قصہ مجھے اور طریقہ سے بھی پہونچا ہے، اُس میں یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے ہارون رشید سے اس لڑکے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بادشاہ ہونے سے پہلے یہ لڑکا پیدا ہوا تھا، بہت اچھی تربیت پائی تھی، قرآن پاک بھی پڑھا تھا اور علوم[2] بھی پڑھے تھے، جب میں بادشاہ بن گیا تو یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا، میری دنیا سے اُس نے کوئی راحت نہ اُٹھائی، چلتے وقت میں نے ہی اس کی ماں سے کہا تھا کہ اُس کو یہ انگوٹھی دے دے، اس انگوٹھی کا یاقوت بہت زیادہ قیمتی تھا؛ مگر یہ اس کو بھی کام میں نہ لایا، مَرتے وقت واپس کر گیا، یہ لڑکا اپنی والدہ کا بڑا فرماں بردار تھا۔ [روض]

جس باپ کی دنیاداری سے یہ صاحب زادہ رنجیدہ[3] ہو کر گیا ہے، یعنی ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ بہت نیک دل بادشاہوں میں ان کا شمار[4] ہے، دولت اور ثَروت[5] کے ساتھ لغزشیں[6] تو ہو ہی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے دینی کارنامے تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں، بادشاہت کے زمانہ میں سَو رکعت نفل روزانہ پڑھنے کا معمول[7] مَرتے وقت تک رہا اور اپنے ذاتی مال سے ایک ہزار درہم[8] روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے، ایک سال حج کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت کرتے، جس سال خود حج کو جاتے اپنے ساتھ سَو۱۰۰ علماء کو مع اُن کے بیٹوں کے حج کو لے کر جاتے اور جس سال خود حج نہ کرتے تین سَو۳۰۰ آدمیوں کو اُن کے پورے خرچ اور سامان لباس وغیرہ کے ساتھ حج کو بھیجا کرتے، جن کو خرچ بھی بہت وسعت سے دیا جاتا اور لباس بھی عمدہ دیا جاتا، ویسے بھی عطایا[9] کی بہت کثرت اُن کے یہاں تھی، سوال کرنے والوں کے لیے بھی اور بغیر سوال کے ابتداءً بھی، علماء کا ان کی مجلس میں بہت اعزاز[10] تھا اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ابو معاویہ ضریر رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث[11] نابینا[12] نے ایک مرتبہ اُن کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے کے بعد خود ہارون رشید نے اُن کے ہاتھ دُھلائے اور یہ کہا کہ علم کے اعزاز میں میں نے دُھلائے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور

حل لغات: (۱) قریبی۔ (۲) علم کی جمع۔ (۳) غمگین۔ (۴) گننا، گنتی۔ (۵) مالداری۔ (۶) غلطی۔ (۷) عمل۔ (۸) چاندی کا سکہ۔ (۹) تحفوں۔ (۱۰) عزت۔ (۱۱) عالمِ حدیث۔ (۱۲) اندھے۔

واقعات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مناظرہ[1] کا ذکر تھا، بیان کی۔ ایک شخص نے کہہ دیا کہ ان دونوں حضرات کی ملاقات کہاں ہوئی تو بادشاہ کو غصہ آ گیا اور کہا میری تلوار لاؤ، زِندیق[2] بددین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ نصیحت کی باتوں پر بہت کثرت سے رونے والے تھے۔ [تاریخ بغداد للخطیب]

(٦٠) ایک مرتبہ ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ حج کو جارہے تھے، راستہ میں کوفہ میں چندروز قیام کیا، جب وہاں سے روانگی کا وقت ہوا تو لوگ بادشاہ کی سواری کی سیر[3] کے شوق میں شہر سے باہر بہت سے جمع ہو گئے، بہلول مجنون بھی پہونچ گئے اور راستہ میں ایک کوڑی[4] پر بیٹھ گئے، بچے ان کو ہر وقت ستایا ہی کرتے تھے، ڈَھیلے[5] مارتے، مذاق کرتے، وہ حسبِ دستور ان کے گرد جمع ہو گئے، جب بادشاہ کی سواری قریب آئی تو بچے تو سب اِدھر اُدھر ہو گئے، انھوں نے زور سے آواز دے کر کہا: اے امیر المومنین! اے امیر المومنین! ہارون رشید نے سواری کا پردہ اُٹھایا اور کہنے لگے: لبّیک یا بہلول، لبّیک یا بہلول، بہلول میں حاضر ہوں، بہلول میں حاضر ہوں، کہو کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: مجھ سے اَیمن نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جارہے تھے تو میں نے مِنیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹ پر سوار دیکھا جس پر معمولی کجاوا[6] تھا، نہ لوگوں کو سامنے سے ہٹانا تھا، نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔ امیر المومنین! تیرا بھی اس سفر میں تواضع[7] سے چلنا تکبر سے چلنے سے بہتر ہے۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ یہ سُن کر رونے لگے، پھر کہا: بہلول! کچھ اور نصیحت کرو، اللہ تعالیٰ شانُہٗ تم پر رحم کرے۔ بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سُن کر دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ مان لے، تسلیم کر لے کہ تُو ساری دنیا کا بادشاہ بن گیا اور ساری دنیا کی مخلوق تیری مطیع[8] ہو گئی، پھر کیا ہوا کل کو تو بہر حال تیرا ٹھکانا قبر کا گڑھا ہے، ایک اِدھر سے مٹی ڈال رہا ہوگا ایک اُدھر سے مٹی ڈالتا ہوگا، اس پر ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ پھر بہت روئے اور کہنے لگے: بہلول تم نے بہت اچھی بات کہی کچھ اور کہو: بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امیر المومنین! جس شخص کو حق تعالیٰ شانُہٗ مال اور جمال[9] عطا کرے اور اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے اور اپنے جمال کو گناہوں سے محفوظ رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے دیوان[10] میں نیک لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تم نے بہت اچھی بات کہی، اس کا صِلہ (انعام) ملنا چاہیے۔ بہلول نے کہا کہ انعام کا روپیہ ان لوگوں کو واپس کر، جن سے (ٹیکس وغیرہ کے طور پر) لے رکھا ہے، مجھے تیرے انعام کی ضرورت نہیں۔ ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر تمہارے ذمّہ کسی کا قرض ہو تو میں اُس کو ادا کر دوں۔ بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امیر المومنین! قرض سے قرض ادا نہیں کیا جاتا (یعنی یہ

حل لغات: (١) زبانی مقابلہ۔ (٢) بددین، دین سے ہٹا ہوا۔ (٣) دیکھنا، گھومنا۔ (٤) کچرے کا ڈھیر۔ (٥) پتھر۔ (٦) اونٹ پر باندھی جانے والی ڈولی۔ (٧) انکساری۔ (٨) فرمانبردار۔ (٩) خوبصورتی۔ (١٠) دربار۔

روپیہ جو تیرے پاس ہے، یہ خود دوسروں کا حق ہے، جو تیرے ذمہ ان کا قرض ہے) حق والوں کا حق واپس کرو، پہلے اپنا قرضہ ادا کرو، پھر دوسروں کے قرضہ کو پوچھنا۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تمہارے لیے کوئی وظیفہ[1] مقرر کر دیں، جس سے تمہارے کھانے کا انتظام ہو جائے، بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں اور تم دونوں اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، یہ محال[2] ہے کہ وہ تمہاری روزی کا تو فکر رکھے اور میری روزی کا فکر نہ فرمائے۔ اس کے بعد ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے سواری کا پردہ گرایا اور آگے چل دیے۔ [روض]

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مشہور بات ہے کہ نصیحت کے سننے پر بہت کثرت سے رویا کرتے تھے، ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے تو سَعدُون مجنون راستہ میں سامنے آ گئے اور چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہی تھا کہ مان لو تم ساری دنیا کے بادشاہ بن گئے ہو؛ لیکن کیا آخر موت نہ آئے گی؟ دنیا کو اپنے دشمنوں کے لیے چھوڑ دو، جو دنیا آج تمھیں خوب ہنسا رہی ہے، یہ کل کو تمھیں خوب رُلائے گی۔

یہ اشعار سُن کر ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور اتنے طویل وقت تک بے ہوشی رہی کہ تین نمازیں قضا ہو گئیں۔ [روض]

ان کی انگوٹھی کی مُہر تھی (اَلْعَظَمَةُ وَالْقُدْرَةُ لِلّٰهِ) ہر قسم کی بڑائی اور ہر نوع[3] کی قدرت صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کے لیے۔ یہ مضمون گویا ہر وقت نگاہ کے سامنے رہتا تھا۔

(۶۱) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کے جنگل میں جا رہا تھا، میں نے حضرت سَعدُون رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، جو سَعدُون مجنون کے نام سے مشہور تھے، میں نے اُن سے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگے: ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح شام ہر وقت ایک طویل سفر کے لیے تیار بیٹھا ہو اور سفر کے لیے توشہ[4] کسی قسم کا بھی ساتھ نہ ہو، نہ کوئی سفر کا سامان، سواری وغیرہ اس کے پاس ہو اور اس کو ایسے مولا کے پاس جانا ہو، جو نہایت عادل، بڑا کریم ہے اور وہ لوگوں کے درمیان اس وقت فیصلہ کر دے گا، یہ کہہ کر وہ بہت زیادہ رونے لگے۔ میں نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ میں نہ تو دنیا کے چھوٹنے پر رو رہا ہوں، نہ موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں، بلکہ اپنی عمر کے اس دن پر رو رہا ہوں، جو کسی نیک عمل سے خالی رہ گیا ہو، خدا کی قسم! مجھے اپنے سامان سفر کی کمی رُلا رہی ہے، سفر بہت طویل[5] اور بڑی مَشَقَّت[6] کا ہے، بہت سی گھاٹیاں، اس سفر میں پیش آتی ہیں اور میرے پاس سفر کا کوئی بھی سامان موجود نہیں ہے اور اس سفر کے سب مصائب برداشت کرنے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں کہ جنت میں

حل لغات: (۱) ماہانہ خرچ۔ (۲) ناممکن۔ (۳) قسم۔ (۴) سفر کا کھانا۔ (۵) لمبا۔ (۶) مشکل۔

واقعات

جاؤں گا یا جہنم میں ڈال دیا جاؤں گا، میں نے اُن سے یہ حکمت کی باتیں سُن کر کہا کہ لوگ آپ کو مجنون کہتے ہیں، آپ تو بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ تم بھی دنیا داروں کے کہنے سے دھوکہ میں پڑ گئے، مجھے جنون نہیں ہے، میرے آقا کی محبت میرے دل میں میرے جگر میں میرے گوشت پوست میں میری ہڈیوں میں گھس گئی ہے، اُس کے عشق میں میں حیران و پریشان رہتا ہوں (اس کی وجہ سے دنیا کے پاگل مجھے مجنون کہتے ہیں)، میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں سے بھاگتے ہیں، (جنگل میں پڑے رہتے ہیں) اس پر انھوں نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمیوں سے ہمیشہ دور رہ اور اللہ جلَّ شانُہٗ کی ہم نشینی[1] ہر وقت اختیار کر، تو آدمیوں کا جس حالت میں دل چاہے تجربہ کر لے تو ہر حالت میں ان کو بچھو پائے گا کہ تکلیف پہونچانے کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہوگا۔ [روض]

(۶۲) حضرت عبدالواحد بن زید رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ جو مشائخ چشتیہ[2] میں مشہور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ میں تین رات تک مسلسل یہ دعا کرتا رہا کہ یا اللہ! جنت میں جو میرا رفیق[3] ہو، اُس کی مجھے دنیا میں ملاقات کرا دے، تین دن کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تیری ساتھی میمونہ سودا (جو ایک حبشی عورت تھیں، اتنی کالی کہ اُن کا لقب ہی سودا ہو گیا تھا) میں نے پوچھا کہ وہ کہاں ملیں گی؟ مجھے بتایا گیا کہ کوفہ کے فلاں قبیلہ میں ہیں، میں ان سے ملنے چل دیا، کوفہ پہونچ کر میں نے ان کا حال دریافت[4] کیا، مجھے بتایا گیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتی ہیں، فلاں جنگل میں ہیں، میں اُس جنگل میں پہونچا وہ ایک گُدڑی اوڑھے نماز پڑھ رہی تھیں، اُن کے قریب ہی بکریاں اور بھیڑیے اِکٹھے چر رہے تھے، جب میں پہونچا، تو انہوں نے اپنی نماز مختصر کر کے سلام پھیرا اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگیں: عبدالواحد آج نہیں، آج تو چلے جاؤ، ملاقات کا وعدہ کل کو (قیامت میں) ہے۔ میں نے اُن سے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں عبدالواحد ہوں؟ کہنے لگیں: تمھیں معلوم نہیں کہ روحیں (اَزَل[5] میں) سب ایک لشکر کی طرح مجتمع[6] تھیں، جن کا وہاں آپس میں تعارف ہو گیا، ان کا یہاں بھی تعارف ہو جاتا ہے (یہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے جو مشہور حدیث ہے) میں نے اُن سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجیے، کہنے لگیں: بڑی تعجب کی بات ہے، جو خود واعظ[7] ہو، وہ دوسرے سے نصیحت کی درخواست کرے (تم تو خود ہی بڑے واعظ ہو) اس کے بعد انھوں نے کہا: مجھے بزرگوں سے یہ بات پہونچی ہے کہ جس بندہ کو حق تعالیٰ شانُہٗ دنیا کی کوئی نعمت (مال و دولت وغیرہ) عطا فرمائے اور وہ شخص پھر بھی اُسی کی طلب میں لگا رہے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس شخص سے اپنے ساتھ تنہائی کی محبت زائل[8] کر دیتے ہیں اور اپنے سے قُرب کی

حل لغات: (۱) ساتھ ساتھ رہنا۔ (۲) چشتی سلسلہ کے بزرگ۔ (۳) ساتھی۔ (۴) معلوم۔ (۵) دنیا کے وجود سے پہلے۔ (۶) جمع۔ (۷) نصیحت کرنے والا۔ (۸) ختم۔

بجائے اپنے سے بُعد[1] اُس پر مُسلّط[2] کردیتے ہیں اور اپنے ساتھ اُنس[3] کے بجائے اپنے سے وحشت[4] اُس پر سوار کردیتے ہیں، اس کے بعد انھوں نے پانچ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے واعظ! تُو لوگوں کو وعظ، نصیحت اور تنبیہ کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تُو لوگوں کو گناہ سے روکتا ہے، حالاں کہ تُو خود ان گناہوں کا بیمار ہے، اُن میں مبتلا ہے، اگر تُو دوسروں کو نصیحت سے پہلے اپنی اصلاح کرلیتا، اپنے گناہوں سے توبہ کرلیتا تو تیرے کہنے کا ان کے دلوں پر اَثر پڑتا؛ لیکن جب تُو ایسی حالت میں دوسروں کو منع کرتا ہے کہ تو خود ان میں مبتلا ہے، تو تُو اپنے اس منع کرنے میں خود شک میں ہے (اور جس کو خود کسی بات میں تردّد ہو، وہ دوسرے کو زور سے کیا کہہ سکتا ہے) میں نے پوچھا کہ تمھاری بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ ہی چر رہی ہیں، بھیڑیئے ان کو کچھ کہتے نہیں؟ کہنے لگیں کہ جا اپنا کام کر، میں نے اپنے سردار سے صلح کرلی، اُس نے میری بکریوں اور بھیڑیوں میں صلح کردی۔ [روض]

یہ عجیب بات میں نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہمیشہ دیکھی کہ اُن کے مکان میں کئی کئی بِلّیاں اور مرغیاں تمام دن مکان میں اِکٹھی پھرتی رہتیں، پڑی گری چیز کھاتی رہتیں، نہ وہ مرغیاں بِلّیوں سے بھاگتیں، نہ وہ بِلّیاں مرغیوں کو کچھ کہتیں۔

---

(۶۳) حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بصرہ کے جنگل میں جا رہا تھا، میں نے جنگل کے لوگوں کے چند خیمے دیکھے، جن کی کھیتی وہاں تھی، ان خیموں میں سے ایک خیمہ میں ایک مجنونہ[5] لڑکی تھی، میں نے اس کو سلام کیا، اُس نے میرے سلام کا جواب نہ دیا (ممکن ہے کہ اُس نے سلام نہ سنا ہو یا انھوں نے جواب نہ سنا ہو یا کسی ایسی حالت میں ہو کہ اُس وقت سلام کا جواب ساقط[6] ہوجاتا ہے کہ بہت سی جگہ سلام کا جواب ساقط ہوجاتا ہے) اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ زاہد اور عابد فلاح[7] کو پہونچ گئے، جنھوں نے اپنے مولیٰ کی رضا کے لیے اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھا، انھوں نے راتوں کو اپنی آنکھوں کو جگایا، ان کی ساری رات ایسی حالت میں گزرتی ہے کہ وہ مشاہدہ[8] کرتے رہتے ہیں، ان کو حق تعالیٰ شانُہٗ کی محبت نے ایسا حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ دنیا داران کو مجنون سمجھتے ہیں، حالاں کہ زمانہ کے سب سے زیادہ عقل مند لوگ یہی حضرات ہیں، لیکن ان کو ان کے احوال[9] نے بے چین کر رکھا ہے، عتبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس مجنونہ کے قریب گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ کھیتی کس کی ہے؟ کہنے لگی: اگر صحیح سالم رہی تو ہماری ہے۔

میں اس کے بعد دوسرے خیموں کی سیر کرتا رہا، اتنے میں بڑے زور کی بارش شروع ہوگئی اور

حل لغات: (۱) دوری۔ (۲) سوار۔ (۳) میل جول۔ (۴) گھبراہٹ۔ (۵) پاگل۔ (۶) گرجانا۔ (۷) کامیابی۔ (۸) دیکھتے۔ (۹) حالات۔

واقعات

آسمان سے ایسا مُوسلا دھار پانی پڑا، گویا مشکوں کا منہ کھل گیا ہے، میں نے سوچا کہ اس مجنونہ کو دیکھوں، وہ اس بارش کے متعلق کیا کہتی ہے؟ (اس میں تو ساری کھیتیاں برباد ہوگئیں) میں نے جا کر دیکھا کہ اس کی کھیتی بالکل پانی میں ڈوب گئی اور وہ کھڑی ہوئی کہہ رہی ہے، قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے اپنی خالص محبت کا کچھ حصہ میرے دل میں رکھ دیا ہے، میرا دل تجھ سے راضی رہنے میں بالکل پُختہ[1] ہے، پھر وہ میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی: دیکھو جی، اُسی نے تو یہ کھیتی جمائی، اُسی نے اگائی، اُسی نے اِس کو سیدھا کھڑا کیا، اُسی نے اس میں بالیں لگائیں، اُسی نے ان بالوں میں غلّہ پیدا کیا، اُسی نے بارش برسا کر اس کی پرورش کی، اُسی نے اس کی ضائع[2] ہونے سے حفاظت کی اور جب اس کے کاٹنے کا وقت بالکل قریب آ گیا، تو اُسی نے اُس کو ضائع کر دیا، پھر اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ یہ ساری مخلوق تیرے ہی بندے ہیں اور ان سب کی روزی تیرے ہی ذمہ ہے، تُو جو چاہے کر تجھے اختیار ہے، میں نے اُس سے کہا کہ اس کھیتی کے برباد ہو جانے پر تجھے کس طرح صبر آ گیا، کہنے لگی: عُتبہ چپ رہو، میرا مالک بڑا غَنی ہے، بڑا قابلِ تعریف ہے، اُس کی طرف سے ہمیشہ نئی روزی ملتی رہی، تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہیں، جو میرے ساتھ میری خواہش سے بہت زیادہ انعام فرماتا رہا۔ عُتبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے جب بھی اس کی حالت اور اُس کی باتیں یاد آتی ہیں، بے اختیار رونا آ جاتا ہے۔ [روض]

(۶۴) حضرت ابوالربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گاؤں میں ایک نیک عورت کی شہرت[3] سُنی، جس کا نام فِضّہ تھا، میری عادت کسی عورت سے ملنے کی نہ تھی، مگر اس کے احوال میں نے ایسے سُنے کہ مجھے اُس کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہوئی، میں اس گاؤں میں گیا اور اس کی تحقیق کی، تو مجھے لوگوں نے بتایا کہ اس کے یہاں ایک بکری ہے، جس کے تھنوں سے دودھ اور شہد دونوں نکلتے ہیں، مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا، میں نے ایک نیا پیالہ خریدا اور اس کے گھر جا کر میں نے کہا کہ تمہاری بکری کے متعلق میں نے یہ شہرت سُنی ہے کہ وہ دودھ اور شہد دیتی ہے، میں بھی اُس کی برکت دیکھنا چاہتا ہوں، اُس نے وہ بکری میرے حوالہ کر دی، میں نے اُس کا دودھ نکالا تو واقعی اس میں سے دودھ اور شہد نکلا ہم نے اس کو پیا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے تمہارے پاس آئی؟ کہنے لگی: اس کا قصہ یہ ہے کہ ہم غریب آدمی ہیں ایک بکری کے سوا ہمارے پاس کچھ نہ تھا، اسی پر ہمارا گزر تھا، اتفاق سے بقرعید آ گئی، میرے خاوند[4] نے کہا کہ ہمارے پاس کچھ اور تو ہے نہیں یہ بکری ہمارے پاس ہے، لاؤ اسی کی قربانی کر لیں، میں نے کہا کہ ہمارے پاس گزر کے لیے اس کے سوا تو کوئی چیز نہیں ہے، ایسی حالت میں قربانی کا حکم تو ہے نہیں، پھر کیا ضرور ہے کہ قربانی کریں، خاوند نے یہ بات مان لی اور قربانی مُلتوِی[5]

حل لغات: (۱) پکا۔ (۲) برباد۔ (۳) چرچا۔ (۴) شوہر۔ (۵) روکنا۔

واقعات

کردی، اس کے بعد اتفاق سے اُسی دن ہمارے یہاں ایک مہمان آ گیا تو میں نے خاوند سے کہا کہ مہمان کے اِکرام کا تو حکم ہے اور کوئی چیز تو ہے نہیں، اس بکری ہی کو ذبح کرلو، وہ اس بکری کو ذبح کرنے لگا، مجھے یہ خیال ہوا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے اس بکری کو ذبح ہوتے دیکھ کر رونے لگیں گے، اس لیے میں نے کہا کہ باہر لے جا کر دیوار کی آڑ میں ذبح کرلو، بچے نہ دیکھیں، وہ باہر لے گئے اور جب اس پر چھُری چلائی تو یہ بکری ہماری دیوار کے اوپر کھڑی تھی اور وہاں سے خود اُتر کر مکان کے صحن میں آ گئی، مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ بکری خاوند کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، میں اس کو دیکھنے باہر گئی تو خاوند اس بکری کی کھال کھینچ رہے تھے، میں نے اُن سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی ہی بکری گھر میں آ گئی، اُس کا قصہ میں نے سنایا، خاوند کہنے لگے: کیا بعید ہے؟ کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کا بدل ہمیں عطا فرمایا ہو، یہ وہ بکری ہے جو دودھ اور شہد دیتی ہے، یہ سب کچھ محض مہمان کے اِکرام کی وجہ سے ہے، پھر وہ عورت کہنے لگی کہ اے میرے بچو! یہ بکری دِلوں میں چرتی ہے، اگر تمہارے دل نیک رہیں گے تو اس کا دودھ بھی اچھا رہے گا اور اگر تمہارے دلوں میں کھوٹ آ گیا تو اس کا دودھ بھی خراب ہو جائے گا، اپنے دلوں کو اچھا رکھو ہر چیز تمہارے لیے اچھی بن جائے گی۔ [روض]

(۶۵) حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا، راستہ میں چند لڑکے اَخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا، مجھے یہ خیال ہوا کہ اس لڑکے کے پاس بادام اور اَخروٹ نہیں ہیں، ان کی وجہ سے رو رہا ہے، میں نے اس کو کہا بیٹا تجھے میں اَخروٹ، بادام خرید دوں گا، تُو بھی ان سے کھیلنا، اس نے میری طرف نگاہ اُٹھا کر کہا: ارے بیوقوف! کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں؟ میں نے پوچھا: پھر کس کام کے واسطے پیدا ہوئے ہو؟ کہنے لگا کہ علم حاصل کرنے کے واسطے اور عبادت کرنے کے واسطے۔ میں نے کہا: اللہ جَلَّ شانُہٗ تیری عمر میں برکت کرے، تُو نے یہ بات کہاں سے معلوم کی؟ کہنے لگا: حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ﴾ [سورۂ مؤمنون:۱۱۵] ''کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے؟'' میں نے کہا: بیٹا! تُو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے، مجھے کچھ نصیحت کر، اُس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ہر وقت چل چلاؤ میں ہے (آج یہ گیا کل وہ گیا) ہر وقت چلنے کے لیے دامن اُٹھائے قدم اور پنڈلی پر (دوڑنے کے لیے تیار رہتی ہے) پس نہ تو دنیا کسی زندہ کے لیے باقی رہتی ہے، نہ کوئی زندہ دنیا کے لیے باقی رہتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ موت اور حوادث[۲] دو گھوڑے ہیں، جو تیزی سے آدمی کی طرف

حل لغات: (۱) صِرف۔ (۲) حادثات۔

واقعات

دوڑے چلے آرہے ہیں، پس او بیوقوف جو دنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے ذرا غور کر اور دنیا سے اپنے لیے کوئی (آخرت میں کام آنے والی) اعتماد[1] کی چیز لے لے"۔

یہ شعر پڑھ کر اُس لڑکے نے آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور آنسوؤں کی لڑی اس کے رُخساروں پر جاری تھی اور یہ دو شعر پڑھے۔

يَامَنْ عَلَيْهِ الْمُتَّكَلُ　　يَامَنْ إِلَيْهِ الْمُبْتَهَلُ

يَرْجُوْهُ لَمْ يَخْطِ الْأَمَلُ　　يَامَنْ إِذَا مَا آمِلٌ

جن کا ترجمہ یہ ہے: اے وہ پاک ذات کہ اُسی کی طرف عاجزی کی جاتی ہے اور اُسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اے وہ پاک ذات کہ جب اُس سے کوئی شخص اُمید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہوسکتا اُس کی اُمید ضرور پوری ہوتی ہے۔

یہ شعر پڑھ کر وہ بیہوش ہو کر گر گیا، میں نے جلدی سے اُس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے، اس کے منہ پر مٹی وغیرہ لگ گئی تھی، پوچھنے لگا، جب اُس کو ہوش آیا، تو میں نے کہا: بیٹا! ابھی سے تمہیں اتنا خوف کیوں ہو گیا، ابھی تو تم بہت بچے ہو، ابھی تمہارے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہ لکھا جائے گا؟ کہنے لگا: بہلول ہٹ جاؤ، میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہیں، تو پہلے چھوٹی چھوٹی کھپچیاں[2] ہی چولہے میں رکھتی ہیں، اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہیں، مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ میں نہ رکھ دیا جاؤں، میں نے کہا: صاحب زادہ! تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو، مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو، اُس نے اس پر چودہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آرہا ہے، اگر میں آج نہ گیا تو کل ضرور چلا جاؤں گا، میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ[3] کیا، حالانکہ میرے بدن کے لیے (قبر میں جا کر) گلنے اور سڑنے کے سوا چارۂ[4] کار نہیں، وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے، جب کہ میں قبر میں بوسیدہ[5] پڑا ہوا ہوں گا، میرے اُوپر مٹی کا ڈھیر ہوگا اور نیچے قبر کا گڑھا ہوگا اور میرا یہ حسن و جمال سارا کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا، حتیٰ کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا، نہ کھال رہے گی، میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جا رہی ہے اور آرزوئیں ہیں کہ پوری نہیں ہو چکتیں اور بڑا طویل سفر سامنے ہے اور توشہ ذرا سا بھی ساتھ نہیں اور میں نے کھلم کھلا گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان[6] اور محافظ[7] کا مقابلہ کیا اور بڑی بُری حرکتیں کی ہیں، جو اَب واپس بھی نہیں

حل لغات: (۱) بھروسہ۔ (۲) لکڑی کے چھوٹے اور پتلے ٹکڑے۔ (۳) سجانا۔ (۴) کوئی دوسرا کام۔ (۵) گلنا سڑنا۔ (۶) نگران۔ (۷) حفاظت کرنے والا۔

واقعات

ہوسکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں وہ بے کیا نہیں ہوسکتا) اور میں نے لوگوں سے چھپانے کے لیے پَردے ڈالے کہ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو؛ لیکن میرے جتنے مخفی[1] گناہ ہیں، وہ کل کو اُس مالک کے سامنے ظاہر ہوں گے (اُس کی پیشی میں پیش ہوں گے) اس میں شک نہیں کہ مجھے اُس کا خوف ضرور تھا؛ لیکن میں اس کے غایتِ[2] حِلم پر بھروسہ کرتا رہا (جس کی وجہ سے جرأت[3] ہوتی رہی) اور اس پر اعتماد[4] کرتا رہا کہ وہ بڑا غفور ہے، اُس کے سوا کون معافی دے سکتا ہے، بے شک تمام تعریفیں اُسی پاک ذات کے لیے ہیں، اگر موت کے اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی دوسری آفت نہ بھی ہوتی اور میرے رب کی طرف سے جنت کا وعدہ اور دوزخ کی دھمکی نہ بھی ہوتی، تب بھی مَرنے اور سڑنے ہی میں اس بات پر کافی تنبیہ موجود تھی کہ لہو ولعب[5] سے احتراز[6] کیا جاتا؛ لیکن کیا کریں کہ ہماری عقل زائل[7] ہوگئی (کسی بات سے عبرت[8] حاصل نہیں ہوتی، بس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ) کاش گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت کردے، جب کسی غلام سے کوئی لغزش[9] ہوتی ہے تو آقا ہی اُس کو معاف کرتا ہے، بے شک میں بدترین بندہ ہوں، جس نے اپنے مولا کے عہد میں خیانت کی اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اُن کا کوئی قول قرار معتبر نہیں ہوتا، میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی، تو میرا کیا حال بنے گا، جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اُس آگ کو برداشت نہیں کرسکتے، میں موت کے وقت بھی تنِ تنہا رہ جاؤں گا، قبر میں بھی اَکیلا ہی جاؤں گا، قبر سے بھی اَکیلا ہی اُٹھوں گا (کسی جگہ بھی کوئی میرا مُعِین مددگار نہ ہوگا) پس اے وہ پاک ذات جو خود اَکیلی ہے، وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ ہے، ایسے شخص پر رحم کر جو بالکل تنِ تنہا رہ گیا، بہلول رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کہتے ہیں کہ اس کے یہ اشعار سُن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش[10] کھا کر گر گیا، بڑی دیر میں جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا، میں نے اُن بچوں سے دریافت[11] کیا کہ یہ بچہ کون تھا؟ وہ کہنے لگے کہ تُو اس کو نہیں جانتا؟ یہ حضرت امام حسین رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی اولاد میں ہے، میں نے کہا: مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھَل کس درخت کا ہے؟ واقعی یہ پھَل اسی درخت کا ہوسکتا تھا، حق تعالیٰ شانُہٗ ہمیں اس خاندان کی برکتوں سے مُنتفِع[12] فرمائے آمین۔ [روض]

(۲۶) حضرت شِبلی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں مجھے ایک مرتبہ میرے دل نے کہا کہ تو بخیل[13] ہے؛ مگر میرے نفس نے کہا کہ نہیں بخیل نہیں ہوں، میرے دل نے پھر کہا کہ نہیں تُو بخیل ہے، میں نے اُس کے جانچنے کے لیے یہ ارادہ کرلیا کہ سب سے پہلے میرے پاس جو کچھ آئے گا (خواہ وہ کتنا ہی ہو) میں سب کا سب اُس فقیر کو دے دوں گا، جو مجھے سب سے پہلے ملے گا، میری یہ نیت پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے

حل لغات: (۱) چھپے ہوئے۔ (۲) انتہائی برداشت۔ (۳) ہمت۔ (۴) بھروسہ۔ (۵) کھیل کود۔ (۶) بچنا۔ (۷) ختم۔ (۸) نصیحت۔ (۹) غلطی۔ (۱۰) بے ہوشی۔ (۱۱) پوچھا۔ (۱۲) نفع پہونچانا۔ (۱۳) کنجوس۔

واقعات

ایک شخص نے پچاس دینار[1] (اشرفیاں) نذر[2] کیے، میں نے وہ لے لیے اور اپنی نیت کے موافق کسی فقیر کی تلاش میں نکلا، سب سے پہلے مجھے ایک نابینا فقیر ملا، جو ایک حجّام سے حجامت بنوا رہا تھا، میں نے وہ سب کے سب اُس نابینا کو دے دیے، اُس نے کہا کہ یہ (حجامت کی اُجرت میں) اس حجّام کو دے دو، میں نے کہا کہ یہ پچاس اَشرفیاں ہیں (اتنی اَشرفیاں بھی کہیں حجامت کی اُجرت میں دی جاتی ہیں) اُس نابینا نے اُوپر کو سر اُٹھا کر کہا: ہم نے کہا نہیں تھا کہ تُو بخیل ہے؟ میں نے جلدی سے وہ حجام کو دے دیے، اُس حجام نے کہا کہ جب یہ نابینا حجامت بنوانے بیٹھا تھا، تو میں نے اس کی غُربت کو دیکھ کر یہ نیت کر لی تھی کہ اس کی اُجرت نہ لوں گا (مجھے ان دونوں کی گفتگو سُن کر اس قدر غیرت آئی کہ) میں نے اُن اَشرفیوں کو دریا میں پھینک دیا کہ خدا تیرا ناس کرے، تجھ سے جو بھی ذرا دل لگائے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اسی طرح ذلیل کرتے ہیں۔ [روض]

غَیرت کی شِدّت میں اس قسم کے امور کا پیش آجانا مُستَبعَد[3] نہیں، اگر حضرت سلیمان علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام ﴿ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴾ [سورۂ ص:۳۳] کر سکتے ہیں اور اُم المومنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی موجودگی میں دوسری سَوت[4] کا پیالہ پھوڑ سکتی ہیں اور اس کا کھانا پھینک سکتی ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ عَنہُ عصفر کی رنگی ہوئی چادر کو صرف حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس سوال پر کہ یہ کیا پہن لیا؟ تنُّور میں جلا سکتے ہیں اور انصاری حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اپنے سے بے اِلتفاتی[5] دیکھ کر بنے بنائے قُبّہ[6] کو گرا سکتے ہیں، تو حضرت شبلی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے اَشرفیاں پھینک دینے میں کوئی اِشکال نہیں۔

(۶۷) حضرت ذُوالنُّون مصری رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہ (جو اکابر مشہور صُوفیہ[7] میں ہیں) فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں جا رہا تھا، مجھے ایک نوجوان نظر پڑا، جس کے چہرہ پر داڑھی کی دو لکیریں تھیں (یعنی نکلنی شروع ہی ہوئی تھی) مجھے دیکھ کر اُس کے بدن میں کپکپی آگئی اور چہرہ زَرد ہو گیا اور مجھ سے بھاگنے لگا، میں نے کہا: میں تو تیرے ہی جیسا انسان ہوں، (جِن تو نہیں ہوں، پھر کیوں اتنا ڈرتا اور بھاگتا ہے) وہ کہنے لگا کہ تم (انسانوں ہی) سے تو بھاگتا ہوں، میں اس کے پیچھے چلا اور میں نے اس کو قسم دی کہ ذرا کھڑا ہو جائے، وہ کھڑا ہو گیا، میں نے پوچھا کہ تُو اس جنگل بیابان میں بالکل تنہا رہتا ہے، کوئی دوسرا رِفاقت[8] کے لیے نہیں ہے، تجھے خوف نہیں معلوم ہوتا، کہنے لگا: نہیں، میرے پاس تو میرا دل لگانے والا ہے (میں نے سمجھا کہ اس کا کوئی رفیق[9] کہیں گیا ہوا ہوگا) میں نے کہا: وہ کہاں ہے؟ کہنے لگا: وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے، وہ

حل لغات: (۱) سونے کا سکہ۔ (۲) تحفہ دیا۔ (۳) مشکل۔ (۴) سوتن۔ (۵) بے توجہی۔ (۶) گنبد دار مکان۔ (۷) صوفی، اللہ والے۔ (۸) دوستی۔ (۹) دوست۔

واقعات

میرے دائیں بائیں، آگے پیچھے، ہر طرف ہے، میں نے پوچھا کہ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی تیرے پاس نہیں ہے؟ وہ کہنے لگا: وہ بھی موجود ہے، میں نے کہا: وہ کہاں ہے؟ کہنے لگا: جس نے میری ماں کے پیٹ میں مجھے روزی دی، اُسی نے میری بڑی عمر میں بھی روزی کی ذمہ داری لے رکھی ہے، میں نے کہا کہ کھانے پینے کے لیے کچھ تو آخر چاہیے، اُس سے رات کو تہجد میں کھڑے ہونے کی قوت[1] پیدا ہوتی ہے، دن کے روزے رکھنے میں مدد ملتی ہے اور (بدن کی قوت سے) مولا کی خدمت (عبادت) بھی اچھی طرح ہوسکتی ہے اور میں نے کھانے پینے کی ضرورت پر بہت زور دیا، تو وہ چند شعر پڑھ کر بھاگ گیا، جن کا ترجمہ یہ ہے: اللہ کے ولی کے لیے کسی گھر کی ضرورت نہیں ہے اور وہ ہرگز اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کی کوئی جائداد ہو، وہ جب جنگل سے پہاڑ کی طرف چل دیتا ہے تو وہ جنگل اُس کی جدائی سے روتا ہے، جس میں وہ پہلے سے تھا، وہ رات کے تہجد پر اور دن کے روزہ پر بہت زیادہ صبر کرنے والا ہوا کرتا ہے، وہ اپنے نفس کو سمجھا دیا کرتا ہے کہ جتنی محنت اور مَشَقَّت[2] ہوسکے کرلے، اس لیے کہ رحمٰن کی خدمت میں کوئی عار[3] نہیں ہوتی (وہ بڑی فخر کی چیز ہوتی ہے) وہ جب اپنے رب سے باتیں کیا کرتا ہے، تو اُس کی آنکھ سے آنسو بہا کرتے ہیں اور وہ یہ کہا کرتا ہے کہ یا اللہ! میرا دل اُڑا جا رہا ہے (اس کی تُو خبر لے) وہ یوں کہا کرتا ہے کہ یا اللہ! مجھے نہ تو (جنت میں) یاقوت کا گھر چاہیے، جس میں حوریں رہتی ہوں اور نہ مجھے جنتِ عدن کی خواہش ہے اور نہ جنت کے پھلوں کی آرزو ہے، میری ساری تمنا صرف تیرا دیدار ہے، اس کا مجھ پر احسان کردے یہی بڑی فخر کی چیز ہے۔ [روض]

(۶۸) حضرت ابراہیم خَوَّاص رَحمۃُ اللہِ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا، راستہ میں ایک نَصرانی[4] راہب مجھے ملا، جس کی کمر میں زُنّار (پٹکہ یا دھاگہ وغیرہ جو کفر کی علامت کے طور پر کافر باندھتے ہیں) بندھ رہا تھا، اُس نے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی (کافر فقیر اکثر مسلمان فقراء کی خدمت میں رہتے چلے آئے ہیں) میں نے ساتھ لے لیا، سات دن تک ہم چلتے رہے (نہ کھانا نہ پینا) ساتویں دن اُس نصرانی نے کہا: اے محمدی! کچھ اپنی فُتُوحَات[5] دکھاؤ (کئی دن ہوگئے، کچھ کھایا نہیں) میں نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرما، میں نے دیکھا کہ فوراً ایک خوان[6] سامنے رکھا گیا، جس میں روٹیاں، بھُنا ہوا گوشت اور تر و تازہ کھجوریں اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا، ہم دونوں نے کھایا، پانی پیا اور چل دیے۔ سات دن تک چلتے رہے، ساتویں دن میں نے (اس خیال سے کہ وہ نصرانی پھر نہ کہہ دے) جلدی کرکے اس نصرانی سے کہا کہ اس مرتبہ تم کچھ دکھاؤ! اب کے تمہارا نمبر ہے، وہ اپنی لکڑی پر سہارا لگا کر کھڑا ہوگیا اور دعا کرنے لگا: جب ہی دو خوان جن میں

حل لغات: (۱) طاقت۔ (۲) کوشش۔ (۳) شرمندگی۔ (۴) عیسائی، پادری۔ (۵) کرامت، اللہ کی مدد۔ (۶) تھال۔

واقعات

ہر چیز اُس سے دُگنی تھی، جو میرے خوان پر تھی سامنے آگئی، مجھے بڑی غیرت[1] آئی میرا چہرہ فق[2] ہو گیا اور میں حیرت میں رہ گیا اور میں نے رنج کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا، اُس نصرانی نے مجھ پر کھانے کا اِصرار[3] کیا، مگر میں عذر ہی کرتا رہا، اُس نے کہا کہ تم کھاؤ، میں تم کو دو بشارتیں[4] سناؤں گا، جن میں سے پہلی یہ ہے کہ: أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) میں مسلمان ہو گیا ہوں اور یہ کہہ کر زُنّار توڑ کر پھینک دیا اور دوسری بشارت یہ ہے کہ میں نے جو کھانے کے لیے دعا کی تھی: وہ یہی کہہ کر کی تھی کہ یا اللہ! اس محمدی کا اگر تیرے یہاں کوئی مرتبہ ہے، تو اس کے طفیل تو ہمیں کھانا دے، اس پر یہ کھانا ملا ہے اور اسی وجہ سے میں مسلمان ہوا، اس کے بعد ہم دونوں نے کھانا کھایا، پھر آگے چل دیے، آخر مکّہ مکرّمہ پہونچے حج کیا اور وہ نَومسلم مکّہ ہی میں ٹھیر گیا وہیں اس کا انتقال ہوا، غَفَرَ[5] اللّٰهُ لَهٗ۔ [روض]

کافروں کے اس طرح سے مسلمان ہونے کے بہت سے واقعات تواریخ کی کُتُب میں موجود ہیں اور اس واقعہ سے بھی یہ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بسا اوقات[6] دوسروں کے طُفَیل کسی کو روزی دیتے ہیں، جن کو وہ ملتی ہے وہ اپنی بیوقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا کارنامہ ہے، ہماری کوشش کا نتیجہ ہے، احادیث میں کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ تم کو تمہارے ضُعَفَاء[7] کے طفیل (اکثر) روزی دی جاتی ہے۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں پر بھی بسا اوقات مسلمانوں کی وجہ سے فتوحات ہوتی ہے، جس کو ظاہر میں اُن کی مدد سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں دوسروں کا طفیل ہوتا ہے۔

(۶۹) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا، جب میں اُس کو لایا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگا کہ جو نام آقا رکھیں۔ میں نے پوچھا کہ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگا: میرے آقا، جو آپ حکم دیں گے۔ میں نے پوچھا کہ تم کیا کھانا چاہتے ہو (تاکہ میں تمہاری خاطر[8] میں اُس کا فکر کروں)؟ کہنے لگا: میرے آقا، جو آپ کھلائیں گے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارا ابھی کسی چیز کے کھانے کو دل چاہتا ہے؟ کہنے لگا: آقا کے سامنے غلام کی خواہش کیا چیز ہے، جو آقا کی مرضی ہے، وہی غلام کی خواہش ہے، اُس کا یہ جواب سُن کر مجھے رونا آ گیا اور مجھے یہ خیال آیا کہ میرا ابھی تو میرے مولا (جَلَّ شانُہٗ) کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہیے۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم نے تو مجھے اپنے آقا (تعالیٰ ذِکْرُہٗ) کے ساتھ ادب کرنا سکھا دیا، اُس نے اس پر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تیرے کسی بندے کی خدمت مجھ سے پوری پوری ادا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا نعمت

حل لغات: (۱) شرم۔ (۲) چہرہ کا رنگ پیلا پڑنا۔ (۳) زور ڈالنا۔ (۴) خوشخبری۔ (۵) اللہ اس کو معاف فرمائے۔ (۶) کبھی کبھی۔ (۷) کمزوروں۔ (۸) لیے،

ہوسکتی ہے، پس تومحض اپنے فضل سے میری کوتاہی[1] اور غفلت کو معاف کر اس لیے کہ میں تجھے بڑا محسن[2] اور بڑا رحیم سمجھتا ہوں۔ [روض]

(۷۰) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگوں میں ہیں اس رسالہ میں ان کے کئی قصے ذکر ہوچکے ہیں وہ ابتداء میں کچھ اچھے حال میں نہ تھے۔ ایک شخص نے اُن سے اُن کی توبہ کا قصہ پوچھا کہ کیا بات پیش آئی، جس پر آپ نے اپنی سابقہ[3] زندگی سے توبہ کی، وہ کہنے لگے کہ میں ایک سپاہی تھا اور شراب کا بہت شوقین اور بہت عادی تھا، ہر وقت شراب ہی میں مُنہمک[4] رہتا تھا، میں نے ایک باندی خریدی، جو بہت خوبصورت تھی اور مجھے اُس سے بہت تعلق تھا، اُس سے میرے ایک لڑکی پیدا ہوئی، مجھے اُس لڑکی سے بھی محبت تھی اور وہ لڑکی مجھ سے بہت مانوس[5] تھی، یہاں تک کہ وہ پاؤں چلنے لگی تو اُس وقت مجھے اس سے اور بھی زیادہ محبت ہوگئی کہ ہر وقت وہ میرے پاس ہی رہتی، لیکن اس کی عادت یہ تھی کہ جب میں شراب کا گلاس پینے کے لیے لیتا، وہ میرے ہاتھ میں سے چھین کر میرے کپڑوں پر پھینک دیتی (محبت کی زیادتی کی وجہ سے اس کو ڈانٹنے کو دل نہ مانتا) جب وہ دو برس کی ہوگئی تو اس کا انتقال ہوگیا، اس صدمہ نے میرے دل میں زخم کر دیا۔ ایک دن پندرہ ۱۵ شعبان کی رات تھی، میں شراب میں مست تھا، عشا کی نماز بھی نہ پڑھی، اسی حال میں سوگیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حشر قائم ہوگیا، لوگ قبروں سے نکل رہے ہیں، میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو میدان حشر کی طرف جا رہے ہیں، میں نے اپنے پیچھے کچھ آہٹ سی سُنی، میں نے جو مُڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا کالا اژدہا میرے پیچھے دوڑا ہوا آرہا ہے، اس کی گَیری[6] آنکھیں ہیں، منہ کھلا ہوا ہے اور بے تحاشا[7] میری طرف دوڑا ہوا آرہا ہے، میں اس کے ڈر سے گھبرا کر خوف زدہ زور سے بھاگ رہا ہوں اور وہ میرے پیچھے بھاگا چلا آرہا ہے، سامنے مجھے ایک بوڑھے میاں نہایت نفیس[8] لباس نہایت مہکتی ہوئی خوشبو ان میں سے آرہی ہے ملے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، میں نے ان سے کہا: خدا کے واسطے میری مدد کیجیے، وہ کہنے لگے: میں ضعیف[9] آدمی ہوں، یہ بہت قوی[10] ہے، یہ میرے قابو کا نہیں ہے، لیکن تُو بھاگا چلا جا، شاید آگے کوئی چیز ایسی مل جائے جو اس سے نجات کا سبب بن جائے، میں بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا، مجھے ایک ٹیلہ نظر پڑا، میں اس پر چڑھ گیا، مگر وہاں چڑھتے ہی مجھے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اُس ٹیلے کے پَرے نظر پڑی، اس کی دہشت[11] ناک صورت اور اس کے منظر نظر آئے، ان سب حالات کے دیکھنے کے باوجود اس سانپ کی اتنی دہشت[12] مجھ پر سوار تھی اور ایسی طرح بھاگا جا رہا تھا کہ میں قریب ہی تھا کہ جہنم کے گڑھے میں جا پڑوں[13]، اتنے میں

حل لغات: (۱) لاپرواہی۔ (۲) بھلائی کرنے والا، احسان کرنے والا۔ (۳) پچھلی۔ (۴) مشغول۔ (۵) گھل مل جانا (۶) نیلی۔ (۷) اندھا دھند۔ (۸) عمدہ۔ (۹) کمزور۔ (۱۰) طاقتور (۱۱) ڈراؤنی۔ (۱۲) ڈر۔ (۱۳) گرجاؤں۔

واقعات

ایک زور کی آواز مجھے سنائی دی، کوئی کہہ رہا ہے، پیچھے ہٹ ،تُو ان (جہنمی) لوگوں میں سے نہیں ہے میں وہاں سے پھر پیچھے کو دوڑا، وہ سانپ بھی میرے پیچھے کو لوٹ آیا، مجھے پھر وہ بڑے میاں سفید لباس میں نظر پڑے، میں نے اُن سے پھر کہا کہ میں نے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ اس اَژدھے سے کسی طرح بچائیں، آپ نے قبول نہ کیا، وہ بڑے میاں رونے لگے اور کہنے لگے: میں بہت ضعیف ہوں، یہ بہت قوی ہے، میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ البتہ سامنے یہ ایک دوسری پہاڑی ہے، اس پر چڑھ جا، اس میں مسلمانوں کی کچھ امانتیں رکھی ہیں، ممکن ہے تیری بھی کوئی ایسی چیز امانت رکھی ہو، جس کی مدد سے اس اَژدھے سے بچ سکے میں بھاگا ہوا اس پر گیا اور وہ اَژدہا میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے، وہاں میں نے دیکھا ایک گول پہاڑ ہے، اس میں بہت سے طاق (کھڑکیاں) کھلے ہوئے ہیں، ان پر پَردے پڑے ہوئے ہیں، ہر کھڑکی کے دو کواڑ ہیں، سونے کے جن پر یاقوت جڑے ہوئے ہیں اور موتیوں سے لدرہے ہیں اور ہر کواڑ پر ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا ہے، میں جب اس پر چڑھنے لگا، تو فرشتوں نے آواز دی کہ ِکواڑ کھول دو اور پردے اُٹھادو اور باہر نکل آؤ، شاید اس پریشاں حال کی کوئی امانت تم میں ایسی ہو جو اس وقت اس کو اس مصیبت سے نجات دے، اُس کی آواز کے ساتھ ہی ایک دَم کواڑ کھل گئے اور پردے اُٹھ گئے اور اس میں سے چاند جیسی صورت کے بہت سے بچے نکلے، مگر میں انتہائی پریشان تھا کہ وہ سانپ میرے بالکل ہی پاس آگیا تھا، اتنے میں وہ بچے چلانے لگے۔ ارے تم سب جلدی نکل آؤ! وہ سانپ تو اس کے پاس ہی آگیا، اس پر فوجوں کی فوجیں بچوں کی نکل آئیں، ان میں دفعتہً(۱) میری نگاہ اپنی اس دوسالہ بچی پر پڑی، جو مَر گئی تھی، وہ مجھے دیکھتے ہی رونے لگی اور کہنے لگی: خدا کی قسم یہ تو میرے ابّا ہیں اور یہ کہتے ہی تیر کی طرح کُود کر ایک نور کے پلڑے پر چڑھ گئی اور اپنے بائیں ہاتھ کو میرے داہنے کی طرف بڑھایا، میں جلدی سے اس سے لپٹ گیا اور اس نے اپنے داہنے ہاتھ کو اس سانپ کی طرف بڑھایا، وہ فوراً پیچھے کو بھاگنے لگا، پھر اس نے مجھے بٹھایا اور خود وہ میری گود میں بیٹھ گئی اور اپنے داہنے ہاتھ کو میری ڈاڑھی پر پھیرنے لگی اور کہنے لگی: میرے ابا جان! ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ الآیۃ [سورۂ حدید:۱۶] کیا ایمان والوں (میں سے جو لوگ گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں ان) کے لیے اس بات کا وقت ابھی تک نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے واسطے اور اس حق بات کے واسطے جو ان پر نازل ہوئی ہے جھک جائیں۔

اس کی یہ بات سُن کر میں رونے لگا اور میں نے پوچھا: کیا بیٹی! تم سب قرآن شریف کو جانتی ہو، وہ کہنے لگی کہ ہم سب قرآن شریف کو تم سب سے زیادہ جانتے ہیں، میں نے پوچھا: بیٹی! یہ سانپ کیا بَلا

حل لغات: (۱) اچانک۔

تھی، جو میرے پیچھے لگ گئی تھی؟ اس نے کہا: یہ آپ کے بُرے اعمال تھے، آپ نے اس کو اپنے گناہوں سے اتنا قوی[1] کر دیا کہ وہ آپ کو اَب جہنم میں کھینچ کر ڈالنے کی فکر میں تھا، میں نے پوچھا: وہ سفید پوش[2] ضعیف بزرگ کون تھے، کہنے لگی: وہ آپ کے نیک عمل تھے، جن کو آپ نے اتنا ضعیف کر دیا کہ وہ اس سانپ کو آپ سے دفع[3] نہ کر سکے (البتہ اتنی مدد بھی کر دی کہ بچنے کا راستہ بتا دیا) میں نے پوچھا کہ بیٹی! تم اس پہاڑ میں کیا کرتی ہو؟ کہنے لگی کہ ہم سب مسلمانوں کے بچے ہیں، قیامت تک ہم یہاں رہیں گے، آپ کے آنے کے مُنتظِر[4] ہیں، جب آپ سب آئیں گے تو ہم سفارش کریں گے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تو اس سانپ کی دہشت مجھ پر سوار تھی، میں نے اُٹھتے ہی اللہ جَلَّ شانُہٗ کے سامنے توبہ کی اور اپنے برے افعال[5] کو چھوڑ دیا۔ [روض]

یہ رسالہ اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ گیا، شروع میں تو مختصر ہی لکھنے کا خیال تھا، مگر بے ارادہ طویل[6] ہوتا چلا گیا اور اب اس درجہ تک پہونچ گیا کہ اس کے پڑھنے کی اُمید بھی کم ہو چلی کہ دینی رسائل کے پڑھنے کے لیے بھی ہم لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے، اس لیے دفعتہً[7] ختم کر دیا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لطف وکرم سے اس ناپاک کو بھی جو ہر وقت معاصی[8] اور دنیا ہی میں غرق[9] رہتا ہے، اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے اور اس ناپاک دنیا سے نفرت کا ذائقہ نصیب فرمادے۔

اس رسالہ کی ابتداء شوال ۶۶ھ میں ہوئی تھی، مگر درمیان میں ایسے عوارض پیش آتے رہے کہ اختتام میں دیر ہی لگتی رہی، اب بھی اس میں بہت سی چیزوں کے اضافہ کا خیال تھا، مگر اس کے طویل ہوجانے کی وجہ سے آج ۲۲ رصفر ۶۸ھ شبِ جمعہ کو ختم ہی کر دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ أَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

حل لغات: (۱) طاقتور۔ (۲) لباس والے۔ (۳) دور۔ (۴) انتظار۔ (۵) کاموں۔ (۶) لمبا۔ (۷) اچانک۔ (۸) گناہ۔ (۹) ڈوبنا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

حج اور عمرہ کو خالص اللہ جَلَّ شانُہٗ کے لیے پورا کیا کرو۔

فضائل حج

مؤلفہ

حضرت مولانا الحافظ الحاج المحدث محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس میں حج، عمرہ، زیارت کے فضائل و آداب اور

عاشقانِ خدا کے بہت سے واقعات شرح و بسط

سے بیان کیے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

امابعد! اس سیہ[1] کار کے قلم سے تبلیغی سلسلہ میں پہلے بھی چند رسالے شائع ہو چکے ہیں اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے فضل سے ان کے دینی منافع کے متعلق اَکابر اور اَحباب کی طرف سے تحریری اور زبانی پیامات بھی خلافِ توقع[2] اتنی کثرت سے پہونچے، جو موجبِ[3] تَعَجُّب ہیں۔ اپنی نااَہلیت کی وجہ سے نہ ان سے اس قدر نفع کی توقع تھی، نہ اپنی بداَعمالیوں اور کم مائیگی[4] کی وجہ سے وہ اس قابل تھے کہ ان سے اتنا نفع مخلوق کو پہونچے، کیونکہ جو شخص خود عامل[5] نہ ہو، اس کی تحریر وتقریر سے بھی نفع کم پہونچتا ہے۔ میں اب تک بھی ان منافع کو اپنے چچا جان حضرت مولانا مولوی محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو اپنی تبلیغی مساعی[6] میں نہ صرف ہندوستان کے ہر گوشہ[7] میں بلکہ بیرونِ ہند بھی بہت مشہور ہیں) کی توجہ کا اثر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں۔ اسی وجہ سے ان کے وصال[8] کے بعد سے جس کو چار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا، یہ سلسلہ بند کر دیا تھا، حالاں کہ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات[9] کے آخری اَیام میں دو رسالوں کی باصرار فرمائش کی تھی، اوّلاً تجارت اور کمائی کے فضائل میں ایک رسالہ کا حکم فرمایا تھا، جس کا فوری طور پر ایک اجمالی نقشہ بھی اسی بیماری کی شدت میں لکھ کر پیش کر دیا تھا، مگر مرض کی شدت کی وجہ سے اس کو ملاحظہ فرمانے کی نوبت نہ آئی، دوسرے انفاق فی سبیل اللہ، یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے متعلق جس کا تقاضا اخیر زمانۂ حیات میں ان پر شدت سے تھا؛ اور اس مضمون کا آخری اَیام میں بہت زیادہ اہتمام تھا، اس کے متعلق ایک رسالہ فضائل میں لکھنے کا بار بار حکم فرمایا حتیٰ کہ ایک بار نماز کھڑی ہو رہی تھی، دوسرا شخص امام تھا، تکبیر ہو چکی تھی، صف سے آگے کو منہ نکال کر فرمایا: ''دیکھنا اس رسالہ کو بھول نہ جانا''، مگر اس کے باوجود اب تک کوئی سے رسالہ کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی اور جب بھی ان حالات سے واقف[10] احباب[11] کی طرف سے ان کے لکھنے کا تقاضہ ہوا اپنی نااہلیت کا تصور غالب ہو کر سدِّ راہ[12] بنتا رہا، کئی مرتبہ ان دونوں رسالوں کے متعلق چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کا اِصرار یاد آ کر خیال پیدا ہوا، پھر اپنی حالت اور دنیا کی رفتار نے اس خیال کو دبا دیا۔

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) امید۔ (۳) سبب۔ (۴) بے حیثیتی۔ (۵) عمل کرنے والا۔ (۶) کوشش۔ (۷) حصہ، علاقہ۔ (۸) انتقال۔ (۹) زندگی۔ (۱۰) جان کار۔ (۱۱) دوست۔ (۱۲) رکاوٹ۔

میرے چچازاد بھائی عزیزی الحافظ الحاج مولوی محمد یوسف[1] سَلَّمَہٗ، جو ''اَلْوَلَدُ[2] سِرٌّ لِّأَبِیْہِ'' کے ضابطہ کے موافق اس ایمانی تحریک کی دعوت میں اپنے والد صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے قدم بہ قدم اور اس جذبہ میں ان کے صحیح اور حقیقی وارث ہیں، ان پر دو سال سے حجاز میں اس تحریک کو فروغ دینے کا جذبہ ہے، خود چچا جان پر بھی اس کا تقاضا تھا، اسی جذبہ کے ماتحت وہ دو مرتبہ صرف اسی مقصد کے لیے حجاز تشریف لے جا چکے تھے، جس کو حضرت مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے مختصراً ان کی سوانح میں تحریر فرمایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عرب ہی وہ برگزیدہ[3] جماعت ہے، جس نے ابتداء[4] میں تمام دنیا میں اسلام کو پھیلایا، وہ حضرات اگر اپنے اسلاف[5] کے نقش قدم پر چلیں تو یقینا اب بھی اِن شاءاللہ تعالیٰ دنیا میں اسلام اسی طرح چمک سکتا ہے، جس طرح ابتداءِ زمانہ میں چمکا تھا۔ اس کے علاوہ حجاج کی جماعت جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں حج کو جاتی ہے، وہ حج کے فضائل اور ثمرات و برکات سے ناواقفیت اور آداب حج کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے جس دینی جذبہ اور جن برکات کے ساتھ اس کو واپس آنا چاہیے، اس سے اکثر خالی ہاتھ واپس آتی ہے، ان وجوہ سے عزیز موصوف کا دو سال سے اِصرار[6] تھا کہ حج و زیارت کے فضائل میں بھی چند احادیث کا ترجمہ اُمت کے سامنے پیش کروں تا کہ حج کو جانے والے حضرات ان احادیث کی برکت سے اسی ذوق و شوق کے ساتھ جائیں، جو اُن کی شان کے مناسب ہو اور حج سے واپسی بھی انہیں دینی جذبات کے ساتھ ہو، جو اس مبارک اور نہایت اہم عمل کے مناسب ہوں، نیز ذوق و شوق کے ساتھ جانے والے حجاج کی کثرت ہو، جو خود بھی دین کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں اور وہاں کے قیام میں اہل عرب سے بھی ان کے اصلی اور جَدّی[7] کاموں میں اشتغال[8] کی اور انہماک[9] کی اِستدعا[10] اور درخواست کریں، عزیز موصوف دو سال سے اس کی ضرورت کا اظہار اور تکمیل پر اِصرار کر رہے تھے، مگر اِدھر سے وعدہ سے آگے بڑھنے کی نوبت نہ آئی۔

لیکن حق سبحانہٗ و تَقَدَّسَ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اس کے لیے اَسباب بھی غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں، چچا جان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے وِصال[11] کے بعد سے اب تک ہر سال رمضان المبارک کا مہینہ اس ناکارہ کو نظام الدین میں گزارنے کی نوبت آتی رہی اور اپنے مشاغل[12] کے ہجوم کی وجہ سے ۲۹ رشعبان کو آ کر ۲ رشوال کو ہمیشہ واپسی ہو جاتی تھی۔ اِمسال بعض مجبوریوں کی وجہ سے عید کے بعد بھی

حل لغات: (۱) مولانا موصوف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۸۴ھ کو لاہور میں وصال فرمایا۔ (۲) بچہ اپنے باپ کی اصل ہوتا یا طریقہ پر ہوتا ہے۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) شروع۔ (۵) پہلے کے بزرگ۔ (۶) بار بار تقاضہ کرنا، ضد۔ (۷) باپ دادا کی طرف سے ملے ہوئے کام۔ (۸) مشغول ہونا۔ (۹) پوری طرح سے لگنا۔ (۱۰) خواہش کرنا۔ (۱۱) انتقال۔ (۱۲) کام۔

یہاں قیام کرنا پڑا، تو عزیز موصوف کو اِصرار کا زیادہ موقع مل گیا۔

اِدھر عید کی رات سے عُشّاق کی دارِ محبوب[1] پر حاضری کا زمانہ شروع ہوجانے سے اس دیار[2] کی یاد نے بھی طبیعت پر اثر کیا، جو ہر سال شوّال سے وسط ذی الحجہ تک اکثر آتا رہتا ہے اور جوں جوں حج کا زمانہ قریب آتا ہے، یہ تصور کہ خوش قسمت عاشق اس وقت کیا کررہے ہوں گے، اپنی طرف بے اختیار متوجہ کرتا رہتا ہے، اس لیے مُتوَکِّلاً عَلَی اللہ[3]۔ آج تین شوال ۱۳۶۶ھ چہار شنبہ[4] کو یہ رِسالہ شروع کرتا ہوں اور دس فصلوں اور ایک خاتمہ میں مختصر طور پر چند احادیث کا ترجمہ اور کچھ مُتفرّق[5] مضامین پیش کرتا ہوں۔

فصل اول : ترغیب حج میں۔

فصل دوم : حج نہ کرنے کی وعید میں

فصل سوم : اس سفر میں مَشَقَّتوں کے تحمّل میں

فصل چہارم : حج کی حقیقت میں

فصل پنجم : حج کے آداب میں

فصل ششم : مکہ مکرمہ کے آداب وفضائل میں

فصل ہفتم : عمرہ کے بیان میں

فصل ہشتم : روضۂ مُطَہَّرہ کی زیارت اور مسجد نبوی کی حاضری میں

فصل نہم : زیارت کے آداب میں

فصل دہم : مدینہ طیبہ کے آداب وفضائل میں

خاتمہ : میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا مُفَصَّل واقعہ ہے اور بعض دوسرے جاں نثاروں کے حج کے مختصر قصے ہیں۔

حل لغات: (۱) محبوب کا گھر یعنی بیت اللہ شریف۔ (۲) علاقہ۔ (۳) اللہ پر بھروسہ کرکے۔ (۴) بدھ کا دن۔ (۵) الگ الگ۔

پہلی فصل: حج کی ترغیب میں

حج کے فضائل اور اس کے احکام میں قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں اور احادیث تو لاتعداد[1] وارد ہوئی ہیں، جن میں سے نمونہ کے طور پر تھوڑی سی اس رسالہ میں ذکر کی جائیں گی، میں اپنے ہر رسالہ میں اختصار[2] کی بہت کوشش کرتا ہوں کہ دینی چیزوں کے لیے نہ پڑھنے والوں کے پاس وقت زیادہ ہے، نہ رسالہ کے بڑے ہوجانے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوجانے کے بعد خریدنے والوں کے پاس پیسہ زائد ہے، ہاں! سینما دیکھنے کے لیے، بیاہ شادیوں میں خرچ کرنے کے لیے غریب سے غریب کے پاس بھی پیسہ کی کمی نہیں، یہ اللہ کی شان ہے، اس لیے اوّل مختصراً چند آیات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد چند احادیث ذکر کی جائیں گی۔

آیات

(۱) وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ۔ الاٰية [سورۂ حج:۲۷]

ترجمہ: ”لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کردو (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس عمارت کے پاس حج کے لیے) چلے آئیں گے، پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر (سوار ہوکر) بھی جو دُور دراز راستوں سے چل کر آئی ہوں (اور سفر کی وجہ سے) دُبلی ہوگئی ہوں تاکہ یہ آنے والے اپنے منافع[3] حاصل کریں“۔

فائدہ: بیت اللہ شریف کی سب سے پہلی بناء[4] میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا، یا اس سے پہلے فرشتوں نے بنایا تھا، حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے کہ زمین کی سب سے پہلی ابتداء اسی جگہ سے ہوئی کہ پانی پر ایک بُلبُلہ کی شکل تھی، جس سے پھر بقیہ زمین کا حصہ پھیلایا گیا، لیکن حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو یہ مکان اُٹھا لیا گیا تھا، اس کے بعد حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت اسمٰعیل عَلَیْہِ السَّلَام کی مدد سے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر پہلے پارہ میں ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۲۷] میں ہے۔ اس آیتِ شریفہ سے پہلی آیت میں اسی کا بیان ہے کہ اس گھر کی جگہ کا نشان ہم نے ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو بتایا تھا، اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے حکم سے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اس مکان کی ازسرِنو[5] تعمیر کی۔

حل لغات: (۱) بے حساب۔ (۲) مختصر کرنا۔ (۳) فائدہ۔ (۴) بنیاد۔ (۵) نئے سرے سے، پھر سے۔

ایک حدیث میں آیا کہ جب اللہ جَلَّ شانُہٗ نے حضرت آدم عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کو جنت سے اُتارا، تو ان کے ساتھ اپنا گھر بھی اُتارا اور فرمایا کہ اے آدم! میں تیرے ساتھ اپنا گھر اُتارتا ہوں، اس کا طواف اسی طرح کیا جائے گا، جس طرح میرے عرش کو طواف کیا جاتا ہے اور اس کی طرف نماز اسی طرح پڑھی جائے گی، جس طرح میرے عرش کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔

اس کے بعد طوفانِ نوح کے زمانہ میں یہ مکان اُٹھالیا گیا، اس کے بعد انبیاء کرام عَلَیہِمُ السَّلَام اس جگہ کا طواف کرتے تھے، مکان نہ تھا، اس کے بعد حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلَام کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس جگہ مکان بنانے کا حکم فرمایا اور جگہ کی تعیین[1] خود فرمادی۔ [ترغیب منذری]

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلَام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ تعمیر سے فراغت ہو چکی ہے، اس پر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو، جس کا اوپر کی آیت میں ذکر ہے، حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلَام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میری آواز کس طرح پہونچے گی، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے فرمایا کہ آواز کا پہونچانا ہمارے ذمہ ہے، حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلَام نے اعلان فرمایا، جس کو آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز نے سنا۔ آج اس میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ لاسلکی[2] سے ایک ملک سے دوسرے ملک تک آواز پہونچ رہی ہے، تو لاسلکیوں کے بنانے والوں کا بنانے والا، جب آواز پہونچانے کا ارادہ کرے تو اس میں کیا اشکال ہوسکتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس آواز کو ہر شخص نے سُنا اور لبّیک کہا، جس کے معنی ہیں کہ میں حاضر ہوں، یہی وہ لبّیک ہے جس کو حاجی اِحرام کے بعد سے شروع کرتا ہے، جس شخص کی قسمت میں اللہ جَلَّ شانُہٗ نے حج کی سعادت لکھی تھی، وہ اس آواز سے بہرہ ور[3] ہوا اور لَبَّیْكَ کہا۔ [اتحاف]

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے بھی خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا یا ابھی تک عالمِ اَرواح[4] میں تھا، اس وقت لبّیک کہا، وہ حج ضرور کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لبّیک کہا، وہ ایک حج کرتا ہے، جس نے اس وقت دو مرتبہ لبّیک کہا، وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے اور اسی طرح جس نے اس سے زیادہ جتنی مرتبہ لبّیک کہا، اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں۔ [درمنثور] کس قدر خوش نصیب ہیں وہ رُوحیں جنہوں نے اس وقت دَمَا دَم لبّیک کہا ہوگا، بیسیوں حج ان کو نصیب ہوئے یا ہوں گے۔

⑵ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ	ترجمہ: حج (کا زمانہ) چند مہینے ہیں، جو (مشہور و) معلوم ہیں (یعنی یکم شوّال[5] سے دس ذی الحجہ تک)

حلِ لغات: ⑴ مقرر کرنا، متعین کرنا۔ ⑵ بغیر تار کی بجلی، وائرلس۔ ⑶ فائدہ اُٹھانے والا۔ ⑷ وہ جگہ جہاں روحیں رہتی ہیں۔ ⑸ ایک شوال۔

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ [سورۂ بقرہ:۱۹۷]	پس جو شخص ان ایام میں اپنے اوپر حج مقرر کر لے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر نہ کوئی فحش[1]

بات جائز ہے اور نہ عدول حکمی[2] درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا زیبا[3] ہے (بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک کام میں لگا رہے) اور جو نیک کام کرو گے حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو جانتے ہیں (ان کو ہر شخص کی ہر بات کا ہر وقت علم رہتا ہے، اس کے موافق اس کو جزا یا سزا دیتے ہیں، اس لیے ان نیکیوں کا بہت بدلہ عطا فرمائیں گے جو اُن مبارک اوقات میں کی جائیں گی)۔

فائدہ: فحش بات دو طرح کی ہوتی ہے، ایک وہ جو پہلے سے بھی ناجائز تھی، اس کا گناہ حج کی حالت میں کرنے سے زیادہ ہو جاتا ہے، دوسرے وہ جو پہلے سے جائز تھی، جیسا کہ اپنی بیوی سے بے حجابی[4] کی بات کرنا، حج میں وہ بھی جائز نہیں رہتی۔ اسی طرح حکم عدولی بھی دو طرح کی ہے: ایک وہ جو پہلے ہی سے ناجائز تھی، جیسا کہ سارے گناہ، ان کی معصیت حج کی حالت میں زیادہ سخت ہو جائے گی، دوسرے وہ اُمور جو پہلے سے جائز تھے، اب حج کی وجہ سے ناجائز ہو گئے، جیسا کہ خوشبو لگانا، یہ اب ناجائز ہو گیا، ایسے ہی لڑنا جھگڑنا پہلے سے بھی بُرا ہے، مگر حج میں اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ [بیان القرآن]

اگرچہ عدُول حکمی میں جھگڑا کرنا بھی داخل ہے، مگر چونکہ حج میں اکثر ساتھیوں میں نزاع[5] ہو ہی جاتا ہے، اس لیے اہتمام کی وجہ سے اس کو خاص طور سے ذکر فرمایا، جیسا کہ آئندہ پہلی حدیث کے ذیل میں بھی اس کا ذکر آرہا ہے۔

③ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ [سورۂ مائدہ:۳]	ترجمہ: آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل و مکمل بنا دیا اور تم پر اپنا انعام (آج) پورا کر دیا اور

میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے (ہمیشہ کو) پسند کر لیا (کہ قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو منسوخ[6] کر کے دوسرا دین تجویز[7] نہ کیا جائے گا)۔

فائدہ: حج کے اہم فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ آیتِ شریفہ جس میں تکمیلِ دین کا مُژدہ[8] ہے، حج کے موقع پر نازل ہوئی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِحیاء میں لکھا ہے کہ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں ہے، اسی پر ارکان کا اختتام ہوا ہے اور اسی پر اسلام کی تکمیل و تتمیم[9] ہوئی ہے، اسی میں آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ﴾ نازل ہوئی ہے۔

حل لغات: ① بے شرمی کی بات۔ ② حکم توڑنا۔ ③ مناسب۔ ④ بے تکلفی۔ ⑤ لڑائی جھگڑا۔ ⑥ ختم کرنا۔ ⑦ طے کرنا۔ ⑧ خوشخبری۔ ⑨ مکمل کرنا، پورا کرنا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہود کے بعض علماء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ تم قرآن پاک میں ایک آیت پڑھتے ہو، اگر وہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بناتے (یعنی سالگرہ کے طور پر اس دن کی خوشی مناتے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس دن اور کہاں نازل ہوئی، بحمد اللہ ہمارے یہاں اس وقت دو عیدیں جمع تھیں، ایک جمعہ کا دن (کہ وہ بھی مسلمان کے لیے بمنزلۂ عید کے دن کے ہے) دوسرے عرفہ[1] کا دن (کہ وہ بھی بالخصوص حاجی کے لیے عید کا دن ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت جمعہ کے دن شام کے وقت عصر کے بعد جب کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کے میدان میں اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے نازل ہوئی، درحقیقت یہ بڑا مژدہ[2] ہے جو اس آیت شریفہ میں سنایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حلت وحرمت[3] کے بارہ میں کوئی جدید[4] حکم نازل نہیں ہوا، جب آدمی حج میں یہ خیال کرے کہ اس فریضہ سے دین کی تکمیل قرار دی گئی اور دین مکمل ہونے کا یہ ذریعہ ہوا ہے، تو کتنے ذوق شوق سے اس فریضہ کو ادا کرنا چاہیے؛ وہ ظاہر ہے۔

جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر تھے، وہ اونٹنی بوجھ کی وجہ سے بیٹھ گئی، کھڑی نہ ہوسکی، وحی کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں وزن بہت بڑھ جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر ہوتے اور وحی نازل ہوتی، تو وہ اونٹنی اپنی گردن گرا دیتی اور جب تک وحی ختم نہ ہوتی حرکت نہ کرسکتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی ہے، تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔ [درمنثور] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیتِ شریفہ ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ﴾ [سورۂ نساء: ۹۵] نازل ہوئی، تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی[5] سی طاری ہوئی تو آپ کی ران میری ران پر رکھی گئی، اس کے وزن سے میری ران ٹوٹی جا رہی تھی۔ [درمنثور] یہ اللہ پاک کے پاک کلام کی عظمت وہیبت تھی، جس کو ہم لوگ ایسا سرسری اور لاپرواہی سے پڑھتے ہیں، جیسا کہ ایک معمولی کلام ہو۔ یہاں تک چند آیات کا ذکر تھا، آگے چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

حل لغات: ① ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔ ② خوشخبری۔ ③ حلال وحرام۔ ④ نیا۔ ⑤ بے ہوشی کی حالت۔

احادیث

① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. [متفق عليه، مشكوٰة]	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، اس طرح کہ اس حج میں نہ رَفَث ہو (یعنی فحش بات) اور نہ فسق ہو، (یعنی حکم عدولی) وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا اس دن تھا، جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔

فائدہ: جب بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ معصوم[۱] ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ، کوئی لغزش[۲]، کسی قسم کی داڑ گیر[۳] کچھ نہیں ہوتی۔ یہی اثر ہے اس حج کا، جو اللہ کے واسطے کیا جائے، فضائلِ نماز کے شروع میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ علماء کے نزدیک اس قسم کی احادیث سے صغیرہ گناہ مراد ہوا کرتے ہیں، اگرچہ حج کے بارہ میں جو روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ حج سے صغائر، کبائر سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں تین مضمون ذکر فرمائے ہیں: اوّل یہ کہ اللہ کے واسطے حج کیا جائے، یعنی اس میں کوئی دنیوی غرض، شہرت، رِیا وغیرہ شامل نہ ہو، بہت سے لوگ شہرت اور عزت کی وجہ سے حج کرتے ہیں، وہ اتنا حرج اور خرچ ثواب کے اعتبار سے بے کار ضائع کرتے ہیں، اگرچہ حج فرض اس طرح بھی ادا ہو جائے گا، لیکن اگر محض اللہ کی رضا کی نیت ہو، تو فرض ادا ہونے کے ساتھ کس قدر ثواب ملے، اتنی بڑی دولت کو محض چند لوگوں میں عزت کی نیت سے ضائع کر دینا کس قدر نقصان اور خسارہ[۴] کی بات ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب میری اُمت کے اَمیر[۵] لوگ تو حج محض سیر و تفریح کے ارادہ سے کریں گے (گویا لندن و پیرس کی تفریح نہ کی، حجاز کی تفریح کر لی) اور میری اُمت کا مُتوسِّط[۶] طبقہ تجارت کی غرض سے حج کرے گا کہ تجارتی مال کچھ اِدھر سے لے گئے، کچھ اُدھر سے لے آئے اور علماء رِیاء و شہرت کی وجہ سے حج کریں گے (کہ فلاں مولانا صاحب نے پانچ حج کیے، دس حج کیے) اور غُرَباء بھیک مانگنے کی غرض سے جائیں گے۔ [کنز العمال]

علماء نے لکھا ہے کہ جو لوگ اُجرت[۷] کے ساتھ حجِ بدل کرتے ہیں کہ اس حج سے کچھ دنیوی نفع

حل لغات: ① گناہوں سے پاک۔ ② غلطی۔ ③ پکڑ دھکڑ۔ ④ گھاٹا۔ ⑤ مالدار۔ ⑥ درمیانی درجہ کے لوگ۔ ⑦ مزدوری، کرایہ۔

حاصل ہوجائے، وہ بھی اس میں داخل ہیں کہ گویا حج کے ساتھ تجارت کر رہا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر پندرہ (۱۵) کے ذیل میں آرہا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ سلاطین اور بادشاہ تفریح کی نیت سے حج کریں گے اور غنی[۱] لوگ تجارت کی غرض سے اور فقراء سوال کی غرض سے اور علماء شہرت کی وجہ سے۔ [اتحاف] ان دونوں حدیثوں میں کچھ تعارض[۲] نہیں۔

پہلی حدیث میں جو غنی بتائے گئے ان سے اعلیٰ درجہ کے غنی مراد ہیں، جن کو دوسری حدیث میں سلاطین سے تعبیر کیا ہے اور جس کو اس حدیث میں غنی سے تعبیر کیا ہے، وہ سلاطین سے کم درجہ مراد ہے، جس کو پہلی حدیث میں متوسط طبقہ سے تعبیر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفا مروہ کے درمیان ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، ایک جماعت آئی جو اپنے اونٹوں سے اُتری اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا، صفا مَروہ کے درمیان سعی[۳] کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے دریافت کیا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ عراق کے لوگ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: حج کے لیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی اور غرض تو نہ تھی، مثلاً اپنی میراث کا کسی سے مطالبہ ہو یا کسی قرض دار سے روپیہ وصول کرنا ہو یا کوئی اور تجارتی غرض ہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، کوئی دوسری غرض نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَز سَرِ نَو اعمال کرو، یعنی پہلے سارے گناہ تمہارے معاف ہو چکے۔ دوسری چیز حدیث[۴] بالا میں یہ ہے کہ اس میں رَفث یعنی فحش بات نہ ہو، اس سے قبل قرآنِ پاک کی آیتِ شریفہ میں بھی یہ لفظ ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ گزر چکا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے، جس میں ہر قسم کی لغو[۵] اور بیہودہ بات داخل ہے، حتیٰ کہ بیوی کے سامنے صحبت کا ذکر کرنا بھی داخل ہے، حتیٰ کہ اس قسم کی بات کا آنکھ سے یا ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی داخل ہے کہ اس قسم کا ذکر شہوت کو اُبھارتا ہے۔ تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی، وہ فُسوق یعنی حکم عُدولی[۶] نہ ہونا ہے، یہ بھی قرآنِ پاک کی آیت مذکورہ میں گزر چکا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ایک جامع کلمہ ہے، جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کی ہر قسم کی نافرمانی کو شامل ہے، اس میں جھگڑا کرنا بھی داخل ہے کہ یہ بھی حکم عُدولی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ حج کی خوبی: نَرم کلام کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا ہے۔ لہٰذا کسی سے سختی سے گفتگو کرنا، نَرم کلام کے مُنَافی[۷] ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی

حل لغات: (۱) مالدار۔ (۲) ٹکراؤ۔ (۳) دوڑنا۔ (۴) اوپر والی حدیث۔ (۵) بے کار۔ (۶) حکم توڑنا۔ (۷) خلاف۔

اپنے ساتھیوں پر بار بار اعتراض نہ کیا کرے، بَدُّوَوں[1] سے سختی سے پیش نہ آئے، ہر شخص کے ساتھ تواضع سے اور خوش خُلقی[2] سے پیش آئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خوش خلقی یہ نہیں ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہونچائے، بلکہ خوش خلقی یہ ہے کہ دوسرے کی اَذِیَّت[3] کو برداشت کرے۔ سفر کے معنی لغت میں ظاہر کرنے کے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ سفر کو سفر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تم فلاں کو جانتے ہو کہ کیسا آدمی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی جانتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم نے کبھی کوئی سفر اس کے ساتھ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سفر تو نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم اس کو نہیں جانتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک صاحب نے کسی کی تعریف کی کہ بہت اچھے آدمی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم نے ان کے ساتھ کوئی سفر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سفر تو نہیں کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تمہارا ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ معاملہ بھی نہیں پڑا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تمھیں ان کے حال کی کیا خبر۔ [اتحاف]

حق یہ ہے کہ آدمی کا حال ایسی ہی چیزوں سے ظاہر ہوتا ہے، ویسے دیکھنے میں تو سب ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں، مگر سفر میں اکثر کَشِیدگی[4] ہو ہی جاتی ہے، اس لیے قرآن پاک میں حج کے ساتھ وَلَاجِدَالَ کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

② عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ۔ [متفق علیه. مشکوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے کہا ہے "نیکی والے حج" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی معصیت[5] نہ ہو، اسی واسطے اکثر حضرات اس کا ترجمہ "حج مقبول" سے کرتے ہیں کہ جب آداب وشرائط کی رعایت ہوگی، کوئی لغزش[6] اس میں نہ ہوگی تو وہ حج ان شاء اللہ مقبول ہی ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حج کی نیکی لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حج کی نیکی کھانا کھلانا اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا ہے۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا

حل لغات: ① گاؤں کے رہنے والے۔ ② اچھے اخلاق۔ ③ تکلیف دینا۔ ④ رنجش۔ ⑤ گناہ۔ ⑥ غلطی۔

کچھ نہیں، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ حضور! نیکی والا حج کیا چیز ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور سلام کثرت سے کرنا۔ [کنز]

③ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُّعْتِقَ اللهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ: مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ۔ [رواہ مسلم، مشکوٰۃ وبمعناہ عن جابر]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ[1] کے دن سے زائد، بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، یعنی جتنی کثیر[2] مقدار کو عرفہ کے دن خلاصی[3] ہوتی ہے، اتنی کثیر تعداد کسی اور دن کی نہیں ہوتی، حق تعالیٰ شانہٗ (دنیا کے) قریب ہوتے ہیں، پھر فخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں: ''یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟''۔

فائدہ: اللہ جَلَّ شانُہٗ کا قریب ہونا، یا نیچے کے آسمان پر اُترنا، یا اس قسم کے اور جو مضامین ذکر کیے گئے ہیں، ان کی اصل حقیقت تو اللہ جَلَّ شانُہٗ ہی کو معلوم ہے کہ وہ ہر وقت قریب ہے، اُترنے چڑھنے کی ظاہری معنی سے بالاتر[4] ہے، علماء اس قسم کے مضامین کو رحمتِ خاصہ[5] کے قریب ہونے سے تعبیر[6] فرمایا کرتے ہیں، جو مضمون حدیث بالا میں مذکور ہے، اس قسم کے مضامین بہت سی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ سب سے نیچے کے آسمان پر اُتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس ایسی حالت میں آئے ہیں کہ سَر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن پر اور کپڑوں پر سفر کی وجہ سے غُبار پڑا ہوا ہے، لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کا شور ہے، دُور دُور سے چل کر آئے ہیں، میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے گناہ معاف کر دیے، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں شخص گناہوں کی طرف منسوب ہے اور فلاں مرد اور فلاں عورت (تو بس کیا کہا جائے)، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کسی دن بھی لوگ جہنم کی آگ سے آزاد نہیں ہوتے۔ [مشکوٰۃ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: یہ میرے بندے بکھرے ہوئے بالوں والے میرے پاس آئے ہیں، میری رحمت کے اُمیدوار ہیں (اس کے بعد بندوں سے خطاب فرماتے ہیں) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں اور آسمان کی بارش کے قطروں کے برابر ہوں

حل لغات: ① نویں ذی الحجہ کا دن۔ ② زیادہ، بڑی۔ ③ جہنم سے آزادی۔ ④ اونچا، بلند۔ ⑤ خاص قسم کی رحمت۔ ⑥ بیان کرنا۔

اور تمام دنیا کے درختوں کے برابر ہوں تب بھی بخش دیے جاؤ، بخشے بخشائے اپنے گھر چلے جاؤ۔ [کنز]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں، دیکھو! میں نے ان بندوں کی طرف اپنا رسول بھیجا، یہ اس پر ایمان لائے، میں نے ان پر کتاب نازل کی، یہ اس پر ایمان لائے، تم گواہ رہو کہ میں نے ان کے سارے گناہ معاف کر دیے۔ [کنز]

غرض بہت کثرت سے روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، ان ہی جیسی احادیث کی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ حج کی معافی صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں، کبیرہ گناہ بھی اس سے معاف ہوجاتے ہیں، وہ بااختیار بادشاہ ہے، اس کی نافرمانیوں کا نام گناہ ہے، وہ کسی آدمی کو یا کسی جماعت کو اپنے فضل سے بالکل ہی معاف کر دے تو نہ اس کے لطف و کرم سے بعید[1] ہے، نہ کسی دوسرے کا اس میں اجارہ[2] ہے۔

شِفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک جماعت سَعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور ان سے یہ قصہ بیان کیا کہ قبیلۂ کَتامہ کے لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کو آگ میں جلانا چاہا، رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے، مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا، بدن ویسا ہی سفید رہا، سعدون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاید اس شہید نے تین حج کیے ہوں گے، لوگوں نے کہا: جی ہاں! تین حج کیے ہیں، سعدون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھے یہ حدیث پہونچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا، اس نے اپنا فریضہ ادا کیا اور جس نے دوسرا حج کیا، اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے تو اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کی کھال کو، اس کے بال کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

(۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيْزٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَارُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا يَرَىٰ مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ إِلَّا مَارُئِيَ يَوْمَ بَدْرٍ۔ [رواه مالك مرسلًا. مشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غزوۂ بدر کا دن تو مستثنیٰ[3] ہے، اس کو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں، جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، بہت راندہ[4] پھر رہا ہو، بہت حقیر ہو رہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں بھر رہا ہو اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ عرفہ کے دن میں اللہ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا، بندوں کے بڑے بڑے گناہوں کا معاف ہونا، دیکھتا ہے۔

حل لغات: (۱) دور۔ (۲) ٹھیکہ، قابو۔ (۳) الگ، جدا۔ (۴) دھتکارا ہوا۔

فائدہ: شیطان کو اس دن میں جتنا بھی غصہ ہو، جتنا بھی اس پر رنج وملال کا اثر ہو، جتنا بھی وہ پریشان حال ہو، قرینِ قیاس[1] ہے، کیونکہ اس کی عمر بھر کی محنت کہ بڑی مشقتوں اور محنتوں سے اس نے لوگوں سے گناہ کرائے، وہ آج ایک رحمت کے جھونکے میں سب صاف ہو گئے، اس پر جتنا بھی اس کو غصہ اور رنج ہو، وہ ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اپنے شریر لشکر کو اس پر مامور[2] کرتا ہے کہ وہ حاجیوں کے راستہ میں بیٹھ کر ان کو راستہ سے بے راہ[3] کریں۔ [کنز]

صوفیہ میں سے ایک صاحبِ کشف کا قصہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کو عرفہ کے دن شیطان نظر آیا کہ بہت ہی کمزور ہو رہا ہے، چہرہ زرد[4] پڑا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، کمر سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاتا، وہ جھک رہی ہے، ان بزرگ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تُو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ چیز رُلا رہی ہے کہ حاجی لوگ بلا (کسی دنیوی غرض) تجارت وغیرہ کے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے، مجھے یہ ڈر اور رنج ہے کہ وہ پاک ذات ان لوگوں کو نامراد نہیں رکھے گی، اس غم میں رو رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں: پھر میں نے اس سے پوچھا کہ تو دُبلا کیوں ہو گیا؟ اس نے کہا کہ گھوڑوں کی آواز سے جو ہر وقت اللہ کے راستوں میں (حج، عمرہ، جہاد وغیرہ میں) پھرتے رہتے ہیں، کاش یہ سواریاں میرے راستے (لہو ولعب[5]، بدکاری، حرام کمائی وغیرہ) میں پھرتیں، تو مجھے کیسی اچھی لگتیں، انہوں نے فرمایا کہ تیرا رنگ ایسا زرد کیوں پڑ گیا؟ اس نے کہا کہ لوگ ایک دوسرے کو نیکیوں پر آمادہ[6] کرتے ہیں، اس کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اگر یہ آپس کی امداد واعانت گناہوں کے کرنے میں ہوتی تو میرے لیے کس قدر مَسَرّت[7] کا سبب ہوتی، تو انہوں نے فرمایا کہ تیری کمر کیوں جھک گئی؟ اس نے کہا کہ بندہ ہر وقت یہ کہتا ہے کہ یا اللہ! خاتمہ بالخیر[8] عطا کر، ایسا شخص جس کو اپنے خاتمہ کا ہر وقت فکر رہے کب اپنے کسی نیک عمل پر گھمنڈ کرے گا۔

⑤ عَنِ ابْنِ شَمَاسَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو ابْنَ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ، فَبَكٰى طَوِيْلًا وَقَالَ: فَلَمَّا جَعَلَ اللهُ الْإِسْلَامَ فِيْ قَلْبِيْ، أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ لِأُبَايِعَكَ. فَبَسَطَ يَدَهٗ. فَقَبَضْتُ يَدِيْ. فَقَالَ:	ابن شماسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، اُن کا آخری وقت تھا، انتقال ہو رہا تھا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس وقت بہت دیر تک روتے رہے، اس کے بعد اپنے اسلام لانے کا قصہ سنایا اور فرمانے لگے کہ

حل لغات: ① وہ بات جسے عقل قبول کرے۔ ② مقرر، متعین۔ ③ گمراہ۔ ④ پیلا۔ ⑤ کھیل کود۔ ⑥ اُبھارنا، ترغیب دینا۔ ⑦ خوشی۔ ⑧ ایمان والی موت۔

مَالَكَ يَا عَمْرُو! قَالَ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ، قَالَ: تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قَالَ: أَنْ يُّغْفَرَلِيْ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ يَاعَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ۔ [رواہ ابن خزيمة في صحيحه هكذا مختصراً، ورواه مسلم وغيره أطول منه كذا في الترغيب]

جب اللہ جَلَّ شانُہٗ نے میرے دل میں اسلام لانے کا جذبہ پیدا کر دیا، تو میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حاضر ہو کر عرض کیا کہ بیعت کے لیے ہاتھ دے دیجیے، میں مسلمان ہوتا ہوں، حضور ﷺ نے اپنا دستِ(۱) مبارک پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں پہلے ایک شرط کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ میرے پچھلے گناہ معاف کر دے، حضور ﷺ نے فرمایا: عَمرو! تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ اسلام ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، جو کفر کی حالت میں کیے گئے ہوں اور ہجرت اُن سب لغزشوں(۲) کو ختم کر دیتی ہے، جو ہجرت سے پہلی کی ہوں اور حج ان سب قصوروں کا خاتمہ کر دیتا ہے، جو حج سے پہلے کیے ہوں۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں اس چیز سے قطعِ(۳) نظر کہ گناہِ صغیرہ مراد ہیں یا کبیرہ، جیسا کہ سب سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے، یہ امر قابلِ لحاظ(۴) ہے کہ ایک کسی کا حق ہوتا ہے اور ایک اس کا گناہ، حج وغیرہ سے گناہ تو معاف ہوتے ہیں، مگر حقوق معاف نہیں ہوتے، مثلاً کسی شخص کا مال چُرا لیا، اس میں ایک تو وہ مال ہے جو چُرایا ہے، دوسرے اس چوری کا گناہ ہے، گناہ کے معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس کا مال چُرایا ہے، وہ بھی واپس کرنا نہ پڑے گا، اس کا واپس کرنا تو ضروری ہے۔ البتہ اس چوری کرنے کا جو گناہ ہوا، وہ معاف ہوسکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے عرفہ کی شام کو عرفات کے میدان میں، اُمت کی مغفرت کی دعا مانگی اور بہت اِلحاح(۵) وزاری سے دیر تک مانگتے رہے، رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ جَلَّ جلالُہٗ کا ارشاد ہوا کہ میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور جو گناہ بندوں نے میرے کیے ہیں، وہ معاف کر دیے، البتہ جو ایک دوسرے پر ظلم کیے ہیں؛ اُن کا بدلہ لیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے پھر درخواست کی اور بار بار یہ درخواست کرتے رہے کہ یا اللہ! تو اس پر بھی قادر ہے کہ مظلوم کے ظلم کا بدلہ تو عطا فرما دے اور ظالم کے قصور کو معاف فرما دے، مزدلفہ کی صبح کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے یہ دعا بھی قبول فرما لی، اس وقت حضورِ اقدس ﷺ نے تبسُّم(۶) فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ نے ایسی حالت میں (اِلحاح وزاری کی) تبسُّم فرمایا کہ ایسے وقت تبسُّم کی عادت شریفہ نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

حل لغات: (۱) ہاتھ۔ (۲) غلطیاں۔ (۳) چھوڑ کر۔ (۴) دھیان کے قابل۔ (۵) رونا گڑگڑانا۔ (۶) مسکرانا۔

جب اللہ جَلَّ شانُہٗ نے میری یہ دعا قبول فرمائی اور شیطان کو اس کا پتہ چلا تو آہ و[1] واویلا سے چلانے لگا اور مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ [ترغیب]

(٦) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّيْ إِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ: مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔

[رواه الترمذي وابن ماجه كذا في المشكوٰة]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حاجی لبیک کہتا ہے، تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جو پتھر، درخت، ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں، وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح سلسلۂ زمین کے منتہا[2] تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔

فائدہ: مُتعَدَّد احادیث میں آیا ہے کہ لبیک کہنا حج کا شِعار[3] ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب لبیک کہتے تھے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ جواب میں فرماتے تھے: لبیک یا موسیٰ! [کنز] حاجی کی ایک لبیک ہی نہیں اس کی ہر ہر چیز میں مستقل اجر اور فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مِنٰی کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری اور ایک ثقفی حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور! ہم کچھ دریافت کرنے آئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کر لو اور تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرما دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ، اور صفا مَروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے؟ اور عرفات پر ٹھہرنے اور شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا، اور قربانی کرنے کا، اور طوافِ زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا ہے، یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری (سواری) اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے یا اُٹھاتی ہے، وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اور طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو، اور صفا مَروہ کے درمیان سَعْی[4] کا ثواب ستّر غلاموں کو آزاد کرانے کے برابر ہے اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں، تو حق تعالیٰ شانُہٗ دنیا کے آسمان پر اُتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندے دور دور سے پراگندہ[5] بال آئے ہوئے

حل لغات: (١) رونا پیٹنا۔ (٢) آخری حد، کنارہ۔ (٣) علامت، نشانی۔ (٤) دوڑنے۔ (٥) بکھرے ہوئے۔

ہیں، میری رحمت کے اُمیدوار ہیں، اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذرّوں کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں، تب بھی میں نے معاف کر دیے، میرے بندو! جاؤ، بخشے بخشائے چلے جاؤ، تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو، ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا حال یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلہ ایک بڑا گناہ جو ہَلاک کر دینے والا ہو، معاف ہوتا ہے اور قربانی کا بدلہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے ذخیرہ ہے اور احرام کھولنے کے وقت سر منڈانے میں ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اس سب کے بعد جب آدمی طوافِ زیارت کرتا ہے تو ایسے حال میں طواف کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آئندہ از سرِ نَو[1] اعمال کر، تیرے پچھلے سب گناہ تو معاف ہو چکے۔ [ترغیب] لیکن یہ ضروری ہے کہ حج وہی حجِ مبرور[2] ہو، جو حقیقتاً حج کہلانے کا مستحق ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ لبیک اس نِداء[3] کا جواب ہے، جو اللہ تعالیٰ جَلَّ شانُہٗ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی، جس کا ذکر قرآن پاک کی آیت ﴿ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ ﴾ میں گزر چکا ہے، اس لیے جیسا کہ حاکم کی پکار پر دربار کی حاضری میں اُمید وخوف کی حالت ہوتی ہے، ایسا ہی حال ہونا چاہیے، اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنی بداعمالیوں سے حاضری ہی قبول نہ ہو۔

مُطرِّف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ عرفات کے میدان میں یہ دعا کر رہے تھے کہ یا اللہ! ان سب کو میری نحوست کی وجہ سے محروم نہ فرما۔ بکر مُزنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ عرفات کے میدان میں حُجّاج کو دیکھ کر کہتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ میں اگر نہ ہوں تو ان سب کی مغفرت ہو جاتی۔ [اتحاف]

حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب حج کے لیے احرام باندھا تو چہرہ زرد[4] ہو گیا اور بدن پر کپکپی آ گئی اور لبیک نہ کہہ سکے، کسی نے عرض کیا کہ آپ نے احرام کے شروع میں لبیک نہیں کہی، تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے جواب میں ''لا لبیک'' نہ کہا جائے یعنی تیری حاضری معتبر نہیں، اس کے بعد بڑی مشکل سے لبیک کہا، تو غشی[5] آ گئی اور اونٹنی پر سے گر گئے، اس کے بعد جب لبیک کہتے، یہی حال ہوتا، سارا حج اسی طرح پورا کیا۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کو گیا، جب احرام باندھنا شروع کیا تو انہوں نے لبیک نہ کہی، یہاں تک کہ ہم ایک میل چلے، اس کے بعد ان کو غشی آ گئی، جب غشی سے اِفاقہ[6] ہوا، تو مجھ سے کہنے لگے کہ احمد! حق تعالیٰ شانُہٗ نے حضرت

حل لغات: (۱) نئے سرے سے۔ (۲) مقبول۔ (۳) آواز، پکار۔ (۴) پیلا۔ (۵) بیہوشی۔ (۶) آرام۔

موسیٰ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف یہ وحی بھیجی تھی کہ ظالموں سے کہہ دو کہ میرا ذکر کم کیا کریں (اس لیے کہ جب آدمی اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ارشاد ﴿فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ﴾ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا'' کی بناء پر حق تعالیٰ شانُہٗ بھی اس ظالم کا ذکر کرتے ہیں، اس بنا پر فرمایا کہ میں اس ظالم کا ذکر لعنت سے کرتا ہوں) اس کے بعد ابوسلیمان رَحمۃُ اللہ علیہ نے کہا کہ احمد مجھے یہ بتایا گیا کہ جو شخص ناجائز امور کے ساتھ حج کرتا ہے اور لَبَّیۡكَ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ فرماتے ہیں: لَا لَبَّیۡكَ، تیری لَبَّیۡكَ مقبول نہیں، جب تک ان ناجائز امور کو نہ چھوڑے۔ [اتحاف] ترمذی شریف میں حضرت شَدَّاد بن اَوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے نفس سے حساب کرتا رہے اور آخرت کے لیے عمل کرتا رہے، اور عاجز و بیوقوف ہے وہ شخص جو اپنے نفس کو خواہشوں کی طرف لگائے رکھے اور اپنی آرزوؤں کے پورا ہونے کی اُمیدیں باندھے رہے۔ [نزہۃ] لیکن اس سب کے باوجود اللہ کے لطف[1] و کرم کا اُمیدوار بھی رہنا چاہیے کہ اس کا فضل اور کرم ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے الفاظ ہیں: ''اَللّٰهُمَّ مَغۡفِرَتُكَ أَوۡسَعُ مِنۡ ذُنُوۡبِيۡ وَرَحۡمَتُكَ أَرۡجٰى عِنۡدِيۡ مِنۡ عَمَلِيۡ''۔ یا اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت زیادہ وسیع[2] ہے اور تیری رحمت میرے اعمالِ حسنہ سے زیادہ امید کے قابل ہے۔

ایک بزرگ مکّہ مکرمہ میں ستّر برس رہے اور برابر حج اور عمرے کرتے رہے، لیکن جب وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھتے اور لَبَّیۡكَ کہتے تو جواب ''لَا لَبَّیۡكَ'' ملتا، ایک مرتبہ ایک نوجوان نے ان کے ساتھ ہی احرام باندھا اور ان کو جب ''لَا لَبَّیۡكَ'' کا جواب ملا، تو اس نے بھی سنا، تو وہ کہنے لگا: چچا جان! آپ کو تو لَا لَبَّیۡكَ کہا، کہنے لگے کہ بیٹا! تُو نے بھی سنا؟ اس نے کہا: میں نے بھی سنا ہے، اس پر شیخ روئے اور کہنے لگے کہ بیٹا میں تو ستّر برس سے یہی جواب سنتا ہوں، جوان نے کہا: پھر کیوں آپ اتنی مُشقَّت ہمیشہ اُٹھاتے ہیں؟ شیخ نے کہا: بیٹا! اس کے سوا اور کونسا دروازہ ہے جس کو پکڑلوں اور اس کے سوا اور کون میرا ہے، جس کے پاس جاؤں، میرا کام تو کوشش ہے، وہ چاہے رد کرے یا قبول کرے، بیٹا! غلام کو یہ زیبا[3] نہیں کہ وہ اتنی بات کی وجہ سے آقا کے در کو چھوڑ دے، یہ کہہ کر شیخ رو پڑے، حتیٰ کہ آنسو سینے تک بہنے لگے، اس کے بعد پھر لَبَّیۡكَ کہی، تو جوان نے سُنا کہ جواب میں کہا گیا کہ ہم نے تیری پکار کو قبول کرلیا اور ہم ایسا ہی کرتے ہیں، ہر ایک شخص کے ساتھ جو ہمارے ساتھ حُسنِ[4] ظن رکھے بخلاف اس کے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور ہم پر امیدیں باندھے، جوان نے جب یہ جواب سُنا، تو کہنے لگا: چچا تم نے بھی یہ جواب سنا؟ شیخ یہ کہہ کر کہ میں نے بھی سُن لیا، اتنے روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

حل لغات: (۱) مہربانی۔ (۲) کشادہ، پھیلی ہوئی۔ (۳) مناسب۔ (۴) اچھا گمان۔

ابوعبداللہ جلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ذُوالحُلَیفہ میں تھا، ایک نوجوان نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا، اے میرے رب! مجھے یہ ڈر ہے کہ میں لَبَّیْكَ کہوں اور تو لَا لَبَّیْكَ کہہ دے، کئی مرتبہ یہی کہتا رہا، آخر ایک مرتبہ اس نے زور سے لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ کہا اور اسی میں روح نکل گئی۔ [مسامرات]

علی بن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں عرفہ کی شب میں منیٰ کی مسجد میں ذرا سویا، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے سبز[1] لباس پہنے ہوئے آسمان سے اُترے، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں، تو اس پوچھنے والے نے خود ہی کہا کہ چھ لاکھ (۶۰۰۰۰۰) آدمی ہیں، اس نے پھر سوال کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں، اس نے خود ہی بتایا کہ ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا، یہ کہہ کر وہ دونوں آسمان کی طرف چلے گئے۔ ابن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس خواب کی وجہ سے گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی اور مجھے بڑا سخت فکر و غم سوار ہو گیا، خود اپنے بارہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ چھ آدمی کُل ہیں جن کا حج قبول ہوا، میں بھلا ان میں کیسے ہو سکتا ہوں؟ اس کے بعد عرفات سے واپسی پر بھی میں مجمع کو دیکھ رہا تھا اور سخت فکر میں تھا کہ اتنا بڑا مجمع اور اس میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے، مُزدلفہ میں اسی سوچ میں میری آنکھ لگ گئی تو وہی دو فرشتے پھر نظر آئے اور وہی سوال و جواب جو اوپر گذرے آپس میں کیے، اس کے بعد اس فرشتے نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس میں کیا حکم فرمادیا؟ دوسرے نے کہا: مجھے تو معلوم نہیں، تو اس نے کہا: یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ان چھ میں سے ہر ایک کے طُفَیل میں ایک ایک لاکھ کا حج قبول کرلیا جائے۔ ابنِ مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر جو میری آنکھ کھلی، تو مجھے اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

انہی بزرگ کا ایک اور قصّہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا، اس کے بعد مجھے تَرَس[2] آیا کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے جن کا حج قبول نہ ہوا ہو، تو میں نے دعا کی کہ یا اللہ! میں نے اپنا حج اس کو بخشا جس کا حج قابلِ قبول نہ ہو۔ رَوضُ الرِّیاحِین میں اس قصّہ میں کچھ الفاظ کی کمی بیشی[3] ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ میں نے پچاس (۵۰) سے زیادہ حج کیے اور ان سب کا ثواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اپنے والدین کو بخشتا رہا، ایک حج رہ گیا، میں نے عرفات کے میدان میں لوگوں کے رونے کی آوازیں سن کر اس کو بخش دیا، جس کا حج قبول نہ ہوا ہو، اس کے بعد مزدلفہ میں مجھے خواب میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی زیارت ہوئی، حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ اے علی! تُو مجھ سے زیادہ سخی بنتا

حل لغات: (۱) ہرا۔ (۲) رحم۔ (۳) زیادتی۔

چاہتا ہے؟ میں نے سخاوت پیدا کی اور میں نے سخی لوگوں کو پیدا کیا، میں تمام سخی لوگوں سے زیادہ سخی، سارے کریموں سے زیادہ کریم، سارے بخشش کرنے والوں سے زیادہ بخشش کرنے والا، میں نے ہر اس شخص کا حج جو قابلِ قبول نہ تھا، اس کے طفیل قبول کرلیا جس کا حج مقبول تھا۔ [اتحاف] اور رَوْض میں ہے کہ میں نے ان سب کو بخش دیا اور ان کے ساتھ ان سے کئی چند لوگوں کو اور ان میں سے ہر شخص کی سفارش اس کے گھر والوں میں، اس کے دوستوں میں اور اس کے پڑوسیوں میں قبول کی۔

ابوعبداللہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قصہ اس قسم کا رسالہ کے ختم پر حکایات میں نمبر تیرہ [۱۳] پر آرہا ہے اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے لَبَّيْكَ نہ کہہ سکنے کا قصّہ حکایات میں نمبر سترہ [۱۷] پر آرہا ہے، ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اللہ جلَّ شانُہٗ کے لطف وکرم سے یہ اُمید رکھنا چاہیے کہ وہ محض [۱] اپنے کرم سے نواز دے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص بہت بڑا گنہگار ہے جو عرفات کے میدان میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی۔ [اتحاف]

⑦ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَفَعَهٗ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْحَاجُّ يَشْفَعُ فِيْ أَرْبَعِ مِائَةٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتٍ أَوْ قَالَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ۔ [رواه البزار وفيه راو لم يسم كذا في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حاجی کی سفارش چار سو [۴۰۰] گھرانوں میں مقبول ہوتی ہے، یا یہ فرمایا کہ اس کے گھرانے میں سے چار سو [۴۰۰] آدمیوں کے بارہ میں قبول ہوتی ہے، راوی کو شک ہوگیا کہ کیا الفاظ فرمائے تھے، اور یہ بھی فرمایا کہ حاجی اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ پیدائش کے دن تھا۔

فائدہ: چار سو [۴۰۰] آدمیوں کے بارہ میں سفارش قبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اتنے لوگوں کی مغفرت کا تو گویا اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے وعدہ ہے اور اس سے زیادہ میں کوئی مانع [۲] نہیں۔ بہت سی روایتوں میں یہ وارد ہوا ہے کہ حاجی جن کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

حضرت فُضَیْل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور صوفیہ میں ہیں، ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں ارشاد فرمانے لگے کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر یہ سارا کا سارا مجمع کسی کریم کے دروازہ پر جاکر ایک چھدام [۳] اس سے مانگے، کیا وہ کریم انکار کردے گا؟ لوگوں نے کہا: کبھی بھی انکار نہیں کرسکتا، فرمانے لگے: خدا کی قسم! اللہ جَلَّ شانُہٗ کے نزدیک ان سب کی مغفرت کردینا اس کریم کے چھدام دینے سے بھی زیادہ آسان ہے، اللہ تعالیٰ کے کرم کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں۔ [روض الریاحین]

حل لغات: ① صِرف۔ ② روکنے والی چیز۔ ③ کوڑی، تھوڑی چیز۔

⑧ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهُ، فَإِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَّهُ۔ [رواه أحمد كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو، اپنے لیے دعائے مغفرت کی اس سے درخواست کرو کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر آیا ہے۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجاہد اور حاجی اللہ کا وفد[1] ہیں، جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے، جو دعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔ اور دوسری احادیث میں بھی مختلف الفاظ سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا آئی ہے کہ یا اللہ! تُو حاجی کی بھی مغفرت کر اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعا کی، اس سے اور بھی زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حاجی کی بھی اللہ کے یہاں سے مغفرت ہے اور حاجی ۲۰ / ربیع الاوّل تک جس کے لیے دعائے مغفرت کرے؛ اس کی بھی مغفرت ہے۔

سلف[2] کا معمول تھا کہ وہ حُجّاج کی مُشایَعت[3] بھی کرتے تھے اور ان کا استقبال بھی کرتے تھے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ [اتحاف]

⑨ عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ [رواه أحمد و الطبراني والبيهقي، وإسناد أحمد حسن كذا في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حج میں خرچ کرنا، جہاد میں خرچ کرنے کی طرح سے ایک! (روپیہ) کا بدلہ ساتسو (روپیہ) ہے۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ تیرے عمرہ کا ثواب تیرے خرچ کی بقدر ہے یعنی جتنا زیادہ اس میں خرچ کیا جائے گا، اتنا ہی ثواب ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، جس کا ثواب سات سو درجہ اَلْمُضَاعَف[4] ہوتا ہے۔ [کنز]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج میں خرچ کرنا ایک درم، چار کروڑ درم کے برابر ہے۔ یعنی ایک روپیہ چار کروڑ روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے، اس کے بعد بھی اگر مسلمان وہاں جا کر روپیہ خرچ کرنے

حل لغات: ① مخصوص جماعت۔ ② بزرگوں۔ ③ رخصت کرنے کے لیے چند قدم ساتھ چلنا۔ ④ دوگنا، زیادہ۔

میں بخل اور کنجوسی کا خیال کرے، تو کس قدر خسارہ[1] کی بات ہے۔

مشائخ نے حج کے آداب میں ''خرچ کرنے میں تنگی نہ کرنا'' خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ اِسراف[2] سے مراد اچھے اچھے لذیذ چیزوں کے کھانے اور پینے میں خرچ کرنا مراد ہے، لیکن وہاں کے لوگوں پر خرچ کرنے میں کوئی اسراف ہے ہی نہیں۔ میرے مشائخ کا ارشاد ہے کہ اگر کھانے پینے کی چیزوں میں بھی وہاں کے تاجروں کی اِعانت[3] کا ارادہ کرلے، تو یہ بھی پھر اپنی ذات پر خرچ کے بجائے وہاں کے اہلِ ضرورت پر خرچ بن جاتا ہے، اس کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہیے۔

مجھے اپنے آقا و مُرشِد حضرت اَقدس مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کی ہمرکابی[4] میں دو مرتبہ اس پاک زمین پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، میں نے ہمیشہ حضرت کا یہ معمول بڑی خصوصیت سے دیکھا کہ وہاں کے قیام میں ہند کے واقف جانے والے اگر کوئی ہدیہ پیش کرتے تو اوّل تو حضرت بڑے اِصرار[5] سے اس کو یہ کہہ کر واپس فرماتے کہ یہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں، ان کی خدمت میں پیش کیا جائے، مخصوص اہلِ فضل وکمال کا پتہ بھی بتادیتے، اس کے بعد اگر کوئی اِصرار کرتا تو مجبوراً حضرت قبول فرماکر اس ناکارہ کو اس ارشاد کے ساتھ مرحمت فرمادیتے: اس کی کوئی چیز بازار سے منگا لینا کہ یہاں کے تاجروں کی بھی مدد کرنا چاہیے۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے کریم[6] ہونے کے آثار[7] میں سے ہے کہ اس کے سفر کا توشہ[8] عمدہ ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ توشہ کے عمدہ ہونے سے خود اس کا بہتر ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے اور خرچ کرنے میں طبیعت پر بار[9] نہ ہو؛ یہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا دوسرا ارشاد ہے کہ بہترین حاجی وہ ہے جس کی نیت میں اخلاص ہو، نفقہ[10] بہتر ہو اور اللہ کے ساتھ یقین کامل ہو۔ [اتحاف] ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ ''جو شخص اللہ کی رضا کی جگہ خرچ کرنے میں بُخل[11] کرتا ہے، اس کو اس سے کئی گنا زیادہ اللہ کی ناراضی میں خرچ کرنا پڑتا ہے، اور جو شخص کسی دنیوی غرض سے حج فرض کو تاخیر کرتا ہے اس کی یہ غرض اس وقت تک مؤخر کردی جاتی ہے، جب تک لوگ حج سے فارغ ہوکر نہ آجائیں، اور جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد کرنے سے پہلوتہی[12] کرتا ہے اس کو کسی گناہ کی چیز میں اعانت کرنا پڑتی ہے۔ [ترغیب وفي الكنز برواية الطبراني عن أبي جحيفة رضی الله عنه]

(١٠) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَفَعَهُ قَالَ: مَا أَمْعَرَ حَاجٌّ قَطُّ۔ قِيْلَ لِجَابِرٍ: مَا الْإِمْعَارُ؟ قَالَ: مَا افْتَقَرَ۔ [رواه الطبراني في	حضرت جابر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں کہ

حل لغات: (١) نقصان۔ (٢) فضول خرچی۔ (٣) مدد۔ (٤) ساتھ۔ (٥) ضد، بار بار تقاضہ کرنا۔ (٦) شریف۔ (٧) علامت۔ (٨) سامان۔ (٩) بوجھ، بھاری پن۔ (١٠) خرچہ۔ (١١) کنجوسی۔ (١٢) کترانا، ٹال مٹول کرنا۔

الأوسط والبزار، ورجاله رجال الصحيح. كذا في الترغيب]	حاجی فقیر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت فقر کو روکتی ہے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ لگاتار حج وعمرہ برے خاتمہ سے بھی حفاظت کا سبب ہے، اور فقر کو بھی روکتے ہیں۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ حج کرو غنی① بنو گے، سفر کرو صحت یاب ہو گے۔ [کنز] یعنی تبدیل آب وہوا اکثر صحت کا سبب ہوتی ہے اور بہت کثرت سے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ لگاتار حج و عمرہ فقر اور گناہوں کو ایسا دُور کرتے ہیں، جیسا آگ کی بھٹی لوہے کے مَیل کو دور کرتی ہے۔ [کنز]

⑪ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ. [متفق عليه، مشكوٰة]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے۔

فائدہ: ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ [مشکوٰۃ] حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں ضعیف② بھی ہوں اور کم ہمّت بھی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں کوئی کانٹا بھی نہیں چُبھتا (یعنی زخم ذرا بھی نہیں) اور وہ حج ہے۔ [ترغیب] ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب اعمال سے افضل ہے، کیا ہم عورتیں جہاد نہ کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے افضل جہاد حجِ مقبول ہے۔ [ترغیب] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ہے کہ بچے اور بوڑھے اور ضعیف آدمیوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔ [کنز]

اس قسم کے بہت سے ارشادات احادیث میں وارد ہیں اور ان سب کے علاوہ ایک ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احادیث میں آیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر عورتوں سے ارشاد فرمایا کہ "یہ حج ہے جس کو تم کر رہی ہو، اس کے بعد اپنے گھر کے بوریوں پر رہنا۔ اس حدیث پاک کی وجہ سے اُمّہاتُ المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے تو کوئی حج اس کے بعد نہیں کیا اور یہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ ارشاد سنا ہے

حل لغات: ① مالدار۔ ② کمزور، بوڑھا۔

پھر کیسے گھر سے سفر کے لیے نکلیں، لیکن اور باقی ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن پہلی احادیث کی بناء پر حج اور عمرہ کے لیے تشریف لے جاتی رہیں۔ [ترغیب]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ارشاد اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارُض[1] نہیں، اصل یہ ہے کہ عورتوں کا مسئلہ بڑا نازک ہے ان کا سفر بڑی شرائط کو چاہتا ہے، اس لیے جہاں تک حج اور عمرہ اور اس کی فضیلت کا تعلّق ہے، عورتوں کے لیے وہ بہترین جہاد اور بہترین عبادت ہے، لیکن چونکہ اس میں کچھ شرائط اور پابندیاں ہیں جن کا حاصل ہونا اکثر دشوار[2] ہوجاتا ہے، اس لیے احتیاطاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا۔ وہ پابندی احتیاط کی اور مَحْرَم[3] کے وجود کی ہے۔ بہت سی احادیث میں یہ ارشاد ہے کہ عورت کے لیے سفر ناجائز ہے، اس وقت تک کہ اس کے ساتھ کوئی مَحْرَم نہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ کوئی مرد ہرگز کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں نہ رہے اور کوئی عورت ہرگز بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عورت پردہ کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس کی فکر میں رہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس جگہ تنہا اجنبی مرد وعورت ہوں گے، تیسرا شخص وہاں شیطان ہوگا۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں ہے کہ (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بہت بچو، کسی نے عرض کیا کہ حضور! اگر دیور ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے۔ [مشکوٰۃ]

موت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے ہلاکت کے اسباب بوجہ ہر وقت کی قُرب[4] کے بہت زیادہ پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی وعیدیں احادیث میں وارد ہیں۔ اور سفر میں بسا اوقات[5] اجنبی مردوں کے ساتھ تنہا مکان میں رہ جانے کی نوبت آجاتی ہے اور بغیر محرم کے تو سفر جائز ہی نہیں، چاہے تنہا رہنے کی نوبت آئے یا نہ آئے، پس اس صورت میں ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا قصّہ ہوجاتا ہے۔

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔ [رواه أبوداؤد وفي الترغيب بلفظ اٰخر عن الأصبهاني]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا چاہیے۔

فائدہ: دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ فرض حج میں جلدی کرو، نہ معلوم کیا بات پیش آجائے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ حج میں جلدی کرو، کسی کو بعد کی کیا خبر ہے کہ کوئی مرض پیش آجائے یا کوئی اور ضرورت درمیان میں لاحق[6] ہوجائے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ حج نکاح سے

حل لغات: (۱) ٹکراؤ۔ (۲) مشکل۔ (۳) جس سے کسی صورت میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ (۴) نزدیکی۔ (۵) اکثر۔ (۶) پیش آجانا۔

مُقدّم[1] ہے۔[کنز]ایک حدیث میں ہے کہ جس کو حج کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے، کبھی آدمی بیمار ہوجاتا ہے کبھی سواری کا انتظام نہیں رہتا کبھی اور کوئی ضرورت لاحق ہوجاتی ہے۔[کنز]ایک حدیث میں ہے حج کرنے میں جلدی کرو، نہ معلوم کیا عذر پیش آجائے۔ [کنز]

ان احادیث کی بناء پر ائمّہ میں سے ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حج فرض ہوجائے، تو اس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے، تاخیر کرنے سے گنہگار ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض حج ادا کرو، وہ بیس[20] مرتبہ جہاد کرنے سے بڑھا ہوا ہے۔[کنز]ایک حدیث میں ہے کہ حج کرنا جہاد ہے اور عمرہ کرنا نفل ہے۔ [کنز]

⑬ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ كُتِبَ لَهٗ أَجْرُ الْحَاجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهٗ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ خَرَجَ غَازِيًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهٗ أَجْرُ الْغَازِيْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ [رواه أبويعلى من روايةِ ابن إسحق، وبقية رواته ثقات كذا في الترغيب]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج کے لیے جائے اور راستہ میں انتقال کرجائے، اس کے لیے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا، اور اسی طرح جو شخص عمرہ کے لیے جائے اور راستہ میں انتقال کرجائے اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا، اور جو شخص جہاد کے لیے نکلے اور راستہ میں انتقال کرجائے اس کے لیے قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا۔

فائدہ: ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور مرجائے، نہ اس کی عدالت میں پیشی[2] ہے، نہ حساب کتاب، اس سے کہہ دیا جائے گا کہ جنت میں داخل ہوجا۔[ترغیب]ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ بیت اللہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے، جو شخص حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور راستہ میں مرجائے، تو جنت میں داخل ہوجائے گا اور جو فراغت کے بعد واپس ہو، وہ اَجر[3] اور غنیمت کے ساتھ واپس ہوگا۔[ترغیب]غنیمت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی اس خرچ کا بدلہ ملتا ہے جو حج میں خرچ کیا، جیسا کہ حدیث نمبر دس[10] کے ذیل میں گذر چکا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جو مکّہ کے راستہ میں جاتے ہوئے یا واپسی میں مرجائے، اس کی نہ پیشی ہے، نہ حساب کتاب ہے۔[ترغیب]ایک حدیث میں ہے: جو شخص حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ کے راستہ میں مرجائے، نہ اس

حل لغات: ① پہلے۔ ② حاضر ہونا۔ ③ ثواب۔

کی پیشی ہے، نہ حساب کتاب ہے، وہ سیدھا جنّت میں داخل ہوجائے گا۔[کنز] ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کی بہترین حالت یہ ہے کہ حج سے فراغت پر یا رمضان کے روزے رکھ کر مرے۔[کنز] یعنی یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ گناہوں سے پاک صاف ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو احرام کی حالت میں مرے گا، وہ حشر میں لبیک کہتا ہوا اُٹھے گا۔ [کنز]

⑭ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ امْرَأَةً مِّنْ خَثْعَمَ قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ. أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ [متفق عليه، مشكوٰة]	ایک صحابی عورت رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور! اللہ کے فریضۂ حج نے میرے باپ کو ایسی حالت میں پایا کہ وہ بوڑھے ہیں، سواری پر بھی سوار نہیں ہوسکتے، کیا میں اُن کی طرف سے حج بدل کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ان کی طرف سے حج کرو۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی مرد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ہمشیرہ[1] نے حج کی نذر[2] کی تھی، اب ان کا انتقال ہوگیا کیا کرنا چاہیے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو تم ادا کرتے یا نہ کرتے؟ انہوں نے عرض کیا: جی حضور! ادا کرتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا قرض ہے، اس کو ادا کرو۔[مشکوٰۃ] ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کا قصّہ ہے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں، نہ حج کرسکتے ہیں، نہ عمرہ کرسکتے ہیں، نہ سفر کرسکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کی طرف سے حج بھی کرو، عمرہ بھی کرو۔[مشکوٰۃ] ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوع[3] کے سوال کے جواب میں فرمایا: اگر تیرے باپ کے ذمّہ قرضہ ہوتا اور تُو ادا کرتا، تو وہ ادا ہوجاتا یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ادا ہوجاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو اللہ بڑے رحم والے ہیں (یعنی وہ قرض کیوں نہ قبول کریں گے) اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔ [کنز]

ایک حدیث میں ارشاد ہے: جو شخص اپنے والدین کی طرف سے ان کے انتقال کے بعد حج کرے، اس کے لیے جہنم کی آگ سے خلاصی[4] ہے اور والدین کے لیے پورا حج لکھا جاتا ہے، اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور کسی اپنے قریبی رشتہ دار کے لیے اس سے بڑھ کر صلہ رحمی نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج کرکے اس کی قبر میں پہونچائے۔[کنز] ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے

حل لغات: ① بہن۔ ② منت ماننا۔ ③ قسم۔ ④ آزادی، چھٹکارا۔

دریافت کیا: یارسول اللہ! جب میرے والدین زندہ تھے، تو میں ان کے ساتھ حُسنِ[1] سلوک کیا کرتا تھا، اب ان کا انتقال ہوگیا، اب میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہتا ہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اپنے لیے نماز پڑھو، تو ان کے لیے بھی نماز پڑھو (یعنی نماز پڑھ کر اس کا ثواب ان کو پہونچاؤ) اور جب اپنے لیے روزے رکھو تو ان کے لیے بھی روزے رکھو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، یہ ان تک پہونچتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: پہونچتا ہے اور وہ اس سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تمہارے پاس طَباق[2] میں کوئی ہدیہ پیش کیا گیا ہو۔ [مناسک قاری]

دوسرے کی طرف سے حج دو طرح کیا جاتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کی طرف سے حج نفل کرے، اس کے لیے تو کوئی شرط نہیں، جس کا دل چاہے جس کی طرف سے چاہے حج نفل یا عمرہ یا طواف کرسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کرے اس کے ذمّہ حج فرض ہو اور اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، جن کو وقت پر علماء سے تحقیق کر لینا چاہیے۔

(۱۵) إِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالْحَجَّةِ الْوَاحِدَةِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ : اَلْمَيِّتَ وَالْحَاجَّ عَنْهُ وَالْمُنَفِّذَ لِذٰلِكَ۔

[عب هب عن جابر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. كذا في الكنز]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ (حجِ بدل میں) ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں: ایک مُردہ (جس کی طرف سے حجِ بدل کیا جارہا ہے) دوسرا حج کرنے والا، تیسرا وہ شخص (وارث وغیرہ) جو اَب حج کرا رہا ہے (یعنی حجِ بدل کے لیے روپیہ دے رہا ہے)۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے، اس حج کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ہوتا ہے، جتنا اس شخص کو ہو جس کی طرف سے حج کیا جاتا ہے۔ [کنز]

ابنِ مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کی طرف سے متعدّد حج کیے، ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن المُوَفَّق! تُو نے میری طرف سے حج کیے؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضور! کیے، حضور ﷺ نے فرمایا: تُو نے میری طرف سے لبیک کہا؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضرت! حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا

حل لغات: (۱) اچھا برتاؤ۔ (۲) بڑی تھالی۔

کہ حشر کے میدان میں تیرا ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کر دوں گا اور لوگ اپنا حساب کتاب کر تے رہیں گے۔ [اتحاف]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے میں چار شخصوں کو حج کا ثواب ملتا ہے: ایک وصیّت کرنے والے کو، دوسرے اس کو جو اس وصیّت کو لکھے، تیسرے روپیہ خرچ کرنے والے کو، چوتھے حج کرنے والے کو۔ [کنز] لیکن ایک بات کا نہایت اہتمام سے خیال رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ حجِ بدل میں نیت خالص رکھنے کی اہتمام سے کوشش کرے، مقصد محض حج و زیارت اور دوسرے کی اِعانت[1] ہو، اس حج کی وجہ سے کوئی دُنیوی مَنفَعَت[2] مقصود نہ ہو، اگر ایسا ہوا تو حج کرانے والے کو تو ثواب مل ہی جائے گا، مگر اس حج کرنے والے کا ثواب تو ختم ہوا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص اجرت کے ساتھ حجِ بدل کرتا ہے، وہ دین کے عمل سے دُنیا کما رہا ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو مُستقِل مشغلہ اور تجارت نہ بنائے کہ اللہ جَلَّ جلالُہٗ دین کے طفیل دنیا تو عطا فرما دیتے ہیں، لیکن دنیا کے بدلہ دین عطا نہیں فرماتے۔ یعنی اس کی غرض تو دنیا کا ایندھن جمع کرنا ہو اور اس کو ثواب مل جائے، یہ نہیں ہوتا۔ [اتحاف]

حل لغات: (۱) مدد۔ (۲) نفع۔

دوسری فصل: حج نہ کرنے کی وعید میں

حج ارکانِ اسلام میں ایک اہم رکن ہے اور اسی پر ارکان کی تمامی[1] ہوئی ہے، جیسا کہ پہلی فصل میں گذر چکا ہے، اس لیے اس میں کوتاہی پر جتنی سختی ہو، وہ قرینِ قیاس[2] ہے۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے:

آیات

① وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ [سورۂ آل عمران: ۹۷]	ترجمہ: اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمّہ اس مکان (یعنی بیت اللہ) کا حج (فرض) ہے، اس شخص کے ذمّہ ہے جو

وہاں جانے کی سبیل[3] رکھتا ہو اور جو منکر[4] ہو تو (اللہ جَلَّ شانُہٗ کا کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تمام جہان سے غنی ہیں (ان کو کیا پروا)۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ حج کی فرضیت کی ابتداء اسی آیتِ شریفہ کے نزول سے ہوئی۔ [عینی] اس آیت شریفہ میں بہت سی تاکیدیں جمع ہوگئیں، اوّل ﴿لِلّٰهِ﴾ کا لام ایجاب کے لیے ہے، جیسا کہ علامہ عینی رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ نے لکھا، دوسرے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ کا لفظ جو نہایت لزوم پر دلالت کرتا ہے، یعنی لوگوں کی گردنوں پر یہ حق لازم ہے، تیسرے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ کے بعد ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ﴾ کو ذکر کرنا، جس میں دو طرح کی تاکید ہے: ایک بدل کی، دوسرے اجمال[5] کے بعد تفصیل کی، چوتھے حج نہ کرنے والے کو ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ سے تعبیر[6] کیا، پانچویں اس پر اپنے استغناء[7] اور بے پروائی کا ذکر فرمایا، جو بڑے غصّہ کی علامت ہے اور اس کی رسوائی پر دلالت کرتا ہے، چھٹے اس کے ساتھ سارے جہان سے استغناء کا ذکر فرمایا، جس سے اور بھی زیادہ غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔ [اتحاف]

اس میں کئی نمبر ایسے ہیں جو عربی سے تعلق رکھتے ہیں، میرا مقصد ان کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اس ایک ہی آیتِ شریفہ میں کئی وجہ سے تاکید اور حج نہ کرنے والوں پر عتاب[8] ہے۔ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص تندرست ہو اور پیسہ والا ہو کہ حج کو جا سکے اور پھر بغیر حج کیے مر جائے؛ قیامت میں اس کی پیشانی پر ''کافر'' کا لفظ لکھا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیتِ شریفہ ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ آخر تک پڑھی۔ [درمنثور]

حل لغات: ① مکمل ہونا۔ ② وہ بات جسے عقل قبول کرے۔ ③ وسعت وطاقت۔ ④ انکار کرنے والا۔ ⑤ مختصر بات کہنا۔ ⑥ بیان۔ ⑦ بے نیازی۔ ⑧ ناراضگی، غصہ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین علماء میں مشہور ہیں، ان حضرات میں سے ہر ایک سے یہ نقل کیا گیا کہ اگر مجھے کسی شخص کے متعلق معلوم ہوجائے کہ وہ غَنِی تھا، اس پر حج واجب تھا پھر بغیر حج کیے مرگیا، تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھوں۔ [اتحاف]

اگرچہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حج نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، جب تک کہ حج کا انکار نہ کرے؛ لیکن جو وعیدیں اوپر ذکر کی گئیں وہ کیا کم ہیں؟ اور آئندہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارہ میں آرہے ہیں وہ مزید ؎ برآں۔

② وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ [سورۂ بقرہ: ۱۹۵]	ترجمہ: اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کے راستہ میں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فائدہ: ایک جماعتِ مفسّرین سے یہ نقل کیا گیا کہ اس آیتِ شریفہ میں اللہ کے حقوقِ واجبہ میں خرچ نہ کرنے پر وعید ہے، اور ظاہر ہے کہ جب حج جیسے اہم فریضہ میں کوئی شخص اللہ کے دیے ہوئے مال کو خرچ نہیں کرے گا، تو اس کی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں کیا شک ہے۔

احادیث

① عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَ ذٰلِكَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ [رواه الترمذي وقَال: هٰذا حديث غريب وفي إسناده مقال. كذا في المشكوٰة]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا خرچ ہو اور سواری کا انتظام ہو کہ بیت اللہ شریف جاسکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہوکر مرجائے یا نصرانی ہوکر۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کی تائید میں وہ آیت پڑھی جو اوپر گذری: ﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ﴾۔

فائدہ: مُحدِّثین کے قواعد کے موافق اس حدیث کی سند میں کلام ہے، لیکن اوپر کی آیتِ شریفہ اور دوسری روایات سے اس حدیث شریف کی تائید ہوتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتنی اہم عبادت ہے کہ اس کا چھوڑنے والا گمراہی میں یہود اور نصاریٰ کے برابر شمار ہوتا ہے۔

حل لغات: ① اس کے علاوہ۔

② عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَ إِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے لیے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع[1] نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو یا ایسا شدید مرض نہ ہو، جو حج سے روک دے، پھر وہ بغیر حج کیے مرجائے، تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی مرے۔

[رواه الدّارمي كذا في المشكوٰة. وفي الاتحاف روي الحديث بألفاظ مختلفة وكذا بسط طرقه السيوطي في الدرّ]

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا کہ انھوں نے تین دفعہ فرمایا کہ ایسا شخص چاہے یہودی ہوکر مرے، چاہے نصرانی مرے۔ دوسری حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کرے، قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی مرا ہے یا یہودی مرا ہے۔ [کنز] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ممکن ہے کہ ان کی یہی تحقیق ہو، ورنہ علماء کے نزدیک حج نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا، انکار سے کافر ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمام شہروں میں اعلان کرادوں کہ جو شخص باوجود قدرت کے حج نہ کرے، اس پر جزیہ[2] مقرر کر دیا جائے، یہ مسلمان نہیں، مسلمان نہیں۔ [کنز و اتحاف] جزیہ کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے مسلمان پر جزیہ نہیں ہوتا۔

③ مَنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ يُبَلِّغُهٗ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهٖ، أَوْ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَلَمْ يَفْعَلْ، سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ۔ [ت عن ابن عباس كنز]	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو حج کر سکے اور حج نہ کرے یا اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے؛ وہ مرتے وقت دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرے گا۔

فائدہ: تمنا کرنے سے قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں ارشاد ہے: ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۟ۙ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۟﴾ [سورۂ مومنون: ۹۹، ۱۰۰] ترجمہ: حتیٰ کہ جب ان میں

حل لغات: ① رکاوٹ۔ ② اسلامی حکومت میں غیر مسلم پر سالانہ ٹیکس۔

سے کسی کو موت آنے لگتی ہے، اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ کو دنیا میں واپس کر دیجیے، تا کہ میں جس (مال ومتاع) کو چھوڑ آیا ہوں، اس میں پھر نیک کام کروں، (اللہ جَلَّ شانُہٗ فرماتے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ اس کی ایک بات ہے جس کو وہ کہے جارہا ہے اور ان کے آگے برزخ کا عالَم (یعنی قبر میں رہنا) ہے قیامت تک کے لیے''۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا فرماتی ہیں کہ گنہگاروں کے لیے قبروں میں ہلاکت ہے کہ کالے سانپ اس کے سر سے اور پاؤں سے ڈسنا شروع کرتے ہیں، یہاں تک کہ ڈستے ڈستے بیچ کے حصہ میں سر اور پاؤں والے مل جاتے ہیں، یہی وہ برزخ کا عذاب ہے جس کا اس آیتِ شریفہ میں ذکر ہے۔ [درِّ منثور] ایک حدیث میں آیا ہے: حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس حج کو جانے کا سامان ہو اور حج نہ کرے یا اس کے پاس مال ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے، وہ مرتے وقت دنیا میں واپس کیے جانے کی درخواست کرے گا۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ دنیا میں واپسی کی تمنا کافر کریں گے، یعنی یہ آیتِ شریفہ مسلمانوں کے لیے نہیں ہے وہ دنیا میں واپسی کی تمنا نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا نے فرمایا کہ میں قرآن پاک کی دوسری آیتیں سناتا ہوں جس میں مسلمانوں ہی کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا نے سورۂ منافقین کے آخر کی آیتیں: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ﴾ [سورۂ منافقون:۹] آخر سورت تک پڑھیں، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا (کہ اس کے مال، اولاد اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیں) یہی لوگ خسارہ(۱) والے ہیں، اور ہم نے جو کچھ مال دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے (اللہ کے کاموں میں) خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کے (سر پر) موت آجائے اور وہ (حسرت اور تمنّا سے) کہنے لگے: اے میرے رب! مجھ کو تھوڑے دن کی اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاتا (اب یہ تمنا بے کار ہے، اس لیے کہ) اللہ جلّ شانُہٗ جب کسی کی عمر ختم ہوجائے تو ہرگز مہلت نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا نے یہی آیتِ شریفہ ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [سورۂ منافقون:۹] پڑھی اور فرمایا کہ یہ مسلمان کا ذکر ہے کہ جب اس کو موت آتی ہے اور اس کے پاس مال ہو جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو یا حج نہ کیا ہو اور اللہ کے حق ادا نہ کیے ہوں، وہ موت کے

حل لغات: (۱) نقصان۔

وقت دنیا میں واپس آنے کی درخواست کرتا ہے، لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا ﴾ الآيۃ۔ [سورۂ منافقون: ۱۱] اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتے، جس کی عمر کی میعاد[1] ختم ہوچکی ہو۔ [درمنثور]

④ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهٗ جِسْمَهٗ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيْشَةِ تَمْضِيْ عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لَا يَفِدُ إِلَيَّ لَمَحْرُوْمٌ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کا فرمان ہے کہ جو بندہ ایسا ہو کہ میں نے اس کو صحت عطا کر رکھی ہو اور اس کی روزی میں وسعت[2] دے رکھی ہو اور اس کے اوپر پانچ[5] سال ایسے گذر جائیں کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہ ہو، وہ ضرور محروم ہے۔

[رواه ابن حبان في صحيحه وقال عليّ بن المنذر: أخبرني بعض أصحابنا كان حسن بن حُيَيّ يُعجبه هٰذا الحديث، وبه يأخذ، ويُحِبُّ للرّجل الموسر الصحيح أن لا يترك الحج خمسَ سنين. كذا في الترغيب وفي الباب عن جناب وأبي هريرة رضي الله عنهما كما في الكنز۔]

فائدہ: اس مضمون کی کئی حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اس حدیث کا تقاضا یہ تھا کہ ہر صاحبِ[3] ثروت پر اگر اس میں حج کی طاقت ہو تو ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ حج فرض ہوتا، لیکن چوں کہ دوسری احادیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف لفظوں میں یہ ثابت ہوگیا کہ حج عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، اس لیے اس حدیث کو فرض پر تو محمول[4] نہیں کیا جاتا؛ لیکن خیر و برکت کی محرومی سے کیا انکار ہے؟ جب کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد بھی ہے، اور اس کی عطا کی ہوئی صحت اور رزق کی وسعت بھی ہے، ایسی حالت میں اگر کوئی دوسری دینی ضرورت مقدَّم[5] نہ ہو تو پھر حاضر ہونا ہی چاہیے، البتہ اگر کوئی دوسری دینی ضرورت راجح[6] ہو تو وہ مقدَّم ہوگی اور اسی طرح اگر فقراء کی کثرت ہو تو صدقہ حجِ نفل سے افضل ہوگا۔

⑤ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ وَلَا أَمَةٍ يَضِنُّ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا کہ جو کوئی بھی مرد یا عورت کسی ایسے خرچ میں بخل[7] کرے، جو اللہ کی رضا کا سبب ہو، تو وہ اس

حل لغات: ① مقررہ وقت۔ ② کشادگی، خوش حالی۔ ③ مالدار۔ ④ مراد لینا۔ ⑤ پہلے۔ ⑥ افضل بہتر۔ ⑦ کنجوسی۔

بِنَفَقَةٍ يُنْفِقُهَا فِيْمَا يُرْضِي اللهَ إِلَّا أَنْفَقَ أَضْعَافَهَا فِيْمَا يُسْخِطُ اللهَ. وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْحَجَّ لِحَاجَةٍ مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا إِلَّا رَأَى الْمُخَلِّفِيْنَ قَبْلَ أَنْ تُقْضٰى تِلْكَ الْحَاجَةُ يَعْنِيْ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ. وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْمَشْيَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ قُضِيَتْ أَوْلَمْ تُقْضَ إِلاَّ ابْتُلِيَ بِمَعُوْنَةِ مَنْ يَّأْثَمُ عَلَيْهِ وَلَا يُؤْجَرُ فِيْهِ.	سے بہت زیادہ ایسی جگہ خرچ کرے گا، جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہو اور جو شخص کسی دنیوی غرض سے حج کو جانا ملتوی[1] کرے گا، وہ اپنی اس غرض کے پورا ہونے سے پہلے دیکھ لے گا کہ لوگ حج سے فارغ ہو کر آ گئے اور جو شخص کسی مسلمان کی مدد میں پاؤں ہلانے سے گریز[2] کرے گا، اس کو کسی گناہ کی اعانت[3] میں مبتلا ہونا پڑے گا، جس میں کچھ بھی ثواب نہ ہو۔

[رواه الأصبهاني وفيه نكارة كذا في الترغيب، رواه في مجمع الزوائد برواية الطبراني في الكبير عن أبي جحيفة وقال: فيه عبيد بن القاسم الأسدي وَهُوَ متروك ـ قلت: وهو من رواة ابن ماجه وذكره صاحب الكنز]

فائدہ: مُحدِّثین رحمہم اللہ کے قواعد کے موافق یہ روایت ضعیف ہے، لیکن ایسے امور میں ضعیف روایت ذکر کی جاتی ہے، اس لیے مُحدِّثین اس کو ذکر فرماتے ہیں۔ اس سے قطعِ نظر[4] تجربہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جو لوگ امورِ خیر سے بچا بچا کر رکھتے ہیں خواہ مخواہ مُقدّمات وغیرہ میں، رشوتوں میں اور ان سے بڑھ کر بعض اوقات حرام کاریوں میں، ناچ گانوں اور سنیماؤں میں خرچ ہونے لگتا ہے، اگر اللہ کی اس عطاء فرمائی ہوئی دولت کو خیر کے کاموں میں آدمی خرچ کرے تو پھر ان بلاؤں سے حفاظت رہے۔

یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ یہ وعیدیں اسی وقت ہیں جب کہ استطاعت[5] کے باوجود حج فرض ادا نہ کرے اور اس کے بالمقابل ناداری[6] کی حالت میں بالخصوص جب کہ دوسروں کے حقوق اپنے ذمّہ ہوں؛ ان کے حقوق کی ذمّہ داری حجِ نفل سے کہیں زیادہ ہے۔

ابن امیر الحاج مدخل میں لکھتے ہیں کہ بعض آدمی اپنے اہل وعیال کو ضیاع میں (یعنی ان کا کوئی انتظام کیے بغیر) چھوڑ کر حج کو چلے جاتے ہیں، حالاں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لیے یہی کافی ہے کہ جس کا کھانا اپنے ذمّہ ہے؛ اس کو ضائع کر دے۔

حلِ لغات: (۱) دیری کرنا۔ (۲) بچنا۔ (۳) مدد۔ (۴) ہٹ کر۔ (۵) حیثیت وطاقت۔ (۶) غربت، مفلسی۔

تیسری فصل: اس سفر کی مَشَقَّت کے تحمّل[1] میں

سفر خواہ کیسا ہی ہو وہ فی نفسہ[2] مشقّت کا سبب ہے، اسی وجہ سے شریعت نے اس میں خصوصی رعایت یہاں تک فرمائی کہ فرض نمازیں چار رکعت کی جگہ دو رکعت کردیں۔ خود نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ ''سفر آگ کا ایک ٹکڑا ہے'' پس مشقّت تو اس میں ہوتی ہی ہے اور پھر یہ سفر تو خصوصیت سے عاشقانہ سفر ہے، عُشّاق ہی کی طرح اس کو طے کرنا چاہیے کہ ان کو کوئی بُرا کہے، گالیاں دے، پتھر مارے، جو چاہے کرے، وہ اپنے خیالات میں مست اور اپنے ذوق شوق میں شاداں[3] اور فرحاں رہتے ہیں اور ہر مشقّت کا بشرطیکہ کسی دوسری دینی مصلحت یا صحت کے خلاف نہ ہو، تحمّل کرنا زیادتیٔ اجر کا سبب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سفر میں آدمی جو کچھ خرچ کرے، اس کو نہایت خوش دلی سے کرے اور جو نقصان جانی یا مالی پہونچے، اس کو طِیبِ[4] خاطر سے برداشت کرے کہ یہ اس کے حج کے قبول ہونے کی علامت ہے۔ حج کے راستہ میں مصیبت، جہاد میں خرچ کرنے کے برابر ہے کہ ایک درم کے بدلہ میں سات سو درم ملتے ہیں۔ اور حج کے راستہ میں تکلیف کا اٹھانا، جہاد میں تکلیف اٹھانے کے برابر ہے، اس لیے جو مشقّت یا نقصان برداشت کرے گا، اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے، وہ ضائع نہیں ہے۔ [اتحاف]

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ (لٰكِنَّ أَجْرَكِ عَلٰى قَدْرِ نَصَبِكِ) تیرے عمرہ کا ثواب بقدر تیری مشقّت کے ہے، اس لیے یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس سفر میں جتنی مشقّت ہوگی اتنا ہی اجر ہوگا، مگر یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ وہی مشقّت باعثِ اجر ہے جو ممدوح[5] ہو، بے وجہ کی مشقّت ممدوح نہیں۔

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا گذر ایک شخص پر ہوا، جس کے ہاتھ میں رسّی بندھی ہوئی تھی اور دوسرا شخص اس رسی سے اس کو کھینچ کر طواف کرا رہا تھا، حضور ﷺ نے اس رسی کو کاٹ دیا اور فرمایا کہ ہاتھ پکڑ کر کھینچو، بظاہر یہ شخص نابینا تھے، یا کوئی اور عارضہ[6] ایسا تھا جس کی وجہ سے دوسرے شخص کی ضرورت تھی۔ اسی طرح ایک اور قصّہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے دیکھا

حل لغات: (۱) برداشت کرنا۔ (۲) اپنی ذات میں، دراصل۔ (۳) خوش خوش۔ (۴) خوشی، رضامندی۔ (۵) جس کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ (۶) بیماری، دکھ۔

کہ دو شخص کسی رسّی وغیرہ سے بندھے ہوئے چل رہے ہیں، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے یہ مَنّت مانی ہے کہ اسی طرح آپس میں بندھے ہوئے کعبہ تک جائیں گے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس رسّی کو توڑ دو، یہ مَنّت صحیح نہیں ہے مَنّت نیک کام میں ہوتی ہے یہ شیطانی حرکت ہے۔ [عینی علی البخاری]

البتہ پیدل چلنا اس راستہ میں ممدوح اور پسندیدہ ہے، جس قدر تحمّل[1] ہو سکے اس کو برداشت کرنا چاہیے۔ بعض علماء نے تو اس آیتِ شریفہ کی بناء پر جو رسالہ کے شروع میں ﴿وَاَذِّنۡ فِي النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا﴾ الاٰیة [سورۂ حج: ۲۷] گذری ہے اور اس میں ﴿رِجَالًا﴾ یعنی پیدل چلنے والوں کو سواری پر چلنے والوں سے پہلے ذکر کیا ہے، یہ فرما دیا کہ پیدل سفر کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اور بعض علماء نے یہاں تک فرما دیا کہ جو لوگ پیدل سفر کرنے کے عادی ہیں، ان پر حج فرض ہونے کے لیے سواری کے خرچ کی ضرورت نہیں، جب بدن میں طاقت ہو، راستہ مامون[2] ہو، تو ان پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ [عینی]

نبی کریم ﷺ کے پاک ارشادات میں بھی حج کے لیے پیدل چلنے کی فضیلتیں کثرت سے وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

① عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا مَرۡفُوۡعًا : مَنۡ حَجَّ إِلٰى مَكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى رَجَعَ ، كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ خُطۡوَةٍ سَبۡعُ مِائَةِ حَسَنَةٍ مِّنۡ حَسَنَاتِ الۡحَرَمِ ، قِيۡلَ : وَمَا حَسَنَاتُ الۡحَرَمِ؟ قَالَ : كُلُّ حَسَنَةٍ بِمِائَةِ أَلۡفِ حَسَنَةٍ۔	حضور ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لیے پیدل جائے اور آئے، اس کے لیے ہر ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، کسی نے عرض کیا کہ حرم کی نیکیوں کا کیا مطلب؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

[صححه الحاكم كذا في العيني. قلت: وفي المستدرك بلفظ: مَنۡ حَجَّ مِنۡ مَكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى يَرۡجِعَ إِلٰى مَكَّةَ۔ الحديث۔ وهٰكذا في الكنز وقال قط: في الأفراد طب، ك. وتعقب هب ق وضعفه]

فائدہ: اس حساب سے سات سو نیکیاں سات کروڑ کے برابر ہو گئیں اور ہر ہر قدم پر یہ ثواب ہے، تو سارے راستہ کے ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے انتقال کے وقت اپنی اولاد کو

حل لغات: ① برداشت۔ ② محفوظ۔

وصیت فرمائی کہ پیدل حج کیا کرو، پھر اوپر کی حدیث بیان کی۔ [اتحاف السادۃ] نبی کریم ﷺ سے مُتعَدَّد روایات میں نقل کیا گیا کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم میں ایک روزہ ایک لاکھ روزوں کا ثواب رکھتا ہے، اور ایک درم صدقہ ایک لاکھ درم کا ثواب رکھتا ہے، اور اسی طرح ہر نیکی جو حرم میں کی جائے غیر حرم کی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ [اتحاف]

یہاں ایک اہم بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جیسا حرمِ محترم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے، وہاں گناہ کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے مکہ مکرمہ میں قیام کو مکروہ لکھا ہے کہ گناہ آدمی سے ہو ہی جاتا ہے اور وہاں گناہ کرنا بہت سخت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رَکِیّہ (ایک جگہ کا نام ہے جو حرم سے باہر ہے) میں ستّر گناہ کرلوں، یہ اس سے بہتر ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کروں۔ [اتحاف] چھٹی فصل کی ساتویں حدیث کے ذیل میں یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

② عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مَرْفُوْعًا : إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتُصَافِحُ رُكْبَانَ الْحَاجِّ وَتَعْتَنِقُ الْمُشَاةَ [أخرجه ابن الجوزي في مثير العزم. كذا في الاتحاف وفي الدرّ أخرجه البيهقي عنها وضعفه]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ فرشتے ان حاجیوں سے جو سواری پر آتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں اور جو پیدل چل کر آتے ہیں، اُن سے معانقہ① کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ وہ جب بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہے، جتنا اس بات کا ہے کہ میں نے پیدل حج نہیں کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جَلَّ شانُہٗ نے ﴿ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ الأية [سورۂ حج:۲۷] اس آیت شریفہ میں پیدل چلنے والوں کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔ [درمنثور] یہ آیت شریفہ اور اس کا ترجمہ رسالہ کے شروع میں گذر چکا ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پیدل حج کیا۔ [درمنثور] ایک روایت میں نقل کیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار حج کیے ہیں۔ [ترغیب] دوسری حدیث میں آیا ہے کہ چالیس حج پیدل کیے ہیں۔ [اتحاف] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول پیدل حج کرنے کا تھا۔ [اتحاف] ملّا علی

حل لغات: ① گلے ملنا۔

قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ جب حرم میں داخل ہو تو اس وقت پیدل چلے۔ [اتحاف]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص قادر ہو، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ پیدل چلے؛ اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں کو اپنے انتقال کے وقت اس کی وصیّت فرمائی اور یہ فرمایا کہ پیدل چلنے والے کے لیے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے؛ اس لیے جو لوگ چلنے کے عادی ہیں اور راستہ کا امن حاصل ہو، ان کے لیے پیدل چلنا افضل ہے، البتہ یہ شرط ضروری ہے کہ راستہ پیدل چلنے کے لیے ماموں(۱) ہو، اور کم از کم مکّہ مکرّمہ سے جب عرفات پر حج کرنے جائیں، اس وقت تو جوانوں کو اور پیدل چلنے پر قادر لوگوں کو پیدل ہی چلنا چاہیے کہ اس میں علاوہ ثواب کے ہر جگہ پر مستحبات کی رعایت قابو میں رہتی ہے، سواری کے پابند ہونے سے ہر جگہ بے بس ہونا پڑتا ہے اور بہت سے مستحبات ترک ہو جاتے ہیں اور یہ سفر کچھ طویل(۲) بھی نہیں ہے، آٹھویں تاریخ کو مکّہ مکرّمہ سے مِنیٰ تک جانا ہے جو صرف تین میل ہے، نویں کی صبح کو مِنیٰ سے عرفات پر جانا ہے جو پانچ چھ میل ہے، یہ معمولی معمولی منزلیں ایسی نہیں کہ نوجوانوں کے اور چلنے پر قادر لوگوں کے لیے بار(۳) ہوں اور ثواب اتنا زیادہ کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں ملیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں جو اوپر ذکر کی گئی ہے، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب انھوں نے اپنی اولاد کو پاؤں چلنے کی وصیّت فرمائی تو انھوں نے دریافت کیا کہ کہاں سے پاؤں چلا کریں؟ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ مکّہ مکرّمہ سے جب چلو تو پاؤں چلو۔ ایک حدیث میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ جو شخص مِنیٰ سے عرفات تک پاؤں پر جائے، اس کو ایک لاکھ نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے ملیں گی۔ علی بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے نیساپور سے پاؤں چل کر ساٹھ سے زیادہ حج کیے ہیں۔ اور مغیرہ بن حکیم سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے مکّہ سے چل کر پچاس سے زیادہ حج پیدل کیے اور اَبو العبّاس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے اسّی حج پیدل کیے ہیں۔ اور ابوعبد اللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے ستانوے حج پیدل کیے ہیں۔ [اتحاف]

کیا اندازہ ہے ان حضرات کے ثوابوں کا کہ ہر قدم پر ستّر کروڑ نیکیاں ان کو ملی ہوں گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شِفا میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے حج کا تمام راستہ پیدل قطع(۴) کیا، لوگوں نے جب مشقّت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہو، کیا وہ سواری پر سوار ہو کر حاضر ہو؟ اگر میں اس کی قدرت پاتا کہ سر کے بَل چل کر حاضر ہوں تو اسی طرح حاضر ہوتا۔ یہ ایک معمولی سی مثال ہے اس

حل لغات: (۱) امن والا، محفوظ۔ (۲) لمبا۔ (۳) بوجھ، بھاری۔ (۴) طے کیا، پورا کیا۔

سفر میں مشقّت برداشت کرنے کی۔ اسی طرح ہر اس چیز میں ہے جو خلافِ[1] طبع پیش آئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد جو اس فصل کے شروع میں ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''تیرا اَجر بقدر تیری مشقّت اٹھانے کے ہے،'' ہر تکلیف کو شامل ہے لہٰذا جتنا بھی تکالیف کا تحمّل[2] ہو سکے، اس کو نہایت بشاشت[3] اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے، شکوے شکایات اور بدکلامی[4]، بدگوئی[5] سے اپنے حج کے کثیر اجر و ثواب کو ضائع نہ کرنا چاہیے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اپنے ساتھیوں پر بار بار اعتراض کرتا رہے، اسی طرح اپنے اونٹ والے پر اور دوسرے لوگوں پر، بلکہ سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور خوش خلقی[6] کو مضبوط پکڑے رہے، اور خوش خلقی یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو اذیّت[7] نہ پہونچائے، بلکہ خوش خلقی یہ ہے کہ اذیّت کا تحمّل کرے، اسی وجہ سے بعض علماء نے سواری پر حج کو افضل بتایا ہے کہ پاؤں چلنے سے بسا اوقات آدمی میں ہیجان[8] اور غصّہ پیدا ہو جاتا ہے اور حج میں اس سے بہت احتیاط رکھنا چاہیے، لہٰذا جن لوگوں کے پیدل چلنے سے اخلاق خراب ہو جاتے ہوں، دل میں تنگی اور ملال[9] پیدا ہوتا ہو، ان کو پیدل نہ چلنا چاہیے۔ [اتحاف]

ذوق شوق اور رغبت و اشتیاق[10] اس عبادت کی خصوصیّت سے جان ہے، جس طرح ایک عاشق محبوب کے شہر کی طرف سراپا شوق و اضطراب[11] کے ساتھ چلتا ہے کہ نہ دھوپ کی پرواہ، نہ بارش کی، نہ راحت کی، نہ تکلیف کی، نہ کسی کے طعن تشنیع[12] کی، نہ بُرا بھلا کہنے کی، اسی طرح یہ سفر بھی طے کرنا چاہیے۔

ہے رِیت[13] عاشقوں کی تن من نثار کرنا ... رونا ستم اٹھانا دل سے نیاز کرنا

حل لغات: (۱) طبیعت یا مزاج کے خلاف۔ (۲) برداشت کرنا۔ (۳) خوشی۔ (۴) بُری بات کہنا۔ (۵) بُری بات کہنا۔ (۶) اچھے اخلاق۔ (۷) تکلیف۔ (۸) جوش، چڑچڑاپن۔ (۹) رنج، غم۔ (۱۰) تمنا، شوق۔ (۱۱) بیقراری، بے چینی۔ (۱۲) بُرا بھلا کہنا۔ (۱۳) دستور، طریقہ۔

چوتھی فصل: حج کی حقیقت میں

حج درحقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے اور اس کی ہر ہر چیز میں دو حقیقتیں پنہاں[1] ہیں، اگرچہ اللہ جلّ شانہٗ کے ہر حکم میں لاکھوں مصلحتیں اور حکمتیں ایسی ہیں کہ جن تک ہر شخص کے خیال کی بھی رسائی[2] نہیں ہوتی، لیکن بعض مصالح ایسی کھلی ہوئی اور ظاہر ہوتی ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں آجاتی ہیں، اسی طرح حج کے ہر ہر رکن میں بہت سی مصالح تو ایسی ہیں جن تک ذہن کی رسائی بھی نہیں، لیکن یہ دو چیزیں اس کے ہر ہر رکن میں، ہر ہر جُز میں بالکل عیاں[3] ہیں۔

ایک یہ کہ نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا، دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا۔

نمونہ کے طور پر دونوں منظروں کی طرف مختصر طریقہ سے تنبیہ کی جاتی ہے اور اس نمونہ پر غور کرنے سے سب چیزوں میں یہ امور ظاہر اور واضح ہوجائیں گے۔

پہلا نمونہ موت اور اس کے مابعد کا منظر ہے کہ آدمی جس وقت گھر سے چلتا ہے، سب عزیز اور اَقارِب[4]، گھر باہر، وطن احباب کو ایک لخت[5] چھوڑ کر دوسرے ملک، گویا دوسرے[6] عالم کا سفر اختیار کرتا ہے، جن چیزوں کے ساتھ دل مشغول تھا، گھر باہر، کھیتی باغ، احباب کی مجلسیں سب ہی اس وقت چھوٹ رہی ہیں، جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو بیک وقت خیر باد کہنا پڑتا ہے، حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابلِ غور وفکر اور قابلِ عبرت واعتبار ہے کہ جیسا آج عارضی[7] مدت کے لیے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہے، بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں۔ اس کے بعد سواری پر سوار ہونا اگر عبرت اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جنازہ پر سوار ہو کر چل دینے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ بھی ہر قدم پر وطن اور احباب سے دُوری اور جُدائی بڑھاتی رہتی ہے اور جنازہ اٹھانے والے بھی ہر قدم پر سب اَعِزّہ[8] اور گھر بار، ساز وسامان سے دور لے جاتے ہیں، کچھ لوگ ضرور جنازہ کی نماز تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ قبر تک بھی پہونچا دیتے ہیں اور کچھ قبر میں رکھنے اور مٹی ڈالنے تک بھی ساتھ دیتے ہیں، یہ سارے منظر حاجی کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں کہ کچھ لوگ گھر ہی سے مصافحہ کرکے ''فی امانِ اللہ'' کہہ دیتے ہیں، کچھ اسٹیشن تک تکلیف فرمالیتے ہیں اور کچھ بہت ہی خواص[9] ہوتے ہیں جو آگے جہاز تک بھی پہونچا دیتے ہیں، جہاز (اور قبر) میں جانے والے صرف وہی رفیق

حل لغات: (۱) چھپی ہوئی۔ (۲) پہونچ۔ (۳) ظاہر۔ (۴) رشتہ دار۔ (۵) فوراً۔ (۶) آخرت۔ (۷) تھوڑی، وقتی۔ (۸) رشتہ دار۔ (۹) قریبی۔

اور ساتھی ہوتے ہیں جو اس عالَم تک ساتھ دینے والے ہوں، چاہے وہ عزیز واقارب ہوں یا مال و متاع[1] ہو، ان میں بعض رفیقِ سفر[2] ایسے مخلص، غمگسار، راحت رَساں[3] ہوں گے جو ہر ہر قدم پر راحت پہونچاتے ہیں اور بعض رفیق ایسے بدخُلق[4]، کج مزاج[5]، ضدّی، جھگڑالو ہوتے ہیں جو سفر کی ہر منزل میں بجائے راحت کے اور مصیبت کا سبب بنتے ہیں۔

بعینہٖ[6] یہی ساری صورت آخرت کے سفر میں پیش آتی ہے کہ قبر میں ساتھ جانے والے وہی رفیقِ سفر ہیں جو آخرت تک ساتھ رہنے والے ہیں، ان میں اعمالِ حَسَنہ[7] ہر قسم کی راحت اور آرام کا سبب ہیں اور اعمالِ سَیِّئہ[8] ہر قسم کی اذیت اور تکلیف کا سبب ہیں، اعمالِ حَسَنہ نہایت حسین وجمیل آدمی کی صورت میں قبر میں ساتھ رہتے ہیں اور اعمالِ سَیِّئہ نہایت قبیح[9] صورت، ڈراونی اور گندی بُودار صورت میں ساتھ رہتے ہیں۔ اس عالم میں جتنی راحت پہونچتی ہے وہ اپنے نیک اعمال سے پہونچتی ہے، جو مرنے سے پہلے کر لیے ہوں جیسا کہ سفرِ حج میں جتنی راحت پہونچتی ہے، وہ اس مال وزر اور سامان سے پہونچتی ہے جو سفر سے پہلے مہیّا کرلیا ہو، ہاں کسی خوش قسمت کے لیے کوئی عزیز قریب یا دوست کچھ پڑھ کر یا صدقہ خیرات کر کے کچھ ایصالِ ثواب کردے تو مرنے کے بعد بھی اس کو اپنی نہایت ضرورت کے وقت کام آجاتا ہے، جیسا کہ حاجی کے پاس کوئی اس کا عزیز یا دوست بذریعہ ہُنڈی وغیرہ کوئی روپیہ پیسہ بھیج دے، تو اس سفر میں کتنی مَسَرَّت اور خوشی اور راحت کا سبب اس کے لیے بنے۔ اس کے بعد سفر کے درمیان میں جتنے خطرات ڈاکو، چور، سخت مزاج حاکموں کی طرف سے سامان کی تفتیش[10]، حالات کی تحقیقات، پاسپورٹ وغیرہ جانچ پڑتال جتنے مناظر حاجی کو دیکھنا پڑتے ہیں، وہ قبر کے سارے منظروں کی یاد دلاتے رہتے ہیں کہ مُنکر نکیر کا سوال بھی ہوگا، اپنے ایمان کا امتحان بھی ہوگا، اور سانپ بچھّو وغیرہ کیڑے مکوڑے بھی قبر میں طرح طرح سے ستائیں گے، اعمال نامہ بھی اپنے ساتھ ہی ہوگا۔ ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ﴾ الآية [سورۂ بنی اسرائیل: ۱۳] ہاں بہت سے مالدار جن کو اللہ نے دولت بے شمار دی ہے، وہ معمولی سی تفتیش اور پاسپورٹ وغیرہ کے بعد چند گھنٹوں میں حجاز پہونچ جاتے ہیں، اور جن کے پاس نیک اعمال کا ذخیرہ مالا مال کردینے والا ہو، وہ قبر کے ان سارے احوال سے بے خبر اور بے فکر دلہنوں کی طرح اس میں ایسے آرام فرماتے ہیں کہ قیامت تک کا سارا طویل[11] زمانہ اُن کے لیے گھنٹوں اور منٹوں میں گذر جائے گا، جیسا کہ نئی دلہن پہلی شب[12] میں کمخواب[13] اور مخمل[14] کے بستروں پر

حل لغات: (۱) سامان۔ (۲) سفر کے ساتھی۔ (۳) آرام پہونچانے والے۔ (۴) بُرے اخلاق والے۔ (۵) بُرے مزاج والا۔ (۶) اسی کے مطابق۔ (۷) اچھے اعمال۔ (۸) برے اعمال۔ (۹) بُری، نامناسب۔ (۱۰) چھان بین۔ (۱۱) لمبا۔ (۱۲) رات۔ (۱۳) ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس میں زری کے تار بھی استعمال ہوتے ہیں۔ (۱۴) نہایت ملائم کپڑا۔

سوتی ہے، اسی طرح یہ لوگ قبر میں سوجاتے ہیں۔

اس کے بعد احرام کی دو سفید چادریں کفن کی چادروں کی یاد ہر وقت تازہ رکھتی ہیں، اگر عبرت کی نگاہ ہو تو جتنے دن احرام بندھا رہے، ہر وقت اسی طرح کفن کی دو چادروں میں لپٹے رہنا یاد رہنا چاہیے۔ اور احرام کے وقت لبیّک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) قیامت میں پکارنے والے کی آواز پر دوڑ پڑنے کی یاد دلاتی ہے۔ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ [سورۂ طٰہٰ:۱۰۸] ''اس دن سب کے سب (خدا کی طرف سے) پکارنے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتہ) کے کہنے پر ہولیں گے۔'' ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا﴾ [سورۂ جاثیہ:۲۸] (تُو دیکھے گا ہر امّت کو زانو پر گری ہوئی اور ہر امّت پکاری جائے گی اپنی کتاب کی طرف)۔ اور مکّہ مکرّمہ میں داخل ہونا گویا اس عالم میں داخل ہوجانا ہے، جس میں اللہ کی رحمت کی امید ہے کہ مکّہ دَارُ الامَن ہے، لیکن اپنی بداعمالیوں سے یہ خوف بھی غالب ہے کہ امن کی جگہ بھی امن نہ ملے، مکّہ کا سارا قیام اسی بیم و رَجا[1] کی یاد کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ اس جگہ کا امن کی جگہ ہونا، اللہ کی رحمت اور مغفرت اور کرم اور لطف، انعام و احسان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے اور اپنی بداعمالیاں جو ساری عمر کی ہیں وہ یاد آکر ع ''مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے'' کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اور بیتُ اللہ پر نظر پڑنا قیامت میں گھر کے مالک کے دیدار کو یاد دلاتا ہے اور جس قدر خوف اور ہَیبت[2]، عظمت اور جلال کا وہ مَظہر[3] ہے، وہی سارے آداب اس وقت ہونا چاہئیں جیسا کہ کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں حاضری کے وقت ہوتے ہیں۔ اور بیتُ اللہ کا طواف ان فرشتوں کی یاد تازہ کرتا ہے کہ جو عرشِ مُعلّیٰ کا طواف کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر رونا اور مُلتَزَم[4] کو چمٹنا اس قصوروار کی مثال ہے، جو کسی بڑے محسن و مُربی کا بڑا قصور کر کے اس کا دامن پکڑ کر مُعافی کے لیے روتا ہے اور اس کے گھر کے در و دیوار کو پکڑ کر روتا ہے کہ قصور کی مُعافی کے یہی راستے ہیں اور قیامت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے کی مثال ہے۔ اور صفا مَروہ کے درمیان دوڑنا، میدانِ حشر میں اِدھر اُدھر دوڑنے کی یاد تازہ کرتا ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے ﴿يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ﴾ [سورۂ قمر:۷] ''قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے، گویا وہ ٹڈی[5] دَل ہے جو پراگندہ[6] ہے''۔

یہ منظر بندہ کے ناقص خیال میں قیامت کے ایک عجیب منظر کی یاد تازہ کرتا ہے، جس کا بڑا مُفَصَّل[7] قصہ احادیث میں آتا ہے کہ حشر کے دن جب مخلوق نہایت پریشان حال ہوگی اور مَصائب کی کثرت

حل لغات: (۱) خوف اور امید۔ (۲) دہشت۔ (۳) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۴) بیت اللہ میں حجر اسود اور دروازے کے بیچ کا حصہ جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ (۵) ٹڈیوں کا لشکر۔ (۶) حیران، پریشان۔ (۷) تفصیل سے۔

سے تنگ ہو کر یہ سوچے گی کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام بڑی اونچی ہستیاں ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں، ان سے جا کر سفارش کی درخواست کریں، اس خیال سے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، فرشتوں سے سجدہ کرایا، خود ہر چیز کے نام آپ کو تعلیم دیے وغیرہ وغیرہ، آپ ہماری سفارش کر دیں؛ تو وہ فرمائیں گے: میں تو نہیں کر سکتا، اگر مجھ سے اس ممنوع[۱] دانہ کے کھانے کا سوال ہو گیا تو کیا ہوگا؟ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ لوگ پریشان حال حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ بھی عذر فرما دیں گے کہ میں نے طوفان کے زمانہ میں اپنے بیٹے کے بچانے کا بے محل[۲] سوال کر لیا تھا، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ بھی عذر فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی عذر فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیں گے اور یہ فخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے کہ اس جلال کے دن میں سفارش کی ابتداء فرماویں گے۔

یہ بہت طویل قصہ ہے، مجھے تو صرف یہی منظر سامنے لانا ہے کہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مارے مارے پریشان حال ایک دن پھرنا ہے، جو بڑا سخت دن ہوگا۔ عرفات کا میدان تو حشر کے میدان کا پورا نمونہ ہے ہی کہ آفتاب[۳] کی تمازت[۴] اور سب کا ایک لق و دق[۵] میدان میں ایسی حالت میں اجتماع کہ مغفرت کی امید ہے، گناہوں کا خوف ہے۔ بندہ کے ناقص[۶] خیال میں عَرَفات کے میدان میں بڑی غور و فکر کی جو چیز ہے وہ عہد و میثاق[۷] ہے، جو اَزل[۸] میں ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ [سورۂ اعراف: ۱۷۲] سے لیا گیا تھا کہ عالَمِ اَرواح میں حق سُبحانہٗ و تقدّس نے ساری اَرواح سے یہ سوال کیا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا تھا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت مُسندِ احمد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ عہد عرفات ہی کے میدان میں ہوا تھا۔ یہ وقت اور یہ جگہ اس کے یاد کرنے کی ہے کہ کیا عہد کیا تھا؟ اور اس عہد کو کس طرح پورا کیا۔ اس کے بعد مُزدلفہ مِنیٰ وغیرہ کے اجتماعات ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان مواقع میں لوگوں کا اِزدحام[۹] اور ان کا شور و شغب، مختلف زبانیں، مختلف آوازیں اور لوگوں کا اپنے اپنے اماموں کے پیچھے چلنا، قیامت کے میدانوں میں اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام اور مُقتداؤں کے پیچھے چلنے کی اور حیرانی اور پریشانی کے عالَم[۱۰] میں کبھی یہاں اور کبھی وہاں جانے کی یاد تازہ کرتا ہے، ان مواقع میں عاجزی اور زاری[۱۱] کا اہتمام کر کے کام آنے والی چیز ہے۔

حل لغات: (۱) منع کیا ہوا۔ (۲) بے موقع۔ (۳) سورج۔ (۴) گرمی۔ (۵) چٹیل۔ (۶) کمزور۔ (۷) وعدہ کا اقرار۔ (۸) سب سے پہلے، انسانوں کی پیدائش کا وقت۔ (۹) بھیڑ، مجمع۔ (۱۰) حالت۔ (۱۱) رونا گڑگڑانا۔

یہ مختصر خاکہ ہے حج کے اُس مَنظر کا جو قیامت کی یاد کو تازہ کرتا ہے، جس کو مختصر الفاظ اور مختصر اَحوال کے ساتھ اشارات کے طرز[1] پر میں نے لکھا ہے، غور کیا جائے تو اسی نمونہ سے بہت سی تفصیلات سمجھ میں آسکتی ہیں۔

دوسرا منظر: اظہارِ عشق و محبّت کا ہے، وہ حاجی کے حال سے ایسا ظاہر اور واضح ہے کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی حاجت نہیں، بندوں کا تعلّق حق تعالیٰ وتقدّس کے ساتھ دو طرح کا ہے! ایک نیاز مندی اور بندگی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہے، خالق ہے، اس تعلّق کا مَظہر[2] "نماز" ہے جو سراسر نیاز و اظہارِ عبدیّت[3] ہے، اسی لیے اس میں ساری چیزیں اسی تعلّق کا مظہر ہیں کہ نہایت وقار اور سکون کے ساتھ موزوں[4] لباس اور شاہی آداب کے مناسب حالات کے ساتھ حاضری دربار کی ہے کہ وضو اور پاک کپڑوں کے ساتھ نہایت وقار اور سکون سے اوّل کانوں پر ہاتھ رکھ کر عبدیت اور اللہ جلّ جلالہٗ کی بڑائی کا اقرار کرے پھر ہاتھ باندھ کر مَعرُوضہ[5] پیش کرے پھر سر جھکا کر تعظیم کرے، اور پھر زمین پر ماتھا رگڑ کر اپنی نیاز مندی اور عجز کا اظہار کرے اور آقا کی بڑائی کا زبان سے اقرار کرتا رہے اور کوئی قول وفعل اُس کی بڑائی اور اپنے عجز کے خلاف نہ ہو۔

اس نوع[6] میں سکون و وقار کی جتنی پابندی کی جائے گی وہ اس کے شایانِ شان ہوگا، اسی لیے نماز کے لیے بھاگ کر چلنا مکروہ ہے، نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے بھی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھنا مکروہ ہے، نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے، بے ضرورت کھانسنا مکروہ ہے، حتّٰی کہ اِدھر اُدھر نظر کرنا مکروہ ہے، بے ترتیب یعنی ناموزوں ہَیئَت[7] سے کپڑا پہننا مکروہ ہے، ایسے ہی بدن پر کپڑا لٹکانا مکروہ ہے۔ یہ عبادت نماز میں بات کرنے سے ضائع ہوجاتی ہے، وضو ٹوٹ جانے سے جاتی رہتی ہے، حتّٰی کہ بے اختیار اور بے ارادہ بھی ہنس پڑنے سے ضائع ہوجاتی ہے، حتّٰی کہ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جانے سے ضائع ہوجاتی ہے، اس لیے کہ یہ بھی سکون اور وقار کے خلاف ہے۔

حق تعالیٰ وتقدّس کے ساتھ دوسرا تعلق محبت اور عشق کا ہے کہ وہ مُربِّی[8] ہے، مُنعِم[9] ہے، مُحسِن[10] ہے اور جمال وکمال کے جتنے اوصاف ہوسکتے ہیں ان سب کے ساتھ متّصف[11] ہے، اِدھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق ومحبّت کا مادّہ موجود ہے۔

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں	مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا
پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دَھرے ہوئے	کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مَرے ہوئے

حل لغات: (۱) طریقہ۔ (۲) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۳) بندگی۔ (۴) مناسب، ٹھیک۔ (۵) گزارش، درخواست۔ (۶) قِسم۔ (۷) نامناسب حالت۔ (۸) تربیت کرنے والا۔ (۹) انعام دینے والا۔ (۱۰) احسان کرنے والا۔ (۱۱) وہ شخص جس کے ساتھ کوئی صفت لگی ہو۔

مری طفلی[۱] میں شانِ عشق بازی آشکارا[۲] تھی　　　اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کا
جو چشم[۳] کہ بے[۴] نم ہو وہ ہو کور[۵] تو بہتر　　　جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا
ترے فراق[۶] میں جینا بشر کا کام نہیں　　　ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام[۷] نہیں
شاید بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے　　　عشق کو اس انجمن میں مسند[۸] آرا کردیا

اسی تعلّق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتداء ہی سب تعلّقات کو ختم کر کے، سب عزیز و اقارب، گھر بار سے منہ موڑ کر، کوچۂ[۹] یار کی طرف جانا ہے اور جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ[۱۰] عشق　　　او بصحرا رفت وما در کوچہا رسوا شدیم
نیا رنگ لائی مری بے کسی　　　چھٹا دیس جنگل کی دُھن ہوگئی
چمن سے مجھے شوق صحرا ہوا　　　نئے رنگ کا مجھ کو سَودا[۱۱] ہوا
حسرت و یاس و تمنّا تمہیں وحشت کی قسم　　　بھیڑ چھوڑو مجھے جنگل کو نکل جانے دو

اور یہ ساری وحشت[۱۲] اور اشتیاق کیوں ہے؟ یہ اضطراب اور بے چینی آخر کیوں مُسلّط[۱۳] ہوئی، اس لیے کہ محبوب کے در پر عُشّاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے، وہ قریب آ گیا۔

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں　　　سُنا ہے کل ترے در پر ہجومِ[۱۴] عاشقاں ہوگا
دوست آوارگی ہمی خواہد　　　رفتنِ حج بہانہ افتاد است

یعنی محبوب آوارگی کا نظارہ دیکھنا چاہتا ہے، حج کے سفر کو اس کا بہانہ بنا دیا۔ اور جب اس ارادہ اور جذبہ سے گھر سے نکلنا ہے، تو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ عشق میں مصائب ایک لازمی چیز ہے۔

سالکِ[۱۵] راہِ محبّت کا خدا حافظ ہے　　　اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں
او دل ذرا سنبھل کے محبّت کا نام لے　　　کمبخت بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

جب عشق کے طُفیل یہ مبارک سفر ہے، تو راستہ کی سب مشقّتیں اسی ذوق اور جذبہ کے ماتحت ہونا ضروری ہیں اور اسی فریفتگی[۱۶] سے ان کو برداشت کرنا چاہیے۔

مصائب حادثے آفت اَلم ذلّت قضا[۱۷] تُربت[۱۸]　　　دکھاتی جائے جو اُن کی جوانی دیکھتے جاؤ

حل لغات: (۱) بچپن۔ (۲) ظاہر، کھلی ہوئی۔ (۳) آنکھ۔ (۴) بغیر بھیگی ہوئی۔ (۵) اندھی۔ (۶) جدائی۔ (۷) ہیشگی۔ (۸) مسند پر بٹھانا۔ (۹) گلی۔ (۱۰) ہم اور مجنوں دیوان عشق میں ہم سبق تھے، وہ تو گریباں چاک کر کے جنگل کو نکل گیا اور ہم معشوق کی گلیوں میں رسوا ہوتے رہے۔ (۱۱) دھن لگن۔ (۱۲) گھبراہٹ۔ (۱۳) چھائی، مقرر۔ (۱۴) بھیڑ، مجمع۔ (۱۵) راستہ چلنے والا۔ (۱۶) محبت، عشق۔ (۱۷) موت۔ (۱۸) قبر۔

درد و غم رنج و الم فکر و قلق[1] خوف و ہراس[2] — وہ بلا کونسی ہے جو شبِ[3] ہجراں میں نہیں
اذیّت مصیبت ملامت بلائیں — ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو — ہر چیز میں لذّت ہے اگر دل میں مزا ہو

اس کے بعد احرام بھی اسی عاشقانہ رنگ کا پورا مظہر ہے کہ نہ سر پر ٹوپی، نہ بدن پر کرتا، فقیرانہ صورت، نہ خوشبو، نہ زینت، ایک مجنونانہ ہیئت[4]، جو کرب و بے چینی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی — گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے
چشم[5] تر خاک[6] بسر چاک گریباں[7] دل زار[8] — عشق کا ہم نے یہ دنیا میں نتیجہ دیکھا
نہ رکھ لباس کا الجھاؤ تن[9] پہ دستِ[10] جنوں — کیا ہے چاک[11] گریباں تو پھاڑ دامن بھی

اصل یہ تھا کہ گھر سے نکلتے ہی یہ حالت شروع ہو جاتی، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک گھر ہی سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے، مگر چونکہ احرام کے بعد بہت سی چیزیں ناجائز ہو جاتی ہیں اور اس قسم کے لباس کا تحمّل[12] بھی بعض ناز پروَردہ[13] لوگوں کو مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ کی رحمت نے اس کی اجازت دے دی کہ شروع سے احرام نہ باندھا جائے کہ اس میں مَشَقَّت ہوگی، البتہ جب کوئے[14] یار کے قریب پہونچے، تو اس کا اہتمام ضروری ہے کہ اس کے کوچہ[15] میں اسی حال سے داخل ہونا ہے کہ سر پر بال بکھرے ہوئے ہوں، لباس میں مجنونانہ ہیئت ہو، میلے کچیلے حال میں ازخود رفتہ[16] عاشقوں کی سی صورت ہو، اسی کو حضور اقدس ﷺ نے اپنے پاک ارشاد میں ظاہر فرمایا: ''اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ'' ''حاجی بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہوتا ہے'' یعنی یہ کہ راستہ میں کچھ گرد و غبار بھی بے تابی اور شوق میں بدن پر پڑا ہو، اسی حالت کو حق تعالیٰ شانہٗ خود بھی تفاخُر[17] کے طور پر فرشتوں سے ظاہر فرماتے ہیں: ''اُنْظُرُوْا اِلٰی زُوَّارِ بَیْتِيْ قَدْ جَاءُوْنِيْ شُعْثًا غُبْرًا'' ''میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو کہ میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور گرد و غبار کی حالت میں آئے ہیں''۔

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں — پسِ[18] دیوار کھڑے سنتے ہیں شِیوَن[19] ان کا
نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں — غش وہ اس پر ہیں کہ شہرت میری ہر سُو[20] ہو جائے

اور ظاہر ہے کہ جب جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا ہوا، روتا پیٹتا وہاں پہونچا ہے تو یہ چیزیں ضرور ہوں گی اور جتنے اثرات اس کے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی شوق اور بے تابی کا اظہار ہوگا۔

حل لغات: (۱) افسوس۔ (۲) ڈر۔ (۳) جدائی کی رات۔ (۴) حالت۔ (۵) بھیگی آنکھ۔ (۶) مٹی و دھول میں رہنے والا۔ (۷) گلے کے سامنے کا حصہ پھٹا ہوا ہونا۔ (۸) رونے والا دل۔ (۹) جسم۔ (۱۰) ہاتھ۔ (۱۱) پھاڑنا۔ (۱۲) برداشت۔ (۱۳) لاڈ اور نعمت میں پلے ہوئے۔ (۱۴) دوست کا محلہ۔ (۱۵) گلی، محلہ۔ (۱۶) دیوانے۔ (۱۷) فخر۔ (۱۸) پیچھے۔ (۱۹) ماتم، آواز سے رونا۔ (۲۰) ہر جگہ۔

چھانے ہیں پائے محبّت سے بیاباں[1] کیا کیا — پا رتلووں سے ہوئے خارِ مُغیلاں[2] کیا کیا
وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں تلک — ملتا نہیں زمین کا پتہ آسماں تلک

اسی حالت میں مستانہ[3] وار لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ (میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، حاضر ہوں) کا نعرہ لگاتا ہوا، روتا اور چلاّتا ہوا، نالہ وفریاد کرتا ہوا پہونچتا ہے، اسی کی طرف حضور اقدس ﷺ نے اپنے پاک ارشاد ''اَلْحَجُّ اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ''، میں اشارہ فرمایا کہ: ''حج (کا کمال خوب) چلاّنا اور قربانی کا خون بہانا ہے۔'' بہت سی احادیث میں مَردوں کے لیے لبیک آواز سے پڑھنے کی ترغیب ہے۔ایک حدیث میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے یہ کہا کہ اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کروں کہ لبیک پکار کر کہیں اور ظاہر بات ہے کہ نالہ وفریاد کے ساتھ چلاّنا عشق کی جان ہے۔

نالہ کر لینے دیں لِلّٰہ[4] نہ چھیڑیں اَحباب[5] — ضبط[6] کرتا ہوں تو تکلیف سِوا[7] ہوتی ہے
فغاں[8] میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں — سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں
دم بدم سینۂ[9] سوزاں سے نہ کر نالہ گرم — پڑ نہ جائیں تیری مِنقار[10] میں چھالے بلبل
بیخودی[11] شوق کی اور عرضِ[12] تمنّا ان سے — نہیں معلوم کہ منہ سے مرے کیا کیا نکلا
کسی کی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دیے ہم کو — جگر میں ٹیس دل میں درد لب پر آہ و نالے ہیں
کون ہوتا ہے مُونسِ[13] شبِ[14] غم — نالہ ہوتا ہے آہ ہوتی ہے

اسی بے چینی اور اضطراب، نالہ اور فریاد کے ساتھ آخر وہ محبوب کے شہر تک پہونچ جاتا ہے اور مکّہ مکرّمہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جا پہونچے ہم اس کے گھر تک — دلِ گم گشتہ[15] میرے حق میں تُو رہبر نکلا
جذبِ دل نے آج کوئے[16] یار میں پہونچا دیا — جیتے جی میں گلشنِ[17] جنت میں داخل ہوگیا

میں نے اپنے حضرت مُرشدِ عالم مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ کو بہت کم شعر پڑھتے سنا ہے، لیکن جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے تو میں نے بہت عجیب انداز سے یہ شعر پڑھتے سنا۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ[18] گُل — نسیمِ[19] صبح تیری مہربانی

حل لغات: (۱) جنگل، ویرانہ۔ (۲) ببول یا کیکر کے درخت کے کانٹے۔ (۳) جھومتے ہوئے۔ (۴) اللہ کے واسطے۔ (۵) دوست۔ (۶) صبر کرنا۔ (۷) زیادہ۔ (۸) رونا پیٹنا۔ (۹) جلتا ہوا سینہ۔ (۱۰) چونچ۔ (۱۱) بے ہوشی۔ (۱۲) دل کی بات کہنا۔ (۱۳) ساتھی، دوست۔ (۱۴) غم کی رات۔ (۱۵) کھویا ہوا دل۔ (۱۶) دوست کی گلی۔ (۱۷) باغ۔ (۱۸) پھول کی خوشبو۔ (۱۹) صبح کی ٹھنڈی ہوا۔

ایک دل کھویا ہوا جس کے دل میں واقعی زخمِ محبّت ہو، جب محبوب کے گھر پہونچ جاتا ہے تو اس پر کیا گذرتی ہے اور وہ کیا سوچتا ہے، یہ چیزیں الفاظ سے تعبیر نہیں ہوتیں۔

تابِ نظارۂ[1] معشوق کہاں عاشق کو — غش[2] نے موسیٰ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

وہ کہتا ہے۔

اے دل یہ شبِ[3] وصل نہ کل ہوگی میسّر — جو کچھ کہ اُڑانے ہیں مزے آج اُڑا لے

اس کے بعد وہ جو جو حرکتیں کرتا ہے، وہ کسی ضابطہ اور آئین[4] کی پابند نہیں، کہیں محبوب کے گھر کے چکّر کاٹتا ہے، کہیں اس کے در و دیوار اور چوکھٹ کو چومتا ہے، آنکھیں مَلتا ہے، پیشانی اور سر رگڑتا ہے۔

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا — در و دیوار سرِ کوچۂ جاناں کے لیے

ہم کو طواف کوچۂ جاناں[5] نہ چاہیے — زاہد کو کعبہ رِند[6] کو مے خانہ چاہیے

طواف کی ابتداء حَجرِ اسود کے بوسہ سے ہے، جس کو حدیث پاک میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے دستِ مبارک سے تعبیر کیا ہے اور اس کا بوسہ گویا دست[7] بوسی ہے آقائے کریم کی اور انتہائی لطف و کرم ہے اس مالک کا جس نے یہ سعادت خاک کے پُتلوں کو عطا فرمائی۔ عُشّاق[8] کے نزدیک محبوب کے گھر کو، در و دیوار کو چومنا، اس کی عَتبہ[9] بوسی، قدم بوسی، دست بوسی وغیرہ عشق کے ایسے لوازمات[10] میں سے ہیں کہ شاید ہی کوئی دل کھویا ہوا شاعر ایسا ہوگا، جس نے کسی نہ کسی عنوان سے اس کو اہم مقصد نہ بنایا ہو۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى — أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَ

''میں جب لیلیٰ کے شہر میں پہونچتا ہوں، کبھی اِس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو''

رکھا سر پاؤں پر اس کے تو بولا — کہ تو بھی بے سرو[11] پا کس قدر ہے

مجھ پر نہ کریں کوئی عنایت[12] — حسرت ہے یہ کہہ دیں مسکرا کر

آرام کیا کروں میں جب تک — آنکھیں تلووں سے تُو مَلا کر

پامال[13] کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں — آنکھوں کو مَل رہے ہیں کسی نقشِ[14] پا سے ہم

حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے حجرِ اسود پر اپنے لبِ[15] مبارک رکھے اور بہت دیر تک رکھے رہے اور آنسو جاری تھے، اس کے بعد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے دیکھا کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بھی کھڑے رو رہے ہیں۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا: ''یہی جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔''

حل لغات: (۱) محبوب کو دیکھنے کی طاقت۔ (۲) بیہوشی۔ (۳) ملاقات کی رات۔ (۴) قانون۔ (۵) معشوق۔ (۶) شراب پینے والا۔ (۷) ہاتھ چومنا۔ (۸) عاشق کی جمع۔ (۹) چوکھٹ چومنا۔ (۱۰) وہ چیزیں جو ضروری ہوں۔ (۱۱) حیران پریشان۔ (۱۲) مہربانی، توجہ۔ (۱۳) پیر سے روندنا۔ (۱۴) پاؤں کا نشان۔ (۱۵) ہونٹ۔

مختصر یہ ہے ہماری داستاں　　　خود بخود ہیں آنکھ سے آنسو رَواں[1]
رخسارِ زرد[2] پر میرے بہتے ہیں اشکِ خوں[3]　　　یکجا دکھا رہی ہے خزاں[4] و بہار رنگ
زمیں تک مرے آنسو آنے لگے　　　فلک[5] تک مرے نالے جانے لگے
مری چشمِ[6] تَر کا یہ کیا حال ہے　　　کہ دامن سے تا آستیں لال ہے
نہ آنکھوں سے لگتی جھڑی آنسوؤں کی　　　جو غم کی گھٹا دل پہ چھائی نہ ہوتی

کعبہ شریف کے پردہ سے لپٹنا چمٹنا بھی اسی عاشقانہ شان کا ایک خاص منظر ہے کہ محبوب کے دامن سے چمٹنا بھی عشق کے مَظاہر[7] میں سے ایک مخصوص مظہر ہے۔

اے ناتوانِ عشق تجھے حسن کی قسم　　　دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جاسکے
اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا　　　دامنِ بادِ بَہاری[8] چھوڑ دے
مدتوں میں جس کے ہاتھ آئی ہو وہ　　　آستیں کیوں کر تمہاری چھوڑ دے
اس کے دامن کو پکڑ میں نے کہا　　　اب کوئی چھوڑوں ہوں اے رشکِ پری
مسکرا کر ناز سے کہنے لگا　　　عاشقی کرتے ہو یا زور آوری[9]

مُلتزَم جو کعبہ شریف کی دیوار کا ایک خاص حصّہ ہے، متبرّک[10] جگہ ہے، اس جگہ خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے چمٹ رہے تھے اور اپنے چہرہ کو اس سے لگا رہے تھے۔

آج اَرشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے　　　رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

اس کے بعد صَفا مَروَہ کے درمیان دوڑنا بھی اسی مجنونانہ انداز کا ایک پُر کیف[11] منظر ہے کہ ننگے سر، نہ کرتہ، نہ پاجامہ، اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر، بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔

کیوں کر جنوں میں دشت[12] نَوَرْدِی نہ ہو پسند　　　پایا ہے آبلوں[13] نے مزا نوکِ[14] خار میں
اب نہیں دل کو کسی صورت قرار　　　اس نگاہِ ناز نے کیا سحر[15] ایسا کردیا
گراے زاہد دعائے خیرمی گوئی مُرا ایں گو　　　کہ آں آوارۂ کوئے بُتاں آوارہ ترباد

یعنی صوفی جی اگر تم اس ناکارہ کے لیے کبھی دعائے خیر کرو، تو یہ دعا کرنا کہ وہ جو معشوقوں کی گلیوں کا آوارہ گرد ہے، اس کی آوارگی اور زیادہ ہوجائے۔ اسی اضطراب، بے چینی، آوارہ گردی، صحرا[16] نَوَرْدِی کا

حل لغات: (۱) جاری۔ (۲) پیلے پیلے گال۔ (۳) خون کے آنسو۔ (۴) پت جھڑ کا موسم۔ (۵) آسمان۔ (۶) آنکھ۔ (۷) ظاہر ہونے کی جگہیں۔ (۸) موسم بہار کی ہوا۔ (۹) زبردستی۔ (۱۰) بابرکت۔ (۱۱) خوشی اور سرور سے بھرا ہوا۔ (۱۲) جنگل میں پھرنا، دربدر پھرنا۔ (۱۳) چھالوں۔ (۱۴) کانٹے کی نوک۔ (۱۵) جادو۔ (۱۶) جنگل میں پھرنا۔

مَظہَر ہے کہ صبح کو مکہ میں، رات کو مِنیٰ میں، پھر صبح کو عرفات کا جنگل بیابان، شام ہوتے ہی مزدلفہ بھاگ آئے، صبح ہی صبح وہاں سے پھر مِنیٰ، دو پہر کو پھر مکّہ مکرّمہ واپسی، شام کو پھر مِنیٰ لوٹ گئے۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　　کوئے گشتن بہر اُو اَولیٰ بود

یعنی مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہوسکتا ہے؟ مولیٰ کے عشق میں تو گلی گلی مارے مارے پھرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے۔

ایک جا[1] رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں　　　دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ہے گدائی[2] مجھ کو بہتر تیرے حسن و عشق کی　　　ہم بھکاری بھیک کے دَر دَر ہمیں رُلنا[3] پڑا
دشت[4] میں صحرا میں ویرانہ میں کوئے یار میں　　　چلتا پھرتا مثل سایہ مَیں انہی چاروں میں ہوں
عشق خانہ خراب کی خاطر　　　در بدر شہر یار پھرتے ہیں
وحشتِ[5] دل سے ہیں مجنوں کی طرح خاک[6] بسر　　　چھانتے پھرتے ہیں ہم کوہ و بیاباں[7] دن رات

اس سب کے بعد مِنیٰ میں شیاطین کے پتّھر مارنا، اس جنون ووحشت کے آخری حصّہ کا نظارہ ہے، جو عُشّاق کو پیش آتا ہے، عاشق کا جنون[8] جب حد سے تجاوُز کرتا ہے، تو وہ ہر اس شخص کے پتھر مارا کرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مُخل[9] سمجھتا ہے۔ ع

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقتاً اپنی جان کی قربانی ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنی غایتِ[10] رحمت اور رافت[11] سے اس کو جانور کی یعنی مال کی قربانی سے بدل دیا ہے، یہی عشق کا مُنتہا اور آخری حال ہے۔

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فُرقت[12] ہو تو ہو
غُسلِ میّت ہی ہمارا غُسلِ صحت ہو تو ہو

موت ہی ہے علاج عاشق کا　　　اس سے اچھی نہیں دوا کوئی
کسی کی تیغ[13] ہو میرا گلو[14] ہو　　　دلِ مُضطر[15] کی پوری آرزو ہو
اے موت جلد آ کہ یہ جھگڑا کہیں چُکے　　　کب تک شبِ[16] فراق کے صدمے اٹھائے دل
سِسکتا چھوڑ کر جاتا ہے وہ مجھ نیم بسمل[17] کو　　　خدارا بڑھ کے اے شوقِ شہادت روک لے اس کو

یہ مختصر اشارات ہیں حج کے اس منظر کے، جو عشق سے تعلّق رکھتے ہیں، جس کے دل میں کچھ

حل لغات: (١) جگہ۔ (٢) بھیک مانگنا۔ (٣) تباہ ہونا۔ (٤) جنگل۔ (٥) دل کی دیوانگی۔ (٦) مٹی میں سر۔ (٧) پہاڑ وجنگل۔ (٨) دیوانگی، پاگل پن۔ (٩) خلل ڈالنے والا، گڑبڑ کرنے والا۔ (١٠) بے انتہا رحمت۔ (١١) مہربانی۔ (١٢) جدائی کی رات۔ (١٣) تلوار۔ (١٤) گلا۔ (١٥) بے چین دل۔ (١٦) جدائی کی رات۔ (١٧) آدھا ذبح کیا ہوا۔

چوٹ ہوگی، کوئی زخم لگا ہوگا، دیوانگی سے کوئی سابقہ پڑا ہوگا؟ وہ ان اشارات کے بعد وہاں پہونچ کر دیکھے گا کہ اس سفر کا ہر ہر جُز اس مَظہر کو اپنے اندر پوری طرح لیے ہوئے ہے، تفصیل کے لیے دفتر بھی کافی نہیں اور پھر جَذبات کاغذ پر آتے بھی نہیں۔

دردِ دل دور سے ہم تم کو سُنائیں کیوں کر ڈاک میں بھیج دیں آہوں کی صدائیں کیوں کر
کاغذ تمام کِلک[1] تمام اور ہم تمام پر داستانِ شوق ابھی ناتمام ہے

ان کے علاوہ حج کی حکمتیں یا اللہ جَلَّ شانُہٗ کے کسی بھی حکم کی حکمتیں، کوئی کہاں تک بیان کرسکتا ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ہر حکم میں اتنی حکمتیں ہیں کہ ان میں سے بہت سی مَصالح تک ہماری عقول کی رسائی[2] بھی نہیں ہے اور ہر حکم میں جتنا بھی غور کیا جائے، روز بروز فوائد زائد ہی سمجھ میں آتے رہتے ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی فہم[3] کے مُوافق ان پر غور کرتا رہتا ہے۔

سیاسی حضرات کے نزدیک اس حیثیت سے بھی اس میں اتنے فوائد ہیں کہ وہ سب تحریر میں بھی نہیں آسکتے، لیکن جیسا کہ مثال کے اور نمونہ کے طور پر اوپر کی دو حکمتوں کی طرف اشارے کیے ہیں، اسی طرح نمونہ کے طور پر چند اُمور کی طرف مُتَوَجِّہ کرتا ہوں اور ان میں غور کرنے سے ہزاروں مَصالح سمجھ میں آسکتے ہیں۔

(۱) ہر حاکم اور بادشاہ کو اپنی رعایا کے مختلف طبقات[4] کو بیک وقت ایک جگہ جمع کرنے کا جتنا اہتمام اور خواہش ہوتی ہے، وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کے لیے مختلف نوع کے جشن اور مختلف نام سے انجمنیں بنا کر ان کے سالانہ جلسے وغیرہ کرائے جاتے ہیں، حج میں یہ مصلحت عَلٰی وَجْہِ الْاَتَمّ[5] پوری ہوتی ہے۔

(۲) مسلمانوں کی فلاح و بہبود[6] کے لیے مختلف ممالک کے اَہْلُ الرّائے[7] اگر کوئی لائحۂ عمل[8] تجویز کریں، تو اس کی تشکیل اور اشاعت کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔

(۳) اگر اسلامی ممالک کے افراد کے درمیان اتّحاد اور تعلّقات کی وسعت کی کوئی صورت ہوسکتی ہے، تو حج کے موقع سے بہتر صورت نہیں۔

(۴) عِلمُ الْاَلْسِنَہ[9] کے شوقین حضرات کے لیے حج کے زمانہ سے بہترین موقع شاید نہ مل سکے کہ ایک ہی جگہ عربی، اردو، تُرکی، فارسی، ہندی، پُشتو، چینی، جاوی، انگریزی وغیرہ وغیرہ ہر زبان کے واقف لوگ ملیں گے۔

(۵) سپاہیانہ زندگی جو اسلامی زندگی کا خصوصی شِعار[10] ہے، حج کے سفر میں پورے طور سے پائی جاتی ہے،

حل لغات: (۱) قلم۔ (۲) پہونچ۔ (۳) سمجھ۔ (۴) مختلف درجے کے لوگ۔ (۵) مکمل طور سے۔ (۶) بھلائی اور نفع۔ (۷) عقلمند لوگ۔ (۸) دستور، قانون۔ (۹) مختلف زبانوں کا علم۔ (۱۰) علامت، نشان۔

لباس ومعاش میں بھی، چلنے پھرنے میں بھی۔

(۶) سرمایہ داری کے مخالف، امیر وغریب میں مُساوات[۱] پیدا کرنے کی جتنی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس کو اخبار بیں[۲] حضرات بخوبی جانتے ہیں اور یہ بھی ساتھ ہی معلوم ہے کہ کوئی صورت بھی آج تک کامیاب نہیں ہوسکی، اسلام کا ہر حکم نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اس مصلحت کو نہایت آسان اور کامیاب طریقہ سے پورا کرتا ہے۔ اسلامی اصول سے بہتر چیز نہ آج تک پیدا ہوسکی، نہ آئندہ ہوسکے، بشرطیکہ ان احکام کو اسلام کی صحیح تعلیم کے ماتحت ادا کیا جائے۔

(۷) دنیا کے مختلف طَبقات میں مُساوات پیدا کرنے کے لیے بھی حج بہترین عمل ہے کہ امیر، غریب، بادشاہ فقیر، ہندی، عربی، تُرکی، چینی وغیرہ سب ایک ہی حال میں، ایک ہی لباس میں، ایک ہی مشغلہ میں، مُعتَدبہ[۳] زمانہ تک رہتے ہیں۔

(۸) قومی ہفتہ منانے کے لیے لوگ کتنے انتظامات، اعلانات، اخراجات کرتے ہیں، مسلمانوں کے لیے ذی الحجہ کے پہلے پندرہ[۱۵] دن قومی ہفتہ سے بھی بڑھ کر ہیں کہ جن کے لیے نہ انتظاماتِ خصوصی کرنے کی ضرورت ہے، نہ پروپیگنڈہ کی۔

(۹) دنیا کے سب مسلمانوں میں آپس میں اُخُوَّت[۴]، محبّت، تعلّقات، تعارف اور رشتۂ اتّحاد قائم کرنے کے لیے حج بہترین موقع ہے۔

(۱۰) اشاعتِ[۵] اسلام کے شوقین، دینی احکام کی اہمیت اور تبلیغ کو اس موقع پر اہتمام سے لے کر اُٹھیں، مقامی حضرات باہر سے آنے والے مہمانوں کی اصل خاطر اور ضیافت[۶] اس کو سمجھیں کہ ان میں دینی جذبہ قوّت پکڑے، ان میں دین کے احکام پر عمل کا ولولہ اور شوق پیدا ہو، ان میں جو ضُعف[۷] یا بددینی کے اثرات ہوں وہ زائل[۸] ہوجائیں، اسی طرح باہر سے آنے والے حضرات مقامی اصحاب کی اِعانت[۹] اس کو سمجھیں، تو دین کو جس قدر فروغ[۱۰] ہو، وہ اَظْہَرُ مِنَ الشَّمس[۱۱] ہے۔

(۱۱) غُرَباء[۱۲] اور اُمراء کا اختلاط[۱۳] جو مستقل طور پر ایک مقصود چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف اُمراء میں سے نَخُوَت[۱۴] اور غرور دُور ہو، دوسری جانب غُرباء کا حوصلہ بڑھے؛ وہ حج میں ایسے کامل طور سے پایا جاتا ہے کہ جس کی نظیر[۱۵] دوسری جگہ نہ ملے گی۔ اُمراء اپنی بدنی ضروریات کی وجہ سے غُرباء کی طرف متوجّہ ہوں گے کہ باربرداری[۱۶]، کھانا پکانا اور آمد ورفت کی تمام ضروریات کا ان کو خود پورا کرنا مشکل ہے، دوسری

حل لغات: (۱) برابری۔ (۲) اخبار پڑھنے والا۔ (۳) اچھاخاصا۔ (۴) بھائی چارگی۔ (۵) پھیلانا۔ (۶) مہمان نوازی۔ (۷) کمزوری۔ (۸) ختم ہونا۔ (۹) مدد۔ (۱۰) پھیلنا۔ (۱۱) سورج سے زیادہ روشن۔ (۱۲) غریبوں۔ (۱۳) ملنا جلنا۔ (۱۴) گھمنڈ۔ (۱۵) مثال۔ (۱۶) سامان اور بوجھ اُٹھانا۔

جانب غُرباء کی مالی ضروریات ان کو اُمراء کی طرف متوجّہ کریں گی، جس کی وجہ سے ان دونوں طبقوں کا اختلاط[1] جو بسا اوقات تعارف اور مُدارات[2] سے بڑھ کر مَوَدَّت[3] اور دوستی تک پہونچ جاتا ہے، جس کا سفرِ حج میں پوری طرح سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

⑫ مسلمانوں کے اجتماع کو بالخصوص جبکہ وہ عاجزی اور مَسْکَنَت[4]، زاری[5] اور تَضَرُّع[6] کے ساتھ ہو، اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رحمت اور لطف و کرم کے متوجّہ کرنے میں جتنا دخل ہے؛ وہ عامی سے عامی آدمی سے بھی مخفی[7] نہیں، حج کا موقع اس کا بہترین منظر ہے کہ عرفات کا میدان اس کا خصوصی مَظْہر[8] ہے۔

⑬ آثارِ قدیمہ[9] کا تحفّظ[10] اور اسلاف[11] بالخصوص پہلے انبیاء کرام عَلَیہِمُ السَّلَام کے احوال کا علم اور استحضار، سفرِ حج کا خصوصی ثمرہ[12] ہے۔

⑭ معاشی حیثیت سے دنیا کی معلومات کا ذریعہ سفرِ حج سے بہتر نہیں ہے کہ ہر ملک کی مصنوعات[13]، ایجادات[14]، پیداوار کے حالات اور اس قسم کی جتنی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں، اس سفر میں بہترین طریقہ سے حاصل ہوسکتی ہیں۔

⑮ علمی حیثیت سے سفرِ حج نہایت بہتر چیز ہے کہ اس موقع پر ہر جگہ کے علماء موجود ہوتے ہیں، ان کی علمی حیثیت اور ہر مقام کے علمی مراکز، علمی کارنامے، ان کی ترقیات اور تنزّل[15] اور ان کے اسباب پر تفصیل سے اطلاع ہوسکتی ہے اور مختلف نوع[16] کے علماء سے افادہ[17] اور استفادہ[18] حاصل ہوسکتا ہے۔

⑯ دنیا بھر کے اولیاء، اَبدال و اَقطاب کا ایک مُعْتَدبہ[19] طبقہ ہر سال حج میں شرکت کرتا ہے، ان کے فُیوض و برکات، انوار و کمالات سے استفادہ کا بہترین موقع ہے۔

⑰ اللہ کی معصوم[20] مخلوق فرشتے جو عرشِ الٰہی کے طواف میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں، حج میں ان سے تَشَبُّہ[21] حاصل ہوتا ہے اور حدیث کے پاک ارشاد ﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾ ”جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے، ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے“ کی بناء پر فرشتوں کے ساتھ جو کسی وقت اور کسی آن اللہ جَلَّ شانُہٗ کی منشاء کے خلاف نہیں کرتے، مشابہت حاصل ہوتی ہے۔

⑱ پہلی اُمّتوں میں مذہبی حیثیت سے رہبانیت[22] ایک بہت ہی اہم اور اونچی چیز شمار کی جاتی تھی، مگر اسلام نے اس کو روک کر اس کا بدل سفرِ حج کو قرار دیا، چنانچہ زینت کی اشیاء، بیوی سے صحبت در کنار؛

حل لغات: ① ملنا جُلنا۔ ② خاطر تواضع، اچھے طریقہ سے پیش کرنا۔ ③ محبت۔ ④ بے چارگی۔ ⑤ رونا۔ ⑥ عاجزی۔ ⑦ چھپا ہوا۔ ⑧ ظاہر ہونے کی جگہ۔ ⑨ پرانے زمانے کی چیزیں۔ ⑩ حفاظت۔ ⑪ بزرگانِ دین۔ ⑫ نتیجہ۔ ⑬ بنائی ہوئی چیزیں۔ ⑭ نئی بنی ہوئی چیزیں۔ ⑮ زوال، اتار۔ ⑯ قسم۔ ⑰ فائدہ پہونچانا۔ ⑱ فائدہ حاصل کرنا۔ ⑲ اچھا خاصا۔ ⑳ بے گناہ۔ ㉑ مانند ہونا، ایک جیسا ہونا۔ ㉒ دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی عبادت کرنا۔

صحبت کا ذکر تک ناجائز کردیا، اور اس کا نِعمُ البدَل[1] اس کو قرار دیا۔ [اتحاف]

(۱۹) دنیاوی حیثیت سے ہر قوم میں ایک میلہ لگتا ہے اور یہ ایک قدیم[2] دستور ہے، ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگ اس کے ہمیشہ سے عادی ہیں، عام طور پر لوگ اس کی طرف طبعاً متوجہ ہوتے ہیں، سال بھر تک اس کا انتظار واہتمام کرتے ہیں، اسلام نے مسلمانوں کے لیے حج کو اس کا نِعمُ البدل قرار دیا کہ بجائے لہو ولعب، کھیل کود، شور شغب کے مختلف مُظاہَروں اور نعروں کے انہی چیزوں کو عبادت کی شکل میں بدل دیا، جس میں ان سب جذبات کا جو لَہْو ولَعب کی شکل میں تھے، توحید وعشقِ الٰہی کی طرف اِمالہ[3] ہوگیا۔

(۲۰) حج ان متبرک[4] مقامات کی زیارت کا ذریعہ ہے اور برکات حاصل کرنے کا موقع ہے، جہاں لاکھوں عُشّاق[5] نے ایڑیاں اور ماتھے رگڑ رگڑ کر جان دے دی۔

(۲۱) سفر سے ایک طرف تو اَخلاق کی جلا اور صفائی ہوتی ہے، دوسری طرف بدن کی صحت کے لیے مُعِین[6] ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ﴿ سَافِرُوْا تَصِحُّوْا ﴾ "سفر کرو صحت یاب ہوگے"۔ [کنز] تبدیلِ آب وہوا صحت کے لیے مُعِین ومددگار ہے، حج کا سفر اس کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۲۲) حج اس عبادت کی یادگار اور بقاء ہے جو حضرت آدم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَام کے زمانہ سے لے کر ہر مذہب وملّت میں رہی ہے۔

(۲۳) اسلام کا ابتدائی دور جہاں مسلمان نہایت بیکسی[7] کے عالَم میں ہر وقت مظلومانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ہر قسم کے ظلم وستم کا شکار ہوتے تھے اور نہایت صبر واستقلال[8] کے ساتھ ان سب مظالم کو برداشت کرتے تھے، جو کفّار کی طرف سے ان پر ہوتے رہتے تھے اور اسلام کا انتہائی دَور جہاں وہ ہجرت کے بعد غالب اور فاتح کی شکل میں رہے اور غالب وقَوی[9] ہوکر اپنے کمالِ اخلاق سے نہ صرف یہ کہ پرانے مظالم کو بالکل نظر انداز کردیا، بلکہ اپنے اخلاق کی خوبی اور وسعت سے اسلام کو ایسا پھیلایا کہ دنیا کے گوشہ گوشہ[10] میں اس کا نور پھیل گیا، اس سفرِ حج میں دونوں شہروں کی زیارت سے دونوں یادگاریں تازہ ہوتی ہیں اور دونوں سبق یاد کرنے کا امّت کو موقع ملتا ہے۔

(۲۴) مکّہ مکرّمہ حضور اقدس ﷺ کا مَولِد[11] ہے، پیدائش یہاں ہوئی اور ترپن[53] سال کی عمر تک کے مختلف دور یہاں گذرے، اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کا گھر ہے اور مزارِ مبارک وہاں ہے، رسالت کے اکثر احکام وہاں نازل ہوئے۔ اس سفر سے دونوں یادگاروں کی زیارت حضور ﷺ کے ہر زمانہ کی

حل لغات: (۱) اچھا بدلہ۔ (۲) پُرانا۔ (۳) پھیرنا، مائل کرنا۔ (۴) برکت والا۔ (۵) عاشق کی جمع۔ (۶) مددگار۔ (۷) بے یارومددگاری، لاچاری۔ (۸) مضبوطی۔ (۹) طاقتور۔ (۱۰) کونہ۔ (۱۱) پیدائش کی جگہ۔

یادکوتازہ کرنے والی ہے اور محبّت کی بڑھانے والی ہے،لوگ یادگار قائم کرنے کے لیے مختلف چیزیں ایجاد کیا کرتے ہیں، اسلام نے حج وزیارت کا حکم دے کر خود اس یادگار کو قائم کر دیا۔

(۲۵) مرکزِ اسلام کی تقویت وقُوّت اور حرمین شریفین کے رہنے والوں کی اعانت[۱]،نصرت،اُن کے حالات کی تحقیق، ان کے ساتھ ہمدردی اور غمگُساری کا بہترین ذریعہ حج وزیارت ہے کہ جب اُن سے تفصیلی ملاقات ہوگی،توان کی اعانت اور مدد کا جذبہ خود بخود دل میں پیدا ہوگا اور وہاں سے واپسی پر بھی عرصہ[۲] تک اُن کی یاد رہے گی۔

نمونہ کے طور پر چند امور کی طرف مختصر اور مُجمل[۳] اشارات کیے ہیں،غور کرنے سے بہت سے اُمور اور مَصالح سمجھ میں آتے رہتے ہیں، لیکن یہ نہایت اہم جزو[۴] ہے کہ اصل مقصد اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ تعلّق کا بڑھانا ہے اور دنیا کی محبّت اور اس سے بے رغبتی پیدا کرنا ہے، اس مضمون کو ایک قصّہ پر ختم کرتا ہوں جس کو صاحبِ اتحاف نے نقل کیا:

شیخ المشائخ قُطبِ دوراں شبلی قُدِّسَ سِرُّہ کے ایک مرید حج کرکے آئے، تو شیخ نے ان سے سوالات فرمائے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ نے دریافت فرمایا کہ تم نے حج کا ارادہ اور عزم[۵] کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جی! پختہ قصد[۶] حج کا تھا، آپ نے فرمایا کہ اُس کے ساتھ اُن تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا، جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کیے؟ میں نے کہا: یہ عہد تو نہیں کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ پھر حج کا عہد ہی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے فرمایا کہ احرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دیے تھے؟ میں نے عرض کیا: جی بالکل نکال دیے تھے، آپ نے فرمایا: اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جدا کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا: ایسا تو نہیں ہوا، آپ نے فرمایا: تو پھر کپڑے ہی کیا نکالے۔

آپ نے فرمایا: وضو اور غسل سے طہارت[۷] حاصل کی تھی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! بالکل پاک صاف ہو گیا تھا، آپ نے فرمایا: اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش[۸] سے پاکی حاصل ہوگئی تھی؟ میں نے عرض کیا: یہ تو نہ ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: پھر پاکی ہی کیا حاصل ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا: لبیک پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! لبیک پڑھا تھا، آپ نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے لبیک کا جواب ملا تھا؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو کوئی جواب نہیں ملا، تو فرمایا کہ پھر لبیک کیا کہا۔

حل لغات: (۱) مدد۔ (۲) بہت دنوں۔ (۳) مختصر۔ (۴) حصہ۔ (۵) پکا ارادہ۔ (۶) پکا ارادہ۔ (۷) پاکی۔ (۸) غلطی، گناہ۔

پھر فرمایا کہ حرمِ محترم میں داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا: اس وقت ہر حرام چیز کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کا جزم[1] کرلیا تھا؟ میں نے کہا: یہ تو میں نے نہیں کیا، فرمایا کہ پھر حرم میں بھی داخل نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا کہ مکّہ کی زیارت کی تھی؟ میں نے عرض کیا: جی! زیارت کی تھی، فرمایا: اس وقت دوسرے عالَم کی زیارت نصیب ہوئی؟ میں نے عرض کیا: اُس عالَم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی، فرمایا: پھر مکّہ کی بھی زیارت نہیں ہوئی۔

پھر فرمایا کہ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا کہ اس وقت حق تعالیٰ شانُہٗ کے قُرب میں داخلہ محسوس ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو محسوس نہیں ہوا، فرمایا کہ تب تو مسجد میں بھی داخلہ نہیں ہوا۔

پھر فرمایا کہ کعبہ شریف کی زیارت کی؟ میں نے عرض کیا کہ زیارت کی، فرمایا کہ وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو نظر نہیں آئی، فرمایا: پھر تو کعبہ شریف کو نہیں دیکھا۔

پھر فرمایا کہ طواف میں رَمَل کیا تھا؟ (خاص طور سے دوڑنے کا نام ہے)۔ میں نے عرض کیا کہ کیا تھا، فرمایا کہ اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگے تھے، جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے بالکل یکسُو[2] ہو چکے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں محسوس ہوا، فرمایا کہ پھر تم نے رَمَل بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ حَجرِ اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ایسا کیا تھا، تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر ایک آہ کھینچی اور فرمایا: تیرا ناس[3] ہو، خبر بھی ہے کہ جو حَجرِ اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ جَلَّ شانُہٗ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس سے حق سُبحانُہٗ وَتَقَدَّس مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے اَمَن میں ہو جاتا ہے، تو کیا تجھ پر اَمَن کے آثار ظاہر ہوئے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو اَمَن کے آثار کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئے، تو فرمایا کہ تُو نے حَجرِ اسود پر ہاتھ ہی نہیں رکھا۔

پھر فرمایا کہ مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ پڑھی تھی، فرمایا کہ اس وقت اللہ جَلَّ شانُہٗ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہونچا تھا، کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا؟ اور جس مقصد سے وہاں کھڑا ہوا تھا وہ پورا کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا، فرمایا کہ تُو نے پھر تو مَقامِ ابراہیم پر نماز ہی نہیں پڑھی۔

پھر فرمایا کہ صَفا مَروہ کے درمیان سعی کے لیے صَفا پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا: چڑھا تھا،

حل لغات: (۱) پکا ارادہ۔ (۲) الگ تھلگ۔ (۳) برا ہو۔

فرمایا: وہاں کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دعا کی، فرمایا: کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی؟ اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہوا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم نے تکبیر ہی نہیں کہی۔

پھر فرمایا کہ صَفا سے نیچے اُترے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ اُترا تھا، فرمایا: اس وقت ہر قسم کی عِلّت[1] دور ہو کر تم میں صفائی آ گئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ نہ تم صَفا پر چڑھے، نہ اُترے، پھر فرمایا کہ صَفا مَروہ کے درمیان دوڑے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ دوڑا تھا، فرمایا کہ اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہونچ گئے تھے؟ غالباً ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ[2]﴾ [سورۂ شعراء:۲۱] کی طرف اشارہ ہے، جو سورۂ شعراء میں حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے قصّہ میں ہے، دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے: ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ [سورۂ ذاریات:۵۰] میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم دوڑے ہی نہیں، پھر فرمایا کہ مَروہ پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ چڑھا تھا، فرمایا کہ تم پر وہاں سکینہ[3] نازل ہوا اور اس سے وافر[4] حصّہ حاصل کیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ مَروہ پر چڑھے ہی نہیں۔ پھر فرمایا کہ مِنیٰ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا: گیا تھا، فرمایا کہ وہاں اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ایسی اُمیدیں بندھ گئی تھیں، جو مَعاصی[5] کے حال کے ساتھ نہ ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ نہ ہو سکیں، فرمایا کہ مِنیٰ ہی نہیں گئے۔

پھر فرمایا کہ مسجدِ خَیف میں (جو مِنیٰ میں ہے) داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا کہ اس وقت اللہ جَلَّ شانُہٗ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا، جو اس وقت کے علاوہ نہ ہوا ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ مسجدِ خیف میں داخل ہی نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا کہ عرفات کے میدان میں پہونچے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوا تھا، فرمایا کہ وہاں اس چیز کو پہچان لیا تھا کہ دنیا میں کیوں آئے تھے اور کیا کر رہے ہو اور کہاں اب جانا ہے اور ان حالات پر مُتنبِّہ[6] کرنے والی چیز کو پہچان لیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر تو عرفات پر بھی نہیں گئے۔

پھر فرمایا کہ مُزدلِفہ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ گیا تھا، فرمایا کہ وہاں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ایسا ذکر کیا تھا، جو اس کے ماسوا[7] کو دل سے بھلا دے (جس کی طرف قرآن پاک کی آیت ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ[8]﴾ [سورۂ بقرہ:۱۹۸] میں اشارہ ہے)، میں نے عرض کیا کہ ایسا تو نہیں ہوا، فرمایا کہ پھر تو

حل لغات: (۱) عیب، بُری عادت۔ (۲) چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہو گیا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی سکون۔ (۴) زیادہ۔ (۵) گناہوں۔ (۶) خبردار۔ (۷) علاوہ، غیر۔ (۸) پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعرِ حرام کے پاس (یعنی مزدلفہ میں) خدا تعالیٰ کو یاد کرو۔

مزدلفہ پہونچے ہی نہیں۔

پھر فرمایا کہ منیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر تو قربانی ہی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ رَمِی کی تھی (یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں)؟ میں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ ہر کنکری کے ساتھ اپنے سابقہ[1] جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ رَمِی بھی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ طوافِ زیارت کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: کیا تھا، فرمایا کہ اس وقت کچھ حقائق منکشف[2] ہوئے تھے؟ اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہوئی تھی؟ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کا زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کو کوئی جائے، اس پر حق ہے کہ اپنے زائرین[3] کا اکرام کرے''۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو کچھ منکشف نہیں ہوا، فرمایا: تم نے طوافِ زیارت بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ حلال ہوئے تھے؟ (احرام کھولنے کو حلال ہونا کہتے ہیں)۔ میں نے عرض کیا: ہوا تھا، فرمایا کہ ہمیشہ حلال کمائی کا اس وقت عہد کر لیا تھا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا کہ تم حلال بھی نہیں ہوئے۔ پھر فرمایا کہ الوداعی طواف کیا تھا؟ میں عرض کیا: کیا تھا، فرمایا کہ اس وقت اپنے تن مَن[4] کو کُلِّیَتہً[5] الوداع کہہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا کہ تم نے طوافِ وَداع بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا: دوبارہ حج کو جاؤ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح میں نے تم سے تفصیل بیان کی فقط۔ یہ طویل قصہ اس لیے نقل کیا تا کہ اندازہ ہو کہ اہلِ ذوق کا حج کس طرح ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لطف و کرم سے کچھ ذائقہ اس نوع[6] کے حج کا اس محروم کو بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

حل لغات: (۱) پہلے۔ (۲) ظاہر۔ (۳) زیارت کرنے والے۔ (۴) جسم وجان۔ (۵) پورے طور پر۔ (۶) قسم۔

پانچویں فصل: حج کے آداب میں

حج کے متعلّق بہت سے رسائل[1] علماء نے لکھے ہیں، جن میں تفصیلی طور پر حج کے آداب اور ہَر ہَر رکن کے آداب ذکر کیے ہیں۔ یہ سفر ساری عمر میں اکثر ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہے کہ جب سفرِ حج کا ارادہ ہو، تو اس کے متعلّق معتبر علماء کے مُتعَدَّد[2] رسائل منگا کر ان کو بہت اہتمام سے دو چار مرتبہ سفر سے پہلے مطالعہ کر لے؛ تاکہ یہ بڑی رقم جو اس سفر میں خرچ ہوتی ہے، آداب کی رعایت کے ساتھ خرچ ہونے کی وجہ سے بہترین مَصرَف[3] میں خرچ ہو، ایسا نہ ہو کہ جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے کوئی ایسی حرکت کر جائے جس سے حج بھی فاسد ہو جائے، سفر سے پہلے اگر ان رسائل کو چند مرتبہ مطالعہ کر لے گا تو مضامین سے ایک مناسبت پیدا ہو کر موقع پر اکثر باتیں یاد آتی رہیں گی اور پھر ان رسائل کو سفر میں بھی ساتھ رکھے، تاکہ ہر موقع پر اس جگہ کے احکام اور آداب دیکھے جا سکیں، اہلِ علم بھی ان سے مستغنی[4] نہیں، درس کے وقت ان مسائل کو پڑھ لینے سے مُستحضَر[5] نہیں ہوتے۔ اکثر دیکھا گیا کہ جو حضرات دو تین حج کر چکے ہیں، وہ حج کے مسائل میں اہلِ علم سے جن کا پہلا ہی حج ہو فَوقِیَّت[6] لے جاتے ہیں۔ اس جگہ تمام آداب کا احاطہ مقصود نہیں ہے، وہ ہر جگہ کے علیٰحدہ ہیں، مختصراً چند اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۹۷] ”(اور جب حج کا ارادہ کرو) تو خرچ ضرور ساتھ لے لیا کرو“، کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ لینے میں (بھیک مانگنے سے) بچا رہنا ہے۔

فائدہ: اس آیتِ شریفہ میں سب سے اہم اور سب سے مُقَدَّم[7] چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ حج کو جانے کے وقت راستہ کا خرچ ساتھ ہونا چاہیے، محض تَوَکُّل پر چل دینا ہر شخص کا کام نہیں۔ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ بعض لوگ بغیر خرچ کے حج کو چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکّل ہیں، پھر وہاں پہونچ کر لوگوں سے سوال کرتے تھے، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بغیر زادِراہ[8] کے حج کو چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم حج کو جاتے ہیں پھر بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ ہمیں نہ کھلائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ زادِراہ لیا کرو، بہترین

حل لغات: (۱) چھوٹی چھوٹی کتابیں۔ (۲) کئی، بہت سے۔ (۳) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۴) بے پروا۔ (۵) یاد۔ (۶) بڑھ جانا۔ (۷) پہلے۔ (۸) سامان، سفر کا خرچ۔

زادِ راہ وہ ہے جو تمہارے چہروں کو لوگوں کے سامنے ہونے سے روک دے۔ (دُرِّ منثور) یعنی لوگوں سے سوال کی ذلّت سے روک دے۔

یہاں ایک اہم بات یہ قابل سمجھنے کے ہے کہ توکُّل بہت اونچی اور اعلیٰ اور افضل صفت ہے، لیکن وہ زبانی چیز نہیں ہے، بلکہ قلبی چیز ہے، جس کا دل اس قدر مطمئن ہو کہ اس کو اپنی جیب میں پیسہ ہونے پر اتنا اعتماد نہ ہو جتنا اللہ کے خزانہ میں ہونے پر اعتماد ہوتا ہے، اس کو توکُّل سزاوار[1] ہے اور اس کی شان کے مناسب ہے اور جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو، اس کے لیے مناسب نہیں۔

یہاں دو واقعے قابل غور ہیں: ایک حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کا مشہور قصّہ ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چندہ کی تحریک فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ گھر میں تھا، سب کچھ لے آئے کچھ بھی گھر میں نہ چھوڑا۔ بندہ اپنے رسالہ ''حکایاتِ صحابہ'' میں اس قصّہ کو مُفَصَّل ذکر کر چکا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب ایک بیضہ[2] کے بقدر سونے کا ڈلا لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے اعراض[3] فرما لیا، وہ دوسری طرف کو سامنے حاضر ہوئے اور یہی عرض کیا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرماتے رہے اور وہ بار بار سامنے آ کر یہی عرض کرتے رہے، چوتھی مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر اس زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتا تو زخمی کر دیتا، پھر ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی اپنا سب کچھ صدقہ کر دیتے ہیں، پھر لوگوں کی طرف دستِ سوال[4] بڑھاتے ہیں۔

ان دو قصّوں سے اس کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے کہ توکُّل کس حالت میں سزاوار ہے کہ جو شخص بالکل خالی ہاتھ ہو کر بھی نہ بے صبری کرے، نہ دل میں اللہ جَلَّ شانُہٗ، اور بندوں کی طرف سے شکوہ پیدا ہو، نہ لوگوں سے سوال کرے اس کو یقیناً مناسب ہے اور جو ایسا نہ ہو بلکہ دوسروں کے لیے بار[5] بنے اور بے صبری، ناشکری میں مبتلا ہو، اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ بغیر زادِ راہ کے محض توکّل پر چل دے ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ ‌الاية﴾ یہ آیتِ شریفہ بھی آدابِ حج کے اہم ترین آداب کو شامل ہے، اس کا ترجمہ پہلی فصل میں گذر چکا اور کچھ توضیح[6] پہلی فصل کی احادیث میں سب سے پہلی حدیث میں گذر چکی۔

حل لغات: (۱) لائق۔ (۲) انڈا۔ (۳) منہ پھیرنا۔ (۴) بھیک مانگنا۔ (۴) لائق۔ (۵) بوجھ۔ (۶) وضاحت، تفصیل۔

احادیث

① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا خَرَجَ الْحَاجُّ حَاجًّا بِنَفَقَةٍ طَيِّبَةٍ وَوَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ، فَنَادٰى: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، نَادَاهُ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ۔ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، زَادُكَ حَلَالٌ وَ رَاحِلَتُكَ حَلَالٌ، وَحَجُّكَ مَبْرُوْرٌ غَيْرُ مَأْزُوْرٍ۔ وَإِذَا خَرَجَ بِالنَّفَقَةِ الْخَبِيْثَةِ فَوَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ، فَنَادٰى: لَبَّيْكَ، نَادَاهُ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ: لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ، زَادُكَ حَرَامٌ وَنَفَقَتُكَ حَرَامٌ وَحَجُّكَ مَأْزُوْرٌ غَيْرُ مَبْرُوْرٍ۔	حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جب حاجی حلال مال کے ساتھ حج کو نکلتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر کہتا ہے: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ تو فرشتہ بھی آسمان سے (اس کی تائید اور تقویت میں) لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ کہتا ہے۔ (یعنی تیرا لبیک کہنا مقبول ہے) وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تیرا توشہ[1] بھی حلال ہے، تیری سواری بھی حلال ہے (کہ حلال مال سے حاصل ہوئے) اور تیرا حج مَبرور[2] ہے۔ (جس کا بیان فصل اوّل حدیث نمبر ۲ دو میں گذر چکا ہے) اور کوئی وبال تجھ پر نہیں اور جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ آسمان سے کہتا ہے کہ نہ لَبَّيْكَ نہ سَعْدَيْكَ، یعنی تیری لَبَّيْك غیر مقبول ہے، تیرا توشہ حرام ہے، تیرا خرچہ حرام ہے، تیرا حج معصیت[3] ہے، یہ حج مبرور نہیں۔''

[رواه الطبراني في الأوسط ورواه الأصبهاني من حديث أسلم مولٰى عمر مرسلاً مختصراً كذا في الترغيب وفي الاتحاف بتخريج أبي ذر الهروي في منسكه عن أبي هريرة بلفظ اٰخر زائداً عليه۔ وفي الكنز بمعناه عن عمر وأنس وغيرهما]

فائدہ: ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور لَبَّيْكَ کہتا ہے تو اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ تیری لبیک نہیں، یہ مردود ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حج تیرا مردود ہے، یعنی مقبول نہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا حج لپیٹ کر اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص حرام کمائی کے ساتھ حج کو جائے اس کا سفر اللہ کی اطاعت میں نہیں ہے، اور جب وہ سواری پر سوار ہو کر لَبَّيْكَ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ نہ لَبَّيْكَ نہ سَعْدَيْكَ تیری کمائی حرام، تیرا لباس حرام (کہ حرام کمائی سے تیار ہوا) تیری سواری حرام، تیرا توشہ حرام، تو ایسے حال میں لوٹ کہ تجھ پر وبال ہے اور بُرائی کا مژدہ[4] اپنے ساتھ لیتا جا۔ اور

حل لغات: ① سفر کا سامان۔ ② مقبول۔ ③ گناہ۔ ④ خوشخبری۔

جب آدمی حلال مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہوکر لَبَّیْكَ کہتا ہے، تو فرشتہ بھی اس کے ساتھ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ کہتا ہے، اور کہتا ہے کہ تیری کمائی حلال ہے، تیرا لباس حلال ہے، تیری سواری حلال ہے، تیرا توشہ حلال ہے، حجِ مبرور کے ساتھ واپس ہو، تجھ پر کوئی وبال نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کیا، تو صَفا مَرْوہ کے درمیان وہ لَبَّیْكَ پڑھتے ہوئے دوڑ رہے تھے کہ آسمان سے آواز آئی لَبَّیْكَ عَبْدِيْ أَنَا مَعَكَ (میرے بندے میں بھی لَبَّیْكَ کہتا ہوں اور تیرے ساتھ ہوں) یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے۔ [درمنثور]

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ فصل اوّل کی حدیث نمبر چھ[۶] میں گذر چکا ہے کہ جب احرام باندھا، تو لَبَّیْكَ کہنے کے وقت چہرہ زرد[۱] ہوگیا اور بدن پر کپکپی آگئی اور لَبَّیْكَ نہ کہہ سکے، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کے جواب میں لَا لَبَّیْكَ نہ کہہ دیا جائے کہ تیری لَبَّیْكَ معتبر نہیں۔

اگرچہ فقہاء کے نزدیک حج فرض اس سے بھی ادا ہوجاتا ہے، لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا اور اس حرام کمائی کا گناہ مستقل علیحدہ رہتا ہے، ہم لوگ اس میں بہت تساہُل[۲] اور غفلت کرتے ہیں، اپنی قوّت اور زور کے گھمنڈ پر دوسروں کے مال پر ظلم سے قبضہ کرلیتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے ہیں کہ کس کی مَجال[۳] ہے، جو ہم سے مطالبہ کرسکے یا ہم پر الزام قائم کردے؛ لیکن کل جب ہر مظلوم قوِی[۴] ہوگا اس وقت اپنے اس ظلم کی حقیقت واضح ہوگی۔ جب ایک دانِق جو تقریباً دو پیسے کے برابر ہوتا ہے، اس کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں ادا کرنا پڑیں گی، حالانکہ اتنی مقبول نمازیں شاید ہمارے پاس ہوں بھی نہیں، لیکن فی دو پیسہ یہ ادائیگی قیامت میں کرنا پڑے گی۔ [شامی]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ جانتے ہو مُفلِس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم تو مُفلِس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال و متاع نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مُفلِس تو وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے وغیرہ لے کر آئے، لیکن کسی کو دنیا میں گالیاں دی تھیں، کسی پر تہمت[۵] لگائی تھی، کسی کا مال کھالیا تھا، کسی کو مارا تھا، قیامت میں اس کی نیکیوں میں سے کچھ اِس نے لے لیا، کچھ اُس نے لے لیا اور جب نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان مظلوم لوگوں کے گناہ اس کے ظلم کے بقدر لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر جب نیکیاں ختم ہوگئیں، اور گناہ اپنے علاوہ دوسروں کے بھی سر پڑ گئے تو اس کو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔

حل لغات: ① پیلا۔ ② سستی۔ ③ ہمت۔ ④ طاقتور۔ ⑤ جھوٹا الزام۔

دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس کے ذمہ کسی دوسرے کا حق ہو، آبروریزی[1] کا ہو یا کسی اور قسم کا ہو، وہ آج دنیا میں معاف کرا لے؛ قبل اس کے وہ دن آجائے جس میں روپیہ پیسہ آدمی کے پاس نہ ہوگا، اگر کوئی نیک عمل اس کے پاس ہے تو اس سے ظلم کا بدلہ ادا کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیک عمل نہیں ہے تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت زمین کسی دوسرے کی ظلم سے چھین لے گا، قیامت کے دن وہ حصہ ساتے زمینوں تک طوق[2] بنا کر اس ظالم کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ] اس کا جتنا بوجھ اور وزن گردن پر پڑے گا وہ ظاہر ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھ رہے تھے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت اور دوزخ کے احوال ظاہر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں ایک عورت کو دیکھا، جس نے کسی بلّی کو دنیا میں باندھ رکھا تھا اور اس کے کھانے کی خبر گیری میں کوتاہی کی، جس کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا تھا کہ نہ اس نے اس کے کھانے کی خبر رکھی، اور نہ اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ اپنے آپ زمین پر گری پڑی چیزوں سے پیٹ بھر لیتی۔ [مشکوٰۃ]

جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں، ان پر ان کی خبر گیری کی بڑی سخت ذمہ داری ہے، وہ بے زبان اکثر بھوک پیاس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پالنے والوں کو اپنے کاروبار میں خیال بھی نہیں رہتا۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ قیامت میں بدترین شخص وہ ہے، جو دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہونچائے۔ [مشکوٰۃ] کہ دوسرے نے کسی پر ظلم کیا، آپ تعلّقات کے زور میں اس کے حامی[3] بن گئے، جس سے دنیا کا نفع تو اس کو حاصل ہوا اور آخرت اس کے ساتھ اپنی بھی برباد ہوئی۔

اس لیے نہایت اہتمام سے ایسے امور سے بچنا چاہیے اور ہر وقت اس کی فکر چاہیے کہ نہ معلوم کب موت آجائے اور یہ وبال سر پر رہے، بالخصوص سفرِ حج کو جاتے وقت بہت اہتمام سے ان امور سے پاکی حاصل کرے کہ طویل[4] سفر ہے، نہ معلوم واپسی مقدّر ہے یا نہیں۔

⑦ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ فُلَانٌ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ. فَجَعَلَ الْفَتٰى يُلَاحِظُ النِّسَاءَ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِنَّ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ أَخِيْ! إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ مَنْ مَّلَكَ فِيْهِ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ وَلِسَانَهٗ غُفِرَ لَهٗ.	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک نوعمر لڑکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھے۔ ان کی نظر عورتوں پر پڑ گئی اور ان کو دیکھنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھتیجے! یہ ایسا دن ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنے کان، آنکھ اور زبان کی حفاظت رکھے، اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

حل لغات: ① بے عزتی۔ ② گلے کی زنجیر، بیڑی۔ ③ مددگار۔ ④ لمبا۔

[رواه أحمد بإسناد صحيح كذا في الترغيب۔ والقصة معروفة في كتب الحديث عن الفضل بن عباس رويت بطرق عديدة وألفاظ مختلفة]

فائدہ: چونکہ مجمع کا قصہ ہوتا ہے، ہر قسم کے مرد وعورت ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، اس لیے بہت اہتمام سے اس دن اپنی حفاظت رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بدنظری سے یا نامَحرم کی آواز لذّت سے سننے سے یا کسی ناجائز لفظ کے زبان سے نکالنے سے نیکی برباد گناہ لازم ہوجائے، اسی لیے قرآن پاک میں بھی اس کو اہتمام سے ذکر کیا گیا: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ [سورہ بقرہ: ۱۹۷] کہ یہ چیزیں حج میں نہیں ہونی چاہئیں۔ نبیٔ کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اگر آدمی کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے اور وہ فوراً اپنی نظر کو ہٹالے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو کسی ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جس کی لذّت اور حلاوت اس کو محسوس ہوتی ہے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں ہوتا ہے، تو تیسرا شخص وہاں شیطان ہوتا ہے۔ [مشکوٰۃ] اس سفر میں اکثر عورتیں نامحرموں کے ساتھ سفر کرتی ہیں اور بسا اوقات مَحرم کے ساتھ ہونے کی صورت میں بھی عوارض کی وجہ سے مکان میں تنہا ہوجانے کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایسی نوبت نہ آسکے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت کسی نامَحرم کے ساتھ تنہا مکان میں نہ ٹھہرے اور کوئی عورت بغیر مَحرم کے سفر نہ کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا نام فلاں غزوہ میں جانے والوں میں لکھا گیا اور میری بیوی حج کو جارہی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ۔ [مشکوٰۃ] یہاں جہاد جیسی اہم چیز میں جانے والے صحابی رضی اللہ عنہ کو بیوی کے حج کی وجہ سے حضور ﷺ نے مؤخر کردیا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ یعنی خود اس کو بہکانے کے لیے اور دوسروں کو اس کی طرف متوجّہ کرنے کے لیے ہر وقت کم بخت تاک میں لگا رہتا ہے، اس لیے مَحرم کا ایسی حالت میں ساتھ رہنا ضروری ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے تنہائی میں عورت کے پاس جانے کی ممانعت فرمائی، کسی نے عرض کیا: حضور! اگر جانے والا دیور ہو یعنی خاوند کا بھائی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''دیور تو موت ہے۔'' یعنی اس سے زیادہ اندیشہ اور خوف ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہر وقت کا پاس رہنا ہے، اس میں خطرات کا زیادہ اندیشہ ہے۔

حل لغات: (۱) ترجمہ: چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ (۲) مٹھاس۔ (۳) ضرورت، پیش آنے والی چیزیں۔ (۴) آگے۔ (۵) شوہر۔

حدیث پاک میں کان، آنکھ وغیرہ کی حفاظت کو فرمایا ہے، وہ نامحرموں کی بات سننا یا دیکھنے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ کسی کی غیبت، چُغَل خوری وغیرہ سننا یا زبان سے ادا کرنا سب ہی اس میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی ناجائز چیز، لہو ولعب کو دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔

③ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا الْحَاجُّ؟ قَالَ: اَلشَّعِثُ التَّفِلُ، فَقَامَ اٰخَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔ [كذا في المشكوٰة]	ایک صحابی نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ حاجی کی کیا شان ہونا چاہیے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہو۔ پھر دوسرے صحابی نے سوال کیا کہ حج کون سا افضل ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جس میں خوب (لَبَّیْك کے ساتھ) چلّانا ہو اور (قربانی کا خوب) خون بہانا ہو۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں تین مضمون ذکر کیے گئے: اوّل یہ کہ حاجی کی شان یہ ہے کہ بکھرے ہوئے بال ہوں، کپڑے میلے ہوں، یہ اصل حاجی کی شان ہے۔ اس کے شان کے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اس حالت میں بھی زیب وزینت کی طرف مُتوَجّہ ہو، اسی وجہ سے احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا کہ عاشق کو ان چیزوں سے کیا کام۔

ایک مرتبہ ذی الحجہ کی ۸/ یا ۹/ تاریخ تھی، حضرت اقدس مولانا الحاج سید حسین[1] احمد صاحب مدنی ادام اللہ ظلال برکاتہ تشریف لائے، میں نے عطر کی شیشی مَلنے کے لیے سامنے کی۔ مولانا نے اس کو لے کر مَلا اور نہایت ہی ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا کہ آج عُشّاق عطر سے روک دیے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن کے دلوں میں عشق کا زخم ہے، وہ مکّہ سے دُور رہ کر بھی وہاں کے تَصَوُّر کی لذّت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر دیکھا کہ ذی الحجہ کی اوائل[2] تاریخوں میں اکثر بے اختیار ان کے منہ سے لَبَّیْك نکل جاتی تھی۔

پہلی فصل کی حدیث نمبر ۳/ کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس بات پر فرشتوں سے فخر کرتے ہیں کہ میرے بندے بکھرے ہوئے بال اور غبار آلود کپڑوں سے آئے ہیں اور مُتَعَدَّد احادیث میں اس تفاخُر[3] کا ذکر آیا ہے۔

دوسرا مضمون: لَبَّیْك آواز سے پڑھنا، یہ بھی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کرو کہ لَبَّیْك پکار

حل لغات: ① حضرت ۱۹۵۷ء میں وفات پا چکے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ② پہلی، شروع کی۔ ③ آپس میں فخر کرنا۔

کر کہیں، اس لیے کہ یہ حج کا شعار[1] ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ لَبَّيْكَ پکار کر کہیں کہ یہ حج کا شعار ہے۔ [کنز] پہلی فصل کی حدیث نمبر چھ میں گذر چکا ہے کہ جب آدمی لَبَّيْكَ کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہر پتھر اور درخت اور زمین بھی لَبَّيْكَ کہتی ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لَبَّيْكَ کہتے تھے تو حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے لَبَّيْكَ يَا مُوسٰى جواب میں ارشاد ہوتا تھا۔

تیسرا مضمون حدیثِ بالا میں قربانی کی کثرت ہے۔ قربانی مستقل عبادت ہے جو صاحبِ نصاب پر واجب ہے اور جو صاحبِ نصاب نہ ہو، اس کے لیے مستحب ہے؛ لیکن حج میں اس کی فضیلت اور بھی زیادہ ہے اور اس کی کثرت مرغوب[2] ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں ۱۰۰ سو اونٹ قربانی کیے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے اور قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قربانی کا جانور جب ذبح ہوتا ہے، تو پہلے قطرہ پر قربانی کرنے والے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور قیامت کے دن قربانی کا جانور مع اپنے خون اور گوشت وغیرہ کے لایا جائے گا اور ستّر درجہ زیادہ وزنی بنا کر اعمال کی ترازو میں رکھا جائے گا۔ [کنز]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنی تمام امّت کی طرف سے قربانی کی، تو امّت کو بھی زیبا[3] ہے کہ اپنی قربانی کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ایک قربانی کیا کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ایک بکرا اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں، اس لیے میں ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ [کنز]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے چھوٹے بچّوں کی طرف سے خود قربانی کیا کرتے تھے۔ قربانی درحقیقت ایک بہت اہم یادگار ہے، جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے'' میں اشارہ گذر چکا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑھاپے کی حالت میں بڑی تمنّاؤں سے اولاد ہوئی اور جب وہ ہونہار دیکھنے کے قابل ہوئی کہ باپ کی بھی دیکھ کر روح تازہ ہو جائے، تو ان کو ذبح کر دینے کا اشارہ ہوا جو حقیقتاً حضرت ابراہیم اور صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیٰ نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے لیے بڑا سخت امتحان تھا۔ دونوں باپ بیٹوں نے اس امتحان کو پورا کرنے میں بشاشت[4] سے پیش قدمی[5] کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیز چھری لے کر صاحبزادہ کے گلے پر چلا دی،

حل لغات: (۱) نشانی، علامت۔ (۲) پسندیدہ۔ (۳) مناسب۔ (۴) خوشی، مسرت۔ (۵) آگے بڑھنا۔

لیکن اللہ کی قدرت کا یہ ادنیٰ[1] کرشمہ تھا کہ اس عمل کی تکمیل[2] بجائے صاحبزادہ کے جانور پر ہوئی، لیکن ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ [سورۂ صافات:۱۰۵] ''تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا'' کا مژدہ[3] ملا، تو حقیقتاً یہ اپنی اولاد کی قربانی کا بدل ہے جو محض اللہ کے لطف و کرم سے اس کا بدل بن گیا۔ اس وقت یہی تصور ہونا چاہیے کہ گویا اپنے نفس کو اور آل اولاد کو اللہ کے راستہ میں قربان کر رہا ہے۔

اجمالی آداب

شریعت کے ہر حکم اور اسلام کے ہر رکن کے ساتھ کچھ آداب بھی مقرّر ہیں، نماز ہو یا روزہ ہو، زکوٰۃ ہو یا حج، ہر چیز میں آداب کی تحقیق اور اس کی رعایت کی حتی الوسع[4] کوشش ہونا چاہیے۔ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے تفسیرِ عزیزی میں تحریر فرمایا ہے: مَنْ تَهَاوَنَ بِالْآدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ، وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ، وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ۔ ''یعنی جو شخص آداب میں سُستی کرتا ہے، وہ سنّت سے محرومی کی بلا[5] میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنّت میں سُستی کرتا ہے، وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ بہت سے اُمور پر احادیث میں کُفر کا اطلاق کیا گیا ہے کہ وہ اسی ضابطہ کے موافق کفر تک پہونچا دیتا ہے، اس لیے شریعت کے ہر حکم میں آداب کا اہتمام چاہیے کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو سکے، مضائقہ[6] نہیں مگر ان کی وَقعت[7] اور اہمیت دل میں ہونا چاہیے، لاپروائی اور فضول سمجھ کر ان کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ احکامِ شرعیہ کے آداب و مستحبّات علماء نے بڑے اہتمام سے اپنی اپنی جگہ جمع کیے ہیں، ان کی تحقیق[8] و تفتیش کی جائے، علماء کے اختلاط[9] اور ان کے مُذاکروں سے بھی بہت سے آداب معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہاں چند آداب کا ذکر نمونہ اور اجمال[10] کے طور پر کیا جاتا ہے۔

(۱) جب اللہ جلّ شانہٗ کسی خوش نصیب کو اس سعادت کی توفیق عطا فرمائے مثلاً حج فرض ہو جائے یا حجِ نفل کے اسباب پیدا ہو جائیں، تو پھر ارادہ کی تکمیل میں عُجلت[11] کرنا چاہیے، بالخصوص حجِ فرض کو معمولی اعذار کی وجہ سے ہرگز مُؤَخَّر[12] نہ کرنا چاہیے کہ شیطان ایسے مواقع پر لغو[13] خیالات اور بے محل[14] ضروریات دل میں جمع کر دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ شیطان کا مقولہ جو قرآن پاک میں سورۂ اعراف

حل لغات: (۱) چھوٹا سا۔ (۲) مکمل ہونا، پورا ہونا۔ (۳) خوشخبری۔ (۴) جہاں تک ہو سکے۔ (۵) مصیبت۔ (۶) حرج۔ (۷) عزت۔ (۸) چھان بین۔ (۹) میل جول۔ (۱۰) مختصر ہونا۔ (۱۱) جلدی۔ (۱۲) دیر، آخر میں۔ (۱۳) بے کار۔ (۱۴) غیر ضروری۔

میں ذکر کیا گیا ﴿قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾﴾ [سورۂ اعراف: ۱۶، ۱۷] ترجمہ: شیطان نے کہا کہ بسبب اس کے کہ یا اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان آدمیوں کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر جا کر بیٹھوں گا اور پھر چاروں طرف سے ان پر حملہ کروں گا: آگے سے بھی، پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی، بائیں سے بھی اور ان میں سے آپ اکثر لوگوں کو شکر گذار نہ پائیں گے۔

سیدھی راہ ''دین کا راستہ'' ہے اور دین کے سارے ہی شعبے اس میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ خاص طور پر حج کا راستہ اس سے مراد ہے۔ [اتحاف] یعنی وہ کمبخت اس پر مُسلّط[1] ہو کر چاروں طرف سے آدمی کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے اور طرح طرح کے اَعذار[2] سامنے لا کر حج سے روکتا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب حج سے اس کی ساری محنت بیکار ہو جاتی ہے، عرفات کا رونا عمر بھر کے گناہوں کو دھو دیتا ہے، تو وہ جتنا بھی اس سفر کے خلاف سعی[3] کرے، قرینِ قیاس[4] ہے۔ اس لیے موانع[5] کو شیطانی اثر سمجھ کر حتّی الوسع[6] ان کے دفع کرنے کی اور ان کو غیر اہم سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

(۲) مناسب ہے کہ جب سفر کا ارادہ ہو تو مسنون استخارہ کر لے، نفسِ حج کے لیے استخارہ کی ضرورت نہیں، مَثَل مشہور ہے ''در کارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست'' کارِ خیر میں استخارہ کی حاجت نہیں، لیکن چونکہ اہم سفر ہے، راستہ دشوار گذار ہے؛ ان اُمور کے متعلق استخارہ کرے کہ کب چلے، کس راستہ سے جائے، کس جہاز میں جائے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ کرنے کی تعلیم اس طرح اہتمام سے دیا کرتے تھے، جس اہتمام سے قرآن پاک کی سورت یاد کراتے تھے اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مُہتم[7] بالشّان امر پیش آئے تو دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ استخارہ کی دُعا مشہور ہے، حج کے سب رسائل میں موجود ہے۔

(۳) حج کے مسائل معلوم کرنے کی سعی کرے۔ ابنِ امیر الحاج لکھتے ہیں کہ سب سے اہم چیز اُن مسائل کا معلوم کرنا ہے جو حج کو جانے کے قبل اور روانگی کے بعد اور حج کے دوران میں پیش آتے ہیں کہ علم کا سیکھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص پر فرض کیا ہے، اس لیے حج کے فرائض اور سُنَن اور جو چیزیں اس میں حرام یا مکروہ ہیں، ان کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ [مدخل]

حل لغات: (۱) غالب ہو کر۔ (۲) ضرورتیں۔ (۳) کوشش۔ (۴) عقل کے مطابق۔ (۵) رکاوٹ۔ (۶) کوشش بھر۔ (۷) اہم، ضروری۔

بہت سے رسائل اردو میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں، ان کو بِالاستیعاب[1] دو چار مرتبہ سفر سے پہلے پڑھ لے، تاکہ ناواقفیت کی وجہ سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں نقصان نہ رہ جائے۔ عام علماء بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، درس کے وقت مسائل کا نظر سے گذر جانا دوسری بات ہے، وقت پر مُستحضَر[2] ہونا اور چیز ہے، یہ صحیح ہے کہ ان کو سرسری طور سے دیکھ لینا کافی ہے، عوام کو بہت اہتمام سے اور غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کی رفاقت[3] سفر میں اختیار کرے اور ہر چیز کو اس سے تحقیق کرتا رہے۔ تین رسالوں کے مطالعہ کا بندۂ ناکارہ خصوصیت سے مشورہ دیتا ہے: ایک ''زُبدَۃُ المَناسِک'' مُؤَلَّفہ قُطبِ عالم حضرت گنگوہی نوَّرَاللہ مَرقَدہ، دوسرے ''زیارتُ الحَرَمین'' مُؤَلَّفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ، تیسرے ''مُعَلِّمُ الحُجّاج'' مُؤَلَّفہ مولانا سعید احمد صاحب زَادَ مَجدُہم، مفتی مظاہر علوم۔ ان کے علاوہ اور جو رسائل مُعتَمَد[4] علماء کے مل سکیں۔

④ جب سفر کرے تو نیّت خالص اللہ کی رضا ہونا چاہیے، لوگوں کا دکھلاوا یا ''حاجی'' کہلانے کا شوق یا سیر و تفریح وغیرہ فاسد ارادے ہرگز نہ ہونا چاہئیں، جیسا کہ پہلی فصل کی حدیث نمبر ا میں گذر چکا ہے۔

⑤ ایک یا اس سے زیادہ رفیقِ[5] سفر ایسے لوگ تلاش کیے جائیں جو دیندار صالح نیک ہوں، دین کے کاموں میں دل چسپی اور شوق رکھنے والے ہوں، تاکہ راستے میں مُعین و مددگار ہوں، اگر یہ کسی کام کو بھول جائیں تو وہ یاد دلائیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے رہیں، اگر کسی کام میں سُستی پیدا ہو تو وہ ہمّت بندھائیں، اگر کہیں بزدلی پیدا ہو تو وہ بہادری پیدا کریں، اگر کوئی پریشانی پیدا ہو تو صبر دلائیں، کوئی عالِم ہو تو اور بھی بہتر ہے کہ مسائل میں بھی مدد دیتا رہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رشتہ دار کی بہ نسبت اجنبی زیادہ بہتر ہے کہ راستہ میں بسا[6] اوقات طبائع[7] کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں شکررنجی[8] پیدا ہو جاتی ہے، جس سے قطع تعلق[9] کی نوبت آجاتی ہے، اگر رشتہ دار کے ساتھ ایسی نوبت آئے گی تو قطع رحمی[10] کا گناہ ہوگا، البتہ اگر اپنے اوپر یا رفیق پر اس کا اطمینان ہو کہ ایسی نوبت نہ آئے گی تو مضائقہ نہیں۔

⑥ حج کے لیے حلال مال تلاش کرے جس میں شبہ نہ ہو، حرام مال سے خواہ رشوت کا ہو یا ظلم سے کسی سے حاصل کیا ہو، ایسے مال سے حج فرض تو ادا ہو جاتا ہے، لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا، جیسا کہ اسی فصل کی پہلی حدیث میں مفصَّل گذر چکا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مال مُشتبَہ[11] ہو تو پھر علماء نے اس کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ قرض لے کر حج کرلے اور پھر اس مال سے قرض ادا کردے۔

⑦ اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کرے؛

حل لغات: ① شروع سے آخر تک۔ ② یاد ہونا۔ ③ ساتھ۔ ④ اعتبار کے لائق۔ ⑤ ساتھی۔ ⑥ کبھی کبھار۔ ⑦ طبیعتوں۔ ⑧ اختلاف، بگاڑ۔ ⑨ تعلق توڑنا۔ ⑩ رشتہ توڑنا۔ ⑪ جس کے حلال ہونے میں شک وشبہ ہو۔

اور کسی اور قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے، جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سُنا معاف کرالے، اگر کچھ قرضہ اپنے ذمّہ ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کردے، جو امانتیں لوگوں کی اپنے پاس ہوں ان کو واپس کرے یا کوئی مناسب انتظام امانت رکھنے والوں کی رضا سے کردے، جن لوگوں کا خرچ اپنے ذمّہ ہے جیسے بیوی، چھوٹی اولاد وغیرہ ان کے خرچ کا بندوبست اپنی واپسی کے زمانہ تک کردے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم کر رکھا ہو یا اس کا کوئی اور حق اپنے ذمّہ ہو، تو وہ بمنزلہ ایک قرض خواہ کے ہے، جو اس سے یہ کہتا ہے کہ تُو کہاں جارہا ہے؟ کیا تُو اس حالت میں شہنشاہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کرتا ہے کہ تُو اس کا مجرم ہے؟ اس کے حکم کو ضائع کررہا ہے؟ حکم عدولی[1] کی حالت میں تُو حاضر ہورہا ہے؟ اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ تجھ کو مردود کر کے واپس کردے؟ اگر تُو قبولیت کا خواہش مند ہے تو اس ظلم سے توبہ کر کے حاضر ہو، اس کا مُطیع اور فرمانبردار بن کر پہونچ، ورنہ تیرا یہ سفر ابتداء کے اعتبار سے مشقّت ہی مَشَقَّتْ ہے اور انتہا کے اعتبار سے مردود ہونے کے قابل ہے۔

⑧ حلال وطیّب مال سے اتنا خرچہ اپنے ساتھ لے جو بغیر تنگی کے پورے سفر کی آمد و رفت کو کافی ہوجائے، بلکہ احتیاطاً کچھ زائد لے تاکہ راستہ میں غُرباء کی کچھ اِعانت[2] کرسکے، کھانے میں سے اہلِ ضرورت کی تواضع[3] کرسکے، جو لوگ ضرورت کی مقدار سے بھی کم لے کر جاتے ہیں وہ اکثر دوسروں پر بوجھ بن جاتے ہیں اور سوال کے مُرتکِب[4] ہوتے ہیں، حَقْ سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّسَ نے قرآن پاک میں "وَتَزَوَّدُوْا" کا حکم ارشاد فرمایا، جیسا کہ اسی فصل کے شروع میں مفصّل[5] گذر چکا۔

⑨ جب سفر شروع کرے تو دو رکعت نفل پڑھے، جس میں پہلی رکعت میں "قُلْ یٰٓاَیُّھَا[6]" اور دوسری میں "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ" پڑھنا اَولیٰ ہے اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعت گھر میں پڑھے اور دو رکعت محلہ کی مسجد میں۔

⑩ چلنے سے پہلے اور چلنے کے بعد کچھ صدقہ کرے اور اپنی وُسعت کے موافق کرتا رہے کہ صدقہ کرنے کو بلاؤں اور مصیبتوں کے دفع[7] کرنے میں خاص دخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا اللہ کے غصّہ کو دُور کرتا ہے اور بُری موت سے حفاظت کا سبب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کپڑا پہنائے جب تک اس کے بدن پر کپڑا رہے گا، پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔
[مشکوٰۃ]

⑪ جب گھر سے نکلنے لگے تو اس وقت کی مخصوص دعائیں جو احادیث میں کثرت سے آئی ہیں، پڑھ

حل لغات: ① حکم نہ ماننا۔ ② مدد۔ ③ مہمان نوازی، آؤ بھگت۔ ④ کرنے والے۔ ⑤ تفصیل سے۔ ⑥ یعنی قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ، پوری سورت۔ ⑦ دور۔

کر نکلے۔ ہر ہر جگہ کی دعائیں اتنی کثیر[1] ہیں کہ اگر اس رسالہ میں سب کو جمع کیا جائے تو اس کا حجم[2] تین حصے بڑھ جائے گا، اس لیے اس میں دعائیں ذکر نہیں کی گئیں، اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو کسی وقت صرف دعائیں ایک رسالہ میں جمع کردی جائیں گی۔ دوسرے رسائل سے تلاش کر کے جو مل سکیں پڑھ لی جائیں، حج کی دعاؤں میں مستقل رسالے بھی شائع ہو چکے ہیں، تلاش کر کے کوئی خرید لیا جائے تو بہتر ہے۔

(۱۲) چلتے وقت مقامی رفقاء اعزّہ احباب[3] سے ملاقات کر کے ان کو الوداع کہے اور ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہوں گی۔ نبیٔ کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے: جب کوئی آدمی تم میں سے سفر کرے تو اپنے بھائیوں کو سلام کر کے جائے، ان کی دعائیں اس کی دعا کے ساتھ مل کر خیر میں زیادتی کا سبب ہوں گی۔ الوداع کہتے وقت مسنون یہ ہے کہ یوں کہے: ﴿أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ﴾ [اتحاف]

(۱۳) جب گھر کے دروازے سے نکلے تو اس وقت کے لیے بھی مُتعَدِّد دعائیں احادیث میں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے: ﴿بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تُو اپنے مقصد کی طرف راستہ پائے گا اور راستہ میں تیری حفاظت کی جائے گی اور شیطان اس سے دُور ہو جاتا ہے۔ [اتحاف]

(۱۴) جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار، سمجھدار، تجربہ کار، مُتحمِّل[4] مزاج، جفاکش[5]، متواضع شخص کو امیرِ قافلہ بنالینا چاہیے، قریشی ہو تو افضل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جب تین آدمی بھی سفر کریں تو چاہیے کہ ایک کو اپنے میں سے امیرِ قافلہ بنالیں۔ [مشکوٰۃ]

حضورِ اقدس ﷺ کا عام معمول تھا کہ جب کوئی قافلہ روانہ ہوتا، تو کسی ایک شخص کو ان میں سے امیر بنادیتے۔ اور جو شخص امیر بنے اس کو اَمارت کے حقوق اور اس کے آداب کی رعایت کرنا چاہیے، رُفقاء کے احوال کی خبر گیری، ان کے سامان کی نگرانی کے اسباب پیدا کرنا، ان کو آرام و راحت پہونچانا امیر کے ذمّہ ہے۔ اس سلسلے میں اَشجّ عبدُالقیس کی حدیث جو آدابِ زیارتِ مدینہ نمبر گیارہ میں آرہی ہے دیکھنی چاہیے۔

(۱۵) بہتر یہ ہے کہ سفر کی ابتداء پنج شنبہ[6] کے دن صبح کے اوقات میں ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پنج شنبہ کے روز سفر کی ابتداء کو پسند فرماتے تھے۔ [مشکوٰۃ] دوسری حدیث میں ہے کہ

حل لغات: (۱) زیادہ۔ (۲) موٹائی۔ (۳) دوست رشتے دار۔ (۴) برداشت کرنے والا۔ (۵) محنتی۔ (۶) جمعرات۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر یا قافلہ کو روانہ فرماتے، تو دن کے اوّل حصّہ میں روانہ فرماتے۔ صخر رضی اللہ عنہ ایک بڑے تاجر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہتمام کی وجہ سے ان کو بھی اس کا خاص اہتمام تھا کہ جب اپنا مالِ تجارت روانہ کرتے تو دن کے شروع حصّہ میں روانہ کرتے، اس میں ان کو بڑا نفع حاصل ہوتا۔ [مشکوٰۃ]

(۱۶) سواری پر سوار ہونے کی اور اُترنے کی دعائیں بھی احادیث میں مُتعَدِّد[۱] وارد ہوئی ہیں، ان کو معلوم اور محفوظ کرنا اَولیٰ ہے کہ ہر منزل پر اُترتے چڑھتے پڑھتا رہے اور اگر سواری اور سفر اپنے قبضہ کا ہو تو بہتر یہ ہے کہ رات کا کچھ حصّہ اور صبح کا ابتدائی حصّہ سفر کرنے میں گذرے اور دن کو منزل[۲] کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''رات کا سفر اختیار کرو کہ زمین رات کو لپیٹ دی جاتی ہے۔'' یعنی مسافت[۳] جلدی طے ہوتی ہے اور تجربہ بھی اس کا بارہا[۴] ہوا، لیکن یہ وہیں ہوسکتا ہے جہاں اونٹوں کا سفر اپنے اختیار کا ہو، راستہ مامون و محفوظ ہو۔ ریلوں کے سفر میں اس کے اوقات کی پابندی ہے۔

(۱۷) جب کسی جگہ منزل میں پہونچے تو احتیاط یہ ہے کہ چلنے پھرنے میں بھی تنہا نہ جائے، تا وقتیکہ امن اور اطمینان کا حال معلوم نہ ہو کہ اجنبی جگہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اور منزل پر بھی احتیاط یہ ہے کہ رفقاء میں سے نمبروار ایک دو آدمی سامان کی حفاظت کے ذمّہ دار رہیں۔ رات کے وقت اگر منزل ہو تو جاگنے والوں کے اوقات مُرتّب[۵] کر لیے جاویں کہ نمبروار ایک دو آدمی جاگتے رہیں کہ یہ جان و مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ منزل پر پہونچ کر طے فرما دیا کرتے تھے کہ حفاظت کا کام کس کے سپرد[۶] ہے۔

میرے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے کئی مرتبہ یہ قصہ سنایا کہ میرے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر بار بار اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتے کہ گھر میں تمام رات کوئی نہ کوئی اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اس پر بار بار شکر کے طور پر مُسَرَّت[۷] ظاہر فرمایا کرتے کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے، اور صورت اس کی یہ ہوتی تھی کہ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کُتُب[۸] بینی اور مطالعہ کا بہت ذوق اور شوق تھا، رات کا اکثر حصہ وہ مطالعہ میں صرف[۹] کیا کرتے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کتاب دیکھنے میں وقت کا اندازہ نہ ہوتا تھا، نصف[۱۰] رات تک میں کتاب دیکھتا اور والد صاحب یعنی میرے دادا صاحب آرام فرماتے، نصف[۱۱] لیل کے بعد وہ تہجد کے لیے جب اٹھتے تو فرماتے: میاں یحییٰ تم اب تک نہیں سوئے؟ جلدی سو جاؤ، ان کے تقاضہ پر میں مجبوراً کتابیں رکھ کر سوتا اور وہ تہجد میں مشغول ہو جاتے اور ثلث[۱۲] لیل تہجد پڑھ کر وہ تو خود آرام کرنے کے لیے سدس[۱۳] آخر میں لیٹ جاتے اور میرے تایا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد صاحب کو

حل لغات: (۱) بہت بار۔ (۲) قیام۔ (۳) دوری۔ (۴) بہت بار، اکثر۔ (۵) ترتیب دینا۔ (۶) ذمہ۔ (۷) خوشی۔ (۸) کتابیں دیکھنا۔ (۹) خرچ۔ (۱۰) آدھی۔ (۱۱) آدھی رات۔ (۱۲) تہائی رات۔ (۱۳) رات کا چھٹا حصہ۔

آواز دے کر تہجد کے لیے جگا دیتے، وہ صبح صادق تک تہجد میں مشغول رہتے۔ افسوس کہ اپنے اکابر کے معمولات خیرات و برکات میں سے کچھ بھی نہ کمایا، فَيَالَلْأَسَف[1]۔

(۱۸) سفر میں جب کسی اونچی جگہ چڑھے، تو علاوہ دوسری دعاؤں کے اللہ اکبر تین مرتبہ اور جب نیچے کی جگہ اترے تو علاوہ اور دعاؤں کے سبحان اللہ تین مرتبہ کہنا اولی ہے۔ اور جب سفر میں کسی جگہ وحشت[2] سوار ہو اور گھبراہٹ ہونے لگے تو سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ پڑھنا اولی[3] بھی اور مجرب[4] بھی ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص بلا مشقت کے پیدل حج کرے، تو کیا ہی کہنا، بشرطیکہ کسی دوسرے مکروہ میں مبتلا نہ ہو جائے؛ لیکن اگر سواری پر حج کرے تب بھی اولی یہ ہے کہ اپنی ہمت اور وسعت کے موافق جتنا بہ سہولت تحمل[5] ہو سکے پاؤں چلے، بالخصوص مکہ سے عرفات کے درمیان کہ ہر ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے شمار ہوتی ہیں اور حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہوتی ہے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث میں مُفصّل[6] گذرا۔ اکابر کا اکثر معمول رہا کہ اونٹوں کے سفر پر جب عصر کی نماز کے لیے اترتے تو مغرب تک پاؤں چل کر مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر سوار ہوتے کہ یہ وقت مختصر بھی ہوتا ہے اور گرمی، دھوپ یا اندھیرا ابھی نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ سے عرفات اور منیٰ تک پیدل جانا زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے، جو لوگ قوِی[7]، چلنے کے عادی ہوں ان کو اس حصہ کے لیے سواری کا پابند نہ ہونا چاہیے کہ اس سے بسا اوقات[8] سواری کی مجبوری سے، بہت سے مستحبات ترک[9] ہو جاتے ہیں۔

(۲۰) سواری کے جانور کی رعایت اور اس کے حقوق کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس کے تحمل سے زیادہ مشقت اس پر ڈالنا جائز نہیں، اسلاف[10] میں سے متقی اور پرہیزگار حضرات اس پر لیٹ کر سونے سے بھی احتراز[11] کرتے تھے کہ اس سے اس پر بوجھ بڑھ جاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جانور کو اذیت[12] پہونچانے اور بے وجہ تکلیف دینے کا بھی قیامت میں مطالبہ ہوگا۔

حضرت ابو درداء صحابی رضی اللہ عنہ اپنے انتقال کے وقت اپنے اونٹ سے خطاب کر کے فرما رہے تھے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں مجھ سے جھگڑا نہ کیجیو، میں نے تیری طاقت سے زیادہ کام تجھ سے کبھی نہیں لیا۔ [اتحاف]

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ استنجے کے لیے کسی درخت کی آڑ یا کسی باغ میں تشریف لے جایا کرتے، ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چلّایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) ہائے افسوس۔ (۲) ڈر۔ (۳) افضل۔ (۴) تجربہ کیا ہوا۔ (۵) برداشت۔ (۶) تفصیل سے۔ (۷) طاقتور۔ (۸) کئی مرتبہ۔ (۹) چھوٹ جانا۔ (۱۰) پہلے کے بزرگ۔ (۱۱) بچنا۔ (۱۲) تکلیف۔

اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے کان کی جڑ پر دست[1] مبارک پھیرا اور فرمایا: اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوعمر تشریف لائے اور کہا کہ یہ میرا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے تمہاری شکایت کی کہ تم اس سے کام تو زیادہ لیتے ہو اور کھانے کو کم دیتے ہو۔ [ابوداؤد]

(۲۱) اسی طرح سواری کے مالک کے حقوق کی بھی رعایت ضروری ہے، اس کی اجازت سے زیادہ سامان رکھنا جائز نہیں، جتنی مقدار کرایہ میں طے[2] ہوچکی ہے اتنی ہی رکھنا جائز ہے۔ اس میں ریل وغیرہ کا سفر بھی یہی حکم رکھتا ہے کہ چُرا چھپا کر استحقاق سے زیادہ سامان بلامحصول[3] ادا کیے رکھنا جائز نہیں، اپنے اسلاف[4] کا معاملہ تو اس میں اس قدر احتیاط کا تھا کہ وہ اب سمجھ میں بھی مشکل سے آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور مُحدِّث اور مشہور امام ہیں، ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جارہے تھے، کسی نے ان کو ایک خط دیا کہ یہ بھی لیتے جائیں، انہوں نے فرمایا کہ میں اونٹ والے کو اپنا سامان دکھا چکا ہوں، اب اس کو پہلے اطلاع کردوں کہ یہ اور لیتا ہوں وہ اجازت دے دے گا تو لے لوں گا۔ [اتحاف] اور علی بن مَعْبَدْ رحمۃ اللہ علیہ محدث کا مشہور قصہ جو حکایاتِ صحابہ میں لکھا جاچکا ہے کہ کرایہ کے مکان سے مٹی اٹھا کر خط کو خشک کرنے پر خواب میں تنبیہ ہوئی۔

(۲۲) سارے سفر میں تَنَعُّم[5] اور زیب وزینت کے اسباب سے بچے کہ یہ سفر عاشقانہ سفر ہے، معشوقانہ نہیں ہے جیسا کہ مفصل پہلے گذر چکا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے ﴿اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ﴾ جیسا کہ اسی فصل کی تیسری حدیث میں گذرا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حُجّاج کو دیکھتے، تو فرماتے کہ حاجی کم ہوتے جارہے ہیں اور سفر کرنے والے بڑھتے جارہے ہیں۔ اسی میں ایک شخص کو دیکھا کہ معمولی ہیئت[6] اور معمولی لباس میں ہے، فرمایا: ہاں! یہ حجاج میں ہے۔ [اتحاف]

(۲۳) سفر میں جو کچھ خرچ کرے وہ نہایت بشاشت[7] اور فراخ دلی[8] سے خرچ کرے، دل تنگی اس مبارک سفر کے اخراجات میں ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ پہلی فصل کی حدیث نمبر نو میں گذر چکا ہے کہ ایک روپیہ کا ثواب اس سفر میں سات سو روپیہ کے برابر ہے، ایسی حالت میں جو پیسہ اس مبارک سفر میں خرچ ہوجائے وہ اجر[9] ہی اجر ہے۔ اس سے مقصود یہ نہیں کہ اِسراف[10] کیا جائے، لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر خرچ کی زیادتی اسراف نہیں، بلکہ اسراف بے محل[11] خرچ کرنا ہے۔ وہاں کے مزدوروں پر، اونٹ والوں پر، مکانات کے کرایوں میں جو خرچ کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کی اِعانت[12] کی نیت بھی شامل کرلی جائے تو پھر کوئی خرچ بار[13] نہیں۔

حل لغات: (۱) ہاتھ۔ (۲) مقرر۔ (۳) کرایہ۔ (۴) بزگان دین۔ (۵) عیش وراحت۔ (۶) حالت۔ (۷) خوشی۔ (۸) سخاوت، دل کھول کر خرچ کرنا۔ (۹) ثواب۔ (۱۰) فضول خرچی۔ (۱۱) بلاضرورت۔ (۱۲) مدد۔ (۱۳) بوجھ، بھاری۔

(۲۴) البتہ رشوت دینے سے حتی الوسع[1] احتراز[2] کرے اور جہاں تک مجبوری نہ ہوجائے، رشوت نہ دے کہ وہ حرام ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ٹیکس دینے کی وجہ سے حج نفل کا چھوڑ دینا اولیٰ ہے کہ ٹیکس دینے میں ظالمین کی اعانت ہے۔ [احیاء]

(۲۵) اس سفر میں جو مشقتیں تکلیفیں پہونچیں، ان کو نہایت خندہ پیشانی اور بشاشت[3] سے برداشت کرے، ہرگز ان پر ناشکری اور بے صبری کا اظہار نہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سفر میں بدن کو کسی قسم کی تکلیف پہونچنا بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے قائم مقام ہے۔ [اتحاف] کہ جیسا مال خرچ کرنا مالی صدقہ ہے، یہ جانی صدقہ ہے۔

(۲۶) مَعَاصِیْ[4] سے بچنے کی بہت اہتمام سے کوشش کرے، قرآن پاک میں خاص طور سے اس کو ذکر فرمایا ہے ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۹۷] پہلی فصل میں یہ آیت گذر چکی ہے اور اسی فصل کی پہلی حدیث میں یہ مضمون گذر چکا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جلَّ شانُہٗ تک وصول[5] اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک لذتوں سے احتیاط اور شہوتوں سے حفاظت نہ ہو۔ اسی وجہ سے پہلے لوگ رہبانیت[6] اختیار کیا کرتے تھے، جس کا بدل حج میں یہ رکھا گیا کہ بیوی سے صحبت بھی ناجائز کردی گئی۔ [اتحاف]

(۲۷) نمازوں کا نہایت اہتمام رکھے، بہت سے حاجی سفر کی مشقت اور کاہلی سے اس میں سستی کردیتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر شب[7] کے سفر کی وجہ سے آخری رات ہوجائے تو لیٹ کر نہ سوئے بلکہ کہنی کھڑی کرکے اس پر ٹیک لگا کر سوجائے ایسا نہ ہو کہ لیٹ کر سونے سے غفلت کی نیند آجائے اور صبح کی نماز فوت[8] ہوجائے کہ نماز کی فضیلت حج کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ [اتحاف]

علماء نے لکھا ہے کہ حج کے شرائط میں سے ہے کہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنے پر راستہ میں قدرت ہو اگر راستہ ایسا بن جائے کہ نماز کے ادا کرنے کا وقت نہیں مل سکتا، تو حج کی فرضیت نہیں رہتی۔ ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو شخص جہاد میں جائے اور اس کی وجہ سے اس کی ایک نماز فوت ہوجائے، تو اس کو اس کے کفّارہ[9] میں سو جہاد کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس ایک نماز کے فوت ہونے کا کفارہ ہوسکے۔

ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے ارادہ سے تشریف لے چلے، تو ایک ہی منزل پر پہونچ کر فرمانے لگے کہ مجھے واپس گھر پہونچاؤ، میں نے ایک ہی منزل میں سات سو کبیرہ گناہ کرڈالے۔ علماء کو

حل لغات: (۱) جہاں تک ہوسکے۔ (۲) بچنا۔ (۳) خوشی۔ (۴) گناہ۔ (۵) پہونچنا۔ (۶) دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنا۔ (۷) رات۔ (۸) چھوٹنا۔ (۹) گناہ کا بدلہ۔

بڑا تعجب ہے کہ ایک منزل چلنے میں اتنے گناہ کبیرہ ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک معمولی فاسق فاجر[1] سے بھی چند میل چلنے میں اتنے گناہ نہیں ہو سکتے، پھر ایک شیخ المشائخ[2] جو اکابر میں ہیں، ان سے کیسے صادر ہوئے۔ بعض اکابر نے کہا کہ ایک نماز کی جماعت فوت ہوگئی تھی۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جماعت کی نماز ترک[3] کردی، اس نے گویا سات سو کبیرہ گناہ کیے ہیں۔ [شرح لباب] ممکن ہے شیخ کو یہ حدیث پہونچی ہو، معروف[4] کتب میں بندہ کو یہ حدیث نہیں ملی اور حج بھی غالباً نفلی ہوگا۔

(۲۸) سارے سفر کو ذوق وشوق اور عاشقانہ والہانہ جذبہ سے کرے، جیسا کہ پہلے مُفصّل[5] گذر چکا کہ یہ عبادت ساری ہی مظہرِ[6] عشق ہے، یہ سمجھے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے اور ایسا ہے گویا شہنشاہ نے کوئی دربار مقرر کیا ہے اور خوش قسمتی سے دعوتی کارڈ اس کے نام کا بھی آگیا، اس لیے کہ بغیر اللہ جلّ شانہٗ کی توفیق کے کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی کی طرف سے طلب اور حاضری کی طلب ہوتی ہے جب ہی کوئی شخص جا سکتا ہے۔

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے — قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھے کہ جب دنیا میں اس نے اپنے مکان کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائی، تو آخرت میں اپنی زیارت سے بھی محروم نہ فرمائے گا۔

(۲۹) اپنی ہر عبادت میں اللہ کے لطف وکرم سے قبول کی امیدِ واثق[7] رکھے، وہ بڑا کریم ہے اور اس کے کرم کا ہر شخص کو امیدوار رہنا چاہیے۔ ع کہ شیوہ[8] ہے کریموں کا نبھانا اپنے چاکر[9] کا

پہلی فصل کی حدیث نمبر ۶ کے ذیل میں گذرا ہے کہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے، جو عرفات کے میدان میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی، اور حدیث نمبر ۴ اور ۵ میں تو مغفرت کا بالکل یقین ہے، اللہ کا لطف[10] وکرم، اس کا فضل وانعام، اس کی ذرّہ[11] نوازی، بندہ[12] پروری سے کامل امید رکھے کہ ہر عمل قبول ہوگا، مگر اس امید میں گھمنڈ کا شائبہ[13] ہرگز نہ آئے، اپنے اعمال کے قصور کی وجہ سے اس کو اس کا مستحق سمجھے کہ قابل قبول نہیں۔ ابنِ اَبی مُلَیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تیس حضرات سے ملا، ہر ایک ان میں سے اپنے منافق ہونے سے ڈر رہا تھا۔ [بخاری] یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اعمال کا باطن ایسا بہتر نہیں ہے جیسا ظاہر ہے، اس سے ان کو اپنے اوپر نفاق کا خوف ہو جاتا تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک شخص جہاد کرتا ہے، وہ ثواب کی بھی امید رکھتا

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) پیروں کا پیر۔ (۳) چھوڑنا۔ (۴) مشہور۔ (۵) تفصیل کے ساتھ۔ (۶) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۷) پکی امید۔ (۸) عادت۔ (۹) نوکر۔ (۱۰) مہربانی۔ (۱۱) معمولی آدمی کا خیال کرنا۔ (۱۲) احسان، عنایت۔ (۱۳) شک، شبہ۔

ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا نام ہوجائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کوئی ثواب نہیں۔ انھوں نے مکرر①، سہ کرر② یہی سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی جواب ارشاد فرماتے رہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لیے ہو۔ [ترغیب]

حضرت شُفَی رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں، مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک صاحب ہیں جن کے پاس بڑا مجمع لگا ہوا ہے، انھوں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وارضاہ ہیں، یہ قریب پہونچے اور عرض کیا کہ میں آپ سے کوئی حدیث سننا چاہتا ہوں جو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی طرح سمجھی ہو، انھوں نے فرمایا کہ ہاں ہاں! میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب سمجھا اور اچھی طرح معلوم کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چیخ مار کر رونے لگے جس سے بے ہوشی کے قریب ہوگئے تھوڑی دیر کے بعد جب سکون ہوا تو فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں مجھے سنائی تھی، اس وقت میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کوئی تیسرا ہمارے ساتھ نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر چیخ مار کر اسی طرح رونے لگے گویا بے ہوش ہوجائیں گے۔ پھر جب سکون ہوا تو منہ پونچھ کر فرمایا کہ ہاں میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی، اس وقت میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کوئی تیسرا نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر اسی طرح چیخ مار کر رونے کی صورت پیش آگئی اور پہلے سے بھی زیادہ سخت۔ اس کے بعد منہ کے بَل زمین پر گر گئے۔ میں بہت دیر تک ان کو پکڑے بیٹھا رہا، اس کے بعد جب اِفاقہ③ ہوا تو فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالیٰ وجلّ وعلا بندوں کے حساب کی طرف توجہ فرمائیں گے اور ہر آدمی خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بَل گرا ہوا ہوگا، تو سب سے پہلے تین شخص بلائے جائیں گے: ایک حافظ قرآن، دوسرا مجاہد، تیسرا مالدار اور سب سے اول حافظِ قرآن سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھ کو وہ چیز عطا کی جو میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری، وہ عرض کرے گا کہ بے شک آپ نے یہ دولت عطا فرمائی تھی۔ تو سوال ہوگا کہ تو نے اپنے اس علم میں کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں دن رات اس کی تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتا تھا، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی سب ایک زبان ہوکر کہیں گے کہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، پھر اللہ جلّ جلالہٗ کا ارشاد ہوگا کہ یہ محض اس لیے ہوتا تھا کہ لوگ کہیں گے بڑا جَیِّد④ قاری ہے، سو کہا جاچکا، پھر مالدار سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھ کو اتنی وسعت⑤ مال کی عطا کی کہ کسی چیز میں کسی دوسرے کا محتاج تو نہیں رہا۔ وہ عرض کرے گا کہ بے شک ایسا ہی تھا، ارشاد ہوگا کہ میرے اس عطا کیے ہوئے مال میں تو نے کیا

حل لغات: ① دوبارہ۔ ② تیسری مرتبہ۔ ③ ہوش آنا۔ ④ بہت بہترین۔ ⑤ زیادتی۔

عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقات کرتا رہتا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے اور فرشتے بھی سب کہیں گے کہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، پھر اللہ کا پاک ارشاد ہوگا کہ یہ اس لیے کیا جاتا تھا کہ لوگ کہیں گے: فلاں بڑا سخی ہے، سو کہا جا چکا۔ پھر مجاہد سے سوال ہوگا کہ تمہارا کیا عمل ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! تو نے جہاد کا حکم کیا، میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ جان دے دی، ارشادِ عالی ہوگا کہ جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے کہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، ارشاد ہوگا کہ یہ تو اس لیے کیا تھا کہ لوگ کہیں گے: بڑا بہادر ہے، سو کہا جا چکا۔

اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ تین شخص ہیں جن سے جہنم کی آگ سب سے پہلے بھڑکائی جائے گی۔

اس کے بعد شُفَی رحمۃ اللہ علیہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا تذکرہ کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ان تین کا یہ حشر ہوا تو باقی لوگوں کا کیا کچھ حال ہوگا۔ یہ کہہ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ دیکھنے والوں کو خیال ہوا کہ یہ روتے روتے ہلاک ہو جائیں گے، اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اِفاقہ[1] ہوا تو فرمانے لگے: اللہ جلَّ شانُہٗ نے بھی حق فرمایا اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [سورہ ھود: ۲] [ترغیب] ترجمہ: اور جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) محض دنیا کا طالب ہو اور اس کی رونق حاصل کرنا چاہتا ہو (جیسے شہرت نیک نامی وغیرہ) تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورے طور سے دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے لیے کچھ کمی نہیں ہوتی اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے بجز[2] جہنم کے اور کچھ نہیں، انھوں نے جو کچھ (دنیا میں) کیا تھا، وہ آخرت میں سب کا سب بے کار ثابت ہوگا (اور جب نیت خیر نہیں تو) وہ سب کا سب باطل اور لغو[3] ہے''۔

جب یہ حالت ہے تو اپنے کسی عمل کے متعلق یہ گھمنڈ کہ یہ اللہ کے واسطے ہوگیا، بہت مشکل ہے، مگر یہ کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ ہی اپنے فضل و کرم سے تَسَامُح[4] کا معاملہ فرما کر اس کو قبول کرلے، تو اس کی رحمت سے بالکل بعید نہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک نوجوان صحابی کی عِیادت[5] کے لیے تشریف لے گئے، وہ سخت علیل[6] تھے اور انتقال کا وقت قریب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کیا:

حل لغات: (۱) ہوش آنا۔ (۲) جہنم کے علاوہ۔ (۳) بے کار۔ (۴) درگذر۔ (۵) مریض کو دیکھنے جانا۔ (۶) بیمار۔

یا رسول اللہ! اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اس وقت کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہوتیں، مگر یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ اس کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جس کی وہ امید کر رہا ہے اور اس چیز سے امن نصیب فرماتے ہیں جس سے وہ ڈر رہا ہے۔
[جمع الفوائد]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص کی بخشش ہوگی، باقی سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے، تو مجھے (اللہ کی رحمت سے) یہ امید ہوگی کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں گا اور اگر یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص جہنم میں جائے گا، باقی سب جنت میں داخل ہوں گے، تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد اپنے صاحبزادہ سے ہے کہ بیٹا! اللہ سے ایسا خوف کر کہ اگر تمام دنیا کے آدمیوں کی نیکیاں لے کر جائے تو وہ بھی قبول نہ ہوں اور اللہ پاک سے ایسی امید رکھ کہ اگر تو ساری دنیا کے گناہ اپنے ساتھ لے کر جائے تو وہ بھی معاف کر دے۔
[اِحیاء]

تنبیہ: یہ نمونہ کے طور پر چند آداب پر تنبیہ ہے، زیارت مدینہ کے مضمون میں بھی کچھ آداب آ رہے ہیں وہ بھی ملحوظ[۱] رکھیے۔

حل لغات: (۱) یاد رکھنا۔

چھٹی فصل: مکہ مکرمہ اور کعبہ شریف کے فضائل میں

ان دونوں کے اور ان کے خاص خاص مقامات کے بہت سے فضائل قرآن پاک اور احادیث میں آئے ہیں، نمونہ کے طور پر چند کا ذکر اس جگہ کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ [سورۂ آل عمران:۹۶]

ترجمہ: ''یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں (کی عبادت) کے واسطے مقرر کیا گیا؛ وہ مکان ہے جو مکہ میں ہے (یعنی کعبہ شریف) برکت والا مکان ہے اور تمام لوگوں کے لیے ہدایت (کی چیز) ہے''۔

فائدہ: حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ سے نقل کیا گیا کہ مکانات تو اس سے پہلے بھی تھے، لیکن عبادت کے لیے سب سے پہلے یہی مکان موضوع[1] ہوا۔ متعدد[2] صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنہُم سے نقل کیا گیا کہ تمام زمین کے پیدا ہونے سے پہلے یہ جگہ پانی پر بلبلہ کی طرح سے تھی، پھر اسی کو پھیلا کر ساری زمین اسی سے بنائی گئی جیسا کہ آٹے کے پیڑے[3] سے پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہود بیت المُقدَّس کو سب سے افضل شہر بتایا کرتے تھے کہ وہاں بہت سے انبیاء کرام عَلَیہِمُ السَّلَام کا قیام رہا ہے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [درمنثور]

﴿فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ﴾ [سورۂ آل عمران:۹۷] ترجمہ: ''اس میں بہت سی کھلی ہوئی نشانیاں (اس کی افضلیت کی) موجود ہیں، مِنجُملہ ان کے اس میں مقام ابراہیم ہے''۔

فائدہ: ''مقام ابراہیم ایک پتھر ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر پر آپ کے قدموں کا نشان بن گیا تھا، اور اب وہ کعبہ شریف کے قریب ایک قُبّہ[4] میں ہے جس کو مقام ابراہیم ہی کہا جاتا ہے۔ مجاہد رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ کہتے ہیں کہ اس پتھر میں قدم کے نشانات کا ہونا بھی ایک کھلی نشانی ہے۔ [درمنثور]

﴿وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا﴾ [سورۂ آل عمران:۹۷] ترجمہ: ''اور جو شخص اس کے (یعنی حرم کی حدود کے) اندر داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے''۔

فائدہ: دو وجہ سے وہ جگہ مقام امن ہے: ایک آخرت کے اعتبار سے کہ اس میں نماز و حج وغیرہ کرنے سے جہنم کے عذاب سے امن ہوتا ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ جو شخص باہر کسی کو قتل کر کے اس میں داخل ہو جائے تو اس کو بدلہ میں وہاں قتل نہ کیا جائے گا، البتہ اس کو کھانا وغیرہ بند کر کے مجبور کیا جائے گا کہ وہاں سے باہر نکلے اور باہر قتل کیا جائے۔

حل لغات: (۱) بنایا گیا۔ (۲) کئی۔ (۳) گوندھے ہوئے آٹے کا گولا۔ (۴) گنبد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی حرم میں پاؤں، تو وہاں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں، یہاں تک کہ باہر نکلے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تو یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں اپنے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو وہاں پاؤں تو میں اس کو مجبور نہ کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی اپنے والد کے قاتل کے متعلق نقل کیا گیا۔ [درمنثور]

﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۲۵] ترجمہ: ''اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس وقت کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے مرجع بنایا اور امن (کی جگہ)''۔

فائدہ: مرجع بنانے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ قبلہ بنایا کہ لوگ نماز میں اس کی طرف رجوع کریں، دوسرے یہ کہ حج وعمرہ کے لیے اس کی طرف چل کر آویں؛ اور ہوسکتا ہے کہ مثابة ثواب سے ہو کہ ثواب کی جگہ بنایا کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مرجع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے لوگوں کا دل نہیں بھرتا، ایک مرتبہ حج کر کے جاتے ہیں پھر بار بار اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ [درمنثور]

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۲۷] ترجمہ: ''اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ بلند کر رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں کعبہ شریف کی اور (ان کے ساتھ مدد کر رہے تھے) اسمٰعیل علیہ السلام اور یہ کہتے جا رہے تھے اے ہمارے رب یہ خدمت ہماری قبول کر لیجیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں۔ (دعاؤں کے) اور خوب جاننے والے ہیں (لوگوں کے حالات اور نیتوں کو)''۔

فائدہ: کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے کی، یہ تو قطعی[1] چیز ہے، قرآن پاک میں صاف موجود ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس مکان سے افضل کون سا مکان ہوسکتا ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے اس کے بنانے کا حکم فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی انجینئری کی، نقشہ بتایا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے بڑے نبی اس کے معمار[2] اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ جیسے جاں نثار تعمیر میں مددگار تھے۔ اللہ اکبر! کتنی بڑی عظمت ہے اس مکان کی۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو برس کی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیس برس کی۔ [درمنثور] کعبہ کی تعمیر مؤرخین[3] کے نزدیک متعدد[4] مرتبہ ہوئی، ان میں سے بعض متفق علیہ[5] ہیں اور بعض مختلف فیہ[6]، اس کی بحث یہ ناکارہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی

حل لغات: (۱) یقینی۔ (۲) عمارت بنانے والا۔ (۳) تاریخ لکھنے والے۔ (۴) کئی۔ (۵) جس پر سب کا اتفاق ہو۔ (۶) جس بات میں اختلاف ہو۔

عربی شرح میں تفصیل سے ذکر کر چکا ہے، جس کا اِجمال[1] یہ ہے:

① مشہور قول کے موافق سب سے اوّل اس کی تعمیر فرشتوں نے کی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دوسری تعمیر ہے، اس سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کے امرِ کُن سے اس کی تعمیر ہوئی جس میں فرشتوں کا بھی دخل نہ تھا۔

② حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر ہے جو محدثین اور مورخین کے نزدیک مشہور ہے، مگر قطعی روایت نہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو بنایا تھا: لبنان، طُورِ سِینا، طور زیتا، جُودِی، حرا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بنیادی حصہ تعمیر کیا تھا، اس کے اوپر آسمان سے بیتِ معمور[2] نازل ہو کر رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے وصال پر یا طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

③ حضرت شیث علیہ السلام جو حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے نبی ہوئے، ان کی تعمیر بتائی جاتی ہے۔

④ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بِنا[3] جو اوپر گذری اور یہ قطعی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ بنا نو گز اونچی تھی اور تیس ۳۰ گز لمبی اور تیئس ۲۳ گز چوڑی، یہ مُسَقَّف[4] نہ تھی اور اس کے اندر ایک کنواں تھا جس میں وہ نذر نیاز ڈال دی جاتی تھی جو کعبہ پر نثار کی جاتی تھی۔

⑤ عَمالِقہ کی اور ⑥ جُرہم کی، یہ عرب کے دو قبیلے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔

⑦ قُصَی کی تعمیر ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں پشت میں دادا ہیں۔

⑧ قریش کی تعمیر، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے زمانے میں جس کے بہت سے قصے احادیث میں آتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت پچیس ۲۵ سال کی تھی اور بعض نے پینتیس ۳۵ سال کی بتائی ہے۔ اس کی تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی شرکت ہوئی کہ اپنے کاندھے پر پتھر اُٹھا کر لاتے تھے، یہی وہ تعمیر ہے جس میں حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے میں قریش میں ایسا نزاع[5] پیدا ہوا کہ ہر جانب سے تلواریں نکل آئیں اور ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ بہترین فیصلہ کیا کہ اپنی چادر مبارک پر اس کو رکھ کر فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس چادر کے کنارے کو پکڑ لے، اسی طرح اس کو کعبہ کی دیوار تک لے جا کر فرمایا کہ تم سب مجھے اپنی طرف سے وکیل بنا دو کہ اس پر سے اٹھا کر دیوار پر رکھ دوں، سب نے وکیل بنا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اوپر رکھ دیا۔ قریش نے اس تعمیر میں اس کا عہد کیا تھا کہ اس میں مشتبہ[6] کمائی نہ لگائی جائے گی۔ حلال کمائی کم رہ گئی جس

حل لغات: ① مختصر بات۔ ② خانہ کعبہ کے اوپر آسمان پر ایک مخصوص مکان جس کا فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں۔ ③ بنیاد۔ ④ چھت والی۔ ⑤ جھگڑا۔ ⑥ وہ مال جس کے حلال ہونے میں شبہ ہو۔

کی وجہ سے حطیم کی جانب دیوار کو پیچھے ہٹا دیا اور کچھ حصہ کعبہ شریف کا باہر رہ گیا۔ اور کعبہ کا دروازہ بھی حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی تعمیر کے خلاف بہت اونچا کر دیا کہ ہر شخص اس میں داخل نہ ہو سکے بلکہ داخلے کے واسطے سیڑھی لگانا پڑے، جس کو دل چاہے سیڑھی لگا کر داخل کریں جس کو چاہے داخل نہ ہونے دیں، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کو از سرِ[1] نو قواعد[2] حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام پر تعمیر کیا جائے، مگر اس کی نوبت نہ آئی۔

(۹) ۶۴ھ میں یزید کی فوج نے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا پر مکہ میں چڑھائی کی، تو منجنیق[3] سے آگ برسائی جس سے کعبہ کا پردہ بھی جل گیا اور کعبہ کی دیواروں کو بھی نقصان پہونچا، اسی اثنا[4] میں یزید مر گیا اور وہ فوجیں وہاں سے واپس آگئیں، تو حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے کعبہ کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کیا، جس میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خواہش کے موافق حطیم کے حصہ کو اندر داخل کیا اور دروازہ زمین کے قریب کر دیا کہ ہر شخص اس میں داخل ہو سکے، اور دوسرا دروازہ اس کے مقابل دیوار میں قائم کر دیا کہ لوگ ایک دروازہ سے داخل ہوں دوسرے سے نکلتے رہیں اور آنے جانے میں مزاحمت[5] نہ ہو۔

جُمادی الاُخریٰ ۶۴ھ میں یہ تعمیر شروع ہوئی اور رجب ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں پوری ہوئی، حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے اس کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کی جس میں سو اُونٹ ذبح کیے۔ کعبہ شریف کی تعمیر تو حضرت ابن الزبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے پوری فرمادی، لیکن اس حادثہ میں ایک اہم نقصان یہ ہوا کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ عَلَیْہِ السَّلَام کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت کا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ اس وقت سے کعبہ شریف میں محفوظ تھے، وہ اس حادثہ میں جل گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کے انتقال کے بعد عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں حَجّاج نے بادشاہ کو بہکایا کہ ابن زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے کعبہ میں تغیُّر[6] کر دیا اور اس حال پر نہیں رہا جس پر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے زمانہ میں تھا۔ عبدالملک نے اس کو اجازت دیدی کہ اسی صورت پر کر دیا جائے۔ اس پر حجاج نے قدیم[7] طرز کے موافق شرقی[8] دروازہ کو اونچا کر دیا اور اس کے بالمقابل دروازہ کو بند کر دیا اور حطیم کی جانب سے دیوار توڑ کر پیچھے ہٹا دی اور اندر کے حصہ میں بھراؤ کر کے کعبہ کی سطح کو اندر سے اونچا کر دیا۔ ۷۳ھ میں یہ تغیر ہوا، اس کے بعد سے اسی حال پر بیت اللہ شریف ایک عرصہ تک رہا کہ اس کی تین جانبیں حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی تعمیر سے تھیں اور حطیم کی جانب حجاج کی تعمیر سے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اب تک اصل تعمیر یہی ہے اور آئندہ کے تغیُّرات[9] مرمتیں ہیں، مستقل تعمیریں نہیں ہیں۔ مُحدِّثین

حل لغات: (۱) شروع سے۔ (۲) بنیاد۔ (۳) ایک مشین جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ (۴) دوران، بیچ۔ (۵) ٹکراؤ۔ (۶) تبدیلی۔ (۷) پرانا طریقہ۔ (۸) مشرق کی طرف کا۔ (۹) تبدیلیاں۔

نے روایت کی ہے کہ ہارون رشید وغیرہ بعض سلاطین نے ارادہ کیا کہ کعبہ شریف کو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے موافق کر دیا جائے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مَنْشا[1] کے موافق تھی، مگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اِصرار سے اس ارادہ کو مُلتوِی[2] کرایا تا کہ کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے کہ ہر بادشاہ اپنے نام کی خاطر اس میں تعمیر کا سلسلہ شروع کر دے۔

(۱۱) ۱۰۲۱ھ میں سلطان احمد ترکی نے چھت بدلوائی، اور دیواروں میں جہاں جہاں بوسیدگی[3] آ گئی تھی، اس کی مرمت کرائی، میزابُ الرّحمۃ کو درست کیا، یہ درحقیقت پوری تعمیر کی تجدید نہیں بلکہ اصلاح اور مرمت ہے۔

(۱۲) ۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد کے زمانہ میں جب بہت زور سے سیل[4] کا پانی مسجد میں پہونچ گیا اور بیت اللہ شریف کی بعض دیواریں بھی گر گئیں، تو سلطان موصوف نے ان کی تعمیر کرائی۔ غالب یہ ہے کہ جو حصہ منہدم ہو گیا تھا اسی کی تعمیر ہوئی، اس لیے اس کو بھی بعض مورخین صرف ترمیم[5] بتاتے ہیں اور بعض تعمیر حدید[6] واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ حجر اسود کی جانب کے علاوہ اور جانبوں کی تعمیر کی، اس صورت میں اس وقت بیت اللہ شریف حجر اسود کی جانب سے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر ہے اور باقی جانبوں میں سلطان مراد کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ اِمسال[7] محرم ۱۳۶۷ھ میں سلطان ابنِ سعود نے اس کے دروازے کے کواڑوں اور چوکھٹ کی تجدید کی۔

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [سورۂ مائدہ:۹۷] ترجمہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے کعبہ کو جو محترم گھر ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنا دیا۔''

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں کے قائم رہنے کا سبب، ان کے دین کا رہنا اور نشانات حج کا قائم رہنا ہے۔ دوسری حدیث میں ان سے نقل کیا گیا کہ ان کا قائم رہنا یہ ہے کہ جو لوگ اس میں پہونچ جائیں وہ مامون[8] ہو جائیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ لوگ اپنے دین پر قائم رہیں گے، جب تک کہ اس گھر کا حج کرتے رہیں اور نماز میں اس طرف منہ کرتے رہیں۔ [درمنثور]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف بہت کثرت سے کیا کرو، دو مرتبہ یہ بالکل مُنْہَدِم[9] ہو چکا ہے اور تیسری مرتبہ جب بِالْکُلِّیہ[10] مُنْہَدِم ہو جائے گا تو اٹھا لیا جائے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب دنیا کو برباد کرنے کا ارادہ فرمائیں گے، تو سب سے پہلے بیت اللہ کو منہدم کرایا جائے گا پھر دنیا برباد کی

حل لغات: (۱) مرضی، ارادہ۔ (۲) روک دینا۔ (۳) پرانا پن۔ (۴) سیلاب۔ (۵) مرمت، درست کرنا۔ (۶) نئی تعمیر۔ (۷) اسی سال۔ (۸) محفوظ۔ (۹) برباد، گرا ہوا۔ (۱۰) مکمل طور سے۔

جائے گی۔ [اتحاف] علامات قیامت کی روایات میں قیامت کے قریب کعبہ کا منہدم ہونا کثرت سے وارد ہوا ہے۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ حبشی گویا میری نظر کے سامنے ہے جو کعبہ شریف کو ایک ایک پتھر اس کا گرا کر منہدم کرے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ اس کی حرمت کی (یعنی مکہ اور حرم مکہ کی) ایسی تعظیم کرتے رہیں گے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے، اور جب اس کی تعظیم کو ضائع کر دیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم نہ اٹھا لیے جائیں۔ ایک حدیث میں علامات قیامت میں ہے کہ حبشہ کے لوگ کعبہ پر چڑھائی کریں گے اور وہ اتنا بڑا لشکر ہوگا کہ اس کا اگلا حصہ حجر اسود کے پاس ہوگا اور پچھلا حصہ جدہ میں سمندر کے قریب اور کعبہ شریف کو ایک ایک پتھر گرا کر توڑیں گے۔ [اتحاف]

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰهِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ رَحْمَةٍ تَنْزِلُ عَلٰى هٰذَا الْبَيْتِ، سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِيْنَ وَأَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّيْنَ وَعِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلَّ شانُہٗ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اس گھر پر نازل ہوتی ہیں، جن میں سے ساٹھ (۶۰) طواف کرنے والوں پر اور چالیس (۴۰) وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس (۲۰) بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔

كذا في الدر عن ابن عدي والبيهقي وضعفه وغيرهما وحسنه المنذري وفي الكنز بألفاظ أُخر وهو في المسلسلات للشاه ولي الله الدهلوي رحمة الله عليه۔

فائدہ: بیت اللہ شریف کا صرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ حضرت سعید بن المسیّب تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ایمان وتصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے، وہ خطایا① سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا آج ہی پیدا ہوا۔ ابو السّائب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو ایمان وتصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے پتے درخت سے جھڑ جاتے ہیں اور جو شخص مسجد میں بیٹھ کر بیت اللہ کو صرف دیکھتا رہے چاہے طواف ونماز نفل نہ پڑھتا ہو، وہ افضل ہے اس شخص سے جو اپنے گھر میں نفلیں پڑھے اور بیت اللہ کو نہ دیکھے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور بیت اللہ کو دیکھنے والا ایسا ہے، جیسا کہ رات کو جاگنے والا، دن میں روزہ رکھنے والا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے

حل لغات: ① گناہوں۔

والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو دیکھنا ایک سال کی عبادت نفل کے برابر ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے بھی جو روزہ دار، شب[1] بیدار اور مجاہد فی سبیل اللہ ہو۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنے والا مکہ سے باہر عبادت میں کوشش سے لگے رہنے کے برابر ہے۔ [درمنثور]

اور طواف کرنے والوں پر جس قدر رحمتیں نازل ہوتی ہیں وہ اس حدیث سے ظاہر ہے، اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام میں تحیۃ المسجد سے طواف افضل ہے، اگر کسی وجہ سے طواف نہ کر سکے تو تحیۃ المسجد پڑھے ورنہ بجائے تحیۃ المسجد کے مسجد میں جاتے ہی طواف کرنا افضل ہے؛ البتہ اگر نماز کا وقت قریب ہو تو پھر اس وقت طواف نہ کرے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جلّ شانہٗ اپنے لطف و فضل سے کثرت سے طواف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کُرز بن وَبَرہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، جن کا معمول[2] ہمیشہ روزانہ ستر (۷۰) طواف دن میں اور ستر (۷۰) طواف رات میں کرنے کا تھا، جس کی مسافت تیس (۳۰) میل روزانہ کی ہوئی اور ہر طواف کے بعد دو (۲) رکعت تحیۃ الطواف کی کل دوسو اَسّی (۲۸۰) رکعتیں ہوئیں، ان کے علاوہ دو (۲) مرتبہ روزانہ قرآن پاک ختم کرنے کا معمول تھا۔ [احیاء] یہی لوگ ہیں جو آخرت کی دائمی زندگی کے لیے بہت کچھ کما کرلے جا رہے ہیں۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ: وَاللهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ [رواه الترمذي و ابن ماجه والدارمي كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ حجر اسود کو اللہ جلّ شانہٗ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کے دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا، اس شخص کے حق میں جس نے اس کو حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔

فائدہ: حق کے ساتھ بوسہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور تصدیق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ کعبہ کے لیے ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں، اس نے (پہلے زمانہ میں) حق تعالیٰ شانہٗ سے شکایت کی کہ اے اللہ! میری طرف لوٹنے والے کم ہوگئے اور زیارت کرنے والے کم ہوگئے، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم (مسلمان) پیدا کرنے

حل لغات: (۱) رات کو جاگنے والا۔ (۲) ہمیشہ کی۔

والا ہوں جو بڑے خشوع والی ہوگی، بڑے سجدے کرنے والی (نمازی) ہوگی، وہ تیری طرف ایسے جھکیں گے جیسا کہ کبوتر اپنے بَیْضَہ(۱) کی طرف جھکتا ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اَسود اور رُکنِ یمانی قیامت کے دن ایسے حال میں اٹھیں گے کہ ان کے لیے دو آنکھیں اور دو زبانیں اور ہونٹ ہوں گے، وفا کی گواہی دیں گے، ان لوگوں کے لیے جو اُن کو بوسہ دیں گے۔ یعنی اس کی گواہی دیں گے کہ ان بوسہ دینے والوں نے اقرار پورا کر دیا۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود پر پہونچے، تو اس کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو کوئی نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا، تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ پاس کھڑے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! یہ نفع اور نقصان پہونچاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیسے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَزَل(۲) میں جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے سارے بندوں سے اپنے رب العالمین ہونے کا اقرار لیا تھا، تو اس اقرار کو کتاب میں درج کر کے اس پتھر میں محفوظ کر دیا تھا، بس یہ قیامت کے دن گواہی دے گا کہ فلاں نے اقرار پورا کر دیا اور فلاں (یعنی کافر) مُنکِر ہوا۔ [اتحاف] غالباً اسی وجہ سے اس جگہ جو دعا مسنون ہے اس کے الفاظ ہیں ﴿ اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ ۔ ﴾ ترجمہ: اے اللہ میں بوسہ دیتا ہوں تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے عقائد کا بہت فکر و اہتمام رہتا تھا کہ مَبَادا(۳) عقیدہ میں کوئی لَغزِش(۴) ہو جائے، اسی وجہ سے بَیْعَۃُ الرِّضْوان جس درخت کے نیچے ہوئی تھی، وہ بیعت چونکہ بہت اہم تھی حتی کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے بھی رضا کا پروانہ ان حضرات کے لیے قرآن پاک میں نازل فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے ﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ﴾ الآیۃ [سورۂ فتح: ۱۸] ترجمہ: بے شک اللہ جَلَّ شَانُہٗ راضی ہو گیا اُن مسلمانوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ اس درخت کے پاس برکت کے طور پر جاتے ہیں تو اس درخت کو کٹوا دیا۔ [درمنثور] اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہاں بھی خیال ہوا کہ لوگ بت پرستی سے نکل کر آرہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اس پتھر کو بھی بتوں کے پتھر کے مُشَابِہ(۵) سمجھ کر بت پرستی کا شَائِبَہ(۶) ان

حل لغات: (۱) انڈا۔ (۲) مخلوق کی پیدائش کا دن۔ (۳) خدانخواستہ۔ (۴) غلطی۔ (۵) ایک جیسا، مطابق۔ (۶) ملاوٹ۔

میں رہ جائے، اس لیے اس پر متنبہ کرنے کے لیے کہ یہ پتھر کی کوئی تعظیم نہیں ہے بلکہ صرف تعمیلِ[1] حکم ہے، مشرکین کی طرح سے یہ بات نہیں کہ اس پتھر میں کوئی تقرب[2] پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ [اتحاف]

اسی طرح سے خود کعبہ شریف کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ یہ چند پتھروں کا مکان ہے لیکن اللہ نے اس کو ہمارا قبلہ مقرر کر دیا کہ زندگی میں اس کی طرف نماز پڑھیں اور مرنے کے بعد اس کی طرف منہ کر کے لٹایا جائے۔ [کنز]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حجرِ اسود پر پہونچے، تو فرمایا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، میرا رب صرف وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر میں یہ نہ دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا تو نہ بوسہ دیتا، نہ ہاتھ لگاتا۔ [کنز] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حجرِ اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا: ﴿ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الَّذِيْ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. اٰمَنْتُ بِاللهِ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى وَمَا يُدْعٰى مِنْ دُوْنِ اللهِ إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ ﴾

اس میں ہر قسم کے شرک سے بیزاری[3] کا اظہار فرمایا، اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بیت اللہ شریف کا طواف یا حجرِ اسود وغیرہ کا بوسہ، اس کو بت پرستی سے کوئی مُشابہت نہیں۔ اوّل اس وجہ سے کہ اس کا طواف وغیرہ صرف تعمیلِ[4] ارشادِ خداوندی ہے اور بتوں کے طواف کا یا کسی بت کے طواف کا کوئی حکم مالِکُ المُلک سے نہیں ہے۔ دوسری اس وجہ سے بھی کہ کعبہ شریف یا حجرِ اسود وغیرہ میں غیر اللہ سے کوئی تعلق یا علاقہ اور نسبت نہیں ہے، مولیٰ ہی کا گھر ہے، بخلاف بتوں کے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں شرک ظاہر ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد کہ نفع دیتا ہے، وہ شہادت اور گواہی کا نفع ہے، عدالت میں کسی کی گواہی دینا اس کے لیے نافع تو بہت زیادہ ہے مگر اس سے اس کا قابلِ پرستش[5] ہونا لازم نہیں آتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ موذن کی اذان کی آواز جہاں تک پہونچے ہر رَطب و یابِس[6] اس کے لیے قیامت میں گواہی دے گا؛ لیکن اس کی وجہ سے ہر رَطب و یابِس کا قابل پرستش ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجرِ اسود جب جنت سے دنیا میں اترا تو وہ

حل لغات: (۱) حکم ماننا۔ (۲) نزدیکی، مراد اللہ سے قرب۔ (۳) ناراضگی۔ (۴) صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لیے ہے۔ (۵) عبادت اور بندگی کے لائق۔ (۶) جاندار و بے جان۔

دودھ سے زیادہ سفید تھا، آدمیوں کی خطاؤں نے اس کو کالا کردیا۔''	نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ۔

[رواه أحمد والترمذي وقال: هٰذا حديث حسن صحيح، كذا في المشكوٰة]

فائدہ: یعنی لوگوں نے جو اس کو گناہوں سے آلودہ ہاتھوں سے چھوا، تو ان کے گناہوں کی تاثیر سے وہ سیاہ(۱) ہوگیا۔ بڑی عبرت کا مقام ہے کہ جب محض ہاتھ لگانے سے پتھر پر یہ اثر ہوا تو ان دلوں کا کیا حال ہوتا ہوگا، جو گناہوں سے ہر وقت وَابستہ(۲) رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ استغفار سے اس کو دھو دیتا ہے، تو وہ صاف ہوجاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا داغ لگ جاتا ہے، اسی طرح ہوتے ہوتے سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن پاک کی آیت ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ [سورۂ مطففین: ۱۴] (بلکہ اُن کے برے اعمال کا اُن کے دلوں پر زنگ جم گیا) میں اشارہ کیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں(۳) میں سے دو یاقوت ہیں، اگر مشرکین اس کو نہ چھوتے تو جو بھی بیمار خواہ کیسی ہی بیماری ہوتی، جب اس کو چھوتا تو تندرست ہوجاتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے، اگر گناہوں کی نحوست جو فاجروں کے چھونے سے اس سے وَابستہ ہوگئی، نہ ہوتی تو جو اندھا، کوڑھی یا کسی اور مرض کا بیمار اس کو چھوتا تو وہ تندرست ہوجاتا۔ [اتحاف]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں جا کر یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ تو وہ فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ (ترجمۂ دعا) اے اللہ میں تجھ سے معافی کا طالب ہوں اور دونوں جہاں میں عافیت مانگتا ہوں، اے اللہ!	(۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ، فَمَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، قَالُوْا: اٰمِيْنَ۔ [رواه ابن ماجه كذا في المشكوٰة]

حل لغات: (۱) کالا۔ (۲) لگے رہنا۔ (۳) ایک نہایت قیمتی پتھر۔

تو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما''۔

فائدہ: رکنِ یمانی بھی بابرکت مقام ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حجرِ اسود یا رکنِ یمانی کا اِستِلام[1] نرمی یا سختی میں نہیں چھوڑا، جب سے ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اِستلام کیا کرتے تھے۔ رکن یمانی کا اِستلام یہ ہے کہ طواف کرتے ہوئے اس پر ہاتھوں کو پھیرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا مَس[2] کرنا خطایا کو ساقِط[3] کرتا ہے۔ [کنز]

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنِ یمانی کو بھی بوسہ دیا۔ [اتحاف]

اس جگہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام ایسی طرح ہونا چاہیے، جس میں دوسروں کو اَذِیّت نہ پہونچے کہ یہ فعل مستحب ہے اور مسلمان کو اِیذا[4] پہونچانا حرام ہے۔

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْمُلْتَزَمُ مَوْضَعٌ يُسْتَجَابُ فِيْهِ الدُّعَاءُ، مَا دَعَا اللّٰهَ فِيْهِ عَبْدٌ إِلَّا اسْتَجَابَهَا۔ [كذا في المسلسلات للشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله وذكره الجزري في الحصن مجملًا]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے، کسی بندہ نے وہاں ایسی دعا نہیں کی جو قبول نہ ہوئی ہو۔

فائدہ: مُلتزَم: حجرِ اسود سے لے کر کعبہ شریف کے دروازہ تک کا حصہ کہلاتا ہے، غالباً اسی وجہ سے اس کا نام ملتزم ہے کہ اس کے معنی چمٹنے کی جگہ کے ہیں۔

ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے اس جگہ کھڑے ہو کر اپنے سینہ اور چہرہ کو دیوار سے چمٹا دیا اور دونوں ہاتھوں کو دیوار پر پھیلا دیا اور یہ کہا کہ میں نے اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا۔ اس جگہ کے متعلق جو حدیث دعا کے قبول ہونے کی نقل کی جاتی ہے، میرے حضرت نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر استاذ، حدیث سناتے وقت، اپنا ذاتی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ میں نے اس جگہ دعا کی اور وہ قبول ہوئی اور اس ناپاک کا بھی ذاتی تجربہ ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جو خط مکّہ والوں کو لکھا ہے، اس میں تحریر فرمایا ہے کہ وہاں پندرہ جگہ دعا قبول ہوتی ہے: ① طواف کرتے وقت ② ملتزم پر ③ میزابِ رحمت کے پاس اور ④ کعبہ شریف کے اندر اور ⑤ زمزم کے کنویں کے پاس اور ⑥ صفا اور ⑦ مروہ پر اور ⑧ ان کے درمیان دوڑتے ہوئے اور ⑨ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس اور ⑩ عرفات کے میدان میں اور ⑪ مزدلفہ میں اور

حل لغات: ① ہاتھ یا منہ سے چومنا۔ ② چھونا۔ ③ ختم کرنا، دور کرنا۔ ④ تکلیف۔

⑫ منیٰ میں اور ⑬ ⑭ ⑮ تینوں شیطانوں کے کنکریاں مارتے وقت۔ [حصن حصین] اور درمنثور کی روایت میں لکھا ہے کہ ملتزم اور میزابِ رحمت کے نیچے اور رکن یمانی کے پاس اور صفا اور مروہ پر اور ان کے درمیان اور حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اور کعبہ شریف کے اندر اور منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور تینوں شیطانوں کے پاس۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے ان کے علاوہ مَطاف یعنی طواف کرنے کی جگہ اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے وقت اور حطیم کو اور حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیانی حصہ کو بھی خصوصیت سے دعا کے مقبول ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ملتزم: رکنِ یمانی سے لے کر کعبہ کے غربی دروازہ تک کا حصہ ہے، جو بند ہے۔ یہ اگرچہ مشہور قول کے خلاف ہے لیکن بعض اَکابِر① کا قول تو ہے ہی۔ [شرح لباب]

⑥ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِيْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ صَلٰوةً، وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلٰوةٍ، وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ أَلْفِ صَلٰوةٍ، وَصَلٰوتُهٗ فِيْ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ أَلْفِ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلٰوةٍ۔ [رواه ابن ماجه كذا في المشكوة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے اور محلہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور بَیْتُ الْمُقَدَّس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور میری مسجد میں یعنی مدینہ پاک کی مسجد میں پچاس ہزار کا ثواب ہے اور مکّہ مکرّمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

فائدہ: مُتعَدّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مکّہ معظّمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکّہ میں ایک دن کا روزہ مکّہ سے باہر ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے۔ وہاں ایک درم (جو تقریباً چار آنہ کا ہوتا ہے) باہر کے لاکھ درم کے برابر ہے اور اسی طرح وہاں کی ہر نیکی باہر کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ [اتحاف]

تیسری فصل کی پہلی حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد گذر چکا ہے کہ حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ بہت سی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ **مسجدِ نبوی** کا ثواب **مسجدِ اقصیٰ** سے زائد ہے،

حل لغات: ① بزرگانِ دین۔

لیکن اس حدیث میں دونوں کا ثواب پچاس ہزار آیا ہے، اس لیے علماء نے ان روایات کی وجہ سے اس حدیث میں یہ توجیہ[1] فرمائی ہے کہ یہاں ہر مسجد کا ثواب اس سے پہلی مسجد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جامع مسجد کا ثواب مسجد قبیلہ کے ثواب سے پانچ سو مرتبہ زائد ہے، اس صورت میں جامع مسجد کا ثواب بارہ ہزار پانچ سو ہوگیا اور مسجد اقصیٰ کا ثواب باسٹھ[۶۲] کروڑ پچاس[۵۰] لاکھ ہوگیا اور مسجد مدینہ کا تین نیل بارہ کھرب پچاس ارب ہوا اور مسجد حرام کا اکتیس سنگھ پچیس پدم ہوا، اس صورت میں مسجد مدینہ کا ثواب مسجد اقصیٰ سے بہت زیادہ ہوگیا، لیکن عام روایات میں مسجد حرام کا ثواب جو ایک لاکھ ہے، اس سے بہت زائد ہوگیا۔

اور بہتر ہے کہ جب مسجد شریف میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے۔ اوّل تو ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ جب نماز کے واسطے کسی مسجد میں بھی داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے، تاکہ اتنی دیر اعتکاف کا ثواب مستقل ہوتا رہے اور مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں تو خاص طور سے اس کا خیال رکھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ بہت اہم چیز ہے، اس کا بہت اہتمام چاہیے۔

⑦ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَأَنْ أُخْطِئَ سَبْعِيْنَ خَطِيْئَةً بِرَكِيَّةَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُخْطِئَ خَطِيْئَةً وَاحِدَةً بِمَكَّةَ۔ [كذا في الكنز عن الأزرقي]	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں مکہ میں ایک خطا[2] کروں اس سے یہ بہت زیادہ پسند ہے کہ (مکہ سے باہر) رکیہ میں ستر خطائیں کروں۔

فائدہ: جیسا کہ مکّہ مکرّمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے، ایسے ہی وہاں گناہ کا وبال[3] بھی سخت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکّہ سے باہر ستّر لغزشیں[4]، مکّہ کی ایک لغزش سے بہتر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی ارشاد تیسری فصل کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کئی مضمون اس کے ہم معنی ذکر کیے گئے، اسی وجہ سے بعض اکابر مکّہ مکرّمہ میں قیام کو پسند نہ کرتے تھے کہ اس کے ادب واحترام کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہاں خطاؤں کا ارتکاب[5] سخت ممنوع ہے اور قریب ہے کہ اللہ جلَّ شانُہٗ کے غصہ کا مُوجِب[6] بن جائے۔ [اتحاف] وہب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے کعبہ کے پردوں کے اندر سے یہ آواز سنی کہ میں اولاً اللہ جلَّ شانُہٗ سے شکایت کرتا ہوں اور اس کے بعد اے جبرئیل! تم سے شکایت کرتا ہوں، لوگوں کی کہ وہ میرے گرد ہنسی مذاق اور لغو باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں ایسا پھٹوں گا کہ ہر ہر پتھر میرا جدا جدا ہوجائے گا۔ [اِحیاء] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ

حل لغات: ① وجہ بیان کرنا۔ ② گناہ۔ ③ سزا۔ ④ غلطی، گناہ۔ ⑤ گناہ کرنا۔ ⑥ سبب، ذریعہ۔

قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم سے پہلے قبیلۂ عمالقہ اس گھر کا متولی[1] اور منتظم[2] ہوا تھا، اُن لوگوں نے اس کے احترام میں تساہُل[3] کیا اور تعظیم کا حق ادا نہ کیا، تو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد قبیلۂ جرہم اس کے متولی بنے اور جب ان لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی، تو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا، لہٰذا تم لوگ بہت زیادہ اس کی تعظیم کیا کرو، اس میں سستی نہ کرو۔ [کنز] موسیٰ ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عجمی[4] شخص طواف کر رہا تھا، نیک دیندار آدمی تھا، طواف کرتے ہوئے ایک خوبصورت عورت کے پازیب[5] کی آواز جو طواف کر رہی تھی، اس کے کان میں پڑی، یہ شخص اس عورت کو گھورنے لگا۔ رکن یمانی سے ایک ہاتھ نکلا اور اس زور سے اس کے تھپڑ مارا کہ آنکھ نکل گئی، اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے ایک آواز آئی کہ ہمارے گھر کا طواف کرتا ہے اور ہمارے غیر کو دیکھتا ہے، یہ تھپڑ اس نظر کے بدلہ ہے اور اگر آئندہ کوئی اور حرکت کرے گا تو ہم بھی زیادہ بدلہ دیں گے۔ [مسامرات]

⑧ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ وَأُصَلِّيَ فِيْهِ، فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَأَدْخَلَنِيْ فِي الْحِجْرِ، فَقَالَ: صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ إِذَا أَرَدْتِّ دُخُوْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ، فَإِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوْا حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ۔ [رواه أبو داؤد]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں کعبہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر نماز پڑھوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب تیرا کعبہ میں داخل ہونے کو دل چاہا کرے، تو یہاں آ کر نماز پڑھ لیا کر، یہ کعبہ ہی کا ٹکڑا ہے، تیری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس حصہ کو (خرچ کی کمی کی وجہ سے) کعبہ سے باہر کر دیا تھا۔"

فائدہ: کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا مستحب ہے اور وہ بھی قبولیتِ دعا کی خاص جگہ ہے، جیسا کہ حدیث نمبر پانچ[5] کے ذیل میں گذرا، لیکن رشوت دے کر اندر جانا جائز نہیں۔ قریش نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا جیسا کہ کعبہ کی تعمیروں کے سلسلہ میں نمبر آٹھ[8] میں گذر چکا ہے، تو اس کے اندر کی سطح[6] کو بلند کر دیا تھا اور دروازہ بہت بلند کر دیا تھا تاکہ بغیر سیڑھی لگائے آدمی اندر نہ جا سکے اور یہ اپنے اختیار کی بات رہے کہ جس کو دل چاہے داخل ہونے دیں، جس کو چاہے نہ داخل ہونے دیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور خواہش تھی کہ کعبہ کی تعمیر کو سابقہ[7] طرز کے موافق کر دیا جائے، چنانچہ

حل لغات: ① ذمہ دار۔ ② انتظام کرنیوالا۔ ③ سستی، کاہلی۔ ④ وہ شخص جو عربی ملکوں کا نہ ہو۔ ⑤ پائل، پہننے کا زیور۔ ⑥ کسی چیز کے اوپر کا حصہ۔ ⑦ پہلا طریقہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ عرب نو مسلم ہیں، یعنی مَبادا[1] کعبہ کے گرانے سے اُن کے جذبات میں اِشتعال[2] پیدا ہو، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کعبہ کو از سرِ نو[3] تعمیر کرتا اور حطیم کا حصہ اندر داخل کر دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا، تیری قوم نے اس لیے اس کے دروازہ کو بلند کیا، تاکہ جس کو وہ پسند کریں وہ داخل ہو سکے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کے بارے میں تیری قوم نے کوتاہی کی، اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو میں اس حصہ کو جس کو انہوں نے باہر نکال دیا، بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا، اگر میرے بعد کعبہ کے بنانے کی نوبت آئی تو آ! میں تجھے دکھادوں کہ وہ کتنا حصہ ہے جس کو انہوں نے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً سات ہاتھ کے بقدر حصہ دکھایا۔ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کی بناء پر جب حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ میں کعبہ شریف کو بنایا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق اس کی تعمیر میں اصلاحات کر دی اور حطیم کے حصہ کو اندر داخل کر دیا، لیکن اس کے بعد عبد الملک کے زمانہ میں حجاج نے پھر اس کو ویسے ہی کر دیا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، اس کی نیت تو جو بھی چاہے ہو، لیکن یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا انعام ہوا کہ یہ حصہ تعمیر سے باہر ہو گیا جس کی وجہ سے اب کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان ہو گیا کہ اس حصہ پر نہ تعمیر ہے، نہ رشوت کی ضرورت ہے، جس کا جب دل چاہے وہاں جا کر نماز پڑھے، دعا مانگے کہ یہ کعبہ کے اندر کے حصہ کے حکم میں ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب انہوں نے اندر داخلہ کی تمنا کی، تو فرمایا کہ یہاں کھڑی ہو کر نماز پڑھ لے۔ عورتوں کے لیے بالخصوص اندر جانے میں بہت سی مشکلات ہیں، ان کے لیے یہ حصہ خاص طور سے غنیمت اور اللہ کا احسان ہے۔

کعبہ کے اندر داخل ہونا بھی اگرچہ مستحب ہے اور بہتر ہے، لیکن اس کے آداب اور بھی زیادہ ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص داخل ہو تو نہایت وقار عظمت سے داخل ہو، بہتر یہ ہے کہ موزے پہن کر داخل نہ ہو بلکہ ان کو نکال دے اور داخلہ سے پہلے غسل کرے اور نہایت خشوع خضوع کے ساتھ روتا ہوا داخل ہو۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ پاؤں اس قابل بھی نہیں کہ میرے رب کے گھر کے چاروں طرف پھریں، تو میں ان کو اس قابل کہاں سمجھتا ہوں کہ اس پاک گھر کے اندر ان کو داخل کروں، مجھے ان کا حال معلوم ہے کہ یہ کہاں کہاں چلے

حل لغات: (۱) خدانخواستہ۔ (۲) غصہ، جوش۔ (۳) شروع سے، پھر سے۔

پھرے ہیں اور کس کس برے ارادہ سے چلے ہیں۔ [اتحاف]

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

بزمیں چو سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد　　کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند　　کہ برونِ درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

کہتے ہیں کہ میں نے جب زمین پر سجدہ کیا، تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تو نے اس ریا[1] کے سجدہ سے مجھے کیوں خراب کیا اور جب میں کعبہ کو گیا تو مجھے اندر داخل نہ ہونے دیا اور یہ آواز آئی کہ دروازہ سے باہر کیا گل کھلائے[2] جو اندر آنے کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے والے کو دو چیز سے خصوصیت سے بچنا چاہیے، جس کو گمراہ لوگوں نے گڑھ رکھا ہے: ایک دروازہ کے سامنے بالمقابل دیوار میں کڑہ ہے جس کو جاہل لوگ عُروَۃُ الوُثقٰی کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو اس کو پکڑ لے، اس نے عُروَۃُ الوُثقٰی کو پکڑ لیا یہ محض جہالت ہے۔ دوسرے کعبہ شریف کے درمیان میں ایک میخ[3] ہے جس کو احمق[4] سُرَّۃُ الدُّنیا (دنیا کی ناف) کہتے ہیں اور اپنی ناف کو اس پر رگڑتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں محض لغو اور حماقت[5] ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ [مناسک نووی واتحاف]

⑨ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ۔	نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔

[رواه ابن ماجه وبسط صاحب الاتحاف في تخريجه، وقال شيخنا الشاه عبد الغني: هذا الحديث مشهور على الألسنة كثيرا واختلف الحفاظ فيه، فمنهم من صحّحه ومنهم من حسّنه ومنهم من ضعفه؛ والمعتمد الأوّل اهـ. وقال ابن حجر في شرح مناسك النّووي وقد كثر كلام المحدثين في هذا الحديث والذي استقر عليه أمر محققيهم أنه حسن أو صحيح. وقول الذهبي أنه باطل و ابن الجوزي، أنه موضوع مردود۔اهـ]

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر تو اس کو پیاس بجھانے کے واسطے پیے تو اس کا کام دے اور اگر کھانے کی جگہ پیٹ بھرنے کے لیے پیے تو اس کا کام دے اور اگر کسی مرض سے صحت کی نیت سے پیے تو اس کا کام دے، یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سبیل[6] ہے۔ [اتحاف] حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سعی[7] سے یہ چشمہ

حل لغات: ① دکھلاوا۔ ② غلط کام کرنا۔ ③ کیل، کھونٹی۔ ④ بے وقوف۔ ⑤ بے وقوفی۔ ⑥ وہ جگہ جہاں پانی مفت ملتا ہے۔ ⑦ کوشش۔

زمین سے اُبلا تھا، جس کا قصہ مشہور ومعروف ہے۔

حضرت سفیان بن عُیینہ رَحمۃُ اللہ علیہ جو مشہور محدث ہیں، ان کے پاس ایک شخص آئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمزم کا پانی جس کام کے لیے پیا جائے اسی کام کے لیے ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ انہوں نے کہا: صحیح ہے، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے پیا تا کہ آپ دوسو حدیثیں مجھے سنائیں، انہوں نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور دوسو حدیثیں ان کو سنادیں (ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے) یہ بھی کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمزم کا پانی پیتے ہوئے کہا: یا اللہ! میں قیامت کے دن کی پیاس بجھانے کے لیے پیتا ہوں۔ [کنز، اتحاف]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں زمزم کا پانی خوب پیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں، مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لیے نہیں بھرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھرا، ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرما دیا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے زمزم کا پانی طلب کیا، انہوں نے عرض کیا کہ اس پانی میں (جو کوئی حوض کی قسم سے پانی کے مجتمع ہونے کی جگہ تھی) سب لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں، گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے اس میں سے لاؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، جس میں سے سب پیتے ہیں اسی میں سے پلاؤ، انہوں نے پیش کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا اور آنکھوں پر ڈالا، پھر دوبارہ لے کر پیا اور اپنے اوپر دوبارہ ڈالا۔ [کنز]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہم میں اور منافقین میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کے پانی کو خوب سیراب ہو کر نہیں پیتے (معمولی سا پیتے ہیں)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ڈول بھرنے کا حکم فرمایا، ڈول بھر کر کنویں کے کنارہ پر رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈول کو ہاتھ سے پکڑ کر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا، پھر فرمایا: الحمد للہ، اس کے بعد پھر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا، پھر فرمایا: الحمد للہ، پھر ارشاد فرمایا کہ ہم میں اور منافقوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خوب سیراب ہو کر اس کو نہیں پیتے۔ ایک حدیث میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے مصلّے پر نماز پڑھا کرو اور نیک لوگوں کے پانی سے پانی پیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مصلیٰ کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزاب[1] رحمت کے نیچے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا پانی کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم۔ [اتحاف]

اُم معبد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے خیمہ کے پاس کو ایک غلام گذرے، جن کے ساتھ دو مشکیزے[2]

حل لغات: (۱) کعبہ کا پرنالہ۔ (۲) پانی رکھنے کا چمڑے کا تھیلا، مشک۔

پانی کے تھے، میں نے پوچھا: یہ مشکیزے کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کا والا نامہ[1] میرے سردار کے پاس پہونچا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں زمزم کا پانی بھیجا جائے، میں بہت عُجلت[2] سے لے جانا چاہتا ہوں تا کہ راستہ میں خشک نہ ہوجائے۔ [کنز] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمزم کا پانی اپنے ساتھ لے جاتی تھیں اور یہ نقل کرتی ہیں کہ حضور ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ساتھ لے جایا کرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے تھے اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی تحنیک کے وقت ان کو دیا تھا۔ [شرح لباب]

بچہ کے پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کے منہ میں کچھ ڈالنے کو تحنیک کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ شبِ معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے براق لائے اور جنت سے سونے کا طشت[3] لائے، لیکن قلب اطہر[4] کو دھونے کے لیے بجائے جنت کے پانی کے زمزم کا پانی استعمال کیا گیا حالانکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بہت سی چیزیں وہاں سے لائے تو جنت کا پانی لانے میں کیا اشکال تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ جب زمزم کا پانی پیتے، تو یہ دعا پڑھتے: ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ﴾ [اتحاف] ''اے اللہ! میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع دینے والا ہو اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء چاہتا ہوں''۔

⑩ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ : مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِيْ أَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ۔	حضور اقدس ﷺ نے مکہ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو کتنا بہتر شہر ہے اور مجھ کو کتنا زیادہ محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔

[رواه الترمذي وقال: حديث حسن غريب إسنادًا كذا في المشكوٰة وفي الأخرىٰ له: وَاللهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللهِ إِلَى اللهِ۔ الحديث]

فائدہ: اس حدیث کی وجہ سے نیز ان احادیث کی وجہ سے جن میں مکہ کی ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے، ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سارے شہروں سے افضل ہے اور وہاں قیام کرنا مستحب اور افضل ہے، اور ظاہر ہے کہ جب ایک ایک نماز ایک لاکھ کی شمار ہوتی ہو، تو پھر کون ہے جس کو یہ مرغوب[5] نہ ہو، لیکن اس کے باوجود بڑے اکابر وہاں کے قیام کو پسند نہ فرماتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

حل لغات: ① مبارک خط۔ ② جلدی۔ ③ بڑی تھالی۔ ④ پاکیزہ دل۔ ⑤ پسندیدہ۔

نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کا قیام صاحبین[1] کے نزدیک مستحب[2] ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ کا مختار ہے، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہاں کے مستقل قیام کو مکروہ فرماتے تھے۔ اور ایک بڑی جماعت کا محتاط[3] لوگوں میں سے یہی مذہب ہے۔ مبادا[4] وہاں رہ کر آدمی کو وہاں سے کوئی گرانی[5] اور ملال[6] پیدا ہو، یا اس کے احترام میں کسی قسم کی کمی ہوجائے یا وہاں رہ کر آدمی سے کسی قسم کا گناہ صادر[7] ہوجائے کہ جیسا وہاں نیکیوں کا ثواب کہیں زیادہ ہے، ایسے ہی وہاں رہ کر گناہ کرنے کا وبال بھی بہت زیادہ سخت ہے، لیکن اللہ کے وہ مخلص بندے جو گناہوں سے مُحترِز[8] ہوں؛ ان کے لیے افضلیت میں کیا کلام ہے؛ لیکن وہ اتنی قلیل[9] مقدار ہے کہ ان پر حکم لگانا بھی ایسا ہے جیسا عام مخلوق میں بادشاہ، لیکن پارسائی[10] کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا اعتبار نہیں کہ ویسے تو ہر شخص اپنے کو یہی کہتا ہے کہ میں وہاں رہنے کے شرائط پورے کرسکتا ہوں۔ دعویٰ بہت سہل ہے۔

بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا　　بہت مشکل ہے بچنا بادۂ[11] گل گوں سے خلوت[12] میں

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات کے لحاظ سے کراہت[13] اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اگر وہ ان حالات کو دیکھتے جن کو ہم اپنے زمانہ میں دیکھ رہے ہیں تو وہ وہاں کے قیام کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے۔ یہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشاہیر علماء میں ہیں، ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی ہے، جب یہ اپنے زمانہ کا یہ حال فرمارہے ہیں تو آج چودھویں صدی کے آخر کا جو حال ہوگا، وہ اظہر من الشّمس[14] ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن محتاط علماء نے مکہ کے قیام کو مکروہ بتایا ہے، اس کی تین وجہ ہیں: اوّل یہ کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں کے قیام سے وہ ذوق وشوق اور تڑپ بے قراری جو کعبہ شریف کے ساتھ ہونا چاہیے وہ کم ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ اس سے روانگی کے وقت جو فراق[15] کی تڑپ اور دوبارہ لوٹنے کا جذبہ پیدا ہوگا وہ وہاں رہنے میں حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ تو کسی دوسرے شہر میں رہے اور تیرا دل مکہ مکرمہ میں اٹکا رہے، یہ بہتر ہے اس سے کہ تو مکہ میں رہے اور تیرے دل میں کسی دوسری جگہ کا داعیہ پیش آئے اور بعض بزرگوں سے نقل کیا گیا کہ بہت سے لوگ خراسان میں رہنے

حل لغات: (۱) حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) پسندیدہ۔ (۳) احتیاط کرنے والے۔ (۴) کہیں ایسا نہ ہو۔ (۵) بھاری پن، بوجھ۔ (۶) رنج، غم۔ (۷) واقع ہوجائے۔ (۸) بچنے والے۔ (۹) کم۔ (۱۰) تقویٰ طہارت۔ (۱۱) گلاب کی طرح لال رنگ کی شراب۔ (۱۲) تنہائی۔ (۱۳) ناپسند۔ (۱۴) سورج سے زیادہ روشن۔ (۱۵) جدائی۔

والے مکہ سے تعلق کے اعتبار سے بعض ان لوگوں سے قریب ہیں جو طواف کر رہے ہوں، بلکہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود کعبہ ان کی زیارت کو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مبادا وہاں رہ کر کوئی گناہ صادر ہوجائے کہ یہ سخت خطرناک ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے غصہ کا موجب ہے فقط۔ ویسے تو مکہ مکرمہ سارا ہی بابرکت ہے، اس کی ہر جگہ، ہر در و دیوار، ہر پتھر اور ریت کا ذرّہ بابرکت ہے،لیکن چند مقامات اور بھی زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں، جن میں سے بعض اس فصل میں گذر چکے ہیں، مستقل احادیث ان کے فضائل میں لکھی جا چکی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دولت[1] کدہ جہاں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب اولاد یہیں پیدا ہوئی، ہجرت تک حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اسی مکان میں رہا، علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کے بعد مکہ کے تمام مکانات میں یہ مکان افضل ہے۔ دوسرے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ جو مَولدِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکان جو زُقاقِ صَوَّاغِین (زرگروں کی گلی) میں ہے، اس کو دارُالہجرت بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ ہجرت کی ابتدا اسی مکان سے ہوئی، ہجرت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، وہاں دو پتھر تھے: ایک کا نام متکلم[2] ہے، اس نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا، دوسرا مُتَّکا[3] جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ مولدِ علی رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی پیدائش کی جگہ۔ دارِ اَرقم جو دارِ خیزُران سے مشہور ہے، صفا پہاڑ کے قریب ہے۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے اور چالیس کا عدد آپ کے ایمان لانے پر پورا ہوا تھا۔ اور قرآن پاک کی آیت ﴿يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾﴾ [سورۂ انفال: ٦٤] اس پر نازل ہوئی تھی، اسی میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءِ اسلام میں مخفی[4] رہا کرتے تھے۔ جبل[5] ثور کا غار، جس میں ہجرت کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پوشیدہ ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ میں اسی غار کا ذکر ہے۔ جبل حرا کا غار جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے کئی کئی دن تک عبادت کیا کرتے اور تنہائی اختیار فرمایا کرتے تھے اور اسی میں سب سے پہلے آپ پر اِقْرَأْ نازل ہوئی۔ مسجد الرَّایۃ مکہ میں مُعلّیٰ کی طرف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی ہے۔ مسجد الجن جس جگہ جنات کا اجتماع ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس جگہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ بٹھا کر خود آگے

حل لغات: (١) مکان، گھر۔ (٢) بات کرنے والا۔ (٣) تکیہ لگانے والا۔ (٤) پوشیدہ، چھپا ہوا۔ (٥) پہاڑ۔

تشریف لے گئے اور جنّات کو تعلیم فرمائی، قرآن پاک سنایا۔ مسجد الشَّجرۃ جو مسجدِ جن کے مقابل ہے، اس جگہ ایک درخت تھا جس کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، وہ زمین کو چیرتا ہوا حاضرِ خدمت ہوگیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ، وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ مَسْجِدُ الْغَنَم جس کو مَسْجِدُ الْاِجَابَۃ بھی کہتے ہیں، اس جگہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں بیعت لی تھی۔ مسجد اَجْیَاد، مسجدِ جَبَلِ اَبُوقُبَیْس جو حرم شریف سے نظر آتی ہے، لیکن اس جگہ بکری کی سِری کھانے کے متعلق جو روایت مشہور ہے، وہ غلط ہے۔ مسجد طُوىٰ جو تَنْعِیْم کے راستہ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب عمرہ یا حج کے لیے تشریف آوری ہوئی تو اس جگہ قیام فرمایا۔ مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا تنعیم پر جہاں عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ مسجد الْعَقَبَۃ منیٰ کے قریب جہاں انصار نے ہجرت سے قبل بیعت کی تھی، یہ مسجد مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر راستہ سے علیحدہ[1] کو ہے۔ مسجد الجِعِرّانہ جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جب طائف سے لوٹ رہے تھے، احرام باندھا تھا۔ مسجد الْکَبَش جس کو مَنْحَر[2] ابراہیم بھی کہتے ہیں، یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا تھا۔ مسجد الخَیْف منیٰ میں مشہور مسجد ہے جس میں کہتے ہیں کہ ستّر نبی وہاں مدفون ہیں ۔ غارِ مرسلات جو مسجد خیف کے قریب ہے سورۂ وَالْمُرْسَلٰتِ وہاں نازل ہوئی۔ جنت الْمعلیٰ مکہ مکرمہ کا مقبرہ جہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے اور احادیث میں اس مقبرہ[3] کی فضیلت بھی آئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مُتَبَرَّک مقامات ہیں، اور مکہ مکرمہ میں کون سی جگہ ایسی ہوگی جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم مبارک نہ پڑے ہوں؛ لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مواضع[4] کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

حل لغات: (۱) الگ۔ (۲) قربان گاہ۔ (۳) قبرستان۔ (۴) مقامات، جگہیں۔

ساتویں فصل: عمرہ کے بیان میں

جیسا کہ نماز میں کچھ تو فرض نمازیں ہیں، جو پانچ مخصوص اوقات میں فرض کی گئیں اور کچھ نوافل ہیں، جو جاں نثار قدر دانوں کے لیے اس لیے مشروع[1] کی گئیں کہ جب ان کا دربار کی حاضری کو دل چاہے حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح سے بیت اللہ شریف کی زیارت میں ایک تو حج فرض ہے جو مخصوص وقت میں ہوتا ہے، دوسرا عمرہ ہے جو سال بھر میں بجز پانچ دن کے یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرا[۱۳] تک تو عمرہ کرنا مکروہ ہے کہ یہ حج کا مخصوص وقت ہے، اس کے علاوہ جس دن جتنے دل چاہے عمرے کرے، یہ بھی اللہ کا فضل عظیم ہے کہ مشتاق[2] لوگوں کی حاضری کے واسطے ہر وقت حاضری کی اجازت فرمادی۔ عمرہ اگرچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے؛ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، اس لیے کم از کم ایک عمرہ آدمی کو ضرور کر لینا چاہیے کہ دو اماموں کے نزدیک یہ مستقل واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی ایک عمرہ کم از کم کرنا سنّت موکّدہ ہے، مشہور قول کے موافق؛ ورنہ بعض علمائے حنفیہ نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض نے فرض کفایہ، اس لیے ایک عمرہ تو جو شخص جانے کی طاقت رکھتا ہو یا وہاں پہونچ جائے وہ ضرور ہی کر لے، قرآن پاک میں بھی اس کا حکم فرمایا ہے ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [سورۂ بقرہ] ''اور پورا پورا ادا کیا کرو حج اور عمرہ کو خالص اللہ جلّ شانُہٗ کے واسطے''۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج اور عمرہ کا پورا پورا ادا کرنا یہ ہے کہ اپنے گھر سے حج کا یا عمرہ کا احرام باندھ کر چلے۔ [درمنثور] اپنے گھر سے احرام باندھ کر چلنا افضل ہے، مُتعَدّد روایات میں اس کی فضیلت آئی ہے، لیکن چونکہ احرام میں بہت سی چیزوں کی احتیاط ضروری ہے اور زیادہ دن تک احرام باندھنے میں بسا اوقات[3] ایسی چیزیں صادر[4] ہو جاتی ہیں جو احرام کے منافی[5] ہیں، اس لیے علماء احتیاط اس میں بتاتے ہیں کہ میقات[6] ہی سے احرام باندھا جائے کہ گناہ سے بچنا فضیلت حاصل کرنے سے زیادہ اہم اور مُقدَّم[7] ہے۔

احادیث میں بھی عمرہ کے فضائل بہت سی روایات میں آئے ہیں، ان میں سے بعض پہلی فصل میں حج کے ساتھ گذر چکے ہیں، جیسا کہ حدیث نمبر گیارہ[۱۱]، بارہ[۱۲]، تیرہ[۱۳] میں گذرا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد حج تو ایک ہی مرتبہ کیا ہے، لیکن عمرے چار کیے، جن میں سے ایک پورا نہ ہو سکا کہ مشرکین نے مکہ

حل لغات: (۱) یعنی شریعت میں مقرر کی گئیں۔ (۲) خواہش مند۔ (۳) بہت دفعہ۔ (۴) واقع۔ (۵) خلاف۔ (۶) وہ جگہ جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے۔ (۷) پہلے۔

میں داخل نہ ہونے دیا اور اس پر فیصلہ ہوا کہ اس سال نہ کریں، دوسرے سال آ کر کرلیں اور تین عمرے پورے کیے۔

① عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ أَوْعُمْرَةٌ مَبْرُوْرَةٌ۔ [أخرجه أحمد والطبراني كذا في الدر]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل نیکی والا حج یا نیکی والا عمرہ ہے۔

فائدہ: پہلی فصل کی حدیث نمبر دو[۲] میں نیکی والے حج کا بیان گذر چکا ہے، وہی مطلب نیکی والے عمرہ کا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمرہ چھوٹا حج ہے۔ [درمنثور] یعنی جو برکات وثمرات[۱] اور فضائل حج کے ہیں وہی سب کچھ کمی کے ساتھ عمرہ کے ہیں۔

② عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا [متفق عليه كذا في المشكوة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی حصہ کے لیے کفّارہ ہے۔

فائدہ: یعنی ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک کے درمیان میں جس قدر لغزشیں[۲] ہوئی ہوں گی، وہ معاف ہو جائیں گی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفّارہ ہے درمیان کے گناہوں کا اور خطاؤں کا۔ [کنز] اور بھی متعدد[۳] روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

③ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ : حَجَّ أَبُوْ طَلْحَةَ وَابْنُهٗ وَتَرَكَانِيْ. فَقَالَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ ! عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِيْ [رواه ابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب]	حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ (میرے خاوند) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے تو حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر فضیلت رکھتا ہے“ مختلف احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے لگے، تو ایک صحابی عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرا دو، انہوں

حل لغات: ① نتیجہ۔ ② گناہ۔ ③ چند، کئی۔

نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں، بیوی نے کہا کہ تمہارا فلاں اونٹ ہے، خاوند نے فرمایا کہ وہ تو میں اللہ کے راستہ میں وقف کرچکا ہوں مجبوراً وہ بے چاری رہ گئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو خاوند نے یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج بھی تو اللہ ہی کا راستہ تھا، اگر اس اونٹ پر حج کرادیتے تو کچھ مضائقہ(۱) نہ تھا، پھر خاوند نے عرض کیا کہ حضور! میری اہلیہ نے سلام عرض کیا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ آپ کے ساتھ حج نہ کرنے کی تلافی(۲) اب کیا ہوسکتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے ان کو سلام کہہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ [ابوداؤد]

اسی قسم کا قصہ حضرت اُمّ سِنان رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی پیش آیا اور اُمِّ مَعقِل رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی، اُمّ طُلَیق رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی اور امّ ہُشَیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی کہ یہ سب حج کا ارادہ فرماتی رہیں، لیکن کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے نہ جاسکیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک سے یہی ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کے برابر ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ان کی روایات ذکر فرمائی ہیں کہ عمرہ کا حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس عمرہ سے حج فرض پورا ہوجائے گا، یہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کسی کو بھی خلاف نہیں ہے کہ حج فرض اس سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ساتھ رمضان المبارک کی فضیلت مل جانے کی وجہ سے حج کے ثواب کے برابر ہوجاتا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بسا(۳) اوقات وقت کی فضیلت کی وجہ سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے جیسا کہ خلوص نیت اور اخلاص کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔ [فتح الباری]

(۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ ، إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ وَإِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ [رواه ابن ماجه كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا وفد ہیں اگر وہ لوگ دعا مانگیں، تو اللہ جَلَّ شانُہٗ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

فائدہ: جیسا کہ بہت سے آدمی ایک جماعت بنا کر بطور وفد کے کہیں سرکاروں، درباروں میں جاتے ہیں، ایسے ہی یہ لوگ گویا وفد کے طور پر حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور جیسا کہ وُفود(۴) کا اکرام واعزاز ہوتا ہے، ایسے ہی ان کا بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں اکرام ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں

حل لغات: (۱) حرج۔ (۲) بھرپائی۔ (۳) بعض، کبھی۔ (۴) وفد کی جمع حاکم یا بادشاہ سے ملاقات کرنے والی جماعت۔

آیا ہے کہ اللہ کا وفد تین قسم کے لوگ ہیں: ایک مجاہد، دوسرے حاجی، تیسرے عمرہ کرنے والے۔ [مشکوۃ] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا وفد ہیں، جب دعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے اور اللہ سے جو مانگتے ہیں ان کا سوال پورا کیا جاتا ہے۔ [ترغیب عن جابر رضی اللہ عنہ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں، جو مانگتے ہیں وہ دیا جاتا ہے، جو دعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے، جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب کسی اونچی جگہ پر کوئی شخص لَبَّيْكَ کہتا ہے یا تکبیر کہتا ہے، تو اس کے سامنے کا سارا حصہ زمین کا دنیا کے ختم تک لَبَّيْكَ اور تکبیر کہنے لگتا ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں، جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے، جو دعا کرتے ہیں وہ قبول کی جاتی ہے، جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے اور ایک ایک دِرہم[1] کے بدلہ میں دس دس لاکھ درم دیے جاتے ہیں۔ [ترغیب] ایک حدیث میں ہے کہ مکہ کے رہنے والے اگر اس کو جان لیں کہ حاجیوں کا ان پر کتنا حق ہے تو ان کی آمد پر یہ لوگ جا کر ان کی سواریوں کو بوسہ دیں، اس لیے کہ وہ لوگ اللہ کا وفد ہیں۔ [درمنثور]

⑤ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ [رواه الترمذي والنسائي كذا في المشكوٰة]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مُتابَعت[2] کرو درمیان حج اور عمرہ کے کہ وہ دونوں مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں، جیسا آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے مَیل کو دور کر دیتی ہے۔

فائدہ: متابعت کرنے کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ قران کرو، جو حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے اور حنفیہ کے نزدیک سب قسموں میں سب سے زیادہ افضل یہی صورت ہے اور مُحققین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام بھی اسی کا تھا، اس میں حج اور عمرہ کا دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے۔ اور متابعت کرنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر پہلے حج کرلیا ہے، تو بعد میں عمرہ کرے اور پہلے عمرہ کیا ہے، تو بعد میں حج کرے کہ یہ بھی متابعت ہوگئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کے درمیان متابعت عمر میں اضافہ کرتی ہے اور فقر اور

حل لغات: ① چاندی کا سکہ۔ ② ایک بعد ایک کرنا۔

گناہوں کو ایسا زائل[1] کرتی ہے جیسا آگ کی بھٹی میل کو زائل کرتی ہے۔ [ترغیب] ایک حدیث میں ہے: أَدِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ [الحديث] حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہمیشہ کرتے رہو کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ایسا زائل کرتے ہیں، جیسا بھٹی لوہے کے زنگ کو۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت[2] فقر کو روک دیتی ہے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ لگا تار حج کرنا اور لگا تار عمرہ کرنا فقر اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں، جیسا کہ آگ لوہے کے میل کو۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ میں متابعت کرنا عمر کو بھی بڑھاتا ہے اور روزی کو بھی زیادہ کرتا ہے۔ [کنز]

اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمرہ کثرت سے کرنا مستحب[3] ہے۔ اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ کوئی مہینہ ایسا نہ جانا چاہیے جس میں بشرطِ قدرت کم از کم ایک عمرہ نہ کرے اور دو تین کر لے تو بہت بہتر ہے۔ [شرح مناسک]

⑥ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ: اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ [رواه النسائي بإسناد حسن كذا في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بوڑھے اور ضعیف[4] لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

فائدہ: پہلی فصل کی گیارہویں حدیث کے ذیل میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال[5] نہیں، اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ [ترغیب]

ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں بہت کم ہمت ہوں دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں لڑائی نہ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ارشاد فرماویں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اور عمرہ ہے۔ [درمنثور]

⑦ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ غُفِرَ لَهٗ۔ [رواه ابن ماجه بإسناد صحيح كذا في الترغيب]	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حل لغات: ① دور، ختم۔ ② زیادتی۔ ③ پسندیدہ۔ ④ کمزور۔ ⑤ لڑائی۔

فائدہ: ام حکیم رحمۃ اللہ علیہا تابعی[1] عورت ہیں، انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی اور صرف احرام باندھنے کے لیے بیت المقدس تشریف لے گئیں اور وہاں سے احرام عمرہ کا باندھ کر واپس آئیں۔ [ترغیب]

یہ وقعت[2] تھی ان حضرات کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کی کہ جو شخص کوئی حدیث سن لیتا تھا، اپنی وُسعت کے موافق اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا، چاہے اس میں کتنی ہی مشقّت اٹھانا پڑے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ نقل کیے گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مسجدِ اقصیٰ سے مسجدِ حرام تک آئے، اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جنت اس کے لیے واجب ہوجاتی ہے۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) جسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت ملی ہو۔ (۲) اہمیت۔

آٹھویں فصل: زیارتِ مدینہ میں

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو مشہور عالم، فقیہ[1] مُحدِّث[2] حنفی ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ چند حضرات کے علاوہ جن کا خلاف کچھ مُعتبَر[3] نہیں، بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اہم ترین نیکیوں میں ہے اور افضل ترین عبادات میں ہے اور اعلیٰ درجات تک پہونچنے کے لیے کامیاب ذریعہ اور پُر امید[4] وسیلہ ہے، اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے؛ بلکہ بعض علماء نے واجب کہا ہے اُس شخص کے لیے جس میں وہاں حاضری کی وسعت ہو، اس کا چھوڑنا بڑی غفلت اور بہت بڑی جفا[5] ہے۔ اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ وہاں قیام کے ارادہ سے چلنا مکہ مکرمہ میں قیام کے ارادہ سے چلنے سے افضل ہے یعنی حج کی وجہ سے چلنا تو دوسری بات ہے اس کے علاوہ مدینہ پاک کی طرف چلنا افضل ہے۔ فقط۔

درِّ مختار میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مندوب[6] ہے بلکہ بعض علماء نے اُس شخص کے حق میں جس میں وُسعَت[7] ہو، واجب کہا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خیر رَملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اس قول کو نقل کیا اور اس کی تائید کی۔

یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى وَبِعَدَدِ مَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى کے جتنے احسانات امت پر ہیں اور جو توقّعات[8] مرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ[9] ہیں، اُن کے لحاظ سے وسعت اور طاقت کے بعد بھی حاضری نہ نصیب ہو؛ بے حد محرومی ہے اور معمولی اَعذار[10] سے اس سعادتِ عُظمٰی[11] سے محرومی، انتہائی قساوت[12] اور جفا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے بعض روایات کی بناء پر بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے مسجد کی زیارت کی نیت کو ضروری بتایا ہے، لیکن ائمہ اربعہ کے سب مذاہب اس پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کا ارادہ بھی مستحب ہے، حنفیہ کی معتبر کتاب سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اوپر نقل کر چکا ہوں۔

شافعیہ کے مقتدا[13] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناسک میں لکھتے ہیں کہ جب حج سے فارغ ہو جائے، تو چاہیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ کا ارادہ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت اہم ترین قُربات[14] میں سے اور کامیاب مَساعی[15] سے ہے۔

حل لغات: (۱) علم فقہ کا ماہر۔ (۲) علم حدیث کا ماہر۔ (۳) ماننے کے لائق۔ (۴) امید والا ذریعہ ہے۔ (۵) بے وفائی۔ (۶) پسندیدہ۔ (۷) کشادگی، فراخی۔ (۸) امیدیں۔ (۹) جڑی ہوئی، متعلق۔ (۱۰) عُذر۔ (۱۱) بڑی سعادت۔ (۱۲) سنگدلی۔ (۱۳) جس کی اتباع کی جائے۔ (۱۴) قریب ہونے کا اہم ذریعہ۔ (۱۵) کوششوں۔

''انوارِ ساطعہ'' میں مالکیہ کے مذہب میں لکھا ہے: ہمارے نبی محمد ﷺ کی قبر کی زیارت پسندیدہ سنت ہے، جو شرعاً مطلوب ہے اور مرغوب[1] ہے اور اللہ جلَّ شانُہٗ کے یہاں قربت پیدا کرنے میں بہت اونچی چیز ہے اور قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں لکھا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی قبر کی زیارت مُجمَع علیہ سنت ہے۔ بلکہ بعض علمائے مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو واجب فرمادیا جیسا کہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں ابو عمران فارسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا۔

''مُغنی'' جو فقہ حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت معتبر کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی قبر شریف کی زیارت مستحب ہے، اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے، اس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی یہ حدیث نقل کی کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اور شرحِ کبیر میں جو مذہب حنابلہ کی اہم کتاب ہے، لکھا ہے کہ جب حج سے فارغ ہوجائے تو مستحب ہے کہ حضور ﷺ کی اور حضور ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبر کی زیارت کرے۔ اس کے بعد وہی احادیث ذکر کیں جو مغنی میں گذریں۔

''دلیل الطالب'' جو فقہ حنبلی کا مشہور متن[2] ہے اس میں حج کے احکام لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک اور حضور ﷺ کے دو ساتھیوں کی قبر کی زیارت مسنون ہے، اس کے شارح[3] ''نَیل المآرِب'' میں لکھتے ہیں کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی مستحب ہے، اس لیے کہ حاجی حج کے بعد بغیر سفر کے ان کی زیارت کیسے کرسکتا ہے۔ اسی طرح ''روض المربع'' فقہ حنبلی میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی قبرِ اَطہر اور حضور ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی، وہ ایسا ہے جیسا کہ میری زندگی میں میری زیارت کی۔

ان سب سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اربعہ کا مُتّفقہ[4] مسئلہ ہے، اسی لیے بعض علماء نے اس کو اجماعی مسئلہ بتایا جیسا کہ شروع میں گذرا۔ نبی کریم ﷺ سے بھی متعدد روایات میں اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔	ابن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہوگئی۔

حل لغات: ① پسندیدہ۔ ② کتاب کا اصل مضمون۔ ③ شرح کرنے والا۔ ④ ایسا مسئلہ جس میں سب کا اتفاق ہو۔

[رواه البزار والدارقطني قاله النووي۔ وقال ابن حجر في شرح المناسک: رواه ابن خزيمة في صحيحه، وصححه جماعة كعبد الحق والتقي السبكي اهـ۔ وقال القاري في شرح الشفاء: صححه جماعة من أئمة الحديث]

② عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَا يُهِمُّهٗ إِلَّا زِيَارَتِيْ، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میری زیارت کو آئے اور اس کے سوا کوئی اور نیت اس کی نہ ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ اس کی سفارش کروں۔

[قال العراقي: رواه الطبراني، وصححه ابن السكن كذا في الاتحاف، وبسط في تخريجه، وقال: صححه عبد الحق في سكوته والتقي السبكي باعتبار مجموع الطرق]۔

فائدہ: دنیا میں کون شخص ایسا ہوگا جس کو محشر کے ہولناک منظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت[1] کی ضرورت نہ ہو اور کتنا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمادیں کہ اس کی شفاعت میرے ذمہ ضروری ہے۔ علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مَواہب میں لکھتے ہیں کہ اس کے لیے خصوصی شفاعت مراد ہے، رفعِ درجات کی ہو یا اس ہولناک دن میں امن کی ہو یا جنت میں بغیر حساب داخلہ کی یا عمومی سفارش کے علاوہ اس کے لیے خصوصیت سے شفاعت ہو۔

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مناسک نووی رحمۃ اللہ علیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو یہ وارد ہوا ہے "کہ جو شخص میرے پاس آئے اور میری زیارت کے علاوہ کوئی اور غرض اس کی نہ ہو، تو مجھ پر اس کا حق ہو گیا کہ میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں"۔ میری زیارت کے سوا کوئی اور غرض اس کی نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی غرض نہ ہو جو زیارت کے متعلق نہ ہو، لہٰذا مسجدِ نبوی میں اعتکاف کی نیت یا عبادت کی کثرت یا صحابہ وغیرہ کی زیارت کی نیت اس کے منافی[2] نہیں، بلکہ ہمارے علماء نے اس کی تصریح[3] کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ساتھ مسجد نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرلے۔ حنفیہ میں سے صاحب دُرِّ مختار نے بھی یہی لکھا ہے کہ قبر شریف کے ساتھ مسجدِ نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرلے، لیکن ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء[4] حنفیہ میں سے لکھا ہے کہ اس حدیث کی بناء پر پہلی مرتبہ تو صرف قبر مبارک ہی کی نیت ہونا چاہیے، البتہ اگر مقدر یاوری[5] کرے اور دوبارہ حاضری کی سعادت نصیب ہو تو مسجد اور قبر شریف دونوں کی نیت کرے۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ملّا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے

حل لغات: ① سفارش۔ ② خلاف۔ ③ بیان کرنا۔ ④ فقیہ کی جمع علم فقہ کا ماہر۔ ⑤ مدد۔

زیارت مدینہ

نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ محض زیارت کی نیت سے سفر کیا اس میں حج کو بھی شامل نہ کیا، تا کہ محض زیارت ہی کی نیت ہو، محبت کی بات تو یہی ہے۔

③ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، تو ایسا ہے گویا کہ میری زندگی میں زیارت کی۔

[رواه الطبراني والدارقطني والبيهقي وضعفه كذا في الاتحاف. وفي المشكوٰة برواية البيهقي في الشعب بلفظ: مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔ واستدل به الموفق في المغني على استحباب الزيارة۔]

فائدہ: مشکوٰۃ شریف میں ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی، وہ مثل اس شخص کے ہے جس نے کہ میری زندگی میں زیارت کی ہو۔ اس کے مثل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صحابی ہوگیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، تو گویا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں کوئی شخص درِ دولت[1] پر حاضر ہوا اور مکان سے باہر ہی مل کر آئے۔ اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ ''حج کے بعد میری زیارت کرے''۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ کی حاضری پہلے ہونا چاہیے یا حج پہلے کرنا چاہیے؟ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ کی یہ رائے ہے کہ حج پہلے کرنا چاہیے، لیکن مُوَجَّہ[2] یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت میں وسیع[3] گنجائش ہو کہ حج سے پہلے زیارت اطمینان سے کر سکے اور پھر حج بھی اطمینان سے ہو سکے تو زیارت پہلے کر لے، ایسا نہ ہو کہ حج کے بعد کوئی عارض[4] پیش آجائے، البتہ اگر وقت میں تنگی ہو تو حج کو مقدّم[5] کرے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر حج فرض ہے، تب تو حج کو مقدّم کرنا چاہیے بشرطے کہ مدینہ منورہ راستہ میں نہ پڑتا ہو، اگر راستہ میں پڑتا ہو تو پھر بغیر زیارت کے آگے بڑھنا قساوت[6] ہے، یہ بہر حال ضروری ہے کہ حج کے وقت میں گنجائش ہو، اس کے فوت[7] ہونے کا اندیشہ[8] نہ ہو اور اگر حج نفل ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے مقدّم کرے اور اولیٰ یہ ہے کہ حج کو مقدّم کرے، تا کہ گناہوں سے حج کی بدولت پاک ہو کر پاک کی زیارت کرے۔

حل لغات: ① گھر کا دروازہ۔ ② معقول، عقل میں آنے والی بات۔ ③ زیادہ۔ ④ رُکاوٹ، تکلیف، بیماری۔ ⑤ پہلے کرنا۔ ⑥ سخت دلی۔ ⑦ چھوٹنا۔ ⑧ ڈر، خوف۔

④ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا، كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	حضور ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص ارادہ کرکے میری زیارت کرے، وہ قیامت میں میرے پڑوس میں ہوگا، اور جو شخص مدینہ میں قیام کرے اور وہاں کی تنگی اور تکلیف پر صبر کرے، میں اس کے لیے قیامت میں گواہ اور سفارشی ہوں گا، اور جو حرم مکہ مکرمہ یا حرم مدینہ میں مرجائے گا وہ قیامت میں امن والوں میں اٹھے گا۔

[رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة. وفي الاتحاف برواية الطيالسي بسنده إلى ابن عمر عن عمر. ثم قال: وعن رجل من اٰل حاطب رفعه: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّداً كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: الحديث. أخرجه البيهقي وهو مرسل. والرجل المذكور مجهول اهـ وبسط الكلام على طرقه السبكي وقال: هو مرسل جيد]

فائدہ: متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص ارادہ کرکے میری زیارت کرے، وہ قیامت میں میرا پڑوسی ہے۔ ''ارادہ کرکے'' کا مطلب یہ ہے کہ محض[1] اسی ارادہ سے آیا ہو، یہ نہ ہو کہ سفر تو کسی دنیوی غرض سے تھا، راستہ چلتے زیارت بھی کرلی۔ حدیث نمبر ۲ میں بھی اسی قسم کا لفظ گذر چکا ہے کہ میری زیارت کے علاوہ کوئی اور ارادہ نہ ہو۔ دوسرا مضمون جو حدیثِ بالا میں مدینہ منورہ میں قیام کے متعلق ہے اس کی روایات آئندہ آرہی ہیں۔

⑤ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

[رواه ابن عدي في الكامل وغيره كذا في شفاء الأسقام. وفي شرح اللّباب رواه ابن عدي بسند حسن. وبسط في تخريجه صاحب الاتحاف. وقال: رد السيوطي على ابن الجوزي في إيراده في الموضوعات. وقال: لم يصب اهـ. وقال القاري: في شرح الشفاء رواه ابن عدي بسند يحتج به]

فائدہ: کتنی سخت وعید ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جو احسانات امّت پر ہیں، ان کے لحاظ سے وسعت کے باوجود حاضر نہ ہونا؛ سراسر ظلم و جفا[2] ہے۔ محدثین حضرات نے اس حدیث

حل لغات: (۱) صرف۔ (۲) بے وفائی۔

زیارت مدینہ

پر کلام کر دیا ورنہ اس کی وجہ سے زیارت واجب ہی ہوتی۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ "مواہبِ لدُنّیہ" میں لکھتے ہیں کہ جس شخص نے باوجود وسعت کے زیارت نہ کی، اس نے یقیناً جفا[1] کی۔

⑥ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَلَمَّا دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَدِيْنَةُ بِهَا قَبْرِيْ وَبِهَا بَيْتِيْ وَتُرْبَتِيْ۔ وَحَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ زِيَارَتُهَا۔ [أخرجه أبوداود، كذا في الاتحاف۔ فلينظر فلم أجده]	حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکّہ سے تشریف لے گئے تو وہاں کی ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور جب مدینہ پہونچے تو وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں میرا گھر ہے اور اسی میں میری قبر ہوگی اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس کی زیارت کرے۔

فائدہ: یقیناً ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس پاک جگہ کی زیارت کرے اور کس قدر خوش نصیب ہیں، مسلمان جن کو وہاں کا قیام نصیب ہے کہ ہر وقت یہ سعادت ان کو مُیسّر[2] ہوتی رہتی ہے اور اس حق کی ادائیگی ان کو ہر وقت مُیسر ہے۔

⑦ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَنِيْ فِي الْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ وَكُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مدینہ میں آ کر میری زیارت ثواب کی نیت سے کرے (یعنی کوئی اور غرض نہ ہو)، وہ میرے پڑوس میں ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا۔

[رواه العقيلي والبيهقي وأبوعوانة بألفاظ مختلفة، ذكرها القاري في شرح الشفاء، وقال: قوله: "فِيْ جِوَارِيْ" بكسر الجيم وفي نسخة بضم الجيم أي: في ذمتي وعهدي۔]

فائدہ: یہ مضمون حدیث نمبر ۴ کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے۔ اس حدیث میں بعض علماء نے "جوار" کو جیم کے پیش سے بتایا ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ شخص میرے عہد اور میری پناہ میں ہوگا، اس ہَول[3] کے دن میں کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ جائے، اس سے بڑھ کر کیا دولت ہو سکتی ہے؟

⑧ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: مَنْ حَجَّ إِلٰى مَكَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِيْ فِيْ مَسْجِدِيْ	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لیے مکہ جائے پھر میرا قصد[4] کر کے

حل لغات: ① بے وفائی۔ ② آسانی سے حاصل۔ ③ خوف، گھبراہٹ۔ ④ ارادہ۔

زیارت مدینہ

كُتِبَ لَهٗ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ۔ [أخرجه الديلمي كذا في الاتحاف]	میری مسجد میں آئے، اس کے لیے دو حج مقبول لکھے جاتے ہیں۔
⑨ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی میری قبر کے پاس آکر مجھ پر سلام کرے تو اللہ جَلَّ شانُہٗ میری روح مجھ تک پہونچا دیتے ہیں، میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

[رواه أحمد في رواية عبدالله كذا في المغني للموفّق، وأخرجه أبوداؤد بدون لفظ: عِنْدَ قَبْرِيْ، لكن رواه في باب زيارة القبور بعد أبواب المدينة من كتاب الحج۔]

فائدہ: ابن حجر شرحِ مناسک میں لکھتے ہیں کہ ''میری روح مجھ تک پہونچانے'' کا مطلب یہ ہے کہ بولنے کی قوت عطا فرما دیتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اللہ جَلَّ شانُہٗ کی حضوری میں مستغرق[1] رہتی ہے تو اس حالت سے سلام کا جواب دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ [بذل]

اکثر علماء نے منِ[2] جملہ اُن کے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ یہ مطلب نہیں کہ اس وقت روح واپس آتی ہے بلکہ وہ تو وصال کے بعد ایک مرتبہ واپس آچکی، تو مطلب یہ ہے کہ میں (چونکہ روح میری واپس آچکی) اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

⑩ وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ: سَمِعْتُ بَعْضَ مَنْ أَدْرَكْتُ يَقُوْلُ: بَلَغَنَا أَنَّهٗ مَنْ وَقَفَ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَقُوْلُ: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ۔ مَنْ يَّقُوْلُهَا سَبْعِيْنَ مَرَّةً، نَادَاهُ مَلَكٌ: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا فُلَانُ، وَلَمْ تَسْقُطْ لَهٗ حَاجَةٌ۔	یہ نقل کیا گیا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ اس کے بعد ستر مرتبہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ کہے، تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے شخص! اللہ جَلَّ شانُہٗ تجھ پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کی ہر حاجت پوری کردی جاتی ہے۔

[كذا في الشفاء، قال القاري في شرحه: رواه البيهقي وابن أبي فديك وثقه جماعة، واحتج به أصحاب الكتب الستة ومعنى قوله: بلغنا، أي في الحديث۔]

حل لغات: (۱) ڈوبی ہوئی۔ (۲) ان میں سے۔

فائدہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ کی جگہ يَارَسُوْلَ اللهِ کہے تو زیادہ بہتر ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ زین الدین مراغی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی یہی نقل کیا کہ ''یارسول اللہ'' کہنا اَولیٰ① ہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مواہب میں لکھتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنے کی مُمانعت② ہے، لیکن اگر یہی لفظ روایت میں منقول③ ہے تو منقول کی رعایت کی وجہ سے ممانعت نہ رہے گی۔ اس ناپاک ونا کارہ کے خیال میں روضۂ اقدس پر مُزوّروں④ کے رٹے ہوئے الفاظ بغیر سمجھے طوطے کی طرح پڑھنے کے بجائے نہایت خضوع⑤ خشوع، سکون ووقار⑥ سے ستّر مرتبہ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ہر حاضری کے وقت پڑھ لیا کرے تو شاید زیادہ بہتر ہو۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مواہب میں لکھتے ہیں کہ ستّر مرتبہ کی خصوصیت اس لیے ہے کہ اس عدد کو اجابت⑦ میں دخل ہے۔ قرآن پاک میں بھی منافقین کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا ہے ﴿ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ﴾ ''اگر تم ان منافقوں کے لیے ستّر مرتبہ استغفار کرو تب بھی اُن کی مغفرت نہ ہوگی۔''

⑪ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا كُفِيَ أَمْرُ دُنْيَاهُ وَاٰخِرَتِهٖ، وَكُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو کسی اور جگہ درود پڑھتا ہے تو اس کی دنیا اور آخرت کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور اس کا سفارشی ہوں گا۔

[رواه البيهقي في الشعب والخطيب وابن عساكر كذا في الدر، وبسط طرقه السبكي في شفاء الأسقام وفي المواهب وشرحه عزاه إلى ابن أبي شيبة وعبد الرزاق۔]

فائدہ: دوسری مُتعدّد احادیث میں آیا ہے کہ جو دُور سے کوئی شخص دورد شریف پڑھتا ہے، تو اللہ جلّ شانُہٗ نے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، جو اس کا سلام مجھ تک پہونچاتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں قبر شریف پر کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے کی کس قدر فضیلت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خود بہ نفسِ⑧ نفیس سنتے ہیں اور کس قدر خوش نصیب ہیں وہ مبارک حضرات جو اس پاک شہر میں رہنے والے ہیں اور ہر

حل لغات: ① بہتر، اچھا۔ ② منع۔ ③ نقل کیا گیا۔ ④ زیارت کرنے والے۔ ⑤ دھیان اور خوف سے۔ ⑥ سنجیدگی، متانت۔ ⑦ دعا کا قبول ہونا۔ ⑧ خود اپنی ذات سے۔

زیارتِ مدینہ

وقت بلا واسطہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے رہتے ہیں۔

سلیمان بن سُحَیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ جو لوگ حاضرِ خدمت ہو کر سلام کرتے ہیں، آپ کو ان کا علم ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہوتا ہے اور میں ان کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

[اخرجہ سعید بن منصور کذا فی الاتحاف]

(۱۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ نہ سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، ایک مسجدِ حرام، دوسرے مسجدِ بیت المقدس، تیسرے میری یہ مسجد۔

[متفق عليه كذا في المشكوٰة۔ وعند أحمد وأبي يعلى وابن خزيمة والطبراني والضياء من حديث أبي سعيد بلفظ: لا تشد رحال المطي إلى مسجد يذكر الله فيه إلا إلى ثلثة مساجد. كذا في الاتحاف۔]

فائدہ: چونکہ اس حدیث شریف میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ کے سفر کی مُمانَعت کی گئی، اس لیے بعض علماء نے اس سے دلیل پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پاک کے ارادہ سے سفر کی ممانعت فرمائی ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس نیت سے سفر نہ کرے بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے سفر کرے، البتہ وہاں پہونچنے کے بعد مزار پاک کی زیارت میں کوئی مُضائقہ[1] نہیں، لیکن جُمہور[2] علماء کے نزدیک اس حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے ارادہ سے سفر نہ کرے، اس لیے کہ یہ تین مساجد تو بہت اہمیت رکھتی ہیں جیسا کہ چھٹی فصل کی حدیث نمبر چھ[۶] میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور مساجد میں کوئی خاص خصوصیت نہیں۔

جُمہور کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس مضمون کی بعض روایات میں خود تصریح[3] موجود ہے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے بجز[4] ان تین مساجد کے''، یہ صاف اور واضح ہے کہ خاص خاص شہروں کی مساجد کی نیت کر کے سفر نہ کیا جائے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں دستور[5] ہے کہ دہلی کی جامع مسجد میں آخری جمعہ پڑھنے کی نیت سے بمبئی، کلکتہ تک سے لوگ آتے ہیں، یہ محض[6] فضول اور لغو[7] ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے علماء اور صلحاء[8]

حل لغات: (۱) حرج۔ (۲) بڑی جماعت۔ (۳) بیان، وضاحت۔ (۴) سوائے، علاوہ۔ (۵) رواج۔ (۶) صرف۔ (۷) بیکار۔ (۸) صالح کی جمع نیک۔

زیارت مدینہ

کی قبروں کی زیارت کے سفر کو ناجائز بتایا، حالاں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے قبروں کی زیارت کو منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں) زیارت کیا کرو۔ اور حدیث مذکورہ بالا مساجد کے بارہ میں وارد ہوئی ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور سب مساجد برابر ہیں، ان میں کوئی ایسی ترجیح[1] نہیں جس کی وجہ سے سفر کیا جائے، اور مزارات کی برکات اور چیز ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا انبیاء کی قبروں کی زیارت کو بھی منع کر دیا جائے گا؟ اور جب اس کو منع نہیں کیا جا سکتا تو اولیاء کی قبریں بھی ایسی ہی ہیں۔ فقط بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اولیاء کی قبروں کے لیے سفر کرنا تو مُختلَف فیہ[2] ہے کہ جائز ہے یا نہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان مساجد کے علاوہ بہت سے سفر بالاتفاق جائز بلکہ بعض واجب ہیں جیسا کہ حج کی نیت سے سفر، جہاد کے لیے سفر، طلبِ علم کے لیے سفر، ہجرت کا سفر، تجارت کے لیے سفر، اس لیے یہ تو بہر حال کہنا ہوگا کہ اس حدیث پاک سے مطلقاً سفر کی ان تین مساجد کے علاوہ مُمانَعت مقصود نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہبِ لدنیہ میں یہ قصہ نقل کیا ہے کہ شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الرحمن بن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کو ساتھ چلے، جب شہر کے قریب پہونچے تو ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا، کہنے لگے کہ میں نے حضرت خلیل اللہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کر لی تاکہ قبر کی زیارت کی نیت نہ رہے۔ زین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ تم نے حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین مساجد کے علاوہ سفر نہ کیا جائے اور تم نے ان تین کے علاوہ چوتھی کی نیت کر لی اور میں نے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی، حضور ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ قبور[3] کی زیارت کیا کرو، اور کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ انبیاء علیہم السلام کے قبور کے علاوہ، لہٰذا میں نے ارشاد کے موافق کیا۔ [زرقانی]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات سے قبرِ اطہر کی زیارت کے لیے سفر ثابت ہے۔

(۱) علامہ سُبکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سفر شام سے حضورِ اقدس ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے عمدہ سندوں سے ثابت ہے، جو متعدد روایات میں مذکور ہے، مِنْ[4] جملہ ان کے یہ ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھے یہاں قیام کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منظور فرما لیا اور انھوں نے وہاں قیام فرمایا، وہیں نکاح کر لیا۔ اس کے بعد ایک دن خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی اور فرمایا ''بلال! یہ کیا جفا[5] ہے؟ کیا میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آیا؟'' یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) فضیلت خصوصیت۔ (۲) جس میں اختلاف ہو۔ (۳) قبر کی جمع۔ (۴) ان میں سے۔ (۵) بے وفائی۔

زیارتِ مدینہ

کی آنکھ کھلی تو نہایت غمگین، خوف زدہ، پریشان تھے۔ فوراً اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور روتے ہوئے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما خبر سن کر تشریف لائے اور بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی فرمائش کی، یہ ان سے مل کر لپٹ گئے اور صاحبزادوں کی تعمیل[1] ارشاد میں اذان کہی، آواز سن کر گھروں سے مرد عورتیں بے قرار روتی ہوئی نکل آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی یاد نے سب ہی کو تڑپا دیا۔ یہاں استدلال[2] اس خواب سے نہیں ہے، بلکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سفر سے ہے۔

(۲) متعدد روایات میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مستقل طور پر شام سے اونٹ سوار قاصد بھیجا کرتے تھے تا کہ قبر اطہر پر ان کا سلام پہونچائیں۔ [شفاء الاسقام]

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے، تو کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے؛ مسلمان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے کی بڑی خوشی ہوئی اور ان سے فرمائش کی کہ میرے ساتھ مدینہ چلیں، تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری ہو، انھوں نے قبول کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

(۴) محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو قبر اطہر پر زیارت کے لیے حاضر ہوا اور حاضری کے بعد وہیں ایک جانب کو بیٹھ گیا، اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار بدوانہ[3] صورت حاضر ہوئے اور آ کر عرض کیا کہ یا خَیرَ الرُّسُل (اے رسولوں کی بہترین ذات) اللہ جَلَّ شانُہٗ نے آپ پر قرآن شریف میں نازل فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝﴾ [سورۂ نساء: ۶۴]

اور اگر یہ لوگ جب انھوں نے اپنے نفس پر ظلم کر لیا تھا، آپ کے پاس آ جاتے اور آ کر اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی مانگتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔" اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور اس میں آپ کی شفاعت کا طالب ہوں، اس کے بعد وہ بدّو[4] رونے لگے اور یہ شعر پڑھے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ ... فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

ترجمہ: "اے بہترین ذات ان سب لوگوں میں جن کی ہڈیاں ہموار[5] زمین میں دفن کی گئیں، کہ ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں بھی عمدگی پھیل گئی"۔

حل لغات: (۱) حکم ماننا۔ (۲) دلیل بنانا۔ (۳) دیہاتیوں جیسی۔ (۴) دیہاتی۔ (۵) برابر جس میں اونچ نیچ نہ ہو۔

زیارت مدینہ

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهٗ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ: ''میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ مقیم[1] ہیں کہ اس میں عفت[2] ہے، اس میں جود[3] ہے، اس میں کرم[4] ہے۔'' اس کے بعد انھوں نے استغفار کی اور چلے گئے۔ عتبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری ذرا آنکھ لگ گئی، تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ، اس بدّو سے کہہ دو کہ میری سفارش سے اللہ جَلّ شانُہٗ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

[ذكره ابن عساكر في تاريخه، وابن الجوزي في مثير العزم، وغيرهما بأسانيدهم، كذا في شفاء الأسقام والمواهب، وذكره الموفّق مختصراً]

اکثر حضرات نے یہی دو شعر نقل کیے ہیں مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناسک میں اس کے بعد دو شعر اور نقل کیے ہیں۔

أَنْتَ الشَّفِيْعُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ عَلَى الصِّرَاطِ إِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

ترجمہ: آپ ایسے سفارشی ہیں جن کی سفارش کے ہم امیدوار ہیں، جس وقت کہ پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

وَصَاحِبَاكَ لَا أَنْسَاهُمَا أَبَدًا مِنِّي السَّلَامُ عَلَيْكُمْ مَا جَرٰى الْقَلَمُ

ترجمہ: اور آپ کے دو ساتھیوں کو تو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا، میری طرف سے تم سب پر سلام ہوتا رہے، جب تک کہ دنیا میں لکھنے کے لیے قلم چلتا رہے، یعنی قیامت تک۔

زیارت مدینہ

حل لغات: (۱) رہنے والے۔ (۲) پاکدامنی۔ (۳) بخشش، سخاوت۔ (۴) احسان۔

نویں فصل: آدابِ زیارت میں

حج کے متعلق جتنے رسائل[1] عربی، فارسی یا اردو میں لکھے گئے ہیں، سب میں روضۂ اطہر پر حاضری اور زیارت کے آداب وفضائل تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ علماء نے اس سے مستقل استدلال[2] اس کی فضیلت اور اِستحباب پر کیا ہے کہ جو شخص بھی احکام حج لکھتا ہے، وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ آدابِ زیارت بھی لکھتا ہے۔

اسحق بن ابراہیم فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے حُجاج کا یہ معمول مُتعارف[3] ہے کہ جو شخص حج کرتا ہے، وہ مدینہ منورہ حاضر ہوتا ہے، تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت سے تبرّک حاصل کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر شریف اور بیٹھنے کی جگہ اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک لگا ہے یا قدم شریف گذرا ہے، وغیرہ وغیرہ اُمور سے برکت حاصل کرے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرحِ شفاء میں لکھتے ہیں: لیکن ان سب میں اصلی نیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی کی ہونا چاہیے، باقی مَشاہِد[4] کی زیارت تبعاً[5] ہونا چاہیے۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حج کے لیے مخلوق جاتی ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اُعذار[6] کی وجہ سے مدینہ طیبہ حاضر نہ ہوتے ہوں۔ اگر ان حضرات کی یہ حاضری روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے نہیں ہے، بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا ہے، تو ان میں سے دسواں بیسواں حصہ مسجدِ اقصیٰ کی زیارت کے لیے بھی تو جایا کر، تا کہ وہ بھی تین مساجد میں سے ایک ہے، اس لیے جن علماء نے اس کو اجماعی[7] مسئلہ لکھا ہے، وہ بے محل[8] نہیں ہے۔ آٹھویں فصل کے شروع میں چاروں ائمہ کی فقہ کی کتابوں کی عبارتیں نقل کی گئیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات اس کے استحباب[9] پر متفق ہیں، بلکہ فقہ حنبلی کی کتاب ''دلیلُ الطَّالِب'' میں قبر شریف کی زیارت کو تو سنت لکھا ہے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کو مستحب لکھا ہے۔ جن حضرات نے حج میں رسائل لکھے ہیں، ان میں زیارت کے آداب اور زیارت کے وقت سلام وغیرہ کے الفاظ بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مختصر طور پر چند آداب اس رسالہ میں بھی لکھے جاتے ہیں، ورنہ اصل تو یہ ہے کہ ع

''محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی''۔

آدابِ حج میں جو مضامین گذر چکے ہیں وہ بھی خاص طور سے ملحوظ[10] رکھے جائیں۔

حل لغات: ① چھوٹی کتابیں۔ ② دلیل لینا۔ ③ جانا پہچانا۔ ④ بابرکت جگہیں۔ ⑤ ضمنی طور پر۔ ⑥ بیماریاں، تکلیفیں۔ ⑦ جس پر سب کا اتفاق ہے۔ ⑧ نامناسب۔ ⑨ مستحب ہونا۔ ⑩ خیال رکھنا۔

① اس میں اختلاف ہے کہ حج کو مقدم کرے یا زیارت کو، اس کے متعلق اس سے پہلی فصل کی حدیث نمبر تین[3] میں بیان گذر چکا ہے۔

② جب زیارت کا ارادہ کرے تو سب سے اوّل چیز یہ ہے کہ اس سفر میں سفر کی نیت کیا ہونا چاہیے؟ بہت سے حضرات نے اُس حدیث کی بناء پر جو اِس سے پہلی فصل کے نمبر بارہ[12] پر گذری ہے، یہ تحریر فرمایا ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کی بھی زیارت کی نیت کرلے، تاکہ[1] اشکال ہی باقی نہ رہے، لیکن شیخ ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس عبدِ ضعیف کے نزدیک نیت کو خالص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے خاص کرنا چاہیے کہ اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام[2] کی زیادتی بھی ہے اور اس حدیث شریف پر عمل بھی ہے، جس میں ''لَا تُعْمِلُهٗ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِيْ'' وارد[3] ہوا ہے کہ ''میری زیارت کے علاوہ کوئی اور کام اس کو نہ ہو''، پھر اگر کبھی مُقدّر نے یاوری[4] کی، تو دوسری مرتبہ میں قبر شریف کے ساتھ مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرلے۔ اس حدیث کا شیخ نے ذکر فرمایا ہے، اس کے ہم معنی دوسری حدیث آٹھویں فصل کے نمبر دو[2] پر گذر چکی۔ قُطبِ عالم حضرت گنگوہی نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ نے بھی اسی کو ترجیح[5] دی ہے، چنانچہ زُبدۃُ المناسک میں تحریر فرمایا ہے کہ غرض جب عزم[6] مدینہ کا ہو، تو بہتر یوں ہے کہ نیت زیارت قبر مُطہّر کی کر کے جاوے، تا[7] مصداق[8] اس حدیث کا ہوجاوے کہ ''جو کوئی محض میری زیارت کو آوے شفاعت اس کی مجھ پر حق ہوگئی''۔ یہ وہی حدیث ہے جو پہلی فصل کی نمبر دو[2] پر گذر چکی۔

③ جب زیارت کی نیت سے سفر کرے، خواہ قبر اطہر کی زیارت کی نیت ہو یا مسجد کی زیارت کی، تو اپنی نیت کو خالص اللہ کی رضا کے واسطے خاص کرے، اس میں کوئی شائبہ[9] ریا کا، تفاخُر[10] کا، شہرت کا، سیر و سیاحت کا یا کسی اور دنیوی غرض کا ہرگز نہ ہونا چاہیے، کہ اس صورت میں نیکی برباد گناہ لازم ہے، اگر محض اس وجہ سے سفر کیا کہ لوگ طعن دیں گے کہ بخل کی وجہ سے مدینہ کا سفر بھی نہ کیا، تو اپنی جان کو بے فائدہ مَشَقّت[11] میں ڈالا اور پیسے ضائع[12] کیے، جیسا کہ پہلی فصل کی حدیث نمبر ایک[1] اور آدابِ حج میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔

④ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ لُباب میں لکھا ہے کہ نیت کے خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض اور سنن نہ چھوٹنے پاویں، ورنہ زیارت سے مشقت اور مالی نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا، بلکہ توبہ اور کفّارہ[13] ذمہ ہوگیا۔ بندۂ ناکارہ کے خیال میں سُنَن کا اس سفر میں خاص اہتمام رکھے، اگرچہ سفر

حل لغات: ① اعتراض۔ ② احترام، عزت۔ ③ آیا ہے۔ ④ ساتھ دینا۔ ⑤ پسند کرنا۔ ⑥ ارادہ کرنا۔ ⑦ تاکہ۔ ⑧ کسی موافق ہونا، مطابق ہونا۔ ⑨ شک وشبہ۔ ⑩ آپس میں فخر کرنا۔ ⑪ مشکل۔ ⑫ برباد۔ ⑬ غلطی کی بھرپائی۔

زیارتِ مدینہ

کی وجہ سے سنتوں میں خِفَّت[1] آجاتی ہے اور سفر میں سنتوں کا وہ حکم نہیں رہتا جو حضَر[2] میں ہے؛ لیکن مدینہ پاک کی حاضری میں حتی الوُسع[3] زیادہ اہتمام مناسب ہے، بلکہ حضور اقدس ﷺ کے معمولات، عاداتِ شریفہ کی تحقیق کر کے ان کے اتباع کی سعی[4] کرے، تو اس سفر کی شان کے زیادہ مناسب ہے۔

⑤ اس سفر میں درود شریف کی خصوصیت سے کثرت رکھے اور نہایت توجہ سے پڑھے، تمام علماء نے اس کی بہت تاکید لکھی ہے کہ اس سفر میں درود شریف کی نہایت کثرت کرے، جتنی کثرت ہوگی اتنا ہی مفید ہوگا، بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو شرحِ لُباب میں یہاں تک لکھا ہے کہ فرائض اور ضروریاتِ مَعاش سے جتنا وقت بچے، وہ سب کا سب درود شریف کے پڑھنے میں خرچ کرے، اس لیے کہ جتنی بھی مقصد میں توجہ تام[5] ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مناسکِ نَوَوِی میں لکھتے ہیں کہ اس راستہ میں درود شریف کی کثرت افضل ہے، تو کیا تلاوت سے بھی افضل ہوگی یا تلاوت اس سے افضل ہوگی؟ یا دونوں برابر؟ تین صورتیں ہوگئیں اور اسی طرح سے ہر وہ جگہ جہاں درود شریف کی کثرت مطلوب ہے، جیسا کہ شبِ[6] جمعہ وغیرہ۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ درود شریف کی کثرت تلاوت کی کثرت سے بھی افضل ہے۔ اس لیے کہ یہ اس وقت ایک وقتی وظیفہ[7] ہے اور علما نے اس کی تصریح[8] کی ہے کہ تلاوت مطلقاً افضل ہے، لیکن جن خصوصی مواقع[9] کے لیے خاص خاص ذکر وارِد[10] ہوئے ہیں، وہاں وہی ذکر افضل ہوں گے۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ حصنِ حصین میں لکھتے ہیں: أَفْضَلُ الذِّكْرِ الْقُرْاٰنُ إِلَّا فِيْمَا شُرِعَ بِغَيْرِهٖ۔ یعنی سب سے افضل ذکر قرآن پاک کی تلاوت ہے، مگر جو جگہ کسی دوسرے ذکر سے مشروع[11] ہو وہاں وہ افضل ہوگا۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: مثلاً رکوع سجدہ تسبیح کے ساتھ مشروع ہے، حتی کہ اس میں اگر تلاوت کی جائے تو مکروہ ہوگی۔

⑥ ذوق شوق پیدا کرے اور جتنا قریب ہوتا جائے شوق واشتیاق[12] میں زیادتی پیدا کرے

وعدۂ وصل چوں شَوَد نزدیک　　آتشِ شوق تیز تر گردد

جب وصل کا وعدہ قریب آتا ہے تو شوق کی آگ اور زیادہ بھڑک جایا کرتی ہے، کبھی کبھی اس ذوق کو پیدا کرنے کے واسطے نعتیہ[13] اشعار بھی پڑھ لیا کرے، حضور ﷺ کی سیرت کی کوئی کتاب ساتھ ہو یا مل جائے، تو اس کو پڑھ لیا کرے، یا سن لیا کرے، آپس کی مجلسوں میں بھی حضور ﷺ ہی کے حالات کا تذکرہ رہا کرے اور جو دن مدینہ پاک کے قُرب[14] کا آتا جائے اس میں خوشی اور اشتیاق بڑھتا جائے۔

حل لغات: ① ہلکاپن۔ ② سفر کی ضد، اپنے مقام پر رہنا۔ ③ جہاں تک ہو سکے۔ ④ کوشش۔ ⑤ پوری، مکمل۔ ⑥ جمعہ کی رات۔ ⑦ ذکر۔ ⑧ بیان۔ ⑨ جگہوں، مقامات۔ ⑩ آیا ہے۔ ⑪ جائز کیا ہوا۔ ⑫ شوق۔ ⑬ نعت کے شعر۔ ⑭ نزدیکی۔

زیارت مدینہ

⑦ راستہ میں جو مسجدیں یا مواقع ایسے آئیں، جن میں حضور اقدس ﷺ یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام یا نماز پڑھنا معلوم ہو، ان کی زیارت کرتا جائے اور وہاں نوافل پڑھے یا ذکر وتلاوت وغیرہ کرے، اسی طرح جو کنویں راستہ میں ایسے آئیں، ان کا پانی برکت کے حصول کی نیت سے پیے، ان میں سے بعض کا بیان دسویں فصل میں آئے گا اور ان کے علاوہ دوسرے رسائل[1] سے تلاش کرے۔ مُعلِّمُ الحُجَّاج اور زیارت الحرمین جن کا شروع میں ذکر آچکا ہے، ان میں بھی بہت سے مواقع ذکر کیے گئے ہیں، ان کو غور سے پڑھے اور مواقع کی تحقیق کرے، ان سب میں ''مُعرَّس'' جو ذوالحلیفہ کے قریب ہے، وہاں نماز پڑھنا زیادہ اہم ہے، کہ شافعیہ اس کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں اور بعض علماء سے اس کا واجب ہونا نقل کیا گیا۔ [شرح مناسک نووی]

⑧ جب مدینہ طیبہ قریب آجائے تو بہت زیادہ ذوق وشوق میں غرق[2] ہوجائے، کثرت سے درود شریف بار بار پڑھے، اگر سواری پر ہو تو اس کو تیز چلانے کی کوشش کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ قریب ہوتا تو اپنی سواری کو تیز چلاتے۔

وَأَبْرَحُ مَا يَكُوْنُ الشَّوْقُ يَوْمًا إِذَا دَنَتِ الْخِيَامُ إِلَى الْخِيَامِ

ترجمہ: سب سے بڑھا ہوا شوق اس دن ہوتا ہے جب عُشّاق کے خیمے معشوق کے خیمہ کے قریب ہوجائیں۔

⑨ جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑ جائے اور اس کے مُعطَّر[3] باغ نظر آنے لگیں، جو بیرِ علی[4] رضی اللہ عنہ کے بعد سے نظر آنے لگتے ہیں، تو بہتر یہ ہے کہ سواری سے نیچے اتر جائے اور روتا ہوا ننگے پاؤں چلے۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ لَنَا فُؤَادًا لِّعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً لِمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

ترجمہ: جب ہم نے اس محبوب کے شہر کے نشانات دیکھے، جس نے نشانات کے پہچاننے کے واسطے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا، نہ عقل چھوڑی، تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس کے اکرام میں پیدل چلنے لگے، اس لیے کہ اس کی شان سے یہ بہت بعید[5] بات تھی کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں۔

پہلے اُمراء[6]، وزراء[7] کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ذُوالحلیفہ سے جو تقریباً چھ میل ہے، پیدل چلنے لگتے تھے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ پاؤں کے بجائے سر کے بل بھی چلے تو اس جگہ کے حق کا کوئی حصہ بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

حل لغات: ① چھوٹی کتابیں۔ ② ڈوبنا۔ ③ خوشبودار۔ ④ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کنواں۔ ⑤ دور۔ ⑥ امیر کی جمع۔ ⑦ وزیر کی جمع۔

زیارتِ مدینہ

لَوْجِئْتُكُمْ قَاصِدًا أَسْعٰى عَلٰى بَصَرِيْ　　　لَمْ أَقْضِ حَقًّا وَأَيُّ الْحَقِّ أَدَّيْتُ

ترجمہ: اگر میں تمہاری خدمت میں پاؤں کے بجائے آنکھوں سے چل کر آتا، تب بھی میں حق ادا نہ کرسکتا تھا اور میں نے آقا تمہارا اور ہی کون سا حق ادا کیا جو یہی ادا کرتا۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا مِنْ رُبُوْعِ حَبِيْبِنَا　　　بِطَيْبَةَ أَعْلَامًا أَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّا

وَبِالتُّرْبِ مِنْهَا إِذْ كَحَلْنَا جُفُوْنَنَا　　　شُفِيْنَا فَلَا بَأْسًا نَخَافُ وَلَا كَرْبًا

ترجمہ: جب مدینہ پاک میں محبوب کی منزل کے آثار[1] نظر آنے لگے، تو انہوں نے محبت کو بھڑکا دیا اور جب وہاں کی مٹی کو آنکھوں کا سُرمہ بنایا، تو ساری بیماریوں سے شفا ہوگئی کہ اب نہ کسی قسم کا مرض ہے نہ تکلیف۔

(۱۰) جب فصیل[2] مدینہ آجائے تو درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِّنَ النَّارِ وَ أَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ" "اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم آگیا، اس کو تو میرے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنادے"۔

اس کے بعد اس پاک شہر کی خیر و برکت حاصل ہونے کی دعا کرے اور اس کے آداب بجالانے[3] کی توفیق کی دعا کرے اور کسی نامناسب حرکت میں ابتلاء[4] سے بچنے کی دعا کرے اور خوب دعائیں کرے۔

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور پہلے میسّر[5] نہ ہو، تو داخل ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کرلے اور غسل نہ ہوسکے تو وضو کم از کم ضرور کرلے، لیکن اَولیٰ[6] غسل ہی ہے کہ جتنی نظافت[7] اور طہارت زائد ہوگی، اتنا ہی اَولیٰ ہے، اس کے بعد بہترین لباس پہنے اور خوشبو لگائے، جیسا کہ عیدین یا جمعہ کے لیے کرتا ہو، مگر تواضع[8] اور انکسار ملحوظ[9] رہے، تفاخر[10] پاس نہ آئے۔

قبیلہ عبدالقیس کا وفد[11] جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے دیکھ کر سب لوگ شوق واضطراب[12] میں اونٹوں سے کود پڑے اور اونٹ چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ[13] میں دوڑ پڑے، لیکن اس وفد کے رئیس[14] مُنذِر بن عائذ رضی اللہ عنہ جن کو اَشج عبدالقیس سے تعبیر[15] کرتے ہیں، وہ اونٹوں کے ساتھ جائے قیام[16] پر پہونچے اور اپنا اور سب ساتھیوں کا سامان جمع کیا اور احتیاط سے رکھا،

حل لغات: (۱) نشانات۔ (۲) شہر کی حفاظت کی دیوار۔ (۳) پورا کرنے، ادا کرنے۔ (۴) مبتلا ہونا۔ (۵) مہیا، ملنا۔ (۶) بہتر، اچھا۔ (۷) پاکیزگی، صفائی۔ (۸) خود کو چھوٹا اور کمتر سمجھنا۔ (۹) خیال رکھنا۔ (۱۰) گھمنڈ۔ (۱۱) بادشاہ سے ملاقات کرنے والا گروہ۔ (۱۲) بیقراری۔ (۱۳) دربار۔ (۱۴) سردار۔ (۱۵) جانتے ہیں۔ (۱۶) ٹھہرنے کی جگہ۔

اس کے بعد غسل کیا، نئے کپڑے پہنے اور آہستہ آہستہ وقار[1] کے ساتھ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، اوّل دو رکعت تَحِیَّۃُ المسجد پڑھی اور دعا کی، پھر حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے ان کی اس ادا کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں[2] ایسی ہیں جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کو پسند ہیں: ایک حِلم یعنی بردباری[3]، دوسرے وقار۔ [مظاہر]

(۱۲) بعض علماء نے اس وقت کچھ صدقہ کرنا بھی آداب میں لکھا ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کچھ صدقہ کردے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ کچھ صدقہ کرے، چاہے قلیل[4] ہی کیوں نہ ہو، اور اس کا اہل مدینہ پر صَرف[5] کرنا اَولیٰ[6] اور بہتر ہے، یعنی ان لوگوں پر جو خاص مدینہ کے باشندے ہیں؛ البتہ اگر غیر مدنی زیادہ محتاج ہوں تو وہ مُقدَّم[7] ہیں، بندہ کے خیال میں اس وقت کی خصوصیت غالباً اس آیت شریفہ کی وجہ سے ہے جو سورۂ مجادلہ میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ [سورۂ مجادلہ: ۱۲] ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ (ﷺ) سے سرگوشی[8] کیا کرو تو اس سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو، یہ تمہارے لیے (ثواب حاصل ہونے کے لیے) بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا ذریعہ ہے، اگر تم میں صدقہ دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ جلَّ شانُہٗ غفور رحیم ہے۔

یہ حکم ابتداءً[9] واجب تھا، اس کے بعد کی آیت سے منسوخ[10] ہو گیا، حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صدقہ والی آیت پر سب سے پہلے میں نے عمل کیا، جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو میرے پاس ایک دینار (اشرفی) تھا، اس کو میں نے بُھنا[11] کر درم بنا لیے، جب حضور ﷺ سے گفتگو کرتا تو ایک درم پہلے صدقہ کر دیتا، اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۱۳) جب شہر میں داخل ہو تو اس وقت کی خصوصی دعائیں پڑھتا ہوا نہایت خشوع خضوع سے داخل ہو، اب تک کی عدمِ[12] حاضری کا قلق[13] ہو، دنیا میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج ہو، آخرت میں زیارت نصیب ہونے کی آرزو اور تمنا ہو اور اس کا خوف ہو کہ نہ معلوم مقدر ہے یا نہیں اور جیسا کہ کسی بڑے سے بڑے دربار میں حاضری کے وقت رعب وجلال کا اثر ہو، وہی منظر یہاں ہو، حضور اقدس ﷺ کی عظمت اور قدر[14] و منزلت ملحوظ[15] ہو، درود شریف لگاتار زبان پر جاری ہو۔ [لباب]

حل لغات: (۱) سنجیدگی۔ (۲) عادتیں۔ (۳) نرم مزاجی۔ (۴) تھوڑی، کم۔ (۵) خرچ کرنا۔ (۶) بہتر۔ (۷) پہلے۔ (۸) کانا پھوسی۔ (۹) شروع میں۔ (۱۰) ختم۔ (۱۱) بڑی رقم کو چھوٹی رقموں میں کرنا۔ (۱۲) حاضر نہ ہونا۔ (۱۳) افسوس۔ (۱۴) شان وشوکت۔ (۱۵) خیال رکھنا۔

(۱۴) جب قُبّۂ خضراء[۱] پر نظر پڑے تو عظمت و ہیبت اور حضور ﷺ کی عُلوِّ شان[۲] کا اِستحضار[۳] کرے اور یہ سوچے کہ اس پاک قُبّہ میں وہ ذات اقدس ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہے، انبیاء علیہم السلام کی سردار ہے، فرشتوں سے افضل ہے، قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے، جو حصہ حضور ﷺ کے بدن مبارک سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے، عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے؛ حتی کہ آسمان و زمین کی ہر جگہ سے افضل ہے۔ [لباب]

(۱۵) شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہو، اگر مستورات کی یا سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے، ورنہ سب علماء نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونا افضل ہے، حضور اقدس ﷺ کا عام معمول بھی احادیث میں یہی آیا ہے کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے، تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے۔

(۱۶) عورتوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ اگر شہر میں دن کو داخل ہونے کی نوبت آوے تو وہ رات تک انتظار کریں اور رات کے وقت مسجد میں حاضر ہوں؛ اس لیے کہ ان کے لیے ہر وہ چیز مقدم ہے، جو پردہ میں مُعین[۴] ہو۔

(۱۷) مسجد میں داخلہ کے وقت اس جگہ کے آداب کی رعایت رکھے کہ دایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھے پھر بایاں پاؤں رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعائیں پڑھے اور اعتکاف کی نیت کرے، اگر ہر مسجد میں ہمیشہ داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کرلیا کرے، تو مفت کا ثواب ہے، اس لیے مناسب ہے کہ جب کسی مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے۔

(۱۸) بہتر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں بابِ جبرئیل[۵] سے داخل ہو، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول اس دروازہ سے داخل ہونے کا تھا، جس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اَزواجِ مُطہّرات کے حُجرے[۶] اسی جانب زیادہ تھے۔ [شرح مناسک نووی] لیکن اس دروازہ سے داخل ہونا ضروری نہیں، جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ [شرح لباب]

(۱۹) مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع خضوع، عجز[۷] و انکسار میں بہت اہتمام کرے، وہاں کی زیب و زینت، فرش[۸] فروش، جھاڑ[۹]، فانوس[۱۰]، قالین، قُمقموں[۱۱] میں نہ لگ جائے، نہ اُن چیزوں کی طرف التفات[۱۲] کرے، نہایت ادب اور وقار[۱۳] سے نیچی نظر کیے ہوئے نہایت ہی ادب اور احترام سے جائے، بے ادبی

حل لغات: (۱) ہرا گنبد۔ (۲) شان کی بلندی۔ (۳) یاد۔ (۴) **مددگار**۔ (۵) دروازہ۔ (۶) کمرے، گھر۔ (۷) تواضع۔ (۸) بچھانے کی چیزیں۔ (۹) شیشے کا برتن جس میں لائٹ یا بتی ہو۔ (۱۰) ایک قسم کی بڑی قندیل یعنی شیشے کا برتن جس میں لائٹ یا بتی ہو۔ (۱۱) بلب۔ (۱۲) متوجہ ہونا۔ (۱۳) سنجیدگی۔

اور لااُبالی[1] پن کی کوئی حرکت نہ کرے، بڑے اونچے دربار میں پہونچ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت حرمان[2] وخُسران[3] کا سبب بن جائے۔

(۲۰) مسجد میں جانے کے بعد سب سے پہلے رَوضۂ مُقدَّسہ میں جائے، یہ جگہ وہ حصہ ہے جو منبر شریف اور قُبۂ شریف کے درمیان میں ہے، اس کو ''روضہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''۔ روضہ باغ کو کہتے ہیں۔ آئندہ فصل میں یہ حدیث آرہی ہے۔ اگر باب جبرئیل سے مسجد میں داخل ہونے کی نوبت آتی ہے تو بہتر یہ ہے کہ حجرہ شریف کے پیچھے سے روضہ میں جائے، تاکہ حجرہ کے سامنے سے گذرنے کی صورت میں بغیر سلام کیے آگے بڑھنا نہ پڑے۔

(۲۱) رَوضۂ مُقدَّسہ میں پہونچ کر اوّل تَحِیّۃُ المسجد پڑھے، مسجد میں حاضری کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد کا پڑھنا اَولیٰ ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کا حق ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر مقدم ہے، نمبر گیارہ میں اَشَجّ عبدالقیس رضی اللہ عنہ کے قصہ میں گذر چکا ہے کہ انہوں نے اوّل تَحِیّۃُ المسجد پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفر سے آیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تحیۃ المسجد پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا: جاؤ پہلے تحیۃ المسجد پڑھ کر بعد میں میرے پاس آنا۔ [شرح مناسک نووی]

(۲۲) تحیۃ المسجد کی ان دو رکعتوں میں ''قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ'' یا اور ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ'' پڑھنا اولیٰ ہے، اس لیے کہ پہلی سورت میں شرک سے نفی اور انکار ہے اور دوسری سورت میں اللہ کی وحدانیت اور ذات وصفات کا اقرار ہے۔

(۲۳) علماء نے لکھا ہے کہ روضہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ، برکت کی نیت سے کھڑا ہونا اَولیٰ ہے، اس جگہ کی تعیین[5] زُبدَہ میں اس طرح کی ہے کہ منبر داہنے مونڈھے[6] کی سیدھ پر رہے اور وہ ستون[7] جس کے سامنے صندوق[8] ہے سامنے رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ ستون جس کے پاس صندوق ہے، منہ کے سامنے ہو اور وہ دائرہ جو مسجد کی قبلہ کی دیوار میں ہے سامنے رہے، لیکن ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ مناسک میں لکھا ہے کہ اب وہاں صندوق نہیں رہا وہ جل گیا، اب اس کی جگہ ایک محراب بنادی گئی ہے، یہی وہ جگہ ہے جس کو ''محراب النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کہتے ہیں، سب اکابر علماء نے اس جگہ قیام کو اَولیٰ بتایا ہے، اس لیے اس بابرکت جگہ کا اہتمام کرنا چاہیے، لیکن

حل لغات: (۱) بے توجہی۔ (۲) محرومی۔ (۳) نقصان۔ (۴) بہتر، اچھا۔ (۵) نشاندہی۔ (۶) کندھے۔ (۷) کھنبا۔ (۸) بڑا بکس۔

زیارت مدینہ

اس ناپاک کو مدینہ طیبہ کے ایک سالہ قیام میں ایک مرتبہ بھی یہاں کھڑے ہونے کی جرأت[1] اور ہمّت نہ ہوئی، اگر یہ جگہ کسی وجہ سے میسّر نہ ہوسکے، تو پھر سارے روضہ میں کسی جگہ تَحِیَّۃُ المسجد پڑھے۔

(۲۴) تَحِیَّۃُ المسجد سے فارغ ہونے کے بعد اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرے کہ اس نے یہ نعمت[2] جلیلہ عطا فرمائی اور اس پاک ذات سے حج وزیارت کی قبولیت کی دعا کرے اور چاہے سجدۂ شکر کرے، چاہے دو رکعت شکرانہ پڑھے، بہت سے علماء نے اس وقت سجدۂ شکر کرنے کو لکھا ہے، یہاں یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ حنفیّہ کے نزدیک مشہور قول کے موافق شکرانہ کا محض[3] سجدہ مشروع[4] نہیں، بلکہ جہاں شکر کا سجدہ وارد[5] ہوا ہے، ان کی تحقیق کے موافق وہاں شکرانہ کی نفلیں مراد ہیں، لیکن اس جگہ پر حنفیّہ نے سجدۂ شکر کا جواز[6] لکھا ہے جیسا کہ شرح لُباب میں تصریح ہے۔ اور اس کے بالمقابل شافعیّہ کی تحقیق کے موافق سجدۂ شکر بغیر نفلوں کے بھی مشروع ہے؛ لیکن اس جگہ وہ سجدۂ شکر کے قائل نہیں، جیسا کہ شرحِ مناسک نووی میں ابن حجر رَحمۃُ اللہ علَیہ نے تصریح[7] کی ہے۔

(۲۵) اگر مسجد میں داخل ہونے کے وقت فرض نماز کھڑی ہونے کو ہو تو اس وقت تحیّۃُ المسجد نہ پڑھے، بلکہ فرض نماز میں شرکت کرے، اسی میں تحیّۃُ المسجد کی بھی نیت کرلے، تو تحیّۃُ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا، اسی طرح اگر ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوا، جبکہ نفلیں مکروہ ہیں، جیسا کہ عصر کے بعد تو اس وقت بھی تحیّۃُ المسجد نہ پڑھے۔

(۲۶) نماز سے فراغت کے بعد قبر شریف کی طرف چلے، اس حال میں کہ دل کو سب کُدُورات[8] اور آلائشوں[9] سے پاک رکھے اور ہمہ تن[10] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف پوری توجّہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس قلب میں دنیا کی گندگیاں اور لہو ولعب[11]، شہوتیں[12] اور خواہشیں بھر رہی ہوں، اس دل پر وہاں کی برکات[13] کا کچھ اثر نہیں ہوتا، بلکہ ایسے دل والوں پر جو دنیا پر پڑے رہیں اور آخرت سے اور اس کے فکر سے بے تعلّق ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصّہ اور اعراض[14] کا اندیشہ[15] ہے، اللہ ہی اپنے فضل سے اس سے پناہ دے، لہٰذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے جہاں تک ممکن ہو اس وقت اپنے دل کو دنیوی خرافات[16] سے خالی رکھنے کی کوشش کرے اور اللہ کی رحمت کی وسعت، عفو وکرم کے کمال کی اُمید رکھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین پر نظر رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلہ سے اللہ سے معافی کا طالب بن کر حاضر ہو۔ [شرح لباب]

حل لغات: (۱) بہادری، دلیر۔ (۲) بڑی اور عظم نعمت۔ (۳) صرف۔ (۴) شریعت۔ (۵) آیا۔ (۶) جائز ہونا۔ (۷) بیان کرنا۔ (۸) رنجشوں۔ (۹) میل کچیل۔ (۱۰) بالکل، مکمل طور سے۔ (۱۱) کھیل کود۔ (۱۲) برے جذبات۔ (۱۳) برکت کی جمع۔ (۱۴) منہ پھیرنا۔ (۱۵) ڈر۔ (۱۶) بیکار چیزیں۔

(۲۷) جب کسی قبر پر حاضری ہو تو میّت کے پاؤں کی طرف سے جائے، تاکہ میّت کو اگر حق تعالیٰ شانہٗ آنے والے کا کشف[۱] عطا فرمائے تو دیکھنے میں سہولت رہے، اس لیے کہ جب میّت قبر میں دائیں کروٹ لیٹی ہے تو اس کی نظر قدموں کی طرف ہوتی ہے، اگر کوئی سرہانے کی جانب سے آئے تو میّت کو دیکھنے میں تعَب[۲] اور مُشَقَّت[۳] ہوتی ہے۔ [فتح القدیر] اسی ضابطہ کے موافق اس جگہ بھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ قدم مبارک کی جانب سے حاضر ہو، جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ مَناسک میں نقل کیا ہے۔ مَواہب میں لکھا ہے کہ زائر[۴] کے لیے مناسب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب سے ہوکر مُواجَہ شریف پر حاضر ہو، لیکن اگر پاؤں کی طرف سے حاضر ہو تو یہ ادب کے لحاظ[۵] سے اولیٰ ہے، مگر بعض علماء نے عام ضابطہ کے خلاف اس جگہ پر سرہانے سے حاضری کو ترجیح[۶] دی ہے، اس وجہ سے کہ تحیۃ المسجد روضہ میں پڑھی گئی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سرہانے ہے، اس صورت میں اگر وہاں سے چل کر پاؤں کی طرف آئے گا، تو صورت قبر مبارک کے طواف کی سی بن جائے گی اور قبر کا طواف[۷] بالکل جائز نہیں؛ اس لیے اس کی صورت سے بچنے کی رعایت[۸] سے اس جگہ سرہانے سے حاضری کو گوارا کیا گیا، ورنہ عام ادب ہر قبر پر حاضری کا یہی ہے کہ پاؤں کی طرف سے حاضر ہو۔

(۲۸) جب مُواجَہ[۹] شریف پر حاضر ہو تو سرہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے، اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت[۱۰] قبلہ کی طرف کرے اور بائیں طرف کو ذرا مائل[۱۱] ہو، تاکہ چہرۂ[۱۲] انور کے بالکل سامنے ہو جائے۔ [زُبدَہ] صاحبِ اِتحاف کہتے ہیں کہ یہ ستون اب پیتل کی دیوار کے اندر آ گیا۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چاندی کی کِیل جو اس دیوار میں ہے اس کے مقابل کھڑا ہو۔ [شرح لباب] لیکن اب تین جھَروکے[۱۳] کے سامنے کی پیتل کی دیوار میں کر دیے گئے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کا سامنا ہوتا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چاندی کی میخ[۱۴] جس پر سونے کا جھول[۱۵] ہے، وہ چہرۂ انور کی مُحاذات[۱۶] میں ہے۔

(۲۹) دیوار سے تین چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو، زیادہ قریب نہ ہو کہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رہنا چاہیے، اِدھر اُدھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے، ہاتھ پاؤں بھی ساکن اور وقار سے رہیں، یہ خیال کرے کہ چہرۂ انور اس وقت میرے سامنے ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حاضری کی اطلاع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عُلوِّ[۱۷] شان اور عُلوِّ مرتبت کا استحضار پوری طرح سے دل میں ہو۔ ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ مدخل

حل لغات: (۱) اظہار۔ (۲) محنت، تکلیف۔ (۳) مشکل۔ (۴) زیارت کرنے والا۔ (۵) اعتبار۔ (۶) فوقیت، بڑھاوا۔ (۷) چکر لگانا۔ (۸) خیال رکھنا۔ (۹) روضہ اقدس کے سامنے ہونے کی جگہ مراد۔ (۱۰) پیٹھ۔ (۱۱) متوجہ۔ (۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک۔ (۱۳) چھوٹی کھڑکی۔ (۱۴) کیل۔ (۱۵) خول۔ (۱۶) سامنے۔ (۱۷) شان کی بلندی۔

میں لکھتے ہیں کہ جتنے بھی تواضع[1] اور آداب اس وقت کی حاضری کے لکھے جاتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ تواضع اور عجز وانکسار ہونا چاہیے، اس لیے کہ آپ کی ذات ایسی شفیع[2] ہے جس کی شفاعت مقبول ہے، جس نے آپ کے در[3] کا ارادہ کیا وہ مراد کو پہونچا اور جو آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہو گیا وہ نامراد نہیں رہا، جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی وہ قبول ہوئی اور جو مانگا وہ ملا، تجربہ اور واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، اس لیے جتنا زیادہ ادب ہو سکے دریغ[4] نہ کرے اور یہ سمجھے: گویا میں زندگی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوں، اس لیے کہ امّت کے حالات کے مُشاہدہ[5] میں اور ان کے ارادہ اور قصد[6] کے ظہور میں اس وقت آپ کی حیات اور مَمات[7] میں کوئی فرق نہیں۔ [مدخل اوّل]

(۳۰) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے، مناسک کے رسائل[8] میں سلام کے الفاظ بہت سے نقل کیے گئے ہیں، اس میں سلف[9] کا معمول مختلف رہا ہے، بعض اکابر مختلف عنوان اور مختلف الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے اور ذوق وشوق کا تقاضا یہی ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں — واں ایک خامشی تیری سب کے جواب میں[10]

اور بعض حضرات نہایت مختصر الفاظ میں سلام پڑھتے تھے، ادب اور ہیبت[11] کا تقاضہ یہی ہے

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو — ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مُلاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اکابر جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ پر اکتفا کرتے تھے اور بعض حضرات طویل سلام کو اختیار کرتے تھے اور احادیث میں مختلف الفاظ اور مختلف عنوانوں سے درود شریف وارد ہونے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے ''زُبدہ'' میں سلام کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سلام میں جس قدر چاہے الفاظ زیادہ کرے، مگر ادب اور عجز[12] کے کلمات ہوں، لیکن سلف یہاں مختصر الفاظ کہنے کو پسند کرتے ہیں اور جہاں تک بھی اختصار[13] ہو سکے مُستحسَن[14] رکھتے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مَناسِک میں سلام کے طویل الفاظ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے غایتِ[15] اختصار نقل کیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو اتنا ہی کہتے تھے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ۔ اس ناکارہ کے ناقص خیال میں جو شخص سلام کے الفاظ کا ترجمہ اور مطلب سمجھتا ہو اور ان الفاظ کے بڑھانے سے ذوق میں اضافہ ہوتا ہو، اس کو تو

حل لغات: (۱) انکساری، عاجزی۔ (۲) شفاعت والے۔ (۳) دروازہ۔ (۴) کوتاہی۔ (۵) معائنہ۔ (۶) ارادہ۔ (۷) موت۔ (۸) چھوٹی کتابوں۔ (۹) بزرگوں۔ (۱۰) یہاں لاکھوں باتیں زبان پر بے چینی سے آرہے ہی اور ان کے جواب میں تیری ایک خاموشی ہے۔ (۱۱) رعب۔ (۱۲) عاجزی۔ (۱۳) مختصر۔ (۱۴) پسندیدہ۔ (۱۵) بہت مختصر، انتہائی کمی۔

تَطْوِیْل[1] مناسب ہے؛ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو طوطے کی طرح سے مُزَوِّرِین[2] کے الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ انتہائی ذوق وشوق اور غایت سکون اور وقار سے آہستہ آہستہ ٹھیرا ٹھیرا کر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ پڑھتا رہے اور جب تک شوق میں اضافہ پاوے، انہی الفاظ کو یا اور کسی سلام کو بار بار پڑھتا رہے۔ اس سے پہلی فصل کے دسؔ پر صَلَّی اللهُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ، ستّرؔ مرتبہ پڑھنا گذرا ہے وہ بھی بہتر ہے، مگر سکون اور وقار اور ذوق شوق سے پڑھے۔

(۳۱) یہ نہایت اہم اور ضروری بات ہے کہ سلام پڑھتے وقت شور وشَغَب ہرگز نہ کرے، نہ زور سے چلّائے بلکہ اتنی آواز سے کہے کہ اندر تک پہونچ جائے۔ ملّا علی قاری رَحمۃُ اللہِ علَیْہ نے لکھا ہے کہ نہ تو زیادہ جَہْر[3] ہو اور نہ بالکل اِخفاء[4] ہو، بلکہ مُتوسِّط[5] اور مُعتدِل[6] آواز حضورِ قلب[7] اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے شرم وحیا لیے ہوئے ہو۔ بخاری شریف میں ایک قصّہ لکھا ہے: حضرت سائب رضِیَ اللہُ عنْہُ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا، ایک شخص نے میرے ایک کنکری ماری، میں نے ادھر دیکھا تو وہ حضرت عمر رضِیَ اللہُ عنْہُ تھے، انہوں نے مجھے (اشارہ سے بلا کر) کہا کہ یہ دو آدمی جو بول رہے ہیں، اُن کو بلا کر لاؤ، میں ان دونوں کو حضرت عمر رضِیَ اللہُ عنْہُ کے پاس لایا، حضرت عمر رضِیَ اللہُ عنْہُ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے رہنے والے ہیں، حضرت عمر رضِیَ اللہُ عنْہُ نے فرمایا ''اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تمھیں مزہ چکھاتا، تم حضورِ اقدس صلّی اللہُ علَیْہِ وسلّم کی مسجد میں چلّا کر بول رہے ہو''۔

محمد بن مَسلَمہ رضِیَ اللہُ عنْہُ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو بھی یہ نہیں چاہیے کہ مسجد میں زور سے بولے۔ [شرح شفا]
حضرت عمر رضِیَ اللہُ عنْہُ کے اس قصّہ میں بعض روایات میں حضرت عمر رضِیَ اللہُ عنْہُ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ایسے کوڑے مارتا کہ بدن درد کرنے لگتا۔ اب گویا اجنبی دوسرے شہر کے ہونے کی وجہ سے مسئلہ سے ناواقفیت[8] کو عذر قرار دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضِیَ اللہُ عنْہا جب کہیں قریب کِیل میخ وغیرہ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو آدمی بھیج کر ان کو روکتیں کہ زور سے نہ ٹھوکیں، حضور صلّی اللہُ علَیْہِ وسلّم کی تکلیف کا لحاظ رکھیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللهُ وَجْہَہٗ کو اپنے مکان کے کواڑ بنوانے کی ضرورت پیش آئی، تو بنانے والوں کو فرمایا کہ شہر کے باہر بَقیع میں بنا کر لائیں، ان کے بنانے کی آواز کا شور حضور صلّی اللہُ علَیْہِ وسلّم تک نہ پہونچے۔ علّامہ قَسطَلانی رَحمۃُ اللہِ علَیْہ مواہب میں لکھتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلّی اللہُ علَیْہِ وسلّم کے ساتھ ادب کا وہی معاملہ ہونا چاہیے جو زندگی میں تھا، اس لیے کہ حضور صلّی اللہُ علَیْہِ وسلّم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ [شرح مواہب]

حق تعالیٰ سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّسَ نے قرآن پاک میں سورۂ حجرات میں خصوصیت سے اس طرف تنبیہ

حل لغات: (۱) لمبا کرنا۔ (۲) زیارت کرانے والے۔ (۳) اونچی آواز۔ (۴) بغیر آواز کے۔ (۵) درمیانہ۔ (۶) نہ کم نہ زیادہ۔ (۷) دل حاضر کر کے۔ (۸) نہ جاننا۔

زیارتِ مدینہ

فرمائی ہے، ارشادِ والا ہے: ﴿یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ﴾ الاٰیۃ۔ [سورۂ حجرات:۲]

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ آپ سے ایسے زور سے گفتگو کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں (ایسا نہ ہو کہ اس حرکت سے) تمہارے (پہلے کیے ہوئے نیک) عمل برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو''۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضراتِ شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی مشورہ کی گفتگو میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھی، اختلافِ رائے کی وجہ سے تیز گفتگو ہو گئی تھی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما پر یہ عتاب[1] ہے تو ہم تم کس شمار[2] میں ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ایسی ہوتی کہ بعض اوقات مکرّر[3] پوچھنا پڑتا کہ کیا کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو اب سے آپ سے اس طرح گفتگو کروں گا جیسا کہ کوئی راز کی بات کرتا ہو۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جَهُوْرِیُّ[4] الصَّوت تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس رنج وغم میں کہ میں تو ہمیشہ ہی زور سے بولتا ہوں میں تو بس جہنّمی ہو گیا، گھر سے نہ نکلتے تھے۔ کئی دن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تو واقعہ معلوم ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلّی فرمائی اور ان کو جنّتی ہونے کی بشارت[5] دی۔ [درمنثور] ایسی حالت میں جو لوگ وہاں شور برپا کرتے ہیں، ان کو ڈرنا چاہیے اور بہت احتیاط لازم ہے۔

(۳۲) سلام کے بعد اللہ جلّ شانہٗ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرے۔ بعض علماء نے توسّل[6] کو منع فرمایا ہے، لیکن جمہور علماء اس کے جواز[7] کے قائل ہیں۔ ''مُغنی''، جو فقہ حنابلہ میں مشہور معروف ہے، اس میں الفاظِ سلام میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" وَقَدْ أَتَيْتُكَ مُسْتَغْفِرًا مِّنْ ذُنُوْبِيْ مُسْتَشْفِعًا بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فَأَسْئَلُكَ يَارَبِّ أَنْ تُوْجِبَ لِيَ الْمَغْفِرَةَ كَمَا أَوْجَبْتَهَا لِمَنْ أَتَاهُ فِيْ حَيَاتِهٖ إلخ۔ ترجمہ: ''اے اللہ! تیرا پاک ارشاد ہے اور تیرا ارشاد حق ہے اور وہ یہ ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا آخر آیت تک'' اب میں آپ کے پاس آیا ہوں اور اپنے گناہوں سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ سے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت چاہتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تُو میری مغفرت کو واجب کر دے جیسا کہ تُو نے اس شخص کی مغفرت کو واجب کیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی زندگی میں حاضر ہوا ہو''۔

حل لغات: (۱) ناراضگی، غصہ۔ (۲) گنتی۔ (۳) باربار۔ (۴) بلند آواز۔ (۵) خوشخبری۔ (۶) وسیلہ لگانا۔ (۷) جائز ہونے۔

یہی الفاظ شرحِ کبیر میں بھی نقل کیے گئے۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں میں عَتبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قصّہ بھی نقل کیا گیا جو اس سے پہلی فصل کے آخر میں گذرا اور اس میں آیت شریفہ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا﴾ الآیۃ کا ترجمہ بھی گذر چکا ہے۔ خلفائے عبّاسیہ میں سے منصور عباسی نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ دعا کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ کروں یا قبلہ کی طرف، تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منہ ہٹانے کا کیا محل(۱) ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرا بھی وسیلہ ہیں اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہو، اللہ جلّ شانُہٗ ان کی شفاعت قبول کرے۔ علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے کہ اس قصہ کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے معتبر اساتذہ سے نقل کیا ہے، اس کا انکار کرنا جرأت ہے۔ [شرح مواہب]

علّامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں لکھا ہے کہ زائرین(۲) کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دعائیں مانگیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ایسی ہی ہے کہ جب ان کے ذریعہ سے شفاعت چاہی جائے تو حق تعالیٰ شانُہٗ قبول فرمائیں۔ علّامہ زُرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ علّامہ خلیل (مالکی رحمۃ اللہ علیہ) کی مناسک میں بھی یہی مضمون لکھا ہے۔

ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے اور اس سے حضرت قُدِّسَ سرُّہٗ نے زُبدہ میں نقل کیا ہے کہ سلام کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور یہ الفاظ کہے:

یَارَسُوْلَ اللهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللهِ فِيْ أَنْ أَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ ''اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ سے یہ مانگتا ہوں کہ میری موت آپ کے دین اور آپ کی سنّت پر ہو''۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناسک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کے بعد لکھا ہے کہ پھر پہلی جگہ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنے لیے دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعہ اللہ جلّ شانُہٗ سے دعا کرے اور بہتر چیز ہے وہ جو عَتبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی، عتبی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ اس سے پہلی فصل کے ختم پر گذر چکا۔ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسُّل(۳) کرنا سلفِ صالح(۴) کا طریقہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح بتایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کی خطا(۵) صادر(۶) ہوئی، تو انہوں نے اللہ جلّ شانُہٗ سے

حل لغات: (۱) موقع۔ (۲) زیارت کرنے والے۔ (۳) وسیلہ پکڑنا۔ (۴) پہلے کے نیک لوگ۔ (۵) غلطی۔ (۶) واقع ہونا۔

زیارت مدینہ

حضور ﷺ کے طفیل دعا کی، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے دریافت کیا کہ آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کیسے جانا؟ ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں[1] پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا تھا، تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے، وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ بیشک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جب اُس کے طفیل تم نے مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطا معاف کر دی۔

نیز نسائی اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے نقل کیا ہے کہ ایک نابینا[2] حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی[3] کے لیے دعا چاہی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کہو تو میں دعا کروں، لیکن اگر تم صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے دعا کی درخواست کی۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو فرمایا کہ پہلے بہت اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد یہ دعا پڑھو: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ! اِنِّيْٓ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ لِتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔ ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی جو رحمت کے نبی ہیں ”محمد“ ﷺ کے واسطے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! حضور ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔“

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو صحیح بتایا ہے اور بیہقی کی روایت میں اس کے آگے یہ بھی ہے کہ اس دعا کے پڑھنے کے بعد وہ صاحب بینا[4] ہو گئے۔ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ[5] سند کے ساتھ حضور ﷺ کی ایک دعا کے الفاظ یہ نقل کیے: بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ۔ [کذا فی الاصل] ”اے اللہ! تیرے نبی کے طفیل اور گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے طفیل“۔ اس کے بعد ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی تائیدیں اس مضمون کی نقل کیں اور اس دعا کے متعلق ایک قصہ زیارت کے قصوں میں تینتیس ۳۳ پر بھی آ رہا ہے۔

(۳۳) اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس دعا کے وقت بھی مُنہ حضور اقدس ﷺ کی طرف ہونا چاہیے۔ اگر چہ عام دعا کا ادب یہ ہے کہ مُنہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے، لیکن اس وقت قبلہ کی طرف مُنہ کرنے سے حضور اکرم ﷺ کی طرف پُشت[6] ہوتی ہے جو ادب کے خلاف ہے، اس لیے اس وقت اسی

حل لغات: (۱) پائے، کھنبے۔ (۲) اندھے۔ (۳) آنکھ میں دیکھنے کی طاقت۔ (۴) دیکھنے والا۔ (۵) اچھی سند۔ (۶) پیٹھ۔

زیارت مدینہ

طرف مُنہ کر کے دعا کرے۔

(۳۴) اس کے بعد اگر کسی اور شخص نے اپنی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کی فرمائش کی ہو تو اس کی طرف سے بھی اس طرح سلام عرض کرے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ۔ ''آپ پر سلام اے اللہ کے رسول! فلاں کی طرف سے جو فلاں کا بیٹا ہے اور وہ آپ سے اللہ کی پاک بارگاہ میں سفارش چاہتا ہے''۔

پہلے فلاں کی جگہ اس شخص کا نام لے، دوسرے فلاں کی جگہ اس کے باپ کا نام لے، اگر عربی میں کہنا مشکل ہو تو اردو میں عرض کر دے کہ فلاں فلاں آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور شفاعت کی درخواست کی ہے۔ علّامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی سے سلام پہونچانے کی درخواست کی ہو اور اس نے اس درخواست کو قبول کر لیا ہو یعنی وعدہ کر لیا ہو کہ میں سلام پہونچا دوں گا، تو اس پر اب اس سلام کا پہونچانا واجب ہو گیا، اس لیے کہ یہ بمنزلہ[1] اس کی امانت کے ہے جس کو یہ قبول کر چکا۔ صاحب اِتحاف لکھتے ہیں کہ سَلَف خَلَف[2] سب کا معمول دوسروں کی معرفت[3] سلام بھیجنے کا رہا ہے۔ اور سلاطین[4] تو مستقل قاصد مدینہ طیّبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پہونچانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے مستقل قاصد بھیجا کرتے تھے۔ ناظرین رسالہ سے یہ رُوسیاہ[5] بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر اس مبارک وقت میں یہ سیہ کار کسی کو یاد آ جائے تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مِنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيٰى اَلْكَانْدَهْلَوِيْ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ عرض کر دیں، احسان ہو گا اور یہ الفاظ یاد نہ رہیں تو اردو ہی میں اس ناکارہ کا سلام عرض کر دیں۔

(۳۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے بعد تقریباً ایک ہاتھ دائیں طرف ہٹ کر حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے۔ مشہور قول کے موافق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پیچھے اس طرح سے ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے مُقابِل[6] ہے، اس لیے ایک ہاتھ دائیں جانب کو ہو جانے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو جاتا ہے۔

(۳۶) حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام سے فراغت کے بعد ایک ہاتھ دائیں جانب ہٹ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے، اس لیے کہ مشہور قول کے موافق حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک

حل لغات: (۱) درجے میں۔ (۲) اگلے اور پچھلے اچھے لوگوں۔ (۳) ذریعہ۔ (۴) بادشاہ۔ (۵) مراد حضرت شیخ محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۶) سامنے۔

زیارت مدینہ

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک کے پیچھے ایسی طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے شانہ کے مقابل ہے۔

(۳۷) ان دونوں حضرات کی خدمت میں بھی اگر کسی نے سلام عرض کرنے کی درخواست کردی ہو، تو ہر ایک کی خدمت میں اپنا سلام پڑھنے کے بعد اس کا سلام عرض کردے اور یہ سراپا[1] خطا وقصور بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر ناظرین کو کسی وقت یاد آجائے، تو اس ناپاک کا سلام بھی دونوں بارگاہوں تک پہونچادیں۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ آپ کو اس احسان کا اپنے لطف سے اجر عطا فرمائے۔

(۳۸) بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما پر علیٰحدہ علیٰحدہ سلام پڑھنے کے بعد پھر ان دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑا ہو، یعنی جس جگہ کھڑے ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھا ہے، اس سے تقریباً نصف[2] ہاتھ بائیں جانب کو کھڑا ہو، تاکہ دونوں کے درمیان میں ہوجائے اور پھر دونوں پر مُشترک[3] سلام پڑھے جس کے الفاظ زُبدہ میں یہ لکھے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفِيْقَيْهِ وَوَزِيْرَيْهِ. جَزَاكُمَا اللهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ، جِئْنَا كُمَا نَتَوَسَّلُ بِكُمَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَشْفَعَ لَنَا وَيَدْعُوْلَنَا رَبَّنَا أَنْ يُحْيِيَنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ وَسُنَّتِهٖ وَيَحْشُرَنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ ''تم دونوں پر سلام اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو[4] میں لیٹنے والو! تم پر سلام اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیو! تم پر سلام اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں وزیرو! تمہیں حق تعالیٰ شانُہٗ (ہماری طرف سے) بہترین بدلہ (تمہارے احسانات) کا عطا فرمائے، ہم تمہارے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس بات کی سفارش چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ پاک کی بارگاہ میں شفاعت فرماویں اور اللہ سے یہ دعا فرماویں کہ وہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر زندہ رکھے اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں ہو''۔

بعض حضرات نے اس سلام کے الفاظ بھی کم وبیش[5] لکھے ہیں، جیسا کہ سب سلاموں میں بعض حضرات نے مختصر الفاظ نقل فرمائے ہیں اور بعض نے زائد[6] تحریر فرمائے ہیں اور بعض نے اس مشترک سلام کو ذکر ہی نہیں کیا کہ جب علیٰحدہ علیٰحدہ سلام عرض کرچکا ہے پھر مشترک کی کیا ضرورت باقی رہی؟ لیکن جن حضرات نے اس کو ذکر فرمایا ہے، غالباً اسی وجہ سے کہ یہاں اب دوبارہ سلام تو بمنزلۂ تمہید[7] اور ادب کے ہے، اصل مقصود ان دونوں حضرات کی خدمت میں سفارش کی درخواست ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) سر سے پیر تک۔ (۲) آدھا۔ (۳) ایک ساتھ۔ (۴) بازو میں، بغل میں۔ (۵) کم اور زیادہ۔ (۶) زیادہ لکھا۔ (۷) شروع کے درجہ میں۔

زیارتِ مدینہ

کی بارگاہ میں دعا کی درخواست اور سفارش کر دیں، اسی لیے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اس تکرّر[1] سلام کی غرض کیا ہے۔

(۳۹) اس کے بعد پھر دائیں طرف آ کر دوبارہ حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ اُٹھا کر اوّل اللہ جَلَّ شانُہٗ کی خوب حمد وثناء[2] کرے، اس نعمتِ[3] جلیلہ کا اور اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرے پھر خوب ذوق وشوق سے حضور ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر آپ کے وسیلہ سے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے، اپنے مشائخ[4] کے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے، اپنے عزیز واقارب کے لیے، اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جنھوں نے دعا کی درخواست کی ہو اور تمام مسلمانوں کے لیے، زندوں کے لیے اور مُردوں کے لیے خوب دعا کرے اور اپنی دعا کو آمین پر ختم کرے۔ [شرح لباب] اور یاد آ جائے تو ناکارہ ''زکریا'' کو بھی اپنی اس مبارک دعا میں شامل کر لے۔

(۴۰) حضورِ اقدس ﷺ اور حضراتِ شیخین[5] رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کی ترتیب اور صورت میں سات[7] روایات کتبِ حدیث وسِیَر میں آئی ہیں، ان سب میں دو[2] روایتیں زیادہ مشہور ہیں، ان دونوں کی صورت یہاں لکھی جاتی ہے تاکہ حاضرین کو سمجھنے میں سہولت ہو، پہلی صورت یہ ہے:

حضورِ اقدس ﷺ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

دوسری صورت یہ ہے:

حضورِ اقدس ﷺ	**حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ**
حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ	

علّامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے وفاء الوفاء میں ان سب صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس صورت کو سب سے زیادہ صحیح اور راجح[6] روایت بیان کیا ہے۔ اس کے اتباع[7] میں صاحب اتحاف نے بھی اس کو اَشْہَرُ الرِّوایات لکھا ہے۔ علّامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ دو صورتیں ان سب روایات میں زیادہ راجح ہیں، جو حضور ﷺ کی قبر کی تصویر میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوداؤد شریف میں یہ دوسری صورت وارد ہوئی اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا۔ علّامہ زَرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ مَواہب میں لکھا ہے کہ ان سات[7] روایات میں سے پانچ[5] ضعیف ہیں اور دو صحیح ہیں۔ ان دو میں بھی پہلی صورت کو اکثر علماء نے

حل لغات: (۱) باربار۔ (۲) تعریف۔ (۳) بڑی نعمت۔ (۴) شیخ کی جمع پیر۔ (۵) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ (۶) بہت سی روایتوں میں ایک مشہور روایت۔ (۷) مانتے ہوئے۔

زیارت مدینہ

راجح قرار دیا اور رَزِین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر وُثوق کیا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مشہور روایت قرار دیا۔
(۴۱) اس کے بعد اُسطُوانہ اَبُولُبابَہ کے پاس آ کر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرے۔ [زبدہ]
(۴۲) پھر دوبارہ روضہ میں جا کر نفلیں پڑھے اور دعا درود وغیرہ میں خضوع خشوع سے مشغول رہے۔ دسویں فصل میں جہاں مسجد کے ستونوں کا ذکر آرہا ہے، اس میں اس ستون کا مُفَصَّل حال آرہا ہے۔
(۴۳) اس کے بعد منبر کے پاس آ کر دعا کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ منبر کی اس جگہ پر جس کو ''رُمّانہ'' کہتے ہیں، ہاتھ رکھ کر دعا کرے اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت اس پر دستِ مبارک رکھتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِحیاء میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ نیچے والے ''رُمّانہ'' پر ہاتھ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہاتھ رکھتے تھے، لیکن ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ ''رُمّانہ'' اب باقی نہیں، جب مسجد نبوی میں دوسری مرتبہ آگ لگی ہے اس میں جل گیا تھا۔ شِفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح لِعَلِی اَلقاری میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ ہاتھ پھیر کر انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اور ابنِ قَسِیط رحمۃ اللہ علیہ اور عَتبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ منبر کے اس ''رُمّانہ'' پر جو قبر کے نزدیک ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑا کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت کی نیّت سے اس پر دایاں ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ ''رُمّانہ'' منبر کی وہ مونٹھ کہلاتی ہے جو انار کی شکل کناروں پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔
(۴۴) اس کے بعد اُسطُوانۂ حنّانہ کے پاس جا کر درود شریف اور دعا اہتمام سے کرے۔ [زبدہ] ستونوں کے بیان میں سب سے پہلے اسی کا ذکر آرہا ہے۔
(۴۵) اس کے بعد باقی مشہور ستونوں کے پاس جا کر دعا کرے۔ [لباب]
(۴۶) اور اس کی کوشش کرے کہ وہاں کے قیام میں کوئی نماز مسجد نبوی کی جماعت سے فوت نہ ہونے پائے۔ [فتح القدیر] کہ قیام تھوڑا ہے اور ثواب بہت زیادہ، نہ معلوم پھر حاضری مُیَسَّر ہو سکے یا نہ ہو سکے۔
(۴۷) اس کا خیال رکھے کہ زیارت کے وقت نہ دیواروں کو ہاتھ لگاوے کہ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور نہ دیواروں کو بوسہ دے کہ یہ حجر اسود ہی کا عمل ہے، نہ دیواروں کو چمٹے، نہ طواف کرے، اس لیے کہ طواف بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے، قبر کا طواف حرام ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جاہلوں کے فعل کا اتباع نہ کرے، چاہے وہ صورت سے مشائخ معلوم ہوتے ہوں، نہ قبر کے سامنے جھکے، نہ زمین کو بوسہ دے، نہ قبر کی طرف منہ کر کے اس نیت سے کہ ادھر قبر ہے، نماز پڑھے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر قبر کی تعظیم کے لحاظ سے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کے کفر کا

حل لغات: (۱) بھروسہ، کا اعتماد۔ (۲) ستون، کھمبا۔ (۳) تفصیلی۔ (۴) چھوٹنا۔ (۵) مل سکے، آسان ہو۔ (۶) کے طور۔

زیارت مدینہ

فتویٰ دیا جائے گا، البتہ حجرہ کی پشت[1] پر چونکہ دیوار حائل[2] ہے اس لیے قبر شریف کا ارادہ کیے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے۔ [شرح لباب]

مُوَفَّق بن قُدامہ رحمۃ اللہ علیہ مُغنی میں لکھتے ہیں کہ قبر اَطہر کی دیوار کو نہ تو چھونا مستحب[3] ہے، نہ چومنا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معروف ہونے کا انکار فرمایا ہے۔ البتہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل نقل کیا کہ وہ منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ ہاتھ رکھ کر اپنے منہ پر پھیرا کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قبر اطہر کا طواف کرنا ناجائز ہے اور پیٹ کا یا کمر کا قبر شریف کی دیوار سے چمٹانا مکروہ ہے، اسی طرح اس پر ہاتھ پھیرنا یا اس کو چومنا؛ بلکہ ادب یہ ہے کہ اس سے دور کھڑا ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ادب کی وجہ سے دور کھڑا ہوتا، یہی صحیح ہے اور تمام علماء کی مُتَّفقہ[4] رائے ہے، اس کے خلاف جو بعض عوام کا عمل دیکھے تو اس سے دھوکا نہ کھائے اور ان کی جہالت کی باتوں کی طرف التفات[5] نہ کرے اور جو یہ خیال کرے کہ دیوار پر ہاتھ پھیرنے سے برکت مقصود ہے یہ اس کی جہالت ہے، اس لیے کہ برکت اس میں ہوتی ہے جو شریعتِ مطہرہ کے موافق ہو، حق کے خلاف میں برکت کہاں؟

(۴۸) بلا ضرورتِ شدیدہ قبر شریف کی طرف پشت[6] نہ کرے، نہ نماز میں، نہ بغیر نماز کے۔ [شرح لباب] بلکہ نماز میں ایسی جگہ کھڑے ہونے کی سعی کرے کہ نہ اس جانب منہ ہو نہ پشت اور بلا نماز تو اس طرف پشت کرنے کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔

(۴۹) اس کا لحاظ رکھے کہ جب قبر شریف کے مقابل سے گذرنا ہو تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے، حتّٰی کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد سے باہر بھی قبر شریف کے مقابل سے گذرے، تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے۔ حضرت ابو حازم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آئے اور یہ کہا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو حازم سے کہہ دینا کہ تم میرے پاس سے اِعراض[7] کرتے ہوئے گذر جاتے ہو، کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے۔ اس کے بعد سے ابو حازم رضی اللہ عنہ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب ادھر سے گذرتے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھتے۔ [شرح لباب]

(۵۰) مدینہ پاک کے قیام میں قبر شریف پر کثرت سے حاضری کا اہتمام رکھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تینوں حضرات کے نزدیک، کثرت سے حاضر ہوتے رہنا پسندیدہ ہے؛ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت حاضری کو پسند نہیں کیا، جس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ مَبادا[8]

حل لغات: (۱) پیچھے۔ (۲) درمیان میں۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) ایک ساتھ۔ (۵) توجہ۔ (۶) پیٹھ۔ (۷) بے رخی، منہ موڑنا۔ (۸) کہیں ایسا نہیں ہو۔

زیارت مدینہ

بار بار کی حاضری سے طبیعت میں بے رغبتی پیدا نہ ہو جائے۔ [شرح لباب]

(۵۱) مسجد شریف میں رہتے ہوئے حُجرہ شریف کی طرف اور مسجد سے جب باہر ہو تو قُبّہ[۱] شریف جہاں سے نظر آتا ہو، بار بار ان کو دیکھنا، ان پر نظر جمائے رکھنا بھی افضل ہے اور ان شاء اللہ موجبِ[۲] ثواب ہے۔ [شرح لباب وشرح مناسک نووی] نہایت ذوق شوق کے ساتھ چپ چاپ والہانہ نظر جمائے رکھے۔

سکوتِ عشق کو ترجیح ہے اظہارِ الفت پر　　مری آہیں رسا نکلیں یہ نالے بے اثر نکلے[۳]

(۵۲) مدینہ منوّرہ کے قیام میں جتنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں گذر سکے غنیمت سمجھے۔ قرآن پاک کم از کم ایک تو ختم کر ہی لے اور مستقِل اعتکاف بھی جے دن کا نصیب ہو سکے نعمت ہے، راتوں کو جتنا زیادہ سے زیادہ عبادت میں گذار سکے بہتر ہے کہ یہ مبارک راتیں پھر کہاں ملیں گی۔ [شرح لباب] زُبدہ میں حضرت قطبِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اور جب تک مدینہ منوّرہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے اور صلوٰۃ وسلام خوب کرتا رہے اور راتوں کو بہت جاگے اور وقت ضائع[۴] نہ کرے۔

(۵۳) زُبدہ میں لکھا ہے: اور بعد زیارت قبر مبارک کے ہر روز یا جمعہ کو زیارت مَزاراتِ بَقیع کی بھی ضرور کرے کہ حضرت عثمان اور حضرت عباس اور حضرت حسن اور حضرت ابراہیم اور ازواجِ مُطہّرات اور اصحاب کرام رِضوانُ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ شرحِ لُباب میں لکھا ہے کہ زائرِین کو روزانہ بقیع میں حاضر ہونا چاہیے اور مدینہ منوّرہ کے رہنے والوں کو جمعہ کو حاضر ہونا چاہیے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب[۵] یہ ہے کہ روزانہ بقیع میں حاضر ہو، بالخصوص جمعہ کے دن اور یہ حاضری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَطہر پر حاضری کے بعد ہو اور وہاں جا کر معروف[۶] قبروں کی زیارت کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم، حضرت عثمان، حضرت عباس، حضرت حسن رضی اللہ عنہم اور حضرت علی بن حسین زین العابدین اور حضرت محمد باقر بن علی اور جعفر بن محمد رحمہم اللہ وغیرہ اور سب سے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر حاضری دے، اس لیے کہ اہلِ بقیع کی قبور کی فضیلت اور ان کی زیارت کے بارے میں بہت کثرت سے احادیث وارد[۷] ہوئی ہیں، جن میں سے بعض دسویں فصل کی حدیث نمبر نو کے ذیل میں آرہی ہیں۔ ابنِ حجر شرح مناسک میں لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ وہاں جا کر سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر حاضر ہو، اگر کسی دوسرے بزرگ کی قبر راستہ میں پڑ جائے تو اس وقت تو مختصر سلام کر کے آگے بڑھ جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کی زیارت کے بعد پھر واپس آ کر کھڑا ہو، اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب میں افضل ہیں جو بقیع میں مدفون[۸]

حل لغات: (۱) گنبد۔ (۲) باعث، سبب۔ (۳) محبت کے اظہار سے زیادہ اہمیت عشق کی خاموشی کو حاصل ہے، میرے غموں کی آواز اثر دار نکلے لیکن جو شکایت کر رہا تھا وہ بے اثر نکلے۔ (۴) برباد۔ (۵) پسندیدہ۔ (۶) معلوم۔ (۷) آئی۔ (۸) دفن۔

زیارت مدینہ

ہیں اور ان کے بعد پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہو۔ بقیع میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت مدفون ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً دس ہزار صحابی مدفون ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے لیے دعا اور ایصالِ ثواب کرے۔ [شرح مناسک نووی] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے بعد بقیع کی زیارت کو حاضر ہوا کرے۔ صاحبِ اِتحاف بروایت امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ میری باری کی شب میں ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے جاتے تھے۔ شرحِ لُباب میں لکھا ہے: اس میں اختلاف ہے کہ بقیع میں حاضری کی ابتدا کہاں سے کرے؟ بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس لیے کہ وہ سب حضرات سے جو وہاں آرام فرما رہے ہیں، افضل ہیں، بعض نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے، اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ[1] ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے، بعض نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے، اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور بقیع میں سب سے اوّل ان کی قبر مبارک آتی ہے، وہاں سے بغیر سلام کے آگے چلے جانا بے ادبی ہے، نیز ان کے قریب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیت ہیں کہ ان سب کا مجموعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے بڑھ جائے گا۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ مُوَجَّہ[2] ہے اور زیارت کرنے والوں کو اسی میں سہولت ہے کہ یہ جگہ بقیع میں سب سے پہلے آتی ہے۔

(۵۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: مستحب[3] یہ ہے کہ ہر پنج شنبہ[4] کو شہداءِ اُحد کی زیارت کرے، صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر چلا جائے، تاکہ ظہر تک واپسی ہو جائے اور کوئی نماز مسجد نبوی کی فوت[5] نہ ہو۔ صاحب اِتحاف لکھتے ہیں کہ پنج شنبہ کی خصوصیت اس وجہ سے شاید ہو کہ یہ واقعہ اس دن ہوا یا اس وجہ سے کہ یہ دن مدینہ والوں کی فراغت[6] کا ہے یا اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پنج شنبہ کی صبح میں امت کے لیے برکت کی خبر یا دعا فرمائی یا کسی اور وجہ سے ہو، سب مُحتَمَل[7] ہیں۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جبلِ[8] اُحد اور شہداءِ اُحد دونوں کی مستقل زیارت کی نیّت کرے، اس لیے کہ جبلِ اُحد کے فضائل بھی احادیث میں بہت آئے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ پنج شنبہ کی صبح کو سویرے نماز کے بعد روانہ ہو جائے تاکہ ظہر تک واپس ہو سکے اور وہاں جا کر سب سے اوّل سیّد الشُّہداء[9] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میرے سب چچاؤں میں حضرت حمزہ افضل ہیں''۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ''قیامت کے دن سب شہداء کے سردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہوں گے''۔ وہاں جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) صاحبزادے، لڑکے۔ (۲) سامنا۔ (۳) پسندیدہ، بہتر۔ (۴) جمعرات۔ (۵) چھوٹ۔ (۶) فرصت، چھٹی۔ (۷) احتمال، ممکن۔ (۸) پہاڑ۔ (۹) شہیدوں کے سردار۔

زیارت مدینہ

کی قبر مبارک پر نہایت خشوع خضوع سے ان کی عظمت و احترام کی رعایت کرتے ہوئے کھڑا ہو، اس کے بعد پھر دوسرے مزارت پر۔

(۵۵) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قُباء کی حاضری کا استحباب[۱] بہت مُؤکّد[۲] ہے اور اَولیٰ[۳] یہ ہے کہ شنبہ[۴] کے دن حاضر ہو، اس حاضری میں اس کی زیارت کی نیت ہو اور اس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت ہو، اس لیے کہ ترمذی شریف وغیرہ میں صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مسجد قُباء میں نماز پڑھنا بمنزلہ[۵] عمرہ کرنے کے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کے دن مسجد قُباء تشریف لے جاتے تھے۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسجدِ مکہ، مسجدِ مدینہ، مسجدِ اقصیٰ کے بعد سب مساجد سے افضل مسجدِ قُباء ہے، بلکہ ایک روایت میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہاں تک نقل کیا گیا کہ میں دو رکعت مسجدِ قُباء میں پڑھوں، یہ مجھے مسجدِ اقصیٰ میں دو دفعہ جانے سے زیادہ محبوب ہے، لیکن مشہور روایات سے مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت زیادہ معلوم ہوتی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فضیلت اور چیز ہے، محبوبیت دوسری چیز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول زیادہ تر شنبہ کو تشریف لے جانے کا تھا اور دوشنبہ[۶] کو تشریف لے جانا اور بیس[۲۰] رمضان کی صبح کو تشریف لے جانا بھی وارد ہوا ہے۔

(۵۶) ان کے بعد مدینہ پاک کے دوسرے مُتبرّک[۷] مقامات کی زیارت اَولیٰ ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مدینہ منوّرہ کے متبرّک مقامات کی زیارت کرے، جو تقریباً تیس مَوَاضع[۸] ہیں، اہلِ مدینہ ان کو جانتے ہیں اور اسی طرح سے ان سات کنوؤں کا پانی پیے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یا غسل کرنا وارد ہوا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مضمون لکھا ہے کہ بیر[۹] اَرِیس کے پاس جا کے جو مسجدِ قُباء کے قریب ہے، جس کے متعلّق کہا جاتا ہے کہ اس کنویں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لبِ مبارک ڈالا ہے، اس سے وضو کرے اور اس کا پانی پیے اور مسجدِ فتح کے پاس آئے جو خندق کے قریب ہے اور ایسے ہی بقیہ مساجد اور مُتبرّک مقامات جن کی تعداد تقریباً تیس[۳۰] ہے، اہلِ مدینہ[۱۰] کے یہاں یہ مواقع معروف[۱۱] ہیں، ایسے ہی ساتوں کنوؤں کا پانی شفاء اور برکت کی نیت سے پیے۔ صاحب اِتحاف کہتے ہیں کہ یہ سات[۷] کنویں: بیر اَرِیس، بیرُ حاء، بیر رُومہ، بیر عَرس، بیر بُضاعہ، بیر بُصّہ ہیں اور ساتویں میں اختلاف ہے کہ بیر سُقیا، بیر عِہن، بیر جُمل میں سے کون سا ہے، اس کے بعد صاحب اِتحاف نے ان سب کنوؤں کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔ صاحبِ لُباب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال جن کنوؤں سے نقل کیا جاتا ہے وہ ستر[۷۰] ہیں، لیکن ان میں سب معروف نہیں، اسی طرح نَوَاحِ[۱۲] مدینہ اور

حل لغات: (۱) مستحب ہونا۔ (۲) جس کی تاکید کی گئی ہو۔ (۳) بہتر، اچھا۔ (۴) برابر۔ (۵) سنیچر۔ (۶) پیر۔ (۷) بابرکت۔ (۸) جگہیں۔ (۹) کنواں۔ (۱۰) مدینہ کے رہنے والے۔ (۱۱) جانی، پہچانی جگہیں۔ (۱۲) اطراف۔

زیارت مدینہ

مکّہ کے راستہ میں بہت سی مساجد حضور ﷺ کی طرف منسوب[1] ہیں، جن میں سے اکثر زیارتُ الحَرَمین میں ذکر کی ہیں، وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۵۷) وہاں کے قیام میں صَدَقات کی کثرت رکھے، بالخصوص مدینہ پاک کے رہنے والوں پر۔ صاحبِ لُباب نے لکھا ہے کہ مدینہ کے مستقل رہنے والے[2] ہوں یا باہر کے لوگ جو وہاں آ کر مقیم ہو گئے ہوں، وہ باہر کے رہنے والوں پر مُقدّم[3] ہیں، اس لیے کہ مدینہ کے رہنے والوں سے محبّت واجب ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مدینہ کے قیام میں جتنے زیادہ سے زیادہ روزے رکھ سکے رکھے، جتنا زیادہ ممکن ہو رسول اللہ ﷺ کے پڑوسیوں پر صدقہ کرے کہ یہ بھی حضور ﷺ ہی کی خدمت گذاری میں داخل ہے۔

(۵۸) مدینہ کے قیام میں جو کچھ خریدے، اس میں یہ نیت رکھے کہ یہاں کے تاجروں کی مَعاش[4] یہی ہے، اگر ان کی تجارت میں وسعت[5] اور فروغ[6] رہا تو ان کا یہ سلسلۂ معاش قائم رہے گا اور یہ حضرات راحت سے سکون واطمینان کے ساتھ یہاں قیام کر سکیں گے اور ہم لوگ اس کا ذریعہ بنیں گے، اور جب اس ارادہ سے خریدے گا تو اس میں یہ اشکال[7] بھی نہ ہوگا کہ زیادہ پیسے خرچ ہو گئے کہ یہ بھی حقیقت میں ایک نوع[8] کا صدقہ ہے، بشرطیکہ یہی نیت ہو، بلکہ کچھ چیزیں اسی نیت سے خرید لے کہ ویسے صدقہ کرنے میں جب تک وہ دام لینے والے کے پاس رہیں گے، اس وقت تک وہ مُنتَفِع[9] ہو سکتا ہے اور اس صورت میں ان کی تجارت کو فروغ ہوگا، جس سے وہ دیر تک مُنتفِع ہو سکتے ہیں؛ البتہ جن حضرات کے پاس سلسلہ تجارتی نہیں ہے، ان کو ویسے ہی ہدیہ کرے اور بہتر یہ ہے کہ بجائے صدقہ کے ہدیہ کی نیت کرے کہ یہ اونچے حضرات ہیں۔

(۵۹) سب اہلِ مدینہ کے ساتھ ہر بات میں حُسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرے کہ وہ حضور ﷺ کے پڑوسی ہیں۔ علّامہ زَرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مَواہب میں لکھتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کا اکرام کرو، اور اگر ان میں سے بعض کے متعلّق کوئی ایسی بات کہی گئی ہے، یعنی کوئی نامناسب حرکت اس کی معلوم بھی ہو، تب بھی وہ حضور ﷺ کے پڑوسی ہونے کے شرف[10] سے تو بہرہ اندوز[11] ہیں ہی اور اس اَجَلِّ محبوب[12] کے پڑوسی ہونے کا فخر تو ان کو ہے ہی، اور اگر ان کی کوئی بُرائی بڑی بھی ہو جائے، تب بھی پڑوسی ہونے کا تمغہ[13] تو ان سے سلب[14] نہیں ہوگا۔ حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد کہ ''جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارہ

حل لغات: (۱) نسبت کرنا۔ (۲) رہنے والے۔ (۳) آگے ہونا۔ (۴) روزی۔ (۵) پھیلاؤ۔ (۶) ترقی۔ (۷) اعتراض، نکیر۔ (۸) قسم۔ (۹) فائدہ اُٹھانے والا۔ (۱۰) عزت، سعادت۔ (۱۱) خوش قسمتی حاصل شدہ۔ (۱۲) سب سے بڑے محبوب۔ (۱۳) سند، شان۔ (۱۴) چھن جانا، ختم ہونا۔

میں بار بار وصیّت کرتے رہے،'' ہر پڑوسی کو شامل ہے، اس میں اچھے بُرے کی تخصیص[1] نہیں، وہ ہر متّقی[2] اور غیر متّقی کو شامل ہے؛ اور اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلّق حضور ﷺ کا اتّباع[3] چھوڑنے کا الزام دے اور یہ بات اس میں ثابت بھی ہو جائے تب بھی پڑوسی ہونے کی وجہ سے جو اکرام اس کا ہے، اس میں کمی نہ کی جائے کہ وہ اس بات کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے حق سے محروم نہیں ہو سکتا، بلکہ اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس کو مرنے سے پہلے پہلے رجوع کی توفیق عطا ہوگی اور ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر نصیب ہوگا۔

فَیَاسَاکِنِيْ أَکْنَافِ طَیْبَةَ کُلُّکُمْ　　إِلَی الْقَلْبِ مِنْ أَجْلِ الْحَبِیْبِ حَبِیْبُ

ترجمہ: ''اے طیبہ کے رہنے والو! تم سب کے سب میرے دل کو محبوب ﷺ کی وجہ سے محبوب ہو۔''

اس کے بعد بہت سے اشعار انہوں نے مَدَنی حضرات کے بارہ میں لکھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب امیر المؤمنین مہدی کے پاس تشریف لے گئے، تو بادشاہ نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیّت فرما دیجیے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سب سے اوّل اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خوف اور تقویٰ اختیار کرنا، اس کے بعد اہلِ مدینہ پر مہربانی کہ وہ حضور ﷺ کے شہر کے رہنے والے، حضور ﷺ کے پڑوسی ہیں، مجھے حضور ﷺ کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے، اسی میں میری قبر ہوگی، اسی سے میں قیامت کے دن اٹھوں گا، اس کے رہنے والے میرے پڑوسی ہیں، میری امّت کے ذمّہ ضروری ہے کہ ان کی نگہبانی[4] کریں، جو میری وجہ سے ان کی خبر گیری کرے گا، میں اس کے لیے قیامت میں شفیع[5] یا گواہ بنوں گا اور جو میرے پڑوسیوں کے بارہ میں میری وصیّت کی رعایت[6] نہ کرے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو طِینۃُ الخَبَال پلائے''۔ دوسری حدیث میں ہے کہ طِینۃُ الخَبَال: جہنّمی لوگوں کا نچوڑ ہے۔ یعنی پسینہ، لہو، پیپ وغیرہ۔　[وفاءِ اوّل]

(۶۰) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پورے قیام میں اس شہر کی عظمت اور بزرگی کا استحضار رہے اور یہ بات تصوّر میں رہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس پاک شہر کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی ہجرت کے لیے پسند فرمایا اور یہاں حضور ﷺ کا قیام اور اس کو وطن بنانا مقدّر[7] فرمایا اور اس کے گلی کوچوں میں حضورِ اقدس ﷺ کے چلنے پھرنے کا استحضار رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب سے تیری نظر مدینہ پاک پر پڑے، اس مضمون کو اپنے ذہن میں رکھ کہ یہ وہ شہر ہے، جس کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے نبی ﷺ کے قیام کے لیے پسند کیا اور اس کی طرف ہجرت تجویز کی اور

حل لغات: (۱) خصوصیت، فرق۔ (۲) تقویٰ والا۔ (۳) پیروی، فرماں برداری۔ (۴) نگرانی، حفاظت۔ (۵) شفاعت کرنے والا۔ (۶) خیال رکھے۔ (۷) تقدیر میں طے فرمایا۔

زیارت مدینہ

یہی وہ شہر ہے، جس میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے شریعتِ مطہرہ کے فرائض نازل کیے اور حضور ﷺ نے اپنی سنّتیں جاری کیں، اسی شہر میں آکر دشمنوں سے جہاد کیا، اسی شہر میں آپ ﷺ کے دین کو غلبہ حاصل ہوا، یہاں تک کہ اسی شہر میں آپ ﷺ کا وصال(۱) ہو کر آپ ﷺ کی قبر مبارک بنی اور اسی میں آپ ﷺ کے دو وزیروں(۲) کی قبر بنی اور اس میں حضورِ اقدس ﷺ کے قدم مبارک جابجا پڑے اور یہ سوچتا رہ کہ جس جگہ بھی تیرا قدم پڑے، وہاں کسی نہ کسی وقت میں حضورِ اقدس ﷺ کا قدم مبارک بھی پڑا ہوگا، اس لیے اپنا ہر قدم نہایت سکون وقار(۳) کے ساتھ اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ اس جگہ حضور ﷺ کا قدم مبارک بھی پڑا تھا اور حضور ﷺ کی رفتار کی جو کیفیت احادیث میں آئی ہے، اس کو تصور کرتے ہوئے چل، اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ کی عظمت، رفعتِ شان، جلالت وعظمتِ مرتبت کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے پاک نام کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کا نام مبارک رکھا، ذہن میں رکھو اور اس سے ڈرتے رہو کہ کہیں بے ادبی کی نحوست سے اپنے پہلے نیک عمل بھی ضائع(۴) نہ ہو جائیں۔ یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی آیت ﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ﴾ الآیۃ [سورۂ حجرات:۲] کے مضمون کی طرف اشارہ کیا، جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ اُن سے ایسے زور سے گفتگو کرو، جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں (ایسا نہ ہو کہ اس سے) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو“۔

نمبر اکتیس(۳۱) پر یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے، اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ پھر اس دور کا تصور کرو جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت یہاں حاضر تھی، حضور ﷺ کے مُشاہدہ(۵) اور حضور ﷺ کی بابرکت کلام کے سننے سے مستفید(۶) ہوتے تھے۔

چمن کے تخت پر جس دم شہِ(۷) گل کا تجمّل(۸) تھا ہزاروں بُلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غُل تھا
جب آئے دن خزاں(۹) کے کچھ نہ تھا جُز خار(۱۰) گلشن میں بتاتا باغباں(۱۱) رورو یہاں غنچہ(۱۲)، یہاں گُل(۱۳) تھا

اس کے بعد اس پر افسوس اور رنج وغم کرو کہ میں حضور ﷺ کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی زیارت سے محروم رہ گیا اور دنیا میں تو یہ محرومی ہو ہی گئی، آخرت کا حال معلوم نہیں کیا ہو؟ زیارت اقدس شوق سے نصیب ہوتی ہے یا حسرت(۱۴) سے کہ کہیں دربار سے ہٹا نہ دیا جاؤں اور اپنی بد اعمالیاں حاضری میں مانع(۱۵) نہ بن جائیں، اس لیے کہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ ”قیامت میں بعض آدمی میرے پاس سے ہٹا دیے جائیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں، تو جواب ملے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ

حل لغات: (۱) انتقال۔ (۲) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ (۳) سنجیدگی۔ (۴) برباد۔ (۵) دیکھنا۔ (۶) فائدہ حاصل کرنے والے۔ (۷) پھولوں کے بادشاہ۔ (۸) خوبصورتی۔ (۹) پت جھڑ۔ (۱۰) باغ کانٹا۔ (۱۱) باغ کی حفاظت کرنے والا۔ (۱۲) کلی۔ (۱۳) پھول۔ (۱۴) افسوس۔ (۱۵) رکاوٹ۔

زیارتِ مدینہ

تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا‘‘؟ بس اگر تم نے حضور ﷺ کی شریعتِ مُطہّرہ[1] کے احترام کی خلاف ورزی کی، تو اس سے بے فکر نہ رہو کہ کسی وقت یہ بے راہی[2] تمہارے اور حضور ﷺ کے درمیان حائل[3] نہ ہوجائے اور اس کے ساتھ ہی اللہ کی پاک ذات سے اُمیدیں وابستہ رکھو کہ جب اس نے دنیا میں اتنے دور وطن سے اس دربار کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائی تو اس کے لُطف و کرم سے بعید[4] نہیں کہ آخرت کی بابرکت زیارت سے محروم نہ فرمائے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس سعادت سے اس سِیَہ کار[5] کو بھی نوازدے۔ آمین۔ یَارَبَّ[6] الْعَالَمِیْنَ بِوَسِیْلَةِ نَبِیِّكَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ﷺ۔

(۶۱) جب زیارت سیّدُ الاِنسِ[7] وَالجانّ فخرِ عالَم عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام اور زیارت مَشاہدِ مُتبرّکہ[8] سے فراغت کے بعد واپسی کا ارادہ ہو، تو مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ۲ رکعت نفل الوداعی پڑھے اور روضہ میں ہو تو بہتر ہے، اس کے بعد قبرِ اطہر پر اَلْوَدَاعِیْ سلام کے لیے حاضر ہو، صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنی ضروریات کے لیے دعائیں کرے اور حج و زیارت کے قبول کی دعائیں کرے اور خیر و عافیت کے ساتھ وطن پہونچنے کی دعا کرے اور یہ دعا کرے کہ یہ حاضری آخری نہ ہو، پھر بھی اس پاک دربار کی حاضری نصیب ہو، اور اس کی کوشش کرے کہ رخصت کے کچھ آنسو نکل آئیں کہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے، پھر رونا نہ آوے تب بھی رونے والوں کی سی صورت کے ساتھ حسرت و رنج و غم ساتھ لیے ہوئے واپس ہو اور چلتے وقت بھی کچھ صدقہ جو مُیسّر[9] ہو کرے اور سفر سے واپسی کے وقت جو دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں وہ پڑھتے ہوئے اور واپسی سفر کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے واپس ہو۔

اُٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہوں اس کی بزم سے — دل کی تسکین کا مگر ساماں اُسی محفل میں ہے

اپنی نااہلیت[10] سے حاضری کے آداب پورے نہ لکھ سکا، نمونہ کے طور پر چند آداب لکھ دیے ہیں، ناظرین[11] اس سے اندازہ لگائیں اور ۲ اُصول کے تحت میں شریعتِ مُطہّرہ کے دائرہ کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتے ہوں، کسر[12] نہ چھوڑیں۔ اوّل ادب و احترام، دوسرے شوق و ذوق۔

اس کے بعد زائرین[13] کے چند واقعات پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں کہ ان کے حالات بھی نمونہ اور اُسوہ ہیں، عَتبی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قصہ اور اس کے علاوہ چند واقعات اس سے پہلی فصل کے ختم پر بھی گذر چکے ہیں۔

حل لغات: (۱) پاک۔ (۲) گمراہی۔ (۳) رکاوٹ۔ (۴) دور۔ (۵) گنہگار۔ (۶) اے تمام عالم کے رب! اپنے نبی رسولوں کے سردار کے وسیلے سے قبول فرما۔ (۷) انسان و جنات کے سردار۔ (۸) بابرکت جگہیں۔ (۹) موجود ہو، ملے۔ (۱۰) کمی۔ (۱۱) دیکھنے والے یعنی کتاب پڑھنے والے۔ (۱۲) کمی نہ کریں۔ (۱۳) زیارت کرنے والے۔

① حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں، سیّد التّابعین[1] ان کا لقب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انھوں نے پایا ہے، مگر ماں کی خدمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے قاصر رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کے متعلق نقل کیا گیا کہ بہترین تابعی اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک روایت میں ان کے متعلق آیا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں، تو اللہ جلّ شانہٗ اس کو پورا کریں۔ ایک حدیث میں اُن کے متعلق آیا ہے کہ جو اُن سے ملے، ان سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کرائے۔ ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان سے اپنے لیے استغفار کرائیں۔ بڑے فضائل اُن کے احادیث[2] میں وارد ہیں۔ جنگِ صِفّین میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی حمایت[3] میں شہید ہوئے۔ [اصابہ] جب حج کیا اور مدینہ طیبہ کی حاضری پر مسجد نبوی میں داخل ہوئے، تو کسی نے اشارہ سے بتایا کہ یہ ہے قبرِ اطہر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی، تو بے ہوش ہوکر گر پڑے، جب غشی[4] سے اِفاقہ[5] ہوا تو فرمانے لگے کہ مجھے لے چلو، مجھے اس شہر میں چین نہیں ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون[6] ہوں۔ [اتحاف]

② ایک بدّو قبرِ اطہر پر حاضر ہوئے اور کھڑے ہوکر عرض کیا: یا اللہ! تُو نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، یہ تیرے محبوب ہیں اور میں تیرا غلام ہوں، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مجھ غلام کو آگ سے آزادی عطا فرما، غیب سے ایک آواز آئی کہ تم نے اپنے تنہا کے لیے آزادی مانگی، تمام آدمیوں کے لیے آزادی کیوں نہ مانگی؟ ہم نے تمھیں آگ سے آزادی عطا کی۔ [مواہب]

③ اَصمَعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بدّو قبر شریف کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا اللہ! یہ آپ کے محبوب ہیں اور میں آپ کا غُلام اور شیطان آپ کا دشمن، اگر آپ میری مغفرت فرمادیں تو آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوش ہو، آپ کا غُلام کامیاب ہوجائے اور آپ کے دشمن کا دل تلملانے لگے؛ اور اگر آپ مغفرت نہ فرمائیں، تو آپ کے محبوب کو رنج[7] ہو اور آپ کا دشمن خوش ہو اور آپ کا غلام ہلاک ہوجائے، یا اللہ! عرب کے کریم لوگوں کا دستور[8] یہ ہے کہ جب ان میں کوئی بڑا سردار مر جائے، تو اس کی قبر پر غُلاموں کو آزاد کیا کرتے ہیں اور یہ پاک ہستی سارے جہانوں کی سردار ہے، تو اس کی قبر پر مجھے آگ سے آزادی عطا فرما۔ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے عربی شخص! اللہ جلّ شانہٗ نے تیرے اس بہترین سوال پر (ان شاء اللہ) تیری ضرور بخشش کردی۔ [مواہب]

④ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اَصم بلخی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور صوفیہ میں ہیں، کہتے ہیں کہ تیس[30] برس تک ایک قُبّہ[9] میں انھوں نے چلّہ[10] کیا تھا کہ بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی،

حل لغات: ① تابعین (صحابہ کے شاگردوں) کے سردار۔ ② حدیثوں۔ ③ ساتھ دینا۔ ④ بے ہوشی۔ ⑤ آرام ملا۔ ⑥ دفن۔ ⑦ تکلیف، غم۔ ⑧ معمول۔ ⑨ گنبد نما عمارت۔ ⑩ چالیس[40] دن تک تنہائی اختیار کرنا۔

زیارت مدینہ

جب حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے، تو اتنا ہی عرض کیا کہ اے اللہ! ہم لوگ تیرے نبی ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کو حاضر ہوئے، تو ہمیں نامُراد واپس نہ کیجیو، غیب سے ایک آواز آئی کہ ہم نے تمھیں اپنے محبوب کی قبر کی زیارت نصیب ہی اس لیے کی کہ اس کو قبول کریں، جاؤ! ہم نے تمھارے اور تمھارے ساتھ جتنے حاضرین ہیں سب کی مغفرت کردی۔ [زرقانی علی المواہب] بعض اوقات الفاظ چاہے کتنے ہی مختصر ہوں، جب اخلاص سے نکلتے ہیں تو وہ سیدھے پہونچتے ہیں۔

⑤ شیخ ابراہیم بن شَیْبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبرِ اطہر پر حاضر ہوکر میں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، تو حجرہ شریف کے اندر سے میں نے ''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ'' جواب میں سنا۔ [قول بدیع]

⑥ علامہ قَسطَلانی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدث ہیں، مواہبِ لَدُنّیہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ طبیب[1] علاج سے عاجز ہوگئے اور کئی سال تک مسلسل بیمار چلا گیا، میں نے ایک مرتبہ اَٹھائیس ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کو جب کہ میں مکّہ مکرّمہ میں حاضر تھا، حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی، اس کے بعد میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ہیں، جن کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے، جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ دَوا اَحمد ابن القَسطَلانی کے لیے حضور اقدس ﷺ کی طرف سے حضور ﷺ کے ارشاد سے عطا ہوئی ہے، میں خواب سے جاگا تو مرض کا اثر تک بھی نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ۸۸۵ھ میں مجھے ایک واقعہ اور پیش آیا کہ میں قبر شریف کی زیارت سے واپس ہو رہا تھا کہ راستہ میں ایک حبشی ہرن نے میری خادمہ کے ٹکّر ماری، جس سے وہ گر گئی اور کئی دن تک سخت تکلیف رہی، میں نے حضور ﷺ کے وسیلہ سے اس کے لیے دعائے صحت کی، تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہیں جن کے ساتھ ایک جِن ہے، جس نے ہرن کی صورت میں خادمہ کو ٹکرایا تھا، وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کو حضور اقدس ﷺ نے تیرے پاس بھیجا ہے، میں نے اس جِن کو ملامت[2] کی اور اس کی قسم دی کہ پھر کہیں ایسی حرکت نہ کرنا، اس کے بعد جو میری آنکھ کھلی تو اس خادمہ پر کچھ بھی اثر تکلیف کا نہ تھا۔ [مواہب]

⑦ حضرت ابراہیم خَواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں پیاس سے اس قدر بے چین ہوا کہ چلتے چلتے پیاس کی شدت سے بے ہوش ہوکر گر گیا، کسی نے میرے منہ پر پانی ڈالا، میں نے جو آنکھیں کھولیں تو ایک شخص حسین چہرہ، نہایت خوبصورت گھوڑے پر سوار کھڑا ہے، اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا کہ میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، تھوڑی دیر چلے تھے، وہ کہنے لگے: یہ کیا آبادی ہے؟ میں نے

حل لغات: ① حکیم، ڈاکٹر۔ ② بُرا بھلا کہنا۔

زیارت مدینہ

کہا: یہ تو مدینہ منورہ آ گیا، کہنے لگے: اُتر جاؤ اور جب روضہ اقدس پر حاضر ہو، تو یہ عرض کر دینا کہ آپ کے بھائی خضر نے بھی سلام عرض کیا ہے۔ [روض:۹۰]

⑧ شیخ اَبوالخیر اَقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور پانچ[۵] دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کو کچھ بھی نہ ملا، کوئی چیز چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی، میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کر کے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آج رات کو حضور کا مہمان بنوں گا، یہ عرض کر کے وہاں سے ہٹ کر منبر شریف کے پیچھے جا کر سو گیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت علی کرّمَ اللہُ وَجْہہٗ سامنے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا: دیکھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، میں اُٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ [روض، وفاء] اسی قسم کا ایک قصہ شیخ ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کا نمبر بائیس[۲۲] پر آ رہا ہے۔

⑨ اَبدال[۱] میں سے ایک شخص نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سے زیادہ مرتبہ والا بھی کوئی ولی دیکھا؟ فرمانے لگے: ہاں دیکھا ہے، میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حاضر تھا، میں نے امام عبدالرزاق محدث رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ احادیث سنا رہے ہیں اور مجمع ان کے پاس احادیث سن رہا ہے اور مسجد کے ایک کونہ میں ایک جوان گھٹنوں پر سر رکھے علیحدہ[۲] بیٹھا ہے، میں نے اس جوان سے کہا: تم دیکھتے نہیں کہ مجمع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سُن رہا ہے، تم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے؟ اس جوان نے نہ تو سَر اُٹھایا، نہ میری طرف اِلتفات کیا اور کہنے لگا کہ اُس جگہ وہ لوگ ہیں، جو رزّاق کے عبد[۳] سے حدیثیں سنتے ہیں اور یہاں وہ ہیں جو خود رزّاق سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے عبد سے، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اگر تمہارا کہنا حق ہے تو بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ اس نے اپنا سَر اُٹھایا اور کہنے لگا کہ اگر فراست صحیح ہے تو آپ خضر علیہ السلام ہیں، حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں: اس سے میں نے جانا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے بعض ولی ایسے بھی ہیں، جن کے عُلُوِّ مرتبہ[۴] کی وجہ سے میں ان کو نہیں پہچانتا، حق تعالیٰ شانُہٗ ان سے راضی ہو اور ہم کو بھی ان سے نفع پہونچائے آمین۔ [روض]

⑩ ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم مدینہ منورہ میں حاضر تھے اور ان کرامات کا تذکرہ کر رہے تھے، جو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو عطا فرمائی ہیں، ایک نابینا ہمارے قریب بیٹھے ہوئے ہماری باتیں سُن رہا تھا، وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ مجھے تمہاری باتوں سے اُنس[۵] ہوا، ایک بات سنو! میں

حل لغات: ① ولیوں کے ایک مقامات کا ایک درجہ۔ ② الگ۔ ③ بندہ۔ ④ مرتبہ کی بلندی۔ ⑤ دلچسپی۔

زیارت مدینہ

عیال[1] دار آدمی تھا، بقیع میں لکڑیاں کاٹنے جایا کرتا تھا، میں نے ایک مرتبہ وہاں ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس پر کَتّان[2] کا کُرتا ہے، ہاتھ میں جوتے لے رکھے ہیں، میں نے خیال کیا کہ کوئی پاگل ہے، میں نے اس کے کپڑے چھیننے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اُتار دے، اس نے کہا: جا! اللہ کی حفاظت میں چلا جا، میں نے دوبارہ سہ بارہ اسی طرح تقاضا کیا، اس نے کہا کہ میرے کپڑے ضرور ہی لے گا؟ میں نے کہا: اس کے بغیر چارہ نہیں، اس نے دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا، وہ دونوں نکل کر باہر گر پڑیں، میں نے کہا: تجھے خدا کی قسم! تُو یہ تو بتا دے کہ تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں ابراہیم خَوّاص ہوں۔ صاحب روض کہتے ہیں کہ حضرت خَوّاص رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لٹیرے پر اندھے ہونے کی بددُعا کی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سپاہی کے لیے جس نے ان کو پیٹا تھا، جنت کی دعا کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ نے چور کی حالت سے یہ اندازہ فرمالیا تھا کہ وہ بغیر سزا کے توبہ نہیں کرے گا اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اندازہ ہوا کہ سزا سے وہ توبہ نہ کرے گا، اس لیے اس پر دعا کا احسان کیا، جس کی برکت سے اس کو توبہ نصیب ہوئی اور جب وہ معافی چاہنے کے لیے معذرت[3] کے طور پر حاضر ہوا تو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو سَر معذرت کا محتاج تھا، وہ میں بلخ میں چھوڑ آیا۔ [روض]

(۱۱) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ میں تھا، میرے پاس ایک یمن کے رہنے والے بزرگ آئے اور فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایک ہدیہ لایا ہوں، اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے صاحب سے جواُن کے ساتھ تھے، کہا کہ اپنا قصہ ان کو سناؤ، انہوں نے اپنا یہ قصہ سنایا کہ جب میں حج کے ارادہ سے صَنعاء سے چلا، تو بڑا مجمع[4] مجھے باہر تک رخصت کرنے کے واسطے آیا اور رخصت کرتے وقت ایک شخص نے ان میں سے مجھ سے کہہ دیا کہ جب تم مدینہ طیبہ حاضر ہو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمات میں میرا بھی سلام عرض کر دینا، میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور اس آدمی کا سلام عرض کرنا بھول گیا، جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہو کر پہلی منزل ذُوالحلیفہ پر پہونچا اور احرام باندھنے لگا، تو مجھے اس شخص کا سلام یاد آیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے اونٹ کا بھی خیال رکھنا، مجھے مدینہ طیبہ واپس جانا پڑ گیا، ایک چیز بھول آیا، ساتھیوں نے کہا کہ اب قافلہ کی روانگی کا وقت ہے، تم پھر مکّہ تک بھی قافلہ کو نہ پاسکوگے، میں نے کہا کہ تو میری سواری کو بھی اپنے ساتھ لیتے جانا، یہ کہہ کر میں مدینہ طیبہ لوٹ آیا اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر اس شخص کا سلام میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پہونچایا، اس وقت رات ہو چکی تھی، میں مسجد سے باہر نکلا، تو ایک

حل لغات: (۱) بال بچے والا۔ (۲) ایک قسم کا قیمتی باریک کپڑا۔ (۳) معافی۔ (۴) بہت لوگ۔

زیارت مدینہ

آدمی ذُوالحُلَیفَہ کی طرف سے آتا ہوا ملا، میں نے اس سے قافلہ کا حال پوچھا: اس نے کہا کہ وہ روانہ ہوچکا، میں مسجد میں لوٹ آیا اور یہ خیال ہوا کہ کوئی دوسرا قافلہ کسی وقت جاتا ہوا ملے گا، تو اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا، میں رات کو سو گیا، اخیر شب میں میں نے حضور اقدس ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ شخص ہے، حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اَبوالوفاء! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری کنیت تو ابوالعبّاس ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اَبوالوفاء ہو (یعنی وفادار) اس کے بعد حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجدِ حرام (یعنی مکّہ مکرّمہ کی مسجد) میں رکھ دیا، میں مکّہ مکرّمہ میں آٹھ دن تک مقیم رہا، اس کے بعد میرے ساتھیوں کا قافلہ مکّہ مکرّمہ پہونچا۔ [روض]

(۱۲) ابوعمران واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ سے حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے ارادہ سے چلا۔ جب میں حرم سے باہر نکلا، مجھے اتنی شدید پیاس لگی کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا، میں اپنی جان سے نا اُمید ہو کر ایک کیکر (ببول) کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا، دفعتًہ ایک شہ سوار[۱] سبز[۲] گھوڑے پر سوار میرے پاس پہونچے، اس گھوڑے کا لگام بھی سبز تھا، زِین بھی سبز تھی اور سوار کا لباس بھی سبز تھا، ان کے ہاتھ میں سبز گلاس تھا، جس میں سبز ہی رنگ کا شربت تھا، وہ انہوں نے مجھے پینے کے لیے دیا، میں نے تین مرتبہ پیا، مگر اس گلاس میں سے کچھ کم نہ ہوا، پھر انہوں نے مجھ سے دریافت[۳] کیا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ میں نے کہا کہ مدینہ طیبہ حاضری کا ارادہ ہے، تاکہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سلام کروں اور حضور ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو سلام کروں، انہوں نے فرمایا کہ جب تم مدینہ پہونچ جاؤ اور حضور ﷺ کی اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام کر چکو تو یہ عرض کر دینا کہ رِضوان آپ تینوں حضرات کی خدمت میں سلام عرض کرتے تھے۔ [روض] رضوان اس فرشتہ کا نام ہے جو جنت کے ناظم ہیں۔

(۱۳) سید احمد رِفاعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اکابِر[۴] صوفیہ میں ہیں، اُن کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے:

فِيْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِيْ كُنْتُ أُرْسِلُهَا　　تُقَبِّلُ الْأَرْضَ عَنِّيْ وَهِيَ نَائِبَتِيْ

وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ　　فَامْدُدْ يَمِيْنَكَ كَيْ تَحْظٰى بِهَا شَفَتِيْ

ترجمہ: دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس بھیجا کرتا تھا، وہ میری نائب بن کر آستانۂ[۵] مبارک چومتی تھی، اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے، اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے

حل لغات: (۱) سواری کا ماہر۔ (۲) ہرے۔ (۳) پوچھا۔ (۴) کبیر کی جمع یعنی بزرگوں۔ (۵) روضہ شریف کا دروازہ۔

ہونٹ اس کو چومیں۔

اس پر قبر شریف سے دستِ مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما۔ (الحاوی للسیوطی) کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوّے ہزار کا مجمع مسجد نبوی ﷺ میں تھا، جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی زیارت کی، جن میں حضرت محبوبِ سُبحانی قطبِ ربّانی شیخ عبد القادر جیلانی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ [البنیان المشید]

(۱۴) سید نور الدین ایجی شریف عفیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، تو سارے مجمع نے جو وہاں حاضر تھا، سُنا کہ قبر شریف سے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِيْ کا جواب ملا۔ [الحاوی]

(۱۵) شیخ ابونصر عبد الواحد بن عبد الملک بن محمد بن ابی سعد الصوفی الکرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت کے بعد زیارت کے لیے حاضر ہوا، حجرۂ شریفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ ابوبکر دیار بکری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور مواجہ[۱] شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ تو میں نے حجرۂ شریفہ کے اندر سے یہ آواز سُنی وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَبَا بَكْرٍ۔ اور اس کو سب لوگوں نے جو اس وقت حاضر تھے؛ سنا۔ [الحاوی]

(۱۶) یوسف بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک ہاشمی عورت مدینہ طیبہ میں رہتی تھی اور بعض خُدّام[۲] اس کو ستایا کرتے تھے، وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فریاد لے کر حاضر ہوئی، تو روضۂ شریفہ سے یہ آواز آئی: أَمَالَكِ فِيَّ أُسْوَةٌ، فَاصْبِرِيْ كَمَا صَبَرْتُ أَوْنَحْوَ هٰذَا۔ ''کیا تیرے لیے میرے اتباع میں رغبت نہیں؟ جس طرح میں نے صبر کیا تو بھی صبر کر۔'' وہ عورت کہتی ہیں کہ اس آواز کے بعد جس قدر کوفت[۳] مجھے تھی، وہ سب جاتی رہی اور وہ تینوں خادم جو مجھے ستایا کرتے تھے، مر گئے۔ [الحاوی]

(۱۷) حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے منقول ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے دفن سے فارغ ہوئے، تو ایک بدّو حاضر ہوئے اور قبر اطہر پر پہونچ کر گر گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا: وہ ہم نے سنا اور جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے آپ ﷺ کو پہونچا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو محفوظ فرمایا تھا، اس کو ہم نے محفوظ کیا، اس چیز میں جو آپ پر اللہ جَلَّ شانُہٗ نے نازل کی (یعنی قرآن پاک) یہ وارد[۴] ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝﴾ [سورۂ نساء: ۶۴] ترجمہ: اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم

حل لغات: (۱) حضور ﷺ کے روضہ کی کھڑکی جہاں سلام پڑھا جاتا ہے۔ (۲) خادم کی جمع، خدمت کرنے والے۔ (۳) تکلیف۔ (۴) آیا ہے۔

کرلیا تھا، آپ کے پاس آجاتے اور آکر اللہ جلّ شانہٗ سے معافی مانگ لیتے اور رسول اللہ (ﷺ) بھی ان کے لیے معافی مانگتے، تو ضرور حق تعالیٰ شانہٗ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے۔ اس کے بعد اس بدّو نے کہا: بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ کے پاس مغفرت کا طالب بن کر حاضر ہوا ہوں، اس پر قبر اطہر سے آواز آئی کہ بے شک تمہاری مغفرت ہوگئی۔ [حاوی]

(۱۸) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دشمنوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور کر رکھا تھا، میں ان کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا، تو فرمانے لگے: بھائی بہت اچھا کیا آئے، میں نے اس کھڑکی میں سے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عثمان! تمہیں ان لوگوں نے محصور[۱] کر رکھا ہے، میں نے عرض کیا: جی کر رکھا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں پیاسا کر رکھا ہے (کہ ان لوگوں نے پانی اندر جانا بند کر دیا تھا) میں نے عرض کیا: جی ہاں! اس پر حضور ﷺ نے ایک ڈول پانی کا لٹکایا، جس میں سے میں نے پانی پیا، اس پانی کی ٹھنڈک اب تک میرے دونوں شانوں[۲] اور دونوں چھاتیوں کے درمیان میں محسوس ہو رہی ہے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کی جائے اور تمہارا دل چاہے، تو یہاں ہمارے پاس ہی آکر افطار کر لینا، میں نے عرض کر دیا کہ حضور ﷺ کے خدمت میں حاضری ہی چاہتا ہوں، اسی دن شہید کر دیے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ [حاوی]

(۱۹) مکّہ مکرّمہ میں ایک بزرگ جن کو ابن ثابت کہا جاتا تھا، رہتے تھے، ساٹھ (۶۰) سال تک ہر سال حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور زیارت کرکے واپس آجاتے۔ ایک سال کسی عارض[۳] کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، کچھ غنودگی[۴] کی حالت میں اپنے حُجرہ میں بیٹھے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن ثابت! تم ہماری ملاقات کو نہ آئے، اس لیے ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔ [حاوی]

(۲۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قحط پڑا، ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی قبرِ اطہر پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کی اُمت ہلاک ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ سے بارش مانگ دیجیے، انہوں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، ارشاد فرمایا کہ عمر سے میرا سلام کہہ دو اور یہ کہہ دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دینا کہ (عَلَيْكَ الْكَيْسَ الْكَيْسَ) ہوش مندی اور ہوشیاری کو مضبوط پکڑیں، وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیام پہونچایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا: یا اللہ! میں اپنی قدرت کے بقدر تو کوتاہی[۵] نہیں کرتا۔ [وفاء الوفاء]

حل لغات: (۱) گھیرنا۔ (۲) کاندھا۔ (۳) مجبوری۔ (۴) اونگھ۔ (۵) کمی۔

(۲۱) محمد بن المُنکدِر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اَسّی اَشرفیاں امانت رکھیں اور یہ کہہ کر جہاد میں چلا گیا کہ اگر ضرورت پڑے تو خرچ کر لینا، میں واپس آ کر لے لوں گا، ان کے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں تنگی زیادہ پیش آئی، میرے والد نے وہ خرچ کر ڈالیں، جب وہ صاحب واپس آئے، تو انہوں نے اپنی رقم طلب کی، والد صاحب نے کل کا وعدہ کر لیا اور رات کو قبرِ اطہر پر حاضر ہو کر عاجزی کی، کبھی قبر شریف کے قریب دعا کرتے، کبھی منبر شریف کے مُتصِل[۱]، تمام رات یوں ہی گذر گئی، صبح کے قریب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کے قریب دعا کر رہے تھے کہ اندھیرے میں ایک شخص کی آواز سُنی، وہ کہہ رہے ہیں: ابو محمد! یہ لے لو، میرے والد نے ہاتھ بڑھایا، تو انہوں نے ایک تھیلی دی، جس میں اَسّی اشرفیاں تھیں۔ [وفاء]

(۲۲) ابو بکر بن المُقری کہتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں حاضر تھے، کھانے کو کچھ ملا نہیں، روزہ پر روزہ رکھا، جب رات ہوئی عشاء کے قریب میں قبرِ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! بھوک، یہ عرض کر کے میں لوٹ آیا، مجھ سے ابو القاسم [طبرانی] کہنے لگے کہ بیٹھ جاؤ، یا تو کچھ کھانے کو آئے گا یا موت آئے گی، ابن المُنکدِر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اور ابو الشیخ تو کھڑے ہو گئے، طَبرانی وہیں بیٹھے کچھ سوچتے رہے کہ دفعۃً ایک عَلَوِی[۲] نے دروازہ کھٹکھٹایا، ہم نے کواڑ کھولے تو اُن کے ساتھ دو غلام تھے اور ان دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک بہت بڑی زنبیل[۳] تھی، جس میں بہت کچھ تھا، ہم تینوں نے کھایا، خیال تھا کہ یہ بچا ہوا یہ غلام کھائیں گے، مگر وہ سب کچھ وہیں چھوڑ گئے اور وہ عَلَوِی کہنے لگے کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں تمہارے پاس کچھ پہونچاؤں۔ [وفاء]

(۲۳) ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ مجھ پر فاقہ تھا، میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں، مجھے کچھ غنودگی سی آ گئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت[۴] فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ [وفاء] اس سے قبل نمبر آٹھ[۸] پر شیخ اَبوالخیر اَقطَع کا قصہ اس جیسا گذر چکا، وہ دوسرا قصہ ہے۔

(۲۴) صوفی ابو عبد اللہ محمد بن ابی ذرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد اور ابو عبد اللہ بن خَفِیف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکّہ مکرّمہ حاضر ہوا، بڑی سخت تنگی تھی، فاقہ بہت سخت ہو گیا تھا، اسی حالت میں ہم مدینہ

حلِ لغات: (۱) لگ کر۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ نسل جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بیویوں سے ہے۔ (۳) بڑا جھولا۔ (۴) عطا۔

طیبہ حاضر ہوئے اور خالی پیٹ ہی رات گذاری، میں اس وقت تک نابالغ تھا، بار بار والد کے پاس جاتا اور جا کر بھوک کی شکایت کرتا، میرے والد اُٹھ کر قبر شریف کے قریب حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آج آپ کا مہمان ہوں، یہ عرض کرکے وہیں مُراقبہ میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد مُراقبہ سے سَر اُٹھایا اور سَر اُٹھانے کے بعد کبھی رونے لگتے، کبھی ہنسنے لگتے، کسی نے اس کا سبب پوچھا: تو کہنے لگے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں چند دِرم رکھ دیے، ہاتھ کھولا تو اس میں درم رکھے ہوئے تھے، صوفی جی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان میں اتنی برکت فرمائی کہ ہم نے شیراز[1] لوٹنے تک اسی میں سے خرچ کیا۔ [وفاء]

(۲۵) شیخ احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تین ماہ تک حیران پریشان پھرتا رہا، میرے بدن کی کھال بھی چھل گئی، میں اسی میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کیا، اس کے بعد میں سو گیا، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، ارشاد فرمایا: احمد! تم آئے، میں نے عرض کیا کہ جی حضور حاضر ہوا ہوں اور میں بھوکا بھی ہوں، آپ کا مہمان ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ کھولو، میں نے دونوں ہاتھ کھول دیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دراہم سے بھر دیا، میری جب آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ دراہم سے بھرے ہوئے تھے، میں نے اسی وقت روٹی اور فالودہ[2] خریدا اور کھا کر جنگل چل دیا۔ [وفاء]

(۲۶) ثابت بن احمد ابوالقاسم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک مؤذن کو دیکھا کہ وہ مدینہ پاک میں مسجد نبوی میں صبح کی اَذان دے رہے تھے، اذان میں مؤذن نے کہا: ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ''، تو ایک خادم نے آکر ان کے تھپّڑ مار دیا، وہ مؤذن رویا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آپ کی موجودگی میں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے، اس خادم پر فالج گر گیا، لوگ اٹھا کر اس کو گھر لے گئے اور تین دن بعد وہ مر گیا۔ [وفاء]

(۲۷) سید ابو محمد عبد السلام حسینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبّہ میں تھا، تین دن تک کچھ کھانے کی نوبت نہ آئی، میں نے منبر شریف کے قریب جا کر دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد میں نے کہا: دادے ابّا! مجھے بھوک لگ رہی ہے اور میرا ثرِید کھانے کو دل چاہتا ہے، اس کے بعد میں سو گیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک شخص نے آکر مجھے جگایا اور لکڑی کے ایک پیالے میں ''ثرید[3]'' اس میں خوب گھی اور گوشت اور بہت سی خوشبوئیں پڑی ہوئی تھیں، مجھے دیا، میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ

حل لغات: (۱) ملک فارس کا ایک شہر۔ (۲) ایک قسم کا قیمتی شاہی کھانا۔ (۳) گوشت میں پکی ہوئی روٹی۔

میرے بچے تین دن سے اس کا تقاضا کر رہے تھے، آج مجھے کچھ مقدر سے مل گیا تھا، اس لیے میں نے پکایا تھا، پھر پکا کر میں سو گیا، تو میں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا، ارشاد فرما رہے ہیں کہ تیرے ایک بھائی نے اس کی تمنا مجھ سے کی ہے، اس میں سے اس کو بھی کھلانا۔ [وفاء]

(۲۸) شیخ عبد السلام بن ابی القاسم صَقَلِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا، میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی، جس سے میں بہت ضعیف ہو گیا، میں حُجرۂ[1] شریفہ پر حاضر ہوا اور حاضر ہو کر میں نے عرض کیا: اے اوّلین و آخرین کے سردار! میں مصر کا رہنے والا ہوں، میں پانچ مہینہ سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں، اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اور آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو متعین فرما دیجئے، جو میرے کھانے کی خبر لے لیا کرے یا میرے جانے کا انتظام کر دے، پھر میں نے اور دعائیں مانگیں اور منبر شریف کے پاس جا کر بیٹھ گیا، دفعۃً میں نے دیکھا کہ ایک شخص حجرۂ شریفہ کے پاس حاضر ہوئے اور کچھ بول رہے ہیں، اس میں اے میرے دادے! اے میرے دادے! بھی کہہ رہے ہیں، پھر وہ صاحب وہاں سے میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: اُٹھو! میں اُٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا، وہ مجھے ساتھ لے کر بابِ جبرئیل سے نکلے اور بقیع[2] میں سے نکل کر باہر ایک خیمہ میں لے گئے، اس میں ایک باندی اور ایک غلام تھے، ان سے جا کر کہا: اُٹھو اپنے مہمان کے لیے کھانا تیار کرو، غلام نے لکڑیاں اِکٹھی کر کے آگ جلائی اور باندی نے آٹا پیس کر ''مَلَّۃٌ'' (ایک خاص قسم کی روٹی) تیار کی اور میزبان نے اتنی دیر مجھے باتوں میں لگائے رکھا، جب وہ تیار ہو گئی تو باندی نے لا کر اس کو آدھی آدھی کر کے دو جگہ رکھی، پھر گھی کا ڈبہ لا کر ان دونوں ٹکڑوں پر بہا دیا، اس کے بعد صَیْحانی کھجوریں جو بہت بڑی بڑی اعلیٰ قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں؛ وہ بہت سی رکھیں، پھر مجھ سے کہا: کھاؤ! میں نے کھایا، اس نے تقاضا کیا کہ اور کھاؤ، میں نے اور کھایا، پھر اس نے اور تقاضا کیا، میں نے کہا: میرے سردار! میں نے کئی مہینہ سے گیہوں نہیں کھایا تھا اور نہیں کھایا جاتا، اس نے میرے پاس سے جو بچا تھا، وہ بھی اور دوسرا ٹکڑا جو رکھا ہوا تھا وہ ایک زنبیل[3] میں رکھا اور دو صاع[4] کھجور جو تقریباً ساڑھے تین سیر پختہ[5] ہوئیں، اس زنبیل میں رکھ کر مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا، کہنے لگے: تمہیں خدا کی قسم! پھر دادے ابّا سے کبھی شکایت نہ کرنا، ان کو اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے، جب تک تمہارے جانے کی صورت نکلے؛ اس وقت تک جب تمہیں ضرورت ہوگی کھانا وہیں تمہارے پاس پہونچ جایا کرے گا، یہ کہہ کر اپنے غلام سے کہا کہ یہ زَنبیل لے کر ان کے ساتھ جاؤ اور ان کو مع اس زنبیل کے

حل لغات: (۱) روضہ شریف۔ (۲) مدینہ منورہ کا پرانا قبرستان۔ (۳) بڑا جھولا۔ (۴) ایک پیمانہ جو تقریباً تین کلو ایک سو چوراسی گرام کا وزن۔ (۵) پکے۔

حجرۂ شریفہ تک پہونچا کر آؤ، میں غلام کے ساتھ چلا، بقیع میں پہونچ کر میں نے غلام سے کہا کہ بس میں راستہ پر پہونچ گیا، اب تم واپس چلے جاؤ، غلام نے کہا: اللہ واحد مجھے اس کی قدرت نہیں کہ آپ کو حجرۂ شریفہ تک پہونچانے سے پہلے واپس ہوں، کبھی حضور اقدس ﷺ میرے سردار کو اس کی خبر نہ کر دیں، اس نے مجھے حجرۂ شریفہ تک پہونچایا، میں چار دن تک اس زنبیل سے کھاتا رہا، جب وہ ختم ہوگئی اور مجھے بھوک معلوم ہوئی تو وہی غلام مجھے اور کھانا دے گیا، اسی طرح ہوتا رہا، یہاں تک کہ ایک قافلہ ''ینبوع[1]'' جانے والا تیار ہوگیا اور میں اس کے ساتھ ''ینبوع'' چلا گیا۔ [وفاء]

(۲۹) ابو العباس بن نفیس مُقری رحمۃ اللہ علیہ جو نابینا بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ میں تین دن مدینہ طیبہ میں بھوکا رہا، تو میں قبر شریف پر یہ عرض کر کے کہ حضور میں بھوکا ہوں، ضعف کی حالت میں سوگیا، ایک لڑکی آئی اور پاؤں سے مجھے حرکت دے کر جگایا اور کہا: چلو، میں ساتھ ہولیا، وہ اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں میرے سامنے رکھ کر کہنے لگی کہ ابو العباس کھاؤ، مجھے میرے دادے نے اس کا حکم فرمایا ہے اور جب بھوک لگا کرے یہاں آ کر کھا جایا کرو۔ ابو سلیمان داؤد رحمۃ اللہ علیہ اس قصہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے نقل کیے گیے ہیں اور ان میں بکثرت یہ دیکھا گیا کہ اس قسم کا حکم حضور ﷺ نے اپنی شریف اولاد ہی کو زیادہ تر فرمایا ہے، بالخصوص جب کہ کھانے کی قسم سے کوئی چیز دینے کا ارشاد ہوا ہو اور کریموں کی عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص ضیافت طلب کرے تو اپنے ہی گھر سے ابتداء[2] فرمایا کرتے ہیں، اسی ضابطہ[3] کے موافق آنحضرت ﷺ نے بھی اکثر کھانے کا حکم اپنی ہی اولاد کو فرمایا ہے۔ [وفاء]

(۳۰) بازری رحمۃ اللہ علیہ نے ''توثیق عُرَی الاِیمَان'' میں ابو النعمان سے نقل کیا ہے کہ خراسان کے رہنے والے ایک صاحب ہر سال حج کو جایا کرتے اور جب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تو سید طاہر عَلَوِی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی نذرانہ[4] پیش کیا کرتے۔ ایک صاحب نے جو مدینہ ہی کے رہنے والے تھے، ان خراسانی سے ایک مرتبہ یہ کہا کہ تم طاہر عَلَوِی کو جو کچھ دیتے ہو، وہ ضائع[5] کرتے ہو، وہ اس کو گناہوں میں خرچ کر دیتا ہے۔ خراسانی نے اس سال طاہر صاحب کو کچھ نہ دیا اور دوسرا سال بھی ایسے ہی گذر گیا کہ وہ اپنی عادت کے موافق جو کچھ لے کر آئے تھے، وہ اہل مدینہ کو تقسیم کر گئے اور طاہر صاحب کو کچھ نہ دیا۔ جب تیسرے سال وہ حج کے ارادہ سے اپنے گھر سے چلنے لگے تو حضور اقدس ﷺ کی زیارت خواب میں ہوئی۔ حضور ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ تو نے طاہر عَلَوِی کے بارے میں اس کے مخالف کی بات کا

حل لغات: (۱) عرب ملک کا ایک شہر۔ (۲) شروع۔ (۳) اصول۔ (۴) ہدیہ، تحفہ۔ (۵) برباد۔

زیارت مدینہ

یقین کرلیا اور جو تُو اس کو دیا کرتا تھا، وہ بند کرلیا؟ ایسا نہ کرنا چاہیے، جو وظیفہ[1] اس کا رُکا ہوا ہے، وہ بھی دو اور آئندہ جب تک جاری رکھ سکو بند نہ کرو۔ وہ خراسانی بہت خوف زدہ نیند سے اُٹھے اور ایک تھیلی علیحدہ ان کے نام کی جس میں چھ سو اَشرفیاں تھیں، اپنے ساتھ لے لی اور جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو سب سے پہلے سید طاہر عَلَوِی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہونچے، وہاں محفل بھر رہی تھی۔ عَلَوِی صاحب نے ان خراسانی کا نام لے کر کہا کہ اگر تم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد نہ فرماتے، تو تم مجھ تک نہ آتے، تم نے میرے بارے میں اللہ کے دشمن کی بات کا یقین کرلیا؟ اور اپنا معمول بند کرلیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت[2] فرمائی اور حکم فرمایا کہ تین سال کا وظیفہ دو، جب لے کر آئے ہو۔ یہ کہہ کر ہاتھ پھیلایا اور کہا: لاؤ چھ سو اَشرفیاں[3]۔ یہ ساری بات سُن کر خراسانی کو اور بھی دہشت[4] ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ واقعہ تو سارا اسی طرح ہے، مگر تمہیں اس سارے واقعہ کی کس طرح خبر ہوئی؟ علوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے سارا حال معلوم ہے، پہلے سال جب تم نے کچھ نہ دیا، تو اس سے میری معیشت پر اثر پڑا، جب دوسرے سال تم آکر چلے گئے اور مجھے تمہارے آنے اور جانے کا حال معلوم ہوا تو مجھے بہت ضِیق[5] ہوئی، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تُو رنج نہ کر، میں نے فلاں خراسانی کو خواب میں تنبیہ کردی اور اس سے کہہ دیا کہ گذشتہ کا بھی ادا کرے اور آئندہ بھی حتی المقدور[6] بند نہ کرے۔ میں نے اس خواب پر اللہ کا شکر ادا کیا، جب تم سامنے آئے تو مجھے یقین ہوگیا کہ تم نے خواب دیکھ لیا۔ یہ سُن کر خراسانی نے چھ سو اَشرفیوں کی تھیلی نکالی اور ان کو دے کر ان کی دَست بوسی[7] کی اور اپنی کوتاہی[8] کی معافی چاہی کہ میں نے تمہارے مخالف کی بات کا یقین کرلیا۔ سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ طاہر عَلَوِی: طاہر بن یحییٰ بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبید اللہ بن زین العابدین علی بن الامام حسین رضوانُ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ [رشفہ]

(۳۱) ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کی زیارت کرادو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرۂ شریفہ کے اس حصہ کو جس میں قبر شریف تھی، پَردہ ہٹا کر کھولا، وہ عورت قبر شریف کی زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے وہیں انتقال کرگئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ [شفاء]

(۳۲) خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی عَبدہ کہتی ہیں کہ میرے والد کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ رات کو جب سونے لیٹتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں بے چین ہوتے اور مہاجرین اور انصار صحابہ

حل لغات: (۱) پابندی سے جو رقم دی جائے۔ (۲) برا بھلا کہنا۔ (۳) سونا کا سکہ۔ (۴) خوف۔ (۵) دل تنگ ہوا۔ (۶) اپنی قدرت بھر۔ (۷) ہاتھ چوما۔ (۸) کمی اور غلطی۔

زیارت مدینہ

کرام رضی اللہ عنہم کو نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے: یا اللہ! یہی حضرات میرے اصول[1] وفروع[2] ہیں، میرا دل ان سے ملنے کو بے تاب ہے، میرا اشتیاق[3] بڑھتا جا رہا ہے۔ یا اللہ! مجھے جلدی سے موت عطا فرما کہ ان سے ملوں، اسی میں نیند آجاتی تو سو جاتے۔ [شفاء]

(۳۳) عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی کسی ضرورت سے بار بار حاضر ہوتے تھے، وہ ان کی طرف التفات نہ فرما رہے تھے، نہ ان کی ضرورت کی طرف توجہ فرما رہے تھے۔ ان صاحب نے ابنِ حُنیف رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، انہوں نے یہ ترکیب بتائی کہ تم وضو کر کے مسجدِ نبوی میں جاؤ اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھو: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ أَنْ تُقْضٰى حَاجَتِيْ اور یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت کو اللہ جلّ شانہٗ کے سامنے پیش کرو، انہوں نے اس کے موافق عمل کیا، اس کے بعد وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے، وہاں پہونچتے ہی دربان آیا اور ان کو ہاتھوں ہاتھ لے گیا۔ وہاں پہونچے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اکرام کیا، اپنی جگہ بٹھایا اور ان کی ضرورت کو خود دریافت[4] کر کے پورا کیا اور اس کی معذرت[5] فرمائی کہ اس وقت تک تمہاری ضرورت کو پورا نہ کر سکا اور آئندہ کے لیے ارشاد فرمایا کہ جو ضرورت ہوا کرے بے تکلف کہہ دیا کریں۔ یہ صاحب جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آئے تو ابن حُنیف رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کا بہت شکریہ ادا کیا کہ تمہاری سفارش سے میرا کام ہو گیا، حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔ ابن حُنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کوئی سفارش نہیں کی، بلکہ بات یہ ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بینائی[6] کی شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبر کرو اور کہو تو میں دعا کر دوں؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کوئی ہاتھ پکڑنے والا بھی میرے پاس نہیں ہے، اس کی بہت تکلیف ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ترکیب ان کو بتائی تھی کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھیں، پھر اس دعا کو پڑھ کر دعا کریں۔ ابن حُنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ نابینا ایسے آئے گویا ان کی آنکھوں کو کچھ نقصان ہی نہ پہونچا تھا۔ علامہ سُبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ کے فہم[7] سے استدلال[8] ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ [وفاء] یعنی انہوں نے اس قصہ کو ان نابینا کے ساتھ مخصوص[9] نہیں سمجھا، بلکہ ہر شخص کے لیے اس دعا سے توسُّل[10] کو عام سمجھا ان نابینا کا قصہ آدابِ زیارت کے نمبر بتّیس ۳۲ پر بھی گذر چکا ہے۔

حل لغات: (۱) بنیاد۔ (۲) شاخیں۔ (۳) شوق۔ (۴) پوچھا۔ (۵) معافی مانگی۔ (۶) نظر نہ آنا۔ (۷) سمجھ۔ (۸) دلیل لانا۔ (۹) خاص۔ (۱۰) وسیلہ۔

زیارت مدینہ

(۳۴) عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا کہ جب ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو میں بھی مدینہ منورہ میں حاضر تھا، میں نے دل میں سوچا کہ میں غور سے دیکھوں کہ یہ کس طرح قبر شریف پر حاضر ہوتے ہیں۔ میں نے جا کر دیکھا کہ وہ حاضر ہوئے اور قبلہ کی طرف پُشت[۱] اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور بے تصنُّع[۲] روتے رہے۔ [وفاء]

بے زبانی ترجمانِ[۳] شوق بے حد ہو تو ہو ورنہ پیشِ[۴] یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں؟
گرا کر چار آنسو حالِ دل سب کہہ دیا ان سے دیا مجھ کو زباں کا کام چشمِ[۵] خوں فشاں[۶] تو نے

(۳۵) ابو محمد اَشْبِیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غَرناطہ کا ایک شخص اس قدر بیمار ہوا کہ حد نہیں، اطبّاء[۷] اس کے علاج سے عاجز ہو گئے، زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ وزیر ابو عبد اللہ محمد ابن ابی ضال نے ایک خط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لکھا، اس میں چند شعر بھی لکھے جو وَفاءُ الوفا میں مذکور ہیں۔ وہ خط حُجَّاج کے قافلہ میں سے ایک شخص کو دے دیا۔ اس میں بیماری سے صحت کی دعا کی درخواست کی تھی۔ وہ قافلہ جب مدینہ پاک پہونچا اور وہ خط قبر شریف پر پڑھا گیا، اسی وقت وہ بیمار اچھا ہو گیا۔ جب وہ شخص جس کے ہاتھ خط گیا تھا، حج سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بیمار ایسا تھا گویا کبھی کوئی بیماری اس کو پہونچی ہی نہیں۔ [وفاء]

(۳۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری نعش[۸] روضۂ اقدس پر لے کر عرض کر دینا کہ یہ ابو بکر ہے، آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے، اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا؛ چنانچہ آپ کے وصال[۹] کے بعد وصیت کے موافق جنازہ وہاں لے جا کر قبر شریف کے قریب، یہی عرض کر دیا گیا۔ وہاں سے ایک آواز ہمیں آئی، آدمی کہنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ اندر لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو مجھے اپنے سرہانے بٹھا کر فرمایا کہ جن ہاتھوں سے تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا، انہی ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا اور مجھے اس حُجرہ[۱۰] کے قریب لے کر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے اجازت مانگ لینا، اگر اجازت مانگنے پر حُجرہ کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا، ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) پیٹھ۔ (۲) بناوٹ کے بغیر۔ (۳) شوق کی بات۔ (۴) دوست کے سامنے۔ (۵) آنکھ۔ (۶) خون کا فوارہ یعنی آنسو۔ (۷) حکیم۔ (۸) لاش۔ (۹) انتقال۔ (۱۰) کمرہ۔

زیارتِ مدینہ

فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ابوبکر یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں، تو میں نے دیکھا کہ ایک دم حُجرہ کے کِواڑ[1] کھل گئے اور ایک آواز آئی کہ دوست کو دوست کے پاس پہونچا دو۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کُبریٰ میں ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔ محدِّثانہ حیثیت سے اس روایت کو مُنکَر[2] بتایا ہے، لیکن تاریخی حیثیت تو باقی ہے ہی۔

(۳۷) حضرت سعید بن المُسیَّب رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی[3] ہیں۔ بڑے عجیب عجیب واقعات ان کی عبادت، زُہد[4] اور کلمۃُ الحق کہنے میں کسی سے نہ ڈرنے کے کتب میں موجود ہیں۔ پچاس[50] برس تک کوئی نماز ان کی جماعت سے فوت[5] نہیں ہوئی، بلکہ تکبیرِ اُولیٰ فوت نہیں ہوئی اور چالیس[40] برس تک کسی نماز کی اذان ایسی نہیں ہوئی کہ یہ اذان سے پہلے سے مسجد میں موجود نہ ہوں اور پچاس[50] برس تک صبح کی نماز عشاء کی وضو سے پڑھی۔ [حِلیہ] حَرَّہ کی مشہور لڑائی جو یزید کے لشکروں کی اہلِ مدینہ سے ۶۳ھ میں ہوئی، اس میں سب اہلِ مدینہ خوف و[6] ہراس اور جنگ کی کثرت کی وجہ سے کچھ مُنتشر[7] اور کچھ اپنے گھروں میں چھپ گئے تھے، مسجدِ نبوی میں فوجیوں کے گھوڑے کودتے پھرتے تھے، سَترہ سو اُونچے درجہ کے مہاجرین اور انصار اس جنگ میں شہید ہوئے اور دس ہزار سے زیادہ عام مؤمنین، علاوہ بچوں اور عورتوں کے۔ [وفاء] اس زمانہ میں کئی دن تک حضرت سعید بن المسیَّب رحمۃ اللہ علیہ تن تنہا[8] مسجدِ نبوی میں پڑے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کئی دن تک اتنے دوسرے آدمی مسجد میں آنا شروع نہیں ہوئے، میں ہر نماز کے وقت اَذان اور تکبیر کی آواز قبر شریف میں سے سُنا کرتا تھا۔ [خصائص کبریٰ، قول بدیع] یہ عُشّاق[9] و جاں نثاروں کا نمونہ تھا۔

عبرت کے لیے تین واقعات مخالفت کے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں، یہ واقعات اس لحاظ سے اہم ہیں کہ حاضرین کو ایسی کوئی حرکت ظاہری یا باطنی[10] کرنے سے احتراز[11] کرنا چاہیے، جو ادب کے خلاف ہو۔

(۳۸) امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کے ایماء[12] سے یا محض[13] سُرخروئی[14] اور تقرُّب[15] حاصل کرنے کے لیے ان کے ایماء کے بغیر مروان نے، جو ان کی طرف سے مدینہ منورہ کا امیر تھا، یہ چاہا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف جو مسجدِ نبوی میں ہے، اس کو یہاں سے اکھاڑ کر شام میں امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جائے اور اس غرض سے اس کو اُکھڑوانا شروع کیا، اسی وقت دفعۃً آفتاب[16] گہن ہو گیا اور مدینہ منورہ میں اس قدر سخت اندھیرا ہو گیا کہ ستارے نظر آنے لگے۔ مروان نے آ کر لوگوں سے

حل لغات: (۱) دروازے کا پلہ۔ (۲) روایت کی ایک قسم۔ (۳) ایسا مسلمان جس نے صحابی کو دیکھا ہو۔ (۴) دنیا سے بے رغبتی۔ (۵) چھوٹی۔ (۶) ڈر۔ (۷) الگ الگ جگہ چلے گئے۔ (۸) اکیلے۔ (۹) عاشق کی جمع۔ (۱۰) اندرونی و بیرونی طور پر۔ (۱۱) بچنا۔ (۱۲) اشارہ۔ (۱۳) صرف۔ (۱۴) عزت۔ (۱۵) مرتبہ۔ (۱۶) سورج۔

زیارتِ مدینہ

معذرت[1] کی اور خطبہ میں اس کا اعلان کیا کہ اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا تھا کہ اس کو دیمک لگ جانے کا اندیشہ[2] ہے، اس لیے اس کے نیچے اور سیڑھیوں کا اِضافہ[3] کرکے اس کو اوپر رکھنے کا ارادہ ہے۔ اسی وقت بڑھئی[4] کو بُلوا کر چھ سیڑھیاں بنوائیں اور ان کے اوپر اس منبر شریف کو رکھا، جس کی وجہ سے منبر شریف کی کل نو[9] سیڑھیاں ہوگئیں، ورنہ اس سے قبل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کل تین ہی درجے تھے، دو سیڑھیاں اور ایک[1] اوپر بیٹھنے کا۔ [نزہتہ]

(۳۹) سلطان ''نورالدین'' عادل بادشاہ متقی اور صاحب اَورَاد و وظائف تھے۔ رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظائف میں خرچ ہوتا تھا، ۵۵۷ھ میں ایک شب تہجد کے بعد سوئے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کیری[5] آنکھوں والے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر سلطان سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی، فوراً اُٹھ کر وضو کیا اور نوافل پڑھ کر دوبارہ لیٹے تو معاً[6] آنکھ لگی اور یہی خواب بِعَیْنِہٖ[7] دوبارہ نظر آیا، پھر جاگے اور وضو کرکے نوافل پڑھیں، پھر لیٹے اور معاً آنکھ لگنے پر تیسری مرتبہ پھر یہی خواب نظر آیا۔ تو اُٹھ کر کہنے لگے کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں، فوراً رات ہی کو اپنے وزیر کو جو نیک، صالح آدمی تھے ''جمالُ الدین'' نام بتایا جاتا ہے اور اس نام میں اختلاف بھی ہے بُلایا اور سارا قصہ سنایا۔ وزیر نے کہا کہ اب دیر کی کیا گنجائش ہے، فوراً مدینہ طیبہ چلیے اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجیے۔ بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی اور وزیر اور بیس[20] نفر[8] مخصوص خدّام[9] کو ساتھ لے کر تیز رَو[10] اونٹوں پر بہت سا سامان اور مال متاع[11] لَدوا کر مدینہ طیبہ کو روانہ ہوگئے اور رات دن چل کر سولہویں دن مصر سے مدینہ طیبہ پہونچے۔ مدینہ طیبہ سے باہر غسل کیا اور نہایت ادب احترام سے مسجد شریف میں حاضر ہوئے اور روضۂ جنت میں دو رکعت نفل پڑھی اور نہایت مُتفکّر[12] بیٹھے سوچتے رہے کہ کیا کریں۔ وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ زیارت کے لیے تشریف لائے ہیں اور اہلِ مدینہ پر بخشش[13] اور اموال[14] بھی تقسیم ہوں گے اور بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا، جس میں سارے اہلِ مدینہ کو مدعو[15] کیا۔ بادشاہ عطا[16] کے وقت بہت گہری نگاہ سے لوگوں کو دیکھتے، سب اہلِ مدینہ یکے بعد دیگرے آکر عطائیں لے کر چلے گئے، مگر وہ دو شخص جو خواب میں دیکھے تھے نظر نہ آئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی اور باقی رہا ہو تو اس کو بھی بُلا لیا جائے، معلوم ہوا کہ کوئی باقی نہیں رہا۔ بہت غور خوض اور بار بار کہنے پر لوگوں نے کہا کہ دو نیک مرد، متقی، پرہیزگار مغربی بزرگ ہیں، وہ

حل لغات: (۱) معافی مانگی۔ (۲) ڈر۔ (۳) بڑھا۔ (۴) ستار۔ (۵) رنگین آنکھیں۔ (۶) فوراً۔ (۷) بالکل اسی طرح۔ (۸) لوگ۔ (۹) خادم کی جمع۔ (۱۰) تیز رفتار۔ (۱۱) سامان۔ (۱۲) فکرمند۔ (۱۳) تحفہ۔ (۱۴) مال کی جمع۔ (۱۵) دعوت دی۔ (۱۶) ہدیہ دینے۔

زیارت مدینہ

کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے، خود بہت کچھ صدقات خیرات اہل مدینہ پر کرتے رہتے ہیں، سب سے یکسو[1] رہتے ہیں، گوشہ نشین[2] آدمی ہیں۔ بادشاہ نے ان کو بھی بُلوایا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دونوں ہیں، جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہنے لگے: مغرب کے رہنے والے ہیں، حج کے لیے حاضر ہوئے تھے، حج سے فراغت پر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں پڑے رہنے کی تمنا ہوئی تو یہاں قیام کرلیا۔ بادشاہ نے کہا: صحیح صحیح بتادو۔ انہوں نے جو پہلے کہا تھا، اسی پر اصرار[3] کیا۔ بادشاہ نے ان کی قیامگاہ[4] پوچھی۔ معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس کے قریب ہی ایک رَباط[5] میں قیام ہے۔ بادشاہ نے ان کو تو وہیں روکے رکھنے کا حکم دیا اور خود ان کی قیامگاہ پر گیا، وہاں جاکر بہت تجسّس[6] کیا۔ وہاں مال و متاع تو بہت سا ملا اور کتابیں وغیرہ رکھی ہوئی ملیں، لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملی، جس سے خواب کے مضمون کی تائید ہوتی۔ بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا، اہل مدینہ بہت کثرت سے سفارش کے لیے حاضر ہو رہے تھے کہ یہ نیک بزرگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ہر نماز روضۂ شریفہ میں پڑھتے ہیں، روزانہ بقیع کی زیارت کرتے ہیں، ہر شنبہ[7] کو قُبا جاتے ہیں، کسی سائل[8] کو رد[9] نہیں کرتے، اس قحط کے سال میں اہلِ مدینہ کے ساتھ انتہائی ہمدردی و غمگساری انہوں نے کی ہے۔ بادشاہ حالات سُن کر تعجب کرتے تھے اور اِدھر اُدھر متفکر پھر رہے تھے۔ دفعۃً[10] خیال آیا کہ ان کے مُصلّے کو جو ایک بوریے پر بچھا ہوا تھا، اُٹھایا، اس کے نیچے ایک پتھر بچھا ہوا تھا۔ اس کو اُٹھایا، تو اس کے نیچے ایک سُرنگ نکلی، جو بہت گہری کھودی گئی تھی اور بہت دور تک چلی گئی تھی، حتّٰی کہ قبرِ اطہر کے قریب تک پہونچ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب دَنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے ان کو غصہ میں کانپتے ہوئے پیٹنا شروع کیا کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں نصرانی[11] ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بہت سا مال ان کو دیا ہے اور بہت زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ حاجیوں کی صورت بنا کر آئے ہیں تاکہ قبرِ اطہر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اَطہر[12] کو لے جائیں، وہ دونوں رات کو اس جگہ کو کھودا کرتے اور جو مٹی نکلتی اس کو چمڑے کی دو مشکیں ان کے پاس مغربی شکل کی تھیں، ان میں بھر کر رات ہی کو بقیع میں ڈال آیا کرتے تھے۔ بادشاہ اس بات پر کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اور اس کے پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے لیے ان کو منتخب[13] کیا، بہت روئے اور دونوں کو قتل کرایا اور حجرۂ شریفہ کے گرد اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی تک پہونچ گئی اور اس میں رانگ یا سیسہ پگھلا کر بھروا دیا کہ جسدِ اَطہر تک کسی کی رسائی نہ ہوسکے۔

[وفاءِ اوّل]

حل لغات: (١) الگ، اکیلے۔ (٢) تنہائی۔ (٣) جمے رہنا۔ (٤) ٹھہرنے کی جگہ۔ (٥) مسافر خانہ۔ (٦) تلاش وکھوج۔ (٧) سنیچر۔ (٨) مانگنے والا۔ (٩) لوٹانا۔ (١٠) اچانک۔ (١١) عیسائی۔ (١٢) پاکیزہ جسم۔ (١٣) چنا۔

زیارت مدینہ

(۴۰) شیخ شمس الدین صَوَاب رحمۃ اللہ علیہ جو خادمینِ حرمِ نبوی کے رئیس تھے، کہتے ہیں کہ میرے ایک مُخْلِص رفیق تھے، جو امیر مدینہ کے یہاں بہت کثرت سے آتے جاتے تھے اور مجھے بھی جس قسم کے کام پیش آتے، انہی کے ذریعہ سے امیر تک پہونچا تا تھا۔ ایک دن وہ رفیق میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج بڑا سخت حادثہ پیش آگیا۔ میں نے کہا: کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ حَلَب کے رہنے والوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے اور بہت سامال رشوت کا امیر کو اس لیے دیا ہے کہ وہ حضرات شیخین[۱] رضی اللہ عنہما کے مبارک اَجسام[۲] کو یہاں سے لے جانے پر مدد دے، امیر نے اس کو قبول کرلیا ہے۔ شیخ صواب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ خبر سُن کر میرے رنج[۳] کی انتہا نہ رہی، میں انتہائی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد مجھے بُلانے آگیا، میں وہاں گیا۔ امیر نے مجھ سے کہا: آج رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے، تم ان سے تعرُّض[۴] نہ کرنا اور وہ جو کچھ کریں ان کو کرنے دینا، تم کسی بات میں دخل نہ دینا۔ میں ''بہت اچھا'' کہہ کر چلا آیا، مگر سارا دن حجرۂ شریفہ کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گذر گیا، ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا[۵] تھا اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ آخر عشاء کی نماز سے فراغت پر جب سب آدمی چلے گئے اور ہم نے کواڑ[۶] وغیرہ بند کرلیے تو بابُ السَّلام سے کہ یہ دروازہ امیر کے گھر کے قریب تھا، لوگوں نے دروازہ کھُلوا کر اندر آنا شروع کیا، میں ان کو ایک ایک کرکے چُپکے چُپکے گن رہا تھا، چالیس آدمی اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ پھاوڑے اور ٹوکریاں اور زمین کھودنے کے بہت سے آلات تھے، وہ اندر داخل ہو کر حجرۂ شریفہ کی طرف کو چلے، خدا کی قسم! منبر تک بھی نہ پہونچے تھے کہ ایک دَم ان کو مع[۷] ان کے سارے ساز و سامان کے زمین نگل گئی، اور نشان تک بھی پیدا نہ ہوا۔ امیر نے بہت دیر تک ان کا انتظار کرکے مجھے بُلا کر پوچھا کہ صَواب! وہ لوگ ابھی تک تمہارے یہاں نہیں پہونچے؟ میں نے کہا: ہاں! آئے تھے اور یہ قصہ ان کے ساتھ گذرا۔ امیر نے کہا: دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: بالکل ایسا ہی ہوا، آپ چلیں، میں وہ جگہ بتاؤں جہاں یہ قصہ گذرا۔ امیر نے کہا: اچھا بَس یہ بات یہیں تک رہے، اگر یہ بات کسی اور پر ظاہر کی گئی تو سَر اُڑا دیا جائے گا۔ [وفاء اوّل] حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے وہاں کے آداب کی بجا آوری[۸] کی توفیق عطا فرمائے اور محض[۹] اپنے لطف و کرم سے بے ادبی کے وبال سے محفوظ فرمائے۔

تنبیہ: گذشتہ واقعات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب وغیرہ میں زیارت کے مُتعَدَّد[۱۰] قصے گذرے۔ ان کے متعلق ایک ضروری بات ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ جس شخص نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اس نے حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت کی، اس میں تَرَدُّد[۱۱]

حل لغات: (۱) حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما۔ (۲) جسم کی جمع۔ (۳) غم۔ (۴) روک ٹوک۔ (۵) رکتا۔ (۶) دروازے کے پٹ۔ (۷) ساتھ۔ (۸) ادا کرنے۔ (۹) صرف۔ (۱۰) کئی۔ (۱۱) شک۔

زیارت مدینہ

نہیں، اس لیے کہ متعدد مشہور اور صحیح روایات میں مختلف الفاظ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ پاک ارشاد وارد[1] ہوا ہے کہ ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ وہ میری صورت بنا سکے'' لیکن اس کے باوجود چونکہ دیکھنے کا آلہ اور ذریعہ خود دیکھنے والے کی ذات ہوتی ہے اور آلہ کے فرق کی وجہ سے اس چیز میں فرق پڑ جاتا ہے، جس کو دیکھا جائے مثلاً سرخ عینک[2]، سبز عینک، سیاہ عینک سے جس چیز کو دیکھا جائے گا، وہ ایسی ہی نظر آئے گی جیسی عینک ہوگی، اصل چیز کے رنگ میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جیسا کہ دُوربین، خوردبین کے تفاوُت[3] سے چیز میں تفاوُت معلوم ہوتا ہے اور بھینگی[4] آنکھ ایک کے بجائے دو دیکھتی ہے، اس لیے اگر حضور اقدس ﷺ کی زیارت میں کوئی چیز شان والا کے مناسب نظر نہ آئے تو وہ نظر کا قصور ہے۔ اسی طرح اگر شریعت[5] مطہرہ کے خلاف کوئی بات سننے میں آئے تو وہ سننے کا قصور ہوگا۔

ابن امیر الحاج مَدخَل میں لکھتے ہیں کہ اس سے بہت احتراز[6] کرنا چاہیے کہ خواب میں یا غیبی آواز سے جاگتے میں کسی ایسی چیز کی طرف قلب[7] کو طمانینت اور سکون ہو جو صدر اوّل کے خلاف ہو، اس طرح سے خواب میں دیکھنے کی وجہ سے کسی ایسی چیز کی طرف مانُوس[8] ہو جو سلَف[9] کے خلاف ہو اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے، جیسا کہ بعض لوگوں کو پیش آ گیا کہ ان کو حضور اقدس ﷺ نے خواب میں کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم فرمایا اور دیکھنے والے نے محض خواب کی بنا پر اس پر عمل شروع کر دیا اور اس کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر پیش کر کے نہیں جانچا، حالانکہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ﴾ [سورۂ نساء:۵۹]

اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف ''رَد کرنے کا'' مطلب اس کی کتاب پر پیش کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رد کرنے کا مطلب آپ ﷺ کی حیات میں آپ کی ذات پر پیش کرنا تھا اور آپ ﷺ کے وِصال[10] کے بعد آپ کی سنت پر پیش کرنا ہے۔ اگرچہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا'' بے تردُّد[11] حق ہے؛ لیکن حق تعالیٰ شانُہٗ نے خواب پر عمل کا مُکلَّف[12] نہیں بنایا اور حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین آدمی مَرفُوعُ القلم[13] ہیں: ان میں ایک وہ شخص ہے جو سو رہا ہو یہاں تک کہ جاگ جائے (دوسرا بچہ۔ تیسرا مجنون)۔ اس کے علاوہ یہ بھی وجہ ہے کہ علم اور روایت اسی شخص سے حاصل کی جا سکتی ہے جو مُتَیَقِّظ[14] ہو، حاضرُ العقل[15] ہو اور سونے والا ایسا نہیں

حل لغات: (۱) آیا ہے۔ (۲) چشمہ۔ (۳) فرق۔ (۴) الگ الگ سمت میں دونوں آنکھیں دیکھتی ہوں۔ (۵) اسلامی شریعت۔ (۶) بچنا۔ (۷) دل کا سکون۔ (۸) راغب۔ (۹) بزرگوں۔ (۱۰) انتقال۔ (۱۱) بے شک۔ (۱۲) ضروری۔ (۱۳) جس کے نامۂ اعمال میں گناہ نہ لکھے جائیں۔ (۱۴) جاگتا۔ (۱۵) سوچنے سمجھنے والا۔

زیارت مدینہ

ہوتا، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی حکم یا ممانعت اگر خواب میں دیکھی جائے تو اس کو کتاب وسنت پر پیش[1] کیا جائے، اگر ان کے موافق ہو تو خواب بھی حق ہے اور کلام بھی حق ہے اور یہ دیکھنے والے کی طمانینت[2] کے لیے بشارت[3] کے طور پر ہے اور اگر ان کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہیے کہ خواب تو حق ہے، لیکن شیطانی اثر سے سننے والے کے کان میں ایسی چیز پڑی جو حضور ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیبُ الْاسماء وَ اللُّغات" کے شروع میں حضور اقدس ﷺ کے خصائص[4] میں لکھا ہے کہ جس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا، بے شک اس نے آپ ﷺ ہی کو دیکھا کہ شیطان آپ کی صورت نہیں بنا سکتا لیکن اس میں اگر کوئی چیز خواب میں اَحکام[5] کے متعلق سُنی تو اس پر عمل جائز نہیں، نہ اس وجہ سے کہ خواب میں کوئی تردُّد ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ دیکھنے والے کا ضَبط[6] مُعتَمَد[7] نہیں۔ صاحبِ مدخَل نے آگے بھی اس میں طویل[8] کلام کیا ہے، بقدرِ ضرورت[9] نقل کیا گیا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے اسی کی تصریح[10] فرمائی ہے جو اوپر گذرا۔

حل لغات: (۱) ملائے۔ (۲) سکون۔ (۳) خوشخبری۔ (۴) خصوصیت۔ (۵) حکم کی جمع۔ (۶) یاد۔ (۷) معتبر۔ (۸) لمبی بات۔ (۹) ضرورت بھر۔ (۱۰) تفصیل۔

زیارت مدینہ

دسویں فصل: مدینہ طیبہ کے فضائل میں

جس شہر کو اللہ جلَّ شانُہٗ نے اپنے محبوب، دو جہاں کے سردار کی قیام گاہ تجویز کیا ہو، اس کے لیے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب کے رہنے کے لیے اس کو پسند کیا اور اس کے بعد پھر کسی دوسرے شہر کو اس پر کیا فوقیت(۱) ہوسکتی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ مواقع(۲) جو وحی کے نزول کے ساتھ آباد ہوئے ہوں، قرآن پاک اُن میں نازل ہوتا رہا ہو، حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام بار بار اُن میں حاضر ہوتے رہے ہوں، مُقرَّب(۳) فرشتے ان میں اُترتے رہے ہوں، ان کے میدان اللہ کے پاک ذکر اور تسبیح سے گونجتے رہے ہوں، ان کی مٹی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر پھیلی ہوئی ہو، اللہ کے دین اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں وہاں سے اس قدر کثیر(۴) مقدار میں جاری ہوئی ہوں، وہاں فضائل اور برکات وخیرات کے مَشاہِد(۵) ہوں، وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کے اور چلنے پھرنے کے مقامات(۶) ہوں، وہ اس قابل ہیں کہ ان کے میدانوں کی تعظیم کی جائے، اُن کی خوشبوؤں کو سونگھا جائے، اس کے درو دیوار کو چوما جائے۔ [شفاء] احادیث میں بھی اس پاک شہر اور اس کے بہت سے مواضع کے فضائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ تَعَالٰى سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔ [رواه مسلم كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جلَّ جلالُہٗ نے اس شہر مدینہ کا نام ''طَابَہ'' رکھا ہے۔

فائدہ: یعنی حق تعالیٰ شانُہٗ نے وحی کے ذریعہ سے اس کا نام ''طَابَہ'' رکھا اور ایک روایت میں ''طَیبہ'' آیا ہے، اس کے معنی پاکی کے بھی ہیں اور عُمدگی(۷) کے بھی کہ یہ شرک کی گندگی سے پاک ہے یا یہ کہ اس کی آب وہوا عمدہ ہے، مُعتدِل(۸) مزاج والوں کے موافق ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے اندر رہنے والے پاکیزہ لوگ ہیں، ان کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔ [مناسک نووی]

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک ہزار نام ہیں، جن میں سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مَناسِک میں مشہور ہونے کی وجہ سے پانچ(۵) نام ذکر کیے ہیں: مدینہ، طیبہ، طابہ، دار، یَثرِب ان میں سے یَثرِب، زمانۂ جاہلیّت کا نام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا، چنانچہ صحیح

حل لغات: (۱) برتری۔ (۲) جگہیں۔ (۳) قریبی مرتبہ والے۔ (۴) زیادہ۔ (۵) جگہیں۔ (۶) جگہوں۔ (۷) بہتری۔ (۸) درمیانی درجہ کا مزاج۔

زیارتِ مدینہ

حدیث میں آیا ہے کہ لوگ اس کو یَثرِب کہتے ہیں، یہ مدینہ ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔ غالباً ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ یَثرِب کے معنی مَلامت اور حُزْن[1] کے ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ بُرا نام بدل کر بہتر نام رکھنے کی تھی، جیسا کہ دوسری حدیث کے ذیل میں مُفصَّل[2] آ رہا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ دِین سے مُشتَق[3] ہے، جس کے معنی طاعت کے ہیں، اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس شہر میں اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ صاحبِ اِتحاف نے بہت سے نام مدینہ طیبہ کے نقل کر کے لکھا ہے کہ ناموں کی کثرت بھی شرافت پر دلالت کرتی ہے اور ان سب میں مشہور نام ''مدینہ'' ہے۔

② عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ: يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے ایک ایسی بستی میں رہنے کا حکم کیا گیا، جو ساری بستیوں کو کھا لے، لوگ اس بستی کو یَثرِب کہتے ہیں، اس کا نام مدینہ ہے، وہ (بُرے) آدمیوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے، جس طرح بھٹّی لوہے کے مَیل کُچیل کو دُور کر دیتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں کئی مضمون ذکر کیے گئے ہیں، اوّل یہ کہ ''مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم کیا گیا''، جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شہر میں قیام اپنی خواہش اور اپنے ارادہ سے نہیں تھا، بلکہ اللہ جلَّ شانُہٗ کی طرف سے یہاں قیام کا حکم کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ اللہ جلَّ شانُہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ کو پسند کیا۔ [کنز]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے وحی بھیجی ہے کہ ان تین بستیوں میں سے جہاں تم قیام کرو، وہی تمہاری ہجرت کی جگہ ہے: مدینہ، بحرین، قِنسَرِین[4]۔ [کنز] ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، جو ایک شُور[5] زمین دو کنکریلی زمینوں کے درمیان ہے، یہ جگہ ''ہَجَر'' ہو (ایک جگہ کا نام ہے) یا ''یَثرِب'' ہو۔ [کنز]

ان روایات میں کوئی تعارُض[6] نہیں ہے۔ اَقربؔ[7] یہ ہے کہ اوّل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسندیدگی کا اختیار دیا گیا ہو، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خود حق سُبحانَہٗ وتقَدّس سے استخارہ کیا ہو تو اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے مدینہ پاک کی تعیین[8] ہو گئی ہو۔

حل لغات: ① غم۔ ② تفصیل سے۔ ③ نکلا ہوا۔ ④ ملک شام کا ایک شہر جو حلب کے قریب تھا۔ ⑤ بنجر نمکیلی زمین۔ ⑥ اختلاف۔ ⑦ سمجھ کے قریب بات یہ ہے۔ ⑧ تقرر، مقرر ہونا۔

زیارت مدینہ

تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ اہلِ سِیَر نے کہا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے اہلِ مدینہ سے بیعتُ العَقَبہ کرلی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین کی ایذا رسانی[1] کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں قیام پر قادر نہ رہے، تو ان کو مدینہ طیبہ ہجرت کی اجازت فرمادی اور بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی، وہ ایک زمین ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں، میرا خیال ہوا کہ یہ جگہ شاید یمامہ ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یثرب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اوّل حضور اقدس ﷺ کو ایسی صفت کے ساتھ دکھایا گیا جو مدینہ پاک میں اور دوسری جگہوں میں مُشترک[2] تھی، اس کے بعد ایسی صفات کے ساتھ دکھایا گیا، جو مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص[3] تھیں تو وہ متعیّن[4] ہوگیا۔ ایک حدیث میں آیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت چاہی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ مجھے بھی عنقریب[5] اجازت ہونے کو ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایّام[6] میں خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند مکّہ مکرّمہ میں اُترا، جس کی وجہ سے سارا مکّہ روشن ہوگیا پھر وہ چاند آسمان کی طرف چڑھا اور مدینہ طیبّہ میں جا اُترا، جس کی وجہ سے مدینہ کی ساری زمین روشن ہوگئ۔ یہ طویل[7] خواب ہے، اسی میں آخر میں ہے کہ پھر وہ چاند عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گیا اور ان کے گھر کی زمین شق[8] ہوگئی، جس میں وہ چاند پوشیدہ[9] ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فنِ تعبیر سے پہلے ہی سے بہت مناسبت تھی۔ اس خواب سے انہوں نے مدینہ کی ہجرت اور آخر میں حضور ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں دفن ہونا سمجھ لیا تھا۔ [خمیس]

دوسرا مضمون یہ ہے کہ اس بستی کی صفت یہ بیان کی گئی کہ ''ساری بستیوں کو کھالے''۔ علماء نے اس سے مدینہ طیبہ کی ساری بستیوں سے افضل ہونے پر استدلال[10] کیا ہے اور متعدّد اقوال[11] اس کی شرح میں نقل کیے گئے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب ہی یہ لکھا ہے کہ وہ بستی یعنی مدینہ ساری بستیوں سے افضل ہے، یعنی اس کی فضیلت اتنی غالب اور بڑھی ہوئی ہے کہ اور سب بستیوں کی فضیلتیں اس کے مقابلہ میں مغلوب[12] اور کالعدم[13] ہیں، گویا اوروں کی فضیلت اس کے مقابلہ میں معدوم[14] ہوگئی، یہی مراد ہے کھالینے سے۔ کہتے ہیں کہ اس مطلب کی تائید[15] تورات شریف سے بھی ہوتی ہے، اس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ نے فرمایا ہے: ''يَا طَابَةُ يَا مِسْكِينَةُ إِنِّي سَأَرْفَعُ أَجَاجِيرَكِ عَلَى أَجَاجِيرِ الْقُرَى'' (اے طابہ! اے مسکین شہر!

حل لغات: (۱) تکلیف پہونچانا۔ (۲) شرکت۔ (۳) خاص۔ (۴) مقرر۔ (۵) جلد ہی۔ (۶) دنوں۔ (۷) لمبا۔ (۸) پھٹ۔ (۹) چھپا۔ (۱۰) دلیل دیا ہے۔ (۱۱) کئی قول۔ (۱۲) کم۔ (۱۳) کچھ بھی نہیں۔ (۱۴) ختم۔ (۱۵) حمایت۔

زیارت مدینہ

میں تیری چھتوں کو ساری بستیوں کی چھتوں پر بلند کروں گا۔) اور بعض علماء نے لکھا کہ اس بستی کے رہنے والے دوسرے شہروں کو فتح کرلیں گے اور ان پر غالب ہوجائیں گے، جیسا کہ کہتے ہیں فلاں شخص نے فلاں کو کھالیا''۔ یعنی قوّت سے اس پر غالب ہوگیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ دونوں معنی مراد ہیں، یعنی اس بستی کی فضیلت دوسری بستیوں پر غالب ہوگی اور اس کے آدمی دوسرے شہروں کے آدمیوں پر فتح اور غلبہ حاصل کریں گے۔ [زرقانی مواہب]

صاحبِ مَظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ جو کوئی اس شہر میں رہتا ہے، غالب ہوتا ہے اور فتح کرتا ہے اور شہروں کو۔ یہ خاصیت ہے اس شہر عظیم الشان کی کہ جو اس میں آتا ہے، اکثر شہروں پر غالب ہوتا ہے۔ پہلے اس میں قومِ عمالقہ آئی وہ غالب ہوئی اور شہروں اور ولایتوں کو فتح کیا، پھر یہود آئے وہ غالب ہوئے عمالقہ پر، پھر انصار پہونچے وہ غالب ہوئے یہود پر، پھر سیّدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین آئے ان کو کس طرح غلبہ ہوا کہ مشرق سے مغرب تک لے لیا۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ ''لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں، اس کا نام مدینہ ہے''۔ زمانۂ جاہلیت میں اس شہر کا نام یَثرِب تھا، ابتداءِ اسلام میں بھی اسی سے ذکر ہوتا رہا۔ صاحبِ مَظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یَثرِب کہنے سے منع فرمایا تو اس لیے کہ وہ زمانۂ جاہلیت کا نام ہے یا اس لیے کہ وہ مُشتَق[1] ہے ثَرْب سے، جس کے معنی ہَلاک اور فساد کے ہیں یا اس لیے کہ یَثرِب اصل میں ایک بُت کا نام تھا، اس کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا یا اس لیے کہ یَثرِب ایک ظالم شخص کا نام تھا اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جو کوئی ایک بار یَثرِب کہے، چاہیے کہ دس بار مدینہ کہے تا کہ تدارُک[2] اور تَلافی[3] ہو۔

حافظ ابنِ حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث سے مدینہ منورہ کو یَثرِب کہنے کے مکروہ ہونے پر اِستدلال کیا ہے۔ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو سورۂ احزاب میں ﴿ يَآَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ ﴾ [سورۂ احزاب: ۱۳] وارد ہوا ہے اور اس میں اس کو یَثرِب سے تعبیر کیا ہے، وہ غیر مسلموں کا قول نقل کیا ہے، اس سے جواز پر استدلال نہیں ہوتا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مدینہ کو یَثرِب کہے، اس کو استغفار کرنا چاہیے، اس کا نام طَابَہ ہے، طَابَہ ہے اور ایک حدیث میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یَثرِب کہنے سے منع کیا۔ اسی وجہ سے عیسیٰ بن دینار مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جو مدینہ کو یَثرِب کہے، اس پر ایک خطا لکھی جاتی ہے اور ناپسندیدگی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ تَثرِیب

حل لغات: (۱) نکلا۔ (۲) کسی نقصان کو روکنے کے لیے احتیاط۔ (۳) نقصان کا بدلا۔

زیارت مدینہ

سے ہے، جس کے معنی ڈانٹنے کے اور ملامت کرنے کے ہیں یا ثَرْب سے ہے، جس کے معنی فساد کے ہیں اور دونوں معنی بُرے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ بُرے نام کو بدل کر اچھا نام تجویز فرماتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نام یَثرِب بن قَانِیَہ بن مہلدیل بن عیل بن عَیص بن اِرَم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر ہے کہ وہ اس جگہ سب سے پہلے آباد ہوا، جس کے نام پر یہ نام رکھا گیا اور اس کا بھائی خیبُور تھا، جس کے نام پر اس کے رہنے کی وجہ سے خَیبر رکھا گیا۔

چوتھا مضمون یہ ہے کہ بُرے آدمیوں کو اس طرح دور کردیتا ہے جیسا کہ آگ کی بھٹّی لوہے کے میل کو" اس کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفروشرک کا اس سے بالکلیہ[1] دور ہوجانا مُراد ہے، (مظاہر) اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک حدیث میں ایک قصہ بھی آیا ہے کہ ایک بدُّو[2] جو مدینہ میں رہتا تھا، اس کو شدت سے بخار آیا، جس کی وجہ سے اس نے مدینہ میں رہنے سے گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میری بیعت توڑ دیجیے، میں یہاں نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت توڑنے سے انکار کیا، پھر دوبارہ، سہ بارہ آکر اصرار کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرماتے رہے، مگر وہ نکل گیا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مدینہ بھٹّی کی طرح سے ہے، بُرے کو نکال دیتا ہے، اچھے کو خالص کرتا ہے، یعنی نکھارتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آخر زمانہ میں بھی یہی بات ہوگی یعنی دجّال کے زمانہ میں کہ مدینہ پاک سے بُرے بُرے آدمی نکل جائیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ سے بُرے بُرے آدمی نہ نکل جائیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ہر شہر میں دجّال کا گذر ہوگا، مگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس کا داخلہ نہیں ہوسکے گا، فرشتے ان دونوں شہروں کی حفاظت کریں گے، اس وقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس سے ہر کافر اور منافق اس سے نکل پڑے گا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص مراد ہے جس کے ایمان میں خلوص نہ ہو۔

پانچواں مضمون یہ ہے کہ اس حدیثِ پاک سے مدینہ منورہ کے سارے شہروں سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا، جیسا کہ دوسرے مضمون میں گذرا، مکّہ مکرّمہ کے علاوہ اور جتنے شہر ہیں ان پر مدینہ پاک کی فضیلت تو مسلّم[3] ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں علماء میں اختلاف ہوگیا کہ مدینہ پاک کی فضیلت مکّہ مکرّمہ پر بھی ہے یا نہیں؟ اکثر علماء نے مکّہ مکرّمہ کو سب سے افضل شہر بتایا ہے، جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے اور بعض حضرات نے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے بھی افضل فرمایا ہے، جیسا

حل لغات: (۱) بالکل ہی۔ (۲) دیہاتی۔ (۳) ثابت ہے۔

کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بعض علماء سے نقل کیا گیا، جیسا کہ قریب ہی مفصل آئے گا؛ لیکن اس سے قبل دو اَمر یاد رکھنے کے قابل ہیں: اوّل یہ کہ مدینہ طیبہ کی وہ زمین جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل[1] ہے، اس میں کوئی اختلاف علماء میں نہیں ہے، وہ بالاتفاق[2] سب علماء کے نزدیک سب جگہوں سے افضل ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اس پر ساری اُمت کا اتفاق اور اجماع نقل کیا ہے کہ یہ حصہ زمین کا بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے، بلکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عرش معلّٰی سے بھی افضل ہے، جس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ آدمی جس جگہ دفن ہوتا ہے، اسی جگہ کی مٹی سے ابتداء میں وہ پیدا کیا جاتا ہے، تو گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک بھی اسی مٹی سے بنا ہے۔ [شرح مناسک نووی]

مواہبِ لدُنّیہ میں لکھا ہے کہ یہ اِجماعی مسئلہ ہے کہ جو زمین کا حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ملا ہوا ہے، وہ ساری دنیا کی زمین سے افضل ہے، حتّٰی کہ کعبہ کی زمین سے بھی افضل ہے، بلکہ ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے، بلکہ بعض علماء نے تو اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک زمین میں ہے، زمین کو آسمان سے افضل بتایا ہے۔

لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہے، اس لیے کہ آسمان پر اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی اور زمین پر کفر وشرک ہوتا ہے، البتہ وہ جگہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک بدنوں سے متصل ہے وہ آسمانوں سے افضل ہے۔ [شرح مواہب] عرش سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مکان سے بے نیاز ہے اور زمین کے اس حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرا امر یہ بھی ذہن میں رکھنے کا ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں کعبہ شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے علاوہ دنیا کی سب جگہوں سے بالاتفاق افضل ہے، اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مناسک نووی میں لکھتے ہیں کہ علماء میں جو اختلاف مکّہ یا مدینہ کے افضل ہونے میں ہے، وہ کعبہ شریف کے علاوہ میں ہے، کعبہ شریف بالاتفاق مدینہ منورہ سے افضل ہے بجز قبر شریف کے اس حصہ کے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے مل رہا ہے کہ وہ کعبہ شریف سے بھی افضل ہے۔ ان دو چیزوں کے بعد پھر اس میں اختلاف ہے کہ مکّہ مکرّمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ افضل ہے؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مناسِک میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یعنی شافعیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ افضل ہے۔ یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا راجح[3] قول بھی یہی ہے۔ مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عبد البرّ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو نقل کیا حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت ابوالدَّرداء،

حل لغات: (۱) ملا ہوا، جڑا ہوا۔ (۲) جس پر سب کا اتفاق ہو۔ (۳) صحیح

حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مکّہ مکرّمہ کے بارے میں جو ثواب اعمال کا روایات میں آتا ہے، وہ مدینہ منورہ کے ثواب سے زیادہ ہے۔ یعنی ایک لاکھ نمازوں کا ثواب کثرت سے احادیث میں آیا ہے جیسا کہ تیسری فصل کی حدیث نمبر ایک میں اور چھٹی فصل کی حدیث نمبر چھ میں گذر چکا ہے نیز اسی فصل کی حدیث نمبر دس میں گذرا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ مکرّمہ کو فرمایا کہ ''تُو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے''۔ دوسرا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ مدینہ طیبہ مکّہ مکرّمہ سے افضل ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول بھی اسی کے موافق ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا جاتا ہے۔ پہلے قول میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام نامی گذر چکا ہے، اس لیے ان کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہو گئے۔ ان حضرات کی دلیل ایک تو یہی حدیث ہے جس کا بیان ہو رہا ہے۔ نیز ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہر شہر تلوار سے فتح ہوا مگر مدینہ طیبہ قرآن سے فتح ہوا۔ [زرقانی]

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مدینہ منورہ میں اتنا طویل[1] ہے کہ ہجرت سے لے کر قیامت تک اسی شہر میں قیام ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے جس قدر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رحمتیں ہر آن اور ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں، ان کا نہ شمار ہو سکتا ہے نہ اندازہ۔ نیز شریعتِ مُطہّرہ کی تکمیل اور شریعت کے جتنے احکام اس شہر میں نازل ہوئے، اتنے نہ مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئے نہ کسی اور جگہ۔ نیز اسی فصل کے نمبر پانچ پر جو حدیث آرہی ہے، اس سے بھی یہ حضرات اِستدلال فرماتے ہیں، جو مدینہ طیبہ کو مکّہ مکرّمہ سے افضل بتاتے ہیں۔ بندہ کے ناقص[2] خیال میں اس حدیث سے بھی اِستدلال[3] کیا جا سکتا ہے، جو اس فصل کے نمبر نَو کے ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آرہا ہے کہ کوئی زمین ایسی نہیں کہ جو مجھے زیادہ محبوب ہو، اس اعتبار سے کہ میری قبر وہاں ہو بجز مدینہ کے۔

③ عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّيْ أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا. وَقَالَ: اَلْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ. لَا يَدَعُهَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کی دونوں جانب جو کنکریلی زمین ہے، اس کے درمیانی حصہ کو میں حرام قرار دیتا ہوں، اس لحاظ سے کہ اس کے خاردار[4] درخت کاٹے جائیں یا اس میں شکار کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مدینہ مؤمنین کے قیام کے لیے بہترین جگہ ہے، اگر وہ اس کی خوبیوں کو جانیں تو یہاں کا قیام نہ چھوڑیں اور جو شخص یہاں کے قیام کو اس سے بددل[5] ہو کر

حل لغات: ① لمبا۔ ② کمزور۔ ③ دلیل لانا۔ ④ کانٹے والا جھاڑ۔ ⑤ ناراض۔

زیارتِ مدینہ

أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا أَوْشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	چھوڑے گا، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کانعم البَدَل[1] یہاں بھیج دے گا اور جو شخص مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں قیام کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ بنوں گا۔

[رواه مسلم كذا في المشكوٰة وفي تحريم المدينة عن علي عند الشيخين وفي الصبر على لأواء المدينة روايات كثيرة في الصّحاح]

فائدہ: اس حدیث شریف میں کئی مضمون ہیں اور ہر مضمون بہت سی مختلف روایات میں وارد ہوا ہے۔ اوّل یہ ہے کہ میں مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔ مدینہ منورہ کے دونوں جانب پتھریلی زمین ہے، ان دونوں کے درمیانی حصہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام مدینہ اور اس کے قریب کی زمین کو حرام قرار دیتا ہوں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جَبَلِ عَیرْ اور جَبَلِ ثَوْر کے درمیانی حصہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔ جَبَلِ ثَوْر جَبَلِ اُحُد کے قریب ایک چھوٹا سا پہاڑ بتاتے ہیں اور حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ محترم اور حَرَم کے حکم میں ہے، نہ اس جگہ شکار کیا جائے، نہ یہاں کا خودرُو[2] گھاس کاٹا جائے جیسا کہ مکہ مکرمہ کے حَرَم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔ لیکن دوسری روایات کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک دونوں جگہ کے حکم میں یہ فرق ہے کہ مکہ مکرمہ کے حَرَم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو بدلہ دینا واجب ہوگا اور حَرَم مدینہ میں خلافِ اَولیٰ[3] ہیں اور بدلہ دینا واجب نہ ہوگا۔ یہ مُمانعت[4] بھی دونوں جگہ مکان کی فضیلت کے لحاظ سے ہے جیسا کہ شاہی محلوں کے آس پاس کی جگہیں ساری دنیا میں محترم اور قابلِ ادب ہوتی ہیں، وہاں شکار وغیرہ کھیلنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی اور کسی کو وہاں کی پیداوار میں تصرُّف[5] کا بھی حق نہیں ہوتا، یہ ایک معروف چیز ہے۔

دوسرا مضمون مدینہ منورہ میں قیام کے متعلق ہے، یہ مضمون بھی بہت سی روایات میں آیا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین[6] گوئی کے طور پر فرمایا ہے کہ ''یمن'' فتح ہوگا، بعض لوگ اس کے حالات کی تحقیق کریں گے، پھر اپنے اہل وعیال کو اور جو لوگ ان کے کہنے میں آجائیں گے، ان کو لے کر وہاں چلے جائیں گے، حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر تھا، کاش وہ یہاں کی برکات کو جانتے اور ''شام'' فتح ہوگا، لوگ وہاں کے حالات کی خبریں سُن کر اپنے اہل کو اور جو اُن

حل لغات: (۱) بہترین بدل۔ (۲) خود بخود اگنے والی۔ (۳) بہتر نہیں ہے۔ (۴) مناہی، روک۔ (۵) اختیار، قبضہ۔ (۶) آئندہ ہونی والی بات۔

زیارت مدینہ

کے کہنے میں آ جائیں گے، ان کو لے کر وہاں منتقل[1] ہو جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا، کاش وہ اس کو جانتے، ''عراق'' فتح ہو گا اور لوگ وہاں کے حالات معلوم کر کے وہاں اپنے اہل کو اور جو کہنے میں آ جائیں، ان کو لے کر وہاں منتقل ہو جائیں گے اور مدینہ ان کے لیے بہتر تھا، کاش وہ اس کو جانتے''۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی طرح پورا ہوا اور یہ شہر اسی ترتیب سے فتح ہوئے۔ [فتح]

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر تھے اور ان کا کفن صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی، جو بدن پر بھی پوری نہ آئی تھی۔ جب اس سے ان کے چہرہ کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور جب پاؤں پر کھینچی جاتی تو چہرہ کُھل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر کو منہ کی طرف کر دو اور پاؤں پر درخت کے پتے ڈال دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ شاداب[2] زمینوں کی طرف نکلیں گے، وہاں جا کر کھانے اور پہننے کو خوب ملے گا، کثرت سے سواریاں ملیں گی، تو اپنے گھر والوں کو لکھیں گے کہ تم حجاز کی قحط زدہ[3] زمین میں پڑے ہو یہاں آ جاؤ، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے، کاش وہ جانتے اس امر کو۔ [ترغیب]

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ عنقریب[4] لوگ دوسرے شہروں کی ثَروَت[5] اور پیداوار کو دیکھ کر اپنے قریبی رشتہ داروں کو وہاں بلاویں گے کہ یہاں بڑی پیداوار ہے یہاں آ جاؤ، لیکن مدینہ کا قیام ان کے لیے بہتر ہے، کاش وہ اس کی بہتری کو جانتے۔ [زرقانی علی المواہب] اور ظاہر ہے کہ دنیا کی ثَروَت یا پیداوار جتنی بھی زیادہ ہو جائے، جو بات مدینہ پاک میں برکات کے اعتبار سے ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے کی جو سعادت وہاں حاصل ہے اور دین کی طرف رغبت کے جو اسباب وہاں ہیں، وہ کسی دوسری جگہ کہاں مُیسَّر آ سکتے ہیں؟ اور ان قیمتی موتیوں کے مقابلہ میں دنیاوی مال و متاع لاکھوں کا ہو یا کروڑوں کا، کب مقابلہ کر سکتا ہے؟۔ مُسندِ بَزّار کی ایک حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مدینہ منورہ سے بعض آدمی کسی شاداب زمین کی طرف ثَروَت کی تلاش میں جائیں گے اور وہاں ان کو ثَروَت اور شادابی مل جائے گی تو وہ اپنے اہل و عیال کو بھی وہاں منتقل کر لیں گے، لیکن اگر وہ مدینہ کے فضائل سے باخبر ہوتے تو یقیناً مدینہ ان کے لیے بہتر تھا۔ [زرقانی]

حل لغات: (۱) چلے جائیں۔ (۲) ہری بھری۔ (۳) خشک، سوکھی۔ (۴) جلد ہی۔ (۵) مال و دولت کی زیادتی۔

زیارتِ مدینہ

تیسرا مضمون یہ ہے کہ جو شخص مدینہ کے قیام کو اس سے اِعراض[1] کر کے اور بَدْدل[2] ہو کر چھوڑے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کا نِعمُ البدل[3] یہاں تجویز[4] کرے گا۔ حافظ ابن عبد البر، قاضی عیاض رحمہا اللہ وغیرہ نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص بتایا ہے، لیکن امام نووی اور علامہ ابی مالکی رحمہا اللہ وغیرہ نے اس کو ہمیشہ کے لیے عام بتایا ہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ بات اُن حضرات کے لیے ہے، جو وہاں کے باشندے ہیں، وہاں کے مستقل رہنے والے ہیں اور جو حضرات دوسری جگہ کے مقیمین[5] محض[6] زیارت کے لیے آئے ہوں، وہ اس میں داخل نہیں ہیں، لیکن یہ اشکال[7] ہوتا ہے کہ بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مدینہ طیبہ کے قیام کو ترک کر کے دوسری جگہ کو وطن بنایا ہے، لیکن حقیقت میں اشکال نہیں ہے، اس لیے کہ ان حضرات کا ترکِ وطن در حقیقت ایک بڑا مجاہدہ اور ایثار[8] تھا، اگر یہ حضرات حق تعالیٰ شانُہٗ اُن کی قبروں کو انوار و برکات سے خوب پُر کرے، اپنی ذاتی غرض اور اپنی ذات کے نفع کو مقدّم[9] فرماتے تو آج ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں اسلام کیسے پھیلتا؟ یہ انہی حضرات کی قربانیوں کا ثمرہ[10] ہے کہ دنیا کے ہر خطہ میں اسلام کی روشنی پھیلی ہوئی ہے، ان حضرات کا دُور و دَراز[11] شہروں میں جا کر قیام فرمانا دین کی خاطر تھا، اسلام کی خاطر تھا، اللہ کی رضا کے واسطے تھا اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کو پھیلانے کے واسطے تھا، یہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خوشنودی کے واسطے اپنی دل بستگی[12] کو چھوڑنا تھا۔

أُرِيْدُ وِصَالَهٗ وَيُرِيْدُ هَجْرِيْ　　فَأَتْرُكُ مَا أُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ

ترجمہ: میں محبوب کا وِصَال[13] چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے جدائی پسند کرتا ہے، اس لیے میں اپنی خوشی کو اس کی خوشی پر قربان کرتا ہوں۔

ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مدینہ پاک چھوڑنے پر وہاں کی برکات سے وہاں کی نمازوں میں اجر و ثواب کی زیادتی سے جو نقصان واقع ہوا، اِن شاء اللہ اس سے کروڑوں درجہ زائد وہ ثواب ان کو ملتا رہے گا، جو اُن کی برکت سے دنیا میں اسلام پھیلنے سے اُن کے حصہ میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا، اس لیے کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام کرے تو اس کو اس کا ثواب تو ہو ہی گا، لیکن اس کی وجہ سے جتنے آدمی اس نیک کام کو کرتے رہیں گے، ان سب کے کرنے کا ثواب کرنے والوں کو مستقِل ملتا رہے گا اور اس شخص کو سب کرنے والوں کے کرنے کا ثواب مستقِل

حل لغات: (۱) منہ پھیر کر۔ (۲) ناراض۔ (۳) اچھا بدل۔ (۴) انتظام۔ (۵) قیام کرنے والے۔ (۶) صرف۔ (۷) سوال۔ (۸) اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو افضل جاننا۔ (۹) آگے رکھنا۔ (۱۰) پھل، نتیجہ۔ (۱۱) بہت دور۔ (۱۲) دل لگی۔ (۱۳) ملاقات۔

ملتا رہے گا۔اس لحاظ سے مدینہ پاک کے چھوٹنے سے جواُن حضرات کے اعمال کے ثوابوں میں کچھ کمی ہوئی ہوگی،اس سے بدرجہا[1] زائد قیامت تک جتنے آدمی مسلمان ہوتے رہیں گے اور نیک اعمال کرتے رہیں گے،ان کے اعمال کا ثواب ان حضرات کو اِن شاء اللہ ہوتا رہے گا،جن کی وجہ سے جہاں جہاں اسلام پھیلا،اسی وجہ سے اَکابر تعلیم وتبلیغ پر بہت زیادہ زور دیتے رہے کہ آدمی اگر خود نیک اعمال کرے تو اس کو ثواب اپنی زندگی تک ہے،لیکن اگر دوسروں کو نیک عمل پر لگا جائے تو ان سب کے اعمال کا ثواب اس شخص کو ملتا رہے گا،جس کی سعی[2] اور کوشش سے دوسرے لوگوں نے کوئی نیک عمل کیا ہو،مفت کا ثواب ہے اور گویا ایک سرمایہ ہے،جو کسی تجارت میں لگا دیا گیا اور ہمیشہ اس کا نفع ملتا رہے گا یا ایک کرایہ کی جائیداد ہے جس کا کرایہ گھر بیٹھے ہمیشہ وصول ہوتا رہے گا،اس لیے بہت زیادہ کوشش اس کی ہونا چاہیے کہ اپنی کوشش سے جتنے بھی زیادہ سے زیادہ آدمی دین پر قائم ہوجائیں،دین پر پُختہ[3] ہوجائیں،نیک عمل کرنے لگیں وہ غنیمت[4] ہے۔

چوتھا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی تکالیف کو برداشت کرکے ان پر صبر کرکے وہاں قیام کرے گا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا۔یہ مضمون بہت سی احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔حَرَّہ کی لڑائی میں جب کہ مدینہ منورہ پر چڑھائی ہورہی تھی،ایک شخص حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جنگ کی وجہ سے مدینہ پاک میں سخت گرانی[5] اور اپنے کُنبہ[6] کی کثرت کا ذکر کرکے کہیں باہر جانے کا مشورہ کرنے لگے،حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا ناس ہو،میں کبھی بھی تجھے کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کا مشورہ نہیں دوں گا،میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر کرے گا،میں اس کا قیامت میں سفارشی یا گواہ ہوں گا۔بعض علماء نے کہا کہ یہ راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارشی کا لفظ فرمایا یا گواہ کا لفظ فرمایا۔علامہ قَسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی سفارشی یا گواہ،حضرت جابر،حضرت سعد بن ابی وقّاص،حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت ابوسعید خُدری،حضرت ابوہریرہ،حضرت اسماء بنت عُمیس، حضرت صَفیّہ بنت ابی عُبید رضی اللہ عنہم سب کی حدیثوں میں موجود ہے۔یہ بات بہت دشوار ہے کہ سب ہی کو شک ہوگیا،اس لیے ظاہر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی دونوں لفظ ارشاد فرمائے اور یہ آدمیوں کے اختلاف کی وجہ سے فرمایا کہ بعض لوگوں کے لیے سفارشی بنوں گا اور بعض کے لیے گواہ مثلاً گنہگاروں کے لیے سفارشی اور متقی لوگوں کے لیے گواہ یا یہ کہ جن حضرات کی وفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی،ان کے لیے گواہ اور جن کی وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصَال[7] کے بعد ہوئی،ان کے لیے

حل لغات: (۱) کئی درجہ زیادہ۔ (۲) کوشش۔ (۳) پکا۔ (۴) نفع۔ (۵) مہنگائی۔ (۶) خاندان۔ (۷) انتقال۔

زیارت مدینہ

سفارشی۔ بعض روایات میں ''یا'' کے بجائے ''اور'' کا لفظ آیا ہے کہ میں اُن کے لیے سفارشی اور گواہ ہوں گا، اس روایت کے موافق سب کے لیے دونوں چیزیں جمع ہوگئیں اور یہ سفارش اور شہادت[1] جوان حضرات کے لیے ہوگی، وہ عام مومنین کے لیے سفارش اور شہادت کے علاوہ خصوصی ہوگی، جو اہلِ مدینہ کے اعزاز و اکرام پر دلالت کرتی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سفارش ہی خاص قسم کی ہوگی، مثلاً تخفیف[2] حساب کی سفارش ہو یا کسی خاص نوع[3] کے اکرام کی سفارش ہو، مثلاً عرش کے سایہ تلے[4] ہونے کی یا جنت میں جلدی داخلہ کی یا خصوصی منبروں کی، جیسا کہ احادیث میں بعض لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ نُور کے منبروں پر ہوں گے یا اور کوئی اسی قسم کے اعزاز کی اور جو شخص ان فضائل سے واقف ہوگا، وہ کیسے وہاں کی مَشَقَّتوں[5] پر رغبت سے راضی نہ ہوگا، بالخصوص جبکہ حضور اقدس ﷺ کا قرب ہر وقت حاصل ہو۔

پائے در زنجیر پیشِ دوستان به که با بیگانگاں در بوستاں

ترجمہ: ''دوستوں کے ساتھ قید میں رہنا بھی غیروں کے ساتھ باغ میں رہنے سے بہتر ہے''۔

اور اس کے ساتھ ہی وہاں کے قیام میں جو ہر عمل میں ثواب میں زیادتی ہے وہ مزید[6] برآں اور یہ تو جب ہے کہ وہاں مَشَقَّتیں[7] زائد ہوں بھی، ورنہ کون سی جگہ دنیا میں ایسی ہے جہاں کسی نہ کسی نوع کی تکالیف[8] نہیں ہیں؟ اور خصوصاً اس فتنہ کے زمانہ میں تو ہر جگہ تکالیف ہی تکالیف ہیں۔ اس کے باوجود لوگ جہاں مقیم[9] ہیں، اس سے منتقل[10] ہونا خوشی سے گوارا نہیں کرتے تو پھر مدینہ جیسی جگہ کے قیام کا کیا کہنا۔

(۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلٰى جُحْرِهَا۔ [رواه البخاري]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بے شک ایمان مدینہ کی طرف ایسا کھنچ کر آتا ہے، جیسا کہ سانپ اپنے سوراخ کی طرف آجاتا ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں اور خلفاء راشدین کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں جن لوگوں کے دل میں ایمانی جذبہ تھا، وہ جَوق جَوق[11] مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی زیارت اور دین کے سیکھنے کے واسطے آتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ تمام زمانوں کے لیے ہے کہ ایمانی جذبہ رکھنے والے حضور اقدس ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور حضور ﷺ کی مسجد میں نماز اور آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار

حل لغات: (۱) گواہی۔ (۲) کمی، حساب کی کمی۔ (۳) قسم۔ (۴) نیچے۔ (۵) تکلیفوں۔ (۶) اس پر اور زیادہ۔ (۷) زیادہ۔ (۸) تکلیفیں۔ (۹) رہنے۔ (۱۰) ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا۔ (۱۱) گروہ گروہ۔

کی زیارت کے شوق میں کھنچے چلے جاتے ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حضور ﷺ نے آخر زمانہ کا حال بتایا ہے کہ ساری دنیا میں سے دین سمٹ کر مدینہ طیبہ میں آجائے گا۔ اس کی تائید[1] ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بستیوں میں سب سے آخری بستی جو قیامت کے قریب ویران ہوگی وہ مدینہ طیبہ ہوگا۔ یعنی اس کی ویرانی ساری آبادیوں کے بعد ہوگی۔　[مشکوۃ]

⑤ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَاجَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ۔ [متفق علیه کذا في المشکوٰة]	حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی یہ دعا نقل کرتے ہیں کہ اے اللہ! جتنی برکتیں آپ نے مکّہ مکرّمہ میں رکھی ہیں اُن سے دُگنی برکتیں مدینہ منورہ میں عطا فرما۔

فائدہ: جو حضرات مدینہ طیبہ کو مکّہ مکرّمہ سے افضل بتاتے ہیں، وہ اس حدیث سے بھی استدلال[2] کرتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۲ کے ذیل میں گذرا اور جو حضرات مکّہ مکرّمہ کو افضل بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں برکت سے مراد خاص طور سے روزی میں برکت مراد ہے۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ مضمون ذرا تفصیل سے آیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب موسم میں کوئی پھل آتا تو سب سے پہلا پھل حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ حضور اقدس ﷺ اس کو لے کر یہ دعا فرماتے کہ اے ''اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما اور ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہمارے صاع[3] میں برکت فرما اور ہمارے مُد[4] میں برکت عطا فرما، اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تھے، تیرے خلیل تھے، تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ ہوں اور تیرا نبی ہوں، انہوں نے مکّہ مکرّمہ کے لیے دعا کی، میں ویسی ہی دعا مدینہ طیبہ کے لیے کرتا ہوں اور اس سے دو چند کی دعا کرتا ہوں''۔ اس کے بعد کسی چھوٹے بچّے کو وہ پھل مرحمت فرما دیتے۔ اس حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف اشارہ فرمایا جو قرآن پاک میں مذکور ہے: ﴿ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ [سورۂ ابراہیم: ۳۷] ''کہ اے اللہ! لوگوں کے دل اس شہر (مکّہ مکرّمہ) میں رہنے والوں کی طرف مائل کر اور ان کو پھل عطا فرما۔''

ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: گوشت اور پانی میں برکت کے متعلق وارد ہوئی

حل لغات: ① حمایت۔ ② دلیل لانا۔ ③ وزن ناپنے کا ایک برتن۔ ④ وزن ناپنے کا ایک برتن۔

اور حضور ﷺ نے اپنی اس دعا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر مُرتّب[1] فرمایا، اس لیے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ برکت بھی ان ہی چیزوں کے متعلق ہے۔ صاع اور مُد دو پیمانے ہیں، جن سے غلّہ ناپا جاتا ہے، ان میں برکت کے یہ معنی ہیں کہ رزق میں فراخی[2] ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کا قبول ہونا مُشاہدہ میں آتا ہے کہ جو مقدار کھانے کی مدینہ طیبہ میں کافی ہوجاتی ہے، اتنی مقدار کھانے کی مدینہ طیبّہ سے باہر کافی نہیں ہوتی۔ وہاں رہنے میں اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ [فتح]

اور جو حضرات مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ برکت کے معنی خیر میں زیادتی کے ہیں جو دین اور دنیا دونوں کی خیر کو شامل ہے، اس لیے ہر نوع کی خیر میں مکّہ مکرّمہ سے دو چند کی دعا ہے۔ [فتح]

ایک حدیث میں آیا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جارہے تھے، جب مدینہ سے باہر حَرَّۃ میں سُقیا پر پہونچے (ایک جگہ کا نام ہے، مدینہ کی آبادی سے باہر) تو حضور ﷺ نے وضو کا پانی منگایا اور وضو کرکے قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ دعا کی: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تھے، تیرے خلیل تھے، انہوں نے مکّہ والوں کے لیے برکت کی دعا کی اور میں محمد ہوں (ﷺ)، تیرا بندہ ہوں، تیرا رسول ہوں، میں تجھ سے مدینہ والوں کے لیے دعا کرتا ہوں کہ تُو ان کے مُد میں اور ان کے صاع میں ایسی ہی برکت کر، جیسی کہ تُو نے اہلِ مکّہ کے لیے کی اور اس کے ساتھ دو چند برکتیں زیادہ کر۔ [کنز] اس حدیث شریف میں تین گنا زیادتی کی دعا ہوئی۔ صاحبِ ترغیب نے اس کی سند کو عمدہ اور قوی بتایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبّہ میں گرانی بہت ہوگئی اور لوگ سخت مشقّت[3] میں پڑ گئے، تو حضور ﷺ نے صبر کی تلقین[4] فرمائی اور یہ خوشخبری دی کہ میں نے تمہارے لیے تمہارے صاع میں اور تمہارے مُد میں برکت کی دعا کی ہے، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کھانا علیٰحدہ علیٰحدہ نہ کھایا کرو، اِکٹھے ہوکر کھایا کرو، اس صورت میں ایک کا کھانا دو کو کافی ہوجاتا ہے اور دو کا کھانا چار کو کافی ہوجاتا ہے اور چار کا پانچ چھ کو کافی ہوجاتا ہے، اِکٹھے کھانے میں برکت ہوتی ہے، جو شخص مدینہ طیبہ کی مشقت پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارشی اور گواہ بنوں گا اور جو شخص مدینہ سے اعراض[5] کرکے یہاں سے جائے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کا بہترین بدل یہاں کردے گا اور جو مدینہ والوں کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا کہ پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ [ترغیب]

حل لغات: (۱) مطابق۔ (۲) زیادتی، بڑھوتری۔ (۳) مشکل۔ (۴) نصیحت۔ (۵) منہ پھیر کر، ناراض ہو۔

زیارت مدینہ

یہ مضمون بھی بہت سی روایات میں نقل کیا گیا، جیسا کہ آئندہ حدیث کے ذیل میں آ رہا ہے۔

⑥ عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَكِيْدُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی بھی مدینہ منورہ کے رہنے والوں کے ساتھ مکر کرے گا، وہ ایسا گھل جائے گا جیسا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

فائدہ: یہ مضمون بہت سی احادیث میں بہت مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا، اس سے پہلی حدیث کے ذیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس قسم کا نقل کیا گیا۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ کسی قسم کی بُرائی کا ارادہ کرے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو آگ میں اس طرح پگھلا دیں گے، جس طرح آگ میں رانگ[1] پگھلتا ہے یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص برباد ہو جائے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا ہے، ان کے صاحبزادے نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال[2] ہو چکا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص کس طرح ڈرا سکتا ہے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کو ڈراتا ہے، وہ اس چیز کو ڈراتا ہے جو میرے پہلو کے درمیان ہے (یعنی میرے دل کو)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کو ڈرائے اللہ جلّ شانہٗ اس کو ڈرائے۔ حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ اے اللہ! جو شخص مدینہ والوں پر ظلم کرے یا ان کو ڈرائے تُو اس کو ڈرا اور اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور ساری دنیا کی لعنت، نہ اس کی فرض عبادت مقبول، نہ نفل عبادت مقبول۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایسے ہی نقل کیا گیا جیسا کہ حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مدینہ والوں کو تکلیف پہونچائے، اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہونچائے اور اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت، ساری دنیا کے آدمیوں کے لعنت، نہ اس کا فریضہ مقبول نہ نفل۔ [ترغیب]
حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہے: اے اللہ! جو مدینہ والوں کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے تو اس کو ایسا پگھلا دے جیسا کہ رانگ آگ میں اور نمک پانی میں اور چکنائی دھوپ میں پگھلتی ہے۔ [کنز العمال]

اور بھی بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے مضامین نقل کیے گئے ہیں یہ بڑی سخت وعیدیں ہیں، جو لوگ زیارت کے واسطے وہاں حاضر ہوں، وہ اس کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام رکھیں کہ نہ ان

حل لغات: ① ایک نرم دھات جو قلعی کی طرح ہوتی ہے، سیسہ۔ ② انتقال۔

لوگوں کو اَذیت پہونچائیں، نہ خرید اور فروخت میں ان سے کسی قسم کی چالبازی[1] اور مکر کریں، یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کے رہنے والوں کیساتھ کسی قسم کی دغابازی[2] کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس کا بہت لحاظ رکھیں، جو معاملہ ان کے ساتھ کریں وہ نہایت صفائی کا ہونا چاہیے، کسی قسم کی دغا اور فریب ان لوگوں کے ساتھ کرنے سے بہت زیادہ احتراز کریں۔

⑦ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ أَرْبَعِيْنَ صَلٰوةً لَا تَفُوْتُهٗ صَلٰوةٌ كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ایسی طرح پڑھے کہ ایک نماز بھی اس کی مسجد سے فوت[3] نہ ہو، تو اس کے لیے آگ سے برأت[4] لکھی جاتی ہے، عذاب سے برأت لکھی جاتی ہے اور وہ شخص نفاق سے بَری ہے۔

[رواه أحمد والطبراني في الأوسط ورجالهٗ ثقات وروى الترمذي بعضهٗ كذا في مجمع الزوائد]

فائدہ: بڑی اہم فضیلت ہے اور بڑی آسان، زائرین[5] کو چاہیے کہ کم از کم آٹھ روز کا قیام وہاں ضرور کریں اور جانے سے پہلے اونٹ یا موٹر والوں سے آٹھ روز کا قیام طے کرلیں تاکہ چالیس نمازیں پوری ہوجائیں اور اس کا اہتمام کریں کہ اس درمیان میں کوئی نماز فوت نہ ہونے پائے، اگر کسی جگہ زیارت وغیرہ کو جانا ہو تو ایسی صورت تجویز[6] کریں کہ صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر جائیں اور ظہر کی نماز واپسی میں مسجد میں میسّر[7] ہوجائے۔

⑧ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِلْمَرِيْضِ: بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا۔	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریض کے لیے فرمایا کرتے تھے: بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا
[رواه البخاري، وروى معناه مسلم وأبوداؤد وغيرهما]۔	

فائدہ: اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض آدمیوں کے لب[8] کے ساتھ مل کر ہمارے بیمار کو شفاء دیتی ہے"۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہوتا یا اس کے کوئی زخم وغیرہ ہوتا تو حضور ﷺ ایسا کرتے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ انگلی کو لب لگا کر زمین پر لگاتے، تاکہ اس کو مٹی لگ جائے اور یہ دعا پڑھتے، پھر اس کو اس جگہ لگا دیتے جو ماؤف[9] ہے۔ بعض علماء نے اس کو عام کہا ہے، وہ ہر جگہ کی مٹی کی متعلق ایسا ہی کہتے ہیں اور

حل لغات: ① مکاری۔ ② دھوکہ۔ ③ چھوٹ۔ ④ چھٹکارہ۔ ⑤ زیارت کرنے والے۔ ⑥ طے۔ ⑦ ملنا آسان ہو۔ ⑧ مراد تھوک۔ ⑨ جسم کا متاثر حصہ۔

اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وطن کی مٹی کو مزاج[1] سے مناسبت میں خاص دخل ہوتا ہے جیسا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کو وضاحت[2] سے نقل کیا ہے اور بعض علماء نے اس کو مدینہ پاک کی مٹی کے ساتھ خاص بتایا ہے۔ علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مَواہبِ لدُنیہ میں مدینہ پاک کی خصوصیت میں لکھا ہے کہ اس کا غبار[3] جُذام[4] اور بَرَص[5] کے لیے خصوصیت سے شفاء ہے۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ نہ کوئی طبّی چیز ہے، نہ عقلی چیز ہے، لیکن منکر[6] کو نفع نہیں کرتی۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں کے حالات بھی لکھے ہیں، جن کو بَرَص کی بیماری تھی اور مدینہ پاک کی مٹی مَلنے سے وہ اچھے ہو گئے۔ علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بلکہ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قبیلہ بنُو الحارث کے پاس گئے، وہ لوگ بیمار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: حضور ہم لوگ بخار میں مبتلا ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس تو صَعِیب موجود ہے (یہ مدینہ کی ایک خاص جگہ کا نام ہے جو وادیٔ بُطحان میں ہے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور! صَعِیب کو کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈال کر اس پر یہ پڑھ کر لب ڈالو: بِسْمِ اللهِ تُرَابُ أَرْضِنَا بِرِيْقِ بَعْضِنَا شِفَاءٌ لِّمَرِيْضِنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا ان حضرات نے اس کا استعمال کیا، اللہ کے فضل سے بخار جاتا رہا۔

اس قصہ کے نقل کرنے والے ایک راوی کہتے ہیں کہ لوگوں کے اس جگہ سے مٹی اُٹھانے کی وجہ سے وہاں گڑھا بھی پڑ گیا، بہت سے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ علّامہ سَمہودی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ اب تک بھی موجود ہے، لوگ اس کی مٹی بیماروں کے واسطے لاتے ہیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کا غبار کوڑھ کی بیماری کے لیے شفا ہے۔ [زرقانی]

اس ناکارہ[7] کا تجربہ تو یہاں تک ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی اس دعا کے ساتھ طاعون کی گلٹی تک کے لیے بھی نافع ہوئی ہے اور وَفاءُ الوَفاء میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس کی مٹی میں ہر بیماری کا علاج ہے۔

(۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَإِنِّيْ أَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ طیبہ میں مَرے چاہیے کہ وہیں مَرے، اس لیے کہ میں اس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں مرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں اس کا گواہ بنوں گا۔

حل لغات: (۱) طبیعت۔ (۲) تفصیل۔ (۳) دھول۔ (۴) کوڑھ۔ (۵) سفید داغ۔ (۶) انکار کرنے والا۔ (۷) یعنی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ۔

زیارت مدینہ

[رواه الترمذي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه والبيهقي و لفظ ابن ماجه فَإِنِّيْ أَشْهَدُ لِمَنْ مَّاتَ بِهَا۔ كذا في الترغيب]

فائدہ : بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مضمون نقل کیا گیا۔ حضرت صُمَیۡتَہُ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ کے سوا کہیں نہ مَرے، وہ مدینہ ہی میں مَرے اس لیے کہ میں اس کے لیے گواہ بنوں گا جو مدینہ میں مَرے۔ [ترغیب]

علماء نے لکھا ہے کہ شفاعت سے مُراد خاص قسم کی شفاعت ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت تو سارے ہی مسلمانوں کے لیے ہوگی اور "طاقت رکھنے کا" مطلب یہ ہے کہ اس کی کوشش کرے کہ وہاں آخر تک رہے۔ علّامہ زَرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ترغیب ہے، وہاں سے باہر نہ جانے کی کہ مَرنے تک وہیں رہے۔ ابنُ الحاج کہتے ہیں کہ اس کو طاقت رکھنے سے تعبیر کیا، گویا اشارہ ہے اس طرف کہ اس کی انتہائی کوشش کرے۔ میرے محترم بزرگ حضرت مولانا الحاج سید احمد صاحب فیض آبادی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ نے جو مدرسہ شَرعِیَہ مدینہ طَیِّبہ کے بانی اور حضرت شیخ العرب والعجم حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے، کئی مرتبہ فرمایا کہ ہندوستان کے دوستوں سے ملنے کے لیے جانے کو تو ایک مرتبہ دل چاہتا ہے، مگر بُڑھاپا آ گیا، ایسا نہ ہو کہ مدینہ کی موت نصیب نہ ہو۔ میرے آقا حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ نے ملتزم پر جو دعائیں کیں، منجملہ[1] ان کے یہ بھی تھی کہ حق تعالیٰ شانُہٗ مدینہ پاک کی موت نصیب فرمائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا تو مشہور ہے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔ (اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت عطا فرما) ان دونوں دعاؤں کا جمع ہونا بظاہر دشوار[2] تھا کہ مدینہ پاک دار الاسلام، اور کفر سے ایسا بعید[3] ہو چکا تھا کہ شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا تھا، ایسی حالت میں وہاں شہادت بظاہر دشوار تھی، لیکن اللہ جلَّ شانُہٗ جس کام کا ارادہ فرمالیں تو ان کو اسباب پیدا کرنے کیا مشکل ہیں، خاص مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑے مجمع کے درمیان عین نماز کی حالت میں اَبولُؤلُؤ کافر کے ہاتھ شہادت نصیب ہوئی۔

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک قبر کھودی جارہی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب تشریف لائے اور قبر کو دیکھ کر کہنے لگے کہ مومن کے لیے یہ کیسی بُری جگہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیسی بُری بات کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد غالباً یہ تھی کہ مومن کی قبر کو بُری جگہ بتایا، حالانکہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، وہ صاحب کہنے لگے: حضور! میرا

حل لغات: (۱) ان میں سے۔ (۲) مشکل۔ (۳) دور۔

مقصد تو یہ تھا کہ یہاں مر گئے، کہیں جا کر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاتے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہادت کے برابر تو کوئی چیز ہی نہیں، لیکن ساری زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مجھے اپنی قبر بنائی جانی پسندیدہ ہو بجز مدینہ طیبہ کے، حضور ﷺ نے تین مرتبہ یہی الفاظ فرمائے۔ [مشکوٰۃ]

مدینہ پاک کی موت ایمان کے ساتھ کسی خوش نصیب کو میسر ہو جائے، اس سے بڑھ کر مَرنے کے وقت کیا دولت ہوسکتی ہے کہ جنتُ البقیع کی مٹی نصیب ہو جائے، جہاں حضور ﷺ کے اہلِ بیت[1] مدفون[2] ہیں۔ دو کے علاوہ ساری اَزواج مُطَہَّرات مدفون ہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کتنی بڑی جماعت مدفون ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مقبرہ میں مدفون ہیں [زرقانی] ان پاک اَرواح پر اللہ جلَّ شانُہٗ کی کس قدر رحمتیں ہر وقت نازل ہوتی ہوں گی، یہ ظاہر چیز ہے۔

ابن نجّار رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ دو قبرستان آسمان والوں کے لیے زمین پر ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لیے آسمان پر چاند اور سورج: ایک بَقیع کا قبرستان، دوسرا مقبرہ عَسقلان اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ جو توراۃ کے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ جنّتُ البقیع ایک قُبّہ[3] کی طرح سے ہے، جس پر مستقل فرشتوں کی جماعت مقرر ہے کہ جب وہ پُر ہو جائے اس کو جنت میں اُلٹ دیں۔ [زرقانی] اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت میں سب سے اوّل میری قبر شَق[4] ہوگی، میں اس میں سے نکلوں گا، پھر ابوبکر اپنی قبر سے نکلیں گے، پھر عمر، پھر میں جنتُ البقیع میں جاؤں گا اور وہاں جتنے مدفون ہیں، ان سب کو اپنے ساتھ لوں گا، پھر مکّہ مکرّمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا، وہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان آکر مجھ سے ملیں گے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ [زرقانی]

⑩ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَابَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ۔	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

[رواه البخاري و مسلم وغيرهما وفي حديث سعد بن أبي وقاص عند البزار بسند رجاله ثقات وعند الطبراني من حديث ابن عمر بلفظ: القبر. وعلیٰ هٰذا المراد بالبيت: بيت عائشة رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا الذي صار فيه قبره. كذا في الفتح]

حل لغات: ① حضور ﷺ کے گھر والے۔ ② دفن ہیں۔ ③ گنبد والی عمارت۔ ④ پھٹنا۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں دو مضمون وارد ہیں۔ اوّل یہ کہ مسجد نبوی کا وہ حصہ جو قبرِ اطہر اور منبر شریف کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یہ مشہور قول کے موافق ہے کہ میرے گھر سے مُراد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے، جس میں بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بنی۔ بعض علماء نے ''میرے گھر'' سے عام مُراد لیا ہے، یعنی تمام ازواج کے گھر اور زوائد مسند احمد کی ایک روایت سے اس کی تائید[1] کی، جس میں وارد ہوا ہے کہ ان گھروں کے اور منبر کے درمیان ایک باغ ہے، جنت کے باغوں میں سے۔ اس صورت میں ازواجِ مطہرات کے جو مکانات ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوئے ہیں وہ سارا حصہ روضہ ہی ہے۔ [نزہتہ] اس کے مطلب میں علماء کے تین قول ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ کی رحمتوں کے نازل ہونے میں یہ حصہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ جنت کا باغ ہو کہ جس طرح وہاں ہر وقت اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح یہاں بھی ہر وقت اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس جگہ عبادت جنت کے باغ کا ذریعہ ہے یعنی اس جگہ عبادت کرنے سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ عبادت کرنے والے کو ملے گا اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ جگہ حقیقت میں جنت کا ایک ٹکڑا ہے، جو اس دنیا میں منتقل[2] کیا گیا ہے اور بعینہٖ[3] یہ ٹکڑا جنت میں منتقل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی مدینہ طیبہ کے مکہ مکرمہ سے افضل ہونے پر استدلال[4] کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ جنت کا ٹکڑا ہے اور دوسری احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جنت کا ایک کمان[5] کے بقدر[6] حصہ بھی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے افضل ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ تیسرا قول راجح[7] ہے۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مناسک نووی میں لکھتے ہیں، سب سے بہتر قول وہ ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے نقل کیا گیا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور یہ جگہ جنت میں منتقل ہو جائے گی۔

دوسرا مضمون حدیث بالا[8] میں یہ ہے کہ ''میرا منبر میرے حوض پر ہوگا''، اس کے معنی میں بھی علماء کے تین قول ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ منبر شریف جو مسجد میں ہے، یہ بعینہٖ حوضِ کوثر پر منتقل ہو جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض کوثر کا حال بیان فرمایا کہ اس پر میرے لیے ایک منبر ہوگا، اس صورت میں مسجد کے اس منبر سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں جو منبر شریف ہے، اس کے مُتّصل[9] عبادت کرنے کا ثمرہ[10] اور اثر یہ ہے کہ اس کی برکت سے قیامت میں حوضِ کوثر پر حاضری

حل لغات: (۱) حمایت۔ (۲) لایا گیا۔ (۳) بالکل اسی طرح۔ (۴) دلیل لائے۔ (۵) تیر چھوڑنے کا آلہ، دھنس۔ (۶) برابر۔ (۷) بہتر۔ (۸) اوپر کی۔ (۹) ملا ہوا، قریب۔ (۱۰) نتیجہ، پھل۔

نصیب ہوتی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شِفاء میں لکھا ہے کہ پہلے معنی سب سے زیادہ ظاہر ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے یہی فرمایا ہے کہ وہی منبر مراد ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے منبر کے پائے جنت میں ستون[1] بنا دیے جائیں گے اور بھی بہت سے علماء نے اسی معنی کو ترجیح[2] دی ہے، اسی وجہ سے مسجد نبوی کے درمیان میں یہ دو جگہ ایک روضہ دوسرے منبر کی جگہ خاص طور سے اہم ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض مواقع[3] خصوصی ہیں، جن کے پاس جا کر خصوصیت سے درود و دعا وغیرہ کرنا چاہیے۔ حج کی کتابوں میں اُن کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، ان میں سے چند کو یہاں بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن ستونوں کی خاص فضیلت ہے اور اسی طرح سے ان کے علاوہ جو مُتبرَّک[4] مقامات ہیں، اُن کی زیارت کرنا چاہیے اور ان کے پاس خصوصیت سے نوافل دعا وغیرہ کرنا چاہیے، بالخصوص[5] مسجد کا جو حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد تھا، وہ خاص طور سے زیادہ اہم اور زیادہ قابل اہتمام ہے اور اس حصہ میں جتنے ستون ہیں، وہ خاص طور پر متبرک ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کے قریب کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے، ان میں سے آٹھ ستون خاص طور سے افضل اور مُتبرَّک اور معروف[6] ہیں۔

(۱) **اُسطُوانۂ مُخلَّقہ:** یہ جگہ سب سے زیادہ متبرک ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اسی کو ''اُسطُوانۂ حَنَّانہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ کھجور کا وہ تنہ تھا، جس پر ٹیک لگا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے، جب منبر شریف تیار ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے اس پر تشریف فرما ہوئے، تو اس میں سے بہت زور سے رونے کی آواز آئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد گونج گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے اور اس کی حالت سے مسجد والے بھی رونے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس پر دستِ[7] مبارک رکھا، جس سے اس کا رونا بند ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے قریب اللہ کا ذکر ہوتا تھا، اب منبر بن جانے سے یہ اس سے محروم ہو گیا، اس کی وجہ سے رو رہا ہے، اگر میں اس پر ہاتھ نہ رکھتا تو قیامت تک اسی طرح روتا رہتا، اس کے بعد اس کو دفن کر دیا گیا۔ بہت مشہور قصہ ہے، دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو نقل کیا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب اس کا قصہ نقل فرماتے تو رونے لگتے اور فرماتے کہ اللہ کے بندو کھجور کے

حل لغات: (۱) کھنبے۔ (۲) پسند کیا۔ (۳) جگہیں۔ (۴) بابرکت۔ (۵) خاص طور سے۔ (۶) مشہور۔ (۷) ہاتھ۔

زیارتِ مدینہ

درخت کوتو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا اشتیاق[1] ہو، تم تو اس سے بھی زیادہ شوق کے اہل[2] تھے۔ [شفاء]

ایک حدیث میں ہے کہ جب منبر تیار ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اس پر تشریف فرما ہوئے تو یہ ستون ایسے زور سے چلایا، قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور اسے اپنے سے لگایا تو اس طرح سسکیاں لے رہا تھا، جیسا بچہ کیا کرتا ہے، جس وقت کہ اس کو روتے ہوئے کو چُپ کیا جائے۔ [بخاری]

اسی وجہ سے اس کو "اُسطُوانۂ حَنَّانہ" کہتے ہیں، جس کے معنی رونے والی اونٹنی کے ہیں اور مُخَلَّقہ خَلوق سے جو ایک مُرَکَّب[3] خوشبو کا نام ہے، وہ اس پر خاص طور سے ملی جاتی تھی، اگرچہ اور ستونوں پر بھی ملی جاتی تھی اور اس لیے اور بھی بعض ستونوں کو مُخَلَّقہ کہا جاتا تھا، مگر اکثر اسی کو کہا جاتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز کے لیے سب سے افضل جگہ یہی ہے، اسی جگہ محرابُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے محراب بنا دی گئی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی، بلکہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت امیر مدینہ ہونے کے مسجد کی تعمیر کرائی ہے، اس وقت سے محراب بنی ہے۔ [نزہۃ الناظرین]

(۲) **اُسطُوانۂ عائِشہ:** جس کو "اُسطوانۃُ المہاجرین" بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مہاجرین کی اکثر نِشَست[4] اسی جگہ رہتی تھی، ابتداءً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ اسی جگہ تھا، اس کے بعد آگے کے ستون کی طرف جو نمبر ایک میں گزرا، تجویز ہوا، اس کو "اُسطوانۃُ القُرعَۃ" بھی کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ اس مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس کے لیے ہجوم[5] کی وجہ سے قرعہ[6] ڈالنا پڑے، لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ وہ کون سی جگہ ہے؟ تو انہوں نے اس وقت بتانے سے انکار فرمایا، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اصرار[7] پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا، اسی لیے اُسطوانۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ ان کی حدیث اور ان کی تعیین[8] سے اس کی تعیین ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر اس کے قریب نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس جگہ دعا قبول ہوتی ہے۔

(۳) **اُسطُوانۃُ التّوبہ:** اور اس کو "اُسطوانۂ ابولُبابہ رضی اللہ عنہ" بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابولُبابہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، غَزوۂ بنوقُرَیظہ کے وقت ایک غلطی ان سے سرزد ہو گئی تھی، وہ یہ کہ جس وقت یہود بنی قُریظہ کا محاصرہ[9] ہو رہا تھا تو انہوں نے تنگ آکر ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا اور ابولُبابہ رضی اللہ عنہ سے

حل لغات: (۱) شوق۔ (۲) لائق۔ (۳) ملی ہوئی۔ (۴) بیٹھک۔ (۵) بھیڑ۔ (۶) نام کی پرچی نکالنا۔ (۷) ضد۔ (۸) مخصوص۔ (۹) گھیراؤ۔

زمانۂ جاہلیت سے بہت زیادہ تعلقات تھے تو انہوں نے مشورہ کے لیے ان کو بلایا کہ حضور ﷺ کا عندیہ[1] ان سے اپنے متعلق معلوم کریں، یہ وہاں تشریف لے گئے، وہ سب ان کو دیکھ کر بے تحاشا[2] رونے لگے، ان کے رونے کو دیکھ کر ان کا بھی دل بھر آیا اور ان کے دریافت[3] کرنے پر انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا گویا کہ حضور ﷺ کا عندیہ قتل کرنے کا ہے، لیکن اس کے بعد معاً[4] تنبّہ ہوا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، وہاں سے واپس آکر اپنے آپ کو اس جگہ جو کھجور کا ستون[5] تھا، اس سے باندھ دیا کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اپنے کو نہ کھولوں گا۔ حضور اقدس ﷺ ہی کھولیں گے تو اس جگہ سے رہائی کروں گا۔ حضور ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں اللہ جلّ شانہٗ سے ان کے لیے استغفار کرتا، مگر اب وہ براہِ راست اپنی توبہ کے قبول پر مدار[6] رکھ چکے ہیں تو جب تک توبہ قبول نہ ہو، میں کیسے کھول سکتا ہوں، کئی دن اسی حال میں گزر گئے کہ نماز کے یا بشری[7] ضرورت کے وقت ان کی بیوی یا بیٹی کھول دیتیں اور بعد فراغت پھر باندھ دیتیں، کئی دن اسی حال میں گزر گئے کہ نہ کھانا، نہ پینا، بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیر ہوگیا، کانوں سے اونچا سنائی دینے لگا، کئی دن کے بعد ایک شب[8] میں کہ اس دن حضور ﷺ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تھے، تہجد کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس کی اطلاع فرمائی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کھولنا چاہا اور قبولِ توبہ کی بشارت[9] دی، مگر انہوں نے کہا کہ جب تک حضور ﷺ ہی اپنے دستِ[10] مبارک سے نہ کھولیں گے، مجھے کُھلنا منظور نہیں، چنانچہ حضور ﷺ جب صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو ان کو کھولا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضرات رہ گئے تھے، ان میں ابولُبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور اس غزوہ میں شرکت نہ ہونے سے رنج وغم میں انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا تھا اور اسی حال میں جب کئی دن گزر گئے اور آیت شریفہ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۰۲] نازل ہوئی تو ان کو کھولا گیا، اس ستون کے قریب قبلہ کی جانب حضور ﷺ نے اعتکاف بھی کیا ہے اور اکثر ضُعَفاء[11] مساکین وغیرہ اس ستون کے قریب بیٹھتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب[12] تک ان کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے۔

(۴) **اُسْطُوانَۃُ السَّرِیر:** حضور اقدس ﷺ کا اعتکاف اس جگہ بھی بتایا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اعتکاف کے زمانہ میں اس جگہ شب کو آرام فرمایا کرتے تھے، اس لیے یہ نام ہوا، سریر کے اصل معنی تخت کے ہیں۔ حضور ﷺ کے آرام فرمانے کے لیے کوئی چیز اس جگہ بچھائی جاتی

حل لغات: (۱) منشا، ارادہ۔ (۲) بہت زیادہ۔ (۳) پوچھنے۔ (۴) فوراً۔ (۵) کھمبا۔ (۶) موقوف کرنا، بنیاد رکھنا۔ (۷) انسانی۔ (۸) رات۔ (۹) خوشخبری۔ (۱۰) ہاتھ۔ (۱۱) بوڑھے اور فقیر۔ (۱۲) سورج کا نکلنا۔

تھی، جو لکڑی کی ہوگی۔

۵ اُسطُوانۂ علی رضی اللہ عنہ: جس کو ''اُسطُوانۃُ المُحرِس''، اور ''اُسطُوانۃُ الحَرس'' بھی کہتے ہیں، حَرس کے معنی حفاظت کے ہیں۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دربانی[1] کے طور پر اس جگہ تشریف فرما ہوتے تھے اور اکثر حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ تشریف رکھتے تھے، اس لیے ''اُسطوانۂ علی'' بھی نام ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ[2] سے جب تشریف لاتے تھے، تو اس جگہ کو گزرتے تھے۔

۶ اُسطُوانۃُ الوُفُود: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عرب کے وفود[3] آتے تھے، وہ اکثر اسی جگہ بٹھائے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ تشریف لا کر ان سے گفتگو فرماتے، ان کو احکام کی تلقین[4] فرماتے۔ علماء کا ان دونوں ستون نمبر پانچ[5] چھ[6] کی تعیین[5] میں اختلاف ہے، جس کو ''نزہۃُ الناظرین'' وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

۷ اُسطُوانۂ تہجد: کہتے ہیں کہ اکثر شب کے وقت جب سب آدمی چلے جاتے تو اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کے لیے ایک بوریا بچھایا جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تہجد ادا فرماتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین رات جو نماز پڑھی ہے اور بہت مجمع جمع ہوتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے فرض ہونے کے خوف سے پھر نہیں پڑھی، وہ اسی جگہ پڑھی گئی ہے، مگر اکثر روایات میں اس کا مسجد نبوی میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [نزہتہ] اور یہ جگہ اُس وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل نہیں تھی۔

۸ اُسطوانۂ جبرئیل علیہ السلام: علماء نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی یہ خاص جگہ تھی، لیکن یہ ستون اس وقت حجرۂ شریفہ کی تعمیر کے اندر آگیا ہے، باہر سے اس کی زیارت نہیں ہوتی، یہ آٹھ ستون علماء نے خاص گنوائے ہیں، لیکن یہ ظاہر بات ہے کہ مسجد نبوی کا کون سا حصہ ایسا ہوگا، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک نہ پڑے ہوں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نمازیں نہ پڑھی ہوں اور نہ صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مدینہ طیبہ کے سارے شہر کا کون سا حصہ ایسا ہوگا، جہاں ان بابرکت ہستیوں کے قدم بارہا[6] نہ پڑے ہوں، اس لیے وہاں کی ہر جگہ بابرکت ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی برکت سے اِنتفاع[7] کی توفیق عطا فرمائے کہ اصل توفیق ہی ہے۔

خاتمہ

اس میں سارے علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ

حل لغات: ۱ چوکیدار۔ ۲ کمرہ۔ ۳ وفد کی جمع: بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے آنے والا گروہ۔ ۴ تعلیم۔ ۵ مقرر کرنے۔ ۶ کئی مرتبہ۔ ۷ فائدہ اٹھانا۔

حج کیا ہے۔ ۱۰ھ میں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا اور اس سفر میں ایسے واقعات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ظہور[1] ہوا جیسا کہ کسی سے رخصت ہوتے وقت ہوا کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس کا نام ''حَجَّۃُ الوَداع''، یعنی رخصت کا حج پڑ گیا کہ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں جانے کے لیے اس سفر کے اجتماع کے وقت سارے مسلمانوں سے جو حاضر تھے، رخصت ہو گئے۔ سفر حج کی ابتداء کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا، تو ہزاروں کی مقدار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم رکابی[2] اور مَعِیَّت[3] کا فخر حاصل کرنے کے لیے حج کا ارادہ فرما لیا اور جو خبر سنتا گیا، وہ ہم رکابی کی کوشش کرتا گیا، ان میں سے ایک بڑی مقدار مدینہ طیبہ روانگی سے قبل پہونچ گئی اور جو وہاں حاضر نہ ہو سکے تھے، وہ راستہ میں ملتے رہے اور جن کو اتنا بھی وقت نہ ملا، وہ مکّہ مکرّمہ اور بعض براہِ راست[4] عَرفات پر پہونچے۔ غرض بہت کثیر مجمع اس حج میں ہم رکاب تھا، جس کی مقدار ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ [لمعات حاشیہ ابوداوٗد]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے اور عصر کی نماز ذُوالحُلَیفہ میں پہونچ کر ادا فرمائی، اس میں مُؤرِّخین کا اختلاف ہے کہ روانگی کی تاریخ کیا تھی، چوبیس ۲۴، پچیس ۲۵، چھبیس ۲۶ ذی قعدہ۔ تین قول ہیں اور اسی طرح دن کے متعلق بھی پنج شنبہ، جمعہ، شنبہ، تین قول ہیں۔ جن میں سے جمعہ کا دن جن حضرات نے کہا ہے وہ صحیح روایات کے خلاف ہے، اس لیے کہ روانگی سے قبل مدینہ پاک میں چار رکعت ظہر کی پڑھنا مشہور روایات میں ہے، اس ناکارہ کے نزدیک پچیس ۲۵ ذی قعدہ شنبہ کے دن روانگی روایات سے راجح معلوم ہوتی ہے، شب کو ذُوالحُلَیفہ میں قیام فرمایا اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے جو ہمراہ[5] تھیں، صحبت کی، اسی وجہ سے علماء کے نزدیک اگر بیوی ساتھ ہو تو اِحرام سے قبل صحبت کرنا مستحب[6] ہے کہ احرام کے طویل[7] زمانہ میں دونوں کے لیے عِفَّت[8] کا سبب ہے، دوسرے دن ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے غسل کیا اور احرام کی چادریں زیب تن فرمائیں اور ذُوالحُلَیفہ کی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد قِران کا احرام باندھا۔ محققین[9] علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام شروع ہی سے قِران کا تھا، یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اختیار دے دیا کہ جس کا دل چاہے افراد، تمتُّع، قِران میں سے جونسا چاہے باندھ لے، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قِران کا باندھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رات کو تشریف لاکر یہ فرمایا تھا کہ یہ ''وادیٔ[10] عُقَیق'' مبارک وادی ہے، آپ اس میں نماز پڑھیں اور حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھیں۔ اس کے بعد مسجد سے باہر تشریف

حل لغات: (۱) ظاہر۔ (۲) سفر کا ساتھی۔ (۳) ساتھ۔ (۴) سیدھے۔ (۵) سفر میں ساتھ۔ (۶) پسندیدہ۔ (۷) لمبا۔ (۸) پاکدامنی۔ (۹) تحقیق کرنے والے۔ (۱۰) گھاٹی۔

لاکر اونٹنی پر سوار ہوئے اور زور سے لبیک پڑھا، چونکہ مسجد کی آواز قریب کے آدمیوں نے سُنی تھی اور یہاں اونٹنی پر تشریف رکھنے کے بعد دور تک آواز گئی، اس لیے بہت سے حضرات نے یہ سمجھا کہ اسی وقت حضور ﷺ نے احرام کی ابتداء فرمائی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی مبارک اونٹنی آپ ﷺ کو اپنی پُشت[1] پر لے کر چلی اور بَیداء کی پہاڑی پر چڑھی، جو ذُوالحلیفہ کے قریب ہے، چونکہ حاجی کے لیے ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے لبیک زور سے پڑھنا مستحب ہے، اس لیے حضور ﷺ نے یہاں بھی زور سے لبیک پڑھا، جس کی آواز پہاڑی کا اونچان ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ دور تک گئی، اس کی وجہ سے صحابہ کی ایک بڑی جماعت اسی جگہ حضور ﷺ کا احرام باندھنا نقل[2] کرتی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے لبیک پڑھتے ہوئے مکّہ مکرّمہ کی طرف روانگی شروع کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر یہ درخواست کی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرما دیجیے کہ لبیک زور سے پڑھیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کا حکم فرمایا: راستہ میں جب ''وادئ روحاء'' پر پہونچے تو حضور ﷺ نے وہاں نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ ستّر نبیوں نے اس جگہ نماز پڑھی۔ حضورِ اقدس ﷺ کا سامان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سامان سب ایک اونٹ پر تھا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کے سپردگی[3] میں تھا، جب ''وادئ عَرْج'' میں پہونچے تو دیر تک یہ حضرات ان کا انتظار فرماتے رہے، بڑی دیر میں وہ آئے اور کہا کہ اونٹ تو کھو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارا کہ ایک ہی تو اونٹ تھا، وہ بھی گم کر دیا اور حضور ﷺ تبسّم[4] فرما کر ارشاد فرما رہے تھے کہ ان مُحرِم کو دیکھو! یہ کیا کر رہے ہیں؟ یعنی احرام کی حالت میں مارتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے سامان کی اونٹنی گم ہوگئی تو جلدی سے کھانا تیار کر کے لائے، حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ آؤ اللہ تعالیٰ نے بہترین غذا عطا فرمائی، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آرہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ابوبکر! غصہ کو جانے دو، اس کے بعد حضرت سعد اور حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہما اپنے سامان کی اونٹنی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ یہ قبول فرمالیں، مگر حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تمھیں برکت عطا فرمائے، ہماری اونٹنی اللہ کے فضل سے مل گئی، جب ''وادئ عُسفان'' میں جو مکّہ مکرّمہ کے قریب ہے تشریف فرما تھے، تو حضرت سُراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں حج کا طریقہ اس طرح بتا دیجیے کہ گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں یعنی اس پر اطمینان نہ فرماویں کہ یہ بات تو ان کو پہلے سے معلوم ہوگی۔ حضور ﷺ نے ان حضرات کو بتایا کہ مکّہ میں داخل ہو کر کیا کیا کریں، سَرِف[5] میں پہونچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنے لگا، وہ بہت پریشان ہوئیں، رونے لگیں کہ میرا تو سفر ہی بے کار ہو گیا، حج کا وقت قریب آگیا اور میں ناپاک ہوگئی۔

حلِ لغات: (۱) پیٹھ۔ (۲) روایت۔ (۳) ذمہ داری۔ (۴) مسکرا کر۔ (۵) مکّہ کے قریب ایک جگہ کا نام۔

واقعات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ یہ تو ساری ہی عورتوں کو پیش آتا ہے، پھر ان کو بتایا کہ وہ اب کیا کریں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ جن کے ساتھ ''ہدی[1]''نہیں ہے، وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر عمرہ کرکے اپنا احرام کھول دیں، مکہ مکرمہ کے قریب جب ''وادیٔ اَزرَق'' پر پہونچے تو ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے اس وقت وہ منظر ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر حج کے لیے گزر رہے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے کر زور سے لبیک پڑھ رہے تھے، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ''ذُوطُویٰ'' پہونچے، جو مکّہ مکرّمہ کے بالکل قریب ہے اور شب[2] کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مکّہ مکرّمہ میں داخل ہونے کی غرض سے غسل کیا اور چاشت کے وقت چار ذی الحجہ یک شنبہ کی صبح کو مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے، اس دن اور تاریخ میں علماء کا سب کا قریب قریب اتفاق ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں داخلہ کی یہی تاریخ اور یہی دن تھا، بندہ کے نزدیک ذی قعدہ کا یہ مہینہ اُنتیس ۲۹ دن کا تھا، اس لیے شنبہ کو چل کر نویں دن مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے، مکّہ مکرّمہ میں پہونچ کر سب سے اوّل مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور حجر اسود کو بوسہ[3] دیا اور طواف کیا، تحیّۃُ المسجد بھی نہیں پڑھی، مسجد میں داخل ہوتے ہی طواف شروع فرمادیا، طواف سے فراغت پر مقامِ ابراہیم پر طواف کا دوگانہ[4] ادا کیا، جس میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھی، اس کے بعد پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور ''بابُ الصفا'' سے نکل کر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور اوپر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر بڑی دیر تک تکبیر[5] وتحمید[6] اور دعا کرتے رہے، اس کے بعد صفا، مَروہ کے درمیان سات چکر پورے فرمائے اور مَروہ پر جب سعی سے فراغت فرمائی تو جن حضرات کے ساتھ ''ہَدی'' نہیں تھی، ان کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا، اس کے بعد قیامگاہ پر تشریف لائے اور چار دن قیام فرمایا۔ آٹھ ذی الحجہ پنج شنبہ[7] کو چاشت کے وقت مِنیٰ تشریف لے گئے اور سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی حج کا احرام باندھ کر ہم رکاب تھے، پانچ نمازیں مِنیٰ میں پڑھیں، اسی شب میں ''سورۂ وَالمُرسَلات'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، جمعہ کی صبح کو طلوع آفتاب کے بعد عَرفات تشریف لے گئے اور نَمِرہ میں جو خیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدام نے پہلے سے لگادیا تھا، تھوڑی دیر قیام فرمایا، پھر زوال کے بعد اپنی اونٹنی پر جس کا نام ''قصویٰ'' تھا، سوار ہوکر ''بَطنِ عُرَنَۃ'' میں جو وہیں قریب ہے، تشریف لائے اور بہت طویل[8] خطبہ پڑھا، اس خطبہ میں ایسے الفاظ بھی تھے کہ شاید تم اس سال کے بعد مجھے نہ دیکھو اور یہ کہ اس سال کے بعد کبھی بھی میرا تمہارا یہاں اجتماع نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کا حکم فرمایا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائیں، نماز سے فراغت کے بعد

حل لغات: (۱) قربانی کا جانور جو حاجی لاتا ہے۔ (۲) رات۔ (۳) چوما۔ (۴) دو رکعت۔ (۵) اللہ اکبر کہنا۔ (۶) اللہ کی حمد بیان کرنا۔ (۷) جمعرات۔ (۸) لمبا۔

عرفات کے میدان میں تشریف لائے اور مغرب تک اپنی اونٹنی پر دعا میں بڑے اہتمام[1] سے مشغول رہے، اسی دوران میں حضرت اُمِّ فَضل رضی اللہ عنہا نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ کا روزہ ہے یا نہیں؟ ایک پیالہ میں دودھ بھیجا، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سارے مجمع کے سامنے نوش[2] فرمایا، تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ روزہ نہیں ہے، اسی دوران میں ایک صحابی اونٹ پر سے گر کر مَر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے احرام کے کپڑوں ہی میں ان کو کفنا دو، یہ قیامت میں لبیک ہی پڑھتے ہوئے اُٹھیں گے، اس جگہ نجد کی ایک جماعت براہ راست[3] پہونچی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی کے ذریعہ سے آواز دے کر دریافت کرایا کہ حج کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ اعلان کردو کہ حج ''عرفہ'' میں ٹھہرنے کا نام ہے، جو شخص دس ذی الحجہ کی صبح سے پہلے پہلے یہاں پہونچ جائے اس کا حج ہوگیا۔ [ابوداؤد]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب تک امت کے لیے مغفرت کی دعا بہت ہی اِلحاح[4] اور زاری[5] سے مانگتے رہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سے اُمت کے لیے مظالم[6] کے سوا اور سب چیزوں کی مغفرت کا وعدہ ہوگیا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اِلتجا[7] فرماتے رہے کہ یا اللہ! یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مظلوموں کو تو اپنے پاس سے بدلہ عطا فرما دے اور ظالموں کو معاف فرمادے، اسی دوران میں آیت شریفہ { اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ } [سورۂ مائدہ: ۳] نازل ہوئی، جس کا بیان سب سے پہلی فصل میں گزر چکا ہے، جس وقت یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو وحی کے بوجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، کھڑی نہ ہوسکی، غروب[8] کے بعد نماز سے قبل[9] حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے، اونٹنی ایسے زوروں پر تھی کہ نہایت شدت سے اس کی باگ کھینچ رکھی تھی، وہ جوش میں دوڑنا چاہتی تھی، جہاں ذرا چڑھائی آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کی باگ[10] ذرا ڈِھیلی فرمادیتے تھے، پھر اس کو زور سے کھینچ لیتے، حتیٰ کہ اس کا سر باگ کے زیادہ کھینچنے کی وجہ سے کجاوے[11] سے لگا جارہا تھا۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر تھے، راستہ میں ایک جگہ مزدلفہ کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشاب کی ضرورت ہوئی اُتر کر پیشاب کیا، وضو کیا، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول[12] اتباع[13] کے شوق میں ہمیشہ یہ رہا کہ جب حج کرتے تو اس موقع پر اُتر کر وضو کیا کرتے اور ذوق[14] میں کہا کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں وضو کیا تھا۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے وضو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) انہماک۔ (۲) پیا۔ (۳) سیدھے۔ (۴) گڑگڑانا۔ (۵) رونا۔ (۶) ظلم وستم۔ (۷) عاجزی۔ (۸) سورج کا ڈوبنا۔ (۹) پہلے۔ (۱۰) لگام۔ (۱۱) اونٹ پر باندھی جانے والی کاٹھی۔ (۱۲) عمل۔ (۱۳) پیروی۔ (۱۴) شوق۔

سے نماز کی یاد دِہانی کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا آگے چلو، مزدلفہ پہونچ کر سب سے پہلے حضور ﷺ نے نئے وضو کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد دعاء میں مشغول ہوئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جگہ مظالم کے بارہ میں بھی حضور ﷺ کی دعا قبول ہوگئی۔ حضور ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو نیز ضُعَفاء[1] کو ہجوم[2] میں تکلیف ہونے کے خیال سے رات ہی میں مُزدلفہ سے مِنیٰ کو روانہ فرمادیا اور خود تمام رفقاء کے ساتھ صبح صادق کے بعد سویرے سے نماز پڑھ کر طلوع آفتاب سے قبل مِنیٰ کے لیے روانہ ہوئے اور اس وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تو پیدل چلنے والوں میں تھے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے، راستہ میں ایک نوجوان لڑکی نے حضور ﷺ سے اپنے باپ کے حج بدل کا مسئلہ دریافت کیا، حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی نوعمر تھے، ان کی نگاہ اس عورت پر پڑی۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا کہ نامحرم کو نہ دیکھیں اور یہ ارشاد فرمایا کہ آج کا دن ایسا دن ہے کہ جو شخص اس میں اپنی آنکھ، کان اور زبان کی حفاظت کرے، اس کی مغفرت ہوتی ہے۔ راستہ ہی سے حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے لیے کنکریاں چنیں، لوگ مسائل بھی دریافت کرتے جاتے تھے اور حضور ﷺ جواب فرماتے جارہے تھے، ایک صاحب نے دریافت کیا: حضور ﷺ میری والدہ اتنی بوڑھی ہیں کہ اگر سواری پر ان کو باندھ کر بٹھایا جائے تو ان کی موت کا اندیشہ ہے، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہاری والدہ کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتے؟ ایسے ہی حج کو بھی سمجھو۔ جب حضور ﷺ راستہ میں "وادیٔ مُحَسِّر" پر پہونچے، جہاں حق تعالیٰ شانُہٗ نے اَبرہہ کے ہاتھی کو ہلاک کیا تھا، جب کہ اس نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی، تو حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی کو تیز کردیا کہ جلدی سے اس عذاب کی جگہ سے آگے بڑھ جائیں، مِنیٰ پہونچ کر سیدھے "جَمرۂ عَقبہ" پر پہونچے اور سات کنکریاں اس کے ماریں اور لبیک کا پڑھنا جو احرام کے بعد سے اب تک وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا، اس وقت بند کردیا، اس کے بعد مِنیٰ میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور بڑا طویل[3] وعظ فرمایا، جس میں بہت سے اہم احکام کا اعلان کیا، اور اس قسم کے مضامین بھی ارشاد فرمائے جیسا کہ الوَداع کے وقت کہے جاتے ہیں، پھر قربانی کی جگہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے سالوں کے مطابق تریسٹھ ۶۳ اونٹ اپنے دستِ مُبارک[4] سے قربانی کیے، جن میں چھ ۶، سات ۷ اونٹ اُمنڈ کر قربان ہونے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، ہر ایک زبانِ حال سے جلدی قربان ہونا چاہتا تھا۔

داغ جاتے تو ہیں مقتل[5] میں پر اوّل سب سے ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھیے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

حل لغات: (۱) کمزور، بوڑھے۔ (۲) بھیڑ۔ (۳) لمبا۔ (۴) ہاتھ۔ (۵) قتل یا ذبح کرنے کی جگہ۔

تریسٹھ[۶۳] کے علاوہ باقی اونٹوں کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے قربان کیا، کُل عدد سَو تھے۔ قربانی کے بعد اعلان فرمادیا کہ جس کا دل چاہے، ان میں سے گوشت کاٹ کر لے جائے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ہر اونٹ میں سے ایک ایک بوٹی لے کر سب کو ایک برتن میں جوش دیں، ان کا شوربا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، تاکہ ہر اونٹ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوش فرمانے کی سعادت حاصل ہو، اپنی ازواجِ مُطہّرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے گائے ذبح کی، قربانی سے فراغت کے بعد حضرت مَعْمَر رضی اللہ عنہٗ یا حضرت خِراش رضی اللہ عنہٗ کو بلایا اور ان سے حجامت بنوائی، سر منڈایا، لبیں[۱] بنوائیں، ناخن تَرشوائے اور یہ بال اور ناخن جان نثاروں میں تقسیم کرادیے۔ کہتے ہیں کہ کہیں کہیں جو بال مبارک موجود ہیں وہ انہی میں کا بقیہ ہے اس کے بعد احرام کی چادریں اُتار کر کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، اس دوران میں کثرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ کر حج کے متعلق مسائل دریافت کرتے رہے، اس دن میں چار کام کرنے ہیں، رَمی، ذبح، سَر منڈانا، طواف زیارت کرنا، یہی ترتیب ان کی ہے، اس میں بہت سے حضرات سے بھول وغیرہ کی وجہ سے ترتیب میں تقدُّم وتأخُّر[۲] ہوا، ہر شخص آ کر عرض کرتا کہ مجھ سے بجائے اس کے ایسے ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس میں کوئی گناہ نہیں ہوا، البتہ اس میں گناہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو[۳] ریزی کی جائے۔ ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی یا مِنیٰ واپس آ کر؟ روایات میں اختلاف ہے اور طواف سے فراغت پر زَم زَم شریف کے کنویں پر تشریف لے گئے اور خود ڈول کھینچ کر پیا اور بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھینچا، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ کرنے لگیں گے تو خود کھینچ کر پیتا، لیکن ان دونوں میں کچھ اشکال نہیں، زم زم شریف کا پینا بار بار ہوا، اس لیے کسی موقع پر خود کھینچ کر پیا ہو، جب ہجوم[۴] نہ ہو اور کسی موقع پر ہجوم کی وجہ سے ایسا فرمادیا ہو، اس میں اشکال نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زَم زَم شریف کھڑے ہو کر پیا اور پھر صفا مَروہ کی دوبارہ سعی کی یا نہیں کی؟ اس میں اختلاف ہے، حَنفیہ کے قواعد کے موافق تو کی ہے، اس کے بعد مِنیٰ واپس تشریف لے گئے اور تین دن وہاں قیام کیا اور روزانہ زَوال کے بعد تینوں جَمرات کی رَمی کیا کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ ان ایام میں جب مِنیٰ میں قیام تھا، روزانہ رات کو بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے لیے تشریف لاتے اور مِنیٰ کے قیام میں مُتعدّد[۵] وعظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، جن میں اس قسم کے الفاظ بھی ہیں کہ میں شاید تم سے پھر نہ مل سکوں، مِنیٰ ہی کے قیام میں سورۂ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ حج سے قبل مدینہ طیبہ ہی میں نازل ہو چکی تھی اور مُتعدّد روایات میں ہے کہ اس سورۃ کے نازل

حل لغات: (۱) مونچھیں۔ (۲) آگے پیچھے۔ (۳) بے عزتی۔ (۴) بھیڑ۔ (۵) کئی۔

ہونے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سورۃ میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے، میں عنقریب جانے والا ہوں، اس کے بعد تیرہ ذی الحجہ سہ شنبہ[1] کو زوال کے بعد آخری رَمی سے فارغ ہو کر حضور ﷺ منیٰ سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے باہر ''مُحصَّب'' میں جس کو بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں، ایک خیمہ میں جس کو حضور ﷺ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے یہاں تشریف لانے سے پہلے ہی اس جگہ لگا رکھا تھا، قیام کیا اور چار نمازیں ظہر سے عشاء تک وہاں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر اس میں آرام کیا، یہ وہی جگہ ہے جس جگہ کفار نے بیٹھ کر ابتداءِ اسلام یعنی نبوت کے چھٹے برس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کر دیا جائے کہ نہ ان سے لین دین کسی قسم کا کیا جائے، نہ ان کو کھانے کو دیا جائے، نہ ان سے کوئی ملاقات کرے، نہ صلح کی بات کرے جب تک یہ لوگ (نعوذ باللہ) حضورِ اقدس ﷺ کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں تاکہ ہم حضور ﷺ کو قتل کریں، یہ معاہدہ اسی جگہ لکھا گیا تھا، جس کا قصہ مشہور ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے آج دو جہاں کا سردار ہونے کی حیثیت سے یہاں قیام کیا اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما کر طوافِ وداع کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور اسی رات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے تنعیم بھیجا اور عمرہ کرایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کر محصّب پہونچ گئیں تو حضور ﷺ نے قافلہ کو مدینہ طیبہ کی طرف روانگی کا حکم فرمایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس حج کے موقع پر حضورِ اقدس ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے یا نہیں؟ داخل ہونا تو مُحقَّق[2] ہے، لیکن بعض علماء حج کے ایام[3] میں داخل ہونا بتاتے ہیں اور بعض حضرات اس زمانہ کے بجائے ''فتحِ مکہ'' کے زمانہ میں بتاتے ہیں اور طوافِ وَداع سے فراغت کے بعد بعض روایات کے موافق صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھ کر، جس میں سورۂ وَالطُّور حضور ﷺ نے پڑھی۔ چودہ ذی الحجہ ۱۰ھ چہار شنبہ[4] کی صبح کو مدینہ طیبہ کی طرف مع خُدّام جان نثاران واپسی ہوئی اور جب اٹھارہ ذی الحجہ یک شنبہ[5] کو ''غدیرِ خم'' پر جو جُحفہ کے قریب ایک جگہ ہے پہونچے تو حضور ﷺ نے ایک اونچی جگہ منبر کی شکل پر کھڑے ہو کر طویل[6] وعظ فرمایا، جس میں حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجہَہٗ کے مناقب[7] بھی ارشاد فرمائے، یہی وہ چیز ہے جس کو رافضیوں[8] نے بگاڑ کر عیدِ غدیر سے مشہور کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ میرے بارہ میں دو جماعتیں ہلاک ہوں گی: ایک وہ جو محبت کے دعوے میں افراط[9] کریں اور دوسرے وہ جو عداوت[10] میں اِفراط کریں (تاریخ الخلفاء بروایۃ حاکم وغیرہ) یعنی رافضی اور خارجی۔ اس کے بعد جب ذُوالحُلَیفَہ پہونچے تو

حل لغات: (۱) منگل۔ (۲) یقینی۔ (۳) دنوں۔ (۴) بدھ۔ (۵) اتوار۔ (۶) لمبا۔ (۷) تعریف۔ (۸) شیعہ۔ (۹) زیادتی۔ (۱۰) دشمنی۔

شب[1] کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کے وقت "مُعَرَّس" کے راستہ سے مدینہ منورہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے۔

﴿آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ﴾ (ہم لوٹنے والے ہیں ایسی طرح کہ توبہ کرنے والے ہیں اپنے گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ فقط)۔ اس ناپاک نے ۱۳۴۲ھ میں ایک رسالہ عربی زبان میں حجۃ الوداع میں لکھا تھا تاکہ حضور ﷺ کے حج کی روایات مُتفرِّقہ[2] مسلسل طریقہ سے مُستحضَر[3] رہیں اس میں ہر قول کا ماخذ[4] اور فقہی مباحث[5] بھی لکھے تھے اور اس میں ہر روایت کا حوالہ بھی درج کیا تھا، اسی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، اس میں ہر واقعہ کا حوالہ موجود ہے، ابھی تک اس کے طبع[6] ہونے کا وقت نہیں آیا کیا بعید[7] ہے کسی وقت اللہ جلَّ شانُہٗ کے فضل سے آجائے۔ اس کے بعد دو ماہ[8] حضور اقدس ﷺ اس عالم[9] میں تشریف فرما رہے، پھر رفیق اعلیٰ[10] کے ساتھ جا ملے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل ہوئے۔ پہلے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیرُ الحج بنا کر بھیجا اور خود تشریف نہ لے جاسکے دوسرے سال خود امیرُ الحج بن کر تشریف لے گئے اور پھر وہ بھی اس عالم سے رخصت ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی[11] ہوئے اور خلافت کے پہلے سال میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیرُ الحج بنا کر روانہ فرمایا اور اس کے بعد سے دس سال تک مسلسل خود امیرُ الحج بن کر تشریف لے گئے اور اپنی حیات کے آخری سال میں ازواجِ مطہرات کو خصوصیت کے ساتھ اپنے ساتھ حج کرایا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث[12] ہوئے تو پہلے سال یعنی ۲۴ھ میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیرُ الحج بنا کر روانہ فرمایا اور ۲۵ھ سے ۳۴ھ تک ہر سال خود حج کے لیے تشریف لے جاتے رہے، اس کے بعد محصور[13] کر دیے گئے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیرُ الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت سَیِّدُ الْمَشَارِق وَالْمَغَارِب علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ خلافت سے قبل تو بکثرت حج کرتے رہے، لیکن خلافت کے زمانہ میں جنگ جمل وصفین وغیرہ کی وجہ سے خود تشریف لے جانے کی نوبت نہ آسکی۔ [مسامرات]

اب آخر میں چند قصے اللہ والوں کے حج کے "رَوضُ الرِّیاحین" وغیرہ سے نقل کرتا ہوں، کہ وہ حج کرنے والوں کے لیے نمونہ اور عبرت ہیں، اس کے بعد اس رسالہ کو ختم کردوں گا۔

(۱) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا، لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ پر لگ رہی تھیں، جس سے آنکھوں کو سکون مل رہا تھا کہ دفعۃً[14] ایک شخص

حل لغات: (۱) رات۔ (۲) مختلف۔ (۳) یاد۔ (۴) یعنی جہاں سے لیا گیا۔ (۵) مسئلے مسائل۔ (۶) چھپنا۔ (۷) مشکل۔ (۸) مہینے۔ (۹) دنیا۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ۔ (۱۱) دوسرے۔ (۱۲) تیسرے۔ (۱۳) قید کرنا۔ (۱۴) اچانک۔

بیت اللہ کے قریب آئے اور یہ دعا کرنے لگے :اے میرے رب! تیرا مسکین[1] بندہ جو تیرے دربار سے دھتکارا[2] ہوا ہے اور تیرے در سے بھاگا ہوا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں، جو سب چیزوں سے زیادہ قریب ہو اور وہ عبادت مانگتا ہوں، جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔اے اللہ! میں تجھ سے تیرے برگزیدہ[3] بندوں کے طفیل اور تیرے انبیاء کے وسیلہ سے یہ مانگتا ہوں کہ اپنی محبت کی شراب کا ایک پیالہ مجھے پلادے اور میرے دل پر سے اپنی معرفت[4] سے جہل کے پردے ہٹادے تاکہ میں شوق کے بازوؤں سے اُڑکر تیرے تک پہونچ جاؤں اور عرفان[5] کے باغوں میں تیرے سے سرگوشیاں کروں۔

اس کے بعد وہ شخص اتنے روئے کہ آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گر رہے تھے، پھر ہنسے اور چل دیے۔

ذُوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے چل دیا اور میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص یا تو بڑا کامل ہے یا کوئی پاگل ہے، وہ مسجد سے باہر نکل کر ایک ویرانہ کی طرف چل دیے، میں پیچھے پیچھے جارہا تھا، وہ مجھ سے کہنے لگے :تمہیں کیا ہوا؟ کیوں چلے آرہے ہو؟ اپنا کام کرو، میں نے پوچھا: اللہ تم پر رحم کرے تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگے: عبداللہ (اللہ کا بندہ)، میں نے پوچھا کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے، کہنے لگے: عبداللہ، میں نے کہا: یہ تو ظاہر ہے کہ سب ہی اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے بندوں کی اولاد ہیں تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگے: میرے باپ نے میرا نام ''سعدون'' رکھا تھا۔ میں نے کہا: جو سعدون مجنون کے نام سے مشہور ہیں، کہنے لگے کہ ہاں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون برگزیدہ لوگ ہیں جن کے وسیلہ سے تم نے دعا کی؟ کہنے لگے: وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف ایسے چلتے ہیں جیسے وہ شخص چلتا ہے، جس نے عشق کو اپنا نصب العین[6] بنا رکھا ہو اور وہ دنیا سے ایسے الگ ہوگئے ہوں جیسا وہ شخص ہو جس کے دل کو کسی چیز نے پکڑ لیا ہو، اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ ذُوالنون! میں نے سُنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ میں اَسبابِ معرفت[7] سننا چاہتا ہوں، میں نے کہا: آپ کے علوم سے تو نفع پہونچنا ہی چاہیے، تو انہوں نے دو شعر عربی کے پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ''عارفین[8] کے دل ہر وقت مولیٰ کی یاد میں مشتاق[9] رہتے ہیں اور اشتیاق[10] میں نالہ[11] کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے قُرب میں منزل بنالیتے ہیں، اپنے مولیٰ کے عشق میں ایسے خلوص سے لگتے ہیں کہ اس کے عشق سے ہٹانے والی ان کے لیے کوئی چیز نہیں رہتی''۔

[روض:۲۲]

(۲) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تنہا حج کو گیا اور مکہ مکرمہ میں کچھ قیام کرلیا، میری عادت تھی کہ جب رات کا اندھیرا زیادہ ہوجاتا تو میں طواف کیا کرتا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک نوعمر

حل لغات: (۱) عاجزی۔ (۲) نکالا ہوا۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) پہچان۔ (۵) پہچان۔ (۶) مقصد۔ (۷) اللہ کی پہچان کے اسباب۔ (۸) اللہ کو پہچاننے والے۔ (۹) منتظر۔ (۱۰) انتظار۔ (۱۱) فریاد۔

واقعات

لڑکی کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہی ہے اور یہ اشعار گا رہی ہے۔

أَبَى الْحُبُّ أَنْ يَّخْفٰى وَكَمْ قَدْ كَتَمْتُهٗ　　فَأَصْبَحَ عِنْدِيْ قَدْ أَنَاخَ وَطَنَّبَا

"میں نے اپنے عشق کو کتنا چھپایا مگر اب وہ کسی طرح مخفی[1] نہیں رہتا، اب تو اس نے کھلم کھلا میرے پاس ڈیرہ ڈال دیا۔"

إِذَا اشْتَدَّ شَوْقِيْ هَامَ قَلْبِيْ بِذِكْرِهٖ　　وَإِنْ رُمْتُ قُرْبًا مِّنْ حَبِيْبِيْ تَقَرَّبَا

"جب معشوق کے شوق کا مجھ پر غلبہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کے ذکر سے پھڑ کنے لگتا ہے اور اگر میں اپنے محبوب سے قربت[2] چاہتی ہوں تو وہ فوراً مجھ سے تقرب کرتا ہے۔"

وَيَبْدُوْ فَأَفْنٰى ثُمَّ أُحْيَا بِهٖ لَهٗ　　وَيُسْعِدُنِيْ حَتّٰى أَلَذُّ وَأَطْرَبَا

"اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا[3] ہو جاتی ہوں اور پھر اسی کے لیے اسی کی بدولت زندہ ہو جاتی ہوں اور وہ میری حاجت روائی[4] کرتا ہے حتیٰ کہ میں خوب لذت پاتی ہوں اور مزے میں آ جاتی ہوں"۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا: اے لڑکی! تو اللہ سے نہیں ڈرتی ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہے، وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ جنید:

لَوْلَا التُّقٰى لَمْ تَرَنِيْ　　أَهْجُرُ عَنْ طِيْبِ الْوَسَنِ

"اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو تو مجھے نہ دیکھتا کہ میں میٹھی نیند کو چھوڑے پھرتی ہوں"۔

إِنَّ التُّقٰى شَرَّدَنِيْ　　كَمَا تَرٰى عَنْ وَطَنِيْ

"تو تو دیکھ ہی رہا ہے کہ اللہ کے خوف ہی نے مجھ کو میرے وطن سے دھکیلا اور بھگایا ہے"۔

أَفِرُّ مِنْ وَجْدِيْ بِهٖ　　فَحُبُّهٗ هَيَّمَنِيْ

"اسی کا عشق میرے ساتھ لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے میں بھاگی پھر رہی ہوں اور اسی کی محبت نے مجھے حیران و پریشان کر رکھا ہے"۔

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ جنید! تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا طواف کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہوں، تو اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہنے لگی: "سبحان اللہ" آپ کی بھی کیا عجیب مشیّت[5] ہے، جو مخلوق خود پتھر جیسی ہے، وہ پتھروں ہی کا طواف کرتی ہے، اس کے بعد اس نے تین شعر اور پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "لوگ پتھروں کا طواف کر کے آپ کا قُرب ڈھونڈتے ہیں، ان لوگوں کے دل خود بھی پتھروں سے زیادہ سخت ہیں اور حیرانی میں حیران و

حل لغات: (۱) چھپا ہوا۔ (۲) نزدیکی۔ (۳) کھو جانا۔ (۴) ضرورت پوری کرنا۔ (۵) تقسیم، تقدیر۔

پریشان پھر رہے ہیں اور اپنے خیال میں تقرب کے محل میں اُترے ہوئے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے عشق میں سچے ہوتے تو ان کی صفات اپنی تو غائب ہو جاتیں اور اللہ کی محبت کی صفات ان میں پیدا ہو جاتیں''۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی اس گفتگو سے غش[1] کھا کر گر گیا، جب مجھے غشی سے افاقہ[2] ہوا تو وہ لڑکی جا چکی تھی۔ [روض]

(۳) حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرفات کے میدان میں شام کے وقت ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہایت بے تابی سے رو رہا ہے اور بے چینی سے روتے ہوئے چند شعر پڑھ رہا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے ''کہ وہ کتنی پاک ذات ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے اگر ہم کانٹوں پر اور گرم سوئیوں پر اس کے سامنے سجدے میں گریں، تب بھی اس کی نعمتوں کے حق کا عُشرِ[3] عَشیر بھی ادا نہ ہو، بلکہ عُشرِ عَشیر کا عُشرِ[4] عَشیر بھی ادا نہ ہو''، اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

كَمْ قَدْ زَلَلْتُ فَلَمْ أَذْكُرْكَ فِيْ زَلَلِيْ ۔۔۔ وَأَنْتَ يَامَالِكِيْ بِالْغَيْبِ تَذْكُرُنِيْ

كَمْ أَكْشِفُ السِّتْرَ جَهْلًا عِنْدَ مَعْصِيَتِيْ ۔۔۔ وَأَنْتَ تَلْطُفُ بِيْ حِلْمًا وَتَسْتُرُنِيْ

''اے پاک ذات میں نے کتنی مرتبہ لغزشیں[5] کیں اور کبھی اپنی لغزش میں تجھے یاد نہ کیا اور میرے مالک تو مجھے غائبانہ ہمیشہ یاد کرتا رہا، میں اپنی جہالت سے کتنی مرتبہ گناہوں کے ساتھ اپنی پردہ دَری[6] کر چکا ہوں اور تُو اپنے حِلم[7] کے ساتھ مجھ پر لطف و مہربانی کرتا ہے اور میری پردہ پوشی[8] کرتا ہے۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابو عبیدہ خوّاص رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو ممتاز[9] بزرگوں میں ہیں، ان کے متعلق مشہور ہے کہ ستّر برس تک آسمان کی طرف منہ نہیں اُٹھایا۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی: تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اتنے بڑے محسن کی طرف اس سیاہ[10] منہ کو اٹھاؤں، کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ کے فرماں بردار بندے تو اس قدر عاجزی کریں اور اپنی حسنِ[11] عبادت کے باوجود اللہ جلّ شانُہٗ سے اس قدر شرمائیں اور گنہگار اپنے گناہوں پر نہ شرمائیں اور ناز[12] کریں، یا اللہ! اپنے پاک چہرے کی طرف نظر کرنے سے قیامت میں ہم کو محروم نہ کیجیے اور اپنے صالح[13] بندوں کی برکات سے ہمیں بھی مُنتفع[14] فرما اور دارین[15] میں ان کے زیرِ سایہ رکھ۔ [روض:۵۷]

(۴) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، راستہ میں ایک نوجوان کو

حل لغات: (۱) بیہوش ہونا۔ (۲) آرام۔ (۳) دسویں حصے کا دسواں حصہ۔ (۴) تھوڑا سا۔ (۵) غلطیاں۔ (۶) راز کا کھولنا۔ (۷) بردباری، نرم دلی۔ (۸) عیب کو چھپانا۔ (۹) مشہور۔ (۱۰) کالے۔ (۱۱) اچھی۔ (۱۲) فخر۔ (۱۳) نیک۔ (۱۴) فائدہ، اُٹھانا۔ (۱۵) دنیا و آخرت۔

دیکھا کہ پیدل چل رہا ہے، نہ تو اس کے پاس سواری، نہ توشہ①، نہ پانی۔ میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا: جوان کہاں سے آرہے ہو؟ کہنے لگا: اسی کے پاس سے، میں نے کہا: کہاں جارہے ہو؟ کہا: اسی کے پاس، میں نے کہا: توشہ کہاں ہے؟ کہا: اسی کے ذمہ ہے، میں نے کہا: یہ راستہ بغیر توشہ اور پانی کے طے نہیں ہوگا، آخر تیرے ساتھ کچھ ہے بھی؟ اس نے کہا: میں نے سفر کے شروع کے وقت پانچ حرف توشہ کے لیے پکڑ لیے تھے، میں نے پوچھا: وہ پانچ حرف کون سے ہیں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ میں نے پوچھا: اس کے کیا معنی ہوئے؟ کہنے لگا: کہ کاف کے معنی کافی، کفایت کرنے والا، ھ کے معنی ہادی، ہدایت کرنے والا، یا کے معنی مُووی ٹھکانا دینے والا، عین کے معنی عالم ہر بات کا جاننے والا ص کے معنی صادق اپنے وعدہ کا سچا، پس جس شخص کا ساتھی کفایت کرنے والا، ہدایت کرنے والا، جگہ دینے والا، باخبر اور سچا ہو، وہ برباد ہوسکتا ہے؟ یا اس کو کسی بات کا خوف ہوسکتا ہے؟ کیا وہ شخص بھی اس کا محتاج ہے کہ توشہ اور پانی لادے لادے پھرے؟

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گفتگو سُن کر اپنا کُرتہ اس کو دینا چاہا، اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا: بڑے میاں دنیا کے کرتہ سے ننگا رہنا اچھا ہے، دنیا کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہے اور اس کی حرام چیزوں کا عذاب بھگتنا ہے، جب رات کا اندھیرا ہوا تو اس جوان نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور یہ کہا: "اے وہ پاک! جس کو بندوں کی طاعت② سے خوشی ہوتی ہے اور بندوں کے گناہوں سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، مجھے وہ چیز عطا فرما، جس سے تجھے خوشی ہوتی ہے یعنی طاعت اور وہ چیز معاف فرمادے، جس سے تیرا کوئی نقصان نہیں یعنی گناہ"۔

اس کے بعد جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک کہا تو وہ چپ تھا، میں نے کہا: تم لبیک نہیں پڑھتے؟ کہنے لگا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب ملے "لا لبیک ولا سعدیک"، نہ تیری لبیک معتبر، نہ سعدیک معتبر، نہ میں تیرا کلام سنتا ہوں، نہ تیری طرف التفات③ کرتا ہوں۔

اس کے بعد وہ چلا گیا، اس کے بعد میں نے سارے راستے اس کو نہیں دیکھا، آخر میں مِنٰی میں وہ نظر پڑا، اور اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: "وہ محبوب جس کو میرا خون بہانا اچھا معلوم ہوتا ہے، میرا خون اس کے لیے حرم میں بھی حلال ہے اور حرم سے باہر بھی، خدا کی قسم! اگر میری روح کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ کس پاک ذات کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے تو وہ قدم کے بجائے سَر کے بَل کھڑی ہوجائے اور ملامت④ کرنے والے، مجھے اس کے عشق میں ملامت نہ کر، اگر تجھے وہ نظر آجائے جو میں دیکھتا ہوں تو کبھی بھی لب⑤ کشائی نہ کرے، لوگ اپنے بدن سے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اگر وہ اللہ

حل لغات: ① راستے کا کھانا۔ ② بندگی۔ ③ توجہ۔ ④ بُرا بھلا کہنے والے۔ ⑤ بات۔

واقعات

کی پاک ذات کا طواف کرتے تو حرم سے بھی بے نیاز ہو جاتے، عید کے دن لوگوں نے تو بھیڑ بکری کی قربانی کی، لیکن معشوق نے میری جان کی اس دن قربانی کی، لوگوں نے حج کیا ہے اور میرا حج اپنی سکون کی چیز کا ہے، لوگوں نے قربانیاں کی ہیں، میں تو اپنے خون کی اور اپنی جان کی قربانی کرتا ہوں''۔

اس کے بعد یہ دعاء کی: ''اے اللہ لوگوں نے قربانیوں کے ساتھ تیرا تُقرُّب حاصل کیا، میرے پاس کوئی چیز قربانی کے لیے نہیں ہے سوائے اپنی جان کے، میں اس کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، تو اس کو قبول کرلے۔'' اس کے بعد ایک چیخ ماری اور مُردہ ہو کر گر گیا، اس کے بعد غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اللہ کا دوست ہے، خدا کا قتیل ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی تجہیز[1] و تکفین کی اور رات بھر اس کی سوچ میں پریشان اور مُتفکِّر[2] رہا، اسی میں آنکھ لگ گئی، تو خواب میں اس کو دیکھا، میں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگے: جو شہداءِ بدر کے ساتھ ہوا، بلکہ اس پر بھی کچھ زیادہ ہوا، میں نے پوچھا کہ زیادہ ہونے کی کیا وجہ؟ کہنے لگے کہ وہ کافروں کی تلوار سے شہید ہوئے تھے اور میں عشقِ مولیٰ کی تلوار سے۔ [روض:۵۸]

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر بات میں ان سے زیادتی ہو، کسی بات میں زیادتی ہو جانا کافی ہے ورنہ ان حضرات کے لیے صحابی ہونے کا جو فضل ہے، اس کو غیر صحابی کہاں پہونچ سکتے ہیں۔

⑤ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں ایک جنگل میں مجھے ایک نوجوان خوبصورت لڑکا ملا، گویا چاند کا ٹکڑا ہے اور عشق اس کے بدن میں جوش مار رہا تھا، وہ بھی حج کے لیے جا رہا تھا، میں نے اس کو ساتھ لے لیا، میں نے اس سے کہا کہ بڑا طویل[3] سفر ہے، تو اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''کاہلوں اور اُکتا جانے والوں کے لیے یہ سفر بعید[4] ہے، لیکن مشتاقوں[5] کے لیے کچھ بھی دور نہیں''۔ [روض:۵۹]

⑥ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب عرفات پر پہنچے، تو بالکل چُپ چاپ رہے، کوئی لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا، جب وہاں سے مِنیٰ کی طرف چلے، حدِّ حرم کے جو دو نشان ہیں، ان سے آگے بڑھ گئے، تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ''میں چل رہا ہوں اس حال میں کہ میں نے اپنے دل پر تیری محبت کی مُہر لگادی، تاکہ اس دل پر تیرے سوا کسی کا گزر نہ ہو، کاش میں اپنی آنکھوں کو ایسی طرح بند کرتا کہ تیرا دیدار نصیب ہونے تک کسی کو بھی نہ دیکھتا، دوستوں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں، جو ایک ہی کے ہو رہتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں دوسروں کی بھی شرکت ہوتی ہے، لیکن جب آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں[6] پر بہنے لگتے ہیں، جب ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون واقعی رو رہا

حل لغات: ① کفنانا دفنانا۔ ② سوچنا۔ ③ لمبا۔ ④ دور دراز۔ ⑤ خواہش مندوں۔ ⑥ گال۔

ہے اور کون بناوٹی رونا رو رہا ہے۔ [روض:۵۹]

عَدُو[1] میں اور مجھ میں غور کرلو فرق اتنا ہے　　　　کوئی بنتا ہے دیوانہ کوئی ہوتا ہے دیوانہ

⑦ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ عرفات کے میدان میں غروب[2] تک بالکل چُپ رہے اور جب آفتاب[3] غروب ہوگیا تو فرمانے لگے: ''اے اللہ! اگرچہ تو نے معاف فرمادیا، لیکن میری بدحالی پر پھر بھی افسوس ہے''۔ [روض:۵۹]

⑧ ابراہیم بن مُہلَّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں طواف کررہا تھا، میں نے ایک باندی کو دیکھا کہ وہ کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر کہہ رہی تھی۔ ''اے میرے سردار! تجھے مجھ سے محبت کرنے کی قسم میرا دل پھیردے''۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکی! تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ تجھ سے محبت کرتے ہیں؟ کہنے لگی کہ اس کی شفقتوں[4] سے معلوم ہوا، میرے پکڑنے کے لیے اسلامی لشکر بھیجے، ان پر کتنے کتنے مال خرچ کیے، جب کہیں مجھے کافروں کے پنجہ سے نکالا، مجھے مسلمان بنایا، اپنی معرفت[5] عطا فرمائی، حالانکہ میں اس کو بالکل نہیں جانتی تھی، اے ابراہیم! کیا یہ اس کی محبت اور شفقت نہیں؟ میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے اللہ سے کتنی محبت ہے؟ کہنے لگی زیادہ سے زیادہ اور بڑی سے بڑی جو چیز ہوسکتی ہو، میں نے پوچھا: وہ کیسی ہے؟ کہنے لگی کہ شراب سے زیادہ لطیف[6] اور گلاب کے عَرَق[7] سے زیادہ دل پسند، اس کے بعد اس نے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ''بے چین آدمی صبر وسکون کو نہیں جانتا کہ کیا ہوتا ہے، اس کے پاس تو بہنے والی آنکھیں ہوتی ہیں، جن کو رونے نے بے کار کردیا ہو اور ایک بدن ہوتا ہے جو عشق کے شعلوں کی وجہ سے دُبلا ہوگیا ہو اور فریفتہ[8] کی بیماری کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ اور محبت کا انجام بڑا سخت ہے، بالخصوص جب کہ مہربانی کرنے والے اس کی طرف نیزوں سے مہربانی کرتے ہوں''۔ وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چل دی۔ [روض:۶۰]

⑨ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو ایک دفعہ دیکھا کہ قبولیت کے آثار[9] اس کے چہرہ پر ظاہر ہیں اور آنکھوں سے آنسو لگاتار رخساروں[10] پر بہہ رہے ہیں، میں نے اس کو دیکھ کر پہچانا کہ عرصہ[11] ہوا، بصرہ میں ایک زمانہ میں اس کو بڑی ناز ونعمت میں دیکھ چکا تھا، اس وقت دیکھ کر میں نے اس کو پہچانا اور اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا، اس نے بھی مجھے دیکھ کر پہچان لیا اور مجھے سلام کیا اور کہنے لگا: مالک! تمہیں خدا کی قسم، خاص وقت میں مجھے یاد رکھنا اور میرے لیے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مغفرت کی دعا مانگنا، کیا بعید ہے اللہ جلَّ شانہٗ میرے حال پر رحم فرمائے اور میرے گناہوں کو

حل لغات: ① دشمن۔ ② سورج کا ڈوبنا۔ ③ سورج۔ ④ مہربانیوں۔ ⑤ پہچان۔ ⑥ لذیذ۔ ⑦ رس۔ ⑧ عشق۔ ⑨ علامتیں۔ ⑩ گالوں۔ ⑪ زمانہ۔

واقعات

معاف کردے اور یہ کہہ کر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جب محبوب تیری طرف متوجہ ہو، تو میرا بھی اس سے ذکر کر دیجیو اور یہ کہہ دینا کہ کسی وقت بھی تیری یاد سے اس کا دل خالی نہیں ہوتا، شاید وہ جب میرا نام سنے تو یوں پوچھ لے کہ فلاں شخص پر کیا گزر رہی ہے؟'' مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ شعر پڑھ کر وہ روتا ہوا چل دیا، اتنے میں حج کا زمانہ آ گیا، میں حج کے لیے روانہ ہوا، اتفاق سے میں مسجد حرام میں بیٹھا تھا کہ میں نے ایک شخص کے گرد مجمع اِکٹھا دیکھا اور وہ شخص بے تاب[۱] ہو کر رو رہا ہے اور اس کی تڑپ اور بے تابی سے لوگوں کو طواف مشکل ہو گیا، میں نے جو اُٹھ کر اس کو دیکھا تو وہی جوان تھا، میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تمنا پوری کر دی، تو اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''لوگ بلا خوف وخطر مِنٰی کی طرف چلے اور جب وہ مِنٰی میں پہونچ گئے، تو اپنی آرزوؤں کو پالیا، لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں مانگیں، اللہ نے ان کو اُن کی تمنائیں عطا کیں اور ان کی خالص توبہ کی بدولت ان کو فحش[۲] اور بدکاری[۳] سے محفوظ رکھا، ان کے اوپر ساقی[۴] نے شراب کا دور چلایا اور جب انہوں نے پوچھا کہ ساقی کون ہے تو کہا کہ

أَنَا اللّٰهُ فَادْعُوْنِيْ أَنَا اللّٰهُ رَبُّكُمْ لِيَ الْمَجْدُ وَالْعُلْيَا وَالْمُلْكُ وَالثَّنَاءُ

''میں ہوں تمہارا معبود، تم مجھے پکارو، میں تمہارا رب ہوں، میرے ہی لیے بزرگی ہے، میرے ہی لیے بڑائی ہے، میرا ہی ملک ہے اور میرے ہی لیے ساری تعریفیں ہیں''۔

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ واللہ! مجھے اپنا حال بتاؤ کیا گزری؟ کہنے لگا: بڑی اچھی گزری، مجھے اپنے فضل سے یہاں بلایا، میں حاضر ہو گیا اور جو میں نے مانگا، وہ مجھے ملا، پھر اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جب محبوب نے مجھے بلایا، تو میں نے کہا: مبارک، مبارک، کیا ہی بہتر ہے تیرا وصال[۵] اور کتنی شیریں[۶] ہے تیری محبت اور کتنا مزیدار ہے تیرا عشق، تیرے حق کی قسم! تُو ہی مطلوب ہے، تُو ہی مقصود ہے، تیری ہی آرزوئیں[۷] ہیں، لوگ مجھے تیری محبت میں ملامت[۸] کرتے ہیں، کیا کریں اور جتنی دل چاہے ملامتیں کریں، میرا دل تیرے سوا کسی چیز کا مشتاق[۹] نہیں، لوگ اپنے اپنے معشوقوں کے شہروں کو، فلاں فلاں کو یاد کرتے ہیں، کیا کریں، مجھے تو جب کسی شہر کا تذکرہ آ جائے، تو ہی یاد آتا ہے''۔ مالک کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ طواف میں مشغول ہو گیا، پھر مجھے خبر نہیں کہاں گیا۔ [روض:۶۲]

(۱۰) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سخت ترین گرمی کے زمانہ میں حج کو چلا، لُو بڑی[۱۰] شدت سے چلتی تھی، ایک دن جب کہ میں وسطِ حجاز[۱۱] میں پہونچ گیا، اتفاقاً قافلہ سے بچھڑ گیا اور مجھے کچھ غنودگی[۱۲] سی

حل لغات: (۱) بے چین۔ (۲) بیہودہ بات۔ (۳) برا کام۔ (۴) شراب پلانے والا۔ (۵) ملاقات۔ (۶) میٹھی۔ (۷) تمنائیں۔ (۸) لعن طعن۔ (۹) خواہش مند۔ (۱۰) گرم ہوا۔ (۱۱) حجاز کے بیچ میں۔ (۱۲) نیند۔

آ گئی، دَفعَتاً آنکھ جو کھلی تو مجھے اس جنگل بیابان میں ایک آدمی نظر آیا تو میں جلدی جلدی اس کی طرف چلا، دیکھا تو ایک کمسن[1] لڑکا تھا، جس کے داڑھی بھی نہ نکلی تھی اور اس قدر حسین کہ گویا چودھویں رات کا چاند ہے، بلکہ دوپہر کا سورج، اس پر ناز و نعمت کے کرشمے چمک رہے ہیں۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے کہا: ابراہیم! وعلیکم السلام۔ میرا نام لینے پر مجھے انتہائی حیرت ہوئی اور مجھ سے سکوت[2] نہ ہوسکا، میں نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ صاحبزادے! تجھے میرا نام کس طرح معلوم ہوا، تُو نے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں؟ کہنے لگا کہ ابراہیم جب سے مجھے معرفت[3] حاصل ہوئی میں انجان نہیں بنا اور جب سے مجھے وصال[4] نصیب ہوا کبھی فراق[5] نہیں ہوا۔ میں نے پوچھا کہ اس سخت گرمی میں اس جنگل میں تجھے کیا مجبوری کھینچ کر لائی؟ کہنے لگا کہ ابراہیم! اس کے سوا میں نے کبھی کسی سے اُنس[6] پیدا نہیں کیا اور نہ اس کے سوا کبھی کسی کو ساتھی اور رفیق بنایا، میں اس کی طرف بالکلیہ منقطع ہوچکا ہوں اور اس کے معبود ہونے کا اقرار کرچکا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تیرے کھانے پینے کا ذریعہ کیا ہے؟ کہنے لگا کہ محبوب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! مجھے ان عوارِض کی وجہ سے جو میں نے ذکر کیے تیری جان کے ہَلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے، تو اس نے روتے ہوئے کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی موتیوں کی طرح سے اس کے رخساروں پر پڑ رہی تھی، چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ''کون شخص ڈرا سکتا ہے مجھ کو جنگل کی سختی سے حالانکہ میں اس جنگل کو اپنے محبوب کی طرف چل کر قطع کر رہا ہوں اور اس پر ایمان لاچکا ہوں، عشق مجھ کو بے چین کر رہا ہے اور شوق اُبھارے لیے جاتا ہے اور اللہ کا چاہنے والا کبھی کسی آدمی سے نہیں ڈر سکتا، اگر مجھے بھوک لگے گی تو اللہ کا ذکر میرا پیٹ بھرے گا اور اللہ کی حمد کی وجہ سے میں پیاسا نہیں ہوسکتا اور اگر میں ضعیف[7] ہوں تو اس کا عشق مجھے حجاز سے خراسان تک (یعنی پورب سے پچھّم تک) لے جاسکتا ہے، تو میرے بچپن کی وجہ سے مجھے حقیر سمجھتا ہے، اپنی مَلامت کو چھوڑ جو ہونا تھا ہوچکا''۔ میں نے پوچھا: تجھے خدا کی قسم! اپنی صحیح صحیح عمر بتا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ تُو نے بڑی سخت قسم مجھ کو دے دی، جو میرے نزدیک بہت ہی بڑی ہے، میری عمر بارہ برس کی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ابراہیم! تجھے میری عمر پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ میں نے بتا تو دی ہی۔ میں نے کہا: مجھے تیری باتوں نے حیرت میں ڈال دیا۔ کہنے لگا: اللہ کا شکر ہے، اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائیں اور اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے بہت سے مومن بندوں سے افضل بنایا۔ ابراہیم رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی حسن[8] صورت، حسن سیرت[9] اور اس شیریں[10] کلام پر بڑا ہی تعجب ہوا، میں نے کہا: سبحان اللہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے کیسی کیسی

حل لغات: (۱) کم عمر۔ (۲) خاموشی۔ (۳) اللہ کی پہچان۔ (۴) ملاقات۔ (۵) جدائی۔ (۶) محبت۔ (۷) کمزور۔ (۸) اچھی۔ (۹) اچھے کردار۔ (۱۰) میٹھے۔

صورتیں بنائی ہیں، اس نے تھوڑی دیر نیچے کو سر جھکالیا، پھر اوپر کی طرف منہ اُٹھا کر بہت ترچھی کڑوی نگاہ سے مجھے دیکھا اور چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: "اگر میری سزا جہنم ہو تو میرے لیے ہلاکت ہے، اس وقت میری یہ رونق[۱] اور خوب صورتی کیا بنائے گی، اس وقت میری ساری خوبیوں کو عذاب عیب دار بنادے گا اور جہنم میں طویل عرصہ[۲] تک رونا پڑے گا اور جبّار جلَّ جلالہٗ یہ فرمائے گا: او بدترین غلام! تو میرے نافرمانوں میں ہے، تو نے دنیا میں میرا مقابلہ کیا، میری حکم عدولی[۳] کی، کیا تو میرے عہد و پیمان کو (جو اَزل[۴] میں ہوئے تھے) بھول گیا تھا یا میری (قیامت کی) ملاقات کو بھول گیا تھا (اے ابراہیم) تو اس دن دیکھے گا کہ فرماں برداروں کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے اوپر سے انوار کے پردے ہٹا دیں گے، جس کی وجہ سے یہ فرماں بردار اس ذات پاک کی زیارت[۵] سے ایسے مبہوت[۶] ہوجائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں ہر نعمت اور ہر راحت کو بھول جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ ان فرمانبرداروں کو ہیبت[۷] اور خوشنودی کا لباس پہنائیں گے اور ان کے چہروں کو رونق اور شادابی[۸] عطا ہوگی"۔

یہ اشعار پڑھ کر کہنے لگا: اے ابراہیم! مہجور وہ ہے جو دوست سے منقطع[۹] ہوگیا ہو، اور وصال[۱۰] اس کو حاصل ہے، جس نے اللہ کی اطاعت[۱۱] سے وافر[۱۲] حصہ لیا، لیکن ابراہیم اپنے رفقاء[۱۳] سفر سے بچھڑ گئے ہو، میں نے کہا: ہاں! میں ایسا ہی رہ گیا، تجھ سے اللہ کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے دعا کرے کہ میں اپنے ساتھیوں سے جاملوں۔ میرے اس کہنے پر اس لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ آہستہ آہستہ زبان سے کہا کہ مجھے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوئے، اس وقت مجھے دفعتاً[۱۴] نیند کا جھونکا سا آیا یا بیہوشی سی ہوئی، اس سے جو میں نے اِفاقہ[۱۵] پایا تو قافلہ کے بیچ میں اونٹ پر اپنے آپ کو پایا اور میرے اونٹ پر جو میرا ساتھی تھا، وہ مجھ سے کہہ رہا تھا، ابراہیم! ہوشیار رہو، سنبھلے رہو، ایسا نہ ہو اونٹ پر سے گر جاؤ اور اس لڑکے کا مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ آسمان پر اُڑ گیا یا زمین کے اندر اُتر گیا۔ جب ہم سارا راستہ طے کر کے مکّہ مکرّمہ پہونچ گئے اور میں حرم شریف میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکا کعبہ شریف کا پردہ پکڑے ہوئے رو رہا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے "میں کعبہ کا پردہ پکڑ رہا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت بھی کر رہا ہوں، لیکن دل میں جو کچھ ہے، اس کو اور راز[۱۶] کی بات کو تُو خوب جانتا ہے، میں بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر آیا ہوں، کہیں سوار نہیں ہوا، اس لیے کہ میں

حل لغات: (۱) چمک۔ (۲) لمبا زمانہ۔ (۳) نافرمانی۔ (۴) انسانوں کی پیدائش کا دن۔ (۵) ملاقات۔ (۶) ہکّا بکّا ہونا۔ (۷) رعب، دبدبہ۔ (۸) تروتازگی۔ (۹) جدا۔ (۱۰) ملاقات۔ (۱۱) فرمانبرداری۔ (۱۲) زیادہ۔ (۱۳) دوست۔ (۱۴) اچانک۔ (۱۵) آرام۔ (۱۶) بھید۔

باوجود اپنی کمسنی[1] کے فریفتہ عاشق ہوں، میں بچپن ہی سے تجھ پر مَرنے لگا ہوں، جب کہ میں عشق کو جانتا بھی نہ تھا اور اگر لوگ مجھے ملامت کریں، کسی بات پر تو میں ابھی عشق کا طفلِ[2] مکتب ہوں، اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آ گیا ہو تو شاید میں تیرے وَصل[3] سے بہرہ[4] یاب ہو سکوں''۔ اس کے بعد وہ بے اختیار سجدہ میں گر گیا اور میں دیکھتا رہا، اس کے بعد میں اس کے پاس گیا اور اس کو ہلایا، تو وہ انتقال کر چکا تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے انتقال کا بڑا سخت صدمہ[5] ہوا، میں وہاں سے اُٹھ کر اپنی قیام گاہ پر آیا اور اس کے کفن دینے کے لیے کپڑا لیا اور مدد کے لیے ایک دو آدمی ساتھ لیے اور وہاں پہونچا، جہاں اس کو مُردہ چھوڑ کر آیا تھا، تو اس کی نعش کا کہیں پتہ نہ چلا، وہاں دوسرے حاجیوں سے دریافت کیا، مگر کسی کو بھی پتہ نہ تھا کہ کسی نے اس کو دیکھا تو میں سمجھا کہ اللہ جلَّ شانُہٗ نے اس کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ[6] فرما رکھا تھا، میں وہاں سے اپنی قیامگاہ پر واپس آ گیا اور مجھے کچھ غنودگی[7] سی آ گئی تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے مجمع میں ہے اور سب سے پیش[8] پیش ہے اور اس پر اس قدر نور چمک رہا ہے اور ایسے عمدہ جوڑے ہیں کہ ان کی صفت بیان میں نہیں آ سکتی، میں نے اس سے پوچھا کہ تُو وہی لڑکا ہے؟ کہنے لگا کہ میں وہی ہوں، میں نے پوچھا: کیا تیرا انتقال نہیں ہوا؟ اس نے کہا: ہاں! ہو گیا، میں نے کہا کہ میں نے تو تجھے تجہیز[9] و تکفین کے لیے بہت تلاش کیا کہیں پتہ نہ چلا۔ کہنے لگا: ابراہیم! سن جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا اور اپنی محبت میں فریفتہ کیا اور میرے عزیز و[10] اقارب سے جدا کیا، اسی نے مجھے کفن دیا اور کسی دوسرے کا محتاج نہیں بننے دیا۔ میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے مَرنے کے بعد تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ جلَّ شانُہٗ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ تُو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اِلٰہا تُو ہی مقصود ہے اور تیری ہی مجھے آرزو ہے، فرمایا کہ بے شک تو میرا سچا بندہ ہے اور جو تُو مانگے اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے زمانہ کے تمام آدمیوں میں میری سفارش قبول فرما لے، ارشاد ہوا کہ ان سب کے بارے میں تیری سفارش مقبول ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس لڑکے نے خواب میں مجھ سے رخصتی مصافحہ کیا اور میں نیند سے بیدار ہو گیا، میں نے اپنے حج کے جو ارکان باقی تھے، وہ پورے کیے، لیکن اس لڑکے کی یاد سے اور اس کے رنج سے میرے دل کو قرار[11] نہ تھا، میں حج سے فارغ ہو کر واپس ہوا، لیکن راستہ میں سارے قافلہ والے یہ کہتے تھے کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ تیرے ہاتھ کی مہک سے

حلِ لغات: (۱) کم عمر ہونا۔ (۲) ابتدائی طالب علم۔ (۳) ملاقات۔ (۴) فائدہ اُٹھانے والا۔ (۵) دِلی تکلیف۔ (۶) چھپانا۔ (۷) نیند۔ (۸) آگے آگے۔ (۹) کفن دفن۔ (۱۰) رشتہ دار۔ (۱۱) سکون۔

واقعات

ہر شخص حیران ہے کہ کیسی خوشبو آرہی ہے اور اس واقعہ کے نقل کرنے والے کہتے ہیں کہ مرنے تک ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں سے وہ خوشبو آتی رہی۔ [روض: ۶۳]

(۱۱) حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے جارہا تھا بہت سے رفیق[1] ساتھ تھے، چلتے چلتے ایک مرتبہ مجھے تنہائی کا غلبہ ہوا اور یہ دل میں تقاضا ہوا کہ سب کا ساتھ چھوڑ کر اکیلے چلوں، میں نے اس راستہ کو چھوڑ کر جس پر سب چل رہے تھے، ایک دوسرا تنہائی کا راستہ اختیار کرلیا اور میں تین دن اور تین رات برابر چلتا رہا، نہ تو مجھے اُن میں کھانے کا خیال آیا نہ پینے کا، نہ کوئی اور حاجت[2] پیش آئی، تین دن رات چلنے کے بعد میں ایک ایسے جنگل میں پہونچ گیا، جو بڑا شاداب سرسبز اور ہر قسم کے پھل اور پھول اس میں لگے ہوئے جو بڑے مہک[3] دار تھے اور اس کے بیچ میں ایک چشمہ ہے، مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ تو جنت ہے اور میں سخت حیرت میں پڑ گیا، میں اسی فکر وسوچ میں تھا کہ ایک جماعت آتی نظر آئی، جن کے چہرے تو آدمیوں جیسے تھے اور ان پر مُرقّع چادریں اور خوشنما لنگیاں تھیں، ان لوگوں نے آکر مجھ کو گھیر لیا اور سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ تم کہاں؟ میں کہاں، پھر مجھے خیال ہوا کہ یہ جنّات کی قوم ہے، اتنے میں ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے اور ہم جنّات میں سے ہیں، جنہوں نے بیعتُ العقبہ کی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کا پاک کلام سنا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کی آواز نے ہمیں دنیا کے سارے کاموں سے چھڑا دیا اور یہ جگہ اللہ جلَّ شانُہٗ نے ہمارے لیے مُزیّن[4] فرمادی۔ میں نے پوچھا کہ اس جگہ سے وہ جگہ کتنی دور ہے جہاں میں نے اپنے سفر کے ساتھیوں کو چھوڑا ہے؟ میرے اس سوال پر ایک شخص نے ان میں سے تبسم کرتے ہوئے کہا کہ ابواسحاق! اللہ جلَّ شانُہٗ کے یہی عجیب بھید ہیں، اس جگہ تمہاری قوم کا کبھی کوئی شخص بجز ایک آدمی کے نہیں آیا، ایک جوان تمہاری جنس سے آیا تھا، اس کا یہاں انتقال ہو گیا تھا اور یہ دیکھ اس کی قبر ہے، اس کی قبر میں نے دیکھی کہ اس پانی کے تالاب کے کنارہ تھی، اس کے گرد چھوٹا سا باغیچہ تھا، جس میں ایسے پھول لگ رہے تھے کہ میں نے اس جیسے کبھی نہیں دیکھے تھے، پھر وہ جن کہنے لگا کہ اس جگہ کے اور اس جگہ کے درمیان اتنے اتنے مہینوں کا کہا، یا اتنے اتنے برسوں کا راستہ ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اچھا اس جوان کا حال مجھے بتاؤ، ان میں سے ایک نے سنایا کہ ہم لوگ اس چشمہ کے کنارے بیٹھے ہوئے عشق کے بارہ میں بحث کررہے تھے کہ اتنے میں ایک جوان آیا اور اس نے آکر سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا اور ہم نے پوچھا کہ جوان کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ شہر نیشاپور سے آیا ہوں، ہم نے پوچھا کہ اس شہر کو چھوڑے ہوئے کتنے دن ہوئے؟ اس نے کہا: سات دن ہوئے ہیں،

حل لغات: (۱) دوست۔ (۲) ضرورت۔ (۳) خوشبودار۔ (۴) سجانا۔

ہم نے کہا کہ شہر سے کس ارادہ سے چلے تھے؟ اس جوان نے کہا کہ میں نے اللہ جلّ شانُہٗ کا پاک ارشاد سنا ہے: ﴿ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ [سورۂ زمر: ۵۴] (''تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرماں برداری کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب ہونے لگے، پھر اس وقت تمہاری کسی کی طرف سے بھی کوئی مدد نہ کی جائے''۔)

ہم نے اس جوان سے پوچھا کہ انابت کیا ہے اور عذاب کیا ہے؟ اس نے بیان کرنا شروع کیا اور جب عذاب بیان کرنا شروع کیا تو ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ ہم لوگوں نے اس کو اس قبر میں دفن کر دیا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، مجھے اس قصہ سے بڑی حیرت ہوئی، اس کے بعد میں اس جوان کی قبر کے نزدیک گیا، تو اس کے سرہانے نرگس[1] کے پھولوں کا ایک بہت بڑا گلدستہ رکھا تھا، اتنا بڑا تھا جیسے بڑی چکّی ہو اور اس کی قبر پر یہ لفظ لکھے ہوئے تھے۔ ''هٰذَا قَبْرُ حَبِيْبِ اللّٰهِ قَتِيْلِ الْغَيْرَةِ'' ''یہ اللہ کے دوست کی قبر ہے، جو غیرت کا قتل کیا ہوا ہے'' اور نرگس کے ایک پتہ پر انابت کی تفسیر لکھی ہوئی تھی، میں نے اس کو پڑھا، ان جنات نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا؟ میں نے اس کا مطلب بتایا، تو وہ بہت خوش ہوئے اور مزے میں لوٹنے لگے، جب اس سے انہیں سکون سا ہوا تو کہنے لگے کہ ہمارا وہ مسئلہ جس میں جھگڑا تھا، حل ہو گیا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: پھر مجھے کچھ غنودگی سی آئی، اس کے بعد جو میری آنکھ کھلی تو میں مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا (جو تَنْعِیْم کے پاس مکّہ مکرّمہ کے قریب ہے) اور میرے کپڑوں میں پھولوں کا گلدستہ تھا، جو ایک سال تک میرے پاس رہا، ایک سال تک اس میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کے چند ایام بعد وہ خود بخود گم ہو گیا۔ [روض: ۶۴]

(۱۴) تاجروں کی ایک جماعت ایک مرتبہ حج کو گئی، راستہ میں جہاز ٹوٹ گیا اور حج کا وقت تنگ ہو گیا تھا، ان میں سے ایک شخص کے ساتھ پچاس ہزار کا مال تھا، وہ اس کو چھوڑ کر حج کو چل دیا، ساتھیوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر تُو یہاں ٹھہر جائے تو تیرا سامان کچھ نکل سکتا ہے، وہ تاجر کہنے لگا: خدا کی قسم! اگر ساری دنیا کا مال مجھے مل جائے، تب بھی حج کے مقابلہ میں اس کو ترجیح نہ دوں کہ وہاں کی حاضری میں اولیاء اللہ کی زیارت نصیب ہوگی اور میں ان حضرات میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں، بس دیکھ چکا ہوں (بیان سے باہر ہے)، لوگوں نے پوچھا کہ آخر تُو نے کیا دیکھا؟ اس تاجر نے سنایا کہ ہم ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے کہ پیاس کی شدت نے سب کو پریشان کر دیا اور ایک ایک گلاس اتنے اتنے داموں میں مل رہا تھا، میں نے ایک دن پیاس کی شدت میں سارے قافلہ کو چھان ڈالا، کہیں پانی کا گھونٹ نہ قیمت سے ملا، نہ کسی اور طرح اور پیاس کی وجہ سے میرا دم نکلنے لگا، میں چند قدم آگے چلا، تو ایک فقیر جس کے ساتھ ایک برچھا تھا

حل لغات: (۱) ایک خوبصورت پھول۔

واقعات

اور ایک پیالہ، اس نے اپنے بَرچھے کو ایک حوض کی نالی میں گاڑ دیا، اس کے نیچے سے پانی اُبلنے لگا اور نالی کے ذریعہ سے حوض میں جمع ہونے لگا، میں حوض کی طرف گیا اور خوب سَیر[1] ہو کر پانی پیا اور اپنا مشکیزہ[2] بھی بھر لیا، اس کے بعد قافلہ والوں کو میں نے خبر کی سب قافلہ والے اس سے سَیراب ہوئے اور وہ حوض اسی طرح لبریز[3] تھا، وہ تاجر کہنے لگا، ایسی جگہ حاضری سے کوئی باز رَہ[4] سکتا ہے؟ جہاں ایسے ایسے بزرگ جمع ہوتے ہوں۔ [روض:٦٦]

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محاضرات صفحہ نمبر ۱۳۹ رمیں اس قصہ کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا تمام مال پچاس ہزار اَشرفیوں کا تھا، جن میں ایک موتی چار ہزار اَشرفیوں کا تھا۔

(۱۳) ابو عبداللہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک سال عرفات کے میدان میں تھا، میری ذرا سی آنکھ لگی، تو میں نے دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے، ایک نے ان میں سے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ ساتھی نے جواب دیا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا، لیکن ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا، مجھے یہ بات سُن کر اس قدر رنج ہوا، دل چاہا کہ اپنے منہ پر طمانچے ماروں اور اپنی حالت پر خوب روؤں، اتنے میں اس پہلے فرشتہ نے پوچھا کہ جن لوگوں کا حج قبول نہیں ہوا، ان کے بارہ میں اللہ جَلَّ جلالُہٗ نے کیا معاملہ فرمایا؟ دوسرے فرشتہ نے جواب دیا کہ کریم نے کرم کی نگاہ فرمائی اور مقبولین میں سے ہر ایک کے طفیل ایک ایک لاکھ کا حج قبول فرمالیا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے وہ اپنا فضل وانعام جس کو چاہے بخش دے۔ [روض:٦٧] اس قسم کا ایک واقعہ علی بن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کا پہلی فصل کی حدیث نمبر ٦ رکے ذیل میں بھی گزر چکا ہے۔

(۱۴) علی بن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت تک ساٹھ حج کر چکا تھا، میرے دل میں یہ وسوسہ گزرا کہ کب تک ان جنگل بیابانوں میں پھرتا رہوں گا، (اب ختم کروں بہتیرے[5] حج کر لیے)۔ مجھ پر دفعتہً[6] نیند کا غلبہ ہوا، تو میں نے ایک غیبی آواز دینے والے کو دیکھا، وہ کہہ رہا ہے کہ اے ابن مُوَفَّق! تُو اپنے گھر اسی کو بُلاتا ہے، جس کے بُلانے سے تیرا دل خوش ہو، مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جَلَّ شانُہٗ چاہیں اور اعلیٰ جگہ بلائیں، اس کے بعد اس آواز دینے والے نے دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ”میں نے زیارت[7] کے لیے اپنے سے محبت رکھنے والوں کو بلایا ہے اور ان کے علاوہ کسی کو نہیں بلایا، یہ لوگ میرے گھر کی طرف اِکرام کے ساتھ آئے ہیں، پس مبارک ہیں یہ کریم لوگ بھی اور وہ ذات بھی جس نے ان کو بلایا۔“ [روض:٦٨]

حل لغات: (۱) پیٹ بھر کر۔ (۲) پانی بھرنے کا چمڑے کا برتن۔ (۳) بھرا ہوا۔ (۴) رکنا۔ (۵) بہت سارے۔ (۶) اچانک۔ (۷) ملاقات۔

واقعات

(۱۵) حضرت ذُوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو کعبہ شریف کے پاس دیکھا کہ دَمادَم رکوع سجدے کررہا ہے، میں نے پوچھا کہ بڑی کثرت سے نمازیں پڑھ رہے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ واپسی وطن کی اجازت مانگ رہا ہوں، اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ ایک کاغذ کا پرچہ اوپر سے گرا، اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جلَّ شانُہٗ جو بڑی عزت والا بڑی مغفرت والا ہے، کی طرف سے اپنے سچے شکرگزار بندہ کی طرف ہے کہ تو واپس چلا جا، اس طرح کے تیرے اَگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے گئے۔ [روض:۶۸]

(۱۶) سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی ولی کا لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا اس کی ذِلت کا سبب ہوتا ہے اور صرف اللہ جلَّ شانُہٗ کے ساتھ لگاؤ اس کی عزت کا سبب ہوتا ہے، میں نے بہت کم وَلی ایسے دیکھے ہیں جو یکسو نہ رہتے ہوں۔ عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، جن پر اللہ جلَّ شانُہٗ کی خاص عطایا تھیں اور بہت انعامات تھے، وہ لوگوں سے بھاگ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتے رہتے تھے، اسی طرح آخر مکّہ مکرّمہ پہونچ گئے اور وہاں بہت طویل(۱) قیام کیا، میں نے ان سے کہا کہ اس شہر میں تو آپ نے بہت زیادہ قیام کیا، کہنے لگے کہ میں اس شہر میں کیوں کر نہ ٹھہروں، میں نے ایسا کوئی شہر نہیں دیکھا، جس میں اس شہر سے زیادہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہوں، اس شہر میں صبح کو اور شام کو فرشتے اُترتے ہیں، میں نے اس شہر میں بڑے بڑے عجائبات دیکھے ہیں، فرشتے مختلف صورتوں میں بیتُ اللہ کا طواف کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا، اگر میں ان سب عجائبات کو بیان کروں، جو میں نے یہاں دیکھے ہیں تو جن کا ایمان (کامل) نہیں ان کی عقلیں اس کو برداشت بھی نہ کرسکیں گی، میں نے دریافت کیا کہ تمہیں خدا کی قسم! کچھ اپنے دیکھے ہوئے عجائبات مجھے بھی سناؤ، کہنے لگے کہ کوئی ولیٔ کامل جس کی ولایت صحیح ہوچکی ہو، ایسا نہیں جو ہر جمعہ کی شب(۲) میں اس شہر میں نہ آتا ہو، انہی لوگوں کے دیکھنے کے واسطے میرا یہاں قیام ہے، میں نے ان میں سے ایک صاحب کو دیکھا جن کا نام مالک بن قاسم جَبَلی رحمۃ اللہ علیہ تھا، وہ آئے اور ان کے ہاتھ میں سے گوشت کی خوشبو آرہی تھی، میں نے کہا کہ تم شاید ابھی کھانا کھاکر آئے ہو، کہنے لگے: اَستغفراللہ، میں نے تو ایک ہفتہ سے کچھ نہیں کھایا، البتہ اپنی والدہ کو کھانا کھلاکر آیا ہوں اور جلدی اس لیے کی تاکہ مکّہ مکرّمہ میں صبح کی نماز میں شرکت کرلوں۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جہاں سے مالک رحمۃ اللہ علیہ آئے تھے اس جگہ کا اور مکّہ مکرّمہ کا نَوسَو فَرسخ کا فاصلہ ہے (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، تو ستائیس سو میل ہوئے) اس کے بعد عبداللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے اس قصہ کا یقین آگیا؟ سہل کہتے ہیں: میں نے کہا کہ ہاں! یقین آگیا۔ کہنے

حل لغات: (۱) لمبا۔ (۲) رات۔

لگے: اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ایک مومن آدمی ملا اور بعض بزرگوں نے بیان کیا کہ انہوں نے کعبہ شریف کے گرد فرشتوں کو اور انبیا علیہم السلام کو اور اولیا رحمہم اللہ کو بسا اوقات[1] دیکھا اور زیادہ تر جمعہ کی شب میں، اور دوشنبہ[2] اور پنج شنبہ[3] کی شب میں دیکھا، اس کے بعد اور عجائب انبیاء کی زیارت کے متعلق ذکر کیے۔
[روض: ۷۰]

⑰ کہتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک جب کہ وہ شہزادہ تھا اور خود اس وقت تک بادشاہ نہیں بنا تھا، حج کو گیا اور طواف کرتے ہوئے اس نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ کیا اور انتہائی کوشش کے باوجود ہجوم کی کثرت سے اس پر قدرت نہ ہوئی، اتنے میں حضرت زین العابدین علی بن الامام حسین رحمۃ اللہ علیہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود پر پہونچے، تو ایک دَم سارا مجمع ٹھہر گیا اور ان کے راستہ سے ادھر اُدھر ہو گیا، وہ اطمینان سے بوسہ دے کر چل دیے۔ کسی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ (جس کا اعزاز شہزادہ سے بھی زیادہ ہے) ہشام نے کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ جان بوجھ کر انجان بن کر انکار کرتا تھا، تا کہ اس کے مصاحبین[4] وغیرہ جو شام سے اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے، ان کے دل میں حضرت زینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی وقعت[5] زیادہ پیدا نہ ہو اور یہ بنو اُمیہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی وقعت کو گوارا[6] نہ کرتے تھے، فَرَزدَق جو عرب کا مشہور شاعر ہے، وہ بھی وہاں کھڑا تھا، اس نے کہا: میں ان کو جانتا ہوں، پھر اس نے یہ چند شعر پڑھے:

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللهِ كُلِّهِمِ	١	هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ
هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهٗ	٢	وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ والْحِلُّ وَالْحَرَمُ
يَكَادُ يُمْسِكُهٗ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ	٣	رُكْنُ الْحَطِيْمِ إِذَا مَاجَاءَ يَسْتَلِمُ
مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهٖ	٤	لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَائُهٗ نَعَمُ
إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا	٥	إِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ
إِنْ عُدَّ أَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا أَئِمَّتَهُمْ	٦	أَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قِيْلَهُمْ
هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ	٧	بِجَدِّهٖ أَنْبِيَاءُ اللهِ قَدْ خُتِمُوْا
وَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهٖ	٨	اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ أَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ
يُغْضِيْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهٖ	٩	فَلَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''یہ اللہ کے بندوں میں سے بہترین کی اولاد ہے، یہ مُتّقی پاک صاف اور

حل لغات: ① کبھی کبھی۔ ② پیر۔ ③ جمعرات۔ ④ ساتھ میں رہنے والے۔ ⑤ عزت۔ ⑥ پسند۔

واقعات

سردار ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کے قدم کو سارا مکہ جانتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس کو بیت اللہ جانتا ہے، اس کو حِلّ و حَرَم پہچانتے ہیں۔ یہ وہ شخص ہے کہ جب حجرِ اَسود کا بوسہ دینے کے لیے اس کے قریب جائے تو اس کے ہاتھوں کو پہچان کر قریب ہے کہ حجرِ اَسود کا کونہ اس کے ہاتھوں کو پکڑ لے (اس صورت میں ہاتھوں کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ حجرِ اَسود کے بوسہ کے وقت دونوں ہاتھ اس کونے پر رکھے جاتے ہیں، اس مطلب کے موافق رُکن الحطیم سے مجازاً رُکن کعبہ مراد ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ یہ ترجمہ کیا جائے کہ "جب یہ شخص طواف کرتے ہوئے حطیم کی طرف پہونچتا ہے تو قریب ہے کہ حطیم والا کونہ اس کے ہاتھوں کو پہچان کر ان کو چومنے کے لیے پکڑ لے، اس مطلب کے موافق رُکن الحطیم اپنے ظاہر پر ہوگا اور ہاتھوں کے پہچاننے کی خصوصیت عطا اور جُود[1] کی کثرت کی طرف اشارہ ہوگا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے کبھی "لا" نہیں کہا (لا کے معنی نہیں کے ہیں، یعنی کبھی کسی مانگنے والے کو انکار نہیں کیا) اور بجز کلمہ طیبہ کے کہ اس میں لَآ اِلٰہَ میں "لا" کہنا پڑتا ہے، اس کی مجبوری ہے اور یہ ہر اَلتَّحِیَّاتُ میں پڑھا جاتا ہے، اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو اس کی زبان سے لا کبھی نہ نکلتا۔ جب قبیلۂ قریش جو کرم میں مشہور قبیلہ ہے اس کو دیکھتا ہے تو کہنے والا بے ساختہ[2] کہہ دیتا ہے کہ اس کے اخلاق پر کرم کا منتہا[3] ہے یعنی اس سے زیادہ کریم کوئی نہیں۔ اور جب کہیں اہلِ تقویٰ[4] کا شمار ہونے لگے تو یہی لوگ اس میں بھی مقتدا[5] ہوں گے اور جب یہ پوچھا جائے کہ دنیا کی بہترین ہستیاں کون ہیں تو انہی لوگوں کی طرف انگلیاں اٹھیں گی۔ او ہشام! اگر تو اس سے جاہل ہے تو سُن کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے اور اسی کے دادا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نبوت ختم کردی گئی۔ تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے؟ اس کو عیب نہیں لگاتا، جس کے پہچاننے سے تو نے انکار کردیا، اس کو عرب جانتا ہے عجم[6] جانتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو شرم کی وجہ سے اپنی آنکھ نیچے رکھتا ہے اور ساری دنیا اس کی عظمت اور ہیبت[7] سے آنکھ نیچے رکھتی ہے، کوئی شخص اس کے سامنے اس وقت تک رُعب کی وجہ سے بات نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ خندہ پیشانی[8] سے پیش نہ آئے۔

اشعار کا ترجمہ ختم ہوگیا۔ صاحبِ روض صفحہ نمبر ۱۷۱ نے اتنے ہی اشعار نقل کیے ہیں یہ قصیدہ بڑا ہے اور بہت سے اشعار شاعر نے ان کی اور اس خاندان کی فضیلت میں بَرجستہ[9] کہے ہیں: **وَفِيَّاتُ الْأَعْيَانِ، مِرْاٰةُ الْجِنَانِ، حَيٰوةُ الْحَيَوَانِ** وغیرہ میں اس قصیدہ کو ذکر کیا ہے، "دُرِّنَضِید" اس قصیدہ کی مستقل شرح ہے، اس میں نقل کیا ہے کہ ہشام نے اس قصیدہ کو سن کر غصہ میں آکر فرزدق کو قید کرا دیا۔ درحقیقت حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت اور جُود و کَرَم اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ

حل لغات: (۱) سخاوت۔ (۲) خدبخود۔ (۳) انتہائی۔ (۴) پرہیزگار۔ (۵) رہنما، پیشوا۔ (۶) عرب ملکوں کے علاوہ ملک۔ (۷) رعب۔ (۸) خوش مزاجی۔ (۹) فوراً۔

ان کے واقعات کا اختصار[1] بھی دشوار[2] ہے، رات دن میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے اور جب وضو کرتے تو چہرہ کا رنگ زَرد ہو جاتا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی آجاتی، کسی نے اس کی وجہ پوچھی، تو فرمایا: تمہیں خبر نہیں کہ کس پاک ذات کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ سجدہ میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، لوگوں نے شور مچایا اے رسول اللہ کے بیٹے! آگ لگ گئی، آگ آگ، مگر یہ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، جب فارغ ہوئے تو آگ بُجھ بجھا چکی تھی، کسی نے ان سے پوچھا؟ تو فرمایا کہ اس سے زیادہ سخت آگ (یعنی جہنم کی آگ) کے خوف نے اس کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

آپ کا معمول تھا کہ رات کو اندھیرے میں پوشیدہ[3] لوگوں کے گھروں پر جا کر ان کی اعانت[4] فرمایا کرتے تھے اور بہت سے گھرانے ایسے تھے، جن کا گزارا آپ کی امداد پر تھا اور ان کو یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ کون شخص ہے؟ جب آپ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ سَو گھر مدینہ طیبہ میں ایسے تھے، جن پر آپ خرچ فرمایا کرتے تھے۔ [روض] ایسی حالت میں فرزدق جو کہے وہ صحیح ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ خاندانِ نبوت میں حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص کوئی بھی نہ تھا (یعنی اپنے زمانہ میں)۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہاشمی خاندان میں جتنے حضرات کا زمانہ میں نے پایا ہے ان میں آپ افضل ترین شخص تھے۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ سے زیادہ متقی میں نے نہیں دیکھا، ان حالات پر بھی جب آپ حج کو تشریف لے گئے اور احرام باندھنے کا وقت آیا تو آپ کا چہرہ زَرد[5] ہو گیا اور لبَّیک نہ کہہ سکے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ لبیک نہیں پڑھتے تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں جواب میں "لا لبیک" نہ کہہ دیا جائے، مگر جب لوگوں نے اِصرار[6] کیا کہ احرام کے وقت لبیک کہنا ضروری ہے تو آپ نے لبیک پڑھا اور بے ہوش ہو کر سواری پر سے گر پڑے اور حج کے ختم تک یہی صورت رہی کہ جب لبیک کہتے، یہی حالت ہوتی۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے احرام باندھا اور لبیک کہنے کا ارادہ کیا تو بیہوش ہو کر اونٹنی پر سے گر گئے اور ہڈی ٹوٹ گئی۔ [تہذیب التہذیب]

حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی حکمت کے ارشادات کتابوں میں نقل کیے گئے، آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی عبادت بعض لوگ اُس کے خوف سے کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے زور سے کام کریں اور بعض لوگ اس کے انعامات کے واسطے کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے (کہ ہر کام میں کمائی کی فکر ہے) احرار[7] کی عبادت یہ ہے کہ اس کے شکر میں عبادت کریں۔

آپ کے صاحبزادہ حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ

حل لغات: (۱) مختصر۔ (۲) مشکل۔ (۳) پیلا۔ (۴) چھپنا۔ (۵) مدد۔ (۶) ضد۔ (۷) آزاد لوگ۔

واقعات

نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ قسم کے آدمیوں کے پاس مت لگنا، حتی کہ راستہ چلتے بھی ان کا رفیقِ[1] سفر نہ بننا: ایک فاسق[2] شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلہ میں تجھے بیچ دے گا، بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی بیچ دے گا، میں نے عرض کیا کہ ایک لقمہ سے کم کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ محض[3] اس اُمید پر کہ لقمہ کسی سے مل جائے، پھر وہ اس کی اُمید پوری بھی نہ ہو۔ دوسرے بخیل[4] کے پاس نہ لگنا کہ وہ تیری سخت حاجت کے وقت بھی تجھ سے کنارہ کشی کرے گا۔ تیسرے جھوٹ بولنے والا شخص کہ وہ بمنزلۂ اس بالو[5] کے ہے، جو دُور سے پانی معلوم ہوتا ہو، وہ قریب آنے والوں کو دُور بتائے گا، دور ہونے والی چیزوں کو قریب کر کے بتائے گا۔ چوتھے بے وقوف اَحمق سے دور رہنا کہ وہ نفع پہونچانے کا ارادہ کرے گا اور نقصان پہونچا دے گا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ''دسمجھ دار دشمن، نادان[6] دوست سے بہتر ہے''۔ پانچویں اس سے دُور رہنا جو اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی[7] کرتا ہو، اس لیے کہ میں نے ایسے شخص کو قرآن پاک میں تین جگہ ملعون[8] پایا۔ [روض: ۷۱]

⑱ حضرت امام زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت امام باقر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اتنے زور سے روئے کہ چیخیں نکل گئیں، لوگوں نے کہا کہ سب لوگوں کی نظریں ادھر لگ گئیں، آپ چیخیں نہ ماریں، فرمایا کہ شاید اللہ جلَّ شانُہٗ میرے رونے کی وجہ سے رحمت کی نظر فرمالے، جس کی وجہ سے کل قیامت کے دن کامیاب ہو جاؤں، اس کے بعد طواف کیا اور طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر جا کر نفلیں پڑھیں تو سجدہ کی جگہ آنسوؤں کی وجہ سے بھیگ گئی تھی، آپ نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا کہ مجھے سخت رنج ہے کہ میرا دل سخت فکر میں مشغول ہے، کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کا رنج ہے؟ فرمایا کہ جس کے دل میں اللہ کا خالص دین داخل ہو جائے، وہ اس کو اللہ کے ماسِوٰی[9] سے خالی کر دیتا ہے اور دنیا ان چیزوں کے علاوہ اور کیا چیز ہے، یہی سواری ہے جس پر سوار ہو کر آئے ہو، یہی کپڑا ہے جس کو پہن رکھا ہے، یہی بیوی ہے جو مل گئی ہے، یہی کھانا ہے جو کھایا ہے۔ [روض: ۷۳]

⑲ حضرت لَیث بِن سَعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ۱۱۳ھ میں پیدل حج کو گیا، جب میں مکّہ مکرّمہ پہونچ گیا تو عصر کی نماز کے وقت جَبَلِ اَبوقُبیس پر چڑھ گیا، وہاں میں نے ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا کہ وہ دعائیں مانگ رہے ہیں اور ''یارب یارب'' اتنی مرتبہ کہا کہ دَم گھٹنے لگا، پھر انہوں نے ''یا رَبَّاہُ یا رَبَّاہُ'' اسی طرح کہا کہ دم نکلنے لگا، پھر اسی طرح ''یا اَللّٰہُ یا اَللّٰہُ'' کہتے رہے کہ دم گھٹنے لگا، پھر اسی طرح ''یا حَیُّ یا حَیُّ'' لگاتار کہتے رہے، پھر اسی طرح ''یا رَحمٰنُ یا رَحمٰنُ'' پھر ''یا رَحِیمُ

حل لغات: ① سفر کا ساتھی۔ ② گنہگار۔ ③ صرف۔ ④ کنجوس۔ ⑤ ریت۔ ⑥ بے وقوف۔ ⑦ رشتہ توڑنا۔ ⑧ جس پر لعنت کی جائے۔ ⑨ علاوہ۔

واقعات

یَا رَحِیْم ''اسی طرح کہا کہ دم گھٹنے لگا، پھر''یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' بھی اس طرح کہا کہ سات مرتبہ دم گھٹنے لگا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے: یا اللہ! میرا انگوروں کو جی چاہ رہا ہے، وہ عطا فرما اور میری چادریں پُرانی ہوگئیں۔ لَیث کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ان کی زبان سے یہ لفظ پورے نکلے بھی نہیں تھے کہ میں نے ایک ٹوکری انگوروں سے بھری ہوئی رکھی دیکھی، حالاں کہ اس وقت روئے زمین پر کہیں انگور کا نشان بھی نہ تھا اور دو چادریں رکھی ہوئی دیکھی، انہوں نے انگور کھانے کا ارادہ کیا، تو میں نے کہا کہ میں بھی ان میں آپ کا شریک ہوں، فرمایا کیسے؟ میں نے کہا: جب آپ دعاء کرر ہے تھے تو میں آمین آمین کہہ رہا تھا، فرمانے لگے: آؤ، کھاؤ! لیکن اس میں سے کچھ ساتھ نہ لے جانا، میں آگے بڑھا اور ان کے ساتھ ایسی عجیب چیز کھائی کہ عمر بھر ایسی چیز نہ کھائی تھی، وہ عجیب قسم کے انگور تھے کہ ان میں بیج بھی نہ تھا، میں نے خوب پیٹ بھر کر کھائے، مگر اس ٹوکری میں کچھ کمی نہ ہوئی، پھر انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں چادروں میں سے جونسی تمہیں پسند ہو لے لو، میں نے کہا کہ چادر کی مجھے ضرورت نہیں ہے، پھر فرمانے لگے کہ ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ، میں ان کو پہن لوں، میں پرے کو ہٹ گیا تو انہوں نے ایک چادر لنگی کی طرح باندھ لی، دوسری اُوڑھ لی اور جو چادریں پہلے سے پہنے ہوئے تھے، ان کو ہاتھ میں لے کر پہاڑ سے نیچے اُترے، میں پیچھے ہولیا، جب صَفا مَروہ کے درمیان پہونچے، تو ایک سَائِل[۱] نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! یہ کپڑا مجھے دے دیجیے، اللہ جلّ شانہٗ آپ کو جنت کا جوڑا عطا فرمائے، وہ دونوں چادریں اس کو دے دیں، میں نے اس سَائِل کے قریب جا کر اس سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں، پھر ان کے پاس واپس آیا کہ ان سے کچھ سُنوں، مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ [روض: ۴۷۰]

یہ حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ہمیشہ تین عبادتوں میں سے کسی نہ کسی میں مشغول پایا: نماز یا تلاوت یا روزہ اور بغیر وضو کے حدیث نقل نہ کرتے تھے۔ [تہذیب التہذیب]

سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا، فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں سلامتی کم یاب[۲] ہوگئی اور اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو گوشۂ گمنامی[۳] میں ہے اور اگر اس میں نہیں (یعنی یہ میسر[۴] نہ ہو سکے) تو پھر یکسوئی اور تنہائی میں تلاش کی جائے، لیکن تنہائی گمنامی کے برابر نہیں ہوسکتی اور اگر وہاں بھی نہ ہو سکے تو پھر چُپ رہنے میں اور چُپ رہنا تنہائی کی برابری نہیں کرسکتا اور اگر خاموشی میں بھی نہ ہو سکے تو پھر سلف[۵] صالح کے کلام میں اور سعید[۶] شخص وہ ہے جو اپنے نفس میں خلوت[۷] اور

حل لغات: (۱) مانگنے والا۔ (۲) کم ملنے والا۔ (۳) چھپا ہوا۔ (۴) حاصل۔ (۵) پہلے زمانے کے بزرگ۔ (۶) اچھے نصیب والا۔ (۷) تنہائی۔

واقعات

یکسوئی پائے۔ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ دادا کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص پر اللہ جلَّ شانُہٗ کا کوئی انعام ہو، اس کو ضروری ہے کہ اس کا شکر ادا کرے اور جس پر رزق میں تنگی[1] ہو، وہ استغفار کی کثرت کرے اور جس کو کوئی پریشانی لاحق[2] ہوئی ہو، وہ لَاحَول پڑھا کرے۔ [روض]

⑳ حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کو جا رہا تھا، راستہ میں قادِسیہ (ایک شہر کا نام ہے) میں اُترا، میں لوگوں کی زیب وزینت[3] اور ان کا ہجوم[4] اور کثرت دیکھ رہا تھا، میری نظر ایک نوجوان خوبصورت پر پڑی کہ اس نے کپڑوں کے اوپر ایک بالوں کا کپڑا پہن رکھا تھا، پاؤں میں جوتا بھی تھا اور سب سے علیحدہ بیٹھا تھا، میں نے خیال کیا کہ یہ لڑکا صوفی قسم کے آدمیوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں دوسروں پر بوجھ ہی بنے گا، میں اس کو جا کر فہمائش[5] کروں، اس خیال سے میں اس کے قریب گیا، جب اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا، کہنے لگا: اے شقیق! ﴿ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ [سورۂ حجرات: ۱۲] ''بدگمانی سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں''۔ اور یہ کہہ کر مجھے چھوڑ کر چل دیا، میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہوگئی، میرا نام لے کر (حالاں کہ مجھ کو جانتا بھی نہیں) میرے دل کی بات کہہ کر چل دیا، یہ تو کوئی واقعی بزرگ آدمی ہے، میں اس کے پاس جا کر اپنے گمان کی معافی کراؤں، میں جلدی جلدی اس کے پیچھے چلا، مگر وہ میری نظروں سے غائب ہوگیا، پتہ نہ چلا۔ جب ہم ''وَاقِصہ'' پہونچے تو دفعتہً[6] اس پر نظر پڑی کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا بدن کانپ رہا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں، میں نے اس کو پہچان لیا اور اس کی طرف بڑھا، تاکہ اپنے اس گمان کی معافی کراؤں، مگر میں نے اس کی نماز سے فراغت کا انتظار کیا اور جب وہ سلام پھیر کر بیٹھا تو میں اس کی طرف بڑھا، جب اس نے مجھ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا، تو کہنے لگا: اے شقیق! پڑھو: ﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۸۲] اور بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا ہوں ایسے لوگوں کا جو توبہ کرلیں، اور ایمان لے آئیں اور پھر سیدھے راستہ پر قائم رہیں۔

یہ آیت پڑھ کر وہ پھر چل دیا، میں نے کہا: یہ شخص تو اَبدال میں سے معلوم ہوتا ہے، دو مرتبہ میرے دل کی بات پر مُتنبّہ[7] کرچکا، پھر جب ہم ''زَبَالَا'' میں پہونچے تو دفعتہً میری نظر اس جوان پر پڑی کہ وہ ایک کنویں پر کھڑا ہے، ایک بڑا سا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہے اور کنویں سے پانی لینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ وہ پیالہ کنویں میں گر پڑا، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''تو ہی میرا پرورش کرنے والا ہے، جب میں پیاسا ہوں پانی سے اور تُو ہی میری روزی (کا ذریعہ) ہے، جب میں کھانے کا ارادہ کروں''۔ اس کے بعد اس نے کہا: اے میرے

حل لغات: ① کمی۔ ② لگی ہوئی۔ ③ بناؤ سنگار۔ ④ بھیڑ۔ ⑤ سمجھانا۔ ⑥ اچانک۔ ⑦ خبردار۔

واقعات

اللہ! تجھے معلوم ہے، اے میرے معبود! میرے آقا! کہ اس پیالہ کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے، پس اس پیالہ سے مجھے محروم نہ فرمائیے۔ شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر کو آ گیا، اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ پانی سے بھر کر نکال لیا، اوّل وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد ریت اِکٹھا کر کے ایک ایک مُٹھی بھر کر اس پیالہ میں ڈالتا جاتا تھا اور اس کو ہلا کر پی رہا تھا، میں اس کے قریب گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے، اس میں سے کچھ اپنا بچا ہوا مجھے بھی کھلا دیجیے۔ کہنے لگا کہ شقیق! اللہ جلّ شانُہٗ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں، اپنے رب کے ساتھ نیک گمان رکھو، یہ کہہ کر وہ پیالہ مجھے دے دیا، میں نے جو اس کو پیا تو خدا کی قسم اس میں ستّو اور شکر گھلی ہوئی تھی، اس سے زیادہ خوش ذائقہ اور اس سے زیادہ خوشبودار چیز میں نے کبھی نہیں کھائی تھی، میں نے خوب پیٹ بھر کر پیا، جس کی برکت سے کئی دن تک نہ تو مجھے بھوک لگی نہ پیاس لگی، اس کے بعد مکّہ مکرّمہ داخل ہونے تک میں نے اس کو نہیں دیکھا، جب ہمارا قافلہ مکّہ مکرّمہ پہونچ گیا تو میں نے ''قُبَّۃُ الشَّراب'' کے قریب ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب نماز پڑھتے دیکھا، بڑے خشوع سے نماز پڑھ رہا تھا اور خوب رو رہا تھا، صبح تک اسی طرح نماز پڑھتا رہا، جب صبح صادق ہوگئی تو وہ اسی جگہ بیٹھا تسبیح پڑھتا رہا، اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا، پھر وہ باہر جانے لگا تو میں اس کے پیچھے لگ لیا، باہر جا کر دیکھا تو راستہ میں جس حالت پر دیکھا تھا، اس کے بالکل خلاف بڑے حَشَم[1] و خَدَم غلام اس کے موجود ہیں، چاروں طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، سلام کر کے حاضر ہو رہے ہیں، میں نے ایک شخص سے جو میرے قریب تھا دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ یعنی حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، مجھے تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا کہ یہ عجائب واقعی ایسے ہی سید کے ہونا چاہئیں۔ [روض: ۷۴]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب[2] بہت ہیں، ان حضرات کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، یہ اس خاندان کے چاند سورج اور ستارے ہیں۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس خاندان ہی میں وہ خصوصی جوہر اور اخلاق کا کمال رکھا ہے، جہاں تک ہم جیسوں کی پرواز[3] بھی نہیں ہے، سیدوں کے خاندان کا معمولی سے معمولی آدمی بھی کوئی عجیب عادت اپنے اندر رکھتا ہے: ع

ایں[4] خانہ ہمہ آفتاب است

(۲۱) حضرت ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں گیا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اس

حل لغات: (۱) نوکر، چاکر۔ (۲) خوبیاں۔ (۳) پہونچ۔ (۴) یہ سارا گھر سورج ہے، یعنی بڑے کمالات والے ہیں۔

واقعات

پر دو² پھٹے ہوئے کپڑے ہیں اور لوگوں سے سوال کر رہا ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ایسے ہی لوگ آدمیوں پر بوجھ ہوتے ہیں، اس نے میری طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۳۵] ترجمہ: ''اس کا یقین رکھو کہ اللہ جلَّ شانُہٗ جانتا ہے، اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے، پس اس سے ڈرتے رہا کرو''۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں اپنی بدگمانی سے توبہ کی تو اس نے مجھے آواز دی اور یہ آیت پڑھی: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ ﴾ [سورۂ شوریٰ: ۲۵] ترجمہ: اور وہ ایسی پاک ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ [روض: ۷۵]

(۲۲) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ جا رہا تھا، راستہ میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ قافلہ سے آگے آگے جا رہی ہے، میں نے خیال کیا کہ یہ ضعیفہ¹ اس لیے قافلہ سے آگے چل رہی ہے کہ کہیں قافلہ کا ساتھ نہ چھوٹ جائے، میرے ساتھ چند درم تھے، وہ میں جیب سے نکال کر اس کو دینے لگا اور اس سے میں نے کہا کہ جب قافلہ منزل پر ٹھہرے تو مجھے تلاش کر کے مل لینا، میں قافلہ والوں سے کچھ چندہ جمع کر کے تجھ کو دے دوں گا، اس سے سواری کرایہ کر لینا، اس نے اپنا ہاتھ اوپر کو کیا اور مٹھی میں کوئی چیز لی، تو وہ درم تھے، وہ اس نے مجھے دے دیے اور یہ کہا کہ تو نے جیب سے لیے، ہم نے غیب سے لیے، اس کے بعد میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے چند اشعار پڑھ رہی ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے دلوں کے محبوب! میرے لیے تیرے سوا کوئی نہیں، آج تو رحم کر دے اس پر جو تیری زیارت کو حاضر ہوئی، میرا صبر جاتا رہا اور تیرا اشتیاق² بہت بڑھ گیا اور دل کو اس سے انکار ہے کہ وہ تیرے سوا کسی سے بھی محبت کرے، تُو ہی میرا سوال ہے، تو ہی میرا مطلوب ہے، تُو ہی میری مراد ہے، کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تیری ملاقات کب ہو سکے گی، مجھے جنت سے اس کی نعمتیں مقصود نہیں، مجھے جنت اس لیے مطلوب ہے کہ اس میں تیرا دیدار ہو گا۔'' [روض: ۷۵]

(۲۳) ابوعبدالرحمن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلتا ہوا بغداد پہونچا اور میرے دماغ میں صوفیانہ گھمنڈ تھا، یعنی عقیدت کی پختگی³ مجاہدہ کی شدت اور اللہ کے ماسوٰی⁴ کو پسِ⁵ پُشت ڈال دینا۔ میں نے چالیس دن تک کچھ نہیں کھایا، نہ پیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا اور میں ہر وقت باوضو رہتا، اسی حالت میں بغداد سے بھی چل دیا، میں نے جنگل میں ایک کنوئیں پر ایک ہرنی کو پانی پیتے دیکھا، مجھے بھی پیاس شدت⁶ کی لگ رہی تھی، جب میں کنویں کے قریب پہونچا تو وہ ہرنی مجھے دیکھ کر چلی گئی اور کنویں کا پانی جومَن⁷ تک آ رہا تھا اور ہرنی اس سے پی رہی

حل لغات: (۱) بوڑھی، کمزور۔ (۲) ملاقات کا شوق۔ (۳) پکا ہونا۔ (۴) علاوہ۔ (۵) پیچھے۔ (۶) تیز۔ (۷) کنویں کا کنارہ۔

تھی، وہ بھی کنویں کے اندر نیچے اُتر گیا، میں آگے چل دیا اور میں نے عرض کیا: اے میرے سردار! میری قدر تیرے یہاں اس ہرنی کے برابر بھی نہیں، تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سُنی، وہ یہ تھی کہ ہم نے تیرا امتحان کیا تھا تُو نے صبر نہ کیا (شکوہ[1] شروع کر دیا)، جا! کنویں پر لوٹ جا، پانی پی لے، ہرنی بغیر پیالہ اور رسّی کے آئی تھی، تیرے پاس پیالہ بھی تھا، رسّی بھی تھی، میں جب کنویں پر لوٹا تو وہ لبریز[2] تھا، میں نے اپنا پیالہ بھر لیا، اسی میں سے میں پانی بھی پیتا رہا اور وضو بھی کرتا رہا، مگر وہ پانی ختم نہ ہوا، یہاں تک کہ میں مدینہ طیبہ پہونچ گیا، اس کے بعد حج سے فارغ ہو کر جب میں بغداد پہونچا اور جامع بغداد میں گیا، تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مجھ پر پڑی، فرمانے لگے کہ اگر تُو صبر کرتا تو پانی تیرے قدموں کے نیچے سے اُبلنے لگتا۔ [روض: ۶۷]

(۲۴) ایک بزرگ فرماتے ہیں وہ جنگل میں جا رہے تھے، ان کو ایک فقیر ملے، جو ننگے پاؤں، ننگے سر جا رہے تھے، دو پُرانے کپڑے ان کے پاس تھے، ایک کی لنگی باندھ رکھی تھی اور ایک چادر کی جگہ اُوڑھ رکھا تھا، نہ ان کے ساتھ کوئی کھانے کی چیز، نہ پیالہ، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ان کے پاس پانی کا برتن اور رسّی ہی ہوتی تو اچھا تھا، جب پانی کی ضرورت ہوتی تو پانی کھینچ کر وضو وغیرہ کر لیتے، میں ان کے ساتھ ہی لگ لیا، گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی، میں نے اس فقیر سے کہا کہ جوان! اگر یہ چادر جو کاندھے پر اوڑھ رہے ہو، سر پر ڈال لو تو اچھا ہے، دھوپ سے بچاؤ ہو جائے گا، اس نے کچھ جواب نہ دیا، خاموش چلتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم ننگے پاؤں چل رہے ہو، اگر رائے ہو تو میرا جُوتہ پہن لو، تھوڑی دیر میں ننگے پاؤں چل لوں، تھوڑی دیر تم ننگے پاؤں چل لو، وہ کہنے لگے: تم تو بڑے فضول[3] گو آدمی ہو، تم نے حدیث نہیں پڑھی؟ میں نے کہا: پڑھی ہے، کہنے لگے: تم نے اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں پڑھا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ ترجمہ: ''آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے بے کار بات کا چھوڑنا ہے''۔ یہ کہہ کر وہ چُپ ہو گیا اور ہم چلتے رہے، اتنے میں مجھے پیاس لگی اور ہم سمندر کے کنارہ پر چل رہے تھے، وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ تمہیں پیاس لگ رہی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس کے بعد ہم آگے چلتے رہے، مگر مجھے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ دم گھٹنے لگا، وہ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: کیا پیاس لگ رہی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! پیاس تو لگ رہی ہے، مگر تم ہی اس وقت کیا کر سکتے ہو؟ اس نے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا اور سمندر میں گھس گیا اور پانی بھر کر مجھے لا کر دیا کہ لو پی لو، میں نے جو اس کو پیا تو دریائے نیل کے پانی سے زیادہ میٹھا اور زیادہ صاف تھا اور اس میں کچھ گھاس سا بھی تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو

حل لغات: (۱) شکایت۔ (۲) بھرا ہوا۔ (۳) بے کار بات کرنے والے۔

واقعات

کوئی بڑا ولی اللہ ہے، اب تو میں کچھ نہیں کہتا، جب منزل پر پہونچوں گا تو ان سے درخواست کروں گا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھیں، وہ وہیں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ تمہیں کون سی صورت پسند ہے یا تو تم آگے آگے چلو یا میں آگے چلوں؟ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ آگے چل دیا تو ایسا نہ ہو کہ میں ساتھ نہ لگ سکوں اور یہ مجھ سے فوت[1] ہو جائے، اس لیے میں آگے بڑھ جاؤں اور چلتے چلتے کسی جگہ بیٹھ جاؤں گا، جب یہ وہاں پہونچے گا، تو میں اس سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنا رفیقِ سفر[2] بنالے، مجھے یہ خیال آیا ہی تھا، وہ کہنے لگا کہ ابوبکر! یا تو تم آگے بڑھ جاؤ، میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں یا تم بیٹھ جاؤ، میں جاتا ہوں، میرا تمہارا ساتھ نہیں ہوسکتا۔ یہ کہہ کر وہ جا، وہ جا، میں ایک منزل پر پہونچا، وہاں میرا ایک دوست تھا، ان لوگوں کے یہاں ایک شخص بیمار پڑا تھا، میں نے اپنا پیالہ ان کو دیا کہ اس میں سے ذرا سا پانی اس بیمار پر چھڑک دو، انہوں نے چھڑکا، وہ اللہ کے فضل سے اسی وقت اچھا ہو گیا، اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے اس فقیر کے متعلق دریافت کیا، کسی کو بھی اس کا حال معلوم نہ تھا، سب نے کہہ دیا کہ ہم نے تو اُس کو نہیں دیکھا۔ [روض: ۷۸]

(۲۶) شیخ فتح مَوْصِلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک نابالغ لڑکا دیکھا کہ وہ پیدل چل رہا ہے اور اس کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں، میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا: صاحبزادہ کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا کہ بیت اللہ شریف جا رہا ہوں، میں نے پوچھا کہ تمہارے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، کہنے لگا کہ قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا: ابھی تو تم مکلّف[3] بھی نہیں بنے؟ کہنے لگا کہ میں دیکھتا ہوں کہ موت مجھ سے کم عمر والوں کو بھی پکڑ لیتی ہے۔ میں نے کہا: تمہارے قدم چھوٹے ہیں اور راستہ بہت دور ہے۔ کہنے لگا: میرا کام قدم اُٹھانا ہے اور اللہ جلَّ شانُہٗ کا کام مقصود پر پہونچانا ہے۔ میں نے کہا: کوئی توشہ[4] کوئی سواری؟ کہنے لگا کہ میرا توشہ یقین ہے اور میری سواری پاؤں ہیں۔ میں نے کہا: میں تو روٹی اور پانی پوچھتا ہوں، کہنے لگا: چچا جان! اگر کوئی آدمی تمہیں بُلائے تو تمہیں یہ زیبا[5] ہے کہ اس کے گھر کھانے کے واسطے اپنا کھانا لے جاؤ؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا کہ میرے آقا نے اپنے بندوں کو اپنے گھر بُلایا ہے اور زیارت کی اجازت دی ہے، ان لوگوں کے ضُعفِ یقین[6] نے ان کو مجبور کر رکھا ہے کہ اپنے توشے ساتھ لیے جا رہے ہیں، مجھے تو یہ بات بہت ناپسند ہوئی اور میں نے اس کے احترام کا لحاظ کیا، ایسی حالت میں تمہارا خیال ہے کہ وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں، حاشا وکلّا، اس کے بعد وہ بچہ مجھ سے غائب ہو گیا، میں نے پھر اس کو مکّہ مکرّمہ میں دیکھا، جب اس

حل لغات: (۱) چھوٹ جانا۔ (۲) سفر کا ساتھی۔ (۳) جن لوگوں پر شریعت کے احکام لاگو ہو۔ (۴) راستے کا کھانا۔ (۵) مناسب۔ (۶) یقین کی کمزوری۔

واقعات

کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگا: یا شیخ! تم اب تک بھی اپنے اسی ضُعفِ یقین پر ہو، اس کے بعد اس بچے نے چند شعر پڑھے، جن کا یہ ترجمہ ہے: ''سارے جہانوں کا مالک میری روزی کا ذمہ دار ہے، پھر میں کیوں مخلوق کو اپنی روزی کی تکلیف دوں، میرے مالک نے جو کچھ میرا نفع اور نقصان ہے، میرے پیدا ہونے سے پہلے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے، وہ میری فراخی[1] کی حالت میں بڑی بخشش والا، عطا کرنے والا ہے اور میری تنگدستی میں میری نیک نیتی میری ساتھی ہے، جیسا کہ میرا عاجز اور بیوقوف ہونا میری روزی کو نہیں ہٹا سکتا، ایسے ہی میری ذہانت میری روزی کو نہیں کھینچ سکتی۔ [روض:۷۷]

---

(۲۶) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں حجاز کے جنگل میں کئی دن تک اس حالت میں رہا کہ کچھ نہ کھایا، ایک دن میرا دل روٹی اور گرم گرم باقِلّا (عرب کا مشہور سالن، لوبیے کی قسم کا ہوتا ہے) کو چاہا، میں نے سوچا کہ میں جنگل بیابان میں ہوں اور یہاں سے عراق تک کی مسافت بہت دور ہے، یہاں گرم گرم باقِلّا کہاں؟ میں اسی سوچ میں تھا کہ ایک بدّو آواز لگاتا ملا، لے لو روٹی، گرم باقِلّا، میں اس کی طرف بڑھا، میں نے پوچھا گرم ہے؟ کہنے لگا: ہاں ہے اور اپنی لنگی بچھائی، اس پر روٹی اور گرم گرم باقِلّا رکھا اور کہا کہ لو کھاؤ، میں نے کھایا، کہنے لگا: اور کھاؤ، میں نے اور کھایا، پھر تیسری مرتبہ اس نے تقاضا کیا، میں نے اور بھی کھالیا، پھر چوتھی مرتبہ اس نے جب تقاضا کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس ذات کے حق کی قسم! جس نے تجھے میرے لیے اس جنگل بیابان میں بھیجا، تُو مجھے یہ بتا کہ تُو کون ہے؟ کہنے لگے کہ میں خضر ہوں، یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئے۔ [روض:۷۹]

---

(۲۷) حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے مکّہ مکرّمہ کے راستہ میں ایک اپاہج ملا، جو گھسٹ کر چل رہا تھا، میں نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگا: سمرقند سے۔ میں نے پوچھا: وہاں سے چلے ہوئے کتنا عرصہ گذرا؟ کہنے لگا کہ دس برس سے زیادہ ہوگئے۔ میں بڑے تعجب اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگا۔ وہ کہنے لگا: شقیق! کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: تمہارے ضُعف[2] اور سفر کی درازی سے تعجب میں پڑ گیا۔ کہنے لگا کہ شقیق! سفر کی دوری کو میرا شوق قریب کردے گا اور میرے ضُعف کا مُتحمِّل[3] میرا مولیٰ ہے۔ اے شقیق! تم ایک ضعیف بندے سے تعجب کررہے ہو، جس کو اس کا مالک اُٹھائے لیے جارہا ہے، پھر اس نے دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''میرے آقا! میں آپ کی زیارت کو جارہا ہوں اور عشق کی منزل کٹھن ہے، لیکن شوق اس شخص کی مدد کیا کرتا ہے، جس کی مال مدد نہیں کرتا، جس کو راستہ کی ہلاکت کا خوف ہوجائے، وہ عاشق نہیں ہے، ہرگز نہیں ہے اور نہ وہ عاشق ہے جس کو راستوں کی سختی ارادے سے روک دے۔ [روض:۸۰]

حل لغات: (۱) کشادگی، مالداری۔ (۲) کمزوری۔ (۳) برداشت کرنے والا۔

واقعات

رٰاہ[1] یا بَم یا نیَابَم آرزوئے می کُنَم   حاصل آیدَ یا نہ آید جُستجُوئے می کُنَم

(۲۸) شیخ نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مکّہ مکرّمہ میں ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے، جب لوگ ان کو دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے قبر کے پاس بیٹھ کر تلقین کی۔ شیخ نجم الدین ہنسنے لگے اور ان کی عادت ہنسنے کی بالکل نہیں تھی۔ بعض خُدّام[2] نے ہنسی کی وجہ پوچھی، تو شیخ نے جھڑک دیا، کئی دن بعد فرمایا کہ میں اس لیے ہنسا تھا کہ جب تلقین کرنے والا قبر پر تلقین کے لیے بیٹھا تو میں نے ان بزرگ کو جو دفن کیے گئے تھے، یہ کہتے ہوئے سنا، دیکھو جی! حیرت کی بات ہے کہ ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔
[روض:۸۱]

عرب میں بعض ائمہ کے مذہب کے موافق یہ دستور ہے کہ جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو ایک شخص اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھتا ہے اور منکر نکیر کے سوال جواب دہراتا ہے، اس کو تلقین کہتے ہیں۔ ان بزرگ کا یہ ارشاد کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے، ظاہر ہے کہ مرنے والا اللہ کے عشق کی وجہ سے زندہ ہے اور جو تلقین کر رہا تھا، وہ اس دولت سے خالی ہوگا۔

(۲۹) شیخ مُزنی فرماتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ میں مقیم تھا، مجھ پر ایک گھبراہٹ بہت شدت سے سوار ہوئی اور میں مدینہ پاک کی حاضری کے ارادہ سے مکّہ مکرّمہ سے چل دیا، جب ''بیر[3] میمونہ'' پر پہونچا تو ایک نوجوان کو پڑا ہوا پایا کہ اس کی نزع[4] کی حالت ہے، میں نے اس کے قریب پہونچ کر کہا: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھو، اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اگر میں مرجاؤں تو میرا دل عشقِ مولیٰ سے بھرا ہوا ہے اور کریم لوگ عشق ہی کی بیماری میں مَرا کرتے ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ مرگیا، میں نے اس کو غسل دیا، کفنایا، جنازہ کی نماز پڑھی اور جب اس کو دفنا چکا تو وہ گھبراہٹ جو مجھ پر سوار تھی، جس کی وجہ سے میں نے سفر کا بے اختیار ارادہ کیا تھا، وہ بھی جاتی رہی، میں اس کو دفنا کر مکّہ مکرّمہ واپس آگیا۔ [روض:۸۳]

(۳۰) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ میں تھا، ہمارے قریب ایک نوجوان رہا کرتا تھا، اس کے پاس پُرانی چادریں تھیں، وہ نہ ہمارے پاس آتا جاتا، نہ کبھی پاس بیٹھتا، میرے دل میں اس کی محبت گھر کرگئی، میرے پاس ایک جگہ سے بہت حلال ذریعہ سے دوسو درم آئے، میں وہ لے کر اس جوان کے پاس گیا اور میں نے اس کے مُصلّٰی پر اُن کو رکھ کر کہا کہ بالکل حلال ذریعہ سے مجھے ملے ہیں، ان کو تم اپنی ضروریات میں خرچ کرلینا، اس جوان نے مجھے ترچھی اور تیز ترش[5] نگاہ سے دیکھا اور یہ کہا کہ اللہ پاک

حل لغات: (۱) مجھے منزل ملے نہ ملے، میں امید کرتا رہوں گا۔ منزل حاصل ہو یا نہ ہو، تلاش کرتا رہوں گا۔ (۲) خادموں۔ (۳) کنواں۔ (۴) مرنے کے قریب۔ (۵) ناراضگی۔

واقعات

کے ساتھ یہ ہم نشینی (پاس بیٹھنا) میں نے سترّ ہزار اَشرفیاں نقد جو میرے پاس تھیں، علاوہ جائداد کے اور کرایہ کے مکانات کے، ان سب سے اپنے کو فارغ کر کے خریدا ہے، تُو ان دراہم کے ساتھ مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتا ہے، یہ کہہ کر اپنا مصلّٰی جھاڑ کر کھڑا ہو گیا، جس استغناء[1] سے وہ اُٹھ کر جا رہا تھا اور میں بیٹھا ان دراہم کو چن رہا تھا، اس وقت کی اس کی سی عزت اور اپنی سی ذلت میں نے عمر بھر کسی کی نہیں دیکھی۔ [روض: ۸۲] یعنی اس وقت اس کی عزت جتنی میری نگاہ میں تھی اتنی عزت کبھی کسی کی نہیں ہوئی اور جتنی اس وقت درم چنتے ہوئے مجھے اپنی ذلت محسوس ہو رہی تھی، اتنی ذلت کبھی اپنی یا کسی اور کی مجھے محسوس نہیں ہوئی۔

(۳۱) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا، روضۂ مقدسہ پر میں حاضر ہوا تو میں نے ایک عجمی شخص کو دیکھا جو روضہ پر الوداعی[2] سلام کر رہا تھا، جب وہ جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا، جب وہ ذُوالحلیفہ پہونچا تو نماز پڑھی اور احرام باندھا، میں نے بھی نماز پڑھی اور احرام باندھ لیا اور جب وہ چلنے لگا تو اس کے پیچھے ہو لیا، وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: تمہارا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا: تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں، اس نے انکار کر دیا، میں نے خوشامد اور عاجزی کی۔ اس نے کہا: اگر یہی کرنا ہے تو میرے قدم پر قدم رکھتے چلے آؤ۔ میں نے کہا: اچھا وہ غیر معروف[3] راستہ پر چل دیا اور میں قدم بقدم اس کے پیچھے ہو لیا، تھوڑی ہی رات گزری تھی کہ چراغ نظر آئے۔ مجھے کہنے لگا کہ یہ "مسجدِ عائشہ" ہے (جو مکّہ مکرّمہ سے تین میل تنعیم پر ہے) یا تو تم آگے بڑھ جاؤ یا میں آگے بڑھ جاؤں، میں نے کہا: جیسے تمہاری رائے ہو۔ وہ تو آگے بڑھ گئے اور میں وہاں سو گیا، جب سحری کا وقت ہوا، میں مکّہ مکرّمہ پہونچا اور طواف اور سعی کے بعد شیخ ابو بکر کتّانِی رَحمۃُ اللہِ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن کی خدمت میں بہت سے مشائخ[4] تشریف رکھتے تھے، وہ فرمانے لگے: کب آئے؟ میں نے عرض کیا: ابھی حاضر ہوا، فرمایا: کدھر سے آ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: مدینہ طیبہ سے۔ کہنے لگے: مدینہ سے کب چلے تھے؟ میں نے عرض کیا: گذشتہ رات وہیں تھا، وہ مشائخ جو حاضرِ مجلس تھے، ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ شیخ کتانی نے کہا کہ کس کے ساتھ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ایک بزرگ کے ساتھ آیا ہوں، جن کے یہ حالات اور یہ قصہ گزرا۔ شیخ کتانی نے کہا کہ یہ شیخ ابو جعفر دَامِغَانِی رَحمۃُ اللہِ علیہ ہیں اور تم نے جو حالات سنائے وہ ان کے احوال میں سے بہت معمولی چیز ہیں۔

اس کے بعد شیخ کتانی رَحمۃُ اللہِ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: چلو! شیخ دامغانی رَحمۃُ اللہِ علیہ کی تلاش کریں، کہاں ہیں؟ اور مجھ سے فرمایا کہ تمہارا یہ حال نہیں تھا کہ ایک شب میں یہاں پہونچ جاؤ (اس

حل لغات: (۱) بے پرواہی۔ (۲) رخصتی۔ (۳) انجان۔ (۴) بزرگانِ دین۔

لیے میں نے تفصیل پوچھی)، پھر دریافت فرمایا کہ چلتے ہوئے زمین کیسی معلوم ہورہی تھی؟ میں نے عرض کیا: جیسے دریا کی موج کشتی کے نیچے معلوم ہوتی ہے۔ [روض:۸۳]

(۳۲) حضرت سفیان بن ابراہیم رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں مَولِدُ[۱] النبی کے پاس ابراہیم بن اَدہم رَحمۃُ اللہ علیہ کو بہت روتے ہوئے دیکھا، وہ مجھے دیکھ کر راستہ سے پَرے کو ہٹ گئے، میں نے ان کو سلام کیا اور وہاں نماز پڑھی، پھر ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی، کیوں رو رہے ہو؟ وہ کہنے لگے: خیریت ہے، کچھ نہیں۔ میں نے دوبارہ، سہ بارہ یہی سوال کیا، وہ یہی جواب دیتے رہے۔ میں نے بار بار سوال کیا، تو وہ کہنے لگے کہ اگر میں وجہ بتادوں تو تم اس کو پوشیدہ[۲] رکھو گے یا لوگوں پر ظاہر کردو گے؟ میں نے کہا: تم شوق سے کہو (یعنی میں مخفی رکھوں گا)۔ کہنے لگے کہ تیس برس سے میرا دل سَکْبَاج (ایک قسم کا کھانا، جس میں سرکہ اور گوشت اور میوہ جات پڑتے ہیں) کھانے کو چاہتا تھا اور میں مجاہدہ کے طور پر اس کو روکتا تھا، رات مجھ پر نیند کا بہت غلبہ ہوا، میں نے خواب میں ایک جوان کو دیکھا کہ وہ نہایت حسین شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک سبز پیالہ ہے، جس سے بھاپ اُٹھ رہی ہے اور سکباج کی خوشبو اس میں سے آرہی ہے، میں نے اپنے دل کو سنبھالا، اس نے میرے پاس آکر کہا، ابراہیم! لو، اس کو کھالو۔ میں نے کہا: جس چیز کو اللہ کے واسطے چھوڑ دیا، اس کو اب نہیں کھانا ہے، وہ کہنے لگا: اگر چہ اللہ جَلَّ شانُہٗ خود کھلائیں، مجھ سے رونے کے سوا اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ وہ کہنے لگا: اللہ تجھ پر رحم کرے، اس کو کھالے، میں نے کہا: ہمیں یہ حکم ہے کہ جب تک ہمیں پورا حال کسی چیز کا معلوم نہ ہوجائے (کیا چیز ہے، کہاں سے آئی ہے) اس وقت تک اپنے برتن میں نہ ڈالیں۔ وہ کہنے لگے: اللہ تمہاری حفاظت کرے، اس کو کھالو، یہ مجھے (جنت کے ناظم[۳]) رضوان نے دی ہے اور یہ کہا ہے کہ اے خضر! یہ ابراہیم کو کھلا دو، اس نے بہت صبر کرلیا اور خواہشات کو بہت روک لیا، پھر انہوں نے کہا کہ ابراہیم! اللہ جَلَّ شانُہٗ کھلاتے ہیں اور تم انکار کرتے ہو؟ میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جو شخص بے طلب ملنے پر انکار کرتا ہے، اس کو طلب پر بھی نہیں ملتا، میں نے کہا: اگر یہ بات ہے تو میں آپ کے سامنے حاضر ہوں، میں نے تو اپنے عہد کو اب تک نہیں توڑا، اتنے میں ایک جوان اور آیا اور اس نے حضرت خضر کو کچھ دے کر یہ کہا کہ اس کا لقمہ بنا کر ابراہیم کے منہ میں دے دو، وہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھلاتے رہے اور جب میری آنکھ کھلی تو اس کی شیرینی[۴] میرے منہ میں تھی اور زعفران کا رنگ میرے ہونٹوں پر تھا، میں زمزم کے کنویں پر گیا اور منہ کو دھویا، مگر نہ منہ میں سے مَزہ جاتا ہے، نہ ہونٹوں پر سے رنگ جاتا ہے، میں نے بھی دیکھا تو واقعی اس کا اثر موجود تھا، میں نے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے یہ دعا کی: اے وہ پاک

حل لغات: (۱) پیدائش کی جگہ۔ (۲) چھپانا۔ (۳) ذمہ دار۔ (۴) مٹھاس۔

ذات! جو ایسے لوگوں کو کھلاتی ہے، جو اپنی خواہشات کو روکتے ہوں، جب کہ وہ اپنی روک کو صحیح کرلیں۔ اے وہ پاک ذات! جس نے اپنے اولیاء کے دلوں کے لیے صحیح رہنا لازم کردیا۔ اے وہ پاک ذات! جس نے ان کے دلوں کو اپنی محبت کی شراب سے سیرآب[1] کیا، تو اپنے لطف[2] سے سفیان کو بھی یہ چیزیں عطا فرما، پھر میں نے ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور عرض کیا کہ اے اللہ! اس ہاتھ کی برکت سے اور اس ہاتھ والے کی برکت سے اور اس کے اس مرتبہ کے طفیل[3] جو اس کا تیرے نزدیک ہے اور تیرے اس جُود و[4] عطا کے طفیل جو اس نے تجھ سے پایا تو اپنے اس بندے سفیان پر بھی بخشش فرما، جو تیری عطا کا انتہائی محتاج ہے اور تیرے احسان کا نہایت ضرورت مند ہے، یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن محض اپنی رحمت سے اگرچہ اے رَبُّ الْعَالَمِیْن یہ سفیان اس کا مستحق بالکل نہیں ہے۔ [روض: ۸۴]

(۳۳) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہی کا یہ قصہ ہے کہ جب یہ حج کو تشریف لے گئے تو یہ طواف کر رہے تھے کہ ان کی نگاہ ایک حسین نوجوان پر پڑی، جس کے حسن و جمال سے لوگ تعجب کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت غور سے دیکھا اور رونے لگے ان کے بعض ساتھی (بدگمانی سے) کہنے لگے: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن، شیخ پر تو غفلت طاری ہوگئی (کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر گھورنے لگے) پھر اس مُعترِض[5] نے شیخ سے عرض کیا: اے میرے سردار! یہ دیکھنا کیسا، جس کے ساتھ رونا بھی ہے؟ (جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس لڑکے کے عشق نے پکڑ لیا) شیخ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے ایک عہد کیا ہے، جس کے توڑنے پر قدرت نہیں، ورنہ اس لڑکے کو اپنے پاس بلاتا اور اس سے ملتا، اس لیے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے، میں اس کو بچپن میں بہت کم عمر کا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا تھا، اب یہ جوان ہوگیا تم دیکھ ہی رہے ہو، مگر مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ جس چیز کو اس کے لیے چھوڑ آیا تھا اب پھر اِدھر لوٹوں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے تین شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "جب سے میں نے اس پاک ذات کو پہچانا ہے، اس وقت سے اب تک جدھر بھی میں نے نظر کی اپنے محبوب کو اُدھر ہی پایا، مجھے اپنی نگاہ پر یہ غیرت[6] ہے کہ میں اس کے سوا کسی کو نہ دیکھوں۔ اے میرے ذخیرہ کی انتہا! اے میرے سوال کی غایت[7]! اے میرے اثاثہ[8] کی پوری پونجی! کاش تیری محبت حشر تک میرے دل میں رہے"۔ پھر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے کے پاس جاؤ اور اس کو سلام کرو، شاید اسی سے مجھے تسلّی

حلِ لغات: (۱) بھر دینا۔ (۲) مہربانی۔ (۳) وسیلہ۔ (۴) سخاوت۔ (۵) اعتراض کرنے والا۔ (۶) شرم۔ (۷) انتہا۔ (۸) سامان۔

واقعات

ہو، میں اس لڑکے کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے والد کو برکت عطا فرمائے۔ وہ کہنے لگا: چچا جان! میرے والد کہاں؟ وہ تو میرے بچپن ہی میں اللہ کے راستہ میں لگ گئے تھے، کاش میں ایک مرتبہ ان کی زیارت کرلوں اور پھر اسی وقت میری جان نکل جائے، ہائے افسوس! یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور رونے کی کثرت سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ پھر اس نے کہا کہ "واللہ میری یہ تمنا ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کی زیات کرلوں، پھر اسی وقت مرجاؤں"، اس کے بعد چند شعر ذوق وشوق کے پڑھے، میں حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوٹ کر آیا، تو وہ سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور آنسوؤں سے سجدہ کی جگہ تر[1] تھی اور اللہ کے سامنے عاجزی اور زاری کر رہے تھے، اس کے بعد حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "میں نے ساری دنیا کو تیرے عشق میں چھوڑا اور اپنے عیال[2] کو یتیم بنایا، تاکہ تجھے دیکھ لوں، اگر تو عشق میں میری حاجت روائی[3] نہ کرے گا تو یہ دل تیرے سوا کسی جگہ بھی سکون نہ پائے گا"۔ میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: آپ اس لڑکے کے لیے دعا کریں۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ اس کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اپنی مرضیات[4] پر عمل میں اس کی اعانت[5] فرمائے۔ [روض:۸۵]

---

(۳۴) ابوبکر دقّاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بیس[20] برس مکہ مکرمہ میں قیام کیا، میرا جی دودھ کو چاہتا ہی رہا (مگر عمداً[6] نہیں پیا، یا میسّر[7] نہ ہوا) جب مجھے خواہش بہت بڑھی تو میں عَسقَلاَن گیا اور وہاں عرب کے ایک قبیلہ کا مہمان بنا، وہاں میری نگاہ ایک حسین لڑکی پر پڑ گئی، اس قدر حسین تھی کہ اس نے میرے دل کو پکڑ لیا، وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی کہ اگر تو سچا ہوتا تو دودھ کی خواہش تیرے دل سے نکل جاتی، میں یہ سُن کر مکہ مکرمہ لوٹ آیا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ میں نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ جَلَّ شانہٗ آپ کی آنکھ کو ٹھنڈا رکھے، آپ زلیخا سے خوب بچے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بلکہ اے مبارک! اللہ جَلَّ شانہٗ تیری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے، عسقلان کی لڑکی سے بچ گئے، پھر حضرت یوسف علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ﴾ [سورۂ رحمٰن:۴۶] "اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں"۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ آدمی نفس کے پھندے سے نفس کے ذریعے سے نہیں نکل سکتا، البتہ نفس کے پھندے سے اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے نکل سکتا ہے۔ ان بزرگ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ کے

حل لغات: (۱) بھیگا ہوا۔ (۲) خاندان۔ (۳) ضرورت پوری کرنا۔ (۴) رضامندی۔ (۵) مدد۔ (۶) جان بوجھ کر۔ (۷) حاصل۔

واقعات

ساتھ راحت پکڑو، اللہ تعالیٰ سے راحت نہ پکڑو، جس شخص نے اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ راحت پکڑی، اس نے نجات پائی اور جس نے اللہ سے علیٰحدہ ہوکر راحت پکڑی، وہ ہلاک ہوگیا، اللہ کے ساتھ راحت پکڑنا دل کا اس کے ذکر کے ساتھ مُعَطَّر ہونا اور بس جانا ہے اور اللہ سے راحت پکڑنا دل کا غافل رہنا ہے۔ [روض:۸٦]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کی نظر کسی عورت کے حُسن پر پڑ جائے اور وہ فوراً اپنی نظر کو اس سے ہٹالے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو کسی ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جس کی لذت اس کو محسوس ہوتی ہے۔ [مشکوٰۃ]

(۳۵) حضرت شیخ ابو تُراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی ایسے شخص کو جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ مشغول ہو رہا ہے، کسی دوسرے شُغل[۱] میں لگادے، اسی وقت حق تعالیٰ شانُہٗ کا غصہ فوراً اس کی پکڑ کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ ہمیں اپنے غصہ اور عذاب سے پناہ دے۔ [روض:۸٦]

یہ بہت اہم چیز ہے، بہت سے لوگ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ کی مشغولی کی ناقدری کرتے ہوئے، ایسے حضرات کو جو ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں، آوازیں دینے لگتے ہیں، اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے، بالخصوص اہلُ اللہ کے اوقات کی خصوصی رعایت رکھنا چاہیے۔

(۳٦) ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے تنہا حج کیا، عزیز و اَقارب[۲] کوئی ساتھ نہ تھا اور یہ عہد کیا کہ کسی سے سوال نہ کروں گا، چلتے چلتے راستہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ ایک زمانہ تک کہیں سے کچھ نہ ملا، حتی کہ ضعف[۳] کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہوگئے اور دل میں یہ خیال آیا کہ اب اِضطرار[۴] کا درجہ پہونچ گیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ممانعت[۵] فرمائی ہے، اس لیے اب مجھے سوال کرلینا چاہیے، لیکن پھر دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی اور آخر یہ طے کرلیا کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کرلیا، وہ نہیں توڑوں گا، چاہے مرجاؤں، چونکہ ضعف کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہوگئے تھے، اس لیے رہ گئے اور سارا قافلہ روانہ ہوگیا اور یہ موت کے انتظار میں قبلہ رو ہوکر ایک جگہ لیٹ گئے، اتنے میں ایک سوار ان کے قریب آیا، اس کے پاس ایک برتن میں پانی تھا، وہ اس نے ان کو پلایا اور جو حاجت تھی، وہ سب پوری کی اور پھر پوچھا کہ تم قافلہ کے ساتھ ملنا چاہتے ہو؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ قافلہ اب کہاں؟ نہ معلوم کتنی دور نکل چکا، اس سوار نے کہا کہ کھڑے ہو اور میرے ساتھ چلو، یہ چند ہی قدم اس کے ساتھ چلے تھے، اس نے کہا کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ، قافلہ تم سے آملے گا، یہ وہاں ٹھہر گئے تو قافلہ پیچھے سے آتا ہوا ان کو ملا۔ [روض:۸۷]

حل لغات: (۱) کام۔ (۲) رشتہ دار۔ (۳) کمزوری۔ (۴) بہت زیادہ ضرورت۔ (۵) منع کرنا۔

واقعات

(۳۷) ابوالحسن سراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا، میں طواف کر رہا تھا، میری نگاہ ایک ایسی حسین عورت پر پڑی، جس کے چہرہ کا حسن چمک[۱] رہا تھا، میں نے کہا: واللہ! ایسی حسین عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی، یہ اس کے چہرہ کی ساری رونق اس وجہ سے ہے کہ اس کو کبھی کوئی رنج و غم نہیں پہونچا! اس نے میری یہ بات سُن لی، کہنے لگی: تم نے یہ کیا کہا؟ واللہ! میں غموں میں جکڑی ہوئی ہوں اور میرا دل فکروں سے اور آفتوں سے زخمی ہے اور کوئی بھی میرے غموں میں میرا شریک نہیں رہا۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگی: میرے خاوند[۲] نے قربانی کی، ایک بکری ذبح کی، میرے دو چھوٹے بچے کھیل رہے تھے اور ایک بچہ دودھ پیتا میری گود میں تھا، میں گوشت پکانے کے لیے اُٹھی تو ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: میں تجھے بتاؤں کہ ابا نے بکری کس طرح ذبح کی، اس نے کہا: بتا، تو اس نے چھوٹے بھائی کو لِٹا کر بکری کی طرح ذبح کر دیا، پھر وہ اس کو ذبح کر کے ڈر کے مارے بھاگ گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا، وہاں ایک بھیڑیے نے اس کو کھالیا، باپ اس کی تلاش میں نکلا اور ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے پیاس کی شدت سے مر گیا، میں دودھ پیتے بچے کو بٹھا کر دروازہ تک گئی کہ شاید خاوند کا کچھ پتہ کسی سے ملے، تو وہ بچہ گھسٹتا ہوا ہانڈی کے پاس پہونچ گیا، جو چولھے پر رکھی ہوئی جوش سے پک رہی تھی، اس کو جو اس نے ہلایا، وہ پکتی پکتی اس پر گر گئی، جس سے اس بچہ کا سارے بدن کا گوشت جل کر ہڈیوں سے الگ ہو گیا، میری ایک بڑی لڑکی تھی، جو اپنے خاوند کے گھر تھی، اس کو جب اس سارے قصہ کی خبر پہونچی، تو وہ خبر سُن کر زمین پر گر گئی، اسی میں اس کی بھی موت مقدر تھی، وہ بھی مر گئی۔ مُقَدَّرْ نے ان سب کے درمیان سے مجھ اَکیلی کو چھوڑ دیا، میں نے کہا: ان مصیبتوں پر تجھے کس طرح صبر آیا؟ وہ کہنے لگی کہ جو شخص صبر اور بے صبری میں الگ الگ غور کرے گا، وہ ان کے درمیان بہت بونِ بعید[۳] پائے گا، صبر کا انجام محمود[۴] ہے اور بے صبری پر کوئی اجر نہیں ملتا، پھر اس نے تین شعر پڑھے اور چل دی، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''میں نے صبر کیا اس لیے کہ صبر بہترین اعتماد[۵] کی چیز ہے اور اگر بے صبری سے مجھے کوئی فائدہ پہونچ سکتا تو کرتی، میں نے ایسی مصیبتوں پر صبر کیا کہ اگر وہ مصائب سخت پہاڑوں پر پڑتیں تو وہ پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے، میں نے اپنے آنسوؤں پر قدرت پائی، پس ان کو نکلنے سے روک دیا، اب وہ آنسو اندر ہی اندر میرے دل پر گر رہے ہیں۔ [روض:۸۹]

(۳۸) حضرت شیخ علی بن موفَّق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سواری پر حج کو جا رہا تھا، راستہ میں پیدل حج کو جانے والوں کا قافلہ ملا، مجھے وہ لوگ پیدل چلتے ہوئے بہت اچھے لگے، میں بھی سواری سے اُتر کر ان کے ساتھ پیدل چلنے لگا اور اپنی سواری پر ایک اور شخص کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور ہم معروف[۶]

حل لغات: (۱) چمک دمک۔ (۲) شوہر۔ (۳) بڑا فرق۔ (۴) پسندیدہ۔ (۵) بھروسہ۔ (۶) مشہور۔

واقعات

راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف کو چل دیے، چلتے چلتے ایک جگہ جا کر ہم سونے لیٹ گئے، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ چند لڑکیاں آئیں جن کے ہاتھ میں سونے کے طشت[1] اور چاندی کے آفتابے[2] ہیں، وہ پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور میرے سوا سب کے پاؤں دھوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ بھی توانہی میں ہے، باقی سب کہنے لگیں: نہیں، اس کے پاس سواری موجود ہے، اس لڑکی نے کہا نہیں، یہ بھی ان میں شامل ہے، اس لیے کہ ان کے ساتھ چلنے کو اس نے پسند کیا ہے، تو انہوں نے میرے بھی پاؤں دھوئے، اس کی وجہ سے پیدل چلنے کا جس قدر تکان اور تعب مجھ پر تھا، سارا بالکل جاتا رہا۔ [روض:۹۳]

(۳۹) حضرت ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا، مجھے بڑی مَشَقَّت[3] اُٹھانا پڑی اور بڑی مصیبت پیش آئی، جس کو میں نے برداشت کیا اور خندہ[4] پیشانی سے اس پر صبر کیا، جب میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو مجھ میں اس کارنامہ پر ایک عُجُب[5] سا پیدا ہوا، طواف ہی کی حالت میں پیچھے سے ایک بڑھیا نے آواز دی کہ ابراہیم! اس جنگل میں یہ بندی بھی تیرے ہی ساتھ تھی، مگر میں نے تجھ سے اس لیے کوئی بات نہیں کی تھی کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ سے تیرا دھیان ہٹ کر دوسری طرف لگے گا، یہ وسوسہ جو تجھے اس وقت آ گیا، اس کو اپنے دل سے نکال دے۔ [روض:۹۵]

(۴۰) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سَمنون رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ طواف میں جھومتے ہوئے (مَزے لے کر) چل رہے ہیں، میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تمہیں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کی قسم! مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس طریقہ سے اللہ تک پہونچے، جب انہوں نے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا لفظ سنا، تو بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''کہ بہت سے مصیبت زدہ ایسے ہیں کہ بیماریاں ان کے بدن میں گھُسی ہوئی ہیں اور ان کا دل سب دلوں سے زیادہ بیمار ہے، اگر وہ خوف اور ہراس سے مَر جائیں تو بَرمَحل[6] ہے، اس لیے کہ یومُ الحساب[7] میں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا بہت سخت چیز ہے۔

اس کے بعد حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے پانچ باتیں لازم پکڑ لی تھیں اور اپنے دل پر ان کو پکا کر لیا ہے۔ اوّل یہ کہ جو چیز مجھ میں زندہ تھی یعنی خواہش نفس اس کو میں نے مار دیا اور جو چیز مُردہ تھی یعنی میرا دل، اس کو زندہ کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز مجھ سے غائب تھی یعنی آخرت، اس کو میں نے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا اور جو چیز میرے سامنے تھی یعنی دنیوی اَغراض[8]، ان کو میں

حل لغات: (۱) تھال۔ (۲) لوٹے۔ (۳) تکلیف۔ (۴) خوشی۔ (۵) گھمنڈ۔ (۶) مناسب۔ (۷) قیامت کا دن۔ (۸) فائدے۔

واقعات

نے اپنے سامنے سے ہٹادیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز مجھ سے فنا[1] ہورہی تھی یعنی تقویٰ اس کو میں نے باقی رکھا اور جو میرے پاس جمع تھی یعنی خواہشات ان کو فنا کردیا۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ جس سے تم سب کو وحشت[2] ہوتی ہے، اس سے میں نے اُنس[3] پیدا کرلیا اور جس سے تم سب کو اُنس ہے، اس سے میں بھاگنے لگا، اس کے بعد وہ چند شعر پڑھتے ہوئے چل دیے، جن کا ترجمہ یہ ہے، کہ ''میری روح پوری کی پوری آپ کی طرف مُتوَجّہ ہے، اگر اس میں وہ ہلاک ہوجائے تب بھی میں آپ سے اس کو جدا نہیں کرسکتا، میری روح آپ سے خوف میں اور افسوس میں روتی رہتی ہے حتّٰی کہ کہا جاتا ہے کہ وہ رونے سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی، پس ایک کرم کی نظر اس پر کردیجیے اگرچہ دنیاوی منافع[4] آپ نے بہت سے عطا فرمائے اور ان سے ہمیشہ نفع ہوتا رہا۔ [روض:۹۶]

شروع میں پانچ باتیں ذکر کی تھیں تفصیل میں چار ہی آئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب کی روح بھی ایک ہی چیز ہے، وہ خواہشات نفس کو قابو میں رکھنا، اسی لیے شیخ فرماتے ہیں۔

بعلم اللہ از دوقدم راہ خدا بیش نیست　　　یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے بر کوئے دوست

''خدا کی قسم! اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ دے دوسرا محبوب کی گلی میں رکھا ہوا ہے۔

(۴۱) شیخ ابو یعقوب بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حرم شریف میں دس دن تک بھوکا رہا، مجھے بہت ہی ضُعف ہوگیا، میرے دل نے مجھے مجبور کیا کہ باہر چلوں، شاید کچھ مل جائے جس سے بھوک میں کچھ کمی ہو، میں باہر نکلا، تو ایک شَلغم[5] سڑا ہوا پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اُٹھا لیا، مگر دل میں اس سے ایک وحشت سی ہوئی، گویا کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ دس دن تک بھوکا رہا اور آخر میں ملا تو یہ سڑا ہوا شَلغم، میں نے اس کو پھینک دیا اور پھر مسجد حرام میں آکر بیٹھ گیا، اتنے میں ایک شخص میرے سامنے آکر بیٹھا اور ایک جُزدان[6] میرے سامنے رکھا اور کہا: اس میں ایک تھیلی ہے، جس میں پانچ سو دینار (اشرفیاں) ہیں؟ یہ آپ کی نذر ہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ میری کیا خصوصیت ہے، جس کی وجہ سے یہ مجھے دے رہے ہو، اس نے کہا کہ ہم لوگ دس دن سے سمندر میں چکر کھا رہے تھے، ہماری کشتی ڈوبنے لگی تھی، تو ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ کوئی منت مانی تھی، میں نے یہ نذر کی تھی کہ اگر میں زندہ سلامت پہونچ جاؤں، تو یہ تھیلی اس شخص کو دوں گا، جس پر مکہ کے رہنے والوں میں سب سے پہلے میری نگاہ پڑے، یہاں پہونچ کر سب سے پہلے آپ پر نظر پڑی، میں نے کہا: اس کو کھولو، اس نے کھولا، تو سفید مِصری اور کعک (ایک خاص قسم کی روٹی ہوتی ہے) اور چھلے ہوئے بادام اور شکر پارے تھے، میں نے ہر ایک

حل لغات: (۱) ختم۔ (۲) گھبراہٹ۔ (۳) لگاؤ۔ (۴) فائدے۔ (۵) ایک ترکاری۔ (۶) بڑا تھیلا۔

واقعات

میں سے ایک ایک مٹھی بھر لی اور میں نے کہا: یہ باقی لے جاؤ، میری طرف سے اپنے بچوں کو تقسیم کر دینا، تمہاری نذر میں نے قبول کر لی، پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ تیرا رِزق دس دن سے تیرے پاس کھینچا ہوا آ رہا ہے اور تو اس کو یوں ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ [روض:۹۸]

(۴۲) شیخ بنّان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مصر سے حج کو جا رہا تھا، میرا توشہ میرے ساتھ تھا، راستہ میں ایک عورت ملی، کہنے لگی: بنان! تم بھی حمّال (مزدور) ہی نکلے، توشہ لادے لیے جا رہے ہو، تمہیں یہ وہم ہے کہ وہ تمہیں روزی نہیں دے گا، میں نے اس کی بات سُن کر اپنا توشہ پھینک دیا، تین دن تک مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا، راستہ میں چلتے چلتے مجھے ایک پازیب (پاؤں کا زیور) پڑا ہوا ملا، میں نے یہ سوچ کر اُٹھالیا کہ اس کا مالک مل جائے تو اس کو دوں گا، وہ شاید اس پر مجھے کچھ دے دے، تو وہ عورت پھر سامنے آئی، کہنے لگی: تم تو دوکاندار ہی نکلے کہ وہ پازیب کے بدلہ میں شاید کچھ دے دے، اس کے بعد اس عورت نے میری طرف کچھ درم پھینک دیے کہ لے انہیں خرچ کرتا رہیو، میں نے ان کو خرچ کرنا شروع کیا اور واپسی میں مصر تک انہوں نے مجھے کام دیا، ایک شاعر نے کہا ہے:

كَمْ مِّنْ قَوِيٍّ قَوِيٌّ فِيْ تَقَلُّبِهٖ مُهَذَّبُ الرَّأْيِ عَنْهُ الرِّزْقُ مُنْحَرِفٌ

''کتنے ہی قوی آدمی ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی قوی ہیں اور رائے بھی بہت بہتر رکھتے ہیں، لیکن روزی اُن سے ہٹی ہوئی ہے''۔

وَكَمْ ضَعِيْفٌ ضَعِيْفٌ فِيْ تَقَلُّبِهٖ كَأَنَّهٗ مِنْ خَلِيْجِ الْبَحْرِ يَغْتَرِفُ

''اور کتنے ضعیف آدمی ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی ضعیف ہیں، لیکن روزی ایسی کماتے ہیں گویا سمندر سے پانی بھر رہے ہیں''۔

هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْإِلٰهَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ سِرٌّ خَفِيٌّ لَيْسَ يَنْكَشِفُ

''یہ دلیل ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارہ میں مخفی[1] بھید ہیں جو ہر کسی پر ظاہر نہیں ہوتے''۔
[روض:۹۹]

(۴۳) شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مشائخ کے درمیان عشقِ الٰہی کے مسئلہ میں بحث ہوئی اور بڑے بڑے مشائخ نے اس میں کلام کیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجمع میں تشریف رکھتے تھے اور وہ اس مجلس کے چھوٹوں میں تھے، مشائخ نے ان سے فرمایا کہ عراقی تم بھی کچھ کہو؟ حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکایا اور آنسو آنکھوں سے بہنے لگے اور فرمایا: عاشق وہ بندہ ہے، جو اپنے نفس سے جاتا رہا ہو، اپنے رب کے ذکر میں ہر وقت لگا رہے، اس

حل لغات: (۱) چھپا ہوا ہونا۔

واقعات

کے حقوق کی ادائیگی میں مُستَعِد[1] رہے، اپنے دل سے ہر وقت اس کو دیکھتا رہے، مولیٰ کی ہَیبَت[2] کے انوار نے اس کے دل کو جلا رکھا ہو اور اس کی محبت کی شراب خالص پی رکھی ہو اور جبّار سبحانہٗ اپنی غَیبت کے پردوں سے نکل کر اس پر ظاہر ہو گیا، پس وہ عاشق اگر کلام کرے تو اللہ ہی کے ساتھ ہو، کوئی حرف زبان سے نکالے تو اللہ ہی کی طرف سے ہو، کوئی حرکت کرے تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہو تو اسی کے ساتھ سکون ہو، پس وہ ہر وقت اللہ ہی سے وابستہ ہے، اللہ ہی کے واسطے ہے، اللہ ہی کے ساتھ ہے۔ اس تقریر پر سب مشائخ رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی، اللہ تیری ٹوٹی کو بنائے اے عارفوں کے تاج۔ [روض:۱۰۰]

(۴۴) حضرت ضحّاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی شب میں کوفہ میں جامع مسجد کے ارادہ سے نکلا، چاندنی رات تھی، مسجد کے صحن میں ایک جوان کو میں نے دیکھا کہ سجدہ میں پڑا ہوا بے تحاشا[3] رو رہا ہے، میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی ولی ہے، میں اس کے قریب گیا تا کہ اس کی بات سنوں، تو وہ یہ کہہ رہا تھا:

(۱) طُوبٰی لِمَنْ كُنْتَ أَنْتَ مَعْنَاهُ ۔۔۔ عَلَيْكَ يَاذَا الْجَلَالِ مُعْتَمَدِيْ

''اے عزت والے تیرے ہی اوپر مجھ کو بھروسہ ہے، خوشحال ہے وہ جس کا تُو مقصود ہو۔

(۲) طُوبٰی لِمَنْ بَاتَ خَائِفًا وَّجِلًا ۔۔۔ يَشْكُوْ إِلَى ذِی الْجَلَالِ بَلْوَاهُ

''خوش حال ہے وہ جو ساری رات خوف اور ڈر میں گزار دے اور عزت والے ہی سے اپنی مصیبت کا اظہار کرے''۔

(۳) وَمَا بِهٖ عِلَّةٌ وَّلَا سَقَمٌ ۔۔۔ أَكْثَرُ مِنْ حُبِّهٖ لِمَوْلَاهُ

''اور اس کو اس سے بڑھ کر کوئی عِلّت[4] اور کوئی مرض نہ ہو کہ اس کو اپنے مولیٰ سے عشق ہے''۔

إِذَا خَلَا فِي الظَّلَامِ مُبْتَهِلًا ۔۔۔ أَجَابَهُ اللّٰهُ ثُمَّ لَبَّاهُ

(۴) ''جب وہ اندھیری رات میں تنِ تنہا عاجزی کرنے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پکار کا جواب ہو اور لبیک ہو''۔

وہ شخص پہلا مصرع عَلَيْكَ يَاذَا الْجَلَالِ مُعْتَمَدِيْ بار بار پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا اس کے بے اختیار رونے سے مجھے بھی اس پر ترس[5] کھا کر رونا آ گیا، پھر اس نے ایسی کلام کی، جس سے میں یہ سمجھا کہ اس کو کوئی خاص نور نظر آیا اور اس نے کسی کو یہ دو شعر پڑھتے ہوئے سنا، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''میرے بندے میں موجود ہوں، تو میری حفاظت میں ہے اور جو کچھ تُو کہہ رہا ہے، ہم اس کو سُن رہے ہیں، تیری

حل لغات: (۱) تیار۔ (۲) رعب۔ (۳) بہت زیادہ۔ (۴) وجہ، سبب۔ (۵) رحم۔

آواز کے میرے فرشتے مُشتاق[1] ہیں اور تیرے سارے گناہ ہم نے معاف کردیے''۔

حضرت ضحاک رَحمۃُ اللہ عَلیہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کو سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ میں نے کہا: حق تعالیٰ شانُہٗ تمہاری اس رات میں برکت عطا فرمائے اور تم میں برکت فرمائے اور تم پر رحم کرے، تم کون ہو؟ کہنے لگے: میں راشد بن سلیمان ہوں۔ میں نے نام سے ان کو پہچان لیا، کیونکہ میں پہلے سے ان کے حالات سنتا رہتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا، مگر اس پر قادر نہ ہو سکا تھا۔ آج اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ایسا سہل[2] کر دیا، میں نے خدمت میں رہنے کی درخواست کی، تو فرمایا: یہ بہت دشوار[3] ہے، بھلا جو شخص ربُ العالمین سے مُناجات[4] کی لذت پاتا ہو، وہ مخلوق سے کب اُنس[5] رکھ سکتا ہے، کہنے لگے: واللہ! اگر ہمارے زمانے کے آدمیوں پر پہلے مشائخ[6] میں سے کسی کا گزر ہو تو وہ کہہ دے گا کہ یہ لوگ تو آخرت کے دن پر ایمان بھی نہیں رکھتے، یہ کہہ کر راشد میری نظر سے غائب ہو گئے، اللہ جانے وہ آسمان پر چڑھ گئے یا زمین میں اُتر گئے۔ مجھے ان کی جدائی سے رنج ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مَرنے سے پہلے پہلے ان سے پھر ملاقات نصیب ہو جائے، اتفاق سے میں ایک مرتبہ حج کو گیا، تو کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ تلے ان کو بیٹھے دیکھا اور ایک مجمع اُن کے پاس تھا، جو سورۂ انعام ان کو سنا رہا تھا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو تبسُّم[7] فرمایا کہ یہ علماء کی مہربانی ہے اور وہ اولیاء کی تواضع تھی، پھر اُٹھے اور مجھ سے مصافحہ اور مُعانقہ[8] کیا، اور فرمایا کہ تم نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مَرنے سے پہلے ان سے ملاقات ہو جائے میں نے عرض کیا: جی ہاں! دعا کی تھی۔ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ[9]۔ میں نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے، اس رات کو جو کچھ آپ نے دیکھا تھا اور سنا تھا، وہ مجھے بتا دیجیے، انہوں نے زور سے ایک ایسی چیخ ماری، جس سے میں یہ سمجھا کہ ان کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور بیہوش ہو کر گر گئے اور جو مجمع ان کے پاس تھا اور پڑھ رہا تھا وہ چلا گیا، جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا: میرے بھائی کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ کے چاہنے والوں کے دلوں میں کس قدر خوف اور ہیبت اس کے اَسرار[10] کے کھولنے میں ہوتی ہے، میں نے پوچھا: اچھا یہ کون لوگ تھے؟ جو آپ کے پاس پڑھ رہے تھے۔ فرمایا: یہ جِنَّات کی جماعت تھی، قدیم[11] تعلقات کی بناء پر میں ان کا احترام کرتا ہوں، یہ ہر سال میرے ساتھ حج کیا کرتے ہیں اور مجھ کو قرآن شریف سنایا کرتے ہیں، پھر انہوں نے مجھ کو رخصت کیا اور فرمایا: حق تعالیٰ شانُہٗ جنت میں تم کو ملا دے، جہاں نہ جدائی ہوگی، نہ مَشَقَّت، نہ غم ہوگا، نہ کُلفت[12]۔ یہ کہہ کر پھر مجھ سے غائب ہو گئے، اس کے بعد میں نے ان کو نہ دیکھا۔ [روض:۱۰۱]

حل لغات: (۱) خواہش مند۔ (۲) آسان۔ (۳) مشکل۔ (۴) دعا۔ (۵) محبت۔ (۶) بزرگوں۔ (۷) مسکرانا۔ (۸) گلے ملنا۔ (۹) اس بات پر تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ (۱۰) بھید۔ (۱۱) پُرانے۔ (۱۲) تکلیف۔

واقعات

(۴۵) کہتے ہیں: حرم شریف کے عابدوں میں ایک عابد تھے، جو ہر وقت خدا تعالیٰ میں مشغول رہتے، ہمیشہ روزہ رکھتے اور شام کو روزانہ ایک آدمی ان کو دو روٹیاں دے جاتا، ان سے روزہ افطار کر لیتے، ایک دن ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ تُو اپنی روزی میں اس آدمی پر اطمینان رکھتا ہے اور ساری مخلوق کے رازق کو بھلا رکھا ہے، یہ بڑی غفلت کی بات ہے، جب شام کو حسبِ معمول وہ روٹی دینے والا آیا، تو اس کی روٹی واپس کردی، وہ تو چلا گیا، لیکن اس عابد پر تین دن ایسے گزرے کہ کچھ کھانے کو نہ ملا، حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ[1] میں اِلتجاء[2] کی، تو رات کو خواب میں دیکھا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ میں کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ شانُہٗ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تُو نے وہ روٹیاں جو میں نے اپنے ایک بندے کے ہاتھ بھیجی تھیں؟ کیوں واپس کردی تھیں، میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس میں تیرے غیر کی طرف قلب[3] کو طمانینت[4] ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا: اس کو تیرے پاس کون بھیجتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی بھیجتے تھے۔ ارشاد ہوا کہ تُو کس سے لیتا تھا؟ عرض کیا کہ آپ ہی سے لیتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ان کو لے لے پھر ایسا نہ کرنا۔ اس کے بعد خواب ہی میں دیکھا کہ وہ روٹی دینے والا بھی حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ میں کھڑا ہے، اس سے ارشاد ہوا کہ میرے بندے تُو نے میرے بندے کی روٹی کیوں بند کردی، اس نے عرض کیا: یا اللہ! تجھے خوب معلوم ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو وہ روٹی کس کو دیتا تھا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! آپ ہی کو دیتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ تو وہ روٹی حسبِ معمول جاری کردے، تجھے اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ [روض:۱۰۲]

(۴۶) احمد بن ابی الحَوَاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکّہ مکرّمہ کے راستہ میں جا رہا تھا کہ میرا مشکیزہ[5] گر گیا، میں نے ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی خبر کی، انہوں نے کہا: ''یَارَادَّ الضَّالَّةِ اُرْدُدْ عَلَیْنَا الضَّالَّةَ (اے گم شدہ چیز کے لوٹانے والے: ہماری گم شدہ چیز ہم پر لوٹا دے) تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ ایک شخص آواز دے رہا تھا کہ یہ مشکیزہ کس کا گرا ہے؟ میں نے دیکھا تو وہ میرا ہی تھا، میں نے لے لیا تو ابوسلیمان کہنے لگے کہ اے احمد! کیا تجھے یہ گمان ہوا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ ہمیں بغیر پانی ہی کے رکھیں گے۔

اس کے بعد ہم تھوڑی دور چلے، سردی بڑی سخت پڑ رہی تھی اور ہم پوستینیں[6] پہن رہے تھے، ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر دو پُرانی چادریں ہیں اور اس کو پسینہ آ رہا ہے، اس کی ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے تواضع کی کہ ہم سَردی کے کپڑوں سے کچھ تمہاری مدد کریں؟ تو اس نے یہ جواب دیا کہ گرمی اور سَردی دونوں اللہ جلَّ شانُہٗ کی مخلوق ہیں، اگر وہ حکم کرے تو یہ مجھ پر مُسلّط ہو سکتی ہیں اور وہ ارشاد فرمادے تو

حل لغات: (۱) دربار۔ (۲) درخواست۔ (۳) دل۔ (۴) اطمینان۔ (۵) پانی بھرنے کا چمڑے کا برتن۔ (۶) کھال کا کوٹ۔

واقعات

مجھے چھوڑ دیں گی، میں تو اس جنگل میں تیس[1] برس سے پھر تا رہتا ہوں، نہ سَردی سے کبھی مجھے کپکپی ہوئی، نہ گرمی میں پسینہ آیا، وہ اپنی محبت کی گرمی کا لباس مجھے سَردی کے زمانہ میں پہنا دیتا ہے اور گرمی کے زمانہ میں اپنی محبت کی ٹھنڈک کے ذوق[1] میں لپیٹ دیتا ہے، اے دارانی! تم کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہو اور زُہد کو چھوڑتے ہو، اس لیے سَردی تم کو ستاتی ہے، اے دارانی! تم روتے اور چلاتے ہو اور پنکھوں سے راحت پاتے ہو۔ ابوسلیمان دارانی رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حقیقت میں اس شخص کے سِوا کسی نے نہیں پہچانا، یعنی میری کمی پر مُتنَبِّہ[2] کیا۔ [روض: ۱۰۳]

(۴۷) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک اَدھیڑ عمر کے آدمی کو دیکھا کہ عبادت کی کثرت نے اس کو ضعیف[3] کر رکھا ہے، اس کے ہاتھ میں لکڑی تھی، جس کے سہارے سے وہ طواف کر رہا تھا، میں نے اس سے اس کا شہر پوچھا، اس نے خُراسان بتایا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے شہر کا راستہ یہاں سے کتنی دُور کا ہے، میں نے کہا: دو تین ماہ[4] کا۔ کہنے لگا کہ پھر بھی تم ہر سال حج کو نہیں آتے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے شہر سے یہاں تک کا راستہ کتنے دن کا ہے؟ کہنے لگا کہ پانچ برس کا (کہ اس زمانہ میں راستوں کی سہولت کے یہ اسباب حاصل نہ تھے، جو اَب ہیں) میں نے کہا: واللہ! یہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا کھلا فضل ہے اور اس کے ساتھ سچی محبت کا اثر ہے (کہ اتنا لمبا سفر طے کر کے حاضری مُیَسَّر[5] ہو جائے) اس پر وہ ہنسا اور دو شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے جس سے تجھے عشق ہے، اس کی زیارت[6] کر اگرچہ تیرا گھر دور ہو اور اس تک حاضری میں بندشیں اور مَوانِع[7] ہوں، تیرے گھر کی دوری اس کی زیارت سے مانع نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ عاشق اپنے معشوق کا بڑی کثرت سے زیارت کرنے والا ہوتا ہے''۔
[روض: ۱۰۴]

(۴۸) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے مکّہ کے راستہ میں ایک جوان کو دیکھا، وہ ایسی مزے کی چال چل رہا ہے، اَکڑتا ہوا جیسا اپنے گھر میں ٹہل رہا ہو، میں نے پوچھا: یہ کیسی چال ہے؟ کہنے لگا: یہ چال ان جوانوں کی ہے، جو رحمٰن کے خادم ہیں اور دو شعر پڑھے جن کا یہ ترجمہ ہے ''میں تیری وجہ سے فخر کرتا ہوا حیران و سَرگرداں پھرتا ہوں، مگر جب تیرا ذکر ہو تو خوف کی وجہ سے پگھلنے لگتا ہوں، اگر مجھ میں مَرنے کی قدرت ہوتی تو تیرے اشتیاق[8] میں اور تیرے عظیم مرتبہ کے اِکرام میں مرجاتا''۔ پھر میں نے پوچھا کہ تیری سواری اور توشہ کہاں ہے؟ تو اس نے بُری طرح مجھے گھورا، پھر کہنے لگا: ارے غور تو کر! اگر کوئی ضعیف غلام کسی کریم آقا کے دولت کدہ[9] پر زیارت کی غرض سے حاضر ہو اور اپنا کھانا پینا باندھ کر ساتھ

حل لغات: (۱) شوق۔ (۲) خبردار۔ (۳) کمزور۔ (۴) مہینے۔ (۵) حاصل۔ (۶) ملاقات۔ (۷) رکاوٹیں۔
(۸) ملاقات کا شوق۔ (۹) رہنے کا گھر۔

واقعات

لائے، تو وہ آقا اپنے غلاموں کو حکم دے گا کہ اس کو یہاں سے نکال دو، میرے آقا جَلَّ جلالُہٗ نے جب مجھے اپنے گھر بلایا تو اپنے اوپر توکُّل[1] اور اعتماد مجھے عطا فرما دیا۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔ [روض:۱۰۵]

(۴۹) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ میں تھا، ایک فقیر کو دیکھا، کہ اس نے طواف کیا، اس کے بعد اپنی جیب سے ایک پرچہ نکالا اور اس کو پڑھا، دوسرے اور پھر تیسرے دن بھی ایسا ہی کیا، اس کے بعد ایک دن اس نے طواف کیا اور جیب سے نکال کر پرچہ پڑھا اور تھوڑی دور چلا اور مر کے گر گیا، میں نے اس کے جیب سے پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا: ﴿ وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا ﴾ [سورۂ طور:۴۸] ''تُو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، کیوں کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے''۔ [روض:۱۰۶]

اصل آیتِ شریفہ میں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، جس کا اوپر سے بیان ہے کہ آپ کے ان ظالم مخالفین کے لیے عذاب تجویز[2] ہے، آپ اپنے رب کی اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیں (اور کچھ فکر نہ کریں) اس لیے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں، مگر آیتِ شریفہ کے عموم کا ترجمہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

(۵۰) حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مجمع حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم شام کے رہنے والے ہیں، حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں، آپ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا: حق تعالیٰ شانُہٗ تمہیں جزائے[3] خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا: ہماری یہ تمنا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں، تا کہ آپ کی برکات سے ہم مُنتفِع[4] ہوں۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ ان لوگوں نے جب بہت زیادہ اِصرار[5] کیا تو فرمایا کہ جب تم نے یہی طے کر رکھا ہے تو تین شرطوں کے ساتھ میں چل سکتا ہوں، اوّل یہ کہ ہمارے ساتھ کچھ سامان نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہم راستہ میں کسی سے سوال نہ کریں، تیسرے یہ کہ اگر راستہ میں کوئی ہم کو کچھ دے تو ہم قبول نہ کریں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ پہلی دو شرطیں کہ نہ ہم کچھ ساتھ رکھیں اور نہ کسی سے سوال کریں، یہ تو ہو سکتا ہے، لیکن باوجود احتیاج[6] کے کوئی شخص کچھ دے اس کو ہم قبول نہ کریں، اس کی طاقت ہم میں نہیں ہے، فرمانے لگے: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اپنے گھر سے دوسروں کے توشوں[7] پر بھروسہ کر کے نکلتے ہو، اللہ جَلَّ شانُہٗ پر بھروسہ نہیں ہے، میں اس حالت میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور تم جاؤ اپنا کام کرو، پھر فرمایا کہ بہترین فقراء تین قسم کے ہیں: اوّل وہ جو خود سوال نہ کرے اور اگر دیا جائے تو قبول نہ کرے، یہ روحانی[8] لوگوں میں سے ہے یا یہ کہا کہ روحانیین

حل لغات: (۱) بھروسہ۔ (۲) طے۔ (۳) اچھا بدلہ۔ (۴) فائدہ اُٹھانا۔ (۵) ضد۔ (۶) ضرورت۔ (۷) راستے کا کھانا وغیرہ۔ (۸) مقدس۔

واقعات

کے ساتھ ہے، دوسری قسم وہ کہ خود تو سوال نہ کرے، لیکن اگر دیا جائے تو قبول کرلے، اس کے لیے حضرت قُدس میں دستر خوان بچھائے جاتے ہیں، تیسری قسم یہ کہ سوال کرے اور بقدرِ ضرورت لے لے اس کی صداقت[1] اس کے فعل کا کفّارہ ہوجاتی ہے۔ [روض:۱۰۹]

(۵۱) حضرت شیخ ابوجعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکّہ مکرّمہ میں تھا، میری حجامت بہت بڑھ گئی اور پیسہ پاس نہ تھا کہ حجامت بنواتا، میں ایک حجام کے پاس جو چہرہ سے بھلا آدمی معلوم ہوتا تھا، گیا اور اس سے کہا کہ اللہ کے واسطے میری حجامت بنادوگے؟ کہنے لگا: ہاں ہاں! بڑے اکرام کے ساتھ۔ وہ ایک دنیادار کی حجامت بنارہا تھا، اس کو درمیان میں روک کر پہلے میری حجامت بنائی اور پھر مجھے ایک کاغذ کی پڑیا دی اس میں چند دراہم تھے، میں نے وہ لے لیے اور یہ ارادہ کیا کہ جب مجھے سب سے پہلے کچھ ملے گا، تو اس حجام کو دوں گا، میں مسجد میں گیا، وہاں میرا ایک بھائی ملا، اس نے کہا کہ تمہارے ایک بھائی بصرہ سے ایک تھیلی تمہارے واسطے لائے ہیں، اس میں تین سو اشرفیاں ہیں، وہ اللہ کے واسطے تمہیں دے گئے ہیں، میں نے وہ تھیلی لے لی اور حجام کے پاس جاکر کہا کہ یہ تین سو اشرفیاں ہیں، ان کو تم اپنی ضروریات میں خرچ کرلینا۔ حجام نے کہا: شیخ! تمہیں شرم نہ آئی۔ اوّل تو تم نے یہ کہا کہ اللہ کے واسطے حجامت بناؤ، پھر میں اس پر اُجرت لے لوں، جاؤ! تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ [روض:۱۱۳] حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس قسم کا ایک قصہ مشہور ہے۔ [روض:۱۱۴]

(۵۲) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے طواف کی حالت میں فرمایا کہ یہ بات سمجھ لے کہ تو صالحین[2] کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک کہ چھ گھاٹیوں کو پار نہ کرلے: اوّل یہ کہ تو نعمت کے دروازہ کو بند کرے اور سختی کا دروازہ کھولے، دوسرے یہ کہ عزت کے دروازہ کو بند کرے اور ذلت کے دروازہ کو کھولے، تیسرے یہ کہ راحت کے دروازہ کو بند کرے اور مشقت کے دروازہ کو کھولے، چوتھے یہ کہ سونے کے دروازہ کو بند کرے اور جاگنے کے دروازہ کو کھولے، پانچویں یہ کہ غنیٰ[3] کے دروازہ کو بند کرے اور فقر کے دروازہ کو کھولے، چھٹے یہ کہ اُمیدوں کے دروازے کو بند کرے اور موت کی تیاری کے دروازے کو کھولے۔ [روض:۱۱۵]

(۵۳) محمد بن حسین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کو گیا، میں اتفاق سے مکہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا، لڑکی کا رنگ مُتغیّر[4] ہورہا تھا، بدن بہت لاغر[5]، لیکن اس کے چہرے پر ایک نورانی چمک تھی، وہ بوڑھا پکار رہا تھا کہ کوئی اس لڑکی کا خریدار

حل لغات: (۱) سچائی۔ (۲) نیک لوگ۔ (۳) مالداری۔ (۴) بدلنا۔ (۵) دُبلا۔

ہے، کوئی ہے جو اس کو پسند کرے؟ کوئی ہے جو بیس اَشرفی سے اس کی قیمت زیادہ دے، اس شرط پر کہ میں اس کے ہر عیب سے بَری ہوں۔ میں نے اس شیخ کے قریب جا کر پوچھا کہ اس باندی کی قیمت کا حال تو معلوم ہو گیا، اس میں عیب کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ یہ لڑکی پاگل ہے، ہر وقت غمزدہ رہتی ہے، رات بھر نماز پڑھتی ہے، دن بھر روزہ رکھتی ہے، نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، ہر جگہ بالکل تنہائی پسند کرتی ہے، جب میں نے اس کی بات سُنی، تو وہ لڑکی مجھے پسند آ گئی اور میں نے اس کو خرید لیا اور اپنی قیام[1] گاہ پر لے گیا، میں نے اس کو دیکھا کہ وہ زمین کی طرف سَر جھکائے بیٹھی ہے، پھر اس نے سر اُٹھایا اور کہنے لگی کہ میرے چھوٹے آقا! آپ کا وطن کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ میں نے کہا: عراق ہے۔ کہنے لگی کہ کون سا عراق؟ بصرہ یا کوفہ؟ میں نے کہا: دونوں نہیں۔ کہنے لگی: تو کیا آپ بغداد کے رہنے والے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ کہنے لگی: واہ واہ وہ تو عابدوں کا شہر ہے، زاہدوں کا شہر ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ باندی ایک کوٹھڑی سے دوسری کوٹھڑی میں جانے والی اس کو عابدوں، زاہدوں کی کیا خبر۔ میں نے اس سے دل لگی[2] کے طور پر پوچھا کہ تُو ان میں سے کن کن عابدوں کو جانتی ہے؟ کہنے لگی: مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو، صالح مرّی رحمۃ اللہ علیہ کو، ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کو، معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو، محمد بن حسین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو، رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کو، شعوانہ رحمۃ اللہ علیہا کو، میمونہ رحمۃ اللہ علیہا کو۔

میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے ان سب کا حال کس طرح معلوم ہوا؟ کہنے لگی: اے جوان! میں ان کو کیسے نہ جانوں، خدا کی قسم! یہ لوگ دلوں کے طبیب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو عاشق کو معشوق کا راستہ بتاتے ہیں، پھر اس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: یہ قوم وہ لوگ ہیں، جن کے فکر اللہ کے ساتھ وابستہ[3] ہو گئے، پس ان کے لیے کوئی فکر ہی کسی اور کا نہیں رہا، ان لوگوں کا مقصد صرف ان کا مولیٰ اور ان کا سردار ہے، کیا ہی بہترین مقصد ہے، جو صرف ایک بے نیاز ذات کے واسطے ہے، نہ تو دنیا ان سے اُلجھتی ہے اور نہ کھانوں کی عمدگی، نہ دنیا کی لذتیں، نہ اولاد، نہ ان سے اچھا لباس جھگڑتا ہے، نہ مال کی روز افزوں[4] زیادتی نہ تعداد کی کثرت''۔

اس کے بعد میں نے کہا: اے لڑکی! میں محمد بن حسین ہی ہوں۔ کہنے لگی کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تم سے میری کہیں ملاقات ہو جائے، تمہاری وہ دل کش[5] آواز کیا ہوئی، جس سے تم مُریدین کے دلوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور سننے والوں کی آنکھیں اس سے بہہ جایا کرتی تھیں۔ میں نے کہا: بحالہٖ[6] موجود ہے۔ کہنے لگی: خدا کی قسم! مجھے قرآن پاک کچھ سنا دو، میں نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھی تو اس نے بہت زور سے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا، جس سے اس کو

حل لغات: (۱) ٹھہرنے کی جگہ۔ (۲) مذاق۔ (۳) جڑنا۔ (۴) دن بدن۔ (۵) دل لبھانے والی۔ (۶) اسی طرح۔

اِفاقہ[1] ہوا، تو کہنے لگی: جس کے نام کا یہ اثر ہے، اگر میں اس کو پہچان لوں اور جنت میں اس کو دیکھ لوں گی تو کیا حال ہوگا۔ پھر کہنے لگی: اچھا پڑھیے۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ آپ پر رحم کرے۔ میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾ ﴾ [سورۂ جاثیہ: ۲۱] ''جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں، کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کردیں گے، جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ ان سب کا جینا مرنا ایک سا ہوجائے (جو ایسا گمان کرتے ہیں) بہت بری تجویز کررہے ہیں''۔

یہ آیت سُن کر وہ کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے، ہم نے کبھی کسی کی نہ پرستش[2] کی، نہ کسی صنم[3] کو بوسہ دیا اور کچھ پڑھیے، اللہ آپ پر رحم کرے، میں نے پڑھا: ﴿ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ ﴾ [سورۂ کہف: ۲۹] ''بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کررکھی ہے، جس کی قناتیں[4] ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ لوگ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد[5] رَسی کی جائے گی، جو تیل کے تلچھٹ[6] کی طرح (بدہیئت[7]) ہوگا (اور ایسا سخت گرم) کہ مونہوں کو پکادے گا، کیا ہی بُرا پانی ہوگا اور (جہنم) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہوگا''۔

وہ کہنے لگی: تم نے اپنے دل پر نا اُمیدی لازم کردی، اپنے دل کو اُمید اور خوف کے درمیان معطر کرو، کچھ اور پڑھو، اللہ جَلَّ شانُہٗ آپ پر رحم کرے، تو میں نے پڑھا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ ﴾ [سورۂ عبس: ۳۸-۴۰] بہت سے چہرے اس دن خنداں[8] وشاداں ہوں گے۔ اور یہ پڑھا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ ﴾ [سورۂ قیامۃ: ۲۲، ۲۳] بہت سے چہرے اس دن بارونق[9] ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس پر وہ کہنے لگی: ہائے مجھے اس دن اس کی ملاقات کا کتنا اشتیاق[10] ہوگا، جس دن وہ اپنے دوستوں کے لیے تجلی[11] فرمائے گا، کچھ اور پڑھیے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ ﴾ چند آیتیں لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ تک یعنی سورۂ واقعہ کے پہلے رکوع کے ختم تک پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ان (اعلیٰ درجہ والوں) کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر ہمیشہ آتے جاتے رہیں گے، آبخورے[12] اور آفتابے[13] اور ایسے گلاس جو بہتی ہوئی شراب

حل لغات: (۱) آرام۔ (۲) عبادت۔ (۳) بُت۔ (۴) دیوار۔ (۵) مراد پوری کرنا۔ (۶) نیچے جمی ہوئی چیز۔ (۷) بری شکل والا۔ (۸) ہنس مکھ۔ (۹) چمکتے ہوئے۔ (۱۰) شوق۔ (۱۱) جلوہ دکھانا۔ (۱۲) پانی پینے کے لوٹے۔ (۱۳) پانی کا ڈھکن والا برتن۔

سے بھرے گئے ہوں کہ نہ اس شراب سے ان کو سَر کا درد ہوگا (یعنی چکر آئے گا) نہ عقل میں فتور[1] آئے گا اور ایسے میوے لے کر آئیں گے، جن کو یہ لوگ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب[2] ہو اور ان کے لیے خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جیسا کہ (حفاظت سے) پوشیدہ[3] رکھا ہوا موتی۔ یہ سب کچھ بدلہ ہے، ان اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ (یہ لوگ جنت میں) نہ بَک بَک سنیں گے، نہ کوئی اور بے ہودہ بات، بس سلام ہی سلام کی آواز (ہر طرف سے) آئے گی اور (نمبر دو کے حضرات) جو داہنے والے ہیں (یعنی ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں ملے ہیں) وہ داہنے والے بھی کیسے اچھے آدمی ہیں، وہ ان باغوں میں رہیں گے، جہاں بغیر کانٹوں کی بیریاں ہوں گی اور تہہ بتہہ کیلے لگے ہوئے ہوں گے اور بہت لمبا سایہ ہوگا اور بہتا ہوا پانی ہوگا اور بہت کثرت سے میوے ہوں گے، جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان میں کسی قسم کی روک ٹوک ہوگی (جتنا جس کا دل چاہے کھائے) اور اونچے اونچے فرش[4] ہوں گے اور (ان کے لیے بھی عورتیں ہوں گی جن کو) ہم نے خاص طور سے بنایا یعنی ایسا بنایا کہ وہ (ہمیشہ ہمیشہ) کنواریاں ہی رہیں گی، (یعنی صحبت کے بعد پھر کنواری بن جائیں گی) اور (ناز[5] و انداز کے لحاظ سے) محبوبہ ہوں گی، (اور جنت والوں کی) ہم عمر ہوں گی اور یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لیے ہیں۔ (ترجمہ ختم ہوا)۔

پھر وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی: میرا خیال ہے کہ تم نے بھی حوروں سے منگنی کی ہے، کچھ ان کے مہروں کے واسطے بھی خرچ کیا ہے؟ میں نے پوچھا کہ مجھے بتادے، ان کا مہر کیا ہوگا؟ میں تو فقیر آدمی ہوں؟ کہنے لگی: رات کو تہجد پڑھنا، دن کو روزہ رکھنا اور فقراء و مساکین سے محبت رکھنا۔ اس کے بعد اس باندی نے چھ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے وہ شخص جو حوروں سے ان کے پردہ میں منگنی کرتا ہے اور ان کے عالی[6] مرتبہ کے باوجود ان کا طالب ہے، کوشش کے ساتھ کھڑا ہو جا، سُستی ہرگز نہ کر، نفس سے مجاہدہ کر، اس کو صبر کا عادی[7] بنا، رات کو تہجد پڑھا کر، دن کو روزہ رکھا کر، یہ ان کا مہر ہے، اگر تیری دونوں آنکھیں ان کو اس حال میں دیکھ لیں، جب کہ وہ تیری طرف متوجہ ہو رہی ہوں اور ان کے سینوں پر اناروں کی طرح سے ان کے پستان اُبھر رہے ہوں اور وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ چل رہی ہوں اور ان کے سینوں پر چمکتے ہوئے ہار پڑے ہوئے ہوں، تو اس وقت تیری نگاہ میں یہ دنیا کی جتنی زیب[8] و زینت ہے ساری ہی سبک[9] بن جائے۔

یہ اشعار پڑھ کر اس کو بیہوشی طاری ہوگئی، میں نے پھر اس کے چہرہ پر پانی وغیرہ چھڑکا تو اس کو

حل لغات: (۱) خرابی۔ (۲) پسند۔ (۳) چھپا ہوا۔ (۴) بستر۔ (۵) نخرہ۔ (۶) اونچے۔ (۷) عادت ڈالنے والا۔ (۸) چمک دمک۔ (۹) ہلکی۔

اِفاقہ[1] ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھے:

إِلٰهِيْ لَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنِّيْ مُقِرٌّ بِالَّذِيْ قَدْ كَانَ مِنِّيْ

اے اللہ تعالیٰ تو مجھے عذاب سے بچائیو، بے شک میں اپنے گناہوں کا جو مجھ سے صادر ہوئے اقرار کرنے والی ہوں۔

فَكَمْ مِّنْ زَلَّةٍ لِيْ فِي الْخَطَايَا غَفَرْتَ وَأَنْتَ ذُوْفَضْلٍ وَّمَنٍّ

تو نے کتنی کثرت سے میری خطاؤں کی لغزشیں معاف فرمائی ہیں، تو بڑے فضل والا ہے، بڑے احسان والا ہے۔

يَظُنُّ النَّاسُ بِيْ خَيْرًا وَّإِنِّيْ لَشَرُّ النَّاسِ إِنْ لَّمْ تَعْفُ عَنِّيْ

لوگ مجھے اچھا آدمی گمان کرتے ہیں، لیکن اگر تو میری خطائیں معاف نہ کردے تو میں بدترین آدمی ہوں۔

وَمَالِيْ حِيْلَةٌ إِلَّا رَجَائِيْ لِعَفْوِكَ إِنْ عَفَوْتَ وَحُسْنَ ظَنِّيْ

میرے لیے کوئی تدبیر نہیں اس کے سوا کہ تیری بخشش کی امید ہے اور تیرے ساتھ مجھے حسنِ ظن[2] ہے (کہ تو ضرور کرم کرے گا)۔

یہ اشعار پڑھ کر اس باندی کو پھر غشی[3] ہوگئی، میں جو اس کے قریب پہونچا تو مَر چکی تھی، مجھے اس کے انتقال کا بے حد صدمہ ہوا، میں اُٹھ کر بازار گیا کہ اس کی تجہیز و تکفین[4] کا سامان خرید کر لاؤں، جب میں بازار سے لوٹا تو وہ کفنی کفنائی خوشبو لگی ہوئی معطر نعش رکھی ہوئی تھی، دو سبز[5] کپڑوں میں اس کا کفن تھا، جو جنت کا لباس تھا، کفن میں دو سطریں نور سے لکھی ہوئی تھیں، پہلی سطر پر لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا تھا۔ دوسری پر یہ آیت ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٢﴾ [سورۂ یونس: ٦٢] خبردار رہو کہ اللہ کے ولیوں کو نہ تو خوف ہوتا ہے نہ غمگین ہوتے ہیں، میں اور میرے ساتھی اس کے جنازہ کو اُٹھا کر لے گئے، جنازہ کی نماز پڑھ کر دفنا دیا اور اس کے قبر پر سورۂ یٰسین شریف پڑھ کر اپنے حجرہ میں چلا آیا، میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، دل اس کے فِراق[6] سے غمگین تھا، واپس آکر میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور سو رہا، خواب میں دیکھا کہ وہ لڑکی جنت میں پھر رہی ہے، نہایت مہکتے ہوئے زعفران کے باغیچہ میں ہے، ریشم کے اور اِستَبرَق[7] کے جوڑے پہن رہی ہے، اس کے سَر پر ایک موتیوں سے جڑا ہوا تاج ہے اور پاؤں میں سُرخ یاقوت[8] کے جوتے ہیں، مُشک

حل لغات: ① آرام۔ ② اچھا گمان۔ ③ بے ہوشی۔ ④ کفن دفن۔ ⑤ ہرا۔ ⑥ جدائی۔ ⑦ ریشمی کپڑے کی ایک قسم۔ ⑧ لال رنگ کا قیمتی پتھر۔

واقعات

وَعَنبَر کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے، اس کا چہرہ شمس[1] وقمر سے زیادہ روشن ہے، میں نے کہا: اے لڑکی! ذرا ٹھہر۔ تُو یہ تو بتا دے کہ یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت تجھے ملا؟ کہنے لگی کہ فقراء اور مساکین کی محبت سے اور استغفار کی کثرت سے اور مسلمانوں کے راستہ میں سے تکلیف دینے والی چیز کے ہٹا دینے سے۔ پھر اس نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''مبارک ہے وہ شخص جس کی آنکھیں راتوں کو جاگتی ہوں اور اپنے مالک کے عشق کی بے چینی میں رات گزار دے اور کسی دن اپنی کوتاہیوں[2] پر نوحہ[3] کر لیا کرے اور اپنی خطاؤں پر رو لیا کرے اور شب[4] کو اکیلا کھڑا ہو، اللہ کے عذاب کے خوف سے اختر شماری[5] کرتا ہو، اس حال کی حق تعالیٰ کی نگاہ حفاظت کر رہی ہو۔ [روض]

(۵۴) حضرت شیخ ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کہیں سفر کو تشریف لے جاتے نہ کسی سے تذکرہ کرتے، نہ کسی کو خبر ہوتی، ایک لوٹا ہاتھ میں لیا اور چل دیے۔ حامد اَسود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں بھی مسجد میں حاضر خدمت تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ حسب معمول لوٹا لے کر چل دیے، میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا، جب ہم قادسیہ میں پہونچے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا: حامد کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو ہمرکابی[6] کے لیے چل پڑا۔ فرمایا: میرا ارادہ تو مکہ مکرمہ جانے کا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں بھی ان شاء اللہ وہیں چلوں گا۔ جب ہم کو چلتے چلتے تین دن ہو گئے تو ایک نوجوان ہمارے ساتھ اور بھی ہولیا اور ایک دن رات وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا، لیکن اس نے ایک بھی نماز نہ پڑھی۔

میں نے شیخ سے عرض کیا کہ یہ تیسرا آدمی جو ہمارے ساتھ مل گیا، نماز نہیں پڑھتا۔ شیخ نے اس سے پوچھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا؟ اس نے کہا: میرے ذمہ نماز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: کیوں؟ کیا تُو مسلمان نہیں ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں تو نصرانی[7] ہوں، لیکن میں نصرانیت میں بھی تَوَکُّل پر گزر کرتا ہوں، میرے نفس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ توکل میں پختہ[8] ہو گیا۔ میں نے اس کو جھٹلایا اور اس جنگل بیابان میں جہاں معبود کے سوا کوئی بھی نہیں ہے لا ڈالا، تا کہ اس کے دعوے کا امتحان کروں۔

شیخ اس کی یہ بات سن کر چل دیے اور مجھ سے فرمایا کہ اس سے تعرّض[9] نہ کرو تمہارے ساتھ پڑا چلتا رہے۔ وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم بطن مَرّو پر پہونچے، وہاں شیخ نے اپنے میلے کپڑے بدن سے اتارے اور ان کو دھویا، پھر اس لڑکے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: عبد المسیح، شیخ نے فرمایا: عبد المسیح یہ مکہ کی دہلیز[10] ہے یعنی حرم آ گیا اور اللہ جلَّ شانُہٗ نے مشرکوں کا داخلہ اس میں ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾ [سورۂ توبہ: ۲۸]

حل لغات: (۱) سورج چاند۔ (۲) کمیوں۔ (۳) ماتم۔ (۴) رات۔ (۵) بے چینی میں رات گذارنا۔ (۶) سفر کا ساتھ۔ (۷) عیسائی۔ (۸) پکا۔ (۹) روک ٹوک۔ (۱۰) دروازہ۔

مشرکین ناپاک ہیں، یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ ہوں اور اپنے نفس کا جو تو امتحان کرنا چاہتا تھا، وہ تجھ پر ظاہر ہی ہوگیا، پس ایسا نہ ہو کہ تو مکہ میں داخل ہوجائے، اگر ہم تجھے وہاں دیکھیں گے تو اعتراض کریں گے۔

حامد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم اس کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، مکہ مکرمہ پہونچے، اس کے بعد جب ہم عرفات پر پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکا احرام باندھے ہوئے لوگوں کے منہ دیکھتا ہوا ہمارے پاس پہونچ گیا اور شیخ کے اوپر گر پڑا، شیخ نے پوچھا: عبدالمسیح کیا گزری؟ کیا ہوا؟ کہنے لگا: ایسا نہ کہو، اب میں عبدالمسیح نہیں ہوں، بلکہ اس کا غلام ہوں، جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی غلام تھے، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اپنی سرگذشت[1] تو سناؤ۔ کہنے لگے کہ جب تم مجھے وہاں چھوڑ کر چلے آئے تو میں اسی جگہ بیٹھ گیا اور جب مسلمانوں کا ایک اور قافلہ آیا، تو میں بھی مسلمانوں کی طرح احرام باندھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ان کے ساتھ ہولیا، جب مکہ مکرمہ پہونچ کر بیت اللہ پر میری نظر پڑی، تو اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب تھے، وہ سب ایک دم میری نگاہ سے گر گئے، میں نے غسل کیا، مسلمان ہوا اور احرام باندھا اور آج صبح سے تم کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں، اس کے بعد سے ہم اور وہ ساتھ ہی رہے، یہاں تک کہ صوفیہ ہی کی جماعت میں انتقال ہوا۔ [روض]

(۵۵) حضرت ابوسعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، ایک مرتبہ باب بنی شیبہ سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک نوجوان کی نعش رکھی ہوئی دیکھی، جو نہایت حسین چہرہ والا تھا، میں نے جو اس کے چہرہ کو غور سے دیکھا تو وہ تبسّم[2] کرتے ہوئے کہنے لگا، ابوسعید! تمہیں معلوم نہیں کہ عُشّاق[3] مرتے نہیں، بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں، اگرچہ ظاہر میں مَر جائیں ان کی موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں انتقال ہوتا ہے۔

شیخ ابو یعقوب سُنُّوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید مکہ مکرمہ میں آیا اور کہنے لگا کہ اے استاد! میں کل کو ظہر کے وقت مَر جاؤں گا، یہ اَشرَفی لے لیجیے، اس میں سے نصف[4] تو قبر کھودنے والے کی اُجرت[5] ہے اور نصف کفن وغیرہ کی قیمت ہے، جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا وہ مسجد حرام میں آیا اور طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا، میں نے اس کی تجہیز و تکفین[6] کی، جب اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا: ہاں! میں زندہ ہوں اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ [روض]

ہمارے اَکابر میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ

حل لغات: (۱) قصہ۔ (۲) مسکراہٹ۔ (۳) اللہ سے محبت کرنے والے۔ (۴) آدھا۔ (۵) مزدوری۔ (۶) کفن دفن۔

محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب تَصَرُّف[1] بزرگ تھے، ان کے تصرفات اور زُود[2] اثر تعویذوں کے بہت سے قصے میں نے اپنے اکابر سے جنہوں نے ان کی زیارت کی اور ان کے تصَرُّفات دیکھے بکثرت سُنے ہیں۔

یہ قصہ میں نے اپنے ماموں مولوی محمود صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ انہوں نے انتقال سے ایک دن قبل[3] مولوی محمود صاحب سے فرمایا کہ ہمیں بہت سے چٹکلے معلوم ہیں، ایک تمہیں بھی بتادیں گے، گھر بیٹھے دوسو روپے ماہوار ملتے رہیں گے، کسی وقت پوچھ لینا، میں نے کہا: بہتر ہے، خیال کیا کہ کسی دن فرصت کے وقت پوچھ لوں گا، شام کو عصر کی نماز کے وقت جب تکبیر ہورہی تھی، صف سے ذرا آگے منہ نکال کر میری طرف چپکے سے اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ بات یاد رکھنا، پھر ہم چلے جائیں گے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا وقت اس کا تھا، دوسرے دن صبح کو دیوبند وغیرہ مُتَعَدَّد[4] جگہ احباب[5] کو خطوط لکھوائے، جس میں مختلف اُمور کے ساتھ یہ لفظ بھی تھا کہ میرا آج سفر کا ارادہ ہے، ہم لوگ یہ سمجھتے رہے کہ اکثر بھوپال قیام رہتا ہے، وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہوگا یا کہیں اور۔ رعب کی وجہ سے ہر شخص ہر وقت بات کرنے کی جرأت[6] نہ کرتا تھا، اگر چہ طبع[7] مبارک میں مزاح[8] بے حد تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی جلال بھی بہت تھا، شام کو عصر کی نماز پڑھ کر جب ہم سب گھر کی طرف چلے، وہ اکثر اوقات مسجد میں تشریف رکھا کرتے تھے، اس لیے مسجد میں رہ گئے، چند ہی قدم باہر چلے تھے کہ ایک شخص پیچھے سے دوڑا ہوا آیا کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال[9] ہوگیا، ہم لوگ حیرت سے واپس ہوئے کہ ابھی سب کے ساتھ نماز پڑھی ہے، مسجد میں آکر دیکھا تو چارپائی پر قبلہ رخ لیٹے ہوئے ہیں، لنگی جو ہمیشہ کا معمول تھی بندھ رہی ہے اور کرتہ نکلا ہوا سرہانے رکھا ہے رَحِمَهُ اللهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

(۵۶) سعید بن اَبی عَروبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجّاج ثقفی (جس کا ظلم وستم شہرۂ آفاق[10] ہے) جب حج کو گیا تو راستہ میں ایک جگہ منزل پر خادموں سے ناشتہ طلب کیا اور اپنے دربان سے کہا کہ دیکھ یہاں کوئی مقامی آدمی ہو تو اس کو میرے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلا لا، تاکہ میں اس سے یہاں کے حالات کی تحقیق کروں، وہ گیا اور پہاڑ پر ایک بدُّو[11] دو چادروں میں پڑا ہوا سو رہا تھا، اس کو لات مار کر اٹھایا کہ چل تجھ کو امیر بلا رہے ہیں، وہ آیا تو حجّاج نے کہا کہ ہاتھ دھو کر میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ، اس بدُّو نے کہا کہ مجھے اس نے دعوت دے رکھی ہے جو تجھ سے بھی افضل ہے، حجّاج نے کہا وہ کون؟ کہنے لگا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے مجھے روزہ کی دعوت دی ہے۔ حجّاج کہنے لگا: ایسی سخت گرمی میں روزہ؟ بدُّو نے

حل لغات: (۱) کرامت والے۔ (۲) جلدی اثر کرنے والے۔ (۳) پہلے۔ (۴) بہت سی۔ (۵) دوستوں۔ (۶) ہمت۔ (۷) طبیعت۔ (۸) مذاق، دل لگی۔ (۹) انتقال۔ (۱۰) دنیا بھر میں مشہور ہونا۔ (۱۱) دیہاتی۔

کہا: ہاں! ایسے دن کے لیے جو اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہوگا، حجّاج نے کہا: آج افطار کرلو، کل قضا رکھ لینا، بدّو نے کہا: اگر تم اس کا ذمہ لو کہ میں کل تک زندہ رہوں گا تو میں افطار کرلوں۔ حجّاج نے کہا: اس کا کون ذمہ لے سکتا ہے۔ کہنے لگا: تو پھر نقد کو ایسے اُدھار پر مُحَوَّل[1] کرتا ہے، جس کا ذمہ بھی نہیں لیتا۔ حجّاج نے کہا: یہ کھانا بہت لذیذ ہے، بدّو نے کہا کہ نہ تم نے اس کو لذیذ بنایا، نہ باروچی نے، بلکہ تندرستی نے اس کو اچھا کر رکھا ہے۔

مصنف نے دو شعروں میں اس کی توضیح[2] کی ہے کہ ”کھانے کو باروچی اچھا نہیں کرتا، بلکہ تندرستی سے کھانا اچھا ہوتا ہے“ اگر میری صحت اچھی نہیں تو کوئی بھی کھانا لذیذ نہیں اور صحت اچھی ہے تو ساری کھانے کی چیزیں لذیذ ہیں۔ [روض]

(۵۷) حجّاج بن یوسف جب حج کو گیا تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی موجودگی میں کعبہ کے گرد زور سے لبیک کہتا ہوا طواف کر رہا ہے۔ حجّاج نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس پکڑ کر لاؤ، وہ حاضر کیا گیا، حجّاج نے پوچھا: تُو کن لوگوں میں سے ہے؟ اس نے کہا: مسلمانوں میں سے۔ حجّاج نے کہا: میں یہ نہیں پوچھتا۔ اس نے کہا اور کیا مقصد ہے؟ حجّاج نے کہا: کس شہر کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا: یمن کا۔ حجّاج نے پوچھا کہ تو نے محمد بن یوسف (جو حجّاج کا حقیقی بھائی تھا) کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہنے لگا: بہت موٹا تازہ کثرت سے کپڑے پہننے والا۔ بہت کثرت سے سواری پر پھرنے والا۔ کبھی شہر کے اندر کبھی شہر کے باہر گھومنے والا۔ حجّاج نے کہا: میرا یہ سوال نہیں۔ اس نے کہا اور کیا مقصد ہے؟ حجّاج نے کہا: اس کی عادتیں کیسی ہیں؟ کہنے لگا: بڑا ظالم، بڑا جابر، مخلوق کا مطیع[3]، خالق کا گنہگار۔

حجّاج نے کہا: تجھے ایسی سخت باتیں کہنے کی کیسے ہمت ہوئی؟ جب کہ تو اس کا مرتبہ میری نگاہ میں (رشتہ داری کی وجہ سے) جانتا ہے۔ اس نے کہا: کیا اس کا مرتبہ تیری نگاہ میں اس سے زیادہ ہے، جو میرا مرتبہ اللہ جلَّ شانہٗ کی نگاہ میں ہے، میں اس کے گھر کی زیارت کے واسطے آیا ہوں، اس کے نبی کی تصدیق کرنے والا ہوں، اس کا فرض ادا کر رہا ہوں، اس کے دین کی اطاعت کر رہا ہوں، یہ سُن کر حجّاج چُپ ہوگیا، کچھ جواب نہ دے سکا، وہ آدمی واپس چلا گیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہنے لگا: اے اللہ! تجھی سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھی کو جائے پناہ بناتا ہوں، اے اللہ! تیری کُشائش[4] ہی قریب ہے اور تیرا ہی احسان قدیم ہے اور تیری ہی عادات بہترین ہیں۔ [روض]

(۵۸) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا، دفعتاً میں نے ایک لڑکی کو دیکھا کہ اس کے کاندھے پر ایک بچہ بہت کمسن بیٹھا ہے اور وہ یہ ندا[5] کر رہی ہے۔ ”اے کریم اے کریم! تیرا گذرا ہوا

حل لغات: (۱) پھیرنا۔ (۲) وضاحت۔ (۳) فرمانبرداری کرنے والا۔ (۴) کشادگی۔ (۵) پکارنا۔

واقعات

زمانہ (یعنی کیسا موجبِ[1] شکر ہے) میں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے؟ جو تیرے اور مولیٰ کے درمیان گزری، کہنے لگی کہ میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، طوفانی ہوا ایسے زور سے آئی کہ وہ کشتی غرق[2] ہوگئی اور سب کے سب ہلاک ہوگئے، میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر رہ گئے اور ایک حبشی آدمی دوسرے تختہ پر ہم تین کے سوا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا، جب صبح کا چاندنا[3] ہوا تو اس حبشی نے مجھے دیکھا اور پانی کو ہٹاتا ہٹاتا میرے تختہ کے پاس پہونچ گیا اور جب اس کا تختہ میرے تختہ کے ساتھ مل گیا تو وہ بھی میرے تختہ پر آگیا اور مجھ سے بُری بات کی خواہش کرنے لگا۔ میں نے کہا: اللہ سے ڈر! ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں، اس سے خلاصی[4] اس کی بندگی سے بھی مشکل ہو رہی ہے، چہ جائیکہ اس کا گناہ ایسی حالت میں کریں۔ کہنے لگا: ان باتوں کو چھوڑ، خدا کی قسم یہ کام ہو کر رہے گا۔ یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا، میں نے چپکے سے ایک چٹکی اُس کے بھرلی، جس سے یہ ایک دَم رونے لگا۔ میں نے اس سے کہا: اچھا ذرا ٹھہر جا، میں اس بچہ کو سلادوں، پھر جو مُقدَّر میں ہوگا ہو جائے گا، اس حبشی نے اس بچہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کو سمندر میں پھینک دیا۔ میں نے اللہ پاک سے کہا: اے وہ پاک ذات! جو آدمی کے اور اس کے دِلی ارادہ میں بھی حائل[5] ہو جاتی ہے، میرے اور اس حبشی کے درمیان تُو ہی اپنی طاقت اور قدرت سے جدائی کر، بے تَرَدُّد[6] تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا کی قسم! میں ان الفاظ کو پورا بھی نہ کرنے پائی تھی کہ سمندر سے ایک بہت بڑے جانور نے منہ کھولے ہوئے سر نکالا اور اس حبشی کا ایک لقمہ بنا کر سمندر میں گھس گیا اور مجھے اللہ جلَّ شانُہٗ نے محض اپنی طاقت اور قدرت سے اس حبشی سے بچایا، وہ ہر چیز پر قادر ہے، پاک ہے اس کی بڑی شان ہے، اس کے بعد سمندر کی موجیں مجھے تھپیڑتی[7] رہیں، یہاں تک کہ وہ تختہ ایک جزیرہ کے کنارہ سے لگ گیا، میں وہاں اُتر پڑی اور یہ سوچتی رہی کہ یہاں گھاس کھاتی رہوں گی پانی پیتی رہوں گی، جب تک اللہ جلَّ شانُہٗ کوئی سہولت کی صورت پیدا کرے، اسی کی مدد سے کوئی صورت ہو سکتی ہے۔

چار دن مجھے اس جزیرہ میں گزر گئے، پانچویں دن مجھے ایک بڑی کشتی سمندر میں چلتی ہوئی نظر آئی، میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس کشتی کی طرف اشارہ کیا اور کپڑا جو میرے اوپر تھا اس کو خوب ہلایا، اس میں سے تین آدمی ایک چھوٹی سی ناؤ پر بیٹھ کر میرے پاس آئے، میں ان کے ساتھ اس ناؤ پر بیٹھ کر اس کشتی پر پہونچی تو میرا یہ بچہ جس کو حبشی نے سمندر میں پھینک دیا تھا، ان میں سے ایک آدمی کے پاس تھا، میں اس کو دیکھ کر اس پر گر پڑی، میں نے اس کو چُوما، گلے سے لگایا اور میں نے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے،

حل لغات: (۱) شکر کے لائق۔ (۲) ڈوبنا۔ (۳) اُجالا۔ (۴) چھٹکارا۔ (۵) آڑ، بیچ میں آنے والا۔ (۶) بے شک، یقیناً۔ (۷) ادھر سے ادھر ڈھکیلنا۔

واقعات

میرا جگر پارہ ہے، وہ کشتی والے کہنے لگے: تُو پاگل ہے، تیری عقل ماری گئی ہے۔ میں نے کہا: نہ میں پاگل، نہ میری عقل ماری گئی، میرا عجیب قصہ ہے۔

پھر میں نے ان کو اپنی سرگذشت[1] سنائی، یہ ماجرا سن کر سب نے حیرت سے سر جھکا لیا اور کہنے لگے: تُو نے بڑی حیرت کی بات سنائی اور اب ہم تجھے ایسی ہی بات سنائیں، جس سے تجھے تعجب ہوگا، ہم اس کشتی میں بڑے لطف[2] سے چل رہے تھے، ہوا موافق تھی، اتنے میں ایک جانور سمندر کے پانی کے اوپر آیا، اس کی پُشت[3] پر یہ بچہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک غیبی آواز ہم نے سُنی کہ اگر اس بچہ کو اس کی پُشت پر سے اُٹھا کر اپنے ساتھ نہ لیا تو تمہاری کشتی ڈبو دی جائے گی، ہم میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس بچہ کو اس کی پشت پر سے اُٹھا لیا اور وہ جانور پھر پانی کے اندر چلا گیا، تیرا واقعہ اور یہ واقعہ دونوں بڑی حیرت کے ہیں اور اب ہم سب عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد سے اللہ جلَّ شانُہٗ ہمیں کبھی کسی گناہ پر نہ دیکھے گا۔

اس کے بعد ان سب نے توبہ کی وہ پاک ذات کتنی مہربان ہے، بندوں کے احوال کی خبر رکھنے والی ہے، بہترین احسانات کرنے والی ہے، وہ پاک ذات مصیبت زدوں کی مصیبت کے وقت مدد کو پہونچنے والی ہے۔ [روض]

(۵۹) حضرت ابُو عَمرو زَجَّاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلا اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے ایک درم مجھے عطا فرمایا، میں نے اس کو اپنے کمر بند میں باندھ لیا، اس کے بعد جس جگہ بھی پہونچا، خود بخود میرا انتظام ہوتا چلا گیا، جب حج سے فارغ ہو کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا کہ لاؤ ہمارا درم، میں نے خدمت میں پیش کر دیا، فرمایا: اس کی مہر کیسی پائی؟ میں نے کہا: بڑی چالو۔ [روض]

(۶۰) شیخ یوسف بن حَمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے راستہ سے مکّہ مکرّمہ کو چلا، فقراء کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی، ان میں ایک جوان تھا، جس کی بہترین صحبت اور اوقات کی حفاظت اور ذکر میں ہر وقت کی مشغولی سے مجھے اس پر رشک آتا تھا، وہ ہر وقت اللہ کے ذکر و مناجات میں مشغول رہتا، جب ہم مدینہ طیبہ پہونچے تو وہ جوان بیمار ہوا اور سخت بیمار ہو کر ہم سے جدا ہو گیا، ایک دن میں اپنے چند رفقاء[4] کو ساتھ لے کر اس کی بیمار پُرسی[5] کو گیا، ہم نے جب اس کی حالت اور بیماری کی شدت دیکھی، تو ہم میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ اس وقت کسی طبیب[6] کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ اس کی بیماری کی تشخیص[7] کرے، شاید کوئی دوا مفید ہو جائے، اس جوان نے یہ گفتگو سُن کر آنکھیں کھول دیں اور مسکرایا اور کہنے لگا: بزرگو اور دوستو! موافقت کے بعد مخالفت کس قدر بُری چیز ہے، جب اللہ جلَّ شانُہٗ کسی بندے کے

حل لغات: (۱) کہانی۔ (۲) مزے۔ (۳) پیٹھ۔ (۴) ساتھی۔ (۵) بیمار کی خبر لینا۔ (۶) ڈاکٹر۔ (۷) جانچ۔

واقعات

لیے ایک حال کو پسند کرے اور بندہ دوسری حالت کی کوشش کرے تو کیا یہ اللہ کے ارادہ کی مخالفت نہیں ہے، ہم لوگ اس کی بات سے شرمندہ ہوئے، پھر اس نے ہمیں دیکھا اور کہنے لگا کہ اگر عشق کے مارے ہوئے کی بیماری کے لیے کوئی دوا کسی صحت پائے ہوئے کے پاس تمہیں ملے تو عشق کے بیمار کے لیے دوا طلب کرو، باقی یہ بیماریاں تو بدن کی پاکی اور گناہوں کا کفّارہ ہیں، آخرت کو یاد دلانیوالی ہیں اور عشق کے مارے ہوئے کی بیماری نفس کا مشاہدہ اور خواہشات کا اتباع ہے، پھر اس نے تین شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ کے ہاتھ میں میری دوا ہے اور وہی میری بیماری سے واقف ہے، میں اپنے نفس پر خواہشات کے اتباع سے ظلم کر رہا ہوں، جب کسی بیماری کی دوا کرتا ہوں، تو مرض میری دوا پر غالب ہو جاتا ہے''۔ [روض]

(۶۱) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک مرتبہ قبض (دل تنگی) اور خوف کا شدید غلبہ ہوا، میں پریشان حال ہو کر بغیر سواری اور توشہ[۱] کے مکّہ مکرّمہ چل دیا، تین دن تک اسی طرح بغیر کھائے پیے چلتا رہا، چوتھے دن مجھے پیاس کی شِدّت سے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا اور جنگل میں کہیں سایہ دار درخت کا بھی پتہ نہ تھا کہ اس کے سایہ میں ہی بیٹھ جاتا، میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سُپرد کر دیا اور قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا اور مجھے نیند سی آ گئی تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ میری طرف ہاتھ بڑھا کر فرمایا: لاؤ! ہاتھ بڑھاؤ، میں نے ہاتھ بڑھایا، انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تم صحیح سالم حج بھی کرو گے اور قبر اطہر کی زیارت بھی کرو گے، میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں خضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ میرے لیے دعا کیجیے۔ فرمایا: یہ الفاظ تین مرتبہ کہو: يَالَطِيفًا بِخَلْقِهٖ يَاعَلِيمًا بِخَلْقِهٖ يَاخَبِيرًا بِخَلْقِهٖ اُلْطُفْ بِيْ يَالَطِيفُ يَاعَلِيمُ يَاخَبِيرُ ''اے وہ پاک ذات جو اپنی مخلوق پر مہربان ہے، اپنی مخلوق کے حال کو جانتا ہے، ان کی ضروریات سے باخبر ہے، تو مجھ پر لطف و مہربانی فرما۔ اے لطیف اے علیم اے خبیر''۔

پھر فرمایا کہ یہ ایک تحفہ ہے، جو ہمیشہ کام آنے والا ہے، جب تجھے کوئی ضیق[۲] پیش آئے یا کوئی آفت نازل ہو تو ان کو پڑھ لیا کر، تو تنگی رفع[۳] ہو جائے گی اور آفت سے خلاصی[۴] ہوگی، یہ کہہ کر وہ تو غائب ہو گئے، مجھے ایک شخص نے یا شیخ یا شیخ کہہ کر آواز دی، میں اس کی آواز سے نیند سے جاگا تو وہ شخص اونٹنی پر سوار تھا، مجھ سے پوچھنے لگا کہ ایسی صورت ایسے حُلیہ کا کوئی نوجوان تو تم نے نہیں دیکھا، میں نے کہا کہ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا، کہنے لگا: ہمارا ایک نوجوان سات دن ہو گئے، گھر سے چلا گیا، ہمیں یہ خبر ملی کہ وہ حج کو جا رہا ہے۔

حل لغات: (۱) سفر کا کھانا۔ (۲) تنگی۔ (۳) دور۔ (۴) نجات۔

واقعات

پھر اس سوار نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں کا ارادہ کرر ہے ہو؟ میں نے کہا: جہاں اللہ تعالیٰ لے جائے، اس نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور اس سے اُتر کر ایک توشہ دان[1] میں سے دو روٹیاں سفید جن کے درمیان میں حلوا رکھا ہوا تھا، نکالیں اور اونٹ پر سے پانی کا مشکیزہ اُتارا اور مجھے دیا، میں نے پانی پیا اور ایک روٹی کھائی، وہی مجھے کافی ہوگئی، پھر اس نے مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کرلیا، ہم دو رات اور ایک دن چلے، تو قافلہ ہمیں مل گیا، وہاں اس نے قافلہ والوں سے اس جوان کا حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ قافلہ میں ہے۔

وہ مجھے وہاں چھوڑ کر تلاش میں گیا، تھوڑی دیر کے بعد جوان کو ساتھ لیے ہوئے میرے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا! اس شخص کی برکت سے اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تیری تلاش مجھ پر آسان کردی، میں ان دونوں کو رخصت کر کے قافلہ کے ساتھ چل دیا، پھر مجھے وہ آدمی ملا اور مجھے ایک لپٹا ہوا کاغذ دیا اور میرے ہاتھ چوم کر چلا گیا، میں نے جو اس کو دیکھا تو اس میں پانچ اَشرفیاں تھیں، میں نے اس میں سے اونٹ کرایہ کیا اور اسی سے کھانے پینے کا انتظام کیا اور حج کیا اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے روضۂ اطہر کی زیارت کی اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ عَلَیْہِ السَّلَام کی قبر مبارک کی زیارت کی اور جب کبھی کوئی تنگی یا آفت پیش آئی تو حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی بتائی ہوئی دعا پڑھی، میں اُن کی فضیلت اور ان کے احسان کا مُعْتَرِف[2] ہوں اور اس نعمت پر اللہ پاک کا شکر گزار رہوں۔ [روض]

(۶۲) ایک بزرگ حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَام سے اپنی ملاقات کا بہت طویل[3] قصہ نقل کرتے ہیں، آخر میں حضرت خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز مکّہ مکرّمہ میں پڑھتا ہوں اور طلوعِ[4] آفتاب تک حطیم میں رکنِ شامی کے قریب بیٹھتا ہوں اور ظہر کی نماز مدینہ طیبّہ میں پڑھتا ہوں اور عصر کی بَیْتُ الْمُقَدَّس میں اور مغرب کی طور سینا پر اور عشاء کی سد سکندری پر۔ [روض]

(۶۳) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں بعض رُفقاء[5] کے ساتھ عَدن سے چلا، جب رات ہوئی تو میرے پاؤں میں کوئی چیز لگ گئی، جس کی وجہ سے میں چل نہ سکا، تنہا سمندر کے کنارہ بیٹھا رہ گیا، میں دن بھر کا روزہ دار تھا اور کھانے کی کوئی چیز میرے پاس نہ تھی، میں نے اسی حال میں سونے کا ارادہ کرلیا، دفعتہً میرے سامنے دو روٹیاں ان میں ایک پرندہ بھُنا ہوا رکھا تھا، آئیں، میں نے پرندہ کو اُٹھا کر الگ کو رکھ دیا کہ ایک کالا حبشی میرے سامنے آیا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا گُرز تھا، مجھ سے کہنے لگا: او ریا کار! کھالے، میں نے ایک روٹی اور تھوڑا سا پرندہ کھایا اور باقی ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے سرہانے رکھ کر سو گیا، جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کپڑا اسی طرح میرے سر کے نیچے رکھا ہوا ہے اور خالی ہے نہ روٹی نہ پرندہ۔ [روض]

حل لغات: (۱) کھانا رکھنے کا برتن۔ (۲) اقرار کرنے والا۔ (۳) لمبا۔ (۴) سورج کا نکلنا۔ (۵) ساتھی۔

واقعات

(۶۴) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ صُلَحَاء[1] کی ایک جماعت کے ساتھ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بیٹھا ہوا تھا، ہم میں ایک ہاشمی بزرگ بھی تھے، اُن پر غَشی[2] سی طاری ہوئی، جب ان کو اِفاقہ[3] ہوا تو کہنے لگے: میں نے جو کچھ دیکھا وہ تم نے بھی دیکھا؟ ہم نے کہا: ہمیں تو کچھ نظر نہیں آیا۔ کہنے لگے کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ احرام باندھے ہوئے طواف کر رہے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہنے لگے کہ ہم فرشتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری محبت حق تعالیٰ شانُہٗ سے کیسی ہے؟ کہنے لگے: ہماری محبت اندر سے ہے اور تمہاری محبت باہر سے ہے۔ [روض]

(۶۵) شیخ ابوسلیمان دارانی رَحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال تجرید[4] کے ساتھ حج کا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں چل رہا تھا، راستہ میں ایک نوجوان عراقی ملا۔ جس کی جوانی زوروں پر تھی، وہ بھی اسی طرح سفر کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن جب وہ قافلہ کے ساتھ چلتا تو قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہتا اور جب منزل پر قافلہ ٹھہرتا تو وہ نماز میں مشغول ہو جاتا، رات بھر نماز پڑھتا دن بھر روزہ رکھتا، اس نے سارا راستہ اسی طرح طے کیا، حتیٰ کہ ہم مکّہ مکرّمہ پہونچ گئے، تو وہ جوان مجھ سے رخصت ہونے لگا، میں نے اس سے پوچھا کہ بیٹا! کس چیز نے تجھے ایسے سخت مجاہدہ پر آمادہ کیا؟ جو میں سارے راستہ دیکھتا چلا آیا۔

کہنے لگا: ابوسلیمان میں نے خواب میں جنت کا ایک محل دیکھا کہ وہ سارا اس طرح بنا ہوا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی، پھر ایک اینٹ چاندی کی، اوپر تک اس کے بالا خانے بھی، اسی طرح بنے ہوئے تھے اور ان میں ہر دو برجیوں کے درمیان ایک ایک حور ایسی تھی کہ اس کا سا حسن و جمال اور اس کی سی چہرہ کی رونق کسی نے نہ دیکھی ہوگی، اُن کی زلفیں سامنے لٹک رہی تھیں، ان میں سے ایک مجھے دیکھ کر ہنسنے لگی تو اس کے دانتوں کی روشنی سے جنت چمکنے لگی، اس نے کہا: اے جوان! اللہ جلّ شانُہٗ کے لیے مجاہدہ کرتا کہ میں تیرے لیے ہو جاؤں تو میرے لیے پھر میری آنکھ کھل گئی، یہ میرا قصہ ہے۔ اب مجھ پر ضروری ہے کہ میں انتہائی کوشش کروں اور جو کوشش کرتا ہے، وہ پالیتا ہے، یہ تم نے جو کچھ میرا مجاہدہ دیکھا ہے، اس حور سے منگنی کے واسطے ہے، میں نے اس سے دعا کی درخواست کی، وہ میرے لیے دعا کر کے چلا گیا۔

ابوسلیمان رَحمۃُ اللہِ علیہ کہتے ہیں اس کے جانے کے بعد میں نے اپنے نفس کو کہا کہ ایک حور کی طلب میں اگر اتنی کوشش ہوسکتی ہے تو حور کے رب کی طلب میں کیسی کوشش ہونا چاہیے۔ [روض]

(۶۶) حضرت ذوالنون مصری رَحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے ارادہ سے ایک جنگل میں چل رہا

حل لغات: (۱) نیک لوگ۔ (۲) بے ہوشی۔ (۳) آرام۔ (۴) اکیلا، تنہائی۔

تھا، مجھے پیاس کی ایسی سخت شدت ہوئی کہ میں اس سے عاجز ہو گیا، قریب ہی ایک قبیلہ بنی مخزوم میں گیا، وہاں میں نے ایک بہت کمسن لڑکی کو جو نہایت ہی حسین تھی، دیکھا کہ وہ اشعار کے ساتھ گنگنا رہی تھی، مجھے اس کی عمر کے لحاظ سے اس سے بہت تعجب ہوا، اس لیے کہ وہ بہت کم عمر تھی، میں نے اس سے کہا کہ تجھے حیاء[1] نہیں آتی یوں گا رہی ہے، کہنے لگی: ذوالنون چپ رہو، رات میں نے خوشی خوشی شرابِ عشق کا ایک گلاس پیا ہے، جس سے میں اپنے مولیٰ کے عشق میں نشہ میں ہوں، میں نے کہا: تو تو بڑی حکیم معلوم ہوتی ہے، مجھے کچھ نصیحت کر، کہنے لگی: ذوالنون چپ رہنے کو لازم کر لو اور دنیا میں سے صرف اتنی روزی پر قناعت[2] کرو، جس سے آدمی زندہ رہے تاکہ جنت میں اس پاک ذات کی زیارت ہو سکے جس کو کبھی فنا[3] نہیں''۔

میں نے پوچھا: یہاں پینے کا پانی بھی ہے؟ کہنے لگی: تجھے پانی کی جگہ بتاؤں؟ میں نے سوچا کوئی کنواں چشمہ وغیرہ بتائے گی؟ میں نے کہا: ہاں بتاؤ۔ کہنے لگی: قیامت میں پانی پینے والوں کے چار درجے ہوں گے۔ ایک جماعت تو وہ ہوگی جس کو فرشتے پانی پلائیں گے، جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ﴿ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝٤٦ ﴾ [سورۂ صافات: ۴۶] میں ارشاد فرمایا، میں ہے کہ ان کے پاس بہتی ہوئی شراب کا گلاس لایا جائے گا، ''جو سفید ہوگی پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی''۔

دوسری جماعت کو رضوان (جنت کے ناظم) پلائیں گے، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے ﴿ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝٢٧ ﴾ سے تعبیر فرمایا (جو عَمَّ کے پارہ میں سورۂ تَطْفِیف میں ہے کہ اس کی آمیزش[4] تسنیم سے ہوگی، جو ایک چشمہ ہے، جس سے مقرب آدمی پیتے ہیں) اور تیسرا فرقہ وہ ہے جس کو خود حق سُبحانہٗ و تقدّس پلائیں گے، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے ﴿ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝٢١ ﴾ سے تعبیر فرمایا (جو سورۂ دھر میں ہے کہ ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا) وہ لڑکی کہنے لگی کہ ذوالنون تم اپنا بھید دنیا میں اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے نہ کہو تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں آخرت میں خود پانی پلائیں۔

مصنف کہتے ہیں کہ شروع میں چار جماعتوں کا ذکر تھا، آخر میں تین ہی ذکر کی گئیں، شاید چوتھی جماعت وہ ہے جن کو نو عمر لڑکے پلائیں گے جس کو ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝١٧ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝١٨ ﴾ سے تعبیر کیا، جو سورۂ واقعہ میں ہے کہ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر آمد و رفت رکھیں گے، آبخورے[5] اور آفتابے[6] اور ایسا جامِ شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا۔ [روض]

حل لغات: ① شرم۔ ② تھوڑی چیز پر خوشی رہنا۔ ③ ختم ہونا۔ ④ ملاوٹ۔ ⑤ پانی پینے کے لوٹے۔ ⑥ پانی کا ڈھکن والا برتن۔

(۶۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ایک مرتبہ چند لوگ حاضر تھے، ایک باندی گزری، لوگوں نے کہا کہ یہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باندی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں یہ امیر المومنین کی نہیں ہے، نہ اس کے لیے حلال ہے، یہ بیت المال کی ہے، اس کو بیت المال سے صرف یہ چیزیں جائز ہیں، ایک جوڑا گرمی کا ایک سردی کا اور وہ چیز جس سے حج اور عمرہ کر سکے اور ایک مُتوَسِّط[1] آدمی کی روزی جو نہ زیادہ امیر ہو، نہ زیادہ غریب، اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رغبت تازہ مچھلی کی معلوم ہوئی، آپ کے غلام یرفا رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سمندر کے کنارے سے مچھلی خرید کر لائے اور تیز آمد و رفت کی وجہ سے اونٹنی کو پسینہ آ گیا، انہوں نے واپس آ کر اونٹنی کو خوب دھو دیا کہ پسینہ معلوم نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چلو، تمہاری اونٹنی کو دیکھیں تشریف لائے تو اس کے کان کے نیچے پسینہ تھا، جو دھونے سے رہ گیا تھا، اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دھونا بھول گئے (گویا یہ طعن تھا کہ اس کا پسینہ صاف کر دیا) اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی کی خواہش نفس کے واسطے تم نے اس جانور کو عذاب میں مبتلا کیا، عمر اس مچھلی کو واللہ بالکل نہیں چکھے گا۔ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گیا، آپ رضی اللہ عنہ کے لیے نہ خیمہ لگتا تھا نہ چھولداری[2] ایک چادر یا چمڑہ کسی درخت کے نیچے ڈال دیا جاتا، اس کے سایہ میں آپ رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے۔ [تاریخ الخلفاء]

(۶۸) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں، عرفات کے میدان میں لوگ تو سب کے سب کثرت سے دعائیں مانگ رہے تھے اور وہ ایسی بُری طرح رو رہے تھے جیسے کسی عورت کا بچہ مر گیا ہو اور وہ آگ میں جل رہی ہو، جب غروب کا وقت ہونے لگا تو اپنی داڑھی پکڑ کر آسمان کی طرف منہ اُٹھایا اور فرمانے لگے، اگر تو معاف بھی کر دے تب بھی میری بدحالی پر انتہائی افسوس ہے۔ [اِحیاء: ۴]

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محاضرات میں اس قصہ کو نقل کیا اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ مُطَرِّف یہ دعا کر رہے تھے۔ ''اے اللہ! میری موجودگی کی وجہ سے ان سب کو تو محروم نہ فرما اور بکر بن عبد اللہ کہہ رہے تھے، یہ عرفات کا میدان کس قدر اشرف مقام ہے اور اس کے حاضرین کے لیے کس قدر باعث رضا[3] ہے اگر میرا وجود یہاں نہ ہوتا۔

(۶۹) رَبیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں حج کے لیے جا رہا تھا، میرے ساتھ میرے بھائی تھے اور ایک جماعت تھی، جب ہم کوفہ میں پہونچے تو وہاں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لیے میں بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ ایک ویران سی جگہ میں ایک خچر مرا ہوا پڑا تھا اور ایک عورت جس کے کپڑے بہت پُرانے بوسیدہ تھے، چاقو لیے ہوئے اس کے ٹکڑے گوشت کے کاٹ کاٹ کر ایک زنبیل[4] میں رکھ رہی

حل لغات: (۱) درمیانی درجہ کا۔ (۲) چھوٹا سا خیمہ۔ (۳) خوشی کا سبب۔ (۴) تھیلی۔

تھی، مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مُردار گوشت لے جارہی ہے، اس پر سکوت کرنا ہرگز نہ چاہیے، عجب نہیں یہ کوئی بھٹیاری عورت ہے، یہی پکا کر لوگوں کو کھلا دے گی، میں چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا، اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھے، وہ عورت ایک بڑے مکان میں پہونچی، جس کا دروازہ بھی اونچا تھا، اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اس نے کہا: کھولو! میں ہی بدحال ہوں، دروازہ کھولا گیا اور اس میں سے چار لڑکیاں آئیں، جن کے چہرہ سے بدحالی اور مصیبت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، وہ عورت اندر گئی اور وہ زنبیل ان لڑکیوں کے سامنے رکھ دی، میں کواڑوں کی درزوں[1] سے جھانک رہا تھا۔ میں نے دیکھا اندر سے گھر بالکل برباد خالی تھا، اس عورت نے روتے ہوئے لڑکیوں کو آواز دی کہ لو اس کو پکالو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اختیار ہے، اسی کے قبضہ میں لوگوں کے قلوب ہیں۔

وہ لڑکیاں اس کو کاٹ کاٹ کر آگ پر بھوننے لگیں، مجھے بہت ضیق[2] ہوئی، میں نے باہر سے آواز دی اے اللہ کی بندی! اللہ کے واسطے اس کو نہ کھا، وہ کہنے لگی: تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں ایک پردیسی آدمی ہوں، کہنے لگی: اے پردیسی! تُو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ہم خود ہی مُقدَّر کے قیدی ہیں، تین سال سے ہمارا نہ کوئی معین نہ مددگار، تُو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: مجوسیوں کے ایک فرقہ کے سوا مُردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں، وہ کہنے لگی: ہم خاندان نبوت کے شریف (سید) ہیں، ان لڑکیوں کا باپ بڑا شریف تھا، وہ اپنے ہی جیسوں سے ان کا نکاح کرنا چاہتا تھا، اس کی نوبت نہ آئی اس کا انتقال ہوگیا، جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا، وہ ختم ہوگیا، ہمیں معلوم ہے کہ مردار کھانا جائز نہیں لیکن اضطرار[3] میں جائز ہوجاتا ہے، ہمارا چار دن کا فاقہ ہے۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے حالات سُن کر مجھے رونا آگیا اور میں روتا ہوا دل بے چین وہاں سے واپس ہوا اور میں نے اپنے بھائی سے آکر کہا کہ میرا ارادہ تو حج کا نہیں رہا، اس نے مجھے بہت سمجھایا، حج کے فضائل بتائے کہ حاجی ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا: بس لمبی چوڑی باتیں نہ کرو، یہ کہہ کر میں نے اپنے کپڑے اور احرام کی چادریں اور جو سامان میرے ساتھ تھا، وہ سب لیا اور نقد چھ سو درم تھے، وہ لیے اور ان میں سے سو درم کا آٹا خریدا اور سو درم کا کپڑا خریدا اور باقی درم جو بچے وہ آٹے میں چھپا کر اس بڑھیا کے گھر پہونچا اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرہ اس کو دے دیا۔

اس عورت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہنے لگی: اے ابن سلیمان! جا اللہ جَلَّ شانُہٗ تیرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کرے اور تجھے حج کا ثواب عطا کرے اور اپنی جنت میں تجھے جگہ عطا فرمائے اور اس کا

حل لغات: (۱) دراڑ۔ (۲) تنگی۔ (۳) سخت مجبوری۔

واقعات

ایسا بدل عطا فرمائے جو تجھے بھی ظاہر ہو جائے۔ سب سے بڑی لڑکی نے کہا: اللہ جَلَّ شانُہٗ تیرا اجر دو چند[1] کرے اور تیرے گناہ معاف کرے۔ دوسری نے کہا: اللہ جَلَّ شانُہٗ تجھے اس سے بہت زیادہ عطا فرمائے، جتنا تو نے ہمیں دیا۔ تیسری نے کہا: حق تعالیٰ شانُہٗ ہمارے دادے کے ساتھ تیرا حشر کرے۔ چوتھی نے جو سب سے چھوٹی تھی، کہا: اے اللہ! جس نے ہم پر احسان کیا تُو اس کا نِعْمَ الْبَدَلْ[2] اس کو جلدی عطا کر اور اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر۔

رَبیع رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں حُجّاج کا قافلہ روانہ ہو گیا، میں کوفہ ہی میں مجبوراً پڑا رہا کہ وہ سب حج سے فارغ ہو کر لوٹ بھی آئے، مجھے خیال ہوا کہ ان حجاج کا استقبال کروں، ان سے اپنے لیے دعا کراؤں، کسی کی مقبول دعاء مجھے بھی لگ جائے، جب حُجاج کا ایک قافلہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا، تو مجھے اپنے حج سے محرومی پر بہت افسوس ہوا اور رنج کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے، جب میں اُن سے ملا تو میں نے کہا: اللہ جَلَّ شانُہٗ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اخراجات کا بدل عطا فرمائے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ دعا کیسی؟ میں نے کہا: ایسے شخص کی دعا جو دروازہ تک کی حاضری سے محروم رہا ہو۔ وہ کہنے لگے: بڑے تعجب کی بات ہے، اب تُو وہاں جانے سے انکار کرتا ہے۔ تُو ہمارے ساتھ عرفات کے میدان میں نہیں تھا؟ تُو نے ہمارے ساتھ رمی جمرات نہیں کی؟ تُو نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیے؟۔

میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ اللہ کا لطف[3] ہے، اتنے میں خود میرے شہر کے حاجیوں کا قافلہ آ گیا۔ میں نے کہا: حق تعالیٰ شانُہٗ تمہاری سعی[4] مشکور[5] فرمائے، تمہارا حج قبول فرمائے، وہ بھی یہی کہنے لگے کہ تُو ہمارے ساتھ عرفات پر نہیں تھا؟ یا رَمی جمرات نہیں کی؟ اب انکار کرتا ہے؟ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ بھائی اب انکار کیوں کرتے ہو، کیا بات ہے؟ آخر تم ہمارے ساتھ مکہ میں نہیں تھے یا مدینہ میں نہیں تھے، جب ہم قبر اطہر کی زیارت کر کے باب جبرئیل سے باہر کو آ رہے تھے، اس وقت اِزدحام[6] کی کثرت کی وجہ سے تم نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ (جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے) یہ تمہاری تھیلی واپس ہے۔

رَبیع رَحمۃُ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ واللہ! میں نے اس تھیلی کو کبھی اس سے پہلے دیکھا بھی نہ تھا، اس کو لے کر گھر واپس آیا عشاء کی نماز پڑھی اپنا وظیفہ پورا کیا، اس کے بعد اسی سوچ میں جاگتا رہا کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟ اسی میں میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور ہاتھ چومے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم[7] فرماتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تُو نے حج کیا، تو مانتا ہی نہیں۔ سُن بات یہ ہے کہ

حل لغات: (۱) دوگنا۔ (۲) اچھا بدلہ۔ (۳) مہربانی۔ (۴) کوشش۔ (۵) قبول۔ (۶) بھیڑ۔ (۷) مسکرانا۔

واقعات

جب تُو نے اس عورت پر جو میری اولاد تھی صدقہ کیا اور اپنا زادِ راہ[1] ایثار کر کے اپنا حج مُلتوی[2] کر دیا تو میں نے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے دعا کی کہ وہ اس کا نعم البدل[3] تجھے عطا فرمائے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر اس کو حکم فرما دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض[4] دیا کہ چھ سو درم کے بدلہ چھ سو دینار (اَشرفیاں) عطا کیں تو اپنی آنکھ کو ٹھنڈی رکھ، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے "مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ" ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، جب میں سو کر اُٹھا تو اس تھیلی کو کھولا اس میں چھ سو اَشرفیاں تھیں۔ [رشفۃ الساوی]

(۷۰) سید سَمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر میں اسی قسم کا دوسرا قصہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک سال حج کیا کرتے اور ایک سال جہاد کیا کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جب کہ میرا حج کا سال تھا، میں پانچ سو اَشرفیاں لے کر حج کے ارادہ سے چلا اور کوفہ میں جس جگہ اونٹ فروخت[5] ہوتے ہیں پہونچا، تا کہ اونٹ خریدوں، وہاں میں نے دیکھا کہ کوڑی[6] پر ایک بط[7] مَری ہوئی پڑی ہے اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہوئی اس کے پَر نوچ رہی ہے، میں اس عورت کے قریب گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا حرکت کر رہی ہے؟ وہ کہنے لگی: جس کام سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں، اس کی تحقیق کی کیا ضرورت؟ مجھے اس کے کہنے سے کچھ سوچ سا ہوا، تو میں نے پوچھنے پر اِصرار کیا۔ وہ کہنے لگی: تمہارے اِصرار نے مجھے اپنا حال ظاہر کرنے پر مجبور ہی کر دیا۔ میں سیدانی ہوں، میرے چار لڑکیاں ہیں، ان کے باپ کا ابھی انتقال ہو گیا ہے، آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں چکھا، ایسی حالت میں مُردار حلال ہے، میں یہ بط لے جا کر اُن لڑکیوں کو کھلاؤں گی۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے اپنے دل میں ندامت[8] ہوئی اور میں نے اس عورت سے کہا کہ اپنی گود پھیلا، اس نے پھیلائی، میں نے وہ پانچ سو (۵۰۰) اَشرفیاں اس کی گود میں ڈال دیں، وہ سر جھکائے بیٹھی رہی، میں وہ اَشرفیاں ڈال کر اپنے گھر چلا آیا اور حج کا ارادہ مُلتوی[9] کر دیا اور اپنے گھر واپس ہو گیا، جب حُجّاج فراغت کے بعد آئے، میں ان سے ملا، تو جس سے میں ملتا اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تمہارا حج قبول کرے، وہی یہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی حج قبول کرے اور جب میں کوئی بات کرتا تو وہ کہتے: ہاں ہاں! فلاں جگہ جب تم سے ملاقات ہوئی تھی، میں بڑی حیرت میں تھا، یہ کیا معاملہ ہے۔

میں نے رات کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبداللہ تعجب کی بات نہیں ہے، تو نے میری اولاد میں سے ایک مصیبت زدہ کی مدد کی تھی، میں نے

حل لغات: (۱) سفر کا سامان۔ (۲) کچھ دنوں کے لیے ٹھہر جانا۔ (۳) اچھا بدلہ۔ (۴) بدلہ۔ (۵) بکنا۔ (۶) پھینکنے کی جگہ۔ (۷) بطخ۔ (۸) شرمندگی۔ (۹) ٹال دینا۔

واقعات

اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ تیری طرف سے ایک فرشتہ مقرر کر دے، جو ہر سال تیری طرف سے قیامت تک حج کرتا رہے، اب تجھے اختیار ہے چاہے حج کرنا چاہے نہ کرنا۔ [رشفہ]

عُشّاق اور مُخلصین کے واقعات کی نہ کوئی حد ہے، نہ انتہا، پونے چودہ سو سال میں سے ہر سال میں کتنے عُشّاق اور مُخلصین ایسے ہوں گے، جن کے عجیب واقعات گزرے، کوئی لکھے تو کہاں تک لکھے، ستّر کا عدد احادیث میں بھی کثرت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اسی عدد پر اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔

البتہ ان واقعات میں تین امر قابلِ لحاظ ہیں۔

① اوّل یہ کہ یہ احوال اور واقعات جو گزرے ہیں، وہ عشق اور محبت پر مبنی ہیں اور عشق کے قوانین عام قوانین سے بالاتر[1] ہیں۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے		اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

عشق کے ضوابط[2] کسی اُصول کے ماتحت نہیں ہوتے نہ یہ پڑھنے لکھنے سے آتے ہیں، بلکہ عشق پیدا کرنے سے آتے ہیں۔ ع

مُحبّت تُجھ کو آدابِ مُحبّت خود سِکھا دے گی

اپنا کام کوشش اور سَعی کر کے اس سمندر میں کود پڑنا ہے، اس کے بعد ہر محنت آسان ہے اور ہر مشقت لذیذ ہے، ہر وہ چیز جو عشق سے بے بہرہ[3] لوگوں کے لیے مصیبت اور ہلاکت ہے، وہ اس سمندر کے غوطہ لگانے والوں کے لیے آسان اور لطف و فرحت کی چیز ہے، اس سمندر میں غوطہ لگانے والے انجام اور عَواقِب[4] کی مَصلَحت بینیوں[5] سے بالاتر ہوتے ہیں۔

عَبَث[6] ہے جستجو[7] بحرِ محبت[8] کے کنارہ کی!

بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہوجانا!

لہٰذا ان واقعات کو اسی عینک سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرنا چاہیے، لیکن جب تک عشق پیدا نہ ہو اس وقت تک نہ تو ان واقعات سے استدلال کرنا چاہیے اور نہ ان پر اعتراض کرنا چاہیے، اس لیے کہ وہ عشق کے غلبہ میں صادر[9] ہوتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص محبت کا پیالہ پی لیتا ہے، وہ مخمور[10] ہو جاتا ہے اور جو مخمور ہوتا ہے، اس کے کلام میں بھی وسعت آجاتی ہے، اگر اس کا وہ نشہ زائل[11] ہو جائے تو وہ دیکھے کہ جو کچھ اس نے غلبہ میں کہا ہے، وہ ایک حال ہے حقیقت نہیں اور عُشّاق کے کلام سے لذت تو حاصل کی جاتی ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ [اِحیاء: ۳]

حل لغات: ① بہت زیادہ بلند۔ ② قاعدے۔ ③ خالی۔ ④ نتائج۔ ⑤ مصلحت اور دنیوی فائدے پر نظر رکھنے والے۔ ⑥ بے کار۔ ⑦ تلاش۔ ⑧ محبت کے سمندر۔ ⑨ پیش آنا۔ ⑩ مست۔ ⑪ دور ہونا، ختم ہونا۔

دوسرا اَمر یہ ہے کہ ان قصّوں میں اکثر مواقع میں توکّل کی وہ مثالیں گزری ہیں، جو ہم جیسے نااہلوں کے عمل تو درکنار[1] ذہنوں سے بھی بالاتر ہیں، ان کے متعلق یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ توکّل کا منتہا[2] یہی ہے، جو ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ پسندیدہ بھی ہے اور اس کے کمال پر پہونچنے کی سَعی[3] اور کم سے کم تمنا تو ہونا ہی چاہیے، لیکن جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو، اس وقت تک ترکِ اسباب نہ کرنا چاہیے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبدالرحمن بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ توکّل کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر بہت بڑے اَژدہے کے منہ میں تو ہاتھ دے دے اور وہ پہونچے تک اس کو کھالے تو اس وقت بھی تجھے اللہ جلَّ شانُہٗ کے سِوا کسی کا خوف نہ ہو، میں اس کے بعد بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ان سے اس کے متعلق دریافت کروں، ان کے کواڑ[4] بند تھے، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اندر ہی سے جواب دے دیا کہ تجھے عبدالرحمن کے جواب سے کفایت نہ ہوئی، جو میرے پاس پوچھنے کے واسطے آیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کواڑ تو کھول دیجیے۔ فرمایا: تم اس وقت ملاقات کے لیے تو آئے نہیں، بات پوچھنے آئے تھے، اس کا جواب مل گیا اور کواڑ نہ کھولے۔ ایک سال کے بعد میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فوراً کواڑ کھول دیے اور فرمایا کہ اس وقت تم ملنے کے لیے آئے ہو۔ [روض]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اَسباب کا اختیار کرنا توکّل کے منافی[5] نہیں ہے اور اگر کوئی شخص خالص توکّل کا ارادہ کرے تو اس میں بھی مُضَائِقہ[6] نہیں ہے، بشرطیکہ مستقیم الحال[7] ہو، اسباب چھوڑ کر پریشان نہ ہو، بلکہ اللہ جلَّ شانُہٗ کے سِوا کسی دوسرے کا خیال بھی اس کو نہ آوے اور جن حضرات نے ترکِ اسباب کی مَذَمَّت[8] فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کا حق ادا نہیں کرتے، بلکہ دوسرے لوگوں کے توشہ[9] دانوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ [مرقاۃ: ۳]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اگر تم اللہ جلَّ شانُہٗ پر ایسا توکّل کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، تو تم کو ایسی طرح رزق عطا فرمائے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ جلَّ شانُہٗ کی طرف بالکلیہ[10] منقطع ہو جائے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور ایسی طرح روزی پہونچاتے ہیں کہ جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ مستغنی ہو، وہ ایسا بن جائے کہ اس کو اللہ جلَّ شانُہٗ

حل لغات: (۱) الگ رہا۔ (۲) کامل درجہ۔ (۳) کوشش۔ (۴) دروازہ۔ (۵) خلاف۔ (۶) حرج۔ (۷) اچھی حالت والا۔ (۸) برائی۔ (۹) یعنی مال ودولت۔ (۱۰) پورے طور پر۔

واقعات

کی عطا پر اس سے زیادہ بھروسہ ہو جتنا اس مال پر ہوتا ہے جو اپنے پاس موجود ہے۔ [إحیاء: ۴]

اس کا اندازہ دو قصوں سے ہوتا ہے، جو احادیث میں مشہور ہیں۔ ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے چندہ کیا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ گھر میں تھا، سب کچھ لے آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر میں کیا چھوڑا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حکایاتِ صحابہ میں یہ قصہ نقل بھی کر چکا ہوں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک سونے کی ڈَلی انڈے کے برابر پیش کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ ایک مَعدِن[۱] سے مل گئی، میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں اس کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا، ان صاحب نے دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح اِصرار سے پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتی تو زخمی کر دیتی اور یہ ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی اپنا سارا مال صدقہ کر دیتے ہیں، پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے واسطے بیٹھ جاتے ہیں۔ [ابوداؤد]

ان صاحب کا اعتمادِ[۲] علی اللہ اور توکُّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کیا ہو سکتا تھا، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سب کچھ قبول فرما لیا اور یہاں ناراضی کا اظہار فرمایا، اس سلسلہ میں ہمارے اکابر رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل بہت ہی عجیب اور پسندیدہ ہے اور وہ وہ ہے جس کو حضرت اقدس سَیِّدُ الطَّائِفَہ شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالہ میں تحریر فرمایا ہے، جس میں اپنے مُبَشِّرَات[۳] کو جمع کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اس کے چھوڑنے میں افضل چیز کون سی ہے؟ تو مجھ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے میرا قلب[۴] اسباب اور اولاد وغیرہ کی طرف سے بالکل سرد پڑ گیا، اس کے تھوڑی دیر بعد یہ حالت زائل[۵] ہوئی، تو میں نے اپنی طبیعت کو اسباب کی طرف مائل پایا اور اپنی روح کو اسباب سے ہٹا کر اللہ کو سونپ دینے کی طرف مائل پایا۔ [دُرِّ ثمین]

حقیقت میں یہ بہترین صورت ہے کہ اس میں وہ اِشکالات بھی پیدا نہیں ہوتے جو ترکِ[۶] اسباب میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غِنٰی[۷] مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ غِنٰی حقیقت میں دل کا غِنٰی ہے۔ [مشکوٰۃ]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ توکُّل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی

حل لغات: ① کان۔ ② اللہ پر بھروسہ۔ ③ خواب۔ ④ دل۔ ⑤ دور۔ ⑥ اسباب کا چھوڑنا۔ ⑦ بے پروائی، مالداری۔

مقدّمہ میں کسی ہوشیار ماہر تجربہ کار کو وکیل بنالے کہ وہ ہر چیز میں اس وکیل کی طرف رجوع کرتا ہے، لیکن اس کا یہ توکّل فانی[1] ہے، کسبی[2] ہے اس کو اپنے توکّل کا شعور اور احساس ہے۔ دوسرا درجہ جو پہلے سے اعلیٰ ہے، وہ ایسا ہے جیسا کہ ناسمجھ بچہ کا اپنی ماں کی طرف کہ وہ ہر بات میں اسی کو پکارتا ہے اور جب کوئی گھبراہٹ یا تکلیف کی بات اس کو پیش آتی ہے تو سب سے پہلے اس کے منہ سے اماں نکلتا ہے، ان ہی دونوں کی طرف حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے، جب کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ توکّل کا ادنیٰ[3] درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اُمیدوں کا ختم کردینا، پھر سائل[4] نے پوچھا کہ درمیانی درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اختیار کا چھوڑ دینا، پھر سائل نے پوچھا کہ اعلیٰ[5] درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کو وہ پہچان سکتا ہے جو دوسرے درجہ پر پہونچ جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تیسرا درجہ جو سب سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ اللہ جلّ شانُہٗ کے ساتھ ایسا ہوجائے جیسا کہ مُردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں کہ اس کی اپنی کوئی حرکت رہتی ہی نہیں، اسی درجہ پر پہونچ کر اللہ جلّ شانُہٗ سے مانگنے کا بھی محتاج نہیں رہتا، وہ خود ہی بِلا طلب اس کی ضروریات کا تکفّل[6] کرتا ہے، جیسا کہ نہلانے والا خود ہی میت کی ضروریات غسل کو پورا کرتا ہے۔　　[احیاء:۳]

اس پر یہ اشکال کہ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طریق اسباب کے اختیار کا تھا؛ صحیح ہے، لیکن حق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان وہی حالت تھی، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا: اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ان واقعات کی نوعیت[7] کے ہوتے تو اُمت بڑے سخت ابتلاء[8] میں پڑ جاتی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت پر شفقت کی وجہ سے اس کا بہت اہتمام تھا کہ ایسی چیز اختیار نہ فرمائیں جس میں اُمت کو مشقت[9] ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز نہ پڑھتے تھے اور میں پڑھتی ہوں، بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض عمل باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس کے کرنے کی ہوتی تھی، اس خوف سے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں اُمت پر فرض نہ ہوجائے۔　　[ابوداؤد]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا مطلب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھتے تھے اور میں پڑھتی ہوں، اہتمام اور دوام[10] ہے کہ جس شدت اہتمام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پڑھتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اہتمام سے نہ پڑھتے تھے، ورنہ بیسیوں روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاشت کی نماز پڑھنا وارد ہوا ہے اور یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحی فِداہُ وابی واُمی[11] اگر اتنے شدید اہتمام سے پڑھتے تو یہی چیز اس کو واجب

حل لغات: (۱) ختم ہونے والا۔ (۲) اپنی کوشش سے حاصل کیا ہوا۔ (۳) سب سے کم۔ (۴) سوال کرنے والا۔ (۵) سب سے بڑا۔ (۶) ذمہ داری اُٹھانا۔ (۷) قسم۔ (۸) آزمائش، مصیبت۔ (۹) تکلیف۔ (۱۰) ہمیشگی۔ (۱۱) میری جان اور میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان۔

واقعات

بنا دیتی، تراویح کے بارہ میں بڑی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند رات پڑھیں اور پھر چھوڑ دیں، صحابۂ کرام کو اس کا اشتیاق[1] اتنا بڑھا کہ حد نہیں، جب چند راتوں کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہیں لائے تو صحابۂ کرام کو یہ خیال ہوا کہ شاید نیند کی وجہ سے آنکھ لگ گئی، اس لیے ایسی چیزیں اختیار کیں جن کے بغیر جگائے آنکھ کھل جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری حرکتیں دیکھتا رہا اور میں بحمد اللہ اس رات میں غافل بھی نہ تھا، لیکن مجھے اس کے سوا کوئی چیز نکلنے سے مانع[2] نہ ہوئی کہ میں اس سے ڈرا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے، اگر تم پر فرض ہو جاتی تو اس کا نباہنا تمہیں مشکل ہو جاتا۔ [مشکوٰۃ، ابوداؤد]

اور جب یہ حالت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود خواہش کے عمداً[3] رخصت پر عمل فرماتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا ثواب بھی واجب اور عزیمت ہی کا ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سُنا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہوتا ہے، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، میں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو تمہیں کیا ہو گیا، انہوں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ سُنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہے، اب میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے صحیح سُنا، لیکن میں اس میں تم جیسا نہیں ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد کا مطلب کہ ”تم جیسا نہیں ہوں“ یہی ہے کہ میرے لیے آدھا ثواب نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع[4] ہے، اس میں علماء کا درجہ بھی مشائخ[5] سلوک سے ممتاز[6] ہے اور دونوں جماعتوں کی دو علیحدہ شانیں ہیں۔ ایک حدیث میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے اور اس کے پاس اور لوگ بھی ہوں تو وہ ہدیہ مشترک[7] ہے، اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور کس قسم کا ہدیہ اس سے مراد ہے اور محدّثانہ حیثیت سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، یہ مستقل بحثیں اپنی جگہ پر ہیں، لیکن اس حدیث کی بناء پر اہل علم کی زبان پر ”اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ“ ”ہدیہ میں شرکت ہے“ شائع[8] ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے کوئی ہدیہ بھیجا، حاضرین میں سے کسی نے مزاحاً[9] کہہ دیا کہ ”اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ“ ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ شرک ہی سے بچنے کے واسطے تو اتنے دنوں

حل لغات: (۱) شوق۔ (۲) رکاوٹ۔ (۳) جان بوجھ کر۔ (۴) بلند والا۔ (۵) بزرگان دین۔ (۶) الگ۔ (۷) جس میں سب شریک ہوں۔ (۸) مشہور۔ (۹) مذاق میں۔

سے مجاہدے کر رہے ہیں، شرکت ہمیں گوارا نہیں، یہ تمہاری نذر ہے اور جب وہ چیز ان سے نہ اُٹھی تو خادم سے فرمادیا کہ یہ ان کے گھر دے آؤ۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے ہدیہ بھیجا، وہاں بھی کسی نے مجمع میں سے کہا: "اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ"۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ہدیہ اس سے مراد نہیں ہے، یہ کہہ کر خادم سے فرمادیا کہ اس کو میرے گھر دے آؤ۔

علماء کا ارشاد ہے کہ دونوں قصے اپنی اپنی جگہ پر نہایت موزوں[1] ہیں، ایک زاہد بزرگ کی وہی شان تھی اور ایک فقیہ کے لیے یہی مناسب تھا، اس لیے کہ اگر یہ مشترک قرار دیتے تو فقہ کے اعتبار سے ایک امام کا مذہب بن جاتا اور امت کے لیے دِقّت[2] ہوتی۔

صاحب روض لکھتے ہیں کہ جلبِ مَنفعَت[3] اور دفع مَضرّت[4] کے اَسباب کا اختیار کرنا ہی طریقہ جمہور انبیا علیہم السلام اور جمہور اولیاء کا ہے لیکن اس سے ان اولیاء کرام پر جو مضرّتوں[5] سے نہ بچتے تھے اور اپنے لیے اسباب اختیار نہ فرماتے تھے؛ اعتراض نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شریعت مُطہّرہ پر چلانے والے تھے، اس لیے ایسے سہل[6] راستہ پر چلاتے تھے، جس پر عوام وخواص سب چل سکیں اور اگر قافلوں کا چلانے والا کسی ایسے مشکل راستہ پر قافلہ کو لے جائے جس پر وہ خود تو اپنی قوت سے چل سکتا ہو، لیکن قافلہ کی اکثریت اس راستہ کی مُتحمِّل[7] نہ ہو تو وہ قافلہ والوں کے اوپر مہربان شمار نہ ہوگا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی شان خود حق سُبحانہٗ وتقدّس نے یہ بتائی: ﴿ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ [سورۂ توبہ:۱۲۸] پوری آیت شریفہ کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے: "(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مَضرت کی بات نہایت گراں[8] گزرتی ہے، تمہاری مَنفعَت[9] کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، (یہ بات تو سب کے ساتھ ہے، پھر بالخصوص) مومنین کے ساتھ تو بڑے شفیق اور مہربان ہیں"۔ پس اگر قافلہ کے قوی لوگ کسی مصلحت سے سخت راستہ کو اختیار کرلیں، تو قافلہ کا لے جانے والا ان کو نہ روکے گا۔ [روض]

یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اماموں کو طویل[10] نماز پڑھانے پر نہایت شدت سے ڈانٹتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ جو امام بنے، وہ ضرور ہلکی نماز پڑھے اور جو اپنی تنہا نماز پڑھے وہ جتنی چاہے

حل لغات: (۱) مناسب۔ (۲) مشکل۔ (۳) نفع حاصل کرنا۔ (۴) نقصان کو روکنا۔ (۵) تکلیف۔ (۶) آسان۔ (۷) برداشت کرنے والا۔ (۸) بھاری۔ (۹) فائدہ۔ (۱۰) لمبی۔

واقعات

لمبی نماز پڑھے۔

تیسری بات جو ان واقعات میں قابلِ لحاظ ہے اور وہ بھی حقیقت میں پہلی ہی بات پر مُتفرّع[1] ہے، وہ یہ ہے کہ بعض واقعات میں ایسی شدت ملتی ہے، جو سَرسَری نظر میں اپنے آپ کو ہَلاکت میں ڈالنا ہے اور بظاہر یہ ناجائز معلوم ہوتا ہے، اس کے متعلق یہ بات ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ یہ واقعات بمنزلۂ دوا کے ہیں اور دوا میں طبیب[2] حاذِق بسا اوقات سنکھیا[3] بھی استعمال کرایا کرتا ہے، لیکن اس کا استعمال طبیب کی رائے کے موافق تو مناسب ہے، بلکہ بسا اوقات ضروری، لیکن بِدوں[4] اس کے مشورہ کے ناجائز اور موجب ہَلاکت، اسی طرح ان واقعات میں جن حاذق طبیبوں نے ان دواؤں کا استعمال کیا ہے، اُن پر اعتراض اپنی نادانی اور فن سے ناواقفیت[5] پر مَبْنی[6] ہے، لیکن جو خود طبیب نہ ہو اور کسی طبیب کا اس کو مشورہ حاصل نہ ہو، اس کو ایسے اُمور جو شریعت مُطَہَّرہ کے خلاف معلوم ہوتے ہوں، اختیار کرنا جائز نہیں ہیں۔ البتہ فن کے اَئمہ[7] پر قواعد سے واقف لوگوں پر اعتراض میں جلدی کرنا بالخصوص ایسے لوگوں کی طرف سے جو خود واقفیت نہ رکھتے ہوں غلط چیز ہے اور ہَلاکت میں اپنے آپ کو ڈالنا ہر حال میں ناجائز نہیں ہے، اگر دینی مصلحت اس کی مُتقاضی[8] ہو تو پھر مَباح سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ دو شخصوں پر بڑا تعجب فرماتے ہیں، یعنی اس سے بہت راضی ہوتے ہیں۔ ایک وہ شخص جو اپنے نرم نرم بستر پر لحاف کے اندر محبوبہ بیوی کے ساتھ لپٹا ہوا لیٹا ہو اور ایک دم بَشاشت[9] کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر نماز کے لیے کھڑا ہو جائے حق تعالیٰ شانُہٗ فرشتوں کے سامنے اس شخص پر تفاخُر[10] فرماتے ہیں۔

دوسرا وہ شخص جو ایک لشکر کے ساتھ مل کر جہاد میں شرکت کر رہا ہو اور وہ لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگے اور اس میں سے کوئی شخص بھاگنے میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خوف کرے اور تنِ تنہا واپس ہو کر مقابلہ کرے، حتیٰ کہ شہید ہو جائے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو! میرا یہ بندہ میرے انعامات میں رغبت اور میری ناراضی کے خوف سے لوٹا، حتیٰ کہ اس کا خون بھی بہا دیا گیا۔ [مشکوٰۃ]

اب یہ شخص جو تنہا لوٹا ہے ظاہر ہے کہ مَرنے ہی کے واسطے لوٹا ہے کہ جب پورا لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگا تو اس میں ایک آدمی کیا کر سکتا ہے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر تفاخُر فرماتے ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آدمیوں کی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے، جو اپنے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں رکھے، اللہ کے راستہ میں اس کی کمر پر اُڑا، اُڑا پھرے جہاں کہیں کوئی

حل لغات: (۱) ایک بات سے دوسری بات کا نکلنا۔ (۲) تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم۔ (۳) ایک قسم کا زہر۔ (۴) بغیر۔ (۵) جانکاری نہ ہونا۔ (۶) منحصر، موقوف۔ (۷) اماموں۔ (۸) تقاضا کرنے والی۔ (۹) چستی، خوشی۔ (۱۰) فخر کرنا۔

گھبراہٹ اور خوف کی بات سن لے فوراً اس کی طرف اڑ جائے، موت اور قتل کو ڈھونڈھتا پھرتا ہو، جہاں کہیں اس کا گمان ہو، وہیں پہونچ جائے۔ [مشکوٰۃ]

اگر یہ حضرات اللہ کے راستہ میں اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیں تو ان پر اعتراض مشکل ہے، بِالخُصوص جب کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد یہ بھی ہے: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ کامل جہاد کرنے والا وہ ہے، جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ [مشکوٰۃ]

دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ هَوَاهُ۔ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہش نفسانی سے جہاد کرے (اور اس کو مغلوب کرے)۔ [التشرف]

اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کا نام "جہادِ اَکبر" ہے، خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا گیا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہاد کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس کا حاصل آدمی کی سب سے زیادہ محبوب چیز جان کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور اللہ کی رضا کے واسطے اس پر سخت مشقتیں ڈالنا ہے اور اس جہاد سے بڑھ کر نفس کو طاعات کی پابندی پر مجبور کرنا ہے اور اس کو اس کی خواہشات سے بچانا ہے، اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔ "ہم لوگ چھوٹے جہاد سے اب بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ غزوہ کرنے والے حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بہت اچھا آنا آئے، کیونکہ جہادِ اَصغر سے جہادِ اَکبر کی طرف آئے یعنی مجاہدہ کرنا بندہ کا اپنی ہوائے نفسانی(۱) سے۔ [التشرف:۲]

پس اگر یہ حضرات اس جہادِ اکبر میں اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، دشمن کے مغلوب کرنے کے واسطے اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالنا باعثِ اَجر ہے، نہ کہ باعثِ اعتراض، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: أَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ [أخرجهُ البيهقي مرفوعًا كما في كنوز الحقائق. كذا في التشرف:۲] "تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے پہلوؤں کے درمیان میں ہے"۔

لہٰذا اس بڑے دشمن کو مغلوب کرنے کے واسطے بھوکا رہنا پیاسا رہنا، خطرات میں اپنے کو ڈالنا، مشقتوں کو برداشت کرنا، جہاں تک کسی دوسرے اہم دینی کام کے نقصان کا سبب نہ بنے مرغوب ہے۔

حل لغات: (۱) نفسانی خواہشات۔

واقعات

حق تعالیٰ شانہٗ ان مَرمِٹوں کے طفیل سے ان کے فیوض وبرکات کا کچھ حصہ اس ناپاک سیہ[1] کار کو بھی عطا فرمادے تو اس کی عطا وکرم سے بعید[2] نہیں کہ وہ کریم جس کو چاہے نواز دے۔

یہ رسالہ شوال ۱۳۶۶ھ میں نظام الدین کے قیام میں لکھا تھا، بعد میں اس میں ان حکایات کے اضافہ کا خیال ہوا، لیکن سہارن پور واپسی کے بعد مشاغل کے ہجوم[3] نے کئی ماہ[4] تک اس کو اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مُہلت نہ دی، آخر ربیع الثانی میں ان کے لکھنے کی نوبت آئی اور آج ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ جمعہ کو اس سے فراغت ہوئی۔ ناظرین سے اِستِدعا[5] ہے کہ کسی مبارک وقت میں یہ ناپاک یاد آجائے تو دعا سے مدد کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ تَمَّتْ۔

زکریا کاندھلوی،
مقیم مظاہر علوم، سہارنپور

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) مشکل، دور۔ (۳) بہت زیادہ کام۔ (۴) مہینہ۔ (۵) درخواست۔